فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۹ ۱۰ ۱۱

مصنف

سراج العلمأ زبدۃ الفضلأ حضرت مولانا شیخ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

نام کتاب فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان پارہ 11-10-9

مصنف حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی قدس سرہ

مترجم حضرت شیخ القرآن علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

مصحح الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور

سن طباعت 1992ء

ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاول پور (پاکستان)

باہتمام صاحبزادہ محمد عطاء الرسول اویسی

قَالَ الْمَلَأُ

پارہ نمبر ۹

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ

اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب! قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے

يٰشُعَيْبُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ

ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں

فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿۸۸﴾ قف قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى

آ جاؤ کہا کیا اگرچہ ہم بیزار ہوں ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے

اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا

اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا

مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا

اور ہم مسلمانوں میں کسی کا کام نہیں، کہ تمہارے دین میں آئے مگر یہ کہ اللہ چاہے

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا

جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب

افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾

ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ

اور اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیبؑ کے تابع

شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

ہوئے تو ضرور نقصان میں رہو گے تو انہیں زلزلہ نے آلیا تو صبح اپنے گھروں

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ

میں اوندھے پڑے رہ گئے شعیب کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے

يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

ہی نہ تھے شعیب کو جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ

تو شعیبؑ نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم! میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہارے

نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

بھلے کو نصیحت کی تو کیونکر غم کروں کافروں کا

تفسیر عالمانہ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ کہا ایک جماعت نے شعیب علیہ السلام کی اس قوم سے جنہوں نے سرکشی کی۔ یہ شعیب علیہ السلام کے مواعظ حسنہ سننے کے بعد کی بات ہے۔ یہ جملہ متانفہ ہے اور ماقبل کے مضمون کے بیان کے لئے ہے۔

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اے شعیب (علیہ السلام) ہم تمہیں اور تمہاری قوم کو نکال دیں گے والذین کے کاف خطاب پر عطف ہے اور یا شعیب معترضہ کے طور ہے جو معطوف و معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔

فائدہ حضرت شعیب علیہ السلام کو پہلے اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بعد میں ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اصل شعیب علیہ السلام ہیں اور ان پر ایمان لانے والے اُن کی فرع۔ چنانچہ لفظ معک سے واضح ہوتا ہے یہ لنخرجن سے متعلق ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ اے شعیب علیہ السلام ہم تمہیں اور تیرے متبعین کو ضرور نکالیں گے۔

مِنْ قَرْيَتِنَا اپنے دیہاتوں سے تمہارے ساتھ بغض و عداوت سے اور اس وجہ سے بھی کہ ہمارے علاقوں اور ہمارے ہمسائیگاں سے تمہارا شر و فساد ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ متکبرین اور سرکشوں کا یہی کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے بلند و بالا سمجھتے ہیں اور ان کے ذلیل ترین لوگ اشراف کو اپنے ہاں سے نکالنے کے پروگرام میں رہتے ہیں۔

نکتہ یہ صرف مالی دنیا کی وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا و دولت ہوگی تو اس سے عیش و عشرت اڑائے تو انہیں سرکشی اور تکبر کا اضافہ ہوا اس سے انکا ظلم و ستم عام ہو جاتا ہے۔

نکتہ دنیا ہر برائی کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا فتنہ تمام فتنوں سے عظیم تر ہے اس لئے کہ اس کے اہل کو اللہ تعالیٰ نے ہلاکت و فساد کا سبب بنایا۔ چنانچہ فرمایا وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا جب کسی علاقہ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مالداروں کو حکم دیتے ہیں الخ

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا

ایمن متوز عشوہ دنیا کہ ایں عجوز

مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: اس بوڑھی دنیا کے نازو نخروں کا خیال رکھو اس لئے کہ یہ مکارہ ہو کر آتی ہے اور حیلہ گر ہو جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا یا تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔ العود بمعنے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا۔

سوال شعیب علیہ السلام تو اُن کے دین پر نہ تھے پھر اُن کے لئے عود کا معنے کیسے صادق آئے گا؟

جواب عود کا اسناد شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع ہر دونوں کی طرف ہے اس معنے پر حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہوا ورنہ عقیدہ مسلم ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر صغائر (سوائے چند ایک کے وہ یہ کہ جس سے اُن کی نبوت و رسالت کے لئے عوام میں نفرت کا موجب کا نہ بنیں) اور کبائر سے منزہ اور پاک ہیں چہ جائیکہ اُن کی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ عود کا اسناد درحقیقت آپ کے اتباع کے لئے ہے آپ کا اسم گرامی تغلیباً لیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع کے ساتھ دو کاموں میں ایک ضرور ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصد اصلی یہی تھا کہ شعیب علیہ السلام اور اُن کے تبع کفر کو قبول کرلیں شہر بدر کرنے اور انہیں اپنے علاقوں کا نکالنے کا ذکر صرف دھمکی کے طور تھا۔ تاکہ وہ اس دھمکی سے ڈر کر مجبور ہو جائیں چنانچہ شعیب علیہ السلام نے اُن کی دھمکی کا کوئی جواب نہ دیا البتہ عود کے سوال پر کچھ گویا ہوئے۔ چنانچہ ابھی اُس کا ذکر آتا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ) گویا کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع سے کہا کہ ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔

ٹ یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اسمیں اشارہ ہے کہ وہی مالدار اس بستی کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔

سوال اولتعودن کے بجائے لنعیدنك "ہم تمہیں لوٹائیں گے کیوں نہ کہا؟

جواب کفار کا مقصد یہ تھا کہ وہ کفر میں خود بخود لوٹ آئیں اس لئے کہ انہیں شہر بدر کرنے کا پہلے خطرہ دلایا کہ اہل ایمان جب اپنی دو تکلیفیں سنیں گے تو اھون الشرین (دوسروں سے آسان) کو اختیار کریں گے اور ان کے لئے آسان یہی تھا کہ وہ کفر کی طرف عود کریں نہ کہ اپنے گھروں سے نکالے جائیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے نیک صرف نیکوں سے تعلق جوڑتے ہیں ایسے ہی اہل شر بھی اہل شر سے دوستی کا دم بھرتے ہیں ورنہ اگر ہمجنس نہ ملے تو اپنے لئے تنہائی کو ترجیح دیتے ہیں ؎

ہمہ مرغاں کنند باجنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز [1]

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہم جنس سے پرواز کرتے ہیں کبوتر کے ساتھ کبوتر باز کے ساتھ باز۔

تفسیر عالمانہ قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے باطل قول کی تردید اور ان کی دعوت کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ کیا ہم تمہارے دین کی طرف آسکتے ہیں حالانکہ ہم اس سے کراہت کرنے والے ہیں۔ یہ ہمزہ دقوع کے انکار اور نفی کے لئے ہے۔ واقع اور اس کے قبح کے انکار کے لئے نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ میں ہے۔ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ہم اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان تراشنے والے ہوں گے۔ اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ اگر ہم تمہارے دین میں لوٹیں یعنی شرک کریں اور شرط کا جواب محذوف ہے جیسا کہ ما قبل سے معلوم ہوتا ہے اِنْ عُدْنَا مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا عَظِيْمًا الخ (اگر ہم تمہارے دین میں لوٹیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات بخشی) تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہت بڑے جھوٹ کا افترا کریں گے۔ جیسا کہ تمہیں بدگمانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے حالانکہ اس کی مثل کوئی شے ہی نہیں اور اگر کہیں کہ جس دین پر ہم ہیں وہ باطل ہے اور اسے کا فرو جس دین پر تم ہو وہ حق ہے تو ہم افترا کرنے والے ہوں گے بلکہ اس سے بڑھ کر اور کونسا عظیم ترین افترا ہوگا وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اور ہمارے لئے بالکل ناموزوں ہے اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ یہ کہ کسی وقت ہم تمہارے دین وملت میں لوٹیں اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اجناس کے ملاپ سے دونوں کو نقصان پہنچتا ہے ؎

اہل را صحبت نااہل زیانہا دارد

آب در کوزۂ نا پختہ گل آلود شود

ترجمہ: بری صحبت نقصان پہنچاتی ہے کچے کوزے میں پانی گدلا ہو جاتا ہے۔

چاہے یعنی ہمارا لوٹنا مشیت الٰہی میں ہو (تو وہ الگ بات ہے) لیکن ہم سے بالارادہ یہ بالکل محال ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا نہیں اس لئے کہ شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اس کے بندوں کے ارتداد کی مشیت نہ ہو اسی طرح اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا کفر کی طرف لوٹنا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں۔ یا یہ معنے ہے کہ اگر وہ ہمیں رسوا کرنا چاہے (تو پھر تمہارے دین میں لوٹ سکتے ہیں)۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کفر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کا کفر کی طرف وقوع و امکان میں ہے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم کفر کی طرف لوٹیں ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پھر ہمارا لوٹنا ممکن ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کفر کی طرف لوٹا دے (اس کے اسباب و دلائل بتائے جا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا کفر کی طرف لوٹنا نہیں چاہتا۔

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (ہمارے رب تعالیٰ کا علم ہر شئے کو واسع ہے)۔ علمًا تمیزہ کی وجہ سے منصوب اور فاعلیت سے منقول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ماکان ما یکون کے تمام اشیا کو محیط ہے منجملہ اُن کے بندوں کے احوال و عزائم اور نیات اور پھر ان کے شان کے جو اُمور لائق ہیں سب کو جانتا ہے اس بنا پر محال ہے کہ وہ ہمارے لئے کفر کی طرف لوٹنا چاہے بعد اس کے کہ اس نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی علاوہ ازیں ہم اُس کے ارشاد کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ **عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا** صرف اسی پر ہم نے توکل کیا۔ وہی ہمیں) ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور شرارتوں سے بچائے گا۔

ربط حضرت شعیب علیہ السلام کفار کو مذکورہ جواب دے کر معاندین سے اعراض کر کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا **رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ** (اے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو کھول دے یعنی اُن کے اور ہمارے مابین فیصلہ فرمادے یعنی ایسے براہین و دلائل واضح فرما دے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہم میں حق پر کون اور باطل پر کون ہے یعنی ہم ہر دونوں فریقوں کا معاملہ صاف فرما دے۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ۔ اہل عمان کی لغت میں فاتح بمعنے الحاکم ہے اور اسے اس لئے فاتح کہتے ہیں کہ مشکلات کا حل اور جملہ امور کا فیصلہ کرتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فتح المشکل سے ہو۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی مشکل کو بیان کرے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہمارا معاملہ ظاہر کر دے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہم کون اور وہ کون ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمارے اور اُن کے مابین فیصلہ فرمادے تاکہ ہمارا انجام بخیر اور ہماری حقیقت اور اُن کا انجام برباد اور ان کا بطلان واضح ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ **وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ** اس کا عطف قال الملا الذین استکبروا پر ہے یعنی جب کفر پر بضد ہونے والے لیڈروں نے شعیب علیہ السلام اور اُن کے تابعداروں کو ایمان

پر ثابت قدم اور پختہ عزم دیکھا تو انہیں خوف ہوا کہ یہ استقامت اور دینِ حق کی پختگی دوسرے لوگوں کو بھی اُن کے دینِ حق کو قبول کرنے پر مجبور کر دے گی تو انہوں نے اپنی کافر قوم کو شعیب علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے قسم کھا کر تاکیدی طور کہا لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا۔ اگر تم شعیب علیہ السلام کی اتباع کرو گے یعنی اگر تم اپنے آباء کے دین کو چھوڑ کر شعیب علیہ السلام کے دین میں داخل ہو گے۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ تو بے شک تم خسارہ والے ہو گے یعنی دینی معاملہ میں تم خسارہ پاؤ گے۔ بایں معنی کہ تم آباء کے دین کو چھوڑ کر ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والے ہو گے یا یہ معنے ہے کہ تم شعیب علیہ السلام کا کہنا مانو گے تو تمہیں دنیوی کاروبار میں خسارہ ہوگا کہ وہ بھر تول میں کمی بیشی کی اجازت نہیں دیتے اور کاروبار اس کے بغیر نہیں چل سکے گا۔ بنا بریں معاملات کمزور پڑ جائیں گے تو تمہیں خسارہ ہوگا۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس انہیں سخت زلزلہ نے پکڑ لیا۔ (اسی طرح ہی سورہ عنکبوت میں ہے)۔

سوال سورہ ہود میں یوں ہے وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ اس طرح سے قول باری تعالیٰ میں تضاد پیدا ہو گیا اور یہ ناموزوں ہے؟

جواب صَيْحَةٌ سے جبریل علیہ السلام کی آواز مراد ہے اور یہ ابتدائی امر ہے اور وہ بھی اُن کی ہلاکت کا سبب بنا اور قاعدہ عام ہے کہ کبھی قریبی سبب کا ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی بعیدی کا۔ یہاں بھی وہی معاملہ ہے کہ سورہ ہود میں سبب قریبی کا ذکر ہے اور یہاں پر اور سورہ عنکبوت میں سبب بعیدی اس طرح سے تضاد نہ رہا۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابتداً اُن کی زمین کو زلزلہ آیا اور سخت گرمی پھیل گئی اور دوسری جانب ایک بادل نمودار ہوا اس بادل سے ٹھنڈک لینے کے لئے دوڑ پڑے جب اس کے نیچے آئے تو وہ بادل برسنے لگا اور اُدھر جبریل علیہ السلام نے سخت قسم کی چیخ ماری۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ پس ہوئے اپنے شہر میں۔ اور سورہ ہود میں فِيْ دِيَارِهِمْ جمع کے ساتھ ہے۔ اس سے تعداد امکنہ مراد ہے اور یہاں مجموعہ شہر مراد ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں کے قریب اس مذکورہ بالا سایہ کے نیچے مارے گئے۔ کما قال تعالیٰ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ تو انہیں یوم ظلہ کے عذاب نے پکڑا۔

جٰثِمِيْنَ ۝ درانحالیکہ وہ مرنے والے تھے اپنے منہ اور پر پڑے ہوئے اور گھروں کو پکڑنے والے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہم اپنے گھروں میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ مروی ہے کہ وہ اس بادل کے نیچے جل کر مر گئے تو اُن کی لاشیں جلنے کے بعد گھٹنوں کے بل زمین پر جلی پڑی نظر آتی تھیں۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جہنم کا دروازہ کھولا

تو اس کی گرمی نے اُن کے گلے گھونٹ دیئے پھر وہ گھروں کے اندر داخل ہوئے لیکن گرمی کی تپش سے نہ انہیں سایوں سے آرام اور نہ پانی سے سکون ملا۔ بلکہ گرمی انہیں جلائے جا رہی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک بادل ظاہر فرمایا جس کی بہتر خوشبو اور ٹھنڈک نے انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو ادھر بادل کی طرف چل پڑے اور ایک دوسرے کو اس بادل کی ٹھنڈی ہوا کے لئے بلاتے تھے جب اس بادل کے نیچے تمام مرد عورتیں اور بچے جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر آگ کی چنگاریاں برسائیں اور ادھر زمین سے جھٹکے لگے وہیں پر بھنی ہوئی مکڑی کی طرح جل کر راکھ ہو گئے اس بناء پر عذاب یوم الظلۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے عناد سے حق کو باطل اور باطل اور فلاح کو گھاٹا اور گھاٹے کو فلاح سے تعبیر کیا تو انہیں زلزلے نے گھیرا۔ پھر ان کی صورتیں اس تصور کے مطابق ہو گئیں اب وہ دیار اشباح میں اپنے ارواح گھٹنے کے بل ڈالنے والے ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا یہ جملہ متانفہ ہے اس سے ان کے قول **لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ** کی نحوست سے انہیں مبتلا کرنے کا بیان مطلوب ہے ان کے قول کے مطابق مقابلۃً انہیں سزا ملی۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر **کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا** (یکبارگی اُن کی ایسی جڑ اکھیڑ دی گئی کہ گویا وہ اس گاؤں میں کبھی ٹھہرے بھی نہ تھے) گویا انہیں اس قول کی سزا دی گئی کہ انہوں نے کہا کہ ہم شعیب علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اس گاؤں سے نکال دیں گے۔ اب اُن کے ساتھ وہ حشر ہوا کہ اس گاؤں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کا واپس لوٹنا ممکن ہی نہ رہا۔ المغنی بمعنے منزل اور المغانی بمعنے المنازل یعنی وہ منازل کہ جنہیں وہ ٹھہرتے تھے کہا جاتا ہے غنیا بمکان کذا (ہم اس میں ٹھہرے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مکذبین و متکبرین کو اگرچہ وقتی طور بہت بڑا غلبہ ہو لیکن اُن کی شان و شوکت چند دنوں کے بعد مٹ جاتی ہے اور اُن کا غلبہ ختم ہو کر ان کا نام و نشان تک نہیں رہتا اور اہل حق دائمی طور حق کے ساتھ غالب رہتے ہیں اور باطل اپنے جمیع شیون کے ساتھ افنا ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

یک منارہ در ثنائے منکراں
گو دریں عالم کہ تا شد فشاں
منبرے گو کہ برانجا مخبرے
یاد آرد روزگار منکرے
یار غالب شو کہ تا غالب شوی
یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

ترجمہ: منکرین عارضی تعریف سے انہیں کیا فائدہ۔ اسے کہہ دو کہ اس عارضی شان و شوکت پہ مغرور نہ ہو۔ مرنے کے بعد معلوم ہوگا غالب سے دوستی جوڑ غالب رہے گا۔ مغلوب کی دوستی نقصان دے گی۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ۝ یہ بھی جملہ متانفہ ہے اس میں بھی شعیب علیہ السلام اور اُن کے اتباع کے۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ کے قول کی سزا میں مبتلا ہونے کا بیان ہے یعنی جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارہ والے ہیں ان کے اپنے قول کے مطابق انہیں سزا میں مبتلا کیا گیا ہے کہ دنیا و دین کے لحاظ سے خسارہ پڑے۔ ان کو خسارہ نہ ہوا جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تابعداری کی۔

فائدہ یہاں پر کفار کی سزا پر اکتفا کرکے گویا تصریح ہوگئی کہ نجات صرف شعیب علیہ السلام اور اُن کے اتباع کو نصیب ہوئی۔ یہاں واضح تصریح نہیں جیسے ہود علیہ السلام کے واقعہ میں تصریح ہے کما قال تعالیٰ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جب ہمارا امر آیا تو ہم نے ہود اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ تو ان سے منہ پھیر کر فرمایا اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچائے اور تمہیں نصیحت بھی کی۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

فائدہ کفار فنا ہوگئے تو آپ نے شدت غم سے ان پر افسوس کیا۔ لیکن پھر فرمایا۔

فَكَیْفَ اٰسٰى تو میں کیوں افسوس کر رہا ہوں یعنی اُن پر میں کیوں سخت غمگین ہو رہا ہوں۔ یہ فعل مضارع متکلم اَسٰی سے مشتق ہے از باب علم یعلم بمعنے سدۃ الحزن۔ عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝ کافر قوم پر یعنی جو لوگ کفر پر تھے وہ غم و حزن کے اہل نہیں اس لئے کہ جو کچھ ان پر نازل ہوا وہ بوجہ کفر کے اور وہ اس کے مستحق تھے یا شعیب علیہ السلام نے بطور عذر فرمایا کہ انہوں نے ہماری تصدیق نہ کی پھر اُن پر غم کی ضرورت ہی کیا ہے اب معنے یوں ہوا کہ میں نے تبلیغ و انذار میں کوئی کمی نہیں کی اور نصیحت میں بھی بہت بڑی جدوجہد کی ہے لیکن انہوں نے میری تصدیق نہ کی فلہٰذا میں ان پر کس طرح غم کھاؤں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① چوں شوم غمگین کہ غم شد سرنگوں
غم شما بودید اے قوم حزوں

② کز مخواں اے راست خوانندہ مبیں
کَیْفَ اٰسٰی خَلْفَ قوم ظالمین

ترجمہ ① میں کیسے غم کھاؤں جب غم اوندھا ہوگیا تم غم کھاؤ اے بے وقوف قوم۔

۳ سیدھے کو ٹیڑھا نہ کہو اس پیغمبر کا قول یاد کرو انہوں نے فرمایا میں ظالم قوم پر کیسے غم کھاؤں۔

تفسیر صوفیانہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اپنی تبلیغ کے حقوق ادا کر دیئے اس لئے کہ انبیأ علیہم السلام کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور میں نے تمہیں فی سبیل اللہ نصیحت کی ہے پھر مجھے نہ تو تمہارے اقرار سے فائدہ ہے اور نہ انکار سے غم۔ اگر میری تبلیغ پر عمل کروگے تو تمہیں بہت بڑا فائدہ نصیب ہوگا اور اگر انکار کروگے تو عذاب میں مبتلا ہوگے۔ اعیان سے مالک اعیان اولیٰ ہے اس لئے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تمام مخلوق اُس کی ملک ہے وہ چاہے تو تمہیں ہدایت بخشے اور اگر چاہے تو گمراہ کر دے مجھے تمہاری کوئی فکر نہیں کفر کرو یا میرے ساتھ رہو۔

فائدہ اسمیں عدم و فقد و نفی یا کون و وجود کی وجہ سے اظہار تاسف نہیں اس لئے کہ ہر شے کا صدور حکیم اور علیم و خبیر سے ہو رہا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اپنی حکمتِ بالغہ سے کرتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ترجمہ: تاکہ تم اس پر غم نہ کھاؤ جو تمہارے سے رہ گیا اور اس پر خوشی نہ کرو جو تمہیں ملا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مقام فنائے کلی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ مرتبہ حضرات انبیأ علیہم السلام اور اولیاء کرام (علیٰ نبینا و علیہم السلام) کو نصیب ہوا۔

مسئلہ یاد رہے کہ محققین فرماتے ہیں کہ کفار و مشرکین رحمت الٰہی کے ہرگز مستحق نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں عذاب میں مبتلا کرنا ہے اور مبتلا بھی اُن کی غلطیوں کی وجہ سے کیا ہے اولے اُسے معلوم تھا کہ وہ اس عذاب کے مستحق بھی ہیں پھر ان پر رحم کرنے کا کیا معنے؟ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اللہ والے سیف بُرّاں کی طرح ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ طبعاً بڑے رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا لَا تَأْخُذْ بِهِمَا رَافَةً زانیوں پر رحمت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا شرع فتویٰ دہد بر ہلاک
الا تا ندری ز کشتنش باک

ترجمہ: جس کے قتل کرنے کا شریعت حکم دے تو اس کے قتل کرنے میں کوئی باک نہ سمجھو۔

اللہ تعالیٰ غیور ہے بندے کو بھی اسی سے غیرت نصیب ہوگی۔

مسئلہ بحکم شرع کسی پر غصہ کرنا اخلاق انبیأ علیہم السلام سے ہے اور اس طرح کا غصہ فراخ قلبی کے منافی نہیں اور نہ ہی اچھے اوصاف کے خلاف ہے اس لئے کہ احکام شرع کی پابندی طریقت کے دستور کے مطابق ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ امر الٰہی کے سامنے سر خم کرے (زبان و قلب سے) لِمَ لَا وَكَيْفَ یہ کیوں اور کس طرح کو دفع کرے اس لئے کہ جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ بندے کے ہاتھ میں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کہا کہ کیا تیرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو جائے

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ

اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ اس کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ

پکڑا کہ وہ کسی طرح زاری کریں پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی

الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

یہاں تک کہ وہ بہت ہو گئے اور بولے بے شک ہمارے باپ دادا کو رنج و راحت پہنچے تھے

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى

تو ہم نے انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ

مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کیے پر گرفتار کیا۔ کیا بستیوں

اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ

والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سوتے ہوں یا

اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب وہ کھیلتے ہوں

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں؟ تو اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر نہیں ہوتے مگر تباہی والے

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ اور ہم نے کسی شہر اور دیہات میں نہیں بھیجا "مِنْ" زائدہ ہے نَبِیٍّ کوئی نبی علیہ السلام جسے اس شہر و دیہات والوں نے جھٹلایا اِلَّآ مگر اَخَذْنَآ اَهْلَهَا ہم نے اس کے اہل کو پکڑا یہ استثنا مفرغ ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال مقدر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنَ الْقُرٰى لِمُهْلِكَةٍ نَبِیًّا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ الْمُكَذِّبِیْنَ فِیْ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ اِلَّا فِیْ حَالِ

کوئی نبی اور جملہ احوال میں کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ ہم ان کے اہل کو پکڑنے والے نہیں۔ بِالْبَاْسَآءِ پریشانی اور فقر کے ساتھ وَالضَّرَّآءِ اور ضرر اور نقصان اور بیماری سے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام ابتدًا ہی اخذ مذکور کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخذ انہیں انبیاء علیہم السلام ابتدًا ہی اخذ مذکور کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخذ انہیں انبیاء علیہم السلام کو نہ ماننے اور اُن کی عزت و احترام نہ کرنے پر کفر کی وجہ سے ایسا لازم ہوا کہ قیامت تک انہیں غیر منفک (جدا نہ ہونیوالا) ہیگا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ تاکہ وہ تضرع اور عجز و زاری ظاہر کریں۔ یعنی تکبر اور غرور کو دُور کریں۔ اس لئے کہ سختی بالخصوص بھوک تو اضع پیدا کرتی ہے اور اکثر بندوں کے لئے یہی علاج نہایت موزوں رہتا ہے کہ کوئی بستی جھٹلائے ہوئے نبیوں میں سے کوئی نبی اور جملہ احوال میں ... بھوک انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔

فائدہ بلاغات الزمخشری میں ہے "مرض اور ضرورت اندرائن کے پیلے پتوں سے زیادہ کڑوی ہیں حنظل اور اس کے پتے عام پتوں سے زیادہ کڑوا ہوتا ہے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا اس کا عطف اخذنا پر اور اسی کے حکم میں داخل ہے یعنی ہم نے تبدیل کیا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ اُن کی بُرائی کے بدلے جو انہیں پہنچی۔ اَلْحَسَنَةَ نیکی سے یعنی مصیبت اور تکالیف کے بجائے کہ جس میں وہ مبتلا تھے ہم نے انہیں خوشحالی اور فراخدستی عطا فرمائی۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو نعمت سختی اور تنگی کے بعد نصیب ہو وہ فرمانبرداری کی داعی بنتی اور شکر گذاری میں مشغول رکھتی ہے۔

سوال شدہ کو سیئۃ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب چونکہ شدۃ تنگی میں ڈالتی ہے جیسے خوشحالی کو حسنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ خوشحالی کا اثر انسان کے ظاہر پر ہوتا ہے۔ ورنہ سیئہ تو ایک قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا اسناد نامناسب ہے۔

فائدہ حسنہ اور سیئہ الفاظ متنبعہ سے ہیں کہ موصوف مفرد ہو یا جمع وہ ہر طرح وارد رہیں گے۔

فائدہ یہ دونوں ثواب اور خوشحالی اور تنگدستی پر مستعمل ہوتے ہیں۔

حَتّٰى عَفَوْا یہاں تک کہ وہ کثیر التعداد ہو گئے اور نعمت اور خوشحالی نے انہیں تکبر پر اکسایا۔

حل لغات عفو بمعنے کثرت بھی مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عفا النبات" یہ اس وقت بولتے ہیں جب انگوری

(بقیہ صفحہ) اس نے کہا دل تو چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا دل سے دنیا و آخرت کی ہر شے کی رغبت ہٹا دینے کا نام ولایت ہے اور اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کر دے اور دِل کو اسی کی طرف متوجہ کر دے اس طرح سے اللہ تعالیٰ بندے کی طرف توجہ فرما کر اپنا ولی بنا دیتا ہے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مطمح نظر نفس پروری اور شہوت رانی ہو تو اسے حق کا ملنا محال ہے اور نہ ہی اس کی دوستی نصیب ہوگی اور نہ ہی کسی حال و مقام پر اللہ تعالیٰ کی اُسے کو توجہ حاصل ہوگی۔

بڑھ کر گھنی ہو جائے اسی مادہ سے ہے" اعفاء اللحی" داڑھیوں کا بڑھانا۔

حدیث شریف احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ" داڑھیوں کا بڑھانا۔ شاعر نے کہا ؎

عَفَوا مِنْ اَخلال و کانوا
زمانا لیس عندھم بغیر

ترجمہ: وہ لوگ بہت عرصہ جنگلوں میں رہے لیکن اُن کے ہاں ایک اونٹ بھی نہ تھا۔

فائدہ یہاں بھی عفو بمعنے کثرت کے مستعمل ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا انہیں چونکہ مصائب میں گھر جانے کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے بنا بریں کہہ دیا قَدْ مَسَّ اٰبَاءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ جیسے ہمیں دُکھ سکھ پہنچا ایسے ہی ہمارے آباؤ اجداد کو بھی پہنچا تھا۔ زمانہ کی اسی طرح عادت ہے کہ کبھی دُکھ کبھی سُکھ دیتا ہے۔ ہمارے آباء اس دین پر مضبوط رہے باوجودیکہ انہیں سخت سے سخت تکلیفیں پہنچیں فلہٰذا تم بھی اپنے دین پر ڈٹے رہو سر مُو اِدھر اُدھر نہ جاؤ فَاَخَذْنٰهُمْ پس ہم نے ان کی گرفت کی۔ بَغْتَةً" اچانک یعنی سخت سے سخت اُن کی اچانک گرفت ہوئی۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ نزول عذاب کو سمجھتے نہ تھے بلکہ اتنے سخت مصائب و تکالیف کے باوجود ذرا بھر بھی خیال میں نہ لائے حالانکہ اچانک دی ہوئی سزا سخت تکلیف دہ اور بہت بڑی پریشانی کا موجب ہوتی ہے اس لئے کہ تکلیف اور مشقت سے پہلے کچھ آثار محسوس ہوں تو اس سے اپنے آپ کو تسلی وغیرہ دینے کا موقع مل جاتا ہے لیکن جو مصائب اچانک واقع ہوں اُن کا کیا علاج۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اور اگر دیہاتوں والے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذاب میں مبتلا ہوئے (چنانچہ مضمون کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے)۔ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا کفر کے بجائے ایمان لائیں اور معاصی کے ارتکاب کے بجائے نیکی کریں۔ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتیں کھول دیں گے یعنی ان پر ہر بھلائی فراواں کر دیں گے اور ان پر جتنا عذاب نازل فرمائے ان کے بجائے زمین کے ہر کونے سے اور آسمان کے ہر گوشے سے اُن کے لئے رزق کا حصول آسان کر دیں گے۔

فائدہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ برکات من السماء سے بارش اور برکات الارض سے کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ کے ثمرات کی فراوانی مُراد ہے۔

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا بوجہ اس کے کہ وہ کفر و معاصی کے مرتکب ہوئے۔

نسخہ فراوانی رزق آیت سے ثابت ہوا کہ ذکر و فکر سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور حلال رزق کی فراوانی انسان کی سعادت کی علامت ہے۔

سوال دوسری آیت میں تو وسعت رزق کفر کی علامت بتائی گئی ہے کما قال لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن بیوتھم سقفا من فضۃ ہم نے رحمٰن کے منکرین کے گھر سونے کے بنا دیئے۔

جواب کافر اور ناشکر انسان کے لئے وسعت رزق وبال اور موجب عذاب ہے (اسی لئے اُسے مہلت دی جاتی ہے)۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے میرے احکام کی پابندی اور میری مخالفت سے احتراز کریں یا میری سرزنش کا خوف رکھیں تو میں ان کے دلوں کو اپنے مشاہدات سے منور فرما دوں گا (آیت میں برکات من السماء سے یہی مراد ہیں) اور اُن کے اعضاء کو اپنی خدمت میں لگا دوں گا۔ برکات الارض سے یہی مراد ہے ؎

(۱) درزمین و آسمان دریائے جود
می کشاید از پئے اہل سجود

(۲) از زمین پر اطاعت باز کن
بر سمائے معرفت پرواز کن

ترجمہ (۱) آسمان و زمین کے جود و سخا کے دروازے اہل سجود پر کھول دیتے ہیں۔
(۲) زمین کو اطاعت سے پُر کر پھر اس سے آسمان پر پرواز کر۔

سبق اہل سجود کے لئے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اے برادر تم زمین پر عبادت کرو۔

تفسیر عالمانہ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے۔ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور اُس کی قباحت بیان کرنے کے لئے ہے۔ وقوع کے انکار اور اس کی نفی کے لئے نہیں اور اس کی فاء عاطفہ ہے فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً پر عطف ڈالا گیا ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہو کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تکذیب کرنے والے اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ بے خوف ہیں۔ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا تاکہ ان پر ہمارا عذاب آئے۔ بیاتًا رات کے وقت وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ اور وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہوں انہیں غفلت کی وجہ سے اس عذاب کا شعور بھی نہ ہو۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی یا بستیوں والے نہیں ڈرتے یعنی شہروں والے خوف ہیں اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی کہ ان پر عذاب دن چڑھے آئے۔ ضحی بمعنے ضحوۃ الکبریٰ جسے فارسی میں چاشت کا وقت کہا جاتا ہے جب سورج اونچا ہو اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔ وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ وہ کھیل رہے ہوں یعنی فرط غفلت میں منہمک ہوں کہ اس سے انکا نہ دنیوی فائدہ ہو اور نہ دینی۔ یا وہ ایسے امور میں مشغول ہیں کہ اُن سے انہیں کسی قسم

کا فائدہ نہیں اس لئے کہ جو آخرت کے معاملہ سے روگردان ہو کر دنیوی امور میں منہمک ہو جائے تو وہ فضول کھیل میں مشغول والے کی طرح ہے۔

فائدہ آیت سے نتیجہ نکلا کہ جو رسل کرام کی تکذیب کرتا ہے اُسے عذاب الٰہی سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے کسی وقت بھی وہ عذاب میں ضرور مبتلا ہوگا دن میں یا رات کو۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج کیا وہ اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ تدبیر سے بے خبر ہیں۔ یہاں پر مکر اللہ سے بندے کو مہلت دینا اور اُس کی ایسی گرفت مراد ہے جو بندے کو معلوم نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ دونوں وقتوں میں کسی وقت بندے کو عذاب میں مبتلا کر دے تو اس سے کون پوچھ سکتا ہے۔ پھر بندہ غفلت میں کیوں۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ عذاب کو مکر سے تعبیر کرنا مجازاً اور استعارۃً ہے۔ اس لئے کہ مکر کرنے سے مکر کئے ہوئے پر ایسے طریق سے وار دہوتا ہے کہ وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے۔

مسئلہ اس سے مکرو فریب عرفی معنے مراد لینا ناجائز ہے اور عرف میں مکر یہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور اسے منافقت کہا جاتا ہے[1])

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ یہ فا شرط محذوف کی جزا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا اور گرفت میں خفیہ تدبیر کا یہ حال ہے تو اُس کی اس خفیہ تدبیر سے نڈر نہیں۔ **اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ع** مگر تباہی والی قوم یعنی وہ لوگ جو نفع اُٹھانے والے نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ خاسرین سے یہاں مجرم و عاصی مراد ہیں یا یہ معنے ہے کہ مجرم گنہگار ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہیں ورنہ انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں اس لئے اُن سے معاصی کا صدور نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اہل قہر سے قہر کے ساتھ اور اہل لطف سے لطف کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے صرف اہل قہر ہی نڈر ہیں جو سعادتِ دارین کی محرومی سے خسارہ میں ہیں اور اہل لطف کے لئے خسارہ کا یہ معنٰی ہے کہ دنیا و عقبٰی کی لذتوں سے محروم ہیں انہیں صرف آقا و مولیٰ کے مشاہدہ کا نفع کافی ہے۔ اس معنے پر اہل اللہ عذاب سے بے خوف ہیں اس لئے کہ اُن سے خفیہ تدبیر الطاف کریمانہ کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ** اُن کے لئے امن اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اس معنٰی پر فرمایا **وَهُوَ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ** اس لئے کہ یہ مکر اُن کے استحقاق کے مطابق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اہل قہر تو قہر کے مستحق ہیں

(باقی صفحہ ۱۶)

---

[1] جیسے شیعہ کا تقیہ اعتقادی اور دیوبندیوں وہابیوں کا تقیہ عملی۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ

اور کیا وہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی

لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ج وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ

کہ ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کرتے ہیں کہ وہ کچھ

لَا يَسْمَعُونَ (١٠٠) تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ج وَ

نہیں سنتے یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور

لَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ج فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا

بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس قابل ہوئے کہ وہ اس

كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ط كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ (١٠١)

پر ایمان جسے پہلے جھٹلا چکے تھے اللہ یونہی چھاپ لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ج وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ

اور ان میں سے اکثر کو ہم نے قول کا سچا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو بے حکم ہی

لَفَاسِقِينَ (١٠٢) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ

پایا پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ

بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ج فَانْظُرْ كَيْفَ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان نشانیوں پر زیادتی کی تو دیکھو

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (١٠٣) وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي

کیسا انجام ہوا مفسدوں کا اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالم

رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (١٠٤) حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ

کا رسول ہوں مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر

إِلَّا الْحَقَّ ط قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي

سچی بات میں تم سب کے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں

اِسْرَآئِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ

تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے۔ بولا اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا وہ فوراً ایک ظاہر اژدہا

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

ہوگیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے جگمگانے لگا

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اور کیا وہ زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی۔

سوال لَمْ يَهْدِ فعل (ہدایت) کو لام سے کیوں متعدی کیا گیا؟

جواب یہاں پر ہدایت تبیین کے معنے میں ہے اور تبیین کا صلہ لام آتا ہے اور اس کا مفعول محذوف اور اس کا فاعل اَنْ لَّوْ نَشَآءُ الخ ہے۔

اب آیت کا معنے یوں ہوا کہ زمین کے مالکوں کے بعد یہی لوگ وارث ہوئے۔ زمین کے مالکوں سے وہ انہیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے فنا و برباد ہوئیں۔ پھر یہی لوگ ان کے وارث ہوئے اور وارثین سے اہل مکہ

(بقیہ صد ۱۶ سے)

اور اہل لطف لطف کے۔

فائدہ یاد رہے کہ آیت میں خفیہ تدبیر صرف کفار کے لئے ہے ورنہ اہل اللہ تو لطف کے مستحق ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کو تو دنیا میں ہی امن و سلامتی کا مژدہ بہار سنایا گیا ہے کما قال لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ان کے لئے دنیا و آخرت کی خوشی ہے۔ بلکہ دنیا و آخرت میں ان کے لئے امن ہی امن ہے چنانچہ ان کے حق میں فرمایا لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ لیکن وہ اس امن و سلامتی کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ چھپانے پر مامور ہیں انہیں اپنی امن و سلامتی کا علم ہوتا ہے اور وہ دوسروں کے متعلق خبر دینے پر مامور نہیں ہوتے۔ البتہ حضرات انبیاء علیہم السلام ایسی سلامتی کے اظہار کے مامور ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ شرعی امور کے اظہار کے لئے تشریف لائے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو عقیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً امن و سلامتی ہے یہ اس لئے کہ عوام کو اگر یہ عقیدہ سامنے نہ ہو تو وہ انبیاء علیہم السلام پر کیسے ایمان لائیں گے اور ان کی دعوت کس طرح قبول کر سکتے ہیں جب تک انہیں اپنے قائد پر امن و سلامتی کا یقین نہ ہو۔

اور اُس کے گردو نواح کے لوگ مراد ہیں اور اَوَلَمْ یَھْدِ بمعنے یَتَبَیَّنَ الخ ہے یعنی انہیں تاحال اُن برباد و تباہ شدہ لوگوں کے حالات واضح نہیں ہوئے کہ وہ اُن کے طریقے پر چل پڑے ہیں" اَنْ "یہ اَنْ مخففہ ہے یعنی شان یہ ہے کہ لَوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ (اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں) یعنی اُن کے گناہوں اور غلطیوں کی سزا کی وجہ سے یعنی جیسے اُن سے پہلے گذرنے والوں کو ہم نے گناہوں اور خطاؤں کے سبب سے عذاب میں مبتلا کیا انہیں بھی مبتلا کریں گویا یہاں پر لفظ سبب مضاف محذوف ہے۔

فائدہ مفتی چلپی مرحوم فرماتے ہیں کہ اگر اَصَبْنَا بمعنے اَھْلَکْنَا ہو تو مضاف محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔

وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اس کا اَوَلَمْ یَھْدِ الخ پر عطف ہے گویا یوں کہا گیا کہ وہ ہدایت نہیں پائیں گے اور سزا کے طور ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیں گے۔ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ہ پس وہ کچھ نہیں سنتے۔ یعنی ہلاکت و تباہی والی قوموں کے حالات سنتے ہی نہیں۔ جب سُننا گوارا ہی نہیں کرتے تو پھر ان کے حالات پر غور و فکر کر کے ان سے عبرت پکڑ کر کس طرح ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

فائدہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سے دل کا کان فائدہ اُٹھاتا ہے یہ آب و گل سے بنا ہوا کان اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اُٹھاتا۔

(۱) ایں سخن را گوشِ دل باید شنود
گوشِ گل اینجا ندارد ہیچ سود

(۲) گوشِ سر با جملہ حیواں ہمدم است
گوشِ سر مخصوص نسل آدم است

(۳) گوشِ سر چوں جانب گوینده است
گوشِ سر سہلت اگر آئندہ است

ترجمہ: (۱) اس سخن کو دل کے کان سے سننا چاہیئے مٹی کے کان کا یہاں کوئی کام نہیں۔
(۲) سر کا کان تو تمام حیوانات میں ہے لیکن دل کا کان صرف انسان کا خاصہ ہے۔
(۳) سر کا کان صرف اپنی جانب کی بات سنتا ہے گوشِ دل ہر طرف سے آنے والی بات آسان ہے

تِلْکَ الْقُرٰی یہ نام عہد کا ہے اس سے وہ امتیں مراد ہیں جو سابقہ زمانہ میں تباہ و برباد ہوئیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ نَقُصُّ عَلَیْکَ یعنی یہ وہی بستیوں والے ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآئِھَا یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی اُن کی وہ بعض خبریں جن میں وعظ و نصیحت ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ یہ یا تو فعل مذکور کے ساتھ متعلق ہے اس لحاظ سے یہ نا تعدیہ کی مُتَلَبِّسِیْنَ ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور وہ فعل مذکور

کے فاعل سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے مُلْتَبِسِیْنَ (بِالْبَیِّنٰتِ) اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ بخدا۔ ان تمام ہلاک و برباد شدہ امتوں میں سے ہر ایک امت کے ہاں اُن کے رسول بہت بڑے معجزات دبینات لائے جو انہیں وہ معجزات وبینات اپنی رسالت و نبوت کی تصدیق کے لئے دکھلاتے جو اُن امتوں کے ایمان کی پختگی کا سبب بنتے ہیں۔ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا تو اس شان کے لائق نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے یعنی جب واضح ہوگئی اور اُن کے سامنے دلائل روشن ہوئے تو انہیں چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے۔

بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ یہ بالیُؤْمِنُوْا کا صلہ ہے یعنی انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات لانے سے پہلے ہی تکذیب کی اور پھر اس پر انہوں نے مداومت کی۔

فائدہ تکذیب سے وہ عقائد و اصول شرائع مراد ہیں جن پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق رہا یعنی توحید اور اس کے لوازمات۔

فائدہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے اُن کی تکذیب کا یہ مطلب ہے کہ وہ جاہلیت میں ایسے گرفتار تھے کہ توحید کا کلمہ اُن کے کانوں تک نہیں پہنچا تھا۔ بلکہ جس سے بھی توحید کے متعلق کچھ سنتے تو اسے جھٹلاتے۔ اسی طرح انبیاء علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی اُن کی وہی حالت رہی کہ جونہی انبیاء علیہم السلام نے توحید کا نام لیا تو انہوں نے حسب عادت ان کے پیغامات کو ٹھکرا دیا گویا اُن کے عوام کی تبلیغ کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہی نہیں۔

فائدہ یا اُن کے ایمان نہ لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی غلط روش پر مصر تھے اور بما کذبوا من قبل الخ سے بھی یہی مراد ہے کہ اُن کی تکذیب کا یہ سلسلہ غیر منقطع تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے لے کر تا دم زیست اُن کی حالت یکساں رہی اب آیت کا مطلب یوں ہوا کہ اُن کی تکذیب پر ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے سے پہلے پھر تادم زندگی اس تکذیب پر ڈٹے رہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ ذرہ برابر اُن پر اثر انداز نہ ہوئی اور نہ ہی آیات و معجزات سے کچھ فائدہ پایا۔ اس معنے پر اُن کی تکذیب سے جمیع انبیاء علیہم السلام کے جمیع عقائد و اصول و فروع مراد ہوں گے بہرحال ہر دونوں تقریروں پر تمام ضمائر کا مرجع ایک ہوگا یعنی کفار و مکذبین۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کذبوا کی ضمیر اُن کے اسلاف کی طرف لوٹتی ہے اب معنٰے یہ ہوا کہ اُن کے اسلاف نے جس کی تکذیب کی تو اب اُن کی اولاد اس قابل نہیں کہ اپنے اسلاف کی تکذیب کردہ اُمور پر ایمان لائیں حضرت ابوسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ معنٰے بعید از مقصد ہے۔

اقول فقیر صاحب روح البیان کہتا ہے کہ اگرچہ ضمائر کا مرجع ایک ہو تو بھی معنیٰ میں خلل اس لئے نہیں کہ حقیقی مکذب تو ان کے آباء و اجداد تھے لیکن اُن کی طرف تکذیب کا اسناد اُن سے متصل ہونے یا اُن کی کارکردگی پر رضامندی کی وجہ سے ہے جب اس معنیٰ میں کسی قسم کا خلل نہیں اس لئے کہ اس کی نظیر سورۃ بقرہ میں گذری ہے کہ مخاطب ان بنی اسرائیل کو بنایا گیا ہے جو حضور علیہ السلام کے معاصرین تھے حالانکہ ان اُمور کا ارتکاب اُن کے آباؤ اجداد نے کیا وہاں بھی یہی تقریر کی گئی۔ چونکہ

یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے کردار پر راضی تھے۔ بنا بریں ان اُمور کو انہی کی طرف منسوب کیا گیا۔

کَذٰلِكَ محلاً منسوب اور مفعول ہے یَطْبَعُ اللّٰہُ یعنی محکم اور شدید مہر کی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ ہ مذکور کا فروں وغیرہم کے دلوں پر۔ اسی لئے ان پر آیات اثر انداز نہیں ہوتے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ماقبل کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ امتوں کے کفار کے دلوں پر مضبوط مہر لگائی اسی طرح ان کے دلوں پر بھی سخت مُہر لگا دی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایمان کی دولت سے محروم رہیں گے۔ وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِھِمْ اور ان کے اکثر کو ہم نے نہیں پایا۔ یہاں پر وَجَدْنَا بمعنے صادفنا ہے مِّنْ عَھْدٍ؟ یہ من زائدہ ہے جو مفعول پر واقع ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے اس لئے کہ صرف عہد کی نفی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ وفائے عہد کی نفی سے معنے صحیح ہوجاتا ہے یعنی ہم ان کے اکثر کو ایفائے عہد میں پختہ نہیں پایا بلکہ ایسے لوگ دُکھ اور سُکھ کے وقت اللہ تعالیٰ کے تمام کئے ہوئے وعدے توڑ دیتے ہیں۔ بلکہ جب انہیں تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم نے اس سے نجات پائی تو ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بن جائیں گے لیکن اس کے بعد پھر اسی طرح کافر رہتے۔

سوال اکثر کی قید کیوں؟

جواب اس لئے کہ اُن کے بعض ایفائے عہد میں پختہ تھے اور ان کافروں کے بعض تو ایسے بدبخت تھے کہ سرے سے معاہدہ ہی نہ کرتے۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں وجدنا بمعنے علمنا ہو اور من عہد کا مفعول اول اور لاکثرہم اُس کا مفعول ثانی ہے۔ وَاِنْ یہ ان مخففہ ہے یعنی اور بیشک شان یہ ہے کہ وَّجَدْنَآ اَکْثَرَھُمْ لَفٰسِقِیْنَ ہ ہم نے اُن کے اکثر کو فاسق پایا۔ یعنی طاعت سے خروج کرنے اور وعدے توڑنے والے۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام مترجم فتوحات مکیہ شریف کے آخر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا کہ جو تمہارے ہاں اُمید لے کر آئے اسے نا اُمید نہ کرنا اور جو بھی تمہاری پناہ مانگے اسے پناہ دینا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سیر و سیاحت کے لئے گھر سے باہر کہیں جا رہے تھے کہ اچانک آپ کے کاندھے پر ایک کبوتر آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد فوراً ایک باز آکر آپکے دوسرے کندھے پر آبیٹھا تو کبوتر مونڈھے سے اُٹھ کر آپ کی آستین میں چھپ کر کہنے لگا کہ حضرت مجھے پناہ دیجئے۔ یہ سُن کر باز نے بھی بزبان فصیح عرض کی کہ حضرت عمران کے صاحبزادے مجھے بھی محروم نہ فرمایئے اور میرے رزق میں رُکاوٹ نہ ڈالئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ششدر و پیچ میں تھے کہ یا الٰہ العٰلمین مجھے کس امتحان میں ڈال دیا۔ آپ نے فوراً اپنی ران کا گوشت کاٹنے کا ارادہ فرمایا تاکہ باز کو غذا پیش کریں اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دونوں وعدے پورے ہوں کہ کبوتر کو بھی پناہ نصیب ہوجائے اور باز کی امید بھی پوری ہو جب باز اور کبوتر نے آپ کو اپنے عزم میں بالجزم پایا تو دونوں نے بیک زبان کہا حضرت عجلت مت کیجئے ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہم آپ کی آزمائش کے لئے حاضر ہوئے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ اپنے امتحان میں کامیاب ہیں

ایا سا معا یسی السماع بنافع
اِذَا اَنْتَ لَمْ تفعل فما انت سامع
اِذْا کنت فِی الدُّنیا عَنْ خیر عاجِزًا
فما انت فی القیامۃ صالح

ترجمہ: اے سُن کر عمل نہ کرنے والے تیرا صرف سُننا تجھے کیا فائدہ دے گا جب تو سُن کر عمل نہیں کرتا۔
جب دنیا میں تیری یہ حالت ہے کہ نیک عمل کرنے سے عاجز ہے تو پھر قیامت میں کیا کرے گا۔ (یعنی سخت سزا پر تیرا کیا عذر ہو گا)

فائدہ انبیاء علیہم السلام وعدوں پر قائم رہتے اور فاسقوں کے عہد توڑتے ہیں کسی کو کلام نہیں البتہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو ایمان دار اور فرمانبردار ہونے کے مدعی ہو کر پھر کبھی ایک دن بھی ایفائے عہد پر پورے نہیں اترتے۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

وفا مجو زکس ور سخن نمی شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا مباش

ترجمہ: کسی سے بھی وفا مت تلاش کر اگر تو میری بات نہیں مانتا تو پھر بے شک خواہ مخواہ سیمرغ اور کیمیا کی طلب میں وقت گذار۔

حدیث شریف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ یا سات آٹھ افراد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ہمیں فرمایا کہ تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کیوں نہیں کرتے۔ اُس وقت ہم نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ہم سب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تو ایک دفعہ آپ کی بیعت کی ہے پھر دوبارہ حکم ہو تو بھی حاضر ہیں آپ سے کس کے متعلق بیعت کریں آپ نے فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور پانچ وقت نماز پابندی سے ادا کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاؤ گے۔ اس کے بعد ایک بات نہایت آہستہ بتائی جس کے لئے ہمیں خصوصیت سے متوجہ ہونا پڑا وہ یہ کہ لوگوں سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دوستوں میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی کہ سواری پر سے سونٹا گر گیا تو سواری سے اُتر کر اُسے خود اُٹھایا لیکن کسی کو اُسے اٹھا دینے کا سوال نہ کیا۔ اس خوف سے کہ کہیں وعدہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور وفائے عہد میں اہتمام کی وجہ سے۔

سبق غور کیجئے ان حضرات کا کیسا بہترین طریقہ تھا کہ بیعت میں جو کچھ کہا اُسے پورا کر دکھایا اور طریقِ حق پر نہایت مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ بلکہ ہر نیکی میں سبقت کرنے کے عادی تھے۔ غور کا مقام ہے کہ جب وہ ڈنڈا اُٹھانے کے لئے کسی سوال کرنے سے ڈرتے تھے تو بڑے بڑے گناہوں سے کیوں نہ احتراز کرتے ہوں گے۔ ہم سب کو سوچنا چاہیئے کہ ہم کس طرح

اور کتنا قدر غلطیوں اور خطاؤں میں گھرے ہوئے ہیں کہ ہم کسی وقت بھی برائیوں سے بچنے کا نام نہیں لیتے بلکہ افعال باطلہ اور اقوال فاسدہ پر عادت ثانوی بن چکی ہے۔

سچے صوفی ہم تو غلط کار ہیں ہی کہ ہم عامی انسان ہیں لیکن قربان جاؤں ان حضرات صوفیاء کرام پر جو اپنے دلوں پر ایک آن کے لئے بھی غیر اللہ کا خیال تک بھی نہیں لاتے اور صرف اس سے ہی سوال کرتے ہیں اور غیروں کے آگے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو صرف اسی کا مشاہدہ اور دیدار۔ لیکن آج کے ایسے کہاں بالخصوص ہمارے زمانہ میں صرف تصوف کا نام رہ گیا اور تقویٰ وطہارت کے دعوے بڑے لمبے لمبے لیکن اندر سے بالکل خالی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم اپنی ذات کی طرف متوجہ کرے اور اپنے افعال صفات پر چلنے کی توفیق بخشے اور اپنی خصوصی برکات سے نوازے بلکہ اپنی مخصوص ہدایات سے ہمیں شرفیاب فرمائے اس لئے کہ عنایات میں وہ بہت بڑا فیاض اور کریم ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى پھر مذکورہ رُسل کرام علیہم السلام کے واقعات ختم ہو جانے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا یعنی نوح و ہود ولُوط وصالح اور شعیب علیہم السلام کے بعد۔

سوال جب ثم تراخی کے لئے آتا ہے تو پھر منۢ بعدھم کی تصریح کیوں؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ پے در پے تشریف لاتے رہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد دوسرا نبی علیہ السلام بھیج دیتا رہا۔ جیسے مخلوق میں سے ایک قرن کے لوگوں کے مرنے کے بعد دوسرے قرن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ بھی اُس کی مہربانی اور شفقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں معجزات ظاہر فرماتا ہے۔ تاکہ وہ نورِ معجزات سے ظلمات طبیعت سے نکل کر نورِ حقیقت کی طرف پہنچیں اس لئے کہ اہل قرن اور ہر زمانہ کے اکثر لوگ دین سے غفلت کا شکار ہوتے ہیں اور دین کے حقائق سے بے خبر۔ بلکہ وہ عموماً بحرِ دنیا میں مستغرق۔ شہوات ولذّات نفسانیہ۔ حیوانیہ کی وادیوں میں ہلاک اور برباد ہوتے ہیں۔ کوئی زائد اور کوئی کم۔

بِاٰیٰتِنَآ آیات سے وہی نو معجزات مراد ہیں جو مشہور و معروف ہیں عصائے موسیٰ علیہ السلام ید بیضا۔ قحط سالی نقص ثمرات۔ طوفان۔ جراد (ٹڈی) قمل جوں۔ مینڈک۔ خون۔ ان کا مفصل بیان اس پارہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ یہ مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے کسریٰ فارس اور قیصر روم اور خاقان چین اور تبع یمن اور قیل عرب اور نجاشی حبشہ اور خلیفہ بغداد اور سلطان آل سلجوق کا لقب ہوتا تھا۔ فرعون کا اصلی نام قابوس۔ بعض کے نزدیک اس کا نام ولید بن مصعب بن زیان تھا اور وہ قبطی قبیلہ سے نہیں تھا اور اس نے چار سو سال عمر گذاری۔

وَمَلَا۟ئِهٖ فرعون اور اس کی برگزیدہ جماعت کی طرف۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت عمومی تھی صرف فرعون اور اُس کی مخصوص جماعت کے نام لینے کا کیا فائدہ؟
جواب چونکہ یہی لوگ عوام کے لیڈر اور ان کے جملہ اُمور کے سربراہ تھے اس لئے اُن کے ذکر پر اُن کے متبعین بھی ضمناً شامل ہو گئے۔

فَظَلَمُوْا بِهَا

سوال ظلم کا صلہ با نہیں آتی پھر یہاں بہا کیوں؟
جواب ظلم یہاں پر بمعنے کفر ہے با بمعنے ملی ہے۔ یعنی پھر موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو انہوں نے ٹھکرایا۔ یا موسیٰ علیہم السلام کے معجزات سے انہوں نے ظلم کیا بایںمعنیٰ کہ انہیں جادو سے تعبیر کیا اور یہ بھی ظلم ہے کہ شئے کو اصلی معنے سے تبدیل کرکے دوسرے معنے میں استعمال کیا جائے۔

فَانْظُرْ یہ خطاب عام ہے یعنی پس عقل سے دیکھ لے ہر وہ کہ جس کو نظر فتامل کی دولت نصیب ہے کَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ کہ مفسدوں کا انجام کیسا ہے یعنی غور سے دیکھو کہ ہم نے ان کا کیا حشر کیا۔ اس معنے پر کیف کان کی خبر اور عاقبۃ اس کا اسم ہے اور جملہ بنزع الخافض محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ دراصل فانظر الیٰ کذا کذا وغیرہ۔

سوال یہاں کلام کا تقاضا تھا۔ عاقبتہم ہو۔ لیکن عاقبۃ المفسدین لایا گیا ہے یعنی اسم ضمیر کے بجائے اسم مظہر کیوں؟
جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ ظلم کو افساد لازم ہے جہاں ظلم ہوگا وہاں افساد لازماً ہوگا۔

نبوت موسیٰ علیہ السلام کا آغاز فارسی تفسیر میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے ملک سے مدین تشریف لے گئے تو شعیب علیہ السلام کے ہاں ٹھہرے۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی بی بی صفورا کا عقد نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف واپس لوٹے۔ راستہ میں جب وادیٔ ایمن سے گذرے تو وہاں انہیں پیغمبری عطا ہوئی اور آپ کو عصا و بیضا کا معجزہ بھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ مصر پہنچ کر فرعون اور اُس کی قوم کو دعوتِ دینی پیش فرمائیے۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو بڑی مدت کے بعد ملاقی ہوئے اور ملتے ہی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دینی پیش فرما دی۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا حضرت حدادی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اُن کے قد مبارک کے مطابق دس گز لمبا تھا اور بہشت کے درخت مُورد سے تیار کیا گیا تھا۔ اسے زمین پر مارتے تو اس سے انگوری پیدا ہو جاتی۔ اگر زمین پر ڈال دیتے تو سانپ بن کر دوڑتا نظر آتا۔ اگر پتھر پر مارتے تو پانی بہہ نکلتا۔

سیاہ خضاب اور فرعون آپ نے آتے ہی اپنا عصا مبارک فرعون کے دروازہ پر مارا تو فرعون اس قدر

ڈر کر گھبرایا کہ اس کے جسم پر خوف کی شدت سے سیاہ بال سفید ہو گئے۔ چنانچہ وہ ازاں بعد بالوں پر سیاہ خضاب لگاتا عالم دنیا میں سیاہ خضاب سب سے پہلے اس فرعون نے لگایا۔

مسئلہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے[1] سیاہ خضاب (بلا وجہ شرعی) لگانے والا بہشت سے محروم ہوگا۔

مسئلہ صاحب محیط نے فرمایا کہ یہ حکم غیر غازیوں کے لئے ہے۔ اس لئے کہ غازی (جنگ کے موقع پر اس ارادہ پر لگائے کہ اس سے دشمنوں پر ہیبت ہوگی تو جائز ہے) اگر وہ بھی محض زینت کی غرض سے لگائے تو اس کے لئے حرام ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰی جب حضرت موسٰی علیہ السلام فرعون کے ہاں تشریف لائے اس وقت بھی اُن کے برادر محترم حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے ساتھ ہو گئے اس لئے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر فرعون کے ہاں بھیجا۔ وہ دونوں جونہی فرعون کے پاس پہنچے تو موسٰی علیہ السلام نے فرمایا **یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ** اے فرعون میں اللہ تعالیٰ رب العلمین کا رسُول بن کر تیرے ہاں آیا ہوں۔ تجھے رب العلمین کی عبادت کا حکم سناتا ہوں اور تجھے اپنے دعویٰ اُلوہیت سے روکتا ہوں فرعون نے سنتے ہی کہا تم جھوٹے ہو تم اللہ تعالیٰ کے کس طرح پیغمبر بن سکتے ہو اس کے جواب میں موسٰی علیہ السلام نے فرعون سے کہا **حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ** میرے لئے لائق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق صرف حق بات کہوں۔

سوال یہاں پر بَا کے بجائے علیٰ کیوں؟

جواب علیٰ میں مزید تقویت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے **رَمَیْتُ عَلَی الْقَوْسِ** اور **جِئْتُ عَلٰی حَالَۃٍ حَسَنَۃٍ** یہ دونوں جملے دراصل **رَمَیْتُ بِالْقَوْسِ جِئْتُ بِالْحَالَۃِ** تھے صرف تقویت کے لئے لفظ علیٰ لایا گیا ہے یا بَا حرص کے معنے کو متضمن ہے اور حرص کے بعد علیٰ آتا ہے۔

فائدہ تفسیر مدارک میں ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ علیٰ رسُول کے معنے فعل سے متعلق ہوا اور اصل عبارت یوں ہوا **اِنِّیْ رَسُوْلٌ حَقِیْقٌ جَدِیْدٌ بِالرِّسَالَۃِ اُرْسِلْتُ عَلٰی** الخ۔

فائدہ امام نافع کی قرأۃ میں "علیّ" تشدید آیا ہے۔

رابطہ جب موسٰی علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کا اظہار فرمایا تو اب اس کی دلیل سے واضح فرماتے ہوئے کہا۔

قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ میں تمہارے ہاں دلیل واضح یعنی معجزہ لایا ہوں۔ **مِّنْ رَّبِّکُمْ** تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یعنے دو معجزے عصا اور ید بیضا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ہاں لایا ہوں۔

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ یعنی انہیں عام رخصت

---

[1] یہی حق ہے اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

ہو کہ ہم انہیں بیت المقدس کی طرف لے جائیں۔

فائدہ بیت المقدس لے جانے کا اس لئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن یہی تھا۔ یعنی اُن کے آبا و اجداد کی بود و باش یہیں پر تھی لیکن فرعون نے انہیں اپنا عبد بنا رکھا تھا۔

بنی اسرائیل مصر کیسے پہنچے بنی اسرائیل کا مصر پہنچنے کا سبب یہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام اپنے بچوں اور پوتوں سمیت یوسف علیہ السلام کی دعوت کے لئے تشریف لائے تو وہ حضرات مستقل طور یہیں پر مقیم ہو گئے اور یہیں پر اُن کی آل و اولاد اور نسل کا سلسلہ بہت بڑھا۔ جب یعقوب و یوسف علیٰ نبینا علیہما السلام اور برادران یوسف کا وصال ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کا ہمزمان فرعون بھی فوت ہوا تو اس کے بیٹے معصب نے عنان اقتدار سنبھالی بنی اسرائیل کی عزت و احترام میں کمی نہ کی وہ بھی مر گیا تو اُس کا بیٹا ولید یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان فرعون تخت نشین ہوتے ہی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا مدعی بن بیٹھا لیکن بنی اسرائیل نے اس کے دعویٰ کو قبول نہ کیا اس نے بنو اسرائیل سے کہا تمہیں میرے باپ داد انے خریدا تھا۔ نا بریں تم ہمارے زر خرید غلام ہو۔ اس طرح زبردستی بنو اسرائیل کو فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اور اُن سے سخت سے سخت کام لیتا تھا۔ مثلاً کچی پکی اینٹیں تیار کرانا اور سر پر مٹی اُٹھا کر لانا اور مکانات کی تعمیرات کے لئے مٹی گارا اینٹیں اٹھوانا۔

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ ان لوگوں کی جان رہائی فرما کر انہیں بیت المقدس یعنی آبائی وطن کی طرف لے جائیں۔ یاد رہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے مصر میں داخل ہونے کے درمیانی مسافت چار سو سال ہے۔

قَالَ (فرعون نے کہا) یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ (اگر تم دلیل لائے ہو) یعنی وہ دلیل دکھائیے جو تمہیں بھیجنے والے نے دیکر بھیجا ہے اور اس کے تم مدعی ہو۔ فَاْتِ بِهَآ تو پیش کیجئے اور وہ مجھے دکھائیے تاکہ تمہاری صداقت کا ہمیں یقین ہو۔

مجیٔ و اتیان میں فرق اگرچہ یہ دونوں ہم معنے ہیں لیکن انمیں فرق ہے وہ اس طرح کہ مجیٔ میں نقل شئے کا مبدأ ملحوظ ہوتا ہے اور اتیان میں منتہی کا لحاظ ہوتا ہے یہاں پر مبدأ مجیٔ کا بارگاہِ حق اور اتیان کا منتہی مرسل الیہ ہے اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنا عصا شریف ڈالا۔ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ پس اس وقت وہ ایک بڑا سانپ تھا۔ ثعبان پیلے رنگ کے بہت بڑے سانپ کو کہتے ہیں۔ جو تمام سانپوں سے بڑا ہوتا ہے اور اُس کے گھوڑے کی طرح بال ہوتے تھے۔

مُّبِیْنٌ ۝ کھلم کھلا اور واضح ہو تاکہ سب کو یقین ہو کہ یہ واقعی اژدھا ہے پھر کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوتا تھا

کہ یہ اژدھا نہیں اور نہ ہی سب کو معلوم تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک ہے۔

اعجوبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس عصا مبارک کو زمین پر پھینکا تو بالوں والا بڑا سانپ بن گیا۔ یعنی اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے تیروں کی طرح بڑے بڑے بال تھے اور اس نے سانپ بنتے ہی منہ کھولا تو اس کے دونوں طرفوں (جبڑوں) کی مسافت اسّی گز تھی اور اس نے منہ کا ایک حصہ زمین پر رکھدیا اور دوسرا فرعون کے محل کے دیواروں پر پہنچایا پھر آہستہ آہستہ فرعون کی طرف بڑھنے لگا جب فرعون نے یہ حالت دیکھی تو بھاگا۔ اس کا لشکر بھی خوف کے مارے ادھر اُدھر بھاگنے لگا۔ اس اژدھے کی ہولناک اور ڈراؤنی شکل کو دیکھ کر گھبراہٹ سے اسی وقت اسّی ہزار انسان مر گئے فرعون یہ ہولناک منظر دیکھ کر چیخا اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی اے موسیٰ میں آپ کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اژدہے کو پکڑ لے۔ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کے حسب الحکم بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فریاد کو سن کر اسے پکڑا تو وہ حسبِ دستور سابق عصا بن گیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کما قال "هِیَ عَصَایَ" پھر اس کو اپنی ضروریات کا محل بتایا۔ کما قال "اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا" الخ اس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو اپنی طرف کر کے اپنی حاجات و ضروریات کا محل سمجھو گے تو وہ درحقیقت تمہارے لئے سانپ اژدھا ہے کہ وہ نگل کر کھا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی یعنی اے انسان اس شے کو اب اپنے پاس مت رکھ اور نہ ہی اس پر اعتماد کر۔ ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس شے کو تیرے ہاتھ میں ہی سانپ بنا دے جس سے تجھے ہزاروں دُکھ اور تکالیف پہنچیں۔ (التاویلات النجمیہ)۔

ربط موسیٰ علیہ السلام سے عصا کا معجزہ دیکھ کر فرعون نے عرض کی کیا آپ کے پاس کوئی اور معجزہ بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔

تفسیر عالمانہ وَنَزَعَ یَدَهٗ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک کو اپنے گریبان یا بغل سے نکالا۔ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ؏ تو اس وقت دیکھنے والوں کے لئے وہ سفید نورانی تھا اور خرقاً للعادۃ ہاتھ مبارک سے نُور کی شعاعیں تھیں۔ اس کے عجیب منظر دیکھنے کے لئے بہت بڑا اجتماع ہو گیا۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک دکھایا تو اس سے پوچھا یہ کیا ہے عرض کی یہ آپ کا ہاتھ ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو ایسا نورانی تھا کہ اس کے نور کے شعاع سے سورج بے نور ہو گیا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ والے تھے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بالاصالۃ انسانی ہاتھ نورانی ہیں لیکن جب وہ دنیوی اشیاء سے متعلق ہوتے ہیں تو کالے سیاہ یعنی ظلماتی ہو جاتے ہیں۔ پھر بندہ اپنے ہاتھوں سے اشیاء کو پھینک دے تو

باقی صفحہ ۲۸

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيْدُ

قوم فرعون کے سردار بولے یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے تمہیں

أَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا أَرْجِهْ

تمہارے ملک سے نکالا چاہتا ہے تو تمہارا کیا مشورہ ہے . بولے انہیں اور ان کے

وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوْكَ بِكُلِّ

بھائی کو ٹھہرا اور شہروں میں لوگ جمع کرنیوالے بھیج دے کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے

سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا

پاس لے آئیں اور جادوگر فرعون کے پاس آئے . بولے کچھ ہمیں انعام ملے گا

إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

اگر ہم غالب آئیں . بولا ہاں اور اس وقت تم مقرب ہو جاؤ گے

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾

بولے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں

قَالَ أَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوْٓا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

کہا تمہیں ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور انہیں ڈرایا

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰٓى أَنْ أَلْقِ

اور بڑا جادو لائے اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا

عَصَاكَ ۚ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ

عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا تو حق ثابت ہوا اور

بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

ان کا کام باطل ہوا تو یہاں وہ مغلوب پڑے اور ذلیل

صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

ہو کر پلٹے اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے . بولے ہم ایمان لائے جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

رب پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون بولا تم اس پر ایمان لے آئے قبل

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ

اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں یہ تو بڑا جعل ہے جو تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ

کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں تمہارے

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا

بولے ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا بُرا لگا یہی نا کہ ہم اپنے رب کی

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں

مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

مسلمان اٹھا

تفسیر عالمانہ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ فرعون کی قوم کے لیڈروں یعنی فرعون کے مشیروں نے کہا۔ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ بیشک یہ موسیٰ علیہ السلام تو جادوگر ہیں۔ عَلِيْمٌ یعنی جادو کے علم کا بڑا حاکم اور اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے چونکہ ان کے دور میں جادو کا بہت چرچا تھا اس لئے اُن کی سوچ میں یہی خیال جم گیا اور ان کی سوچ بظاہر تو صحیح تھی اس لئے کہ ہر فن میں مختلف طبقات کے ماہرین ہوا کرتے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو کا فن سیکھا ہے اور اسمیں بہت بڑے ماہر ہوگئے ہیں اب وہ اس فن کے ذریعے فرعون کا اقتدار چھیننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کو مشیروں نے یہی بات سمجھائی يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں نکال دے مِنْ اَرْضِكُمْ تمہاری زمین یعنی مصر سے تمہیں نکال کر اقتدار کی کرسی پر بنی اسرائیل کو بٹھادے جب فرعون نے لیڈروں سے یہ بات سنی تو کہا فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۔ بفتح النون اور ماذا کا منصوب تامرون

تو بدستور سابق نورانی ہو جاتے ہیں اسی نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

ربط جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ دونوں معجزے دیکھے تو اپنے مشیروں کو بلا کر مشورہ لیا۔

کا مفعول ثانی ہے۔ اور یہاں پر حرف جارہ اور مفعول اول محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "بِاَیِّ شَیْءٍ تَاْمُرُوْنَنِی" یعنی فرعون نے کہا جب یہ معاملہ ہے تو اب تمہارا کیا مشورہ ہے۔ قَالُوْٓا مشیروں نے فرعون سے کہا اَرْجِهْ ہمزہ ساکنہ وہاء مضمومہ نہا الارجاء سے بمعنے التاخیر یعنی اسے مہلت دے وَاَخَاهُ اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی موسٰی علیہم السلام کے ذکر سے تعریض کی وجہ ظاہر ہے کہ اُن کی شہرت ایسی ہوگئی ہے کہ وہ جس طرح کے کرشمے دکھانا چاہتے ہیں دکھاتے جا رہے ہیں اس لئے کہ نام کی حاجت نہ رہی۔ اس جملہ سے فرعون کے مشیروں کا مقصد یہی تھا کہ اب اُن کے درپے آزار ہوتے ہیں عجلت مناسب نہیں بلکہ انہیں مہلت دیجئے وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ یہ جار مجرور ارسل سے متعلق ہے اور مدائن مدینہ کی جمع ہے۔ مدینہ ہر اُس جگہ کو کہا جاتا ہے جو چار دیواری سے محفوظ اور اس پر کسی بادشاہ کا تسلط ہو۔ اور مصر میں ایک مخصوص خطہ تھا۔ جہاں جادوگروں کو تربیت دی جاتی۔ تاکہ وہ بوقت ضرورت کام دیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنے سپاہی ان مدائن کی طرف بھیج دیجئے۔ حٰشِرِیْنَ لا اس کا مفعول محذوف ہے دراصل حٰشِرِیْنَ السَّحَرَةَ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مدائن کے تمام جادوگروں کو جمع کرکے تیرے ہاں حاضر کریں۔ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ہر ماہر جادوگر کو تیرے ہاں لائیں گے۔

فائدہ سحر لغت میں اعجوبہ ظاہر کرکے لطیف حیلہ کرنا ایسے ہی ہر مخفی امر کو سحر سے تعبیر کرتے ہیں اسی لئے رات کے آخری حصہ کو سحر کہا جاتا ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے شخص کا تشخص پوشیدہ ہوتا ہے اور ریۂ کو اس لئے سحر کہا جاتا ہے کہ گلے کے کسی وقت پھول جانے اور کمزور پڑ جانے سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

فائدہ منقول ہے کہ ہر زمانہ میں جادو ہوتے لیکن جتنا زور حضرت موسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا ایسے کسی زمانہ میں نہ ہوا اور نہ ہوگا ان کے زمانہ میں جادوگروں کے سردار مدائن کے خطہ میں رہتے تھے تفسیر و مباطی میں ہے کہ خطۂ مدائن میں دو بھائی جادوگر فن جادو میں یکتا تھے اور انہیں فن سحر پہ پورا پورا عبور تھا جب ان کے پاس فرعون کا پیغام پہنچا تو وہ ماں سے کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے باپ کی قبر پر لے جایئے تاکہ ہم اس سے مشورہ لے لیں۔ چنانچہ باپ کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ فرعون کے ہاں دو ایسے آدمی آئے ہیں جنہوں نے اس پر زمین تنگ کردی ہے۔ ان کے ہاں ایک عصا ہے جسے وہ سانپ بنا دیتے ہیں جو شئے اُس کے آگے آتی ہے وہ اُسے کھا جاتا ہے بتلایئے ہم اس کا مقابلہ کریں یا نہ۔ قبر سے آواز آئی کہ وہاں پہنچ کر معلوم کرنا کہ وہ عصا اُن کی نیند کے وقت بھی اژدھا ہو جاتا ہے یا نہ۔ اگر نیند کے وقت بھی سانپ ہو جاتا ہے تو سمجھنا کہ وہ جادو نہیں۔ اس لئے کہ جادوگر کا جادو خواب کے وقت جاری نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب سُن کر وہ جادوگر اپنے شاگردوں کے ساتھ فرعون کے ہاں پہنچ گئے۔ وہ بارہ ہزار تھے۔ زادالمسیر میں لکھا ہے کہ وہ ستر ہزار تھے۔

فائدہ اتنی بڑی تاخیر سے فرعونیوں نے سمجھا کہ وہ اس کی تقدیر تبدیل کرلیں گے انہیں کیا معلوم کہ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی کی تقدیر کون بدل سکتا ہے اور جب اس کا حکم جاری ہوتا ہے تو اُسے کوئی نہیں ٹال

سکتا۔ وہاں نہ علم کو کوئی چارہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کا فہم و ذکا کام کر سکتا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے جبکہ اُن کے ہاں جمع کرنے والوں نے انہیں بلایا۔ قَالُوْٓا انہوں نے اپنے غلبہ پر یقین کرتے ہوئے کہا۔ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ بے شک ہمارے لئے بڑا انعام ہوگا اگر ہم غالب ہوگئے بطریق اخبار کہا کہ انعام ملے گا اور یہ انعام وجوبی طور ہوگا یا انہوں نے یہ انعامی بات بطور استفہام تقریری کے کہا اس لئے کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے ان کا اِنْ كُنَّا کہ بطور شک و تردّد کے نہیں تھا بلکہ ثبوت اجر کے موقوف علیہ کے یقین کے لئے کہا۔ اور ضمیر کو درمیان میں لانا اور خبر کو لام سے خالی رکھنا قصر کے لئے ہے یعنی اس وقت ہم ہی غلبہ پائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ پانے کا وہم و گمان تک بھی نہ تھا قَالَ نَعَمْ فرعون نے کہا ہاں تمہارے لئے بہت بڑا انعام ہوگا۔ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ اور تم میرے ہاں بلند مرتبت ہوگے۔

فائدہ کلبی نے کہا اس سے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ میری کچہری میں سے تمہیں حاضری کی اجازت ہوا کرے گی اور کچہری برخاست کے وقت سب سے بعد کو تم جایا کرو گے (اور یہ ان کے ہاں بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا)۔

تفسیر صوفیانہ فرعون کے منہ سے مقربین کا کلمہ صدق و حق کے طور نکلا کہ واقعی وہ لوگ مقربین حق ہو گئے جبکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام سے حق قبول کرنا نصیب ہوا۔ (التاویلات النجمیہ)

فرعون کے جادوگروں میں تردّد کا آغاز منقول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کے سردار چار تھے دو تین بھائی جن کا ابھی ذکر کیا گیا۔

① مسمی بہ شابور۔
② غاردور اور ردوا ور تھے۔
③ حطط۔
④ مقفی اور لباب میں مذکور ہے کہ ان چاروں کا ایک سردار تھا شمعون۔

جب یہ جادوگر مصر پہنچے تو شابور و غادور نے اپنے باپ کے سوال و جواب کے متعلق استفسار کیا۔ فرعون نے کہا موسیٰ علیہ السلام جب آرام فرماتے ہیں تو اُن کا عصا اژدہا بن کر اُن کی نگرانی کرتا ہے انہیں اس سے دل میں تردّد پیدا ہوا کہ جب ہمارے والد کا فرمان کے مطابق یہ جادوگر نہیں تو پھر ان کا مقابلہ کس طرح ہوگا۔ لیکن مقابلہ کے لئے بدستور تیار رہے۔ جب فرعون نے اُن کا مناظرہ موسیٰ علیہ السلام سے کرانے کا انتظام کیا تو فرعون اپنے محل کے بالا خانہ پر نظارہ دیکھنے کے لئے بیٹھا اور مصر کے تمام لوگ مناظرہ گاہ میں جمع ہوئے۔ ستر ہزار جادوگر ایک طرف تھے۔ ادھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام تھے۔ مناظرہ کے وقت فرعون کے جادوگر نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں باادب حاضر ہو کر عرض کی۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ اے موسیٰ علیہ السلام یا آپ پہلے اپنا عصا مبارک پھینکیے وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ یا پھر ہم اپنی رسیاں اور ڈنڈے ڈالتے ہیں۔

باادب بانصیب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا اس لئے کہ لفظ اما تخییر کے لئے آتا ہے اس پر حرف عطف کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا تو انہیں دولت ایمان نصیب ہوئی۔

قَالَ اَلْقُوْا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جادو کا حکم کیوں فرمایا۔ حالانکہ جو شے ناجائز ہو اس کا امر بھی ناجائز؟

جواب ① یہاں پر شرط محذوف ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کرلو اپنا کام۔ اگر تم حق پر ہو جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔

جواب ② اس لئے یہ بھی اس کا امر فرمایا تاکہ معجزہ کے لئے تاکید ہو جائے۔

جواب ③ قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں مطلق القوا ہے۔ اس سے جادو کے علاوہ کوئی دوسرا امر بھی مراد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ القوا کر مَا تَسَامحاً یا یوں کہو کہ ان کی تحقیر کرتے ہوئے اَلْقُوْا فرمایا اس لئے کہ انہیں پورا یقین تھا کہ فرعون کے جادوگر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو کو مباح فرمایا نہ ہی کفر سے راضی ہوئے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ڈالو جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو۔

سَحَرُوْآ اَعْیُنَ النَّاسِ تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو چلا دیا۔ اس لئے کہ بے حقیقت اشیاء کو ان کے دلوں میں خیال ڈالا۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ ان کی آنکھیں ایسی بدل ڈالیں کہ انہیں وہی نظر آتا جو کہ وہ چاہتے تھے اس سبب سے کہ جو کچھ انہوں نے مکر و فریب کا پروگرام بنایا۔

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ استفعال یہاں پر معنے افعال ہے اور سین اس فعل کی تاکید کے لئے ہے یعنی ان کے ڈرانے پر جتنا زور لگانا تھا لگایا وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ اور بڑا جادو لائے۔

اعجوبہ منقول ہے کہ انہوں نے بہت بڑی اور موٹی رسیاں جمع کیں ان کے ساتھ بڑی اور موٹی لکڑیاں بھی۔ وہ دور سے ایسے محسوس ہوتیں کہ گویا وہ بڑے اور موٹے سانپ ہیں۔ پھر ان رسیوں کو انہوں نے کالے سیاہ تیل سے لتھڑ پتھڑ کیا۔ تیل کی طرف ڈنڈوں کی طرف کردی جونہی ان پر سورج کی گرمی نے اثر ڈالا تو وہ متحرک ہوگئیں اور متحرک ہو کر ایک دوسرے سے چمٹیں اور چونکہ وہ کثیر تھیں اسی لئے لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے اختیار سے متحرک ہو کر ایک دوسرے سے چمٹ رہی ہیں اور گویا وہ میدان سانپوں سے بھر گیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ہاتھ کے کھیل سے ایک کرشمہ دکھایا۔

تفسیر عالمانہ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۚ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا مبارک زمین پر پھینک دیجئے۔ جب انہوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اسے زمین پر پھینکا تو وہ جادوگروں کی بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا۔ اس آیت میں فا فصیحہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جونہی عصا زمین پر پھینکا تو وہ سانپ بن گیا اور تلقف بمعنے تلقم یعنی لقمہ کرنا اور نگلنا تھا۔ یہ لقف یلقف

له اس موضوع رفقہ کی ایک یہ ... [illegible]

بروزن علم یعلم سے مشتق ہے اور اہل عرب کہتے ہیں لقفتہ والقفتہ تلقفتہ والتقفتہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئے کو جلدی سے پکڑ کر کھا جائے اور فوراً نگل بھی دے اور یافکون بمعنے یزورون" افک سے مشتق ہے اس کا لغوی معنے بدلنا اور شئے کو اپنی حیثیت سے پھیرنا ہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ جب جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک نے جلدی سے جھپٹ کر سب کو کھا لیا تو وہ حاضرین مجلس یعنی تماشائیوں اور خود جادوگروں کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ڈر کے مارے بھاگے اور جلدی میں ایک دوسرے پر گرے تو ہزاروں کی تعداد میں مرگئے۔ (یا اُن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر عصا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کی سابقہ والی ہیئت کو مٹا دیا یا اس کے غلیظ اجزا کو لطیف ترین بنا دیا۔ جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ اگر یہ عصا بھی جادو ہوتا تو اس کے ختم ہو جانے کے بعد ہماری رسیاں اور ڈنڈے باقی بچ رہتے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ حق واضح ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ (اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بے شک میں رب العالمین کا رسُول ہوں) میں سچے ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے معجزہ فرما کر اُن کی تصدیق فرمائی **وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** اور وہ جو عمل کرتے تھے باطل ہوا یعنی ان کا دائمی عمل یعنی سحر کا بطلان ظاہر ہو گیا **فَغُلِبُوْا** پس فرعون اور اس کے متبعین مغلوب ہو گئے **هُنَالِكَ** اس مجلس یعنی تماشہ گاہ میں **وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ** اور ہو گئے وہ ذلیل اور متحیر۔ یہاں انقلاب معنے صیرورۃ ہے **وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ** اور گرے جادوگر سر سجدہ میں رکھ کر وہ ایسے گرے کہ گویا گرانے والے نے انہیں گرایا ہے اس لئے کہ اس واقعہ کے بعد فوراً ہی انہوں نے سر سجدہ میں رکھ دیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہیں کسی نے جبراً زمین پر گرا دیا ہے اور ایسے کیوں نہ ہوتا جبکہ انہیں حق نے حیران کر دیا اور سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

فائدہ آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے اس لئے کہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر جلدی سجدہ کیا تو ان کی اس حالت کو منہ کے بل گرنے والے سے تشبیہ دی اور اُن کے حال کو مشبہ بہ کے حال سے تعبیر کیا گیا۔

قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب العلمین یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان ہے۔

سوال جب رب العلمین کہا تو پھر رب موسیٰ بعلہ ہارون کے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب تاکہ کسی کو وہم و گمان نہ ہو کہ رب العلمین سے فرعون مراد ہو اس لئے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں تربیت کی تھی نہ کہ ہارون علیہ السلام کی۔ بنا بریں ہارون السلام کی تصریح سے وہم مذکور دفع ہو گیا۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمام جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور بنی اسرائیل سب کے

سب آپ کے ساتھ ہو گئے جن کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے جادوگروں پر انکار کرکے جھڑک دے کر کہا اٰمَنْتُمْ بِهٖ ایک ہمزہ ہو تو اخبار نہیں ہے لیکن توبیخ کے متضمن ہیں اگر اسے استفہام توبیخی کے طور مانا جائے تو اس میں ہمزہ استفہام ہے (جیسے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا میں تقریر گذری)۔ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ قبل اس کے تمہیں اجازت دیتا یعنی میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان کیوں قبول کیا۔ یہ عبارت بغیر اَنْ (اذن لکم قبل ان تنفد کلمات ربی) کی طرح ہے وہاں بھی بغیر ان تنفدالخ عبارت مانی پڑتی ہے۔ اگرچہ یہ ناممکن تھا کہ وہ فرعون انہیں ایمان باللہ کی اجازت دیتا۔ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ یعنی جو کچھ تم نے کیا ہے تم نے معجزہ یا کوئی مضبوط دلیل دیکھ کر ایمان قبول کیا ہے غلط اور حال کے تقاضا کے خلاف ہے البتہ یوں کہا جائے کہ یہ ایک حیلہ (مکرو فریب) ہے جو تم نے موسیٰ علیہ السلام سے سازباز کرلی ہوگی مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے سردار سے مناظرہ سے پہلے ملاقات ہوگئی تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اگر میں تجھ پر غالب ہو گیا تو تمہیں مجھ پر ایمان لانا پڑے گا اور میرے لائے ہوئے پیغامات الٰہیہ کو مانو گے انہوں نے کہا کہ اگر آپ غلبہ پا گئے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اُن کی اس گفتگو کو فرعون سُن رہا تھا اس لئے اُس نے جھڑک دیتے ہوئے یہی کہا۔ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا تاکہ تم مصر کے شہریوں کو مصر سے نکال کر تم اور بنی اسرائیل اس کے مالک بن جاؤ۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ پس عنقریب تم اپنے کئے کا انجام دیکھ لوگے۔ یہ اجمالی تہدید تھی اب اُس کی تفصیل بتاتا ہوں۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ (خلاف طرفوں سے میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا)۔ یعنی دایاں ہاتھ ہوگا تو بایاں پاؤں۔ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (پھر میں تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا)۔ یعنی دریائے نیل کی کھجوروں کی ٹنڈوں پر تم سب کو سولی کے طور چڑھا دوں گا جس سے تمہارے لئے عذاب اور دوسروں کے لئے عبرت ہوگی۔

فائدہ بعض مفسرین نے کہا کہ یہ طریقہ سب سے پہلے اسی فرعون نے جاری کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہی بڑا عذاب ڈاکوؤں کے لئے مشروع رکھا تاکہ معلوم ہو کہ ڈاکہ زنی بہت بڑا جرم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام محاربۃ اللہ ورسولہ رکھا۔

قَالُوْا جادوگروں نے (جو کہ اب اہل ایمان تھے) اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ (بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں) یعنی موت ایک دن آئے گی ہی) ابھی یا دیر سے۔ پھر ہمیں تیری زجر و توبیخ کا کیا خطرہ۔ ہمیں اپنے ربِّ کریم کی رحمت اور ثواب پر امید ہے۔ اس لئے کہ ہم نے مرنے بعد اسی کے ہاں حاضر ہونا ہے اگر تو ہمارے ساتھ اپنی وعید پوری کرے گا تو حرج کوئی بھی نہیں گویا وہ حضرات اس کی وعید سے الٹا خوش ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا۔

مثنوی شریف میں ہے

① جانہائے بستہ اندر آب و گل
چوں رہند از آب و گلہا شاد دل

② در ہوائے عشق حق رقصاں شوند
ہمچو قرص بدر بے نقصاں شوند

③ حق نقاب تن نرفت از روئے روح
بقائے دوست دارد صد فتوح

④ میزند جاں در جہاں آبگوں
نعرہ یا لیت قومی یعلمون

ترجمہ: ① جانیں آب و گل سے وابستہ ہیں جب آب و گل سے میرا دل شاد ہوگا
② عشق کی خواہش میں رقص کریں گے چودھویں شب کے چاند کی طرح کامل ہوں گے۔
③ جب تک روح سے جسم کا پردہ نہ اترا اس کے لئے دوست کے دیدار کا پردہ نہ کھل سکا۔
④ رنگ و رنگ جہان میں روح زور زور سے پکارتی ہے کاش میری قوم کو علم ہوتا۔

وَمَا تَنقِمُ مِنَّآ اور ہمیں اس سے کوئی عیب نہیں اِلَّآ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا مگر یہ کہ ہمارے ہاں جب اللہ تعالیٰ کے آیات و براہین آئے تو ہم ان پر ایمان لائے) اور یہی ایمان خیر الاعمال و اصل المناقب ہے۔ اس سے ہٹنا اور ایمان جیسی دولت چھوڑ کر تیری رضا طلب کرنا اب ہمارے بس کی بات نہیں رہی۔ جادوگروں نے فرعون کو ڈٹ کر جواب دے کر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے عرض کی۔ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا اے ہمارے رب کریم ہمیں صبر کی توفیق بخش) جب فرعون اپنی وعید کو عملی جامہ پہنائے تو ہمیں صبر سے لبریز فرمانا جیسے پانی شے کو گھیر لیتا ہے۔

حل لغات افراغ اوپر سے نیچے پانی ڈالنے کو کہا جاتا ہے یہ بھی استعارہ ہے کہ فرعون کی وعید پر صبر کو گھیرنے والے پانی سے تشبیہہ دی ہے یہ ایسی تشبیہہ ہے جو صرف مفہوم و معنی سے تعلق رکھتی ہے پھر اسے صبر کو پانی کی طرح ڈالنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خیالی کی گئی ہے اسے استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں اس لئے کہ افراغ پانی کے لزوم اور اس کے کثیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ اور ہمیں مسلمان کر کے فوت فرما یعنی جس دولت ایمان سے ہمیں نوازا ہے اس پر ثابت قدم رکھ۔ اور ہمیں فرعون کے ڈرانے دھمکانے سے پھر کفر میں مبتلا نہ فرما۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون اُن پر غلبہ نہ پاسکا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے وعدہ فرماچکا تھا اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ تم اور تمہارے تابعدار ہمیشہ غالب رہیں گے ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون جادوگروں سے یہ کہہ کر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے لگا اور فوراً ہی کھجوروں کے ٹنڈوں پر مصر کے کنارے سولی پر چڑھا دیا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ساحراں چوں حق لبشناختند

دست و پا درجرمہا درباختند

ترجمہ: ساحروں نے جب حق پہچانا تو ہاتھ پاؤں اللہ کے راہ میں قربان کردیئے ۔

تفسیر صوفیانہ قصہ میں اشارہ ہے کہ فرعون سے نفس مراد ہے اور وہ اپنے صفات کے ایمان کا منکر ہے بلکہ انہیں زجرو توبیخ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ یعنی رُوح پر کیوں ایمان لائے ہو۔ پھر نفس انہیں کہتا ہے کہ اے صفات کے جادوگرو یہ تمہارا مکرو فریب ہے جو تم نے موسیٰ یعنی روح کے ساتھ مل کر کیا ہے یعنی مدینہ قالب (جسم) میں تم نے روح سے موافقت کرلی تاکہ تم اس کے مکینوں یعنی لذات دنیا اور اُس کے شہوات کو نکال کر باہر پھینکو۔ عنقریب تم میری گرفت اور سزا کو معلوم کرلوگے کہ میں کوشش کرکے تمہاری کارروائی کو باطل کردوں گا۔ اور دنیا کی لذات وشہوات پر اُبھاروں گا اور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا) یعنی اعمال صالحہ سے تمہیں دلبرداشتہ کردوں گا۔ اس کے بعد تم سب کو دنیوی تعلقات کی سولی پر چڑھادوں گا اور تمہارے دل میں دنیا کے نقش و نگار سما جائیں گے ۔ رُوح اور اُس کے متعلقین نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں ۔ ہمیں دنیوی آرائش سے کیا غرض اور اس میں ہمیں عیب بھی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں دنیوی تعلقات سے آزاد فرماکر اپنی عبودیت میں موت عنایت فرما ۔ (آمین)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور قوم فرعون کے سردار بولے کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لیئے چھوڑتا ہے کہ وہ

فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ

زمین میں فساد پھیلائیں اور موسیٰ تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دے

وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى

بولا اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا

لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ

اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو بے شک زمین کا مالک اللہ ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

وارث بنائے اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ ہے

قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ

بولے ہم ستائے گئے آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے تشریف لانے کے بعد

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى

کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور اس کی جگہ زمین کا مالک تمہیں بنائے

الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

پھر دیکھے کیسے کام کرتے ہو

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اور فرعون کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔ مروی ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھے یعنی عصا اژدہا اور ید بیضا تو اُس کا خوف بڑھا اسی لیئے اُس نے موسیٰ علیہ السلام کا تعرض نہ کیا اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن اس کی قوم کے بڑوں نے اسے کہا کہ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ کیا تم موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہو لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ تاکہ وہ زمین پر فساد ڈالیں۔ یعنی مصر میں اپنے دین کو رائج کر کے فساد ڈالیں گے بلکہ یہاں تک کہ [illegible] کو تیری پیروی سے پھیر لیں گے وَيَذَرَكَ اس کا لِيُفْسِدُوْا پر عطف ہے وَاٰلِهَتَكَ اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے گا۔

فائدہ فرعون ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ لیکن تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ فرعون نے اپنے مجسمے تیار کرا کر عوام کو اُن کی پرستش کا حکم دے رکھا تھا اور کہا تھا کہ اُن کی پرستش سے تم میرے قریب ہو جاؤ گے اس لئے انہیں کہا تھا (اَنَا رَبُّكُمُ الاَعلٰی)۔ لیڈروں کے سوال کے جواب میں کہا۔

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ عنقریب ہم اُن کی نرینہ اولاد قتل کر دیں گے وَ نَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ (اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے)۔ پھر جب وہ جوان ہوں گی تو ہم اُن سے خدمت کرائیں گے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اُن کے ساتھ وہی کاروائی کریں گے جو بوقت ولادت موسیٰ علیہ السلام کے کی تھی اور انہیں بتا دیں گے کہ ہمیں تمہارے اوپر بدستور قبضہ اور غلبہ ہے۔ اور انہیں یہ وہم نہ چاہیئے کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کے متعلق کاہنوں اور جادوگروں نے خبر دی تھی کہ وہ آکر فرعون سے ملک چھین لے گا۔ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ (اور ہم ان پر غالب ہیں) یعنی ان پر بدستور غلبہ رکھتے ہیں اور ہم موسیٰ علیہ السلام کے مناظرہ جیت جانے کے بعد گھبرا نہیں گئے اور نہ ہی مغلوب ہوئے ہیں بلکہ ہم اب بھی قوت و غلبہ رکھتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے تسلی دیتے ہوئے فرمایا جب انہوں نے فرعون کی دھمکی سنی اور اس کے مقابلہ سے وہ عاجز بھی تھے تو موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کے طور کہا تو آپ نے انہیں حسن انجام کی رہبری فرمائی کہ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ (اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو) تاکہ تمہارے سے فرعون کی شرارت دور فرمائے۔ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ بے شک تمام زمین (اس میں مصر بھی ہے) اللہ تعالیٰ کی ہے یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے وَالْعَاقِبَةُ نیک عاقبت یا فتح و نصرت یا بہشت لِلْمُتَّقِیْنَ متقیوں کے لئے ہے منجملہ اُن کے تم بھی ہو۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون کے جادوگر مغلوب ہوئے اور انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا یقین ہو گیا کہ اس کے دلائل و براہین واضح ہو چکے تھے تو بنی اسرائیل سے چھ ہزار افراد موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شرک و گناہوں سے بچ گئے۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں استعانت اور تکالیف پر صبر کرنا بھی تقویٰ کا ایک باب ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت

اجر صبریست کہ در کلبہ احزان کردم

ترجمہ: مجھے بڑھاپے نے صحبت یوسف بخشی میں نے مدتوں تک صبر کیا یہ اس کا اجر ہے۔

قَالُوْٓا (بنی اسرائیل نے کہا) اُوْذِیْنَا (فرعون سے ہم ایذا دیئے گئے) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا آپ کی

تشریف آوری سے پہلے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دعویٰ سے پہلے کا وہ وقت مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے ایام تھے۔ وَمِنۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ اس سے اُن کی یہی مراد ہے کہ فرعون نے نہ صرف انہیں دھمکی دی بلکہ عمل کر کے دکھلائے گا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں اس طرح کے ظلم وستم اور عذاب کرتا رہتا ہے۔

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل فرعون کی دھمکی سے سخت مضطرب ہیں تو آپ نے انہیں صراحۃً تسلی سے نوازا۔ اگرچہ اجمالی طور ان لارض ﷲ الخ میں پہلے بھی تسلی دی لیکن اب کھلے الفاظ سے فرمایا کہ عَسٰی رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کر دے گا۔ یعنی تمہارا وہ دشمن جس نے سابقًا تمہارے ساتھ ظلم وستم کئے اور اب اُس کی دھمکیاں دیتا ہے اس کے ہلاک و برباد ہونے کا وقت قریب ہو گیا ہے۔

قاعدہ عسٰی عسٰی اگر بندے سے ہو تو اسمیں اُس کی خبر میں طمع دلانا مطلوب ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہو تو اُس کی خبر کا وقوع یقینی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کریم جب طمع دلاتا ہے تو اُسے پورا فرماتا ہے۔ ایسا کہ گویا اس نے وہی امر اپنی ذات کے لئے واجب کر دیا ہے (اگرچہ فی نفسہٖ اس کے لئے وہ امر واجب نہ ہو)۔

وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اور تمہیں زمین مصر اور بیت المقدس کا جانشین بنائے گا۔ فَيَنۡظُرَ (نظر ہے کبھی اس سے نگاہ پھیر کر کسی شے کو دیکھنا مراد ہوتا ہے اور اسی دیکھی ہوئی شئے بہامر کا ترتب مطلوب ہوتا ہے لیکن یہ ہر دو معانی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے محال ہیں۔ بنا بریں تاویلاً کہنا پڑا کہ یہاں نظر کی غایت مراد ہے یعنی نظر بمعنے رؤیت یعنی اظہار ہے کَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ یعنی پھر دیکھیں گے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ نیک یا بد تاکہ تمہیں تمہارے عمل کے مطابق جزا وسزا دے یعنی تم میں سے ظاہر ہوں گے کہ شکر کون کرتا ہے تو کفرانِ نعمت کون۔ طاعت کون کرتا ہے تو نافرمانی کون۔

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میٹھی اور سبز باغ کی طرح ہے یعنی اس کا منظر عجیب ہے کہ دیکھنے والا پھنس جاتا ہے دنیا سے بھی اس کی صورت اور اُس کے سازوسامان مراد ہیں اور سبزے سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ جیسے سبزیاں سریع الزوال ہیں اسی طرح دنیا جلد ہلاک اور تباہ ہونے والی ہے اس سے اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا دھوکہ کا سرچشمہ ہے۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر لوگ فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس کی چاشنی میں مکھی کی طرح پھنس جاتے ہیں۔

فائدہ زمین میں تمہیں خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مال و متاع اور اسباب تمہاری ملکیت نہیں بلکہ تمہیں عارضی طور دیئے گئے ہیں جیسے خلیفہ شئی کا حقیقی مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ مالک کی طرف سے چند لمحات کا عارضی ملکیت رکھتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی یقین ہو کہ ان تمام اشیا کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ہم تو چند روز اس کے

وکیل بن کر تصرف کرنے کے مجاز ہیں۔

فائدہ خلیفہ بنا کر پھر اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ تم انہیں کس طرح تصرف کرتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اسلاف کا خلیفہ بناتا ہے کہ ان کو موت دے کر ان کا مال و اسباب تمہارے قبضہ میں دیتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ کیا تم اپنے اسلاف کے حالات سے عبرت پکڑتے ہو یا نہ اور اُن کے انجام پر تمہیں نظر ہے یا نہ؟ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① نرود مرغ سوئے دانہ فراز
چوں دیگر مرغ بیند اندر بند

② پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: ① وہ پرندہ جال کے قریب نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ دوسرا پرندہ قید میں ہے۔
② تم دوسروں سے نصیحت لو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت لیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس فرعون کو جب خواہشات اور غضب اور کبر وغیرہ نے کہا کہ کیا تو موسیٰ یعنی روح اور اُس کی برادری یعنی قلب و سیر اور عقل کو چھوڑتا ہے تاکہ وہ بشریت کی زمین پر فساد برپا کریں اور تاکہ تجھے اور تیرے معبودوں (نفس کا معبود دنیا اور شیطان اور طبع ہے) کو چھوڑ دیں۔ فرعون یعنی نفس نے انہیں جواب دیا کہ میں اُن کے بیٹوں یعنی روح و قلب اور نفس کے صفات یعنی اعمال صالحہ کو ریا و عجب اور حیلہ سے ضائع کرا دوں گا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دوں گا۔ یعنی نفس کے وہ صفات جن سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور میں مکر و فریب اور حیلہ سازی میں ان سب سے اونچا ہوں۔ اس پر موسیٰ یعنی رُوح نے اپنی برادری یعنی قلب و عقل اور سر سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور نفس سے جہاد اور اس کی مخالفت اور حق کی اتباع میں صبر کرو اس لئے کہ بشریت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ سعادت مندوں کی بشریت کی زمین روح کے حوالہ فرماتا ہے اور اس کے صفات بھی۔ بنابریں وہ انہی صفات سے موصوف ہوتا ہے اور بد بختوں کی بشریت اور اس کے صفات بد بختوں کے سپرد فرماتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی اوصاف مذمومہ سے موصوف ہوتا ہے اور اچھا انجام یعنی خیر و سعادت اتقیاً و علماً کو نصیب ہوتی ہے۔ روح کی برادری نے روح سے کہا کہ ہم تیرے بالغ ہونے سے پہلے جبکہ تو ہمارے ہاں واردات لے کر نہیں آیا تو بھی ہم ایذا دیئے گئے یعنی اوصاف بشریت اور اس کے معاملات سے ہم کو ایذا پہنچتی تھی اور اب بھی تمہارے بلوغ کے بعد جبکہ واردات و الہامات کو لائے ہو تو بھی بشریت کے دواعی سے ہم ایذا پاتے ہیں رُوح نے جواباً

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج

کہیں وہ نصیحت مانیں اور جب انہیں بھلائی ملتی کہتے یہ ہمارے لیئے ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط اَلَآ اِنَّمَا

اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھ والوں سے بدشگونی لیتے ۔ سُن لو ان کے

طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا

نصیبہ کی شامت تو اللہ کے یہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے

مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا لا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کردو ۔ ہم کسی طرح ایمان لانیوالے نہیں

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹیڑی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی ۔

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ

اور جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لیئے

لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے بیشک اگر تم ہم پر عذاب اٹھا دو گے

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ ج فَلَمَّا

تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب ہم ان

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ

سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لیئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ

يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ

پھر جاتے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لیئے کہ ہماری آیتیں

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

جھٹلاتے اور ان سے بے خبر تھے اور ہم نے اس قوم کو جو دبالی

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

گئی تھی اس زمین کے پورب پچھم کا وارث کیا

الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ

جس میں ہم نے برکت رکھی اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر

اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ

پورا ہوا بدلہ ان کے صبر کا اور ہم نے برباد کردیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی اور

قَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ

جو چنائیاں اٹھاتے تھے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا تو ان کا گزر

فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے آسن مارے تھے بولے اے موسیٰ!

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾

ہمیں ایک خدا بنادے جیسا ان کے لیئے اتنے خدا ہیں بولا تم ضرور جاہل لوگ ہو

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾

یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں نرا باطل ہے

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾

کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تمہیں بری مار دیتے

يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ
تمہارے بیٹے ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیاں زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ ع
رب کا بڑا فضل ہوا

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور ہم نے آل فرعون کی گرفت کی۔ آل سے اس کی قوم یا اس کا دین قبول کرنے والے مراد ہیں۔ دراصل آل الرجل سے اس کے وہ مخصوص لوگ مراد ہیں جن پر اسے پورا اعتماد ہو۔ بِالسِّنِيْنَ قحط سالی سے یہ سنۃ کی جمع ہے دراصل مطلق سال کو کہا جاتا ہے لیکن اب عموماً قحط سالی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا ذکر عام چلتا ہے اور اس سے تاریخیں بتائی جاتی ہیں گویا یہ اس کا علم بن گیا ہے جیسے نجم مطلق ستارہ کو کہا جاتا ہے لیکن اب اس کا عموماً اطلاق ثریا پر ہوتا ہے۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ۔ اور ثمرات کی کمی سے کہ ان کی کھیتی باڑی اور باغات پر کسی قسم کی آفتیں نازل کی جائیں۔ یہ قحط سالی سے بھی سخت تر ہوتی۔ اس لیے کہ ثمرات انسانی غذا کا نام ہے جب غذا ہی نہ ہو تو پھر اس کی زندگی کی امید کہاں۔

فائدہ: حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ قربِ قیامت لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ کھجور سے صرف ایک دانہ پیدا ہوگا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مذکورہ

(بقیہ صفحہ سے)

کہا اللہ تعالیٰ دشمن نفس اور اس کے اور اس کے صفات کو اللہ تعالیٰ وارداتِ ربانیہ سے مٹائے گا اور تمہارے سے اس کی تمام اذیتیں دفع فرمائے گا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ نفس اور اس کے صفات کو مٹانے کے لئے وارداتِ روحانیہ کے ساتھ صفات ربوبیت کی تجلی بھی ضرورت ہے اس کے بعد تمہیں خلیفہ بنائے گا یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں سے کسی صفت کا تجلی ڈالے گا تو بشریت کی زمین نفس کے صفات کی کوئی صفت بھی باقی نہیں رہے گی بلکہ اس کی جملہ صفات روح و قلب کے صفات سے تبدیل فرمادے گا۔ انہی صفات کے ساتھ تمہیں اپنا خلیفہ بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم اقامت عبودیت اور ربوبیت کی نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہ۔ (التاویلات النجمیہ)۔

قحط سالی دیہاتوں اور بادیہ نشینوں میں اور ثمرات کی کمی شہریوں کو تھی۔
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ "تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور انہیں یقین ہو کہ یہ شامت ان کے اعمال سیئہ کی وجہ سے ہے تاکہ اس سے عبرت حاصل کر کے برائیوں اور سرکشی و عناد سے باز آجائیں۔

فائدہ: لفظ لَعَلَّ اَخَذْنَآ۔ کی علت کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال اگرچہ اسباب کے محتاج نہیں۔ لیکن چونکہ اسباب بندوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں بنابریں اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل سنّت کا مذہب ہے یا اسے ترتب غایۃ کے لیے لایا گیا ہے کہ غایت فعل کے ثمرہ کا نام ہے پھر اس غایت کے بجائے غرض کو لایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال غایات و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مصالح یقینی اور پختہ ہوتے ہیں جنہیں علۃ غائیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہ اگر وہ علۃ غائیہ نہ ہو تب بھی وہ افعال صادر ہوں گے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ مصائب و محن اور شدائد و تکالیف انتباہ اور عبرت دلانے کیلئے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اہل سعادت (اولیاء اللہ) کے لیے ہے ورنہ اہل شقاوت کو نہ کثرت نعمت سے تنبیہ ہوتی ہے، اور نہ ہی تکالیف و شدائد سے عبرت پکڑتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بکوشش نروید گل از شاخ بید ۔۔۔ نہ زنگی بگرما بہ گردد سفید

ترجمہ: نہ کوشش سے بید کے درخت سے پھل پیدا ہوتا ہے نہ ہی حمام میں خوب نہلانے سے زنگی سفید ہوگا۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ۔ (پس جب کہ ان کے ہاں حسنہ آئی۔ یہاں پر حسنہ سے رزق کی فراوانی اور وسائل کی وسعت اور دیگر آرام و آسائش کے اسباب مراد ہیں۔ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج (تو کہا یہ ہمارے لیے ہیں) یعنی یہ صرف ہماری خاطر ہے اور ہم اس کے مستحق تھے۔ انہیں یہ کبھی تصور نہ ہوتا کہ یہ فضلِ ربی ہے)

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ (اور اگر انہیں سیئہ یعنی قحط سالی یا مصیبت آگھیرے)

يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط (تو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بد فالی پکڑتے کہتے کہ یہ قحط سالی اور مصائب ان کی شامت ہے۔ يَطَّيَّرُوْا دراصل يتطيروا تھا۔ قرب مخرج کی وجہ سے تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا ہے۔

تطیّر کی لغوی تحقیق: تطیر کا مادہ طیر ہے یعنی پرندہ جیسے کوّا۔ (اُلّو) وغیرہ۔ شوم۔ یُمن (برکت) کی ضد کا نام ہے۔ یعنی بے برکتی اور اسے طیر اور طائر (پرندے) سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ ان پرندوں کی وجہ سے بے برکتی پھیلتی ہے پھر مدلول علیہ کا نام دال (دلالت کرنے والی شئے) کا رکھا گیا اس لیے کہ اہل عرب ان مخصوص پرندوں کی وجہ سے بے برکتی سمجھتے ہیں اور اسے تفعل کے باب

سے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عموماً تجنّب (کنارہ کشی) کا معنٰی ہوتا ہے یعنی اس میں اشارہ ہوتا ہے جیسے تحوب بمعنے تجنب عن الحوب ای الاثم" یعنی گناہ سے کنارہ کش ہونا" اس کی مزید تفصیل طیرہ میں آئے گی

اعجوبہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ فرعون نے چار سو سال شاہی کی۔ تین سو سال کے عرصہ میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی یہاں تک کہ بخار اور سر کا درد بھی نہ ہوا اور نہ ہی کبھی بھوکا ہوا۔ یہ مدت اس کے دعوٰی ربوبیت کی ہے۔

نبوّت کی انوکھی شان: جب انہوں نے کہا کہ ہمیں خوشحالی اس لیے حاصل ہے کہ ہم اس کے مستحق ہیں لیکن یہ قحط سالی اور تکالیف کا نزول حضرت موسٰی علیہ السلام اور اس ساتھیوں کی نحوست ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالٰی نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا تمہارے ہر دونوں خیالات غلط ہیں۔ اَلَاۤ۔ خبردار یاد رکھو۔ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ۔ ان کی بے برکتی اللہ تعالٰی کے ہاں ہے۔ یعنی جو کچھ انہیں خوشحالی یا قحط سالی پہنچتی ہے۔ ان ہر دونوں کے اسباب اللہ تعالٰی کے ہاں ہیں یعنی ان ہر دونوں کی قضا و قدر اللہ تعالٰی کے ہاں ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ہوتا ہے۔ نہ کسی کی ذاتی برکت ہے اور نہ ہی کسی میں بے برکتی۔

سوال: شوم بری شئے ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف کیونکر؟

جواب: پہلے بتایا گیا ہے کہ شوم کو طائر سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ طائر اس نحوست بے برکتی وغیرہ پر دلالت کرتا ہے اور وہ طائر بھی نحوست کا ایک سبب ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی نے اس دلالت کی بنا پر اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ان کے اعمال سیئہ اللہ تعالٰی کے ہاں ہیں اور وہ اعمال سیئہ ان بندوں کے ہیں جن کی وجہ سے وہ مصائب و شدائد میں مبتلا ہوئے۔ جیساکہ بتایا گیا ہے کہ طائر یعنی دلیل بول کر مجازاً مدلول علیہ مراد لیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں طائر کو اللہ تعالٰی نے اپنی طرف منسوب فرما کر مجازاً بندوں کے اعمال سیئہ مراد لیے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔ یعنی جو کچھ انہیں اللہ تعالٰی کی طرف سے مصائب کا نزول ہوتا ہے یا جو کچھ انہیں ان کے اعمال سیئہ سے نحوست پڑتی ہے۔ تو وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ بلکہ اس کے علاوہ الٹی سیدھی کہہ کر کچھ کا کچھ بکتے ہیں۔ چنانچہ ابھی ان کی باتوں کی تفصیل گذری ہے

نکتہ: آیت میں اکثر کی قید سے معلوم ہوا کہ ان کے بعض ایسے امور سے واقف تھے۔ لیکن عمل نہ کرتے یہ ان کا تکبّر اور عناد تھا۔

طیرہ کی تحقیق: یاد رہے کہ طیرۃ تطیر بمعنے تشاءم کا اسم ہے۔ بروزن عنبۃ بمعنے ما یتشاءم بہ من الفال الردی " ردی فال کے لیے جس شئے کو نحوست کا سبب

سمجھا جائے اسے "طیرۃ" کہا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب پرندوں سے بد فالی پکڑتے تھے۔ مثلاً کوئی شخص سفر کو جاتا تو راستہ میں اس کی سیدھی جانب سے کوئی پرندہ گذر جاتا تو اس پرندہ کو بابرکت سمجھتے اور اس کا نام "سانح" رکھتے۔ اگر کوئی پرندہ بائیں جانب سے گذرتا تو اسے منحوس سمجھتے اور اس کا نام بارح رکھتے۔ اس طرح کے پرندے گذرنے پر سفر کو بے ظفر سمجھ کر سفر کا ارادہ ترک کر کے گھر بیٹھ جاتے۔ اس طرح سے یہ طریقہ پرندوں سے ہونے لگا۔ تو ایسے پرندوں کو بد فالی کے طور طیر سے تعبیر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہر بد فالی کو طیرہ و طائر کہنے کا رواج ہو گیا۔

بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اظہارِ نبوت کے بعد فوراً ہی اس گندے عقیدے کی جڑ کاٹ دی اور فرمایا کہ "الطیرۃ شرک۔ بد فالی پکڑنا شرک ہے اور اس کلمہ کو سہ بار فرمایا۔

سوال : طیرۃ شرک کیسا۔ یہاں پرستش تو نہیں؟

جواب : چونکہ مشرکین بد فالی کو نفع و نقصان کا اعتقاد رکھتے تھے اس لیے اسے شرک سے تعبیر فرمایا[1] پھر وہ اس نفع و نقصان کو ان اشیاء کو ذاتی طور مانتے۔ بنا بریں گویا انہوں نے اس بد فالی کو اللہ تعالٰی کا شریک ٹھہرایا۔

مسئلہ : حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے سفر کا اسی ارادہ سے ترک کرے جیسے مذکور ہوا تو وہ مشرک ہے یا کم از کم گنہگار ضرور ہے۔

مسئلہ : محیط (فقہ کی کتاب) میں ہے کہ جب کو تری غیر مانوس آواز سے بولے تو کوئی کہے کہ اس کی منحوس آواز بتاتی ہے کہ فلاں مریض فوت ہو جائے گا تو یہ قائل کافر ہو گیا۔ (عند بعض المشائخ)

مسئلہ : جب کوئی شخص سفر کے لیے نکلا تو کوے (عقعق) کی آواز سن کر سفر کا ارادہ ترک کر کے واپس گھر کو آگیا تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہو گیا (جب کہ عقیدہ مذکورہ دل میں ہے ورنہ نہیں)

حکایت : حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما کے ہاں بیٹھے تھے کہ اچانک (عقعق) کوا کائیں کائیں کرتا ہوا گذرا تو ایک شخص نے کہا خیر ہے خیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر (کچھ بھی نہیں)

نکتہ : کوے کو نحوست کی فال لینے کا نکتہ یہ ہے کہ عربی میں کوے کو غُراب کہتے ہیں دمشتق از اغتراب

---

[1] چونکہ انہوں نے اسے ایجاد بندہ کے طور نفع و نقصان کا اعتقاد رکھا۔ اس لیے مشرک ہوئے اور اہل سنت انبیاء و اولیاء کو نفع و نقصان کا سبب مانتے ہیں اور انہیں سبب یعنی وسیلہ ماننا عین اسلام ہے

فافہم وتدبر ولاتکن من الوہابین ۱۲ اویسی

بمعنے جدا ہونا) اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اسے بھیجا کہ جاؤ دیکھو طوفان کا پانی کتنا ہے۔ یہ گیا تو واپس نہ لوٹا۔ اس لیے اسے غراب البین سے تعبیر کرتے ہوئے اس سے شامت و نحوست کی فال پکڑتے ہیں۔ اس معنے پر غربتہ (مسافری) کو اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ ؎

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بد فالی اسے نقصان پہنچاتی ہے جو بد فالی کے خیال میں ہو ورنہ اس سے کسی قسم کا نہ نفع ہے نہ نقصان۔

فائدہ: اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جو بد فالی پکڑتا ہے یا اس کا عقیدہ وہی ہے تو کسی وقت اس مصیبت میں ضرور گرفتار ہو گا۔ ورنہ جو متوکل علی اللہ ہے اور صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کا دل اس عقیدہ پر مضبوط ہے کہ خوف و رجا صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اسے اسباب کی طرف قطعاً توجہ نہ ہو (اگر ہو تو صرف اسباب کی حد تک) اور جن کلمات کے پڑھنے کا حکم ہے انہیں اس نیت سے پڑھے کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اور انہیں بھی صرف پڑھنے پر محدود رکھے۔ یہاں تک یہ تصور تک نہ ہو کہ انہی کلمات سے یہ مصیبت ٹلے گی۔ ہاں ان کی برکت کا عقیدہ ہو اگرچہ تقدیر ٹالنے کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اسے ایسی فالیں نقصان نہیں پہنچاتیں۔

فائدہ: کلماتِ نبویہ سے یہ دعا مراد ہے:

اللھم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الہ غیرک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ما کان شاء اللہ کان لا یاتی بالحسنات الا اللہ ولا یذھب بالسیئات الا اللہ واشھد ان اللہ علی کل شئ قدیر۔

ترجمہ: اے اللہ کوئی فال نہیں سوا تیرے اور نہیں کوئی بھلائی سوا تیری بھلائی کے اور نہیں معبود تیرے سوا اور نہیں طاقت و قوت سوا تیرے وہی ہوتا ہے جو تو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا حسنات کوئی نہیں لاتا اور برائیوں کو وہی ہٹاتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے پر قادر ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کام کے لیے جائے اور اسے بد فالی کا تصوّر آجائے تو کام کرنے سے رکنے کے بجائے مذکورہ بالا دعا پڑھ کر کام کے لیے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے گا) کیونکہ انسان کو جو کچھ بھلائی برائی برکت یا نحوست حاصل ہوتی ہے وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اس کے حکم اور ارادہ کے تحت ہوتا ہے۔

حدیث شریف: نحوست عورت اور گھوڑے اور دار میں ہے۔

؎ مزید تفصیل سورۂ ہود میں پڑھیئے۔

شرح الحدیث: عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ عورت بدخلق ہو یا اس کی حق مہر حد سے زائد وصول کی جائے۔ بعض نے کہا منحوس عورت وہ ہے جو بچے نہ جنے اور گھوڑے میں نحوست یہ ہے کہ وہ بے قابو ہو جائے یا یہ کہ اس کے ذریعے جنگ وجہاد نہ کیا جا سکے اور دار کی نحوست یہ ہے کہ وہ تنگ ہو یا اس کے ہمسائیگان برے ہوں۔

فائدہ: یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

نکتہ: ان تینوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر نقصان ہوا کرتا ہے یا انسان آفات میں ان کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جس انسان کو ان اشیاء سے واسطہ پڑ جائے تو انہیں اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کرے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ "لا طیرۃ الخ" یعنی اسلام میں بدفالی کا تصور حرام ہے؟

جواب: ابن قتیبہ نے فرمایا کہ یہ حدیث مخصوص عنہ البعض ہے۔ اب حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں بد فالی نہیں۔ اگر ہے تو صرف ان تینوں میں ہے۔

حکایت: ایک فلسفی نے دھیمی آواز سن کر کہا کہ سنا ہے لوگ کہتے ہیں کہ اُلو کی آواز کسی کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ آواز بتاتی ہے کہ اُلو کی مادہ مرجائے گی۔

زیبقم در گوش کن تا نشنوم　　　　یا دام بگشا تا بیروں روم

ترجمہ: میرے کان میں روئی ٹھونس دے تاکہ میں کچھ نہ سن سکوں یا میرا پھندا کھول دے تاکہ باہر چلا جاؤں۔

حکایت: ایک بادشاہ کے زمانہ میں ستارے گرے تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ ممکن ہے کہ اسے کوئی آفت نازل ہو۔ اپنے ملک کے نجومیوں اور مولویوں کو بلایا تاکہ اسے اس کی حکمت سے آگاہ کر کے اس کے دفعیہ کا علاج بتائیں۔ لیکن ان میں کوئی بھی اس گتھی کو نہ سلجھا سکا تو جمیل شاعر نے کہا:

هذی النجوم تساقطت　　　　لرجوم اعداء الامیر

ترجمہ: یہ ستارے ہمارے بادشاہ کے دشمنوں کے سر توڑنے اور مٹانے کے لیے گرے ہیں۔

بادشاہ نے اس کے شعر کو نیک فال تصور کیا۔ اس کے صلہ میں شاعر کو بہت بڑے انعام واکرام سے نوازا۔

مسئلہ: نیک فالی شرعاً جائز ہے (جیسے بادشاہ مذکور نے کیا)

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک فال سے خوش ہوتے۔ البتہ بد فالی سے

لہ آجکل تو نحوست بزوروں پہ ہے کہ مہر کے بجائے جہیز کی لعنت سے کئی بیچاری عورتیں زندگی بھر کنواری رہ جاتی ہیں۔

کراہت فرماتے۔

فائدہ: نیک فالی یہ ہے کہ کسی سے اچھا کلمہ سن کر اپنے لیے بہتری تصور کرے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کام کی طلب میں ہے تو اسے اچانک کسی نے کہا " یا واجد یا نجیح " اسی طرح کوئی سفر میں ہے تو کسی سے اچانک سنے یا سالم۔

مسئلہ: نیک کاموں میں نیک فالی جائز ہے۔ لیکن بد فالی ہر حال حرام ہے۔

سوال: یہ عجیب معاملہ ہے کہ نیک فالی جائز ہے اور بد فالی ناجائز۔ حالانکہ ہر دونوں کا طریقہ ایک ہے اس لیے کہ نیک فالی میں بھی انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات سے انجام کار پر دلیل لی جاتی ہے اور بد فالی میں بھی حیوان یا پرندے کو بد انجامی کی دلیل بنایا جاتا ہے۔

جواب: انسانی ارواح میں قوت و طاقت بہت زیادہ اور یہ روشن ترین اور صاف و شفاف ہوتی ہیں بنا بریں انہیں نیک فالی کی دلیل بنانا ممکن ہے اور حیوانات اور پرندوں کے ارواح صاف و شفاف نہیں اور حد درجہ کے ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ بنا بریں انہیں انجام کار کی دلیل بنانا بیکار ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استسقاء کے موقعہ پر چادر مبارک کو الٹا۔ اس سے صاحب ہدایہ نے استدلال فرمایا کہ آپ نے چادر مبارک کو نیک فالی کے طور الٹایا اس لیے کہ گویا اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے کہ یا اللہ تعالیٰ جس طرح ہم نے چادر کو الٹا ہے تو ہمارے حال کو خوشحالی سے بدل دے۔

مختار کل نبی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سن کر بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلا دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر کو پھیلایا۔ تو آپ نے میری چادر کو اپنے ہاتھ مبارک میں لیا اور اسے متفرق طور ادھر ادھر کر کے پھر مجھے فرمایا اسے جمع کر لے۔ میں نے اسے جمع کر کے ملایا تو اس کے بعد مجھے کوئی بات نہ بھولتی۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے بھی نیک فالی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیے کہ چادر کو پھیلانے اور متفرق کرنے سے علم کو چادر پر گرایا نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس فرق و ضم میں اس نیک فالی کی طرف اشارہ تھا کہ جیسے چادر کو پھیلا دیا ہے کہ اس سے کوئی شئے گر نہ جائے۔ اسی طرح میں نے سنی ہوئی شئے کی طرف کان لگایا ہے۔ پھر جیسے تو اے الٰہ العلمین کسی بندے کو رزق واسع عطا فرماتا ہے تو گویا دونوں ہاتھوں سے ہی عطا فرماتا ہے۔ ایسے

ہی اے الٰہ العلمین اس بندے کو علم کی وسعتوں سے نواز دے اسی طرح جیسے کسی شئے سے ملنے سے احوال بدل جاتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اسماء بعض امور پر دلالت کرتے ہیں۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کسی سے پوچھا تیرا نام کیا ہے تو اس نے کہا "جمرہ" (انگارہ) آپ نے پھر پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کی شہاب۔ آپ نے فرمایا تیرے قبیلہ کا نام کیا ہے کہا "حرقہ" آپ نے فرمایا کہاں رہتے ہو اس نے کہا حرہ میں۔ حرہ سیاہ پتھروں والی زمین کو کہا جاتا ہے جسے دور سے دیکھ کر محسوس کیا جائے کہ گویا وہ جل گئی ہے۔ آپ نے اسے فرمایا اپنے گھر جلد پہنچ وہ جل رہا ہے۔ واپس لوٹا دیکھا تو تمام گھر والے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کسی کام کے لیے کسی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے اس سے نام پوچھا تو اس نے جواباً کہا "ظالم بن سراق" آپ نے فرمایا میں تجھ سے مدد نہیں لیتا اس لیے کہ تو ظالم اور تیرا باپ چور۔

فائدہ: تقریر مذکور اور احکامات سے معلوم ہوا کہ قبیح اسماء کو نیک اسماء سے تبدیل کرنا بھی نیک فالی ہے مسئلہ مذکور کی نظیر حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تمارضوا فتمرضوا" اپنے آپ کو مریض مت ٹھہراؤ کہیں واقعی تم مریض نہ ہو جاؤ۔ یعنی جو شخص اپنے لیے مریض ہونا ظاہر کرے اور کہے کہ میں مریض ہوں اور اس کے اس فعل و قول سے مرض پیدا ہو جائے تو اس کا اس قول و فعل پر مواخذہ ہوگا۔

گفت پیغمبر کہ رنجوری بلاغ　　　رنج آرد تا بمیرد چوں چراغ

ترجمہ: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا مذاق سے بیماری ظاہر کرنے سے تجھے بیماری آکر دیئے کی طرح بجھا دے گی یعنی تجھ پر موت آجائے گی۔

اللہ تعالےٰ ہی حسنات کا ہادی اور برائیوں کا دافع ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَقَالُوْا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات عصا مبارک اور قحط سالی اور نقص ثمرات کو فرعون اور اس کی برادری نے جب ملاحظہ کیا تو کہا مَهْمَا۔ یہ اسم شرط دو فعلوں کو مجزوم کرتا ہے مثلاً "مہما تفعل فعل" میں دونوں فعل مجزوم ہیں۔ یہ کسی کے سوال پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی سوال کرے کہ تم اس فعل کو عمل میں لانے کی قدرت نہ رکھو تو تجھے کیا کرنا چاہیے۔ تو پھر اس کے جواب میں کہا جاتا ہے مَهْمَا نَفْعَلْ۔ یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے اس کی خبر (فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام تم جو

بھی تَاتِنَا بِہٖ (ہمارے ہاں لاؤ گے، یعنی ہمارے سامنے ظاہر کرو گے) اور بڑی مشکل سے مشکل بات کو حاضر کرو گے۔ بِہٖ کی ضمیر مہما کی طرف لوٹتی ہے مِنْ اٰیَۃٍ یہ مِنْ بیانیہ ہے اور مہما کا بیان ہے۔ یعنی جس طرح کا معجزہ لاؤ گے۔

سوال: فرعونی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے پر اعتماد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ تو اسے جادو سے تعبیر کرتے پھر اسے " مِنْ اٰیَۃٍ " کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: یہ مخالف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اعتقاد کے مطابق کہا نہ کہ اپنے اعتقاد کے مطابق۔ جیسے مخالف سے گفتگو کا طریقہ ہے کہ اس کے اعتقادیات یا تصوّرات کے مطابق گفتگو کی جاتی ہے۔
لِتَسْحَرَنَا بِهَا لا تاکہ تم اس کے ذریعے ہماری آنکھوں پر جادو چلا کر انہیں مخمور کر دیں۔ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ بہرحال ہم تمہاری نبوّت کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہی تمہارے اوپر ایمان لائیں گے۔

فارسلنا علیھم۔ مروی ہے کہ فرعونیوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا[1]۔ ید بیضا[2]۔ قحط سالی[3]۔ نقص ثمرات[4] چاروں معجزات دکھائے تو آپ نے دعا مانگی کہ یا اللہ فرعون نے تیری زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور باغی و سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم بھی تیرے معاہدے توڑ چکی ہے۔ اب ایسا معاملہ فرما کہ ان کے لیے عذاب بھیج تاکہ میری قوم کے لیے نصیحت اور آنے والوں کے لیے عبرت ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی تو فرعونیوں کو مندرجہ ذیل امور میں مبتلا فرمایا (چنانچہ فرمایا) ہم نے ان پر بھیجا۔
اَلطُّوْفَانَ۔ ایسا پانی جو ان کے ہاں پہنچ کر تمام کو محیط ہو گیا۔ بلکہ ان کے مکانات اور کھیتوں کو گھیر لیا۔ آسمان سے سخت بارش ہوئی یا سیلاب کا زور ہوا۔

والجیراد (ٹڈی)، جیسے فارسی میں " ملخ " اردو میں ٹڈی کہتے ہیں۔

ٹڈی کے متعلق تحقیق: حیٰوۃ الحیوان میں ہے کہ جنگلی ٹڈی جب انڈے سے نکلے تو اسے " الدبا " کہا جاتا ہے۔ جب اس پر رنگ چڑھتا ہے اور بڑی ہو جاتی ہے تو اگر پیلا رنگ اختیار کرے تو وہ نر ہوتا ہے۔ اگر سیاہ رنگ ہو تو وہ مادہ ہوتی ہے۔ اس سن والی کو عربی میں الجراد کہتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
کہ ٹڈیوں کو قتل مت کرو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔

فائدہ ومسئلہ: اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تمہاری کھیتی کا نقصان نہ کریں تو تم بھی انہیں نہ مارو۔ ہاں اگر کھیتی کا نقصان کریں تو انہیں قتل کرنا جائز ہے۔

اعجوبہ وحدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ہاتھ مبارک پر ایک ٹڈی آکر بیٹھی اس پر عبرانی زبان میں لکھا تھا کہ ہم اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا لشکر ہیں اور ہماری ایک ٹڈی ننانوے انڈے دیتی ہے اگر پورا مکمل سَو ہوجاتا تو ہم تمام دنیا و مافیہا کو کھا جاتے۔ یہ دیکھ کر آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ ٹڈی کو ہلاک وتباہ کردے اور ان کی بڑی بڑی ٹڈیوں کو قتل کر دے اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹڈیوں کو مار دے اور ان کے انڈے خراب کر دے اور مسلمانوں کی کھیتیوں اور ان کی معاشں سے انکے منہ بند کردے۔ تو دعاؤں کو سننے والا ہے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے تو عرض کی کہ آپ کی دعا بعض ٹڈیوں کے لیے قبول ہوگئی ہے۔

حکایت: سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک دسترخوان پر جمع تھے۔ اس پر میرا بھائی محمدّ بن الحنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور میرے چچیرے بھائی حضرت عبداللہؓ وقثم وفضل ابنائے عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی موجود تھے اچانک ہمارے دسترخوان پر ایک ٹڈی آپڑی۔ جسے حضرت عبداللہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پکڑلیا اور مجھ سے پوچھا اسپر کیا لکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور سرور عالم صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلمؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر لکھا ہوا ہے " انا اللہ لاالٰہ الا انا رب الجراد ورازقہا الخ (میں اللہ ہوں میرے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں۔ میں ٹڈی کا رب ہوں اگر چاہوں تو زمین پر پھیلا کر اپنی مخلوق کا رزق بناؤں اگر چاہوں تو اسے اپنی مخلوق پر بلا بنا کر بھیجوں۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ پوشیدہ علوم میں سے ایک ہے۔

اعجوبہ: انسانی غذا میں زیادہ شرارت وفساد ڈالنے کے لحاظ سے ٹڈی سے بڑھ کر اور کوئی جانور نہیں۔

مسئلہ: تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ٹڈی حلال ہے۔

مسئلہ: ائمہ اربعہ کا فتویٰ ہے کہ ٹڈی کا ہر حال میں کھانا حلال ہے وہ مردہ ہو یا زندہ یعنی خواہ خود بخود مری ہو یا ذبح کرنے سے اسے مسلمان نے شکار کیا ہو یا مجوسی نے اس کی کوئی شئے کاٹ دی ہو۔ اس کی حلّت کے عموم پر حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے، ہمارے لیے دوؔ مردار اور دوؔ خون حلال ہیں۔ دو خون سے جگر اور طحال (تلی)، اور دو مردار سے مچھلی اور ٹڈی مراد ہے۔

طبی چٹکلہ ۱ : جسے سلسل بول ہو وہ جنگلی ٹڈی کی دھونی دے تو آرام ہو جائے گا۔

طبی چٹکلہ ۲ : ابن سینا نے فرمایا کہ استسقاء کی بیماری کے لیے مجرب ہے کہ بارہ عدد ٹڈی پکڑ کر ان کے سر اور پاؤں کاٹ کر اس میں مُور دخشک (ایک دوائی کا نام ہے) ملا کر پیا جائے تو شفا ہوگی۔

فائدہ : بحری ٹڈی وہ صدف (سیپ) کی ایک قسم ہے وہ عموماً بلادِ عرب میں دریا کے ساحل پر پائی جاتی ہے۔ اسے عموماً بھون کر اور پکا کر بھی کھاتے ہیں اور وہ اس کا گوشت (جذام) کوڑھ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

(وَالْقُمَّلَ) تفسیر فارسی میں اس کا ترجمہ "ملخ پیادہ" لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کبار القردان مراد ہیں اور قردان قراد کی جمع ہے جسے ترکی زبان میں کنہ کہتے ہیں وہ اونٹ پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔ امثال میں کہا جاتا ہے فلان اسمع من قراد۔ فلاں قراد سے بھی زیادہ سنتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اونٹوں کے پاؤں کی آواز ایک دن کے سفر کی مسافت سے سن کر حرکت میں آجاتا ہے۔ یعنی اس کی آمد کی خوشی سے کہ وہ اس پر مسلّط ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں قمل سے وہ کیڑا مراد ہے جو گندم سے خارج ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں قمل ایک پرندہ ہے جو گندم پر پڑتا ہے جو ٹڈی کے علاوہ ہے۔ اس کا کام ہے کہ وہ گندم کی کچی بالی کو کھا جاتا ہے پھر وہ کھیتی بالی کے بغیر بڑی ہوتی ہے۔

فائدہ : حضرت حسن نے (الفتح القاف وسکون المیم) سے پڑھا ہے اور اس سے وہ جوئیں مراد لی ہیں جو انسان کے بدن اور کپڑوں میں پڑتی ہیں۔

اعجوبہ ۱ : زندہ جوئیں پھینکنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے یعنی جوئیں مار ڈالنی چاہئیں ورنہ نسیان کی بیماری ہوتی ہے۔

نسیان کی بیماری : کھٹی اشیاء اور چوہے کا پس خوردہ کھانے اور جوئیں زندہ چھوڑنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

اعجوبہ ۲ : عورت کے حمل کو معلوم کرنا چاہیں کہ اس میں لڑکا ہے یا لڑکی تو ایک جوں پکڑ کر کسی کی ہتھیلی پر رکھ کر اس عورت کا دودھ اس پر ڈالا جائے۔ اگر وہ جوں مر جائے تو سمجھو اس کے حمل میں لڑکا ہے۔ اگر زندہ نکل جائے تو سمجھو کہ اس کے حمل میں لڑکی ہے۔

ادرار بول کا بہترین نسخہ : کسی کا پیشاب رک جائے تو اسی کے جسم کی جوں پکڑ کر اس کے ذکر کے سوراخ میں رکھی جائے تو اس کا پیشاب کھل جائے گا۔

فائدہ : جوں انسان کے پسینہ اور جسم کی میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے وہ پسینہ اور میل کچیل مراد ہے جو زائد ہو کر جسم سے نکل کر کپڑے اور موٹے کپڑوں اور بالوں کو لگ جائے اور اس سے بدبو پیدا ہو جائے

فائدہ : بعض انسان جوُنی طبیعت ہوتے ہیں۔ اگرچہ صاف ستھرے رہتے ہوں اور جسم پر خوشبو بھی لگاتے ہوں اور بار بار کپڑے بھی بدلتے ہیں تب بھی ان میں جوئیں بہت پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالےٰ عنہما جوُنی طبع واقع ہوئے۔ یہاں تک کہ انہیں رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت طلب کرنی پڑی اور آپ نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت بخش دی۔

فائدہ : اگر ان کے لیے ریشم پہننا ضروری نہ ہوتا تو حضور علیہ السّلام انہیں کبھی اجازت نہ بخشتے۔ اس لئے کہ ریشمی کپڑے کے استعمال کی سخت مخالفت ہے۔

مسئلہ : جوئیں دفع کرنے کے لیے ریشم کا استعمال جائز اس لیے ہے کہ ریشم میں جوں دفع کرنے کی خاصیت رکھی ہوتی ہے۔

فائدہ : ریشم کا استعمال جوئیں والے کے لیے صرف سفر میں مخصوص نہیں۔ بلکہ حضر میں بھی جائز ہے

فائدہ : جوئیں ٹھنڈی طبیعت رکھتی ہیں اس لیے سردیوں میں زیادہ ہوتی ہیں اور گرمیوں میں نہیں ہوتیں

خصوصیت نبوّت

: امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھتی اور نہ ہی آپ کے جسم مبارک میں جوئیں پیدا ہوئیں۔

وَالضَّفَادِعُ۔ ضفادع بروزن ضفدع کی جمع ہے لغت کے لحاظ سے یہی زیادہ مشہور اور صحیح تر ہے اس کی مؤنث ضفدعۃ آتی ہے۔ عوام ضفدع کی دال پر (درہم کی طرح) فتح پڑھتے ہیں لیکن خلیل نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کلام عرب میں اس وزن کے صرف چار اسماء آتے ہیں (۱) درہم (۲) ہجدم (۳) ہبلع (۴) بلعم اور یہ بھی ایک اسم ہے اسی لیے یہ ان چاروں سے نہیں فلہٰذا درہم کی طرح بفتح الدال نہ ہوگا۔

مینڈکوں کی اقسام : مینڈک کئی ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جو نر و مادہ کے جمع ہونے سے پیدا ہوتے ہیں یہ جنگلوں میں بچے دیتے ہیں اور پانی میں زندگی بسر کرتے ہیں دوسرے وہ جو نر و مادہ کے جمع ہونے کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ضعیف چلنے والے پانی اور کھڑے پانی میں اور بدبودار پانی اور تیز کثیر اور زوردار بارش سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ بادل سے گرتے ہیں۔ اس لیے بارش اور ہوا کے بعد یہ گھروں کی چھتوں پر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ نر و مادہ کے جمع ہونے سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس مٹی کی تاثیر سے ایسے ہی اپنی قدرت کاملہ سے اسی وقت پیدا فرمائے ہیں۔

اعجوبہ: مینڈک ایک ایسا جانور ہے جس میں ہڈی نہیں ہوتی۔ ان میں بعض وہ ہیں جو ٹرٹر کرتے ہیں اور بعض بالکل گونگے ہوتے ہیں اور ٹرٹر کرنے والوں کی آواز بھی کان کے قریب سے نکلتی ہے اور اس میں قوتِ سامعہ بھی بہت تیز ہوتی ہے لیکن یہ اسوقت ہوتا ہے جب ٹرٹر نہ کریں اور ہوں بھی پانی سے باہر۔

اعجوبہ: جب اس کی نچلی باچھ پانی میں ڈبو دی جائے اور پانی اس کے منہ کے اندر چلا جائے تو ٹرٹر نہیں کرسکتا۔ کسی ایک شاعر نے اس پر ایک عجیب شعر کہا اور خوب کہا۔ اس پر اسے سزا بھگتنی پڑی وہ شعر یہ ہے

قالت الضفدع قولا۔ فسرتہ الحکماء ۔۔ فی فمی ماء وھل ینطق من فیہ ماء

ترجمہ: مینڈک نے کوئی بات کہی تو حکماء نے اس کی تفسیر کی کہ میرے منہ میں پانی ہے اور جس کے منہ میں پانی ہو وہ کیا بات کرے۔

فائدہ: حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مینڈک سے کوئی زیادہ اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے والا نہیں۔

فائدہ: زمخشری نے کہا کہ اس کی تسبیح یہ ہے سبحان الملك القدوس

حکایت: حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات اتنا تسبیح پڑھوں گا کہ اس کا کوئی بھی مقابلہ نہ کرسکے گا۔ یہ سن کر ایک گوشہ سے مینڈک بولا کہ حضرت جی! فخر مت کیجئے مجھے ستر سال ہوئے اللہ تعالےٰ کی تسبیح پڑھ رہا ہوں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی ذکرالٰہی سے میری زبان نہیں رکی اور دس راتوں سے نہ تو میں نے کچھ کھایا نہ پیا۔ وہ اس لیے کہ نہ ان دو کلمات کے پڑھنے سے فراغت ملی ہے نہ کھا پی سکا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کلمات کونسے ہیں۔ عرض کی یہ ہیں " یا سُبحانی بکل لسان و مذکور بکل مکان (اے وہ ذات کہ جس کی ہر زبان میں تسبیح اور ہر مکان ہیں اس کا ذکر ہوتا ہے) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ کاش میں اس سے بلیغ تر ہوتا۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ سے مروی ہے کہ مینڈک کو مت مارو اس لیے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کے لیے منہ میں پانی رکھ کر آتش نمرود پر پانی ڈالا تھا۔

فائدہ: ابن سینا نے کہا کہ جس سال مینڈکوں کی کثرت ہو (عادت سے زائد ہوں) تو سمجھ لو کہ ان کے مرنے کے بعد وبا پھیلے گی۔

خواب کی تعبیر: جو شخص خواب میں مینڈک دیکھے تو اسے پوشیدہ طور کوئی نقصان اٹھانا ہو گا۔ اس

لیے کہ واقعات محمودیہ میں لکھا ہے کہ یہ دراصل اناج بھرنے والا تھا اور اناج کو کم کر کے کھاتا۔ اس نقصان کی وجہ سے تعبیر وہی ہوگی جو مذکور ہوئی۔

خواص مینڈک ؛ (۱) جو عورت چاہے کہ اسے حمل نہ ہو تو وہ بحری مینڈک پکڑ کر اس کا منہ کھول کر اس کے منہ میں اپنی تھوک ڈال دے پھر اس مینڈک کو جلدی سے پانی میں پھینک دے وہ زندگی بھر حاملہ نہیں ہوگی۔

(۲) بال اکھیڑ کر مینڈک کا خون اس جگہ پر مل دیا جائے تو پھر وہاں پر بال نہیں اُگتے۔

(۳) مینڈک کی چربی جس دانت پر رکھ دی جائے تو وہ درد کے بغیر اکھڑ جائے گا۔

حکایت ؛ امام قزوینی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم موصل میں تھے کہ ایک دوست نے باغ لگایا اس میں بیٹھنے کا ایک مکان بنایا اور ساتھ ہی اس کے ایک پانی کا گڑھا کھودا۔ اس گڑھے میں بہت سے مینڈک پیدا ہو گئے۔ لیکن جب وہ جمع ہو کر ٹرٹر کرتے تو وہاں کے رہنے والے ان کے شور سے پریشان ہو جاتے اور نہ ہی انہیں کسی طرح بھگا سکتے تھے۔ اتفاقاً وہاں ایک آدمی کہیں سے آیا۔ اس نے کہا کہ اس حوض کے اوپر الٹا تھال رکھ دو۔ جونہی انہوں نے اس گڑھے پر الٹا تھال رکھا تو مینڈک ایسے خاموش ہوئے کہ اس کے بعد ان کی کبھی آواز نہ سنی گئی۔

وَالدَّمَ۔ مروی ہے کہ فرعونیوں پر آٹھ دن مسلسل بارش ہوتی رہی اور وہ آٹھ دن سخت تاریک بھی تھے۔ ان دنوں کوئی بھی اپنے گھر سے باہر نہیں جا سکتا تھا اور اتنی بڑی زوردار بارش تھی کہ ان کے گھروں کے اندر گھس گئی

بیٹھنے سونے کا موقعہ نہ ملتا تھا تو وہ کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہونے میں بھی ان کو پانی گلوگیر ہو گیا۔

فائدہ ؛ تراقی ترقوۃ کی جمع ہے وہ ہڈی جو سینہ کے انتہائی حصہ اور کاندھوں کے درمیان واقع ہے سر سے نیچے گردن پر چادر لٹکنے کی جگہ کو ترقوہ کہا جاتا ہے۔

قبطیوں کے عذاب کی تفصیل ؛ اتنی بہت بڑی بارش یہاں فرعونیوں کو غرق کر رہی تھی تو بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ حالانکہ قبطیوں (فرعونیوں) اور بنی اسرائیل کے گھر دیوار بدیوار تھے۔ لیکن پانی بنی اسرائیل پر برستا ہوا کھیتوں۔ باغوں اور جنگلوں میں نکل کر فوراً خشک ہو جاتا۔ سات دن مسلسل جب بارش نے قبطیوں کو ستایا کہ وہ نہ گھروں میں رہنے کے رہے اور نہ کھیتوں میں جا سکتے تھے تو مجبور ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دعا مانگئے ہمارے سے یہ عذاب ٹل جائے ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے ان کے لیے دعا مانگی تو ان سے بارش کا عذاب دفع ہو گیا۔ پانی خشک ہوتے ہی زمین سے

ٹڈیاں جو کچھ چھوڑ گئیں تھیں۔ جوئیں نے آکر سب پر ہاتھ صاف کیا۔ بلکہ ان کے پکے ہوئے طعاموں میں اور ان کے کپڑوں اور چمڑوں میں گھس کر انہیں چوستیں بلکہ ڈنس لگاتیں اور ان کے سر اور ابرو اور بھووں کے بال کھا گئیں ان پر زندگی دوبھر ہوگئی۔ نیند حرام ہوگئی اور قرار کھو بیٹھے ان پر چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور یہ جب سے پھوٹی تا حال ہمارے اوپر مسلّط ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر قبطی گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب سے نجات کی استدعا کی۔

آپ نے اس وقت بھی دعا فرمائی اور ان سے عذاب دفع ہوگیا۔ لیکن بدبختوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اب ہمیں یقین ہوگیا کہ آپ بہت بڑے جادوگر ہیں اور تمہارے رب کا معاملہ عجیب ہے کہ اس نے ہماری کھیتی تباہ و برباد کر ڈالی اور ہمارے اناج ضائع کر دیے۔ اب تم جو چاہو کر لو ہم کسی قیمت پر تمہارے اوپر بہترین انگوریاں اور گھاس پیدا ہوا۔ جسے دیکھ کر جی خوش ہوتا تھا۔ ایسا خوش منظر کبھی نہ دیکھا گیا۔ قبطی کہنے لگے یہی ہم چاہتے تھے اور ہمارے لیے یہ نعمت نازل ہوئی اور خوش حالی بھی نصیب ہوئی اور ہم اس کے مستحق بھی تھے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احسان کیسا۔ فلہٰذا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے۔

اس طرح سے انہوں نے معاہدہ توڑا اور اس حالتِ کفر پر صرف ایک مہینہ گزرا تو ان پر اللہ تعالےٰ نے ٹڈی بھیج دی اور ان کے سارے کھیتوں کو گھیر لیا اور اتنی کثیر کہ ایک دوسری پر ایک ایک گز تہ بہ تہ تھی اور آتے ہی ان کے تمام کھیت اور باغات اور ان کے جنگلات اور تمام لکڑیاں یہاں تک کہ ان کے گھروں کے دروازے اور چھتیں اور ان کے کپڑے تمام کھا گئیں۔ لیکن بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہے۔

ایک ٹڈی بھی ان کے گھروں میں داخل نہ ہوئی۔ قبطی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے دفعیہ کے لیے استدعا کی۔ آپ نے جنگل میں جاکر ٹڈیوں کو اپنے عصا مبارک سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا تو تمام ٹڈیاں جہاں سے آئیں واپس لوٹ گئیں حالانکہ سات دن تک قبطیوں کے گھروں کو گھیر اڈال رکھا تھا لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے ایک بھی باقی نہ رہی۔ قبطیوں نے جونہی دیکھا کہ بعض بعض مقامات پہ کھیتی اور گھاس وغیرہ ٹڈیوں کی تباہی سے محفوظ ہیں۔ تو آپس میں مشورہ کیا کہ سال تک ہمارے اور ہمارے جانوراں کے لیے اناج اور گھاس کی کفایت کرے گا۔ سال کے بعد پھر ہم کاروبار کو سنبھال لیں گے فلہٰذا کیا ضرورت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے سر جھکائیں اور ان پر ایمان لائیں۔ یہ طے کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم آپ کو نہیں مانتے۔ ان کی اس سرکشی پہ اللہ تعالےٰ نے ان پر جوئیں اور کیڑے اور دیمک بھیج دی۔ انہوں نے آکر قبطیوں کی تمام سبزیاں ہضم کر لیں اور زمین پر پڑا ہوا اناج وغیرہ تمام چٹ کر گئیں

ایمان نہیں لاتے اللہ تعالےٰ نے اس کی سرکشی پر مینڈک بھیج دیے۔ یہاں تک کہ ان کے پہنے ہوئے کپڑوں اور پکائے طعاموں میں مینڈک ہی مینڈک پھیل گئے۔ بلکہ ان کے بستروں اور پکتی ہوئی ہانڈیوں میں مینڈک اچھلتے کودتے نظر آتے اور جب کلام کرتے تو ان کے منہ سے مینڈک نکل آتے۔ مینڈکوں کی بہت زیادہ ٹرٹر کرنے سے ایک دوسرے کی بات سن سمجھ نہیں سکتے تھے۔ جب انہیں مارتے تو گندگی کا انبار لگ جاتا کہ جہاں انہیں بیٹھنے کے لیے ایک انچ بھی جگہ نہ ملتی۔ اس سے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عجز والحاح کی۔ آپ نے اب بھی ان کے لیے دعا فرمائی تو انہیں اس عذاب سے نجات ملی کہ ایک ایسی تیز ہوا چلی جس نے مینڈکوں کو اٹھا کر دریا میں پھینک مارا لیکن ان بدبختوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاہدہ توڑ دیا پھر اللہ تعالےٰ نے ان پر خون کی بارش برسادی کہ ان کے پانی یہاں تک کہ کنوئیں اور نہریں اور چشمے خون آلود ہو گئے اور عذاب اتنا واضح کہ بنی اسرائیل اور قبطی ایک برتن سے پانی پیتے تو بنی اسرائیل کی جانب سے بہترین پانی لیکن قبطی کی جانب سے خون ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل کے منہ سے قبطی پانی چوستا تو وہ بھی قبطی کے منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔

؎ قوم موسیٰ شو بخور ایں آب را   صلح کن با من ببیں مہتاب را

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہو کر یہ پانی پی میرے ساتھ صلح کر پھر مہتاب نظر آئے گا۔

فرعون کی حالتِ زار : فرعون کو جب پیاس نے ستایا تو اس کے لیے جنگلوں سے درختوں کے پتے توڑ کر لائے جاتے جنہیں نچوڑا جاتا۔ لیکن جب فرعون پینے کا ارادہ کرتا تو وہ خالص خون ہوتا یا نہایت کڑوا۔ اسی طرح سات دن تک قبطیوں نے نہ کھایا نہ پیا۔ اگر کچھ پیٹ کی آگ بجھاتے تو وہ بھی خون ہی خون ہوتا۔ فرعون نے کہا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام یقین کیجئے مجھے تمہارے معبود کی قسم اب اگر آپ نے ہمارے سے عذاب ٹال دیا تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو وہی پانی میٹھا اور لذیذ بن گیا۔ لیکن فرعون اور اس کے ساتھی کفر پر پہلے کی طرح ڈٹ گئے یہاں تک کہ دریا میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہوئے۔

اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۔ یہ (اَرْسَلْنَا) کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ہم نے ان پر مذکورہ بالا اشیاء کو بھیجا درآنحالیکہ وہ ایسی واضح آیات وعلامات تھیں کہ جس کے سمجھنے پر کسی عاقل کو کسی قسم کا اشکال نہیں تھا اور ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ یہ واقعی اللہ تعالےٰ کی آیات اور اس کا عذاب ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا مفصلات بمعنے متفرقات ومفصلات ہے اس لیے کہ وہ ایک زمانہ کی مہلت کے بعد دوسری کا وقوع ہوتا تھا۔ تاکہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو کر کیا وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں یا مخالفت وعناد پر بدستور سرکش رہتے ہیں۔ ان میں ہر

ایک کو ایک ماہ کے بعد نازل کیا جاتا اور ہر ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہتی۔
فَاسْتَكْبَرُوا۔ اس کے بعد پھر بھی وہ متکبّر رہے اور ایمان سے نفرت اختیار کی۔
وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ۔ اور وہ مجرم قوم تھی۔ یعنی کفر میں ایسے سرکش کہ باوجود آیات کے ظہور اور مسلسل عذاب میں مبتلا رہنے کے ایمان نہ لائے۔
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ۔ اور جب عذاب مذکور یعنی طوفان وغیرہ بطور سزا کے ان پر نازل ہوا۔ قَالُوا۔ تو ہر بار کہا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ۔ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے ہمارے لیے دعا کیجئے۔ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کی باء اُدْعُ کا صلہ اور ما مصدریہ ہے اور اس عہد سے نبوّت مراد ہے۔ یعنی دعا کیجئے تاکہ ہم سے عذاب وغیرہ ٹل جائے اور معاہدہ کا وسیلہ پیش کرو۔ جس کا تمہارے ساتھ رب تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے یعنی نبوّت کا وسیلہ اس لیے نبوّت کے حقوق اور اس کے مقتضیٰ سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی امّت کے مصائب و شدائد کو دفع کرنے کے لیے نبوّت کو وسیلہ بنائیں۔

فائدہ: نبوّت کو عہد سے تعبیر کرنے میں مبالغہ ہے۔ بایں معنی کہ جب اللہ تعالےٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو نبوّت عطا فرمائی تو گویا اس پر ایک بوجھ ڈالا کہ جس سے وہ اپنے رب تعالےٰ کے پیغامات پہنچائیں اور وہ اس کے صلہ میں ان کی ہر مشکل کے وقت دعا مستجاب فرمائے۔ یہاں عہد بمعنے معہود ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ وہ وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا ہے وہ یہی کہ جب تم دعا مانگو گے وہ قبول کرے گا۔ اس معنے پر یہ ما موصولہ ہے اور اس سے وہ الفاظ مراد ہیں جو دعا مانگنے والا اپنی طلب حاجت کے وقت اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش کرے اور اس معنے پر بھی باء اُدْعُ کا صلہ ہو گی۔
لَئِنْ كَشَفْتَ۔ البتہ اگر وہ ٹال دیں گے عَنَّا الرِّجْزَ۔ ہمارے سے وہ جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے عذاب لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ۔ تو البتہ ضرور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کے آبائی وطن یعنی بیت المقدس جانے کے لیے اجازت دیں گے) اور انہیں اپنی خدمات سے آزاد کر دیں گے۔
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ هُم بَٰلِغُوهُ۔ پس جس وقت ہم نے ان سے عذاب کو ایک مدت تک چھوڑ رکھا۔ یعنی اس مدت تک کہ جس کے عذاب میں مبتلا ہو کر فنا و برباد ہوئے یعنی پانی میں ڈوب کر مرجانے تک إِلَىٰٓ أَجَلٍ كَشَفْنَا سے متعلق ہے اور هُم بَٰلِغُوهُ۔ محلاً مجرور ہے اس لیے کہ یہ اجل کی صفت

ہے۔ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ یہ لما کا جواب ہے یعنی ہم نے انہیں نجات دی تو وہ اچانک تامّل و توقف کے بغیر وعدہ توڑنے پہ آ گئے۔

نکث فارسی میں بمعنے عہد شکستن (وعدہ توڑنا) ہے۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ۔ یہ فاء انتقام وعذاب کے عہد شکنی کی سببیت کے لیے ہے اور انتقام سے یہاں نتیجہ مراد ہے یعنی تباہی و بربادی اسی طرح غضب سے بھی یہی مراد ہے اس لیے کہ ان کا حقیقی معنے اللہ تعالےٰ کے لیے مراد لینا محال ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ برائی کی سزا برائی سے دینے کو مجازاً انتقام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: انتقام اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیوں ہے حالانکہ یہ کام تو انبیاء و اولیاء کا ہے۔

جواب: چونکہ انبیاء و اولیاء فانی فی اللہ و باقی باللہ ہوتے ہیں ان کا مطمحِ نظر سوائے ذاتِ حق کے اور کچھ نہیں ہوتا اسی لیے اللہ تعالےٰ ان کی جانب سے یہ کام سرانجام دیتا ہے کہ ان کے دشمنوں کو بدلہ کے طور عذاب میں مبتلا کرتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا جبکہ وہ معاصی وجرائم میں مبتلا ہوئے۔ اس معنے پر فَاَغْرَقْنٰهُمْ انتقام کا عین ہے یعنی لفظ دو ہیں معنے ان کا ایک ہے۔

سوال: اگر یہ انتقام کا ہم معنی ہے تو پھر اس پر فاء کا دخول کیوں؟

جواب (۱): لفظاً عین نہیں بلکہ معنیً ہے اور معنیً بھی بایں طور ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ ایسے لوگوں کا انتقام اللہ تعالےٰ کے ارادہ سے غیر منفک نہیں ہوتا۔

جواب (۲): یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مطلق انتقام مراد ہو۔ اس معنے پر فاء تفسیریہ ہے چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ الخ

فِي الْيَمِّ۔ ایسے دریا میں کہ جس کی گہرائی کا ادراک ناممکن ہو یا یم سے مراد دریا کی بہت بڑی گہرائی مراد ہے اہلِ عرب (لُجَّةُ الْبَحْرِ) دریا کی بہت بڑی گہرائی کو کہتے ہیں۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ یم عبرانی لغت میں دریا کو کہا جاتا ہے اور عبرانی یہودیوں کی لغت ہے۔

فرعون کے غرق ہونے کا بیان

تفسیر فارسی میں ہے کہ فرعون اور اس کا لشکر دریائے قلزم میں غرق ہوا اور دریائے قلزم مصر کے نزدیک ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے جائیں اس سے قبل بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے زیور عاریتاً لے رکھے تھے۔ ان سے کہا کہ ہم نے ایک (عید) خوشی میں شمولیت کرنی ہے۔ انہوں نے انہیں اپنے زیور دے دیئے اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو مصر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا اور وہ بنی اسرائیل کو رات کے پہلے حصے میں لے کر چلے تھے۔ اس وقت بنو اسرائیل (مرد و عورت اور بچے ملا کر) کل میزان چھ ہزار تھے۔

فرعون کو معلوم ہوا تو ایک لاکھ دو ہزار لشکر لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پا لیا۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا لشکر دریا میں پہنچ چکے تھے اور دریا میں عصا مبارک مارا تو اس میں بارہ سڑکیں بن گئیں (اس لیے کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے)، ہر قبیلہ دریا کی اپنی سڑک پر گزرا۔ فرعون اور اس کا لشکر انہی راستوں سے دریا میں داخل ہوئے جہاں سے بنی اسرائیل دریا میں داخل ہوئے تھے۔ جب وہ دریا کے درمیان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا تو جوش میں آکر اس نے فرعون اور اس کے تمام لشکر کو ڈبو دیا۔

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ (اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے وہ غافل تھے)، یہ غرق ہونے کی تعلیل ہے یعنی انہیں اس لیے غرق کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے معجزوں کی تکذیب کی اور ان سے روگردانی کر کے ان میں پورے طور غور و فکر نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ ان معجزات سے گویا غافلوں جیسے ہو گئے۔

فائدہ : اگرچہ فاء کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا اغراق نکث عہد کے بعد ہو لیکن تعلیل کی تصریح سے ثابت ہوا کہ اس سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان سب کا دار و مدار آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب اور ان سے روگردانی پر ہے تاکہ سامعین کے لیے زجر و توبیخ ہو کہ تم بھی اگر حضور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے آیات و معجزات کا انکار یا اعراض کرو گے تو تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ (اور ہم نے انہیں وراثت بخشی ایسی قوم کی)، اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور اَلْقَوْمَ اَوْرَثْنَا کا مفعول اول ہے كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ جنہیں قبطیوں نے کمزور کر ڈالا تھا اور ان پر جبر و تشدد اور قہر و استبداد کرتے یعنی ان کے لڑکوں کو ذبح کر کے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ کر ان سے خدمت کرا کر اور خود انہیں اپنے نوکر اور غلام بنا کر ذلیل کرتے۔

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا۔ یہ اَوْرَثْنَا کا مفعول ثانی ہے اس سے شام کا ملک مراد ہے۔ یعنی اس علاقہ کے مشارق و مغارب۔ یعنی شرقی و غربی جہات کا انہیں وارث بنایا۔ چنانچہ فراعنہ و عمالقہ کے بعد اس ملک پر بنو اسرائیل کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کے مستقل طور مالک بن گئے۔

الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ ایسا کہ ہم نے ان میں برکتیں نازل فرمائیں کہ وہ ملک خوشحال بن گیا اور بنی اسرائیل کو رزق

کی فراوانی نصیب ہوئی۔ یہ جملہ مشارق و مغارب کی صفت ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى۔ اور تیرے رب تعالےٰ کا اچھا کلمہ مکمل ہوگیا۔

فائدہ: کلمہ سے یہاں اللہ تعالےٰ کا ان سے فتح و نصرت کا وعدہ مراد ہے جو انہیں اللہ تعالےٰ نے ملک شام پر قبضہ بخشا۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا " ونمکن لهم فی الارض ونری فرعون و ھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون " اور اس سے قبل کا ارشاد کہ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمہ ونجعلھم الوارثین " اور کلمہ کے اتمام سے اپنے وعدہ کا ایفاء اور اس کی تکمیل مراد ہے اس لیے کہ شئے کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مکمل کرنے والے سے وقوع پذیر ہو (زبان سے یا لکھنے سے اور عیان و خارج ہیں) اتمام و تکمیل کا یہی مقصد ہے کہ وہ شئے واقع ہو جائے۔

علی بنی اسرائیل بما صبروا۔ (بنی اسرائیل بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا) یعنی ان شدائد و مصائب پر صبر کرنے کا صلہ ہے جو انہیں فرعون اور اس کی قوم سے پہنچے۔ وَدَمَّرْنَا۔ (اور ہم نے خراب و برباد اور ہلاک کر ڈالا)

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ (وہ جو فرعون اور اس کی قوم کرتی تھی) یعنی فرعون اور اس کی قوم کی تعمیرات اور ان کی بلڈنگیں اور مکانات و محلات یعنی ہم نے فرعون کی تمام عمارتیں ڈھا دیں۔

(ترکیب) فرعون کان کا اسم اور یصنع اس کی خبر اسم پر مقدم ہے اور یہ تمام جملہ ناقصہ ما موصولہ کا صلہ ہے اور اس میں عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی " ودمرنا الذی کان یصنع فرعون وما کانوا اور وہ تھے یعرشون بلند کرتے یعنی ان کے باغات انگوروں کے یا کھجوروں کے اور درخت وغیرہ۔

فائدہ: زبدۃ التفاسیر میں ہے کہ عرش کے انگوروں اور درختوں کے اوپر کے حصے (جو چھت نما ہوتے ہیں) مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ عزیز وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ عزت دے اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ ذلیل کرے اور جو شخص بھی مصائب و شدائد میں اللہ تعالےٰ کی رضا میں صبر کرے تو اسے ضرور عزت نصیب ہوگی ورنہ انجام بخیر تو نصیب ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وعدہ پورا کر کے دکھایا کہ انہیں مشارق و مغارب کی سلطنتیں قبضہ میں دیدیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بھی سورہ نور میں وعدہ بخشا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

فائدہ اَلْاَرْضِ سے عرب و عجم کے کفار کی زمین اور اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے بنو اسرائیل مراد ہیں۔

مختارِ کل نبی علیہ السلام ① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹا تو میں نے تمام مشارق و مغارب کا معائنہ فرمایا۔ یاد رکھو کہ میری اُمت کی ملکیت مملکت وہاں تک محیط ہو گی جہاں تک میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا (مشکوٰۃ شریف وغیرہ)۔

② ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اس تمام زمین کو جمع کر کے میرے سامنے رکھا (اس سے شبِ معراج کے علاوہ کوئی دوسرا وقت مراد ہے بہرحال) میں نے مشارق و مغارب کی تمام زمین کے گوشے گوشے کو دیکھا۔ پھر وعدہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کو اس تمام روئے زمین سے بھر دے گا اور وہ اس دھرتی کو عدل سے پُر کر دیں گے جیسے اس سے قبل وہ دھرتی جور و ستم سے پُر ہو جائے گی اور مؤمنین کو تمام روئے زمین کا مالک بنا دے گا (یہ اس صورت میں ہے جب الارض کی الف و لام کو استغراق پر محمول کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ الف لام عہد خارجی کی ہے جیسے کہا جاتا ہے اغلق الباب۔ جبکہ اس سے مخصوص دروازہ مراد ہو اور اس میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

فائدہ اس سے یہ ضروری نہیں کہ زمین کا چپہ چپہ مراد ہو اور نہ ہی آپ کی اُمت کا زمین کے چپے چپے کا مالک ہونا ضروری ہے۔

اعجوبہ زمین کے جس ٹکڑے پر حضور علیہ السلام کی نگاہ کرم ہوئی کہ وہ دار الاسلام ہوئی اور جو زمین آپ سے محجوب رہی وہ دار الکفر ٹھہری۔ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اسی سے کرم و نعمت اور اسی کی طرف رجوع اور اچھا انجام ہے۔ وَاللّٰهُ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال ومنه الکرم والنوال والیه الرجوع والمآل۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے عبور کرایا۔ فاعل بمعنے فعل یعنے جاوز بمعنے جاز ہے۔ ایسے ہی اہل عرب کہتے ہیں جاوز الوادی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس اس وادی کو طے کر جائے۔ ایسے ہی کہتے ہیں جاوزہ بغیرہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی اس دریا کو عبور کرلے۔ یہاں پر با تعدیہ کی ہے جیسے ہمزہ اور تشدید بھی تعدیہ کے لئے ہوتے ہیں اس تقریر پر اب آیت کا معنے ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرایا۔ یعنی جاوزنا بمعنے اجزنا یا جوزنا ہے اس کا معنیٰ فارسی میں بگذرانیدیم (ہم نے عبور کرایا) اور اس سے دریائے قلزم مراد ہے لیکن جس نے اس سے دریائے نیل مراد لی

ہے اس سے غلطی ہوئی۔ قاموس میں ہے قلزم بروزن قنفذ ایک شہر کا نام ہے جو مصر و مکہ کے درمیان کوہ طور کے قریب واقع ہے۔ اس کی طرف بحر کی اضافت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے بحر القلزم اس لئے کہ وہ اس کے کنارے واقع ہے یا اس لئے کہ وہ دریا اتنا زوردار ہے کہ جو بھی اس سے گذرے تو وہ اُسے لقمہ بنالیتا ہے قلزمتہ سے ماخوذ ہے بمعنی الابتلاع یعنی نگلنا۔

فائدہ مروی ہے کہ اس دریا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عاشورہ کے دن عبور فرمایا اسی لئے اس دن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے لئے روزہ رکھا۔

فَاَتَوْا پس آئے یعنی گذرے۔ **عَلٰی قَوْمٍ** (ایک قوم سے) اس سے کنعان کے عمالقہ مراد ہیں جن کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے جنگ کا حکم فرمایا تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ لخم قوم تھی (وہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے) اور بعض اُن میں جاہلیت کے دور میں بادشاہ بھی تھے۔ زمخشری نے کہا کہ وہ مصر کا قبیلہ تھا۔

یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ اپنے بتوں کے اردگرد بیٹھے تھے یعنی ان کی عبادت پر مواظبت و مداومت رکھتے تھے۔

حل لغات العکوف تاج المصادر میں ہے کہ کسی شے کے گرداگرد پھرنا یا کسی جگہ مقیم ہونا۔ مثلاً کہا جاتا ہے عکفای جلسہ اور عکف علیہ یعنی فلاں شے پر مواظبت کرنے والا ہے۔

قَالُوْا اس قوم کا حال دیکھ کر کہنے لگے۔ **یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا** اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے بھی مجسمے بنایئے تاکہ ہم اُن کی پرستش کریں **كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ** جیسے ان کے معبودوں کے مجسمے ہیں اور وہ وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کاف کا متعلق محذوف ہے جو الٰھًا کی صفت ہے اور ما موصولہ ہے اور لہم اس کا صلہ ہے اور آلھۃ ما سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی اجعل لنا آلھا کائنا کالذی استقرولہم الخ اس تقریر پر عائد محذوف ماننا پڑے گا۔

فائدہ اس قوم کے بت گائے کی شکل کے تھے۔ یہی واقعہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا پیش خیمہ بنا۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فرمایا تم جاہل قوم ہو۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مطلق جہالت سے کیوں موصوف فرمایا؟ (اس لئے کہ تجہلون کا مفعول مذکور نہیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں فعل متعدی کا مفعول محذوف ہو وہاں مطلق مراد ہوتا ہے)۔

جواب اُن کی شان سے بعید تھا باوجودیکہ وہ بہت بڑے معجزات اور آیات مفصلات کا مشاہدہ کر چکے تھے لیکن پھر بھی غیر دانشمندانہ سوال کر دیا۔ اسی لئے وہ مطلق جہالت کی صفت سے موصوف ہونے کے لائق ہوئے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ باب تفعیل کا مفعول ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں تبرہ تتبیرا ای کسرہ واہلکہ یعنی اس شے

کو توڑ کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ متبرہ بمعنے متجر و مہلک یعنی بے شک وہ قوم جو مجسموں کی پرستش کر رہے ہیں اُن کا یہ حال بربادی کا ہے۔ مَّا هُمْ فِيهِ جسمیں وہ ہیں یعنی جس دین باطل کے مطابق ہو کر جو کچھ کر رہے ہیں تو وہ ایسا دین ہے جسے اللہ تعالیٰ عنقریب تباہ و برباد کر دے گا۔ اور اُن کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے بلکہ ملیا میٹ کر دے گا مَا هُمْ فِيهِ متبّر کے ان کی خبر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ماھم فیہ متبر کا فاعل ہو اس لئے کہ متبّرٌ کا معتمد علیہ یعنی مسند اللہ موجود ہے اسی لئے وہ اب اپنے فعل کا عمل کرے گا وَبٰطِلٌ اور نرا باطل ہے۔ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ وہ عمل یعنی وہ جو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی پرستش تقرب الی اللہ کے ارادہ پر ہے لیکن چونکہ بلا اجازت شرعیہ ہے اسی لئے یہ تقرب وسیلہ بھی کفر ہے[1]

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا أَغَيْرَ اللَّهِ کیا عبادت کے غیر مستحق کو أَبْغِيكُمْ یہاں لام محذوف ہے دراصل "ابغی لکم" تھا۔ تمہارے لئے تلاش کروں إِلَٰهًا معبود یہ لفظ غیر سے تمیز یا حال ہے اور وہ غیر ابغی کا مفعول ہے۔ اور یہ ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی وہ شے جو اللہ تعالیٰ کا غیر ہے وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازا۔ جو تمہارے سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ یعنی مذکورہ آیات باہرہ معجزات شریفہ صرف تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کو عنایت ہوئے تمہارے سے پہلے کسی ایک کو ایسے آیات مفصلات نصیب نہیں ہوئے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس سے ان کے ہمزمان قبطی مراد ہے۔ اس لئے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل قبطیوں کے نوکر تھے اور نہایت ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے جسمیں انہیں تنبیہہ کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے بعد شکر گذاری کے بجائے برائی کا مظاہرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے مراتب سے فائز المرام ٹھہرایا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا استحقاق ذلیل ترین مخلوق کے لئے ظاہر کیا بلکہ ذلیل ترین مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرایا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہمائی چوں تو عالی قدر حرص استخواں حیفست

دریغا سایہ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ: تُو تو ہُما ہے تو کتنا عالی قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ تو ہڈیوں کا حریص ہے تجھ پر افسوس کہ تو نے اپنی ہمت نا اہل کو دیدی ہے۔

---

[1] اس سے انبیاء و اولیاء کو تقرب الی اللہ یعنی وسیلہ سمجھنا کا عقیدہ صحیح ٹھہرا اس لئے کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا اجازت شرعیت محمدیہ ہے علی الصاحبہا الصلوٰۃ والسلام ۱۲۰۔ اُویسی غفرلہٗ

سبق: اس شخص پر بڑا افسوس ہے کہ جو نا قدرشناس ہے اور اپنی عالی ہمتی کا تعلق نااہل سے وابستہ کرتا ہے
خلق را نیست سیرت پدراں
ہمہ برسیرت زمانہ روند

ترجمہ: خلق خدا کی سیرت باپ کی وراثت نہیں ہر ایک اپنی سیرت پر چلتا ہے۔

ربط: اب نجات پانے اور اس کے متعلقات نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ
وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور اے بنی اسرائیلو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی وہ کرم نوازی جو تمہارے ساتھ کی گئی وہ یہ کہ تمہیں فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی و بربادی سے پوری پوری نجات بخشی۔

ربط: اب بتایا جاتا ہے کہ اُن کو کس مصیبت سے نجات بخشی گئی وہ یہ کہ
یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور تمہیں سخت ترین اور نہایت ہی ہولناک مصائب میں دوچار کرتے تھے یہ سأ السلعۃ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب سامان کی طلب کی جائے۔ اس جملہ سے بدل بنا کر اس کی مزید تشریح فرمائی کہ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وہ تمہارے بچوں کو ذبح کرتے۔ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور تمہاری بیٹیوں کو خدمت کے ارادہ پر باقی رکھتے۔ وَفِیْ ذٰلِكُمْ اور اس نجات دینے اور بری سزائیں بَلَآءٌ نعمت یا محنت (آزمائش) ہے اس لئے کہ لفظ بَلَآءٌ ہر دونوں معنوں پر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ) مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے امور کے مالک سے اس لئے کہ نعمت و محنت ہر دونوں من جانب اللہ ہوتی ہیں۔ عَظِیْمٌ ایسی بڑی کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ (انجاء اور عاشورہ کے فضائل کا بیان سورہ بقرہ میں گذرا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت ہذا میں بنی اسرائیل سے قلب کے صفات اور نفس سے قالب اور اس کے صفات مراد ہیں اور بحر سے دنیا اور فرعون سے نفس مراد ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ قلب و قالب اور اس کے صفات کے عذاب میں مبتلا تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں (نفس) اور دنیا سے نجات بخشی تو ان کا ایک قوم پر گذر ہوا یہاں قوم سے صفات رُوح مُراد ہیں جو کہ وہ اپنے بتوں کی پرستش میں سرمست تھیں یہاں بتوں سے معانی معقولہ و معارف روحانیہ مراد ہیں تو انہوں نے انہیں بہتر اور اعلیٰ سمجھ کر وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا یعنی صفات روح نے عالم ارواح حظیرہ پر اقامت کا پروگرام بنانے کا ارادہ کیا تو موسیٰ کو کہا۔ یہاں پر موسیٰ سے وہ وارد ربانی مراد ہے جس نے انہیں بحر دنیا سے عبور کرایا۔ یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ اس میں اشارہ ہے کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا کہ اسی کے فضل و کرم سے قدم عبودیت و صدق طلب پر ثابت قدم رکھ کر مقصد اعلیٰ تک

پہنچاتا ہے) تو بندہ نفائس عقبٰی توڑ سے قسمت خسائس دنیا کی طرف جھک جانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے خطاب فرما کر اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا (اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف تھوڑے سے جھک جاتے)۔ تو موسیٰ یعنی وارد ربانی نے ان صفات روحانیہ کی طرف جھکتا دیکھ کر فرمایا اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ تم اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں اُن کی عنایات بے غایات کا علم ہے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ بے شک یہ صفات روح مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ سراسر تباہی ہے وہ جو اس میں ہیں فیہ کی ضمیر کا مرجع رُکون و عکوف ہے۔ یعنی صفات کا صرف معانی معقولہ و معارف روحانیہ کے معلومات کی طرف جھکنا اور انہیں پہ مداومت کا پروگرام بنانا رُوح کے لئے سراسر تباہی بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ سب باطل اور ضائع ہے قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ کہا کیا تمہیں ایسی منزل پر اُتاروں جو وصال و صول سے تعلق نہیں رکھتا۔ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جمیع حیوانات وجنات اور ملائکہ پر فضیلت بخشی ہے وہ اس طرح کہ انسان حب جسمانیات اور روحانیات کو عبور کر کے معارف و حقائق الٰہیہ تک پہنچ جائے وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نفس اور اُس کی صفات سے نجات بخشی يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور تمہیں بُعد و فراق کے بہت بڑے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے۔ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ اور تمہارے اعمال صالحہ کو باطل کرتے بایں طور کہ اعمال صالحہ قلب سے متولد ہوتے ہیں۔ لیکن نفس اور اس کے صفات ریا و عجب نفسانی و دیگر خرابیوں کو قلب پر مسلّط کر کے تمام اعمال صالحہ ضائع کر دیتے۔ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور باقی رکھتے نفس اور اس کے صفات کے لئے قلب کے صفات بایں طور کہ قلب سے جو عمل صالح صادر ہوتا ہے وہ سمعہ و عجب سے ملوث ہوتا تاکہ نفس اور اُس کے صفات کی خدمت ہوتی رہے وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش یا نعمت ہے یعنی نفس اور اس کے صفات کے لئے قلب کے صفات کی خدمت کرنے میں بایں طور کہ قلب اور اُس کے صفات کے تمام صالحہ میں ریا و سمعہ ہو تاکہ نفس کو منافع دنیوی کے حصول میں حظ وافر نصیب ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں نفس اور اس کے صفات کی قیود سے نجات بخشی تاکہ تم غیر اللہ کی طلب اور ماسوی اللہ کی عبادت میں مبتلا نہ ہو اور نہ ہی صرف روحانیات اور معقولات کی طرف جھکو۔ اُن خرابیوں سے بچ جاؤ گے تو تمہیں مراتب وصول اور درجات وصال نصیب ہوں گے (التاویلات النجمیہ)

صوفیانہ چٹکلے (۱) وصال حق کی پہلی منزل نفس کو یکلخت چھوڑ دینا ہے اسی طرح وصال حق سے محرومی منزل نفس کو اوّلیت کا درجہ دینا ہے۔

(۲) درجاتِ قرب کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نفس کے تمام شواہد مٹا کر حق کو جگہ دی جائے۔

(۳) دلالت الی اللہ کی طلب کی کوئی انتہا نہیں۔

(۴) یہ اصول مسلم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہتا ہے اسے ضرور اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوگا۔ اس گھڑی کا اگرچہ تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن جب نصیب ہوتا ہے تو پھر آنکھ جھپکنے سے بھی پیشتر۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

غرض زمسجد و میخانہ ام وصال شما است

جز ایں خیال ندارم خدا گواہ منست

ترجمہ: مجھے مسجد اور میخانہ سے تیرا وصال مقصود ہے میری اس غرض کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔

ایک صوفی کی آپ بیتی

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا اپنی پوری زیبائش و آرائش سے دکھائی گئی لیکن میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر مجھے عقبیٰ اور حور و قصور اور اُن کے حسین و رنگین نقوش سامنے لائے گئے لیکن میں نے بے رغبتی دکھائی تو آواز آئی اگر تو دنیا کو پسند کر لیتا تو تجھے عقبیٰ کی نعمتوں سے محروم رکھا جاتا پھر اگر تُو عقبیٰ کو دیکھ کر مست ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محجوب رہتا۔ اب ہم نے تیرے حجابات ہٹالئے ہیں دونوں جہانوں میں ہم تیرے تو ہمارا۔

حضرت بایزید بسطامی کی کہانی

حضرت احمد بن حضرویہ رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ رب العزۃ جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے احمد سارے لوگ مجھ سے دنیا و آخرت کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن صرف بایزید کو میری طلب ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ

نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں سفید کاغذ ہے میں نے پوچھا حضرت اسے کیا کرو گے فرمایا کہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کے دوستوں (محبوں) کے نام درج کروں گا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے عرض کی تو اس فقیر کا نام ان سب کے نیچے لکھ دینا۔ غیب سے ندا آئی کہ اے جبریل ابراہیم کا نام سب سے اوپر لکھ دیجئے۔

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِينَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهٖٓ

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو

اَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَ

اسکے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا۔ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا میری قوم پر میرے نائب رہنا اور

اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا

اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا اور جب موسیٰؑ ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا اور

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرٰىنِي وَلٰكِنِ

اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں

انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِي ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى

اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے

رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ

رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔ پھر جب ہوش ہوا بولا

قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ

پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں فرمایا

يٰمُوسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي ۖ

اے موسیٰؑ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي

تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو اور ہم نے اس کے لیئے تختیوں

الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ

میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اور فرمایا اے موسیٰؑ

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيكُمْ

اسے مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں

دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ

عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا بے حکموں کا گھر اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں

فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ

ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں

وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا

اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں اس میں چلنا پسند نہ کریں اور گمراہی کا راستہ

سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

نظر پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہو جائیں یہ اس لیئے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ

اور ان سے بے خبر بنے اور جنہوں نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا

جھٹلایا ان سب کا کیا دھرا اکارت گیا انہیں کیا بدلہ ملے گا مگر وہی جو

یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

کرتے تھے

تفسیر عالمانہ وَ وٰعَدْنَا کسی نفع کے پہنچنے سے پہلے خبر دینے کا نام وَعْدٌ ہے یعنی ہم نے وعدہ کیا **مُوْسٰی** موسیٰ علیہ السلام سے یہ عجمی اسم ہے اس کا کوئی اشتقاق نہیں یا یہ موسیٰ الحدید سے مشتق ہے اس کا وزن مفعل ہے اَوْسَیْتُ لاسَہٗ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنا سر منڈائے یا اس کا وزن فعلیٰ ہے ماس یماس اس کا اصل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص چلنے میں نازو نزاکت کا مظاہرہ کرے اور موسیٰ (سر مونڈنے کا استرہ) کو اس لئے موسیٰ کہتے ہیں کہ وہ سر مونڈتے وقت سر پر چلتا پھرتا رہتا ہے۔ ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً تیس شبا روز کا۔

سوال آیت میں تو لفظ لیلۃ ہے تم نے دنوں کو کیسے شامل کر لیا؟

جواب چونکہ اہل عرب کے مہینوں کا دارومدار رؤیت ہلال پر ہے اور وہ رات کو نظر آتا ہے بنابریں آیت میں لیلۃً کا لفظ بول کر مطلق شب و روز مراد لیا گیا ہے اور ثَلٰثِیْنَ وَ وٰعَدْنَا کا مفعول ثانی ہے

اس سے پہلے مضاف محذوف ہے وہ لفظ تمام ہو یا مکث۔

سوال ابن الشیخ نے فرمایا کہ موعود کا ایفاء واعد وعدہ کرنے والے سے ہوتا ہے اور یہاں یہ معنے اللہ تعالیٰ کے لئے صحیح نہیں ہو سکتا؟

جواب یہ مفاعد یعنی واعدنا اپنے معنیٰ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کا ایفاء کا یہ معنے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں کوہ طور پر ٹھہر کر تیس روزے مکمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں موعودہ کتاب تورات عنایت فرمائے گا اور موسیٰ علیہ السلام سے ایفائے عہد کا معنے یہ ہے کہ وہ یہاں ٹھہر کر کوہ طور پر تشریف لاکر روزے مکمل فرمائیں۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ واعدنا بمعنے وعدنا نہیں بلکہ (اپنے حقیقی (مفاعلہ) معنے پر ہے جبکہ اس کی یہ تاویل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ صراحۃً ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ ضمناً ہے جس پر اُن کا اس حکم پر سر تسلیم خم کرنا دلالت کرتا ہے۔

وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ اور ہم نے ان تیس دنوں کو دس سے مکمل کیا۔ یعنی ان تیس دنوں پر ہم نے دس دن اور بڑھا دیئے۔ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ پس اس کے رب تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت مکمل ہوا۔

وقت اور میقات میں فرق میقات ہر اُس وقت کا نام ہے کہ مقرر کردہ وقت میں کوئی عمل بجا لایا جائے اور وقت وہ ہے جس میں کسی شئے کا وقوع ہو۔ اس وقوع کے لئے مقدر کرنے والا فعل کو مقدر کرے یا نہ۔

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً یہ میقات ربہ سے حال ہے اب معنے یہ ہوا کہ درانحالیکہ رب تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت چالیس راتوں میں مکمل ہوا۔ بعض نے کہا کہ اربعین لیلۃ تم کا مفعول ہے اور وہ بمعنے بلغ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پہ قیام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعدہ دے رکھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے مخالفین فرعون وغیرہ کو تباہ و برباد کرے گا تو اس کے بعد انہیں ایک کتاب منجانب اللہ نصیب ہو گی جس میں اُن کی زندگی کا دستور العمل ہوگا کہ کونسے اُمور سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور کن اُمور سے وہ ناراض ہوتا ہے جب فرعون اور اس کا لشکر تباہ و برباد ہو گیا تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ لائیے اپنے رب تعالیٰ سے کتاب موعود۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب وعدہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیس روزے رکھئے ماہ ذی قعدہ شریف کی پہلی تاریخ سے تا آخر شب و روز کا روزہ تھا۔ اس کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوا اور وحی بھیجنے اور نبوت کی تکمیل بات فرمائی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن اور راتیں کھانا پینا بند رکھ کر ان تمام روزوں کو مکمل فرمایا۔

سوال ان تیس دن اور راتوں میں انہیں بھوک نے نہ ستایا ہو گا یا ستایا تو صبر سے کام لیا کہ کبھی بھی کھانے

کا نام تک نہ لیا لیکن جب خضر علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے تھے تو وہاں دوپہر تک صبر نہ کر سکے۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ آتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا لائیے ہمارے ہاں صبح کا کھانا کہ ہم اس سفر میں خوب تھک گئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب خضر علیہ السلام کے ہاں سفر میں تھے وہ بھی امتحان و ابتلاء و تادیب کا سفر تھا اور صحبت بھی ایک مخلوق کی تھی کہ صرف آدھے دن میں بھوک سے نڈھال ہو گئے خلاصہ یہ کہ وہاں بلاء و ابتلا کے علاوہ مخلوق کی صحبت میں تھے جس میں بھوک کا تصور سامنے رہا اور یہاں کوہ طور کی حاضری دیدار الٰہی کے شوق کے لئے تھی اور ذاتِ حق کی قربت و صحبت کی ہیئت بھی شامل تھی جس سے بھوک کا تصور ذہن سے اتر گیا۔ بلکہ یوں کہو کہ ان وجوہ کی بدولت انہیں کھانے پینے کی حاجت ہی نہ رہی [1]

دس راتوں کے اضافہ کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تیس شب و روز کھانا پینا چھوڑا اور اب وعدۂ وصل نزدیک ہوا تو شوق دیدار سے متوجہ الی اللہ ہوئے تو اپنے مُنہ سے بو محسوس فرمائی اور خیال فرمایا کہ اس حالت سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ناموزوں ہے چونکہ اس وقت ان کے مُنہ سے اس طرح بو محسوس ہوئی جیسے عموماً روزہ دار کو افطار سے پہلے محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے اسی حالت میں خرنوب (ایک قسم کا درخت ہے) کی لکڑی سے مسواک فرمایا اور زمین سے کوئی سبز پتہ لے کر چبایا تاکہ منہ کی مکروہ بُو خوشبو سے تبدیل ہو۔ آپ کی اس کاروائی کو دیکھ کر ملائکہ کرام نے آپ سے فرمایا کہ ہم آپ کے مُنہ مبارک سے مُشک سے خوشبو سونگھتے تھے لیکن آپ نے اسے مسواک سے ضائع کر دیا۔ بعض روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزے دار کے منہ کی خوشبو مجھے مشک سے بھی زیادہ مرغوب ہے تو پھر تم نے مسواک کیوں کیا۔ اس حکمت کے پیش نظر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حالت میں شام کے وقت مسواک کرنا کراہت کا فتویٰ دیا۔ اس لئے کہ مسواک روزہ سے پیدا شدہ بو کو ختم کرتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پھر حکم نازل فرمایا کہ دس دن ذوالحج شریف کے اور روزے رکھئے تاکہ انہیں روزوں سے مُنہ کی بُو واپس لوٹے پھر ہم کلامی کا شرف نصیب ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ذوالحج شریف کے دس دن مکمل فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دسویں دن کو ہمکلامی اور وحی سے نوازا (کذا قال اہل التفسیر)۔

سوال ہمکلامی اور وحی دسویں ذوالحج مقرر ہو تو پھر چالیس دن مکمل نہیں ٹھہرتے۔ اس لئے کہ دسویں ذوالحج کا روزہ شرعاً مکروہ ہے؟

جواب ① یہ تکمیل راتوں کے لحاظ سے ہے کہ دسویں شب کے اختتام تک روزہ مکمل کر کے دن کو شرع کے قانون پر روزہ نہ رکھا ہو۔

---

[1] جیسے یوسف علیہ السلام کی زیارت سے بھوک ختم ہو جاتی اور یہاں تو خود ذاتِ حق ہے۔

جواب ② دسویں کا روزہ کی ممانعت ہماری شریعت میں ہوا اور اُن کی شریعت میں مشروع ہو ۔ مؤخرالذکر جواب فقیر (صاحب روح البیان) کی رائے ہے ۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر حاضری کا حکم دیا تو فرمایا کہ اپنی قوم کے دانشمندوں اور برادری کے سرداروں کو ساتھ لائیں تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر جو عنایات ہوں اُن کی اپنی برادری کو گواہی کے طور بیان کریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اُن کا انتخاب کر کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بناکر کوہِ طور روانہ ہوئے کَمَا قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے روانگی سے پہلے فرمایا (تفسیر الحدادی)۔

اور لفظ ہارون اخیہ کا عطفِ بیان پر ہے اُخْلُفْنِيْ میرا خلیفہ اور میرا قائم مقام رہ فِيْ قَوْمِيْ میری قوم میں اور اُن کے اوامر و نواہی پر انکی نگہداشت فرما وَاَصْلِحْ اور اُن کے امور کی اصلاح فرمایئے جو قابل اصلاح ہوا اور اُن کے ساتھ وہ طریقہ اختیار فرمایئے جس میں اُن کا نقصان نہ ہو ۔ بلکہ جن اُمور میں تمہیں اپنا جانشین بنا کر جا رہا ہوں اُن کو ثابت رکھنے یعنی ایمان اور اخلاص عبادت کی انہیں تلقین فرماتے رہیئے وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا ۔ یعنی انہیں جو فساد پر مجبور کرے یا اس کی دعوت دے تو آپ اس کی اتباع نہ کرنا ۔

سوال یہ قبل از وقت واویلا کے مترادف ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح کریں گے ؟

جواب قطع نظر نبوت کی فراست کے آپ اپنی قوم کا تجربہ کر چکے تھے کہ مخالفت کے عادی ہیں بنا بریں اتنا شدید تاکید فرمائی ۔

سوال ہارون علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شریک تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۔ جب وہ بھی نبوت میں شریک تھے تو پھر انہیں اپنا خلیفہ بنانے کا کیا معنیٰ ۔

جواب ① ایک امر کے دو مامور اپنے کسی امر میں منفرد نہیں ہو سکتے جبتک کہ ایک دوسرے سے متفق نہ ہوں اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اُخْلُفْنِيْ ۔

جواب ② موسیٰ علیہ السلام اور نبوت میں اصل اور ہارون علیہ السلام اُن کے تابع اور معاون تھے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے اس طرح عرض کی " فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ يُصَدِّقُنِيْٓ اسے میرا مددی بناکر بھیج جو میری تصدیق کرے اسی لئے مناجات کے لئے بھی انہیں مخصوص فرمایا اور عطیہ الواح کے لئے بھی انہیں ۔

جواب ③ موسیٰ علیہ السلام پر اس قسم کا اعتراض وہ کرے گا جسے شانِ کلیمی سے بے بہرگی ہے ورنہ ظاہر

ہے کہ فرعون کے پاس جانے کے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے منوایا کہ اے اللہ العٰلمین فرعون کے پاس جانے سے انکار نہیں لیکن میرے ساتھ ہارون علیہ السلام کو بھی میرا شریک کار بنا دے اب جبکہ مناجات کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو بھی یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنے بھائی سے کہتے ہیں کہ آپ بجائے میرے ساتھ چلنے کے قوم کی نگہبانی کیجئے۔ اس آخری بات پر معترض کو اعتراض سوجھا اسے یہ نظر نہ آیا کہ یہ جملہ اُمور موسیٰ علیہ السلام جیسے پیارے اور ذو قدر نبی علیہ السلام اپنی مرضی سے نہیں کر رہے بلکہ تمام اللہ والے جو کچھ کرتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ اُن کے قلوب پر واردات والہامات کا وُرود ہوتا ہے اور وہ از خود نہیں بناتے بلکہ ان کا ہر فعل اور قول امر الٰہی سے ہوتا ہے جسے یہ قول مسلم ہے اسے موسیٰ علیہ السلام کا مبنی بر صواب معلوم ہوگا اور اُن کے یہ دونوں معاملے مطابق و موافق محسوس ہوں گے بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک تو سرے سے یہ اعتراض ہی لغو ہے کیونکہ نبوت کا معاملہ ہے۔

جواب ④ مذکورہ بالا جوابات سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام درجات و کمالات پر ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔ یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ انہیں مناجات کے لئے بلایا جا رہا ہے تو پھر انہیں دیدار سے بھی منع کیا جا رہا ہے اسی طرح ہارون علیہ السلام کو ایک وقت نبوّت کا شریک کار بنایا گیا تو دوسرے وقت انہیں مناجات کی حاضری سے روکا گیا۔ یہ اعتراض موسیٰ علیہ السلام پر نہیں بلکہ ذات حق پر ہونا چاہیئے۔ وَهُوَ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

جواب ⑤ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے شریک کار تھے تو اُمور ظاہرہ میں امور باطنہ میں اُن کی شرکت کی بات نہیں اور ظاہر ہے کہ اُمور ظاہرہ کی شرکت امور باطنہ کی مقتضی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ارفع واعلیٰ اور جامع شریعت و طریقت تھے اگر انہیں مناجات کے لئے مخصوص کیا گیا یہ ایک باطنی امر ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی نگرانی سپرد ہوئی وہ ظاہری امر ہے انہیں اپنے مقام کی حیثیت بخشی گئی اور اپنی حیثیت کا مقام بخشا گیا۔ سچ ہے لِكُلِّ مَقَامٍ رِجَالٌ ہر مقام کے لئے اہل ہوتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رموز مصلحت ملک خسروان دانند

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ترجمہ: مصلحت کے رموز بادشاہ جانتے ہیں اسے حافظ تو تو ایک گدا گوشہ نشین تجھے کیا خبر فلہذا چپ رہ۔

خلافت محمدی و خلافت موسوی کا فرق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جانشین بھائی کو بنایا تو صرف دس دنوں میں تمام قوم گمراہ ہوگئی۔ لیکن ہمارے نبی پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال شریف کے وقت اپنی اُمت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا تو صدیاں گذر جانے کے باوجود اُمتِ محمدیہ گمراہی سے محفوظ ہے۔

اشہر الحرام کے فضائل ذیقعدہ و ذوالحجہ دونوں ماہ اشہر الحرام سے ہیں اُن کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان دونوں مہینوں میں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر انہی مہینوں کو ان کی حاجات کی قبولیت اور مناجات کا مرکز بنایا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اشہر الحرام کا ایک روزہ ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہے اور غیر اشہر الحرام کا ایک روزہ دس روزوں کے مساوی ہے۔

حدیث شریف جو شخص اشہر الحرام کے خمیس اور جمعہ اور ہفتہ کا روزہ رکھتا ہے تو اُسے نو سو سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوگا۔

حدیث شریف حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام زمانوں میں اشہر الحرام کے ایام محبوب تر ہیں۔

فائدہ ذوقعدہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اس ماہ کے احترام کے پیشِ نظر اس ماہ میں اہل عرب ایک دوسرے کی جنگ سے بیٹھ جاتے تھے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اس ماہ میں ظاہری روزوں کی پابندی کرے اور باطنی طور پر اپنے ہر امر پر نگاہ رکھے کہ کہیں غلطی کا ارتکاب نہ ہو جائے اس لئے کہ سالک کی روح کو وصال کی تمنا اور رؤیت جمال کا اشتیاق ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دیدار کے لئے حقیقی وعدہ تو چالیس دنوں کا تھا لیکن سالک کی بشریت کے ضعف کے پیشِ نظر تیس دنوں کا وعدہ دیا جاتا ہے پھر نفس کی شرارت سے بچانے کے لئے بھی۔ پہلے تیس روزوں کا اظہار فرمایا تاکہ چالیس دنوں کو بہت زیادہ تباکر نفس کو غالب ہونے کا موقعہ بھی نہ دیا۔

نکتہ چالیسویں عدد کو انبیاء علیہ السلام کے لئے استماعِ کلام کا استحقاق بتایا گیا ہے جیسا کہ چلہ کشیوں سے اولیاء کے قلوب سے حکمت کے چشمے ابلتے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت کی تو اس کے دل کی حکمتوں کے چشموں کا اظہار زبان سے ہوگا۔

نکتہ عارفین فرماتے ہیں کہ چار کے عدد میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ مثلاً عرش کے چار پائے ہیں تو عناصر بھی چار ہیں۔ اسی طرح ارکان بھی چار اور موسیٰ علیہ السلام کے اعشاری چار ہیں۔ یہی راز ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور نفخ روح کا فاصلہ چار جمعات تھا۔ شکلوں میں بھی سورۃ تربیع اثر انداز ہوتی ہے وہ اعداد احاد ہوں یا

یا اعشار وہ مآت ہوں یا مالوف یعنے سو عدد والے یا ہزار والے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین سرایا کے عدد چار سو ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر و متعین کردہ کے مطابق حاضر ہوئے یعنی وہ وقت انہیں بتا دیا گیا یعنی چالیسویں یوم مکمل کر کے حاضر ہوئے یعنی اُن کا آنا ہمارے مقرر کردہ میعاد سے مخصوص تھا۔ یہ لام اَتَيْتُهٗ لِعَشْرٍ خَلُوْنَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ کی طرح اختصاص کی ہے اور یہ لام بمعنے عند نہیں اور میقات بمعنے وقت ہے میقات اور وقت کا فرق ہم گزشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں۔

سوال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ہمکلامی کا تعین جبل فوق العلی اور تحت الثریٰ (اگرچہ ان سب سے ایک مراد ہے) کے لئے کیوں کیا حالانکہ وہ توجہات سے منزہ ہے؟

جواب چونکہ جبل میں ایسے اوصاف ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلام کا اور دیدار کے لئے اپنے جمال کا تعلق اور عرض امانت اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر مبارک اور موسیٰ علیہ السلام کی مناجات جبال سے متعلق فرمائی اور وہ اوصاف یہ ہیں۔

① تثبت۔
② تمکن۔
③ تفرد۔
④ علو۔

انہی وجوہ سے جب زمین کو استقرار نہیں ہوتا تھا تو پہاڑوں سے اسے مستقر فرمایا کہ پہاڑوں کی میخیں اس پر گاڑ دیں۔ ویسے قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقامات کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے۔

فائدہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ "خیر الجماعۃ جماعۃ الارواح" (ارواح کی جماعت تمام جماعتوں سے افضل ہے) اور اُن کا اجتماع بھی پہاڑوں اور ویرانوں میں ہوتا ہے اُن کے اجتماع کی علامت یہ ہے کہ وہاں نہ سردیوں میں کھیتی ہو سکتی ہے اور نہ گرمیوں میں۔ بلکہ وہ جگہ بظاہر بے رونق سی معلوم ہوتی ہے[1]۔ چنانچہ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم بھی پہاڑ کے اس گوشہ میں اس لئے

---

[1] حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اسی کی ترجمانی فرمائی ہے ؎

اتھاں درد منداں دے ڈیرے
جتھاں لوئی کرڑ کنڈا ڈھیرے

درد مندوں کی قیام گاہ وہاں ہوتی ہے جہاں ویرانوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (مفہوم) اویسی غفرلہٗ

حاضری دیتے ہیں کہ یہاں پر ارواح کا اجتماع ہوتا ہے فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس گوشہ سے پہاڑ کا ایک کونہ مراد ہے اور وہ کونہ شہر بروسہ کے پہاڑ میں عوام میں مشہور ہے۔ لبفضلہ تعالیٰ مجھے بھی اس مقام مقدس کی زیارت اور حضرت آفندی بروسی کے مزار کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور ان کا مزار مبارک قلعہ کے اندر واقع ہے۔

کلیم اللہ کی ہمکلامی کا خوش منظر حضرت وہب نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لائے تو ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے تو علیہ السلام نے غسل فرمایا اور کپڑے بھی صاف کئے اس کے بعد تاریکی چھا گئی۔ یہاں تک کہ سنت فرسخ تک تاریکی تیار کی تھی۔ اتنی مسافت تک شیاطین کو دور رکھا گیا اور موذی جانور بھی اُس کے اندر نہیں جا سکتے تھے آپ کی نگرانی ملائکہ کرام کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ آسمانوں کے دروازے کھول دیئے آپ نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ آسمان میں کھڑے ہیں۔ آپ نے عرش کو بھی دیکھا اور قضاؤ قدر کے فرشتوں کے قلم کی آواز بھی سُنی۔

وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ اور بلا کیف گفتگو فرمائی جیسے ملائکہ کرام سے بلا واسطہ اور بلا کیف کلام فرماتا ہے اگرچہ جبریل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے مگر وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سُن سکے وہ کلام صرف موسیٰ علیہ السلام نے سُنا اس لئے انہیں کلیم کے لقب سے ملقب فرمایا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام (سوائے ہمارے حضور علیہ السلام کے) اور عوام بشر کو خصوصیت نصیب نہ ہوئی یہ شرف صرف موسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوا اس لئے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف بواسطہ کتاب یا وسیلہ ملائکہ نصیب ہوا۔

سوال موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

جواب ۱ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام تھے تو اُن کی سانس نہیں ٹوٹتی تھی جیسے عام مخلوق سے کلام کرتے کرتے وقت سانس کھینچنا پڑتا ہے بلکہ وہ کلام غیر منقطع طور و جدانی سے تھا اور وہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ اُن کی حالت بمنزلہ آلہ کے ہے جیسے صانع اپنے آلہ کو چلاتا ہے اور وہ آلہ اس صانع کی حرکت کا محتاج ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے چلائے اس لئے کہ آلہ کسی کام کو از خود نہیں کر سکتا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو رہے ہیں۔

جواب ۲ موسیٰ علیہ السلام کو یوں یقین ہوا کہ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ یہ کلام مخلوق کی نہیں اس لئے کہ وہ کلام شش جہات سے سنائی دیتا تھا اور وہ سننے کے لئے بھی کانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ تمام جوارح سامع ہو گئے چنانچہ اُن کے تمام جسم کو شنوائی کا شرف نصیب ہو رہا تھا اور اس کلام سے جسم کا ذرہ ذرہ لذت پا رہا تھا جیسے لذیذ کلام سے صرف کان محظوظ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کلام سے تمام جسم کا رونگٹا رونگٹا محظوظ ہو رہا تھا۔

عقیدہ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا۔ کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے جو اس کی ذات سے قائم ہے۔ وہ حروف و اصوات کے جنس سے نہیں پھر جبکہ اس کی ذات کا دیدار قیامت میں جائز ہے حالانکہ وہ نہ جسم ہے نہ عرض تو پھر اس کا کلام کیونکر جائز نہ ہو۔ حل الرموز میں ہے کہ آخرت میں مومن سارے کا سارا منہ اور آنکھ اور کان محض ہو جائے گا کہ ہر جہت سے اپنی ہر جہت کے ساتھ اور ہر جہت پر دیکھے سُنے گا اس کے لئے کوئی خصوصی جہت نہیں ہوگی پھر جب حق کا مشاہدہ کرے گا تو اس کا ہر جہت سے مشاہدہ ہوگا اس وقت کوئی مخصوص جہت نہ ہوگی۔ ان جہات کو نہ سمع حاجب ہوگی نہ بصر۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ کنت سمعہ وبصرہ الخ

ولی کامل کی شان مذکورہ بالا تقریر قیامت میں عوام بہشتیوں کی ہے اور وہ ان کو آخرت میں یہ اوصاف نصیب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ولی کامل کو دنیا میں نصیب ہو جاتے ہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مُوتوا قبل اَنْ تَمُوْتُوْا۔ یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ اور فرمایا حاسِبُوْا قبل ان تحاسِبُوْ محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ ہو۔

ازالہ توہم مذکورہ بالا قاعدہ (یعنی عوام بہشتیوں کو جو کچھ آخرت میں نصیب ہوگا وہی ولی اللہ کو دنیا میں نصیب ہوتا ہے)۔ کا انکار یا اس پر اعتراض اُسے ہے جسے اولیاء اللہ سے ضد اور عناد ہو ورنہ اُن کا اعتراض کیسا۔ سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمع کے حاسہ کو سننے کے ادراک کے لئے پیدا فرمایا لیکن اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ ایک حاسہ سے دوسرے حاسہ کا کام لے اور متکلمین نے اپنے فن میں اس قاعدہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے اسے عقل بھی مانتی ہے کہ ہر ادراک کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں حواس کی تاثیر کو کسی قسم کا دخل نہیں بنا بریں جائز ہے کہ وہ کریم باصرہ کی حاسہ میں اصوات کا ادراک پیدا فرما دے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ قادر کریم کی قدرت سے بعید نہیں کہ انسان کے تمام اعضاء میں تمام حواس کا ادراک پیدا فرما دے اور یہی حق بات ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام کے لئے صرف موسیٰ علیہ السلام کو کیوں مخصوص فرمایا؟

جواب تمام انبیاء علیہم السلام سے موسیٰ علیہ السلام کے بہت بڑے زبردست دشمن تھے مثلاً فرعون ہامان۔ قارون۔ یہود بلکہ خود ان کی اپنی برادری سخت بے ادب اور گستاخ طبع اور ہٹ دھرم اور ضدی قوم تھی اس لئے بطور انعام ان سے بلا واسطہ کلام کی خصوصیت فرمائی۔ اور یہود کی اُن سے دشمنی حد سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے کہ بار بار معجزات دیکھنے کے باوجود انکار پہ ڈٹے رہے ورنہ جنہیں عقل سلیم نصیب تھی۔ انہوں نے پہلی بار عصا کا معجزہ دیکھتے ہی اسلام قبول کر لیا فرعون کے جادوگروں نے مذکورہ بالا دشمنوں کی دشمنی کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انعام عطا فرمایا۔

اعدائے محمدی و اعدائے موسوی کا موازنہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعدأ کی اشدیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اعدأ کے لئے ہے ورنہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعدأ تمام انبیأ علیہم السلام یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعدأ سے بھی سخت تر تھے چنانچہ فرعون کتنا کٹر تھا لیکن مرتے وقت ایمان قبول کر لیا (اگرچہ اس کا ایمان نامقبول ہوا) لیکن ابوجہل مرتے وقت بھی عداوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند قدری و علو ہمتی کتنا ارفع و اعلیٰ ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ کو شب معراج بلاوسیلہ مکالمہ اور رویت نصیب ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار کلمات سے مشرف ہوئے اور یہ سلسلہ تین دن جاری رہا اور وہ کلمات وصایا پر مشتمل تھے (کذا فی الوسیط)

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ چالیس دن جاری رہا (واللہ اعلم) لیکن یاد رہے کہ یہ چالیس یوم پہلے چالیس ایام کے علاوہ تھے ان چالیس دنوں میں وحی و تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے مشائخ سے یہ حکایت پہنچی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بہار تھے تو ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہونے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ ابلیس سے ایک فرشتہ نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے اب بھی تجھے بہکانے کا موقعہ میسّر آئے گا اس نے کہا میں نے اس کے باپ کو بہشت میں بہکا لیا یہ تو بہشت سے باہر ہیں تو پھر میرے لئے کونسا مشکل ہے۔

حکایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے سرشار ہو رہے تھے تو زمین میں غوطہ لگا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگیا اور کہا تم خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو رہے ہو تمہیں کیا معلوم کہ جس سے تم کلام کر رہے ہو وہ شیطان ہو۔ (معاذ اللہ)۔

فائدہ حکایت مذکور کو مذکورہ بالا قول ٹھکراتا ہے یعنی یہ حکایت غلط ٹھہرتی ہے جبکہ پہلے بیان ہو چکا کہ سات فرسخ کوہ طور سے شیطان کو دور رکھا گیا جب وہ مسلّم ہے تو اب اس کا موسیٰ علیہ السلام کے ہاں پہنچ جانا کیسے صحیح ہے اس لئے کہ شیطان کا تسلط اہل ملک پر تو ممکن ہے لیکن اہل ملکوت میں اس کا تسلط کیسا اور پھر عین حضور ذات قدوس میں اس سے وہ وہم دور ہو گیا کہ شیطان آدم علیہ السلام کو بہشت میں کیسے بہکا لیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کا بہشت میں ہونا اہل ملکوت کی حیثیت سے نہیں تھا اور نہ ہی کوہ طور کی حاضری کی طرح عین حضور ذات خداوندی میں تھے۔

سوال سورہ حج میں ہے کہ "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ" اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام شیطان کی حرکت میں مبتلا ہو جاتا ہے بالخصوص تلاوتِ کلام کے وقت

اور موسیٰ علیہ السلام کی مناجات بھی تلاوت جیسی تھی؟

جواب تلاوت ظاہری اور مناجات باطنی میں بہت بڑا فرق ہے مناجات باطنی ایک خصوصی راز و نیاز ہوتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ جب خصوصی راز و نیاز میں ملک مقرب اور نبی مرسل کے لئے بھی حاضری کی گنجائش نہیں تو پھر ابلیس لعین کی رسائی کیسی وہ راندۂ درگاہ ہے یہی جواب گویا الہامی طور میرے ذہن میں اُترا۔ جسے میں نے تفسیر ہذا میں قلمبند کر دیا ہے واللّٰہ اعلم حقیقۃ الحال۔

ربط ۱ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام سے محظوظ ہوئے تو انہیں شوق دیدار غالب ہوا اور سمجھا کہ جس ذاتِ حق کے کلام میں اتنی لذت ہے تو پھر اس کے دیدار میں کتنا سُرور ہو گا اس لئے دیدار کی آرزو کی۔

ربط ۲ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی بہتر مرتبہ پر کامیاب ہو جاتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس سے اور بلند و بالا مرتبہ کو حاصل کرے اسی فطرت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ہمکلامی سے مشرف ہوئے تو انہیں شوق ہوا کہ اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ یعنی دیدار سے بھی سرشار ہوں۔ بنا بریں کہا ربِّ اَرِنی۔

ربط ۳ تفسیر فارسی میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلام حق سے محظوظ ہوئے تو پھر انہیں ایسی محویت اور استغراق حاصل ہوا کہ اب اُن کے خیال سے بھی یہ بات اُتر گئی کہ وہ اس وقت دنیا میں ہیں یا فردوس اعلیٰ میں اس لئے عرض کر دیا۔ رَبِّ اَرِنِیْ اے میرے رب مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمائیے۔

اَنْظُرْ اِلَیْكَ تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ یہاں نظر بمعنے رؤیۃ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے اندر دیدار کی طاقت پیدا فرمائے پھر وہ دیدار سے سرشار ہوں اس طرح سے توشیٔ کا غایۃ لنفسہٖ لازم آتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنےٰ یوں ہو گا مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں تمہیں دیکھوں۔ یہ معنےٰ فاسد ہے بلکہ اس سے مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیدار کی قوت عطا فرمائے اور دیدار کی قوت عطا فرمانا ذاتِ حق کے دیدار کا سبب ہے۔

خلاصہ یہ کہ سبب بولکر مسبب عنہ مراد لیا گیا ہے اسی لئے فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) نے ارنی کو مکنّی من رویتك سے تعبیر فرمایا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ کہا تو آپ کے درمیانی حجابات اُٹھے تو انہیں ایک پہاڑ نظر آیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اُنْظُرْ دیکھ۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احرام باندھ کر تکبیر پڑھتے ہوئے یہی عرض کر رہے

ہیں آ رِنی اَ رِنی۔

فائدہ جیسے اجسام اغذا سے نشوو نما پاتے ہیں ایسے ہی احوال اوقات کی صفائی روشن و متجلّٰی ہوتے ہیں۔ چنانچہ برتنوں کو جتنا صاف اور ستھرا رکھا جائے تو اتنا ان کے اندر کی اشیاء روشن نظر آتی ہیں بنا بریں اجسام کو حلال غذائیں دی جاتی ہیں ایسی ہی ارواح کی طاعات سے تربیت کی جاتی ہے جن کی دل کی روشنی مٹ جاتے اور ہمت کے ارادے بے کار ہو جائیں تو اُسے کیا نصیب ہو گا۔ ان لوگوں کی منازل کی طرف بڑھنا چاہیئے جن کی دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور جن کے مخفی اسرار جذبہ غیب سے فیضیاب ہیں۔

سبق سالک کے لئے لازم ہے کہ اپنی حد سے بڑھ کر بڑے بڑے دعوے نہ کرے۔ ہر وقت اپنے اوپر کڑی نگرانی رکھے اور اس تصور میں رہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال کو خوب جانتا ہے یہ تصور اسے بہت بڑی منزلیں طے کرا دے گا۔ اپنے آپ کو معمولی سے معمولی خیال کرے اور اپنے اندر آداب و اخلاق اکابر کے پیدا کرے۔ مثلاً دیکھیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ابتدائی منزل میں تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خصوصی تربیت سے نوازتا تھا تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوئے۔ چنانچہ ان کا ابتدائی حال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا کہ رَبِّ انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر جب تکمیل کو پہنچے تو انہیں ابتدائی منازل والی باتوں سے سیر نہ ہوئی بلکہ یوں کہہ دیا رَبِّ اَرِنی اَنْظُرْ اِلَیْکَ۔

مسئلہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ رویتہ باری تعالیٰ فی الدنیا جائز" ورنہ اس کا ہرگز سوال نہ کرتے اس لئے کہ جواز مالا یجوز علی اللہ کفر ہے (التیسیر)

فائدہ حضرت شیخ کبیر صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فص داؤدی کے اختتام کی شرح میں لکھا ہے" ہر وہ شے جو عوام کے لئے متعذر ہو وہ خواص کے لئے غیر متعذ ہوتی ہے یہ ان کے کمال قابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ ہی یہ محال ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ انہیں کسی فعل سے روک دے تو وہ اس قاعدے سے خارج ہے اور وہ اس روکنے پر لفد نہیں ہوتے بلکہ سر تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ اسے عوام میں وہ محال کا اظہار کرتے ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیجئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مخصوص انداز میں دیدار کی التجا کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے سر تسلیم خم کر کے اپنا سوال واپس لے لیا۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے لَنْ تَرٰنِیْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔

سوال یہاں پر لَنْ تَنْظُرْ اِلَیَّ کیوں نہ فرمایا جبکہ سوال کے الفاظ کے جواب کا تقاضا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سوال میں کہا انظر الیک؟

جواب موسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف نظر نہیں بلکہ انہیں رؤیت مطلوب تھی۔ سوال کے الفاظ کا جواب دینا ملحوظ نہیں بلکہ اُس کے حقیقی معنے کا لحاظ مدِّ نظر تھا۔

رُؤیۃ و نظر میں فرق رویت اس دیکھنے کو کہا جاتا ہے جس میں کنہ کا ادراک بھی شامل ہو اور نظر شئے کو صرف آنکھوں سے دیکھ لینے کو کہتے ہیں اس میں ادراک ہو یا نہ ہو بلکہ لبا اوقات ادراک نہ ہو تب بھی نظر کا مفہوم حاصل ہو جاتا ہے بخلاف رؤیۃ کے کہ اسے ادراک لازمی اور ضروری ہے۔

تفسیر فارسی میں ہے لَنْ تَرٰىنِیْ یعنی تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے اس لئے کہ ہم نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص بھی مجھے دنیا میں دیکھے گا وہ شخص مر جائے گا۔

فائدہ تفسیر مدارک میں اس کی توجیہ یہ بیان کی کہ مجھے دنیا کی فانی آنکھ سے نہیں البتہ میری مہربانی اور لطف و کرم سے بقا کی آنکھ سے دیکھو گے۔

نکتہ صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اَرِنِیْ کے بجائے لَنْ تَرٰىنِیْ کے مقابلہ جو بلند مرتبہ میں تھے اس لئے کہ اَرِنِیْ میں اپنی تمنا لئے ہوتے تھے۔ لَنْ تَرٰىنِیْ میں رعنائے حق سے سر تسلیم خم تھے یہ مقام اول سے بلند و بلاتر ہے۔

لَنْ تَرٰىنِیْ می رسد از طور موسیٰ را جواب

ہر چہ آں از دوست آید سر بند کردن متاب

ترجمہ: طور سے موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِیْ کا جواب ملتا (اس سے انہیں پریشانی نہیں ہوتی تھی) اس لئے کہ جو بھی دوست سے جواب ملے اس سے سر اور گردن نہیں پھیرنی چاہیئے۔

مسئلہ اس سے اہلسنت کی تائید ہوئی کہ رویت باری تعالیٰ دنیا میں جائز ہے اس لئے "لَنْ تَرٰىنِیْ" فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لَنْ اُرٰی "نہیں کہ میں نہیں دیدار کراتا یعنی اگر رؤیت باری تعالیٰ ممتنع ہوتی تو فرمایا جاتا کہ وہ ذات نہیں دیکھی جا سکتی اور نہ ہی عدم رؤیت بتائی جاتی اس لئے کہ علت اس کی بتائی جاتی ہے ممکن ہو اور جو ممتنع ہو اس کی علت کے بیان کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ طالب دیدار میں رؤیت دیدار کی استعداد نہیں اور دیدار کا حصول استعداد پر موقوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں استعداد کی نفی ہے نہ کہ رُؤیت کی۔ اور استعداد کی نفی سے رؤیت کا جواز ثابت نہ کہ امتناع۔ اس لئے کہ ان میں حصول رؤیت سے مانع کا انکا اپنا حجاب ہے جو ابھی اُن سے نہ اُٹھ سکا۔

صاحب رُوح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اکثر اہل تفسیر کی یہ رائے ہے لیکن اُن کا یہ کہنا ناموزوں ہے کہ اُن کی یہ کیفیت ابتدائی تھی اُن کی یہ یہ کیفیت ابتدائی نہیں بلکہ بالائی تھی یعنی اُن کا کوہِ طور پر تشریف لے جانے کا وہی مقام ہے جو شبِ معراج حضور نبی

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تھا اور آپ کے اس مقام کو کوئی بھی ابتدائی مرتبہ نہیں کہہ سکتے بلکہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ کا یہ بالائی مرتبہ تھا اور تحقیق سے بھی بعید از قیاس ہے کہ ایک بلند مرتبہ نبی علیہ السلام کے لئے یہ مانا جائے کہ وہ بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے تھے۔ مشائخ کرام اور علمأ محققین کے دامن سے وابستگاں تو ماننے کے لئے تیار نہیں البتہ جو اُن کی تقلید سے محروم ہو وہ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے۔

نکتہ معراج اور تقریر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ کامل (قدس سرہٗ) سے لَنْ تَرَانِیْ کی تفسیر کے متعلق اہل تفاسیر کے حوالہ جات پیش کر کے تحقیق چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِیْ سے مطلق رویت کا انکار نہ فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنی بشریت اور اپنے وجود کو مدِنظر رکھ کر مجھے نہیں دیکھ سکتے اس لئے کہ بشریت میرے دیدار کے لئے حجاب ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال بشریت کو مدِنظر رکھ کر کیا تھا اور آپ نے وجود کونی کو بھی پیشِ نظر رکھا ہوا تھا اور یہ قاعدہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بشریت و وجود کونی رؤیت کے منافی ہے البتہ دیدار کا حصول اس وقت ہوتا ہے جبکہ بشریت و انائیت مٹ جائے اور فنائیت کلی نصیب ہو۔

سوال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ شبِ معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور یہ لازمۂ بشریت ہے۔

جواب ① وہ محبوب ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محبوبوں سے قواعد مستثنیٰ ہوتے ہیں اور ان پر دوسروں کا قیاس نہیں جاتا۔

جواب ② آپ سے سرّ و روح سے جسم کے رنگ میں دیدار کیا تھا وہاں اس جسم کی حیثیت سے نہیں آپ نے اس جسم کے متعلقات کو عبور فرمایا یعنی آپ عالم اجسام کے تمام علائق سے متجاوز ہو کر عالم ارواح کو عبور فرماتے ہوئے عالم امر تک پہنچ چکے تھے۔

سوال تم نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے بصیرۃ کی نگاہ سے دیکھا پھر اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اس میں تو تمام انبیأ و اولیا علی نبینا علیہم السلام مشترک ہیں جبکہ فنا کلی انہیں بھی ہوتی ہے۔ بنا بریں موسیٰ و سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا فرق رہا پھر وہاں لَنْ تَرَانِیْ اور یہاں اُدْنُ مِنِّیْ نیز اس معنے پر آپ کی خصوصیت مافوق العروش کے عروج بھی غیر ممتاز ٹھہرتی ہے اس لئے کہ وہ رؤیت بھی تمام عینیۃ جمعیۃ کی حیثیت سے تھی نہ کہ مقام غیریت فرقہ قالبتہ کی حیثیت سے ؟

جواب امر رؤیت اگرچہ انسلاخ عن الاکوان مطلقاً کا محتاج ہے لیکن قلب قالب سے بھی بالکل فارغ ہو جانا صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیأ کرام علی نبینا وعلیہم السلام اگرچہ

اپنے اقوال سے فارغ ہوتے لیکن عالم عناصر میں موجود ہوتے ہیں بخلاف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ عالم عناصر و عالم طبیعت اسی طرح عالم قلب و قالب سے تجاوز کرنا صرف آپ کا خاصہ ہے اس سے واضح ہوگیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا الانبیا و امام المرسلین علیٰ نبینا و علیہم السلام کا کیسا امتیازی شان ہے کہ وہاں کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی رسائی نصیب نہیں۔

فائدہ میرے اور میرے شیخ کریم کی یہ باہمی گفتگو اور سوال و جواب ایک مخصوص مجلس میں تھی۔ لیکن اجازت عام تھی کسی کو وہاں حاضری سے ممانعت نہیں تھی وہاں جہاں اپنوں کو حاضری کی اجازت تھی لیکن یہ گفتگو آپ کے علم کے بحر زخار سے ایک قطرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام احباب (اہلسنت) کو اُن کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے ہم سب سرشار ہوں۔

نکتہ حضرت شیخ طریقت یعنی سلسلہ جلوتیہ (البغۃ الجیم) مرجع طریقت الشہیر با فادہ البروسی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جیسے انسان کی دو آنکھیں ظاہری ہیں ایسے ہی اُس کے باطن میں دو آنکھیں رکھی گئی ہیں جب وہ کھلتی ہیں تو انہیں تجلی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اُن کی دو باطنی آنکھیں رکھی گئی ہیں جو کہ لطیف ترین ہیں۔

سوال آپ نے تخصیص کیوں کی کہ اس باطنی آنکھ سے صرف تجلی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے تجلی ذات کا کیوں نہیں ہوتا؟

جواب تجلی ذات کا مشاہدہ صرف معنوی آنکھ سے ہوتا ہے وہ معنوی آنکھ اس باطنی آنکھ کے علاوہ ہے اسے آنکھ کی حاجت بھی نہیں۔

جاہل صوفیا کا رد اس سے ان جاہل صوفیوں کا رد ہوگیا جو اتحاد و حلول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ میں خدا حلول کر جاتا ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ ممکن حقیقی و واجب حقیقی میں تضاد و اختلاف ہے علاوہ ازیں جب سالک اپنی منزلیں طے کرتا ہوا فنا کے مقام پر پہنچتا ہے تو مقام بقا میں گم ہو کر خود معدوم ہو جاتا ہے جب وہ معدوم ہو جاتا ہے تو پھر اس پر احکام کا اجرا تو کجا حلول و اتحاد کا قول حماقت و جہالت ہے۔

سوال بہت بڑے صوفیا کرام کے ملفوظات میں اتحاد کا قول ملتا ہے اور تم اسے حماقت و جہالت سے تعبیر کرتے ہو؟

جواب بزرگوں کے اقوال میں جہاں اتحاد کا لفظ ملتا ہے وہ ان کا ایک اصطلاحی معنے ہے اور اس سے وہ تقرب تام مراد لیتے ہیں۔ جو بندے کو رضائے الٰہی کے بعد نصیب ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں متحد اور فلاں یہاں اتحاد کا یہ معنے نہیں کہ وہ ایک دوسرے میں حلول کئے ہوئے ہیں بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی رضا و خوشنودی میں ایک اور آپس میں متفق ہیں۔ ان میں حلول کا مفہوم لینا حماقت و جہالت ہے اس لئے کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل تشخص اور وجود کے مالک ہیں۔

محویت صوفیانہ کی تشریح بندے کے معدوم ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بحر استغراق میں غوطہ لگا کر انوار و تجلیات میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف ماسوی اللہ سے پوشیدہ ہوتا ہے بلکہ اپنے وجود سے بھی اوجھل ہو جاتا ہے پھر وہ نہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور نہ ہی ذات حق کی توجہ کے وقت اپنے میں نظر رکھتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اسے اس وقت ماسویٰ اللہ سے کلّی طور بے التفاتی ہوتی ہے اس کی مثال آسمان کو دیکھنے والے کی ہوتی ہے کہ وہ آسمان کو دیکھنے کے وقت زمین کی طرف کوئی التفات نہیں رکھتا۔ اسی طرح جو مشرق کی طرف دیکھتا ہے مغرب سے ملتفت نہیں ہوتا۔ اس مثال سے واضح ہو گیا کہ ایک جانب دیکھنے والا اپنے وجود سے بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ غیر ملتفت ہوتا ہے ایسے ہی ذاتِ حق میں محو ہونے والا اپنے وجود سے بالکل معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ ذات حق کی طرف ایسی توجہ تام ہوتی ہے کہ اسے غیر اللہ کی طرف توجہ تا التفات کا ہوش تک نہیں رہتا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کا ایک نکتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح دوسرے انبیأ علیہم السلام کو بھی ذات حق کے تجلیات سے نوازا گیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص تعین ہے جہاں کسی نبی علیہ السلام کی رسائی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کے لئے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین مخصوص کی حیثیت سے سوال کر دیا چونکہ وہ تعین صرف محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا۔

بعض لوگوں نے لن تورٰی کی توجیہ یونہی نہیں فرمائی ہے لیکن یہ توجیہہ لایعنی ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب و مقامات سے بے خبر نہیں تھے بلکہ انہیں شان و مقام رسالت کا پورا علم تھا جب انہیں مراتب و کمالاتِ نبوت کا علم تھا تو پھر سوال کیسا اس میں ایک نکتہ اور تھا وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا دیدار اس ارادہ پر تھا کہ اُن سے قوم نے کہا ارنا اللہ جہرۃ۔ ہمیں اپنے رب کا کھلم کھُلا دیدار کرا دیجئے آپ نے عملی طور طور سمجھایا کہ جب وہ ذات مجھے لَنْ تَرَانِیْ کا جواب عنایت فرماتا ہے تو تم کون ہوتے ہو اس کے دیدار کو کھلم کھلا دیکھنے والے۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی آرزو اور پھر انہیں لَنْ تَرَانِیْ کا خطاب ان کی امت کے لئے تھا ورنہ وہ تو ذات کی تجلیوں سے متعدد بار مشرف ہو چکے تھے اور ان کے لئے یہ وہم غلط بھی تھا کہ انہیں تجلیات سے محروم رکھا گیا ہو۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نوازا اور ہمکلامی کا شرف بخشا بالفعل بوجہ مصلحت کے انکار سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں بالکلیہ تجلیات کے مشاہدہ سے محروم رکھا گیا ہو گا۔ یہ صرف کسی وہمی کا خیال ہو سکتا ہے ورنہ نبوت عاشق اور شریعت کا نام لیوا ایسا تصور نہیں کر سکتا۔ یہاں تقریرا قتادہ آفندی کی

ختم ہوئی (الواقعات المحمودیہ)

سوال حضرت الشیخ علی دوہ قدس سرہٗ نے اسئلۃ الحکم میں لکھا کہ عالم دنیوی میں دیدار الٰہی کیوں ممنوع ہے۔

جواب دیدار الٰہی دنیا کی تمام نعمتوں سے ایک مکرم و معظم تر نعمت ہے اور یہ نعمت صرف ان کے نصیب ہو گی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جملہ کائنات سے معظم و مکرم ترین ہوں اور وہ سوائے حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کے اور کوئی نہیں اس لئے کہ آپ ہی صرف مقام محمود کے مالک ہیں۔ بنابریں شبِ معراج صرف آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر مبارک کی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سوال کے بغیر دیدار سے نوازا تاکہ بلا عوض آپ کو یہ دولت نصیب ہو ورنہ اگر آپ کو سوال کے بعد زیارت نصیب ہوتی تو یہ بدلہ ہوتا اور یہ ایک ایسا احسان عظیم ہے کہ نہ کسی کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا۔

سوال تم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں ممکن ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ لَنْ تَرَانِیْ میں لفظ لن دلالت کرتا ہے کہ یہ ناممکن ہے اس لئے کہ لن دائمی نفی کے لئے مستعمل ہوتا۔ کذا قال اہل اللغۃ۔

جواب اہل لغت کے دعاوی پر عقائد کا دارومدار نہیں بلکہ کتاب و سنت کے دلائل پر ہے اہل لغت کے ہاں اپنے اس دعویٰ پر کتاب و سنت کی کوئی سند معتبر نہیں اور نہ ہی اُن کے ہاں کوئی نقل صحیح موجود ہے علاوہ ازیں ان کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے مضمون سے باطل ہے چنانچہ یہودیوں کی موت پر لن نافیہ کے علاوہ ابدا کا لفظ مؤکداً بھی موجود ہے لیکن باوجود ایں ہمہ یہودی موت کی تمنا کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یا مالک لیقض علینا ربک اور فرمایا یا لیتہا کانت القاضیۃ "یہاں پر القاضیہ سے موت مراد ہے نیز لَنْ تَرَانِیْ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دائمی طور دیدار سے روکا گیا بلکہ مطلق رویت کی نفی ہے اور مطلق رؤیت کی تقریر ہم نے پہلے لکھی ہے اس سے معتزلہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ یارہ باران کی تردید ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

جہاں مرآت حسن شاہد ماست ۔
فشاہد وجہہٗ فی کل ذرات

ترجمہ: جہان محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اسی لئے تم ہر ذرہ اسی کا مشاہدہ کرو۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں مستعد نظر وصال مجو
کہ جام جم نکند سود بوقت بے بصری

ترجمہ: تیرے میں استعداد نہ ہو تو پھر وصال یار کی کوشش نہ کر اس لئے کہ جام جمشید کام نہ دے گا جب دیکھنے والی آنکھ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اور لیکن پہاڑ کو دیکھئے۔ یعنی ذات کے مشاہدہ کا مطالبہ نہ کیجئے اس لئے کہ آپ میرے مشاہدہ کی تاب نہیں رکھتے بلکہ کچھ دیکھنا ہے تو میرے اور اپنے درمیان پہاڑ کو وسیلہ بنایئے اگر یہ تاب لا سکا تو آپ بھی جلوہ بچا سکیں گے اگر وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے تو پھر اس ارادہ سے باز آجایئے اس لئے کہ وہ آپ کی ظاہری جسمانیت سے مضبوط تر ہے جب اس کی حالت کمزور ہو جائے تو اپنے لئے خود سوچ لیجئے۔

فائدہ کلبی نے کہا کہ مدین میں سب سے بڑا پہاڑ یہی تھا زبیر نام تھا قاموس میں ہے کہ زبیر بروزن امیر اللہ پہاڑ کا نام ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف نصیب ہوا۔

اعجوبہ ابن الجوزی مرآۃ الزمان میں لکھتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ وہی پہاڑ ہے جو کوہ طور کے نام سے مشہور اور بحر قلزم کے قریب ہے جب پہاڑوں نے سنا کہ کوہ طور یا زبیر کو تجلیات ربانی کا مرکز بنایا جا رہا ہے تو کہنے لگے یہ کبھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کوہ طور یا زبیر ان تمام پہاڑوں سے چھوٹے تھے لیکن کوہ طور یا زبیر نے سنتے ہی شرم کے مارے گردن جھکالی کہ ہم کہاں اور تجلیات حق کی مرکزیت کہاں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی تواضع و انکسار سے پیار آگیا۔ بنا بریں اپنے فضل و کرم سے کوہ طور یا زبیر کو تجلیات کے لئے چن لیا۔ (عقد الدرر واللآلی)

مثنوی شریف میں ہے ؎

ای خنک آنرا کہ ذلت نفسہ

وای آں کز سرکشی شد چوں کہ او

ترجمہ: اسے مبارک ہو جس کا نفس ذلیل ہوا افسوس ہے اس پر جس کا نفس اس کی طرح سرکش ہوا۔

نکتہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو اپنی قوم اور اپنے درمیان اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو جانشین (واسطہ) بنایا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اور اپنے دیدار کے درمیان پہاڑ کو واسطہ بنایا۔ اسمیں اشارہ ہے کہ تم نے میری زیارت سے پہلے میرے اوپر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اپنے بھائی پر اعتماد کیا اور مجھے اپنی امت کا کفیل نہ بنایا اسی طرح میں بھی آپ کو اپنی زیارت کا وسیلہ پہاڑ کو بناتا ہوں۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ پس اگر وہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے اور ثابت قدم رہے فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ تو آپ بھی مجھے دیکھ لیں گے یعنی پھر آپ کو میری زیارت کی طاقت نصیب ہو جائے گی اگر وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکے تو سمجھ لینا آپ کو بھی میری زیارت کی طاقت نہیں اس لئے کہ فطری امر ہے کہ پہاڑ باوجودیکہ بہت بڑا سخت ہے لیکن جب اس پر تجلی حق اثر انداز ہوئی تو ریزہ ریزہ ہو گیا۔ وہ تجلی حق برداشت نہ کر سکا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مٹ گیا تو پھر انسان

ضعیف البنیان کہ جس کی عادت ہے کہ ہولناک امور کو دیکھ کر خوفزدہ ہوجاتا ہے اس کی پھر کیا کیفیت ہوگی جبکہ اس ذی عظمۃ و جلال کا مشاہدہ ہو کہ جس کے جلال و کبریائی کا کوئی کنارہ نہیں۔

اہل سنت کے دلائل اس سے بھی اہل سنت کا مذہب ثابت ہوا کہ دیدار الٰہی ممکن ہے کہ کسی شے کو معلق بالامکان کیا جائے تو وہ شے ممکن ہوتی ہے جیسے معلق بالا متناع ممتنع ہوتا ہے مثلاً کفار کا بہشت میں داخل ہونا ممتنع ہے تو اسے ممتنع سے معلق کیا گیا ہے کما قال تعالٰے۔ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔

اسی طرح جعلہٗ دکًا سے بھی واضح ہوا کہ دیدار الٰہی ممکن ہے اس لئے کہ پہاڑ کا ٹکڑا ہونا اپنی طرف منسوب فرمایا ورنہ اندك کہنا موزوں تھا اور قاعدہ ہے کہ جس فعل کی ایجاد کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف ہو وہ ممکن ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے فعل کا مختار ہے محتاج نہیں۔

اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو اللہ تعالٰی موسٰی علیہ السلام کو دیدار سے مطلقاً ممانعت فرماتا۔ یہاں ممانعت کے بجائے دیدار کرانے کو معلق فرمایا اس سے انہیں مایوس کرنے یا جھڑک دینے کی بجائے پُرامید فرمایا ورنہ ممتنع فعل کی استدعا پر موسٰی علیہ السلام کو عتاب ہوتا۔ جیسے نوح علیہ السلام سے محبوبی عتاب فرمایا انی اعظك ان تکون من الجاھلین جبکہ انہوں نے اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے نجات کی استدعا کی۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ پس جبکہ اللہ تعالٰی نے اپنا جلوہ پہاڑ پر ظاہر فرمایا یعنی جبکہ اللہ تعالٰی کی عظمت اور اُس کی قدرت کا مظاہرہ پہاڑ سے معلق ہونے کا یہ معنے ہے کہ عظمت و اقتدار کا پہاڑ سے تعلق ہوا۔ اور ان کا ظہور اس میں سے ہوا۔

سوال تم نے عظمت و اقتدار کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب اس لئے کہ ذات کا تعلق پہاڑ (جماد) سے غیر معقول ہے۔

فائدہ تفسیر العیون میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے جوابات سے اپنا نور خنصر و ابہام کے درمیانی فاصلہ کے قدر ظاہر فرمایا تھا جبکہ انہیں آپس میں ملایا جائے اور انگوٹھے کو اوپر والے جوڑ پر رکھا جائے۔

بصورۃ ہکذا
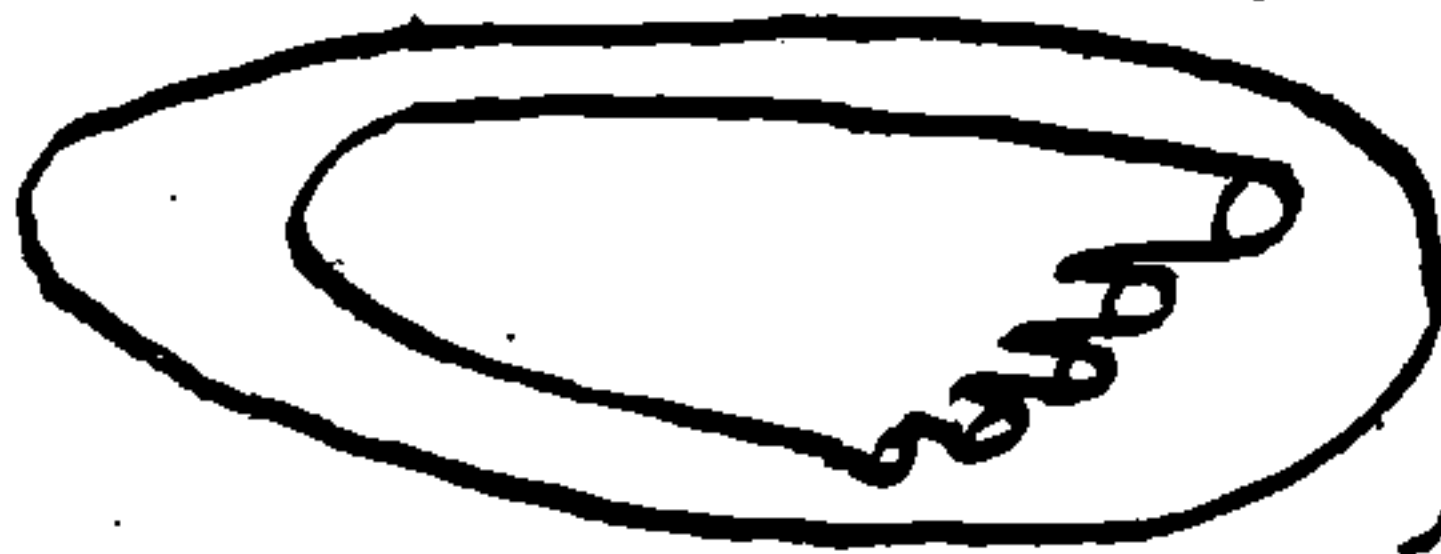
فائدہ سہل بن ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نور کو ستر ہزار پردوں سے صرف ایک درہم کی مقدار ظاہر کیا۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نور یا عرش کے نور سے سوئی تاکہ برابر ظاہر فرمایا

فائدہ شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ پہاڑ پر تجلی ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے پہاڑ میں حیاۃ و علم

اور رؤیت پیدا فرمائی یہاں تک کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ اس دلیل سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں جائز ہے

جَعَلَہٗ دَکًّا دکا مصدر بمعنی مدکوک ہے اب معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ فرمایا۔ غور کیجئے کہ جب دیدار سے پہاڑ کی اتنی بڑی عظیم العظامتہ کے باوجود یہ حالت ہوئی تو پھر انسان ضعیف البنیان کی کیا کیفیت ہوگی۔

فائدہ تفسیر کواشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو موسیٰ علیہ السلام کو فدا فرمایا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوتے تو اُن کی بظاہر کیفیت یہی ہوتی جیسے پہاڑ کی ہوئی۔

اعجوبہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس روز ہر کڑوا پانی میٹھا اور ہر مجنوں ذی ہوش اور ہر بیمار تندرست ہوگیا اور کانٹے دار درختوں کے کانٹے جھڑ گئے اور ویرانے سرسبز ہوگئے بلکہ ان میں بہار آگئی اور مجوسیوں کے آتشکدے بجھ گئے اور بت منہ کے بل گر گئے اور ملائکہ کی آوازیں منقطع ہوگئیں اور وہ پہاڑ جس پر موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے وہ اُن کے نیچے سے ہلا اور پانی کی طرح بہتا ہوا سب کا سب ریزہ ریزہ ہوگیا بلکہ راکھ بن کر اڑنے لگا۔

فائدہ ذرّہ اس گرد و غبار کو کہا جاتا ہے جو روشنی کی کرنوں میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ کرن جو دریچوں سے داخل ہوتی ہے اس کے اندر سے چھوٹے چھوٹے گرد و غبار کے ریزے نظر آتے ہیں وہی ذرّات کہلاتے ہیں۔

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہی پہاڑ تجلی حق سے چھ ٹکڑے ہوگیا۔ اس کے تین حصے مدینہ طیبہ میں اڑ کر تین علیحدہ علیحدہ پہاڑ ہوئے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

① احد
② رقان
③ رضوی

اور تین مکہ معظمہ میں پہنچے وہ یہ ہیں۔

① ثور
② ثبیر
③ حرأ

لیکن تفسیر مدادی میں آٹھ ٹکڑے لکھے ہیں اُن میں چار مکہ معظمہ میں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

① ثور
② ثبیر

③ حـرا

④ غار ثور

اور باقی چار مدینہ میں ان کے نام یہ ہیں۔

① احـد

② اقان

③ رضوی

④ مہراس

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے تین ٹکڑے ہوئے۔

① ایک زمین میں دھنس گیا۔

② دریاؤں میں ڈوب گیا۔

③ اُڑ کر عرفات میں پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوف الٰہی سے ہر کمزور سے کمزور تر ہوگیا۔

نکتہ پہاڑ باوجود عظیم الجثہ ہونے کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور انسان باوجود کمزور جسم ہونے کے اس پر نگاہ کرم ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ اور وہ اس نظر عنایت سے محکوم و مضبوط ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہاڑ پر قہر و غضب اور ہیبت کی نگاہ پڑی اور حضرت انسان کے دل پر لطف و کرم اور رحمت کی نگاہ پڑتی ہے۔ بنابریں پہاڑ ویران ہوگیا اور انسان کا دل آباد ہوا

تفسیر صوفیانہ صوفیاکرام فرماتے ہیں کہ جبل سے یہاں جسم حجابی کی صورت مراد ہے اس لئے وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جسم حجابی جب تک ریاضت اور فنا سے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزے ریزے نہ ہو اس وقت تک وہ تجلیات کی استعداد نہیں ہوتی اس لئے کہ تجلیات روح کو نصیب ہوتی ہیں اور روح کا مقام قلب ہے اور جبل یعنی جسم میں تحیز و حصر وغیرہ ہے اور تجلیات کا مرکز ہر وہ شے ہوتی ہے جو غیر متحیز ہو۔ یہ ایک راز کی بات ہے اس پر غور و فکر چاہیئے بلکہ اس کے لئے ہر طرح کی تحقیق لازم ہے (کذا فی اسئلۃ الحکم)

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ؕ پہاڑ سے جو کچھ دیکھا اس کے ہول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے اور یہ بے ہوشی جمعرات کی شام سے لے کر جمعہ کی شام تک مسلسل رہی اور وہ نویں ذوالحجہ کا دن تھا۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے تھے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فَلَمَّاۤ اَفَاقَ فرمایا ہے اور افاقہ بیہوش ہونے کے لئے مستعمل ہوتا ہے مردہ کے لئے افاقہ کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ بلکہ اس کے لئے بعث کہا جاتا ہے چنانچہ

سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ۔
مثنوی شریف میں ہے

① جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمدہ و چالاک شد

② عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صعقا

ترجمہ: ① خاکی جسم عشق سے آسمان پر گیا کوہ طور رقص میں آکر ہوشیار ہوا۔
② عشق طور کی جان ہے اے عاشق۔ طور مست ہوا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گرے۔

اعجوبہ حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جبل مذکور اگرچہ بظاہر جل کر راکھ ہوگیا لیکن اس کا وجود معنوی موسیٰ علیہ السلام کی تجلی کے عکس سے خالص لعل ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہاڑ کو کعبہ اور مدینہ اور بیت المقدس کی طرح بہشت میں داخل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ تجلیاتِ حق کا مظہر ہے۔

فَلَمَّآ اَفَاقَ پس جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے ہوشی سے افاقہ پایا۔

فائدہ حضرت مولانا ابو السعود قدس سرہٗ نے فرمایا "الافاقۃ رجوع العقل والفهم الانسان بعد ذهابهما بسبب من الاسباب"۔ عرف عام میں عقل وفہم چلے جانے کے بعد کسی سبب سے ان کا انسان کی طرف رجوع کرنے کو افاقہ کہا جاتا ہے۔

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشاہدہ کی عزت و احترام کے پیشِ نظر تعظیماً کہا۔ **سُبْحٰنَكَ** تیری اجازت کے بغیر میرے سوال کرنے سے تیری تنزیہہ ہے۔

تُبْتُ اِلَيْكَ اجازت کے بغیر سوال کرنے کی جرأت سے میں نے توبہ کی یا میری اس سے توبہ ہے کہ میں نے موجودہ دیدار کا دنیا میں سوال کر لیا۔ **وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ** ۝ اور میں تمام لوگوں میں سے پہلے تیری عظمت و جلال پر ایمان لایا ہوں یا میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ دنیا میں تیرا دیدار نہیں ہو سکتا

ای کہ زیک لمعات کوہ بصد پارہ شد
چہ عجب از مشتِ گل عاجز و بیچارہ شد

ترجمہ: تیرے نور کی ایک جھلک سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اگر خاک کا پتلہ اس سے عاجز و بیمار ہوگیا تو اس سے کوئی تعجب نہیں کرنی چاہئے۔

دیدار الٰہی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کیا تو اس وقت بارہ میل تک بارش ہی بارش تھی اور اندھیرا چھا گیا اور ہولناک بادل دکڑکیں اور گرجیں اور بجلی اس پہاڑ کو گھیر گیئں اور ہر چار

سو بارہ بارہ میل تک یہی حال تھا اور آسمان کے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوں۔ دنیا کے آسمان آپ کے سامنے گذرے اُن کے آگے بہت بڑی تعداد میں گا یئں تسبیح و تقدیس پڑھ رہی تھیں اور اُن کی آوازیں بادل کی گرج سے بہت زیادہ سخت تھیں اُس کے بعد دوسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضری دیں اور اُن کی کثرت انبوہ دار چیونٹیوں کی طرح تھیں اور وہ بھی تسبیح و تقدیس کا غلغلہ کر رہے تھے ان کی اس ہولناک مجموعی آواز سے موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے یہاں تک کہ اس خوف سے آپ کے جسم کے تمام بال کھڑے ہو گئے پھر اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش میں دیدار کا سوال نہ کرتا۔ پھر کہا کاش مجھے کوئی شے اس ہولناک منظر سے بچا لیتی اُن کی یہ باتیں سن کر تمام ملائکہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے سوال پر صبر کیجئے عنقریب آپ کو اس سوال کا منظر سامنے آ جائے گا پھر تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی حاضری دیں اور آپ کے سامنے گدھوں کی صورت میں حاضر ہوئے جن کی تسبیح و تقدیس سے ہولناک آواز تھی اور وہ آواز اتنی پر جوش تھی گویا بہت بڑا لشکر نعرے لگاتا جا رہا ہے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح آگے بڑھتے آ رہے تھے اس سے موسیٰ علیہ السلام گھبرائے اور خوف سے سانس منقطع ہو گیا۔ یہاں تک کہ حیات سے نا امید ہو گئے اس پر ان فرشتوں کے سردار نے کہا اے موسیٰ بن عمران علیہم السلام گھبرایئے نہیں۔ صبر کیجئے عنقریب آپ اس سے کئی گنا زائد خوف ناک منظر دیکھو گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ بھی نیچے اتریں

چنانچہ وہ جب اُترے تو اُن کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے لیکن برف کی طرح کی طرح سفید اور اُن کے منہ سے تسبیح و تقدیس کے چشمے ابلتے تھے اور ان کی اونچی اونچی آواز تھی جیسے بادل گرج رہا ہو پہلے تمام تینوں آسمان کے فرشتوں کا ان کا زمین پر اترنا زیادہ ہیبتناک تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو خوف سے ان کے دونوں گھٹنے لرز رہے تھے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ سخت روئے۔ اُن سے اُن کے سردار سردار نے کہا اے ابن عمران صبر کیجئے۔ جس کا تم نے سوال کیا یہ اُس کی نسبت کچھ بھی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا وہ زمین پر اُترے تو ان کے اجسام سات رنگ کے تھے اُن کی اتنی سخت ہیبت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اُن کی ہیبت کی وجہ سے اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے اور نہ انہوں نے ایسا منظر پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی ان جیسی پہلے کبھی آواز سُنی۔ آپ کا پیٹ مبارک خوف سے بھول گیا اور غم بڑھ گیا اور بہت روئے۔ آپ سے ان فرشتوں کے سردار نے کہا اے ابن عمران صبر کیجئے اس سے بڑا ہیبتناک منظر دیکھو گے کہ جس کے لئے صبر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان کے فرشتوں سے فرمایا کہ وہ زمین پر نازل ہوں۔ جب تمام فرشتے نازل ہوئے تو اُن کے ہر ایک کے ہاتھ میں آگ تھی جس کی لمبائی ایک بہت بڑی کھجور کے برابر تھی اور وہ آگ سورج سے بھی زیادہ روشن تھی اور ان کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا اور

نہایت ہولناک آواز سے پڑھتے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَا يَمُوْتُ" ان سب کے چہرے پر چار منہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگے۔ روتے ہوئے کہتے تھے "رَبِّ اذْكُرْنِي وَلَا تَنْسَ عَبْدَكَ" ان کے سب سے بڑے فرشتے نے کہا اے ابن عمران؛ علیہم السلام جو کچھ آپ نے سوال کیا ابھی پورا ہوگا۔ تھوڑی دیر صبر کیجئے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عرش کو ساتویں آسمان پہ رکھ دیجئے اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا منظر دکھاؤ۔ جب عرش کا نور ظاہر ہوا تو عرش الٰہی کی عظمت سے پہاڑ پھٹ گیا تمام آسمانوں کے فرشتوں نے مل کر کہا سُبْحَانَ اللهِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْعِزَّةِ لَا يَمُوْتُ" پھر وہ پہاڑ اور اُس کے اندر کے تمام درخت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر منہ کے بل گرے اور روح پرواز کر گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے روح واپس لوٹائی۔ اور جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ جس پتھر پر کھڑے تھے اُس کی ہیئت تبدیل تھی کہ وہ ایک قبہ کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک حصار بنا ہوا تھا کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام جل نہ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر ایک جگہ بٹھایا جیسے ماں بیٹے کو اُٹھا کر بٹھاتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اُٹھتے ہی تسبیح پڑھنے لگے اور کہتے تھے اے اللہ تعالیٰ میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ تجھے دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور تجھے اگر کوئی دیکھے تو وہ زندہ نہ رہ سکے بلکہ جو صرف تیرے فرشتوں کو دیکھے تو اس کے ہوش وحواس اُڑ جائیں تو اس کی کیا حالت ہوگی جو تیری عظمت کا مشاہدہ کرے تیری اور تیرے ملائکہ کی عظمت کا کیا کہنا۔ تو تمام پرورش کنندگان کا پالنے والا اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے اور نہ ہی تیرا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور جملہ محامد تیرے لئے اور تیرا شریک کوئی بھی نہیں۔ (التیسیر)۔

مسئلہ احادیث مذکورہ میں ملائکہ کا نزول بیان ہوا۔

تفسیر صوفیانہ اربابِ مکاشفہ کے بعض محققین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وجود کو مدِ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے دیدار کا سوال کیا۔ چنانچہ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ صیغۂ متکلم سے اپنے وجود کے پیش نظر بارگاہِ حق میں عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سوال لَنْ تَرٰىنِيْ سے رد فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام تم اپنے وجود کے بقائے کے باوجود اس ذات کو نہیں دیکھ سکتے جس سے مخاطب ہو۔ لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو۔ یہاں پر پہاڑ سے موسیٰ علیہ السلام کی ذات وہویت مُراد ہے۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ پس اگر تمہارا وجود اپنی جگہ ٹھہرا رہا یعنی تمہارا وجود فنا پذیر نہ ہوا فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ " پھر تم مجھے دیکھ سکو گے یعنی فنائیت کے بعد تم مجھے دیکھ لوگے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے وجود پر اپنا نور ڈالا تو اُن کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے مضطرب

ہوا جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی ہویت سے فانی ہو کر عین حق سے حق کو دیکھا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ جب افاقہ پایا تو کہا اے تیری ذاتِ پاک ہے اب میں نے توبہ کی کہ آئندہ ہویت کو مدِّنظر رکھ کر تیری ذات کے دیدار کا سوال نہ کروں گا۔

تفسیر صوفیانہ کی دوسری تقریر تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو قرب الٰہی کی استعداد نصیب ہوگئی تو ان پر صفات کے شرابی صاف پیالے نازل ہونے لگے۔ مکالمات الٰہیہ کے لبریز پیالے اُن کے پیش ہوئے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کی لذتیں محسوس ہونے لگیں جب اس شرابِ حقیقی سے مدہوش ہوئے تو وجد میں آگئے یا یوں کہئے کہ جب واردات شراب کی مستی اور مخاطبات کی ملاطفات کے سماع سے مسرور ہوئے تو مدہوش ہوگئے۔ اس محبوب کیفیت سے کہ دیدار الٰہی سے اُن کی استعداد میں مزید ترقی ہوئی اور شوق دید کی مستی کا غلبہ ہوا بلکہ دوامی محبت کا پورا جوش موجزن ہوا تو کہا رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے اللہ مجھے اپنے دیدار سے نوازیئے۔ اس کے جواب میں کہا گیا اے موسیٰ علیہ السلام تم دوئی کی وجہ سے ابھی دیدار سے کوسوں دور اور جبل انانیت سے محجوب ہو جب تم مجھے اپنی انانیت کو سامنے رکھ کر دیکھو گے تو دیکھ سکو گے ہاں جب کہ میں آنکھ بن جاؤں تو وہ مجھے میری بصر سے دیکھ سکے گا اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے انانیت کے پہاڑ کو دیکھو۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ اگر وہ تجلی حق کے وقت اپنی جگہ ٹھہر جائے فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ پھر تم اپنی انانیت کی بصر سے مجھے دیکھ لوگے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جبل انانیت پر تجلی ڈالی تو جَعَلَهٗ دَكًّا تو اُن کی انانیت کے پہاڑ کو نیست و نابود کر دیا اب اس کی یہ حالت تھی کہ گویا وہ تھا ہی نہیں وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا تو موسیٰ علیہ السلام انانیت کے مٹنے پر بیہوش ہو کر گرے۔ پھر ان کے ساتھ وہی ہوا جو ہونا تھا اور دیکھا جو انہوں نے دیکھنا تھا۔ اب یہ کیفیت تھی کہ تمام دھرتی نور سے بھر گئی حق کے ظہور سے باطل مٹ گیا اس لئے کہ باطل کو مٹنا ہی ہے۔

قد کان ما کان سرا لا ابوح بہٖ
فظنّ خیرًا ولا تسئل عن الخبر

ترجمہ: ہوا جو کچھ ہوا جس کا مجھ سے اظہار نہیں ہو سکتا اس کا یہ خیال ہوا کہ وہ خیر ہے لیکن مجھ سے مت پوچھو کہ وہ کیا تھی۔

اگر نفس کی انانیت کا جبل موسیٰ روح کے درمیان نہ ہوتا اور پھر رب تعالیٰ کی تجلی کا ظہور ہوتا تو وہ فوراً مٹ جاتے اور انہیں زندگی کا ایک لمحہ بھی نصیب نہ ہوتا اگر تجلی حق کے وقت ان کا قلب ان کا خلیفہ نہ ہوتا تو انہیں اس مدہوشی کے بعد افاقہ حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی وجود کی طرف انہیں رجوع کا موقعہ میسر آتا یہ راز

کی بات ہے اسے خوب یاد رکھیئے) ۔

فائدہ اگر روح کا جسم سے تعلق نہ ہوتا تو جسم کی تجلی حق کی استعداد نہ ہوتی تجلی کے فہم و ادراک کی خبر بھی نہ ہوئی جب موسٰی علیہ السلام وہ سطوۃ تجلی حق سے انانیت کی غشی سے ہوش میں آئے تو محویت کے خاتمہ پر کہا سُبۡحٰنَكَ ۔ تیری ذات اس سے پاک ہے کہ مخلوق کے تجھ سے اتصال ہو ۔

تبت میں اپنی انانیت سے تیری ہویت کے ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور میں پہلا ایمان لانا والا ہوں ۔ اس بات پر کہ تجھے انانیت سے نہیں دیکھا جا سکتا اور نہ ہی تیری ہویت کے بغیر تجھے دیکھا جا سکتا ہے ۔

امام قشیری کی صوفیانہ تقریر حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب موسٰی علیہ السلام مشتاق اور مغلوب الحال لوگوں کی طرح حاضر ہوئے تو اس وقت وہ موسٰی (بلا موسٰی تھے) بلکہ اس وقت وہ موسٰی نہ رہا اور لاکھوں بلکہ کروڑہا ایسے مردانِ خدا نے اسی طرح کی مسافتیں طے کیں اور انانیت کو مٹایا ۔ آج تک کسی کو خبر ہی نہیں ۔ یہ صرف حضرت موسٰی علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ اُن کی اس منزل کو طے کرنے پر تا حال ہر زبان پر ان کا ذکر جاری ہے اور تا قیامت اسی طرح جاری رہے گا ۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰی لِمِیۡقَاتِنَا جب موسٰی علیہ السلام اپنے وعدہ کے مطابق حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا ہمکلامی کے ذوق میں آپے سے باہر ہو کر عرض کی رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ اے میرے رب کریم مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمایئے اس لئے کہ مشاہدہ کے وقت کمال وصال سے انہیں غلبہ وجد سے مجبورًا انہیں یہ کہنا پڑا اور قاعدہ ہے کہ مغلوب الحال جو کچھ کہے اس سے باز پرس نہیں ہوتی ۔ اور مشہور بات ہے کہ مغلوب الحال ناشکری کی باتیں کرے ۔ اسے جب کہا جائے تو وہ انکار کر جاتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے جو محبوب کے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ تمام مخلوق سے شوق دیدار سے بہت زیادہ بے صبر ہوتا ہے ۔

حضرت موسٰی علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی مناجات سے سرشار ہوئے اور انہیں کرامات و انعامات نے گھیرا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بلا جہات اور بلا واسطہ کلام فرمایا تو عرض کرنے لگے رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ اے اللہ مجھے دیدار سے نوازیئے گویا وہ اس وقت اپنے سے گم ہو کر مشاہدۂ حق کی محویت کہہ رہے تھے ۔ یہ قاعدہ ہے کہ ایسے حضرات کو جونہی شراب مستی سے جام بھر بھر پلائے جائیں اُن کی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے ۔

نکتہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے دیدار کی خواہش کلام سے ظاہر فرمائی ۔ اس کا جواب انہیں لَنۡ تَرٰىنِیۡ کے کلام سے ملا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ کی آرزو دل میں چھپائی تو انہیں قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا راز دانی کے طور ملا ۔

نکتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نفی کے جوابات سے بارہا مبتلا ہونا پڑا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دیدار کی تمنا کی تو جواب ملا لَنْ تَرَانِیْ۔ اور حضرت خضر علیہ السلام سے صحبت کی آرزو کی تو انہیں بھی یہی کہا کہ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام گویا حق اور بالا موسیٰ ہی رہے اور یہ قاعدہ ہے کہ موسیٰ کے لئے موسیٰ کے ساتھ ہر نصیب سے رکھا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیئے اپنے آپ کو انانیت کی ہر خواہش سے پاک رکھا جائے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

نبی ابینا نحن اھل منازل

ابدا غراب البین فینا یزعق

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جو غراب البین کی طرح جدائی میں فریادی رہتے ہیں۔

نکتہ لَنْ تَرَانِیْ کی آزمائش فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ لِلْجَبَلِ فَسَوْفَ تَرَانِیْ سے سخت تر تھی اس لئے کہ فسوف ترانی میں زیارت کرانے کا طمع دلایا گیا جب موسیٰ علیہ السلام کی توقع بڑھی تو پہاڑ کو پاش پاش کر دیا اگرچہ وہ قادر تھا کہ پہاڑ کو پاش پاش نہ ہونے دیتا۔ لیکن ناز محبوبانہ میں عجیب راز و نیاز ہوتے ہیں اس کی بہتر تقریر ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔

نکتہ اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ میں بھی موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک شدید ابتلاء تھا اس لئے کہ اسے اپنی ذات سے منع کر کے غیر کو دیکھنے کا حکم فرمایا اس لئے انہیں اپنی ذات سے سے روک کر آنکھ بند کرنے کا حکم ہوتا کہ اب کسی کو بھی نہ دیکھو تو یہ ان کے لئے آسان تر تھا لیکن انہیں لَنْ تَرَانِیْ کہہ کر و لکنِ اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ کے حکم سے سخت تر آزمائش میں ڈالدیا اس لئے کہ انہیں تکلیف ہوئی کہ مجھے اپنی تجلیات سے دور کر کے جبل کو اپنی تجلیات کا مرکز بنایا ہے وہ اس امر سے سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے کہ آرزو تو ذات کے دیکھنے کی کی گئی ہے لیکن انہیں جبل کو دیکھنے کا حکم ہوا اس سے اگرچہ انہیں سخت تکلیف ہوئی لیکن راضی برضا ہو کر تسلیم خم کر دیا جیسا کہ عشاق کا کام ہے اسی معنے پر کہا گیا ہے

اُرِیْدُ وِصَالَهٗ وَیُرِیْدُ هَجْرِیْ

فَاَتْرُكُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

ترجمہ: میں اس کے وصال کا طالب ہوں لیکن وہ مجھ سے جدائی چاہتا ہے۔ اب میں اپنی مراد ترک کر کے اس کے ارادہ کو ترجیح دیتا ہوں۔

نکتہ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے ایک لطیف ترین نوازش اور کرم نوازی ہے کہ دیدار کی ممانعت کی تصریح نہیں بلکہ اس کی علت ظاہر کر کے ان کے صبر پر معاونت فرمائی۔

لطیفہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہو کر فرمایا تھوڑا صبر کیجئے۔

نکتہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی سے روکا گیا تو پھر راس الامر یعنی توبہ کی طرف رجوع کرکے فرمایا تبت الیکَ یعنی اگر رؤیت جو راس الرتبہ ہے نہ سہی تو میں تجھ سے راس الامر یعنی توبہ کا طالب ہوں۔

نکتہ اس طریقہ کو اختیار کرنے میں حقوق عبودیت سے بچنے کی طرف اشارہ ہے وہ اس لئے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرے اور تمہارے مابین قربت ہے عدم عدم رؤیت حائل نہ ہو اس لئے کہ رؤیت میں میری خدمت کے حق میں ادائیگی ہے پھر حق رب پر اپنے حظ نفس کو ترجیح دینا ناموزوں ہے (کذا فی تفسیر التیسیر نقلاً عن القشیری)۔

مسئلہ بعض علماء کے نزدیک دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔

مسئلہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کا اہل ایمان کے لئے وعدہ مسلّم ہے البتہ دنیا میں دیدار الٰہی کے لئے اگرچہ دائرہ امکان میں ہے لیکن نہ اُس کا کسی وعدہ ہے اور نہ ہی اس پر عادتِ الٰہی کا اجراء ہے۔

فائدہ دنیا میں رؤیت کے انواع ہم نے سُورہ انعام میں بیان کئے ہیں۔

فائدہ کسی نے بعض علماء سے دنیا میں رُؤیت باری تعالیٰ کے امکان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لا زمان لہٗ ولا مکان فی ای مکان یعنی اس کے لئے نہ زمانہ ہے اور نہ اُس کا مکان تو پھر کہاں اس کی زیارت ہو۔

فائدہ ایسے مسئلہ میں صُورۃ سوال یوں ہوا المنزہ ذاتہ عن الزمان والمکان بای وجہ یطلب وبای طریق یوجد ویوصل الیہ " اس کی ذات زمان ومکان سے منزہ ہے پھر اسے کیسے طلب کیا جائے اور اُسے کیسے پایا جائے اور اس کا وصال کیسے نصیب ہو۔

شانِ ولایت کی جھلک اس کے جواب میں ادب سے یہ کہا جائے کہ "مَنْ اَرَادَ رُؤْیَۃَ جَمَالِہٖ فَلْیَنْظُرْ فِیْ قُلُوْبِ اَوْلِیَاءِ فَاِنَّ قُلُوْبَھُمْ مُظَاھِرُ وَمَرَایَا لِجَمَالِہٖ" جو شخص اللہ تعالیٰ کی رویت کا طالب ہے اسے چاہیئے کہ وہ اولیاء کرام کے قلوب کو دیکھے اس لئے اُن کے قلوب جمالِ الٰہی کے مظاہر و مراکز ہیں۔

اہلسنت کی مذمت از معتزلہ معتزلہ آخرت میں بھی رُؤیت باری تعالیٰ کے منکر ہیں یہاں تک کہ صاحب کشاف نے اہلسنت کی خوب خبر لی اور اس مسئلہ کے تحت ان کی سخت مذمت کی ہے اور انہیں تحقیر و تضلیل سے نوازا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ جب وہ مسلمان ہیں تو پھر رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کے قائل ہو کر اسے اپنا مذہب کیسے بنا لیا۔ اس کے بعد کہا کہ اے مخاطب ان کے ایسے نقابوں میں چھپے

رہنے سے دھوکہ مت کھائیو اس لئے کہ یہ طریقہ اُن کے بعض اکابر کا جاری کردہ ہے اس لئے معتزلہ کی طرف سے شناعت و مذمت کے طور اہل سنت کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ

(۱) الجماعة سموا ھواھم سنة

لکنہم حمر لعمری مؤکفه

(۲) قد شبھوہ بخلقه وتخوفوا

شنع الوری متستروا بالبلکفه

ترجمہ: (۱) ایک جماعت ہے جس نے اپنی خواہشات کا نام سنت رکھ چھوڑا بخدا وہ گدھے ہیں اس لئے کہ

(۲) انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہہ دی تو خوف کے مارے نقابوں سے اپنے منہ ڈھانپ رکھے ہیں۔

مذمت از اہلسنت بر معتزلہ اس کے جواب میں کسی شاعر نے یوں فرمایا ؎

(۱) عجبا لقوم ظالمین تلقبوا

بالعدل ما فیھم لعمری معرفه

(۲) قد جاءھم من حیث الید رونه

تعطیل ذات اللہ مع نفی الصفه

ترجمہ (۱) ایسے ظالم لوگوں پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو عدل کی تصویر سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں ذرہ برابر بھی معرفت نصیب نہیں۔

(۲) جہالت سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل جیسی قبیح صفت سے موصوف کیا اور جو اس کے حقیقی صفات ہیں ان کا انکار کر دیا۔

حضرت مولانا ابراہیم الاروسقی نے معتزلہ کی تردید میں فرمایا کہ ؎

(۱) رَضِیْنَا کتاب اللہ للفصل بیننا

وقول رسول اللہ اوضح فاصل

(۲) وتحریف آیاتِ الکتاب ضَلَالَةٌ

ولیس بعدل رد نص الدلائل

③ وتضلیل اصحاب الرسولِ وذمّهم
وتصویب آراء النظام و واصل

④ ولوکان تکذیب الرسول عدالة
فاعدل خلق اللہ عاص بن وائل

⑤ فلولاک جار اللہ من فرقة الھوٰی
لکنت جدیرا باجتماع الفضائل

ترجمہ: ① ہم اپنے فیصلہ کے لئے کتاب اللہ پر راضی ہیں اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر بھی۔
② نہایت ہی بہتر اور واضح فیصلہ کن اور کتاب اللہ کے آیات کی تحریف گمراہی ہے اور دلائل قرآنی کے نصوص کو رد کرنا عدل نہیں۔
③ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ سمجھنا اور اُن کی مذمت کرنا اور اپنے مولوی نظام اور مولوی واصل کے اقوال برحق سمجھنا بھی ناموزوں ہے۔
④ اگر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کا نام عدل ہے تو دنیا میں سب سے بڑا عادل عاص بن وائل (مشرک) ہے۔
⑤ اے جار اللہ زمخشری اگر گمراہ فرقہ سے نہ ہوتا تو تم اپنے علم و ادب کیوجہ سے مجمع فضائل و کمالات کہلانے کا مستحق تھا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ

ربط جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یٰمُوسٰی اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کی اصلاح بقاً کے لئے رؤیۃ سے روکا فلہٰذا مغموم و محزون نہ ہوں اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ بے شک میں نے آپ کو چن لیا یعنی اپنے لئے پسند فرمایا اور اپنا برگزیدہ بنایا اور ممتاز کیا عَلَی النَّاسِ آپ کے ہمعصروں پر جو اب زندہ ہیں۔

سوال کیا موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام سے بھی برگزیدہ تھے حالانکہ وہ اُن سے سن میں بڑے تھے اور نبی بھی؟

جواب اگرچہ اُن سے بڑے اور نبی تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے اس لئے کہ وہ نہ تو کلیم تھے اور نہ مستقل طور صاحبِ شرع۔ یا یہاں پر الناس سے تمام لوگ مراد ہیں اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسی فضیلت (یعنی رسالت اور بلا واسطہ کلام) پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئی (ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستثنیٰ ہیں)

سوال علی الناس کے بجائے علی الخلق کیوں نہ فرمایا؟

جواب اگرچہ موسیٰ علیہ السلام ملائکہ سے افضل سہی لیکن ان کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح بلاواسطہ ہمکلامی کا شرف ملا اس لئے انسانوں کی قید لگائی ہے ورنہ الخلق عام ہے اس میں ملائکہ کرام بھی شامل ہیں۔

بِرِسٰلٰتِیْ یہ رسالہ کی جمع ہے یہ دراصل مصدر ہے بمعنے ارسالی اور شرع میں مرسل بہ الی الغیر مراد ہوتا ہے اور یہاں پر رسالات سے اسفار التوراۃ مراد ہیں۔

فائدہ اسفار سفر کی جمع ہے بمعنے کتاب مثلاً کہا جاتا ہے سفرہ ای کتبہ یعنی اس نے لکھا اور تورات کی تختیوں کو الواح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔

وَبِكَلَامِیْ یعنے اور اپنے کلام سے یعنی تمہارے ساتھ بلا واسطہ کلام کیا۔ بعض کے ہاں یہاں مضاف محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی وسمع کلامی۔

سوال خاصہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا نہیں اس لئے کہ آپ کے ساتھ اور ستر آدمیوں نے بھی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جنہیں وہ خود ساتھ لے گئے تھے۔

جواب ساتھ لے جانے والی روایت مردود ناقابلِ قبول ہے اس لئے کہ نص کے مقابلہ میں واقع ہوئی اور جو روایت نصِ قرآنی یا صحیح روایت کا مقابلہ کرے وہ مردود اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ وہ اُمّت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ہر نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ عام مخلوق سے ایک یا دو مراتب یا اس سے مزید خصوصیات سے مخصوص فرماتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جبکہ آدم علیہ السلام کا جسم اطہر تیار کیا گیا تو آدم علیہ السلام میں اُن کی اولاد کے ذرّات میں انبیاء علیہم السلام کو رسالہ ومکالمہ سے نمایاں اور نوح ثانی کو یہ مرتبہ نہیں ملا تھا اس لئے انہیں نمایاں نہیں تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں کیا گیا اسی طرح دنیا میں دیدار الٰہی کا مرتبہ حضور علیہ السلام اور آپ کی امت سے مخصوص ہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمنا کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت بنایا جائے مثلاً یوں دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَصْحَابِهٖ اے اللہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب سے بنا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے کلام کے لئے کوہ طور پر حاضری دی تو آپ نے اُونی جُبّہ زیب تن فرمایا۔ اور پہاڑ کے کونے سے سہارا لگا کر کھڑے ہوگئے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کو ایسے مقام پہ فائز المرام فرمایا ہے نہ آپ سے پہلے کسی کو یہ مقام نصیب ہوا اور نہ آپ کے بعد کسی کو نصیب ہوگا اور میں نے آپ کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخش کر اپنا مقرب بنایا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ تعالیٰ تو نے مجھے اتنا بلند مرتبہ کیوں عطا فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری تواضع کے پیش نظر جب موسیٰ علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ کا لذیذ ترین کلام سُنا تو عرض کی" اے اللہ کریم تو مجھ سے قریب ہے تاکہ میں تیرے ساتھ کوئی راز کی بات کروں۔ یا تو بعید ہے تاکہ تجھے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں ہر اس شخص کا جلیس ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔

اعجوبہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر واپس ہوئے تو کسی کو ممکن نہ تھا کہ جلووں کے پرتو کی وجہ سے ان سے گفتگو کر سکے اس لئے تادم واپسیں آپ برقع میں محجوب رہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی آپ سے بن بیوہ تو نہیں ہو چکی کہ جب اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے مشرف ہوئے اس وقت سے میں آپ کے چہرہ کی زیارت سے محروم ہوں جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کے لئے چہرے سے نقاب ہٹایا تو انہیں موسیٰ علیہ السلام کا رُخ انور سورج کی طرح چمکتا ہوا محسوس ہوا یہاں تک کہ بی بی کو تھوڑی دیر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا جیسا کہ عموماً سورج کو دیکھنے سے چہرے پر ہاتھ رکھا جاتا ہے بی بی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیے تاکہ بہشت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں آپ نے فرمایا کہ آخرت میں تو میری زوجہ ہوگی بشرطیکہ میرے بعد کسی دوسرے سے نکاح نہ کرنا۔

مسئلہ قیامت میں زیادہ شوہروں سے نکاح کرنے والی عورت ہر اس شوہر کو ملے گی جس کے عقد میں اسے موت واقع ہو۔

مسئلہ بعض کے نزدیک پہلے شوہر کو ملے گی۔ بعض کہتے ہیں جس نے اس سے حسن خلق سے زندگی بسر کی ہوگی۔

خصوصیت مصطفےٰ یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ وصال شریف کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ازواج مطہرات سے کوئی بھی نکاح نہیں کر سکتا۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ جو کچھ میں نے آپ کو شرف نبوت اور بزرگی و حکمت عنایت فرمائی اُسے لیجئے۔ **وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ** ۝ اور میری نعمت پر شکر گزار لوگوں سے ہو جائیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ** وہ استعداد لیجئے جو تمہیں عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اُس نے آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف بخشا ہے۔

وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ اور شکر کیجئے اس لئے کہ یہی شکر آپ کو منزل مقصود تک پہنچائیگا یعنی اس کی وجہ سے دولت دیدار سے نوازے جاؤ گے اس لئے کہ شکر سے نعمت میں برکت و اضافہ ہوتا ہے کما قال **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ**[1] یہاں زیادتی کے حصول سے رؤیت حق مراد ہے چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ

---

[1] اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں (نعمتوں میں) بڑھاؤں گا۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی و زیادہ ۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا الزیادۃ هی الرؤیۃ اور اَلْحُسْنٰی هی الجنۃ یعنی آیت میں زیادہ سے رؤیت اور الحسنٰی سے مراد بہشت ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَكَتَبْنَا لَهٗ اور ہم نے قلم اعلیٰ کو حکم فرمایا کہ وہ لکھے یا ہم نے جبریل علیہ السلام سے کہا کہ وہ قلم سے فرمائیں تاکہ وہ لکھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ تختیوں میں وہ نو عدد اور سبز زمرد کی تھیں یہی صحیح تر ہے اسمیں توراۃ کندہ تھی جیسے انگشتری میں نقش کندہ ہوتے ہیں ان میں تختی کا طول دس گز تھا ۔ قاموس میں ہے کہ تختی ہر اس صحیفے کو کہا جاتا ہے جو لکڑی یا ہڈی سے جوڑ کر کے تیار کیا جائے ۔ بصورتِ هٰكَذَا [تختی کا نقشہ] ۔ اس کی جمع الواح آتی ہے ۔

فائدہ روبیت کا سوال نویں ذوالحج کو ہوا اور توراۃ دسویں ذوالحج کو عطا کی گئی ۔

مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یعنی وہ اُمور جن کے وہ محتاج تھے مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۔ جار مجرور یعنی مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سے بدل ہے اس لئے کہ وہ محلاً منصوب ہے کیونکہ کتبنا کا مفعول بہٖ ہے اور اس کا من تبعیضیہ نہیں زائدہ ہے دراصل عبارت یوں ہے وکتبنا لہٗ کل شیءٍ مِنَ الْمَوَاعظہ الخ یعنی ہم نے اس کے لئے مواعظ و تفصیل احکام مندرج تھے وہ یہ ہیں ۔

(۱) میں اللہ رحمٰن رحیم ہوں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ۔

(۲) ڈاکہ زنی ۔
(۳) زنا ۔
(۴) ماں باپ کی نافرمانی ۔
} نہ کرنا ۔

فَخُذْهَا بحذف قول اس کا عطف کتبنا پر ہے ۔ دراصل عبارت یوں تھی کہ فقلنا خذها پس ہم نے کہا ان تختیوں کو لیجئے ۔ بِقُوَّةٍ جدوجہد اور پختہ ارادہ سے وَّاْمُرْ قَوْمَكَ بطریق مذہب اور افضل شے کے حصول کی ترغیب دلا کر اپنی قوم کو حکم فرمایئے یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا یہ باء زائدہ ہے اور حسنہا ۔ یاخذوا کا مفعول بہ ہے ۔

فائدہ احسن سے عزائم اور حسن سے رخصتی امور مراد ہوتے ہیں یعنی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ امور عزیمت میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کی پابندی یا دکھ درد اور پریشانی کے وقت بدلہ نہ لینے کے ساتھ صبر کرنا ۔

فائدہ قطرب نے کہا کہ یہاں احسن بمعنے حسن ہے اس لئے کہ احکام الٰہی سب کے سب حسن ہیں جیسے اکبر ولذکر اللہ اکبر میں مطلق بزرگی مراد ہے یہاں بھی احسن سے مطلق حسن مراد ہے ۔

سَاُورِیْکُمْ اے بنی اسرائیل ہم تمہیں عنقریب دکھائیں گے دَارَ الْفٰسِقِیْنَ فاسقوں کی دار۔ یعنی مصر میں فرعون اور اُس کی قوم کے مکانات عنقریب مٹ کر رہ جائیں گے جیسے ان سے پہلے عاد و ثمود اور اُن جیسوں اور کافروں کی منزلیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ تم انہیں دیکھ کر عبرت پکڑو اور احکام تورات سے روگردانی کر کے اُن پر عمل نہ کر کے مخالفت خداوندی سے بچ جاؤ۔ نیز دار الفاسقین سے ارض مصر اور شام کے جابرہ و عمالقہ کی کوٹھیاں اور بنگلے مراد ہیں۔

فائدہ دار دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں اُن کی جائیداد منقولہ و غیر منقول کا وارث بنائیں گے۔

فائدہ پہلی تقریر پر اس میں وعید و ترہیب ہے اور تقریر ثانی پر وعدو ترغیب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ دار دنیا کے بجائے آخرت دار کی طلب احسن ہے اسی طرح دیدار الٰہی کی طلب آخرت کی طلب سے احسن ہے۔

سبق عاشق پر لازم ہے کہ وہ احسن شے کو اختیار کرے۔

فائدہ آیت میں فاسقین سے خارجین مراد ہے یعنی بہشت سے خارج ہونے والے یعنی ہم انہیں طلب آخرت سے نکلنے والوں کی دار دکھائیں گے اس لئے کہ جو طلب الٰہی میں ہوتا ہے وہ طلب آخرت سے بھی آگے نکل جاتا ہے پھر اُس کی دار ملیک مقتدر کے ہاں ایک نہایت اعلیٰ اور بہتر مقام ہوتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور و لب حوض

بہوائے سر کوئی تو برفت از یادم

(۲) نیست بر لوح دلم جز الف قامت دوست

چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

ترجمہ (۱) سایہ طوبیٰ کا اور حوروں کی دلجوئی اور حوض کے کنارے خواہشات نفسانی سے اب وہ تیری یاد سے نکل گئے۔

(۲) میرے دل کی تختی پر سوائے قدو قامت دوست کے اور کچھ نہیں میں کیا کروں مجھے استاد نے اور کچھ سکھایا نہیں۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ آیات سے وہ مواعظ اور احکام مراد ہیں جو تورات میں مندرج تھے اسی طرح وہ آیات تکوینیہ بھی مراد ہیں جو منجملہ اُن کے دار الفاسقین کے کھولنے کا وعدہ تھا اور صرف بمعنے پھیرنے سے اُن کے دلوں پر مہر لگانا مراد ہے یعنی اُن کے دلوں پر ایسی مہریں لگائی

جائیں گی کہ وہ ان آیات نہ تفکر کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں عبرت حاصل کرنے کا موقعہ میسر آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنے مذہب وملت اور تکبر و تجبر پر ڈٹے ہوئے تھے اب آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ ہم اُن کے ان لیڈروں کے دلوں پر مہر ثبت کر دیں گے جو اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے اور خلقِ خدا پر اپنی فضیلت کا دم بھرتے ہیں وہ نہ ہمارے آیات تنزیلیہ سے نفع پا سکیں گے اور نہ ہی آیاتِ تکوینیہ سے۔

فائدہ آیاتِ تکوینیہ سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو انفس و آفاق میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اور مذکورہ بالا لیڈر جیسے آیات تنزیلیہ و تکوینیہ کے انتفاع سے محروم ہوں گے ایسے ہی اُن کے آثار سے جو فوائد مرتب ہوں گے ان کے حصول سے نفع نہیں لے سکیں گے لہٰذا تم اے بنی اسرائیلیو! ان کے طریقہ پر چل کر اُن کی طرح نہ ہو جاؤ۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ ط یہ تیکبرون کا صلہ ہے یعنی اس امر کی وجہ سے اتراتے ہیں جو حق نہیں بلکہ باطل ہے اس سے ان کا اُن کے دینِ باطل کا انکار اور اُن کا ظلم وافر مراد ہے۔

ربط چونکہ تکبر آیات مذکورہ کے انتفاع سے محروم کرتا ہے بلکہ انہیں ضائع کرنے کی نوبت تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کو تکبر سے ڈرایا گیا ہے اگر تکبر کے خوگر ہو گے تو آیات الٰہیہ کے تفکر اور ان سے ہدایت کے انتفاع سے محروم ہو جاؤ گے۔ یہ اس لئے ہوا تا کہ وہ لوگ تورات کے احکام پر عمل کرنے میں جدوجہد کر کے پوری رغبت اور محبت سے ان پر عمل کریں اس سے ظاہر ہو گیا کہ آیت ہذا کا تعلق بنی اسرائیل کے قصہ کے درمیان واقع ہوا ہے یعنی اُن کے واقعہ کا کچھ حصہ بیان ہو چکا۔ اس جملہ کے بعد بقایا بیان کیا جائے گا اور یہ بطور جملہ معترضہ کے واقع ہوا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے متکبرین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے معانی کے فہم کے ادراک سے محروم رکھا ہے اور انہیں ان کے اندر تدبر کا موقعہ میسر نہیں آتا۔

فائدہ مثل مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ظالمین کے قلوب حکمتِ قرآن کے فہم و ادراک سے محروم ہیں اسی طرح انہیں قرآن پاک کے عجائبات سے محروم رکھا جاتا ہے ؎

حیف است چنیں گنج دراں ویرانہ

ترجمہ: ایسے ویرانہ میں ایسا خزانہ افسوس ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اگر وہ مشاہدہ کریں **كُلَّ اٰيَةٍ** تمام اُن آیات کا جو معجزہ کے طور انہیں دکھائی گئیں۔ **لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا** ج تو وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان سب کا انکار کریں گے اس لئے کہ اُن کے

دل روشن نہیں۔

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ اور اگر وہ ہدایت دیکھ بھی لیں تب بھی وہ اسے راہ حق سمجھ کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس پر چلیں گے اس لئے کہ اُن پر شیطنیت سوار ہے اور انہوں نے ٹیڑھاپن اور راہِ حق سے انحراف کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے۔

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ اور وہ گمراہی کا راہ دیکھ لیں تو اس کو وہ اپنے چلنے کا راہ بنا لیتے ہیں یعنی اپنے لئے دائمی طور وہی راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور پورا عزم رکھتے ہیں کہ اس راہ سے سرِمُو بھی نہیں ہٹیں گے وہ اس لئے کہ وہ راستہ اُن کی خواہشات باطلہ کے موافق ہوتا ہے اور وہی راستہ انہیں شہوات پرانی پہ اُبھارتا ہے۔

ذٰلِكَ یہ اُن کے تکبر اور آیات پر ایمان نہ لاتے اور راہِ حق سے روگردانی اور گمراہی کی طرف پورے جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّهُمْ امور مذکورہ بالا انہیں اس سبب سے نصیب ہوئے کہ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا انہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی۔

فائدہ آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اُن کے قبیح صفات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ واضح کرتے ہیں کہ جن اوصاف پر یہ ہیں وہ نہایت گندے ہیں اور اُن کے برعکس وہ اوصاف جو موسٰی علیہ السلام وغیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ حق اور بہتر ہیں۔

فائدہ یا آیات سے معجزات اور آیات منزلہ مراد ہیں۔

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝ اور وہ ان سے غافل تھے یعنی اُن آیات میں وہ تفکر نہیں کرتے تھے ورنہ اُن سے مذکورہ بالا غلط کاریاں اور خرابیاں سرزد نہ ہوتیں اس سے ثابت ہوا کہ یہاں عدم تفکر مراد ہے اور عدم تفکر کو غفلت سے تشبیہ اس لئے ہے کہ جیسے غافل کو کوئی شئے حائل ہو کر مقصود سے دُور رکھتی ہے ایسے ہی ان لوگوں کو اپنی گمراہی حائل ہوئی اور وہ حق سے دائمی طور محروم ہو گئے۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات اور ہماری حاضری سے انکار کیا لقاء الاخرة میں مصدر مضاف بمفعول بہ ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے دراصل ولقاءهم الدار الآخرة تھا۔

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ اور ان کے اعمال حبط ہو گئے یعنی اُن کے اعمال کا بُطلان ظاہر ہو گیا یعنی اس سے قبل جو اعمال صالحہ کرتے مثلاً صلہ رحمی اور مظلوموں کی فریاد رسی وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب ضائع ہو گئے کہ اب اُن سے انہیں کوئی نفع نہ ہو گا۔

هَلْ يُجْزَوْنَ یہ استفہام بمعنے نفی و انکار ہے یعنی وہ کسی قسم کی جزا نہیں پائیں گے ۔
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ انہیں اعمال کے مطابق سزا ملے گی ۔ یعنی وکفر و معاصی کے ارتکاب سے وہ خوب سزا پائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اُن کے نزدیک ہمارے اعمال انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور انزال کتب و اظہار معجزات سے حبط ہوئے تو ہم نے اُن کے تکبر کی وجہ سے اُن کو سزا دی کہ اُن کے وہ تمام اعمال حبط کر دیئے جو ہمارے ہاں موجود تھے اس لئے کہ ہم اہل شرک اور اُن کے شرک سے مستغنی ہیں اور کبریا و غنا ہمارا خاصہ ہے اور یہ حکم جزاءُ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلہا کے عین مطابق ہے ۔

فائدہ آیت ہذا میں تکبر کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کو تکبر بہت انانیت بڑھاتا ہے اور ابلیس بھی مطرود و ملعون ہوا تو اسی تکبر کی وجہ سے ۔

اعجوبہ حکایت کسی نے ایک متکبر کی یوں تعریف کی کہ وہ اتنا بلند مرتبہ رکھتا ہے کہ کسریٰ اس کا حاشیہ بردار اور اُس کے اخراجات کا کفیل اور بلقیس اُس کی ایک ایک ادنیٰ خادمہ اور گویا یوسف علیہ السلام جیسے حسین اُن کی آنکھوں کے گوشوں پر قربان ہے اور لقمان کی تمام حکمت اس کے دفتر کا ایک باب ہے یوں کہئے کہ سبزیاں صرف اُس کی خوشنودی کے لئے سر سبز اور غبار اسی کا نام لیوا ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ایں تکبر زہر قاتل دانکہ ہست
ازمی پُر زہر شد ایں گیج مست

(۲) چوں می پُر زہر نوشد مدبرے
از طرب یکدم بجنباند سرے

(۳) بعد یکدم زہر جانش زند
زہر در جانش کند داد و ستد

(۴) گر نہ داری زہریش را اعتقاد
گرچہ زہر آمد نگر در قوم عاد

(۵) چونکہ شاہے دست یابد بر شہے
بکشدش یا باز دارد در چہے

(۶) ور بیابد خستہ افتادہ را
مرہمش شہ و بُدبُد عطا

⑦ کہ نہ زہر است ایں تکبر پس چرا
گشت شہ را بے گناہ و بے خطا

⑧ دیں دگر را پے خدمت چوں نواخت
زیں دو جنبش زہر را شاید شناخت

⑨ نردبان خلق ایں ما و منیت
عاقبت زیں نردباں افتادنیست

⑩ ہر کہ بالا تر رود ابلہ تر است
کاستخواں او بہتر خواہد شکست

⑪ ایں فروعست و اصولش آں بود
کہ ترفع شرکت یزداں شود

⑫ چوں نمردی و نگشتی زندہ زو
یاغی باشی بشرکت ملک جو

⑬ چوں بدو زندہ شدی آں خود ویست
وحدت محض است آں شرکت نیست

ترجمہ: ① یہ تکبر زہر قاتل ہے۔ شراب مستی سے یہ زہر قاتل تیار ہوا ہے۔
② جب ایسا شراب کو بدمست پیتا ہے تو اس کا سر چکراتا ہے۔
③ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہی زہر دار شراب اس کی جان کا لیوا ثابت ہوتا ہے۔
④ اگر تجھے اس کی زہر پر اعتبار نہیں تو دیکھ لے قوم عاد کا کیا حشر ہوا۔
⑤ دیکھئے ایک سلطنت کا بادشاہ جب دوسرے پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ اسے فوراً مروا دیتا ہے یا زہر پلا کر اسے جان سے ختم کر دیتا ہے۔
⑥ لیکن وہی بادشاہ کسی کمزور کو بیمار دیکھتا ہے تو اس کی مرہم پٹی کرتا ہے۔
⑦ اگر اس تکبر میں زہر نہ ہوتی تو ایک بادشاہ دوسرے کو کیوں قتل کرتا۔
⑧ اور دوسرے کمزور کا علاج کیوں کیا حالانکہ وہ بھی اس کی طرح انسان ہے۔
⑨ مخلوق ہم تم کے تکبر میں ہے جب یہ ہم تم موت نے چھینی تو فنا ہی فنا۔
⑩ خلاصہ کلام یہ کہ تکبر ایک قسم کا شرک ہے تیرا اس طرح کا ہونا نمرود سے کم نہیں۔
⑪ کہ وہ بھی تکبر سے ملک گیری کی ہوس رکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ سے شرک کرتا تھا لیکن تباہ و برباد ہو گیا۔

(باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا

اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان، کا دھڑ

لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

گائے کی طرح آواز کرتا کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں کچھ راہ بتائے

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ

اسے لیا اور وہ ظالم تھے اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے

رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ

بولے اگر ہمارا رب ہم پر مہر نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو

لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى

ہم تباہ ہوئے اور جب موسیٰ اپنی

قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا جھنجھلایا ہوا کہا تم نے کیا بُری میری جانشینی کی میرے

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ

بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی

يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا

طرف کھینچنے لگا کہا اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے

يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ

مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ

نہ ملا عرض کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے

رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ ع

اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا

تفسیر عالمانہ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِہٖ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنایا۔ یہ من ابتداءِ غایت کے لئے ہے مِنْ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ حُلِیِّہِمْ اپنے زیورات سے۔ حُلِیٌّ۔ حَلْیٌ کی جمع ہے جیسے ثُدِیٌّ ثَدْیٌ کی جمع ہے چاندی اور سونے کی ہر وہ شے کہ جس سے زینت حاصل کی جائے۔

سوال یہ زیورات تو قبطیوں کے تھے لیکن بنی اسرائیل کی طرف منسوب ہیں؟

جواب معمولی مناسبت کی وجہ سے اُن کی طرف منسوب ہوئے وہ مناسبت یہی ہے کہ اب اُن کے قبضے میں تھے اگرچہ بطورِ عاریت کے سہی۔ اس لئے کہ مصر سے روانگی سے قبل قبطیوں سے یہ زیورات عاریۃً لئے تھے۔

عِجْلاً یہ اتخذ کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جبکہ بمعنے تصیر ہو اور

⑪ اگر تم بھی اس تجربہ میں رہے تو شرک کا ارتکاب کرتے رہو گے۔

⑫ اللہ تعالیٰ کے ہاں وحدت پسند ہے۔ شرک اس کے لئے نہایت اور ناپسندیدہ امر ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ تجربہ سے اپنے آپ کو پاک کرکے طریقِ حق میں تواضع و انکسار کی عادت ڈالے اور ہر عمل میں خلوص پیدا کرے اس لئے جو شخص اپنے اعمال میں خلوص کرتا اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر نیک عمل کرتا ہے تو اُسے فیوض و برکات سے نوازا جاتا ہے بلکہ رہتی دنیا تک اس کے لئے آثار نمودار رہیں گے۔

خلوص نیت کی کہانی نافۂ مشک ہرنی کی زبانی مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پہ تشریف لائے تو جنگل کے تمام جانور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ آدم علیہ السلام کے دستِ مبارک کے برکت سے اُن ہرنوں میں نافۂ مشک پیدا ہوگئی جب باقی ہرنوں نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے پوچھا تمہیں یہ برکت (النعمت) کہاں سے نصیب ہوئی۔ انہوں نے کہا تو پھر ہم کیوں محروم رہیں ہم بھی اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں ہماری پیٹھ پر دستِ مبارک پھیریں گے تو ہمیں بھی نافۂ مشک کی دولت نصیب ہوں گے چنانچہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن کے لئے دعا فرمائی اور دستِ مبارک بھی اُن کی پشتوں پر پھیرا لیکن اُن میں خوشبو ظاہر نہ ہوئی۔ واپس لوٹ کر اپنے ہمجولیوں (ہرنوں سے) کہا ہم خالی ہاتھ لوٹے اسکی وجہ۔ انہوں نے کہا کہ ہم صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور تم ایک طمع لے کر حاضر ہوئے اس لئے تم اس دولت سے محروم ہو کر لوٹے اور ہم صرف رضائے الٰہی کے لئے حاضر ہوئے تو یہ برکات نہ صرف ہم تک محدود رہیں گے بلکہ تا قیامت ہماری اولاد کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی۔

سبق اس کہانی سے ثابت ہوا کہ ہر شخص اپنے نا کر جزا پاتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ لیکن بہتر جزا وہ ہے جو دائمی طور نصیب ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سستی و کاہلی اور غلط کاری اور خطا سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی الٰہا اب معنےٰ یہ ہوا کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔

"اَلۡعِجۡلَ" بقرہ گائے کا بچہ اس کے باپ کو ثور (بیل) کہا جاتا ہے عجل کی جمع عجاجیل اور اس کی مؤنث عجلۃ آتی ہے اور اسے العجل سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش میں عجلت کی اور وہ اُس کی پرستش چالیس روز کرتے رہے اُس کی سزا انہیں جنگل میں چالیس سال حیران پھرنے سے دی۔ گویا دن کے بدلے ایک سال سزا مقرر کی گئی۔

جَسَدًا یہ عجلاً سے بدل ہے یعنی وہ بچھڑا ذو جسد اور ذو دم اور ذو لحم تھا لیکن اس کا جسد سونے کا تھا جس میں روح نہیں تھی اس لئے کہ جسد ہر اُس جسم کو کہا جاتا ہے جس میں گوشت اور خون ہو اور ہر اُس جثے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں روح نہ ہو۔ لَهٗ خُوَارٌ اس گائے سے آواز آتی تھی۔

بچھڑا پرستی کی وجہ اس کی وجہ یوں ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کوہ طور کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کہ میں تیس دنوں کے بعد آجاؤں گا لیکن وہاں انہیں چالیس دن گذارنے پڑے۔ سامری نے آپ کی اس دیر سے فائدہ اُٹھایا۔

فائدہ یہ سامری بستی سامرہ کا باشی تھا اور بنی اسرائیل میں اس کی بہت بڑی عزت اور اس کی ہر بات مانی جاتی تھی سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم فرعونیوں کے زیورات لے کر انہیں واپس نہیں کر سکے اسکی یہ سزا تمہیں ملی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمہارے ہاں واپس لوٹنے کے لئے روک لیا۔ اب وہی زیورات جمع کر کے میرے پاس لاؤ میں انہیں جلا دوں ممکن ہے کہ ہماری اس کاروائی سے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو اجازت دے یا پھر تم اس سے سوال کرو کہ اب وہ کس کی عبادت کریں چونکہ بنی اسرائیل کو بچھڑا پرستی کی طرف اس وقت سے میلان تھا جبکہ انہوں نے عمالقہ کو گائے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کی مٹی سے بیجان بچھڑے کو جان ملی سامری نے زیورات کو آگ میں پگھلا کر بچھڑا تیار کر لیا اس لئے کہ وہ زرگر تھا اور سونا چاندی کا کام خوب جانتا تھا پھر اس بچھڑے کے منہ میں مٹی کی چٹکی ڈالی جو کہ اس نے جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی اور وہ گھوڑی حیات تھی کہ جہاں اس کا پاؤں لگتا وہ جگہ سرسبز ہو جاتی۔ سامری نے یہ مٹی یا تو دریا کو عبور کرنے سے پہلے یا موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور کو جاتے وقت اُٹھائی ہوگی۔ جب اس سونے کے بناوٹی بچھڑے میں سامری نے مٹی ڈالی تو وہ ذی جسد اور ذی لحم اور ذی دم ہو گیا اور وہ گائے کی سی آواز کر کے بچھڑے کی طرح بھاگنے کودنے لگا۔ سامری نے کہا اے بنی اسرائیلیو! یہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ اس وقت بنی اسرائیلیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ بارہ ہزار افراد کے

سوا باقی سب بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سامری نے بچھڑے کو کھوکھلا کر کے تیار کیا اسمیں مخصوص طریقے کی ڈاڑھیں رکھیں پھر اُسے ہوادار جگہ پر رکھدیا۔ جب ہوا اس کے اندر جاتی تو اس سے گائے سی ایک مخصوص آواز نکلتی جس سے بنی اسرائیل کو وہم گذرا کہ یہ زندہ ہے بنی اسرائیل بچھڑے کی یہ کیفیت حالت دیکھ کر اس کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے۔

غلط کار صوفی حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت طرطوشی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ اُن سے سوال ہوا کہ ایک ایسی قوم جو کسی مکان میں بیٹھ کر قرآن پڑھتی ہو پھر وہ اپنے اس اجتماع میں اشعار گائیں اور اُن سے رقص کر کے سرود و مستی کا اظہار کریں اور ساتھ طبل بجائیں کیا ایسے لوگوں کی محفل میں جانا جائز ہے یا نہ انہوں نے فرمایا کہ ایسے غلط کار صوفیوں کا مذکورہ بالا طریقہ نہ صرف جہالت بلکہ باطل محض اور سراسر گمراہی ہے اسلاف صرف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کا نام ہے۔ رقص اور وجد مذکور کا طریقہ سامری کے یاروں کا ایجاد کردہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ بچھڑے کی آواز سُن کر بنی اسرائیل جھومنے لگے اور رقص و وجد کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا وجد و رقص کا طریقہ کافروں اور بچھڑے کے پجاریوں کا ہے اسلام وقار اور سکون سکھاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ بادشاہوں اور سلطنت کے ذی اثر افسروں پر لازم ہے کہ ایسے غلط کار نام نہاد صوفیوں کو مسجدوں میں نہ آنے دیں اور نہ مسلمانوں کی دوسری تقاریب میں تاکہ عوام میں اُن کا بُرا اثر نہ پھیلے اور نہ کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اُن کی مجلسوں میں جائے اور نہ ہی اُن کی کسی قسم کی مدد کرے۔ یہی امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر آئمہ کا مذہب ہے (حیاۃ العیون)

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ سماع (مزامیر وغیرہ) پر رقص ناجائز ہے۔

مسئلہ ذخیرہ میں ہے کہ سماع پر رقص وغیرہ گناہ کبیرہ ہے۔

اولیاء اللہ اور سچے صوفیاء کا وجد اور رقص مشائخ صوفیاء کرام یعنی اولیاء عظام کے ہاں وہ وجد اور رقص مباح ہے جس میں رقص کرنے والا اتنا مدہوش ہو کہ اُسے اپنی بھی خبر نہ ہو کہ اور اس کی ہر حرکت رعشہ کے بیمار کی سی ہو۔ اسی طرح سماع (بلا مزامیر) بھی وہی جائز ہے جو قرآنی آداب اور وعظ و نصیحت کے طور ہو اگر عام قوالی کی طرح ہو تو وہ بھی حرام ہے اس لئے کہ سرود اور قوالی (سماع) حرام ہے

حلال سماع کے شرائط مشائخ صوفیاء کرام کے نزدیک سماع اس شخص کے لئے مباح ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے آزاد اور تقویٰ و طہارت کی تصویر ہو اور اسے سماع کی ایسی ضرورت

محسوس ہو جیسے بیمار کو دوا کی ضــــرورت ہوتی ہے اس لئے سماع کے متعلق مشائخ نے چند شرائط قائم فرمائے ہیں۔

(۱) مجلس میں کوئی بے ریش لڑکا نہ ہو۔

(۲) اس میں سب کے سب اہل ہوں جنہیں سماع کے آداب سے واقفیت اور شرع مطہرہ کے عاشق ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان میں کوئی فاسق و فاجر نہ ہو اور نہ ان میں کوئی اہل دنیا اور نہ ہی کوئی عورت۔

(۳) قوال کی نیت میں بھی اخلاص ہو اور وہ اُجرت کے طور یا اور کسی لالچ پر قوالی نہ کرے۔

(۴) طعام یا فتوحات کی لالچ میں ان (صوفیوں) کا اجتماع نہ ہو۔

(۵) وجد و رقص کی اجازت صرف صاحبِ حال کو ہو اور وارفتگی میں تصنع کے مرتکب کو کسی قسم کی اجازت نہ ہو۔

(۶) وجد کرنے کے لئے صرف صاحبِ وجد کھڑا ہو باقی خواہ نخواہ نہ اُٹھیں۔

حضرت شیخ عمر بن الفارض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قصیدہ موسوم بہ نظم الدار میں فرمایا ہے

اذا ھام شوقا بالمناعی وھم ان
یطیر الی اوطانہ الاولیۃ
یسکن بالتحریك وھو بمھدہ
اذا نالہ ایدی المربی بھزۃ

ترجمہ معہ شرح از امام قاشانی جب ولی کامل حیران و مضطرب ہو کر مرکزِ اصلی اور وطن اوّلی کی طرف سرود کے نغموں کی وجہ سے اچھلتا ہے یا اس کی روح کا پرندہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے اصلی اور ازلی گھونسلے کو جائے تو اُسے اس کا مربی و مرشد تھپکیوں سے مہد سے سُلا دیتا ہے اسی وجہ سے پھر وہ اچھلنے کودنے سے سکون اختیار کر لیتا ہے اس سے شیخ کا مقصد صرف سماع کے فوائد کا اظہار ہے اور بتانا ہے کہ کاملین کا رقص اور وجد اور ان کا اچھلنا کودنا خالی از اسرار نہیں وہ یہی ہے کہ کامل کی روح سماع کے وقت اصلی کی طرف جانا چاہتی ہے بلکہ بدن سے نکل کر اس عالم قدس میں پہنچنے کے لئے بے تاب ہو جاتی ہے لیکن عالم دنیا کا نظام اسے تھپکیاں دے کر ساکن کر دیتا ہے کہ ابھی تمہارے جانے کے لئے دیر ہے وہ اس لئے کہ قادرِ مطلق نے اس کا میعاد مقرر کیا ہے اس سے پہلے جانے کی اجازت نہیں ہے اور عزیز علیم کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

① مکن عیب درویش مدہوش و مست
که غرقست ازاں می زند پا و دست

② نگویم سماع اے برادر که چیست
مگر مستمع را بدانم که کیست!

③ گر از برج معنے پرد طیر او
فرشتہ فرماند از سیر او

④ اگر مرد بازی و لہو است و لاغ
قوی تر شود دیوش اندر دماغ

⑤ چه مرد سماعست شہوت پرست
بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست

ترجمہ ① مدہوش و مست درویش پر عیب نہ کر کیونکہ وہ تو غرق دیدار ہے اسی لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔
② میں نہیں کہتا (اے بھائی) سماع کیا ہے ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ سننے والا کیسا ہے۔
③ اگر برج معنیٰ سے اس کا پرندہ (روح) پرواز کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کی پرواز سے عاجز ہوں (ایسے چشتی وغیرہ کو سماع جائز ہے۔
④ اگر وہ (چشتی صاحب) لہو ولعب اور کھیل تماشہ والا ہے تو اس کا دیو (نفس) دماغ اور طاقت ور ہو جائے گا (یعنی خواہشات نفسانی میں اضافہ ہوگا۔
⑤ اس لئے کہ ایسے (چشتی صاحب) کا سماع شہوت پرستی ہوگی یہ تو آواز خوش سے بیدار ہوتا ہے نہ کہ مست۔

فائدہ حضرت سروری نے فرمایا کہ چونکہ سماع حرکت کا سبب بنتا ہے اس لئے حرکت کو سماع کہا جانے لگا گویا سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے۔

فائدہ جب کسی کی خوش آواز سے حالت غیر ہو جائے تو اس حالت کو غیر صوفیا کرام کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① پس غذائے عاشقاں آمد سماع
که درو باشد خیال اجتماع

② قوتے گیرد خیالات ضمیر
بلکه صورت گردد از بانگ ضمیر

ترجمہ: ① عشاق (چشتیہ وغیرہ) کے لئے سماع غذا ہے اس لئے اس میں تو اجتماع (وصال) کا تصور ہے
② ضمیر خیالات سے قوت پاتی ہے بلکہ سماع کی آواز سے تو ایک صورت تیار ہوتی ہے ۔

سچے صوفیوں کی اقسام یاد رہے کہ وجد بھی متلون اور مبتدی کو ہوتا ہے اور منکر (یعنی منتہد) وجد سے کوسوں دور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اپنی آخری عمر میں سماع سے توبہ فرمائی تھی صوفیوں کی تین اقسام ہیں ۔

① متواجد
② اہل وجد
③ اہل وجود

پہلا وہ مبتدی صوفی جسے ضعیف انجذاب ہوتا ہے دوسرا متوسط ہے جسے قوی انجذاب ہوتا ہے تیسرے ایسے ہی انجذاب قوی ہوتا ہے لیکن وہ ظاہری طور اچھلتا کودتا نہیں بلکہ معنوی طور اندرون خانہ ہنگامہ ہاؤ کی ہے جو صرف اسے معلوم ہوتا ہے اُس کی کیفیت یہ کہ کراماً کاتبین را چہ خبر نیست ۔

سبق عشق اور وجد اور رقص سماع کے وقت وجد و رقص کی حرکت میں صداقت ضروری ہے ورنہ صداقت نہیں ۔

خلاصہ کلام علمائے کرام میں سماع کے متعلق اختلاف ہے بعض جواز کے قائل ہیں بعض انکار کرتے ہیں اس کے بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ چونکہ سالکین راہِ حق مختلف طبائع رکھتے ہیں بنا بریں اختلاف چاہیے شرع کا پابند ہو اور اس میں سماع کی اہلیت و لیاقت بھی تو اس کے لئے سماع وجد و رقص وغیرہ جائز ہے ورنہ ناجائز ۔

فائدہ حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے اور شیخ الحاج بیرم ولی قدری سرہٗ کے سلسلہ میں وجد و رقص وغیرہ کا کوئی جواز نہیں اس لئے کہ یہ اُمور ان مبتدیوں کے لئے متعین کئے گئے ہیں جنہیں وساوس و خواطر شیطانی و نفسانی حائل ہوں اور ہمارے ہاں ان کا توحید سے بہتر علاج موجود ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی توحید کی تلقین پر زور دیا ہے ۔

علم موسیقی کا ایجاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی رضی اللہ عنہ کی کہانی منقول ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضورِ نبی کریم معہ رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی کہ مجھے عبادت میں لذت و ذوق محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے انہیں توحید کی تلقین فرما کر وصیت فرمائی کہ آثارِ توحید کے ظہور تک کسی سے گفتگو نہ کرنا ۔ جب شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا باطن انوارِ توحید سے لبریز ہوا تو آپ بولنے پر مجبور ہو گئے لیکن امر نبوی کے پابند تھے اس لئے مجبور ہو کر جنگل میں چلے گئے ۔ جنگل میں ایک کنوئیں میں جھانک کر کچھ بولے تو اُس سے ایک بانس پیدا ہوا۔ اسے

یک چرواہے نے کاٹ کر بانسری تیار کی اس وقت سے علم موسیقی ایجاد ہوا (واللہ اعلم)

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسمی عبدالمومن نے افلاک کی بازگشت کی آواز سنی تو اس سے اس نے فنِ موسیقی تیار کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کے اصول بُروج کے مطابق بارہ ہیں لیکن ان کی صدا ایک طرز پر ہے مگر حضرت انسان اس سے بھی مزید قابلیت رکھتا ہے۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ "جلوتیہ بفتح الجیم" طریقہ میں نہ سرود ہے نہ وجد اور نہ رقص۔ اس میں توحید کا راز کافی ہے اور پھر ذکر و فکر کر اٹھتے بیٹھتے اس پر مداومت کی جاتی ہے جو چند شرائط و آداب پر مشتمل ہے۔

فائدہ البتہ سماع اور وجد و رقص (خلوتیہ بفتح الخاء) کے طریقہ میں شامل ہے کہ وہ اس کو اپنے اکابر و اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ سے لود و نی طور عامل ہیں لیکن اُن کے نزدیک بھی اگر شرائط و آداب کی پابندی کے ساتھ ہو تو ممدوح و مقبول ہے ورنہ مذموم و مردود[1]۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ ہم اپنے زمانہ کے بعض لوگوں کو سماع کا خوگر پاتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ شرائط و آداب بجالانا تو بڑی بات ہے الٹا سماع کی اصلی غرض کے خلاف چلتے ہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرے جس میں اس کی سلامتی اور فلاح ہو خواہ آوارہ گفتگو اور بے کار قیل و قال سے احتراز کرے اور نہ ہی بلا وجہ کسی سماع کے عاشق و عامل پر اعتراض کرے اس لئے کہ **لِكُلِّ زَمَانٍ رِجَالٌ وَلِكُلِّ رجال مقام وحال** ہر زمانہ میں مردانِ خدا حاضر و رہتے ہیں اور ہر مردِ مولیٰ کا اپنا مقام اور انوکھا حال ہوتا ہے۔ ہمیں ان پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرنی چاہیئے[2]۔

سچے جھوٹے صوفی کی پہچان حضرت شیخ ابوالعباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص تصوف کا دم بھرتا ہو اور پھر ظالم اور فاسق فاجر لوگوں کے مال سے پیٹ کا تنور بھرتا ہو تو سمجھ لو کہ وہ کذاب اور یہودیت کا کھلونا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **سمّاعون للکذب اکالون للسحت** جھوٹ سننے کے عادی اور حرام کھانے کے خوگر ہیں۔

سبق حضرت الشیخ الحاتمی نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں نہ سماع جائز ہے اور نہ ہی ایسے شیخ کو مقتدا بنایا جائے جو سماع کا قائل ہے اس لئے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مجالس سماع میں حسین و جمیل

---

[1] ہمارے دور میں چشتیہ سلسلہ کے حضرات سماع پر بڑا زور دیتے ہیں لیکن افسوس کہ شرائط و آداب انمیں بھی مفقود ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

[2] جیسے دیوبندی وہابی اور ان کے تمام فرقے مودودی وغیرہ وغیرہ کا وطیرہ ہے۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ۔

بے ریش لڑکے اور عورتیں شامل ہوتی ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ یہ سب راہِ سلوک کے لئے ایک بڑی آفت ہیں بلکہ ان کی صحبت اور اُن کے ساتھ میل جول سالک کے لئے زہر قاتل ہے بلکہ یہی بیماری جو سالک کو آناً فاناً تباہ و برباد کردیتی ہے اس لئے کہ یہ گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا بہترین آلہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شیطان کے مکر تباہی سے پناہ مانگتے ہیں وہی طریق وصال کا ہادی اور اپنی ذات وصفات سے پردے ہٹانے والا اور اپنے جلال وجمال کے بعد کمال تک پہنچانے والا ہے وہی سب کا مالک اور ہر طریق کا رفیق ہے

اَلَمْ یَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا یا انہیں کہ اَنَّہٗ بے شک وہ بچھڑا لَا یُکَلِّمُھُمْ اُن سے گفتگو نہیں کرتا یعنی اُن کی الوہیت کے احکام میں سے ایک بھی نہیں کہ جب وہ گفتگو پر بھی قادر نہیں تو پھر امر ونہی خاک کرے گا۔

وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا م اور نہ ہی انہیں سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے یعنی اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ کسی کو بھلائی کا راہ دکھائے تاکہ لوگ اُس کا حکم سُن کر نیکی کریں اور نہ ہی وہ کسی کو برائی سے روک سکتا ہے تاکہ لوگ اس کے روکنے سے برائی نہ کریں۔

اِتَّخَذُوْہُ انہوں نے اس بچھڑے کو معبود بنایا حالانکہ اس میں الوہیت کی کوئی علامت بھی نہیں کہ وہ نہ کسی سے گفتگو کرسکتا ہے اگر وہ معبود ہوتا تو ضرور اُن سے بولتا اور انہیں ہدایت کا راستہ بتاتا اس لئے کہ معبود اپنے پرستاروں کو بے کار نہیں رہنے دیتا۔ انہیں فوائد اور بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔

سوال اتخذوہ کو مکرر کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ اُن کے معبود باطل کی مذمت میں مبالغہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس خیال میں مبتلا ہوگئے کہ وہی بچھڑا خالق الاجسام والقوی القدر ہے۔

وَکَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ہ اور تھے وہ ظالم یعنی امور حقیقیہ (عبادت وغیرہ) کو اپنے اصلی محل وقوع پر غیر کو رکھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچھڑا کی عبادت میں نہ صرف یہی مبتلا ہوئے بلکہ ان سے قبل اور بھی اس غلطی کا شکار ہوئے۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑ کر اُسے پوجنا اور ہے اور جس نے پیدا کیا اس کی عبادت کرنا اور۔ یعنی ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے ؎

آنرا کہ تو ساختی نسازد کارت
سازندۂ تو ہست در دو عالم یارت

ترجمہ: جسے تو نے کارساز بنا رکھا ہے تیرا کام نہ بنائے گا وہی کارساز حقیقی ہی دونوں عالم میں تیرا مددگار ہوگا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْھِمْ جب وہ اپنے ہاتھوں پریشان ہوئے (یہ سخت ندامت میں کہا اس

لئے کہ جس کی ندامت حد سے بڑھ جائے تو ہاتھ چباتا ہے اور اپنا ہاتھ منہ میں دباتا ہے گویا اُن کا مُنہ اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ بچھڑے کی عبادت سے سخت نادم ہوئے اور سُقِط کا مسند الیہ فِی اَیدِیھِم ہے۔

وَرَاَوْا اَنَّھُمْ قَدْ ضَلُّوْا اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرکے گمراہ ہوگئے ہیں اور ان کا یہ علم بمنزلہ یقین کے تھا۔ اس لئے اسے رویت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا انہوں نے اپنی گمراہی آنکھوں سے دیکھ لی۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا انہوں نے کہا کہ توراۃ نازل کرکے اگر ہمارے رب تعالیٰ نے ہم پر رحم نہ کیا چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نزول سے اُن کے گناہ جھڑ جائیں گے۔ اس لئے نزول تورات کا پروگرام سامنے رکھا وَیَغْفِرْلَنَا اور اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔

لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ تو ہم زیاں کار اور ہلاک شدگاں سے ہو جائیں گے؟

سوال مذکورہ بالا امور یعنی اظہار ندامت و گناہوں کا اعتراف وغیرہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور کی واپسی پر واقعہ ہوئے چنانچہ سورۃ طٰہٰ کے آیات سے واضح ہوتا ہے؟

جواب یہاں پر واقع کی تقدیم میں اشارہ کیا گیا کہ وہ ایک ہی واقعہ تھا جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے کہ ایک ہی مضمون کے آیات مختلف مقامات پہ مقدم و مؤخر کرکے بیان کرتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس لوٹے اِلٰی قَوْمِہٖ اپنی قوم کی طرف در انحالیکہ غَضْبَانَ اَسِفًا غضبناک اور غصہ ور تھے۔ غضبان سخت غضبناک انسان کو کہتے ہیں ایسے ہی اَسِفًا مثلاً کہا جاتا ہے آسِفَنِی فَاسِفت ای آغضبنی فَغَضِبْتُ یعنی فلاں نے مجھے غصہ دلایا تو میں غصہ کیا۔ اس محاورہ سے بقول باری تعالیٰ فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْھُمْ۔

موسیٰ علیہ السلام کا غیب جاننا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس تشریف لانے سے پہلے ہی قوم کی بچھڑا پرستی کا علم ہوگیا اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر ہمکلامی کے وقت اُن کے حالات بتا دیئے۔

قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ د موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے بعد تم نے بہت بُرا کیا یعنی میرے کوہ طور پہ چلے جانے اور میری عدم موجودگی میں تم نے بچھڑے کی پرستش کرکے بہت بُرا عمل کیا۔

خلف ہر اس بُرے عمل کو کہتے ہیں جو کسی کی عدم موجودگی میں کیا جائے۔ بِئْسَمَا میں ما نکرہ موصوف ہے جو بِئْسَ کے فاعل کی تفسیر بند واقع ہوا ہے اور بِئْسَ کا فاعل ضمیر ہے جو بِئْسَ میں ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے بِئْسَ خلافۃ خَلَفْتُمُوْنِیْھَا من بعد خلافتکم اعجلتم امر ربکم یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے کیا تم نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے عجلت کی ہے یعنی تم نے اس کے حکم کو نامکمل سمجھ کر چھوڑ دیا۔

سوال عجل متعدی بعن ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے عجل عن الامر یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ادھورا چھوڑ دے اُس کی نقیض تم الأمر آتی ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کام مکمل کر دے ۔ یہاں براہِ راست متعدی کیوں؟

جواب یہاں عجل بمعنے سبق ہے اور سبق بلاواسطہ متعدی ہوتا ہے ۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ تم نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر عجلت کی وہ اس لئے کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کا واپسی کا انتظار ضروری تھا جب تک وہ واپس تشریف نہ لاتے اُن کے عہد و پیمان اور اُن کی وصیت پر ڈٹے رہتے ۔

فائدہ یہ امر یا تو امر واحد ہے یا بمعنے نامور بہ ہے اور العجلۃ بمعنے شے کو وقت مقرر سے پہلے عمل میں لانا اس لئے کہ یہ مذموم ہے بخلاف سرعت کے کہ وہ مذموم نہیں اس لئے کہ سُرعت شئے کو اوّل وقت میں عمل میں لانے کو کہا جاتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے رُوح کے صفات تم نے وقت سے پہلے دنیا اور اُس کی زینت اور اس کے تعلق پیدا کرنے میں جلدی کی ہے کہ ابھی اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم صادر نہیں فرمایا تھا کہ تم نے مذکورہ بالا امور پر عمل کرنا شروع کر دیا اس میں اشارہ ہے کہ ارباب طلب اور اصحاب سلوک پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ نہ دیں اور نہ ہی اثنا طلب و سلوک اس سے تعلق پیدا کریں تاکہ دنیا کی طرف توجہ اور تعلق کی وجہ سے حق سے منقطع نہ ہو جائیں ہاں جب نفس اور خواہش کے جنگل کو طے کر کے وصالِ یار کے کعبہ تک پہنچ جائیں تو پھر ان کے لئے صرف اتنا اجازت ہے کہ وہ خلق کو حق سے ملانے اور دعوتِ حق اور صحیح طریق سے دنیا و عقبیٰ پر چلانے کے لئے اگر وہ دنیا کی طرف رجوع کریں تو جائز ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ اور موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں کہ جنمیں تورات رکھی تھی اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دیں ۔

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا موسیٰ علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ یَجُرُّہٗٓ اِلَیْہِ کہ ہارون علیہ السلام کو اپنی طرف غصہ سے کھینچتے تھے ۔ ان کا یہ کھینچنا اہانت کے طور نہیں بلکہ بطور عتاب تھا ۔ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ اس خیال پر تھا کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہدایت دینے میں کوتاہی کی حالانکہ انہوں نے حتی الامکان انہیں گمراہی سے بچانے میں بڑی جدو جہد فرمائی لیکن چونکہ حلیم الطبع اور نرم دل تھے اس لئے بنی اسرائیل کو بہی محبوب تر تھے ۔ ویسے سن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے ۔

قَالَ ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ابْنَ اُمَّ اے میری ماں جائے (بھائی) یہاں پر حرف ندا ندا محذوف ہے ۔ دراصل یا ابن اُمّا تھا ۔ اُمّا کا الف بھی حذف کر دیا گیا ۔ یہ الف دراصل یائے متکلم سے مبدل ہو کر آیا تھا ۔ الف کو حذف کر کے فتح پر اکتفا کیا گیا تاکہ مزید تخفیف حاصل ہو اس لئے کہ اضافت در اضافت سے کلام طویل ہو گیا ہے اور ندا میں تخفیف مطلوب ہوتی ہے ۔

سوال حضرت ہارون حضرت موسٰی علیہما السلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن آیت میں صرف ماں کا ذکر کیوں؟
جواب تاکہ ماں کے نام لینے سے اُن پر موسٰی علیہ السلام رحم فرمائیں گویا موسٰی علیہ السلام کو نرمی سے متوجہ کرنے کی نیت سے ماں کا نام لیا اور یہی عرب طریقہ بھی ہے (بلکہ اکثر ممالک میں یہی دستور ہے)۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ترجمہ بے شک قوم نے مجھے عاجز سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے مار ڈالتے یہ ہارون علیہ السلام نے اس لئے فرمایا کہ موسٰی علیہ السلام کا وہ وہم دُور ہو کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو بُرائی سے روکنے میں کوتاہی کی ہے اب مطلب یہ ہوا کہ میں نے انہیں برائی سے بچانے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن وہ مجھ پر غالب آگئے بلکہ قریب تھا کہ وہ مجھے اس کی پاداش میں قتل کر ڈالتے۔

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ پس میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کرو اور ایسا عمل نہ کیجئے کہ اُن کی آرزوئیں پوری ہوں کہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ میری اہانت ہو مثلاً کہا جاتا ہے شمت بہ یشمت از باب علم یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی کو دشمن سے دکھ اور تکلیف پہنچے پھر اسے متعدی کرکے باب افعال پر لایا گیا۔ شماتت بمعنے کسی کے دُکھ پر خوش ہونا اور وہ دُکھ اور درد اسے دشمن سے پہنچے اور یہ لفظ با سے متعدی ہوتا ہے اور شمات بمعنے شاد کام کردن دشمن را (کذا فی تاج المصادر) - اور ظاہر ہے کہ دشمن کا شادکام ہونا تمام مصائب اشد ہے۔ اس لئے عربوں کا مقولہ مشہور ہے کہ الموت دون شماتۃ الاعداً" یعنی موت کی سختی دشمنوں کی شادکامی سے بہت کم ہے۔

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور مجھے قوم ظالمین سے نہ ملائیے یعنی مواخذہ یا قصوروار ہونے میں مجھے ظالم قوم میں شمار نہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ ہارون سے قلب اور موسٰی سے رُوح مراد ہے اور قلب رُوح کا بھائی ہے اور اعدا سے نفس و شیطان اور خواہشات نفسانیہ مراد ہیں اور قوم ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا کے بچھڑے کی پرستش کی اور اس سے قلب کے صفات مراد ہیں اب معنے یہ ہوا کہ قلب کی صفات کی رعونات سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عیاروں کی مکاری اور اُن کی رعونات اور اُن کی غلط کاریاں ارباب طریقت سے ہو ہی جاتی ہیں لیکن قلب من حیث ہو اپنی فطرت و جلت سے متغیر نہیں ہوتی اور اُس کی فطرت و جبلت حُب و طلب دنیا ہے البتہ نفس کے صفات میں تغیر ہوتا ہے تو لوامہ بن جاتا ہے اگر لوامہ ہے تو مُلہمہ ہو جاتا ہے اگر مُلہمہ ہے تو مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اُسے رجوع الی الحق کا خوگر بھی بنایا جا سکتا ہے یاد رہے کہ اس سے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی غفلت برتی جائے تو جس حال میں بھی ہوا ماریت کی طرف لوٹ جانے میں دیر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ ہر ایک کو اپنی جبلت و فطرت پہ رکھے اور اس کی فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ **قَالَ** یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی موسٰی علیہ السلام نے عرض کی **رَبِّ اغْفِرْ لِیْ** اے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے یعنی وہ عمل جو میں نے اپنے بھائی کو بلاوجہ مارا ہے حالانکہ اُن کا کوئی قصور نہ تھا۔ موسٰی علیہ السلام نے اپنے بھائی کو بے قصور مان لیا لیکن تاہم اُن سے ظاہری طور بنی اسرائیل کو گمراہی

سے نہ روکنے کا عمل واضح ہے اس لئے اُن کے لئے بھی عرض کی وَ لِاَخِیْ اور میرے بھائی کو بھی معاف کیجئے اُن سے بنی اسرائیل کو گمراہی سے نہ روکنے کا فعل صادر ہوا۔

نکتہ انبیاء علیہم السلام کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے اور وہ گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود استغفار کر رہے ہیں اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ بھائی کو مارا اور اُدھران کے دشمن خوش ہوئے تو آپ نے اپنے لئے استغفار فرمائی تاکہ بھائی خوش ہو جائے کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام انہیں بے قصور سمجھتے ہیں اور اُدھر دشمنوں کی غلط فہمی بھی دور ہو کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ہاں گرے ہوئے نہیں بلکہ معزز ترین بزرگ ہیں اور بھائی کے لئے استغفار میں یہ حکمت تھی کہ بھائی کو معلوم ہو اگرچہ وہ اپنے اس معاملہ میں بے قصور ہیں لیکن تاہم استغفار سے مستغنی نہیں اور انہیں متنبہ کیا کہ بنی اسرائیل کی غلطی پر صرف جدوجہد کافی نہیں تھی بلکہ وہ ان سے ایسی غلطی پر جنگ کرتے اُن سے جنگ نہ کرنا بھی ایک قسم کا قصور ہے اگرچہ وہ اسے کہ مامور بہ نہیں تھے لیکن حقیقۃً اُن کی کوتاہی تھی اس لئے اُن کے لئے بھی استغفار فرمائی۔

وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما یعنی مزید انعامات سے نوازیئے بعد اس کے کہ ہماری موجودہ کمی کی معافی عطا ہو۔

فائدہ حدادی نے فرمایا اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ قصور معاف فرما کر بہشت عطا فرمانا یعنی رحمت سے بہشت مُراد ہے۔

وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ اور تو ارحم الراحمین ہے یعنی تو ہمارے لئے ہمارے آباؤ امہات بلکہ خود اپنے نفسوں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔

حکایت ماں کی نافرمانی کی مروی ہے کہ ایک شخص کی موت کے وقت کلمہ شہادت کے لئے زبان بند ہو گئی بہت بڑی جدوجہد کے باوجود زبان نہ کھلی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ

میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ زمین نے اُسے چھوڑا تو قابیل نے کہا یا اللہ میرے باپ سے بھی تو غلطی ہو گئی تھی لیکن اسے یہ سزا نہ ملی مجھے کیوں اتنی بڑی سزا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُس سے ایک غلطی ہوئی تو دو غلطیوں کا مرتکب ہوا ہے ایک میری بے فرمانی دوسری باپ کی نافرمانی کہ تو نے اس کے حکم کے خلاف اپنے بھائی کو قتل کر دیا دوبارہ پھر آدم علیہ السلام نے زمین سے فرمایا قابیل کو پکڑ لے۔ زمین نے اُسے دھنسا دیا قابیل نے زمین سے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مجھے چھوڑ دے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں زمین نے اُسے چھوڑ دیا تو قابیل نے کہا یا الٰہ العٰلمین ابلیس نے بھی تو تیری نافرمانی کی تھی اُسے اتنی سزا نہ ملی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے کی طرح جواب دیا پھر قابیل نے کہا یا اللہ کیا تیرے ننانوے اسماء نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں قابیل نے عرض کی تو کیا رحمٰن و رحیم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں اُس نے عرض کی کیا تیرا نام رحمٰن اس لئے نہیں کہ تو کثیر الرحمۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر اُس نے عرض کیا اگر تیرا ارادہ میرے ہلاک کرنے کا مصمم ہے تو پھر اپنے اسماء سے رحمٰن و رحیم کو نکال دے پھر مجھے ہلاک

فرما دے۔ اس لئے کہ بندے کے ایک جرم سے اتنی بڑی سزا صرف رحمت کے مقتضیٰ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا اسے چھوڑ دے۔

سبق جب کافر کے لئے اتنی بڑی رحمت ہے تو پھر مؤمن کے لیے کتنی رحمت ہو گی فقصود انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی ہر حاجت اپنے مالک سے طلب کرے اور وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ کے لئے استغفار کرے تاکہ رحمت میں داخل ہونے کے لائق ہو جائے اور اُس کی رحمت سے جنت الفردوس مراد ہے۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا ؎

سیاہ نامہ تر از خود کسے نمے بینم
چگونہ چوں قلم دود بسر نرود

ترجمہ: میں سیاہ عملنامہ اپنے سے زیادہ اور کسی کا نہیں دیکھتا کیسے قلم کی طرح میرے دل سے سیاہی نہ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ رب اغفرلی میں سیر الی الصفات کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ مغفرت و رحمت صفات الٰہیہ ہیں۔ پھر موسیٰ روح اور اُس کے بھائی ہارون قلب میں اشارہ ہے کہ انہیں جذبہ الٰہیہ کے قبول کرنے کی استعداد ہے کہ یہی جذبہ الٰہی انہیں صفات تک پہنچائیں گے وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۝ اور تو ارحم الرحمین ہے اس لئے کہ تیرے غیر میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنی صفات میں غیر کو داخل کرے لیکن تو جسے چاہتا ہے اُس پر قدرت بھی رکھتا ہے چنانچہ یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ اس پر دلالت کرتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ نے بھی اُسے کلمہ کی تلقین فرمائی لیکن اُس کی زبان نہ چلی آپ نے فرمایا کہ کیا وہ نماز نہیں پڑھتا تھا سب نے عرض کی کہ وہ بہت بڑا نمازی تھا پھر آپ نے فرمایا کہ وہ روزے نہیں رکھتا تھا سب نے عرض کی کہ وہ روزے بھی رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ ماں باپ کا نافرمان تو نہیں۔ سب نے عرض کی ہاں یہ ماں کا نافرمان تھا۔ آپ نے فرمایا اس کی ماں زندہ ہے اُسے میرے ہاں لاؤ۔ اس کی والدہ بوڑھی اور نابینا تھی۔ اُسے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا تو اپنے بیٹے کو معاف کرتی ہے یا نہ اُس نے عرض کی میں اسے کبھی معاف نہ کروں گی اس لئے کہ اس نے مجھے ایک دن ایسا زور سے تھپڑ مارا کہ میری آنکھ نکل گئی۔ آپ نے فرمایا لکڑیاں جمع کرو اور آگ لاؤ۔ بڑھیا نے عرض کی یہ کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے بیٹے کو تیرے سامنے جلاتا ہوں تاکہ اُسے تیری نافرمانی کی سزا ملے۔ اُس نے عرض کی میں نے اُسے نو ماہ پیٹ میں اٹھایا اور دو سال دودھ پلایا صرف اس لئے کہ میں اسے جلتا ہوا دیکھوں پھر ماں کی ممتا کہاں گئی۔ جب اس کی اس حالت پر رحم آیا تو اُس کی زبان کلمہ شہادت کے لئے کھل گئی۔

نکتہ ماں صفت رحیمیہ رکھتی ہے جو رحمانیہ کی صفت سے درجہ میں کم ہے جب وہ اتنا کم درجہ کی مظہر نے بچے کو جلانے کی اجازت نہ دے سکی تو پھر وہ قادر کریم بہت بڑی رحمت کا مالک اپنے بندوں کو جہنم میں

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ

بے شک وہ جو بچھڑا لے بیٹھے عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب اور ذلت

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾

پہنچنا ہے دنیا کی زندگی میں اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بہتان باؤں کو

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا

اور جنہوں نے برائیاں کیں اور ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے

إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَن

تو اس کے بعد تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے اور جب موسیٰؑ کا غصہ تھما

مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَ

تختیاں اٹھالیں اور ان کی تحریر میں ہدایت اور

رَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ

رحمت ہے ان کے لیئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰؑ نے اپنی قوم

قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے لیئے چنے پھر جب انہیں زلزلہ نے لیا

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا

موسیٰؑ نے عرض کی اے رب میرے تو چاہتا تو پہلے ہی انہیں اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا تو ہمیں اس

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن

کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے

تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور راہ دکھائے جسے چاہے تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر مہر کر

وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا

اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لیئے اس دنیا میں بھلائی لکھ

حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ

اور آخرت میں بے شک ہم تیری طرف رجوع لائے فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں

بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں

لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا

کو ان کے لیئے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر

یُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ

ایمان لاتے ہیں وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی

یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ

جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ

بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیئے حلال فرمائے گا

یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو

الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اسپر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسے

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ

مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع

ہوئے

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ بے شک ان لوگوں کو کہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا اور وہ سامری اور اس کے دوسرے ہمنوا کہ جن میں بچھڑے کی پرستش گھر کر چکی تھی، کی طرح بچھڑے کی عبادت پر مداومت کی

سَیِّئَنَالُهُمْ انہیں آخرت میں پہنچے گا غَضَبٌ بہت بڑا غضب جو ہونے والا ہے مِنْ رَّبِّهِمْ اُن کے رب تعالیٰ سے اس لئے کہ ان کا جرم تمام جرائم اور تمام غلطیوں سے بہت بڑی غلطی تھی۔

فائدہ یہاں پر غضب سے اس کی غایت مُراد ہے یعنی انتقام و تعذیب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غضب کا حقیقی معنے مراد لینا محال ہے۔

وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اور دنیوی زندگی کی ذلت و خواری مثلاً غریبی و مفلسی اور مسکینی اُن کو اور اُن کی اولاد کو لازم رہے گی اور سامری کو بھی ذلت و خواری میں مبتلا کیا گیا کہ اس کے بعد اسے تنہا زندگی بسر کرنا پڑی اور بلا وجہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا رہا۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے قتل نہ کیجئے اس لئے کہ یہ سخی ہے البتہ اسے شہر بدر کردیں اور اسے زندگی بھر مصیبت میں مبتلا رکھا جائے گا اور جو بھی اس کے حال سے بے خبری سے اس سے ملاقات کرے گا تو وہ اُسے کہے گا لَامِسَاسَ یعنے مجھے ہاتھ نہ لگا اور نہ میں تجھے ہاتھ لگاتا ہوں اگر کسی کا بے خبری سے اس کو ہاتھ لگ جاتا تو وہ شخص عمر بھر بخار میں مبتلا رہتا۔

اعجوبہ یہی حالت اس کی اولاد میں تا حال موجود ہے۔

سوال جُرم تو سامری نے کیا تو پھر اُس کی اولاد کو کیوں ایسے عذاب میں مبتلا کیا گیا؟

بقیہ ص ۱۲۳ سے آگے

جلانے کی کیسے اجازت دے گا۔ لیکن ہر وہ بندۂ مؤمن جو کلمہ شہادت پہ ستر سال (مثلاً) مواظبت کرے حالانکہ وہ تو ارحم الرحمین ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① لطف خدا بیشتر از جرم ماست
نکتہ سربستہ چہ دانی خموش

② دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ می رسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ: ① اللہ کا لطف ہمارے جُرم سے زیادہ ہے اے بندۂ خدا تو سربستہ راز کو کیا جانے اسی لئے خاموش ہو۔

② اے دل تو دوست کے لطف بے نہایت سے طمع نہ چھوڑ کیونکہ اس کا بے نہایت لطف سب کو پہنچتا ہے۔

قابیل اور وسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعض اہلِ تفاسیر سے منقول ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے زمین سے فرمایا کہ قابیل کو پکڑ لے۔ چنانچہ جب زمین نے قابیل کو پکڑا تو اُس نے کہا کہ اے زمین خدا کا نام مان مجھے چھوڑ دے

جواب عبرت کے لئے یہ طریقہ عام ہے کہ اسلاف کی نحوست اخلاف پر بھی پڑتی ہے جیسے اسلاف کی برکات ان کے اخلاف کو نصیب ہوتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ اور اسی طرح ہم افترا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا بہت بڑا جرم عظیم ہے اور وہ افترا یہی تھا کہ سامری نے بنی اسرائیل سے بچھڑے کے بارے میں کہا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى۔

نکتہ سامری جیسا نہ پہلے کسی نے افترا کیا اور نہ ہی تا قیامت ایسا افترا کوئی کرے گا۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اور وہ لوگ جو برائیاں کریں ثُمَّ تَابُوْا پھر اُس سے تائب ہوں مِنْۢ بَعْدِهَا اور ان بُرائیوں کے ارتکاب کے بعد وَاٰمَنُوْٓا اور ایمان لائیں یعنی خالص و مخلص ہو کر صحیح طور پر ایمان قبول کریں پھر ایمان صحیح کے تقاضا کے مطابق عمل صالح میں مشغول ہو جائیں۔ پھر بُرائیوں کا ارتکاب نہ کریں اور نہ ہی پہلے گروہوں کی طرح برائیوں پر مصر ہوں۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک تیرا رب اُن کی سچی توبہ مع الایمان کے بعد لَغَفُوْرٌ ان کے گناہوں کو بخشنے والا ہے خواہ کتنے بڑے اور زیادہ ہوں رَّحِيْمٌ اور دینی دنیوی طرح طرح کی رحمت عطا کرتے ہیں بہت بڑا رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ بے شک جن لوگوں نے خواہشات نفسانیہ کے بچھڑے کو معبود بنایا۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر نفسانی خواہشات کو معبود سے تعبیر کیا گیا۔ کما قال تعالےٰ ارایت من اتخذ الٰھہ ھواہ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس میں اشارہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی پرستش غضب الٰہی کا موجب ہے چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما عبد فی الارض الٰہ ابغض علی اللہ من الھوٰی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خواہشات نفسانی سے مبغوض ترین اور کوئی معبود باطل نہیں۔

نکتہ وہ اس لئے کہ نفسانی خواہش کا پرستار ہمیشہ نفس کی شرارتوں اور اس کی گندی صفات مثلاً صفات حیوانیہ اور سبعیہ (درندگی) اور شیطانیہ میں مبتلا رہتا ہے اور اسے یہ خواہشات نفسانی کے پرستاروں کو ہم ہمیشہ غضب وطرد والابادو ذلت میں مبتلا رکھیں گے اگرچہ وہ دعویٰ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی قوت اور طاقت حاصل ہے کہ ہمیں خواہشات نفسانی اور دنیاوی علائق اور نفس کی متابعت اور اس کی خواہشات کی پرستاری نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ یہ محض ان کا اللہ تعالیٰ پر افترا ہے۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اس کے بعد تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار کریں اور اس کی سچی طلب میں مشغول ہو جائیں اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا یعنی اُن کے ترک شہوات و رجوع الی طلب الحق کے بعد لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ اُن کی غلطیاں معاف کر کے انہیں قرب و کرامات سے نوازے گا (التاویلات النجمیہ)

فوائد و مسائل شرعیہ اور صوفیانہ چٹکلے

مسئلہ معتزلہ کے نزدیک توبہ مغفرت و رحمت کی علت موجبہ ہے اور ہم اہلسنت کے نزدیک مغفرت و رحمت کے لئے سبب محض ہے۔

مسئلہ توبہ کا لغوی معنٰے ہے رجوع اگر اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو تو اُس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو عذاب سے بچا کر اسے مغفرت و رحمت سے نوازا اگر اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کا معنٰے ہوتا کہ اُس نے اپنے گناہوں سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی طلب کی۔

مسئلہ توبہ دو قسم ہے

① ظاہری

② باطنی

توبہ ظاہری یہی ہے کہ ظاہر گناہوں سے توبہ کرنا یعنی عزم کر لینا کہ آئندہ شرع مطہرہ کے احکام کی مخالفت نہیں کرے گا اور حتی المقدور طاعت الٰہی میں زندگی بسر کرے گا اور باطنی توبہ قلب کو باطنی گناہوں سے پاک و صاف کرنا اور باطنی گناہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے۔ حالانکہ سچے سالک کی علامت یہ ہے کہ اگرچہ زبان ذکرِ الٰہی سے خاموش ہو لیکن قلب بدستور ذکر میں مصروف ہو اور نفس کی توبہ یہ ہے کہ نفس علائق دنیا بالکل ختم کر دے اور دائمی طور پاکدامنی اور ہر نیک عمل میں سبقت رکھے اور عقل کی توبہ یہ ہے کہ بواطن آیات و آثار مصنوعات میں تفکر پیدا کرے اور رُوح کی توبہ یہ ہے کہ معارفِ الٰہیہ سے آراستہ و پیراستہ ہو اور سر کی توبہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ سے رُوگردان ہو کر حضرتِ عُلیا کی طرف متوجہ ہو سے

① گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش
توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

② عمر اگر بگذشت بے خش این دم است
آب توبش دہ اگر او بے نم است

③ چو برآرند از پشیمانی انین
عرش لرزد از انین المذنبین

ترجمہ: ① اگر تو نے زندگی بھر اپنا عملنامہ سیاہ کیا اب پچھلے تمام گناہوں سے تائب ہو جا۔

② اگر عمر گذر گئی تو اس کی جڑ ابھی موجود ہے اسے توبہ کا پانی دے اگرچہ وہ اب خشک ہے۔

③ کیونکہ گنہگار جب پریشانی سے فریاد کرتے ہیں تو گنہگاروں کی فریاد سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے۔

فائدہ جب بندہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کے حالات صحیح فرما کر اُس سے رُکے ہوئے انعامات لوٹا دیتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا ہے کہ بنی اسرائیل سے کسی نے گائے کے بچھڑے کو اُس کی ماں کے سامنے ذبح کیا تو اس کا ہاتھ سوکھ گیا پھر چند روز بعد ایک چڑیا کے بچے کو دیکھا کہ گھونسلے سے نیچے گر کر چیخ رہا ہے اُس نے اُسے اٹھا کر گھونسلے میں رکھ دیا اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آیا تو اس کا سوکھا ہوا ہاتھ صحیح فرمایا۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ توبہ میں جلدی کرے اور عمل صالح میں سبقت رکھے اس لئے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حدیث شریف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسا عمل بتایئے جو بہشت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا خدانخواستہ کسی وقت گناہ کا ارتکاب ہو تو فوراً کوئی نیکی کر لیا کرو۔ اس لئے کہ ایک نیکی سے دس گنا ثواب نصیب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا پھر میں نے عرض کی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی نیکی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمام نیکیوں کی سردار ہے ؎

کار نیکو تر بداں جز ذکر نیست

ترجمہ، کوئی نیک کام ذکر سے بڑھ کر نہیں۔ (واللہ الھادی) (اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے)۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا یعنی ہارون علیہ السلام کی معذرت اور قوم کی توبہ سے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

سوال سکوت بمعنے کلام کا منقطع ہو جانا اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے قبل ثابت تھا حالانکہ حالت غضب میں کلام کا تصوّر بھی نہیں ہوتا تو اس کے منقطع ہونے کا کیا معنٰی؟

جواب یہاں مجازی معنٰے مراد ہے یعنی سکوت بمعنے سکون۔

فائدہ یہاں پر غضب کو بمنزلہ الانسان کے کیا گیا ہے کہ گویا اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کے متعلق بھڑکایا کہ جناب آپ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے بھائی نے اپنے فرض منصبی سے کوتاہی کی۔ فلہذا آپ اُس کی اہانت کیجئے کہ سر کے بال پکڑ کر کھینچئے اور اُسے ایسے ایسے کلمات کہئے اور جو تمہارے ہاتھ میں توراۃ کی تختیاں ہیں وہ بھی پھینک دیجئے یہ کہہ کر گویا وہ غضب خاموش ہو گیا اور اس طرح سے اس کا کلام منقطع ہو گیا۔ اس میں استعارہ مکنیہ ہے اور سکت اسی استعارہ سے کنایہ ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ عبارت یوں بھی وَلَمَّا سَكَتَ مُوْسٰى عَنِ الْغَضَبِ اور یہ مقلوبی طریقہ عرب میں عام ہے چنانچہ کہتے ہیں ادخلت قلنسوۃ فی راسی میں نے اپنی ٹوپی سر میں داخل کی۔ یہ عبارت بھی مقلوبی

ہے اس لئے کہ یہ دراصل راسی فی قلسوق ۔

اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ہے اٹھایا اُس نے تختیوں کو۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ تختیاں جو موسیٰ علیہ السلام نے غصّہ میں پھینک دی تھیں وہ نہ تو ٹوٹیں اور نہ ہی اُن میں سے کوئی تختی آسمان پر اٹھالی گئی جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں زمین پر پھینکیں تو ان میں سے بعض تختیاں آسمان پر اُٹھالی گئیں۔ وَفِیْ نُسْخَتِهَا حالانکہ ان تختیوں کی لکھی ہوئی عبارات میں یہاں نُسْخَہ بمعنے اصل شئے سے نقل کردہ ہو امکتوبہ عبارات مراد ہیں اور اصل سے لوح محفوظ مراد ہے اس لئے کہ لغت میں کتابت کی شکلوں کو اصل منقول عنہ سے نقل کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے نسختُ ھٰذا الکتاب مِن ذٰلِکَ الکتاب ای نقلتہٗ عنہ بمعنے میں نے اس کتاب کو اُس سے نقل کیا۔

هُدًی حق کا بیان تھا یہ مبتدا اور فی نسختھا اُس کی خبر ہے وَرَحْمَةٌ اور مخلوق کے لئے رحمت۔ اس لئے کہ تورات انہیں خیر اور بھلائی کی رہبری کرے گی۔ لِلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ٥ ان کے لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ لِرَبِّهِمْ کی لام فعل مؤخر کے عمل کی تقویت کے لئے ہے جیسے اِن کُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ میں لام تقویت عمل کے لئے ہے۔

قاعدہ وہ فعل جو اپنے معمول سے مؤخر ہو جائے تو اُس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اس کے ضعف کو دور کرنے کے لئے لام تقویت کی لائی جاتی ہے۔

سوال تورات کی ہدایت و رحمت خوف رکھنے والے کے لئے مخصوص کیوں حالانکہ اُسے تو ہر ایک کے لئے ہدایت و رحمت ہونی چاہیئے؟

جواب چونکہ اس سے صرف وہی نفع پاتے ہیں اسی مناسبت سے صرف انہی کا نام لیا گیا ہے۔

فائدہ بندہ جب سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور حسن عمل سے بہشت کی طرف رغبت کرتا اور فرقہ و انقطاع کے دردناک عذاب اور دخول نار سے ڈرتا ہے تو اُسے خوف اور رجا نصیب ہو جاتے ہیں اُن کی وجہ سے وہ جو چاہتا ہے اُسے حاصل ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ خشیہ صفات حق کے عرفان کے بعد نصیب ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ دنیا و خلق سے دوری اور متابعت نفس و شیطان سے فرار چاہیئے اس لئے کہا جاتا ہے رھبۃ خیر من رحمت یعنی رحمت سے رہبۃ بہتر ہے اس لئے کہ سنورنے سے پہلے صفائی ضروری ہوتی ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے ایک جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی جس سے آپ کو نیند آگئی تو اُس دن کے اوراد و وظائف قضا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچا کہ اے یحییٰ تمہیں میری دار سے کوئی اور بہتر دار یا میری جوار رحمت سے کوئی اور جوار یا میری عزت سے اور کوئی بہتر عزت یا میرے جلال سے

کوئی افضل جلال حاصل ہوا۔ اگر تم فردوس اعلیٰ کو جھانک لیتے تو اُس کے اشتیاق میں تمہارا جسم پگھل جاتا اور زندگی کو اس کے شوق میں قربان کر دیتے اگر جہنم کو جھانک لیتے تو اس کے ڈر سے خون کے آنسو بہاتے اور زندگی بھر اچھے کپڑے چھوڑ کر ٹاٹ کا لباس پہنے رہتے۔

لطیفہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتے کو مار بھگاؤ اور لاکھ بار دروازے سے ہٹاؤ لیکن جب ایک سوکھا ٹکڑا روٹی کا ڈالو تو وہ پچھلے تمام ظلم وستم کو بھول جاتا ہے۔ خدا کے خوف رکھنے والوں کو بھی کتے کی طرح اپنے مالک سے طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم

کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: ہم وفا کریں گے ملامت کھینچیں گے اور خوش رہیں گے اس لئے کہ ہمارے طریقہ میں ناراض ہونا کفر ہے۔

حدیث شریف جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس سے تمہیں ڈرنا لازم ہے امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا معنےٰ صحیح ہے وہ اس لئے کہ جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اپنے ساتھی کو دکھ اور تکلیف پہنچانے میں گریز نہیں کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① لا تخافوا ہست منزل خائفاں

ہست در خور از برائے خائف آن

② ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند

مر دل ترسند را ساکن کنند

③ آنکہ خوفش نیست چوں گوئی بترس

درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ ① لا تخافوا (خوف نہ کرو) خوف والوں کی مہمانی ہے اس کے لائق ہے کیونکہ وہ دنیا میں خوف خدا میں رہا۔

② جو خدا سے ڈرتا رہا اسے بے خوف رکھیں گے (قیامت میں) اللہ سے ڈرنے والے دل کو تسکین دیں گے۔

③ جسے خوف نہیں اسے کہو کہ خوف کر اسے کیا درس دیتے ہو اب وہ درس کا محتاج نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاخْتَارَ مُوْسٰی اختار الاختیار سے مشتق ہے اس کا مادہ الخیر ہے مثلاً کہا جاتا ہے اختار الشیٔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کار خیر اور بھلائی کو اختیار کرے یعنی اور چن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قَوْمَهٗ اپنی قوم سے یہاں حرف محذوف ہے اور بلا واسطہ فعل کو مفعول کی طرف پہنچایا گیا ہے اور یہ اختار کا دوسرا مفعول ہے۔ سَبْعِيْنَ رَجُلًا یہ اختار کا مفعول اوّل ہے لِمِيْقَاتِنَا ہمارے اس وقت کے لئے جسے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے مقرر و معین فرمایا کہ اس معین وقت میں بنی اسرائیل کے ممتاز اور منتخب شدہ ستر آدمی کوہ طور ہمارے ہاں لے آئیں تاکہ تمام قوم کی بچھڑے کی پرستش کی خطا کا عذر پیش کریں۔

فائدہ یاد رہے کہ یہ میقات توبہ کا اور ہے اور مناجات و ہمکلامی کا میقات اور تھا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے ہر میقات کے لئے جاتے ہوئے بنی اسرائیل کے ممتاز ستر آدمی منتخب کرکے ساتھ لیے اس لئے کہ آپ کی قوم بارہ قبیلوں پر مشتمل تھی۔ آپ نے ہر ایک قبیلہ سے چھ آدمی لئے تو دو آدمی ستر سے بڑھ گئے آپ نے سب کو کہا کہ مجھے صرف ستر آدمیوں کو لانے کا حکم ہے تم میں دو بڑھ گئے ہیں فلہٰذا تم میں دو آدمی بیٹھ جائیں لیکن کوئی بھی بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جو نہیں چلے گا اُسے میرے ساتھ جانے والے کے برابر ثواب ملے گا حضرت یوشع و کالب نہ چلنے پر راضی ہوگئے اس کے بعد حضرت موسٰی علیہ السلام باقی ستر افراد کو لے کر کوہ طور کی طرف چل پڑے۔

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس جب انہیں زلزلے نے پکڑا اس جرم پر کہ جاتے ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھنے کا مطالبہ کردیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ رجفہ بمعنے کانپنا اور شدید حرکت یعنی زلزلہ اس سے کوہ طور کا زلزلہ مُراد ہے۔ جب پہاڑ کو زلزلہ آیا تو سب کے سب بے ہوش ہوگئے یعنی مر گئے۔

فائدہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گفتگو فرمائی تو اس سے ان کے کانوں تک آواز پہنچی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسٰی علیہ السلام اگر تو یہ قبول ہے تو انہیں فرمایئے کہ وہ اپنے آپ کو قتل کردیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کے بعد انہیں طمع پیدا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھیں اس لئے کہہ دیا حتی نرى الله جهرة لیکن مفسرین کا مذکورہ قول سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ قرآنی نص کے خلاف ہے کما قال تعالیٰ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ؔ یہی صاحب تیسیر کا مذہب ہے۔

قَالَ عرض کی موسٰی علیہ السلام نے لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ اے میرے خدا اگر تو انہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کردیتا جبکہ انہوں نے بچھڑے کی پرستش کرکے تیرے فرمان کی خلاف ورزی کی تھی یا بچھڑا پرستوں کو غلطی میں منہمک دیکھ کر انہوں نے اس سے بائیکاٹ نہ کیا وَاِيَّايَ اور مجھے بھی یعنی اگر تو ہمارے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو ہمیں اس سے پہلے مار دیتا۔ اس سے موسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے معافی کا اظہار کررہے ہیں کہ اے مولیٰ کریم جیسے تو نے ہمیں پہلے معاف فرمادیا اب بھی معاف فرمادیجئے اَتُهْلِكُنَا کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ یہ ہمزہ انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے وقوع اہلاک کا انکار کررہے ہیں یعنی اے اللہ کریم تو ہمیں ہلاک نہیں کرے گا۔ بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ بیوقوفوں کی بیوقوفی کی وجہ سے مِنَّا؎ درانحالیکہ وہ ہمارے ہیں یعنی اگرچہ انہوں نے عناداً یا جرأت مندی سے رؤیت کا مطالبہ کرلیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت کا مطالبہ بعض نے کیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مولیٰ کریم ہمارے بعض بے وقوفوں کی غلطی سے ہم سب کو ہلاک کردینا تیری شان کریمی سے بعید ہے۔ اِنْ هِيَ نہیں ہے وہ فتنہ جو بے وقوفوں سے سرزد ہوا۔

اِلَّا فِتْنَتُكَ مگر تیری آزمائش و ابتلا کہ خود تو نے انہیں اپنا کلام سنایا تو وہ سنتے ہی اس آزمائش میں مبتلا

ہو گئے کہ وہ تیرے دیدار کے مشتاق ہو گئے اس میں ان کا کیا قصور ہے ہاں یہ مسلم ہے کہ تو نے ہی اُن کی آزمائش کی ہے اور تو نے ہی خود انہیں امتحان میں مبتلا فرمایا ہے ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باری تعالیٰ کا کلام سُنا لیکن انہیں عزت و احترام کے پیش نظر نہیں بلکہ بطور آزمائش اور امتحان کے اور یہ اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَبِکَلَامِیۡ کے منافی نہیں اس لئے کہ اُن کے اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام الٰہی کے سننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کلام عزت و احترام کے پیش نظر اور اُن کی قوم کے منتخب افراد کو امتحان و آزمائش کے طور سنایا ۔ فشتان بینہما ۔

فائدہ فصل الخطاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مقام بسط میں رکھا تاکہ بکمال انس اور محبوب حقیقی کا عشوہ ناز دیکھ کر دیدار کی آرزو کریں اور ایسے ناز و عشوے محبوبیت کو لازم ہیں اس لئے حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عاشق کی گستاخی کو ترکِ ادب سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ عُشاق کی اصطلاح میں وہی عین ادب ہے ؎

① گفتگوئے عاشقان در کار رب
جوششِ عشقست نہ ترکِ ادب

② ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش
نہ ادب ماند درد نہ عقل و ہوش

ترجمہ: ① گفتگوئے عشاق رب تعالیٰ کے اُمور میں عشق کا جوش ہوتا ہے نہ کہ ترک ادب ۔

② جو بھی جامِ حق سے ایک گھونٹ پیتا ہے اسے نہ ادب رہتا ہے نہ اسمیں عقل و ہوش ۔

تُضِلُّ بِهَا اس آزمائش سے تو گمراہ کرتا ہے مَنۡ تَشَآءُ جسے تو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ حد سے متجاوز ہو کر اپنی لیاقت و اہلیت سے بڑھ کر مطالبے کرتا ہے وَتَهۡدِیۡ مَنۡ تَشَآءُ اور جسے تو راہ حق کی ہدایت دینا چاہتا ہے تو وہ ایسی باتوں سے متزلزل نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اُن سے اُس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے ۔ اَنۡتَ وَلِیُّنَا تو ہمارے دینی دنیوی اُمور کا کفیل اور ہمارا حافظ و ناصر ہے ۔ فَاغۡفِرۡ لَنَا پس ہماری غلط کاریوں کو معاف فرما دیجئے وَارۡحَمۡنَا اور ہمارے حال پر رحم فرما کر ہمیں دینی و دنیوی رحمتوں سے نوازیئے ۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مغفرۃ بمعنے اسقاط العقوبۃ اور رحمۃ بمعنے ایصال الخیر ہے ۔

سوال مغفرت کو رحمت پر کیوں مقدم کیا گیا ؟

جواب دافع المضرۃ کا تحصیل المنفعۃ پر مقدم ہونا ضروری ہے ۔

وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡغٰفِرِیۡنَ ○ اور تو ہی سب سے مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے کہ تو برائیوں کی مغفرت فرماتا بلکہ برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے اور تیرے سوا جو بھی کسی کے گناہ بخشتا ہے تو اُسے یا تو کسی کی تعریف

سے اُمید وابستہ ہوتی ہے یا ثواب کا خواہشمند ہوتا ہے یا سمجھتا ہے کہ میرے اس عمل سے قساوت قلبی دور ہوگی۔ بہر حال اس کی معافی کسی طمع یا اُمید سے وابستہ ہوتی ہے اور تیری ذات طمع و اُمید اور غرض اور ہر خطرہ سے مستغنی ہے بلکہ تو جو کچھ کرتا ہے وہ محض تیرا فضل و کرم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تو خیر الغافرین اور ارحم الرحمٰن ہے۔

سوال پہلے مغفرت و رحمہ ہر دونوں کا ذکر ہے اور خیر الغافرین میں صرف مغفرت کا ذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب بحسب المقام اس کو اہمیت حاصل ہے اس اہمیت کے پیش نظر مغفرت کا ذکر کیا گیا۔

وَ اكْتُبْ لَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمارے لئے معین فرمایا۔

فائدہ کتابت چونکہ مداومت پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔

فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً اسی حیات دنیا میں اچھی معاش اور طاعت کی توفیق **وَ فِی الْاٰخِرَةِ** اور ہمارے لئے آخرت میں ثواب یا بہشت کا داخلہ لکھ دے۔ **اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ** بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا اور یہ طلب مغفرت و رحمت کی علت ہے یہ ہاد یہود سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئی کی طرف رجوع کرے یہاں **هُدْنَا** بمعنی **تبنا و رجعنا** ہے یعنی ہم نے جو بڑے بڑے گناہ کئے ہیں اب ہم نے اُن سے توبہ کی ہے اور ہماری اس غلطی سے بھی توبہ ہے جبکہ ہم نے تجھ سے رؤیت کا مطالبہ کیا اس کے باوجود تیرے لطف و کرم سے بعید ہے کہ ہماری توبہ قبول نہ ہو۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب اُن پر زلزلہ سے موت واقع ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آہ و زاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ بقر کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے۔

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **عَذَابِیْٓ** میرے عذاب کی کیفیت یہ ہے کہ **اُصِیْبُ بِهٖ** یہ با تعدیہ کی ہے یعنی میں پہنچاتا ہوں **مَنْ اَشَآءُ** جسے عذاب دینا چاہوں اسمیں کسی کو دخل نہیں **وَ رَحْمَتِیْ** میری رحمت اور اس کی کیفیت یہ ہے **وَسِعَتْ** دنیا میں پہنچی ہے **كُلَّ شَیْءٍ** یعنی ہر شے یعنی مومن و کافر بلکہ مکلف و غیر مکلف کو اور اسے جو شیئت کی تعریف میں داخل ہے اس لئے کہ دنیا میں ہر مومن و کافر پر رحمت الٰہی اور اس کی نعمتوں کے آثار نمایاں ہیں انہی کی زندگی بسر کرتے اور انہی میں کاروبار چلاتے ہیں البتہ آخرت میں اہل ایمان سے مخصوص ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ **فَسَاَكْتُبُهَا** پس آخرت میں لکھوں گا یعنی معین اور ثابت کروں گا۔

لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے لئے جو **یَتَّقُوْنَ** کفر اور معاصی سے بچتے ہیں۔ **وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ** اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کی تخصیص اس لئے کہ انسان کو ادائیگی شاق محسوس ہوتی ہے **وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا** اور وہ لوگ جو ہماری تمام آیات پر **یُؤْمِنُوْنَ** دائمی طور ایمان لاتے ہیں کسی ایک آیت کا انکار نہیں کرتے۔

فوائد قیود حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ابلیس نے

دعویٰ کیا کہ میں بھی شئی من الاشیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الخ اس سے یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم متقی بھی ہیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور اپنے رب کے آیات پر ایمان لاتے ہیں اُن کے رد میں فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ یہ محلاً مجرور ہے اس لئے کہ لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الخ کی صفت یا اس سے بدل ہے اور الرسول سے حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں یعنی ان پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لاتے ہیں النَّبِيَّ وہ نبی صاحبِ معجزہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال لفظ رسول لایا گیا بحیثیت اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور نبی بایں حیثیت کا کہ منسوب الی المخلوق ہیں؟

جواب

اَلْاُمِّيَّ اُمی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھ پڑھ نہ سکے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمی ہونا بھی معجزہ ہے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام بظاہر لکھے پڑھے ہوتے تو آپ پر کفار اتہام لگاتے کہ آپ نے پہلے لوگوں کی کتابیں پڑھ کر اتنے بڑے علوم حاصل کر لئے ہیں اور چونکہ آپ کے لائے ہوئے قرآن مجید میں اولین وآخرین کے علوم ہیں اس لئے کہ کفار کو موقع مل جاتا کہ آپ نے یہ مجموعہ اپنے مطالعہ کے زور سے جمع فرمایا ہوگا۔ حالانکہ اُمی ہونے پر کفار کا اتفاق تھا آپ نے جب اُن کے عقول وفہوم کو حیرت میں ڈالدیا تو اس سے اہل ایمان کو یقین ہو گیا کہ یہ آپ کا معجزہ ہے لیکن مخالفین کورے کے کورے رہ گئے ؎

نگارمن کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صدر مدرس شد

ترجمہ: میرا محبوب کسی درس گاہ میں نہ گیا اور کسی سے لکھنا سیکھا صرف اشارہ سے مسئلہ سیکھ کر صدر مدرس خاموش ہو گیا۔

شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان جب آپ کی خدمت میں قلم الٰہی حاضر اور لوح محفوظ ہر وقت پیش نظر تھی تو پھر آپ کو ظاہری علوم کے حصول کی کیا ضرورت۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی یوں مدح فرمائی امۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اناجیلہم فی صدورھم ولو لم یکن رسم الخطوط لکانوا یحفظون شرائعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقلوبہم لکمال قوتہم وظہور استعدادہم حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی شان ہے کہ قرآنی علوم اُن کے سینوں میں محفوظ ہوں گے اگرچہ ظاہری خطوط بھی انہیں حاصل

نہ ہوں تب بھی وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی احکام کے حافظ ہوں گے اس لئے کہ ان کی قوت کمال اور ظہور استعداد عروج پر ہو گی۔

فائدہ اُم لغۃ میں اصل کو کہا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وعندہٗ اُمُّ الکتٰب۔

اَلَّذِیْنَ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کے اسم گرامی اور آپ کے اوصاف کو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں **عِنْدَھُمْ** اپنے ہاں یہ یجدونہٗ یا مکتوبًا کے متعلق ہے اسی طرح **فی التوراۃ والانجیل** بھی یا یجدونہ کے متعلق ہے یا مکتوبًا کے یعنی تورات وانجیل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات اور مناقب ومحامد لکھے ہوئے تھے اور وہ یہود ونصاریٰ انہی دونوں کتابوں کے مطابق عبادتِ الٰہی بجا لاتے مثنوی شریف میں ہے ؎

① پیش ازآنکہ نقش احمد رُو نمود
نعت او ہر کبریا تعویذ بود

② سجدہ می کردند کائے رب بشر
در عیاں او ہر چہ زود تر

③ نقش او می گشت اندر راہشاں
در دل و در گوش در افواہشاں

④ ایں ہمہ تعظیم وتفخیم و وداد
چوں بدیدندش بصورت بُرد باد

⑤ قلب آتش دید دردم شد سیاہ
قلب رادر قلب کے بدست راہ

ترجمہ: ① حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہر دور میں آپ کا اسم گرامی ہر دکھ اور درد کی دوا تھا۔
② وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے کہ حضور علیہ السلام کا جلد تر عالم دنیا میں ظہور ہو۔
③ اور آپ کا انہیں بہت چرچا تھا اور ان کے دلوں اور ذہنوں میں
④ آپ کی تعظیم وتکریم بہت زیادہ تھی لیکن جب حضور علیہ السلام تشریف لائے۔
⑤ تو ان کی محبت بغض وعداوت اور حسد ودشمنی سے بدل گئی۔

سوال آیت سے معلوم ہوا کہ رحمت صرف انہی سے مخصوص ہوئی حالانکہ یہ غلط ہے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ رحمت ہر مؤمن کو نصیب ہو گی۔

جواب یہ نبی علیہ السلام کے ہمزماں اہل کتاب کی خصوصیت بیان کی گئی ہے تاکہ انہیں ترغیب ہو لیکن وہ بیچارے

اس دولت سے محروم رہے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ انہیں نیکی یعنی توحید و شرائع اسلامیہ کا حکم فرماتے ہیں وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ اور انہیں برائی اور ہر اس عمل سے روکتے ہیں جس کا شریعت اور سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ اور اُن کے لئے (پاک اشیاء) حلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے قبل اُن کی شامت اعمال کی وجہ سے اُن پر وہ چیزیں حرام تھیں مثلاً شحوم وغیرہ۔

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور اُن پر خبیث اشیاء حرام فرماتے ہیں جیسے دم (خون) الخنزیر وغیرہ۔
الطیبات سے وہ اشیاء مُراد ہیں جو طبائع کو پسند اور اُن سے وہ لذت پائیں اور الخبائث وہ ہیں جن سے طبائع کراہت و نفرت کریں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جن اشیاء سے طبائع کو لذت محسوس ہو وہ حلال اور جن سے نفرت و کراہت محسوس ہو وہ حرام جبتک کہ ان اشیاء کے لئے خصوصیت سے کوئی دلیل [illegible] ہو

مسئلہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جسے شرع حلال وطیب کہے وہ حلال اور جسے وہ خبیث کہے وہ حرام جیسے ربا و رشوت وغیرہ وغیرہ اور آیت کا صحیح مدلول بھی یہی ہے کہ جسے شرع حلال کہے وہ حلال اور جسے حرام کہے وہ حرام۔ اس سے طبع کی احساس لذت اور نفرت و کراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط اور اُن سے اُن کے بوجھ اور طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے یعنی وہ امور شاقہ جو ان پر مقرر تھے اُن سے معاف کرا دیئے مثلاً ان کی شریعت مندرجہ ذیل اُمور نہایت سخت تر تھے مثل قتل خطا ہو یا عمل قصاص لازم تھا اُن کے لئے دیت کی اجازت تھی۔ لیکن حضور علیہ السلام نے دیت کا اجرا فرمایا اور جن اعضاء سے خطا سرزد ہوتی اسے کاٹنا ضروری تھا۔ لیکن حضور علیہ السلام کی شریعت میں صرف دھونا کافی ہے اور جسم یا کپڑے پر نجاست ہو تو اس ٹکڑے کا کاٹنا لازم تھا لیکن حضور علیہ السلام نے فرمایا انہیں دھو ڈالنا کافی ہے اُن کے مال غنیمت کو آگ کھا جاتی لیکن حضور علیہ السلام کی شریعت میں یہ مجاہدین میں تقسیم کی جاتی اور انہیں ہفتہ کے دن عمل کرنا جرم تھا لیکن ہمارے لئے اجازت ہے ان تکالیف کو اصر اور اغلال سے تشبیہ دی گئی ہے اغلال ہر وہ لوہے کی کڑی کہ جسے ہاتھ کو باندھ کر گردن سے جکڑا جائے اور اصر ہر وہ بوجھ جو انسان پر پڑنے کے بعد اسے حرکت کرنے سے روک دے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ پس وہ لوگ جو لوگ ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور اُن کے اوامر و نواہی پر عمل کیا۔ وَعَزَّرُوْهُ اور ان کی تعظیم و تکریم کی اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے اُن کی مدد کی وَنَصَرُوْهُ اور دین کی خاطر اُن کے دشمنوں سے لڑائیاں لڑیں وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ اور اس نور کی اتباع کی جو اُن کے ساتھ نازل ہوا یعنی قرآن جو اُن کے ساتھ نازل ہوا اور اُس کی روشنی دلوں میں ایسے ہے جیسے آنکھوں

کے اندر روشنی ہے۔

سوال صاحب کشاف نے کہا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ قرآن نازل نہیں ہوا۔ بلکہ جبریل علیہ السلام کی معیت سے آسمان سے زمین پر اُترا؟

جواب آپ کی نبوت کے اظہار پر اس کا نزول شروع ہوا گویا اس مناسبت سے آپ کے ساتھ اُترا۔

فائدہ مَعَهٗۤ اُنْزِلَ کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر سے حال ہے اور اس میں مضاف مقدر ہے اصل عبارت انزل ذٰلك النور مصاحبًا لنبوته تھی۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جن کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہی کامیاب ہیں یعنی مطلوب پانے والے اور کرب سے نجات حاصل کرنے والے ہیں اُن کے ماسوا باقی لوگوں کو درجات و مراتب نصیب نہیں ہوں گے۔

فائدہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جنہوں نے توبہ کی اور نہ ہی حضور علیہ السلام کے کمالات کا اقرار کیا تو انہیں نہ نجات نصیب ہوئی اور نہ کامیابی۔ اس سے آیات کی تطبیق و تحقیق صحیح طور واضح ہوئی کہ موسیٰ کی دعا بھی مستجاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ بھی پورا ہوا۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان کے بعد حضور علیہ السلام کی تعظیم اور قرآن کی اتباع فوز فلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

فائدہ حضور علیہ السلام کی نصرت دو قسم ہے۔

① عام

② خاص

عام اہلِ شریعت کو نصیب ہوتی ہے اور خاص اہل طریقت و ارباب حقیقت یہی حضرات ہیں جو کمالِ انوارِ رحمٰن اور اسرار توحید کو اخلاص سے پا چکے ہیں اور یہی انوار و اسرار انہیں سے مخصوص ہوئے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

انبیاء علیہم السلام کو سلسلہ وار بھیجنے میں مقصود بالذات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی اور دیگر انبیاء علیہم السلام بمنزلہ مقدمہ و تمہید کے تھے اس لئے آپ کو انبیاء علیہم السلام کا خلاصہ و زُبدہ و نتیجہ اور اشرف جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کی وجہ سے افضل بنایا ہے۔

① جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں۔

② مجھے رُعب عطا ہوا ہے۔

③ میرے لئے غنائم حلال کئے گئے ہیں

(۴) میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والا بنایا گیا ہے۔

(۵) تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۶) مجھ پر نبوت ختم ہوئی۔

نکتہ جیسے حضور علیہ السلام دوسرے انبیاء علیہم السلام کا زبدہ و خلاصہ ہیں ایسے ہی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں قرآن مجید زبدہ و خلاصہ ہے بلکہ اُن سے اعظم و اکرم اور ان سب کی تصدیق کنندہ ہے اور ایسے ایسے بے نظیر الفاظ سے سجایا گیا کہ اس کی صرف ایک سُورۃ سے بہت بڑے فصحا و بلغا عاجز آگئے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسری کتابوں میں احکام و آداب و فضائل یا دلائل و براہین و جمع تھے وہ اس کتاب میں مل جاتے ہیں۔

نکتہ دوسری تمام اُمتوں میں سے مقصودِ اصلی یہی تھی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمتوں کا زُبدہ و خلاصہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو امۃً وسطًا یاد فرمایا ہے (اسی طرح تمام گذشتہ بادشاہوں و سلاطین خلاصہ اور زبدہ ہیں اور ان سب کا زُبدہ خلاصہ ملوک عثمانیہ ہیں کہ وہ اور اُن کی دولت تمام دولتوں کی زبدہ و خلاصہ ہیں کہ اُن کے بعد ظہورِ مہدی و عیسٰی علیٰ نبینا و علیہم السلام تک کسی کو ایسی دولت نصیب نہ ہوگی اس لئے کہ یہی دجال کے مبادی کفّار و فجار یعنی افرنجی و دیگر اعدائے اسلام اور تمام بے دینوں سے جہاد کرتے ہیں اور صرف انہیں ہفت اقلیم میں بہت بڑی جمعیت اور طاقت اور دولت عظمٰی نصیب ہوئی ہے تمام مشارق و مغارب کے اطراف میں انہیں بڑی شوکت اور جاہ و جلال حاصل ہے اُن سے قبل کسی کو ایسی شان و شوکت نصیب نہیں ہوئی اور سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے جدِّ اعلیٰ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع القرآن ہیں اور یہی حضرات اسمِ حق کے مظہر ہیں جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام میں ایک خصوصی شان و شوکت نصیب ہوئی انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے تو حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا یقیناً ہم حق پر ہیں اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہم حق پر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہم حق پر ہیں تو ہم اب پوشیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے دین کو غلبہ نصیب فرمایا اس لئے کہ دین کا غلبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے مشروط تھا۔ یہی دین کے غلبہ کا پہلا ظہور تھا اس کے بعد رفتہ رفتہ عروج ہوتا گیا یہاں تک کہ دولت عثمانیہ میں پورے شباب پر تھا اس لئے یہ دشمنانِ اسلام سے خوب لڑتے ہیں اور انہیں حق کی تلوار اپنے اکابر اور مجاہدین اسلام سے نصیب ہوئی۔

حکایت منقول ہے سلطنت عثمانیہ کے مورثِ اعلیٰ حضرت عثمان اتنے بہت بڑے عروج کو پہنچے تو صرف کلام الٰہی کی نگہبانی کی وجہ سے اور پھر وہ سلطان الاسخیاء بھی تھے وہ اس طرح کہ اُن کے ہاں جو بھی حاضر ہوتا

اُسے دولت سے وافر حصہ عطا فرماتے۔ اُن کی سخاوت اُن کے ہمسائیگاں پر ناگوار تھی اس سے اسے بہت پریشانی ہوئی اپنی یہی شکایت لے کر چلے تاکہ الحاج یکتاش اور دوسرے معززین کو اپنی داستانیں سنائیں چنانچہ ایک معزز آدمی کے گھر مہمان ہوئے تو دیکھا کہ قرآن مجید ایک غلاف میں رکھ کر کسی کھونٹی پر لٹکایا گیا ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادب ضروری ہے آپ باادب ہو کر قرآن مجید کے سامنے باادب کھڑے ہو گئے۔ ساری رات ایسے ہی قرآن مجید کے سامنے باادب کھڑے رہے جب صبح ہوئی آپ چلے تو انہیں راستہ میں ایک شخص ملا اور کہا کہ میں آپ کا مطلب ہوں اور کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے آج کے بعد معظم بنایا ہے اور آپ کی اولاد کو سلطنت سے نوازا ہے اس لئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی عزت کی ہے۔ پھر آپ نے ایک درخت کے کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے سر پر ایک رومال باندھ دیا جائے یہی ہمارا نشان (جھنڈا) ہے اس طرح سے آپ کے پاس ایک بہت بڑی جماعت ہو گئی۔ آپ نے اُن کے ساتھ مل کر کافروں پر حملہ کر دیا اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ نصیب فرمایا۔ اس کے بعد ظاہری سلطنت کے لئے آپ کو سلطان علاؤالدین نے بھی اجازت دیدی اس طرح سے آپ مستقل طور بادشاہ بن گئے اُن کے انتقال کے بعد ان کا صاحبزادہ اورخان سلطان مقرر ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بروسہ (شہر) کو فتح کیا۔ اس وقت سے دولتِ عثمانیہ ایک مستقل بادشاہی کے نام سے معنون ہو گئی اور ہمارے زمانہ تک یہ سلسلہ موجود ہے۔ خدا کرے اس سے انہیں ترقی نصیب ہو۔ یہ صرف اس وجہ سے انہیں اتنا بڑا مرتبہ نصیب ہوا کہ انہوں نے کلام اللہ شریف کی تعظیم و تکریم کی جیسے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا تھا ایسے ہی اُن پر ہوا اور خدا کرے اُن کی آنے والی نسل پر بھی ایسے ہی لطف و کرم ہو۔ اگر یہ حضرات کبھی غصہ اور رنج کا اظہار فرماتے ہیں تو وہ رعایا کی تادیب و تنبیہ کے لئے ہوتا ہے جو درحقیقت وہ بھی ایک قسم کا لطف و کرم ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) ز ظلمت مترس ای پسندیدہ دوست
کہ ممکن بود کآبِ حیوان دروست

(۲) دل از بے مرادی بفکرت مسوز
شب آبستن است اے برادر بروز

ترجمہ: (۱) اے محبوب دوست اندھیرے سے نہ ڈر کہ ممکن ہے کہ آبحیات اس میں ہو۔
(۲) دل کو بے مرادی کی وجہ سے فکر سے نہ جلا کیونکہ شب حاملہ ہوتی ہے تو دن روشن جنتی ہے۔

خلاصۃ التفسیر آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی قوم سے چند بندے اختیار فرمائیں اس میں اشارہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ امتحان لینا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہرگز نہیں ہو سکتا جسے مخلوق پسند کرے اس لئے کہ حقیقی مختار اللہ ہے۔ کما قال تعالیٰ

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ اور مخلوق کو حقیقی اختیار نہیں چنانچہ فرمایا مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَة پھر اُن لپندیدہ لوگوں میں سے انہیں نکالا گیا جو زلزلہ صعقہ۔ ہلاکت کے مستحق ہوئے یعنی کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی زیارت کا سوال کرنے والے اور وہ بارگاہِ حق کی بے ادبی اور گستاخی بھی۔ چونکہ وہ بے ادبی ان میں پوشیدہ تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو محسوس نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ تمام مخفی بھیدوں کو جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے ظاہری صلاحیت کے مطابق فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح کر دیا کہ جسے میں چنتا ہوں وہ تیرے جیسے ہوتے ہیں۔ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى اور جنہیں تم چنتے ہو وہ عام قوم کی طرح ہوگا اس سے موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ اصلی مختار ہے جسے اللہ تعالیٰ چُنے اس لئے آپ نے اپنی قوم کے متعلق فرمایا کہ وہ عقل سے بے بہرہ ہیں اور خود بارگاہِ حق میں انکسار سے توبہ واستغفار و اعتذار کر کے رحم وکرم کی درخواست پیش کر دی۔ چنانچہ اُن کے عجز و دُعا وغیرہ کا بیان قرآن مجید میں یوں ہے قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج

تفسیر صوفیانہ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں نارِ شوق پوشیدہ طور بھڑک رہی تھی لیکن جونہی کلام الٰہی سُنا تو اندر ہی وہ بھڑکنے والی آگ کھل کر باہر آگئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جونہی کلام کا مسالہ قلب کے پتھر سے رگڑا گیا تو اس نارِ شوق کے انگارے ظاہر ہونے لگے پھر اس سچی زبان کی دیا سلائی سے شعلہ بھڑکا اور سوال کا تھا چنانچہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ایسے نارِ شوق قوم کے قلوب کے پتھروں میں موجزن تھی لیکن پوشیدہ پھر کلام الٰہی کو سُننے کے بعد بھڑک اُٹھی اور اُن کی دیا سلائی سے شعلے نکلے چونکہ وہ زبان نبوت نہ تھی اس لئے اس سے سوال کا دھواں اُٹھا جو زلزلہ و صعقہ کا موجب بن گیا اس میں رازِ نہانی یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر لوگوں کو معلوم ہوا کہ بندوں کے دل نارِ محبت کی امانت کے لئے مخصوص ہیں موسیٰ علیہ السلام کو بھی خیال نہ گذرے کہ وہ اس راز سے مخصوص ہیں تاکہ وہ دوسروں سے معذرت کریں بلکہ یہ عام ہے کہ جو بھی کلام الٰہی سے محظوظ ہوتا ہے تو اس پر دیدار الٰہی کا غلبہ وشوق طاری ہوجاتا ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا "ہر بنی آدم کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں (قدرت) کے درمیان ہے چاہے تو اس کے دل کو مضبوط کرے چاہے اسے ٹیڑھا بنادے اس میں صفت جمال وجلال کی طرف اشارہ ہے لیکن یاد رہے کہ اس کرامت کا حقدار انسان کے سوا اور کوئی نہیں یعنی قلب کا اللہ تعالیٰ کی زیر نگرانی ہونا۔

فائدہ دل کو سیدھا اور ٹیڑھا رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے صفات جمال کا شیشہ بنا دیا جاتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے لُطف و رحمت سے اس پر شوق و محبت کا غلبہ رہتا ہے اور یہ بھی کہ قلب کو صفات جلال کا آئینہ دار بنایا جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کی وجہ سے شہوت اور حرص علی الدنیا کا غلبہ رہتا ہے۔

نکتہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا قلب اصطفاءِ رسالت سے مخصوص ہو چکا تھا اور قوم اس دولت سے محروم

تھی اس لئے آپ نے شعلہ نارِ محبت کی رؤیت کے لئے ادب کو ملحوظ رکھا جلیا کہ اُن کے قرب کا تقاضہ ہے چنانچہ عرض کی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اس میں ربوبیت کی عزت کو مقدم کر کے اپنی عبودیت کی عاجزی کا اظہار کیا اور قوم کا سوال غفلت اور لاپرواہی کے رنگ میں تھا اور ایسی نارِ شوق کی بے ادبی اور گستاخی سے اُن نقصان پہنچا (چنانچہ انہیں پہنچا) اُن کے سوال میں گستاخی و بے ادبی کا پہلو دیکھئے انہوں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہْرَۃً انہوں نے انکار اور ہٹ دھرمی کو مقدم کر کے پھر رویت کا سوال جہرۃً سے مشروط کیا اس لئے انہیں صعقہ نے گھیر لیا۔

صعقہ موسیٰ و صعقہ قوم کا فرق موسیٰ علیہ السلام کے صعقہ اور قوم کے صعقہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش کیا گیا صفت ربوبیت کی تجلی سے اور وہ بھی لطف و کرم کے ساتھ اور قوم کو بے ہوش کیا گیا اپنی صفت عزۃ و عظمۃ ظاہر کر کے اور قہر و غضب کا مورد بنا کر۔

نکتہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام مقام توحید میں ثابت قدم تھے اس لئے وہ نورِ وحدت سے دیکھتے تھے بنا بریں وہ تمام اشیاء کو منجانب اللہ دیکھا کرتے تھے اس لئے آپ کو قوم کی صفات کا علم ہو گیا کہ اُن کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے یہ اُن پر آزمائش ہے اور انہیں قہر و غضب کا مورد بنایا جائے گا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکالمات کے پیالوں سے گھونٹ نوش کئے تو مناجات کی مستی سے مدہوش ہو گئے تو انبساط کے بستر پر گر کر کہنے لگے اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ تُضِلُّ مَنْ تَشَآءُ یہ آزمائش ہے تو جس کے قلب کو صفت قہر کی انگلی سے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو گمراہ کرتا ہے اور صفت لطف و کرم کی انگلی سے جس قلب کو تو سیدھا کرتا ہے تو تو اسے ہدایت دیتا ہے اَنْتَ وَلِیُّنَا تو ہی ہمارے جملہ اُمور کا کفیل اور ہماری ہدایت کا حامی و ناصر ہے فَاغْفِرْ لَنَا ہم سے جتنی خطائیں سرزد ہوئیں سب کی سب بخش دے وَارْحَمْنَا اور ہم نے رویت کی نعمت کا سوال کیا ہے وہ بھی عطا فرما وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ۝ اور تو خطا پوشی میں سب سے بہتر ہے یعنی وہ اگرچہ دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالتے ہیں لیکن اُن کے مقاصد حل نہیں کرتے اور تو وہ کریم ہے کہ اُن کے گناہوں پر نہ صرف پردہ ڈالتا ہے بلکہ اُن کی غلطیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے اور ساتھ ہی اُن کے مقاصد و مطالب بھی حل فرماتا ہے۔

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً یعنی ہمارے لئے دنیا میں حسنہ لکھ۔ یعنی دنیا میں ہمیں دولت دیدار سے نوازیئے جیسے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی امت کے خواص کو دنیا میں دولتِ دیدار سے نوازتا ہے اور ہمیں آخرت میں بھی سرفرازی کا موقعہ عطا فرما۔ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ ہم نے اسی فضیلت کی طلب میں تیرے ہاں پوشیدہ طور رجوع کیا اور تو ہر پوشیدہ سے پوشیدہ تر امر کو جانتا ہے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ امر کا جواب پوشیدہ طور عنایت فرمایا گویا رازِ مخفی سے انہیں اس لئے نوازا کہ انہوں نے مخفی طور معروض پیش کیا۔ چنانچہ فرمایا عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ یعنی قہری صفت سے جسے چاہتا ہوں پکڑتا ہوں۔

فائدہ ایک قرأت میں مَنْ اَشَآءُ کے بجائے مَنْ اَسَاءَ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں عذاب میں اُسے مبتلا کروں گا جو میرے دیدار کی طلب میں لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کہہ کر بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے تو میں بھی انہیں محض تادیباً تنبیہاً عذاب فرقت وجدائی میں مبتلا کر دیتا ہوں وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت ہر شئے کو محیط ہے اور بطور نعمت اور ایجاد وتربیت کے فَسَاَكْتُبُهَا پس عنقریب میں وہی حسنہ یعنی دیدار اور وہ رحمت کہ جس کا تم مطالبہ کرتے ہو لکھوں گا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی مدد سے اُس کے غیر سے بچتے اور اسی مقام کے نصاب سے زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور یہ زکوٰۃ ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو اسی مقام کے طالب وسالک ہیں وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی وہ لوگ شواہد آیات کے انوار سے تحقیقاً ایمان لاتے ہیں نہ تقلیداً۔ اُن اُمت کے خواص اولیاء کرام مراد ہیں چنانچہ اُن کے احوال واعمال کی تصریح فرمائی کہ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی اُمت میں بھی چند ایسے اشخاص ہیں جنہیں ان تینوں مقامات[1] کے حصول کی استعداد ہے وہ تین مقام یہ ہیں۔

شانِ لولاک کا عجیب وغریب بیان

(۱) مقاماتِ رسالت

(۲) مقاماتِ نبوت۔ یہ وہ مقامات ہیں جن میں آپ کے ساتھ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں۔

(۳) مقامِ اُمّی یہ مقام صرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے کسی نبی رسول کو یہ مرتبہ نہ ملا اور نہ ہی کسی دوسرے کے لئے امکان ہے۔

نے فرمایا اوّل ما خلق الله روحی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے روح مبارک کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا کہ لولاک لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوسری مخلوق کو پیدا نہ کرتا چونکہ آپ جمیع کائنات اور مخلوقات کا مبدا اور اصل ہیں اس لئے آپ کا لقب شریف اُمی ہے جیسے مکہ معظمہ کو اُم القریٰ کہا جاتا ہے وہ اس لئے کہ وہ تمام بلاد وقریٰ وغیرہ کا مبدا اور اصل ہے اسی طرح قرآن مجید کو اُم الکتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ وہ یعنی قرآن مجید کتب سماویہ کا مبدا اور اصل ہے۔

معنےٰ اتباع کا اجو بہ رسول ونبی کی حیثیت سے اتباع کا معنےٰ تو ظاہر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا کہ سالک پر لازم ہے کہ جملہ احکام کی پابندی کرے اور آپ کے منہیات سے بچے اس لئے کہ رسالت کو احکام ظاہری سے تعلق ہے اور نبوت اُمّی یعنی حضور علیہ السلام اُم الموجودات والکائنات ہیں چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] مقامات کی استعداد مُراد ہے نہ کہ عین نبوت جیسا کہ مرزائیوں کا عقیدہ ہے حصول مقامات اور ہے اور نبوت شے دیگر۔ فافہم وَلَا تَكُنْ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۱۲ اُویسی غفرلہ

کو احکام باطنی سے عوام کو خواص سے انتفاع عن الرسالہ میں اشتراک ہے لیکن خواص نبوت سے انتفاع کی وجہ سے مخصوص ہیں کہ نبوت کے انتفاع میں عوام کو اُن سے کسی قسم کا اشتراک نہیں جو شخص انتفاع رسالت میں کامل فی الاتباع ہوتا ہے تو اُسے نبوت کے انتفاع یعنی باطنی اُمور سے اُس کا دروازہ کھولا جاتا ہے پھر اُسے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات وانکشافات سے نوازا جاتا ہے اور اُسے سچے خواب نصیب ہوتے ہیں اور گاہے ہاتف غیبی بھی اس سے ہمکلام ہوا کرتے ہیں بعض ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں کہ انہیں ان امور کی ترقی پر مکالمات ومکاشفات کی دولت نصیب ہوتی ہے اس مرتبہ دعوۃ الخلق الی الحق پر اسے مامور کیا جاتا ہے لیکن باتباع الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ باستقلال چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علمآ امتی کانبیآ بنی اسرائیل۔

نکتہ یہی راز ہے کہ سابقہ اُمم میں کا صاحب کوئی اس مرتبہ پر پہنچا تو اُسے مستقل نبی بنایا جاتا بخلاف ہمارے نبی پاک کی اُمت کے کہ وہ نبی تو نہیں بن سکتے اس لئے کہ حضور علیہ السلام پر نبوت ختم۔ البتہ انہیں نبوت کے مقامات وکمالات وکرامت سے نوازا جاتا ہے اس لئے کہ شرعی اصطلاح میں نبی وہی ہوتا ہے جو اپنے سابق رسول کی کتاب اور اس کے احکام کے مطابق حکم الہٰی کے اجرآ کا مامور ہوتا ہو۔ اسی طرح ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق بھی ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّه يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (الآیۃ)

اتباع اسم اُمّی کا عجیب کرشمہ اسم اُمّی کی اتباع صرف اخص الخواص اولیاء کرام کو نصیب ہوتی ہے وہ اس طریق سے کہ حضور علیہ السلام نے مقام بشریت سے مقام روحانیت اولیٰ کی طرف رجوع فرمایا پھر جذبات وحی سے آپ نے مقام توحید میں نزول اجلال فرمایا پھر انوار ہویت نے آپ کی انانیت کو محو فرما کر مقامِ احدیت میں پہنچا دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور فرمایا ثم دنیٰ فتدلیٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ فقاب قوسین او ادنیٰ سے مقام توحید اور او ادنیٰ سے مقام وحدت مراد ہے۔ غور کرو گے تو تمہیں یہ مقام جلد تر سمجھ میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

جو شخص حضور علیہ السلام کی اتباع میں کامل ہوتا ہے تو وہ بھی مقام بشریت سے مقام روحانیت کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسے جذبات (بوجہ اتباع) سے مقام توحید میں منزل نصیب ہوتی ہے وہاں سے انوار متابعت نبویہ کی برکت سے انانیت کو محو کر کے مقام وحدت تک پہنچ جاتا ہے اس طریق سے وہ بندہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمیت سے حظ وافر حاصل کرتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک بنی اسرائیل کی کتابوں میں مندرج تھا ورنہ درحقیقت آپ تو مصدق میں نہایت درجہ سے مستور ومکنون تھے يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ یہاں پر اُن کی نیکی سے طلبِ حق اور اُس کی طرف پہنچنا مراد ہے۔ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ اور المنکر سے طلب ماسوا اور اس سے انقطاع مراد ہے۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ سے قربات الی اللہ مراد ہیں یا طیب سے اللہ تعالیٰ کی ذات

مطلوب ہے اور وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الخبائث سے دنیا اور وہ امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والے ہوں مراد ہیں ۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ الاصر سے وہ عہد مراد ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کہ مقام اُمّینۃ اور مقام حبیبیۃ تک صرف آپ کی اُمّت ہی پہنچ سکے گی اور بس یا وہ لوگ جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حقدار ہوں گے بوجہ آپ کی تابعداری کے ۔ کما قال تعالیٰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ (الآیہ)

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا میری شفاعت کے تمام لوگ محتاج ہیں یہانتک کہ ؎

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ عہد اُن کے لئے نہایت سخت اور بمنزلہ لوہے کے گلے کے طوق کے تھا جو انہیں مقام اُمّینۃ اور حبیبۃ تک پہنچنے سے روکتا تھا ۔ حضور علیہ السلام نے تشریف لاتے ہی اُن سے وہ بوجھ ہلکا کیا اور دعوت متابعت دے کر اُن سے وہی طوق اُن کی گردن سے ہٹایا ۔ اس معنے کو فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ مؤکد کرتا ہے وَعَزَّرُوْهُ بمعنے وَقَّرُوْا ہے یعنی ان لوگوں نے حضور نبی علیہ السلام کو اس مقام سے مخصوص سمجھ کر تعظیم و تکریم کی ۔

وَنَصَرُوْهُ اور انہوں نے آپ کی تابعداری کر کے آپ کی مدد کی ۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ یعنی جب حضور علیہ السلام کو انوار ہویت نے انانیت سے محو کیا تو انہوں نے نُورِ وحدت سے استفادہ کا موقعہ نصیب ہوا یہاں تک کہ اُس کے بعد اُن کی انانیت مٹ کر رہ گئی اور صرف باقی نُور ہی نور رہ گیا ۔

پھر جب آپ کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تو آپ کے ساتھ نُورِ وحدت بھی آتا رہا گیا ۔ کما قال تعالیٰ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی تمہارے اللہ تعالیٰ کی طرف نور یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ اور آپ کے ساتھ قرآن مجید بھی ۔ حضور علیہ السلام کی متابعت کا مخلوق کو اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کی تابعداری کی برکت سے نورِ وحدت سے مشرف ہو کر سعادت کبریٰ و نعمت عظمٰی سے نوازے جائیں ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی جو ب انانیت میں نُورِ وحدت سے فائز المرام ہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِىْ

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ

زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے

وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ

اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ

اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے

يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۗ

انصاف کرتا اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ

اپنا عصا مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۗ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ

ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اور ہم نے ان پر ابر سائبان کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۗ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک

رَزَقْنٰكُمْ ۗ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

چیزیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا بُرا کرتے ہیں

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ
اور یاد کرو جب ان سے فرمایا گیا اس شہر میں بسو اور اس میں جو چاہو
شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
کھاؤ اور کہو گناہ اترے اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے
خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
عنقریب نیکوں کو زیادہ عطا فرمائیں گے تو ان میں کے ظالموں نے بات بدل دی
مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا
اس کے خلاف جس کا انہیں حکم تھا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب
مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع
بھیجا بدلہ ان کے ظلم کا

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر تشریف لایا ہوں یہ خطاب عام ہے اس لئے کہ آپ اپنے ہم عصر جن وانسان الیٰ یوم القیمۃ تمام کے لئے رسول بن کر تشریف لائے ہیں بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ صرف اپنے ہم زمان کی طرف مبعوث ہوئے اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی شریعت کا اجراء دائمی نہ ہوتا۔ اِلَيْكُمْ رَسُوْل کے متعلق ہے اور جمیعًا اِلَيْكُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو میں تم سب کا پیغمبر ہوں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کی توحید کی دعوت دیتا ہوں تاکہ تم اس پر عمل کرکے اپنے آقا سے ملو۔

مسئلہ آکام المرجان میں ہے کہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انسانوں اور جنوں اور عرب وعجم کے رسول ہیں۔

سوال اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے حضرت سلیمان علیہ السلام انسانوں کے علاوہ جنات کے بھی نبی تھے بلکہ اُن پر اُن کی حکومت بھی تھی بلکہ حیوانات بھی آپ کے تابع تھے؟

جواب حضرت سلیمان علیہ السلام جنات وحیوانات کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کی اُن پر صرف حکومت وسلطنت تھی۔ آپ اُن سے خدمات لیتے تھے لیکن انہیں دینی دعوت کے مامور نہیں تھے۔ اس لئے کہ

جنات کے علاوہ بڑے بڑے شیاطین وعفاریت آپ کی خدمت کرتے اور آپ کے حکم کے پابند تھے لیکن کفر پہ رہے اور سرکشی وطغیان سے سرمُونہ ہٹے۔ کذا حققہ والیٰ الاسکوبی۔

اعجوبہ ۱ لغۃً الناس میں جنات بھی شامل ہیں اس لئے کہ الناس ناس ینوس سے مشتق ہے۔ بمعنی تحرک۔

اعجوبہ ۲ جوہری اور صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ الناس انس وجن ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس کے لئے یہ انس کی جمع ہے الناس دراصل اناس تھا ایسی جمع نادرًا واقع ہوتی ہے کہ اس پر الف داخل ہو تو اس کا اصلی حرف گرجائے گا۔

الَّذِیْ منصوب یا مرفوع علی المدح ہے پہلی ترکیب پر اعنی محذوف ہوگا دوسری پر ہو لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ اللہ کہ آسمان وزمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور ان ہر دونوں کا تصرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی اس کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جو عبادت کا مستحق ہو۔ یہ جملہ الذی صلہ سے بدل اور اس کے اجمال کو بیان کرنے کے لئے واقع ہوا ہے اس لئے کہ جو تمام عوالم کا مالک ہے تو عبادت بھی صرف اُس کی ہونی لازم ہے اور الوہیت کی مستحق بھی وہ ذات ہو جو اپنی ایسی ملکیت میں منفرد ہو کہ اس کے ساتھ اور کسی کی مشارکت نہ ہو۔

تقریر صوفیانہ ھو ضمیر اسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی اسمائے سے ہے اس میں غیبوبۃ کا معنے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے اس لئے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ وہاں عقول کی رسائی محال اور اوہام کا ادراک ممتنع ہے اور یہ حضرت غیب الثانیہ کا اسم ہے اور یہی ذات کے تعینات کا پہلا اسم ہے جسے برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی برزخ حکم ظاہر و باطن کا جامع ہے اگر اسمیں واؤ کو چھپایا جائے حضرت غیب الغیب کا اسم ہوگا۔ یہی حضرات ذات کے حضرت اولیٰ کا نام ہے یہی فاتحۃ الاسمآ اور اُن کی اُم الکتاب ہے اس کا وہی مرتبہ ہے جو حروف میں الف (کذا فی ترویح القلوب لعبد الرحمٰن بُسطامی قدس سرہٗ)

فائدہ صوفیانہ مقربان درگاہِ حق چونکہ ماسوی اللہ کو جانتے نہیں اس لئے جب (ھُو) کا لفظ بولتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں خواہ پہلے اس کا ذکر خیر ہوا ہو یا نہ اس کی مزید تحقیق سورۂ اخلاص کے حواشی ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھئے۔

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وہ جلاتا اور مارتا ہے یہ الوہیت کی تقریر کے لئے ہے اس لئے کہ احیاء و اماتت پر وہی قدرت رکھتا ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہ ہو۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ مخلوق کو نطفہ سے پیدا کرتا ہے میعادِ زندگی ختم ہونے پر انہیں مارتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اُس پر کوئی قادر نہیں۔ بعض نے اس کے برعکس معنے کیا ہے وہ یہ کہ مردوں کو قیامت میں زندہ کرکے اٹھائیگا اور زندوں کو دنیا میں موت دیتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔

یہ فا تمہید وتقریر رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تفریع کے لئے ہے ۔ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وہ رسول جو نبی اُمّی کے لقب سے ملقب ہیں ۔

لفظ الامی میں بھی نبی علیہ السلام کی مدح ہے اس لئے لغت میں امیؔ وہ ہے جو لکھنا جانتا ہو اور نہ پڑھنا۔ لیکن حضور علیہ السلام کو بایں معنے ماننے کہ وہ کتابوں کے علوم اور زمانۂ ماضی کے تمام حالات جانتے ہیں اس اعتبار سے کہ آپ کے علم کا سرچشمہ وحی ربانی ہے۔

الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وہ نبی علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے وہ کلمات جو اُن پر نازل ہوئے اُن پر ایمان لاتے ہیں ۔

فائدہ کلمات سے وہ اُمور مراد ہیں جو آپ کو بذریعہ وحی انبیاؑ علیہم السلام کے واقعات اور اُن کی کتب کے حالات اور وحی وغیرہ معلوم ہیں اور آپ کو اس وصف سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے تاکہ اہل کتاب کو آپ کے احکام قبول کرنے میں تامل نہ ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کی تصریح اس لئے ہے کہ ذات حق کا ایمان ہر حال میں ضروری ہے اگرچہ کلمات پر ایمان لانے میں ایمان باللہ بھی آجاتا ہے ۔

وَاتَّبِعُوْہُ اور حضور علیہ السلام کے ہر حکم کی تابعداری کرو۔ یعنی اُن کے تمام اوامر ونواہی کی اتباع لازمی ہے لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔ یہ دونوں فصلوں کی علت یا ان کے فاعلوں سے حال ہے اگر علت ہو تو معنے ہوگا کہ تم امور بالا مذکورہ پر عمل کرنے کے بعد اُمید کرو کہ تمہیں اپنے مطلوب تک رسائی نصیب ہوگی اگر حال ہو تو معنے یوں ہوگا کہ اُمور مذکورہ بالا پر عمل کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہدایت کی اُمید رکھنے والے ہیں ۔

مسئلہ ایمان کو اتباع سے معلق کرنے میں اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اتباع ضروری ہے اگر کوئی شخص ایمان لاکر اتباع نبوی سے گریز کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ ابھی گمراہ ہے ۔

مسئلہ صوفیانہ راہ حق ہر طرف سے مسدود ہیں۔ کسی پر اُن کے کھولنے کی اجازت نہیں۔ سوائے اس کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے کہ متبع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے راہ حق ہر طرف سے کھلے ہیں۔

حضرت ابن عربی قدس سرہٗ صاحب فتوحات مکیہ کی پیاری تقریر

الشیخ العارف الواصل الکامل سیدنا محی الدین بن العربی قدس سرہٗ نے سنت اور سُنی کو بیان فرماتے ہوئے لکھا کہ شرعی نقطہ نگاہ سے انسان تین قسم ہوتے ہیں ۔

① محض باطنی وہ یہ کہ صرف تجرید توحید کے قائل ہو حالانکہ قولاً وفعلاً یہ عقیدہ احکام شرعیہ کی تعطیل بلکہ اُن کے بالکل برعکس کا عادی بنا دیتا ہے یہ بھی مذموم ہے اس لئے کہ شرعی قواعد میں سے کسی قاعدے یا حضور علیہ السلام کی سنت کے خلاف کیا جائے تو وہ قابل مذمت ہے خواہ یہ خلاف کھانے پینے میں ہو یا جماع

وغیرہ میں یا حلالت کے کسی ایک معاملہ میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی مذموم حرکات سے بچائے۔

(۲) محض ظاہری ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرے یا اُسے مخلوق سے کسی شئے سے تشبیہ دے (العوذ باللہ منہا)۔ جیسے فرقِ مجسمہ و مشبہہ کے عقائد ہیں یا کسی خاص فقیہ کا مقلد ہے اور فقیہ سے وہ مراد ہے جو علوم احکام میں ایسا منہمک ہو کہ اُس کا قلب حُبِ دنیا کی وجہ سے ملکوت سے محجوب ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اس خوف سے ترک کرنے کو تیار نہیں کہ وہ دوسرے فقیہ کا مقلد کیوں ہو جبکہ اُس کے اس مذہب کے خلاف حضور علیہ السلام کی ہزاروں احادیث سنائی جائیں لیکن وہ ایسی احادیث سننے تک گوارا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی ان مَرویہ روایات پر بھی بدگمانی کرتا ہے کہ اُن کے راویوں کا اعتبار نہیں کرتا خواہ وہ کتنا ثقہ ہوں یا تابعین یا ائمہ مجتہدین ہوں صرف اس خیال پر کہ اگر یہ روایات قابل قبول ہوتیں تو اُس کے مذہب کے پیشوا کی کتابوں میں درج ہوتیں (جیسے غیر مقلدین اور دیوبندیوں وہابیوں کا وطیرہ ہے) یہ طریقہ بھی خالی از ملامت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے طریقہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

(۳) شریعت کے احکام کا پابند ہے جیسے اسے شرع کا حکم ہے ویسے ہی عمل کرتا ہے۔ کسی حکم کا ایسے پابند کیا جاتا ہے تو وہ پابند ہو جاتا ہے جہاں سے اسے شریعت روکتی ہے رُک جاتا ہے اپنی طرف سے اس کی کوئی رائے نہیں جیسے کتب احادیث سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلتا ہے ایسے شخص کے طریقہ کو سنت اور اُسے (حقیقی) سُنی کہیں گے[لہ] اور یہی اللہ تعالیٰ کی سچی محبت کا دم بھر سکتا ہے۔

حضرت ابن العربی قدس سرہ کی شریعت کی پابندی کی عجیب و غریب داستان

حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی اور آپ کی ہر قول و فعل سنت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ صرف ایک سنت میرے بس کے باہر ہے وہ یہ کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کیا اور بلا تکلف آپ کے ہاں تشریف لے جاتے لیکن افسوس کہ نہ میری لڑکی ہے اور نہ میں ایسے کر سکا۔

حکایت (سنت کا مخالف کبھی ولی نہیں ہو سکتا)

سلطان العارفین سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ السامی نے ایک دن اپنے مریدوں سے فرمایا "میں نے فلاں شخص کے متعلق سُنا ہے کہ وہ ولایت کا مدعی ہے آج میں اس سے ملاقات کے لئے جاتا ہوں آپ چند ساتھیوں کو لے کر اس کے ہاں پہنچے تو اُسے دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف جا رہا ہے لیکن جب اُس نے تھوکا تو قبلہ کی طرف تھوک پھینکی حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید قدس سرہ اسے سلام اور مصافحہ کئے بغیر واپس لوٹے اور فرمایا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پاک کی مستحبات سے بے خبر ہے وہ ولایت و

لہ اس سے ہمارے دور کے سُنی اور حضرت ابن العربی کے نام لیوا غور کریں کہ یہ بدعملی میں یکتا ہونے کے باوجود پھر بھی مدعی ہیں کہ ہم سُنی ہیں۔ ہاں یہ زبانی کلامی۔ رسمی سُنی تو ہیں حقیقی سُنی نہیں۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

صدیقیت کے کمالات کا مدعی کیسے ہے یعنی جو شریعت کے مستحباب کا عامل نہیں وہ ولی کامل کاہے کا۔ (لیکن آج کل کے مدعیانِ ولایت تو فرائض تک ہضم کر جاتے ہیں تب بھی ولی ہیں)۔

امام احمد بن حنبل کو امامت کیسے ملی سیدنا امام احمد بن حنبل قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ میرے چند ساتھی ننگے ہو کر غسل کر رہے تھے میں نے حدیث پاک کے پیش نظر (جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کو مانتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ حمام میں بھی کپڑا باندھ کر غسل کرے) میں نے کپڑا باندھ کر غسل کیا۔ رات کو مجھے کسی نے کہا مبارک ہو اے احمد! اللہ تعالیٰ نے سنت پاک پر عمل کرنے سے برکت سے تمہیں بخش دیا اور مخلوق کا تمہیں امام بنا دیا گیا۔ آج کے بعد اللہ تعالیٰ کے بندے تمہاری اقتدا کیا کریں گے میں نے عرض کی آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا جبریل علیہ السلام ہوں۔

حجر اسود اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کو مخاطب کر کے کہتے سُنا کہ اے حجر اسود مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے تجھ میں کسی قسم کا نفع یا نقصان دینے کی طاقت نہیں لیکن اگر میں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز نہ چومتا[1]

نکتہ کتے کے گلے میں رسہ ڈالا جائے تو وہ کتا تابع فرمان چلتا ہے اسی طرح نفس کو حال ہے کہ اُسے بے لگام چھوڑا جائے تو آوارہ ہو جاتا ہے[2]۔ اگر اس کے گلے میں شریعت کا رسہ ڈالا جائے تو تابع ہو کر چلتا ہے سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو رکھے۔ ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند

پے مردم گرفت و مردم شد

ترجمہ: اصحاب کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کے قدم پکڑے تو وہ بہشت میں جائے گا تو آدمی کا بھیس بدل کر

فائدہ اگر تم کسی کے تابع فرمان ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابعداری اختیار کرو کہ قیامت میں آدم علیہ السلام سے عیسٰی علیہ السلام تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آپ

---

[1] یہ روایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اتباع سنت کے کمال کی دلیل بنا کر لائی گئی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں یا مرغوب چیزوں میں نفع و نقصان کی تاثیر نہیں۔ اسی روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ حجر اسود نفع و نقصان دیتا ہے (اُویسی غفرلہٗ) اس بحث کی تفصیل یوں ہے کہ کسی چیز کا تاثیر کا مالک ہونا اور ہے اور مؤثر ہونا اور ہے۔ مالک تو ہر چیز اور اس کے اثرات کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مؤثر ہونا باذن اللہ وہی شے ہوتی ہے۔ اس کی بحث و تحقیق فقیر کی کتاب التحر بسجد فی الحجر الاسود میں دیکھئے ۔ اویسی غفرلہٗ)

[2] اور یہ ناممکن ہے کہ وہ کتا زہریلا گوشت کھا کر باؤلہ ہو جائے اور لوگوں کو کاٹنے لگے جیسا کہ مشہور ہے کہ کتا اگر مردہ سانپ کھائے تو پاگل ہو جاتا ہے۔

کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اگر آپ کے کسی امتی کے تابع ہونے کا پروگرام ہے تو اس کی اتباع کرو۔ جو شہور زمانہ ہوا اور اقرا و سلاطین سے میل جول رکھتا ہو اور اُن سے اُن کی بات بنی ہو بلکہ اس کی تابعداری اختیار کیجئے جو مرد سوئی ہو اس لئے بزرگوں کا حکم ہے کہ پہلے بندے کو اہل حق پہچانیئے پھر اس سے دوستی بنایئے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جو شخص حق کی معرفت کا دارومدار شہرت کو جانتا ہو تو وہ ہمیشہ گمراہی کے گڑھے میں رہے گا۔ اگر مردانِ حق کو حق سے پرکھتا ہے تو اسے حق ضرور نصیب ہوگا لیکن اس وقت تک محال ہے جبتک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کر کے اُن سے مناسبت پیدا نہ کرے آپ کی سنت پر عمل کرنے سے ان کی محبت میں اضافہ بھی ہوگا بلکہ آپ کی تمام متعلقہ اُمور سے محبت پیدا ہو جائے گی مثلاً آپ پر درود شریف بھیجنے اور آپ کے مزار اقدس کی زیارت اور مؤذن کی اذان کا جواب اور اذان کے بعد دُعا پڑھنے سے محبت نبوی کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے تبرکات بھی دافع البلاء ہیں ① حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارک یا آپ سے منسوب کوئی اور لکڑی، کپڑا، چمڑہ جیسے نعلین شریف موزے وغیرہ کسی گنہگار کی قبر پر رکھے جائیں تو انہی تبرکات کی برکت سے وہ گنہگار عذاب قبر وغیرہ سے نجات پا جائے گا

② اگر کسی کے گھر یا مکان یا شہر میں تبرکات ہوں تو ان تبرکات کی برکت سے وہ مکان اور شہر ہر بلا سے محفوظ ہوں گے اگرچہ انہیں معلوم نہ ہو۔

مسئلہ آبِ زمزم اور جس کفن کو آب زمزم سے تر کیا جائے اسی طرح کعبہ شریف کے غلاف کے ٹکڑے میت کے ساتھ دینا یا اس غلاف سے[1] میت کو کفنانے میں بھی وہی برکات ہیں جو حضور علیہ السلام کے تبرکات ہیں۔

تبرکات کے دافع البلاء ہونے کی عقلی دلیل حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تبرکات کے دافع البلاء ہونے کے لئے عقل بھی مانتی ہے کہ اس لئے کہ مثلاً کوئی شخص کسی شہر میں جائے اور بادشاہ کے تیر یا تیروں کے نشان لے جائے تو وہ شخص اس بادشاہ کا مطیع اور محب و عاشق ہے تو اس شہر کو معظم و محترم سمجھے گا صرف اس لئے کہ اسمیں بادشاہ کے متعلقات موجود ہیں اسی طرح ملائکہ کرام کی کیفیت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لئے سلطان معظم ہیں وہ ملائکہ جب اپنے سلطان معظم کی کوئی چیز کسی مکان یا شہر یا قبر میں ملاحظہ کرتے ہیں تو اپنے سلطان معظم کی وجہ سے ان تبرکات کی عظمت و عزت کے تحت وہاں پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد مذکورہ تقریر سے ثابت ہوا کہ جس قبر پر قرآن مجید رکھا یا پڑھا جائے یا اوراق لکھ کر میت کے ہاتھ میں دیا جائے تو اُسے قبر میں بہت بڑا فائدہ[2] ہوتا ہے (کذا فی الاسرار المحمدیہ)۔

---

[1] اس سے کفنی لکھنا اور عہد نامہ لکھنا اور عہد نامہ میت کے ہاتھ میں دینے کا ثبوت ملا۔

مثنوی شریف کے دفتر سوم میں سے۔

معجزہ نبوی

① از انس فرزند مالک آمداست
کہ بمہمانی او شخصے شدست

② او حکایت کرد کز بعد طعام
دیدانس دستارخوانرا زرد فام

③ چرکن آلودہ وگفت اے خادمہ
اندر افگن در تنورش یکدمہ

④ در تنور پر زآتش درفگند
آنزماں دستار خوانرا ہوشمند

⑤ جملہ مہماناں دراں حیراں شدند
انتظار دود کندی دریدند

⑥ بعد یکساعت برآورد از تنور
پاک و اسپید وزاں ردساخ دور

⑦ قوم گفتند اے صحابی عزیز
چوں نسوزید د منقا گشت نیز

⑧ گفت زانکہ مصطفےٰ دست ودہاں
پس بمالید اندریں دستارخواں

⑨ چوں جمادی راتشریف داد
جان عاشق راچہا خواہد کشاد

ترجمہ ① حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ان کا کوئی آدمی مہمان ہوا۔
② وہ فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کا دسترخوان میلا کچیلا تھا۔
③ انہوں نے اُسے اٹھا کر خادمہ سے فرمایا کہ اسے آگ میں ڈال دے۔
④ اس خادمہ نے فوراً وہ دسترخوان آگ میں ڈال دیا۔
⑤ لوگ حضرت انس کی اس عجیب روش سے حیران ہو گئے انہیں خیال تھا کہ یہ دسترخوان جل کر راکھ ہو جائے گا۔

⑥ لیکن انس رضی اللہ عنہ نے اسے تھوڑی دیر کے بعد نکالا تو وہ دسترخوان آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا۔
⑦ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا ماجرا ہے کہ اسے آگ نے نہ جلایا بلکہ اُلٹا صاف وشفاف ہو گیا ہے
⑧ حضرت انس نے فرمایا کہ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اور چہرہ
⑨ پونچھا تھا وجہ برکت ہے کہ آگ نے نہیں جلایا۔

اے اللہ ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں محو فرما اور اُن کی شفاعت سے بہرہ ور فرما (آمین) وہابی حضور علیہ السلام کی برکت نہیں مانتے انہیں بھی اپنے نبی علیہ السلام کی شان کو مان لینا چاہیئے۔

فائدہ مولانا رومی قدس سرہٗ نصیحت کے طور آخر میں لکھتے ہیں کہ اے خدا کے بندہ ایسی مبارک ہستیوں کا قرب حاصل کرو۔ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے اس لئے کہ جب وہ بے جان چیزوں کو آگ سے بچا سکتے ہیں تو ہم حضرت انسان ہیں کیوں نہ بچایئں گے۔ اس سے وہابی، شیعہ سوچیں کہ وہ ذات پاک کہ جس نے صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ سلایا ہے اُن کی کیا شان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى (اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں)

ربط جبکہ بچھڑا پرستوں اور اُن کے غلط اقوال الَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کا ذکر ختم ہوا اور وہ لوگ تھے بھی بدبخت اُن کے بعد ان حضرات کا ذکر فرمایا جو اشقیاء کی ضد یعنی سعداء نیک بخت تھے آیت میں لفظ قوم سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمزمان تھے اُمَّةٌ ایک جماعت تھی یَّهْدُوْنَ جو عوام کی رہبری کرتی تھی اس کا مفعول محذوف ہے بِالْحَقِّ در انحالیکہ وہ جماعت حق کے ساتھ متلبس تھی یعنی وہ حق والے تھے وَبِهٖ حق کے ساتھ یَعْدِلُوْنَ جو اُن کے لئے احکام جاری ہوتے ہیں اُن پر عادلانہ طور عمل کرتے ہر دونوں افعال ہیں مضارع کا صیغہ بول کر ماضی کی حکایتِ حال کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اعجوبہ لیکن مشہور تر ین مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اس اُمت سے وہ بنو اسرائیل مراد ہیں جو چین سے بھی آگے بجانب مشرق (پہاڑوں میں) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں۔

اعجوبہ مذکور کا عجیب واقعہ ان کا واقعہ یوں ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو بنی اسرائیل کے بعض افراد کی سرکشی اور بغاوت حد سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا و دیگر بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب اُن کا مشغلہ بن گیا۔ اُن کی نحوست سے قتل و غارت عام ہو گئی انہیں سے بعض نیک طینت اور مبارک سیرت بھی تھے۔ جو اُن کی غلط کاریوں سے بری الذمہ تھے بلکہ انہیں برائیوں سے روکتے تھے لیکن اُن کی غلط کاری عادت بن چکی تھی اس لئے وہ بضد ہو گئے تو اُن نیک لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان میں ایسی جدائی ڈالدے کہ پھر ایک دوسرے سے ملنے کا امکان بھی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے نزدیک ان کے لئے ایک سُرنگ کھولی وہ اُس کے اندر گھس گئے اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے

اُن کے آگے آگے روشنی کے گیس روشن ہوگئے دن کو وہ اس روشنی سے غار کا راستہ طے کرتے رہتے جب سورج ڈوبتا روشنی بجھ جاتی وہ روشنی کے بجھنے پر وہیں آرام فرماتے جب صبح ہوتی تو وہ روشنی پھر سامنے آجاتی اور سارا دن سفر کرتے رہتے اسی طرح ان کا ڈیڑھ سال تک یہی طریقہ رہا کھانے پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ ایک نہر جاری کردی یا اپنی قدرت کاملہ سے اُن کے لئے کھانے پینے کی اشیاء حسبِ ضرورت انہیں منزل بمنزل مل جاتیں ڈیڑھ سال کے سفر کے بعد ملک چین کے اختتام پر بجانب مشرق ایک زمین میں پہنچے جہاں پر درندے وحشی اور موذی جانور رہائش پذیر تھے لیکن اُن کے پہنچنے پر انہیں کسی قسم کا ایذا نہ پہنچایا۔ وہ وہاں پر تورات کے احکام پر پابندی سے عمل کرتے ہیں لیکن ہر وقت اسلام کے مشتاق رہتے ہیں اُن کی نیکی و بزرگی کے پیش نظر ان کے ہاں ملائکہ کرام حاضر ہوتے ہیں۔ وہ ہم سے اتنے دور ہیں کہ نہ ہم اُن سے مل سکتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک نہ ہمارے ہاں آسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک چین کے اختتام پر ایک ریت کی نہر جاری ہے جس کا عبور کرنا نہایت ناممکن ہے

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ نہر شہد کی ہے۔

فائدہ سدی نے فرمایا کہ وہ آپس میں بہت بڑا اتفاق رکھتے ہیں گویا وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا مال اپنا مال سمجھتے ہیں۔ یعنی کسی قسم کا فرق نہیں سمجھتے۔ رات کو اُن کے ہاں بارش ہوتی ہے تو صبح کو بآرام سارا دن گذارتے ہیں کھیتی باڑی کرتے ہیں حسبِ ضرورت اناج لے لیتے ہیں باقی ویسے چھوڑ دیتے ہیں یعنی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے۔

شب معراج کا ایک منظر

شبِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ مجھے بنی اسرائیل کی اس قوم سے ملاقات کرائیے جن کی اللہ تعالیٰ نے اُمَّةٌ "یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ٥ سے تعریف فرمائی ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ آپ سے اتنی دور نہیں اُن تک پہنچنے کے لئے آنے جانے کا راستہ صرف بارہ دن رات کا ہے لیکن آپ اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیجئے جو حکم ہو اس پر عمل فرمائیے۔ حضور علیہ السلام نے اُن کی ملاقات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ جبریل علیہ السلام نے آمین کہی۔ آپ کی دُعا مستجاب ہوئی کہ بذریعہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب علیہ السلام کو ان لوگوں کے ہاں براق پر سوار کر کے لے جائے۔ آپ براق پر سوار ہوئے کہ چند قدم اٹھانے پر ان لوگوں کی آبادی میں پہنچے آپ نے انہیں السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر عرض کی کہ آپ کون ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "میں نبی اُمی ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہوں نے عرض کی آپ کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اوصیا نے ہمیں بشارت دی تھی کہ ہم میں جو بھی آپ سے ملے تو آپ پر اُن کی طرف سے سلام عرض کرے۔ فلہٰذا ہماری طرف سے اُن کا سلام قبول فرمایئے آپ نے ان کا سلام قبول فرمایا پھر انہوں نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم اُن کو دیکھ رہے ہو عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی جبریل علیہ السلام

ہیں ۔آپ نے فرمایا میں نے اُن اسلاف کے مزارات دیکھے جو ان کے گھروں کے قریب ہیں ۔میں نے اُن سے پوچھا یہ کیا عرض کی یہ اس لئے تاکہ ہم اُن کی روزانہ زیارت کریں اور عبرت حاصل کر کے موت کو یاد رکھیں ۔پھر آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے مکانات بالکل زمین سے ملے ہوئے ہیں بلند مکانات کیوں نہیں بنوائے انہوں نے عرض کی اس لئے کہ کسی کا مکان دوسرے سے بلند ہو کر اُس کی دوسرے پر بزرگی نہ جتلائے ۔ دوسرا اس طرح سے ہوا نہ رُکے اور سب کو برابر ہوا پہنچے ۔میں نے پوچھا کہ تمہارے ہاں نہ کوئی حاکم مقرر ہیں نہ قاضی ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ عرض کی ہم ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آتے ہیں کوئی بھی کسی کا حق نہیں کھاتا ۔ اس لئے نہ ہمیں حق کی ضرورت ہے نہ قاضی کی ۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے ہاں بازار نہیں اور نہ کوئی شہر۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم کھیتی باڑی کر کے اپنی ضرورت کا اناج وغیرہ لے لیتے ہیں باقی اپنے محتاج اور کمزور لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں نہ ہمیں بیچنے کی نوبت آتی ہے اور نہ بازار اور شہر بن سکتے ہیں ۔آپ نے فرمایا تم میں بعض ایسے ہیں جنہیں میں بہت ہشاش بشاش اور ہنستا چہرہ دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے ۔عرض کی کہ اُن کے عزیز و اقارب کا ابھی تازہ انتقال ہوا ہے وہ ان پر اس لئے خوش ہیں کہ دینِ حق پر انہیں موت آئی ہے ۔آپ نے فرمایا انمیں بعض کو بہت غمگین پاتا ہوں اس کی وجہ کیا ہے عرض کی اس لئے کہ اُن کے ہاں بچے پیدا ہوئے ہیں ۔اب وہ غمگین ہیں کہ نا معلوم وہ بڑے ہو کر کیسا دین اختیار کرتے ہیں ۔ خدانخواستہ بڑے ہو کر انہوں نے غلط راستہ اختیار کر لیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا ۔آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہو تو کیا کرتے ہو اور اگر لڑکی پیدا ہو تو کیا ۔عرض کی لڑکے کی پیدائش پر ایک ماہ شکرانہ کا روزہ رکھتے ہیں اور لڑکی کے لئے دو ماہ روزہ رکھتے ہیں ۔آپ نے فرمایا اس طرح کیوں عرض کی اسی طرح ہمیں موسیٰ علیہ السلام کا حکم ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں لڑکوں کے دوہرا ثواب ملتا ہے ۔آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی زنا کرے تو کیا کرتے ہو ۔عرض کی ہمارے ہاں کوئی زانی نہیں ۔ اگر خدانخواستہ ہمارے میں سے کسی سے ایسی غلطی ہو جائے تو اُسے آسمان اچک لے اور زمین نگل جائے ۔آپ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی سود کھائے تو عرض کی ہمارے ہاں کوئی ایسی غلطی نہیں کرتا ۔ یہ وہ کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کا رزاق ہونے پر ایمان نہ ہو لیکن ہم میں ایسا کوئی نہیں آپ نے فرمایا تم بیمار بھی ہوتے ہو کہا کہ نہ ہم گناہ کرتے ہیں اور نہ بیمار ہوتے ہیں ۔یہ آپ کی اُمت کا کام ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں پھر وہی بیماری اُن کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے ۔آپ نے فرمایا تمہارے ہاں درندے اور موذی جانور نہیں ہیں عرض کی ہیں لیکن ہم اُن کے قریب آتے جاتے ہیں اور وہ ہمارے قریب سے گذرتے ہیں نہ ہم انہیں کچھ کہتے ہیں نہ وہ ہمیں ایذا پہنچاتے ہیں ۔ اس بڑی طویل گفتگو کے بعد آپ نے اپنی شریعت کی انہیں دعوت دی اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کی چند اور سورتیں بھی سکھائیں اور پانچ نمازوں کی ادائیگی کا بھی حکم فرمایا ۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ شبِ معراج سے پہلے مکہ معظمہ میں آپ پر دس سورتیں نازل ہو چکی تھیں آپ نے انہیں وہی سورتیں سکھائیں اور اس وقت نماز اور زکوٰۃ کا حکم بھی نازل ہو چکا تھا ۔آپ نے انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کی تعظیم بھی چھوڑ دو ۔ اور جمعہ کی نماز ادا کیا کرو ۔ اور وہیں پر تا قیامت مقیم رہو ۔اس روز سے وہ

مسلمان اور صحیح دین پر مضبوط ہیں اور ہمارے قبلہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

فائدہ تجمیع کا لفظ حدیث مذکور میں واقع ہے اس کا معنٰے ہے جمعہ کی نماز ادا کرنا۔

سوال مذکورہ بالا احکام میں سے چند ایسے احکام بھی ہیں جو شبِ معراج کے بعد نازل ہوئے ہیں؟

جواب جو احکام اُس وقت نازل ہو چکے تھے وہ اُس وقت بتا دیئے باقی بعد کو۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو معراج صرف ایک بار ہوئی بلکہ آپ متعدد بار معراج سے مشرف ہوئے۔ البتہ معراج جسمانی ایک بار ہوئی باقی روحانی طور آپ نے ان لوگوں کی تکمیل روحانی معراج کے طور فرمائی۔

دیگر جواب بطرز عقیدہ حاضر و ناظر[1] آپ نے انہیں اس وقت نماز کی تلقین فرمائی اور سب کو معلوم ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ نے انہیں جسمانی طور بعد کو تلقین فرمائی اس لئے کہ آپ کے جسم اطہر کی پرواز ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی جیسا کہ متعدد بار ہوا کہ ہماری آنکھ کی پرواز اس پرواز سے عاجز ہے جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جسم مبارک کے ساتھ پرواز فرماتے اور آپ کے لئے قرب و بعد یکساں تھا۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے یہی جواب مجھے اہل تفاسیر کے مختلف بیانات سے ثابت ہوا اور مذکورہ بالا حدیثِ معراج سے جو اعتراض پیدا ہوا وہ اس تقریر سے باآسانی رفع ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى أُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ اس سے خواص اولیاء اللہ مراد ہیں کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور خلقِ خدا کو بھی راہِ حق دکھاتے ہیں۔ لیکن کتاب اللہ کی روشنی میں وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور اسی سے عوام کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ موسٰی علیہ السلام کے خواص اولیاء کا حکم ہے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اولیاء کی شان بہت بلند ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی تابعداری کی برکت سے روحانیت کے بہت بڑے مقامات طے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ انانیت مٹا کر جذبات متابعت نبوی کے انوار سے مقامِ وحدۃ میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقام اُن کی بقاء وحدۃ کے لئے اُن کے وجود کا مصدر و مرکز ہے چنانچہ اللہ تعالٰی نے حدیث قدسی میں فرمایا كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَلِسَانًا فَبِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يُبْصِرُ وَبِيْ يَنْطِقُ میں اُس کا کان و آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھ سے سنتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

یہی اولیاء جب اس مقام پہ پہنچتے ہیں تو انہیں اُمّی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اب اس مقام پہ پہنچتے ہیں جو اُن کے ایجاد کا اصل ہے لیکن بنی اسرائیل کے اولیاء کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا اس لئے کہ اُن کا نبی حضرت موسٰی علیہ السلام انانیت کے حجاب سے محور ہے چنانچہ رؤیت کا سوال کیا تو انانیت کو مدِ نظر رکھا تھا۔ کما قال اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط اس کے جواب میں انہیں کہا گیا لَنْ تَرٰىنِيْ اس لئے کہ ابھی تم اپنی انانیت میں ہو مجھے اس وقت دیکھو گے جب انانیت مٹ کر ہویت غالب ہو جائے گی اس لئے کہ مجھے وہی دیکھ سکتا ہے جو میرے

---

[1] اسی کو ہم اہلسنت حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں۔

جلووں میں پورا پورا ڈوبا ہوتا ہے جس میں ابھی تک اپنے وجود کی بُو آتی ہے وہ دیدار سے محروم رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ انانیت کو مٹا کر میرے جلووں میں مستغرق ہو جاتا ہے تو پھر میں ہی اُس کی آنکھ ہوتا ہوں اسی سے مجھے دیکھتا ہے اور مقام صرف اس اُمّت کا ہے جس کے نبی اُمّی ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حضور علیہ السلام کی کی امت کے اس بلند مقام کو دیکھ کر موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالٰی سے عرض کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا اُمتی بنا۔ (التاویلات النجمیہ)

(۱) مصطفٰے را انبیاً امت شدند
جملہ در زیر لوأ او بُدند

(۲) پایۂ این اُمّت مرحوم بین
کے بقالوا بین اَرباب الیقین

(۳) رفعتش بین الامم چوں آفتاب
درمیاں انجم اے عالیجناب

(۴) پیشہ کن اے حقی شرع این نبی
تا نباشد فوت از تو مطلبی!

ترجمہ: (۱) مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انبیأ علیہم السلام امتی ہوئے تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔
(۲) اس سے اُمّت (محمدیہ) کا مرتبہ دیکھ ان کو ارباب الیقین کے درمیان کتنا بلند مرتبہ نصیب ہوا
(۳) امتوں میں اس مرتبہ ایسے ہے جیسے ستاروں میں آفتاب۔
(۴) اے حقی[1] اس نبی علیہ السلام کی شریعت پر چل تاکہ تجھ سے تیرا مطلب فوت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَقَطَّعْنٰھُمُ اور ہم نے انہیں بنا ڈالا۔ اس سے موسٰی علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ اس سے یہ لوگ مراد نہیں جن کی تفصیل ہم نے بیان کی ہے اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ یہ قطعنا کا دوسرا مفعول ہے اس لئے کہ قطعنا تعبیر کے معنے کو متضمن ہے۔

سوال اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ مونث کا صیغہ ہے اور اس سے مراد قوم ہے اور اس کے لئے مذکر کا صیغہ لانا چاہیئے؟
جواب قوم بتاویل الجماعۃ یا القطعۃ ہے۔ یعنی ہم نے انہیں بارہ گروہ یا بارہ ٹکڑے بنا دیئے جو ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے تھے۔

اَسْبَاطًا یہ اثنتی عشرۃ سے بدل ہے اس لئے جمع کرکے لایا گیا ہے ورنہ نحوی قاعدہ ہے کہ احد عشر تا تسع عشرہ" کی تمیز مفرد اور منصوب ہوتی ہے اس قاعدہ کے مطابق اسباطًا تمیز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

---
[1] یہ تخلص صاحب رُوح البیان کا ہے۔

اور یہ سبط کی جمع ہے اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد کو سبط کہا جاتا ہے جیسے لفظ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پر مستعمل ہوتا ہے ۔ سبط دراصل ولد الولد یعنی پوتے کو کہا جاتا ہے (پھر مجازاً اولاد اسحاق (علیہ السلام) کے لئے مستعمل ہونے لگا ۔ اُمَمًا بدل کے بعد بدل ہے ۔ یہ امت کی جمع ہے بمعنے الجماعۃ ۔

سوال بنی اسرائیل کے بارہ گروہ کیوں بنائے گئے ؟

جواب وہ اس لئے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادوں کی اولاد تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر انعام کے طور انہیں بارہ گروہ علیحدہ علیحدہ بنائے تاکہ ان کا انتظام درہم برہم نہ ہو اور معاشی حالات بھی درست رہیں اس لئے کہ وہ لوگ سخت جھگڑالو اور ایک دوسرے سے بغض وحسد رکھنے والی اور متعصب قوم تھی ۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی جبکہ اُن کی قوم نے پانی مانگا ۔ یعنی اُن کی قوم نے اس لئے پانی مانگا کہ اُن پر جنگل کی پیاس نے حملہ کیا جبکہ انہوں نے غلطی کی تو بطور سزا انہیں جنگل میں حیران و سرگردان کر دیا گیا ۔

اَنِ یہ اَوْحَیْنَاۤ کے لئے مفسرہ ہے **اضْرِبْ بِّعَصَاكَ** اپنے عصا کو ماریئے ۔ آپ کا وہ عصا بہشت کے درخت مورد کا تھا اُسے آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر لائے ۔ آپ کی وراثت میں انبیاء علیہم السلام کو ملا یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا ۔

الْحَجَرَ اس پتھر کے متعلق بہت بڑا اختلاف ہے ۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پتھر نے گفتگو کی اور کہا کہ آپ مجھے ساتھ لے جایئے آپ کو میرے بہت فائدے ہوں گے چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اُسے جنگل میں لے گئے تو جب قوم نے پیاس سے پانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس پتھر پر اپنا عصا مارا ۔

فَانْۢبَجَسَتْ پس وہ پتھر چِر گیا یعنی کھل گئے **مِنْهُ** اس پتھر سے **اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا** بارہ چشمے یعنی بارہ قبیلوں کے مطابق بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۔

فائدہ حدادی نے لکھا کہ تھوڑے پانی نکلنے کو الانبجاس کہتے ہیں اور اگر زوردار طریق سے ہو تو الانفجار کہا جاتا ہے ۔

سوال فَانْۢبَجَسَتْ کبھی فَانْفَجَرَتْ کیوں ؟

جواب ابتداً اس پتھر سے تھوڑا سا پانی نکلتا تھا اُس کے بعد زور سے چشمے نکلتے تھے اس لئے کبھی الانبجاس اور کبھی الانفجار ۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ بے شک معلوم کر لیا ہر قبیلے نے ۔

سوال یہاں پر الاسباط کے بجائے اناس کیوں کہا گیا ؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر قبیلہ کثیر التعداد تھا ۔

مَّشْرَبَهُمْ اپنے نامزد پانی کے چشمے۔ اس لئے کہ قبیلہ صرف اپنے چشمے سے پانی لیتا تھا کیا مجال ہوئی کہ کوئی دوسرا اس چشمہ سے پانی لے سکے۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ ان لوگوں میں تعصب بہت زیادہ تھا کہ اپنے جتھے کے سوا دوسروں کو اپنا ہمنوا گوارہ نہیں کرتے تھے۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس پتھر کے بارہ سوراخ تھے جونہی کسی جگہ نازل ہوتے تو پتھر سے اپنے مخصوص سوراخ کو کھول کر اپنی منزل تک نالی کھود کر پانی لے جاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے فرمایا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ مشرب بمعنے موضع شرب یعنی پانی کا گھاٹ۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ اور ہم نے اُن کے اوپر بادلوں کا سایہ کیا یعنی ہم ان پر بادلوں کا سلسلہ ایسے طریق سے کیا کہ دن کو جہاں جاتے بادل اُن کے سروں پر سایہ کیا کرتے تاکہ انہیں سُورج کی گرمی نہ ستائے اور رات کو وہی بادل نورانی گیس بن جاتے تاکہ راہ چلتے وقت انہیں تاریکی سے تکلیف نہ ہو۔

وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ اور ہم نے اُن پر مَن نازل کیا۔ اس سے بعض مفسرین نے ترنجبین مراد لی ہے قاموس میں ہے کہ دراصل مَن ہر اُس شبنم کو کہا جاتا ہے جو درختوں اور پتوں پر رات کو نازل ہوتی ہے اور وہ میٹھی ہوتی ہے جو جم جانے کے بعد شہد کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور خشک گوند کی طرح خشک کی جاتی ہے جیسے شیرخشت اور ترنجبین۔ وَالسَّلْوَىٰ امام قزوینی و ابن بیطار نے کہا ہے کہ وہ بٹیر تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ اور پرندہ ہے جو بٹیر کی طرح ہوتا ہے۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ وہ ایک پرندہ ہے جو بٹیر کی شکل میں یمن میں چڑیا سے بڑا اور کبوتر سے چھوٹا ہوتا ہے اور سلوای کو اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ وہ انسان کو سالن سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے لحوم میں سے بہتر گوشت پرندوں کا ہے اور فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تمام سالنوں کا سردار گوشت ہے اور دنیا و آخرت کے پینے کی چیزوں کا سردار پانی ہے اور دنیا و دنیا کی تمام خوشبوؤں حنا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ سید الطعام اللحم۔ تمام طعاموں کا سردار گوشت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "فضل عائشہ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام" بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کو تمام عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید[1] کو تمام طعاموں پر۔

فائدہ مَن برف کی طرح ایک شے تھی جو صبح سے طلوع شمس تک آسمان سے نازل ہوتی تھی اور ہر انسان کے لئے ایک صاع کی مقدار نازل ہوتی اور جنوب کی طرف بٹیرے (پرندے) نازل ہوتے جنہیں ہر انسان پکڑ کر اپنے لئے ذبح کرتا۔

كُلُوا ہم نے انہیں کہا کہ کھاؤ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیں۔ مَا موصولہ یا موصوفہ اس سے مَن و سلویٰ مراد ہے۔

---

[1] عرب کا سب سے افضل کھانا یعنی شوربا میں بھگوئی ہوئی روٹی (المنجد) اُویسی غفرلہ

تفسیر فارسی میں ہے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمایا۔ یعنی وہ روزی جو اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوا اُسے کھاؤ۔ لیکن ذخیرہ مت کرو۔ انہوں نے خلاف کرکے ذخیرہ بنا کر من وسلویٰ کو چھپا کر رکھ چھوڑا جس سے وہ چند روز کے بعد بدبودار ہوگئے۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا اس کا عطف جملہ محذوفہ پر ہے صرف اختصار کے پیش نظر اسے محذوف کر دیا گیا ہے دراصل عبارت یوں تھی فَظَلَمُوْا بان کفروا تلك الانعم الجليلة وما ظلمونا یعنی انہوں نے اتنی بہت بڑی نعمتوں کا انکار کرکے ہمارے اوپر نہیں بلکہ اپنے اوپر ظلم کیا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس لئے کہ ظلم ضرر انہیں کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑیگا۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دے کر اور وہ رزق جو دنیا میں بلا تکلف اور بلا مشقت ان پر نازل ہوتا اس کا مادہ کاٹ کر اپنے نفسوں کو نقصان پہنچایا حالانکہ بلا تکلف حصول کے علاوہ آخرت میں اس پر حساب کتاب بھی نہیں تھا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اور اے پیارے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یاد کیجئے کہ اُن کے اسلاف کو کہا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اُسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ اسی گاؤں میں ٹھہرو۔ اس کا منصوب ہونا مفعولیت کے طور مثلاً کہا جاتا ہے "سکنت الدار" بعض نے کہا اس کا منصوب ہونا بطور وسعت کے علی الظرفیۃ ہے۔

فائدہ اَلْقَرْيَہ سے بیت المقدس یا اریحا کے قریب جبارین رہا کرتے اور یہ لوگ عاد کا بقایا تھے انہیں عمالقہ کہا جاتا اُن کا سردار عوج بن عنق تھا۔

وَكُلُوْا مِنْهَا اور اس سے کھاؤ۔ یعنی اس بستی کے باغات کے مطاعم وثمرات حَيْثُ شِئْتُمْ جہاں سے چاہو یعنی اس بستی کے گردونواح کے باغات اور کھیتوں میں جہاں سے چاہو تمہیں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کروں گا۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ اور کہو کہ ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ معاف ہو جائیں حطۃ بروزن فعلۃ الحط سے ہے جیسے الردۃ رد سے ہے الحط بمعنے کسی شئے کو اوپر سے نیچے گرانا یہاں پر بمعنے گناہوں کی مغفرت یا ان کا جھڑ جانا مراد ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ اور اس بستی کے دروازہ سے داخل ہو جاؤ۔ سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے یعنی سر کو جھکا کر اور متواضع ہو کر سجدہ کرتے ہوئے شکریہ کے طور کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگل کے عذاب سے نجات دی۔

فائدہ اگر اس القریہ سے اریحا مراد ہو تو اب مطلب اس روایت کے مطابق ہے۔ مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بقایا بنی اسرائیل یا ان کی اولاد کو علی اختلاف الروایتین لے کر مذکورہ بستی میں داخل ہوئے تو یہ بھی ساتھ اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے اس بستی کو فتح کیا جیسا کہ سورہ مائدہ میں گذرا۔ اور اگر اس سے بیت المقدس مراد ہو تو مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یہ لوگ اس میں داخل ہوئے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الباب سے وہ قبہ مراد ہے جس میں نماز پڑھتے تھے ۔ (کذا فی الارشاد)۔
نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْئٰتِكُمْ تمہاری استغفار اور خضوع سے ہم تمہارے پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے۔
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں مغفرت نصیب ہو گئی تو پھر ان کے لئے مزید کیا چاہیئے تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نیکی کرنے والوں کے ثواب و احسان میں اضافہ فرمائیں گے خلاصہ یہ ہے کہ مغفرت انہیں فرمان کی تعمیل سے اور ثواب محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب ہوا۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ پس ظالموں نے تبدیل کیا۔ یعنی انہیں حکم ہوا کہ توبہ و استغفار کریں لیکن انہوں نے اس سے اعراض کر کے اس کے بجائے قَوْلًا دوسرا قول کہا جس میں اُن کی کسی قسم کی خیر و خوبی نہیں تھی۔
فائدہ مروی ہے کہ وہ بجائے سجدہ کی حالت کے چوتڑوں پر چلے اور حطہ کے بجائے خطة کہتے اور وہ بھی قول باری تعالیٰ کی حقارت اور موسیٰ علیہ السلام سے استہزاء کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی اور رحمت کی طلب سے روگردانی کر کے دنیا فانی کمینی کے اسباب اور اپنی خواہشات کے مطابق چند اور باتیں طلب کیں۔
غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ یہ قولاً کی صفت ہے یعنی جو کچھ انہیں کہا گیا اُس کے مخالف اور بات کی۔
سوال لفظ بدل سے تو ثابت ہوتا کہ انہوں نے غیر کا مطالبہ کیا۔ پھر آیت میں لفظ غیر کی تصریح کیوں؟
جواب تاکہ معلوم ہو کہ جو کچھ انہوں نے طلب کیا وہ ایک معمولی شے تھی اور واضح کرنا ہے کہ وہ ہر وجہ سے حکم الٰہی کے خلاف تھا۔
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ پس ہم نے اُن پر بلا تاخیر نازل کیا یعنی جونہی اُن سے مخالفت صادر ہوئی۔ ہم نے بلا تاخیر اُن پر نازل کر دیا۔ ارسال بھی انزال کی طرح اوپر سے نیچے بھیجنے کو کہتے ہیں۔
رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب جو کہ آسمان سے نازل ہوا۔ اس سے طاعون مراد ہے۔
فائدہ مروی ہے کہ صرف ایک گھڑی میں چوبیس ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔
بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۔ اُن کے ظلم کی وجہ سے خواہ وہ پہلے ان سے سرزد ہوا یا اب۔ یہ عذاب صرف تبدیلیٔ کلمات کی وجہ سے نہ ہوا۔
سبق اسی طرح جو بھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر کے اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا نشانہ بنا کر اُسے مصائب و تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے۔
فائدہ بنی اسرائیل نے دو نعمتیں ضائع کیں۔
① دنیوی بایں معنی کہ ان پر من و سلویٰ اور دیگر کئی نعمتیں جو انہیں بلا مشقت نصیب ہوتی تھیں سب کی سب نافرمانی میں ضائع کر دیں۔
② آخرت بایں معنی کہ مغفرت و ثواب سے محروم ہو گئے کہ مرنے کے بعد اُس کا تدارک ناممکن ہو گیا پھر سوائے تحسر اور ندامت کے انہیں کچھ نصیب نہ ہوا۔

(بقیہ ص ۱۶۳)

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ

اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کنارے تھی جب وہ ہفتے

فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا

کے بارے میں حد سے بڑھتے جب ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے

يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾

آتیں اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا نہ آتیں اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے ان کی بے حکمی کے سبب

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے

اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے بولے تمہارے رب کے حضور معذرت کو

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

اور شاید انہیں ڈر ہو پھر جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ

ہم نے بچا لیئے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا

بدلہ ان کی نافرمانی کا پھر جب انہوں نے ممانعت کے حکم سے سرکشی کی

لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ

ہم نے ان سے کہا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے اور جب تمہارے رب نے حکم سنا دیا کہ

عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ

ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسے کو بھیجتا رہوں گا جو انہیں بری مار چکھائے

رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ

بیشک تمہارا رب ضرور جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور انہیں ہم نے

فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ

زمین میں متفرق کر دیا گروہ گروہ ان میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ

اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے آزمایا کہ کہیں وہ رجوع لائیں پھر

مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا

ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال

الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

لیتے ہیں اور کہتے اب ہماری بخشش ہوگی اور اگر ویسا ہی مال ان کے پاس اور آئے تو

يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا

لے لیں کیا ان پر کتاب میں عہد نہ لیا گیا کہ اللہ کی طرف

يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ

نسبت نہ کریں مگر حق اور انہوں نے اسے پڑھا اور بے شک

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ

پچھلا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کو تو کیا تمہیں عقل نہیں اور وہ جو کتاب کو مضبوط

بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٧٠﴾

تھامتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم رکھی ہم نیکوں کا نیگ نہیں گنواتے

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ

اور جب ہم نے پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ ان پر گر پڑے گا

بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

لو جو ہم نے تمہیں دیا زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم

تَتَّقُوْنَ ﴿١٧١﴾ ع

پرہیزگار ہو

تفسیر عالمانہ وَسْئَلْهُمْ اور اُن سے پوچھئے۔ اس کا عطف اذکر پر ہے جو اِذْ قِیْلَ لَهُمْ میں مقدر ہے اور ضمیر هُمْ اُن یہودیوں کی طرف راجع ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں موجود تھے اور اس سوال سے یہ مطلوب نہیں کہ حضور علیہ السلام کو اُن کے حالات کا علم نہیں تھا اور آپ اُن سے پوچھیں اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اُن کے تمام حالات سے آگاہی تھی بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انہیں تنبیہ ہو کہ وہ خود اقرار کریں کہ واقعی ان کے حالات بگڑے اور اس سے قبل وہ کفر کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے بلکہ وہ حدود الٰہی سے متجاوز تھے اور وہ اپنے اسلاف کی طرح انبیا علیہم السلام کی مخالفت کرتے رہے اور اس سے انہیں ان کی غلطی کا اعتراف کرایا گیا۔

صنا ۲۶ سے آگے

حکایت عجیب و غریب زمانہ جاہلیت میں دو بھائی سفر کے لئے نکلے۔ صفات میں ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ شام ہوئی تو صفاۃ سے ایک سانپ نکلا۔ جس کے منہ میں ایک دینار تھا اُس نے وہ دینار ان مسافروں کے آگے ڈالدیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہاں کوئی بہت بڑا خزانہ ہے جس سے یہ سانپ اُٹھا کر لایا ہے تین دن دونوں بھائی وہاں ٹھہر گئے اور سانپ روزانہ اُن کے پاس ایک دینار لا کر رکھ دیتا انمیں ایک بھائی نے کہا یقیناً یہاں خزانہ ہے اب ایسا کریں کہ اس سانپ کو قتل کر کے خزانہ اُٹھا لیا جائے۔ دوسرے بھائی نے کہا یہ نامناسب ہے کہ اولاً احسان فراموشی ہوگی ثانیاً ممکن ہے خزانہ نہ ہو ہم خواہ مخواہ اتنی مشقت بھی کریں اور مراد بھی پوری نہ ہو۔ اُس نے بھائی کی بات نہ مانی جونہی سانپ اپنی بل سے باہر نکلا تو اس کے پاس ایک کلہاڑا تھا وہ سانپ پر دے مارا۔ سانپ کے سر پر لگا۔ لیکن ضرب خفیف تھی اس لئے سانپ پر اتنا اثر نہ ہوا۔ پھر سانپ نے جلدی سے اس پر حملہ کر کے اُسے ایسا ڈنس لگایا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔ بھائی نے اسے دفنایا۔ وقت مقرر پر اس سانپ کا انتظار کیا۔ جب سانپ باہر نکلا تو سر پر پٹی باندھ رکھی تھی لیکن خالی ہاتھ نکلا۔ اس شخص نے کہا کہ بھائی سانپ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے بھائی کے خلاف تھا اور آپ کے ساتھ لڑائی سے میں نے اُسے روکا تھا لیکن اس نے میری نہ مانی۔ اب آپ میرے ساتھ صلح کر لیں کہ میں یہاں پر زندگی بسر کروں نہ تو مجھے کچھ ایذا دینا اور نہ میں تیرے درپے آزار ہوں گا۔

سانپ نے کہا اے برادر! یہ سودا مجھے نامنظور ہے اس لئے کہ تم اپنے بھائی کی قبر کو دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور مجھے بھی سر کا زخم یاد آئے گا تو مجھ سے رہا نہ جائے گا۔ (کذا فی الحیٰوۃ الحیوان)

مثنوی شریف میں ہے ؎

بر گذشتہ حسرت آوردن خطا است

باز ماند رفتہ یاد آں ھباست

ترجمہ: گذشتہ حسرت یاد کرنا اچھا نہیں۔ اس لئے کہ گئی ہوئی واپس نہیں لوٹتی پھر آوارہ یاد سے کیا فائدہ۔

دعا اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو صبح آخرت سے پہلے جاگ اُٹھتے ہیں اور نہ ہی ہمیں ان لوگوں سے بنا جو امور باطنہ اور ظاہرہ کی اہمیت سے غفلت کرتے ہیں بلکہ ہمیں توفیق بخش تاکہ ہم تیری تسبیح میں ہر وقت لگے رہیں اور تیرے ذکر سے ہماری زبانیں تر رہیں۔ تو ہی ہمیں دیکھتا ہے تو ہی ہمارے حال سے باخبر ہے۔

تاکہ انہیں حضور علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر یقین ہو جائے کہ باوجود اُمی ہونے کے آپ تمام حالات سے باخبر ہیں فلہذا انہیں ماننا چاہیئے کہ آپ نبی برحق ہیں۔ آپ کو وحی سے وہ باتیں معلوم ہیں جو سوائے وحی کے اور کسی طرح سے معلوم نہیں کی جا سکتیں اور نہ ہی تعلیم الہٰی کے بغیر انہیں کوئی جان سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمی ہونے کے باوجود اور کتب سابقہ کے مطالعہ نیز کسی خواندہ آدمی کی صحبت کے بغیر آپ نے بلا کم وکاست اور بلا اضافہ تمام حالات بتا دیئے اس سے یقین ہونا لازم ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی علم ہوا اور آپ کا پورے پورے حالات بتا دینا آپ کے معجزات سے ایک معجزہ ہوا۔

عَنِ الْقَرْيَةِ بستی کے متعلق۔ یعنی اُس کے حالات اور خبریں کہ اس کے مکینوں پر کیا گذری وہ کس طرح سخت مصائب و تکالیف اور عذاب میں مبتلا ہوئے اس قریہ سے ایلہ مراد ہے وہ مدین اور کوہ طور کے درمیان واقع ہے۔

سوال وہ تو ایک بہت بڑا شہر ہے یہاں اسے القریہ (بستی) سے تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب اہل عرب کے نزدیک القریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔

الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ وہ قریہ جو دریا کے کنارے کے قریب تھی اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ جبکہ وہ ہفتہ میں تجاوز کرتے تھے یعنی انہیں روکا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن سوائے عبادت کے اور کوئی کام نہ کریں اور اِذْ ظرف مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ جبکہ اُن کے ہاں مچھلیاں آتی تھیں یہ يَعْدُوْنَ کے متعلق ہے۔ حِيْتَانُهُمْ جبکہ اُن کے ہاں مچھلیاں آتی تھیں یہ يَعْدُوْنَ کے متعلق ہے حِيْتَانُهُمْ حوت کی جمع ہے دراصل حوتان تھا۔ واؤ بوجہ کسرہ ماقبل کے یا سے تبدیل ہوئی جیسے نُون بمعنے مچھلی کی جمع نینان آتی ہے اُس کا اصل بھی نُونان تھا۔

فائدہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرمایا کرتے تھے سُبْحَانَ مَنْ يَعْلَمُ اخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْقَامِرَاتِ پاک ہے اس ذات کے لئے جو دریا کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے اختلاف کو جانتی ہے

سوال حیتان کو ان کی طرف مضاف کیوں کیا گیا ہے؟

جواب چونکہ وہ مچھلیاں انہی کے علاقوں میں تھیں اسی معمولی نسبت کے تحت ان کی طرف مضاف ہوئیں۔

يَوْمَ سَبْتِهِمْ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرنے کے دن یہ تاتیہم کے متعلق ہے یعنی مچھلیاں اُس دن ظاہر ہوتیں جبکہ وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے سبت یہاں پر مصدر ہے سبت الیہود سے ماخوذ ہے یعنی یہود نے ہفتہ کے دن کی تعظیم کی کہ اسی دن کو عبادت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ تفسیر فارسی میں سبت سے یوم سبت یعنی ہفتہ کا دن مراد لیا ہے۔

شُرَّعًا۔ شارع کی جمع ہے شرع علیہ سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی کسی کے قریب ہو کر اُس کی طرف جھانکے۔ یہ حِيْتَانُهُمْ سے حال ہے یعنی اُن کے ہاں ہفتہ کے دن مچھلیاں ساحل بحر پر پانی پر ظاہر ہو کر

آجاتی تھیں ۔ وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ اور جس دن کو وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم بجا نہ لاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ہفتہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ہے کہ مچھلی سرے سے ہفتہ کے دن کے سوا باقی دنوں میں ظاہر ہوتی ہی نہیں تھیں۔ لَا تَاْتِيْهِمْ تو ان کے ہاں مچھلیاں نہیں آتیں۔ جیسا کہ ہفتہ کے دن کھل کر آجاتیں۔ اُن کے شکار کے خطرے سے چھپی رہتیں۔

فائدہ ہفتہ کے دن کھل کر آنے کی دو وجہیں تھیں۔

① اُس وقت کے نبی علیہ السلام کے معجزہ کا اظہار۔

② ہفتہ کے دن مچھلیوں کا ہو اور دنوں میں نہ ہونا ان لوگوں کے لئے آزمائش اور امتحان تھا۔

كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ ہم اسی طرح انہیں آزمائیں گے۔ كَذٰلِكَ محلاً منصوب اور اُس کا ناصب نبلوهم ہے یعنی اس میں عجیب وغریب آزمائش سے ہم ان سے وہ معاملہ کریں گے جو آزمائش اور امتحان والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ اُن کی عداوت وسرکشی کھل جائے پھر اس عداوت سے ان کا مواخذہ کیا جائے۔

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ان کے فسق کی وجہ سے جو اوامر ونواہی میں خلاف ورزی کرتے تھے وَاِذْ قَالَتْ اس کا عطف اِذ يعدون پر ہے اور یاد کرو جبکہ کہا اُمَّةٌ مِّنْهُمْ انہیں سے ایک جماعت نے اس سے ان کے وہ نیک بخت لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انہیں نصیحت کی۔ اگرچہ انہوں نے اس کی پاداش میں ان نیک بختوں کو بہت ذلیل وخوار کیا یہاں تک کہ وہ اب ان کی نصیحت سے ناامید ہوگئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ماننے والے نہیں اور نہ ہی اُن پر کسی قسم کا وعظ ونصیحت اثر کرتا اور انہیں اپنے وعظ ونصیحت کے اثرات ان پر غیر مفید پائے اور سمجھ گئے کہ اب انہیں ہمارا ڈرانا اور سمجھانا بے سود ہے تو اُن میں سے بعض نے دوسروں کو کہا لِمَ تَعِظُوْنَ کیوں نصیحت کرتے ہو قَوْمًا ایسی قوم کو نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ جنہیں اللہ تعالیٰ تباہ وبرباد کرے گا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زمین کو اُن سے پاک وستھرا کرے گا اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا یا انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

سوال وعظ سے روکنا یا رُکنا تو گناہ ہے یہاں نیک لوگوں نے کیوں روکا؟

جواب بطور مبالغہ کے کہا یہ کہا کہ جب دیکھا کہ وہ کوئی بات مانتے ہی نہیں پھر انہیں وعظ ونصیحت کرنے کا کیا فائدہ اس سے نہ تو ان کا وعظ سے انکار کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی ان کی ان غلطیوں پر وہ راضی تھے۔

قَالُوْا وعظ کرنے والوں نے مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ اپنے رب کریم سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ معذرة مفعول لہٗ ہے یعنی ہم انہیں وعظ ونصیحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے معذرت کرکے۔ المعذرة مصدر ہے بمعنے العذر بضم والاوّل وسکون الثانی۔ انسان کا اپنی غلطیوں کے ازالہ کے لئے جدوجہد کرتا تاکہ اس کی غلطیاں معاف ہو جائیں۔ مثلاً معذرت کرتے ہوئے بندہ کہے کہ میں نے یہ اس لئے نہیں کیا۔ یا اُس کے کرنے کی وجہ یہ ہے یا کہے کہ اب مجھ سے یہ غلطی ہو گئی ہے آئندہ ایسے نہیں کروں گا۔

اور مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ بھی ایک قسم کی توبہ ہے اس لئے کہ ہر عذر کو توبہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر توبہ کو عذر نہیں کہا جا سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ المعذرة بمعنے الاعتذار ہے مثلاً کہا جاتا ہے اِعْتَذَرْتُ اِلٰى ذُلَانٍ مِنْ جُرْمِيْ میں نے فلاں کے آگے اپنی غلطی کا عذر پیش کیا اور یہ من سے متعدی ہوتا ہے اور عذر کرنے والا کبھی بطورِ احقاق کے ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ (کذا فی تاج المصادر)۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① گر بمحشر خطاب قہر کند

انبیاؑ را چہ جائے معذرت است

② پردہ از لطف گو کہ بر دارد

کاشقیا را امید مغفرت ست

ترجمہ ① اگر محشر میں اللہ تعالیٰ قہر کا حکم فرمائے تو انبیاء علیہم السلام کو کونسا عذر ہے۔

② عرض کیجو کہ وہ لطف سے پردہ ہٹائے کہ اس وقت اشقیا کو بھی مغفرت کی امید ہے۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ اس کا عطف معذرت پر ہے یعنی امید ہے کہ وہ غلطیوں سے بچ کر گناہوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ واضح حق کا قبول کرنا سمجھدار سے اُمید کی جا سکتی ہے اور نا اُمیدی ہلاکت وتباہی وبربادی ہونے والوں میں سے نہیں تھے ورنہ لَعَلَّهُمْ کے بجائے لَعَلَّكُمْ ہوتا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ پس جبکہ بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی یعنی متبنا انہیں نیک لوگوں نے نصیحتیں کیں سب کو پسِ پشت ڈال دیا جیسے بھولنے والے کے ذہن سے بات بالکل اُتر جاتی ہے ایسے انہوں نے واعظوں کی بات کو خیال تک نہ لائے کہ نصیحت کرنے والوں کے تمام کلمات سے ایسی بے اعتنائی برتی کہ گویا انہوں نے سُنا ہی نہیں۔ مسبب بول کر سبب مُراد لیا ہے۔ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ہم نے انہیں نجات دی جو بُرائیوں سے روکتے تھے۔ یعنی شکار کرنے سے ہم نے انہیں بچایا جو بُرائیوں سے روکنے والے تھے وہ دو گروہ تھے جن کا ابھی ذکر گذرا ہے۔

فائدہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مداہن اور متحمل ہر دونوں عذاب میں مبتلا ہوئے۔

فائدہ دو فرقے نجات پا گئے صرف ایک فرقہ ہلاک وتباہ ہوا۔ یہ امام حسن کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تردید فرمائی ہے جس کا ناجی ہونا یقینی ہے دوسرا جس نے وعظ ونصیحت اگرچہ نہیں کی لیکن وعید تو سُنائی اور وعید سُنانا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بہترین طریقوں سے ہے اور انہوں نے فرمایا وعید کا بلیغ کلمہ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ہے۔

فائدہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اقوی ہے (کذا فی تفسیر حدادی)

وَاَخَذۡنَا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اور ہم نے ظالموں کی گرفت کی۔ یہاں پر ظالموں سے حد سے تجاوز کرنے اور امر الہٰی کی مخالفت کرنے والے مُراد ہیں۔ **بِعَذَابٍ بَئِیۡسٍ** بمعنی شدید معنیً بھی وزناً بھی۔ **بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ** اخذنا کے متعلق ہے پہلی باء جارہ کی طرح۔

سوال دو ظرفین اور ایک متعلق یہ کیسے؟

جواب جب دونوں معنًا مختلف ہوں تو جائز ہوتا ہے اب معنٰی یہ ہوا ہم نے اُن کے فسق میں سرکشی کی وجہ سے انہیں مذکورہ عذاب میں گرفتار کیا۔

فائدہ فسق بمعنے خروج عن الطاعۃ ہے۔ یہ بھی ظلم اور عدوان ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے معمولی سے عذاب میں مبتلا کیا پھر وہ جب اس مہلت سے گمراہی وضلالت اور سرکشی و بغاوت میں بڑھے تو انہیں مسخ میں مبتلا کر کے اُن کی جڑ کاٹ دی۔ چنانچہ فرمایا۔

فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ پس جب وقت ممانعت کے باوجود انہوں نے سرکشی کی یعنی اللہ تعالیٰ کی نہی سُن کر اُلٹا سرکشی اور تکبر کیا۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے اس لئے کہ دراصل ترک ما نہوا عنہ تھا۔ مضاف اس لئے محذوف مانا گیا ہے کہ صرف منہی عنہ سے انکار وتکبیر مذموم نہیں بلکہ اس کے ترک سے تکبر و با مذموم ہے یہ آیت اس حکم کے مطابق ہے کما قال تعالیٰ **وَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ** یعنی جبکہ انہوں نے امر رب کے استثال سے سرکشی کی۔ یہاں بھی امر سے پہلے امتثال کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ عاتی ہر وہ سرکش جو فساد برپا کرے۔ کسی کی نصیحت کو ملنے کو بھی تیار نہ ہو **قُلۡنَا لَهُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِیۡنَ** ہم نے انہیں کہا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل وخوار کر کے **خٰسِئِیۡنَ** بمعنے صاغرین۔ ذلیل ترین اور لوگوں سے دور ہونے والے۔ قاموس میں ہے خسا الکلب بروزن منع یعنی کتے کو دفع کیا اور دُور بھگایا۔ القردۃ قرد کی جمع ہے بمعنے بندر۔ اس کی مونث قردۃ آتی ہے اس کی جمع قمرد ہے جیسے قربۃ کی جمع قرب ہے اور کونوا امر تکوینی ہے نہ قولی نہ تکلیفی اس لئے کہ انہیں بندر بننے کی از خود طاقت نہیں تھی اور یہ تکلیف مالا یُطاق محال ہے۔ علاوہ ازیں حقیقتاً نہ یہاں قول ہے اور نہ امر نہ مامور۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ انہیں بندر بنا دے تفصیل کے لئے دیکھیں فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۶۵

مسخ ہونے والوں کا واقعہ مروی ہے کہ یہود کو ہماری طرح کا حکم ہوا کہ وہ جمعہ کی تعظیم بجا لائیں انہوں نے جمعہ ترک کر کے ہفتہ کو اختیار کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔

انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے اُن کے اس غلط اختیار کی انہیں سزا ملی۔ اُس دن اُن پر شکار کرنا حرام ہو گیا۔ اور مامور کئے گئے کہ اس دن صرف عبادت کریں۔ اسی طرح اُس کی تعظیم بجا لانا ہو گی۔ ادھر مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ظاہر ہوں چنانچہ ہفتہ کے دن بہت بڑی بڑی اور بہترین اور موٹی مچھلیاں پانی پر تیرتی نظر آتیں اور اتنی کثیر التعداد کہ پانی کو ڈھانپ لیتیں اور باقی دنوں میں ایسی چھپ جاتیں کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہتا۔ عرصہ دراز تک ایسے ہی رہا۔ اُن کے ہاں ابلیس پہنچ گیا اور

آپ نے فرمایا ہاں ہوگا۔ لیکن اُس وقت جبکہ وہ لوگ ریشم پہنیں گے اور زنا کو مباح جانیں گے اور شراب عام پیئیں گے پھر تول میں کمی بیشی کریں گے اور گانے بجانے اور اُس کے سُننے سنانے میں مشغول ہو جائیں گے اور دف بجائیں گے اور حرم شریف کے اندر شکار حلال سمجھیں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں القریہ سے جسد حیوانی اور البحر سے بشریت اور اہل قریہ سے صفاتِ انسانیہ مُراد ہیں اور صفات انسانیہ تین قسم ہیں۔

(۱) روحانی جیسے رُوح کے صفات۔

(۲) قلبی جیسے قلب کے صفات۔

(۳) نفسانی جیسے نفس امارہ کے صفات۔

ان سب کو روکا گیا ہے کہ وہ محارم الٰہی کے ہفتہ میں دواعی بشریہ کی مچھلیوں کا شکار نہ کریں انسان کی ایک قسم وہ ہے جس نے حکم سنتے ہی تعمیل کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔ یعنی شکار کرنے سے رُک گئی۔ یہ صفات روحانیہ ہیں دوسری وہ ہے جس نے خود تو شکار نہ کیا لیکن دوسروں کو بھی نہ روکا۔ یہ صفات قلبیہ ہیں تیسری وہ جو جس نے شکار میں بھرپور حصّہ لیا۔ یہ صفات نفسانیہ ہیں۔

صاحب روح البیان کے شیخ یعنی پیر و مرشد کی صوفیانہ تقریر صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ نفس امارہ کا طور یوم سبت میں یہی ہے کہ وہ اپنے تمام اہل و عیال سے منقطع ہوگیا جبکہ اُس نے طاغوت و جبت کی اتباع قبول کی اور اُس کے شہر حرام یہی ہیں کہ مُراد اور قربت و وصال الٰہی سے محرومی کا طوق گلے میں ڈالا اور اُس کا نجم قمر اور اس کا فلکِ آسمان دُنیا ہے اور اس کی نصیحت کے متعلق آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کافی ہے۔

فائدہ نفس کی عادت ہے کہ وہ شیطان کو دھوکہ دینے اور اُس کے اُبھارنے پر دواعی بشریت میں منہمک ہو جاتا ہے اس لئے کہ انسان کی عموماً عادت ہے کہ جس چیز سے اُسے روکا جائے اس پر بہت زیادہ حریص ہوتا ہے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا ان میں نفس کو رغبت تک نہیں ہوتی۔ جس میں روحانی صفات اور نفس پر غلبہ اور اُس کے صفات کا تزکیہ و تحلیہ جیسے اوصاف پائے جائیں یقین کر لو کہ وہ اہل نجات و ارباب درجات و اصحاب قربات سے ہے اگر اس پر نفس کا غلبہ اور اُس کے صفات کا حملہ ہو تو سمجھو کہ وہ اہل ہلاکت و ارباب درکات و اصحاب مباعدات سے ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) نفس تو تا مست و نازه است و قدید
وانکه روحت حاسۂ غیبی ندید

---

[۱] مسلمانو! بتاؤ اب ان اُمور میں باقی کونسی کمی رہ گئی ہے۔ سنبھلو اب وقت ہے ورنہ پھر پچھتانا کام نہ دے گا ۱۲ اویسی غفرلہٗ

(۲) کہ علامات زاں دیدار نور
التجافی منک عن دار الغرور

(۳) وانکہ آنکہ عقل او مادہ بود
نفس زشتش نرو امادہ بود

(۴) لاجرم مغلوب باشد عقل او
جز سوئے خسران نباشد نقل او

(۵) وصف حیوانی بود بر زن فزوں
زانکہ سوئے رنگ و بو دارد زکون

ترجمہ (۱) تیرا نفس مکمل اور تازہ اور مضبوط ہے تیری رُوح نے غیبی حس کو بھی نہیں دیکھا۔
(۲) اس نور کے دیدار علامات میں سے ہے کہ تو دار الغرور سے کنارہ کش رہ۔
(۳) اس پر افسوس ہے جس کی عقل مادہ ہے اس کا نفس پلید نر اور ہوشیار رہے۔
(۴) اس اعتبار عقل ہمیشہ اس سے مغلوب رہے گی اسے سوائے خسارہ کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔
(۵) حیوانی وصف مادہ میں زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ رنگ و بو کی طرف مائل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ تاذن بمعنے آذن جیسے توعد بمعنے واعد اور الایذان بمعنے الاعلام اور بمعنے عزم اس لئے جو شخص کسی امر کا پختہ ارادہ کر کے قصد مصمم رکھتا ہے تو اس سے اس کا نفس اُس کے ساتھ بولتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کے وقوع کو ایک مقرر وقت تک اپنے علم و ارادہ سے معلق کیا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے حبیب کریم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے مقرر فرمایا کہ لَیَبْعَثَنَّ البتہ اٹھائے گا۔ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اُن پر قیامت تک۔ علیہم لیبعثن کے متعلق ہے اور لیبعثن کی لام جواب قسم کے لئے ہے اس لئے کہ واذ تاذن الخ قسم کے قائم مقام ہے جیسے لفظ علم اللہ وشہد اللہ قسم کے قائم مقام آتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں اپنی خبر موذن کی تاکید کے لئے واقع ہوتے ہیں۔ بنا بریں انہیں قسم کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ ایسے لوگ جو انہیں رنج پہنچائیں گے۔ اسوم بمعنے رنج بچشانیدن (کذا فی تاج المصادر)

سُوْٓءَ الْعَذَابِ، سخت عذاب سے۔ جیسے ذلیل و خوار کرنا اور جزیہ مقرر کرنا۔ اسی طرح کے اور گوناگوں عذاب چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بخت نصر کو اُن پر مسلط فرمایا جس نے اُن کی آبادیوں کو تہ و بالا کر دیا اور اُن کے بقایا جزیہ مقرر کیا جو مجوسیوں کو ادا کرتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ وآلہ وسلم کے ظہور تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے بھی اُن پر جزیہ مقرر فرمایا۔ اور وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

فائدہ عمادی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک یہود کو عزت و احترام نصیب نہیں ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ج بے شک تمہارا رب جلد حساب لینے والا ہے اور انہیں دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کرے گا وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور بے شک جو ان کے حضور میں تائب ہو کر ایمان لائے اس کے لئے غفور رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شیطان کو تا قیامت مہلت دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی انسانی مخلوق کو تکالیف و مصائب کا شکار بنائے یعنی قربت الٰہی سے دُور کرے اور گمراہی پر اُبھارے اور عبودیت میں کمزوری پیدا کرے اور راہ مستقیم سے پھیرے اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ج اور انہیں دنیا میں سزا دیتا ہے اور مہلت بھی تاکہ گناہوں میں منہمک ہوں اور یہ اُن کی دنیوی سزا ہے اور یہی اُخروی سزا کا موجب بنتی ہے وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہ بخشتا ہے جو اس کی طرف تائب ہو کر رجوع کریں۔ یعنی اگر قلوب و ارواح نفس کی متابعت اور اُس کی خواہش سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ غفور ہے اور جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرے تو اس کے لئے رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ کی دوسری تقریر اِنَّهٗ لَسَرِيْعُ الْعِقَاب یعنی اہل ایمان کو دنیا میں مختلف تکالیف و مصائب میں مبتلا کرتا ہے یعنی خوف اور بھوک اور نقص اموال والانفس والثمرات جیسے مصائب اُس کے گناہوں کا کفارہ بنیں یہاں تک کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوں تو گناہوں سے بالکل پاک ہوں انہیں آخرت میں کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہنس پڑے۔ یحییٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کیا وجہ ہے کیا آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مطمئن ہیں۔ یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں رہا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو آپ اتنا خوفزدہ کیوں ہیں۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر کوئی اُمید نہیں۔ دونوں نے کہا ہم دونوں اپنے نظریہ پر قائم نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے وحی آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم میں سے مجھے وہی زیادہ محبوب ہے جو میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

(۱) نہ یوسف کہ چندیں بلا دید و بند
چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند

(۲) گنہ عفو کرد آل یعقوب را
کہ معنیٰ بود صورت خوب را

③ بکردار بدشاں مقید نہ کرد
بضاعات مزجات رد نہ کرد

④ زلطفت ہمی چشم داریم نیز
بریں بے بضاعت ببخش اے عزیز

ترجمہ: ① دیکھئے یوسف علیہ السلام نے کتنی مصیبتیں اور قیدیں دیکھیں جب ان کا حکم جاری اور قلندر بلند ہوا۔
② آل یعقوب (علیہ السلام) کا گناہ معاف فرمایا حسین صورت کو ایسا معنیٰ ہونا ہوتا ہے۔
③ انکے بُرے کردار سے انہیں مقید نہ کیا اور نہ ہی انکی معمولی پونجی رد کی۔
④ ہم بھی تیرے لُطف سے (اے اللہ) یہی اُمید رکھتے ہیں اے غالب (رب تعالیٰ) ہماری بے بضاعتی کے باوجود ہمیں بخش دے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب پر حُسنِ ظن کے عقیدہ پر مضبوط رہے اور عبادت کے متعلق معمولی طور بھی سستی اور تکامل نہ برتے اس لئے کہ کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی۔

حکایت مع نصیحت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بصرہ کے ایک جنگل میں سعدون مجنون کو دیکھ کر کہا آپ کا کیا حال ہے اور زندگی کیسے گذر رہی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا اے مالک اس کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح شام بہت بڑے سفر کو گلے لگا رہا ہوا ور اُس کے ہاں زادِ سفر اور سامانِ راہ بھی نہ ہوا ور جانا بھی ایسے مالک کے ہاں ہو جو عادل ہو اور اُس کا فیصلہ بھی عوام کے سامنے ہوگا۔ یہ کہہ کر خوب رویا۔ میں نے اُس سے پوچھا آپ روتے کیوں ہیں انہوں نے فرمایا نہ مجھے غم دُنیا ہے اور نہ ہی موت سے گھبرایا ہوں رونا اس لئے آتا ہے کہ زندگی آوارگی میں گذر گئی کوئی نیکی بھی پلے نہ باندھ سکا۔ اب گریہ وزاری کے سوا اور کیا کروں جبکہ جانتا ہوں کہ زادِ راہ بالکل نہیں لیکن سفر بہت لمبا ہے اور سفر کی منزلیں بھی پُرخطر ہیں۔ سفر طے کرنے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں کہ میرا مالک مجھے جنت میں بھیجتا ہے یا کہ دوزخ میں۔ میں نے اُن کی پُرحکمت گفتگو سے متاثر ہو کر عرض کی کہ لوگ آپ کو مجنون (پاگل) کہتے ہیں حالانکہ آپ کی باتیں حکیمانہ اور دانشمندانہ ہیں انہوں نے فرمایا آپ کو بنی اسرائیل کی طرح دھوکہ ہوا۔ لوگوں کا غلط خیال ہے مجھے جنون نہیں بلکہ اپنے محبوب کی محبت میں ایسا پگھل گیا ہوں کہ اب میرا قلب اور آنتیں ایک ہو گئی ہیں اور عشق نے میرے گوشت اور خون اور ہڈیوں کو جلا کر راکھ بنا دیا ہے۔ بس یہی اگر مجنون ہوں تو اُسی کے عشق کا جنون ہے اور حیرانی چھائی ہے تو اُسی کی محبت کے شغف نے مجھے دنیا سے ناآشنا بنا دیا ہے۔ میں نے اُس سے عرض کی تو پھر آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے کیوں نہیں اُن سے متنفر ہو کر جنگلوں اور ویرانوں میں کیوں پھرتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

کن من الناس جانبا
وارض باللہِ صاحبا
قلب الناس کیف شئت
تجدھم عقاربا

ترجمہ: لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی دوستی میں زندگی بسر کرو۔ اس لئے کہ لوگوں کے خیالات کا کیا کہنا وہ تو دوسروں کو زک پہنچاتے میں بچھوؤں سے کم نہیں ہیں۔

(روض الریاحین للیافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ وَقَطَّعْنٰهُمُ اور ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ بنائے فِی الْاَرْضِ زمین میں۔ یعنی ہم نے ہر فرقہ ان تتر بتر کیا۔ زمین کے سرہر علاقہ میں کہ کوئی علاقہ بھی اُن سے خالی نہیں کہ جہاں یہاں سے کوئی فرقہ نہ ہو۔ بطور سزا کے چکا انہوں نے حق سے روگردانی کی تاکہ متحد رہنے سے اُن کی شان و شوکت نہ بڑھے۔

اُمَمًا یہ قَطَّعْنٰهُمُ کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی اُن کا حال یہ تھا کہ وہ بہت بڑی جماعتیں تھیں۔ یا قَطَّعْنَا مفعول ثانی ہے باعتبار اس کے کہ وہ صیرنا کے معنے کو متضمن ہے۔

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ بعض اُن میں نیک بخت ہیں۔ یہ اُمَمًا کی صفت ہے۔ اُن سے وہ حضرات مُراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے سچے پیروکار تھے وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ اور بعض ان کے ماسوا تھے دُوْنَ ذٰلِكَ موصوف محذوف کی صفت ہے یہ دراصل وَمِنْهُمْ نَاسٌ دُوْنَ ذٰلِكَ تھا اور وہ محذوف موصوف یعنی ناس اپنی صفت سے مل کر مُبتدا اور منہم اس کی خبر ہے۔

سوال ظرف مبتدا بننے بلکہ وہ کسی مسند الیہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور یہاں پر دونوں ظرفین ہیں؟

جواب علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ عرب میں عام شائع و ذائع ہے کہ مُبتدا و خبر دونوں ظرف واقع ہو سکتی ہیں۔ اس قاعدہ پر نحویوں نے کہا جب ایسی صورت واقع ہو تو ظرف اوّل کو مبتدأ اور دوسری کو خبر بشرطیکہ اس ظرف میں موصوف محذوف نہ مانا جائے۔ جیسے یہاں کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس کرنا جائز ہے۔ اگرچہ معنوی لحاظ سے یہ بہت بعید ہے ایسی صورت میں خبر کو مؤخر کرنا اَولیٰ ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ نحویوں نے کہا ہے کہ ایسی صُورت میں موصوف کو محذوف ماننا اولیٰ ہے۔

فائدہ اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ یہاں بھی صلاحیت کو محذوف ماننا مناسب ہو گا۔ جیسے اس سے قبل وَمِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ اس پر دلالت کرتا ہے۔ گویا اصل عبارت وَمِنْهُمْ اهل ذلك الصلاح ہونی چاہیئے تھی۔ یعنی یہ لوگ اہل صلاح کے درجہ سے گرے ہوئے ہیں اس سے کافر یا فاسق لوگ مراد ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ذٰلِكَ بمعنے اُولٰٓئِكَ ہوا اور اُس کا مشار الیہ صالحون ہے۔

قاعدہ نحویہ نحویوں کا مسلّم قاعدہ ہے کہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لئے مستعمل ہوتا ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی)

ل والتفصیل فی شرح نعم الحامی شرح جامی ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ۔

وَبَلَوْنٰھُمْ اور ہم نے انہیں آزمایا۔ یعنی اُن سے وہ معاملہ کیا جو آزمائش و امتحان والوں سے کیا جاتا ہے بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّئَاتِ نیکیوں اور برائیوں یعنی نعمتوں اور سزاؤں سے کہ کبھی انہیں بہت زیادہ مالدار بنا دیا اور تندرستی سے نوازا۔ کبھی بھوک اور فاقہ اور دیگر تکالیف میں مبتلا کر دیا۔ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ تاکہ لوٹ آئیں یعنی برائیوں سے رُک جائیں۔ اور کفر و معاصی کو چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کریں۔ اس لئے کہ حسنات و سیئات ہر دونوں طاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتی ہیں۔ کیونکہ حسنات میں طاعات کی ترغیب اور سیئات میں خوفِ خداوندی کی تذکیر ہوتی ہے۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ نعمت میں شکر کرنے کے بجائے سرکشی اور تکبر میں مبتلا ہو گئے۔ مثلاً کہا۔ اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاءُ اور تکالیف میں بجائے صبر کرنے کے ناشائستہ باتیں کیں۔ مثلاً یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ بیچارے یہ دونوں امتحانوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ؎

خوش بود محک تجربہ آید میاں
تا سیہ روئی شود ہر کہ در وغش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر کسوٹی کا تجربہ درمیان میں آئے اس لئے کہ جس میں جھوٹ ہوتا ہے اسے رسوائی ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ بَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ ہم نے اُن کی طاعت سے آزمائش کی کہ وہ کثرت طاعت سے عجب میں مبتلا ہو گئے جیسے ابلیس کا حال ہوا کہ کثرت عبادت پر عجب میں مارا گیا۔ وَالسَّیِّئَاتِ اور سیئات یعنی معاصی میں مبتلا ہو کے انہیں غلطی تصور کر کے تائب ہونے اور ندامت کے اظہار سے ہم نے انہیں آزمایا کہ غلطی کے بعد اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیہ سے تائب و نادم ہوئے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے کیا کہ گندم دانہ کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو کر عرض کی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا

تفسیر عالمانہ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ یعنی مذکورہ لوگوں کے بعد اُن کے جانشین ہوئے۔ خَلْفٌ نا اہل لوگ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمزمان یہود مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے جانشین تھے۔ لیکن اُن کی مخالفت کر کے حضور علیہ السلام کے دشمن بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر مختلف علاقوں میں پھیلا دیا جیسے آج بھی اُن کی حالت ہے کہ کوئی روس میں دھکے کھا رہا ہے انہیں کوئی امریکہ کی چاپلوسی میں سرمست ہیں کوئی برطانیہ کے کاسہ لیس وغیرہ۔

بعض اُن میں نیک بھی تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی جنہوں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری قبول کر کے تہ دل سے اسلام کے شیدائی و مِنْھُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ اور بعض اُن میں صلاحیت سے خالی ہیں جیسے عام یہود (یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے باغی اور اپنے اصلی دین موسوی سے بھی منحرف) الخلف مصدر ہے لیکن صفت کا معنےٰ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ واحد و جمع دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "خلف فلاں فلانا" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو پارٹی میں اپنا نائب اور جانشین بنا جائے یعنی اسے

اپنا قائم مقام چھوڑ جائے کہ قوم اور برادری کے جملہ اُمور کی تدبیر اس کے سپرد ہوں۔

فائدہ ابن الاعرابی نے فرمایا الخلف بفتح اللام ہو تو معنے نیک اور جانشین اگر باسکان اللام ہو تو بُرا جانشین مراد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ردی کلام کو بھی خلف کہا جاتا ہے۔

فائدہ محمد بن جریر نے کہا کہ مدح میں اکثر بفتح اللام مستعمل ہوتا ہے اور ذم میں بتسکین اللام اور کبھی اس کے برعکس یعنی بفتح اللام ذم میں اور تسکین اللام مدح پر بولتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ذم پر جب مستعمل ہوگا تو خلف اللبن سے ماخوذ ہوگا۔ وہ اُس وقت بولتے ہیں جب دودھ کھٹا ہو جائے جبکہ اُس کے برتن میں اتنا دیر تک رکھا جائے تو وہ خراب ہو جائے۔ اس سے وہ محاورہ بھی ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں خلف فم الصائم یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کے منہ کی بو میں تغیر آجائے۔ گویا مرد اہل فساد مشبہ بہ اور غم الصائم مشبہ اور وجہ تشبیہ تغیر و فساد ہے۔

خلاصہ یہ کہ خلف خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے البتہ بفتح اللام اکثر خیر کے لئے مستعمل ہوتا ہے (کذا فی تفسیر الحدادی)۔

وَرِثُوا الْكِتٰبَ وہ کتاب کے وارث ہوئے یعنی اپنے بڑوں سے کتاب تورات کے وارث ہوئے جسے وہ پڑھتے اور اُس کے مضامین کو سمجھتے تھے۔

فائدہ میراث ہر اُس شے کو کہا جاتا ہے جو مرنے والے سے کسی کو ملے اور یہ محلاً مرفوع ہے کہ خلف کی صفت ہے۔

يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ اس ادنیٰ کے اسباب حاصل کرتے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی دُنیا کمینی کے اسباب حاصل کرتے ہیں ادنیٰ دنو سے مشتق ہے بمعنے القرب ھذہ الدار وھذہ الحیٰوۃ۔

فائدہ دُنیا سے اسے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ وہ انسان کو قریب اور جلدی سے ملتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں دنوت منہ دنوًا یعنی میں اُس کے قریب ہوا اور الدانی بمعنے القریب یا الدنیا الدناۃ سے مشتق ہے مثلاً کہا جاتا ہے دنا الرجل دناءۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خسیس اور کمینہ ہو جائے کہ اُس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو اور یہودیوں کا تورات کے ذریعے دنیوی اشیاء لینے سے اُن کی رشوتیں لینا اور کلام حق (تورات) کی تحریف مراد ہے۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ متاع دنیا کو عرض سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام ساز و سامان فانی ہیں گویا عارضی طور چند لمحات کے لئے حاصل ہو کر فنا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھذا عارض ممطرنا اس میں عارض سے بادل مراد ہے کہ وہ بھی عارضی طور نمودار ہو کر چھپ جاتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں غلطیوں پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا۔ بلکہ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے گا۔ مثلاً کہا جاتا ہے غفر اللہ ذنبہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ چھپا کر معاف فرما دے۔

سَيُغْفَرُ یہ جار مجرور یعنی لنا کی طرف مسند یا محذوف کی ضمیر کی طرف مسند ہے جیسے عدلوا ھو اقرب میں۔

اب عبارت یوں ہوگی۔ سَیُغْفَرُ لَنَا اَخْذُ الْعَرَضِ الْاَرْضِ الْاَدْنٰی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ بعض نفوس کی عادت ہے کہ وہ مواہب ربانیہ اور کشوف روحانیہ کو عروض دنیوی کا ذریعہ سمجھ کر انہیں مال وجاہ اور لذات وشہوات رانی میں صرف کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ سَیُغْفَرُ لَنَا ہمیں بخش دیا جائے گا اس لئے کہ ہم بہت بڑے مقام ومرتبہ کو پہنچ چکے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ہماری غلطیاں اور تمام گناہ معاف فرمائے گا جیسے بعض اہل اباحت کا مذہب[1] ہے۔ یہ الٰہ کا سراسر دھوکا اور فریب اور جہالت اور حماقت ہے۔

فائدہ یہاں ایک اور معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ہم بخشش مانگتے ہیں تو ہم کو بخش دیا جاتا ہے حالانکہ اُن کی یہ استغفار صرف زبان تک محدود ہوتی ہے دل سے نہیں اس لئے کہ ان کی یہ بات بھی دھوکہ اور فریب کاری سے خالی نہیں۔

وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ط اور اگر ان کے ہاں اُس جیسا اور سامان آئے تو اُسے لے لیتے ہیں اور یَقُوْلُوْنَ کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ حکم الٰہی غلط بتا کر اور عوام کے رجحان کے مطابق تورات میں تحریف کرنے پر رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس کاروبار پر اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں پکڑے گا یعنی جو کچھ ہم اسباب دنیوی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے گا یہ کہتے جاتے ہیں اور دنیوی اسباب یعنی رشوتیں لیتے بھی جاتے ہیں اس رویہ سے تائب نہیں ہوتے۔

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ کیا اُن سے عہد مذکور کتاب تورات میں نہیں لیا گیا تھا۔

اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کہ اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے اور کوئی بات نہ کہنا۔ یہ میثاق سے عطف بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر تہمت پردازی چھوڑ دو۔ مثلاً یقینی طور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے گا اور گناہوں کا دھڑا دھڑ ارتکاب کئے جا رہے ہیں وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ط اور جو کچھ تورات میں ہے اُسے انہوں نے پڑھا بھی ہے کیا یہ حکم انہیں انہوں نے نہیں پڑھا ہوگا۔ من حیث المعنیٰ اس کا عطف اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ الخ پر ہے اس مضمون کی تقریر یہ ہے یعنی واقعی اُن سے کتاب میں وعدہ لیا گیا اور واقعی وہی حکم انہوں نے خود بھی کتاب میں پڑھا۔

فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا عطف لَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ پر ہو تو استفہام کا تعلق ہر دو نوں افعال سے ہو اس معنیٰ پر یہ استفہام تقریری ہے۔

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ یہ نجات کی دار یعنی آخرت۔ خَیْرٌ دار دنیا سے بہتر ہے لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ط ان لوگوں کے لئے ———— جو حرام خوری اور افترا علی اللہ سے بچتے ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا وہ سمجھتے نہیں یعنی جب انہیں معلوم ہے تو ان پر لازم ہے کہ اعلیٰ یعنی دائمی نعمت کے عوض ادنیٰ یعنی دنیوی اسباب نہ لیں۔

وَالَّذِیْنَ اور اُن لوگوں کے لئے بھی بہتر ہے۔ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ جو اپنے دینی امور میں کتاب سے تمسک پکڑتے ہیں۔

---

[1] بعض صوفیوں کا۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

فائدہ یُمَسِّکُوْنَ کا مادہ تمسک ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے مَسَک بالشئ و تمسک بہ یعنی تفعل اور تفعیل کا ایک معنٰی ہے۔

فائدہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اُس سے وہ لوگ مراد ہیں جو تورات کے سچے اور صحیح عامل تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔ اس لئے کہ ان حضرات نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب سے تمسک پکڑا اور اس کے صحیح اور سچے عامل رہے نہ انہوں نے تورات کی تحریف کی اور نہ ہی اس سے کوئی احکام چھپائے اور نہ اسے لوگوں سے کھانے پینے اور مال بٹورنے کا سبب اور وسیلہ بنایا۔

فائدہ حضرت عطاؔ نے فرمایا کہ اس سے حضور نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت مراد ہے۔ تو الکتاب سے قرآن مجید مراد لینا ہوگا۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور انہوں نے نماز قائم کی۔

سوال نماز کا ذکر **یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ** میں عمومی طور ہو گیا پھر اُسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب یہ ذکر الخاص بعد ذکر العام کے قبیل سے ہے تاکہ نماز کی فضیلت اور اُس کے مہتم بالشان ہونے پر تنبیہ ہو اس لئے کہ ایمان کے بعد نماز کی پابندی تمام عبادات سے افضل ہے اس لئے اسے ذکر کیا گیا تاکہ باقی انواع احکام سے اُس کی شرافت اور بزرگی نمایاں ہو۔

(۱) خانۂ دین خویش را چوں خدا
بر ستون نماز کرد بنا

(۲) بے شکے تا ستون بجائے بود
خانۂ دین حق بپائے بود

ترجمہ: (۱) جب اللہ تعالٰی نے اپنے دین کے گھر کی بنا نماز پر رکھی ہے۔

ترجمہ: (۲) تو یقیناً جب تک ستون قائم رہیں گے تو دین کا گھر بھی قائم رہے گا۔

اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ۞ بے شک ہم نیک لوگوں کی نیکی ضائع نہیں کرتے یعنی اُن کے قول و عمل کا انہیں پورا اجر دیتے ہیں۔

فائدہ کاشفی نے کہا کہ نیک بخت لوگ نیکی کرتے ہیں ہم انہیں ان کی نیکی کا اجر اور ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اصلاح دو قسم ہے۔

(۱) اصلاح ظواہر۔

(۲) اصلاح بواطن۔

اصلاح ظواہر یہ ہے کہ اعمال صالحہ پر پابندی اور اصلاح بواطن یہ ہے کہ نفس کی ایسی تربیت کی جائے کہ اسمیں

فیض الٰہی کے نُور قبول کرنے کی استعداد ہوجائے۔

سبق دورِ حاضرہ میں قرآن پاک پر عمل نہ کرنے کی عادت بن گئی ہے بہت بڑے نیک بخت لوگوں بلکہ بہت بڑے اولیاء اللہ کی اولاد بداعمالی کے شکار ہوکر بدبختوں کے زمرے میں شریک ہوگئی ہے[1] اور دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔

حکایت حضرت حسن البصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنکھوں سے دیکھا کہ وہ حلال اشیأ سے پرہیز کرتے کہ نا معلوم اس کے متعلق ہم حساب دے سکیں گے یا نہ۔ لیکن تم حرام کردہ اشیأ سے نہیں بچتے بلکہ اُن کے ارتکاب کے بہت منہمک نظر آتے ہو حالانکہ وہ اپنے دور میں تمہارے سے زیادہ سخت تکالیف میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود شاد کام تھے۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ مجنون (پاگل) ہیں اگر وہ آج تمہارے بہتر سے بہتر لوگوں کو دیکھ لیں تو کہیں گے کہ انہیں بداخلاقیاں کہاں سے نصیب ہوئی ہیں۔ اگر وہ تمہارے اشرار کو دیکھ لیں تو فوراً فتویٰ صادر فرمادیں کہ انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان نہیں۔ اگر وہ ان حضرات کو اپنا حلال پیش کریں تب بھی وہ اس خطرہ سے قبول نہ کریں گے کہ اُن کی حالت خراب فلہٰذا نا معلوم یہ مال حلال کا ہے یا حرام کا۔ اس شک وشبہ کی بناء پر اُسے ترک کردیں گے۔

حکایت سیدنا اُویس قرنی رضی اللہ عنہ سے حضرت ھرم نے عرض کی کہ مجھے کہاں رفاقت پذیر ہونا چاہیئے آپ نے انہیں شام کے علاقہ کے لئے اشارہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کی وہاں کے لوگوں کی معاش کیسی ہے حلال کی معاش کے خوگر ہیں یا حرام خوار۔ آپ نے فرمایا یہ مت پوچھئے اُن کے دلوں پر مشتبہات کا اثر ہوچکا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کو توفیق شاملِ حال ہو تو وہ علیحدہ بات ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

خانہ پر گندم ویک جو نفرستادہ بگور
غم مرگت چو غم برگ زمستانی نیست

ترجمہ: گھر گندم سے پُر ہے لیکن تونے اپنی قبر کے لئے ایک جو بھی نہ بھیجا۔ تجھے موت کا اتنا غم بھی نہیں کہ جتنا سردیوں کی موسم میں تیری کھیتی کے پتے جھڑنے پر تجھے غم ہوتا ہے۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ سالک کے لئے مُرشد کامل کی تربیت ضروری ہے اس لئے کہ وہ نفس کے مصالح ومفاسد کو خوب جانتا ہے ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحبِ دولتے بگیر

ترجمہ: اے دوست مجھ سے ایک نصیحت قبول کر ابھی سے کسی صاحبِ دولت (ولی) کا دامن پکڑ۔

---

[1] جیسے آج کل ہمارے مشائخ کے بعض سجادہ نشین اور پیرزادگاں کا حال ہے ۱۲ اُویسی

تفسیر عالمانہ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ اور یاد کرو جبکہ ہم نے پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے اوپر کر دیا النتق بمعنے شے کو اپنی جگہ سے اکھیڑنا۔ الجبل سے کوہ طور مراد ہے کہ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الہٰی سنا اور وہیں پر انہیں تورات کی تختیاں عطا ہوئیں یا فلسطین کا کوئی پہاڑ مراد ہے یا وہ پہاڑ مراد ہے جو بیت المقدس میں تھا اور فوقهم منصوب ہے۔ نتقنا اس کا ناصب ہے متضمن بمعنے رفعنا گویا یوں فرمایا گیا کہ ہم نے پہاڑ کو آپکے اوپر کر دیا۔ اس معنے پر نتق رفع اور اس کے حصول کے مقدمات اور اس کا ایک سبب ہوگا۔ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ گویا وہ ایک سائبان تھا۔ ظُلَّةٌ بمعنے سقیفہ جسے فارسی میں سائبان کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر وہ شے جو کسی پر سایہ افگن ہو وَظَنُّوْٓا اور انہوں نے یقین کیا کہ اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ کہ وہ ان پر گرنے والا ہے اس لئے کہ جب پہاڑ اکھڑ جائے تو وہ خلا میں نہیں ٹھہر سکتا۔ علاوہ ازیں انہیں اس سے قبل کہا گیا کہ اگر تم تورات کے احکام نہیں مانو گے تو پہاڑ تمہارے اوپر گرایا جائے گا۔

پہاڑ کے گرنے کا واقعہ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہاں تورات لائے اور انہیں پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے تورات کے احکام قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اس میں تکالیف اور مشقت بھرے احکام تھے۔ انہوں نے انکار کے ساتھ اپنی بات منوانے کی باتیں شروع کر دیں اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ان کے سروں پر کھڑا ہو جائے چنانچہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ان کے تمام لشکر کے سروں پر آکر کھڑا ہو گیا اور سارا لشکر اس کے نیچے آگیا۔ کوئی ایک بھی پہاڑ سے باہر نہ تھا اور پہاڑ ۳×۳ میل تک لمبا چوڑا تھا۔ اب انہیں حکم ہوا کہ اگر تورات کے احکام قبول نہ کرو گے تو تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔ جب یہود نے دیکھا کہ پہاڑ گرنے کو ہے تو سب کے سب منہ کے بل بائیں جانب سجدہ میں گر گئے اور دوسری جانب سے پہاڑ کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے یہی وجہ ہے کہ اب یہود منہ کی بائیں جانب سجدہ کرتے ہیں اس کی علت یہی بتاتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اسلاف سے پہاڑ اسی طرح سجدہ کرنے سے اٹھایا گیا فلہٰذا اب ہم بھی اسی طرح سجدہ کریں گے۔

نکتہ چونکہ انہوں نے تورات کے احکام بادل ناخواستہ مجبور ہو کر مانے تھے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی بات کو مجبوراً بادل ناخواستہ مانے تو وہ اس بات سے ہٹ جاتا ہے چنانچہ یہودیوں کے اسلاف و اخلاف کا بھی یہی معاملہ ہے کہ وہ چند روز کے بعد نہ صرف اپنے معاہدہ سے ہٹ گئے بلکہ تورات میں تحریف کر ڈالی۔

خُذُوْا یہاں قلنا محذوف ہے یعنی ہم نے انہیں کہا کہ لے لو مَآ اٰتَيْنٰكُمْ جو کتاب احکام ہم نے صادر کئے ہیں بِقُوَّةٍ بڑی مضبوطی اور عزم بالجزم سے اگرچہ امیں مشقت اور تکالیف بھی ہیں۔ اور یہ خُذُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو۔ یعنی اس پر عمل کرو لاپرواہی کر کے اسے پس پشت ڈالو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم تورات کے احکام پر عمل کرنے سے قبیح اعمال اور رذیل اخلاق سے بچ جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اگر انسان کو نفس کے رحم و کرم پر چھوڑا جائے تو وہ طبعاً امور دینیہ کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی شرعی بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اگر اسے کسی طریق سے منوایا جائے اور وہ اُن کے ظاہر یا باطن پر عمل کرتا بھی ہے تو مجبور ہو کر قبول کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ارباب عنایت کو توفیق بخشتا ہے تو بڑے بڑے مجاہدات و ریاضات کا عامل بن جاتا ہے لیکن عنایتِ الٰہی سے نہ از خود اور اپنے ارادوں سے احکام بجا لاتے ہیں۔ مثنوی شریف ہے ؎

① چشمہا و گوشہا را بستہ اند
جز مر آنہا کہ از خود رستہ اند

② جز عنایت کہ کشاید چشم را
جز محبّت کہ نشاید خشم را

③ جہد بے توفیق خود کس را مباد
در جہاں واللہ اعلم بالرشاد

ترجمہ: ① انہوں نے آنکھیں اور کان بند کر لئے ہیں اس کے سوا باقی تمام دُور ہیں۔
② عنایت الٰہی کے سوا کون آنکھ کھولے محبت کے سوا غضب کو کون فرو کرے۔
③ بے توفیق الٰہی کسی کو جد و جہد نصیب نہ ہو جہاں میں اللہ تعالیٰ ہی رہبری کو خوب جانتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت الہدائی قدس سرہما سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ بہت سے لوگ تیس سال تک عبادات و مجاہدات میں لگے رہتے ہیں لیکن انہیں مراتب و کمالات حاصل نہیں ہوتے جتنا آپ حضرات کو معمولی سے ریاضت و طاعت سے حاصل ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس دروازے کے ہم بھکاری ہیں وہ بہت بلند و بالا ہے اور وہ اُس دروازے تک پہنچتے نہیں بلکہ وہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہتے ہیں لیکن یہ اپنی ہمت سے نہیں بلکہ اُس کے فضل و کرم سے عنایت ہوا۔ شیخ آفندی اُن کی آخری بات سُن کر ہنس پڑے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت بایزید بُسطامی قدس سرہٗ نے ایک عرصہ تک خربوزہ نہ کھایا اس خیال پر نا معلوم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے کس طرح تناول فرمایا۔ (کاٹ کر یا ویسے ہی)۔

نکتہ حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تربوز کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بایزید بُسطامی قدس سرہٗ تا حال حجاب میں تھے۔

سبق حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ کا مطلب یہ ہے کہ بایزید بُسطامی قدس سرہٗ کے کمالات میں نقص نہیں تھا جیسے شمس تبریزی کے کمال میں نقص کا احتمال نہیں ہو سکتا صرف فرق اتنا کہ بایزید بُسطامی سرہٗ زہد کے ذریعہ کمال کو پہنچے اور شمس تبریزی قدس سرہٗ کو معرفت کے ذریعے حاصل

ہوا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے طریقے کثیر اور مختلف ہیں لیکن یاد رہے کہ ریاضت سے جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ محکم و ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ صاحب زہد کو اگرچہ عرصہ دراز تک راہ نہیں ملتا لیکن جب ملتا ہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاصل ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت حلاج اس کو ضبط نہ کرسکے اس لئے کہ شریعت و طریقت کے فتویٰ کی زد میں آگئے لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ انہیں بھی یہ کمال نصیب ہوا تو مذکورہ طریقہ کے مطابق ملا۔

قاعدہ صاحب کمال کو پہلے عنایت رہبری کرتی ہے پھر اُسے زُہد کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ پھر وہ ریاضت و مجاہدہ میں لگ جاتا ہے۔ اس کے عشق سے سرشار ہوتا ہے پھر ایک خصوصی حال سے مشرف ہوتا ہوا عالم حقیقت میں پہنچتا ہے۔

قاعدہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کے راہ مخلوقات کے سانس کے برابر ہیں جب بھی کسی راہ سے وصال نصیب ہوتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کے ملنے کی کوئی راہ متعین نہیں جیسے بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ملنے کے چند مخصوص راہ ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اُس کے اسلوب ظاہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا اس آیت میں ابواب سے وہ طریقے مراد ہیں جو ہر ایک کے حال مُناسب ہیں۔

قاعدہ وصال الٰہی کا بہترین طریقہ تقویٰ و ذکر اللہ ہے۔

قاعدہ کتب الٰہیہ اور انبیاء و رسل علیہم السلام کا تشریف لانا بھی رحمت و عنایت حق ہے جو بھی اُن کی اتباع کرتا ہے تو وہ جمیع عقبات سے نجات پا جاتا ہے بلکہ اس عالم دنیا کے گورکھ دھندوں سے محفوظ ہو کر عالم ملکوت اعلیٰ میں پہنچ جاتا ہے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

ترجمہ: جس کام کے لئے ہمت باندھ لی جائے اگر وہ کانٹا ہو تو گلدستہ ہوجائے گا۔

نسخہ تسخیر بلادِ ہند میں ایک ایسی قوم تھی کہ جب کوئی ارادہ کرتے تو لوگوں سے علیحدگی اختیار کرکے اس تصور میں لگ جاتے یہاں تک کہ جیسے وہ چاہتے ویسے ہوجاتا۔

حکایت حضرت سُلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بار دیارِ ہند کو فتح کرنے کے لئے غزنی سے ہند تشریف لائے۔ ہند میں ایک شہر کو فتح کرنے کی ٹھان لی لیکن جونہی اس کے لئے جنگ کا ارادہ کرتے بیماری میں مبتلا ہوجاتے۔ بار بار اس طرح ہوتا لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہاں ایک جماعت ہے کہ جیسے وہ تصور باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ سُلطان نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ انکے قرب میں طبل او نفیرنا وغیرہ وغیرہ بجوائیں تاکہ وہ تشویش میں پڑ کر تصور نہ باندھ سکیں۔ سُلطان نے ایسے کیا۔ اُدھر ان کے خیالات منتشر ہوئے اُدھر بادشاہ کو نصیب اور تندرستی ملی۔ پھر وہ شہر فتح ہوا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ ذکر بالجہر کے طبل بجائے تاکہ نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے منتشر ہوں۔ اس طرح قلب کا شہر نفس و شیطان کے پنجہ سے آزاد ہوگا۔ لیکن عنایت الٰہی ہر وقت شامل حال سمجھے۔

نماز کے بعد ذکر بالجہر کا ثبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جونہی نماز سے فراغت پاتے تو جہر سے پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

فائدہ حضرت ابوالنجیب سہروردی قدس سرہ نے فرمایا کہ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ الصادقات سے ذکر بالجہر مراد ہے۔

ذکر بالجہر کے فوائد

حضرت عمر نسفی اور امام واحدی رحمہما اللہ نے اپنی اپنی تفسیر میں لکھا کہ ذکر بھی فرائض میں سے ہے اور اور فرائض کو علی الاعلان کرنا محبوب ترین طریقہ ہے تاکہ لوگ بدگمان اور تہمت نہ لگائیں۔ ذکر بالجہر دل کو بیدار اور فکر کو بلند کرتا اور توجہ الی اللہ کو بڑھاتا اور نیند کو ہٹاتا اور سرور و فرحت لاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) یا دہانِ خویشتن را پاک کن
روح خود را چابک و چالاک کن

(۲) ذکر حق پاک است چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بیروں آید پلید

(۳) می گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں برفروزد ضیا

(۴) چوں در آید نام پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے اندہاں

ترجمہ: (۱) اے بندہ خدا اپنا منہ پاک بنا اور روح کو چست و چالاک بنا۔
(۲) اللہ کا ذکر پاک ہے جب پاکی پہنچتی ہے تو پلیدی وہاں سے چلی جاتی ہے۔
(۳) نقیض نقیض سے بھاگتی ہے۔ رات بھاگ جاتی ہے جب روشنی چمکتی ہے۔
(۴) جب پاک نام منہ میں آئے گا تو پلیدی اور گندگی بھاگ جائیں گی۔

فائدہ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ ذکر لفظی اور حفظ ظاہری کو بھی شامل ہے اگر ان سب میں سے عمدہ عمل ہے حضرت شیخ مفتی سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا کہ مراد از نزول قرآن سورت خوب کا حصول کرنا

(بقیہ ص ۱۸۶)

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ

اور اے محبوب ! یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور

اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج

انہیں خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں

شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾

ہم گواہ ہوئے سب گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ

یا کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد بچے ہوئے

بَعْدِهِمْ ج اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک فرمائے گا جو اہلِ باطل نے کیا اور ہم اسی طرح آیتیں

الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ

رنگ رنگ سے بیان کرتے ہیں اور اس لیئے کہ کہیں وہ پھر آئیں اور اے محبوب انہیں ان کا احوال سناؤ جسے

اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ

ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں

الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى

میں ہو گیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین

الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ج فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ

پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ

عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ط ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ

کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ج فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں

سَآءَ مَثَلَاِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

کیا بُری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اپنی ہی جان کا

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ

بُرا کرتے تھے جسے اللہ راہ دکھائے تو وہی راہ پر ہے اور جسے

يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ

گمراہ کرے تو وہی نقصان میں رہے اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے

كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا

پیدا کیے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ

اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں

بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ

اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۗ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

اور ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتائیں اور اس پر انصاف کریں

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسرائیل کے اسوقت کو یاد کیجئے جبکہ تیرے رب تعالٰی نے لیا۔ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ آدم علیہ السلام کی اولاد سے آدم علیہ السلام سمیت۔

سوال آیت میں صرف بنی آدم علیہ السلام کہاں سے نکال لیا؟

جواب عرف میں بنی آدم نور ... ان لشکر کو کہا جاتا ہے بنا بریں آدم علیہ السلام کا شامل ہونا اس عرفی معنے کے

اعتبار سے ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے اولاد کا سلسلہ جاری ہو حقیقۃً یا حکماً۔ حکماً سے یہ مراد ہے کہ اُن سے اولاد کا ہونا بالقوہ پایا جائے خواہ بالفعل موجود نہ ہو بوجہ کسی عارضہ اور سبب کے جیسے عقیم ہونا یا سرے سے شادی نہ کرنا یا بچپن میں مر جانا۔

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ یہ بنی آدم سے بدل ہے یعنی اُن کی پشتوں سے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ ہر انسان سے اصلابِ آباء میں عہد لیا گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب وہ ماں کے پیٹ میں منتقل نہ ہوئے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ اُن کی اولاد سے۔ یہ اخذ کا مفعول ہے یعنی ہر دور کی نسل سے اس کا یہ طریقہ کیا گیا کہ جس ترتیب سے پیدا ہوں گے اور جس طرح اُن کے زمانہ کی تربیت ہوگی اسی طرح انہیں ایک دوسرے سے نکال کر وعدہ لیا گیا جو سب سے آخر میں پیدا ہوگا **وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** ج اور اُن کو اپنے نفوس پر گواہ بنایا جنہیں پشتوں سے نکال کر ظاہر کیا گیا اُن سب کو صرف اپنے اپنے نفس کے لئے گواہ بنایا گیا دوسرے پر نہیں کہ سب نے اپنے طور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر کے اس پر مضبوط اور قائم رہنے کا وعدہ کیا اور معاہدہ ہوا کہ ہم عبودیت معبودِ حقیقی سے مخصوص کریں گے۔ اُس کے غیر کے لئے عبودیت کا حق نہیں سمجھیں گے اسی طرح معبودِ حقیقی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط کیا میں تمہارا نہیں ہوں۔ یہاں قائلاً محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن سے عہد لے کر فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط یعنی کیا میں تمہارا رب اور تمہارے جملہ اُمور کا مالک نہیں ہوں اور علی الاطلاق تربیت میرے قبضہ میں ہے کہ اس میں اور کسی کو دخل نہیں۔ کیا اسے تم مانتے ہو یا نہ۔

قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے مگر سوال یہ ہے گویا کسی نے کہا تو پھر اللہ تعالیٰ کو بندوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا۔ قَالُوْا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی **بَلٰى** ج **شَهِدْنَا** ج ہاں ہم اپنے نفوس پر گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو ہمارا رب کریم اور معبود برحق ہے تیرے سوا نہ کسی کو رب مانیں گے اور نہ معبود۔

فرق مابین بلیٰ و نعم بلیٰ نفی کے بعد واقع ہو کر اپنے مابعد کو مثبت بناتا ہے مثلاً یہاں پر اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ واقع ہوا ہے تو اُس کا مابعد مثبت یعنی بے شک اے رب کریم تو ہمارا رب ہے۔ اس نفی کے بعد اثبات کے اقرار سے ایمان ثابت ہوا اور نعم نفی کے بعد واقع ہو کر اس کی نفی کی تاکید کرتا ہے مثلاً اس

صفحہ ۱۸۳ سے آگے

ہے نہ کہ لکھی ہوئی سُورت کی ترتیل عامی پیدل چل کر منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے اور عالم بے عمل سواری (علم) کے باوجود اسیر عمل نہ کرنے سے سو گیا تو محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت وجہالت کی نیند سے بیداری بخشے اور ہمارے خاتمے احسن حال پر سرانجام ہوں۔

عبارت کو لیجیئے کہ اگر کوئی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد نعم کہہ دے تو اب معنےٰ ہوگا کہ بے شک اسے اللہ تعالیٰ تو ہمارا رب نہیں اس طرح کا اقرار سراسر کفر ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ایک خیالی اور تمثیلی امر ہے نہ کہ تحقیقی اور واقعی اسے اس شخص سے تمثیل دی گئی ہے جس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت پر آفاقی و انفسی دلائل موجود ہوں جنہیں وہ دیکھ کر اقرار و اعتراف کرے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت حق اور ثابت ہے ورنہ نہ کوئی اشہاد تھا نہ اخذ و عدا اور نہ ہی کوئی اور نہ درجواب۔ یہ صرف ایک خیالی اور تمثیلی مثال قائم کی گئی ہے اور ایسے تخیلات و تمثیلات عرب میں عموماً ہوتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث اور کلام بلغا میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے فرمایا فقال لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ اخذ و اشہاد کا مفعول لہٗ یعنی ہم نے یہ امور اس لئے طے کئے کیونکہ جب قیامت میں تمام معاملہ کھل کر سامنے آجائے گا اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا بے شک ہم تھے اس سے یعنی ربوبیت اور وحدانیت اور اس کے احکام سے غٰفِلِيْنَ ۙ بے خبر۔ اور ایسے غافل کہ ہم کسی دلیل سے متنبہ نہ ہو سکے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر معرفتِ حق انسان کا جبلی فطری امر ہے لیکن عوارض سے محجوب ہو کر یونہی معذوری پیش کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا اشہاد و اخذِ میثاق وغیرہ تمثیلی و تخیلی امر ہیں۔ ورنہ اگر حقیقی و وقوعی ہوتے تو یوں کہنا پڑے گا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر بے التفاتی اور نسیان طاری فرما دی ہے اس وجہ سے قیامت میں جواب دیں گے۔ اِنْ كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ یہ بات عبث اور بے فائدہ ہوئے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے شان کے خلاف ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی)۔

اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا یا تم کہو کہ بے شک ہمارے آباء نے شرک کیا۔ اس کا عطف اَنْ تَقُوْلُوْا پر ہے۔ یہ واؤ منع الخلو کے لئے ہے جمع کے لئے نہیں یعنی ہمارے آبا و اجداد نے شرک کو اختراع کیا اور وہ انہی کا گھڑا ہوا طریقہ تھا۔ ہم اُن کے تابع تھے۔ مِنْ قَبْلُ ہمارے زمانہ سے پہلے وَكُنَّا اور ہم تھے ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اُن کی اولاد اُن کے بعد ہمیں کسی قسم کی خبر نہیں تھی اور نہ ہی ہم حق و باطل کی تمیز کر سکتے تھے اَفَتُهْلِكُنَا کیا پس تو ہمارا مواخذہ کر کے ہمیں تباہ و برباد نہ کیجئے۔ بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ اس کی وجہ سے جو گمراہ کن لوگوں نے کیا۔ اگرچہ وہ ہمارے آباء و اجداد تھے یہ اس وقت کہیں گے جب اُن کے آباء اجداد کی گمراہی ظاہر ہو جائے گی اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ واقعی مجرم ہیں تو معذرت کرتے ہوئے عرض کریں گے ہم تدبیر اور معاملہ اور فہم و ادراک سے بالکل عاجز تھے۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ تم بڑی استعداد کے مالک تھے اب تمہارا یہ عذر نا معقول۔ وہ غیر قابل قبول ہے اس لئے کہ دلائل و براہین قائم ہونے کے بعد ان سے استدلال کی قوت و طاقت کے باوجود عذر غیر مسموع ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ الآیۃ اشارہ اس اشارہ مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے اور یہ محلاً منصوب اور مفعول مطلق ہے یعنی تفصیل بیع جو بہت منافع کی جامع ہے کی طرح ۔ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ہم واضح طور آیات بیان کرتے ہیں ۔ اس سے مذکورہ آیات مُراد ہیں نہ کوئی اور وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ تاکہ جو لوگ گناہوں میں منہمک ہیں یا آباء کی تقلیدِ باطل میں گرفتار ہیں اور دیگر خرابیوں سے روگردانی کر لیں ۔ ہم اس لئے ان کو واضح دلائل و براہین دکھاتے ہیں اس معنے پر اس جملہ کی دونوں واؤیں ابتدائی ہیں یا دوسری واؤ عاطفہ ہے جس کا معطوف علیہ مقدر ہے اور اُس کا ترتب تفصیل مذکور پر ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہم آیات کو مفصل طور اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان آیات کو ملاحظہ کریں اور اُن کے ترغیب دہندہ اُمور اور بھڑکنے والی باتوں پر غور کر کے برائیوں سے رُک جائیں ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اُمور یعنی اشہاد و اخذ میثاق وغیرہ خیالی یا تمثیلی نہیں بلکہ حقیقی اور وقوعی ہیں۔

ارواح سے اخذ میثاق حقیقی تھا نہ کہ خیالی و تمثیلی اور اس کے دلائل

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اُن کی پیٹھ پر رحمت کا ہاتھ پھیر کر اُن سے ہر پیدا ہونے والی روح کو ظاہر کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو انہوں نے جواب دیا بَلٰی اسی وقت "جف القلم" کا اعلان ہوا۔ یعنی اب کے بعد کسی کو اقرار و انکار فائدہ نہ دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ مذکورہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا جبکہ آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم پیدا فرما کر ان کی پیٹھ مبارک پر سیدھا دستِ (قدرت) پھیرا اور اُس سے کی بعض اولاد کی روحیں باہر نکالیں اور فرمایا ان کو بہشت کے لئے پیدا فرمایا۔ اُن کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل بہشت کے عمل (نیک) کریں گے پھر بایاں دست (قدرت) پھیر کر بقایا رُوحیں نکالیں اور فرمایا ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اُن کی علامت یہ ہے کہ وہ دوزخیوں کے بُرے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر عمل کی جدوجہد کا کیا فائدہ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس بندے کو بہشت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اُس سے بہشت کے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور جسے دوزخ کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اُس سے دوزخ کے اعمال کی عادت ہو جاتی ہے ہر دونوں کی یہی کیفیت موت تک ہوتی ہے کہ مرتے وقت اگر بہشتیوں کے اعمال کا عادی ہے تو مرتے ہی اُسے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرماتا ہے اگر مرتے وقت اس سے دوزخیوں کے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ میں داخل کرے گا ۔

فائدہ اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تمام ارواح بالذات آدم علیہ السلام سے نکالے بلکہ اس طرح ہوا کہ پہلے اُن کی پُشت مبارک سے وہ نکالے جو اُن سے بلا واسطہ پیدا ہونگے پھران ارواح کو جتنے پیدا ہوں گے۔ اسی طرح تا قیامت کے سلسلہ کی ترتیب یہی ۔

سوال آیت تو مطلق ہے تم نے اپنی طرف اسے کیسے مقید کر لیا ؟

جواب چونکہ آیت میں سلسلہ کی ترتیب کا بیان مطلوب نہیں اس لئے وسائط مذکورہ کی تصریح نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت حدیث شریف میں بھی اجمالی طور ذکر کیا گیا ہے۔ آیت و حدیث شریف میں اصلی مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے دور کے کافروں پر حجت قائم کی جائے کہ تمہارا یہ عذر غیر مفید ہوگا کہ ہم آبا ؤ اجداد کے مقلد رہے ہیں ذاتی طور رب تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت کا اعتراف کر چکے ہو کہ تمہاری روحیں اصلابِ آبا سے نکالی گئیں اور تم نے خود سوال اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ کے جواب میں بلیٰ کہا تھا۔ پھر اب تمہارا عذر نا معقول ہے جو کہتے ہو اِنَّمَآ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ الخ مطلوب مذکورہ کے پیشِ نظر وسائط کی ضرورت نہیں تھی ورنہ اخراج ارواح کا سلسلہ وار تھا جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے (کذا فی الارشاد)

سوال تفسیر حدادی میں ہے کہ کفار پر میثاق کی باتیں کیسے حجت بن سکتی ہیں۔ جب انہیں یاد ہی نہیں (جیسے کہ ہمیں یاد نہیں) کہ واقعی انہیں اصلاب آدم علیہ السلام سے سلسلہ وار اُن کے آباء کی سے نکال کر سوال و جواب کیا گیا تھا ؟

جواب حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے انہیں دلائل و براہین قائم کر کے تمام باتیں واضح طور پر بتائیں جن کے سامنے انہیں سوائے ماننے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ صرف ہٹ دھرمی اور ضد سے منکر رہے ہے۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تذکیر اُن کے لئے حجت کافی ہے اس وجہ سے پھر قیامت میں انکا عذر غیر مسموع ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے ایک رکعت چھوڑ جاتا ہے اور اُس سے نسیان کی وجہ سے ایک وہ رکعت متروک ہوئی اب فراغت کے بعد معتبر اور ثقہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نے ایک رکعت چھوڑ دی۔ ان لوگوں کی بات اس پر حجت ہوگی کہ اگر نماز کا اعادہ نہ کرے گا تو مجرم ہوگا۔ اگرچہ خود کو اسے یاد نہیں اور یاد کرنے پر زور لگاتا ہے تب بھی یاد نہیں پڑتا۔ تو اب اس کا غیر مسموع ہے کہ مجھے خود کو یاد نہیں آتا۔ جب لوگوں نے تجھے بتا دیا تو اب انکار کیسا۔ ایسے کفار کو کہا جائیگا کہ تمہیں حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے یاد دلایا تھا تو اب تمہیں انکار کیوں ؟

فیصلہ کن تقریر بعض مفسرین نے اس میثاق وغیرہ کو خیالی اور تمثیلی سے تعبیر کیا۔ لیکن حضرت ابوالسعود مفسر قرآن نے فرمایا کہ یہ حقیقی اور وقوعی معاملہ تھا۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور وہ جو بعض مفسرین نے اَنۡ تَقُوۡلُوۡا الخ کو شَهِدۡهُمۡ الخ کا مفعول قرار دیا ہے اور کہا کہ اگر یہ حقیقی میثاق ہوتا تو معنیٰ فاسد ہوگا چنانچہ اُن کی تقریر پہلے گذر چکی ہے۔ اُن کا یہ قول بھی غلط ہے اس لئے کہ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا الخ فعل مقدر کا مفعول ہے جیسے کلام کا سیاق و سباق بتاتا ہے۔ اب معنیٰ اس فعل مضمر کے مطابق یہی ہوگا " ہم نے ان سے کیا جو کرنا تھا کہ میثاق لیا ارواح کو ظاہر کر کے انہیں اپنے نفوس پر گواہ بنایا تاکہ قیامت میں اے کافرو یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس میثاق سے بے

خبر تھے۔ اس سے ہم دنیا میں متنبہ نہیں ہو سکے ورنہ ہم نیک عمل کرتے۔

فائدہ کاشفی صاحب نے فرمایا کہ یہی آیت الست کے عہد کا مرکز ہے تاکہ بے خبر کو متنبہ کرے ورنہ ہوشمند اور بیدار دل حضرات اس روز کے سوال و جواب سے غافل نہیں۔ ؎

ندائے الست ہمچناں شان بگوش

بفریاد قالوا بلیٰ خروش

ترجمہ: الست کی ندا تا حال ان کے کانوں میں گونج رہی ہے اسی لئے وہ ابھی قالوا بلیٰ کی فریاد کر رہے ہیں۔

حکایت مست الست نفحات میں مذکور ہے کہ حضرت علی سہل اصفہانی سے سوال ہوا کہ الست کے دن کی کوئی بات آپ کو یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دن بھی کوئی بھولنے کا ہے اس لئے کہ وہ تو میرے لئے کل کی بات محسوس ہوتی ہے۔

فائدہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ انصاری نے فرمایا یہ جواب ابھی ناقص ہے اس لئے کہ صوفی کو شب و روز سے کیا مطلب صوفی تو تا حال اسی الست کی گھڑی میں ہے ؎

(۱) روز امروز است اے صوفی وشان

کے بود از دی و فردا نشان

(۲) آنکہ از حق نیست غافل یک نفس

ماضی و مستقبل و حالست و بس

ترجمہ (۱) صوفیوں کا ہر روز امروز (الیوم) ہے ان کے ہاں تو آج اور کل کا کوئی نشان نہیں۔

(۲) جو حق سے لحہ بھر غافل نہیں اس لئے ماضی و مستقبل و حال یکساں ہیں۔

حکایت بادہ خوار اَلَسْتُ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی الست کی گھڑی یاد ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں وہی آواز میرے کانوں میں تا حال گونج رہی ہے۔

اَلَسْتُ کی صوفیانہ تحقیق بعض کاملین کی ارواح کو اس مزاج جزی عنصری کے تعین سے پہلے علمی اوصاف حال ہوتے ہیں یعنی یہی عنصری مزاج جو مرتبہ عین اور خارج میں ہے اس سے بھی پہلے وہ باخبر ہوتے ہیں اور یہ مرتبہ عینی خارجی از جہتہ کلیہ روحانیہ مرتبہ نفس کلی مراد ہے جو نفس تعین روح الہٰی اعلیٰ سے متعلق تھا پس روح کلی وصفاً ہو یا ذاتاً کاملین کی ارواح کے لئے مراتب و عوالم میں ایک مرتبہ اور ایک عالم متعین ہوتا ہے اور ان کاملین کے ارواح پر نزول و ہبوط کے وقت وہ عوالم و مراتب گذرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا نزول مرتبہ حس ظاہری اور عالم مزاج عنصری پر ہوا۔ ان کا اس نشاۃ عنصریہ سے متصل ہونے ر.ی ایک تعین ہے اس تعین میں بھی اس کا حکم روح اصلی کے مقتضٰی پر ہوتا ہے یعنی جیسے اس عالم و مرتبہ میں اس کا مقتضٰی تھا اس تعین میں بھی اس کا وہی تقاضا ہے پھر اس تعین میں کہ اب نشاۃ عنصریہ سے متصل ہوا روح اصلی الہٰی ہے جتنا اللہ چاہتا ہے

اُسے اپنے علوم سے باخبر فرماتا ہے ۔جسے مذکورہ تحقیق ذہن نشین ہوگئی وَكُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ کے راز سے واقف ہو جائے گا ۔ اور اُسے حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا جواب کا حال منکشف ہو جائے گا ۔ اس سے تحقیق مطلوب ہو تو" مفتاح الغیب " مصنفہ حضرت صدرالدین قونوی کا مطالعہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں چند اشارات ہیں ۔

① موجود کا اخذ موجود سے یہ مخلوق کے حق میں ہے ۔

② معدوم کا اخذ عدم سے مثلاً فرمایا خلقتك من قبل ولم تك شيئا ۔

③ معدوم کا اخذ معدوم سے کما قال تعالےٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ ظُهُوْرِهِمْ ۔

اس وقت بنو آدم معدوم تھے اور ان کا ظہور بھی معدوم تھا اور ذریات بھی معدوم تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے ذریات معدوم الیٰ یوم یوم القیمۃ اور اُن کے ظہور معدوم اور بنو آدم معدوم سے اس طور وعدہ لیا کہ ان معدومین کو اس حالت مخصوصہ میں پیدا فرما کر انہیں اس حال کے مناسب ایک مخصوص وجود بخش کر اُن سے الست کا خطاب فرمایا ہے ۔

عالم میثاق میں ارواح کی تقسیم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے اُن کی اولاد کے ذرّات نکال کر اُن کی پشتوں سے اُن کی ذریات اور قیامت تک آنے والی ارواح (جس ذرّات میں امانت رکھے گئے تھے) کو ظاہر کیا تو اُس وقت وہ تین گروہ تھے ۔

① صف اوّل میں سابقین کی ارواح ۔

② اصحاب میمنہ ۔

③ اصحاب مشئمہ ۔

فائدہ وہ ذرات ارواح کے انوار سے چمک اُٹھے انہیں ذرّات موجودہ نے وجود ربانی سے لباس روحانی پہنایا ۔ اسی طرح ان کے کانوں اور آنکھوں اور قلوب کو روحانی لباس پہنایا گیا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خطاب فرمایا ۔ سابقین کی ارواح نے سمع نورانی در وحانی سے حقتعالیٰ کا خطاب سنا اور نورانی آنکھوں سے ذاتِ حق کے جمال کا مشاہدہ فرمایا ۔ اور روحانی نورانی ربانی قلوب میں نُورِ محبت کے ساتھ ذاتِ حق کے دیدار کا عشق پیدا کیا ۔ محبت بھرے انداز میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خطاب کے جواب میں عرض کی ۔ بے شک اے رب کریم تو ہمارا محبوب و معبود ہے ۔ ہم نے تیری محبوبیت و معبودیت کا مشاہدہ کر لیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ لیا کہ سوائے میرے نہ کسی سے محبت کرنا اور نہ کسی کی عبادت کرنا اُس کے بعد اصحابِ میمنہ کی باری آئی تو انہوں نے خطاب حق کو سمع روحانی سے سنا اور اُس کے جلال کا ابصارِ روحانیہ سے مطالعہ کیا ۔ قلوبِ ربانیہ الٰہیہ کے ساتھ ایمان لا کر عبودیت کے رنگ میں عرض کی کہ اے رب کریم ہم نے مانا کہ تو ہمارا معبود ہے ۔ ہم نے تیرا خطاب سُن لیا اور پورا یقین کر لیا ۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ۔ اس کے بعد اصحاب مشئمہ کی نوبت آئی انہوں نے بھی خطاب حق کو سمع روحانی سے سنا لیکن ان کے آگے عزت کا حجاب تھا اور ان کے کانوں میں عزت الٰہی کا بوجھ رکھا گیا اور اُن کی آنکھوں پر شقاوۃ کی پٹی باندھی گئی اور اُن کے دلوں پر محنت کی مہر لگائی جس کی وجہ سے نہایت تکلف سے جواب دیا کہ یا اللہ

ہم نے مانا کہ تو ہمارا رب ہے لیکن ہم مجبور ہو کر کہہ رہے ہیں لیکن دل نہیں مانتا اللہ تعالیٰ نے اُن سے عبودیت کا وعدہ لیا۔ اس اعتبار سے مخلوق کئی قسم ہے۔ کوئی کافر ہیں اور کوئی مؤمن اس لئے جس طرح میثاق میں روحانی استعداد تھی وہی نصیب ہوا۔ اسے پُورے طور سمجھ لو کیا بہترین مضمون ہے۔

دیگر صوفیانہ تقریر ہم جانتے ہیں کہ عدم میں اپنی مخلوق سے اللہ تعالیٰ نے صرف انسان سے کلام فرمایا باقی کسی کو ایسا شرف نہ ملا۔ انسان ابھی معدوم تھا تو اس سے روز میثاق میں ہمکلامی کا شرف بخشا گیا پھر اس انسان کا خاصہ ہے کہ معدوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب دیا۔ یہ بھی اس کریم کی مہربانی ہے کہ وجود کے بغیر ہی انسان کو جود وکرم ہی سے نواز رہا ہے۔

نکتہ اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کی ابتداً یہی ہے تو انتہا بھی یہی ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ انسان ایسی محویت پیدا کرے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی سمع وبصر اور زبان ہو جائے چنانچہ حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا کنت لہ سمعًا وبصرًا ولسانا فبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق یعنی میں بندے کی سمع وبصر اور زبان ہوتا ہوں کہ وہ مجھ سے سنتا دیکھتا اور بولتا ہے۔ اس طرف حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ سالک منتہی کب ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا جب وہ ہدایت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی معدوم محض ہو کر محویت کلی حاصل کرنے سے سالک منتہی بنتا ہے اور یہی عدم انسان کی ہدایت (ابتدا) ہے۔

نتیجہ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مذہب اہل حق کا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور بات حق بھی یہی ہے اور جسے روحانیت کا غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ اُسے یہ بات معمولی اور آسان معلوم ہوتی ہے کہ محویت کا حصول کچھ مشکل نہیں۔ بخلاف اہل ظواہر اور معتزلہ[1] کے کہ وہ اس طریقہ کے منکر ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اخذ میثاق بصورت مذکورہ محال ہے اس لئے کہ یہی ظاہری جسمانیت حیات اور عقل وادراک کے لئے شرط ہے اور جن ذرات کے متعلق تم کہتے ہو کہ انہیں ظہور بنی آدم سے باہر نکالا گیا ان میں نہ تو شعور تھا اور نہ فہم و ادراک اور یہ اُمور تو انہیں اس وقت نصیب ہوئے جب انہیں گوشت پوست اور خون وغیرہ میسر آیا اور ظاہر ہے کہ گوشت پوست وغیرہ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہو کر قیامت تک تدریجاً ہر ایک کو حاصل ہوا اور ہوتا ہے اور ہوگا۔ اور یہ اُمور عرصۂ دنیا کے ہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ یہی اشخاص صُلب آدم میں موجود تھے پھر یک وقت انہیں وہاں سے نکالا گیا۔

معتزلہ اور اہل ظواہر کا رد سابقہ مضامین اُن کے مذکورہ بالا غلط استدلال کا رد ہو چکا ہے لیکن ان بے وقوفوں کو کون سمجھائے کہ قادر قدیر کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں۔ یہ تو معمولی اجساد و اشخاص کا معاملہ ہے اگر وہ کریم چودہ طبقات آسمان وزمین کے علاوہ تمام پہاڑ اور اشجار اور تمام دریا و دیگر

---

[1] یہی بات آج کل کے معتزلہ وہابی غیر مقلد اور اُن کے بیٹی بند بھائی دیو بندی کہتے ہیں۔

اشیاء ایک انڈے میں سمو دیئے اور انڈے میں نقص بھی نہ آئے تو وہ قادر ہے۔ سرسری طور ان عقل کے اندھوں سے پوچھا جائے تو بلا تامل اور بے دھڑک کہہ دیں گے کہ یہ تو ناممکن ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

سبق طالب حق پر لازم ہے کہ وہ الست کے عہد کو ہر وقت خیال میں رکھے پھر وہ بھید اور اسرار کھلیں گے کہ جنہیں مشاہدہ کر کے حیران ہوگا۔ اور وہ غیبی خزانے ایسے کھل کر سامنے آجائیں گے جیسے سورج چمک رہا ہے یہ دل کے سودے ہیں جو عمل کرتا ہے۔ اس لئے صورۃ و معنے اور ظہور و خفا ایک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے (آمین)

وَاتْلُ اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ سنایئے **عَلَیْهِمْ** یہودیوں کو **نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا** اس کے بلند مرتبہ اور عالیشان کا حال کہ ہم نے اپنی آیات عنایت فرمائیں۔

سوال تم نے نبا کا معنے بلند مرتبہ اور عالیشان کا کہاں سے نکال لیا؟

جواب نبأ کا استعمال امر عظیم کے لئے ہوتا ہے اس لئے ہم نے ترجمہ میں اسی استعمال کی بناء پر معنے مذکور کیا ہے آتینا آیاتنا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اسے اپنی الوہیت و وحدانیت کے دلائل سکھلائے اور سمجھائے۔

فائدہ اس شخص کے بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں یہاں مقام و حال کی مناسبت سے کہ یہودیوں کو زجر و توبیخ کرنا مطلوب ہے اس لئے بنی اسرائیل کا کوئی عالم مراد ہے۔ (کذا فی الارشاد)۔

یا اس سے بلعم باعورا مراد ہے (کذا فی منہاج العابدین للامام غزالی قدس سرہٗ۔

سوال مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ کنعانین اور جبارین سے تھا۔ امام غزالی قدس سرہٗ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھا؟

جواب انسان ہمیشہ منشا و مولد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی ولادت اور نشو و نما وہاں ہوئی تھی اس لئے اُن کی طرف منسوب ہوتا تھا۔

بلعم باعورا کا تفصیلی واقعہ حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کسی شہر میں ایک عابد رہتا تھا۔ اس شہر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حملہ کرنے کا ارادہ ہوا اس لئے کہ اس شہر کے مکین کافر تھے اور بلعم باعورا کو اسم اعظم معلوم تھا۔ اس شہر کے بادشاہ نے استدعا کی کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی اہل ایمان کے لئے بددعا کیجئے تاکہ وہ ہمارے شہر پر حملہ نہ کر سکیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میرا اور اُن کا ایک دین ہے اور اپنے دین والے کے تباہی کے لئے بددعا کرنا میرے لئے لائق نہیں۔ علاوہ ازیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اُن کے ساتھ مدد کے لئے فرشتے اور اہل ایمان ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُن کے لئے بددعا کروں گا تو نہ دنیا کا رہوں گا اور نہ دین کا اور آخرت بھی برباد۔ بادشاہ اور اس کے حوارین نے اسے مال اور جاہ و جلال کی بڑی پیش کش کی اور بہت سے ہدایا و تحائف بھی پیش کئے یہاں تک کہ اُس کے ورغلانے میں کامیاب ہوگئے

بعض روایات میں ہے کہ اسے اپنی عورت سے بڑی محبت تھی اس لئے اس کا مطیع و فرمانبردار رہتا تھا اس کے شہر کے لوگوں نے بہت بڑے تحفے اور مال و دولت جمع کر کے اس کی عورت کے سامنے رکھدیئے۔ لالچ میں آکر اُس نے اُن ہدایا و تحائف کو قبول کر لیا۔ قوم نے کہا کہ ہم بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں جسے تم دیکھ رہی ہو براہِ مہربانی بلعم باعورا کو سفارش کریں تاکہ وہ ہمارے دُکھ درد کا مداوا کریں۔ بلعم کو اس کی بیوی نے کہا دیکھئے قوم کے ہمارے اُوپر بہت بڑے احسانات ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کے حقوق ہمسائیگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اُن کی مدد کریں اور آپ تو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں ہمسائیگان کے دُکھ درد کے وقت مدد کرنا ہمارا دینی اور اخلاقی فرض ہے اور وہ اس سے قبل آپ کے ساتھ احسان و مروّت سے پیش آتے رہے اور آپ احسان کا بدلہ احسان کے ضابطہ کو بھی جانتے ہیں اور پھر آپ میں اُن کی مشکلکشائی کی صلاحیت و اہلیت بھی ہے۔ بلعم باعورا نے جواب دیا کہ چونکہ یہ حکم خدائی ہے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی تو مجھے مجبور کر سکتی ہے۔ اگر شرعی مجبوری مجبوری نہ ہوتی تو میں اُن کی ضرور مدد کرتا لیکن عورت بضد ہو گئی اور بالآخر منوا ہی لیا۔ بلعم باعورا گدھی پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف چل دیا تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددُعا کرے۔ گدھی تھوڑی دیر چل کر گر پڑی۔ بلعم باعورا کو غصہ آیا نیچے اُتر کر بے چاری کو خوب مارا۔ یہاں تک کہ گدھی کی جان لبوں پر آگئی مجبوری کھڑی ہوئی اس پر پھر سوار ہوا مگر وہ تھوڑی دُور چل کر پھر گر پڑی۔ پھر بلعم باعورا نے اُسے مارا۔ اللہ تعالیٰ نے گدھی کو بولنے کی طاقت دی بلعم باعورا کو کہا اے بدبخت! ذرا سوچ تو کہاں جا رہا ہے دیکھ میرے آگے فرشتے ہیں جو مجھے وہاں جانے سے روکتے ہیں۔ میں وہاں کیسے جاؤں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددُعا کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور پھر اُن کے ساتھ اہل ایمان ہیں۔ بلعم باعورا نے گدھی کو چھوڑ کر پیدل چلنا شروع کیا اور پہاڑ پر جا کر دعا مانگنی شروع کی جب وہ موسیٰ علیہ السلام اور اہل ایمان کے لئے بددُعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اُس کی زبان پھیر کر اُس کی اپنی قوم کا نام زبان پر جاری کرا دیتا۔ اگر دعائے خیر کرتا اللہ تعالیٰ اُس کی زبان پر موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کا نام جاری کرا دیتا قوم نے کہا یہ کیا کر رہے ہو بددُعا ہمیں کرتے ہو اور دعائے خیر موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لئے اس نے جواب دیا یہ میرے بس کی بات نہیں بخدا میری زبان اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے اس کے بعد اس کی زبان بڑھتی ہوئی سینہ پر لڑھک گئی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا اب مجھ سے دنیا بھی گئی اور دین بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔ اُس نے کہا کہ اب میرے اندر جو جوہر تھا وہ چھن گیا۔ اب سوائے حیلہ اور مکرو فریب کے کوئی چارہ گر نہیں ہو سکتا۔ اب یوں کرو کہ اپنی عورتوں کو سنگار کر کے بنی اسرائیل میں بھیج دو اور انہیں کہہ دو کہ ان کے ساتھ بنی اسرائیل جس طرح کریں اُن کا حکم مانیں۔ اگر اُن پر تمہاری عورتوں کا جادو چل گیا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حسین و جمیل عورتوں کو سنگار کر کے بنی اسرائیل کے ہاں بھیج دیا ان میں سے ایک نہایت حسین و جمیلہ عورت کا ایک بنی اسرائیل کے ہاں سے گذر ہوا اُس نے اُسے پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاں کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ کا تو فتویٰ ہے کہ یہ عورت میرے لئے حرام ہے لیکن اب بات میرے بس کی نہیں رہی

فلہذا اب میں اسے لئے جارہا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے حجرے میں جا کر اس سے زنا کیا اس کی اس نحوست سے بنی اسرائیل پر طاعون پھوٹ پڑا۔ حضرت فخاص بن الغیرار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشیر کار تھے۔ وہ اس موقعہ پر موجود نہیں تھے۔ واپس لوٹے۔ حالات پوچھے تو ایک بدبخت کی نحوست سے بنی اسرائیل پر یہ مصیبت ہے وہ اپنا خنجر جو لوہے کا تھا لے کر اسی بدبخت کے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ دونوں بدبخت جرم میں مبتلا ہیں انہوں نے انہیں خنجر کا وار کیا۔ اُن کے حملہ سے دونوں ان کے خنجر میں پھنس گئے۔ آپ نے دونوں کو خنجر میں لے کر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اور کہا یا اللہ تعالیٰ ہم یہی سزا دیں گے جو ایسے جُرم میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے طاعون کو فوراً اٹھا لیا اس طرح سے بقایا بنی اسرائیل طاعون کی زد سے بچ گئے اور جو اس وبا میں ہلاک ہوئے اُن کی تعداد ستر ہزار تھی جو زنا کی گھڑی سے لے کر اس کے جرم کی سزا کے درمیان میں مرے تھے وہ ستر ہزار تھے اُس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام یا اُن کے جانشین حضرت یوشع بن نونؑ نے اس شہر کے لوگوں سے جنگ کی۔ اُن پر غلبہ پایا بعض کو قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا۔ ان قیدیوں میں بلعم باعورا بھی نکلا جسے بعد کو قتل کیا گیا۔ اُسے جو مال و دولت قوم سے ہدایا و تحائف کے طور ملا وہ بھی لایا گیا۔ جسے مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔

فَانْسَلَخَ مِنْهَا پس وہ ان آیات سے صاف نکل گیا جیسے بکری اور سانپ سے کھال اُتر جاتی ہے اور اُسے اپنی بدانجامی کا دل میں خیال تک نہ ہوا۔ **فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ** پس اُس کے پیچھے شیطان لگا۔ اتبع اور تبع اردف اور ردف کے ہم معنیٰ ہیں اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ شیطان اس کے گمراہ کرنے کے درپے رہا اور وہ ایمان و طاعت کی وجہ سے اس کے قابو میں نہیں آتا تھا لیکن جب اُس کی شومئی قسمت کہ اُس نے آیات کو چھوڑا تو شیطان کو اُس کے گمراہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔

فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ہ گمراہوں میں سے یعنی منجملہ گمراہوں کے جو کہ گمراہی میں راسخ ہوتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے تھا۔

فائدہ الغی کبھی بمعنیٰ ہلاک اور کبھی بمعنیٰ خیبۃ آتا ہے۔ قاموس میں ہے غوّی بمعنیٰ ضَلَّ (گمراہ ہوا)۔

ولی اللہ اور عرش معلّٰی حضرت امام غزالی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا کہ بلعم باعورا اتنا بلند مرتبہ تھا کہ میں پر بیٹھ کر عرشِ معلّٰی کو دیکھ لیتا لیکن جونہی تھوڑا سا دنیا کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ کو غیرت آئی کہ اس نے ولایت کو دھبہ لگایا تو اس کی ولایت چھین لی۔ اس کا ایک وقت تھا کہ اس کے ملفوظات لکھنے والے بیک وقت بارہ ہزار قلم دوات لئے پیچھے بیٹھے رہتے کہ اس کے علم و حکمت کے جوہر و موتی جمع کرلیں لیکن جب مردود ہوا تو منحوس نے خود ایک کتاب لکھی کہ جہان کا کوئی صانع نہیں کمیونسٹ (دہری) ہوگیا۔ نعوذ باللہ من سخطہ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ کرسکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلا مصنف یہی بلعم باعورا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے اہل حق عبرت پکڑیں کہ وہ قادر مطلق کیسا بے پرواہ ہے فلہذا کتنے بہت بڑے بلند مقامات طے ہو جائیں یہاں تک کہ پیغمبروں کے درجات سے فائز ہو یا آئمہ اور صحابہ کے مقامات حاصل کرے اور تابعین اور مشائخ کاملین کا رتبہ پالے تب بھی خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر سے ڈرتا ہے اور اپنے اوپر دنیوی عیش و عشرت کا دروازہ نہ کھولے نہ کھانے میں نہ پینے میں نہ لباس میں نہ نکاح کے معاملات میں اور نہ مکانات وغیرہ۔ اس لئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کے لئے عالم غیب میں کئی طرح کے احسانات و احسانات رکھے ہیں کہ نہ کسی نے آنکھ سے دیکھے ہیں نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی دل پر اُن کا تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اُن کے لئے بلائیں اور مصائب و تکالیف پوشیدہ ہیں۔ کامل عارف بلکہ واصل منتہی پر لازم ہے کہ دنیا کے عیش و عشرت کی طرف جھکاؤ کر کے اللہ تعالیٰ کی اُن کی بلاؤں اور مصیبتوں کو دعوت نہ دے۔ ہر حال میں خواہشات نفسانیہ اور تلذذات دنیویہ سے بچتا رہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ نامعلوم بادِ تقدیر کھلتے ہی کیا گل کھلاتی ہے اگر فضل و کرم لائے تو بہرام جیسے کافر سے زنا اتروا کر دین حق کا شیدائی بنا دے۔ اگر عدل کا ترازو لے کر آئے تو بلعم باعورا جیسے ولی کامل سے ایمان بلکہ شرافت انسانی چھین کر کتوں کے ہم پلہ بنا دے۔

① آنرا بری از صومعہ بر دیر گبراں افگنی
دین را کشی از تبکدہ سر حلقہ مرداں کنی

② چوں و چرا در کار تو عقل زبونرا کے رسد
فرمان دہ مطلق توئی حکمیکہ خواں آں کنی

ترجمہ: ① اسے صومعہ (عبادت گاہ) سے اٹھا کر کافروں کے بتکدہ میں پھینکتا ہے اسے تبکدہ سے نکال کر مردانِ خدا کا سرخیل بناتا ہے۔

② کسی کی عقل کو چوں و چرا کی طاقت ہے مطلق فرمان دینے والا تو ہی تو جیسے چاہے حکم فرماتا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَوْ شِئْنَا اور اگر ہم کسی کو بلند قدر بنانا چاہیں۔ لَرَفَعْنٰهُ تو ہم اُسے اولیاء ابرار کے مراتب عنایت فرما دیں۔ بِهَا انہیں آیات اور اُن پر مداومت کرنے کے سبب سے۔

فائدہ مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات سے صحف ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں جنہیں بلعم باعورا نے پڑھا تھا یا وہ کلمات مراد ہیں جو اسم اعظم پر مشتمل تھے۔

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لیکن وہ زمین کو چمٹ گیا۔ یعنی دنیا کی طرف جھکا تو ہم نے اُس کے مراتب بلند نہ کئے اس لئے کہ اس نے بلندی درجات و مراتب کے خلاف ارتکاب کیا۔

فائدہ الاخلاد الی الارض سے آیات پر غور و فکر کے مداومت اور اُن کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنے سے روگردانی کرنا مراد ہے اور معانی کا قاعدہ ہے کہ الکنایۃ ابلغ من التصریح یعنی کلام میں کنایہ تصریح سے زیادہ

بلیغ ہوتا ہے۔
وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور دنیا کو مرغوب بنا کر اور اسے پسند کر کے خواہش نفسانی کے تابع ہوا اس وجہ سے گرا تو سر کے بل اور بہت زیادہ گرا اور مرتد ہو کر بہت ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا فَمَثَلُهٗ پس رذیل وخسیس ہونے میں اس کی مثال۔
فائدہ لفظ مثل مشترک ہے مابین صفت وکہاوت کے لیکن یہاں پر بمعنے صفت ہے (کذا فی البحر)۔
كَمَثَلِ الْكَلْبِ کتے کی طرح یعنی اس کے خسیس ترین احوال میں سے اس کا ایک حال کتے کی طرح تھا۔
اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ اگر اس پر حملہ کرو اور اسے ہٹاؤ۔
فائدہ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو خطاب کے لائق ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ کسی کی شناعت اور خرابی کی اشاعت اس طریق سے ابلغ ہوتی ہے۔
يَلْهَثْ ہانپے۔ اللہث بمعنے سخت سانس کھینچ کر زبان کو باہر نکالنا اَوْ تَتْرُكْهُ یا اُسے چھوڑ دو تو بھی ہانپے۔ گویا اُس کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے اسے جھڑکیاں دے کر بھگایا جائے یا رہنے دیا جائے وہ اپنی مذکورہ حالت کو نہیں چھوڑتا۔ اس لئے کہ اپنی قلبی ضعف کی وجہ سے نہ گرم ہوا کہ ہٹا سکتا ہے اور نہ ٹھنڈی ہوا کو کھینچ سکتا ہے بنابریں وہ مجبوراً لمبے لمبے سانس کھینچتا ہے بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ وہ لمبے لمبے سانس کھینچنے کے محتاج نہیں اور نہ انہیں ضرورت ہوتی ہے ہاں تھکان اور دوسری تکالیف کے وقت وہ ایسا کر لیتے ہیں پس جیسے کتا ہمیشہ زبان نکال کر سانس کھینچتا ہے اور تنگی میں رہتا ہے اسی طرح اس کافر کا حال ہے کہ اُسے نصیحت کرو اور غلطی سے روکو تو نہ وہ اپنی غلطی سے ہٹتا ہے اور نہ نصیحت قبول کرتا ہے اگر اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو تب بھی ہدایت نہیں پاتا اور اُسے اپنی اس غلطی کا احساس تک بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ خساست و رذالت اور کمینگی کی حد تک پہنچنے کی جدوجہد کرتا ہے۔
دنیا کی مذمت غور کیجئے دنیا کس طرح ذلیل وخوار کرتی ہے بالخصوص علماء[1] کے لئے تو زہر قاتل ہے۔
حدیث شریف جو علمی پرواز تو بلند رکھتا ہے لیکن اس سے ہدایت نہیں پاتا تو اللہ تعالیٰ سے بھی اُسے بُعد اور دوری نصیب ہوگی۔
نکات جو شخص نعمت پر شکر نہیں کرتا اسے ناشکرا کہا جاتا ہے پھر اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ جیسے کتا عزت و شرافت اور بزرگی صرف روٹی کے ایک ٹکڑے کو جانتا ہے اسے جس سے ٹکڑا ملے اسی کا غلام ہے جو اُسے ٹکڑا روٹی کا کھلائے یا ہڈی چبوائے خواہ وہ اسے مٹی پہ لٹوا دیا گندگی پہ ڈالو یا بہترین تخت پہ بٹھاؤ اس کے لئے برابر ہے اسی طرح لالچی انسان کا حال ہے کہ اُسے بزرگی و شرافت سے کیا مطلب اور نہ ہی

---

[1] لیکن ہمارے بعض علماء صاحبان تو اس کمینی کو شیر مادر سمجھتے ہیں۔ نامعلوم اس کے حصول میں کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔

وہ کسی نعمت کا حق جانتا ہے بلکہ وہ فضل وکرامت اور شرافت کا لباس پھینک کر قہر وتکبر کی چادر اوڑھ لیتا ہے۔[1]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جاہل احمق اس پر خوش نہ ہو کہ اتباع ہوائے نفس اُسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام[2] کو اتباع ہوائے نفس سے روکنا بلکہ انہیں طرح طرح کی وعیدیں سناتا ہے پھر ہم کس باغ کی مولی۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام سے فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مباش غرہ بعلم وعمل فقیہہ مدام

کہ ہیچکس ز قضائے خدا جاں نبرد

ترجمہ: اے فقیہ (عالم دین) ہمیشہ علم وعمل سے دھوکہ میں نہ رہ کیونکہ اس کی قضا سے کوئی جان بر نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی ۔ اس سے مراد یہود ہیں یعنی جیسے بلعم باعورا باوجودیکہ آیات الٰہی سے نوازا گیا لیکن اُن سے نکل کر دنیا کی طرف جھکا۔ یہاں تک کہ کتے کی طرح ہو گیا ایسے ہی یہود ہیں کہ انہیں تورات عطا ہوئی جو دیگر احکام کے علاوہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نعمت پر مشتمل تھی اور اس میں قرآن کریم کے متعلق بھی مذکور تھا کہ وہ بھی اُس آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ معجزوں کے ایک معجزہ ہوگا اور اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو خوشخبری بھی تھی کہ وہ عنقریب تشریف لائیں گے چنانچہ آپ کے وسیلہ وحلیلہ سے کفار پر فتح ونصرت کی دُعا بھی مانگتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اُن امور سے نکل کر حضور علیہ السلام کے خلاف ہو گئے اور آپ کی جی بھر کر تکذیب کی بلکہ آپ کے متعلق تورات میں تحریف کی ۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ پس انہیں خبر دیجئے ۔ القصص سلب کی طرح مصدر بمعنے مفعول اور اس میں الف لام عہدی ہے لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اس سے تفکر کی امید رکھئے جو وہی تفکر انہیں نصیحت قبول کرنے کی طرف پہنچا دے ۔ سَآءَ مَثَلَاﰳ ۔ سآء بمعنے بئس ہے اور مثلاً ساء کے فاعل مضمر سے تمیز اور اس فاعل مضمر کی تفسیر ہے ۔ اَلْقَوْمُ مخصوص بالذم اور اس کا مضاف محذوف ہے اُس کے اور فاعل وتمیز کے درمیان تصادف کے وجوب کی وجہ سے دراصل عبارت یوں تھی ۔ سَآءَ مَثَلًا ن القوم وبئس الوصف وصف القوم" یعنی قوم کا طریقہ یا وصف بُرا ہے ۔

---

[1] جیسے آج کل کاروباری حضرات اور دوکاندار صاحبان اور دنیا داروں وغیرہ وغیرہ کا حال ہو گیا ہے ۔

[2] : علیہم السلام ۔ اُویسی غفرلہٗ

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ یہاں بُرائی اور قباحت اُن کے فعل کی مطلوب ہے نہ کہ نفس مثل کی اب مطلب یہ ہوگا۔ کہ ان کا فعل بُرا ہے جس کی وجہ سے انہیں وصف قبیح سے موصوف ہونا پڑا اور نہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی ہے اور اس کا ہر فعل پر از حکمت اور نہایت صواب ہی صواب ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی باوجودیکہ اُن پر حجج و براہین قائم تھے اور وہ انہیں جانتے بھی تھے۔ **وَاَنْفُسَھُمْ کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ** ۰ اور وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے یعنی تکذیب سے ان کا اپنا نقصان ہوا۔ اس لئے اُس کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت کی تخلیق فرماتا ہے **فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ** پس وہی ہدایت یافتہ اس کے سوا اور کوئی ہدایت نہیں پا سکتا خواہ وہ کیسا ہی بلند قدر ہو۔

سوال جب اس کی تخلیق پر منحصر ہے پھر وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ؟

جواب وعظ و نصیحت اس ہدایت تخلیقی کا وسیلہ ہیں یہ نہیں کہ امنیں کسی قسم کی تاثیر ہو کہ اُن سے خواہ مخواہ ہی ہدایت نصیب ہو جائے۔ صرف اُن سے اتنا فائدہ ہو گا کہ اُن کی وجہ سے بندہ اپنے اختیارات کے حصول کے لئے صرف کرے گا۔

وَمَنْ یُّضْلِلْ اور جس کے لئے ضلالت کی تخلیق کرے یعنی اس کے اندر ہدایت کے بجائے ضلالت کی تخلیق کرے یعنی اس کے اندر ہدایت کے بجائے ضلالت پیدا فرمائے کہ بندہ اپنے اختیار کو ضلالت پر صرف کرے۔

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۰ پس وہی ہیں خسارے والے نہ اُن کے غیر۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جسے عنایتِ الٰہی اور ہدایت ابدی نصیب ہوتی ہے وہ بلند مراتب سے نہیں گرتا۔ دراصل یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ازلی نُور کے چھینٹے نصیب ہوئے جبکہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نُور کے چھینٹے ڈالے وہ ہدایت پاگیا اور جو اس نُور کے چھینٹے سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا اور وہ خواہش نفسانی کے گھیرے میں آکر اللہ تعالیٰ کے راہ سے ہٹ گیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ازلی نُور کے چھینٹوں سے محرومی ہوئی نہ انہیں وہ نُور نصیب ہوا اور نہ وہ ہدایت پا سکے۔

حکایت حضرت سُفیان ثوری رضی اللہ عنہ ہر وقت بارگاہِ حق میں عرض کرتے۔ **اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ** اے اللہ تعالیٰ سلامتی بخش۔ اس شخص کی طرح کہ جس کی کشتی دریا کے بھنور میں پھنسی ہو وہ نہایت عجز و نیاز سے عرض کرتا ہے **اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ**۔

حکایت سیدنا یعقوب علیہ السلام کو جب یوسف علیہ السلام کی خوشخبری گئی تو آپ نے پوچھا وہ کس دین پر ہیں عرض کی گئی وہ دین اسلام پر ہیں۔ آپ نے کہا "اب ان کے لئے نعمت کی تکمیل ہوئی۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب کلمہ یہ ہے کہ بندہ اُس کا شکر کرتے ہوئے کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ ھَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ جمیع محامد اللہ کے لئے ہیں کہ اُس نے ہمیں نعمت سے نوازا اور دولت اسلام بخشی۔

سبق سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ شکر سے غافل نہ ہو مثلاً کہے کہ میں مسلمان ہوں یا عارف ہوں یا نیکی کی توفیق یافتہ ہوں یا گناہوں سے محفوظ ہوں بلکہ یہ سمجھے کہ یہ سب اُسی کی کرم نوازی ہے ورنہ وہ بے نیاز ہے اگر چاہے تو اس گھڑی میں معاملہ برعکس کر دے اس لئے کہ تمام اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

حکایت اللہ تعالیٰ سے کسی ولی کامل نے عرض کی اے اللہ العٰلمین تو نے بلعم باعورا کو کیوں اپنے دروازے سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے کتنی ہی بڑی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازا لیکن اس نے کبھی میرا شکر نہ کیا اگر وہ زندگی میں ایک دفعہ بھی شکر کرتا تو میں اس سے کبھی دی ہوئی نعمت نہ چھینتا۔

سبق کسی کے پاس نفیس جوہر ہو کہ جس کی قیمت کروڑوں روپے ہوں۔ لیکن وہ کسی کو ایک دمڑی (ریڈی پیسہ) میں بیچ ڈالے تو دنیا میں اس جیسا غبی جاہل خسارے والا اور کون متصور ہوگا اور ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ خسیس و ذلیل اور بے وقوف ہے ایسے ہی سالک کا حال ہے کہ وہ عمر جیسے بے بہا گوہر کو کوڑیوں کے عوض بیچ رہا ہے اسے سوچنا چاہیئے کہ میرے ہاں ایک بیش بہا گوہر ہے۔ اسے محفوظ کرنا لازم ہے دنیا چند ساعت ہے۔ عمل میں کوتاہی کرے گا تو نقصان اُٹھائے گا۔ پھر اسے احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہونا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اس پر یہ کوئی مشکل بھی نہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے۔ اے مولا کریم اپنے کوتاہ اندیش بندے کی تمام امیدیں پوری فرما دے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا اور بخدا ہم نے پیدا کیا۔

حل لغات قاموس میں ہے ذرأ جَعَلَ کی طرح بمعنے خلق الشئی ہے اس سے ذریۃ کو لیا گیا ہے۔ اس کا انسؔ و جن پر اطلاق ہوتا ہے۔

لِجَھَنَّمَ دخول جہنم اور اسمیں عذاب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو آخرت کا جیل خانہ بنا دیا ہے اسے اس جہنم کہتے ہیں کہ اس کا گڑھا گہرا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "بئر جہنام" یہ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو۔ اور جہنم کئی طریقے کی ہے بعض طبقات سخت گرم تو بعض نہایت ٹھنڈے۔ ان کے اندر سخت گرمی بھی ہے اور سخت سردی بھی اور ہر دونوں ہر وقت انتہائی درجہ پر ہوتی ہیں۔

فائدہ جہنم کی گہرائی اور اس کی بالائی حصہ کے درمیان کی مسافت ایک سو پچھتر سال کی ہے۔

كَثِیْرًا بہت سے ہیں مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ جیسے ان جنوں اور انسانوں سے جو کفر پر مرے جن کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ فلاں اپنے اختیار سے کفر پر زندگی بسر کرکے مرے گا۔ بنابریں وہ اہل نار سے ہے۔

جن کیسی مخلوق ہے؟ جن ہوائی اجسام رکھتے ہیں اور انہیں مختلف شکلیں اختیار کرنے کی قدرت حاصل ہے انہیں عقول بھی ہیں اور افہام بھی اور بہت بڑے سخت کام سرانجام دے سکتے ہیں بخلاف انسانوں کے اور انہیں جن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ رہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے "جَنَّہ اللیل" یعنی اسے رات نے ڈھانپ لیا اور جن کا مادہ یہی ہے۔ اور انس و بشر ایک شے ہے اور وہ آنس الشیئ سے مشتق ہے بمعنے البصرہ یعنی اسے دیکھ لیا۔ چونکہ انسان بشر دیکھا جاتا ہے جن کی طرف پوشیدہ انہیں اس نام سے موسوم ہے[1]

سوال آیت میں جن کا ذکر مقدم کیوں؟

جواب ① گنتی میں بھی وہی زیادہ ہیں اور تخلیقاً بھی وہی پہلے ہیں اس لئے انہیں مقدم کیا گیا۔

جواب ② لفظ انس زبان پر اتنا بوجھل نہیں جتنا جن ہے اس لئے کہ انس میں نون خفیفہ اور سین مہوسہ ہیں اور یہ دونوں زبان کے لئے آسان ہیں بخلاف لفظ جن کے کہ اس میں ثقالت ہے پھر تکلم میں ثقیل لفظ کا مقدم ہونا اولیٰ ہوتا ہے اس لئے کہ متکلم کو بولنے میں اسی طرح راحت محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جن ہماری شریعت کے مطابق عبادت پر مامور ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دونوں (جن و انسانوں) بلکہ جملہ کائنات کی طرف مبعوث ہوئے۔

مسئلہ سابقہ اُمم میں بھی جنات ہمارے نبی علیہ السلام کے اُمتی ہونے کی طرح احکام شرعیہ کے مکلف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ؁

سوال صرف انسان و جن کا نام کیوں لیا گیا ہے حالانکہ عبادت تمام ملائکہ اور دوسری مخلوق بھی کرتی ہے؟

جواب چونکہ فطرت عبادت و سعادت کی استعداد صرف انہی میں ہے اس لئے اُن کا نام لیا گیا اگر انہیں استعداد مذکورہ نہ ہوتی تو انہیں مکلف نہ بنایا جاتا۔

---

[1] حضور علیہ السلام اس معنے پر بشر و انسان ہیں۔ باقی رہی حقیقت اس کے متعلق یہی کہا جائے گا ؎

حقیقت محمدﷺ دی پا کوئی نی سگدا

اتھاں چُپ دی جا ہے الا کوئی نی سگدا

اسی لئے کہا گیا ہے ؎

خدا جانے محمدﷺ کی رسائی ہے کہاں سے کہاں تک

وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے۔

؎ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (اُویسی غفرلہٗ)

سوال کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اہلِ اسلام سے زیادہ بنایا ہے؟
جواب ① تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ وہ عبادت سے مستغنی ہے اگر اُسے عبادت کی ضرورت ہوتی تو کفار کو تھوڑا اور اہلِ اسلام کو زیادہ بناتا۔

جواب ② تاکہ کفار کے درمیان اہلِ اسلام کی عزت وعظمت کا اظہار ہو۔ اس لئے کہ اشیاء کو اضداد سے پہچانا جاتا ہے۔

جواب ③ شے تھوڑی مقدار میں ہو تو وہی ذیشان متصوّر ہوتی ہے۔
سوال حدیث شریف میں ہے کہ رحمتِ الٰہی اُس کے غضب پر غالب ہے اس بنا پر اہلِ رحمت بہ نسبت اہلِ غضب ہزار میں سے نوسو ننانوے ہیں اور اہلِ رحمت صرف ایک؟
جواب ① کثرت بہ نسبت بنو آدم کے ہے ورنہ فرشتوں اور حور و غلمان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کثرت اہلِ رحمت کو حاصل ہے۔

جواب ② اہلِ غضب اس لئے زیادہ ہیں تاکہ اخیار کے لئے فدیہ بن سکیں۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ہر مؤمن کا فر کی پیشانی سے پکڑ کر اُسے جہنم میں ڈال کر کہے گا یہ میرے نفس کا فدیہ ہے۔

ایک مشکل حدیث شریف کی بہترین تحقیق حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کے لئے اولاد الزنا کو پیدا کیا گیا ہے یعنی جہنم میں زنا سے پیدا شدہ انسان زیادہ ہوں گے اس حدیث شریف سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زنا زانی کا فعل ہے اسے اولاد کے ذمہ کیا قصور۔ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

اولاد الزنا اس وقت جہنم کی مستحق ہے جبکہ وہ بھی اپنے آباء وامہات کی طرح زنا کا ارتکاب کریں اگر حدیث مذکور صحیح ہو تو اس کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث مذکور اپنے ظاہر کے معنٰے پر نہیں بلکہ اس کی تاویل ضروری ہے۔ ایک تاویل اوپر بیان ہوئی (کذا فی المقاصد الحسنہ)۔

جوزانی وزانیہ زنا پر مواظبت کریں وہ جہنم میں جائیں گے اسی مواظبت کی وجہ سے اسے اس فعل کا ولد کہا جاتا ہے مثلاً شہود کو بنو الصحف اور بہادروں کو بنو الحرب اور مسلمانوں کو بنو الاسلام کہتے ہیں۔
فائدہ مشائخ کا اتفاق ہے کہ ولد الزنا ولایت خاصہ کے لئے نااہل قرار دیئے گئے ہیں۔
لَهُمْ قُلُوْبٌ یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ کثیرا کی صفت ہے۔ **لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا** یہ محلاً مرفوع ہے اس لئے کہ قلوب کی صفت ہے۔ یعنی اُن کے قلوب تو ہیں لیکن اُن سے کچھ سمجھتے نہیں اور انہیں معرفتِ حق اور دلائل پر غور و فکر نہیں لگاتے۔
فائدہ قلب شیشہ کی طرح ہے جو انکار و غفلت سے زنگ آلود اور تصدیق اور رجوع الی اللہ سے روشن ہو جاتا ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) غبارِ ہوا چشم غفلت بدوخت
سموم ہوا کشت عمرت بسوخت

(۲) بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک
کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

ترجمہ: (۱) خواہشات نفسانی کی غبار نے تیری عقل کی آنکھیں سی دی ہیں۔ نفسانی خواہشات کی لُو نے تیری عمر کی کھیتی جلادی ہے۔

(۲) آنکھوں سے غفلت کا سُرمہ دُور کر کیونکہ کل تو نے خاک کی آنکھ کا سرمہ بننا ہے۔

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا اور اُن کی آنکھیں تو ہیں لیکن اُن سے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیأ کو بنظرِ عبرت نہیں دیکھتے ہے

دو چشم از صنع باری نکوست
زعیب برادر فرو گیرو دوست

ترجمہ، دو آنکھیں لطف صنعت باری تعالیٰ دیکھنے کے لئے ہیں بھائی اور دوست کے عیب سے انہیں بند رکھ۔

وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اور اُن کے کان تو ہیں لیکن اُن سے قرآنی آیات اور وعظ و پند تامل و تذکر سے نہیں سنتے ہے

گذرگاہ قرآن و پنداست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ، کان قرآن و نصیحت کی گذرگاہ ہے۔ بہتان اور باطل سننے کی کوشش نہ کر۔

اُولٰٓئِكَ اوصاف مذکورہ کے موصوف لوگ كَالْاَنْعَامِ جانوروں کی طرح ہیں کہ جیسے انہیں سمجھنے اور عبرت کی نگاہ اور تدبر کے استماع کی صلاحیت نہیں یہ بھی ویسے ہی ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے مشاعر و قویٰ کی توجہ عیش و عشرت کے اسباب کی طرف لگی ہوئی ہے اور وہ رات دن صرف اُن کے حصول میں منہمک ہیں۔

حل لغات الانعام بالتحریک کبھی اُس کی عین ساکن ہوتی ہے یہ جمع ہے اس کا اطلاق۔ اونٹ۔ بکری یا صرف اونٹ پر ہوتا ہے (کذافی القاموس)۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہ بل اضراب کا ہے ابطال کا نہیں بلکہ یہاں پر ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف انتقال کیا گیا ہے یعنی پہلے جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اُن پر دوسرا حکم لگایا گیا ہے وہ یہ کہ جانور پھر بھی سکھانے پر کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں لیکن یہ کافر اُن سے بھی گئے گذرے ہیں کہ انہیں جونہی سیدھی راہ بتاؤ تو وہ الٹے پاؤں چلتے ہیں۔ جانوروں میں یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان اپنے لئے نفع مند چیزوں کے لئے جدوجہد اور جو چیزیں انہیں نقصان پہنچائیں اُن سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اُن میں یہ بھی

نہیں۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ دائمی نعمتوں کو چھوڑ کر دائمی عذاب میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے کہا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جانور اپنے مالک کو پہنچانتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے اور وہ اپنے مالک کی یاد سے غافل بھی نہیں ہوتا بخلاف اُن کے وہ نہ اپنے مالک کا عرفان رکھتے ہیں اور اُسے یاد کرتے اور نہ ہی اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہ نسبت بنی آدم کے باقی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ اور فرمانبردار ہیں ؎

دریغ آدمی زادۂ پُر محل

کہ باشد چو انعام بَلْ هُمْ اَضَلّ

ترجمہ: آدم زادے بلند مرتبہ پر افسوس کہ وہ جانوروں جیسا بلکہ اُن سے گیا گذرا ہو۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ وہی لوگ امر آخرت اور جو کچھ آخرت میں اُس کے لئے تیار کیا گیا ہے سے غافل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان میں طرف روحانیت کی ہے دوسری جانب جسمانیت کی۔ اُسے عقل و شہوت سے مرکب کیا گیا ہے اگر اُس کا عقل شہوت پر غالب ہو تو وہ ملائکہ سے افضل ہے اگر وہ شہوت نفسانی سے مغلوب ہو جائے تو پھر جانوروں سے بھی ذلیل و خسیس تر ہے۔ اسی کی ترجمانی کی گئی ہے ؎

بہرۂ از ملکت ہست و نصیبے از دیو

ترک دیوی کن و بگذر بفضیلت زملک

ترجمہ: تیرا کچھ حصہ ملک اور کچھ دیو (شیطان سے ہے) دیوی (شیطانگی) چھوڑ کر فضیلت میں فرشتوں سے آگے نکل آ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کئی قسم بنائی ہے ایک وہ ہیں جنہیں صرف اپنے قرب و محبت کے لئے پیدا فرمایا ہے یہ اہل اللہ اور خواص اللہ ہیں۔ انہیں اپنے حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے اور یہی حضرات اس کلام کو بلا واسطہ سنتے ہیں اور اُس کے جمال کو بلا واسطہ دیکھتے ہیں اور اس کی معرفت کو بلا واسطہ پہچانتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جنہیں بہشت اور اپنی نعمت کے لئے پیدا فرمایا تاکہ اُن پر اپنا لطف اور رحمت ظاہر فرمائے اور ان میں وہ قلوب ہیں کہ جن سے وہ توحید و معرفت کے دلائل سمجھتے ہیں اور اُن کی دونوں آنکھیں آیاتِ حق کو دیکھتی ہیں اور تیسرے وہ ہیں جو نارِ جحیم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ اُن پر اپنا قہر و جلال ظاہر فرمائے۔ یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں وہ نہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور نہ اُن کے دل میں اس کی طلب ہے بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ اس لئے کہ جانوروں میں فطری طور سعادت و معرفت اور طلب الٰہی کی استعداد رکھی ہی نہیں گئی اور انمیں یہ استعداد پیدا کی گئی لیکن بدبختوں نے اس استعداد کو شہواتِ نفسانی اور دنیا کی طرف میلان سے ضائع کر دیا کہ آخرت بیچ کر دنیا خرید لی۔ دین دیکر دنیا لے لی اور اپنے مالک و مولیٰ کو چھوڑ دیا اس لئے وہ جانوروں سے بھی گمراہ تر ہوئے بوجہ استعداد ضائع

کرنے کے وہی لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل اور کمالاتِ اہلِ معرفۃ اور اُن کی عزت وعظمت سے جاہل ہیں (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اللہ تعالیٰ کے بہترین اسمائے ہیں) اَلْحُسْنیٰ احسن کی تانیث ہے یعنی اُس کے تمام اسما سے اجل وافضل ہیں۔ اس لئے کہ اسم معنے پر دلالت کرتا ہے جیسے معانی احسن واشرف ہیں تو اسما بھی۔ اسما سے وہ الفاظ مراد ہیں جو مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ اس سے واضح ہوا کہ اسم معنے کا غیر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر اسم مسمیٰ کا عین ہوتا تو اسمیٰ کی طرح مسمیٰ بھی ذوعدد ہوتا۔ حالانکہ اس کا ذوعدد ہونا محال ہے

فائدہ امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ اسم تسمیہ اور مسمیٰ غیر ہے اس لئے کہ یہ تین علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں جو ہیں بھی آپس میں متباینہ۔ مترادفہ نہیں۔

فَادْعُوْهُ بِهَا پس انہیں سے انہیں پکارو۔ یعنی اُسے انہیں اسما سے موسوم اور یاد کرو۔

ننانوے اسمائے الٰہیہ اور اُن کے فوائد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو اسمائے گرامی ہیں جو پڑھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا

وہ یہ ہیں هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ اَلْمَلِكُ۔ اَلْقُدُّوْسُ۔ اَلسَّلَامُ۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ اَلْمُهَیْمِنُ۔ اَلْعَزِیْزُ۔ اَلْجَبَّارُ۔ اَلْمُتَكَبِّرُ۔ اَلْخَالِقُ۔ اَلْبَارِئُ۔ اَلْمُصَوِّرُ۔ اَلْغَفَّارُ۔ اَلْقَهَّارُ۔ اَلْوَهَّابُ۔ اَلرَّزَّاقُ۔ اَلْفَتَّاحُ۔ اَلْعَلِیْمُ۔ اَلْقَابِضُ اَلْبَاسِطُ۔ اَلْخَافِضُ اَلرَّافِعُ۔ اَلْمُعِزُّ۔ اَلْمُذِلُّ۔ اَلسَّمِیْعُ۔ اَلْبَصِیْرُ۔ اَلْحَكَمُ۔ اَلْعَدْلُ اَللَّطِیْفُ۔ اَلْخَبِیْرُ۔ اَلْحَلِیْمُ۔ اَلْعَظِیْمُ۔ اَلْغَفُوْرُ۔ اَلشَّكُوْرُ۔ اَلْعَلِیُّ۔ اَلْكَبِیْرُ۔ اَلْحَفِیْظُ۔ اَلْمُقِیْتُ۔ اَلْحَسِیْبُ۔ اَلْجَلِیْلُ۔ اَلْكَرِیْمُ۔ اَلرَّقِیْبُ۔ اَلْمُجِیْبُ۔ اَلْوَاسِعُ۔ اَلْحَكِیْمُ۔ اَلْوَدُوْدُ۔ اَلْمَجِیْدُ۔ اَلْبَاعِثُ۔ اَلشَّهِیْدُ۔ اَلْحَقُّ۔ اَلْوَكِیْلُ۔ اَلْقَوِیُّ۔ اَلْمَتِیْنُ اَلْوَلِیُّ۔ اَلْحَمِیْدُ۔ اَلْمُحْصِیْ۔ اَلْمُبْدِئُ۔ اَلْمُعِیْدُ۔ اَلْمُحْیِیْ۔ اَلْمُمِیْتُ۔ اَلْحَیُّ اَلْقَیُّوْمُ۔ اَلْوَاجِدُ۔ اَلْمَاجِدُ۔ اَلْوَاحِدُ۔ اَلْاَحَدُ۔ اَلصَّمَدُ۔ اَلْقَادِرُ۔ اَلْمُقْتَدِرُ۔ اَلْمُقَدِّمُ۔ اَلْمُؤَخِّرُ۔ اَلْاَوَّلُ۔ اَلْاٰخِرُ۔ اَلظَّاهِرُ۔ اَلْبَاطِنُ۔ اَلْوَالِیْ۔ اَلْمُتَعَالِ اَلْبَرُّ۔ اَلتَّوَّابُ۔ اَلْمُنْتَقِمُ۔ اَلْعَفُوُّ۔ اَلرَّؤُوْفُ۔ مَالِكُ الْمُلْكِ۔ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ اَلْمُقْسِطُ۔ اَلْجَامِعُ۔ اَلْغَنِیُّ۔ اَلْمُغْنِیْ۔ اَلْمَانِعُ۔ اَلضَّارُّ۔ اَلنَّافِعُ۔ اَلنُّوْرُ۔ اَلْهَادِیْ اَلْبَدِیْعُ۔ اَلْبَاقِیْ۔ اَلْوَارِثُ۔ اَلرَّشِیْدُ۔ اَلصَّبُوْرُ۔

فائدہ متقدمین فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ ان کے اول میں یوں کہا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ الخ یعنی ہر اسم مبارک پر حرف ندا داخل کرے پھر آخر میں کہے۔ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَنْ تَرْزُقَنِیْ وَجَمِیْعَ مَنْ یَّتَعَلَّقُ بِیْ بِتَمَامِ نِعْمَتِكَ وَدَوَامِ عَافِیَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج مجھے اور میرے متعلقین کو اپنی تمام

نعمتیں اور دائمی عافیت عطا فرما اے تمام رحم والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔ (الاسرار المحمدیہ)

فائدہ حضرت عبدالرحمٰن بسطامی قدس سرہٗ نے ترویح القلوب میں فرمایا کہ عرفا اسمائے گرامی میں الف لام کو کلمہ کا اصل سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ مثلاً الرحمن الرحیم الخ لیکن ملامیہ الف ولام اسمائے گرامی میں نہیں لاتے وہ کہتے ہیں کہ الف لام ایک زائد حرف ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

مستجاب دُعا کی کُنجی دُعا کی قبولیت ایک مخفی راز ہے وہ یہ ہے کہ اسمائے گرامی میں سے کسی ایک کو لیا جائے مثلاً الکبیر المتعالی وغیرہ۔ اس میں الف اور لام کو چھوڑ کر۔ مثلاً کبیر۔ متعال کہا جائے پھر اس اسم کے ابجد کے قانون پر عدد نکالے جائیں۔ انہی اعداد کے مطابق اس اسم کو تنہائی یا جہاں شور و شغف نہ ہو مع شرائط معلومہ (جو عامل حضرات جانتے ہیں) کے پڑھا جائے لیکن اعداد کی شمار نہ زائد ہو نہ کم تو انشاءاللہ دُعا جلد قبول ہو جائے گی۔

نکتہ زیادہ و نقصان کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اسماء میں گنتی بمنزلہ کنجی کے دندانے کے ہے کنجی میں اگر دندانے بڑھ جائیں یا کم ہو جائیں تو تالہ نہیں کھلتا ایسے ہی ذکر الٰہی کے وقت گنتی میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو دعا قبول نہ ہو گی اس راز کو سمجھ کر بہترین انمول موتی متصور کر کے محفوظ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ دین کے تین مقام ہیں۔

① اسلام۔

② ایمان۔

③ احسان۔

ایسے ہی بہشت کے بھی اہل بہشت کے لئے تین مراتب ہیں۔

① جنۃ الاعمال۔

② جنۃ المیراث۔

③ جنۃ الامتنان۔

مرتبہ اوّل مقام اسلام سے اس وقت متعلق ہوگا جب سالک اسمائے مذکورہ کے جملہ احکام اپنے اندر سمو دینے کی کوشش بلکہ ایسی جد وجہد کرے کہ جملہ اسمائے کے آثار اسمیں پائے جائیں پھر ہر اثر کا اپنے عمل کے ساتھ مقابلہ کرے مثلاً انعام پر شکر بلا پر صبر وغیرہ وغیرہ اسی حیثیت کو برقرار رکھنے سے جنۃ اعمال میں داخل ہوگا اور یہ جنت اعراض کے ستر کا محل ہے۔ یعنی وہ اعراض جو اعیان ثابتہ باقیہ سے زائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ ہے جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ کھلا میدان ہے اس کے اندر باغات بونا چاہتے ہو یعنی **سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ** کی کثرت کرو۔

مقام ایمان کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان اسمأ کے حقائق و معانی و مفہومات پر روح روحانیہ سے مطلع ہونے کی جدوجہد کرو۔ اور ان اسمأ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تخلقوا باخلاق اللہ ۔ اللہ تعالیٰ کی عادات اپنے اندر پیدا کرو۔ اور ان اوصاف میں ایسا کمال حاصل کرو کہ ان اسمأ میں محو ہو جاؤ اس مرتبہ کی تکمیل پر جنتہ المیراث میں جگہ ملے گی۔ یہی جنتہ اولیٰ کا مقام ہے بلکہ اس کا باطنی درجہ ہے جیسے عالم ملک کے لئے عالم ملکوت کا درجہ ہے ایسے ہی جنتہ اولیٰ کو یہی مقام حاصل ہے۔ اس مرتبہ کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ "ہر ایک کی بہشت اور دوزخ میں ایک منزل ہے۔ جب وہ مرتا ہے اور اُسے دوزخ میں داخل کیا جائے تو اس کے بہشت والے مرتبہ کا وارث اہل جنت کو بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآنی آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور مقام احسان کے حصول کا تحقق تقویٰ اور صور و معانی جنہیں حدوث اور وہ حضرات حق کے آگے پردہ اور حجاب سے تعلق مٹانے سے ہوگا۔ چنانچہ فرمایا ؎

تسترت عن دھری بظل جناحہ
بحیث اری دھری ولیس یرانی
فلو تسئال الایام ما اسمی مادرت
واین مکانی مادرین مکانی

ترجمہ: (۱) "میں زمانہ سے اس کے پروں کے ذریعہ پوشیدہ رہا۔ میں اسے دیکھتا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔
(۲) اگر تم زمانہ کے ایام سے میرا نام پوچھو تو وہ میرے نام سے بے خبر ہیں اور نہ ہی وہ جانتے ہیں کہ میرا مکان کہاں ہے۔"

جو اس مقام کو عبور کر لیتا ہے تو اُسے جنتہ الامتنان میں داخل کیا جاتا ہے۔ دراصل یہی غیب الغیب کے پوشیدہ اسرار و مخفی بھیدوں کا محل ہے۔ اس کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ وہ ایسا مقام ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سُنا ہے نہ کسی انسان کے دل میں اُس کا تصور آ سکتا ہے۔ اُس کی تائید قرآنی آیت سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان المتقین فی جنّٰت ونہر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر نیک متقین باغات اور نہر اور اپنے مالک مقتدر کے نزدیک مقعد صدق میں ہوں گے۔

اسمأ کے متعلق دوسری تقریر حضرت ابن الملک نے فرمایا جو ان اسمأ گرامی کے حقوق کی پابندی یعنی اقتضا کے مطابق عمل کرتا ہے۔ مثلاً جب کہتا ہے "یا رزاق" تو رزق کا بھروسہ صرف اسی پر کرے اور خیر و شر اسی کی جانب سے مانے جب کہے "الضار۔ النافع" تو یقین کرتے ہوئے ہر نفع پر شکر اور ہر ضرر پر صبر کرے۔ اسی طرح باقی اسمأ گرامی کے متعلق ہے۔

تیسری تقریر بعض مفسرین نے کہا کہ جملہ من احصاھا جو حدیث شریف میں واقع ہوا ہے اس کا مطلب

یہ ہے کہ جو اُن کے معانی کو سمجھ کر اُن کی تصدیق کرتا ہے۔

چوتھی تقریر بعض کہتے ہیں کہ جو ان کا علیحدہ علیحدہ تبرک کے طور ذکر کرتا ہے۔

امام بخاری کی تقریر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اس سے ان کو حفظ کرنا مراد ہے چنانچہ دوسری روایت میں مَنْ احصاھا کے بجائے (من حفظھا ہے) یہی موزوں تر ہے۔

فائدہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہی اسمأ زیادہ مشہور ہیں اور فضائل میں ایک دوسرے سے متفاوت بھی ہیں جبکہ معانی کے لحاظ سے متفاوت ہیں جیسے "جلال و شرف" کی صفت جس میں ہوگی وہ دوسرے اسمأ سے افضل ہوگا۔ چونکہ ان ننانوے اسمأ میں شرف وجلال کا معنےٰ بطریق اتم ہے۔ بنابریں یہ باقی اسمأ سے افضل ہے۔

اسمأ الٰہی کی گنتی اللہ تعالیٰ کے اسمأ صرف انہی ننانوے کی تعداد میں محصور نہیں بلکہ عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ اسمأ الٰہی ان گنت ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کسی بندے کو دکھ اور تکلیف پہنچے تو کہے

اللھم انی عبدكَ وابن عبدكَ وابن امتكَ ناصیتی بیدك ماضی فی حکمك اسئالك بانّكَ انت الله لَا اله اِلّاَ انتَ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یكنْ كفُوًا احدٌ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا وسیلہ پیش کر کے دُعا مانگتا ہے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور اس کی دُعا مستجاب ہوگی۔

فائدہ ان ننانوے اسمأ میں اسم اللہ اسم اعظم اور شان و فضیلت میں افضل واعلیٰ ہے اس لئے کہ وہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور وہی جمیع صفات کا جامع ہے کہ کوئی صفت بھی اس سے خارج نہیں ہوتی بخلاف باقی اسمأ کے ان میں یہ جامعیت نہیں بلکہ وہ اپنے اپنے معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً علیم علم پر۔ قدیر قدرت پر وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ لفظ اللہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اس لئے کہ سوائے اُس کے اور کسی پر اس کا اطلاق جائز نہیں نہ حقیقتًا نہ حکمًا بخلاف باقی اسمأ کے اُن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے۔ مثلاً قادر علیم۔ رحیم وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بولے جاتے ہیں لیکن بعض علمأ فرماتے ہیں کہ یہ اسمأ بھی صرف اس سے مخصوص نہیں کما قال اللہ الاسمأ الحسنیٰ۔

تقریر صوفیانہ در مراتب اسمأ الٰہیہ ہمارے شیخ حضرت علامہ ابقاہ اللہ بالسلامتہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ ہویت الٰہیہ جمیع مراتب میں جاری و ساری ہے مثلاً پہلے مرتبۂ حیات میں متعین ہوئی۔ اسے تعین کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں پھر عالم غیب سے منسوب ہو کر متعین ہوئی اسے تعین کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں پھر عالم غیب سے منسوب ہو کر متعین ہوئی پھر مرتبۂ علم میں ہویت دوبارہ متعین ہوئی اور یہی اُس کا آخریت عظمٰی کا تعین ہے۔ پھر عالم معانی سے منسوب ہو کر متعین ہوئی۔ اس مرتبہ کی صورت میں پھر مرتبۂ ارادہ میں اس کا۔ پھر بار ثالث ظاہریۂ اوّل کے ساتھ تعین ہوا پھر عالم ارواح سے منسوب ہو کر متعین

ہوئی پھر مرتبہ قدرت میں متعین ہوئی اور یہ چوتھا باطنہ اولی کہلاتا ہے۔ پھر عالم شہادت میں منسوب ہوکر متعین ہوئی۔ اس ترتیب سے اس کے اسما کی ترتیب یوں ہے۔ ھو الحی العلیم المرید القدیر۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن۔ ہویت کے اس سریان سے حقائق اربع کا ظہور ہوا اور ان کے امہات جمیع حقائق اور امہات الاسماء الالہیہ کہلاتے ہیں وہ اسماء الٰہیہ ننانوے ہوں یا ایک ہزار ایک اور حقائق کلیہ انہی امہات کے ہر چہار عوالم میں دورہ کرنے متعین ہوئے۔ چار کو چار میں ضرب دینے سے سولہ ہوئے۔ ظہور و بطون کے اعتبار سے انہیں ضرب دی گئی تو کل تیتیس ہوئے پھر احدیت کے جمع الجمع کے اعتبار سے تیتیس ہوئے پھر عالم سمع و رتبۃ البصر والکلام میں دوران کے اعتبار کے تعین سے ننانوے ہو گئے۔ پھر باعتبار احدیت جمع الجمیع کے سو ہو گئے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نماز کے بعد تیتیس ۳۳ بار سبحان اللہ تیتیس ۳۳ بار الحمدللہ تیتیس بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ پھر اس کی ایک سو گنتی پورا کرنے کے لئے کہا کرو۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر

پھر یہ ظہور بطون میں متعین ہونے کی وجہ سے سو کو دس میں ضرب دی جائے تو ایک ہزار ہو جاتے ہیں پھر احدیت جمع الجمیع کا اعتبار ہو تو ایک ہزار ایک اسماء گرامی ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امہات الحقائق والاساسات ہیں ان کے کلیات ننانوے یا ایک ہزار ہوا کہ احدا ور ان کی جزئیات لا تعد او ولا تحصی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط اور چھوڑو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے اسما میں الحاد کرتے ہیں۔

حل لغات الالحاد واللحد بمعنے میانہ روی سے ہٹنا۔ یعنی ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اپنے معاملات میں حق سے ہٹ کر باطل کی طرف جھکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو اس نے اپنے لئے مقرر نہیں فرمائے اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب میں وہ نام اللہ تعالیٰ کے لئے وارد ہونا معلوم ہے اور نہ ہی اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصریح ملتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا جس میں فساد و بطلان کا وہم ہو جیسے بادیہ نشین لوگ اللہ تعالیٰ کو ابو المکارم اور ابیض الوجیۃ کے نام سے پکارتے ہیں اگرچہ ابو المکارم ہر اس ذات کو کہتے ہیں جو جمیع محاسن کمال کا جامع ہو۔ اگرچہ یہ معنے اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں لیکن ابو المکارم ایسا کلمہ ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ناموزوں ہے۔ ابیض الوجہ کا شرعاً معنے بن سکتا ہے کہ ہر وہ ذات جو تمام گندے اور خراب اخلاق و عادات بلکہ جملہ نقائص سے منزہ و مقدس لیکن چونکہ لفظی معنے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے نامناسب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ناجائز ہے۔

فائدہ آیت میں ترک سے اس فعل سے اجتناب مراد ہے اور اسماء سے وہ نام مراد ہیں جو اپنے ظن فاسد سے انہیں اللہ تعالیٰ کے سمجھتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی اسماء ہیں وہ بھی اس کے لئے استعمال کرنا چھوڑ دو۔

فائدہ یا مُراد یہ ہے کہ اُس کے بعض اسما کے اطلاق سے انکار نہ کرو۔ مثلاً کفار کہتے ہیں "رحمٰن" کون ہے ہم تو صرف رحمان الیمامہ کو جانتے ہیں۔ اس معنے پر بھی ترک معنے اجتناب ہوگا اور اسما سے اللہ تعالیٰ کے حقیقی اسما مراد ہوں گے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو جمیع اسما حسنیٰ سے پکارو کہ اس کے بعض حقیقی اسما اس کے حقیقی اسما سے خارج نہ کرو۔

شانِ نزول مروی ہے کہ کسی صحابی نے دُعا میں اللہ اور رحمٰن کا نام لیا تو کسی مشرک نے کہا حضرت احمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا کرتے ہیں کہ ہم صرف ایک رب تعالیٰ کی پرستش کرتے ہیں پھر ان کا یہ صحابی دو معبودوں کی پرستش کا کیوں دم بھر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے رد میں یہی آیت نازل فرما کر بتا دیا کہ رحمٰن کو پکارو یا اللہ کو سب اسی کے نام ہیں۔ اور اسما کے تعدد سے مسمّٰی کا تعدد لازم نہیں آتا۔

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ جیسا عمل کر رہے ہیں اس کا عنقریب بدلہ پائیں گے یعنی تم بھی الحاد نہ کرنا تاکہ اُن کی طرح تم بھی عذاب کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔ چنانچہ عنقریب انہیں الحاد کی سزا ملے گی۔

فائدہ **وَذَرُوا الَّذِيْنَ** الخ اس کا معنے یہ ہے کہ ٹیڑھے لوگوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے نئے نام رکھنے سے اجتناب کرو یعنی لفظ تسمیۃ مضاف محذوف کہ دراصل "**وَذَرُوا تَسْمِيَةَ الَّذِيْنَ** الخ" تھا۔ اس لئے کہ ملحدوں کی ذات سے اجتناب مقصود نہیں بلکہ اُن کے فعل تسمیۃ سے کنارہ کشی مقصود ہے۔

فائدہ بعض علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے الاسماء الحسنیٰ سے صفات الٰہی مراد لی ہیں۔ اس لئے کہ لفظ اسم کا کبھی ذات کی بڑی بڑی صفات پر اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "طار اسمه فی الآفاق" یعنے زمانہ بھر میں اس کا نام بلند ہے۔ یعنی عالمِ دنیا میں اس کے اوصاف و اخلاق کی دھوم ہے۔ اس تقریر پر اب "للّٰہ الاسماءُ الحسنیٰ" کا معنے ہے للّٰہ الصفات العلیٰ (اللہ کی صفات بلند ہیں)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى**۔ اس میں اشارہ ہے کہ لفظ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ علم کے ہے۔ یہی اس کا ذاتی نام ہے باقی تمام اسما صفاتی ہیں۔ اس لئے کہ اسما کی نسبت لفظ اللہ کی طرف کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ تمام صفاتی اسما مشتق ہیں۔ سوائے اسم اللہ کے کہ وہ کسی سے مشتق نہیں یہی ہم صوفیائے کرام اور اکثر علمائے شرع کا مذہب ہے اس لئے کہ اللہ اسم ذات ہے پھر جیسے ذاتِ مخلوق کی کسی شے سے پیدا نہیں۔ ایسے ہی اس کا اسم بھی کسی شے سے مشتق نہیں اس لئے کہ تمام اشیاء مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہر سے مستغنی بلکہ بلکہ ان سب کا خالق ہے۔

لہ یہی قانون غیر مسلموں کے رکھے ہوئے اسما مثلاً واہگورو۔ پرمیشور پرماتما۔ ہر۔ ہری رام وغیرہ پر لاگو ہوگا اور دیگر زبانوں میں جیسے لفظ God وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ اسمائے صفاتی بھی بعض تو ذاتی صفات سے مشتق اور وہ غیر مخلوق ہیں اس بنا پر سوال پیدا نہیں ہوتا کہ صفات باری تعالیٰ بھی غیر مخلوق ہیں۔ پھر وہ مخلوق کی اشیاء سے کیسے مشتق ہیں۔

فائدہ بعض صفات، صفات فعل سے مشتق ہیں یہ اگرچہ مخلوق ہیں لیکن ان کا تعلق با ایں معنیٰ ہے کہ بحیثیت ایجاد مخلوق کے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوتی ہیں۔

فائدہ صفات ذاتیہ یہ ہیں

① حیات ③ بصر ⑤ علم ⑦ ارادہ
② سمع ④ کلام ⑥ قدرت ⑧ بقاء

یہ تمام صفات قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور صفات الفعل مخلوق ہیں لیکن با ایں معنیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے بایں حیثیت تعلق ہے کہ وہ مُوجد کائنات ہے کہ جب اُس نے کائنات تخلیق کی یا انہیں رزق سے نوازا تو پہلی صفت کے لحاظ سے خالق اور دوسری کے لحاظ سے رزّاق کہلائے گا۔ لیکن عقیدہ یہ ہونا ضروری ہے کہ وہ ازل سے قادر علی الخالقیۃ و الرزاقیۃ ہے اس تقریر پر وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کا معنیٰ الصفات الحسنیٰ فادعوہ بہا ہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس اسم سے جو اس کی کسی صفت سے مشتق ہے یعنی اُس کی صفات سے موصوف اور اس کے انہی صفات کے تقاضوں کے مطابق متخلق ہو جاؤ۔

فائدہ اُس کے اوصاف سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیات اور اعمال کو انہی کے تقاضوں پر ڈھالو مثلاً صفت خالقیہ سے متخلق اور موصوف ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ نکاح اس نیت سے کرو کہ توالد و تناسل میں اضافہ ہو۔ یعنی نکاح سے صرف سلسلہ نسل بڑھانا مطلوب[1] ہو۔ اس طرح سے بندہ نہیں ہو جاتا بلکہ صفت خالقیت کا مظہر یا متخلق ضرور ہو جاتا ہے۔

حکایت ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کا اپنی عورت کے مجامعت (ہم بستری) سے اصلی مقصد کیا ہوتا ہے جواب میں فرمایا اگر جماع صحیح طریق پہ ہو تو اس سے ایک انسان کا اضافہ ہوگا۔

فائدہ جماع کا مطلب وہی طبّی اُصول ہے کہ جس کی تکمیل پر نطفہ ماں کے رحم میں ٹھہرتا ہے۔

فائدہ صفتہ رزاقیتہ سے متخلق اور موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی دولت محتاجوں اور مسکینوں پر لٹائے ایسے ایسے جمع کر کے ذخیرہ اندوزی کی لعنت کا طوق گلے میں نہ ڈالے اسی طرح تمام صفات کے متعلق سمجھئے۔

فائدہ بعض صفات سے متخلق ہونا احوال سے ہوتا ہے مثلاً دل کے آئینہ کا تصفیہ اور ما سوی اللہ کے تعلق توڑنے پر اس کی نگرانی اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا تاکہ دل کے اندر انہی صفات کے جلوے

---

[1] اس سے نوکر شاہی مولوی عبرت حاصل کریں جبکہ وہ منصوبہ بندی میں گورنمنٹ کو انسانی نسل کشی کے متعلق شرعی دلائل بہم پہنچاتے اور جواز کا فتوای دیتے ہیں۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

رونما ہوں بلکہ خود وہی اس کے دل پر کارفرما ہوں یہی راز ہے کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ۔
وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ یعنی لوگوں سے دُور رہیئے جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف نہیں ہوتے۔

مسئلہ جن اسما سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے موسوم نہیں فرمایا۔ اُن سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کرنا الحاد ہے جیسے فلاسفر اللہ تعالیٰ کو علت اولیٰ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ علت اُولیٰ سے اُن کی مُراد موجب بالذات ہے لیکن پھر بھی ایک ایسے لفظ سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا جارہا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو موسوم نہیں کیا۔ علاوہ ازیں علت اُولیٰ سے اُن کی مُراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ فعل وخلق و ایجاد میں غیر مختار ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

مسئلہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ایسی صفت سے موصوف کرنا جو اسے اُس کی صفات سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور نہ ہی اُس کے لئے کوئی نص وارد ہے تو یہ بھی الحاد ہے۔

سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ عنقریب انہیں ایسی رُسوائی نصیب ہوگی کہ الحاد کی نحوست سے اُن کا ہر عمل خواہش پر مبنی ہوگا اور اُن پر ازلی مہر لگ جائے گی کہ اُن کے لئے نجات کا راستہ مسدود ہو جائے گا

ع پیچیدہ شود بپائے ہر کس عملش۔ (ہر شخص اپنے عمل سے جکڑا ہوگا)۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دہقاں سالخوردہ چہ خوش گفت بپسر
اَے نورِ چشم من از کشتہ ندروی

ترجمہ: کیا خوب فرمایا بوڑھے کسان نے کہ اے بیٹے میرے نورِ چشم جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا۔

تفسیر عالمانہ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اور بعض اُن میں وہ ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بعض آئمہ ہادین ومہدیین بنائے چنانچہ فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ ۝ اس اُمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہادین مہدیین پیدا فرمائے کما قال وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اور یہ ظرف محلاً مرفوع ہے یا تو اپنے مضمون کے لحاظ سے یا موصوف کے محذوف کے اعتبار سے۔ یہ ظرف مُبتدا ہے اور اُس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ دراصل یہ عبارت یوں تھی وبعض من خلقنا یا لبعض مِمَّنْ خَلَقْنَآ۔

اُمَّۃٌ ایک بہت بڑا گروہ یَّھْدُوْنَ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے درانحالیکہ متلبس ہے بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یعنی وہ حق والے ہیں۔ یا یہ معنٰے ہے کہ کلمۂ حق کے ساتھ ہدایت دیتے اور انہیں استقامت کی دلالت کرتے ہیں وَبِہٖ اور حق کے ساتھ یَعْدِلُوْنَ ۝ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ صحیح فیصلہ کرتے ہیں

یعنی ظلم نہیں کرتے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت میں بعض ایسے لوگ ہونگے جو عیسٰی علیہ السلام کے نزول تک حق پر ہوں گے۔ اُن کے نزول تک ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جبتک کہ زمین پر اللہ اللہ ہوتا رہے گا۔

نکتہ حدیث شریف میں ہے کہ لفظ اللہ کو دوبارہ کہنے کا نکتہ شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں کہ ذکر صرف لسانی مطلوب نہیں بلکہ حقیقی مقصود ہے' ورنہ ہرزبان اللہ اللہ و در دل گاؤ خرکی تو بہتات ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ دُنیا اولیاء اللہ کے دم سے قائم ہے کیونکہ حقیقی ذاکر وہی ہیں۔

اولیاء اللہ کے وجود سے دنیا قائم ہے اس لئے کہ اللہ والے ہی اس اسم اعظم جو کہ جمیع کمالات اور جمیع صفات کا جامع ہے کو حقیقی طور یاد کرتے ہیں

اور اس اسم اعظم کو جو جانتا ہے تو سمجھو کہ وہ جمیع اسما کو جانتا ہے اور اس کو معرفتِ حق بطور اتم واکمل حاصل اور یہ قاعدہ اپنے مقام پہ ثابت ہے کہ معرفت رکھنے والا تمام مخلوق سے کامل ترین ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے وہی اللہ کا خلیفہ اور وہی اس زمانہ کا ولی کامل ہوتا ہے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک دنیا میں انسان کامل ہوگا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوسکتی۔ اس میں اشارہ ہے کہ معنوی طور وہی عبد کامل دنیا کا ستون اور وہی دنیا کو قائم رکھنے والا ہے یا یوں کہو کہ دنیا کا بقا صرف اس بندہ خدا کی وجہ سے ہے جب اُس کا انتقال ہوجائے گا آسمان پھٹ جائے گا اور سورج بے نُور ہوجائے گا اور ستارے گدلے ہوجائیں گے اور صحیفے لپیٹے جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے اور زمین کو زلزلہ آجائے گا۔ پھر قیامت قائم ہوجائے گی حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ کا یہ مضمون (فکوک) میں ہے ۔

ابدال کے متعلق احادیث حدیث (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر ۳۰۰ انسان ہرزمانہ میں ہوں گے جن کے قلوب آدم علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ۔ انمیں چالیس مخصوص ہوں گے جن کے قلوب موسیٰ علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ۔ انمیں پانچ مخصوص ہوں گے جن کے قلوب جبریل علیہ السلام کے مطابق ہوں گے اُن میں تین مخصوص ہوں گے جن کے قلوب میکائیل علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ان میں ایک مخصوص ہوگا جس کا دل اسرافیل کے مطابق ہوگا۔ جب وہی ایک فوت ہوتا ہے تو ان تینوں میں سے لیا جاتا ہے ۔ جب ان تینوں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو پانچوں میں سے ایک کو لیا جاتا ہے اور جب پانچوں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو ساتوں میں سے ایک کو لیا جاتا ہے جب ساتوں میں فوت ہوتا ہے تو چالیس میں سے لیا جاتا ہے جب چالیس میں سے فوت

ہوتا ہے تو تین سو میں سے لیا جاتا ہے تو ان تین سو میں سے جب کوئی فوت ہو تو عام آدمیوں میں سے کسی کو لیا جاتا ہے۔

اولیاء دافع البلاء ہیں انہی حضرات کے صدقے اللہ تعالیٰ اس امت کی بلائیں دور فرماتا ہے۔

غوث و قطبِ وقت کون حدیث مذکور میں جو ایک کا ذکر آیا ہے اس سے اُس زمانہ کے قطب مراد ہیں اور اسے دوسرے لفظوں میں غوث کہا جاتا ہے اُن کی شان جمیع اولیاء کرام میں ایسے ہے دائرہ میں نقطہ کی حیثیت ہے گویا وہی جمیع اولیاء کرام کا مرکز ہوتا ہے (جیسے حضور غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ)۔

حدیث (۲) حضرت ابو داؤد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے چند ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ نماز و روزہ اور خشوع و خضوع اور اچھے سیرۃ و صورت وغیرہ سے ایسے مرتبہ کو نہیں پہنچتے بلکہ سچے تقویٰ و ورع اور حسنِ نیت و سلامت صدر اور جمیع اہل اسلام پر رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چُن کر اپنے لئے مخصوص فرمالیا ہے وہ چالیس مرد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے مطابق ہوتے ہیں۔ جو فوت ہوتا ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے۔

ابدال کے علامات اُن کی نشانیاں یہ ہیں۔

(۱) کسی کو گالی نہیں دیتے۔
(۲) کسی پر لعنت نہیں کرتے۔
(۳) اپنے ماتحت کو نہ ایذا دیتے ہیں نہ انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔
(۴) اپنے سے بڑے کے ساتھ حسد نہیں کرتے۔
(۵) لوگوں سے میٹھے بول بولتے ہیں۔
(۶) نہایت نرم اور رفیق ہوتے ہیں۔
(۷) سخی دل ہوتے ہیں۔
(۸) اُن کی پرواز کو نہ تیز گھوڑے پہنچ سکتے ہیں نہ تیز ہوائیں۔ بس اُن کا واسطہ صرف رب تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اُن کے دل عالم ملکوت کی طرف لگے رہتے ہیں اور ہر وقت نیکی میں سبقت کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا حقیقی گروہ یہی حضرات ہیں۔ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۰ یہ حضرت یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان تھا۔ جو انہوں نے روض الریاحین میں لکھا۔

نسخہ رُوحانی اولیاء کرام نے اپنے بہت بڑے مراتب اس لئے حاصل کئے ہیں کہ انہوں نے خلق کو حق کی راہ دکھلانے اور اُن کے مابین عدل و انصاف سے پیش آنے کو اپنا دستور العمل بنایا باوجودیکہ انہیں اپنی ذات کے لئے کسی حد تک عدل و انصاف اور ہدایت کی کمی نہیں تھی۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور فرماتے اگر پانچ بزرگ نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت کو ہاتھ نہ لگاتا

① امام ابوحنیفہ
② حضرت سفیان
③ حضرت فضیل
④ حضرت ابن سماک
⑤ ابن علیہ رحمہم اللہ تعالیٰ - صرف اُن کی وجہ سے اس لئے تجارت کرتے تاکہ تجارت کا منافع اُن پر خرچ کریں - ایک سال ایسا ہوا کہ جب وہ تشریف لائے تو انہیں عرض کیا گیا کہ ابن علیہ نے خلیفہ (بادشاہ) کی قضا (ملازمت) اختیار کرلی - حضرت عبداللہ بن مبارک نہ ابن علیہ کے ہاں تشریف لے گئے اور نہ ہی مقرر کردہ وظیفہ پیش کیا - ابن عُلیہ خود اُن کے ہاں حاضر ہوئے - لیکن حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف توجہ نہ کی بلکہ بعد کو اُن کے ہاں مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیج دیئے -

یا جاعل العلم لہ بازیا
یصطاد اموال المساکین
اختلت للدنیا ولذاتہا
بحیلہ تذھب بالدین
فصرت مجنونا بہا بعد ما
کنت داواء للمجامین
این روایاتك فی سردھا
سترك ابواب السلاطین
ان قلت اکرھت فذا باطل
زل حمار العلم فی الطین

ترجمہ: اے علم کو شکاری بناکر مسکینوں کے مال لوٹنے والے تو نے دنیا اور اس کی لذات کے لئے یہ ایک حیلہ گھڑا ہے لیکن دین تو رخصت ہو جاتے گا - اس طرح سے تو پاگل ہو گیا ہے حالانکہ اس سے قبل تو پاگلوں کو تندرست بناتا رہا - اس سے قبل کے تیرے وعدے کہاں گئے جبکہ ابواب السلاطین کے ترک پر تو تبلیغ کرتا ہے - علم کا گدھا کیچڑ میں ڈگمگایا -

جب اسماعیل ابن علیہ نے یہ ابیات پڑھے تو رشید (خلیفہ (بادشاہ) کو استعفےٰ پیش کردیا بمشکل ان کا استعفےٰ منظور ہوا جب ابن علیہ نے ملازمت چھوڑی تو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کردیا - کسی نے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لیجائیں گے جہاں سے انہیں

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۛ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا

خبر نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بیشک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب کو جنون سے

بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ

کچھ علاقہ نہیں وہ تو صاف ڈر سنانے والے ہیں کیا انہوں نے

يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ

نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو جو چیز اللہ نے

مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

بنائی اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آگیا ہو تو اس کے بعد

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا

اور کون سی بات پر یقین لائیں گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ

هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْــَٔـلُوْنَكَ

دکھانے والا نہیں اور انہیں چھوڑتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں تم سے

عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ

تم پر نہ آئے گی مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا

اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ہے۔ تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ
تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برُے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر

كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِيَ
میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی

السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
نہ پہنچتی میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور آیات کو نُوں کی طرف مضاف کیا گیا ہے اُن کی شرافت کی وجہ سے اور تکذیب کرنے والوں کو ان کی عظمت جتلانا مطلوب ہے کہ یہی آیات حق کا معیار اور عدل کا مصداق ہیں ۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ہم انہیں مہلت دیں گے یعنی انہیں تباہی و بربادی کے قریب کر دیں گے۔ لیکن تدریجاً تدریجاً الاستدراج بمعنے الاستقعاد یعنی درجہ وار نیچے سے اوپر لے جانا اور الاستنزال بمعنے درجہ وار اوپر سے نیچے لانا یہاں موزوں تر معنٰے یہ ہے کہ تباہیوں اور ہلاکتوں کے اعلیٰ درجات کی طرف دھکیلنا تاکہ وہ عقوبت و عذاب کے انتہائی مراتب کو پہنچیں۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ یہ فعل مذکور کے مصدر کی صفت ہے یعنی ہم انہیں مہلت دیں گے کہ انہیں علم تک نہ ہو گا کہ سزا اُن کے جرائم و معاصی سے ملے گی ہی نہیں بلکہ وہ اس مہلت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے یا انہیں معلوم نہیں ہو گا کہ ہم اُن کے متعلق کیا ارادہ رکھتے ہیں وہ اس لئے کہ اُن پر اندریں اثنا نعمتوں کی فراوانی کر دی جائے گی۔ اسے وہ سمجھیں گے کہ اُن پر لطف الٰہی ہے بنا بریں وہ اُٹھا کر ڈھائیں گے اور غلط کاریوں کو تیز تر کر دیں گے۔ یہاں تک کہ سخت ترین عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے ؎

مدہ خود را فریب از رنگ و بویم

کہ ہست از خندۂ من گریہ آمیز

ترجمہ: خود کو رنگ و بو میں دھوکہ نہ دے اس لئے کہ خندہ (ہنسنے) سے آنسو بہانے پڑیں گے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بمہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو

ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستاں گفت

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے زمانہ نے دی ہے اس میں سیدھی راہ سے نہ ہٹ۔ تجھے کس نے کہا ہے

کہ یہ بوڑھی دنیا تیرے ہاتھ میں رہے گی۔

وَاُمْلِی لَھُمْ ؕ قف کسی کو اس کے اپنے طریقہ پر برقرار رکھ کر اس کی مہلت بڑھا دینا اور اس کے مواخذہ پر عجلت نہ کرنا۔

بقیہ ص ۲۱۵

کیا خوب فرمایا ؎ ابو حنیفہ قضا نکرد و بمُرد

تو بمیری اگر قضا نکنی

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضا قبول نہ کی اور اسی پر وصال فرمایا۔ تو مرتا ہے اگر کوئی نوکری نہیں کرتا۔

لطیفہ اعدل تکن من صروف الدھر ممتنعا

فالصرف ممتنع للعدل فی عمر

ترجمہ: عدل کرنے سے تمہارے حوادث دہر دور رہیں گے۔ حضرت عمر میں صرف ممتنع ہے عدل کی وجہ سے۔

عدل کی صوفیانہ تقریر عدل اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہے بمعنے عادل اور عادل ہر وہ شخص جس سے عدل کا صدور ہو۔ جور و ظلم کی نقیض عدل ہے۔ عادل کو وہ جانتا ہی نہیں جو اس کے عدل سے واقف نہیں اور عادل کے عدل کو پہچانا جانا جبتک اُس کے فعل کا علم نہ ہوا اور عدل سے جتنا فوائد انسان کو نصیب ہوتے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ عدل سے موصوف ہونے میں سب سے پہلے ضروری ہوتا ہے تو شہوت و غضب کو قیدی بنا دے لیکن عقل و دین کے تقاضوں کے مطابق۔ جو شخص عقل کو غضب و شہوت کا خادم بنا دے اس سے ظلم سرزد ہوتا ہے۔ یہ عدل کا اجمالی خاکہ تھا اس کی تفصیل حدود شرع کے مطالعہ سے معلوم ہو گی۔

اپنے اوپر عدل کے تقاضاؤں کی تفصیل اپنے لئے عدل کی تفصیل یہ ہے کہ ہر عضو کو اس حکم کا پابند بنائے جس طرح اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا حکم ہے اسی طرح اپنے اہل و عیال اور اپنے ماتحت لوگوں میں بھی عدل یونہی ہے کہ جیسے شرع پاک نے حکم فرمایا ہے۔

ازالہ وہم عموماً ظلم کا مطلب یہی ہے کہ کسی کو ایذا اور عدل یہی ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچائے یہ غلط ہے مثلاً کوئی بادشاہ اپنے خزانہ (جو مختلف اسلحہ اور کئی نادر کتب اور کئی طرح کے اموال سے پُر ہے) مال و دولت کو لُٹا دے اور اسلحہ اور قلعے علماء پر تقسیم کر دے اور نادر کتابیں لشکریوں فوجیوں اور مجاہدوں کو دے کر انہیں مساجد و مدارس کا مالک بنا دے اس طرح سے اس نے غیروں کو فوائد و منافع سے تو بھرپور کیا ہے لیکن حقیقت بیں نگاہ سے دیکھا جائے تو اس نے سراسر ظلم اور عدل سے کوسوں دور کی کارروائی کی ہے اس لئے کہ اشیاء مذکورہ کو غیر محل میں تقسیم کیا ہے اسی طرح مریضوں کو کڑوے دوا مجبور کر کے پلائے جائیں یا انہیں پچھنے لگوائے جائیں اور خون نکالا جائے اور وہ بھی اور یہ اشیاء اس ترتیب پر جیسے حکم الٰہی ہے اور وہ ترتیب لطف و رحمت سے خالی نہیں یہی توجیہ عدل ہے۔ (کذا فی المقصد الاقصیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ الامام غزالی رحمۃ الملک المتعالی)۔

فائدہ مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُهُمْ پر ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس میں سین استقبالیہ کا مفہوم بھی ہو اس لئے کہ املا میں مطلق اطالۃ و اہمال مطلوب ہوتی ہے اسمیں استدراج کی طرف تدریجی امور کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسا فعل ہے کہ اس کا صدور یکبارگی ہوتا ہے ۔

سوال اسمیں بھی لیبا اوقات تدریج ہوتی ہے ؟

جواب نفسِ فعل میں تدریج نہیں ہوتی ۔ البتہ اس کے آثار و احکام میں گا ہے گا ہے تدریج ہوتی ہے اور آثار و احکام کی تدریج نفسِ فعل کو مستلزم نہیں ۔ اس نکتہ نگاہ میں استدراج میں صیغۂ جمع اور املا میں واحد کا صیغہ لایا گیا ہے ۔

اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ۝ بے شک میری خفیہ تدبیر مضبوط ہے یعنی میری گرفت سخت ہے ۔

سوال اس گرفت کو کید بمعنے مکر و حیلہ مجازاً خفیہ تدبیر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب ① گرفت مذکور کو مکر و حیلہ سے مشابہت ہے کہ بظاہر انہیں نعمتوں سے نوازا گیا ہے لیکن بہ باطن انہیں رسوا کیا گیا ۔

جواب ② سعدی چلپی مفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے کید سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان پر یہ عذاب اس طریق سے نازل ہوا کہ انہیں محسوس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا اصلی موجب کیا ہے فرمایا کہ یہی جواب اولیٰ ہے ۔

فائدہ الکید بمعنے الاخذ بخفیۃ یعنی کسی کی خفیہ گرفت کرنا ۔

فائدہ ہدادی نے لکھا کہ الکید بمعنے الاضرار بالشیٔ من حیث لا یشعر بہ یعنی کسی کو ایسی شے سے ضرر پہنچانا کہ اسے اس شے کا احساس تک نہ ہو ۔

تفسیر صوفیانہ حکم ① عطائیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دائمی احسانات اسی طرح اس کی دائمی طور تکالیف پہنچانے سے خوف رکھنا لازمی ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ منجملہ ڈھیل دینے کے ہو کما قال سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اس آیت کی تفسیر میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم انہیں نعمتوں سے بھرپور کر دیتے ہیں لیکن وہ نعمتوں میں منہمک ہو کر شکر نہیں کرتے جب وہ نعمتوں کے نشہ سے مخمور ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی گرفت کی جاتی ہے ۔

② حضرت ابو العباس بن عطا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں تو ہم انہیں نعمتوں سے نوازتے ہیں ۔ اس طرح انہیں استغفار کا موقعہ نہیں ملتا تو پھر پکڑے جاتے ہیں ۔

③ حضرت شیخ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ استدراج کے کئی طریقے ہیں ۔

① آزمائش خوف کے بغیر کسی پر پے در پے احسان و کرم کرنا ۔

② شہرت حاصل کر لینا لیکن خوف خداوندی سے یکسر خالی ہونا ۔

(۳) مقاصد پالینا نقصان سے بچ جانا۔
(۴) اُمیدیں پوری کر دینا مقصد براری پر اس کی وفا کا مطالبہ نہ کرنا۔

(۵) بظاہر یاری کا دم بھرنا اندرون خانہ غیروں سے ساز باز رکھنا۔

فائدہ استدراج کا ایک معنی اور بھی ہے وہ یہ سالک کو نہ اپنی خبر ہو اور نہ رب کا پتہ اس لئے بے ادبی کر کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرے یا اپنے آپ کو مصائب کے وقت آزمائش ربانی سمجھے لیکن اس سے معافی کے بجائے اپنے لئے بلندی مراتب کا دم بھرے تو ایسے بندے کو سزا میں مہلت مل جاتی ہے جسے وہ اُلٹا اور بدمست ہو جاتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ اگر میرا پروگرام غلط ہوتا تو مجھے اتنا کیوں نوازا جاتا۔ اس گھمنڈ میں وہ مارکھا جاتا ہے جس کا اُسے اپنی غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا اسی طرح وہ اپنی تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہوتے وقت بھی یہی تصور کرتا ہے کہ اگر میرے لئے ترقی درجات نہ ہوتی تو مجھے امتحان میں نہ رکھا جاتا۔ بلکہ مجھے تو آرام ملتا یہ بھی اس کی غلط خیالی ہے اس لئے کہ وہ اس طرح اپنے گھمنڈ کی سزا پائے گا اُسے چاہیئے کہ ترقی درجات کی خوش فہمی میں رہے بلکہ معافی کے سامان کی تیاری کر کے بارگاہ میں گڑگڑائے تاکہ اُسے ایسی تکالیف سے بھی نجات ملے اور رضائے حق بھی نصیب ہو۔

حکایت حضرت احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے دبدبہ سے خوف رکھنا اور اُس کے فضل و کرم کی اُمید میں رہنا اور اس کی گرفت سے بھی بے خوف نہ رہنا اگر اُسے ہر بندے کو بہشت میں داخل کرنے کا ارادہ ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نہ نکالتا۔

سوال مجرموں کو مہلت دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب تاکہ بندے کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اخذ و انتقام سے لطف و احسان محبوب تر ہے ورنہ اگر اخذ و انتقام محبوب ہوتے تو مجرم کے جرم کے بعد فوراً اُس کی گرفت کرتا ہے۔ اُس نے مہلت دیدی تاکہ وہ اُسے گناہوں کی معافی لینے کا موقعہ مل جائے اور وہ کریم بندے کو معاف فرمائے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ اس کے نزدیک غضب و شفقت اور کرم موازی مرغوب تر ہے اور اس کی غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں مہلت دینا اس کی عادات کریمہ سے ہے کہ یہ بھی جود و سخا ہے کہ مجرم کی فوراً گرفت نہیں کرتا۔

فائدہ بعض بزرگوں نے مہلت دینے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ظالم مہلت میں اور ظلم کرے گا پھر اس کی گرفت اور سخت تر ہو جائے گی اور کسی کو جلد پکڑ لیتا ہے اور وہ بھی اس کی کریمی ہے کہ اگر اس کی جلد تر گرفت نہ ہوتی تو بندہ غلطیوں میں بڑھتا رہتا تو اس کی سزا سخت تر ہوتی اس لئے اس کے لئے آخرت کی سزا میں تخفیف کرتے ہوئے جلد پکڑ لیا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ خفیہ تدبیر ربانی سے ہر وقت خوفزدہ رہے اور اپنی مسکینی عاجزی اور فقیری و انکساری کو نعمت اور اپنی عزت افزائی سمجھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب تر ہے اور دنیا کو ایک حالت پر قرار نہیں کبھی کو چند دنوں کے لئے ملتی ہے

تو پھر اس سے چھین لی جاتی ہے اور کسی سے چھینی جاتی ہے تو پھر اسے واپس دی جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

زمانہ بہ نیک و بد آبستن است ستارہ گہے دوست و گہ دشمن است

ترجمہ: زمانہ نیک و بد سے حاملہ ہے ستارہ کبھی دوست ہوتا ہے کبھی دشمن :

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سَكَتَ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط کیا انہوں نے نہیں سوچا کہ اُن کے ساتھی کو جنون نہیں۔

شانِ نزول حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو کئی راتیں صبح تک اللہ کے عذاب سے ڈرانے رہتے تھے اور بتاتے کہ سابقہ اُمتوں کا کیا حشر ہوا۔ تم بھی اگر احکامِ الٰہی کا انکار کروگے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ ایک رات صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قبیلہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور دعوت اسلام پیش فرمائی یہاں تک کہ صبح ہو گئی انہیں سے ایک کافر نے بکواس کی کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہو گئے ہیں کہ ساری رات شوریدہ اور چیختے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) اس کافر کی بکواس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ترکیب ہمزہ انکار و تعجب و توبیخ کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ اور اس کا معطوف الیہ مقدر ہے اور ما نافیہ ہے اس کا اسم جنۃ اور بِصَاحِبِهِمْ اُس کی خبر ہے اور اس جُملہ کا تعلق تفکر سے ہے اس لئے کہ وہ معنےٰ افعال قلوب سے ہے اور یہ ہر دُونوں وجہوں سے علیٰ نزع الخافض منصوب ہے۔

الجنۃ بالتا جنون کا ایک نوع ہے اس پر مِن داخل کرنے سے بتایا گیا ہے کہ جنون کی کوئی قسم بھی آپ میں نہ تھی اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی اور انہوں نے اسے سوچا تک نہیں کہ اُن کے مصاحب کو جنون نہیں وہ تو اُن کی بات انہیں تفکر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ اُن کی نبوت صدق و صحت پر غور و فکر کر کے اُن پر اور اُن پر نازل شدہ آیات پر ایمان لائیں۔

فائدہ جنون کی نفی کر کے ان کی بدبختی کو طشت برہام کیا گیا ہے۔

نکتہ حضور علیہ السلام ان کے لئے دشمن ہونے کے باوجود اُن کے صاحب جتلانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم خود ہی پہلے انہیں اپنا مصاحب مانتے تھے بلکہ نبوت کے مُہار سے پہلے انہیں محمد الامین (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پکارتے تھے (اب کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے جانی دشمن بن بیٹھے ہو یہ بھی تفکر کی ایک قسم کی دعوت ہے۔

اِنْ هُوَ نہیں ہیں وہ (حضور علیہ السلام) اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ہ مگر ڈرانے اور ظاہر کرنے والے اسمیں حضور علیہ السلام کی کمال شفقت و رافت کو بیان کیا گیا ہے اور آپ کی دعوت میں مبالغہ اور شب بھر وعظ کرنے کا عذر بھی بتایا گیا ہے۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا یہ ہمزہ بھی انکار کے لئے ہے اور واو کا عطف کذبوا مقدر ہے یعنی کیا انہوں نے تامل و استدلال کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کے بہت بڑے ملکوں میں کہ یہی آسمان و زمین کے بڑے بڑے ملک اللہ تعالیٰ کے مالک اور قادر ہونے کی عظمت پر دلالت کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ زمین و آسمان کے بڑے بڑے ملکوں کی تخلیق عبث

ف یعنی ابولہب نے۔ ۱۲

نہیں اور نہ ہی بندوں کو بے کار چھوڑ رکھا ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ملکوتُ السموات سے نجوم، شمس و قمر اور ملکوت الارض سے بحور، جبال اشجار مراد ہیں اور ملکوت بمعنے بڑا نہایت عظیم ملک ہے جیسے رہبوت رہبت سے تا مبالغہ کے طور بڑھائی گئی ہے مثلاً کوئی کہے کہ ملکوت العراق متعلق بی" یعنی عراق کا بہت بڑا عظیم ملک میرے متعلق ہے۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ اس کا عطف ملکوت السموات پر ہے یعنی کیا تفکر نہیں کرتے ان میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ **مِنْ شَیْءٍ** یہ ما خلق اللہ کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر صرف بڑی بڑی مصنوعات ہی دلالت نہیں کرتیں بلکہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی اشیاء بھی اس کی توحید اور صنعت پر دلالت کرتی ہیں۔ جس پر بھی لفظ شئے کا اطلاق آئے گا وہی دلالت کرے گی خواہ وہ شئے بڑی ہو یا چھوٹی اعلیٰ قدر ہو یا معمولی اور شئے کئی اجناس پر مشتمل ہوتی ہے کہ جن کا احصاء ناممکن ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودات کا ہر چھوٹا بڑا فرد غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور دلالت کرتا ہے کہ وہ کریم وحدہٗ لاشریک اور صانع مطلق ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ

تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدًا

ترجمہ: ہر شئے دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔

وَّاَنْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ اس کا عطف بھی ملکوت پر ہے اور اِن مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور اس کا اسم ضمیر شان ہے خبر قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ ہے یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ شان یہ ہے کہ اُن کی موت کا وقت قریب ہے کہ عنقریب اُن پر موت کا حملہ ہو گا پھر انہیں کیا ہو گیا کہ وہ طلب حق میں عجلت نہیں کرتے اور نہ ہی اس طرح متوجہ ہوتے ہیں کہ کوئی ایسا عمل کریں کہ جس سے اُن کی نجات ہو جائے یہ موت اور نزول عذاب سے پہلے لازمی ہے

(۱) زاں پیش کا جل فرا رسد تنگ

وایام عنان ستاند از چنگ

(۲) برمرکب فخر خویش نہ زیں

مردانہ دار آری در رہ دیں

ترجمہ: (۱) اس سے پہلے کہ اجل تیرا راہ تنگ کر دے اور دور زمانہ تیرے ہاتھ سے باگ چھین لے۔

(۲) اپنے فخر کی سواری پر زین رکھ کر جواں مردوں کی طرح راہ دین پر چل۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ حدیث لغت میں بمعنے جدید اور عرف عام میں بمعنے کلام یعنی پس کونسی بات پر **بَعْدَہٗ** قرآن مجید کے بعد **یُؤْمِنُوْنَ** ایمان لائیں گے۔ یعنی اگر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے تو پھر کس پر ایمان لائیں گے اس لئے کہ قرآن پاک میں ہر شئے کا بیان مکمل طور پر ہے اس کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہو گی اور نہ ہی کوئی نبی

مُرسل تشریف لائے گا۔ اُن کے ایمان نہ لانے کو قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے اور ہر طرح سے نفی کی گئی کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لانے والے اور بایومنون کے متعلق ہے مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اور قرآن مجید سے فائدہ نہ اٹھانے دے فَلَا ھَادِیَ لَہٗ تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں وَیَذَرُھُمْ یذر کو یا سے پڑھا جائے اور وہ مرفوع اور جملہ مستانفہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں چھوڑ دے گا۔ فِیْ طُغْیَانِہِمْ اپنی گمراہی میں یعنی کفر کی انتہائی سرحد میں یَعْمَھُوْنَ ہ یہ یذرھم کے مفعول سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ متردد و متحیر پھرتے رہیں گے۔

حل لغات قاموس میں" العمہ محرکۃ۔ التردد فی الضلال و التحرفی منازعۃ او طریق یعنی العمہ کو بالحرکۃ پڑھا جائے گمراہی میں تردد اور منازعت یا طریق میں متحیر ہونا کسی دلیل اور حجت کو نہ جاننا۔

مسئلہ آیت میں تفکر پر برانگیختہ کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ عاقل وہ ہے جو آفاتِ وہم و خیال اور ہوا و ہوس اور تقلیدِ آبا سے بچ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق اور آپ کے اخلاق اور سیرت پر غور کرے قطع نظر آپ کے معجزات سے تو یقین سے کہہ سکے گا کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور جس کی آپ دعوت دیتے ہیں وہ حق اور صدق پر مبنی ہے۔ ایسے تفکر سے نارِ جہنم سے نجات نصیب ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل نار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ناری اس لئے نہیں سمجھنے کہ انہیں سمجھنے سوچنے کی کوتاہی رہی کما قال حکایۃً منہم" وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ہ

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ مکوّنات دو قسم ہیں۔

(۱) جنہیں بغیر کسی شئی کے واسطہ کے پیدا کیا گیا اسے ملکوت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی کون کا باطنی طریقہ ہے اور اس پر ظاہری کون قائم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔

(۲) وہ اشیاء جو کسی شے سے پیدا کی گئی ہیں یعنی یہی ملک جو کون کا ظاہر ہے یاد رہے کہ ظاہر ملک کو آنکھوں سے اور ملکوت یعنی ملک کو عقل اور قلب سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول ان آیات کو نظرِ عقل سے دیکھ کر استدلال کرتے ہیں تو انہیں معرفتِ حق نصیب ہوتی ہے اور صانع کے وجود کا اثبات بھی اسی طرح سے کرتے ہیں اور اربابِ عقول کو شواہد غیب کا صرف نہیں بلکہ اُسے ملکوت غیب میں داخلہ نصیب نہیں ہوتا۔ تاکہ ایمان ایقان بلکہ عیان ہو چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۔

فائدہ ملکوت یعنی غیوب کا مشاہدہ کرانا اللہ تعالیٰ کا قدیمی طریقہ ہے کہ ایسا مشاہدہ ہر نبی اور ولی کو کراتا ہے جسے چاہتا ہے عالم ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت کی سیر کراتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کو عالم صغیر کی سیر نصیب ہوتی ہے کسی کو عالم کبیر کی اور بفضلہ تعالیٰ یہ طریقہ تا قیامت جاری رہے گا یعنی جبتک

بندے سیر الی اللہ اور سلوک طے کرتے رہیں گے۔

انسان کی امتیازی شان بھی اس وجہ سے ہے ورنہ انسان اور حیوان میں بظاہر کوئی فرق نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ اُس نے نوع انسان پر فضل فرمایا کہ اپنے پیارے بندوں کو مخصوص راستے دکھائے جن پر وہ چل کر ترقی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے عالم اکوان سے پرواز کر کے عالم شہود و اعیان بلکہ وصال الی الملک المنان سے نوازے جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں مرتبۂ ایقان نصیب ہوتا ہے اور اس مقام کو مقام احسان کہا جاتا ہے۔ ان منازل کو طے کرنے اور مقام احسان کو حاصل کرنے کے بعد اسے نبی (اگر دورِ نبوت ختم نہ ہوا ہو) ورنہ ولی بنا کر بھیجا جاتا ہے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو حکمت بیان کی راہیں دکھلائیں اور اسلام و ایمان کی باتیں بتائیں اور انہیں ربِ رحمٰن کے وصال کی دعوت دیں اور جو اُن کی دعوت پر لبیک پکاریں انہیں بہشت و رضوان کی خوشخبری سنائیں اور جو نہ مانیں انہیں دوزخ سے ڈرائیں

سبق جو اُن کی بات مان لے گا اُسے لطف و احسان سے نوازا جائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہمیشہ خائب و خاسر رہے گا اس لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ ملکوت السمٰوٰت والارض کی سیر اسے نصیب ہوگی جو دوبارہ پیدا ہوگا۔

خلاصۃ المرام اینکہ اصحابِ قلوب کو مشاہدہ ہوتا ہے اور اربابِ عقول کی نظر و استدلال سے معرفت نصیب ہوتی ہے (کذا فی التاویلات مع شرح و اضافات شیخنا ابقاہ اللہ بالسلامۃ (قدس سرہ العزیز)۔

حکایت امام اعظم قدس سرہٗ اور دہریوں کا مسلمان ہونا

منقول ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں عبادت میں مشغول تھے کہ چند اعدائے اسلام آپ کو قتل کرنے کے لئے آ گئے آپ نے فرمایا کہ مجھے مرنے سے کوئی خطرہ نہیں لیکن میرا ایک سوال ہے اُسے حل کر دو پھر مجھے قتل کر دو۔ انہوں نے کہا بتایئے وہ سوال کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے ایک دریا میں دیکھا کہ کشتی کشتیبان کے بغیر چل رہی تھی۔ سب ہنس پڑے اور مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کشتی کشتیبان کے بغیر کیسے چل سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا جب ایک معمولی کشتی ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی تو چودہ طبقات کا کارخانہ سورج اور چاند ستارے یعنی علوی و سفلی عالم کا نظام چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔ تمام دھریئے خاموش ہو گئے اور انمیں اکثر کو دولت ایمان و اسلام نصیب ہوئی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

درحشمتِ سلیماں ہر کس کہ شک نماید
برعقل و دانش او خندند مُرغ و ماہی

ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حشمت پر جو شک کرے گا اس کا مُرغ و ماہی تک مذاق اڑائیں گے۔

تفسیر عالمانہ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے ساعۃ یعنی قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

تحقیق الساعۃ ① یہ لفظ اکثر قیامت کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے جیسے النجم کا اکثر اطلاق ثریا (کہکشاں) پر آتا ہے اور قیامت کو "الساعۃ" سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ الساعۃ بمعنے اچانک اور قیامت بھی بغتۃً (اچانک) واقع ہوگی۔ بنابریں اسی نام سے موسوم ہوئی یا

② اس لئے کہ دنیا کا تمام حساب و کتاب منٹ سیکنڈ میں طے ہوجائے گا۔ بنابریں اسے "الساعۃ" سے تعبیر کیا گیا۔ (تسمیۃ الکل باسم الجز" کے قبیل سے ہے) یہ گھڑی ایسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اسی حساب و کتاب کے سوا باقی تمام امور بند کر دے گا یا اس لئے کہ وہ اوقات جو بندوں کے ہاں بہت بڑے طویل اور دُور دراز اور لمبے چوڑے محسوس ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایک گھڑی میں طے فرمائے گا۔

یاد رہے کہ ساعت اُس گھڑی کو کہا جاتا ہے جبکہ مُردگان قبروں سے اٹھیں گے اس لحاظ سے اسے ساعۃ قیام الناس من الاجداث کہنا چاہئے تھا لیکن اب اُس کا تعین اور تعین پر غلبۂ استعمال کی شہرت ہوچکی ہے اس لئے مضاف الیہ اور دیگر متعلقات کے لانے کی حاجت نہیں رہی۔

شان نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں یہودی حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمیں قیامت کے قیام کا پتہ دیجئے۔ اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ کب قائم ہوگی۔ یہ صرف انہوں نے بطورِ آزمائش کے کہا ورنہ انہیں بھی یقین تھا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمایا۔ اُن کے سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَیَّانَ مُرْسٰهَا ایان ظرف زمان اور استفہام کے معنے کو متضمن ہے اور وہ محلاً مرفوع خبر مقدم ہے اور **مُرْسٰهَا** مبتدا مؤخر ہے یعنی اس کا اثبات و تقرر کب ہے۔ مُرسیٰ مصدر میمی ہے۔ "ارساء" سے ہے بمعنے اثبتہٗ و اقرہٗ اور اکثر اس کا استعمال اُن اشیاء میں ہوتا ہے جو بہت زیادہ بوجھل اور ثقیل ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والجبال ارسٰها اور چونکہ قیامت کا وقوع مخلوق کے لئے بہت زیادہ ثقیل اور بوجھل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ارسٰی سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کا حرف جر محذوف کیا گیا ہے اس لئے اُسے محلاً منصوب مانا جائے گا اور حرف جر محذوف اس لئے مانتے ہیں کہ جار و مجرور سے بدل ہے صرف مجرور سے بدل نہیں۔ گویا اصل عبارت یوں تھی یسئلونک عن الساعۃ ان ایان مُرْسٰهَا۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا فرمائیے میرا محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ اس کا علم۔

سوال علمها کے بجائے علم وقتها کیوں نہیں فرمایا؟

جواب یہودیوں کا سوال اصل نفس قیامت سے تھا تو جواب اسی نہج سے دیا گیا۔ اگر اسے وقتِ معین سے مضاف کیا جاتا ہے تو باعتبار حلول کے ہے کہ وہ اس وقتِ معین میں واقع ہوگی۔ اس سے اس اعتبار پر سوال نہیں کیا گیا کہ وہی وقت اس کا محل ہے اور وہی محل سوال کا مطلوب ہو اس لئے سوال میں ارسٰی کو ساعۃ کی وہی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہی طرز بتاتا ہے کہ ان کا مقصود نفس ساعۃ کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہی طرز بتاتا ہے کہ ان کا مقصود

نفس ساعت تھا نہ کہ اس کا محل۔

عِنۡدَ رَبِّیۡ ج میرے رب تعالیٰ کے ہاں ہے یعنی ساعت کا علم اُس کا خاصہ ہے اس پر کسی ملک مقرب اور نبی مُرسل کو مطلع نہیں فرمایا۔ لَا یُجَلِّیۡهَا اسے ظاہر نہیں کرے گا۔ یعنی ساعت کا معاملہ کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔ یُجلیھا تجلیۃ سے مشتق ہے بمعنے اظہار اور تجلی بمعنے ظہور۔ لِوَقۡتِهَا اس کے وقت میں یہ لام اقم الصّلوٰۃ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ کی طرح توقیت کی ہے۔ اِلَّا هُوَ ؕ م سوائے اس کے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے وقت وقوع سے پہلے غیروں سے مخفی رکھا ہے اُسے صرف اس وقت ظاہر فرمائے گا جو اُس کا وقت مقرر ہے۔

رَدِّ وہابیہ ودیوبندیہ[1] اس میں اخبار (خبر دینے) کی نفی نہیں اور مخفی رکھنا بھی عوام کے لیے ہے تاکہ وہ طاعات میں لگے رہیں اور برائیوں سے بچیں جیسے عوام کو اپنی موت کا علم نہیں ہوتا۔ اسیں بھی یہی حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لئے عوام سے قیام ساعت کا وقت مخفی رکھا تاکہ وہ توبہ میں عجلت کرکے ہر وقت اطاعت وعبادت میں لگے رہیں اس لئے کہ اگر انہیں قیامت کے متعلق معلوم ہو جائے تو نہ توبہ کریں گے اور طاعت وعبادت میں جدوجہد۔

قیام قیامت کے علم کے ثبوت کے نظائر جیسے عوام سے لیلۃ القدر کی گھڑی پوشیدہ رکھی ہے تاکہ اس کے حصول کے لئے تمام مہینہ کی راتوں میں عبادت واطاعت میں جدوجہد کریں۔ اسی طرح جمعہ کی اجابت دعا کی گھڑی عوام سے پوشیدہ رکھی تاکہ وہ جمعہ کے اکثر اوقات میں دُعا کے لئے کوشاں رہیں۔ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وہ قیامت آسمان وزمین کے مکینوں کے لئے بہت سخت بوجھل ہے یعنی ملائکہ اور جنات اور انسانوں کے لئے اس کا مخفی ہونا پوشیدہ ہونا ایک اہم اور دائرہ عقول سے ایک خارجی معاملہ ہے یا آسمان وزمین کے مکینوں کے لئے سخت بوجھل ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ قیامت کے شدائد تکالیف اور اس کے اندر ہولناک امور ہیں منجملہ اُس کی ہولناکی کے ایک یہی ہے کہ اس کے وقوع پر تمام آسمان وزمین کے مکین فنا وہلاک ہو جائیں گے اور یہ بات دلوں پر ایک بوجھ ڈالتی ہے۔

لَا تَاۡتِیۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ تمہارے ہاں وہ نہیں آئے گی مگر اچانک یعنی غفلت کی حالت میں قائم ہوگی یہاں تک کہ اس وقت غافل انسان اپنے جانوروں کو پانی پلانے اور اپنے حوض صاف کرنے اور اپنا سامان بازار میں بیچنے میں اور تاجر اپنے ترازو کو کم وبیش تولنے کی عادت اور کھانے والا لقمہ منہ میں ڈالنے میں مشغول ہوگا ابھی اس کا لقمہ حلق میں نہیں اترے گا کہ قیامت واقع ہو جائے گی۔

یَسۡـَٔلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنۡهَا ؕ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اُسے جانتے ہیں۔

حَفِیٌّ حفی عن الشّیٔ سے ہے یہ اُس کے لئے بولتے ہیں جو کسی شے کے متعلق باربار سوال کرے اور اس کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جو کسی شے کے جاننے میں بہت زیادہ جدوجہد کرے اور اس کے متعلق سوال کرکے اس کے معلومات

---

[1] جبکہ یہ فرقہ آیت مذکورہ سے استدلال کرتا ہے کہ قیام ساعت کی تعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم نہیں تھی اس کے رد میں صاحب روح البیان کا مضمون ہذا ہے۔ (اُویسی غفرلہ)

میں پختہ کاری کرلے اور اس کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اس کے معلوم کرنے میں اپنے تمام امکانات صرف کر ڈالے پھر اس کا اسے ماہر سمجھا جاتا ہے اور حضور علیہ السلام کے لئے یہی معنی مراد ہیں کہ گویا آپ اس کے حاصل کرنے میں ممکن کوشش کر کے جاننے والے ہیں۔

سوال جب حفی بمعنی عالم ہے تو پھر اسے عن سے متعدی کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب چونکہ اس میں صرف علم کا معنی مطلوب نہیں بلکہ المبالغۃ فی السوال کے معنی کو متضمن ہے پھر اس کے بعد مفعول یہی ہے کہ سوال میں مبالغہ کر کے اپنے علم کو مستحکم کرنا۔ یہ جملہ تشبیہ ہے اور محلاً منصوب ہے اور یسئلونک کے کاف سے حال ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ آپ سے سوال کرتے ہیں درانحالیکہ آپ کو اس شخص سے تشبیہ دیتے ہیں جو قیامت کے متعلق سوال کر کے معلومات حاصل کرتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ فرمایئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ بے شک اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

سوال اس کا تکرار کیوں؟

جواب تاکہ یقین ہو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ان کی تخیلات کی تائید ہو اور **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝** کے لیے تمہید ہو یعنی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ بعض تو سرے سے قیام قیامت کے منکر ہیں اور بعض اگرچہ وقوع کے قائل تو ہیں لیکن انہیں گمان ہے کہ حضور علیہ السلام اس کے وقوع سے بالتعیین واقف ہیں اسی جہالت کی بنا پر آپ سے سوال کرتے ہیں بعض کو دعویٰ ہے کہ اس کے وقوع کا علم لازم نبوت سے ہے تاکہ اس سے سوال کر کے آپ کی رسالت پر جرح قدح کر سکیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا فرمایئے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے لئے نہ نفع کا مالک ہوں اور نہ نقصان کا پھر جو شخص ذاتی طور پر یہ نہیں جانتا کہ نفع کس میں ہے اور نقصان کس میں تو پھر وہ قیامت کے قیام کو کس طرح ذاتی طور پر جان سکتا ہاں باذن اللہ تعالیٰ و عطائی جاننا اور بات ہے اس کی تشریح آتی ہے۔ لنفسی کا تعلق **لا املک** سے ہے کذا قال سعدی چلپی المفتی۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق نفعا ولا ضرا سے ہے **اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ** مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ مجھے اس کے نفع و نقصان کا الہام فرمائے اور اس کی اطلاع دیدے یا مجھے قدرت دیدے تو اس کا میں مالک ہوں اور مقتضی یہ استثنا متصل ہے یہ الا بمعنی لکن ہے اس معنی پر یہ استثنا منقطع ہے ساعت کے علم سے اظہار عجز میں یہی زیادہ موزوں ہے۔

ف جیسا کہ وہابیوں دیوبندیوں کا طریقہ ہے وہ ہر [illegible] یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت (ساعت) کا علم تھا۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور اگر میں جنس غیب جانتا لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا۔ یعنی مال جمع کر لیتا اور بہت بڑے منافع کما لیتا یہ معنےٰ اس لئے ہے کہ استفعال کا باب متعدی لنفسہ ہے جیسے استذلہ بمعنے اُس نے اُسے ذلیل کیا۔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اور نہ ہی فقر و فاقہ کا شکار ہوتا اور نہ ہی کوئی دکھ اور درد پہنچتے۔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ میں نہیں ہوں مگر نذیر و بشیر۔ یعنی میں نہیں ہوں مگر ایک بندہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر جو ڈر سناتا اور خوشخبری دیتا ہوں اور جو علوم ان دونوں سے متعلق ہیں دینی یا دنیوی ہر لحاظ سے اُن کا مجھ سے سوال کر سکتے ہیں اور جب غیب کو ان دونوں سے تعلق نہیں یا احکام و شرائع سے انہیں کوئی واسطہ نہیں اس کا مجھ سے سوال نہ کرو۔ قیامت کے متعلق بھی جو علوم متعلقہ اس سے واسطہ رکھتے ہیں ان کا میں تمہیں بتاتا رہتا ہوں یعنی اُس کی ہولناک خبریں اور اس دن کی مجرموں کو سزائیں یا اُس کے وقوع کے متعلق یقین دلانا یا اس کا قریب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں میرے ذمہ تھیں اور وہ میں نے بتا دیں باقی رہا اُس کے وقوع کے وقت کا تعین نہ اُسے انذار سے تعلق ہے نہ میں بتاتا ہوں بلکہ بتاؤں تو وہ انذار کے خلاف ہے اسی لئے مجھ سے اس کا سوال ہی بے سود اور بے محل ہے اس لئے کہ اگر تعین بتا دیا جائے تو پھر کون گناہوں سے بچتا ہے اور کیسے توبہ کی طرف توجہ ہو سکتی ہے اور یہ دونوں باتیں نبوت کی اصل غرض و غایت کے منافی ہیں۔ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اُس قوم کے لئے جو ایماندار ہے اس کا تعلق نذیر و بشیر ہر دونوں سے ہے۔ اس لئے کہ مؤمن جس طرح نبی علیہ السلام کی بشارت سے استفادہ کرتا ہے ایسے ہی انذار سے بھی نفع پاتا ہے یا اس کا تعلق صرف بشیر سے ہے لیکن نذیر کا متعلق محذوف ہے یعنی نذیر لقوم ملکا فرین۔ یعنی مؤمنین کے بغایا کافرین کے لئے نذیر ہوں اور مؤمنین اور مؤمنین کے لئے بشیر ہوں با یں معنٰی کہ تم صرف قیامت پر ایمان لاؤ۔ خواہ وہ کسی وقت بھی واقع ہو۔

مسئلہ اس میں کفار کو ترغیب ہے کہ وہ ایمان کی دولت کو حاصل کریں اور انہیں کفر و عصیان کے اصرار سے ڈرایا گیا ہے۔

مسئلہ حدادی نے آیت کی تفسیر میں لکھا کہ آیت میں اس فرقہ کی تردید ہے جو قائل ہے کہ دنیا کی عمر اتنی ہے اور اس کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ مروی ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سالہ ہے اگر یہ بات مان لی جائے تو قیام قیامت کا علم ہو جائے۔ اور وہ آیت کے مضمون کے منافی ہے اور انہوں نے اپنے دعویٰ میں حضور علیہ السلام میں اور قیامت ایسے ہی اکٹھے مبعوث ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ آپ نے درمیانی انگلی اور سبابہ کو ملا کر اشارہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں قریب قریب مبعوث ہوئے ہیں۔ اس سے تقریب مطلوب ہے نہ کہ تحدید۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فقد جاء اشراطھا یعنی حضور علیہ السلام کا تشریف لانا قیامت کی علامات سے ایک علامت ہے۔

فائدہ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ دنیا کی عمر کے متعلق طرق اور صحیح سندات کے ساتھ وارد ہوئے ہیں لیکن اس سے تحدید الوقت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں ہوتا کہ کسی ملک یا بشر کو تعین ساعت کا علم ہو۔

حضورعلیہ السلام کو قیام قیامت کی تعیین معلوم تھی بعض مشائخ کا مذہب ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعلام اللہ تعالیٰ نے وقت ساعت کو جانتے تھے اور بقاعدہ شرعیہ آیت کی حصر کے مُنافی نہیں جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں اُن کے مذہب کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں ۔

① صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والے تفصیلی واقعات بتا ئے ۔

② حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ جو مرغ کی شکل میں ہے جس کے دونوں پر زبرجد لولو اور یاقوت سے ہیں ۔ اس کا ایک پر مشرق میں دوسرا مغرب میں ہے اور اُس کے پاؤں تحت الثریٰ اور سر عرش معلیٰ کے نیچے تک ہے جب صبح صادق ہوتی ہے تو اپنے پر ہلا کر پڑھتا ہے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ غَیْر

اُس کے اس پر ہلانے پر تمام زمین کے مرغ اپنے پر ہلاتے اور ذکر الٰہی کا شور و غل مچاتے ہیں جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اُس بڑے فرشتے کو حکم دے گا کہ اپنے پر سمیٹ کر آواز کو روک لے ۔ اس سے آسمان و زمین والے مکین سمجھیں گے کہ قیامت آ گئی ۔

③ قیامت کے قرب کی علامات میں سے ہے کہ قیدی اور لونڈے غلام بنانا عام ہو جائے گا اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اس وقت دین کا چرچا اور اہل اسلام کو غلبہ ہو گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو کبھی ترقی اور کبھی تنزل ہو گا ۔

④ قیامت کے علامات سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو دولت سمجھا جائے گا یعنی جب دولتمند اور صاحب اقتدار غنیمت کے حصول کے درپے ہو کر اپنی تجوریاں بھریں گے اور غنیمت کے مستحقین کو دیکھنے تک نہ دیں گے ۔

⑤ زکوٰۃ کی ادائیگی چٹی سمجھی جائے گی ۔ یعنی لوگوں پر زکوٰۃ کا ادا کرنا دکھ محسوس ہو گا بلکہ اسے بجائے عبادت کے ٹیکس سمجھیں گے ۔

⑥ امانت مال غنیمت کی طرح کھائی جائے گی یعنی جب اُن کے ہاں امانتیں رکھی جائیں تو وہ امانات کو غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جائیں گے ۔

فائدہ منجملہ امانات کے فتویٰ ، قضا ۔ صدارت ۔ وزارت وغیرہ ہے ۔ جب دیکھو کہ مذکورہ بالا اُمور نا اہلوں کے سپرد کے سپرد کئے گئے ہیں تو سمجھو کہ قیامت [illegible] ۔ اور یہ ہمارے زمانہ میں [illegible] ہے اور دور حاضرہ میں تو مذکورہ خرابی کا دور دورہ ہے ۔

⑦ بعض روایات میں ہے کہ جب زہد صرف نمائشی اور ورع پرہیزگاری میں تصنع (بناوٹ) ہو تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی ۔

فائدہ قیامت کا قیام شرار لوگوں پر قائم ہو گا ۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ

کہ اس سے چین پائے پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لیے پھرا کی

بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا

پھر جب بوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیے بچہ

لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ

دیگا تو بے شک ہم شکر گزار ہوں گے پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہیے بچہ عطا فرمایا

شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾

انہوں نے اس کی عطا میں اسکے ساجھی ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے ان کے شرک سے

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا

کیا اسے شریک کرتے ہیں جو کچھ نہ بنائے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں اور نہ وہ

يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِن

ان کو کوئی مدد پہنچا سکیں اور نہ اپنی جانوں کی مدد کریں اور اگر

تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ

تمہیں انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہ آئیں تم پر ایک سا ہے چاہے

أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ

انہیں پکارو یا چپ رہو بے شک وہ جن کو تم

تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ

اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں تو انہیں پکارو پھر وہ تمہیں

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ

جواب دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں

يَمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ

جن سے چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں

يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا

ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں تم فرماؤ کہ اپنے

شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِـيِّۦَ

شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلو اور مجھے مہلت نہ دو بے شک میرا والی اللہ ہے

اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ

جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ

جنہیں اس کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے

وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى

اور نہ خود اپنی مدد کریں اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو

لَا يَسْمَعُوْا ۖ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

نہ سنیں اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ

اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو اور

اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ

اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بیشک

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ

وہی سنتا جانتا ہے بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی

الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ۚ وَاِخْوَانُهُمْ

ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ جو شیطانوں

يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۲۰۲﴾ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ

کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر کمی نہیں کرتے اور اے محبوب! جب تم ان کے پاس

بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن

کوئی آیت نہ لاؤ تو کہتے ہیں تم نے دل سے کیوں نہ بنائی تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے

رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

رب سے وحی ہوتی ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں

يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰۳﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا

کے لیے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ

تم پر رحم ہو اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور

خِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا

ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور

تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿۲۰۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

غافلوں میں نہ ہونا بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے

عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿۲۰۶﴾

تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بولتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ هُوَ (اللہ تعالیٰ) الَّذِي وہ عظیم الشان ہے جس نے خَلَقَكُمْ تم سب کو ایک اکیلے نے پیدا فرمایا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو کسی قسم کا دخل بھی نہیں۔

مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ایک نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے۔

حضور علیہ السلام ابو الارواح ہیں جیسے آدم علیہ السلام نفوس کے ابو البشر ہیں ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو الارواح ہیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔

فائدہ تمام انواع کا اس نوع سے ایک منشا اور اصل ہوتا ہے جو ان تمام کے لئے بمنزلہ اب کے ہوتا ہے وہ حیوانات ہوں یا نباتات ؎

گر بصورت من ز آدم زادہ ام

من بمعنے جد جد افتادہ ام

ترجمہ: اگرچہ میں بظاہر آدم زادہ ہوں لیکن درحقیقت سب کا دادا اصل ہوں۔

وَجَعَلَ اور پیدا فرمایا **مِنْهَا** اس نفس واحد کی جنس سے **زَوْجَهَا** اس کی زوجہ یعنی بی بی حوا علی نبینا و علیہا السلام یا نفس سے اس کا جسم مراد ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کی ایک پسلی سے بی بی حوا علی نبینا وعلیہا السلام کو پیدا فرمایا لیکن پہلا معنےٰ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ جنسیت ہی اصلی غرض و غایت کو واضح کرتی ہے نہ کہ جزئیت **لِيَسْكُنَ** تاکہ وہ سکون حاصل کرے۔

سوال نفس مؤنث ہے اس کے لئے فعل مؤنث چاہیئے لیکن یہاں فعل مذکر کیوں ہے ؟

جواب نفس کا یہاں معنی مراد لیا گیا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی ذات اس اعتبار سے صیغہ مذکر موزوں ہے۔

اِلَيْهَا اس زوج یعنی بی بی حوا علے نبینا وعلیہا السلام سے یعنی تاکہ اس سے مانوس ہوں اور اطمینان حاصل کریں جیسے ازدواجی زندگی کا تقاضا ہے۔

صفحہ ۔۔۔ سے آگے

(۱) بال بکشا و از شجر طوبیٰ زن

حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

(۲) کاروان رفت و تو در راہ کمیں گاہ بخواب

وہ کہ بس بے خبری زبانگ جرسی

ترجمہ: (۱) پر کھول اور شجر طوبیٰ پر آواز دے تیرے جیسے مرغ کا افسوس کہ تو پنجرے کا قیدی ہے۔

(۲) قافلہ گیا تو دنیا میں خواب غفلت میں پڑا ہے افسوس کہ تو جرس کی آواز سے بے خبر ہے۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

عاشق شوریدہ روزے کار جہاں سر آید

تا خواندہ نقش مقصود از کارگاہ ہستی

ترجمہ: عاشق شوریدہ حال نے یہ پڑھ رکھا ہے کہ مقصود از کارگاہ (دنیا) ہستی سے یہ ایک دن اس جہان کا کام تمام ہو جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق جسے وہ پسند ے اور جس سے وہ راضی ہو اور ان سے ان بیمار قلوب کا علاج کرے وہی ہر حال اور ہر وقت معین و مددگار ہے۔

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا پس جبکہ اُس نے اسے اپنے میں ڈھانپا۔ یہاں بھی تَغَشّٰهَا کے بجائے تَغَشّٰهَا فرمایا کیونکہ اس سے آدم علیہ السلام کی ذات شریف مراد ہے۔

حل لغات تَغَشِّیٌ اور تغشیۃ بمعنے تغطیۃ ہے جسے فارسی میں "چیزے برکسے پوشیدن" اردو میں کسی شے سے چھپانا یہاں پر جماع مراد ہے۔ اس لئے کہ جماع کے وقت مرد عورت کو چھپا لیتا ہے کیونکہ مرد اوپر اور عورت نیچے ہوتی ہے۔

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا ہلکے سے بوجھ سے حاملہ ہوئی۔ اس لئے ابتدائی مہینوں میں بوجھ محسوس نہیں ہوتا اس لئے کہ چند ماہ تک حمل نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور وہ مابعد کے حمل کی نسبت ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ حملاً یا مفعول مطلق ہے یا حملاً مصدر بمعنے مفعول ہے۔ یعنی حَمَلَتْ محمولاً خفیفًا اور یہاں بھی محمول سے وہی نطفہ یا جنین جو پیٹ کے اندر رہتا ہے مراد ہے۔
اس تقریر ثانی پر حملاً مفعول بہ ہوگا ایسے گویا کہا گیا ہے حملت زیدًا مثلاً یہی معنےٰ مناسب ہے۔

فائدہ حمل اگر بالفتح ہو تو اس سے وہ جو پیٹ میں یا درخت کی چوٹی پر ہو مراد ہوتا ہے۔ اگر بالکسرہ ہو تو ہر وہ شے جو انسان یا کسی جانور کی پیٹھ پر ہو۔

فَمَرَّتْ بِهٖ پس اسے پہلے کی طرح لئے پھرتی رہیں۔ یعنی جیسے اٹھتیں بیٹھتیں کام کرتیں فارغ بیٹھتیں اب بھی ویسے ہی تھیں۔ اس حمل سے انہیں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی فمرّت مرور سے مشتق ہے بمعنے ذہاب ومعنی بمعنے چلنا مَرَّ سے نہیں جو بمعنے اختیار رد وصول کے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے مرّ علیہ وبہ مرّ ای اجتاز وتر بمرّاوّ مرّ ورا ای ذھب داستمرّ ایک ہی طریق سے گردان ہوگی۔ استمر میں سین ہو تو اسمیں طلب تقدیری ہوگا جیسے استخرجۃ میں طلب تقدیری ہے۔

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ پس وہ بچے کے پیٹ کے اندر بڑے ہونے کی وجہ سے جب بوجھل ہوئی دَّعَوَا اللّٰهَ تو دونوں یعنی آدم و حوا علیہما السلام نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جب انہیں اس امر نے وحشت میں ڈالا کہ نا معلوم اس کا کیا انجام ہوگا تو غمگین ہو کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و انکساری سے دعا کے طالب ہوئے۔ رَبَّهُمَا اپنے رب تعالیٰ یعنی جملہ امور کے مالک سے جو اس لائق ہے کہ صرف اس سے دعا مانگی جائے۔ یہاں پر دعا کا متعلق محذوف ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچہ عطا فرمایا تو ہم اس کے شکر گزار ہوں گے۔ چنانچہ عرض کی لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا البتہ اگر تو نے ہمیں صالح بچہ عطا فرمایا۔ یہاں صالح سے یا تو اعضاء کے لحاظ سے صحیح سالم یا اس سے صالح فی الدین مراد ہے۔
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ یعنی ہم ہوں گے شکر گزار لوگوں سے۔

سوال حضرت آدم علیہ السلام نے دعا میں صالح کی قید کیوں لگائی اور تم نے صالح کے دو معنے کہاں سے لئے؟

لہ صیغہ واحد مؤنث کی بجائے جمع مؤنث کا اختیار کیا گیا۔

جواب روزِ میثاق جب آدم علیہ السلام کو اُن کی پشت سے ذریت دکھائی گئی تو انہیں دیکھا کہ بعض اعضا کے لحاظ سے صحیح سلامت تھے اور بعض لنگڑے لُولے وغیرہ اور اُن میں بعض متقی طبع محسوس ہوتے اور بعض غیر متقی اس لئے انہوں نے ولد صالح کی استدعا کی اور ہم نے بھی اسی روایت کے مطابق دونوں مطلب بیان کئے۔
جب انہیں اُن کی استدعا کے مطابق صاحبزادہ صالح یعنی صحیح الاعضا اور نیک طبع عطا ہوا تو حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اس لئے کہ وہ ان لوگوں سے نہیں تھے کہ خود وعدہ کریں اور پھر اُس کی خلاف ورزی کریں۔

فائدہ بی بی حوا علے نبینا وعلیہما السلام ایک حمل سے جڑواں لڑکا لڑکی جنتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ پانچسو بار حمل ہوا اور اُن سے مجھے ہزار بچے بچیاں پیدا ہوئیں۔

ربط حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرکے اب عوام اہل اسلام کو زجر و توبیخ کے طور فرمایا **فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا** بچہ عطا کیا جاتا یعنی آدم علیہ السلام کی مشرک اولاد کو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اُن کی آرزو کے مطابق صحیح الاعضا اور نیک طبع ہوتا ہے۔ **جَعَلَا لَهٗ** تو اُسے مشرک ماں باپ بناتے ہیں[1] **شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا** اللہ تعالیٰ کے شریک اُس میں جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے بایں طور کہ اپنے بچوں کے نام عبد العزیٰ و عبد مناف وغیرہ نام رکھتے ہیں اور اس نعمت کے شکریہ میں بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

فائدہ حضرت ابو مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تاویل میں یوں لکھتے ہیں کہ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہی عطا کیا جو انہوں نے طلب کیا پھر اصالۃً یا اولاد یا اسی طرح اور کی اولاد الی الاسفل تو پھر اُن کی اولاد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت اولاد میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس تقریر پر لفظ مضاف ضمیر **هما** پہلے محذوف ہے پھر حسب قاعدہ نحویہ مضاف کو محذوف کرکے مضاف الیہ پر احکام جاری کئے گئے۔ یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ آدم و حوا کی طرف شرک کی نسبت ہوتی ہے اور وہ دونوں شرک سے بری تھے۔ چنانچہ آنے والے مضمون میں صیغہ جمع اس تقریر کی تائید کرتا ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ بزرگ تر اور پاک ہے۔ **عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ۝ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے شریک بنانے سے پاک ہے اور ان کا شرک یہی تھا کہ وہ اپنے بچوں کے اسماء غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ اگر یہاں پر واقعی آدم و حوا علیہما السلام مراد ہوتے تو بجائے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کے عَمَّا يُشْرِكَانِ ہوتا۔ **اَيُشْرِكُوْنَ** کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ **مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا** ایسی چیزوں کو جو کسی شے کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور معبود کے حقوق سے ہے کہ وہ اپنے عابد کو پیدا کرے۔ **وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ** ۝

---

[1] یہ پہلی تاویل ہے جو آدم علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض کرنے والوں کو پیش کی جاتی ہے۔ دوسری اور بیان کرتے ہیں اس کے متعلق بہترین جوابات فقیر نے اپنی تفسیر اُویسی میں عرض کئے۔

[2] مفسرین نے یہ بھی کہا کہ آیت میں مطلقاً کسی ماں باپ کا ذکر ہے اس سے آدم و حوا مراد ہی نہیں اس طرح سے مذکورہ بالا تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔ ۱۲ والتفصیل فی تفسیر الاُویسی ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

اس کا عطف مالا یخلق پر ہے اس سے اُن کے معبودانِ باطلہ مراد ہیں ۔یعنی اور وہ مخلوق ہیں ۔

سوال اُن کے بت تو غیر ذوی العقول تھے پھر اُن کے لئے ضمائر ذوی العقول کیوں ؟

جواب یہ کفار کے اعتقاد کے مطابق ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو عقلاً تصور کرتے تھے اور اُن کے مجسمے بھی ذوالعقول کے مطابق بناتے[1] پہلے اُن کی خالقیت کی نفی پھر اُن کے مخلوق ہونے کا اثبات اس لئے ہے تاکہ کفار کی ہر اعتقادی کمزور پورے طور واضح ہو جائے ۔

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ اور نہ ہی وہ اپنے پرستاروں کے لئے کوئی استطاعت رکھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی پریشانی لاحق ہو تو پھر یہ بُت اُن کی پریشانی دور کر سکیں ۔

نَصْرًا یعنی انہیں کسی قسم کی مدد کرنے کی طاقت نہیں کہ وہ اپنے پرستاروں کو نفع پہنچائیں یا اُن سے کوئی دُکھ درد ٹال سکیں **وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ** ۝ اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں کہ جب انہیں حوادث گھیریں تو وہ ان حوادث کو دفع کر سکیں ۔مثلاً اگر کوئی اِن بتوں کو توڑنا چاہے یا اُن پر کوئی گندگی یا گوبر ڈالے تو اسے کسی طریقے سے اپنے سے دفع نہیں کر سکتے ۔

اعجوبہ حدادی نے فرمایا کہ مشرکین اپنے بتوں کے منہ پر شہد اور خوشبوئیں مل لیتے تو مکھیاں اُن پر جمع ہو جاتیں تو وہ بت اپنے سے مکھیوں کو نہ ہٹا سکتے ۔ **وَإِن تَدْعُوهُمْ** اور اگر تم اے مشرکو انہیں بلاؤ **إِلَى الْهُدَىٰ** ہدایت کی طرف یعنی اس لئے بلاؤ کہ وہ تمہیں ہدایت دیں یا تمہارے مقاصد پورے کریں ۔

لَا يَتَّبِعُوكُمْ تو وہ تمہاری اتباع نہیں کریں گے یعنی وہ تمہاری مُراد پوری نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ سوالات کا جواب دیں گے جیسے اللہ تعالیٰ تمہارے سوال کا جواب دیتا ہے ۔ **سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ** اے مشرکو! تمہارے لئے برابر معاملہ ہے کہ **أَدَعَوْتُمُوهُمْ** ان بتوں کو تم بلاؤ ۔ **أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ** ۝ یا چپ رہو یعنی نہ تمہیں ان کو بلانے میں فائدہ ہے اور نہ ہی چپ رہنے میں ۔ نہ وہ تمہارے حال کو تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ تم اُن کے حال کو بدل سکتے ہو اس لئے کہ وہ جماد محض ہیں ۔

سوال ام صامتون کیوں کہا ؟

جواب آیات کے قوافی کی رعایت پر ایسے کیا گیا ہے ۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ بے شک وہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہو اور ان کا معبود نام رکھتے ہو **عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ** وہ تمہارے جیسے بندے ہیں یعنی وہ بھی تمہاری طرح اللہ کے مملوک اور اُسی کے حکم کے پابند ہیں بلکہ نفع و نقصان پہنچانے سے عاجز ہیں ۔

سوال بتوں کو عباد امثالکم کیوں کہا ؟

جواب اس لئے کہ انہوں نے اپنے معبودوں کی صورتیں انسان کی شکلوں میں بنا رکھی تھیں ۔

---

[1] یہی جواب وہابی دیوبندی ۔ نجدی ۔ فرقوں کو دیا جائے جبکہ وہ اِن آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کر کے مذکورہ بالا سوال کرتے ہیں ۔

فَادْعُوْهُمْ پس انہیں حصول نفع اور دفع نقصان کے لئے پکارو۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ پس چاہیئے وہ تمہیں جواب دیں صیغے امر کے تعجزاً استعمال ہوئے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو اپنے گمان میں کہ جن کو تم عاجز ہو وہ ان پر قادر ہیں۔ اَلَهُمْ کیا ان بتوں کے لئے اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز کے پاؤں ہیں کہ وہ جن پر چلتے ہوں۔ یعنی اُن کے پاؤں ہیں کہ وہ چل کر تمہارے سوالات کا جواب دیں۔ اس لئے کہ استجابت اس کے لئے متصور ہو سکتی ہے جس کے اندر حیاۃ کا محرک یا قوی کا محرک ہو اور اس کے قوی مُدرکہ ہوں جس میں اُن امور میں سے کوئی شے بھی نہ ہو تو وہ کسی کام کا نہیں چلنے کی وصف ہے ہی نہیں۔

اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز کیا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یہ ام منقطعہ ہے بل اور ہمزہ مقدر ہے اور البطش بمعنے قوت سے پکڑنا۔ اب معنے یہ ہوا کہ کیا اُن کے ہاتھ میں جن سے اپنی ہر ارادہ کردہ شے کو پکڑتے ہیں۔ بل اضراب کے لئے ہے یعنی فن تبکیت کی تکمیل کے بعد دوسرے فن کی طرف منتقل ہونا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا کیا اُن کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں کہ جن سے سنتے ہیں" مشی (چلنے) کو مقدم کیا اس لئے کہ وہ اُن کی اپنی حالت ہے اور بطش (پکڑنا) ان کا کام ہے لیکن دوسرے سے متعلق ہو کر مشی کو نہ صرف اس لئے بلکہ تمام افعال پر مقدم کیا گیا ہے۔

سوال مشی کے علاوہ باقی تمام افعال برابر ہیں تو پھر بطش کو باقی سب پر مقدم کرنے کی کیا وجہ؟

جواب چونکہ پاؤں سے ہاتھوں کو مناسب ہے اس وجہ سے مشی کے بعد بطش کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال بطش کے بعد اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ کے لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب آنکھیں بہ نسبت کانوں کے زیادہ مشہور ہیں تعین اور اثر کے لحاظ سے بھی یہی زیادہ ظاہر ہیں۔

ربط کفار حضور علیہ السلام کو اپنے معبودانِ باطلہ سے بار بار ڈراتے تھے چنانچہ کہتے تخاف اَنْ يُّصِيْبَكُمْ بعض اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ اُن کے جواب میں فرمایا۔ قُلِ ادْعُوْا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے لے مشرکو بلایئے شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریکوں کو اور میری عداوت میں اُن سے مدد مانگئے ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنَ پس مجھے گھڑی بھر مہلت نہ دو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی کافی ہے۔

اگر ہر دو جہانم خصم گردند
نترسم چو نگہبانم تو باشی

ترجمہ: اگرچہ دونوں جہان والے میرے دشمن ہو جائیں مجھے کوئی خوف نہیں جب تو میرا نگہبان ہو۔

اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بے شک میرا نگہبان اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ ان سے لاپرواہی کے اظہار کی علت بتائی گئی ہے۔

سوال لاپرواہی کی تصریح نہیں ہے پھر اس کی علت کے اظہار کا کیا معنے؟

جواب اگرچہ تصریح نہیں ہے لیکن کلام سابق سے واضح طور مفہوم ہوتا ہے۔

فائدہ ولی میں تین باتیں ہیں یا، اُولی فعیل کی ہے اور وہ ساکن ہے اور دوسری یا فعل کی لام کے وزن کی ہے اور یہ مکسور ہے اور پہلی یا ساکن اور دوسری یا مکسورہ میں مدغم ہوئی ہے اور تیسری یا اضافت کی ہے اور وہ مفتوحہ ہے یہاں پر ولی بمعنے ناصر و حافظ۔ جو یا متکلم کی طرف مضاف ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ بے شک وہ جو میری نصرت و حفاظت کا متولی ہے وہی قرآن پاک نازل کرکے اور وحی بھیج کر میری عزت کرے گا۔ اور کتاب کی وحی رسالت کو متلزم ہے۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ٥ اور وہ نیک بخت لوگوں کا متولی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کا متولی اور اُن کی مدد کرتا ہے اور انہیں شرمسار نہیں کرتا اور حضرات انبیاً علیہم السلام کی شان تو بلند و بالا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ** اور جنہیں تم پکارتے ہو اے بت کے پجاریو **مِنْ دُوْنِهٖ** اللہ کے غیروں کو اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی دُعا سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔

سوال اس آیت کا دوبارہ ذکر کیوں؟

جواب تکرار نہیں بلکہ پہلے بُت کے پجاریوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور اب لاپرواہی کی تعلیل کی تکمیل ہے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وہ تمہاری مدد کرنے میں کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتے۔ **وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ** اور اگر تم ان بتوں کو بلاؤ **اِلَى الْهُدٰى** ہدایت کی طرف۔ یعنی اگر تم انہیں بلاؤ کہ وہ مقاصد کے حصول کے لئے تمہاری مدد کریں۔ **لَا يَسْمَعُوْا** تو وہ تمہاری دعوت کو سنتے ہی نہیں چہ جائیکہ وہ تمہاری موافقت کریں یا مدد کریں۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد بعض لوگ اس مضمون کو اولیاء کرام و انبیاء عظام علیٰ انبیا و علیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ اُن کی غلط فہمی ہے اس لئے کہ انبیاء و اولیاء کی توجہ روحانیت کا انکار جہالت ہے اس لئے کہ یہ حضرات بھی اگرچہ مخلوق ہیں لیکن اُن سے مدد مانگنا اور انہیں بارگاہِ حق کا وسیلہ بنانا اور اُن کی طرف منسوب ہونا (قادری چشتی۔ اُویسی۔ نقشبندی۔ سہروردی) اس لحاظ سے ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے مظاہر اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے مراکز اور اس کے کمالات کا عکس اور ظاہری و باطنی اُمور کے سفارشی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ بہت بڑے کمالات و مناقب کے مالک ہیں اور یہ شرک نہیں بلکہ عین توحید بلکہ مطالع انوار کا مطالعہ اور مکاشفت اسرار کا مصحف ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

مشو بمرگ ز امداد اہلِ دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ۔ اہلِ دل (اولیا) کی موت کے بعد ان کی امداد سے نا اُمید نہ ہو اس لئے کہ مردان خدا کی نیند (موت) عین بیداری (حیات) ہے۔

وَتَرٰىهُمْ اور تم انہیں دیکھتے ہو۔ یہاں رُویت سے رؤیت بصری مراد ہے اور یہ خطاب تمام مشرکین کو ہے یعنی اے دیکھنے والو تم ان بتوں کو آنکھوں سے دیکھتے ہو **يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ** وہ تمہاری طرف دیکھتے رہتے ہیں اور

یہ تراہم کے مفعول کا حال ہے۔ یعنی وہ دیکھنے والوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور ظاہری طور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس لئے کہ بُت پرست اپنے بتوں کی آنکھیں جواہر و روشن موتی سے تیار کرتے تھے اور ان کی آنکھوں کی صورت ایسے طور تیار کی گئی تھیں کہ گویا وہ کسی کو دیکھ رہے ہیں وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ہ حالانکہ وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ ینظرون کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ دیکھنے کے عجز کا بیان کیا گیا۔

فائدہ بعض کے نزدیک صیغہ خطاب سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور ھُم کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں اس تقریر پر لَا یَسْمَعُوْا تک سابقہ مضمون کی علت ختم ہو گئی۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ تو رہے ہیں لیکن وہ آپ کو دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

فائدہ اے محبوب مدنی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اُن سے غائب ہیں۔ صرف ظاہری طور اگر توحید کا اقرار کر لیں اور آپ کی رسالت کو مان جائیں تو اُن کے لئے فائدہ ہے۔

انگشتری سلیمان علیہ السلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی منقول ہے کہ حضرت سلیمان کی انگشتری میں سطر اول پر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ سطر ثانی پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور سطر ثالث پر محمد رسول اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ جب وہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کی انگلی میں ڈالی گئی تو تمام ہمنشین آپ کو دیکھنے سے عاجز ہو گئے اس لئے کہ اسم گرامی کی نورانی چمک سے آنکھوں کی نگاہ خیرہ ہو گئیں۔ عجز و نیاز سے سب نے عرض کی کہ ہمیں آپ کی زیارت سے محرومی کیوں؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پڑھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس مبارک کلمہ کو پڑھا تو پھر اُن کی آنکھیں نور سے روشن ہو گئیں۔

نکتہ پہلے نہ دیکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اُن پر حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کی ہیبت چھا گئی۔ جب آپ کا کلمہ توحید پڑھا تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی زیارت کی استعداد اور قدرت نصیب ہوئی۔

حکایت حضرت سلطان محمود (غزنوی) رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عارف ربانی شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی زیارت کے حاضر ہوئے۔ بادشاہ تھوڑی دیر بیٹھا۔ شیخ سے پوچھا کہ حضرت سلطان بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بایزید بسطامی قدس سرہٗ وہ کامل تھے کہ جسے اُن کی زیارت نصیب ہوئی وہ نہ صرف ہدایت پا گیا بلکہ واصل باللہ ہو گیا۔ سلطان محمود نے کہا یہ جواب بظاہر صحیح نہیں اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوجہل نے بار ہا دیکھا لیکن اُسے ہدایت نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی اپنی بدبختی سے نجات پا سکا۔ شیخ نے فرمایا ابوجہل نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ اُس نے اس عقیدہ سے دیکھا کہ یہ محمد بن عبداللہ ہیں اگر وہ آپ کو رسولِ خدا کی حیثیت سے دیکھتا تو بدبختی سے نکل کر سعادت ابدی میں داخل ہو جاتا اُس کی دلیل یہی آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَتَرٰھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ہ (وہ نہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن وہ حقیقت میں کچھ نہیں دیکھ رہے)۔

سبق صرف ظاہری آنکھ سے دیکھنے سے سعادت نصیب نہیں ہوتی بلکہ قلب اور سر کی آنکھ سے دیکھنے سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے اور بایزید کو بھی اس قلب و سر کی آنکھ سے دیکھنے والا سعادتمند ہوجاتا ہے ورنہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے سے وہ مرتبہ نہ ملتا۔

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باشد
کہ این چشمیکہ من دارم جمالت را نمی شاید

ترجمہ: تیرے دیدار کے لئے تو مجھے دوسری نگاہ چاہیئے کیونکہ یہ آنکھ جو مجھے حاصل ہے تیرے جمال کے دیدار کے لائق نہیں۔

حدیث شریف مبارک ہو اُسے جو مجھے دیکھے۔ اسی طرح اسے جو میرے دیکھنے والے کو دیکھے۔ اسی طرح میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھے۔ اسی طرح اسے جو میرے دیکھنے والے کو دیکھے (کذا فی الرسالہ العلیۃ)۔

(۱) گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
والذی یبصر لمن وجہی رآی

(۲) چوں چراغے نور شمع را کشید
ہر کہ دید آنرا یقین آں شمع دید

(۳) ہمچنیں قاصد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

(۴) خواہ نور از واپسیں لبتاں بجاں
ہیچ فرقے نیست خواہ از شمع داں

ترجمہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور جس نے میرا چہرہ دیکھا اسے بھی۔

(۲) جب چراغ نے شمع کا نور حاصل کیا جس نے چراغ دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھا۔

(۳) اسی طرح ہزاروں چراغ جلاتے جاؤ بالآخر دیکھنا اسی اصل کا ہوگا۔

(۴) خواہ آخری چراغ کو دیکھو خواہ شمع کو اسمیں کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی وہی زیارت مفید ہوسکتی ہے جو قلبی بصیرت سے ہو خواہ وہ بیداری میں ہو یا خواب میں۔

فائدہ یہی تقریر حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی "مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ" میں جاری ہوگی یعنی بیداری میں زیارت نصیب ہو یا خواب میں تو دیکھنے والا یقین رکھے کہ اس نے واقعی رسول حق کی زیارت کی۔

فائدہ بعض نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد یہ عقیدہ ضروری ہے کہ واقعی یہ خواب سچا ہے اسمیں یہ تصور بھی نہ ہو کہ ممکن ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے (معاذ اللہ)۔

فائدہ شیخ اکمل نے شرح المشارق میں لکھا ہے حدیث میں لفظ حق سے مراد یہ ہے کہ رؤیا میں جو کچھ فرشتہ دکھاتا ہے وہ حق ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خواب پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو خواب دیکھنے والے کے دل پر حکمت اور مثالی طور صورتیں القا کرتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو تمام اولادِ آدم کے قصے بتا دیتا ہے یعنی لوح محفوظ کا مطالعہ اس کے لئے عام ہوتا ہے وہ اس سے واقعہ دیکھ کر اس کی مثالی صورت تیار کر کے خواب والے کے دل پر القا کرتا ہے۔ جب نیند کرنے والا نیند کرتا ہے تو اس کے دل پر وہ اشیاء مثالی صورتیں بن کر سامنے آجاتی ہیں تاکہ اس بندے کو یا تو خوشخبری نصیب ہو یا اسے ڈرانے کے طور پیش کیا جائے یا اسے جھڑک دی جاتی ہے تاکہ سابقہ لوگوں کی اس مثالی صورتوں سے عبرت حاصل کرے۔

مسئلہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے کہ خواب یا بیداری میں شیطان انکی صورت بن آسکے تاکہ حق و باطل میں اشتباہ نہ ہو۔

شیطان اولیاء کرام کی صورت میں نہیں آسکتا فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ اولیاء کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے قطبِ وجود کی صورت میں شیطان نہیں آسکتا اس لئے کہ وہ نبی علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور آپ کی صورت و سیرت کا نمونہ ہوتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ قیل و قال کو چھوڑ کر اور فضول باتیں ترک کرے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے باکمال لوگوں کا مرتبہ نصیب فرمائے اور شیطان کے مکر و فریب سے نجات عطا فرمائے اس کے بعد وہی ہادی اور مہدی ہو جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں لکھا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں رویت حق کی طرف ہدایت عطا فرما اور اشیاء کے حقوق دکھا اور ہمیں مناہی و ملاہی میں مشغول ہونے سے نجات عنایت فرما اس لئے کہ تو ہر قسم کے بندوں کے لئے سخی ہے۔ تجھ سے مبدأ اور تیری طرف معاد ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ خُذِ الْعَفْوَ کا کیا معنےٰ ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی مجھے اس کا علم نہیں۔ مہلت دیجئے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ لوں آپ نے اجازت دی جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایئے کہ جو محروم کرے اسے دینا اور جو جدائی ڈالے اس کے ساتھ ملنا ملانا اور جو ظلم کرے اسے معاف کرنا اور جو برائی کرے اس کے ساتھ احسان کرنا یہی ہے عفو پر عمل کرنا۔

ہر کہ زہرت دہد بدو دہ قند
وآنکہ از تو بُرد بدو پیوند

ترجمہ: وہ جو تجھے زہر کھلائے تو اُسے کھانڈ کھلاوہ جو تجھ سے توڑے تو اس سے تعلق جوڑ۔

فائدہ عفو اللہ تعالیٰ کے صفات سے ہے۔

حدیث شریف حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کا تعارف کرائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن کریم نہیں پڑھا۔ میں نے کہا پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا حضور علیہ السلام کا خلق قرآن ہے۔ یعنی آپ کو تمام عادات و اخلاق قرآن سے سکھائے گئے کما قال خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اور فرمایا وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر اور فرمایا فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ وغیرہ وغیرہ یعنی وہ آیات جو حضور علیہ السلام کے عادات و اخلاق پر دلالت کرتی ہیں۔

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ اور بہت اچھے اور بہتر افعال و اخلاق کا حکم دیجئے۔ اس لئے کہ لوگ ایسی باتوں کو بلا انکار جلد تر قبول کرتے ہیں۔

فائدہ تفسیر تیسیر میں ہے کہ اہلِ تصوّف فرماتے ہیں کہ تقویٰ۔ صلہ رحمی جھوٹ وغیرہ سے زبان کو بچانا اور محارم سے آنکھیں بند رکھنا اور گناہوں سے اعضاء کو روکنا وغیرہ وغیرہ کو عرف کہا جاتا ہے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اور جاہلوں سے درگذر فرمائیے۔ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ اور سفاہت کا بدلہ سفاہت نہ دیجئے اور نہ ہی اُن سے جھگڑا کیجئے اور ان کی تکلیف دہی پر حوصلہ کیجئے اور جتنا پریشان کن باتیں کریں اُن سے چشم پوشی کیجئے۔

فائدہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا کہ حضور علیہ السلام جب نصیحت فرماتے تو کفار و جہال آپ کے ساتھ سفاہت کا مظاہرہ کرتے بار بار ایذا و تکلیف پہنچاتے بلکہ ایذا پر دینے پر کمر بستہ رہتے۔ آپ کی باتوں پر ہنسی مذاق کرتے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو ان کی باتوں پر حوصلہ اور درگذر فرمانے کی تلقین فرمائی۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ عوام کے ساتھ معاملات میں درگذر حوصلہ اور صبر سے کام لینا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے فحش سرزد نہیں ہوتے اور نہ ہی آپ فحش باتوں کے عادی تھے اور نہ ہی بازار میں بیٹھ کر یاوہ گوئی کی۔ اور نہ ہی آپ برائی کا بدلہ بُرائی سے لیتے۔ بلکہ معاف کرنا اور غلطی سے درگذر فرمانا آپ کا شیوہ تھا (کذا فی الحواشی)۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب یہی آیت اُتری تو حضور علیہ السلام نے عرض کی یا رب یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ غضہ انسانی فطرت ہے پھر یہ حکم نازل ہوا کہ

وَاِمَّا یہ دو کلمے ہیں اِن شرطیہ اور ما زائدہ ہے **يَنْزَغَنَّكَ** نزع و نخس۔ غرز کا ایک معنٰے ہے مثلاً کہا جاتا ہے نزغہ ای طعن فیہ و نزغ بینھم ای افسد و غری وسوس اور کہا جاتا ہے نخس الدابۃ ای غرزہا

مؤخرای جنبہا لبعود ونحوہ ۔

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ یعنی اگر شیطان میں سے فساد ڈالنے والا فساد ڈالے ۔ نزغ بمعنے نازغ مثلاً کہا جاتا ہے رجل عدل ای عدل ۔ یہاں پر شیطان کا وسوسہ مراد ہے اور وسوسہ کو انسان سے تشبیہ دی ہے اس لئے کہ جیسے انسان لکڑی سے شئے کو ہانک کر اپنے مقصد کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح یہ بھی انسان کو گناہوں پر ابھارتا ہے یعنی شیطان کی طرف کوئی ایسا وسوسہ تمہیں اپنے فعل پر برانگیختہ کرے جو آپ کو امر الٰہی کے خلاف کرنا پڑے مثلاً کسی معاملہ میں بلا وجہ غصہ طاری ہوجائے ۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگئے یعنی اللہ تعالیٰ سے ہی شیطان کے شر کی پناہ مانگیے اِنَّهٗ سَمِيْعٌ بے شک وہی اللہ تعالیٰ سمیع ہے جس طرح کی پناہ کا عرض کرو گے وہ سُنے گا عَلِيْمٌ اور جو معروضات دل سے کرو گے اُسے جانیگا اُسے زبان پر لاؤ یا نہ لاؤ ۔ اس سے التجاء کی جائے تو بالضرور شیطان کے شر سے حفاظت فرمائے گا ۔

نکتہ اس مضمون کو سمیع وعلیم دونوں صفات پر ختم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ استعاذہ کو اگرچہ زبان سے واسطہ ہے لیکن جب تک اس کا معنے دل پر مستحضر نہ ہو وہ غیر مفید ہوتا ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سُنتا اور تمہارے دل کے رازوں کو جانتا ہے ۔

فائدہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان سے حقیقی شیطان مراد ہے یا ہمزاد ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے حق میں ہمارا ہمزاد مراد ہے کما قال تعالےٰ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ابلیس مراد ہوگا لیکن آپ پر اُس کا کسی قسم کا حملہ نہیں ہوسکتا اور انسان میں بھی وسوسہ کا سبب پہلے وہی ہمزاد بنتا ہے اور دانا تو صرف اس سے پناہ مانگتا ہے جو اُسے نقصان پہنچائے اور حضور علیہ السلام کے لئے ہم نے ہمزاد کے بجائے ابلیس کا اس لئے کہا کہ حضور علیہ السلام کا ہمزاد آپ پر ایمان لاچکا ہے اس لئے آپ اُس کے غیر سے پناہ مانگیں گے اور غیر سوائے ابلیس کے اور کون ہوسکتا ہے یا شیاطین میں سے کوئی بڑا شیطان مراد ہے ۔

شیطان کا تخت مروی ہے کہ ابلیس شیطان کا بحر اخضر میں تخت لگا رہتا ہے اس کے ارد گرد شیاطین کھڑے رہتے ہیں جو سب سے زیادہ شریر ہوتا ہے وہی ابلیس کے قریب تر ہوتا ہے ہر ایک کی کارروائی روزانہ خود دیکھتا سنتا ہے اور خود سوائے بڑی شرارتوں کے اور کہیں نہیں جاتا اور چونکہ حضور علیہ السلام کا مقابلہ اُس کے ذریات کے بس کا نہیں اس لئے ان کے لئے خود شرارت کرتا ہے اگرچہ کامیاب نہیں ہوسکتا ۔

حضور علیہ السلام اور ابلیس کے مقابلہ کی داستان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس نے ایک نار کا شعلہ لے کر میرے منہ میں دینا چاہا میں نے تین بار پڑھا اعوذ باللہ منك پھر میں نے کہا تجھ پر اللہ تعالیٰ کی کامل لعنت ہو یہ بھی تین بار کہا لیکن وہ باز نہ آیا ۔ پھر میں نے اسے پکڑ لینے کا ارادہ کیا بخدا اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اُسے باندھ دیتا ۔ صبح

کو مدینہ طیبہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اس سے کھیلتے۔

فائدہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے یہ کلمات مراد ہیں رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (اے اللہ مجھے بخش اور مجھے وہ ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو) اس لئے آپ نے شیطان کو نہ باندھا کہ اس طرح کا ظاہری قبضہ سلیمان علیہ السلام سے مخصوص تھا اگرچہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ سے اختیار کامل حاصل تھا۔

سوال آپ کی ولادت مبارکہ کی برکت سے تو شیاطین آسمان کے اوپر جانے سے روک دیئے گئے لیکن حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے سے رکاوٹ نہ تھی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب الزامی بہت سے امور کسی شئے کی وجہ سے روکے جاتے ہیں لیکن خود عین سے انہیں رکاوٹ نہیں ہوتی۔ مثلاً رات دن کو روکتی ہے اور دن رات کو لیکن ان دونوں میں نور وظلمت کی رکاوٹ نہیں دن میں ظلمت ہوتی ہے تو رات میں بھی نور (روشنی) ہوتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء الموتیٰ کی قدرت تھی لیکن انہیں موت وارد ہوگی۔

جواب تحقیقی جب شیاطین کو حضور علیہ السلام کی وجہ سے آسمان سے رکاوٹ ہوئی تو انہیں گمان ہوا کہ حضور علیہ السلام سے بھی ممانعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا کہ میرے محبوب علیہ السلام پر بھی نہیں تسلط کی اجازت ہے لیکن اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شر وفساد سے معصوم فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ حضور علیہ السلام پر تسلط کی اجازت تو ہے لیکن مقابلہ کی ہمت نہیں۔

فائدہ نیشاپوری نے فرمایا کہ شیطان کو حضور علیہ السلام پر تسلط کی اجازت اس لئے تھی تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ سب پر قادر وغالب ہے اس کے غیر مقہور بھی ہیں اور غیر معصوم بھی۔ ہاں جسے اپنے فضل وکرم سے معصوم ومحفوظ فرمائے۔

جواب[۳] بعض مفسرین نے فرمایا کہ یَنْزَغَنَّكَ کا خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے[1] تاکہ استعاذہ کی مشروعیت ہو۔

صوفیانہ جواب فقیر[2] صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے آخری جواب کی تائید اولیاء کرام کے اقوال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حکایات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت ابو سفیان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ آسان شیطان ہے کہ میں اسے جیسے چاہوں قابو کر سکتا ہوں اگر مجھے اس سے استعاذہ کا حکم ربانی نہ ہوتا تو میں اس سے کبھی

---

[1] اس طرح عموماً آیات میں ہے اس کی توجیہات فقیر کی کتاب "احسن البیان فی مقدمۃ تفسیر القرآن" میں ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اسی طرح کا واقعہ بی بی رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی منقول ہے کذا قال سیدی شاہ مہر علی گولڑوی ملفوظاتہٗ۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

استعاذہ نہ کرتا۔

(۲) کسی کامل ولی اللہ سے سوال ہوا کہ آپ شیطان کے مقابلہ کے وقت کیا کرتے ہیں انہوں نے فرمایا شیطان کون ہے ہم نے جب سے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہے اس وقت سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی خبر نہیں۔

سبق جب یہ کوائف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اولیائے اُمت کے ہیں تو پھر حضور علیہ السلام کی شان اقدس کا کیا کہنا۔

جواب ۵ آیت میں حرف شرط (اِن) یعنی اِمّا کہ دراصل اِنْ مَا تھا اور حرف شرط میں یقین نہیں بلکہ شک ہوتا ہے جب معاملہ شک میں ہے تو پھر اعتراض کیسا۔

روحانی چٹکلہ غضب و غصہ کے وقت شیطان کی حرکتیں شامل ہوتی ہیں اگر اس وقت اعوذ باللہ الخ وغیرہ پڑھی جائے تو غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

روایت وحکایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی سے جھگڑ رہا ہے غصہ سے سُرخ دہیلہ ہوا کھڑا تھا اور غضب سے رگیں پھولی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

غصّہ اتارنے کا بہترین نسخہ حدیث شریف میں ہے کہ غضب و غصہ آگ سے ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے جب تم میں کسی کو غصہ و غضب ہو تو وضو کر لیا کرے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چوز خشم آتش تو در دلہا زدی
مایہ نارِ جہنم آمدی

(۲) آتشت اینجا چو آدم سوز بود
آنچہ ازوے زاد مرد افروز بود

(۳) آتشِ تو قصد مردم مے کند
نار کزوے زاد بر مردم زند

(۴) آں سخنہائے چو مار و کژ دست
مار و کژدم گشت و میگر دد دوست

(۵) خشم تو تخم سعیرو دوزخست
ہیں بجش ایں دوزخت راکیں فخست

ترجمہ ① جب تو اپنے غصّے کی آگ لوگوں پر مارتا ہے تو سمجھ لے کہ تو جہنم کا سرمایہ لے آیا ہے۔
② تیری آگ آج آدم سوز ہے لیکن اس کا جو نتیجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ مرد افروز ہے۔
③ تیری آگ لوگوں کے ارادہ کے لئے ہے اس سے جو آگ پیدا ہوگی وہ لوگوں پر لگتی ہے۔
④ ایسے سخن سانپ اور اژدہا ہیں۔ سانپ و اژدھا ہو کر تیرا خون بنیں گے۔
⑤ تیرا غصہ تو دوزخ کا بیج ہے اس دوزخ کو آج بجھا دے کہ ایک معمولی انگارہ ہے۔

حدیث شریف واعجوبہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ شیطان کی اولاد بڑھے اور اس کی زوجہ پیدا کرنی چاہی تو ابلیس پر غضب طاری فرما دیا اس سے آگ کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا اس شعلہ سے شیطان کی عورت پیدا فرمائی (کذا فی حیوۃ العیون)۔

تفسیر صوفیانہ خُذِ الْعَفْوَ یعنی اللہ تعالیٰ کی عادات پیدا کر اور اللہ تعالیٰ کے عادات وصفات سے عفو بھی ہے وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ یہاں عرف بمعنے معروف یعنی نیکی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی طلب مُراد ہے اور عارفین کی نیکی طلب حق تعالیٰ ہے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ہ اور ہر وہ شے جو تمہیں غیر اللہ کی طرف بلائے اور ہر وہ شخص جو غیر اللہ تعالیٰ کی دعوت دے اس سے روگردانی کیجئے اس لئے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا وہی جاہل ہے اور جاہل اللہ تعالیٰ کی طلب کرتا ہی نہیں۔ ہاں عالم اللہ تعالیٰ کو جانتا اور طلب کرتا ہے وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ نزغ اور اگر تمہیں اللہ کی طلب میں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے پہنچے تو فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ تو غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے۔ یعنی اس کی طرف جائیے اور غیر اللہ کو بالکل ترک کر دیجئے اِنَّهٗ سَمِيْعٌ بے شک وہی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ عَلِيْمٌ ان چیزوں کو جانتا ہے جو نفع و نقصان پہنچائیں۔ پس تمہارے سے وہ باتیں سننا چاہتا ہے جو تمہیں نفع دیں نہ کہ جو تمہیں نقصان پہنچائیں۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بے شک وہ لوگ جو اپنے نفسوں کو ان امور سے بچانے میں موصوف ہیں جو انہیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ جبکہ شیطان سے انہیں معمولی وسوسہ پہنچتا ہے "طائف" طاف یطوف کا فاعل ہے بمعنے کسی شئے کے ارد گرد گھومنا اور شیطان کا وسوسہ چونکہ انسان کے خیالات کو ادھر ادھر کی مار کر اپنے ہمخیال بنانے کی جدوجہد کرتا ہے بنا بریں اسے طائف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا طائف طاف بہ الخیال یطیف طیفًا سے ہے بمعنے نازل ہونا اور طائف بمعنے نازل ہونے والا صحاح (لغت کی کتاب) میں ہے "طیف الخیال" یعنی وہ خیال جو خواب میں آتا ہے اور شیطان کی کارروائی بھی اسی طرح کی ہوتی ہے اور خیال تخیل کا اسم ہے اور اصطلاح میں صورت کا قوۃ متخیلہ میں مرتسم ہونا۔ کبھی اس کا اطلاق اس صورت تسمیہ پر بھی ہوتا ہے جو قوۃ متخیلہ میں مرتسم ہوتی ہے اور اس کا طائف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورۃ متخیلہ میں مرتسم ہوئی۔ تَذَكَّرُوْا مامور بہ اور منہی عنہ کو یاد کرتے ہیں مولانا ابو سعود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ

مانگتے اور اس پر توکل کرتے۔ فَاِذَا هُمْ پس اس وقت یعنی اس تذکر کی وجہ سے۔ مُّبْصِرُوْنَ ۝ خطا کے مقامات اور شیاطین کے مکر و فریب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ ان سے بچ کر شیاطین کی اتباع نہیں کرتے۔

وَاِخْوَانُهُمْ اور شیاطین کے بھائی۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو گمراہی میں منہمک اور نفسوں کو جو نقصان پہنچاتی ہیں ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس معنے پر اخوانہم کی ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے اگرچہ شیطان واحد ہے لیکن باعتبار جنسیت کے اس میں جمع کا معنے پایا جاتا ہے بنا بریں اس کے لئے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ انہیں گمراہی کی طرف دھکیلتے ہیں یعنی گمراہی میں شیاطین اُن کی مدد کرتے ہیں کہ گمراہ کن باتوں کو مزین کرکے اُن کے سامنے لاتے ہیں۔ پھر انہیں گمراہی اور ضلالت کی طرف اُبھارتے ہیں۔

ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ۝ پھر وہ اسمیں کوتاہی نہیں کرتے۔ یعنی شیاطین ایسے لوگوں کے گمراہ کرنے میں ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ انہیں کامل طور گمراہی کا خوگر بنا دیتے ہیں۔

حکایت کسی اللہ والے نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیفیت کا معائنہ کرائے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی بلوری صورت انسانی شکل میں دکھائی اور نقشہ میں دو کاندھوں کے درمیان گھونسلے کی طرح ایک سیاہ تل دکھایا گیا اُس صورت میں شیطان بنام خناس نے اندر گھس کر ہر جانب کو سونگھا۔ اسی خناس کی صورت خنزیر کی دکھائی گئی جس کی سونڈ ہاتھی کی طرح تھی۔ اس شیطان خناس نے آتے ہی کاندھوں کے درمیان اپنی سونڈ کو بندے کے قلب کی طرف بڑھایا اور وسوسہ ڈالنے لگا لیکن جب بندے نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو وہ شیطان پیچھے ہٹ گیا اس لئے اس کا نام خناس رکھا گیا اس لئے کہ اسے جب ذکر الٰہی کا نور محسوس ہوتا ہے تو وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہے۔

نکتہ یہی راز ہے دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنے لگوانے میں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لگوائے اور تمام اُمت کو اس کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے اُس کی وصیت فرمائی ہے وہ اس لئے کہ شیطان کے گھسنے کا مادہ کمزور پڑ جائے بلکہ اُس کے اندر داخل ہونے کی راہیں کٹ جائیں کیونکہ اس کا وسوسہ انسان میں ایسے دوڑتا ہے جیسے انسان کے رگ و ریشہ میں خون دوڑتا ہے۔

نکتہ یہی حکمت ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کے درمیان میں مہر نبوت پیدا کرنے میں کہ لوگوں کو یقین ہو کہ اس کا محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان کے وسوسہ سے معصوم و مامون ہے اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مہر نبوت کی برکت سے اپنے شیطان پر غلبہ دیا بلکہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

یہ حضور علیہ السلام کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف انہیں یہ شرف بخشا ہے اور کلی عصمت عطا فرمائی کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان آپ سے مغلوب ہو کر آپ پر ایمان لایا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا شیطان مسلمان نہ ہوا۔ بنا بریں وہ آدم علیہ السلام پر وسوسہ ڈال کر کامیاب ہو گیا۔

فائدہ دل میں دو طرح کے القاء ہوتے ہیں۔
① رحمانی
② شیطانی

رحمانی القاء فرشتہ ڈالتا ہے۔ اور شیطانی شیطان۔ رحمانی القاء کی علامت یہی ہے کہ وہ خیر کی باتیں القاء کرتا ہے جس سے انسان کو عبادت کی رغبت نصیب ہوتی ہے اور وہ بُرے انجام کی آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے اور غیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جلد سے جلد منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ اسے حق تعالیٰ کی طرف توجہ تام نصیب ہوتی ہے اور اُسے ہر عبادت میں روحانی لذت محسوس ہوتی ہے اسے القائے ملکی کہا جاتا ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ القائے شیطانی ہوتا ہے

فائدہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ کبھی شیطان اچھی باتیں دکھا کر بُرائی کرا لیتا ہے۔

ضابطہ صوفیانہ تمام اولیاء کرام کا اتفاق ہے کہ جس کا قوت (روزی) یعنی خورد و نوش اور لباس وغیرہ حرام سے ہو وہ القائے ملکی اور شیطانی میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جسے اپنی روزی کی حلت و حرمت کا علم نہ ہو وہ بھی حق و باطل کی امتیاز نہیں کر سکتا۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

① طفل جاں از شیر شیطاں باز کن
بعد از آنش با ملک انباز کن

② تا تو تارک و ملول و تیرۂ
دانکہ با دیو لعین ہمشیرۂ

③ لقمہ کو نور افزود و جمال
آں بود آوردہ از کسب حلال

④ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آنرا دان حرام

⑤ زاید از لقمہ حلال اندر دہاں
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

ترجمہ: ① جان کے طفل کا دودھ شیطان سے چھڑا لے اس کے بعد اسے فرشتے کا شریک بنا۔
② جبتک تو خود تارک غافل ڈھیلا ہے یقین کر تو شیطان کا دودھ پیتا بھائی ہے۔
③ وہ لُقمہ جو نُور و جمال کو بڑھاتا ہے وہ ہے جو حلال کی کمائی سے ہو۔
④ جب لُقمہ سے حسد اور جہل اور غفلت میں اضافہ ہو سمجھ لے حرام کا ہے۔
⑤ حلال لقمہ کی نشانی یہ ہے کہ اس سے خدمت (عبادت) کا جذبہ اور اس جہاں (آخرت) کا میلان ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ہمارے شیخ کامل قدس سرہٗ نے کتاب الالہامات البرقیات میں لکھتے ہیں کہ وہ فرشتہ جو اللہ والوں کے لئے مقرر ہے وہ اللہ والوں کے دلوں پر ہمیشہ حق کا القا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب انہیں شیطانی وسوسہ دل میں آتا ہے تب وہ فرشتہ بتاتا ہے کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے اس لئے ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھتے اور حق کے مشاہدات ہر وقت کرتے رہتے ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے ان پر شیطان مسلط ہوتا ہے۔ نہ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شان رحمانی سے حق و باطل کا امتیاز ہو جاتا ہے اور شان شیطانی سے حق و باطل کا امتیاز نہیں ہو سکتا یہی راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہادی و مہدی اور شیطان کے بندے گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں۔ ارادۂ اولیٰ بعینہٖ ہدایت کا نام اور ارادۂ ثانیہ اضلال ہے اور یاد رہے کہ جیسے ہدایت اھتدا کو مستلزم ہے ایسے ہی اضلال ضلال کو۔

دوسری تقریر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا سے اہل دل مراد ہیں۔ اس لئے تقویٰ دل کا فعل ہے چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اشارہ فرمایا اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا "تقویٰ اِدھر ہے" اس وقت آپ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور تقویٰ ایک نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے حق و باطل کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اس لئے فرمایا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ یعنی جب متقی پرہیزگار کے دل کے گرد شیطان کا کوئی عمل چکر لگاتا ہے تو دل اسے نور تقویٰ سے دیکھ لیتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ یہ شیطانی شرارت ہے تو پھر یاد آ جاتا ہے کہ اگر میں اس کے کہنے پر چلا تو یہ مجھے خراب کر دے گا۔ اور میری روشنی کو اندھیرے سے بدل دے گا اس طرح سے میرے دل پر زنگ چڑھ جائے گی۔ بنا بریں اہل دل شیطان سے دور رہتے اور اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ یہاں پر ھُم کی ضمیر قلوب کی طرف لوٹتی ہے اور اخوان سے نفوس مراد ہیں اس لئے کہ نفس اور قلب جڑواں ہیں قالب و روح کے رشتہ ازدواج پیدا ہوئے اس وجہ سے نفس قلب کو طاعت الٰہی پر مدد کرتا ہے اور نفس کی وجہ سے قلب سے گناہ صادر ہوتا ہے اگر نفس نہ ہوتا تو دل سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوتا اس لئے قلب جبلۃً ذکر اور طاعت سے پیدا ہوئی ہے ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ یعنی وہ نفوس و قلوب ایک دوسرے کے فعل سے ملال نہیں کرتے اور اپنی جبلی عادت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تاکہ اہل دل نفس کے مکر و فریب سے بے خوف نہ رہیں اور نہ ہی نفس پرست اصلاح قلوب کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ اور جب آپ ان اہل مکہ کے ہاں نہیں لاتے بِاٰیَةٍ کوئی آیت قرآن کریم کی جبکہ وحی اترنے میں کسی مصلحت کے تحت تاخیر ہو جاتی ہے۔ یا آیت سے یہاں معجزہ مراد ہے۔ اور معجزہ نہ لانے کا مطلب یہی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں مردہ کو زندہ کیجئے تاکہ

وہ ہمارے ساتھ ہمکلام ہوا ور جب تک کے لئے آپ ہمیں بلاتے ہیں اُس کی وہ تصدیق کرے وغیرہ وغیرہ۔

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا انہوں نے کہا کہ تم نے اسے کیوں نہ جمع کرلیا۔ اجتبی الشیٔ بمعنے جباہ لنفسہ ای جمعہ یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوال مطابق تم نے قرآن کے دوسرے آیات کی طرح یہ آیات بھی اپنی طرف سے گھڑلی ہوتیں اور اسمیں حرج ہی کیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے قرآن کی آیات نبالیتے ہیں اس لئے سوال کےمطابق تم نے قرآن کے دوسرے آیات کی طرح یہ آیات بھی اپنی طرف سے گھڑلی ہوتیں اور اسمیں حرج ہی کیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے قرآن کی آیات نبالیتے ہیں اس لئے سوال کا جواب نہ پاکر یہی کہا کرتے کہ جب تم نے دوسری آیات گھڑکر ہمیں سنائی ہیں تو پھر اب ہماری سوال کردہ مضامین کے متعلق کیوں نہیں آیات گھڑلیتے۔ یا اجتبیٰ بمعنے اصطفےٰ ہے یعنی آپ ہمارے سوالی پرمُردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے تاکہ آپ اپنے دوسرے مہمات سے انہیں ممتاز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اُن کو طلب کرکے ہمارے مقاصد پورے فرمائیں۔

قُلْ (اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) انکا رد کرتے ہوئے فرمایئے **اِنَّمَآ اَتَّبِعُ** بیشک میں اتباع کرتا ہوں یعنی کوئی فعل اتباع کے بغیر نہیں کرتا۔ **مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ** ج وہ جو میرے رب تعالیٰ سے میری طرف وحی ہوتی ہے نہ آیات کو میں خود گھڑتا ہوں اور نہ ہی خود ان کے متعلق مطالبہ کرتا ہوں **هٰذَا** یہ قرآن **بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے رب تعالےٰ کی طرف سے تمہارے لئے بمنزلہ ان بصائر کے ہیں جو قلوب کو حق کی رہبری کرتی ہیں اور انہیں راہ صواب دکھائی۔

سوال بصائر آیت کے لئے لائی گئی ہیں اور آیت مفرد ہے اور آیات جمع اس کی وجہ؟

جواب آیت جنس کے اعتبار سے سوَر و آیات ہر ایک شامل ہے اور انہیں سور و آیات کی وجہ سے بصائر کہا گیا ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں اس لئے کہ وہی آیات کے انوار سے اقتباس اور اُس کے آثار سے استفادہ کرتے ہیں اور یہ جملہ قل کے مامور بہ سے ہے اور قل کا مقولہ سارا جملہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے انبیأ عظام علیہم السلام وحی ربانی کے متبع ہوتے ہیں ایسے ہی اولیأ کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام بھی الہام کے تابع ہوتے ہیں وہ تزکیۂ نفوس پر وحی والہام کے بغیر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر وحی و الہام کے متبع نہ ہوتے تو وہ بھی منجملہ اہل ھوٰی سے ہوتے اور ارشاد و ہدایت کی بھی صلاحیت نہ ہوتی بلکہ وہ خائن کہلاتے اور خائن کو تو اسرارِ نبوت و ولایت کا امین بنایا ہی نہیں جاتا۔

حکایت باکرامت بعض اہل علم سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں مصطبہ میں تھا میں نے دو بزرگوں کو دیکھا کہ تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کررہے تھے۔ جب فارغ ہوکر جلنے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ کچھ ہمیں اپنے علم سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ دوسرے نے فرمایا ضروری ہے لیکن اس کا طریق کار کیا ہو پہلے

نے فرمایا کہ آج کے بعد ہم دونوں عہد کریں کہ ہم وہ شے ہرگز نہیں کھائیں گے جس میں مخلوق کے عمل کو دخل ہو۔ اس پر اتفاق کر کے چلنے لگے تو میں نے عرض کی کہ مجھے بھی اپنے عہد میں شامل کر لو۔ انہوں نے فرمایا ہماری شرط مذکور منظور ہے۔ میں نے سر تسلیم خم کیا وہ مجھے جبل لکام میں لے گئے اور ایک غار میں بٹھا دیا اور فرمایا یہاں عبادت کرتے رہو۔ تیری خوراک کا انتظام ہو جائے گا چنانچہ میں وہیں پر عبادت میں مصروف ہو گیا اور وہ دونوں روزانہ میرے ہاں وقت پر کھانا پہنچا جاتے تھے ایک مدت تک یہی سلسلہ رہا۔ ایک دن میرے دل میں خیال گذرا کہ یہاں کب تک مقید رہوں گا۔ کیوں نہ ہو طرطوس (شہر) میں چلا جاؤں۔ وہاں حلال کی روزی کما کر کھاؤں اور لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاؤں اور قرآنی تعلیم عام کروں۔ اس کے بعد میں اٹھ کر طرطوس چلا گیا۔ وہاں مجھے صرف ایک سال گذرا تو اچانک مجھے ان دونوں بزرگوں سے ایک کی ملاقات ہو گئی اور مجھے فرمایا ہمارے ساتھ تو نے خیانت کی اور وعدہ توڑا۔ اگر تم صبر کرتے جیسے ہم نے صبر کیا تو تجھے بھی وہی مرتبہ نصیب ہوتا جو ہمیں نصیب ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کو کونسا مرتبہ نصیب ہوا۔ انہوں نے فرمایا ہمیں تین مراتب نصیب ہوئے۔

(۱) طی الارض کہ مشرق تا مغرب کی مسافت ہمارے لئے صرف ایک قدم ہے۔
(۲) پانی پر تیرنا۔
(۳) لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونا۔

یہ کہہ کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے کہا آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہی مرتبہ عطا فرمایا مجھے زیارت سے مشرف فرمائیے آپ کی جدائی سے میرا دل پگھلا جا رہا ہے۔ میری گذارش پر پھر ظاہر ہو کر میرے سامنے آ گئے۔ میں نے کہا اب کوئی تجویز بتلائیے جس سے مجھے وہی مرتبہ نصیب ہو سکے انہوں نے فرمایا خائن کو ایسا مرتبہ ملنا مشکل ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ہے

وفا مجوی ز کس در سخن نمے شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا مباش

ترجمہ: وفا کی امید نہ رکھ اگر تو کسی کی بات نہیں مانتا۔ پاگل پن میں سیمرغ اور کیمیا کا طالب نہ بن۔

سبق اس حکایت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منشا پر جسے چاہتا ہے مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

حکایت شیخ جوہر جو عدن میں مدفون ہیں وہ کسی کے غلام تھے جو بعد کو آزاد ہوئے آزاد ہو کر بازار میں بیع و شرا کا کام کرتے تھے لیکن فارغ اوقات میں فقراء کی مجالس میں بیٹھتے اور ان سے نہ صرف عقیدت رکھتے بلکہ ان کے عشق میں بھرپور تھے۔ جب حضرت الشیخ الکبیر سعد الحداد جو کہ وہ بھی عدن میں مدفون ہیں فوت ہونے لگے تو ان سے ان کے مریدین اور خلفاء نے پوچھا کہ آپ کا جانشین کسے بنایا جائے انہوں نے فرمایا میری موت کے تیسرے روز فقراء و درویش میرے گھر جمع ہوں گے جن کے سر پر سبز رنگ کا پرندہ آ کر بیٹھے وہی میرا جانشین ہو گا ان کے وصال کے بعد تین روز تک ان کے مزار پر فقراء اور درویش جمع ہوتے رہے۔ جب تیسرا روز ہوا تو تمام درویش اور فقراء

ذکر اور تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہوئے تو شیخ کے ارشاد کا انتظار کرنے لگے کہ کس خوش قسمت کے سر پر سبز رنگ کا پرندہ آکر بیٹھتا ہے۔ بہت بڑے بڑے عہدہ دار درویش اور فقراء تمنائیں تھے لیکن وہی سبز رنگ کا پرندہ اڑتا ہوا شیخ جوہر مذکور کے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ حالانکہ نہ اسے اُس کی امید تھی اور نہ ہی دوسروں کو اس کا تصور۔ اس کے بعد شیخ سعد مذکور کے تمام خلفاء اور مریدین اُٹھے اور شیخ جوہر کو اعزاز و اکرام سے شیخ کی مسند پر بٹھانے کے لئے حاضر ہوئے۔ شیخ جوہر رونے لگے اور کہا کہ میں تو ایک عام آدمی بازار میں خرید و فروخت کرنے والا اس کا اہل نہیں ہوں کہ اتنا بہت بڑے شیخ کامل کے مصلی پر بیٹھوں اور پھر آداب طریقت سے بھی ناواقف ہوں اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے میرا لوگوں سے لین دین وسیع ہے میں انہیں کیا جواب دوں گا۔ سب نے کہا کہ امر الہٰی ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ مسند شیخت پر بیٹھنے کے آداب طریقت کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ شیخ جوہر نے فرمایا کہ مجھے تھوڑی مہلت چاہیئے تاکہ میں حساب و کتاب سمیٹ لوں۔ یہ کہہ کر بازار میں جاکر ہر صاحب حق کو حقوق ادا کئے اور اس کے بعد آکر مصلی پر بیٹھ گئے اور ایک عرصہ فقراء اور درویشوں کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اسم بامسمّٰی جوہر ہی ہو گئے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید

ہمچناں در عمل معدن و کان است کہ بودُ

ترجمہ: وہ لعل و گوہر کا طالب نہیں ورنہ سورج میں تو وہی کان اور معدن کا کام ہے۔

نیز فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض

ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ: گوہر پاک چاہیئے تاکہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر و گل لؤلؤ و مرجان نہیں ہوتے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ سے بیان فرمائی تو اب اس کے ساتھ مضمون کو اور مؤکد فرمایا۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور جب قرآن پڑھا جائے وہ جس کے بہت شان بتائے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ پس اُسے سنو۔ یعنی سنکر اس کا احکام قبول کرکے اُن پر عمل کرو اس لئے کہ اس کا استماع مطلقاً واجب ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ باب افتعال میں تصرف و سعی اور اس کے حکم پر عمل کرنے کا معنٰے ہوتا ہے۔

مستمع اور سامع میں فرق مستمع ہر وہ شخص جو سننے کا قصد رکھتا ہو اور شئے کے سننے کے لئے خصوصیت سے کان لگائے اور سامع وہ ہے جو اتفاقاً کوئی بات سن لے جس کا قصد نہ ہو اس معنٰے پر ہر مستمع سامع ہو سکتا ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں ہو سکتا۔

وَاَنْصِتُوْا اور خاموشی اختیار کرو یعنی قرأت قرآن کے دوران خاموش رہو اور قرأۃ کے اختتام تک خاموشی اختیار رکھو قرآن مجید کی عزت اور احترام کے پیشِ نظر تاکہ استماع مکمل طور ہو سکے۔ انصات اور سکوت کے درمیان فرق یہ ہے کہ انصات میں استماع کا مفہوم مدِ نظر ہوتا ہے اور سکوت عام ہے کہ اسمیں استماع کی خاطر ہو یا نہ۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ تاکہ تم حصول رحمت میں کامیاب ہو جاؤ اور یہی کامیابی کا آخری ثمرہ ہے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ نماز کے اندر بولتے اور اپنی ضروریات بتاتے رہتے تھے مثلاً کوئی شخص نماز کھڑی ہو جانے کے بعد حاضر ہوتا تو وہ نمازیوں سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ادا ہو چکی ہیں تو نمازی نماز میں کہتے کہ ہم نے اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں اور اتنی رکعتیں باقی رہتی ہیں۔ اُن کے اس طریقہ کو رد کرنے کے لئے یہی آیت نازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ آئندہ نماز میں باتیں نہ کیا کریں اور نہ ہی نماز میں قرآن پڑھا کرو اس لئے کہ نماز ایک اہم رکن ہے۔

ردِ غیر مقلدین وہابیہ اس آیت سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کو کفایت کرتی ہے۔ نماز جہری ہو یا سری اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو باتیں واجب فرمائی ہیں۔

① استماع

② انصات

سری نماز میں اگرچہ استماع نہیں۔ دوسرے حکم پر تو عمل کرنا واجب ہے یعنی خاموشی پر۔

وہابی غیر مقلد انصات میں مطلق خاموشی کا حکم ہے نہ کہ قرأت کا۔

سُنّی حنفی آیت ① میں انصات مطلق ہے خواہ مطلق کلام ہو یا قرأت قرآن۔ اور قواعد عربیہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حکم لفظ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ کسی واقعہ سے۔

② بقول مفسرین ایک جماعت کے یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی جبکہ مقتدی حضور علیہ السلام کے پیچھے قرأت پڑھتے رہتے اور حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہی قول اصح ہے۔

فائدہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ صرف مقتدی سے قرأت ساقط فرمائی ہے بلکہ اسے قرأت سے روکا بھی ہے صرف امام پر شفقت کرتے ہوئے تاکہ جہری نماز میں مقتدی و امام کی قرأت میں التباس نہ ہو جیسا کہ جامع از ہر مصر میں ہوتا ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام مکروہ تحریمہ ہے یہی اصح ہے (کذا فی شرح المجمع الابن ملک)۔

حدیث شریف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا "من قرء خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ ای السنۃ" جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فطرۃ سے خطا کر گیا فطرۃ سے یہاں سنت مراد ہے۔

مناظرہ بہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلسنت شوافع کے بعض لوگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مناظرہ کے لئے حاضر ہوئے موضوع مناظرہ قرأت خلف الامام تھا ان کا مقصد وحید یہی تھا کہ آپ کو اس مسئلہ پر دلائل دے کر لاجواب کر کے عوام میں رسوا کریں گے۔ آپ نے فرمایا بیک سب سے تو مناظرہ نہیں ہو سکے گا اپنے میں سب سے زیادہ بڑے عالم کو میرے مناظرہ کے لئے منتخب کر لو۔ سب نے آپ کی اس رائے پر اتفاق کیا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ مانتے ہو یا نہ کہ اُس کی ہار تم سب کی ہار اور اُس کی جیت تم سب کی جیت۔ انہوں نے کہا واقعی ایسے ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں انہوں نے کہا کہ وہ اب ہمارا بمنزلہ امام کے ہوگا اب اس کی ہر بات ہماری بات ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہی ہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے امام کو نماز میں اپنا نمائندہ منتخب کر لیا کہ وہ ہماری طرف سے بارگاہِ حق میں گفتگو کرے اب اس کی ہر بات ہماری بات ہوگی تو قرأۃ خلف الامام کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ سب نے امام صاحب کے مذہب کا اقرار کر لیا۔ واقعی قرأۃ خلف الامام ناجائز یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ مع نکتہ قرأت کا اصلی مقصد تدبر و تفکر اور اس پر عمل کرنا ہے اور استماع و انصات سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بنا بریں مقتدی پر انصات واجب ہے اس کی مثال خطبہ کی سی ہے کہ جمعہ کا خطبہ امام پڑھتا اور مقتدی اسے سنتا ہے وہ بھی صرف اس بنا پر کہ خطبہ میں وعظ و نصیحت ہے اس لئے اسے سننا واجب ہے تاکہ سننے کا اصل مقصد حاصل ہو ایسے نہیں کہ خطیب کے ساتھ ہر شخص خطبہ پڑھتا جائے۔ بخلاف دیگر ارکان کے ان میں خشوع مطلوب ہوتا ہے اور وہ رکوع و سجود وغیرہ میں مقتدی و امام ہر دونوں بجالاتے ہیں۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ آیت کے ظاہر سے یونہی ثابت ہوتا ہے کہ خارج از صلوٰۃ قرآن مجید کو چُپ کر کے سننا واجب ہے لیکن آئمہ فقہا کے نزدیک یہ بھی مستحب ہے (کذا فی التفاسیر) اور حدادی نے لکھا کہ خارج از صلوٰۃ ہر قاری کی قرأت چپ کر کے سننا واجب نہیں بلکہ مخصوص اوقات میں واجب ہے یعنی صرف اسی مقصد سے سُن رہا ہو۔

مسئلہ قاری[1] یعنی قرآن پڑھنے والے کے ساتھ کوئی شخص مسائل فقہ لکھ رہا ہو یا کوئی اور دینی کام کر رہا ہو اور وہ اس کے لئے ضروری ہے اور قرآن مجید سننے کا اس کو وقت نہیں تو گناہ قاری کو ہے۔ جبکہ وہ جہر کر کے پڑھتا ہو ایسے ہر مقام پر۔

---

[1] عرف شرع میں قاری قرآن کی تلاوت کرنے والے کو کہتے ہیں اس سے یہی معنے مراد ہے اور تجوید کے ماہر کو بھی قاری کہا جاتا ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

مسئلہ جو شخص کسی اونچے مقام مثلاً مکان کی چھت پر جہر سے قرآن پڑھے اور لوگ اپنے کاروبار میں مصروف یا سو رہے ہوں اور وہ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تو یہاں پر بھی پڑھنے والا گنہگار ہو گا (کذا فی الخلاصہ)

مسئلہ بچہ گھر میں قرآن مجید جہر سے پڑھتا ہے اور گھر والے اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں اگر وہ بچے کا قرآن مجید نہیں سنتے تو مجرم نہ ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے بچے کی قرأت سے پہلے کام شروع کیا ہو اگر اس کے شروع کرنے کے بعد کام شروع کیا ہے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ قرآن پاک کی تلاوت جہر سے کرنے والے کے بالمقابل فقہ کے مسائل کی گفتگو مکروہ ہے یعنی خاموشی سے سننا لازم ہے۔

مسئلہ مکتب میں قاری قرأت بالجہر پڑھ رہا ہو اور وہاں سے لوگ گذر رہے ہوں تو اُن پر قرآن سُننا واجب ہے بشرطیکہ قرأت طویل نہ ہو۔ اگر طویل ہو جیسے حفاظ شبینہ یا آپس میں دور کرتے ہوئے طویل قرأت کرتے ہیں تو ان لوگوں کو کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ سب کو یک وقت ایک مقام پر جہر سے قرآن مجید نہ پڑھنا چاہیئے اس لئے کہ استماع و انصات کے حکم کے خلاف ہو گا۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔

قاعدہ اس میں شرعیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا چُپ کر کے سُننا فرض کفایہ ہے جیسا کہ علامہ حلبی نے شرح کبیر میں تحقیق فرمائی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ شبینہ میں جو حفاظ پڑھتے ہیں اس میں بعض سننے میں شریک ہیں دوسرے لوگ اگر بوجہ سستی یا ضروریات کے نہیں سنتے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ قنیہ میں ہے کہ ختم قرآن سُورہ اخلاص کا ختم اکٹھے ہو کر بالجہر سے ہو تو جائز ہے لیکن ایک پڑھے اور باقی چُپ کر کے سنیں تو اولیٰ یہی ہے۔

مسئلہ ایک فقہ کے مسائل یاد کرنے میں مصروف ہے کہ بار بار انہی مسائل کو دہراتا ہے تاکہ یاد ہو جائیں اور دوسرا اُس کے ساتھ قرآن مجید جہر سے تلاوت کر رہا ہے تو فقہ کے مسائل یاد کرنے والے کو اس وقت قرآن مجید سننا واجب نہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو ایک گروہ مسائل فقہ کی گفتگو میں مصروف تھا۔ دوسرا گروہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ آپ تشریف لاتے ہی مسائل فقہ سے گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

فائدہ اس سے واضح ہوا کہ مسائل فقہ کی تحقیق خالی تلاوتِ قرآن سے افضل ہے اس کا مطلب واضح ہے کہ مسائل فقہ گفتگو قرآن کی معنوی تلاوت ہے اور الفاظ مبارکہ کی تلاوت ظاہری تلاوت ہے اور قاعدہ ہے کہ معنویت کو ظاہریت پر فوقیت حاصل ہے اس لئے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

علم دیں فقہست و تفسیر و حدیث　　ہر کہ خواند اذیں گردد خبیث

ترجمہ، اصل علم فقہ وحدیث وتفسیر ہے اس کے سوا جو پڑھتا ہے وہ خبیث[1] ہے۔

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ قبروں پر قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مکروہ نہیں اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ ہمارے مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو لیا ہے لیکن بالجہر سے نہ پڑھیں تاکہ قبر والے کے رشتہ داروں کو حرج واقع نہ ہو جبکہ ان کے ہاں لوگ تعزیت کے لئے آجارہے ہوں یا دیگر مصروفیات میں ہوں اور قاعدہ ہے کہ مشغول ہونے والے لوگوں کے سامنے قرأت بالجہر مکروہ ہے۔

مسئلہ خطبہ کے احکام قرآن کی طرح ہیں اس لئے کہ خطبہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ بنا بریں قرآنی آیات کی عزت واحترام کے پیش نظر اس کے ظاہر پر عمل ضروری ہے کہ خاموشی سے سننا لازم ہے اگرچہ خطبہ میں آیات کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں ان میں بھی احتیاطی طور خاموشی سے سننے کا وجوب کا اشتباہ ہو تو احتیاطاً وجوب پر عمل ضروری ہے بنا بریں خطبہ کو خاموشی سے سننا لازم ہوا۔ یہاں تک کہ خطیب اگرچہ حضور علیہ السلام پر درود شریف بھی پڑھے اسے خاموشی سے سنے اس لئے کہ ہمیں خطبہ سننا واجب ہے اور درود شریف اس خطبہ کا جزء ہے اور شئے کے جزء کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل شئے کا ہے ہاں اگر اثنائے خطبہ میں سامعین کو درود شریف پڑھنے کا حکم دے مثلاً آیت صلوا علیہ وآلہ وسلموا پڑھے تو پھر بھی سامع دل میں ہی درود شریف پڑھے زبان کو حرکت نہ دے۔

مسئلہ جو شخص ممبر سے دور ہو وہ بھی خاموش رہے اگرچہ اس کے کانوں تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی تاکہ انصات کے حکم پر عمل ہو اور اسے سننے والوں سے مشابہت نصیب ہو۔ علاوہ ازیں خطیب کی آواز تو برابر صفوں کو پہنچ رہی ہے لیکن چونکہ دور والوں کو پہلی صفیں مانع ہیں ایسے موانع وعوارض شرعی مسئلہ کو مانع نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر خطیب اثنائے خطبہ دعا مانگے تو سامعین پر ضروری نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو جائیں کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شروع کر دیں اور نہ ہی زبان سے دعا مانگیں۔

مسئلہ اثنائے خطبہ میں سامعین زبان سے درود شریف نہ پڑھیں۔ ہاں دل سے پڑھ سکتے ہیں اگر زبان سے درود شریف پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے بلکہ علما کرام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو درود شریف پڑھنے سے روکیں اگر نہیں روکیں گے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ اثنائے خطبہ خطیب کوئی بات نہ کہے اگرچہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو تب بھی خطبہ کو جاری رکھے البتہ ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرے تو صحیح یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ خطبہ کے درمیان میں جب کوئی کسی کو کہے چپ رہ تو اس نے لغو کیا یعنی لایعنی کلام کیا۔

نکتہ مع مسئلہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خطبہ کے درمیان ہر قسم کا [illegible] ممنوع [illegible] لئے ہے کہ جب

---

[1] وہ یوں خبیث ہے کہ وہ دوسرے علوم کو ان تینوں پر فائق سمجھ کر یا انکی طرح اصل مان کر ورنہ صرف ونحو و معانی وبیان تمام علوم کا پڑھنے والا کیسے خبیث ہو سکتا ہے۔ ۱۲ اُویسی۔

حدیث میں اُنصت (چپ رہ) کی ممانعت ہے حالانکہ وہ امر بالمعروف سے متعلق ہے تو پھر دوسرے ہر قسم کے کلام ناجائز ہوئے۔

مسئلہ اگر کسی کو کسی فعل سے روکنا مطلوب ہو تو اشارہ سے روکنا چاہیئے۔

مسئلہ جب خطبہ شروع ہو اس وقت بات کرنا ناجائز ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب امام خطبہ کے لئے مسجد میں داخل ہو تو اُس وقت سے کلام نہ کرنا واجب ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام (جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے نہ کلام۔ حدیث میں مطلق نفی ہے اور اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے)

مسئلہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے خطبہ کی فراغت کے بعد کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے جائز بات کرنا اس وقت ناجائز ہے جب خطبہ شروع ہو اس لئے کہ بات چیت خطبہ کے لئے خلل انداز ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بات کرنے کی ممانعت صرف خطبہ تک محدود ہے کیونکہ بات کی ممانعت خطبہ کے استماع کی وجہ سے ہے نہ پہلے اور نہ بعد کو۔

مسئلہ قُنیہ میں ہے کہ عیدین کے خطبہ میں کلام مکروہ نہیں اس لئے کہ عیدین کا خطبہ سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ نماز کے لئے شرط ہے بخلاف عیدین کے خطبوں کے کہ وہ نماز کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے لئے فرمایا "یَوْمُ الْعِیْدِ مَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّخْرُجَ فَلْیَخْرُجْ" یہ عید کا دن ہے تم میں جو بھی عیدگاہ کی طرف نماز کے لئے جانا چاہے تو وہ جائے۔

مسئلہ خلاصہ یہ کہ جب امام خطبہ کے لئے تیاری کر کے مصلّٰی پر تشریف لا چکا ہو تو اس وقت ہر قسم کی بات اور نوافل وغیرہ پڑھنا حرام ہیں ہاں اثنائے خطبہ نماز قضا پڑھنا جائز ہے۔ اس پر صاحب نہایہ نے نص فرمائی ہے۔

مسئلہ اثنائے خطبہ تسبیح وغیرہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

مسئلہ الاشباہ[1] میں ہے کہ کسی نے نفل کی نیت باندھی تو اُس وقت امام صاحب خطبہ کے لئے تشریف لائے تو اس پر لازم ہے کہ ایک دوگانہ پڑھ کر نماز کا سلام پھیر دے (کذا فی الکافی) اور اگر وہ دوسرے دوگانہ کی تیسری رکعت شروع کر چکا ہے تو اب اسے کامل چار رکعت پڑھ لینی چاہئیں۔ (کذا فی الاختیار)

مسئلہ اگر جمعہ کی سنتیں شروع کیں تو امام صاحب تشریف لائے تو جمعہ کی چار سنتیں اُسے پوری کرنا لازم ہیں۔ (کذا فی الاشباہ وغیرہ)۔

فائدہ امام کا خطبہ کے لئے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ امام کے احترام و اعزاز کے پیش نظر اس کے لئے مسجد کے قرب میں ایک حجرہ تیار کر دیتے تھے۔ جب خطبہ کی اذان ہوتی تو اس وقت امام صاحب

---

[1] صاحب کنز کی ایک تصنیف کا نام ہے۔ اس سے شیعوں والی اُصول کافی مراد نہیں۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

حجرہ سے باہر تشریف لاتے ورنہ ہمارے علاقوں میں نماز وکلام کی ممانعت اس وقت ہے جب امام خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ کے لئے شروع ہوجائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے انصاف حسن استماع کے لئے شرط ہے اور استماع حسن اسماع کے لئے شرط ہے۔

دوسری تقریر اَنۡصِتُوۡا یعنی زبان ظاہری کو بند کرو اور ظاہری کانوں سے کلام الٰہی سنو اور باطنی زبان بند کر کے باطنی کانوں سے کلام الٰہی سنو تاکہ تمہیں ایسے استماع سے حقیقی سماع نصیب ہوجائے۔ جسے کُنۡتُ لَهٗ سَمۡعًا فَبِیۡ یَسۡمَعُ سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کے نور جلال وجمال سے سنتا ہے تو وہ قاری سے بھی سن رہا ہے ورنہ اُس کا سننا نہ سننا برابر ہے اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ کا یہی راز ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عجب نبود کہ از قرآن نصیبت نیست جز حرفے

کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نابینا

ترجمہ: تعجب نہیں کہ قرآن سے تجھے حرفوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہو تو اس طرح ہے جیسے نابینا کو سورج سے سوائے گرمی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اور اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے رب کو یاد کیجئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب تمام مخلوق کو ہو۔

فائدہ غفلت کو ہٹانے کا نام ذکر ہے اس لئے ذکر بہشت میں نہیں ہوگا کیونکہ وہاں دائمی حضوری ہوگی۔

فِیۡ نَفۡسِكَ اپنے دل میں۔ اس سے وہ کلام خفی مراد ہے اس لئے کہ ذکر خفی دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور اجابت کے لئے بھی یہی قریب تر ہے۔

مسئلہ یہ تمام اذکار کو شامل ہے۔ تلاوتِ قرآن اور دعا وغیرہ (کما قال فی الاسرار المحمدیہ)۔

مسئلہ ذکر کی فضیلت صرف تسبیح وتہلیل وتکبیر ودعا پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہر عامل کو ذاکر کہا جائے گا۔

تَضَرُّعًا یہ مصدر اُذکر کے فاعل سے حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے درانحالیکہ تم عجز ونیاز اور انکسار کرنے والے ہو۔ الضراعۃ بمعنے الخضوع والذل والاستکانۃ ہے یعنی عاجزی۔ ذلت اور اظہار مسکینی۔ مثلاً کہا جاتا ہے تضرع الی اللہ ای ابتھل وتذلل یعنی اُس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و ذلت کا اظہار کیا۔ الابتہال بمعنے الاجتہاد فی الدّعا والاخلاص یعنی دعا واخلاص میں جدوجہد کرنا۔

فائدہ صوفیانہ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ نماز افضل الحرکات اور روزہ افضل سکنات ہے اور تضرع عبادت کی صورتوں میں جن امور کو افلاک دائرات نہیں کھولتے انہیں عبادات کی صورتوں میں تضرع

سے کھولا جا سکتا ہے۔

لو لم ترد نیل ما ارجو و اطلبہ

من فضل جودک ما علمتنی الطلبا

ترجمہ: اگر تم میری آرزو اور میرا مطلب اپنے فضل و کرم سے پورا نہیں فرماتے تو تم نے مجھے طلب کا ڈھنگ سکھایا کیوں۔

وَّخِيفَةً بکسر الخا دراصل خوفۃ تھا واو ساکن کسرہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے یا سے تبدیل ہوئی یہ بھی حال واقعہ ہے یعنی ڈراتا ایکہ تم ذکر کے وقت خائف ہو۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ خوف" تقصیر فی الاعمال اور خاتمہ و سابقہ کو شامل ہے۔ اس لئے کہ خاتمہ کا خوف اس ابتدائی حکم پر منحصر ہے جو ابتدا یعنی ازل میں سبقت کر چکا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ" قلم خشک ہو گیا اس پر جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

رد وہابیہ دیوبندیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ صرف امتوں کے متعلق ہے۔ ورنہ انبیاء بلکہ کامل اولیاء علی نبینا و علیہم السلام فاتحہ و خاتمہ کے خوف سے پُرامن ہیں ہاں وہ بھی خوف سے خالی نہیں ہوتے لیکن اُن کے خوف کی نوعیت علیحدہ ہے یعنی وہ خوف اُن کے مقام و مرتبہ کے مناسب ہے۔

نکتہ انسان کا انتہائی مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنے کی ربوبیت کی عظمت اور اپنی عبودیت کی ذلت کا اظہار کرے۔ ان دونوں کو یکجا بیان کیا گیا ہے پہلے مرتبہ کو وَاذْكُرْ رَبَّكَ میں دوسرے کو تضرعًا و خیفۃ میں تاکہ دونوں مراتب کی تکمیل ہو۔ ؎

ای خنک آنرا کہ ذلت نفسہ

کیسے را کہ بردی افسہ

ترجمہ: مبارک ہو اسے جس کا نفس ذلیل ہوا افسوس ہے اس پر جو نفس جیسا سرکش ہوا۔

وَّدُوْنَ الْجَهْرِ یہ صفت ہے موصوف محذوف کی اور وہ موصوف حال ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی متکلمًا کلاما ھو دُوْنَ الْجَهْرِ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے درانحالیکہ تم ایسا کلام کرو کہ وہ جہر سے نہ ہو اس لئے کہ حسن تفکر کو یہی قریب تر ہے۔

مسئلہ امام جہری نماز میں آواز نکالے جتنی کہ اُس کی فطری آواز ہے کہ قریب والے سن لیں۔

مسئلہ کشف میں ہے کہ اتنے زور سے پڑھے جو مقتدیوں کی ضرورت سے باہر ہے تو وہ امام گنہگار رہے۔

قاعدہ اساءت سے کراہت افحش ہے۔

روایت یا حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نوافل میں بہت زیادہ جہر کرتے ہوئے پوچھا یہ کیوں ؟ تو انہوں نے عرض کی نمازیوں کو جگاتا اور شیطانوں کو بھگاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اب سے ذرا آہستہ پڑھا کریں۔ اس کے بعد آپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے وہ نہایت ہی آہستہ آواز سے قرأت پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا تھوڑا اونچا کرکے پڑھا کریں۔

ذکر جلی افضل یا خفی حضرت علامہ نووی قدس سرہٗ نے ذکر جلی وخفی کی متضاد احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا کہ جہاں ریا کا خطرہ ہو یا ذکر جہر سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یا سونے والوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو وہاں ذکر خفی ذکر افضل ہے یہ عوارض نہ ہوں تو ذکر بالجہر افضل ہے۔ اس لئے اس ذکر بالجہر میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین کو بھی پہنچتا ہے اور ذکر سے حسن شنوائی دوسری طرف توجہ نہیں کرتی اور اس سے نیند بھی ہٹ جاتی ہے اور اس سے روحانی کیف وسرور بھی حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ اخیارِ اُمت کے نزدیک نماز وغیرہ میں تکبیر وغیرہ زور سے کہنا مکروہ ہے۔

مسئلہ جہر وخفی کا درمیانہ طریقہ اختیار کرکے نہایت عجز وانکسار اور خشوع وخضوع کے ساتھ ذکر وغیرہ کیا جائے اور ریا نہ ہو تو مکروہ نہیں یعنی باتفاق العلماء جائز ہے (کذا فی انوار المشارق)۔

فائدہ صوفیانہ شارح کشاف نے لکھا ہے کہ کبھی مرشد اپنے مبتدی مرید کو ذکر بالجہر کا اس لئے حکم دیتا ہے کہ مرید کے دل کے اندر جو جو خواطر و وساوس شیطانی گھر کئے ہوئے ہیں وہ دور ہو جائیں۔

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ صبح اور شام میں اذکر کے متعلق ہے یعنی ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ غدو سے صبح کی گھڑیاں اور اصال سے شام کے اوقات مراد ہیں۔ الغدو غدوہ کی جمع ہے یعنی صبح کی نماز سے طلوع شمس کا درمیانہ وقت اور اصال اصیل کی جمع ہے یعنی بعد العصر الی المغرب کا نام ہے۔ اور العشی والعشیۃ بمعنے وقت صلوٰۃ المغرب الی العشاء۔

سوال ان دونوں وقتوں کو ذکر سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے ؟

جواب ان دونوں وقتوں میں عالم کے حالات کے تغیر میں عجیب کیفیت ہوتی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ ان کا مؤثر حقیقی وہی ایک معبود ہے جو حکمت باہرہ اور قدرت قاہرہ کا مالک ہے پھر جو بھی ان تغیرات کا مشاہدہ کرے اس پر لازم ہے کہ تضرع وابتہال سے اسے یاد کرے اور خوف رکھے کہ کہیں اس کا حال بھی کسی برائی کی طرف نہ بدل جائے۔

سوال اگر اس سے دن رات مراد ہیں تو پھر ان کی دونوں طرفوں پر اکتفا کیا گیا ہے ؟

جواب تاکہ اشارہ ہو جائے کہ بندہ کو چاہیئے کہ حسب امکان اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان مبارک پر لائے تو اس کے معانی دل کے سامنے لائے کیونکہ ذکر فی نفسہٖ حقیقی منشا یہی ہے کہ ذکر کرنے والا ذکر کے معانی کا عارف ہو اس کے بعد فرمان ہوا کہ دل سے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی کبریائی کو نہ بھلائے۔ اسے غفلت کہتے ہیں اور غفلت سے اجتناب کا حکم فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے لئے بہتر اور کفار کے اُس جہاد سے بھی افضل ہو کہ ان کے مقابلہ میں جا کر تم ان کی گردن اڑاؤ اور وہ تمہاری۔ سب نے عرض کی ضرور بتایئے آپ نے فرمایا وہ ذکر اللہ تعالیٰ ہے۔

نکتہ غزوہ اور کلمہ شہادت و دیگر اعمال کا مقصد حصول جنت ہے اور ذکر اللہ تعالیٰ سے خدا تعالیٰ کی ہمنشینی نصیب ہوتی ہے اور یہ بھی ہمنشین یعنی اپنے قرین کو اپنا مشاہدہ کراتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ذکر کرنے والا حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور شہودِ حق حصول جنت سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ رؤیت حق حصول جنت کے بعد ہوگا اور مکمل ترین نعمت دیدارِ الٰہی ہے باقی سب ہیچ۔

حقیقی ذکر کیا ہے حقیقی ذکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان پر جاری ہو تو اس کے قلب اور رُوح حاضر ہوں اسی طرح جمیع اعضا و قویٰ یہاں تک کہ ذکر کے وقت بندہ بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور توجہ بھی ایسی کہ دل کے خطرات اور نفس کے غلط خیالات بالکل مٹ جائیں۔ ایسے ذکر پر مداومت کرنے سے زبانی ذکر سے قلبی ذکر نصیب ہوگا۔ اسی طرح ترقی کرتا ہوا اس کے تمام پردے اُٹھ جائیں گے اور وہ بلاحجاب تجلیات حق سے سرشار ہوگا۔ اس مرتبہ کے حصول کے بعد نُورانیت نصیب ہوتی ہے بلکہ اُس کے دل کی زمین سب کی سب چمک اُٹھے گی پھر اُسے صفاتیہ و اسمائیہ پھر ذاتیہ حاصل ہوں گے۔ جن کی برکت سے بندہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو جائے گا اس وقت ذاتِ حق خود ذاکر ہوگی اور خود بندہ مذکور جیسا کہ اس کے شان کے لائق ہے لیکن یہ مقام منتہیانہ ہے کہ دوئی دُور کرنے اور حقیقت احدیت کے منکشف ہونے پر یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے (شرح الفصوص لداؤد القیصری فی الکلمۃ الیونسیہ) ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم

پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ: جب اوصاف قدیم کا جلوہ ہوتا ہے تو حادث وصف کی کمبل جل جاتی ہے۔

نسخہ رُوحانی جو بھی اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کے ذکر کی مداومت کرتا ہے تو اس کے رُوح اور اس اسم الٰہی کے درمیان بفضلہ تعالیٰ و کرمہ اتنی مناسبت حاصل ہوگی کہ اس کا اس اسم سے شغل ہے[1]۔ جس قدر اس اسم پاک سے شغل بڑھتا جائے گا اسی قدر مناسبت اور کمال میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس مناسبت کی مختلف حدود[2] ہیں۔ جوں جوں بندہ ان حدود تک پہنچتا ہے جوں جوں فتوحات منجانب اللہ تعالیٰ مع جود و عطا بندے کو مُسمّٰی سے مناسبت نصیب ہوتی ہیں۔ لیکن اتنی کہ جس قدر اس بندے کے اندر کمال اور قوت ہوتی ہے اُسی مناسبت کی برکت سے بندے کی بشری کثافتوں پر قدسی جلوؤں

---

[1] ہم نے ایک فقیر معروف بہ بنی فقیر مرحوم سے اس نُسخہ کا مشاہدہ کیا۔ جبکہ وہ ہر وقت اللہ الصمد پڑھا کرتے اور حالت یہ تھی کہ دُنیا اور ما فیہا سے بے نیاز تھے زمانۂ طالب علمی میں فقیر نے اُس کی زیارت کی پھر وہ مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں اُن کا وصال ہوا واللہ اعلم بالصواب

[2] حدود کے کئی اقسام اور اُن کے الگ الگ نام ہیں اور تاثیرات بھی مختلف مثلاً زکوٰۃ۔ نصاب۔ قفل۔ دور۔ دور مدد وغیرہ

[illegible]

کا غلبہ شروع ہوجاتا ہے اس وجہ سے وہ بندہ عالم قدس کے اندر قدم رکھتا ہے پھر اس عالم کی ترقی بشری کثافتوں کے مٹنے کے مطابق ہوتی ہے جس قدر بشری کثافتیں فنا ہوتی جائیں گی اسی قدر عالم قدس میں ترقی ہوگی۔ پھر اس اسم کے مرتبہ سے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جلوہ دکھاتا ہے لیکن اسی قدر کہ جس قدر بندے کو اسم سے مناسبت ہوتی ہے اور اسی قدر استعداد اور اسی قدر اسے علوم و معارف اسرار الٰہیہ و کونیہ نصیب ہوتے ہیں لیکن وقت کا تقاضا اور اس کے ظرف اور اس کی قابلیت ملحوظ خاطر ضرور ہوتی ہے اس کے بعد اس بندے کو وہ علوم و معارف و اسرار حاصل ہوتے ہیں جو اس سے قبل اسے نصیب نہیں تھے بلکہ اس سے قبل وہ اپنے اندر جہل اور غفلت محسوس کرتا تھا[۱] (کذا فی حواشی تفسیر الفاتحہ لحضرۃ شیخنا الاجل قدس سرہٗ)

قاعدہ صوفیانہ جو کسی ورد کا عامل نہیں اسے واردات سے محرومی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی اپنے ورد کا پابند ہوتا ہے کیونکہ جس سے حضر اور صحت اور جوانی میں کوئی ورد قضا ہو جائے تو سمجھو کہ وہ محروم اور اللہ تعالیٰ سے بعید اور رسوا شدہ انسان ہے مگر بیماری سفر۔ بڑھاپا موت مستثنیٰ ہیں کہ ان اوقات میں اگر قضا ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن حتی الامکان انہیں ادا کرنے کی ہمت کرے۔

سبق جو کسی ورد کا عامل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر مداومت کرے۔ اگر کسی مجبوری سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا کرے یعنی اس کو پورا کرے اگرچہ ہفتہ کے بعد سہی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام تہجد قضا ہو جائے تو بھی اس کی قضا پوری کرتے ہیں اگرچہ تہجد فرائض میں سے نہیں۔

نکتہ اس میں راز یہ ہے کہ اوراد ہوں یا کوئی اور اعمال صالحہ اُن کی ادائیگی صفات باطنیہ کو جلا اور قلب کے رذائل جڑ سے اکھاڑے جاتے ہیں پھر احاد اعمال سے اُس کے آثار مرتب نہیں ہوتے بلکہ محسوس تک بھی نہیں ہوتا البتہ اُن کے آثار کا ترتب مجموعہ اعمال سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب عمل اوّل کا اثر ہوا تو اس کے بعد ثانی و ثالث سے اثر پڑے گا۔ لیکن جب وہ راستہ میں منقطع ہوگیا تو پچھلے آثار بھی مٹ جاتے ہیں (جیسے کھیت میں پانی مسلسل چلے تو پہنچتا ہے ورنہ راستہ میں گم ہو کر کھیت خشک رہ جاتا ہے۔

بقیہ حاشیہ سابقہ

وغیرہ اور ان کی تعداد قرأت کا اصول یہ ہے کہ جس اسم حسنیٰ کا وظیفہ کرنا ہو اس کے اعداد بحرف ابجد قمری نکال کر اُس کے حروف کے شمار سے ضرب دی جائے تو یہ پہلے مرتبہ و تاثیر کا تعین ہوگا اور اگر اسی شمار حروف پر پھر ضرب دی جائے تو دو... تعین پھر ضرب دی جائے تو تیسرا۔ علیٰ ہذا القیاس اور اسی سے قوت و تاثیر بھی بڑھتی جاتی ہے۔ مثلاً صمد کے تین حروف ہیں اور اعداد ص۔م۔ اور دال کے ۴ کل مجموعہ ۱۳۴ ہوا۔ اس کو ۳ سے ضرب دیتے جاتے ہیں چنانچہ پہلا تعین ۴۰۲ کا ہوگا اور دوسرا ۴۰۲ کو پھر ۳ سے ضرب دینے سے ۱۲۰۶ پھر ضرب دیں تو ۳۶۱۸ (اسی طرح حسب ضرورت ہوتا جائے گا (اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو علم جفر کی کتب ملاحظہ ہوں (گلشن)۔ (حاشیہ سابقہ ختم)

[۱] یہ وہ مراتب ہیں جو اولیاء کرام کو حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا وہابیہ دیوبندیہ کو انکار ہے اسی وجہ سے وہ تفسیر روح البیان کو نہیں مانتے۔ ۱۲ فافہم۔

حدیث شریف میں بھی ہے" اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین اعمال وہ ہیں جن پر مداومت ہو۔

نکتہ مداومت پر اعمال میں ایک راز یہ بھی ہے کہ نفس اس عمل کا عادی بن جاتا ہے اس سبب سے وہ اس عمل کی ادائیگی کی طرف راغب ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اولیاء کرام صوفیائے عظام جیسے ترک فرائض کو برا سمجھتے ہیں ایسے ہی مستحباب یعنی اوراد وغیرہ کے ترک کو برا محسوس فرماتے ہیں۔

وہابیوں دیوبندیوں کی تردید اولیاء کرام کے اوراد و وظائف کی تحقیر صرف جاہل ہی کرتے ہیں (جیسے ہمارے دور میں وہابیوں دیوبندیوں کی عادت ہے کہ اولیاء کرام کے ہر ورد وظیفہ کی تحقیر کرتے ہیں وہ اس لئے کہ ورد حقوق ربانیہ سے ہے اور اس طرح سے نفس تابع حق ہوتا ہے اور ایسے طریقے سے بندہ مولیٰ سے مل سکتا ہے۔

مسئلہ بہشت کے درجات حسب معمولات نصیب ہوں گے۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ بہشت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اس کے مراتب اپنے اعمال کے مطابق حاصل کرو۔

نکتہ ورد کی پابندی سے مراتب وافرہ کا ثر نصیب ہوں گے جس سے جتنے اوراد و وظائف ناغہ ہو جائیں گے۔ اتنا قدر اس کے مراتب و درجات کم ہوں گے اس لئے بہشت کے ثواب کا ترتب انہی اعمال یعنی اوراد و وظائف پر تھا۔ لیکن یہ نکتہ وہ سمجھتے ہیں جنہیں عقل و دانش سے کچھ حصہ نصیب ہے جو عقل و دانش سے محروم ہیں وہ الٹا اس پر اعتراض کرتے ہیں (کالوہابیۃ وھم قوم جاہلون)۔

اور ایسے لوگ محروم بھی ہوں گے اس لئے کہ جب نفس کو طمع ہو کہ یہ کام کروں گا تو مجھے ثواب ملے گا۔ اگر سرے سے نفس کو موقعہ دیا جائے کہ ایسے اوراد و وظائف فضول لایعنی (یا بدعت ہیں) جیسے وہابی دیوبندی کہہ دیتے ہیں تو وہ عمل سے رہ جائے گا اس وجہ سے اسے وہ مراتب بھی نصیب نہیں ہوں گے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ذکر الٰہی کرنے سے خوش ہوتا ہے بلکہ اس کا اس سے مطالبہ کرتا ہے اور یہ حق عبودیت بھی ہے اگرچہ اس میں بندہ ذکر کے عوض کا طالب ہوتا ہے اور وہ غلطی ہے لیکن ثواب سے محروم بھی نہیں ہوتا اور حقیقی ذکر یہی ہے کہ وہ صرف اس کی رضا جوئی پر اس کا ذکر کرے۔ غور کیجئے کہ وہ مطلوب ہو کر تیرے ذکر کا طالب ہے یہ عہدہ کچھ معمولی نہیں کہ مطلوب ہو کر طالب ہے۔ بنا بریں بندے کو ذکر و فکر عمل اوراد و وظائف میں دلچسپی ضروری ہے اس لئے بزرگوں کا فرمان ہے کہ سالک کو طالب الاستقامۃ ہونا چاہئے نہ کہ طالب الکرامۃ اگرچہ کمینہ کرامت سے خوش ہو کر اسی کا طالب ہوتا ہے اور مولیٰ کریم بندے سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے اب بندہ خود انصاف کرے کہ مطالبہ حق کا ادا کرنا ضروری ہے یا نفس کا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور

با خیال تو اگر با دگرے پردازم

ترجمہ: حور کی صحبت چاہوں یہ تو سزا جرم دتصور ہے مجھے تو صرف آپ کا خیال کافی ہے کسی دوسرے کے تصور میں مشغول ہونا ہی نہیں چاہتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَاذْكُرْ رَبَّكَ یعنی اپنے رب کریم کو افعال و اخلاق و ذات سے یاد کر فِیْ نَفْسِكَ اپنے نفس میں بایں طور کہ اپنے نفس کے افعال اُن امور سے تبدیل کر دے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسی طرح اپنے اخلاق اخلاق خداوندی کے مطابق بدل اور اپنی ذات کو ذات حق میں فنا کر دے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ جب مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں یہی راز ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ میں۔ پروانے کو دیکھئے کہ جب وہ اپنے آپ کو شمع میں فنا کر دیتا ہے تو وہ شمع بھی اپنی فنائیت تک اس کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہے۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے مثال دی گئی ہے ورنہ "چہ نسبت خاک را عالم پاک"۔ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ یعنی نہایت عجز و زاری سے اور رونے تکلف سے یعنی ابتدائی ذکر کا طریقہ یہی ہے کہ سالک اپنے نفس کے افعال کو شریعت کے اعمال میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ اس طرح سے ظاہری طور تکلیف ہوگی لیکن اس کا انجام بہتر ہوگا۔ اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اخلاق اخلاق خداوندی کے مطابق بنائے۔ لیکن آداب طریقت کے پیش نظر۔ لیکن یہ طریقہ پوشیدہ اور اس کے اثرات باطن پر پڑیں گے اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ بندہ انوار حقیقت سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے اور اسے زبان پر لانے کی اجازت بھی نہیں ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ افشاءُ سرّ الربوبیۃ کفرٌ اسرار ربانی کا اظہار کفر ہے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یہاں پر غدوّ سے ازل اور اصال سے ابد مراد ہے اس لئے کہ ذکر حقیقی و مذکور حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی ازلی ہے وہی ابدی ہے اس نے ہی ازل میں فرمایا فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ارواح سے مخاطب ہوا تو اس معنے پر ذاکر ہوا اور اس نے اپنا ذکر فرمایا تو مذکور بھی خود ہوا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں اُس نے ہی اپنا ذکر خود فرمایا "یوسف بن حسین رازی کے قول ما ذکر احد اللہ الا اللہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی کسی نے یاد نہیں کیا" کا یہی مطلب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ یعنی ان لوگوں سے نہ ہو جو یہ نہیں کہ حقیقی طور ذاکر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور مذکور بھی وہی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ

شان نزول منقول ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرنے نہ صرف انکار بلکہ اس سے سخت متنفر تھے اور کہتے انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا "کیا ہم تیرے حکم سے سجدہ کریں اس سے اُن کی نفرت از سجدۂ حق تعالیٰ میں اضافہ ہوا (کذا قال الکاشفی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلی کیجئے بے شک وہ حضرات عِنْدَ رَبِّكَ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں یعنی ملائکہ مقربین اس سے قرب شرافت مراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مکانیت و مسافت سے منزہ ہے اور یہ معنے اس کے لئے موزوں ہے۔ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ سرکشی نہیں کرتے عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ

تعالیٰ کی عبادت سے بلکہ جس طرح انہیں حکم ہے اسی طرح عبادت کا حق ادا کرتے ہیں وَیُسَبِّحُوْنَہٗ اور اس کی شان کبریائی کے جس طرح لائق ہے ویسے ہی اُن کی تنزیہہ و تقدیس بیان کرتے ہیں وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ ؕ سجدہ کرتے ہیں یعنی غایۃ تذلیل وانکسار فی العبودیۃ صرف اللہ تعالیٰ سے خاص سمجھتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اسمیں اشارہ ہے کہ ملائکہ کی طرح تمام مکلفین سجدہ ریز ہوں یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ واجب ہے

فائدہ سجدہ نہایت عجز وانکسار اور تذلل کا نام ہے اسے تین وجوہ سے عمل میں لایا جاتا ہے۔

① نقصان کی تلافی کے لئے جیسے سہو کا سجدہ۔

② کفار کی مخالفت میں۔

③ اہل اسلام کی موافقت میں۔

فائدہ کاشفی نے لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کے چودہ مقام ہیں۔ اس سجدہ تلاوت کے متعلق قرآن میں دو مقامات پر آئمہ کا اختلاف ہے۔

① سُورہ حج کے آخر والے سجدہ میں امام شافعی و امام احمد کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔

② سُورہ صٓ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے دوسرے آئمہ کے نزدیک واجب نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ صٓ میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تھا۔ دوسرے آئمہ نے عقلی دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ یہاں پر رکوع کا ذکر ہے سجدہ کا نہیں فلہٰذا سجدہ واجب نہیں (فالحق عند ابی حنیفہ والحق احق ان یتبع بہ)۔

فائدہ سورہ فصلت میں سجدہ تلاوت اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ" پر ہے یہی قول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہے اس قول کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے لیا ہے اور حضرت عمر وابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت لَا یَسْاَمُوْنَ پر ہے ہم احناف نے اس قول پر عمل کیا ہے اس لئے یہ آیت مذکورہ آیت کے بعد ہے اور اس پر عمل کرنے سے اول پر بھی عمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ تاخیر سجدہ بالاتفاق جائز ہے لیکن تقدیم جائز ہے۔

مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلاوت کرنے اور قرأت کرنے والے ہر دونوں پر سجدہ واجب ہے نماز میں ہو یا خارج از نماز۔ اگر اس وقت فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے اور دیگر آئمہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے واجب نہیں اسلئے اُن کے نزدیک اگر یہ سجدہ فوت ہو جائے تو اس کی قضا بھی نہیں۔

مسئلہ تلاوت کے وقت فوراً سجدہ کرنا چاہیئے بلا وجہ تاخیر مکروہ ہے۔

مسئلہ سجدہ میں تلاوت کے وقت کھڑا ہو کر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جا کر نماز کی طرح تین تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ کر تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے پورا کھڑا ہونے کے بعد پھر بیٹھ کر تلاوت شروع کرے یہ طریقہ مستحب ہے اسلئے

کہ سجدہ کی ہیئت مذکور مکمل ترین صورت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ نماز کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ سجدہ تلاوت میں پڑھنا مستحب ہے یہی اصح ہے۔

مسئلہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ تسبیح کے بجائے سجدہ میں کہے خضعت الرحمٰن فاغفرلی یا رحمٰن۔ مجھے بخش دے۔

فائدہ بعض فقہا نے کہا کہ یہ دُعا پڑھے" یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک وطاعتک اے قلوب کو بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ۔ صاحب الاسرار المحمدیہ کے نزدیک یہی قول مختار ہے رجمہور کا قول اول صحیح اور قابل عمل اور مفتی بہ ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ صاحب الاسرار المحمدیہ کو دعا مذکور اس لئے پسندیدہ کہ انہیں ہاتف غیبی نے اسی طرح سکھایا (لیکن یہ صرف انہی تک محدود رہے گا) شرعاً دوسروں کے لئے حجت نہ ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ سجد وجھی لِلّذی خلقه وصوره فاحسن الخالقین۔ اللّٰھُمَّ اکتب لی بھا عندك اجرًا وضع عنّی بھا وزرًا واجعلھا لی عندك ذخرًا وتقبلھا منی کما تقبلت من عبد داوٗد علیه الصلوٰۃ والسلام۔

فائدہ یہ گاہ گاہ کا عمل تھا۔ دائمی نہیں تھا کوئی اس طرح کرے تو روا ہے لیکن عوام کے لئے طریقہ اولیٰ مورد بجم بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ ابن فخر الدین رومی نے مختلف سجدوں کے لئے مختلف الفاظ لکھے ہیں وہ یہ کہ اگر سجدہ سبحان کی آیت پڑھی ہے تو اُس وقت سلطان الساجدین کے وہ کلمات پڑھے جسے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں، سبحان ربنا اِن کانَ وعد ربنا مفعولا " اگر آیت تنزیل یا اعراف کی آیت ہذا پڑھی ہے تو کہے اللّٰھُمَّ اجعَلنِیْ من الساجدین لوجھك المسبحین بحمدك واعوذ بكَ من المستکبرین عن امرك اگر الم سجدہ کی آیت پڑھی ہے تو یہ دعا پڑھے اللّٰھُمَّ اجعلنی من عبادك المنعم علیھم المھدیین الساجدین الباکین عند تلاوۃ کتابك۔ اگر سورہ نجم کی آیت سجدہ پڑھی ہے تو یہ دُعا پڑھے اللّٰھُمَّ اجعلنی من الباکین الیك الخاشعین لك اسی طرح باقی آیاتِ سجدہ تلاوت ہیں۔

فائدہ مولانا اخی چلپی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دعائیں نقل نہیں کیں بلکہ فرمایا ہے کہ سب کے لئے وہی تسبیح کافی ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے یعنی سبحان ربی الاعلیٰ اس لئے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب نہیں اور اس کلمہ کے لئے روایات تو یہ ملتی ہیں۔

مسئلہ تلاوت کرنے والے کے ساتھ سننے والے کو سجدہ کرنا مستحب ہے اور تلاوت کرنے والے سے پہلے سر سجدہ سے نہ اُٹھائے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ امام کے ہے۔

مسئلہ مطلق سجدۂ تلاوت ضروری ہے تعین ضروری نہیں مثلاً کسی شخص پر متعدد آیات تلاوت کے سجدات واجب

ہیں تو قضا کے وقت متعدد سجدے کرے تو ہر سجدہ میں یہی نیت ہو کہ میں سجدہ تلاوت ادا کر رہا ہوں۔
اس کے لئے ضروری نہیں کہ کہے یہ سجدہ فلاں آیت کے لئے ہے اور یہ سجدہ فلاں آیت کے لئے۔

مسئلہ تلاوت کرنے والے کے مستحب ہے کہ آیت سجدہ آہستہ کرکے پڑھے۔ یہ اس وقت ہے جب سامع تلاوت قرآن کے لئے نہیں دوسرے کام میں مشغول ہے یا اس سے سجدہ کرنے کی تیاری نہیں کی مثلاً اسے وضو نہیں وہ اس لئے کہ تلاوت کرنے والے نے اگر سامع کو ایسی حالت میں پایا ہے کہ سجدہ تلاوت نہیں کر سکتا تو اسے وہ عمداً گناہ میں ڈال رہا ہے اور دوسرے کو گناہ میں مبتلا کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ اگر سامع آیت سجدہ کی تیاری کئے ہوئے ہے تو پھر جہر سے پڑھے تو مستحب ہے تاکہ سامع کو عبادت کی ترغیب ہو اور سجدہ کرکے دوہرا ثواب حاصل ہو۔

نکتہ امام خبازی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا اسم گرامی مذکور ہو تو درود شریف پڑھنا مستحب ہے لیکن آیتہ سجدہ کی تلاوت کے وقت فوراً سجدہ ضروری نہیں۔ بلکہ اگر ایک مجلس میں بار بار وہی آیت مذکور ہو تو صرف ایک سجدہ کافی ہے بخلاف حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کے ذکر کے کہ وہاں ہر بار درود پڑھنا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ عبادت خداوندی ہے اُسے کسی شئے کی محتاجی نہیں نہ بلندی درجات کی نہ حصول ثواب کی لیکن مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بلندی درجات و رفع مراتب کی ضرورت ہے اس لئے وہاں بار بار درود شریف پڑھنا ضروری ہوگا۔ (نیز اپنے حبیب علیہ السلام کی شان اقدس کا اظہار بھی ہے کہ ہر بار نام لینے پر امتی کو لازم ہے کہ نبی شفیق پر ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

فائدہ حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ بنی آدم کے کسی عمل سے شیطان کو اتنا تکلیف نہیں جتنا اس کے صلواتیہ سے اسے دُکھ اور درد پہنچتا ہے اس لئے بنی آدم کے لئے ضروری ہے کہ لمبے لمبے اور کثیر التعداد سجدے کرے تاکہ شیطان کو زیادہ سے زیادہ دُکھ اور درد پہنچے۔

نکتہ نماز کے ہر ایک رکن میں انسان کو ابلیس بہکانے کی جدوجہد کرتا ہے لیکن سجدہ کی حالت میں انسان کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ انسان کے سجدہ کے وقت شیطان اپنی غلطی کی سوچ میں لگ جاتا ہے غمگین ہو کر اُسے اپنی پڑجاتی ہے اس وجہ سے انسان اس کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

شیطان کی دھاڑ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن آدم سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان تنہائی میں جاکر روتا ہوا کہتا ہے "ہائے افسوس کہ بنی آدم سجدہ کے لئے مامور ہوئے وہ سجدہ کرکے بہشت میں جائیں گے اور مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا تھا لیکن شومئی قسمت کہ میں نے انکار کر دیا جس سے مجھے جہنم نصیب ہوگی۔

سوال نمازی کو سجدہ میں بھی خیالات تو گذرتے ہیں پھر تمہارا یہ کلیہ کس کام کا کہ بحالت سجدہ شیطان کی شرارت سے انسان محفوظ ہوتا ہے۔

جواب جب نمازی سجدہ سے سر اٹھاتا ہے تو شیطان کا غم والم سٹ جاتا ہے جس سے وہ پھر نمازی کو بہکانے لگ جاتا ہے۔(۱) امام محمد بن العربی قدس سرہٗ کی یہ تقریر اُن کی کتاب رُوح القدس سے لی گئی ہے۔

فائدہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ اسمیں اشارہ ہے کہ شیطان نے ازراہ تکبر سجدہ سے انکار کیا تو جو بھی اسی کی طرح بوجہ تکبر سجدہ کا انکار کرتا ہے جیسے کفار کی عادت تھی تو ایسے لوگ اپنے تمام احوال میں شیطان کے ساتھی ہیں اور جو شخص متواضع ہو کر سجدہ کرتا ہے جیسے کہ مؤمنین کا شیوہ ہے تو اس حالت میں اس سے شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ جمیع احوال میں نہیں ہاں اگر تزکیۂ نفس ہو تو پھر نہ صرف جمیع احوال میں بلکہ اُسے مخلص بندوں میں بنا دیا جاتا ہے۔ ؎

(۱) زینت تو بس کمر بندگی
تاج تو در سجدہ سر افگندگی

(۲) شرم تو باد اکہ بالائے پست
سجدۂ طاعت بروش ہر چہ ہست

(۳) تو کنی از سجدہ او سرکشی
بہ کہ ازیں شیوہ قدم در کشی

ترجمہ (۱) تیری زینت بس یہی ہے کہ تیری کمر بندگی میں جھکی رہے تیرا تاج سر سجدہ میں رکھنے میں ہے۔
(۲) تجھے شرم ہو کہ بلندی و پستی سجدہ طاعات میں ہے کہ بلندی ہوگی سجدہ کرنے سے (پستی نہ کرنے سے)
(۳) تو اس کے سجدہ سے سرکشی کرتا ہے بہتر ہے کہ تو اس گندی عادت سے باز آجا۔

فائدہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس سر میں سجدہ کی خو نہ ہو تو وہ سر نہیں بلکہ ہانڈی ہے۔ اور جس ہاتھ میں جود و سخا کی عادت نہیں وہ ہاتھ نہیں بلکہ چمچہ ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

شرف نفس بجود است و کرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ: نفس کی شرافت سخاوت سے اور اس کی کرامت سجود سے ہے جس میں یہ دونوں نہ ہو اس کا مرنا جینے سے بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یعنی وہ لوگ جو اپنے افعال و اخلاق بلکہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و اخلاق اور اُس کی ذات میں فنا کر کے اپنی انانیت سے ہٹ

(حاشیہ: ۲۷۲)

لہ ؎ میں نے کہا ہر ایک سر جھکتا ہے کیوں در پر تیرے
حق نے کہا وہ سر نہیں جس میں نہیں سودا مرا۔

(اعلیحضرت بریلوی)

سورۃ الانفال مدنیۃ وهی خمس وسبعون آیۃ وعشر رکوعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ انفال مدنی ہے اور اسمیں پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

اے محبوب! تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ

تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ اور رسول کا حکم مانو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

اگر ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے

وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

ہماری راہ میں خرچ کریں یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ ۚ كَمَاۤ

درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی جس طرح اے

اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ

محبوب! تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ

الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ

اس پر ناخوش تھا سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اسکے کہ ظاہر

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥ ؕ وَاِذْ يَعِدُكُمُ

ہو چکی گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور یاد کرو جب

اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ

اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لیئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے

ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

اور کافروں کی جڑ کاٹ دے کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَا

کو جھوٹا پڑے برا مانیں مجرم جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے

سْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۹

تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا

اور یہ تو اللہ نے کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لیئے کہ تمہارے دل چین پائیں اور

النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۱۰

مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ آپ سے اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں یہ سوال استفتائی ہے اس لئے اُسے عن استعطائی سے متعدی کیا گیا ہے جیسے وہ کبھی بلا لفظ عن متعدی ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے سَاَلتہ درہما۔

قاعدہ ① جب سوال اس معنے کے اقتضا کے لئے ہو جو معنے نفس مسئول عنہ میں ہوتا ہے تو اس وقت فعل سوال عن سے متعدی ہوتا ہے جیسے سلی ان جہلت الناس عنی وعنہم (ترجمہ) اگر تمہیں بے خبری ہے تو میرے اور اُن کے متعلق لوگوں سے پوچھ لے)۔

قاعدہ ② کبھی میلان وغیرہ کے معنے میں آتا ہے تو بھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں ہے النفل بمعنے الزیادۃ۔

سوال یہ غنیمت کے معنےٰ میں کیوں مستعمل ہوتا ہے؟

جواب ۱ جہاد کا اصل مقصد اُخروی اجر و ثواب ہے لیکن اسے دنیا میں جہاد کی وجہ سے مالِ غنیمت ملتا ہے گویا یہی زائد شے اسے ملی ہے اس لئے کہ مجاہد کا اصل مقصد مالِ غنیمت نہیں۔

جواب ۲ چونکہ یہ غنیمت صرف اس امت کو نصیب ہوئی ورنہ سابقہ امتیں غنیمتوں سے محروم تھیں بلکہ آسمانوں سے آگ آکر اُن کی غنیمتوں کو کھا جاتی۔ بنا بریں اس امت کی خصوصیت کے پیشِ نظر مالِ غنیمت کو نفل سے تعبیر کیا گیا۔

فائدہ فرائض کے ماسوا باقی دیگر نمازوں کو نفل کہا جاتا ہے۔ اولاد کی اولاد کو بھی نفل سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح جہاں خطرہ ہو امام اعلان فرما دے کہ جو اسے سر کرلے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔ اس انعام کو بھی نفل کہا جائے گا اس لئے اسے وہ حصص مالِ غنیمت سے ایک زائد حصّہ ملے گا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ بدر کی جنگ سے مالِ غنیمت کے متعلق اہلِ اسلام کا اختلاف ہوا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے گا اور کہاں خرچ ہوگا اور کن کن لوگوں کو دیا جائے گا اس کی تولیت مہاجرین کے سپرد ہوگی یا انصار یا سب اس کے متولی ہیں اُن کے اختلاف کو دُور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

چکے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہوگئے لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس لئے تکبر نہیں کرتے کہ تکبر ان کی عادات میں شامل تھا لیکن انہوں نے اپنی تمام عادات کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں محو ہوگئے اب اُن میں تکبر کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور تکبر کریں بھی کیسے جبکہ انہوں نے اپنے افعال اللہ تعالیٰ کے اوامر میں فنا کر دیئے اب تو انہیں سوائے عبادت کے اور کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اب اُن کے اعمال قائم بالعبادۃ ہیں ان سے کسی فعل کا صدور اس وقت ہے جبکہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ نہ ہوں حالانکہ اب تو وہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہیں۔ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وہ اللہ تعالیٰ کو حلول و اتحاد و اتصال سے منزہ مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ نہیں اور نہ بندہ اللہ تعالیٰ ہے بلکہ وہ ذات تو وہی ہے جو ازل میں تھی جبکہ کوئی شے نہ تھی وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ اس کے لئے وہ ازل و ابد سے وجود و عدم میں سجدہ کرتے ہیں یعنی ازل سے عدم میں اس کے لئے فرمانبردار اور تابع احکام اور اس کے تصرفات اعدام و ایجاد و ابقاء کی قدرت کے جمیع احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

فراغت صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے سورہ اعراف کی جمیع آیات کی تفسیر و تاویل سے عشرِ اوّل صفر المظفر ۱۱۱۱ھ میں فراغت پائی اور فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ کو اس سورہ اعراف کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۷ رجادی الآخر ۱۳۹۵ھ بروز جمعۃ المبارک قبل صلوٰۃ الجمعہ فراغت نصیب ہوئی۔

وما توفیقی اِلّا باللہِ العلی العظیم فصلی اللہ تعالیٰ حبیبہِ الکریمِ الرؤف الرَّحِیمِ وعلیٰ آلہٖ وَاَصْحَابِہٖ الَّذِیْنَ اقاموا دِیْنَہٗ القویمۃ

فائدہ یَسْئَلُوْنَكَ کی ضمیر غائب اصحاب بدر کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال اُن کا نام کہیں آیا نہیں تو پھر ضمیر لوٹانا کیسا؟

جواب چونکہ معنے کے اعتبار سے اصحاب بدر متعین ہو چکے ہیں اس اعتبار سے (صراحتًا) اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں اب معنٰی یہ ہوا کہ غنیمتوں کے بارے میں آپ سے استفسارًا پوچھتے ہیں۔

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرمائیے کہ مال غنائم صرف اللہ تعالٰی اور اُس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں ان کا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد ہے جس طرح اس کا حکم ہو اسی طرح اسے تقسیم کرو۔ البتہ اُس کے نائب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے وہ جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں تم اس میں رائے زنی مت کرو۔

نکتہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنا اسم گرامی محض بزرگی کے طور لیا ہے ورنہ غنائم کی تقسیم اور اس کا مصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائیں گے اس لئے اصل مقصود انہی کا ذکر خیر ہے۔ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** پس اللہ سے ڈرو۔ **وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** اور آپس میں صلح صفائی رکھو۔

حل لغات

① ذات البین ہر وہ احوال جو لوگوں کے مابین کھلم کھلا واقع ہوں۔

② ذات الصدور ہر وہ اُمور جو دل ہی دل میں ہوں۔

③ ذات الانا ہر وہ شے جو برتن میں ہو از قسم طعام یا پینے کی اشیأ چونکہ ہر وہ شے جو برتن وغیرہ میں حلول کرئے اُس کی مصاحبت اختیار کر لیتی ہے اس لئے اس شئے کو صاحب محل الشئی و ذروہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں اسقنی ذا نانک "مجھے اس برتن والی شے پلائیے" یعنی وہ پانی جو اس برتن میں ہے۔ اب آیت کے جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے جملہ اُمور میں راضی خوشی ہو کر گذارو۔ اللہ تعالٰی نے تمہیں جس طرح کے رزق سے نوازا ہو تم اسی پر خوش رہو اس لئے کہ تمہارے اُوپر اس کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ دراصل واقعہ یوں ہوا کہ نوجوانوں نے کہا کہ جنگ میں ہم نے جان کی بازی لگائی ہے تو مال غنیمت حاصل ہوا فلہٰذا اس کے حقدار صرف ہم ہیں اس سے بوڑھوں کا کوئی حق نہیں جبکہ وہ خیموں میں عیش و آرام کرتے رہے اسی طرح ان سرداروں کو بھی کچھ نہ ملنا چاہیئے جو صرف جھنڈے کے نیچے پھرتے رہے۔

فائدہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی جبکہ ہم بدر کی فتح کے بعد مال غنیمت میں جھگڑے اور ایک دوسرے کو سخت سُست بھی کہا۔ لیکن اللہ تعالٰی نے فضل فرمایا کہ جھگڑا یوں مٹا دیا کہ حکم فرمایا یہ مال صرف میرے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے وہ جیسے اور جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مال نوجوانوں اور بوڑھوں میں برابر تقسیم فرمایا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ تعالٰی اور ان کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو جس طرح وہ فرمائیں اُن کے امرونہی کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** مذکورہ بالا اشارہ پر

عمل کرو اگر تم مؤمن ہو۔

سوال ان کے ایمان کو مذکورہ بالا ہر سہ امور سے کیوں متعلق کیا حالانکہ وہ تو صرف اطاعت اللہ ورسولہ سے متعلق ہوتا ہے؟

جواب اس سے ایمان کا کمال مُراد ہے وہ اس طرح کہ اگرچہ ایمان اطاعۃ اللہ ورسولہ کو حق ماننے اور اس کی حقیقت پر عقیدہ رکھنے کا نام - لیکن اس کا کمال اعمال صالحہ سے ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ امور مذکورہ بالا پر عمل کرو۔ اگر تم کامل الایمان ہو۔ اس لئے کہ ایمان کا کمال ان ہر ۳ امور مذکورہ بالا سے متعلق ہے۔

مسئلہ بار بار سوال کرنے سے مسئول عنہ تنگدل ہوجاتا ہے اس لئے خواہ مخواہ اور بار بار کے سوالات سے احتراز کیا جائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چند امور حرام فرمائے ہیں وہ امور یہ ہیں۔

(۱) حقوق الامہات (ماؤں کی بے فرمانی)۔
(۲) بچیوں کو زندہ درگور کرنا۔
(۳) مباح شئے نہ دینا۔ اور خواہ مخواہ دوسرے سے ہر شئے مانگنا۔
(۴) بلاوجہ زیادہ گفتگو۔
(۵) کثرت سوال
(۶) مال ضائع کرنا۔

شرح حدیث المذکور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔

سوال حدیث میں صرف ماں کا ذکر ہے تم نے باپ کا کیسے بڑھایا؟

جواب (۱) قاعدہ ہے کہ دو ایسی چیزیں جو لازم و ملزوم ہوں انمیں ایک کے ذکر سے دوسرا خود بخود مذکور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت" وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ میں ضمیر واحد لوٹتا ہے اس سے اس قاعدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

جواب (۲) چونکہ ماں کے حقوق زائد ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ بچے کی خدمت میں زیادہ دکھ اور تکلیف اُٹھاتی ہے اس لئے اہمیت کے طور صرف اسی کا ذکر کیا گیا۔ حدیث شریف مذکور میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکا گیا ہے اس لئے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے زندہ دفنا دیتے اس خیال پر کہ نسل انسانی زیادہ ہوگی تو معاش کا معاملہ تنگ ہوجائے گا (جیسے آج کل ہمارے جدت پسند اور مغربیت زدہ لوگوں کا خیال ہے اسی وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیتے ہیں) اور دوسرا اس خیال سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے کہ دشمنوں نہ کسی کو داماد بنانا پڑے اور اسے ننگ و عار سمجھتے کہ اپنی لڑکی

کسی کے نکاح میں دیں وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث شریف میں المنع سے ان امور کی ممانعت مراد ہے کہ جن کی ادائیگی واجب یا مستحب ہے۔ اور (ھات) سے وہ امور مراد ہیں جن کا ارتکاب مکروہ یا حرام ہے۔ اس میں بلا وجہ یا قصد ثواب کی گفتگو سے ممانعت کی گئی۔ اس لئے کہ ناجائز گفتگو دل میں قساوت پیدا کرتی ہے۔ حدیث شریف میں کثرت سوال سے بھی روکا گیا ہے۔

فائدہ لوگوں سے دنیوی اموال مانگنے اور لایعنی سوالات سے ممانعت ہے (کذا قال ابن الملک)۔

حدیث شریف میں مال ضائع کرنے سے نہی فرمائی گئی ہے۔ گناہوں میں مال خرچ کرنا اس میں شامل ہے فضول خرچی کی ممانعت بھی اس سے ثابت ہوئی۔ مثلاً جو لوگ روزمرہ کے اخراجات یا مکانات کی تعمیر یا لباس میں اسی طرح بچھونے وغیرہ اور برتنوں پر سونے چاندی کی ملمع سازی اسی طرح تلوار وغیرہ پر سونے چاندی کے کام میں فضول خرچی کرتے ہیں وہ سب اسی میں شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بکثرت سوالات کئے تو آپ نے فرمایا **ذرونی ما ترکتکم فانہ انما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیاءھم** مجھ سے سوال نہ کرو جبتک میں نہیں خود نہ بتاؤں۔ پہلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام پر بکثرت سوال اور اُن سے اختلاف کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کثرت سوال میں سے ایک یہی سوال یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الخ بھی تھا۔ اور اُن کا سوال اس ارادہ پر تھا کہ مال غنیمت صرف انہیں حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی آرزو کے خلاف حکم صادر فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنیمتوں کے متعلق جس طرح چاہیں کریں۔ تم اے صحابیو! اپنے ارادہ پر نہ چلو اور نہ ہی ان پر سوالات کرو بلکہ اپنے دین کی خاطر اُن کے سامنے سر تسلیم خم کردو اور دنیوی حرص ترک کردو تاکہ تمہارے دینی اعمال دنیوی اغراض میں نہ مل جائیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ ماسوای اللہ کے تعلقات منقطع کرنے پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ اور اپنے گندے عادات اور برے ارادے ترک کرکے اچھے ہو جاؤ یعنی اپنے سے حرص علی الدنیا اور حسد علی الاخوان و دیگر مذموم صفات دُور کردو تاکہ وہ گندے صفات تمہارے قلوب پر اثر انداز ہو کر تمہارے نورِ ایمان کے لئے حاجب نہ ہوں۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اللہ جل جلالہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکا دو اُن کے اوامر بجالاؤ اور ان کے نواہی سے بچو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ اگر تم تحقیقی مؤمن ہو۔ تقلیدی مؤمن ہو تو پھر تم جانو۔ مؤمن حقیقی وہ ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قلم عنایت سے خود ایمان کو لکھا اور اپنے رُوحِ خاص سے اُس کی تائید فرمائی۔ ایسا شخص نورِ ربانی پر ہوتا ہے۔

مثنوی میں ہے ۔؎

بود گبرے در زمان با یزید
گفت اورا ایک مسلمان سعید

کہ چہ باشد گر تو اسلام آدمی

یا بیابی صد نجات و سروری

گفت ایں ایمان اگر ہست اے مرید

آنکہ دارد شیخ عالم بایزید

من ندارم طاقتِ آں تابِ آں

کاں فزوں آمد ز کوششہائے جاں

گرچہ در ایمان و دیں ناموختم

لیکن در ایمان او بس مؤمنم

مؤمن ایمان اویم در نہاں

گرچہ مہرم ہست محکم در دہاں

باز ایمان اگر خود ایمان شماست

نے بداں میلیتم و نے مشتہاست

آنکہ صد میلش سوئے ایمان بود

چوں شمارا دید زاں فاتر شود

زانکہ نامی بیند و معنیش نے

چوں بیابی بامفازہ گفتنے

خلاصہ حکایت مذکور

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے زمانہ میں ایک کافر کو کسی نے کہا مسلمان ہو جا۔ اس میں نجات ہے اُس نے کہا ایمان سے اگر بایزیدؒ کا ایمان مراد ہے تو اس پر میرا ایمان ہے اگرچہ میں زبان سے نہیں کہتا لیکن میرا دل مانتا ہے اگر ایمان سے تمہارا ایمان مراد ہے تو اُس سے میرا سلام اس لئے کہ تمہارے حالات دگرگوں ہیں بلکہ تمہارے ایمان کو کوئی دیکھے گا تو سو نفرین پڑھے گا۔ اے اللہ ہمیں ان محققین سے بنا جو حقائق ایمان سے واقف ہیں اور ہمیں عرفان و احسان کے مراتب سے ہمکنار فرما (آمین)۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کامل اور مخلص فی الایمان وہ لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ جن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے (تو) وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ تو ان کے دل ہیبت جلال اور عظمت مولیٰ لایزال سے ڈر جاتے ہیں۔

فائدہ ایسا خوف اہلِ کمال کو لازم ہے خواہ وہ ملک مقرب ہو یا نبی مُرسل یا مؤمن کامل بخلاف خوف عقاب کے کہ وہ ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے بلکہ گناہ کے ملاحظہ سے یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عقاب گناہگاروں کو سنایا جاتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ عقاب ہمارے گناہوں کا انتقام ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارادہ کرے تو اسے کہا جاتا ہے "اتق اللہ" اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ یہ سن کر وہ گناہ کے انتقام پر عقاب الٰہی سے ڈرتا ہوا گناہ سے بچ جاتا ہے اسی طرح گناہ کے ارادہ کرنے والے کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر آ جائے (اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دیگر صفات و افعال قہاریہ جباریہ کا ذکر نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ہیبت اور اس کے عظیم شان کے تصور سے گناہ سے بچ جاتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ دل کے نور سے منور ہونے کی شان یہ ہے کہ وہ نورِ دل کو رقیق بنائے اور صفات نفس اور اس کے کدورات وظلمات سے اُسے صاف ستھرا کرے اور اس کی سختی دور فرمائے اس کی علامت یہ ہے کہ نورانی دل ذکر الٰہی سے نرم ہو جاتا ہے بلکہ اسے ہر گھڑی شوقِ الٰہی دامنگیر رہتا ہے۔ یہ مبتدیوں کے متعلق ہے اور منتہیوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انہیں ذکر الٰہی سے اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔

حکایت اسلام میں نئے لوگ شریک ہوتے تو قرآن مجید سن کر روتے آہیں بھرتے۔ گریہ وزاری کرتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں ہماری بھی یہی کیفیت تھی لیکن اب ہمارے دل سخت ہو گئے۔

فائدہ اس سے وہ سختی مراد نہیں جو عام مشہور ہیں بلکہ قساوتِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ ہمارے دل اطمینان و سکون کے انتہائی مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں اس لئے اب گریہ وزاری ہمارے قلوب کو لاحق نہیں ہوتا۔

وَاِذَا تُلِيَتْ اور جب پڑھی جاتی ہیں **عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ** اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی جب وہ قرآن مجید کے اوامر و نواہی اور دیگر مضامین سنتے ہیں **زَادَتْهُمْ** تو بڑھا دیتی ہیں **اِيْمَانًا** اُن کے ایمان اور یقین اور اُن کے نفوس کے اطمینان کو یہ اسناد مجازی ہے یعنی ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے لیکن یہاں آیات کی طرف اسناد مجازی ہے یعنی ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے لیکن یہاں آیات کی طرف اسناد ہے اس لئے کہ دلائل اور براہین کی پختگی اطمینان قلبی و قوۃ یقین میں اضافہ کرتی ہے۔

مسئلہ حضرت علامہ تفتازانی ان کی اتباع میں مولانا ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس تصدیق زیادہ و نقصان اور اضافہ کو قبول کرتی ہے تاکہ انبیاء علیہم السلام اور ارباب مکاشفات اور عوام امت کے یقین کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے اس لئے حضرت علی المرتضٰے شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً (اگر پردے کھل جائیں تو میرے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح فرق ہو۔ ان مسائل کے درمیان کہ کسی کے ثبوت میں صرف ایک دلیل ہوتی ہے اور کسی پر دلائل کثیرہ ہوتے ہیں۔

فائدہ تفسیر کاشفی میں ہے کہ حقائق سلمی میں ہے کہ تلاوت قرآن مجید کی برکت سے دل کے اندر ایک نور یقین پیدا ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نورِ یقین سے طاعت الٰہی کے لئے دل کو شوق ہوتا ہے۔ بحر الحقائق میں لکھا

ہے کہ ایمان حقیقی ایک نور ہے کہ دل کے دریچہ کی وسعت کے مطابق دل میں چمکتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے دل کے دریچہ میں کشادگی پیدا ہوتی ہے بنا بریں نورِ ایمان اُس پر اُسی وُسعت کے مطابق چمکتا ہے جس کی وجہ سے وہ حضرات جمالِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں۔

وَّعَلٰی رَبِّهِمْ اور اپنے اللہ تعالیٰ پر یعنی مالک اور بندوں کا جملہ اُمور کا تدبیرہ کنندہ یَتَوَكَّلُوْنَ توکل کرتے ہیں یعنی اپنے جملہ اُمور میں اسی کی طرف سپرد کرتے اور صرف اُسی سے ڈرتے اور صرف اُسی پر اُمید رکھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے عَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اپنے رب کریم پر توکل کرتے ہیں نہ کہ دنیا اور اُس کے اہل پر اس لئے کہ جو لوگ نورِ ایمان سے حق کے جمال وجلال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ شہودِ حق کے بحرِ بے کنار میں غوطہ زن ہو کر کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں اس شہود کے استغراق سے فراغت ملتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں جملہ موجوداتِ جلال الٰہی کے مشاہدہ سے لاشئے نظر آتے ہیں اس لئے انہیں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے نہ اُس کے غیر پر ؎

① ہر کہ او در بحر مستغرق شود
فارغ از کشتی واز زورق شود

② غرقہ دریا بجز دریا ندید
غیر دریا ہست بروئے ناپدید

ترجمہ: ① جو دریا میں غرق ہوتا ہے اسے کشتی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

② غرق شدہ دریا کا دریا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا سوائے دریا کے اس کے ہر شے ناپدید ہے (نظامیؒ)

ربط وہ اعمالِ حسنہ جنہیں اعمالِ قلوب سے تعلق ہے (جیسے خشیہ اور خوفِ الٰہی جو جلال عظمتِ الٰہی کے ملاحظہ سے پیدا ہوتا ہے) اسی طرح اخلاص وتوکل کا ذکر کیا اب ان افعال جوارح کا ذکر فرمایا جن پر اعمالِ قلوب کا دارومدار ہے جیسے نماز صدقہ وغیرہ اس لئے فرمایا اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی وضو کرکے اوقاتِ مقررہ پر خشوع وخضوع سے رکوع وسجود کی صحت کا خیال کرکے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ جملہ مرفوع ہے اس لئے کہ یہ موصول اوّل کی صفت ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جتنا مال و دولت ہم نے انہیں عنایت فرمائی ہے اس سے يُنْفِقُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ نماز وزکوٰۃ کی تخصیص صرف اہمیت و عظمت کی وجہ سے ہے تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ ان کا ادا کرنا ضروری ہے اور مہتم بالشان ہے۔ اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جو ظاہری باطنی اعمال کے جامع ہیں۔ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وہی مؤمن ہیں حَقًّا ط یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو مزین فرمایا لَهُمْ دَرَجٰتٌ اُن کے بہت بلند مراتب ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کریم کے ہاں بہت

بڑی تعظیم و تکریم ہوگی اور بہت بڑے بلند مراتب ہوں گے اور قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اعمال کی مقدار میں بہشت میں انہیں بہت بڑے مراتب و درجات نصیب ہوں گے

قاعدہ لغویہ مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ (الدرجہ) اگر بمعنے المرقاۃ (سیڑھی) ہو تو اس کی جمع درج آئے گی۔ اگر بمعنے المرتبہ والطبقہ ہو تو اس کی جمع درجات ہوگی۔

وَمَغْفِرَةٌ اور تمہارے گناہ کی مغفرت ہوگی **وَرِزْقٌ كَرِيمٌ** اور رزق کریم نصیب ہوگا۔ یعنی وہ بہتر روزی نصیب ہوگی جس میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہیں اٹھانی پڑے گی اور نہ ہی اس پر کوئی حساب کتاب ہوگا اور نہ ہی اس میں ختم ہوتے اور نہ ملنے کا خوف و خطرہ ہوگا۔ یعنی جیسے دنیا میں ہر ایک کو روزی ملتی تھی اس سے کہیں بڑھ کر اور بہتر آخرت میں ملے گی۔

قاموس میں ہے کہ رزقاً کریماً کثیراً ہے۔ ایسے ہی کہا جاتا ہے "قولاً کریماً سہلاً لینا یعنی اکرمہ و کرمہ عظمہ و نزہہ۔ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "رزق کریم وہ ہے کہ مرزوق اللہ تعالیٰ کے مشاہدات سے ہر وقت بہرہ ور ہو۔

(۱) تو ز روزی دہ بروزی دامماں
از سبب بگذر مسبب ہیں عیاں
(۲) از مسبب میرسد ہر خیر و شر
نیست ز اسباب وسائط اے پدر
(۳) اصل بیند دیدہ چوں اکمل بود
فرع بیند دیدہ چوں احول بود

ترجمہ (۱) روزی دینے والے پر سہارا کر روزی کا فکر نہ کر سبب سے گذر مسبّب (سبب بنانے والا) کو دیکھ۔
(۲) مسبب سے ہی ہر خیر و شر پہنچتا ہے نہ کہ اسباب و وسائل سے اے بزرگ۔
(۳) جب آنکھ کامل تر ہو وہی اصل کو دیکھتی ہے فرع کو وہ آنکھ دیکھتی ہے جو بھینگی ہو۔

فائدہ تمام عباداتِ جسمانی سے نماز افضل اور تمام عباداتِ مالی سے صدقہ افضل و اکمل ہے۔ (کذا فی المجالس المحمودیہ)۔

حکایت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا قمیص مبارک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دے کر فرمایا کہ اس کے عوض صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ جو کچھ چاہیں خرید دیں۔ وہ قمیص مبارک چھ درہم میں بیچا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ قمیص بیچ کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک سائل نے سوال کیا تو آپ نے اسے یہ چھ درہم دے دیئے اس کے بعد آپ کو ایک شخص ملا جو اونٹنی لے کر جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے ادھار لے کر سو سے ساٹھ دینار میں خرید لی۔ اس کے بعد

آپ کو ایک اور شخص ملا جو اونٹنی کا خریدار تھا آپ نے اُسے وہی اونٹنی ساٹھ دینار اور چھ دراہم میں بیچی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب اونٹنی کی رقم نقد مل گئی ہے فلہذا ادھار والے کو قرضہ دیدوں۔ آپ نے اسے بہت تلاش کیا لیکن نہ پایا۔ آپ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاکر واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سائل تو رضوان جنت تھا اور اونٹنی بیچنے والے جبریل علیہ السلام اور خریدنے والے میکائیل علیہ السلام تھے۔

فائدہ اس حکایت سے صدقہ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔

عالم باعمل کی فضیلت

حضور سرور عالم عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار اشخاص بغیر حساب وکتاب بہشت کے دروازہ پر جائیں گے۔

(۱) وہ حاجی جس نے شر و فساد سے محفوظ ہو کر حج کیا۔

(۲) وہ شہید جو معرکۂ جنگ میں مارا گیا۔

(۳) وہ سخی جس نے سخاوت کے وقت ریا سمعہ کو دخیل نہ ہونے دیا۔

(۴) وہ عالم دین جس نے علم کے مطابق عمل کیا۔ یہ ہر چہار بہشت کے دروازہ پر پہنچ کر بہشت کے اندر داخل ہونے پر ایک دوسرے سے سبقت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر فیصلہ فرمائے گا جبریل علیہ السلام تشریف لاکر پہلے شہید سے فرمائیں گے کہ تم کس عمل کے بل بوتے بہشت میں سب سے پہلے داخل ہونے کی امید رکھتے ہو۔ شہید کہے گا میں معرکۂ جنگ میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر مارا گیا جبریل علیہ السلام فرمائیں گے تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ جو شخص شہید ہو جائے وہ سب سے پہلے بہشت میں جائے گا۔ شہید کہے گا میں نے علمائے کرام سے ایسے ہی سُنا تھا جبریل علیہ السلام فرمائیں گے پھر تمہیں تو اپنے استاد صاحب کا ادب لازمی ہے اس لئے عالم دین سے سبقت نہ کیجئے اس کے بعد حاجی اور سخی سے بھی اسی طرح کی گفتگو ہوگی۔ انہیں بھی یہی فرمان ہوگا کہ جاؤ سب سے پہلے بہشت میں۔ وہ وہیں پر عرض کرے گا یا الٰہ العٰلمین مجھے یہ دولت سخی کی سخاوت سے نصیب ہوئی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے سے پہلے ہی سخی بہشت میں داخل ہو۔

عالم باعمل و بے عمل کا فرق

اس میں اشارہ ہے کہ عالم سے باعمل مراد ہے۔ اس لئے کہ انصاف وہی کرتا ہے جس کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہو اور نفس کی اصلاح عمل کے بغیر ناممکن ہے اس لئے عوام کو علمائے ظواہر سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اس لئے کہ صرف علم نجات دہندہ نہیں ہو سکتا ہے اگر کسی کا یہ مذہب ہو تو وہ غلط اور فاسد ہے کیونکہ عالم بے عمل بلکہ عالم فاسق و فاجر ہو تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا اسے جاہل سے بھی زائد عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یقین جانیئے کہ عالم سے باعمل مُراد ہے باعمل عالم ہی قلب کی صفائی کرکے عرفان کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ یقین کرنا چاہیئے کہ آیت میں جن حضرات کا ذکر ہوا وہ یقیناً مؤمن ہیں اس لئے کہ صرف انہوں نے ہی اپنے اموال و نفوس راہ حق میں نثار کئے اور علائق بدنیہ و مالیہ سے فارغ ہو کر بقا با اللہ کے مراتب کو پہنچے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ انہوں نے ماسوی اللہ یہاں تک کہ اپنے نفوس کو بھی ترک کیا اور ظاہر ہے جس کی یہ حالت ہو کہ ذاتِ حق کی خاطر ماسوی اللہ سے علیحدگی اختیار کرے تو وہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے جمیع مرادات کی انتہائی منزل کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ اس پر یوں نوازش فرمائے کہ اس کی جملہ مرادیں پوری فرمائے اور اس کے جملہ امور اس کی آرزو پر مکمل کرے۔

تفسیر عالمانہ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ جیسے تجھے تیرے رب تعالیٰ نے نکالا۔

سوال حضور علیہ السلام کو جنگ کے لئے نکالنے والے کفار تھے لیکن یہاں پر اللہ تعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب فرماتا ہے؟

جواب چونکہ ہر امر کا آمر اللہ تعالیٰ ہے اور ہر فعل کا مسبب حقیقی وہی ہے مروی ہے کہ جب کفار مکہ مکرمہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ مکہ والوں سے لڑیں۔

مِنْۢ بَيْتِكَ آپ کے گھر مدینہ طیبہ سے بِالْحَقِّ اَخْرَجَكَ کے مفعول سے حال ہے یعنی آپ گھر سے نکالے گئے درانحالیکہ آپ حق کے ساتھ ملتبس تھے۔

فائدہ یہاں پر حق سے اظہار دین اللہ اور قہر اعداً اللہ مراد ہے اور کما اَخْرَجَكَ کا کاف اوّل محلاً مرفوع اس لئے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی هٰذه الحال كما اخرجك الخ اور هذه الحال سے غنائم کی تقسیم مراد ہے یعنی جیسے آپ مامور من اللہ ہوئے کہ بدر سے حاصل شدہ غنائم کو نوجوانوں بوڑھوں اور آرام سے خیموں میں بیٹھنے والے کے درمیان برابر بطور تقسیم فرمائیں اسی طرح جنگ کے لئے آپ کا نکالا جانا امر من اللہ ہے فلہٰذا جیسے تقسیم اُن کی طبع کو ناپسند تھی۔ ایسے ہی آپ کا مخالفین سے مقابلہ کرنا بھی انہیں ناگوار ہے لیکن آپ اسمیں مجبور ہیں اس لئے کہ آپ مامور من اللہ ہیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ اور بے شک اہل ایمان کا گروہ جنگ کو جانے کے لئے ناخوش ہے اُس کی ناخوشی یا جنگ سے طبعی کراہت کی وجہ سے تھا یا اس لئے کہ انہیں جنگ کی حاضری کی استعداد نہیں تھی مالی کمزوری کی وجہ سے یا بوجہ دیگر۔

سوال از شیعہ اگر طبع کی نفرت کراہت تھی تو پھر وہ مؤمن کا ہے کے ہوئے چہ جائیکہ انہیں صحابیت کا درجہ دیا جائے؟

جواب از سنی[1] انسانی فطرت اپنے اختیار سے باہر ہوتی ہے اور طبعی نفرت ایک غیر اختیاری فعل تھا اور غیر

---

[1] مزید جوابات فقیر کی کتاب "آئینہ مذہب شیعہ" میں دیکھئے۔

اختیاری فعل پر نہ جرم لکھا جاتا ہے نہ گناہ کما قال تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اور رفع عن امتی الخطاء والنسیان ؕ

غزوۂ بدر کیوں پیش آیا

مروی ہے کہ قریش کا قافلہ بہت مالِ تجارت سے نفع یاب ہو کر شام کے ملک سے آ رہا تھا۔ اس میں چالیس سوار تھے اس قافلہ میں ابوسفیان اور عمرو بن العاص مخرمہ بن نوفل تھے یہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔ جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قافلہ کی خبر دی۔ آپ نے مسلمانوں کو بتایا تو مسلمان بہت خوش ہوئے اور کہا کہ مفت کے مال کو کون چھوڑتا ہے اس لئے کہ قافلہ کا مال بہت زیادہ اور اس کے نگران بہت تھوڑے ہیں فلہٰذا اس قافلہ کو لوٹنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر تیاری شروع کر دی۔ ابوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے ضمیضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیجا اور ابوجہل وغیرہ کو صورتحال سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ابوجہل کو کہنا کہ قریش مکہ کو صورتِ حال سنا دو اور کہہ دو کہ میرے قافلے کو لوٹنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تیار ہو رہے ہیں تم میں اگر غیرت ہے تو آ جاؤ۔ اس خبر نے مکہ والوں کے اندر کھلبلی مچا دی۔ ابوجہل نے مکہ معظمہ کے لوگوں کو مزید غیرت دلانے کے لئے اور اعلان کیا یا اھل المکۃ النجا النجا علیٰ کلّ صعب و ذلول غیرکم و اموالکم یعنی اپنے قافلہ اور اموال کو جلد سنبھالو ورنہ اگر محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غلاموں کے ہاتھ لگ گیا تو پھر قیامت تک نہیں ملے گا اور نہ ہی پھر تمہیں ٹھکانا نصیب ہوگا۔

بی بی عاتکہ کا ایک خواب بی بی عاتکہ یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ہمشیرہ نے ضمضم بن عمرو الغفاری کے پیغام پہنچنے سے تین راتیں پہلے ایک خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا ہے اس نے ایک پتھر شہر مکہ پر پھینکا جس سے مکہ کی تمام آبادی تباہ و برباد ہو گئی۔ بی بی نے اپنے بھائی کو خواب سنایا یعنی حضرت عباس کو۔ انہوں نے اپنے دوست عتبہ بن ربیعہ بن شمس نامی کو۔ اُس نے اپنی لڑکی کو سنایا تو خبر مکہ میں عام ہو گئی۔ اس سے اہل مکہ گھبرا گئے۔ ابوجہل نے حضرت عباس کو عار دلاتے ہوئے کہا "یا ابا الفضل ما یرضیٰ رجالکم ان یتنباء واحتی تنبأت نساءکم" اے ابوالفضل تمہارے مردوں سے نبوت کے دعوے سے خوش ہوتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کے خواب بھی کچھ وقعت رکھتے ہیں کہ جب سے تم نے عاتکہ کا خواب سنا ہے تو گھبرا گئے ہو۔ یہ کہہ کر اہل مکہ کو ابوسفیان کے قافلہ کو واپس لانے کی تیاری میں لگ گیا جب اہل مکہ کے بہادر اور چھوٹے بڑے تیار ہو کر بدر کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں اطلاع ملی کہ قافلہ سلامت بچ کر آ رہا ہے فلہٰذا واپس چلے جانا چاہیئے۔ ابوجہل نے کہا اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے نام لیواؤں کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ہم بدر میں ضرور جائیں گے مسلمانوں کو ختم کر کے وہاں جشن منائیں گے اونٹ ذبح کر کے خوب شراب نوشی ہو گی

اور سرود گانے وغیرہ کی محفلیں جمائیں گے واپس لوٹنا مردوں کا کام نہیں جبکہ تمام عرب میں مشہور ہوگیا ہے کہ ہم جنگ کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں اگر واپس لوٹیں تو لوگ ہمیں کیا کہیں گے۔ یہ کہتا ہوا اپنے تمام لشکر کو بدر تک لا یا

فائدہ بدر ایک کنوئیں کا نام ہے اہل عرب سال میں ایک دفعہ وہاں آکر جشن مناتے۔

بدر کی فتح کا مژدۂ بہار حضور سرور عالم کو جبریل علیہ السلام نے قبل از وقت خوشخبری سنائی کہ آپ کو قافلہ کا مال حاصل ہوگا یا پھر بدر کی لڑائی میں آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ آپ کو ان دو میں سے ایک کا اختیار ہے جسے چاہیں۔ آپ نے اپنے یاروں سے مشورہ لیا کہ ادھر مکہ سے کفار ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے چل نکلے ہیں اور وہ اپنے تمام زور بازو کو یہاں آکر آزمائیں گے۔ لیکن تم بتاؤ لڑو گے یا وہی مال و متاع کا بھرا ہوا قافلہ چاہیئے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ لڑائی سے تو مال و متاع بہتر ہے کون جائے دشمن کے منہ میں۔ یہ جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناخوشگوار ہوا جس سے آپ کا چہرہ مبارک غصہ آور ہوا پھر فرمایا خدا کے بندے قافلہ تو یہاں سے نکل کر مکہ کی حدود کو پہنچ گیا۔ لیکن بدبخت ابوجہل لشکر لے کر تمہارے سروں پر آگیا ہے اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ اس سے آپ نے اپنی رائے گرامی کا اظہار فرمادیا کہ اب ہمارے لئے سوائے جنگ و جہاد کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس کے باوجود بھی بعض کے منہ سے وہی نکلا کہ چھوڑیئے حضرت! جانے دیجئے کون لڑتا ہے دشمن کے ساتھ آپ وہی قافلہ والی بات کیجئے۔ آپ اس سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جہاد میں تمہارا فائدہ ہے اس لئے کہ فتح و نصرت کا وعدہ تو منجانب اللہ ہو چکا ہے اب ہم ان دشمنوں کو ضرور مار بھگائیں گے۔ اس سے عالم دنیا میں ہماری بہادری کی دھاک بیٹھ جائے گی اور اسلام کی فتح و نصرت سے کفر کو شکست ہوگی اس سے اسلام کی شان و شوکت کا سکہ ہر دل پر بیٹھ جائے گا۔ یہ فرما کر اٹھے۔ آپ کے اٹھنے پر سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے ان کے بعد خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ بھی تیار ہو گئے اور عرض کی سرکار! آپ اپنے عزم کو پختہ فرمایئے۔ بخدا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بال بچے جان و مال آپ پر قربان ہیں ہمیں جہاں لے جائیں ہم اپنی جان کا آخری قطرہ آپ کے قدموں پر قربان کریں گے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسٰی علیہ السلام سے کہا تھا" اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۔ یعنی جاؤ تم اور تمہارا خدا جا کر دشمنوں سے لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو جب تک جسم میں جان ہے اس وقت تک ہم آپ کے اشاروں پر مرمٹنے کو تیار ہیں۔ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر تبسم فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے انصاریو! تم بتاؤ کیا تم میری معاونت کرو گے یا نہیں یہ جنگ فیصلہ کن ثابت ہوگی تم اپنے دل کی بتاؤ۔ انصار سے خطاب کا مقصد یہ تھا کہ انہوں نے لیلۂ عقبیٰ میں وعدہ کیا تھا کہ آپ جب تک مدینہ طیبہ کے حدود میں رہیں گے آپ پر کوئی حملہ آور نہیں ہو سکتا اگر آپ پر کسی نے حملہ کیا تو ہم اس سے خود نپٹ لیں گے مدینہ طیبہ کے حدود سے باہر کے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ یہ جنگ چونکہ شہر کے حدود سے باہر تھی اس لئے آپ جاننے چاہتے تھے کہ انصار سے بھی معاہدہ لیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب سن کر حضرت سعد ... رضی اللہ عنہ اٹھے اور

عرض کی یا رسول اللہ آپ ہم سے مخاطب ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اُس نے عرض کی اب تو ہم آپ پر فدا ہو چکے ہیں آپ ہماری جانوں کو جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔ ہماری خوش بختی ہے کہ آپ انہیں قبول فرمالیں۔ جب ہم نے آپ کا کلمہ پڑھ لیا ہے اور آپ کے غلام بے دام ہو گئے تو تجدید کا کیا معنےٰ اب اگر ہمیں آپ دریا میں غوطہ لگانے کا فرمائیں تو ہم سوچے بغیر دریا میں چھلانگ لگا دیں گے اور صرف میں نہیں کہہ رہا بلکہ انصار کا بچہ بچہ کفن بردوش ہے۔ اور اس سے دل تنگ ہو کر نہیں بلکہ اس میں ہمارا دل ٹھنڈا ہوگا اور اس کو ہم اپنی آنکھوں کا نور سمجھیں گے۔ اب دیر کیا ہے چلئے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ تقریر سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "سیروا علیٰ برکۃ اللہ" چلو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وَأَبْشِرُوْا فَانَّ اللّٰهَ وَعَدَنِیْ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ وَاللّٰهِ لَکَاَنِّیْ الْاٰنَ اَنْظُرُ اِلٰی مَصَارِعِ الْقَوْمِ" اور تمہیں مبارک ہو کہ میرے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ان دونوں (قافلہ یا فتح و نصرت) میں سے ایک کا وعدہ فرمایا اور یقین کرو میں ابھی سے دشمنوں کے مرنے کے مقامات[1] دیکھ رہا ہوں۔ آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر سے اس لئے نکالا تاکہ آپ قافلہ کا تصور چھوڑ کر دشمنوں پر حملہ کرنے کی سوچیں۔ اگرچہ اس سے آپ کے بعض ساتھی اظہار کراہت کر رہے تھے لیکن آپ نے اپنے عزم کا جزم فرمایا۔

تفسیر عالمانہ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے تھے۔ وہ چاہتے کہ قافلہ کا مال حاصل کیا جائے اور فرماتے کہ دشمنوں سے جہاد کر کے ان پر فتح و نصرت اور غلبہ پایا جائے۔ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ يُجَادِلُوْنَكَ کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ما مصدریہ ہے۔ یعنی باوجودیکہ آپ نے انہیں بتادیا کہ فتح و نصرت اور غلبہ تمہیں نصیب ہوگا۔ جو ان دونوں امور میں سے جسے چاہیں۔ لیکن وہ چاہتے کہ قافلہ کا مال حاصل ہو اور وہ آپ سے یہی منوانے اور کہتے کہ ہم صرف قافلہ کا مال حاصل کریں گے اور آپ ہمیں جنگ و جدل کے لئے مجبور نہ کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک گروہ تو اس لئے جنگ سے اظہار کراہت کرتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر نہ جائیں۔ دوسرا گروہ جنگ سے کراہت کی وجہ سے رکاوٹ ڈالتا۔ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ۔ یہ کاف محلاً منصوب ہے اور لکارہون کی ہم ضمیر سے حال ہے یعنی گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں جو موت سے گھبرانے اور نفرت کرتے ہیں۔ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ یہ یساقون کی ہم ضمیر سے حال ہے یعنی اُن کا حال یہ تھا کہ وہ موت کے اسباب دیکھتے تھے۔ گویا اُسے وہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہیں۔

ازالہ وہم اس سے شیعہ کو وہم ہوگا کہ ان لوگوں نے جنگ سے لیت و لعل کیوں کی۔ حالانکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت وہ جنگ کے اسباب سے بالکل فارغ تھے نہ ہتھیار نہ تلوار اور جنگ کے لئے سواریاں بھی نہ تھیں حالانکہ یہ دونوں امر جنگ کا اہم جزو تھے اور خصوصی وجہ یہ تھی کہ ان کی تعداد بہت کم تھی ورنہ عرب کی بہادری

---

[1] اسی کو ہم اہلسنت کہتے ہیں علم غیب اور یہی ہے "علم ما فی الغد" جسے وہابیہ شرک اور کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اُویسی غفرلہٗ۔

اور شجاعت ضرب المثل تھی اور لڑائی توان کا فطری جوہر تھا۔ پھر ڈر کاہے کا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوق کا اظہار فرمایا تو جان نثاری کی وہ مثال قائم فرمائی جس کی نظیر نہ سابقہ امم میں ملے اور نہ بعد کو ملنے کا امکان ہے۔

اعجوبہ غزوہ بدر کی روانگی کے وقت تین سو تیرہ بہادروں کا لشکر روانہ ہوا جنہیں صرف دو سواریوں والے تھے۔ یعنی حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی پیدل اور کفار کے ستر سوار اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور لشکر کفار کئی گنا زائد تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جذباتِ عنایت سے تحقیقی ایمان والوں کو وطن بشریت سے نکال کر اپنے قُرب خاص میں جگہ دی جیسے آپ کے رب کریم نے آپ کو وجود سے حق کے ساتھ نکالا۔ یہاں پر حق سے وہ تجلی صفات جمال و جلال مراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو نصیب ہوئے وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۙ یہاں پر مؤمنین سے قلب و رُوح مراد ہیں یعنی تجلی کے وقت فنا سے ہر ذی وجود گھبراتا ہے۔ يُجَادِلُونَكَ یعنی روح و قلب آپ سے جھگڑتے ہیں۔ فِي الْحَقِّ حق کے آنے کی وجہ سے بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ۔ بعد حق کے ظہور کے فنا سے کراہت کر کے كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۞ گویا وہ فنا کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے (التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) شیر دُنیا جوید اشکارے و برگ
شیر مولیٰ جوید آزادی و مرگ

(۲) چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود
ہمچو پروانہ بسوزد اندر وجود

(۳) کل شیءٍ ھالک جز وجہ او
چوں نۂ در وجہ او ہستی مجو

(۴) ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کل شئ ھالک نبود جزا

(۵) وانکہ در الاّست او از لاگذشت
ہر کہ در الاّست او فانی نگشت

ترجمہ (۱) دنیا کا شیر شکار و اسباب کا متلاشی ہے اور شیر حق آزادی اور موت کا طالب ہے۔
(۲) چونکہ وہ موت میں بے شمار وجود دیکھتا ہے اسی لئے پروانہ کی طرح اپنے وجود کو جلاتا ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا باقی ہر شے کو فنا ہے جب تو نیست ہے تو پھر اس نیست سے ہستی

تلاش نہ کر۔

④ جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فانی ہوتا ہے اس کی کل شئے ہالک جزا نہیں ہوتی۔

⑤ جو اِلَّا میں ہے وہ لَا سے گذر گیا تو اِلَّا میں ہے وہ فانی نہ ہوا۔

عقیدہ جیسے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اعتراض حرام ہے ایسے ہی اولیاء کرام کے الہامات واشارات پر اعتراض کرنا بھی جرم عظیم ہے سعادت اسی میں ہے کہ اُن کے ارشادات پر عمل کرنا چاہیئے۔

قاعدہ ہر صاحب وجود کو وجود محبوب ہوتا ہے لیکن اہلِ شہود کو فنا محبوب ومرغوب ہوتی ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ تمام دنیوی لذات سے دُور ہو اور نفس کو گندی اغراض سے پاک وصاف رکھے دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کا ہر حکم ہر شئے سے محبوب ترین ہو یہاں تک کہ آل واولاد اور ماں باپ اپنی جان سے بھی اس ذوق میں زندگی بسر کرے۔

حکایت بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پنجہ ملاکر چل رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے ساری کائنات سے محبوب ترین ہیں صرف مجھے اپنا نفس محبوب نظر آتا ہے۔ حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جب تک مجھے اپنے نفس سے محبوب ترین نہیں سمجھوگے کامل ایمان نہیں ہو سکو گے یعنی ایمان کی تکمیل اس میں ہے کہ میری رضا کو اپنی رضا پر ترجیح دی جائے اگرچہ اس پر جان قربان کرنی پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اَلْآنَ وَاللّٰہِ اَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ مجھے اپنے نفس سے آپ محبوب ترین ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

فائدہ حضرت ابن الملک فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت اختیاری مراد ہے طبعی نہیں اس لئے کہ طبعی طور انسان اپنی ذات کی محبت پر مجبور ہے کہ وہ اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح دے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی محبت کو اپنی ذات پر بھی ترجیح دے۔

فائدہ یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی اپنی رضا وخوشنودی پر ———— ترجیح دے اس سے ایثار مراد ہے کما قال تعالیٰ ویؤثرون علٰی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ جیسے یہ ایثار کسی مؤثر کا محتاج نہیں اسی طرح نبی علیہ السلام کی محبت وایثار بھی کسی مؤثر کی محتاج نہیں۔ اس لئے آپ کی محبت ہر شے پر زائد ہونی چاہیئے۔

نکتۂ صوفیانہ اس سے بڑھ کر صوفیاء کرام کا پروگرام کچھ اور ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نفس اپنی طبیعت سے فنا پذیر ہو جائے نہ اسے قلب کی خبر ہو اور نہ قالب کی تو پھر اس کی محبت کا کیا معنے یعنی جب اسمیں دوئی نہ رہے اور اسے مقام محمود کا مرتبہ نصیب ہو جائے کہ جس کا نہ کوئی انتہا ہے اور نہ غایت

پھر اسے اپنی محبت کیسی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے وہی مرتبہ اور مقام نصیب عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اور اے مومنو یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ وعدہ فرمایا اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ دو گروہوں سے ایک کا یعنی ابوسفیان کے قافلے کو سامان سمیت دوں گا یا ابوجہل کے لشکر پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرماؤں گا اَنَّهَا لَكُمْ یہ احدی (الطائفتین) سے بدل الاشتمال ہے وعدے کی کیفیت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان دونوں گروہوں میں سے ایک خالص تمہارے لئے ہوگا اور تم اُن پر ایسے مسلط ہوگے جیسے مالک اپنی ملکیت پر تسلط رکھتا ہے پھر جس طرح چاہو اسمیں تصرف کرنا وَتَوَدُّوْنَ اس کا عطف یعدکم پر ہے اور یہ بھی (اُذْكُرُوْا) کے امر کے تحت ہے یعنی یاد کرو جبکہ تم چاہتے تھے اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ تمہارے لئے ان دو گروہوں میں سے وہ نصیب ہو جو ذات شوکۃ نہ ہو۔ ذات شوکہ سے وہ گروہ مراد ہے جو جنگ کے لئے تیار ہو کر آ رہا تھا جن کا سردار ابوجہل تھا وہ ایک ہزار بہادر جنگی ساتھ لے کر بدر کے میدان کی طرف بڑھ رہا تھا اور غیرت ذات الشوکۃ سے قافلے والے لوگ مراد تھے جو صرف چالیس سوار تھے اُن کا سردار ابوسفیان تھا۔ اُن کی قلتِ تعداد کے پیش نظر بعض صحابہ نے چاہا کہ یہی گروہ ہمیں چاہیئے۔

حل لغات الشوکہ بمعنے تیزی۔ اس سے ہتھیار از قسم تلوار وغیرہ مُراد ہے اس لئے کہ اُن میں تیزی ہوتی ہے جیسے تیر و تلوار وغیرہ ہیں۔ تیر کی نوک کو شوکت کے واحد سے استعارہ کیا گیا ہے اور شوکت ایک کانٹے دار گھاس کو کہتے ہیں جس کے اوپر سوئی کی طرح چبھونے والی شے ہوتی ہے۔

وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اس کا عطف یُوَدُّوْنَ پر ہے اور یہ بھی اُذْكُرُوْا کے حکم میں داخل ہے یعنی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اپنے معمولی گروہ کی پسندیدگی اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کریمہ تھا اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ یعنی وہ چاہتا تھا کہ حق کا بول بولا ہو۔ بِكَلِمٰتِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حق کو اپنے کلمات سے غلبہ دے۔ کلمات سے جہاد وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ اور کافرین کی جڑ کاٹ دے کہ وہ پھر سر نہ اُٹھا سکیں یعنی جب تم چاہتے تھے کہ بلا تکلیف مال و دولت حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ حق کا بول بالا کرے اور دین کو غلبہ دے اور تم دارین کی فلاح و کامیابی حاصل کر لو لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ۔ یہ لام فعل مقدر مؤخر کے متعلق ہے یعنی اس مقصد جلیل یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے غلبہ اور کفر کے ابطال کے لئے کیا کچھ کیا اس کے سوا اور کوئی غرض و غایت نہیں تھی۔

سوال احقاقِ حق کا ذکر پہلے بھی ہوا اور اب بھی اس سے تکرار لازم آگیا اور وہ فصاحت کے خلاف ہے؟

جواب پہلے احقاق حق سے ہر دونوں ارادوں میں فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے دوسرے احقاق سے بنانا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ارادے کو ٹھکرا کر جنگ کی آمادگی صرف اس لئے ظاہر فرماتے ہیں کہ کفار سے جنگ

کرنے میں اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور کفار مرمٹیں گے ۔

سوال حق کا احقاق اور کفر کا ابطال خود پہلے سے ہی ایسے ہے پھر ان کو ان اوصاف سے موصوف کرنے کا کیا معنے ؟

جواب اُن کے یہ اوصاف ظاہر کر کے دکھلانا مطلوب ہے تاکہ حق والوں کو اطمینان اور کفر والوں کو خجالت حاصل ہو ۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اگرچہ احقاق اور ابطال باطل سے مجرم یعنی مشرک نہ چاہیں اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ یاد کرو جب تم کامیابی کی دعائیں مانگتے تھے ۔ الاستغاثۃ بمعنے طلب الفوز والنصر والعون ۔ جب صحابہ کرام نے دیکھا اب لامحالہ جنگ پہ جانا ضروری ہے تو دعا مانگنے لگے رب انصرنا علٰی عدوّک یا غیاث المستغیثین اغثنا" اے اللہ اپنے دشمنوں پر ہمیں کامیاب فرما اے فریادیوں کے فریادرس ہماری فریادرسی فرما ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناز کی ایک جھلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو دیکھا کہ وہ ایک ہزار اور اپنے یاروں کی تعداد تین سو تیرہ سے کچھ اوپر تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ اے اللہ تو نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا اُسے پورا فرما ۔ اے اللہ کریم یہ مختصر سی جماعت اگر آج ماری گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا ۔[1]
حضور علیہ السلام یہی کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کی ردا مبارک کاندھے شریف سے گر پڑی ۔ اُسے اٹھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے کاندھے پاک پر رکھی اور عرض کی "یا نبی اللہ کفاک مناشدتک ربک فانہ سینجز ما وعدک اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بس کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا ۔[2]

سوال یہ استغاثہ جس طرح صحابہ کرام نے کیا ایسے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تو پھر فعل کا اسناد صحابہ کی طرف کیوں ؟

جواب حضور علیہ السلام بھی اسمیں شامل تھے ۔ چنانچہ ابھی گذرا کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُس پر (آمین) کہتے ۔

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اس کا عطف تستغیثون پر ہے اور یہ بھی تذکیر کے حکم میں ہے یعنی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ اَنِّیْ بیشک میں مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ تمہاری ایک ہزار ملائکہ سے مدد کرنے والا ہوں درانحالیکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو تمہاری مدد کے لئے ساتھ

---

[1] یہی ناز ہے جس کی ناز برداری اللہ تعالیٰ نے فرمائی ۔ ۱۲ ۔
[2] صدیق اکبر کا یقین ملاحظہ ہو ۔ لیکن شیعہ بدقسمتی سے ان پر ناجائز حملہ کر کے اپنا بیڑہ غرق کرتے ہیں ۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

ملانے والے ہوں گے یعنی اُن کے سردار آگے آگے اور اُن کے متبعین اُن کے پیچھے پیچھے آنے لگے یہاں تک کہ ایک ہزار کے بعد تین ہزار پھر پانچ ہزار ہو گئے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے کہ دراصل نامدکم اللّٰہُ بانزال الملٰٓئکۃ عیانا وَمَا جَعَلَهُ الخ تھا یعنی پس ان ملائکہ کو کھلم کھلا نازل کرکے تمہاری مدد فرمائی اور وہ مدد کسی اور غرض پر مبنی نہ تھی۔ اِلَّا بُشْرٰى صرف تمہاری خوشنودی کے لئے تھی تاکہ تمہیں خوشی ہو کہ تم فتحیاب ہو گے اعم العال سے یہ استثنا مفرغ ہے وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ اور اس امداد سے مطمئن ہوں قُلُوْبُكُمْ تمہارے دل تاکہ تمہارے دل کا وہ خطرہ ٹل جائے کہ ہم قلیل المقدار اور بے سروسامان ہیں۔

سوال حرف استثنا سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا نزول صرف اُن کی بشارۃ تک محدود رہا۔ اگر یہی بات ہے تو پھر اُسے امداد سے کیا تعلق؟

جواب یہ بھی ایک قسم کی مدد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل ملائکہ کے نزول سے مضبوط ہو گئے اور اُن کی قلت کثرت سے بدل گئی وغیرہ ورنہ اگر وہ لڑائی کے لئے آتے تو ان کی اتنی کثیر التعداد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کافروں کے لئے تو صرف ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے صرف ایک پر سے لوط علیہ السلام کی قوم کے سات شہر آسمان پر اُٹھا کر زمین پر دے پٹخے۔ اسی طرح صرف ایک چیخ سے ثمود کی قوم کا تختہ اُلٹ دیا۔

فائدہ منقول ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتے لے کر لشکر اسلام کے میمنہ میں شامل ہوئے۔ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتے لے کر میسرہ میں شامل ہوا اسمیں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملائکہ غزوۂ بدر میں لڑائی میں شریک رہے لیکن غزوہ احزاب میں حاضر تو ہوئے لیکن لڑائی میں شرکت نہیں کی تھی۔ اسی طرح غزوۂ حُنین میں بھی صرف شرکت کی۔

فائدہ مروی ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مشرک کی گردن اُڑانے کے لئے تلوار ماری لیکن میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے اس کا سر اُڑ چکا تھا۔

وَمَا النَّصْرُ علی الاطلاق حقیقی فتح و نصرت نصیب نہیں ہوتی اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ سے یعنی سبب و ذریعہ کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے باقی رہا ملائکہ کا نزول یا کثرت عدد اور دیگر جنگی سامان وغیرہ جو سب ذرائع و وسائل ہیں۔ اسمیں ذاتی طور کسی قسم کی تاثیر نہیں ہوتی ان ذرائع و اسباب پر فتح و نصرت کے لئے بھروسہ مت کرو اور نہ ہی اُن کے نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے مایوس ہو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

النصر لیس یا جنادٍ و مجندۃ
لکنہ بسعادات و توفیق

ترجمہ: فتح و نصرت لشکروں کی محتاج نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایات بے غایات پر وہ ضرور منحصر ہے
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اس حکم پر نہ کسی کو غلبہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے فیصلوں کو کوئی ٹال سکتا ہے۔ حَكِيْمٌ وہ حکیم ہے جس طرح اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ملائکہ ہر حق والے لشکر کی امداد کرتے ہیں اگرچہ ہم نہ ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور ملائکہ سے مراد عند الصوفیہ قوی روحانیہ غالب مراد ہیں کہ جب وہ کسی جہادِ اکبر کے مجاہدہ میں ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے نفوس شریرہ ملغوبہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ان کا مقابلہ ان کے مظاہر کفار بھی نہیں کر سکتے دراصل یہ قوتِ یقین و اطمینان سے نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ بنی اسرائیل کو ملائکہ کے بجائے سکینہ و نصرت کا سبب بنتی۔ سکینہ ایک ساکن ہوا کو کہا جاتا ہے جو دشمن کے قلوب کو اپنی آواز میں لے لیتی۔ اس کی وجہ سے دشمن پر رعب چھا جاتا تھا۔ اس کا نزول دو صفوں (اہل ایمان و کفر) کے وقت ہوتا تھا۔ یہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کا معجزہ اور نیک دل بادشاہوں کے لئے کرامت متصور ہوتی تھی۔

سکینہ کے دیگر معانی معنے مذکور کے علاوہ سکینہ کے دیگر دو معانی اور ہیں۔
① وہ ایک لطیفہ ربانی ہے جو حکمت کے تیار کرنے والے قلب میں ڈالی جاتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے جس سے وہ اسرار کو بیان کرتا ہے اور اس پر رموز ربانی منکشف ہوتے ہیں۔

② ایک قوۃ کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو نصیب ہوئی وہ نور و قوۃ و روح کا مجموعہ تھا کہ اس سے خوف زدہ کو سکون اور غمزدہ کو تسلی و اطمینان نصیب ہوتا۔ ان سے پھر بطور وراثت یہ قوت مجاہدین فی سبیل اللہ کو نصیب ہوتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا

سوال اگر یہی بات ہے تو پھر نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو کفار کے مقابلہ میں شکست کیوں ہوئی؟

جواب بعض مواقع اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اسے ظاہر نہیں فرماتا۔ جس سے غافل تو بے خبر ہیں۔ البتہ اللہ والوں سے وہ حکمت مخفی نہیں ہوتی۔ ؎

ہر خلل کاندر عمل بینی ز نقصان دل ست
رخنہ کاندر قصر بینی از قصور قیصر است

ترجمہ: وہ خلل جو کام میں دیکھتے ہو وہ دل کی خرابی سے ہے وہ خلل جو محل (مکان۔ عمارت) میں ہے وہ بنانے

والے کی وجہ سے ہے۔

فائدہ ہر پچھلا دور پہلے دور کی بہ نسبت تنزل میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جنگوں میں شکست فاش ہوتی ہے بلکہ کافروں کو کہا جاتا ہے ان (اہل ایمان فاجروں فاسقوں کی گردن اڑا دو[1]

نکتہ از شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ سے عرض کی گئی آپ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کیا معاملہ تھا کہ خانہ جنگیوں میں گذری اور شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دور کتنا ترقی پر تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شیخین کے دور میں عثمان رضی اللہ عنہ معاون تھے اور ہمارے دور میں تمہارے جیسے کمزور لوگ ہمارے معاون تھے اب خود ہی سمجھ لو کہ ہمارے دور کی کمی کس وجہ سے ہوئی اور شیخین رضی اللہ عنہما کے دور میں ترقی کس وجہ سے۔

سبق مجاہدین پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تضرع وزاری کریں جیسے غزوہ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تضرع وزاری کی تو کامیاب وکامران ہوئے۔

دعائے ضعیفانِ امیدوار
ز بازوئے مردی بہ آید بکار

ترجمہ: امیدوار ضعیفوں کی دعا اور بازوئے مردی سے کام بن جاتا ہے۔

اِلَا یَا اَیُّہَا الْمَرْءُ الَّذِیْ فِیْ عُسْرَۃٍ اَصْبَحَ
اِذَا اشْتَدَّ بِکَ الْاَمْرُ فَلَا تَنْسَ اَلَمْ نَشْرَحْ

ترجمہ: اے مصیبت میں پھنسنے والے جب تمہیں مصیبت اور دکھ ستائے تو الم نشرح سورہ کو پڑھ لیا کرو اس میں دکھ اور درد والوں کو بہتر نصیحت کی گئی ہے۔

فائدہ سب سے زیادہ سچا فرمانِ خداوندی اور ارشاد مصطفوی ہے وہ جس طرح وعدہ فرماتے ہیں پورا کرتے اور ہر طرح کی مدد فرماتے ہیں۔

حکایت اور نسخہ علاج امراض حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ فتوحات مکیہ شریف کے باب الوصایا میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک معزز دوست کو مرض کی بیماری میں مبتلا ہو گیا (ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی بیماری سے پناہ مانگتے ہیں۔ ڈاکٹروں طبیبوں سنیاسیوں سب نے اسے لاعلاج سمجھ کر جواب دیدیا اور کہتے کہ یہ بیماری اس شخص کے رگ وریشہ میں گھر کر چکی ہے اب اس کا کوئی علاج نہیں

---

[1] جیسے ہمارے پاکستان کی جنگ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس وقت کے لیڈر حکام شراب اور بدفعلیوں میں مست تھے لیکن اس سے ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے فتح نے قدم چومے اس وقت صورتحال درست تھی فوج کے سربراہ اور پاکستان کے بڑے بڑے لیڈر خدا خوفی اور اعمال و کردار میں صحیح تھے۔ ۱۲ اویسی

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ

جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر پانی اتارا

مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ

کہ تمہیں اس سے ستھرا کر دے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرما دے

عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى

اور تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جما دے جب اے محبوب! تمہارا رب

الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ

فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔ عنقریب میں کافروں کے دلوں

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ

میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور

كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن

پر ضرب لگاؤ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ

يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾

اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے اے ایمان والو

آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَ

جب کافروں کے لام سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو اور

مَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا

جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرنے یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو

إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَ

تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور

بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا

کیا بُری جگہ ہے پلٹنے کی تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور

رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اس لیئے کہ مسلمانوں کو

مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ

اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے یہ تو لو اور اس کے ساتھ

مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ

یہ ہے کہ اللہ کافروں کا داؤ سست کرنیوالا ہے اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ

الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ

تم پر آچکا اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر

تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ

سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس کے ساتھ یہ ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع

کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے

تفسیر عالمانہ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ. مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرو تو آپ چل پڑے آپ کے ساتھی بھی آپ کے ساتھ چلے جب بدر کے قریب پہنچے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستہ میں دو شخص ملے آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں قافلہ ملا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں گذشتہ شب کو ملا تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے دس مجاھد چل رہے تھے انہوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام ابو رافع دوسرا عبد العقد ابی معیط اسلم نامی تھا۔ دونوں پانی پر مامور تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلم سے تم حال دریافت کرو۔ ابو رافع سے میں پوچھتا ہوں آپ نے ابو رافع سے پوچھا کہ مکہ سے ہمارے لڑنے کے لئے کون کون آرہے ہیں عرض کی سب آرہے ہیں کوئی ایک بھی مکہ میں نہیں رہا آپ نے فرمایا مکہ شریف نے اپنے تمام جگر ہمیں بھجوائے ہیں آپ نے اُس سے پوچھا کوئی اُمن میں واپس بھی لوٹا ہے؟ ابو رافع نے کہا ہاں اُبی بن سریق قبیلہ بنی زہری کے تین سو سپاہی

واپس بے گیا ہے اس لئے کہ وہ قافلہ کی خاطر آیا تھا جب دیکھا کہ قافلہ صحیح سالم واپس لوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام اخنس رکھا بمعنے "خنس بقومہ" یعنی اپنی قوم سے ہٹتا ہے اس کے بعد آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور دیکھا کہ وہ اسلم سے حالات دریافت کر رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے کہ مکہ سے فلاں بھی آرہا ہے اور فلاں فلاں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اچانک مار کر فرمایا اسے بدبخت تو جھوٹ بولتا ہے اس ارادہ پر کہ کہیں ہمارے مجاہد بردل پڑ جائیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا ان صدقکم ضربتموہ ان کذبکم ترکتموہ وہ بے چارہ تمہیں سچی بات بتاتا ہے تو تم اسے مارتے ہو اگر وہ جھوٹ بولتا تو اُسے چھوڑ دیتے۔ اس سے انہیں معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے حالات سے باخبر تھے۔ ان دونوں سے حالات دریافت کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر چل پڑے یہاں تک کثیف اعفر میں اجلال نزول فرمایا۔ کثیف اعفر سے ریت کا سرخ ٹیلا مراد ہے، وہاں اتنی ریت تھی کہ پاؤں رکھتے ہی اس کے اندر چلا جاتا اور وہاں پانی بھی نہ تھا۔

بقیہ ص ۲۹۱ سے آگے

اور نہ اس پر کوئی دوائی اثر کر سکتی ہے۔ ہمارے دور کے محدث اعظم حضرت شیخ سعد السعود رضی اللہ عنہ نے اس معزز دوست سے بہت افسوس فرمایا ان محدث اعظم رضی اللہ عنہ کو حدیث شریف کے ہر ارشاد پر پختہ ایمان اور تجربہ کامل نصیب تھا اس معزز دوست سے فرمایا کہ اس بیماری کا علاج کیوں نہیں کراتے۔ اس نے عرض کی کہ بہت بڑا علاج کرایا ہے اب اطباء وغیرہ نے لا علاج کر کے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت محدث اعظم شیخ سعد السعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اطباء جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاذق ترین نے سچ فرمایا کہ الحبۃ السوداء انھا شفاء من کل داء کلونجی[1] ہر بیماری کا دوا ہے یہ کوڑھ تیرا بھی منجملہ انہی بیماریوں سے ہے۔ جاؤ کلونجی اور شہد لے آؤ۔ وہ ہمارا دوست کلونجی اور شہد لایا تو محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو آپس میں ملا کر اس بیمار کے تمام جسم پر مل دیا اور تھوڑا سا اُسے کھلا بھی دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیمار سے فرمایا کہ غسل کر لو چنانچہ غسل کیا تو وہ کوڑھ والا چمڑا اتر گیا اور نیا بہترین چمڑا ظاہر ہو گیا۔ اطباء کوڑھی کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور محدث اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک پر یقین و اطمینان کی داد دی۔ اور محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اپنی ہر بیماری میں کلونجی استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں آشوبِ چشم ہوتا تو بھی کلونجی کو پیس کر سرمہ کی طرح آنکھ میں سلائی سے لگاتے تو انہیں آرام ہو جاتا (رضی اللہ عنہ وعنہا)

سبق اطمینان اور قوۃِ ایمان انسان کی ہر آرزو پوری کرتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں (بالخصوص ہمارے مادہ پرست دور میں)۔ واللہ اعلم۔

---

[1] ایک دوائی ہے جو عام ہر پنساری دوا فروش سے ملتی ہے (ایک مشورہ) اکثر دیکھا گیا ہے کہ پیاز کے بیج جو کہ کلونجی کے بالکل ہم شکل ہوتے ہیں وہ عام پنساری کلونجی کی جگہ دے دیتے ہیں اس لئے اگر کوئی صاحب کلونجی خریدے تو خوب تحقیق کرے۔

اور یہ ٹیلا مدینہ طیبہ کے قریب تھا اور کفار نے بدر میں پہلے پہنچ کر مدینہ طیبہ کی مخالف جانب یعنے مکہ کے قریب تر مکان اختیار کیا جو اس مقام اور مکہ کے درمیان صرف ایک وادی حائل تھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات کو سوئے تو صبح کو اکثر جنبی ہو گئے اُن کے پانی نہ تھا اور جہاں پانی تھا وہاں کفار و مشرکین نے قبضہ کر رکھا تھا۔ شیطان خبیث انسانی بھیس بدل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں پہنچ گیا اور وسوسہ ڈالنا شروع کر دیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھیو! تمہارا گمان ہے کہ تم حق پر اور اولیاء اللہ ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہے لیکن پانی کے لئے ترس رہے ہو اور یہاں تک کہ نمازیں بھی بغیر وضو کے پڑھ رہے ہو اور جنابت کی شامت بھی تم پر پڑ چکی اور پیاس سے مر رہے ہو اگر تم حق پر ہوتے تو پانی پر کفار و مشرکین قبضہ نہ کرتے اب تمہیں غم و فکر کرنا ہے۔ کچھ دیر نہیں تمہارے دشمن تمہاری گردن اڑا دیں گے بچ جاؤ گے تو تمہیں قید کر کے مکہ کو لے جائیں گے۔ شیطان خبیث کی باتیں سن انہیں بعض صحابہ بہت گھبرائے اور انہیں یہ معاملہ سخت ناگوار گذرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس شب کو ایسی زوردار بارش برسائی کہ بدر کی وادیاں بہنے لگیں اس سے مسلمانوں نے غسل کیا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا اور جانوروں کو پانی پلایا اور اپنی ریتلی زمین میں بڑے حوض بنائے۔ ریت پانی سے جم کر سیمنٹ بن گئی جس سے ان کے رہنے سہنے کی جگہ نہایت بہترین ہو گئی اور کفار کے مرکز کیچڑ سے بھر گئے پکی زمین تھی۔ بارش کے پانی سے نہایت زبوں حال بن گئی کہ چلتے وقت کفار ڈگمگا جاتے۔ اس طرح سے مسلمانوں کے دلوں سے شیطان خبیث کا وسوسہ دور ہو گیا اور جنگ کے لئے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے اور خوشی و راحت سے بھرپور ہو گئے اور کل کی جنگ کے لئے خوب آراستہ و پیراستہ ہونے لگے اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ یعنی اے مومنو! یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نعاس (اونگھ) بنائی۔ نعاس نیند کی پہلی گھڑی کو کہتے ہیں جبکہ انسان کو نیند پورے طور گھیر لے اور اُسے محیط ہو کر اسے بے حس و بے حرکت نہ بنا لے جسے اُردو میں اونگھ کہتے ہیں۔

اَمَنَۃً مِّنْہُ اس سے امن اور چین کی وجہ سے یہ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ سے جو فعل مرتب ہوتا ہے مفعول لہ ہے۔ دراصل عبارت یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ فتنعسون آمنًا کائنا من اللّٰہ تھی۔ یعنی تمہیں اونگھ ڈھانپتی تھی پھر تم امن اور چین سے اونگھتے تھے نہ کہ تھکان یا دوسری وجہ سے۔ مثلاً بوجھل ہونے کی وجہ سے اس تقریر پر مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہو جائے گا اس لئے کہ امن اور چین نعاس سے پیدا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ نعاس میں اشارہ ہے کہ اہل اسلام کو باوجودیکہ سخت گھبراہٹ تھی اور ہر وقت دشمن کفار سے خوفزدہ تھے لیکن ایکدم ان میں خوف و خطر چین اور امن سے بدل گیا اور آنکھ جھپکنے میں ان کا حال پلٹا۔ اسے امر تکوینی کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے کہا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔ اللہ نے جس طرح فرمایا ویسے ہوا۔ ایسے ہی یہاں خوف کو حکم ہوا کُنْ آمنًا علٰی محمد و اصحابہ چنانچہ خوف بھاگا اور امن آ گیا (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاد میں اونگھ رحمت ایزدی اور نماز میں اگر اونگھ آئے تو شیطان کا حملہ ہے۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا شیطان کا ایک چاٹنے کا چمچہ اور ایک سرمہ دانی ہے جھوٹ شیطان کا چمچہ اور ذکر الٰہی کے وقت شیطان کی سرمہ دانی ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ اور تمہارے اوپر آسمان سے پانی اتارا تاکہ تمہیں اس بارش کے پانی سے حدث وجنابت سے پاک کرے وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ اور تاکہ تمہارے سے شیطان کی ناپاکی دور فرمادے یعنی اس کے وسوسہ اور اس کا تمہیں پیاس سے ڈرانا۔

فائدہ رجز سے اُن کی وہ جنابت مراد ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احتلام کی وجہ سے پہنچی اس لئے کہ احتلام شیطان کے وسوسہ اور اس کے خیال ڈالنے سے ہوتا ہے۔

نسخہ دافع احتلام اور فضیلت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اپنے سینہ پر لکھ کر سوجایا کرے احتلام نہ ہوگا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیطان بھاگتا تھا اور راہ چھوڑ جاتا تھا۔ جس راہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذر فرماتے[1]

وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ اور تاکہ تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے۔ الربط بمعنے الشد والتقویۃ۔ یعنی کسی شے کو باندھنا اور مضبوط کرنا اور علیٰ صلہ کا ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل مضبوط کردے لفظ علیٰ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کے دل بھر گئے گویا اللہ تعالیٰ کا ربط اُن کے اوپر ہوا وَيُثَبِّتَ بِهِ اور اس بارش کے پانی سے جمادے الْأَقْدَامَ تمہارے قدم تاکہ وہ زمین میں نہ دھنسنے پائیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بہ کی ضمیر ربط کی طرف لوٹے اس لئے کہ جنگ میں قدم جمتے ہیں جب کسی کا دل مضبوط ہو اس سے صبر نصیب ہوتا ہے اس سے جرأت ہوتی ہے ؎

دلاور عاشقی ثابت قدم باش
کہ دریں راہ نباشد کارِ بے اجر

ترجمہ: اے دل عاشقی میں ثابت قدم ہو کیونکہ اس راہ میں کوئی اجر و مزدوری نہیں۔

فائدہ صدق وصبر اور دل کی پختگی اور ثابت قدمی سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا پر چھا گئے اور رہتی دنیا تک اُن کی بزرگی اور شرافت کا ڈنکا بجتا رہے گا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ شیعہ کا نمبر شیطان سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ ڈر کر بھاگتا ہے لیکن یہ انہیں گالی دیتے ہیں اس سے وہابی سوچیں کہ جن کے غلام کے نام کی یہ تاثیر ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم پاک میں کتنی تاثیر ہوگی۔ ولکن الوہابیہ قوم یعقلون۔ لہٰذا وہ شیعہ حسد سے مرتے رہیں گے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

قاعدہ کسی کو اگر کسی پر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ و دیانت سے۔

حکایت درفضیلت تقویٰ و علم باعمل مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہاں حضرت زہری محدث رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اس نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے آپ نے فرمایا مکہ معظمہ سے۔ اُس نے پوچھا آج کل وہاں کس کی سرداری ہے آپ نے فرمایا عطا بن رباح کی۔ اُس نے پوچھا وہ عربی ہے یا عجمی اور موالی سے تو نہیں آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے اُس نے پوچھا کہ وہ موالی ہو کر کس طرح سب کا آقا بنا۔ آپ نے فرمایا تقویٰ و دیانت و روایت حدیث سے اُس نے کہا جس میں یہ اوصاف ہوں اس کے لئے لائق ہے کہ وہ سب کا سردار ہو۔ پھر اُس نے پوچھا یمن کا اب سردار کون ہے۔ آپ نے فرمایا طاؤس بن کیسان اُس نے پوچھا وہ عربی ہے یا عجمی اور موالی سے تو نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے اُس نے کہا وہ یمن کا سردار کیسے بنا۔ آپ نے فرمایا جیسے عطا بن رباح عرب کا سردار بنا۔ اُس نے کہا جس میں یہ صفات ہوں وہ ضرور سب کا آقا ہے پھر پوچھا مصریوں کا آقا کون ہے آپ نے کہا یزید بن ابی حبیب پھر وہی سوال دہرایا کہ وہ عربی ہے یا عجمی موالی سے ہے۔ آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے پھر وہی گفتگو ہوئی جیسے دو پہلے بزرگوں کے متعلق ہوئی اس کے بعد پوچھا اہل شام کا آقا کون۔ آپ نے کہا مکحول الامشقی پھر وہی سوالات جوابات ہوئے آپ نے فرمایا مکحول وہ غلام ہے جسے ہذیل قبیلہ کی ایک عورت نے آزاد کیا ہے۔ اس کے بعد وہی بات ہوئی جو پہلے گذری۔ اس کے بعد جزیرہ والوں کا سردار کون ہے آپ نے فرمایا میمون بن مہران اس پر وہی سابق گفتگو ہوئی پھر اس سے پوچھا ہمارا آقا کون ہے آپ نے ضحاک بن مزاحم اُن کے بارے میں بھی وہی سوال و جواب ہوئے اس نے پوچھا۔ اہل بصرہ کا آقا کون ہے آپ نے فرمایا حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما اُن کے بارے میں بھی وہی سوال و جواب ہوئے پھر اُس نے پوچھا کوفیوں کا آقا کون۔ آپ نے فرمایا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ یہاں بھی وہی سوال و جواب ہوا پھر اُس نے کہا اے زہری آپ نے تو پریشان کر دیا کہ ہر جگہ موالی (عجمی) آقا بن بیٹھے ہیں اب خطبات اُن کے پڑھے جائیں گے اور عربی منبروں کے نیچے بیٹھ کر اُن کی غلامی کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ حضرت زہری نے فرمایا اے امیر المؤمنین یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور اس کی مرضی لیکن یہ بھی تو ہے کہ جو اس کے دین کی خدمت کرتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ مخدوم بناتا ہے اور جو دین سے مُنہ موڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وقار میں کمی کرتا ہے۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ پانی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیاس اور بھوک کا خوف شیطان کا وسوسہ ہے جب بندہ اپنے مولا پر پورا بھروسہ کرتا ہے تو اس کے نزدیک شئے کا ہونا نہ ہونا یکساں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا مولیٰ خالق ہے تو رازق بھی ہے۔

اعجوبہ شیر تمام جانوروں کے بادشاہ ہونے کے باوجود پیاس اور بھوک پر بہت بڑا صبر کرتا ہے اس کی عادت ہے کہ وہ دوسروں کا کیا ہوا شکار نہیں کھاتا اور نہ کسی کا پس خوردہ کھاتا ہے جب وہ شکار سے سیر ہو جاتا ہے تو دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور نہ ہی بھوک کے وقت اسے دوبارہ منہ لگاتا ہے اور جب اس کا طعام سے پیٹ بھر جاتا ہے تو اس پر اکتفا کرتا ہے دوسرے وقت کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتا جس پانی کو کتا منہ لگالے

وہاں سے پانی نہیں پیا

سبق مومن کو شیر کے اوصاف سے کم نہ ہونا چاہیئے ؎

علی المروان یسعی لتحسین حالہ

ولیس علیہ ان یساعدہ الدھر

ترجمہ: مومن کو اپنا حال سنوارنا لازم ہے اُسے زمانہ کی موافقت کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ مؤمن کی مدد فرماتا ہے مؤمن کامل کی شان یوں ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی حسب طاقت بشریہ مدد کرے۔

حکایت آل ساسان کا بادشاہ فیروز بن تیزدجرد بن بہرام جب تخت سلطنت پہ بیٹھا تو عدل وانصاف کیا لیکن سات سال تک اس کے ملک میں بارش نہ ہوئی۔ اس نے قانون جاری کیا کہ ہر علاقہ کے دولتمند فقرا (تنگدستوں) کو کھانا کھلائیں اگر کوئی فقیر کسی علاقہ میں بھوک سے مرگیا تو وہاں کے دولتمند کو اس کے عوض قتل کیا جائیگا۔
حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

توانگرا دل درویش خود بدست آور

کہ مخزن زر و گنج درم نخواہد ماند

ترجمہ: اے دولتمند دل درویش کا دل راضی کر کیونکہ یہ زر و درم کے خزانے ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

اے اللہ ہمیں مرتے دم تک بخل و کسل سے محفوظ فرما۔

تفسیر عالمانہ اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

حل لغات الوحی بمعنے القاء المعنے الی النفس من وجہ خفی" پوشیدہ طور کسی کے دل میں کوئی معنے ڈالنا۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے کہ جب تیرے رب تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اِنِّیْ مَعَكُمْ یوحی کا مفعول بہ ہے یعنی بے شک میں بھی تمہارے ساتھ ہوں یعنی امر تثبیت میں میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور تمہیں تثبیت کی توفیق بخشوں گا۔

سوال یہ خوشخبری تو اس کے لئے ہو جو کسی سے ڈرتا ہو ملائکہ کو تو کفار سے کسی قسم کا خوف نہیں تھا؟

جواب یہ لا تحزن اِن اللہ معنا کے قبیل سے ہے کہ یہ خوشخبری ازالہ خوف کے لئے نہیں تھی بلکہ ان کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے تھا چنانچہ لفظ معؔ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں اُن کا اعزاز تھا تاکہ معلوم ہو کہ صورۃً ملائکہ امداد کے لئے پہنچے ہیں لیکن یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی امداد ہے اس معنے پر یہ معیت اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کے مشابہ ہوگی۔

فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو خوشخبری دے کر ان کی جماعت میں شریک ہو کر اور دیگر ایسے امور کر جن سے اُن کے دل جنگ کے لئے مضبوط ہوں۔

فائدہ تثبیت سے مواطنِ جنگ میں اہلِ ایمان کو ثابت قدمی پہ ابھارنا مراد ہے تاکہ جنگ کے شدائد و تکلیف ان کے وہم و گمان کے تصور سے دور ہوں۔

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ عنقریب میں کافروں کے دل میں ہیبت ڈالوں گا یعنی اُن پر تمہارے سے خوف پیدا ہو جائے گا اس میں ملائکہ کو تلقین کی گئی ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ ملائکہ اہلِ ایمان کو ثابت قدمی پہ کیسے ابھاریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ انہیں کہو سَاُلْقِیْ الخ فَاضْرِبُوْا پس اے مومنو مارو" اس خطاب سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ جنگ میں شریک نہیں بلکہ صرف شامل حال تھے ۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ کافروں کی گردنوں کے اُوپر اعناق سے مذابح یا سر مراد ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی گردن اڑانے کا حکم اس لئے فرمایا کہ گردن کٹ جانے کا نام قتل ہے گویا استعارۃً یونہی فرمایا۔

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ "البنان" انگلیاں اور دیگر وہ اعضاء کہ جن پر انسان کے قوام و حیاۃ کا مدار ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے ہر عضو کو اوپر سے نیچے تک ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے اُن کا چہرہ مُراد ہے یعنی اُن کا مدافعہ اور اُن سے لڑائی کرو۔ کما قال التفتازانی الخ

ذٰلِكَ وہ ضرب و قتل اور وہ سزا ان پر واقع ہو یہ اس لئے کہ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ جلّ شانہٗ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کی اور ان پر غلبہ کی ٹھان لی حالانکہ اُن کی کیا مجال کہ اُن پر غلبہ کا تصور کریں۔

شانِ ولایت حضرت الشیخ نے فرمایا کہ اس سے اولیاء اللہ کی مخالفت مراد ہے اور المشاقہ کا مادہ شق ہے اور مشاقہ اس لئے کہ وہ دونوں ہر ایک شق مخالف پر ہوتا ہے جیسے المحادۃ میں ہر دونوں آپس میں حدِ مخالف پہ ہوتے ہیں۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ کو جو سعادہ و شقاوۃ دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے اسمیں اُس کے کسب کو دخل ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرے یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

فائدہ یشاق کو عامل جازم کے وقت ادغام نہ کرنا اہلِ حجاز کی لغت ہے اُن کے غیر ایسے مقام پر بوجہ ہمجنس ہونے دو حرفوں کے پہلے کو دوسرے پر ادغام کرتے ہیں جیسے وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ پڑھا گیا ہے یعنی ایک قاف مشدد کے ساتھ۔

ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ہ اور کافروں کو عذاب ہے ذٰلکم مبتدا محذوف کی خبر ہے وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ الخ اس کا معطوف علیہ ہے اور فَذُوْقُوْہُ جملہ معترضہ ہے اور مشار الیہ کے ضمن میں جو ضمیر ہے وہ عقاب کی طرف لوٹتی ہے دراصل عبارت حکم اللہ ذٰلکم الخ تھا۔ یعنی یہ عذاب تمہیں اسی دنیا میں ملے گا اور عذاب نار تمہیں آخرت میں حاصل ہوگا

سوال عذابِ دُنیا کو فذوقوہ سے کیوں تعبیر کیا گیا ؟

جواب ذوق بمعنے چکھنا اور وہ معمولی طور محسوس ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کفار کو دنیا میں جتنا عذاب دیا گیا مثلاً ضرب۔ قتل۔ قید وغیرہ وہ بہ نسبت آخرت کے عذاب کے ایسے ہے جیسے کوئی شے چکھی جائے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَذُوْقُوْہُ یعنی دنیا میں صورۃً و معنًی عذاب چکھو۔ صورۃً جیسے ضرب قتل قید و دیگر مصائب و مکروہات اور معنًی جیسے حضرتِ حق کی جدائی۔ دوری۔ حجابات۔ قلب کی موت اور بصیرت کا اندھا پن۔ روح کا ضعف اور ضعفِ قوۃ نفس۔ نفس کے صفات کا غلبہ۔ خواہشاتِ نفسانیہ کا ہجوم۔ ایسے اُمور کا حصول جو حق سے ہٹاتے ہیں اور باطل کے قریب لاتے ہیں ۔

ملائکہ کا نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں بنائیں اور جھنڈے بلند کئے اور ہر صف اپنے مقام پہ کھڑی تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اونٹ پر سوار ہو کر دُعا مانگتے تھے اور نہایت عجز و زاری سے اللہ تعالیٰ کو پکار رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اُن کے ساتھ ملائکہ کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ انہوں نے پانچسو فرشتوں کو لشکر کے میمنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا اور میکائیل علیہ السلام اپنے پانچسو ملائکہ کی جمعیت کو صف کے میسرہ پر کھڑا کیا اور فرشتے مسلمانوں کے سامنے انسانی بھیس میں آکر بتلاتے کہ ہم مشرکین کے لشکر کے قریب سے گذرے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ مسلمان اتنے دلیر ہیں کہ اگر وہ ہمارے اُوپر حملہ کر دیں تو ہم تاب نہیں لا سکیں گے ادھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا جب کافروں نے دیکھا کہ مسلمان ایک آن میں اتنے کثیر التعداد کس طرح ہوئے اس کے باوجود کفار نے لڑائی کی ٹھان لی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمارے ہاں قریبی رشتہ داروں کو بھیجئے تاکہ ہم اُن سے مقابلہ کریں۔ حضور علیہ السلام نے اُن کے ہاں انصار کی عفرا کے دو بیٹے حضرت عوذ و معوذ کو بھیجا اُن کی ماں عفرا اور ان کا باپ حارث تھا۔ یہ بھی جنگ میں اُن کے ساتھ گیا تھا لیکن کفار نے کہا تم واپس چلے جاؤ اور ہمارے ہاں ہمارے قریبی رشتہ داروں کو بھیجو یعنی بنو ہاشم میں سے ہمارے مقابلہ کے لئے آئیں۔ کفار کے للکارنے پر حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میرے مقابلہ میں ولید بن عتبہ آگے کو بڑھا۔ میں نے اس پر حملہ کیا تو اس کا ایک ہاتھ ٹوٹا میں نے بڑھ کر اس کی گردن اڑا دی۔ اُس کے بعد شیبہ بن ربیعہ نے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوا دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار سے وار کیا۔ حضرت عبیدہ نے پھرتی سے دوسرا حملہ کیا تو شیبہ کی ٹانگ توڑ دی

اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو للکار کر فرمایا انا اسد اللہ و اسد رسولہ میں ہوں اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیر۔ یہ کہہ کر عتبہ پر حملہ کر کے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد ابوجہل نے کفار میں تقریر کی اور جنگ پر اُبھارا اور کہا کہ اس معمولی شکست سے مت گھبراؤ۔ دراصل ہمارے ساتھیوں نے عجلت کی جس کا نتیجہ انہوں نے بھگتا۔ یہ کہہ کر یک لخت حملہ کرا دیا۔ اُدھر مسلمان حملہ آور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل اسلام کو فتح و نصرت ہوئی۔

اہل بدر کے فضائل انہی بدریوں رضی اللہ عنہم کے حق میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اطلع اللہ علیٰ اہل بدر اللہ تعالیٰ نے بدریوں کو جھانک کر دیکھا یعنی اُن پر نظر کرم کی اور انہیں مغفرت کا مژدہ سنایا۔

(۲) فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم اور فرمایا کہ اب جو کچھ کرتے جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔[۱]

ازالہ توہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آئندہ غلط کاری اور گناہ و خطا کی اجازت بخشی ہے (معاذ اللہ) بلکہ اعملوا ما شئتم فرما کر ان سے اظہار لطف و عنایت فرمایا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی محبوب سے کہتا ہے اِصْنَعْ مَا شِئْتَ اس سے اُن کے مراتب علیا کا اظہار مطلوب ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجاہدات کی پیروی کرے تاکہ اُسے بھی ان جیسے مراتب و کمالات نصیب ہوں نہ شیعوں کی طرح کہ اُلٹا انہیں سب و شتم کر کے اپنا بیڑا غرق کرے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ؎

ور رہ نفس کز و سینۂ ما بتکدہ شُد

تیر آہے بکشائیم و غزا اے بکنیم

ترجمہ: نفس کی راہ میں ہمارا سینہ بتکدہ بن گیا پھر ہم آہ کا تیر کھینچکر اس سے جنگ کرتے ہیں۔

اور اہل جزع کے بارے میں فرمایا ؎

ترسم کزیں چمن نبری آستین گل

کز گلشنش تحمل خاری نیکنی

ترجمہ مجھے ڈر ہے کہ تو اس چمن سے گل کی آستیں لے کر نہ لے جائے گا جب تجھے اس کے گلشن کے کانٹے سے حوصلہ نہیں۔

---

[۱] یہ ہیں صحابہ و خلفاء راشدین جنہیں شیعہ معاذ اللہ جہنمی اور کافر کہتے ہیں۔ ۱۲۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں صابرین کی جماعت میں شامل فرما۔

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اے ایمان والو جب تم کافروں کو دیکھو لقار بمعنے رویت ہے زحفا کثیر التعداد الزحف بمعنے الدبیب کثیر۔ مثلاً کہا جاتا ہے زحف الصبی زحفا" از باب فتح یہ اس وقت بولتے ہیں جب چھوٹا بچہ آہستہ آہستہ دُبر کے بل چلے اور عرف میں بڑا اس کثیر التعداد لشکر کو کہا جاتا ہے جو دشمن کی طرف بڑھ رہا ہو۔ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے دُور سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دبر کے بل چل رہا ہے اس لئے کہ وہ چلتے وقت ایک جسم کی مانند نظر آتے ہیں اُن کی رفتار نہایت آہستہ آہستہ محسوس ہوتی ہے اگرچہ وہ فی الواقع دوڑتے چلے آرہے ہوں اور زحفا لقیتم کے مفعول سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے مسلمانو! جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں اور تم تصور کرو ہم تو بالکل تھوڑے ہیں۔ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ تو تم انہیں پیٹھ مت دو۔ چہ جائیکہ بھاگو۔ بلکہ ہمت کر کے ان کا مقابلہ کرو اور اُن سے لڑو اگرچہ تمہاری مقدار بہت تھوڑی ہو تو کیا ہوا اس سے متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جب قلت کے وقت کفار سے لڑنا ضروری ہے تو پھر ان کے برابر مقدار ہونے تک کا انتظار کیا۔

انتباہ لفظ ادبار لانے میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ جنگ سے بھاگنا اتنا سخت قبیح ہے کہ اُسے ادبار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فائدہ تولیۃً کسی شے کو کسی دوسری شے کے قریب لانا۔ یہ دونوں مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اہل عرب کہتے ہیں ولاہ دبرہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی پیٹھ کسی کی طرف کر دے۔

وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا چہ جائیکہ بھاگ جائے یعنی ان کے جنگ کے بڑھنے اور عین جنگ کے وقت۔

قاعدہ یَوْمَىٕذٍ بمعنے حِیْنَىٕذٍ اس لئے کہ یوم اگرچہ دن کے ابتدائی حصے کو کہا جاتا ہے لیکن وہ بھی جب مطلق ہو اگر اُسے کسی فعل غیر ممتد کے ساتھ استعمال کیا جائے تو وہاں یوم سے مطلق وقت ہوتا ہے۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ مگر لڑائی کے ہنر۔

ہنر کے طریقے لڑائی میں مخالف کے ساتھ ہنر کے کئی طریقے ہیں۔

① ایک مخالف آگے کو بڑھتا آرہا ہے دوسرا پیچھے سے مگر پیچھے والا سخت تر ہے تو اس پیچھے والے مخالف کے لئے آنے والے سے منہ موڑ کر پیچھے والے کی طرف جانا۔

② دشمن سے منہ پھیر کر چلے جانے میں یہ ارادہ ہو کہ دشمن سمجھیگا کہ وہ ڈر سے بھاگ گیا وہ مطمئن ہو کر واپس لوٹے تو پیچھے سے اکیلا یا دوسرے چھپے ہوئے ساتھیوں کو لے کر حملہ کرتا یہ خداع الحرب کے باب سے ہے جو مجاہدین عام طور ایسے کرتے رہتے ہیں۔

حل لغات انحرف تحرف ہر دونوں ایک ہیں یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک کنارے کو چھوڑ کر دوسرے کنارے کو چلا جائے۔ الحرف بمعنے الطرف والجانب اور متحرّفا حال ہے۔ اصل عبارت یوں تھی وَمَنْ يُوَلِّهِمْ متلبسا بحال من الاحوال آیۃ حال کانت الا فی حال کذا۔ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ یا دوسرے گروہ سے جا ملنے کے لئے یعنی دشمنوں سے اس لئے پیٹھ کر جائے کہ اہل اسلام کی دوسری جماعت وہاں سے قریب یا دور ہے اسے لے کر دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے تو بھی حرج نہیں۔

مسئلہ مذکورہ بالا ہر دونوں صورتوں کے علاوہ جنگ کے وقت پیٹھ دے کر چلے جانا حرام ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے علاوہ جنگ میں پیٹھ دے کر چلے جائے۔

فَقَدْ بَآءَ تو بے شک وہ پلٹا بِغَضَبٍ ساتھ غضب کے جو ہونے والا ہے مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے وَمَاْوٰىهُ اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جَهَنَّمُ جہنم ہے یعنی جنگ کو پیٹھ دے کر اس ارادہ سے کہ جان بچ جائے گی اسے جان بچانے کے ٹھکانے کے بجائے جہنم کا ٹھکانا نصیب ہوا۔

فائدہ الماویٰ ہر اس مکان کو کہتے ہیں جو انسان کی بود و باش کے لئے ہو۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور وہ جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فائدہ یہ وعید اگر ان تمام لوگوں کو ہے جو کفار کے مقابلہ میں جنگ کے وقت پیٹھ پھیریں لیکن اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو شمار میں کفار سے کم ہوں چنانچہ اس سورہ کے آخر میں فرمایا الان خفف الله عَنْكُمْ وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن مِنْكُمْ مائة صابرة يغلبوا مائتين وان يكن مِنْكُمْ الف يغلبوا الفين باذن الله۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو ایک مجاہد تین کافروں سے پیٹھ دے تو اسے بھاگنا نہیں کہا جائے گا ہاں دو کافروں کے مقابلہ سے ایک پیٹھ دے تو اسے کہا جائے گا کہ وہ بھاگ گیا یعنی وہ حرام فعل کا مرتکب ہوا۔

مسئلہ جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ایں چنیں ہوشے کہ از موشے پرید
اندراں صف تیغ چو خواہد کشید

(۲) چالش است آں حمرہ خوردن نیست ایں
تا تو برمالے بخوردن آستیں

(۳) نیست حمرہ خوردن اینجا تیغ
حمزہ باید دریں صف آہنیں

(۴) کار ہر نازک دلے بنود قتال
کو گریزد از خیالے چوں خیال
(۵) کار ترکانست نے ترکاں بود
جائے ترکاں ہست خانہ خانہ شو

ترجمہ (۱) ایسا ہوش جب فوجی سے اڑجائے تو وہ جنگ کی صف کیا تلوار کھینچے گا۔
(۲) جنگ ہے کوئی شراب پینے کی مجلس نہیں کہ اس کے لئے آستین چڑھارہا ہے۔
(۳) یہاں شراب پینا نہیں تلوار اٹھانی ہے ایسی سخت جنگ کے لئے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہادر چاہئیں۔
(۴) نازک دل کا جنگ کرنا کام نہیں کہ وہ خیال کی طرح جنگ سے بھاگتا ہے۔
(۵) یہاں بہادروں کا کام ہے نہ صرف تیر برداروں کا۔ یہ جگہ تیروں کی ہے آجا ورنہ بیٹھ جا۔

مسئلہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کبائر (گناہوں) کی کل تعداد ستر ہے ان میں سے ایک جنگ سے بھاگنا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جب بالمقابل کفار تعداد میں کم یا برابر ہو۔

قاعدہ دربارہ گناہ کبیرہ جس عمل کی مسلمان کے درمیان شہرت خراب ہو یا اس عمل میں حرمت الٰہی اور دین (نبوت و ولایت) کی حرمت ہوتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

گناہ کبیرہ کا حکم گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شہادت قابل قبول نہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ جنگ کے وقت صدق دل سے جرأت دکھائے اور یقین رکھے کہ بزدلی موت سے نہیں بچا سکتی اور نہ ہی جنگ میں جانے سے موت واقع ہوتی ہے اس لئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو وقت سے نہ پہلے آتی ہے نہ پیچھے اور نہ اپنے وقت سے ٹل سکتی ہے۔

غازی کے اوصاف جنگ کے درمیان غازی میں مندرجہ ذیل اوصاف پیدا کرنے چاہئیں اسے شیر کا دل رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ شیر بزدل نہیں ہوتا وہ آگے بڑھتا ہے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا اس لئے وہ مقابلہ کے وقت بزدلی کو اپنے لئے موت سمجھتا ہے اور نہایت ہی پھرتی سے آگے بڑھتا رہتا ہے اسی طرح غازی کو کرنا چاہیئے۔ چیتے کی طرح غازی کو ہونا چاہیئے اس لئے کہ جس طرح چیتا دشمن کے سامنے جھکنا نہیں جانتا اسی طرح غازی کو بھی چاہیئے کہ دشمن کے سامنے ہرگز نہ جھکے اور بہادری میں اسے ریچھ کی طرح ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ مقابلہ کے وقت اپنے تمام اعضائے سے لڑتا ہے اور اسے خنزیر کی طرح حملہ آور ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ مقابلہ کے وقت پیٹھ دے کر نہیں بھاگتا اسے بھیڑیئے کی طرح غیرت سے لڑائی کا طریقہ لازم ہے اس لئے کہ اسے جب ایک طرف مایوسی ہوتی ہے تو دوسری طرف سے لڑتا ہے اور بہت بڑے بوجھل بوجھ کو اٹھا کر چلنا اسے چیونٹی سے سیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے جسم سے کئی گنا زائد بوجھ اٹھا کر چلتی ہے اور اسے ثابت قدمی پتھر سے حاصل کرنا چاہیئے کہ پتھر جہاں پڑا ہو وہ وہاں سے نہیں ہٹتا اور غازی کو صبر گدھے سے سیکھنا لازم ہے اور اسے وفا کتے

سے سیکھنی چاہیئے کہ اسے اگر اپنا مالک آگ میں بھی ڈال دے تو گریز نہیں کرتا۔ فرصت اور فتحمندی مرغے سے سیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق ہر چیز کو اپنے حصہ میں لانا جانتا ہے اور اسے صف میں نمازی طرح نہایت خشوع وخضوع سے کھڑا ہونا لازم ہے جیسے وہ اپنے امام کی حرکات و سکنات کا پابند ہوتا ہے ایسے ہی اسے جنگ میں امیرِ لشکر کا حکم کا پابند ہونا چاہیئے جیسے مقتدی اپنے امام کی کسی بات میں مخالفت نہیں کرتا ایسے یہ بھی امیرِ لشکر کے کسی حکم کے خلاف نہ کرے اور اپنے ہتھیار ہر وقت ایسے چھپائے رکھے جیسے باکرہ لڑکی حیا و شرم سے اپنا چہرہ چھپائے رکھتی ہے جب اسے پہلی شب اپنے شوہر کے ہاں بھیجا جاتا ہے۔ اپنے تھوڑے ہتھیار کو ظاہر کرنے میں ریاکار کی طرح ہونا چاہیئے کہ اس کی اگرچہ عبادت معمولی ہوتی ہے لیکن وہ لوگوں کے سامنے بہت زیادہ ظاہر کرتا ہے مکر و فریب میں لومڑی کی طرح ہونا چاہیئے یعنی اگر اس پر دشمن غلبہ پا جائے تو اسے ایسے مکر و فریب سے کام لینا چاہیئے جیسے لومڑی کرتی ہے کہ جب اس پر کتا حملہ کرتا ہے تو مکر و فریب کر کے اس سے بچ نکلتی ہے۔ ایسے ہی اسے دشمن سے بچ نکلنے سے لومڑی کی طرح کرنا چاہیئے اس لئے کہ جنگ بھی ایک دھوکہ ہے اسے وہی طریقہ کرنا چاہیئے جنگ میں اسے عروس کی طرح ناز و عشوہ کرنا چاہیئے اور جنگ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف پھرتی کر کے ایسے جانا چاہیئے جیسے بچے کھیل کے وقت پھرتی کرتے ہیں اور اسے میدانِ جنگ میں بادل کی طرح گرجنا چاہیئے۔

فائدہ رعد بادلوں کے فرشتے کو کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کی یہی رائے ہے اور جنگ میں ہر خطرہ سے اسے ایسے ڈرنا چاہیئے جیسے کوا ہر خطرہ سے چوکنا رہتا ہے۔

فائدہ (ابقع) اس کوے کو کہتے ہیں جس میں سیاہی وسفیدی ہوتی ہے اور اپنی حفاظت اور رشد اللہ سے بچنا اسے کرکی سے سیکھنا چاہیئے کرکی ایک مشہور پرندہ ہے اس کا زرد رنگ ہوتا ہے تعلق سے مشابہ ہوتا ہے اسے کلنگ کہتے ہیں مشہور جانور ہے اور یہ کام وہ پرندہ سرانجام دے سکتا ہے جو سب کا سردار ہو اس لئے کہ اس کی طبیعت میں نگرانی کرنا ہے اور یہ اپنے کنبے کی باری باری نگرانی کرتا ہے اور اپنی آواز دھیمی دھیمی نکالتا رہتا ہے تاکہ ہر کسی کو معلوم ہو کہ وہ نگرانی کر رہا ہے۔ جب اس کی باری ختم ہو جاتی ہے تو دوسرے کو جگاتا ہے وہ بھی اپنی نگرانی کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت قزوینی (عجائب المخلوقات) میں لکھتے ہیں کہ کرکی زمین میں ایک پاؤں رکھ کر چلتا ہے دوسرے کو اوپر رکھتا ہے اگر رکھتا بھی ہے تو معمولی سا اس خوف سے کہ کہیں زمین نہ دھنسا دیا جائے (کذا فی حیوۃ الحیوان)

تفسیرِ صوفیانہ اے قلوبِ مومنین جب تم کفار نفوس اور اس کے صفات کو دیکھو کہ وہ مجتمع ہو کر تمہارے اور تمہاری صفات پر حملہ کرنے کے لئے آئیں تو مت گھبراؤ اور نہ ہی نفوس کے حملہ اور اس کے صفات کے غلبہ سے پیچھے ہٹو بلکہ صدقات نفس کے حملوں کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ اس لئے کہ صبر کے اجر و ثواب کا ترتب پہلے حملہ پر ہوتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کی موت پر رو رہی ہے آپ نے اسے فرمایا بی بی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کے صبر کر۔ اس نے جواب دیا آپ کو میرے

دکھ کی کیا خبر۔ آپ واپس تشریف لے لئے۔ اس بی بی کو کہا گیا کہ تجھے نصیحت کرنے والے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اُسے بچے کی موت سے اُسے یہ دہرا دکھ اور درد ہوا۔ روتی ہوئی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا صبر پہلے صدمہ پر ہونا چاہیئے۔

فائدہ الصدم بمعنے سخت شے پر مارنا اور الصدمہ اس کے یکبارگی مصدر کا نام ہے یعنی انسان کو ناگہانی کی مصیبت کے پہلے وار پر صبر کرنا لازمی ہے اور اس پر ہی اجر و ثواب ملتا ہے اس لیے کہ مصیبت کا جونہی وقت گذرتا ہے اس کی برداشت میں ہو جاتی۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ یعنی اگر قلب نفس کے حملے سے اس نیت پر روگردانی کرے کہ نفس کے حملوں کے لئے جنگی اسباب تیار یا کسی دوسرے قدسی روح سے استمداد کے لئے منہ پھیرے تاکہ اس روح سے مشورہ کرکے اور اس کے صفات پیدا کرکے یا شیخ کے حضور میں نفس کی شرارتوں سے بچ کر اور اُس کے ساتھ مجاہدہ اور ریاضت کے طریقے سیکھ کر حضرت ربانیہ کے لائق ہو جائے فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے غضب سے دوری و مہجوری اور اس کی درگاہ سے محرومی مراد ہے وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور اُس کا ٹھکانہ جہنم اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی درگاہ کی دُوری اور مہجوری اور محرومی کی آگ بہت سخت عذاب والی ہے اور ایسا ٹھکانہ سخت سے سخت ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ یعنی اگر تم فخر کرکے کہو کہ تم نے بدر میں کفار کو قتل کیا تو یہ فخر مت کرو اس لئے انہیں تم نے اپنی قدرت وطاقت سے قتل نہیں کیا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدد دے کر اور ان پر مسلط کرکے اور ان کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال کر قتل کیا۔

شان نزول اور نبی علیہ السلام کا معجزہ مروی ہے کہ جب کفار نے عقنقل ٹیلے سے اہل اسلام کو جھانک کر دیکھا۔ عقنقل وہ ٹیلہ ہے جو وادی کی طرف واقع اور وہاں سے بدر میں داخل ہوتے تھے۔ جب کافروں نے مسلمانوں کو جھانکا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کافر فخر و غرور سے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کو جھٹلاتے ہیں تو اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے تیرے وعدہ کریمہ کا سوال کرتا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ مٹی مٹھی لے کر کافروں کی طرف پھینکیے جب وہ آپ کے مقابلہ میں آئیں۔ چنانچہ جب اسلام و کفر کا لشکر آمنے سامنے ہوا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ وادی سے کنکریاں اُٹھا کر مجھے دیجئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کنکریاں اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں تو آپ نے کافروں کے منہ پر کنکریاں مارتے ہوئے فرمایا شاهت الوجوه کافروں کے چہرے ذلیل وخوار ہوں۔ اس وقت لشکر کفار میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور ناک کے نتھنوں اور منہ میں کنکر اور مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس سے کفار شکست کھا کر بھاگے تو مسلمان اُن کے پیچھے ہو لئے اور انہیں قتل کرتے اور بعض کو قید کرتے رہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ سے غلبہ پاکر اور غنیمتیں حاصل کرکے واپس لوٹے

تو آپس میں فخر و ناز سے کہتے جا رہے تھے۔ کوئی کہتا میں نے فلاں کو قتل کیا اور دوسرا کہتا کہ میں نے فلاں کو قید کیا وغیرہ وغیرہ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غزوہ بدر کا بقایا قصہ کو بیان کیا گیا اور فا شرط محذوف کی جزا ہے جیسا کہ سابق مضمون امداد الٰہی اور امر تثبیت وغیرہ سے معلوم ہوا گویا کہا گیا کہ جب امداد الٰہی ہوئی اور ملائکہ نے تثبیت کے طور تمہاری ڈھارس دی تو پھر یقین کرو کہ کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا۔

ابوالسعود نے اپنے تفسیر میں اس قول کو مختار بتایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتہً آپ نے کنکریاں نہیں ماریں **اِذْ رَمَيْتَ** جبکہ ظاہری طور آپ نے کنکریاں پھینکیں ورنہ ان کنکریوں کا اس طرح اثر ہوتا جیسے عام بشروں کی کنکریوں سے ظاہر ہوتا ہے **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** لیکن اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماریں یعنی کنکریوں سے جو تاثیر پیدا ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے کنکر پھینکتے وقت تمام مشرکین کی آنکھوں پر لگیں یہاں تک کہ وہ شکست کھا کر بھاگے اور صحابہ کرام ان پر غلبہ پا گئے خلاصہ یہ کہ کنکریوں کا ظاہری طور پھینکنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوا اور ان کا اثر اللہ تعالیٰ کی طرف تھا اس لئے کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ مٹھی بھر کنکریوں سے اثر تمام مشرکین کو پہنچے کہ کوئی ایک بھی اُن سے بچ نکلے۔

فائدہ کبھی بول کر اس کا مُسمّٰی مراد لیا جاتا ہے یا اس کا کمال مراد ہوتا ہے مثلاً لفظ مؤمن بول کر کبھی مؤمن کامل مراد لیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فعل قتل کی نفی کر کے اُسے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ قتل کے جملہ اسباب مثلاً ملائکہ کی امداد کافروں کے دل میں رُعب ڈالنا اور اہل ایمان کے دل مضبوط وغیرہ کا مسبب وہی ہے اور قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت سبب کی طرف مجازاً ہوتی ہے مثلاً ہم کہتے ہیں القلم یکتب ملیحا اور کبھی اصل کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے الکاتب یکتب ملیحا مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر چہ خواہد آن مسبب آورد
قدرت مطلق سببہا بر درد

(۲) از مسبب می رسد ہر خیر و شر
نیست ز اسباب و وسائط اے پدر

(۳) این سببہا بر نظر ہا پردہاست
کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

(۴) دیدہ باید سبب سوراخ کن
تا حجب را برکند از بیخ و بُن

(۵) تا مسبب بیند اندر لا مکان
ہرزہ داند جہد و اکساب و دکان

ترجمہ: (۱) جو مسبب (سبب بنانے والا اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے وہی لاتا ہے قدرت تمام اسباب ختم بھی کرسکتی ہے
(۲) مسبب سے ہی ہر خیر و شر پہنچتا ہے یہ اسباب و وسائل سے نہیں اے بزرگ۔
(۳) نظروں کے سامنے اسباب پردے ہیں نہ ہر نگاہ اس کی صنعت دیکھنے کے قابل ہے۔
(۴) دیکھنا چاہتا ہے تو سبب کو توڑ دے تاکہ پردے جڑ سے کٹ جائیں۔
(۵) تاکہ مسبب کو لا مکاں میں دیکھ سکو جدوجہد اور کمائی اور دکان پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے۔

نکتہ عجیبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قتل کی بالکلیہ نفی کر کے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صرف رمی کی نفی نہیں فرمائی بلکہ وہاں سرے سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی بھی نفی فرمادی ہے اور کلی طور صرف اپنے وجود کا اثبات فرمایا چنانچہ ملاحظہ ہو "وَمَا رَمَيْتَ" یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنے وجود سے کنکر نہیں مارے اِذْ رَمَيْتَ یعنی جبکہ آپ نے کنکر مارے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى " ای لکن رمیت باللہ" اس کی وجہ یہ ہے کہ رمی کے وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام تجلی پہ تھے اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ جب اپنے کسی بندے پر اپنی کسی صفت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو بندے سے اس فعل کا صدور کراتا ہے جسے اس صفت سے تعلق ہوتا ہے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ملاحظہ ہو کر جب اللہ تعالیٰ ان پہ صفت احیاء سے جلوہ گر ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام اس جلوہ کی وجہ سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے اس تقریر کو حدیث قدسی کے مضمون سے سمجھیئے کما قال تعالیٰ "كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَبَصَرًا الخ الطریق" سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صفت قدرت سے جلوا گر ہوا تو آپ نے کنکر پھینکے۔ اس قدرت کی صفت کی تجلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا اور اس حقیقت کو اپنے ارشادات اَلَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ سے واضح فرمایا۔

نکتہ دیگر جس فعل کو بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو چونکہ بندہ حوادث و آفات کا مرکز ہے اسی لئے اس کے لئے جائز ہے لیکن اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حوادث و آفات کی نسبت گوارہ نہ کرتے ہوئے ان کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور وہ ہر قسم کے حوادث و آفات سے منزہ ہے۔ ؎

(۱) ما رمیتَ اِذْ رمیتَ گفت حق
کار ما بر کارہا دارد سبق

② گر بپرانیم تیراں نے زماست
ما کماں و تیر اندازش خداست

③ تا نشد مغلوب کس ایں سر نیافت
گر تو خواہی آنطرف باید شتافت

ترجمہ ① مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ (جب تو نے کنکریاں ماریں تو نے نہیں ماریں) حق تعالیٰ نے فرمایا ہمارا کام تمام کاموں پر غالب ہے۔

② اگر ہم تیر پھینکتے ہیں تو ہم نہیں پھینک رہے ہمارے ہاتھ میں تو صرف کمان ہے حقیقی تیر انداز تو اللہ تعالیٰ ہے۔

③ جب تک مغلوب نہ ہوا اس راز کو نہ پائے گا۔ اگر اس راز کو چاہتا ہے تو اس کی طرف دوڑ۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اہل ایمان کو انعام و اکرام سے نوازے بَلَاءً حَسَنًا ط بہت بڑی اچھی عطا بخشنے یعنی فتح و نصرت اور آیات کے مشاہدات جنہیں کسی قسم کی رنج اور تکلیف وغیرہ کا اختلاط نہ ہو اور غنائم جیسی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائے۔

اعجوبہ لغویہ لفظ بلا کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے اور محنت پر بھی۔ دراصل اس کا معنٰی ہے الاختبار یعنی آزمائش پھر چونکہ آزمائش جیسے دکھ اور تکالیف میں ہوتی ہے ایسے ہی نعمتوں میں بھی تاکہ بندہ شکر کرے تو نعمت بحال رہے گی ورنہ زوال کا خطرہ۔

سوال امتحان وہ لیتا ہے جسے علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے امتحان کا اطلاق کیسا؟

جواب اللہ تعالیٰ کا امتحان عوام کے سامنے ظاہر کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

فائدہ اور لام فعل مؤخر محذوف کے متعلق ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحابہ کرام کو فتح و نصرت یا غنیمت اور اجر وغیرہ کی عنایت بطور احسان تھا ورنہ اس کی اس سے اور کیا غرض متعلق ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ۔

فائدہ یا لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ الخ کی لام رمی سے متعلق ہے اس معنے پر واؤ کا علت محذوفہ پر عطف ہے دراصل عبارت یوں تھی وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى لِيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ۔

فائدہ بلاء لِيُبْلِيَ کا اسم مصدر ہے دراصل لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ بَلَاءً حَسَنًا کذا قال الشیخ اور قاضی بیضاوی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ شے مَبْلُوٌّ بِہٖ (جس کے لئے امتحان لیا گیا) پر برانگیختہ کرنے کی خاطر مصدر لا کر مفعول مراد لیا گیا ہے گویا فرمایا کہ ولینعم علیہ نعمتہ عظیمہ۔

صوفیانہ تقریر ① کاشفی حقائق سلمی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بلاء حسن یہ ہے کہ اپنے بندوں کو نفوس فانی فی اللہ بنائے فنا کے بعد مقام ہویت پر بقاء سے نوازے۔

صوفیانہ تقریر ② حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بلاءِ حسن یہ ہے کہ مبتلا انسان عین بلاء میں محبت و پیار کا مشاہدہ کرے۔[1]

① چوں دانستی کہ ایں درد تو از کیست
زرنج خویشتن می باش خرم

② گر زند زہرت دہد بہتر ز شکر
در او زحمت نہد بہتر کہ مرہم

ترجمہ ① جب تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ درد کہاں سے آیا ہے تو پھر تو اپنی رنج سے خوش ہو۔

② اگر وہ زہر کھلائے تو شکر سے بہتر ہے اگر زخم کرتا ہے تو مرہم سے بہتر ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ثناء اور دعا کو سنتا ہے۔ عَلِیْمٌ اور ان کے ارادے اور اُن کے وہ احوال جانتا ہے جو اُن کی اجابت کا سبب ہیں۔

ذٰلِکُمْ یہ بلاءِ حسن کی طرف اشارہ ہے اور وہ محلاً مرفوع ہے اس لئے کہ وہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْھِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ کا عطف ذٰلِکُمْ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اہل ایمان کو عطایا سے نوازے اور کفار کے تمام مکر و حیلے مٹائے اور اُن کی تمام تدبیریں خاک میں ملا دے۔

حل لغات اِلْاَ یہاں بمعنے سست کرنا۔ اس کا فاعل مُوْھِنْ ہے (کذا فی تاج المصادر)
الوہن بمعنے الضعف اور الکید بمعنے المکر و حیلہ والحرب۔ اب معنےٰ یوں ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا فرول

---

[1] اس نکتہ کو مجنوں کی زبان سے سنیئے ؎

کہتے ہیں لیلیٰ کا یہ دستور تھا	بھیک دیتی در پہ جو آتا گدا
ایک دن مجنوں بھی کاسہ ہاتھ لے	جا پکارا مجھ کو کچھ للہ دے
آئی لیلیٰ اور سبھوں کو کچھ دیا	ہاتھ سے مجنوں کے کاسہ لیا
لے کے دے پٹخا زمیں پہ ایک بار	رقص میں مجنوں ہوا بے اختیار

جب یہاں نوبت پہنچی تو کسی نے مجنوں سے اعتراضاً پوچھا ؎

تب کہا مجنوں سے یہ مجنوں تمام	رقص کرنے کا تھا اس میں کیا مقام

مجنوں نے جواب دیا ؎

یوں کہا خاموش! تو عاشق نہیں	عاشق کے رمز سے واقف نہیں
یہ بلا ہرگز نہیں اک ناز ہے	یہ بھی اک معشوق کا انداز ہے
کس کے عاشق کے ہوئے بے سبب	خود بلا نازں کرے اپنا حبیب

اویسی غفرلہ

کا داؤ سست کرنے والا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر فعل کی تاثیر منجانب اللہ ہے ۔ بندہ درمیان میں صرف بمنزلہ آلہ کے ہے اس لئے ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم اپنے اور اپنے اعمال پر عجب نہ کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ الخ اپنی مہربانی اور لطف کا اظہار فرمایا ۔

فائدہ اپنے عمل صالح کو توفیق ایزدی کی طرف منسوب نہ کرتے ہوئے اسے بہت بڑا سمجھنے کو اصطلاح صوفیہ میں عجب کہتے ہیں اس لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا جیسے بہت سے دیئے ہوا سے بجھ جاتے ہیں اسی طرح بہت سے عابدوں کے اعمال صالحہ عُجب سے برباد جاتے ہیں ۔

فائدہ عُجب کرنے والے تین قسم ہوتے ہیں ۔

① وہ ہر وقت اپنے اعمال صالحہ کے گھمنڈ میں رہتے ہیں جیسے کہ معتزلہ ۔ قدریہ اسی طرح نجدیہ وہابیہ کے جملہ فرقے مثلاً غیر مقلد دیوبندی ۔ تبلیغی مودودی وغیرہ وغیرہ نھو خیرہ) وہ اپنے افعال میں اللہ تعالیٰ کی منت واحسان کو کسی قسم کا دخیل نہیں بنانے بلکہ عون الٰہی اور توفیق ایزدی اور لطف کا بسا اوقات انکار کرتے ہیں اور اُن پر عجب کا ہر وقت غلبہ رہتا ہے ۔

② بعض نیک بختوں کو عجب کا حملہ ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو مدنظر رکھ کر اس عجب کو دور کرتے ہوئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں اس طرح ان سے عجب دُور ہو جاتا ہے ایسے لوگ اعمال صالحہ پر جزاً دیئے جاتے ہیں اور انہیں گویا بصیرت سے یہ مرتبہ نصیب ہوا اور انہیں مخصوص لوگوں میں شمار کیا گیا ۔

③ کبھی عجب میں گرفتار اور کبھی عجب سے رُستگار ہوتے ہیں یہ عوام اہلسنت ہیں ان کو جب عجب کا احساس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے منت ایزدی کا دامن پکڑتے ہیں کبھی غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں تو عجب مبتلا ہوتے ہیں لیکن انکا یہ عجب عارضی ہے جو انہیں اجتہاد کی کمی اور بصیرت کے نقص کی وجہ سے لاحق ہوا ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر عمل صالح کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے بلکہ اسے لاشئے سمجھے اور یقین سے کہے کہ اگر فضل خداوندی نہ ہوتا تو وہ نیک عمل نہ کرتا اس طرح سے اس کے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر ہوگی اور اُسے اجر عظیم نصیب ہوگا ۔ نیز سالک پر لازم ہے کہ کسی وقت ایسا عمل نہ کرے کہ جس سے رضائے الٰہی میں فرق آئے اور وہ ذات حق کے لائق نہ ہو حالانکہ وہ اپنی غلطی سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے سمجھتا ہے اس سے عمل ضائع ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت گھٹ جائے گی اور پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا ۔ جو نہایت بے کار درجہ ہے ۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ کوئی شخص انگور یا کوئی اچھی شئے بازار سے پنڈکوں میں خرید کر کے بادشاہ کے ہاں تحفہ بھیجے اگر اس سے بادشاہ خوش ہوگیا تو اُسے ہزاروں روپاؤں کے انعام سے نوازے گا ۔ اگر اُسے ناراضگی سے واپس کرے گا تو اس انگور کی وہی قیمت ہوگی جو بازار میں عام بکتا ہے ایسے ہی سالک کی حالت ہے کہ اگر اس کے اعمال صالحہ کو اللہ کریم قبول فرمائے تو بیڑا پار ورنہ ویسے کا ویسا ۔

حکایت حضرت وہب فرماتے ہیں کہ سابق دور میں ایک شخص نے ستر سال عبادت کی اور ہفتہ بھر روزہ رکھتا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ سے ایک دعا مانگی لیکن اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی اس کے منہ سے نکلا کہ اگر تعالیٰ کے ہاں کچھ ہوتا تو مجھے دیتا۔ اس کی اس غلط گفتار پر اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا اور فرمایا کہ اسے کہو اے ابن آدم معمولی کمالات سے کتنا غلطی کا شکار ہوا ہے تیری وہ گھڑی بہتر تھی جس میں تو عاجزانہ منکسرانہ حالت میں مجھ سے مانگ رہا تھا تیری یہ حالت ستر سال کی عبادت سے بہتر اور اکمل تھی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے کیا فرمایا ؎

در راہِ ما شکستہ دلی می خرند و بس

بازار خود فروشی ازاں سوئے دیگر ست

ترجمہ: ہمارے راہ شکستہ دلی کی خرید ہے اور بس' بازار میں بیچ ڈال پھر ادھر چلو وہ راہ دیگر ہے۔

اے اللہ! ہمیں توفیق والوں سے بنا اور ان لوگوں سے فرما جو تحقیق کا راہ چلتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا یہ خطاب اہل مکہ کو ہے ان سے بطور تہکم کہا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب مکہ معظمہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر کہنے لگے اَللّٰھُمَّ اَنْصُرْ علی الجندین و اھدی الفئتین و اکرم الحزبین و افضل الدینین " اے اللہ ہم میں بلند قدر لشکر اور زیادہ ہدایت یافتہ اور دو گروہوں کا محترم ترین اور افضل دین والے کو فتح و نصرت عطا فرما۔

ابوجہل کی دعا مروی ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن دعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ افضل الفریقین واحقہما بالنصر۔ اَللّٰھُمَّ ایّنا اقطع للرحم وافسد للجماعت فاھلکہ " اے اللہ جو دو گروہوں سے افضل اور انہیں سے جو فتح و نصرت کا زیادہ حقدار ہو اسے فتح و نصرت عطا فرما اور ہم میں جو قطع رحم کرنے والا اور جماعت میں انتشار پھیلانے والا ہے اسے ہلاک کردے۔ اس بدبخت نے انتہائی حماقت سے اپنے لئے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اس کی قبول کرلی کہ بدر میں عفراء کے دو بیٹوں عوذ اور معاذ نے اسے جان سے ماردیا۔ اور اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سر کاٹ دیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو اگر علی الجندین کے لئے فیصلہ مانگتے ہو۔

فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو یہ فیصلہ تمہارے اوپر آچکا حالانکہ تمہارا گمان تھا کہ تم اعلیٰ ہو۔ تہکم فتح کے آنے میں کیا گیا ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے اوپر ہزیمت اور قہر الٰہی اور رسوائی آچکی اس معنیٰ پر تہکم نفس فتح میں کیا گیا ہے اس لئے کہ رسوائی و ہزیمت کی ضد بتا کر انہیں جواب دیا گیا۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا اور اگر تم کفر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمن سے باز آجاؤ **فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لئے بہتر ہے اس جنگ سے جس کا تم نے مزہ چکھا اس لئے کہ اس میں قتل و قید سے سلامتی و عافیت ہے مبنی اعتبار اس الخیریۃ کا مفضل علیہ میں ہے اسمیں بھی تہکم ہے۔ **وَاِنْ تَعُوْدُوْا** اور اگر تم پھر شرارت کے لئے لوٹے **نَعُدْ** ہم بھی سزا کے لئے عود کریں گے اور اہل اسلام کی مدد کریں گے **وَلَنْ تُغْنِيَ** اور ہرگز دفع نہ کرے گا۔ **عَنْكُمْ** تم سے **فِئَتُكُمْ** تمہارا جتھا۔ یعنی تمہارا وہ لشکر جسے تم نے اہل اسلام کو شکست دینے کے لئے

جمع کیا اور ان سے مدد چاہتے ہو ۔ شَیْئًا کوئی شے تمہارے بچانے کے لئے یہ شیئًا منصوب علی المصدریۃ (مفعول مطلق) ہے یا تمہارا جتھا تمہارے سے کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں ہٹا سکے گا اس معنے پر شیئًا منصوب علی المفعولیۃ (مفعول بہ) ہے ۔

وَلَوْ كَثُرَتْ لا اگرچہ وہ تمہارا جتھا تعداد میں ہی بہت ہو ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مدد کرتا ہے چنانچہ بدر میں مدد فرمائی ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نجات ایمان واسلام اور امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ہے اور باطل کا انجام برباد اور ہلاکت ہے اگرچہ اسے کتنا ہی مہلت مل جائے ۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ ؎

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش

کہ تبلیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا اے دل خوش رہ اس لئے دیو کا مکر و حیلہ سلیمان کے سامنے نہ چلے گا ۔

ولی اللہ کا دشمن اولیاء اللہ کی دشمنی ایسے ہے جیسے انبیاء کی دشمنی لیکن بفضلہ تعالیٰ ہر دونوں حضرات اپنے دشمنوں پر فاتح وکامران رہتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نہ انہیں بھلاتا ہے اور انہیں ایسے بیکار چھوڑتا ہے ۔

حکایت حضرت دانیال علیہ السلام ایک کنوئیں میں ڈالے گئے ۔ آپ پر ایک درندہ ڈالا گیا ۔ درندہ جاتے ہی آپ کو چاٹنے لگا اور آپ کی خوشامد کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ حاضر ہوا اور اوپر سے کہا گیا اے دانیال! آپ نے پوچھا کون؟ عرض کی انا رسول ربك الیك ارسلنی علیك بطعام " میں تیرے رب کا قاصد ہوں اور آپ کے ہاں طعام لایا ہوں ۔ آپ نے پڑھا الحمد للّٰہ الذی لا ینسی من ذکرہ شکرا للہ کا جو اپنے کو ذکر کرنے والے کو نہیں بھلاتا ۔ ؎

واذا السعادۃ لاحظتك عیونها

انم فالمخاوف کلهن امان

واصطد بها العنقاء فهی حبالة

واقتد بها الجوزاء فهی عنان

ترجمہ: اور جب سعادت کی نگاہ تمہیں نوازے تو پھر سو جا اور کسی شے سے خوف نہ کھا بلکہ تمام تکالیف تیرے لئے امان بن جائیں گی اور عنقا کو شکار کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سعادت تمہیں اسی کے طور نصیب ہوتی ہے اور اسی سے تم جوزا تک چلے جاؤ اس لئے کہ یہی سعادت تمہیں باگ کے

طور عنایت ہوئی ہے۔

حکایت الماوردی نے ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے قرآن مجید سے فال نکالی تو یہ آیت شریف نکلی "**واستفتحوا وخاب کل جبار عنید**" اس نے قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ شعر پڑھا ؎

اتوعد کل جبار عنید
فها انا ذاك جبار عنید
اذا ماجئت ربك يوم حشر
فقل يا رب مزقني الوليد

ترجمہ: کیا تم ہر جبار عنید کو ڈراتا ہے سن لے اے قرآن میں بھی جبار عنید ہوں پھر جب میں قیامت میں حاضر ہونگا تو تو اپنے رب سے کہنا کہ ولید نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔

اس بدبخت کو تھوڑے دنوں کے بعد قتل کر کے اس کے اپنے محل پر سولی پر چڑھایا گیا پھر اس کے سر کو اتار کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا۔

مسئلہ قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں سورۃ مائدہ میں لکھا کہ قرآن مجید سے فال نکالنا حرام ہے اسی طرح قرطبی نے طرطوشی سے نقل کر کے انہوں نے بھی حرمت کا فتویٰ دیا لیکن حنابلہ کے ابن بطہ نے اسے مباح بتایا بعض فقہا کراہت کا فتویٰ صادر کرتے ہیں (کذا فی حیوۃ الحیوان للامام الدمیری رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ **اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا** یعنی اگر صدق و اخلاص اور ترک ماسوی اللہ کی کنجی سے طلب تجلی میں اگر تم قلوب کو کھولنا چاہتے ہو **فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ** تو تمہیں تجلی حق سے فتح نصیب ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور ازلاً و ابداً تجلیات سے اپنے بندوں کو نوازتا ہے اسے کسی قسم کا تغیر نہیں ہاں اس کی مخلوق کے احوال میں تغیر ہے اس لئے کہ جب ان کے دل بند ہوتے ہیں تو تجلی حق سے محروم ہوتے ہیں اور جب ان کے دل کے دروازے کھلتے ہیں تو تجلیات حق سے نوازے جاتے ہیں۔ **وَاِنْ تَنْتَهُوْا** طلب حق میں غیر اللہ سے رک جاؤ **فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** وہی تمہارے لئے بہتر ہے **وَاِنْ تَعُوْدُوْا** اور اگر تم دنیا اور اس کی لذات و شہوات اور اس کے نقش و نگار اور ماسوی اللہ کی طرف جھکو گے۔ **نَعُدْ** تو ہم بھی تمہیں تمہارے نفس کی رسوائی اور اس کی خواہشات اور خواہشات کے اسباب اور نفس کے صفات کے غلبات میں مبتلا کریں گے۔

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا اور جتھا تمہیں نہیں بچا سکے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے الطاف و کرم کے مقابلہ میں اگر دنیا و آخرت **وَمَا فِيْهَا** پیش کرو تو شان حق کو نہیں پا سکتے **وَلَوْ كَثُرَتْ** یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی آخرت و دنیا کی بے شمار نعمتیں تمہیں نصیب ہوئی ہیں لیکن جو کچھ اللہ کریم نے اپنے خواص اولیاء پر انعامات فرمائے ہیں ان کے

بقیہ ۳۱۶

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے

قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے بے شک سب جانوروں میں بدتر

اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ

اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اگر اللہ ان میں کچھ

فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں

لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل

وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ

ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص

ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے ملک میں دبے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں

تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

اچک نہ لے جائیں تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

زور دیا اور ستھری چیزیں روزی دیں تمہیں کہ کہیں تم احسان مانو اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ

اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے اور اللہ

اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

کے پاس بڑا ثواب ہے

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو اور رُوگردانی نہ کرو۔ وَلَا تَوَلَّوْا دراصل تتولوا تھا ایک تا حذف کردی گئی ہے تولّٰو بمعنے اعراض یعنی رُو بگردانیدن (منہ پھیرنا) عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

سوال یہاں عنہما ہونا چاہئیے تھا؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ رسول پاک کی اطاعت حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (اس سے پرویزی، چکڑالوی ٹولہ عبرت پکڑیں جبکہ وہ طاعت رسول کو طاعت الٰہی کا غیر سمجھتے ہیں۔

وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۚ حالانکہ تم سنتے ہو کہ قرآن مجید میں باربار نہیں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت تمہارے لئے ضروری ہے اور بے شمار وعظ بلکہ سخت زجر و توبیخ کی جاتی ہے ان کی مخالفت سے تمہیں سخت نقصان ہے ان کی ہر بات کی تصدیق کرو اور ان کے ہر قول کو صدق دل سے سمجھو اور مانو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا امر و نہی کی مخالفت کر کے نہ ہو جاؤ كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا ان لوگوں جیسے جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور مانا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ حالانکہ وہ سنتے تو ہیں لیکن مانتے نہیں اور وہ سنتے اس لئے ہیں کہ وہ سن کر ان کی

بقیہ ۳۱۴ سے آگے

مقابلہ میں تمہارے اوپر عطا کردہ نعمتیں عشر عشیر بھی نہیں وَاِنَّ اللّٰهَ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے الطاف کریمانہ سے مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ان اہل ایمان کے ساتھ جو ان مقامات عالیہ پر فائز اور جو ان مقامات کے طالب ہیں اور معیت خاصہ کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان مقامات پر اپنے فضل و کرم سے پہنچایا ہے وہ اپنی ذاتی قدرت و طاقت سے ان مقامات پر نہیں پہنچے (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

تردید کریں اور کھلکر رُو گردانی کریں جیسے کافروں نے کہا کہ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ہم نے سُن کر نا فرمانی کی یا جیسے منافقین نے کیا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات تہ دل سے مانتے ہیں حالانکہ وہ صرف زبان سے ایسے کہتے تھے ورنہ اُن کے دل تو کفر و تکذیب سے لبریز تھے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) نیست را چہ خوانده چہ ناخوانده
ہست پائے او بگل درمانده

(۲) گر سرش جنبد بسیر باد رو
تو بسر جنبانیش غره مشو

(۳) آں سرش گوید سمعنا اے صبا
پائے او گوید عصینا خلنا

ترجمہ: (۱) نیست کو پڑھو یا نہ اس کی ہستی کے پاؤں کیچڑ میں ہیں۔
(۲) اگر اس کا سر ہلتا ہے تو ہوا کی سیر کے ساتھ جا لیکن اس کے سر ہلانے پر غرہ نہ ہو۔
(۳) اس کا سر کہتا ہے اے صبا ہم نے سُن لیا لیکن اس کے پاؤں کہتے ہیں ہم نے نافرمانی کی۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ بے شک سب جانوروں سے بدتر یعنی وہ شے جو زمین پر چلتی ہے یہاں پر دابۃ کا لفظ اپنے لغوی معنے پر محمول ہے یا بمعنے شرالبہائم ہے۔ اس معنے پر لفظ دابۃ عرفی معنے پر محمول ہوگا اس لئے کہ عرف میں دابۃ ہر اُس جانور کو کہا جاتا ہے جو چارپایہ ہو خواہ وہ بری ہو یا بحری عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی اس کی قضا و قدر کے حکم کے سامنے الصُّمُّ وہ بہرے ہیں یعنی وہ ایسے ہیں جو حق کو سُن کر قبول نہیں کرتے الْبُكْمُ گونگے ہیں یعنی ایسے ہیں کہ جو حق کی بات نہیں کرتے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وہ ایسے ہیں جو حق کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہائم میں داخل کر کے اُن کے شر کا تعارف کرایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ اپنے گمراہی کے لحاظ سے باقی مخلوق سے نمایاں ہیں۔

سوال جب انہیں صم و بکم کہا گیا تو پھر لا یعقلون کہنے کا کیا فائدہ جبکہ اصم و ابکم ہوتا بھی وہی ہے جو لا یعقل ہو؟

جواب گونگا بہرہ بات کو سمجھ لیتا ہے بلکہ وہ باتوں کو نہ صرف سمجھ لیتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اشارہ و کنایہ سے سمجھا لیتے ہیں وہ عقل کی دولت کھو بیٹھے جیسے کفار و مشرکین اور منافقین کی عقل ماری گئی تو ایسا انسان شرارت و بدحالی میں بدترین مخلوق ہوتا ہے پاگلوں اور مجنونوں کی کیفیت سب پر عیاں ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

(۱) بہائم خموشند و گویا بشر
پراگنده گو از بہائم بتر

(۲) بنطق است و عقل آدمی زاده فاش
چو طوطی سخن گوئی و ناداں مباش

ك یہ آیت وہابیہ دیوبندیہ کے اعتراض ولو کنت اعلم الغیب الخ کے جواب میں ہم الزامی طور پیش کرتے ہیں۔ فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے

ترجمہ (۱) جانور خاموش اور انسان ناطق (بولنے والا) ہے غلط اور بکواس کرنے والے سے جانور بہتر ہیں۔

(۲) بولنے سے اور عقل سے آدمی کا جوہر کھلتا ہے طوطی کی طرح بول اور نادان نہ ہو۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں کچھ بھلائی جانتا۔ یعنی بھلائی کی جنس منجملہ اس کے ان کا حق کی باتوں کے لئے سوچ وبچار اور ہدایتِ حق کی اتباع میں ہے لَأَسْمَعَهُمْ تو انہیں سنا دیتا یعنی انہیں حق قبول کرنے کا فہم وتدبر بخشتا۔ جس سے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے باخبر ہوجاتے اور ان کی اطاعت کرتے ان پر ایمان لاتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ اس دولت سے محروم ہیں اس لئے انہیں حق کی باتیں نہ سنائیں کیونکہ انہیں بلا وجہ ایسے ہی سنا دیتا تو بے سود اور حکمت سے خالی بات ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔

علم الٰہی کی نفی کا جواب ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہاں پر علم الٰہی کی نفی نہیں بلکہ عدم استقرار الخیر کو نفی علم سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ لازمی امر ہے کہ جو شئے فی الواقع ہوگی تو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو دوسرے سے ہی نہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا کیا تعلق۔ اس عدم الشئی کو عدم علم سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا جاتا ہے اور عرب میں ایسا کلام بلیغ تر سمجھا جاتا ہے۔ اس تقریر سے مطلب صاف ہوجاتا ہے کہ نہ انہیں بھلائی تھی نہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق قبول کرنے کی توفیق بخشی

سوال اگر لَوْ كَانَ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ کہا جاتا تو کلام مختصر ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض بھی پیدا نہ ہوتا۔ اس طرح سے مطلب مذکور بھی واضح ہے۔

جواب اگرچہ مقصود اس جملہ سے واضح ہوجاتا ہے لیکن کلام بلیغ تر نہیں بنتا اس لئے کہ معانی کا قاعدہ پہلے عرض کیا گیا ہے وہ جملہ مذکورہ میں نہیں پایا جاتا اور کلام میں بلاغت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب لازم کی نفی کی جائے شئے یا شئے کی جنس کی نفی سے کلام بلیغ ترین نہیں بنتا اس لئے کہ لازم شئے کی نفی کرنے سے مقصود بھی واضح ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ دلیل اور بینہ بھی قائم ہوجاتا ہے کہ جسے منکر سن کر تسلیم پر مجبور ہوجاتا ہے اس لئے کہ آیت کا مجموعہ وَلَوْ علم اللہ الخ وَلَوْ كَانَ فيهم الخ سے بلیغ تر ہے (وہو المقصود)

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں فہم وتدبر کا موقعہ بخشتا تو بھی وہ اپنی فطرت کے ہیشں نظر کہ وہ [illegible] سے بالکل محروم ہیں ان کا انجام کار یہ ہوتا کہ لَتَوَلَّوْا حق کو سن کر روگردان ہوجاتے اور اس سے کلی طور نفع حاصل نہ کرتے یا یہ کہ تصدیق کے بعد مرتد ہوجاتے اور ایسے ہوجاتے کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔

وَهُمْ مُعْرِضُونَ یعنے وہ روگردان کرجاتے اور ایسے ہوجاتے اور ان کا حال یہ ہوتا کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں اس لئے کہ نبوت کے عناد سے ان کے دل بھرے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ جسے شقاوت مقدر ہو تو اثنائے سلوک میں متابعت اور اللہ تعالیٰ اور اس کی طلب سے روگردانی کرکے دنیا اور اس کے نقش ونگار میں دل لگا دیتا ہے۔

فائدہ انسان احسن تقویم کے ساتھ پیدا کیا گیا تاکہ تربیت و ترقی کے قابل اور اس کمال کا مستعد ہو جائے جہاں پر ملک مقرب کی رسائی نا ممکن ہے پس وہ ابتداءً تخلیق ہی حیوان سے تو بلند قدر تھا لیکن مرتبہ میں ملک سے گھٹیا مگر شریعت کی تربیت سے ملک سے بڑھ کر خیر البریہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے جبکہ یہ شریعت کی مخالفت اور خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو حیوان سے بھی درجہ گھٹ جاتا ہے اس بناء پر اسے شر البریہ کہا جائے تو جائز ہے جب ایسا شخص جسے ملک سے بھی افضل واکمل ہونا تھا لیکن شامتِ اعمال اور شریعت کی مخالفت سے حیوان گھٹ گیا تو لائق ہے کہ اسے بہائم سے بھی بدتر کہا جائے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ نہ امر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرے اور نہ شریعت کی مخالفت حالانکہ حیوان بے عقل ولا شعور ہیں لیکن وہ بھی حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے پھر انسان ہو کر کیوں نہ سر جھکائے۔

معجزہ واختیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے کہ آپ کے ہاں ایک مرد حاضر ہوا اور عرض کی حضور! میرا ایک باغ ہے جس میں میری اور میرے بچوں کی بسر اوقات ہے اس میں میرے دو اونٹ بھی ہیں الناضح ہر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر پانی لاد کر زندگی کا گذارہ کیا جائے لیکن اب وہ دونوں اونٹ مجھے بلکہ کسی کو باغ میں نہیں جانے دیتے اور نہ ہی اپنے قریب کسی کو پھٹکنے دیتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر باغ میں تشریف لائے اور باغبان کو فرمایا۔ اس کا دروازہ کھول دے ہم باغ کے اندر جاتے ہیں۔ اس نے عرض کی باغ کے اندر دو اونٹ بڑے خطرناک ہیں آپ نے فرمایا تم دروازہ کھولو پھر میں جانوں اور اونٹ۔ جب باغبان نے دروازہ کھولنا شروع کیا تو اونٹوں نے آواز سنی تو حسبِ عادت بھاگ کر دروازہ کے قریب آ گئے لیکن دروازہ کھلتے ہی جونہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو گھٹنوں کے بل گر حضور نبی پاک کو سجدہ ریز ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور انہیں پکڑ کر ان کے مالک کے ہاتھ میں دیدیئے اور فرمایا ان سے خوب کام لے لیکن ان کی خدمت رہنا رہ پانی وغیرہ میں کمی مت کرنا صحابہ کرام نے یہ حال دیکھ کر عرض کی حضور! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو جانور سجدہ کریں اور ہم محروم رہیں ہمیں بھی سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے آپ نے فرمایا سجدہ صرف حی وقیوم کے لئے ہے اگر میں سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو فرماتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

سبق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن امور پر عمل کرنے اور جن سے روکیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سر تسلیم خم کریں ہمارے لئے لائق نہیں کہ ہم پوچھتے پھریں کہ اس امر میں کیا حکمت ہے اور فلاں بات سے

لہ جیسے آیت کے ظاہر سے علم الٰہی کی نفی پر تاویل ضروری ہے ایسے ہی جہاں بظاہر نبی علیہ السلام کے علم کی نفی ہوتی ہے وہاں بھی تاویل لازم اس لئے کہ نبوت الوہیت کا جلوہ (مظہر) ہے بلکہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بے مثل مظہر اتم ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

کیوں رد کا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ہم تو اُن کی ہر بات پر سر تسلیم خم کریں اسی میں ہماری نجات اور اسی میں ہماری کامیابی ہے ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ناطے اپنے نبی علیہ السلام کے قول میں کیوں چہ میگوئی کرے جب وہ دیکھتا ہے کہ طبیب جب بیمار کو کہتا ہے کہ فلاں دوائی تیرے لئے مفید اور فلاں مضر ہے تو بیمار طبیب سے حکمتیں نہیں پوچھتا بلکہ آنکھ بند کرکے وہ دوائی لیتا ہے اور جس سے وہ روکتا ہے تو وہ اس سے کوسوں دُور بھاگتا ہے حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے

اِنَّہٗ علیہ السلام مکاشِفٌ مِنَ الْعَالِمِ بِجَمِیْعِ اسرارِ والحکم کما اَخبر عَنْ نَفْسِہٖ وقال فَعلِمتُ علم الاولین والاخرین [1]

ترجمہ: بے شک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے تمام اسرار و رموز اور حکمتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ خود فرمایا کہ میں نے اولین و آخرین کا علم جان لیا۔

تفسیر صوفیانہ انسان کو سلب آدم سے نکال کر مقام الست سے اسفل سافلین کی طرف دھکیلا گیا پھر اسے دعوت دی گئی کہ وہ جدوجہد کرکے اعلیٰ علیین کو پہنچے جتنا کہ اس کے مقدر میں ہے اتنا جدوجہد کرے لیکن اعلیٰ علیین تک پہنچنا صرف دو طریقوں سے ممکن ہے۔

(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و عقیدت یہاں تک کہ کائنات کی ہر شے آل و اولاد۔ ماں باپ بلکہ اپنے نفس سے بھی حضور علیہ السلام کو محبوب تر سمجھے۔

(۲) جملہ اُمور میں اُن کی تابعداری کرے اور جن اُمور سے روکا ہے اُن سے رُک جائے انہی دو طریقوں سے حضور علیہ السلام سے مناسبت نصیب ہوگی تو آپ کی متابعت کی برکت سے عروج کرسکے گا۔

فائدہ آپ کی محبت کی علامات میں سے ایک علامت قرآن کی قرأت و تلاوت کی بھی ہے۔ ورنہ ایسے شخص کو بھی حضور علیہ السلام کی متابعت سے روگردان سمجھا جائے گا جو قرآن سے محبت نہیں کرتا وہ آپ کی محبت کی علامت سے فقر و زہد فی الدنیا اختیار کرنا بھی ہے۔

کیں جہاں جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنیں مُردار چوں باشم حریص

ترجمہ: جو یہ جہاں مردار اور بدبودار ہے ایسے مردار پر میں کیوں حریص بنوں۔

اے اللہ ہمیں جمیع مہالک سے بچا اور ہمیں خیر المسالک پر چلنے والوں سے بنا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا کہا مانو یعنی اُن کی اطاعت کرو اِذَا دَعَاکُمْ جب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں بلائیں۔

سوال دَعَاکُمْ میں صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام کیوں نہیں لیا۔

---

[1] رُوح البیان ص۳۳۸ ج ۱ مطبوعہ قدیم (اُویسی غفرلہٗ)

[2] اس سے منکرینِ حدیث پرویزی چکڑالوی ٹولہ کا رد ہے کہ وہ قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہیں۔ ۱۲

جواب تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوتِ اسلام دنیا درحقیقت یہ بھی امرِ ربانی ہے اس لئے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے ۔

فائدہ دعا دیناؤ سے معنے اسلامی احکام کی دعوت دینا ۔

لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ لام بمعنے الی ہے یعنی وہ دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ زندہ کریں ۔ حضور علیہ السلام کا زندہ کرنا کئی قسم ہے منجملہ اُن کے آپ کا علوم کے ذریعے مُردہ دلوں کو زندہ کرنا ہے اس لئے علم قلب زندگی اور جہل اُس کی موت ہے کسی شاعر نے کہا ہے

لا تعجبن الجهول حلته

فذاك ميت وثوبه كفن

ترجمہ: جاہل کی زرق برق پوشاک سے تعجب نہ کیجئے اس لئے کہ وہ مردہ ہے اور یہی کپڑے اس کا کفن ہیں ۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے

① جاہلیکہ بعلم زندہ نشد
مَیّتش داں و مسکنش مدفن

② ازجازہ نشان جنازۂ او
جامہائے تنش بجائے کفن

ترجمہ: ① وہ جاہل جو علم سے زندہ نہ ہوا اُسے مردہ جان کہ اس کی سکونت گورستان ہے ۔

② اس کی چارپائی جنازہ کا نشان ہے اس کے کپڑے جسم پر کفن ہیں ۔

علم کی فضیلت حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے مُردہ دل کو علم سے زندہ فرماتا ہے جیسے ویران زمین کو بارش کے قطرات سے سرسبز کرتا ہے ۔

مسئلہ علم سے دینی فنون جیسے تفسیر و حدیث اور اصول فقہ فقہ اور علم میراث وغیرہ مراد ہیں ۔ ؎

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: دین کا علم صرف فقہ و تفسیر و حدیث ہے جو ان کے سوا پڑھتا ہے وہ خبیث ہے ۔

مسئلہ عقائد و اعمال صالحہ بھی انہی میں شامل ہیں جو دائمی نعمتوں کا مستحق بنا کر دائمی زندگی بخشتے ہیں ۔

مسئلہ جہاد بھی انہی سے ہے اس لئے کہ وہ بھی بقا کا سبب ہے اگر اُسے ترک کر دیا جائے تو دشمن غلبہ پا

لہ اس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے اختیار کے منکر ہیں اور ان کے احیائے الموتیٰ باذن اللہ کا بھی انکار کرتے ہیں ۱۲ اُویسی غفرلہ

جاتا ہے بلکہ صفحۂ ہستی سے ختم کردے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔

مسئلہ آنہی شہادۃ ہے اس لئے کہ شہداً اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ خواہ وہ کفار کی تلوار سے شہید ہوں یا ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ قویہ سے ؎

(۱) دانۂ مردن را شیریں شد است
بل ھُم احیاء پے من امداد است

(۲) اقتلونی یا ثقاتی لائما
ان فی قتلی حیاتی دائما

ترجمہ (۱) جوانمردوں کا دانہ میٹھا ہے بلکہ وہ زندہ ہیں میری طرف سے انہیں امداد ہے۔

(۲) اے دوستو مجھے قتل کر ڈالو اس لئے کہ مجھے قتل کے بعد دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

موت فنا عن الکل کا نام موت اور بقاء بنور اللہ تعالیٰ کا نام حیات ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ اور یقین کرو اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے دل کے درمیان میں حائل ہوتا ہے۔

قاموس میں ہے ہر وہ شے جو دو چیزوں کے درمیان آڑ بنے اس کے لئے کہتے ہیں حال بینھما یعنی وہ شے ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی

تقاریر برائے يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (۱) اس میں بندے و مولیٰ کے غایت قرب کی تمثیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس کے دل سے بھی قریب تر ہے اس لئے کہ جو شے کسی دوسرے شے کے درمیان حائل ہوتی ہے تو وہ بہ نسبت دوسری شے کے اقرب ہوتی ہے اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قلب کے تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہے ہم اپنی غفلت سے جن اُمور سے بے خبر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دُعا میں عرض کرتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اے اللہ میرے وہ امور بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

(۲) اس سے بندے کو برانگیختہ کرنا مراد ہے کہ وہ اپنے جملہ اُمور خالص مخلص ہوکر سرانجام دے اور قلب کو ہر وقت صاف رکھے قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو۔ موت دے کر یا آفات و بلیات میں مبتلا کر کے گویا بندوں کو کہا گیا کہ اے مومنو علام الغیوب کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات پر فرصت کے ضائع ہونے سے پہلے پابندی کر کے تصفیہ قلوب و تزکیۂ نفوس کرو۔ ورنہ فرصت کو تم نے غنیمت نہ سمجھا اور وقت ضائع کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے اسباب پیدا فرمائے گا جن سے بندے کو اپنے قلب کی اصلاح نہیں ہو سکے گی اس طرح سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نافرمانی میں موت واقع ہوگی۔

③ حیولتہ القلب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے قلب کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اس پر غلبہ پاکر اس کو اپنے عزائم و مقاصد پر پورا نہیں اترنے دیتا۔ مثلاً اگر وہ بندے کے لئے سعادتمندی کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اسے کفر کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اگر کسی بدبخت کے لئے اللہ تعالیٰ شقاوت چاہتا ہے (معاذ اللہ) تو اسے ایمان کی دولت سے دُور رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی دُعا میں بکثرت عرض کرتے یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلبی علیٰ دینک اے قلوب و ابصار کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ اور بندے کا امن و خوف سے اور ذکر کو نسیان سے بدل دیتا ہے اسی طرح اُس کے جملہ امور سعادت کے شقاوت سے بدل دیتا ہے اس لئے کہ اُس نے فرصت کو غنیمت نہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نشانہ بن گیا۔ (معاذ اللہ)

فائدہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ علماً کا کام ہے کہ وہ اپنے قلوب کی نگہداشت رکھیں لیکن عرفا دل کی نگرانی سے گذر کر ذات حق کی تلاش میں رہتے ہیں اس لئے علماً کے لئے وَلِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ میں اشارہ فرمایا اور عرفا کے لئے يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ لیکن عرفا یا علماً ابتدائے سلوک میں قلب کی نگہداشت ضروری ہوتی ہے لیکن منتہی کے لئے وہی دل دیدار الٰہی کے لئے حجاب بن جاتی ہے اس لئے منتہی اپنے سلوک کی آخری منازل پر قلب سے بھی بیزار ہو جاتے ہیں ؎

زین پیش ہمی دیدمش اندر دل خویش
دل نیز حجاب بود برداشت ز پیش

ترجمہ: اس سے پہلے میں نے اسے اپنے دل میں دیکھا پھر دل بھی حجاب نظر آیا تو اسے بھی آگے سے ہٹایا۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے صفات سے بندے اور اس کے دل کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے قلب کے شیشے اور ظلماتی اوصاف کے درمیان خود حائل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے خوش نصیب سے ظلمات کوسوں دُور رہتے ہیں پھر اس کا ہر فعل و قول انوار جلال و جمال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

وَاَنَّهٗۤ اور جانو کو بے شک اِلَيْهِ اللہ تعالیٰ کی طرف تُحْشَرُوْنَ تم اٹھائے جاؤ گے اور جمع ہو کر اس کے حضور میں پیش ہو گے تو تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا اگر نیکی ہوگی تو بھلائی ہے ورنہ عذاب کوڑے پڑیں گے اس لئے اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت میں جدوجہد کرو اور اُن کے فرمان پر چلنے میں کوتاہی نہ کرو۔

نکات صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی استجابت سرائر میں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استجابت ظواہر میں یا استجابت الٰہی یہ ہے کہ ارواح کو شہود کے لئے اور قلوب کو شواہد کے لئے اور اسرار کو مشاہد

لہ یہی راز ہے جس سے وہابی۔ دیوبندی۔ مودودی وغیرہ بے خبر ہو کر شان ولایت و نبوت سے عداوت رکھتے ہیں اور ہمیں انہی کی وجہ سے کوستے ہیں۔ یاد رہے کہ اس بنا پر ایسی تفاسیر کے منکر بھی ہیں۔ (۱۲ اویسی غفرلہٗ)

کے لئے اور خفی کو فنا فی اللہ کے لئے تیار کرو۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع یہ ہے کہ اقوال و احوال و افعال میں صرف انہی کی تابعداری کرو۔

شانِ رسالت بہ انتباہ الوہیت مروی ہے کہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام سے بلایا نماز جلدی پڑھ کر حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اتنی دیر کیوں؟ عرض کی میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں فرمان ایزدی معلوم نہیں۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ یعنی تمہیں نماز چھوڑ کر میرے ہاں حاضر ہونا تھا۔ (سبحان اللہ کتنا ارفع و بلند شان ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ لیکن ؎

آنکھ والا تیری رفعت کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

؎ خدا جانے رسائی مصطفےٰ ہے کہاں سے اور کہاں تک ہے
وہی تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے)

مسئلہ اسمیں فقہا کرام نے اختلاف کیا ہے کہ نماز کے اندر کسی کے بلانے پر نماز توڑنا جائز ہے یا نہ بعض فقہا نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے کے لئے نماز توڑنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے اور نماز ایک عمل کو ضائع کرنا ہوتا ہے اور ابطال اعمال حرام ہے۔

مسئلہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ نماز ہر اس ضرورت کے لئے توڑنا جائز ہے کہ جس میں تاخیر مضر ہو مثلاً کسی کو دیکھے کہ وہ چھت سے گر جائے گا یا آگ میں جل مرے گا یا پانی میں ڈوب جائے گا ایسے مواقع پہ نماز توڑنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اگرچہ فرض ادا کر رہا ہو یا نفل پڑھ رہا ہو (غنیۃ الفتاوی)۔

مسئلہ نوافل پڑھنے والے کو ماں بلائے تو ماں کے لئے نفلی نماز توڑنا جائز ہے۔

مسئلہ باپ کے لئے نوافل توڑنا جائز نہیں اس لئے کہ ماں کے حقوق بہ نسبت باپ کے زائد ہیں اس لئے کہ ماں بیٹے کی پرورش میں بہت زیادہ دکھ اٹھاتی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ماں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ **الجنۃ تحت اقدام الامہات** بہشت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یعنی ماں کی خدمت و تواضع بہشت کے داخلہ کا سبب ہے۔

مسئلہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ عزت و احترام میں باپ کو اور خدمت و تواضع میں ماں کو ترجیح ہے یہاں تک کہ اگر ماں باپ اکٹھے تشریف لائیں تو عزت و احترام کے لئے پہلے باپ کے لئے پھر ماں کے لئے اٹھے۔

مسئلہ امام طحاوی نے فرمایا اگر نوافل پڑھ رہا ہے اور ماں باپ جانتے ہیں کہ وہ نماز میں ہے تو بھی بلائیں۔ اگر چاہے تو نماز توڑ کر انہیں جواب دے ورنہ حرج نہیں۔ اگر ان کی نماز نفل کے انہیں علم نہیں تو پھر توڑ دے۔

ے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ ے اضافہ اویسی غفرلہ)

مسئلہ فرائض پڑھنے والا کسی حالت میں بھی ماں باپ کے لئے نماز نہ توڑے۔ ہاں اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر اسے پکاریں تو بلا ضرورت نماز نہ توڑے یہی نفلی روزے کے احکام ہیں کہ اگر اُسے زوال سے قبل نفلی روزے توڑنے پر مجبور کرے تو نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے اگر زوال کے بعد کوئی مجبور کرے تو نفلی روزہ نہ توڑے۔ ہاں اگر روزہ نفلی توڑنے میں والدین کی نافرمانی لازم آتی ہو تو پھر زوال کے بعد بھی نفلی روزہ توڑنا جائز ہے (کذا فی شرح النخفہ والوقایہ)۔

مسئلہ قضا روزے توڑنا ہر حالت میں مکروہ ہے (کذا فی الزاہد)

مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں اولیاء، علماء، اُدباء، اُمناء کی اطاعت بھی شامل ہے اس لئے کہ وہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث اور آپ کے راستہ میں چلنے والے ہیں ان کا طریقہ بھی درحقیقت رسول پاک کا وطیرہ[1] ہے۔

سبق جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اسے مُرشد کامل کا دامن پکڑنا ضروری ہے یعنی وہ عارف کامل جو مقامات و مراتب ولایت کو طے کر چکا ہو ایسے شیخ کی ہر بات کے سامنے سر جھکانا ضروری ہے خواہ اس پر عمل کرنے میں اسے رنج پہنچے یا خوشی۔ یاد رہے کہ یہ طریقہ عقل سے نہیں بلکہ کشف و الہام سے نصیب ہوتا ہے۔ ؎

گر در سرت ہوائے وصالست حافظا

بایدکہ خاک درگہ اہل نظر شوی

ترجمہ: اگر تیرے سر میں وصال کی خواہش ہے تو اے حافظا چاہیئے کہ اہل نظر کی درگاہ کی خاک ہو جا۔

فائدہ اہل طریقت تین ہیں۔

① عبّاد۔

② مریدین۔

③ عارفین۔

عبّاد کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ میں لگے رہیں زنا اور گمراہی سے بچیں۔

مریدین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تمام غلط روّیوں سے اپنے باطن کو پاک و صاف رکھیں اور مشاغل دنیا سے دُور رہیں۔

عارفین کا طریقہ یہ ہے کہ قلب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور دُنیا و آخرت کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر نثار کر دے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمستجیبین للدعوۃ الحقیقہ وَارْزُقْنَا من حلاوۃ الاسرار المحققہ

(ترجمہ) اے اللہ مجھے اپنی دعوت حقیقہ قبول کرنے والوں سے بنا اور اسرار محققہ کی حلاوت عطا کر (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ج اور ڈرو اس فتنہ سے کہ تم میں خاص ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

---

[1] اس سے غیر مقلدین وہابی ٹولہ کا رد ہو گیا کہ وہ اولیاء و فقہا کا علیحدہ طریقہ بتا کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ (اُویسی غفرلہٗ)

شانِ نزول اور علم غیب نبوی مدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہ آیت حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر دی کہ ان دونوں کی وجہ سے ایک ایسا فتنہ پھیلے گا کہ اس میں نہ صرف ظالم مبتلا ہوں گے بلکہ مظلوم بھی اور یہ فتنہ خاصہ آپ کے وصال کے بعد ہوگا۔ آپ نے یہ واقعہ ان دونوں حضرات کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں کتنا عظیم فتنہ برپا ہوا اور وہ سب کو معلوم ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ فتنہ مذکورہ نہ صرف ظالمین کے لئے مخصوص ہے بلکہ وہ تو عام ہے ظالم غیر ظالم سب کو پہنچے گا۔ مثلاً برائیوں کا کھلم کھلا ارتکاب ہوگا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مخالفت ہوگی اور کلمہ حق میں افتراق پیدا کر دیا جائے گا بدعات سیئہ کا دور دورہ ہوگا جہل سے ڈھیل اور غفلت برتی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ o اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے کبھی برائی کے غیر مرتکب کو بھی دوسروں کی شامت سے عذاب پہنچتا ہے۔

مسئلہ اسمیں تنبیہ ہے کہ جو فتنہ پرکرے اُسے سخت تر عذاب ہوگا۔

حدیث شریف جبکہ فتنہ شہروں میں پھیل کر ہمہ گیر ہو کر سب کو پہنچتا ہے تو سخت عذاب اسے ہوگا جس نے یہ فتنہ پھیلایا۔

حدیث شریف فتنہ نیند میں ہوتا ہے لیکن بہت بڑا بدبخت ہے وہ جو اُسے جگاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

زاں ہمنشین تا توانی گریز

کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

ترجمہ: اس ساتھی سے جہاں تک ہو سکے بھاگ جو سوتے فتنہ کو کہے اُٹھ کھڑا ہو۔

سوال آیات ① ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ (کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا)۔

② کُلُّ نفس بما کسبت (ہر نفس کو وہ ملے گا جو اس نے کمایا)۔

③ کل نفس بما کسبت رھینۃ (ہر نفس گروی ہے اس کے ساتھ جو اس نے عمل کیا)۔

④ لَہَا مَا کَسَبَتْ وعلیہا مَا اکْتَسَبَتْ (اس کے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اس پر وہ ہے جو اس نے عمل کیا)۔

اس سے ثابت ہوا کہ کسی کے گناہ کی وجہ سے دوسرے سے مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ گناہ صرف اسی سے ہوگا جو اس کا ارتکاب کرتا ہے؟

جواب گناہ جب عام ہو تو جسے معلوم ہو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس بُرائی کو اپنی امکانی طاقت سے روکے اگر نہ روکے گا تو جیسے گناہ کا مرتکب سزا پائے گا ایسے ہی وہ۔ بشرطیکہ وہ اُس کی بُرائی پر راضی ہو ورنہ دل سے رنج منانے والا اس وعید کا مستحق نہیں اور عامل اور راضی ہر دونوں برابر کی سزا پائیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے یونہی حکم فرمایا تاکہ برائیوں کا پورے طور انسداد ہو۔ سیدنا ابن العربی قدس سرہٗ نے ایسے ہی فرمایا ہے اور حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہ نے شرح الاربعین میں ایک حدیث کی شرح میں کہا کہ کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ عمل فاسد کا غلبہ عمل صالح پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے عمل صالح والے کو ضرر پہنچتا ہے اگرچہ اس کا ضرر اُس کے اعمال صالحہ کو نہ ہو۔ جیسا کہ **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا** الآیۃ سے اشارہ ثابت ہوتا ہے اور یہ ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ کے منافی بھی نہیں اس لئے کہ ہمارے نزدیک ضروری نہیں کہ ہر بُرے کے ساتھ ہر نیک کو اس کی بُرائی کی سزا ملے گی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بُرے کی برائی کی سزا ہر اس نیک کو ملے گی جو بُرے کی برائی پر راضی ہے **ولا تزر وازرۃٌ وزر اُخریٰ** مابہ الامتیاز کے طور فرمایا ہے تاکہ تنبیہ ہو کر مجرم گناہ کر کے کسی پر سہارا نہ کرے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اپنے عموم پر ہر ایک کو شامل ہوتے ہیں اگر کوئی تخصیص ہوتی ہے تو اس کے کچھ عوارض ہوتے ہیں یہاں بھی ایسے ہوا۔

فائدہ مذکورہ بالا تقریر شر کے لئے ہے ایسے ہی خیر (بھلائی) کا حکم ہے اور وہ مذکور ہے اس حدیث میں جسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلقہ کے ذکر کے فضائل میں بیان فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ذکر کرنے والے حلقوں سے ملائکہ کے سامنے فخر و ناز کرتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ اس پر ایک فرشتہ عرض کرتا ہے **اِنَّ فِیھِم فلانا لیس منھم وانما اَتٰھُم لحاجۃ**" اس حلقہ ذکر میں فلاں اُن کا ساتھی نہیں اور نہ ہی وہ ذکر کے لئے یہاں آیا۔ بلکہ اُسے تو کوئی کام تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں ٹھہر گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے **وَلَہٗ قَدْ غفرتُ ھُم القَومُ لَا یَشقٰی جَلِیسُھُم** میں نے اُسے بھی بخش دیا اس لئے کہ وہ ایسی مبارک قوم ہے کہ اُن کا ساتھی بدبخت نہیں ہوتا۔ یہ حکم عام ہے اور کلیہ ضابطہ کے طور بیان کیا گیا ہے کہ بُرے عمل والے پر عمل صالح والے کا اثر ہوا کہ صرف ساتھ بیٹھنے سے وہی مرتبہ نصیب ہوا جو عمل صالحہ کے عمل کو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) اے خنک آں مرد از خود رستہ شد
در وجود زندۂ پیوستہ شد

(۲) وائے آں کہ زندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے بجست

(۳) حق ذاتِ پاک اللہ الصمد
کہ بود بہ مار بد از یارِ بد

④ مار بد جانے ستاند از سلیم
یار بد آرد سوئے نار مقیم

ترجمہ: ① اے خوش قسمت ہے وہ مُردہ جو دنیا سے نجات پا گیا اور وہ زندہ وجود سے جا ملا۔

② اس زندہ پر افسوس جو مُردوں کے ساتھ بیٹھا وہ مُردہ ہو گیا اور زندگی (حقیقی) اس سے گئی۔

③ حق ذات پاک اللہ الصمد (کی قسم) کہ یار بد سے سانپ بد اچھا ہے۔

④ سانپ بد تو جان لے گا لیکن یار بد ہمیشہ والی آگ (جہنم) میں لے جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وَاتَّقُوْا یعنی اے وصال یار سے ہمکنار ہونے والو فِتْنَةً اس آزمائش سے ڈرو یعنی نفوس کے دنیوی و دینی حظوظ میں مبتلا ہونے سے بچو۔ لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۚ وہ فتنہ نہ صرف ظالمین کو پہنچتا ہے بلکہ اس کی ظلمت ارواح نورانیہ اور قلوب ربانیہ کو بھی پہنچے گی وہ اس طرح کہ وہ انہیں خطائر قدس اور ریاض انس سے نکال کر صفات انس کے گڑھوں میں پھینک دی گئی کما قال تعالیٰ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اسی بنا پر وہ واصلین کو جدائی اور ماسوی اللہ کی طرف اُن کی توجہ سے انہیں استدراج کی سزا میں مبتلا کرتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرُوا اور اے مہاجر یاد کرو إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ اپنے اس وقت کو کہ جب تم گنتی میں تھوڑے تھے مُّسْتَضْعَفُونَ یہ انتم کی دوسری خبر ہے یعنی تم کمزور تھے اس لئے کہ تم قریش کے ماتحت ہو کر ذلیل و خوار تھے۔ فِي الْأَرْضِ مکہ کی زمین میں تَخَافُونَ یہ انتم کی تیسری خبر ہے تم خوفزدہ تھے کہ تمہیں لوگ اچک لے جائیں یہ اس لئے کہ اہل اسلام مکہ معظمہ سے اس خطرہ سے باہر نہ نکلتے تھے کہ کہیں انہیں کفار اُچک نہ لے جائیں۔ فَآوَاكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں جگہ دی کہ وہاں سے اطمینان و تسلی سے واپس لوٹتے ہو۔ اس سے مدینہ طیبہ مراد ہے جہاں وہ ہجرت کر کے آئے وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ اور اپنی مدد سے کفار پر تمہاری طاقت بڑھا وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی۔ اس سے وہ غنیمتیں مراد ہیں جو صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے لئے حلال ہوئیں ورنہ سابقہ اُمتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ کہ تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

حکایت جنید بغدادی قدس سرہٗ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں سات سالہ بچہ تھا حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ وہاں سالکین کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ آپس میں شکر کے بارے میں باہم گفتگو کر رہے تھے مجھ سے حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شکر کسے کہتے ہیں۔ میں نے کہا شکر یہ ہے کہ بندہ نعمتیں پا کر اپنے مولیٰ کی نافرمانی نہ کرے فرمایا کہ یہ تیری زبان کا نصیبہ تجھے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ باوجودیکہ اس جواب سے ایک کامل نے مجھے خوشخبری دی لیکن تاہم میں عمر بھر

خوفزدہ رہا۔

انتباہ دولت عثمانیہ اسلامیہ حکومتوں میں بہت بڑی سمجھی جاتی۔ اس کا ابتدائی حال بھی ایسے ہی تھا کہ ابتدأ میں یہ بہت تھوڑے تھے اور فارس و روم کی سلطنتوں کے ماتحت تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد کو غلبہ نصیب فرمایا اور دشمنوں پر پورا غلبہ پایا۔ مشارق و مغارب میں دُور دُور تک فاتح اسلام بنے اور بہت بڑی سلطنت قائم ہوئی تاریخ کے اوراق اُن کی سلطنت کے واقعات سے پُر ہیں۔ اسے بھی اُن کے سمجھدار بادشاہ ایک نعمت عظمیٰ سمجھتے رہے ممکن ہے (یہ ہو کر رہا) کہ یہ کسی وقت اس پہلی حالت میں ہو جائے اس لئے کہ اسلام انجام کو دیکھئے کہ ابتدًء غریب تھا تو انجام بھی اس کا ایسے ہی غریب ہوگا۔ یہ صرف بندوں کے لئے ہوتا ہے کہ کہیں وہ مغرور نہ ہوں اور نعمتوں کی ناشکری نہ کریں اور نہ سمجھیں کہ یہ ہمیں ہمارے استحقاق پر نصیب ہوئیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں یہ سب کچھ فضل و احسان ربانی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ست

(۱) ترا آنکہ چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی درخلافش مکوش

(۲) مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روزِ پسیں سر برآری ہیچ

ترجمہ: (۱) تجھے اللہ نے آنکھ منہ کان عطا فرمائے ہیں اگر دانا ہے تو اس کے خلاف کوشاں نہ ہو۔
(۲) ایسا نہ کر اور نہ ہی نعمت دینے والے کے شکر نہ ہٹ کہ موت کے آخری وقت ہیچ کی طرف سر لے جائے گا یعنی ذلیل ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ روح و قلب ابتدأً جسم اور اس کے صفات میں نفس کے غلبات سے ماتحت اور کمزور تھے اس لئے کہ وہ انہی کے آدابِ طریقت کے دودھ کی تربیت میں تھے اور ان پر احکام شرعیہ کا اجرا بھی نہ تھا۔ وقت بلوغ تک نفس اور اس کے صفات کے محتاج تھے جب جسم میں استحکام پیدا ہوا اور وہ احکام شرعیہ کے لائق ہوا تو روح و قلب کو خوف تھا کہ کہیں انہیں نفس اور اس کے صفات اُچک نہ لے جائیں۔ اسی طرح شیطان اور اس کے حواریوں سے خطرہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حظائر قدسی میں جگہ دی اور انہیں اپنی مراد سے واردات ربانیہ کی تقویت بخشی اور پاکیزہ یعنی وہ مواہب طاہرہ جو حدوث سے مُنزہ تھیں کی روزی سے نوازا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ہ کہ شکر کرکے مزید الطاف و احسانات کے مستحق ہو۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: شکر تیری نعمت میں اضافہ کرے گا ناشکری تیرے ہاتھ سے نعمت چھین لے گی۔

نسخہ روحانیہ صوفیائے کرام کے عمدہ اصول یہ ہیں

(۱) قلت طعام

(۲) کثرت شکر

(۳) کثرت طاعت

اور صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طعام کھانے میں چار باتیں فرض ہیں۔

(۱) اکل حلال

(۲) یہ عقیدہ ہو کہ یہ رزق اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔

(۳) جو کچھ عطا ہو اس پر راضی ہو۔

(۴) حتی الامکان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے۔

اور طعام کی چار سنتیں ہیں۔

(۱) ابتدا بسم اللہ پڑھے۔

(۲) فراغت پر الحمد للہ پڑھے۔

(۳) طعام سے پہلے اور بعد کو دونوں ہاتھ دھوئے۔

(۴) سیدھا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں پر بیٹھے۔

اور کھانے پر چار مستحب ہیں۔

(۱) اپنے آگے سے کھائے۔

(۲) بہت خوب چبا کر کھائے۔

(۳) چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھائے۔

(۴) دوسرے لقمے اٹھانے والے کو نہ دیکھے۔

دو باتیں ایسی ہیں کہ اُن پر عمل کرنے سے ہر بیماری کا علاج خود بخود ہو جاتا ہے۔

(۱) طعام سے جو شے گر جائے اُسے اُٹھا کر کھائے۔

(۲) برتن کو چاٹ لے۔

دو چیزیں طعام میں مکروہ ہیں۔

(۱) طعام کو سونگھنا۔

(۲) طعام میں پھونک نہ مارنا اور طعام کو ٹھنڈا کر کے نہ کھانا۔ اگرچہ لذت گرم طعام میں ہے لیکن برکت ٹھنڈے طعام میں ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوشاں رہ کر حلال رزق کے حصول میں جدوجہد کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے اس لئے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور چھوٹی بڑی بے شمار نعمتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت نہ کرو۔ الخون بمعنے خیانت جیسے الوفا بمعنے اتمام۔ یہ امانت کی ضد میں مستعمل ہوتا ہے اور وہ نقصان کے معنے کو متضمن ہے اس لئے کہ جو کسی کی خیانت کرتا ہے تو وہ گویا اس کا نقصان کرتا ہے۔

شان نزول یہ آیت ابولبابہ ہارون بن عبدالمنذر انصاری کے حق میں نازل ہوئی واقعہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود بنی قریظہ کا دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ فرمایا۔ وہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے اور ان کے دل خائف ہو گئے تو اس نے اُن کے سردار کعب بن اسد نے یہ کہا کہ اب تین شکلیں ہیں یا تو اس شخص یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرو اور ان کی بیعت کر لو کیونکہ قسم بخدا وہ نبی مرسل ہیں یہ ظاہر ہو چکا اور یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر تمہاری کتاب میں ہے اُن پر ایمان لے آئے تو جان مال اہل و اولاد سب محفوظ رہیں گے مگر اس بات کو قوم نے نہ مانا تو کعب نے دوسری شکل پیش کی اور کہا کہ اگر تم اسے نہیں مانتے تو آؤ پہلے ہم اپنے بی بی بچوں کو قتل کریں پھر تلواریں کھینچ کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اصحاب کے مقابل آئیں کہ اگر ہم اس مقابلہ میں ہلاک بھی ہو جائیں تو ہمارے ساتھ اپنے اہل و اولاد کا غم تو نہ رہے۔ اس پر قوم نے کہا کہ اہل و اولاد کے بغیر جینا ہی کس کام کا ہے تو کعب نے کہا کہ یہ بھی منظور نہیں تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی درخواست کرو شاید اس میں کوئی بہتری کی صورت نکلے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی درخواست کی۔ لیکن حضور نے منظور نہ فرمایا سوائے اس کے کہ وہ اپنے حق میں سعد بن معاذ کے فیصلہ کو منظور کریں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابُولبابہ کو بھیجئے کیونکہ ابُولبابہ سے اُن کے تعلقات تھے اور ابولبابہ کا مال اور ان کی اولاد اُن کے عیال سب بنو قریظہ کے پاس تھے۔ حضور نے ابولبابہ کو بھیج دیا بنی قریظہ نے اُن سے رائے طلب کی کہ کیا ہم سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیں جو کچھ وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمیں قبول ہو۔ ابولبابہ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ یہ تو گلے کٹوانے کی بات ہے ابولبابہ کہتے ہیں کہ میرے قدم ہٹنے نہ پائے تھے کہ میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ مجھ سے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت واقع ہوئی یہ سوچ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے کے بجائے سیدھے مسجد شریف پہنچے اور مسجد شریف کے ایک ستون سے اپنے آپ کو بندھوایا اور اللہ کی قسم کھائی کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے یہاں تک کہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔ وقتاً فوقتاً اُن کی بی بی انہیں نمازوں کے لئے اور انسانی حاجتوں کے لئے کھول دیا کرتی تھیں اور پھر باندھ دیتے جاتے تھے حضور کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ابولبابہ میرے پاس آتے تو میں اُن کے لئے مغفرت کی دُعا کرتا لیکن جب انہوں نے یہ کیا تو انہیں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے وہ سات بندھے رہے

نہ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی۔ صحابہ نے انہیں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے کہا میں خدا کی قسم نہ کھولوں گا جبتک کہ رسول رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے خود نہ آکر کھولیں حضرت نے انہیں اپنے دست مبارک سے کھولدیا۔ ابُولبابہ نے کہا میری توبہ اس وقت پوری ہوگی جب میں اپنی قوم کی بستی چھوڑ دوں جس میں مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی اور میں اپنے کل مال کو اپنے مِلک سے نکال سے دوں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئیؑ۔

وَتَخُوْنُوْآ اَمٰنٰتِكُمْ اور نہ ہی آپس میں امانتوں کی خیانت کرو۔ یہ پہلے لَا تَخُوْنُوْا کی مجزوم ہے۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اور تم جانتے ہو کہ واقعی یہ خیانت ہے یعنی تمہارے سے عمداً خیانت واقع ہوا اس لئے

لہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کا اندازہ لگایا جائے کہ باوجودیکہ توبہ کی قبولیت کا حکم باریتعالیٰ سے پالیا لیکن تمنا ابھی باقی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے باندھے ہوئے غلام کو چھوڑیں صحابہ کرام حُبِّ مصطفیٰ یعنی عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو جان ایمان سمجھتے تھے دورِ حاضرہ میں چونکہ یہ دولت عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مہنگی ہوتی جارہی ہے۔ فقیر اُویسی قارئین کی خدمت میں یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات پیش کرتا ہے کہ ان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کتنا عشق تھا ہم بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اگر حرزِ جان بنائیں تو دارین میں فلاح وکامیابی نصیب ہو۔

عشق رسول بحکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایمان کی جان ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "اُس وقت کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مجھ کو اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے" اس حدیث شریف سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے مسلمانوں نے اس ارشادِ رسول پر کہاں تک عمل کیا، ذیل کے چند واقعات اس سلسلے میں پیشِ خدمت ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کفار مکہ سُولی دینے لگے، تو ابوسفیان نے اُن سے کہا کہ زید تم دل سے چاہتے ہوگے کہ آج تمہارے بدلے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سولی دی جاتی اور تم آرام سے ہوتے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ فرمایا خدا کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے عوض حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں ایک کانٹا چُبھے۔ (نعوذ باللہ)۔ ابوسفیان حیران رہ گیا اور پکار اُٹھا کہ ایسی بے پناہ محبت میں نے اس سے قبل کہیں نہیں دیکھی۔

خاتون کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد میں ایک مسلمان خاتون کا باپ، بھائی اور شوہر شہید ہوگئے وہ مدینہ سے چل کر میدانِ جنگ میں آئی، اور راستے اعزہ کی شہادت کی خبر کی باوجود صرف حضور علیہ السلام کی خیریت کا پتہ پوچھتی رہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھا تو

کہ خیانت سہواً نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو اُسے خیانت نہیں کہا جاتا۔

ربط جب خیانت سے روکا گیا تو اب تنبیہ کی جاتی ہے کہ خیانت کا سبب کیا ہے فرمایا کہ وہ مال اور اولاد کی محبت سے ہوتی ہے مثلاً حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے یہ فعل اس لئے ہوا کہ اُن کی اولاد اور مال کُفّارِ مکہ کے قبضہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جوشِ محبت میں بول اُٹھی ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دُعا کے بعد

خبیب صحابی رضی اللہ علیہ کا عشق حضرت خبیب کو سُولی پر چڑھا کر تڑپا تڑپا کر مار کر کچوکے دیئے جا رہے ہیں اور عضو عضو سے خون ٹپک رہا ہے مگر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت خبیبؓ مگن ہیں۔ بلکہ ایسے نازک وقت میں طبیعت کی موزونیت دیکھیے کہ وہ شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شعر موزوں کر رہے ہیں جبکہ ایسے جانکاہ موقعہ پر لوگ آہیں بھرتے ہیں۔ چیختے چلاتے ہیں، مگر حضرت خبیب شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شعر گنگنا رہے ہیں۔ بس عقل حیران ہے اور ناطقہ سر بگریباں! اور ایسے میں ابوجہل پوچھتا ہے کہ اے خبیب! "اب تم یہ ضرور پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور تم چھٹکارا پا جاؤ"! آپؓ نے تڑپ کر فرمایا: "میں ہزار بار اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں، لیکن یہ کبھی برداشت نہ کروں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بال کو بھی ایذا پہنچے"!
اللہ اکبر! کیا والہانہ جذبۂ عشق و محبت تھا، کہ اس پر جس قدر رشک کیا جائے کم ہے۔

صدیق کو خدا کا رسول ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے موقع پر صحابہ کرام سے چندہ جمع کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ میرے دوست ابوبکر صدیق ہر نیکی کے کام میں مجھ سے بڑھ جاتے ہیں انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ آج نیکی کرنے میں ابوبکر صدیق سے سبقت لے جائیں گے غرض آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنتے ہی سب صحابہ کرام اپنے اپنے گھروں کی جانب چلے۔

حضرت عمرؓ بھی خوشی خوشی گھر واپس آئے اور بہت سا سامان حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاکر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ! کچھ بچوں کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ: قربان جاؤں آپ پہ، میں نصف مال گھر پر بیوی بچوں کے چھوڑ آیا ہوں اور نصف آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے، یہ سُن کر سرکار نے فرمایا مرحبا عمر مرحبا! تو نے کمال کر دکھایا۔ اتنے میں یارِ غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہوئے اور سامان لاکر ڈھیر کر دیا۔ کالی کملی والے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہ کیا وہ بھی اپنے بال بچوں کے لئے کچھ گھر پر چھوڑ آئے ہیں؟ صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کی اے کالی کملی والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جان

(بقیہ...)

تھا ان کی محبت سے انہیں مخفی راز سے آشنا کر دیا اور اُن کی خیر خواہی اور مسلمانوں کے راز کا افشا صرف مال اور اولاد کی محبت سے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ "اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہے، میں سوئی بھی گھر میں چھوڑ کر نہیں آیا۔ کیونکہ ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدیم نام عبدالعزیٰ تھا۔ مدینے سے منزل دو منزل کے فاصلے پر کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ بچپن میں باپ نے انتقال کیا تھا۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ اسلام کی آواز کانوں میں پڑی ولی چچا تھا جو تمام مال و اسباب اور جائداد پر قابض تھا۔ دیدارِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا شوق عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بے چین کر رہا تھا، مگر ظالم چچا کے خوف سے خاموش تھے۔ آخر شوقِ دیدار ہر خوف پر غالب آیا۔ چچا سے خدمتِ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی۔ چچا نے خوب مارا، پھر جسم کے کپڑے تک اتار کر گھر سے نکال دیا لیکن ؎

گر ہمہ تن ریزہ ریزہ گردد

مہرِ تو زجاں رود محال است

عبداللہ اسی حالتِ عریانی میں اپنی ماں کے پاس آئے، ماں نے ایک کمبل دیا جس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر پوشی کی اور ایک بدن کے اوپر ڈال لیا۔ اسی حالت میں مدینے پہنچے۔ بیعتِ اسلام کی اور شوقِ شہادت ظاہر کیا۔ اسی دن سے اُن کا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (کملی کے دو ٹکڑوں والا) رکھا گیا۔ یہ اصحابِ صفہ میں داخل ہو گئے۔ دن رات تعلیم دین میں بسر کرتے۔ نوجوان تھے۔ قرآن زوردار آواز میں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن شکایت کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ان کی آواز سے نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا "اسے کچھ نہ کہو، یہ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر کے آیا ہے۔" انہی ایام میں سفرِ تبوک پیش آیا عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی مجاہدین میں شامل ہوئے اور حضور اکرم سے شہادت حاصل ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہیں راستے میں موت آجائے تب بھی تم شہیدوں میں داخل ہو جاؤ گے۔" الغرض لشکر روانہ ہوا اور راستے میں ہی عبداللہ کو تیز بخار آیا جس سے انہوں نے وفات پائی۔ بوقتِ وفات عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تشریف فرما تھے۔ جمالِ اقدس پر نظر جمی ہوئی تھی کہ پیامِ اجل آگیا۔

بہ چہ ناز رفتہ باشی ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقتِ جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کے لئے حضورِ اکرم نے اپنی چادرِ مبارک عنایت فرمائی، اس لئے کہ خدا اور رسول کی راہ میں عبداللہ نے برہنہ ہو کر گھر سے نکلنا گوارا کیا تھا۔ اُن کی تدفین بھی عجب شان سے ہوئی اجلہ صحابہ نے قبر کھودی، قبر تیار ہونے کے بعد حضورِ اکرم خود قبر میں لیٹے پھر اُٹھ کر کہا "لاؤ اپنے بھائی کو"۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مبارک لاشے کو سہارا دے کر اُتارا حضورِ اکرم نے فرمایا ادبا الی اخیکما یعنی عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عام مرنے والوں جیسا نہیں۔ اسے دھیرے دھیرے ادب سے اتارو۔

آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ او
بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ او

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ میں مشعل لئے تھے اس لئے کہ شب کے وقت تدفین عمل میں آئی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ہمہ تن فدا" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی لاش کو اپنی گود میں لے کر اُتارا۔ زمین پر لٹا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا اے اللہ! "آج شام تک مرنے والے پر راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) جیسے صحابہ اس مرنے والے کی موت پر رشک کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "اے کاش! اس قبر میں ہم دفن کئے جاتے۔ ایک عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر کیا موقوف ہے؟ دیکھنے والے تو الگ رہے سننے والوں میں کون اہلِ ایمان ہے جو ایسی موت پر زندگیوں کو قربان کرنے کی تمنا نہ رکھتا ہو۔

منم و ہمیں تمنا کہ بہ وقتِ جاں سپردن
برُخِ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

ایک صحابی کا نرالا عشق ایک دفعہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جوشِ محبت سے بے تاب ہو گئے آگے بڑھے، آپ کی قمیص کو جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی، ہاتھ سے اُلٹ دیا خود اس کے اندر گھس گئے آپ سے لپٹ گئے اور جسمِ اطہر کو چوما۔

صدیق تو جان دے چکے حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینے کی طرف روانہ ہوئے، تو حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیقِ سفر تھے۔ رات کی تاریکی میں دونوں چلے جا رہے تھے۔ پیچھے سے کفار کے تعاقب کا خدشہ تھا مکے سے چار پانچ میل کے فاصلے پر کوہِ ثور تھا، جہاں راستہ بے حد دشوار تھا، پتھروں سے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی، اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا، آخر ایک غار تک پہنچے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر ٹھہرایا خود اندر جا کر غار کو صاف کیا تن کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ بند نہ ہو سکا اُسے پاؤں کے انگوٹھے سے بند کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے زانو پہ سر اقدس رکھ کر خواب استراحت فرمانے لگے۔ اتفاق کی بات اس سوراخ میں کوئی سانپ تھا، اُس نے صدیق اکبرؓ کے انگوٹھے میں ڈس لیا۔ وہ شدت درد سے بے تاب ہو گئے مگر اف تک نہ کی

صدیق نے پیروں کو جنبش تک نہ ہونے دی

یہی ڈر تھا کہ کہیں آنکھیں نہ کھل جائیں نبی کی

درد کی شدت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک آنسو حضور اکرم کے چہرہ اقدس پہ گرا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تمام واقعہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن زخم پہ لگا دیا، جس سے زہر کا اثر زائل ہو گیا۔

نوجوان بچی حضرت سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بہت سیاہ فام تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے جانثاروں میں شمار ہونے لگے۔ ایک دفعہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خوش ہو کر فرمایا! سعد شادی کیوں نہیں کر لیتے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھ ایسے کالے کلوٹے کو لڑکی دینا کون پسند کرے گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ! قبیلہ ثقیف کے سردار سے جا کر کہو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے، مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو۔ سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جا کر پیغام پہنچایا سردار اُن کی صورت دیکھ کر بہت برہم ہوا کہ اپنی خوبصورت بیٹی کا نکاح اس سے کر دوں۔ سعد (رضی اللہ عنہ) مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی "جانے والے ذرا ٹھہر جا" وہ ٹھہر گئے۔ پھر آواز آئی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے اگر یہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے تو بسر و چشم قبول ہے۔ اُس کے بعد اُس سعادت مند بیٹی نے باپ کو سمجھایا آپ نے بُرا کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام کا بُرا منایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ آپ اس کے کالے رنگ کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھیں۔ ؎

میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے رنگ کالے کو دیکھ

میں تو یہ کہتی ہوں کہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھ

اسلام تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشنودی حاصل کرنے کا نام ہے بہتر ہے کہ آپ بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جا کر معافی مانگیں۔ بیٹی کی باتوں کا باپ کے دل پر اثر ہوا اور بات سمجھ میں آ گئی کہ واقعی مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی اور بالآخر کالے سعد کی شادی عرب کے اسی معزز سردار کی خوبصورت بیٹی سے ہو گئی۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ بیٹی اور کتنا خوش نصیب تھا وہ باپ جس نے اپنی دختر حضور اقدسؐ کے قدموں میں نثار کر دی۔

ایک اور نوجوان بچی ایک دفعہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا، تم اپنی بیٹی میرے حوالے کر دو۔ صحابہ کرام کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہ تھی کہ وہ حضور کی کسی خواہش

کو پورا کریں۔ وہ انصاری باغ باغ ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں اپنے لئے نہیں خبیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لئے یہ پیغام دے رہا ہوں خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ ان کی جاو بے جا ظرافت کی وجہ سے پسند نہ کرتے تھے۔ اُن کا نام سُن کر متامل ہوئے اور عرض کی میں ذرا لڑکی کی والدہ سے مشورہ کر لوں۔ ماں نے خبیب کا نام سنتے ہی انکار کر دیا۔ لیکن لڑکی بولی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سے انکار کرنا مناسب نہیں، میرے متعلق حضور نے جو فیصلہ کیا ہے، اُس کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا جوئی میں خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت خثیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا عشق

جب غزوۂ تبوک ہوا تو سخت گرمی کا موسم تھا۔ حضرت خثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ اُن کی بیبیوں نے اُن کی راحت و آسائش کے لئے بالاخانے پر چھڑکاؤ کیا ہے۔ پانی سرد کیا ہے اور عمدہ کھانا تیار کر رکھا ہے یہ سب سروسامان دیکھ کر کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس لُو اور شدتِ گرمی میں کھلے میدان میں ہوں اور میں سرد پانی اور عمدہ غذا سے لطف اندوز ہوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ہرگز بالا خانے پر نہ جاؤں گا چنانچہ اسی وقت زادِ راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

سنت کا عاشق

ایک دفعہ دو صحابی کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں پانی کا نالا آ گیا۔ ایک صحابہ گذر گئے لیکن دُوسرے ابھی کھڑے تھے۔ پہلے نے پوچھا کہ نالے کو عبور کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگا کہ ایک دفعہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی نالہ سے گذرا تھا میں سوچ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دایاں پاؤں اُٹھایا تھا یا کہ بایاں۔ تاکہ میں سنت پر عمل پیرا ہو سکوں۔

بچے کو تھپڑ مار دیا

ایک دفعہ ایک صحابی کھانا کھا رہے تھے، کہ اُن کے بیٹے نے کہا ابا جی مجھے تو کدو پسند نہیں ہے وہ صحابی جوش میں آ گئے اور بیٹے کو تھپڑ رسید کر کے کہنے لگے، ظالم جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے پسند نہیں۔ سبحان اللہ! اب ایسے عاشق صادق تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضورِ اقدس ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ہر ایک کی دلی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہمانی کا شرف مجھے حاصل ہو، یہ شرف بالآخر حضرت ابوب انصاری کے حصے میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مکان کے نچلے حصے میں قیام پسند فرمایا۔ ایک دن اتفاقاً اوپر چھت پر پانی سے بھرا ہوا گھڑا ٹوٹ گیا۔ چھت چونکہ پختہ نہ تھی۔ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آیا مبادا چھت ٹپکے اور پانی نیچے جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ میاں بیوی کے پاس ایک ہی لحاف تھا اُسے بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا تاکہ پانی اس میں جذب ہو جائے اس کے بعد میاں بیوی نے کونوں میں دبک کر رات بسر کی۔ صبح حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور رات کا قصہ بیان کیا اور

پھر درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُوپر کی منزل پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر ٹھہرنا قبول فرمایا۔

موت منظور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو سب سے پہلے توحید پر خطبہ دیا۔ کفار یہ کلمات سن کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اس قدر شدت سے مارا کہ وہ قریب المرگ ہو گئے۔ دیکھنے والوں کو اُن کی موت کا یقین آگیا۔ اُن کے قبیلہ بنی تیمم کے لوگوں نے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اٹھا کر گھر لے گئے شام کے قریب جب انہیں کچھ ہوش آیا اور ہوش بجا ہوئے تو بجائے اپنی تکلیف بیان کرنے کے، زبان کھلتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔ یہ حال دیکھ کر قبیلے کے لوگوں نے بھی قطع تعلق کر لی بایں ہمہ ان کو اُسی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رٹ لگی رہی۔ آخر کار لوگوں نے انہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو بڑے بیتاب ہوئے اُن کے اوپر گر گئے اور اُن کا بوسہ لیا۔

حضرت صدیق کا عشق و ادب قال ابن الاصبہانی روی ان اعرابیا جاء الی ابی بکر فقال انت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا قال فما انت قال الخالفہ بعدہٗ۔ یعنے روایت ہے کہ ایک اعرابی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا نہیں تو اُس نے کہا کہ پھر آپ کیا ہیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ خالفہ ہوں حضرت کے بعد۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

فائدہ خالفہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر میں تمام لوگوں میں ایسا ہو جس میں کوئی صلاحیت نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ صدیق اکبر کو ادب و احترام نے اس کی اجازت نہ دی کہ اپنے کو اس لفظ کا مصداق سمجھیں اُس کو ایسے طور سے بدلا کہ خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی قائم رہا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و عشق و ادب عن عبد اللہ ابن عباس قال قیل للعباس انت اکبر او رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال هو اکبر منی وانا ولدت قبلہ (کنز العمال)۔ یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عباس نے جواب دیا کہ حضرت بڑے ہیں لیکن میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

فائدہ حضرت عباس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا احترام کرتے تھے۔ لیکن حضرت عباس کو احترام نبوی نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکبر کہنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ حضرت عباس نے فرمایا کہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا عشق حضور علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد کی بات ہے کہ جب کبھی مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ وغیرہ ٹھونکی جاتی تو اس کی آواز سن کر حضرت عائشہ صدیقہ

فائدہ فتنہ کا اطلاق جیسے آفت و بلیات پر ہوتا ہے ایسے ہی ابتلا و امتحان پر بھی۔ پہلے معنٰے پر مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ اسباب ہیں جو تمہیں آفات و بلیات یعنی دنیا میں گناہ کے ارتکاب پر برانگیختہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے تمہیں آخرت کے سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ دوسرے معنٰے پر مطلب ہوگا کہ مال اور اولاد ایسے اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ کے امتحان و آزمائش میں ڈالتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خواہش انسانی کا بندہ کون ہے اور رضائے الٰہی کا طالب کون۔

وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ثواب ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور اُس کی حدود کا پابند تو اُسے بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

سبق ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنے جملہ مقاصد اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھیں تاکہ اس کی کرم نوازی سے خیانت سے بچ جائیں۔

لطیفہ حضرت احمد انطاکی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ بنایا لیکن بدقسمتی سے ہم ان ہر دونوں فتنوں کی محبت میں مبتلا ہیں ؎

جوان و پیر کہ در بند مال و فرزندند
نہ عاقلند کہ طفلاں ناخرد مندند

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دروازوں کو اٹھا کر مدینہ منورہ سے باہر مناصع کے مقام پر تیار کر لئے۔ تاکہ ان پر کام کرنے سے اوزاروں کی آواز مسجد نبوی میں نہ جائے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ پہنچے (وفاء الوفا)

اس سے بھی زیادہ عقیدت و محبت کا اظہار حکومت ترکیہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کیا جب اصل مسجد (تو آج بھی موجود ہے) کی تعمیر کی گئی۔ حکومت ترکیہ نے دس دس بارہ بارہ سال کے نوجوان معمار ترکھان و دیگر کاریگر وغیرہ اپنے ہاں بھرتی کئے۔ ان کو عرصہ دس سال میں قرآن کریم حفظ کرایا گیا اور تعمیر کی تعلیم دی گئی۔ ان کو مدینۃ النبی لایا گیا تو تعمیر کے کام کا تمام سامان لوہا۔ کاٹنا۔ سنگ تراشی لکڑی کا ٹنا وغیرہ مدینہ منورہ سے ۲ میل باہر کیا گیا یہ اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ آئے یہ کاریگر حفاظ مسجد کی تعمیر ذ مدتیں پر ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

آج کی سعودیہ حکومت نے اس تعمیر کو گرانے کے لئے بڑی طاقتور مشینیں منگوائی اور یہ مشینیں دو ماہ تک مسجد کی ستونوں کو گرانے یا توڑنے کی کوشش کرتی رہیں مگر اس کی تعمیر تو باوضو حافظ قرآن ہنر مندوں کے ایمان و عشق کا ثبوت تھا اور ایک انچ بھی زمین نہ ہل سکی اور یہ وحشت ناک کوشش ترک کر دی گئی اور یہ تعمیر آج بھی موجود ہے حکومت سعودیہ نے اس کے ساتھ علیحدہ اضافہ کیا ہے۔ (مشتاق محمد خاں) (حاشیہ ختم)

ترجمہ: جوان اور بوڑھے مال اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہیں ایسے لوگ دانا نہیں بلکہ بے عقل بچے ہیں۔

نکتہ ہر مال و اولاد اللہ تعالیٰ کے قرب سے محرومی کا سبب ہوں تو وہ منحوس ہیں۔ اگر وہی مال اور اولاد و دیگر امور اللہ تعالیٰ کے قرب اور طاعتِ الٰہی کے سبب ہوں تو وہ محبوب بلکہ ہر انسان کا مطلوب ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(۲) مال را کز بہر دین باشی حمول
نِعمَ مَالٌ صَالِحٌ خواندش رسول

(۳) آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

(۴) چونکہ مال و ملک را از دل براند
زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ: (۱) دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا نہ سونا نہ چاندی نہ اولاد نہ عورت۔
(۲) مال اگر دین کے لئے اُٹھا رہا ہے تو اس کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صالح مال اچھا ہے
(۳) کشتی میں پانی جائے تو وہ کشتی کی ہلاکت ہے اگر پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کا امداد ی ہے۔
(۴) چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مال کو دل سے ہٹا دیا تھا اس لئے وہ شہنشاہ ہونے کے باوجود خود مسکین کہلواتے تھے۔

حدیث شریف جب کوئی کہتا ہے دنیا ملعون ہے تو دنیا کہتی ہے ملعون وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔

سبق عاقل وہ نہیں جو دنیا پر لعن طعن و سب و شتم میں مشغول ہے بلکہ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی محبت پر اور حُبِ دنیا میں مبتلا ہونے کے باوجود اس پر لعنت کرنے سے ملامت کرتا ہے۔

مکالمہ بایزید قدس سرہٗ با رب مجید تعالیٰ شانہٗ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں جمع خاطر ایسے دل پر قابو کر کے اپنے آپ کو بارگاہِ حق میں پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بایزید میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو۔ میں نے عرض کی دنیا کو سہ طلاق دی صرف تیری رضا جوئی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بایزید! دنیا تو میرے لئے مکھی کے پر کی مقدار بھی وقعت نہیں رکھتی پھر تحفہ کیسا۔ میں نے عرض کی میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔ واقعی یہ تحفہ تیرے لئے لائق نہیں۔ البتہ یہ تحفہ پیش کرنے کے لائق ہے کہ میں تیرے اوپر توکل کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تحفہ کیسا؟ میں نے تیرے ہر معاملہ کا ذمہ اٹھایا تھا۔ پھر اس کا معنے یہ ہوا کہ تجھے میری ذمہ داری پر بھروسہ نہ ہوا تو پھر میرا سہارا کیسا۔ حضرت بایزید نے عرض کی اے الٰہ العلمین یہ بھی میری غلطی ہے اس سے معافی مانگتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ میں کچھ نہیں اور نہ تحفہ لانے کے قابل ہوں ایک عاجز فقیر ہوں

جو تیرے حضور میں حاضر ہوا ہوں اللہ تعالیٰ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا بس یہی میری بارگاہ کا تحفہ ہے جو تم لائے ہو۔

سبق غور کیجئے جب عارفین کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ زندگی طلبِ حق میں گذری اور سرِ مُو حقوق میں کمی نہ ہونے دی تو پھر ہم کون اور تم کون۔ ان کی جاںنثاری پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محرم بنایا۔

اسباقِ عارفانہ ① فرائض وسنن ایسے اعمال ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں امانت رکھے ہیں تاکہ ہم اُن کی ادائیگی میں سرِ مُو کمی نہ کریں انہیں ان کے اوقات پر اُن کی حدود وحقوق کے مطابق ادا کریں جو انہیں ضائع کرتا ہے یقین جانو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانات کی خیانت کر رہا ہے۔

② وجود اور اُس کے توابع ہمارے ہاں امانت ہیں یعنی جسم کا ہر عضو ہمارے پاس بطور امانت ہے ہم انہیں اسی طرح استعمال کریں جس طرح ہمیں حکم ہے اگر ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کے خلاف استعمال کیا تو ہم اللہ تعالیٰ کے خائن ہیں۔

③ غلام اور لونڈیاں اسی طرح اہل وعیال اور آل واولاد اسی طرح ہمارے خدام نوکر چاکر ہمارے ہاں امانت ہیں اگر ہم اُن کے حقوق پابندی سے ادا کریں گے تو امانت سلامت ورنہ خیانت کی سزا پائیں گے۔

④ سلطنت، وزارت، امارت، حکومت، قضا (فیصلے وغیرہ) فتویٰ نویسی الیٰ غیرہ اور امور ہمارے ذمہ امانات ہیں اگر ہم نے سرِ مُو کمی کی تو سخت سزا۔

حدیث شریف کسی شخص کو حکومت کا کوئی عہدہ دیا جائے (حالانکہ اس سے دیگر زیادہ لائق تھا) تو حکومت کا عہدہ دینے والا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام اہلِ ایمان کا خائن ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① کسے را کہ با خواجۂ تست جنگ
بدستش چرا می دہی چوب سنگ

② سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرمائی تا استخوانش دہند

ترجمہ: ① جسے تیرے آقا سے جنگ ہے اس کے ہاتھ میں ڈنڈا اور پتھر کیوں پکڑاتا ہے۔

② کتا کون لگتا ہے کہ اس کے آگے دسترخوان رکھا جائے حکم فرما کہ اسے ہڈیاں دیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں دو شریکوں کا ایک ہوں جبکہ ان دونوں میں کوئی خیانت نہ کرے۔ اگر کوئی خیانت کرے تو میں اُن سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور شیطان اُن کا ساتھی ہو جائے گا۔ (بدایہ صہ ۳ ج ۲ بر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے

فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کرلو اور تمہاری برائیاں اتار دیگا اور تمہیں بخش دیگا

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ

لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ

مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کرلیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ

خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔ اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے

سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

سنا ہم چاہتے تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ

عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب

اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا

وہ تو مسجد حرام سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے

أَوْلِيَآءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

اہل نہیں ان کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں مگر ان میں اکثر کو

يَعْلَمُونَ ۝٣٤ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَ

علم نہیں اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور

تَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝٣٥

تالی تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن

بے شک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے

سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ

روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پچھتاوا ہوں گے پھر

يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝٣٦

مغلوب کر دیے جائیں گے اور کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہوگا

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ

اس لیے کہ اللہ گندے کو ستھرے سے جدا فرما دے اور نجاستوں کو تلے اوپر رکھ کر

بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ

سب ایک ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝٣٧

وہی نقصان پانے والے ہیں

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اُن اُمور میں جن کے بجا لانے اور اُن سے بچنے کا حکم ہے۔ يَجْعَل لَّكُمْ اس کے سبب سے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ بنائے گا فُرْقَانًا حق و باطل سے جدا کرنے والا یعنی تمہارے قلوب میں ایسا امر پیدا فرمائے گا جس سے تم حق و باطل کا امتیاز کر سکو گے یا تمہاری مدد فرمائے گا جس سے تمہیں اہل حق و باطل کا امتیاز ہوگا یعنی اہل ایمان کو اعزاز دے گا اور اہل باطل کو

ذلیل فرمائے ۔ چنانچہ فرمایا یوم الفرقان یوم الجمعان اس یوم الفرقان سے یہی مُراد ہے کہ اُس دن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت بخشی اور کفار کو ذلیل و خوار فرمایا۔ وَیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ اور تمہاری برائیاں چھپا دے گا۔

فرق درمیان سیئہ و خطیئہ سیئہ ہر وہ عمل جو بالذات بُرا ہو اور خطیئہ ہر وہ عمل جو بالعرض بُرا ہو اس لئے کہ یہ خطأ سے مشتق ہے۔

وَیَغْفِرْ لَکُمْ اور تمہیں بخش دے گا یعنی تمہارے گناہ معاف فرما کر ان سے درگذر فرمائے گا وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یعنی اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل فرماتا ہے

بقیہ ۔ ۔ ۳۴۱ ۔ ۔ ۔ آگے

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ امین غیر خائن ہو اس لئے کہ خیانت سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

لطیفہ ایک کتا اپنے خائن مالک سے بہتر ہے۔

حکایت حضرت حارث بن صعصأ کے بہت سے ساتھی تھے۔ وہ اُن سے جدا نہ ہوتے اور وہ بھی اُن سے محبت کرتے تھے ایک دفعہ سیر و سیاحت کے لئے باہر نکلے اُن کے ساتھ ان کے ساتھی بھی تھے جب ساتھیوں میں سے ایک خائن نکل کر گھر واپس لوٹا اور اپنی زوجہ کو کھانے پینے کی اشیاء کا کہا۔ وہ لائی اور وہ کھا پی کر سوگئے تو اُن دونوں پر کتے نے حملہ کر دیا۔ حارث ان کے گھر واپس لوٹے تو ان دونوں کو مقتول پاکر یہ اشعار پڑھے۔

(۱) وما زال یرعیٰ ذمتی ویحوطنی
ویحفظ عروسی والخلیل یخون

(۲) فیا عجبا للخل تحلیل حرمتی
ویا عجبا للکلب کیف یصون

ترجمہ: (۱) وہ ہماری ذمہ داری کی نگرانی اور احاطہ کرتا تھا اور میری دولہن کی بھی حفاظت کرتا تھا اور خلیل خیانت کرتا ہے۔
(۲) افسوس اس کی دوستی پر جس نے میری حلال شے کو حرام کیا۔ لیکن تعجب ہے کتے پر کہ وہ کس طرح حفاظت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اے ارواح اور قلوب جو نورِ ایمان سے منور اور سعادات عرفان کے لئے مستعد ہیں۔ لَا تَخُوْنُوا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں خیانت نہ کرو۔ یعنی انہیں دنیوی ضروریات پر خرچ نہ کرو اور نہ ہی اس کے اہل کا شکار ہو جاؤ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ترک نہ کرو اور نہ ہی بدعات کو رواج دو۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ امانت بمعنے محبت الٰہی اور خیانت سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بجائے مخلوق کی محبت میں مبتلا ہو جانا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ارباب قلوب و اصحاب سلوک کو چاہیئے کہ جب طاعات و قربات کے اعلیٰ مراتب و مقامات سے فائز المرام ہوں تو وہ دنیا اور اس کی زینت کی طرف توجہ نہ دیں اور کسی قسم کا تصنع کرکے اللہ تعالیٰ کی خیانت نہ کریں اور ترک سنت کرکے اور بدعات سیئہ کو مروج کرکے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیانت نہ

بقیہ اگلے صفحہ پر

ما قبل کی علت بتائی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ تقویٰ پر اجر عنایت فرمانا یہ بھی اُس کا فضل و کرم ہے نہ کہ اُس کا فضل و کرم تقویٰ پر منحصر ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے فرمائے کہ فلاں کام سر انجام دو تمہیں انعام ملے گا اس غلام کو آقا کی مہربانی سمجھنی چاہیئے نہ یہ کہ اُس کے آقا کا احسان و انعام اس عمل کی وجہ سے ہوگا۔

فوائد آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے شریعت کا تقویٰ وہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اپنی امکانی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حقیقت کا تقویٰ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔

فائدہ متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے بچانے کا معین و مددگار بنالے یعنی اپنی ذات و صفات و افعال اس کی ذات و صفات و افعال میں ہی فنا کر دے سے

گم شدہ چوں سایہ نورِ آفتاب

یا چو بوئے گل در اجزائے گلاب

ترجمہ: نور سورج سے سایہ جب گم ہوگیا۔ یا خوشبو تلاش کر اجزائے گلاب سے۔

فائدہ حضرت ابن مبارک نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ ”الناس کون ہیں۔ فرمایا علماء پھر پوچھا اشراف کون ہیں فرمایا ”متقین“ پھر پوچھا بادشاہ کون فرمایا زاہدین پھر پوچھا غوغا کون ہیں فرمایا قصہ کہانیاں سنانے والے۔ جو لوگوں کو قصے کہانیاں سنا کر روزی کماتے ہیں پھر پوچھا بے وقوف کون ہیں فرمایا ظالم۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

نہ کریں اس لئے کہ خیانت سے امانت یعنی محبت الٰہی میں فرق پڑ جاتا ہے بلکہ بلکہ آہستہ آہستہ محبت الٰہی چھین لی جاتی ہے جس سے پھر اُس کا دنیا کی طرف نہ صرف جھکاؤ بلکہ وہ شب و روز اسی کے حصول اور جمع کرنے میں منہمک اور مال و اولاد کے حرص میں مشغول رہتا ہے وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم جانتے ہو کہ اس طرح سے دین کے بجائے دنیا اور مولیٰ کو چھوڑ کر ایک خسیس شے کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ اور یقین کرو کہ جس مال اور اولاد کے پیچھے دوڑ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر رہے ہو فِتْنَةٌ لا یہ تمہارے لئے فتنہ ہے اس سے تمہارا امتحان ہو رہا ہے کہ تم میں عاشق کون ہے اور منافق کون۔ اور تم میں صدیق کون و زندیق کون جو شخص دنیا اور اس کے متعلقات کو سہ طلاق دے تو سمجھو کہ وہ طالبِ مولیٰ ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے جو دنیا سے روگردان ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طلب میں زندگی بسر کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے لئے بہت بڑا اجر پائے گا۔

نکتہ دراصل عظیم اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اسمیں اشارہ ہے کہ اوصافِ مذکورہ کے موصوف کو خود اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نصیب ہوگا۔ جو سالک کا حقیقی مقصد ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تقویٰ کا اسناد مخاطبین کی طرف اور فرقان کو اپنی طرف اس لئے فرمایا کہ جب کسی بندے کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے اپنے لئے چُن لیتا ہے پھر اُس کے دل میں ایسا نُور قدسی ڈالتا ہے جس سے وہ خود بخود حق و باطل اور وجود و عدم اور حدوث کا امتیاز فرماتا ہے اور اپنے نفوس کے عیوب سے بھی پورا واقف ہو جاتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت احمد بن عبد اللہ المقدسی فرماتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہما کے حضور حاضر ہوا اور عرض کی سرکار! آپ نے دنیا فانی کو سہ طلاق کیسے دی اور پھر اتنا بلند مراتب و کمالات کو کیسے حاصل کیا فرمایا۔ ایک دن میں اپنے ایوان خاص میں ارکانِ دولت کے ساتھ بیٹھا تھا اور نوکر۔ غلام میرے سامنے دست بستہ کھڑے تھے اچانک میری نگاہ اپنے محل خاص کے صدر دروازے پر پڑی دیکھا وہاں ایک درویش بیٹھا ہے اُس کے ہاتھ میں خشک روٹی ہے جسے وہ پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے اور سالن کے بجائے خشک نمک سے گذارہ کر رہا ہے جب کھانے سے فارغ ہوا تھوڑا سا پانی پیا اور حمد و شکر خدا وندی بجا لا کر وہیں پر سو گیا۔ اُس سے میرا دل بہت متاثر ہوا میں نے اپنے کسی غلام سے کہا کہ جس وقت یہ درویش بیدار ہو تو اسے میرے پاس لانا۔ چنانچہ جب وہ جاگا تو غلام نے عرض کی حضرت! آپ کو صاحب خانہ بلاتے ہیں اور آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پڑھا بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یہ کہہ کر میرے غلام کے ساتھ چل پڑا اور میرے ہاں تشریف لا کر کہا ” السلام علیکم“! میں نے انہیں سلام کا جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ آرام سے بیٹھ گئے میں نے عرض کی ” اے درویش تم بھوکے تھے سوکھی روٹی کھائی اس سے کیا سیر بھی ہوئے اُس نے کہا ہاں جی۔ میں نے پوچھا آپ پیاسے تھے پانی پیا کیا اس سے تمہاری پیاس بجھ گئی۔ کہا ہاں اس کے بعد تم آرام سے سو گئے تمہیں نہ کوئی فکر تھا نہ غم کیا۔ ل حالت میں تمہیں نیند بھی آئی اُس نے کہا ہاں جی۔ درویش کی کہانی سُن کر میں نے اپنے نفس کو ملامت کی ” اے بندہ خدا دیکھ وہ بھی تو ایک انسان ہے جسے ایسی معمولی خوراک اور پوشاک کفایت کرتی ہے۔ ایک تو یہ تجھے بہت بڑی شاہی سے بھی بے چینی اور اضطراب ہے اس کے بعد میں نے توبہ کا عزم بالجزم کر لیا۔ دن بڑی بے چینی سے گذرا۔ رات ہوئی تو میں نے شاہی لباس اُتارا اور درویشانہ اُون کا لباس پہنا اور سر پر اُونی صُوفیانہ ٹوپی اوڑھی اور پاؤں سے ننگا اللہ تعالیٰ کی تلاش میں چل پڑا۔

فائدہ حضرت ابن ادھم کی توبہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ انہیں سے ایک یہ بھی ہے جو ہم نے بیان کی۔ مغفرت بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار اور اس پر نیک گمان ہو کر زندگی بسر کرے۔ اس لئے کہ اُس کا فضل و کرم بے حد و عد ہے۔

ل اسے ہم نبوت کے لئے علم غیب اور ولایت کے لئے کشف و الہام سے تعبیر کرتے ہیں جیسے بے چارے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں نے اسے شرک سے تعبیر کیا۔ (لان الوہابیہ قوم لایعقلون) یہاں مختصر سی بحث عرض کر دوں تاکہ تسکین ہو علم غیب کے مسئلہ میں حق پر مذہب اہلسنت ہے اور بس۔

موسیٰ علیہ السلام کی وحی کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ کو پانچ باتیں سکھائی جاتی ہیں انہیں یاد کرلو اس لئے کہ وہی دین کا ستون ہیں۔ یاد رکھو میرے ملک کو زوال نہیں آسکتا اس لئے تم میری اطاعت کو کبھی نہ چھوڑنا۔

① ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرمانده لازوال

ترجمہ: تمام تخت و ملک زوال پذیر ہیں سوائے ملک فرمان دینے والے بے زوال کے۔
خزائن الٰہیہ کبھی ختم نہ ہوں گے فلہٰذا تمہیں رزق کا فکر نہ ہونا چاہیئے ؎

② در دائرہ قسمت ما نقطہ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی و حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ: ہماری قسمت کے دائرہ میں نقطہ تسلیم ہے لطف وہی ہے جو تیرے ارادہ میں ہے اور حکم وہی جو تیرا فرمانا ہے۔
اپنے دشمن ابلیس کو مردہ مت سمجھو وہ اچانک حملہ کرتا ہے فلہٰذا اس کے حملہ سے ہر وقت چوکس رہیں ؎

③ کجا سر برآریم ازیں عار وننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

ترجمہ: اس عار وننگ سے ہم سر باہر کیسے لائیں کہ شیطان سے صلح اور حق کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں ؎
میں نے آپ کی مغفرت فرمادی لیکن دیگر مجرموں کو حقارت کی نگاہ سے بھی نہ دیکھنا ؎

④ مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست
کہ آگاہ ست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

ترجمہ: مجھ مست کے سیاہ عملنامہ پر ملامت نہ کر کیونکہ اسے خبر ہے کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے ؎
جب تک بہشت میں داخلہ نصیب نہ ہو میری گرفت سے ڈرتے رہنا ؎

⑤ زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ راہ از صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

ترجمہ: غیرت الٰہی سے اے زاہد بے خوف نہ ہو۔ عبادتگاہ اور بتخانہ تک اس کے لئے راستہ یکساں ہے۔

تفسیر صوفیانہ عاقل وہ ہے جو مرتے دم تک اپنی مغفرت کے لئے جدوجہد کرتا ہے اس ارادہ پر گناہ معاف ہو جائیں بلکہ وجود فانی ہی رہے اور جلال و جمال کے انوار و تجلیات سے نوازا جائے اس لئے کہ وہ بندہ جو خودی مٹا کر فنا پائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہت بڑا فضل کرتا ہے یعنی اسے فنا کے بعد بخشتا ہے۔
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ یَمْکُرُبِکَ الَّذِیْنَ اور اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے جبکہ کافر آپ کے لئے مکر کرتے تھے۔

ربط جب حضور علیہ السلام مکہ میں تھے تو آپ کے ساتھ کفار مکہ نے ایک فریب سازی کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد دلایا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے آپ کو ان کے مکروفریب سے بچا کر کتنا بلند قدر اور مراتب علیا سے نواز کر پھر ان سب پر آپ کو غالب اور فاتح فرمایا۔

شیخ نجدی کی کہانی حضرت اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا بیان ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا کہ کفار قریش دارالندوہ (کمیٹی گھر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بڈھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں چلا آیا مجھ سے تم کچھ نہ چھپانا۔ میں تمہارا رفیق ہوں میں بہتر رائے سے تمہاری مدد کروں گا انہوں نے اس کو شامل کر لیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔
ابوالبختری نے کہا میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط بندشوں سے باندھ دو۔ دروازہ بند کر دو۔ صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور وہ وہیں ہلاک ہو کر رہ جائیں۔ اس پر شیطان لعین جو شیخ نجدی بنا ہوا تھا بہت ناخوش ہوا اور کہا نہایت ناقص رائے ہے یہ خبر مشہور ہوگی تو اُن کے صحاب آئیں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور اُن کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ نجدی ٹھیک کہتا ہے پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اُس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) اونٹ پر سوار کر کے اپنے شہر سے نکال دو۔ پھر وہ جو کچھ بھی کریں۔ اس سے تمہیں کچھ ضرر نہ ہوگا۔ ابلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا جس شخص نے تمہارے ہوش اڑا دیئے اور تمہارے دانشمندوں کو حیران کر دیا ہے اس کو تم دوسروں کی طرف بھیجتے ہو۔ تم نے اس کی شیریں کلامی سیف زبانی دل کشی نہیں دیکھی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے قلوب کو تسخیر کر کے اُن لوگوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ اہل مجمع نے کہا شیخ نجدی کی رائے ٹھیک ہے اس پر ابوجہل کھڑا ہوا اور اُس نے یہ رائے دی کہ قریش کے ہر ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور اُن کو تلواریں دی جائیں وہ سب یکبارگی حضرت پر حملہ ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے غایت یہ ہے کہ خون کا معاوضہ دینا پڑے تو دے دیا جائے گا۔ ابلیس لعین نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابوجہل کی بہت تعریف کی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ گذارش کیا اور عرض کیا کہ حضور اپنی خوابگاہ میں شب کو نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے کہ مدینہ طیبہ کا عزم فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی خوابگاہ پر رہنے کا حکم دیا اور فرمایا ہماری چادر شریف اوڑھو تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہ آئے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت سرائے اقدس سے باہر تشریف لائے اور ایک مشت خاک دست مبارک میں لی اور آیت اِنَّا جَعَلْنَا اَغْلٰلًا پڑھ کر محاصرہ کرنے والوں پر

ماری۔ سب کی آنکھوں اور سروں پر پہنچی سب اندھے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غار ثور میں تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی امانتیں پہنچانے کے لئے مکہ مکرمہ میں چھوڑا۔ مشرکین رات بھر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سرائے کا پہرہ دیتے رہے۔ صبح کو جب قتل کے ارادہ سے حملہ آور ہوئے تو دیکھا حضرت علی ہیں۔ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمیں معلوم نہیں تو تلاش کے لئے نکلے جب غار پر پہنچے تو مکڑی کے جالے دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر اس میں داخل ہوتے تو یہ جالے باقی نہ رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں تین روز ٹھہرے پھر مدینہ روانہ ہوئے۔

واقعہ مذکور کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ الخ

لِیُثْبِتُوْکَ تاکہ آپ کو بیڑیوں سے بند کر کے جیل میں ڈال دیں۔ اثبات الشیٔ وتثبیتہ" سے کسی جگہ کو باندھنا مراد ہوتا ہے۔ اس لئے جو کسی کو باندھتا ہے تو ایسا جکڑتا ہے کہ اُسے کسی قسم کی حرکت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ عمرو بن ہشام کے مقولے کی ترجمانی ہے اَوْ یَقْتُلُوْکَ یا آپ کو مختلف تلواروں سے شہید کر دیں۔ یہ ابوجہل کے منصوبے کا اظہار ہے اَوْ یُخْرِجُوْکَ یا آپ کو اپنے شہر مکہ سے کسی دوسرے شہر کی طرف جلا وطن کر کے نکال دیں" یہ ابوالبختری کے خیال کا اظہار ہے وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط اور وہ اپنا مکر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر فرماتا تھا یعنی اُن کی کاروائی چاہ کن را چاہ درپیش کے مطابق بناتا تھا۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ ابتداً اس کے لئے مکر کا اسناد کیا جائے اس لئے کہ مکر و فریب اور دھوکہ دہی سے اللہ تعالیٰ منزّہ اور پاک ہے البتہ مقابلۃً و مشاکلۃً اس کا استعمال جائز تو ہے لیکن وہاں خفیہ تدبیر مراد لی جائے گی[1]۔

وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ہ اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہوتی ہے۔ اُن کی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے بالمقابل کچھ نہیں۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق و صواب پر ہوتی ہے اور ان کا باطل و ظلم پر مبنی۔ مخلوق کا مکر حیلہ اور عجز پر دلالت کرتا ہے اور خالق کی خفیہ تدبیر کے مقابلہ میں باطل اور بے کار ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر خفیہ حق اور ثابت ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش
سامری کیست کہ دُرست اند ید بیضا ببرد

---

[1] لیکن دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیر و مرشد اور استاد اسماعیل دہلوی نے مکر اللہ کا ترجمہ مکر سے کیا۔ (تقویۃ الایمان) (اُویسی غفرلہٗ)

ترجمہ: سحر معجزہ سے دم نہیں مار سکتا بےخوف ہو (اطمینان کر) سامری کون لگتا ہے جو یدبیضا سے بازی لے جائے۔

اور نے کہا ہے

صعوہ کو با عقاب سازد جنگ

دہد از خون پرِ خویش را رنگ

ترجمہ: ممولا کون لگتا ہے کہ وہ عقاب سے لڑائی مول لے یہی ہوگا کہ وہ اپنے پروں کو خون سے رنگے گا (یعنی مار کھائے گا)

قرآنی مکالمہ ابوالعینا فرماتے ہیں کہ میرے چند جانی دشمن بہت بڑے ظالم تھے۔ میں نے اُن کی شکایت حضرت احمد بن داؤد سے کی اور عرض کیا کہ وہ اب متحد ہو کر میرا مقابلہ کریں گے جس سے مجھے بہت بڑا خطرہ ہے انہوں نے فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی غم نہ کھا اللہ سب پر غالب ہے میں نے کہا وہ بہت بڑے عیار و مکار ہیں آپ نے پڑھا وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ یعنی اُن کی عیاری و مکاری اُلٹا انہیں نقصان دہ ثابت ہوگی میں نے کہا کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں آپ نے پڑھا کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ یعنی تھوڑے زیادہ پر اللہ کے فضل و کرم سے غلبہ پا جاتے ہیں ؎

ہر کرا او باشد اقبال راہنموں

دشمن گردد بروی سرنگوں

ترجمہ: جس کا بخت رہبر ہو دشمن بھی اس کے آگے سرنگوں ہوں گے۔

سکندر کی وصیتیں سکندر کے حالات میں اس کا اپنا مکتوب ملا جس میں لکھا تھا جس شخص کی غرض و غایت صرف ذاتِ حق ہو وہی اس کی سب سے بڑی عبادت ہے جو سمجھتا ہے کہ موت آئیگی وہ دنیا کی طرف جھکے تو سمجھو کہ وہ سخت دھوکے میں ہے جس کا عقیدہ ہو کہ تقدیر ربانی حق ہے تو اسے دنیا کا حرص فضول ہے۔ جس کے دل میں دھوکہ فریب گھسا ہو وہ اگر کسی پر بھروسہ کرے تو وہ اُس کے عجز کی دلیل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام عدل و انصاف سے مقرر فرمائے تو اُن کی سزائیں بندوں کے لئے اُن کی کارکردگی کی وجہ سے ہیں مثلاً جب ابوجہل نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے بدر میں قتل کرا دیا۔ اہل اسلام اس کے شر سے بچ گئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا عدل اور عین فضل ہے۔ کفار نے باوجودیکہ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت بڑے معجزے دیکھے تو بجائے ماننے کے حضور علیہ السلام کو ایذا دی تو ان کے کفر و عناد میں اضافہ ہوا۔ بنا بریں وہ تمام لوگوں سے بہت زیادہ بدبخت سمجھے جاتے۔

فائدہ در ردِ وہابیہ آج اگر کوئی کافر کسی اللہ والے کی کرامت دیکھے تو یقیناً اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریگا بلکہ حتی المقدور اس کی تعظیم و تکریم کرتے گا۔

حاشیہ ملے (اگلے صفحہ پر)

حکایت منقول ہے کہ ایک جابر کافر بادشاہ نے اہلِ اسلام کی سلطنت پر قابض ہو کر تمام مسلمانوں کو قتل کرادیا اور اُن کے اموال و اسباب لوٹ لئے اس کا ارادہ ہوا کہ مسلمانوں کے پیروں فقیروں کو بھی قتل کردے۔ انہیں ایک بزرگ بادشاہ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اس ارادہ سے باز آجا۔ بادشاہ نے کہا اگر تم حق پر ہو تو ہمیں اپنی کوئی کرامت دکھایئے اُس اللہ والے نے اونٹ کی مینگنی پر نظر ڈالی تو وہ سونا بن گئی اور جواہر و موتیوں کی طرح چمکتا تھا اور مٹی کے خالی برتنوں کو حکم دیا تو وہ خلا میں اُلٹے ہوئے پانی سے بھر کر بادشاہ کے اوپر کھڑے رہے اُن میں سے ایک بوند پانی کی بھی نہ ٹپکی۔ ایسے بادشاہ کو ہیبت طاری ہوگئی۔ اس کے ہمنشینوں نے کہا کہ گھبراتے کیوں ہو یہ تو جادو ہے بادشاہ نے پھر سنبھل کر کہا کچھ اور دکھایئے بزرگ نے فرمایا آگ جلاؤ اور مزامیر لاکر مجھے سناؤ۔ مزامیر لائے گئے۔ درویش نے سماع سنا اور وجد آیا تو آگ میں چلا گیا آگ بہت تیز تھی۔ بزرگ نے آگ کے اندر سے بادشاہ کے بیٹے کو کھینچ لیا اور آگ میں غوطہ لگایا اور بادشاہ کا بیٹا بھی ساتھ۔ اس سے بادشاہ گھبرا کر بیٹے کی وجہ سے سخت رویا۔ تھوڑی دیر کے بعد فقیر اور بادشاہ کا بیٹا آگ سے بسلامت نکلے ایک کے ہاتھ میں سیب دوسرے کے ہاتھ میں انار تھا۔ بادشاہ دیکھ کر خوش ہوئے اور پوچھا کہاں چلے گئے فرمایا ہم ایک باغ میں تھے اور جلدی سے صرف دو میوے لائے بادشاہ کو حیران چھا گئی۔ لیکن بُرے حاشیہ نشینوں نے کہا بادشاہ سلامت آپ گھبراتے کیوں ہیں یہ بھی ایک کھیل تماشہ ہے جو ہاتھ کی صفائی سے۔ درویش نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ بادشاہ نے درویش سے کہا ہم آپ کے کارنامے دیکھتے جارہے ہیں لیکن یقین نہیں آتا۔ اب آخری بات ہے یہ پیالہ پی لیں تب ہم مانیں کہ واقعی آپ اللہ والے ہیں۔ وہ پیالہ زہر قاتل سے بھرا ہوا تھا کہ جس کا صرف ایک قطرہ جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔ بزرگ نے حسبِ دستور سماع کا حکم فرمایا۔ مجلس سماع گرم ہوئی۔ درویش پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی تو تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور پہنائے گئے وہ بھی پھاڑ دیئے اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر میں صرف پسینہ آیا اور جوش تھم گیا۔ جب ہوش میں آئے تو بادشاہ کے قدموں میں گر گیا اور درویشوں کو عزت و احترام سے رخصت کیا اور کہا کہ آپ لوگ میری سلطنت میں با امن و سلامت زندگی بسر کرو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

فائدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسلم و اللہ اعلم۔ تقریباً وہ مسلمان ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ

شانِ نزول یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی وہ تجارت کے لئے فارس روم اور حیرہ کے علاقوں میں جاتا رہتا تھا اور اُن سے اسفندیار رُستم اور عجمیوں کے قصے کہانیاں سنتا تھا پھر وہاں سے اس قسم کے قصے کہانیوں کی کتابیں خرید لیں اور یہود و نصاریٰ کو رکوع و سجود کرتا ہوا دیکھ آیا تھا اُن سے تورات و انجیل بھی سن پائی تھیں جب مکہ میں واپس لوٹا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے رکوع و سجود فرماتے تو وہ بھی ان لوگوں کے

لہ بخلاف وہابیہ نجدیہ کے کہ وہ اُلٹا شرک اور کفر کا فتویٰ دیں گے اور اسے بدعتی کہہ کر ٹھکرائیں گے (آزما کر دیکھئے) ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

ساتھ مل کر بیٹھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزا کرتے تھے۔ انہیں عجمیوں کے قصے سنا کر ہنساتا اور انہیں امم سابقہ کے واقعات وحالات سناتا اور اُن کے نام بھی بتاتا تھا اس کا گمان تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات سناتا ہے پھر کہتا ہے کہ ہم چاہتے تو ہم بھی ایسی ہی کتاب کہہ لیتے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مقولہ نقل کیا کہ اسمیں ان کی کمال بے شرمی و بے حیائی کہ قرآن پاک کی تحدی فرماتے اور فصحائے عرب کو قرآن کریم کے مثل ایک سورہ بنالانے کی دعوتیں دیتے اور اُن سب کے عاجز و درماندہ رہ جانے کے بعد یہ کلمہ کہنا اور ایسا ادعائے باطل کرنا نہایت ذلیل حرکت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنی آیات بھیج کر فرمایا کہ یاد کیجئے کہ جب پڑھی جاتی ہیں عَلَيْهِمْ نضر اور اُس کے تابعداروں پر اٰيٰتُنَا ہماری قرآنی آیات قَالُوْا تو کہتے ہیں قَدْ سَمِعْنَا ہم نے یہ سُن لیا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہہ دیتے۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے ورنہ انہیں اس جیسے کلام لانے کی طاقت تھی تو چاہتے کیوں نہ تھے۔ انہیں اس ارادہ سے کونسی شے مانع تھی حالانکہ اس سے قبل دس سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیلنج کرتے رہے۔ باوجودیکہ آپ سے اُن کی مخالفت ومعاندت زوروں پر تھی لیکن چیلنج قبول نہ کیا۔ بلکہ صم بکم لاجواب رہے حالانکہ انہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر بہت بڑا ناز تھا جب بالکل ہر طرح کے حربے سے عاجز ہوئے تو اب بھی مکابرہ ومعاندہ کے طور صرف اتنا کہا کہ ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں وغیرہ

اِنْ یہ نافیہ ہے هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ نہیں مگر اگلوں کے بناوٹی قصے یعنی یہ وہی قصے ہیں جو اگلے لوگوں نے لکھ کر چھپا رکھے تھے۔

فائدہ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے بمعنے مسطورہ ومکتوبہ۔

تفسیر عالمانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قالوا سمعنا وہ بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ درحقیقت انہوں نے کچھ بھی نہیں سُنا تھا۔ اس لئے کہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے اسے جو بھی سنتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ جیسے جنات نے بمجرد سنتے ہی ہدایت پائی۔ البتہ کفار نے وہی سُنا جو وہ خود کہہ بیٹھے کہ یہ بناوٹی باتیں ہیں انہیں بناوٹی قصے بنانے تو آتے تھے لیکن اُن کے بس کی بات نہیں کہ وہ قرآن مجید جیسا کلام بنا سکیں۔ اسی لئے کہ قرآن مجید تو کلام الٰہی ہے اور اُس کا کلام اس کی صفت قدیمہ ہے اور ان کا کلام مخلوق وحادث تھا۔ پھر کلام مخلوق حادث کلام قدیمی جیسی صورۃً ومعنًا کس طرح ہو سکتا ہے۔ کلام قدیم سے اسرار وانوار کہاں اور مخلوق کے عقل وفہم کہاں انہیں وہاں تک رسائی کیسی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر انس وجن جمع ہو کر قرآن جیسا کلام لائیں تو نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چوں کتاب اللہ بر آمد ہم بر اں

اینچنیں طعنہ زدند آن کافراں

۲) کہ اساطیر است و افسانہ نژند
نیست تعمیقی و تحقیقی بلند

۳) کودکاں خرد فہمش مے کنند
نیست جزا مر پسند و ناپسند

۴) ذکر یوسف ذکر زلف پُرخمش
ذکر یعقوب و زلیخا و غمش

۵) ظاہر است ہر کسے پے میبرد
گوبیاں کہ گم شود درو ے خرد

۶) گفت اگر آساں نماید ایں بتو
ایچنیں یک سورہ گو اے سخت رو

۷) جنیان و انسیان و اھل کار
تو یکے آیت ازیں آساں بیار

ترجمہ: ۱) جب کتاب اللہ نازل ہوئی تو اس پر کافروں نے ایسے ہی طعنہ مارا۔
۲) کہ یہ کہانیاں اور پرانے لوگوں کے افسانے ہیں نہ یہ بلند تحقیقی کتاب ہے نہ تعمیقی۔
۳) اسے بچے بھی سمجھ سکتے ہیں سوائے پسند و ناپسند امر کے اس میں اور کچھ نہیں۔
۴) ذکر یوسف اور پرپیچ زلفوں اور ذکر یعقوب اور زلیخا اور اس کے غم کا ذکر ہے۔
۵) ظاہر ہے کہ اس سے ہر ایک مطلب نکال سکتا ہے انہیں کہو کہ یہ کتاب آسان نہیں اس میں تو عقل گم
انہیں کہو اگر آسان ہے تو اس جیسی ایک آسان سورہ لاؤ اے سخت لوگو۔
جن و انس اور دیگر عقلاء بھی سب مل کر ایک آسان آیت لاؤ۔

تفسیر عالمانہ **وَاِذْ قَالُوْا** اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے جب نضر اور اس کے تابعداروں نے کہا کہ یہ قرآن تو نیا دی قصے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے بدبخت یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے اس نے کہا **اَللّٰھُمَّ**[۱] اے اللہ۔ **اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ** اگر یہ قرآن حق ہے۔ **ھُوَ** ضمیر فعل کی ہے اس کا اعراب کے لحاظ سے کوئی محل نہیں۔ الحق سے مراد یہ ہے کہ واقعی نازل شدہ ہے۔ **مِنْ عِنْدِکَ**[۲] تیری طرف سے یعنی وہ راست اور درست ہے **فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً** پس ہم پر پتھر برسا جو نازل ہونے

[۱-۲] دیکھئے وہ اَللّٰھُمَّ کہہ کر بتا رہے ہیں کہ وہ خدا کو مانتے ہیں اور پھر عندک ضمیر واحد بول کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ خدا کو واحد ہی جانتے ہیں مگر یہ توحید پرستی ان سے عذاب کو ٹال نہ سکی اس لئے کہ وہ رسالت کے منکر تھے۔ یہی مطلب ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بچھڑا اچھڑا کوئی نہیں سکتا۔ یعنی خدا رسالت کے منکر کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ رسالت کو لغو ... زوالوں کا حشر بھی ہوتا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

والا ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے جو وہ ہم پر سنگ کے طور برسے۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب الفیل پتھر برسے تھے اَوِئْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یا کوئی عذاب لا جیسے سابقہ اُمتوں پر آئے۔ اس سے کفار تہکم و استہزا کر رہے تھے اور نبار رہے تھے کہ انہیں یقین ہے کہ (معاذ اللہ) یہ قرآن باطل ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ نضر بن حارث کے حق میں دس کے اوپر چند آیات نازل ہوئیں اس نے جو کچھ مانگا اسے بدر میں مل گیا چنانچہ خود حضور نبی علیہ السلام نے نضر بن حارث کے علاوہ دو اور قریشیوں کا فروں (طعیمہ بن عدوی اور عقبہ بن ابی معیط کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اُسے مقداد بن اسود نے قیدی بھی بنایا تھا۔

فائدہ غور کیجئے کہ اس بدبخت نے ضد و عناد یا جہالت و حماقت سے مذکورہ دُعا مانگی۔ اگر اس کی بجائے یوں کہتا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہمیں ہدایت دے اور اس سے نفع اندوزی کا موقع میسر فرما اور اسے ہمارے قلوب کے لئے شفا اور ہمارے صدور کا نور بنا لیکن جس بدبخت کے منہ سے خیر کے بجائے شر نکلے وہ کس طرح کلام خداوندی جیسا کلام بنا سکتے سکتا تھا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں جب تک آپ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں تشریف فرما ہیں اس لئے کہ جب عذاب نازل ہوتا ہے تو ہمہ گیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت تک کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ وہاں سے نبی علیہ السلام مع اہل ایمان کوچ نہ کر جائیں۔

شانِ رسالت کا بیان اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت بے پایاں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے جب آپ رحمتِ خداوندی کے بحر بے کنار ہیں تو پھر وہاں عذاب کیسا کہ رحمت و عذاب دو نقیضین[1] ہیں اور قاعدہ ہے **النقیضان لا یجتمعان** دو نقیضیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

قاعدہ در شانِ رسالت اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تک عالم دنیا میں تشریف فرما ہوں تو لوگ اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تک اُن کی سنت پر عمل ہوتا رہے اس سے بھی دنیا والوں کے لئے امان رہتی ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت و بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت و احترام بے پایاں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ وہ بندوں کے لئے امان ہیں[2] اور آپ کی وجہ سے عذاب کا نزول ممنوع قرار دیا گیا۔

---

[1] نقیض ضد کو کہتے ہیں مگر ضدیں اور نقیض میں یہ فرق ہے کہ دو ضدیں بیک جا اکٹھی ہو سکتی ہیں مگر دو نقیضیں ایک جگہ اور ایک وقت میں اکٹھی نہیں ہوتیں جیسے دن اور رات کا ایک وقت ہونا محال ہے۔

[2] اسی کو ہم اہلسنت میں اسلام کہتے ہیں لیکن بدقسمت وہابی دیوبندی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ (اُویسی غفرلہٗ)

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں اللہ والے متقی پرہیزگار لوگ موجود ہوں وہاں سے بھی اللہ تعالیٰ اپنا عذاب ہٹا لیتا ہے بشرطیکہ معذب قوم اللہ والوں کے دامن کو لپٹیں چنانچہ صاحب روح البیان کی عبارت یوں ہے وفی ذلک ایماء الی ان اللہ یدفع عذاب قوم لاقترانہم باھل الصلاح والتقی[1]
(اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم سے عذاب ہٹا لیتا ہے جو اللہ والوں سے تعلق جوڑیں)

حاضر و ناظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیہ دیوبندیہ قال صاحب روح البیان قدس سرہٗ جمیع الانتظام بوجودہ الشریف فانہ مظہر الذات وطلسم العوالم حتی قیل فی وجہ عدم ارتحال جسدہ الشریف من الدنیا مع ان عیسٰی علیہ السلام قد عرج الی السماء بجسدہ انہ انما بقی جسمہ الطاہر ھنا لاصلاح عالم الاجساد وانتظامہ[2]

یعنی حضرت الشیخ الشہیر بافتاد قدس سرہٗ نے فرمایا۔ خداوند عالم کے تمام عوالم کا انتظام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود مبارک سے متعلق ہے کہ آپ ذات الٰہی کے مظہر ذاتی اور تمام عوالم کے موقوف علیہ ہیں یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل واکمل ہیں لیکن عیسٰی علیہ السلام تو آسمان پر رونق افروز ہیں اور آپ زمین پر تشریف فرما ہیں وہ صرف اس لئے کہ عالم اجساد کی اصلاح آپ کی وجہ سے ہے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خویشتن را خواجہ عرصات گفت
انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

ترجمہ: خود کو خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرصات فرمایا ہے کہ میں رحمت ہدایت والی ہوں۔
رزقنا اللہ شفاعتہ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت نصیب فرمائے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ اس سے وہ بقایا اہل ایمان مراد ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے اور وہیں پر مقیم تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ مراد ہیں جو ابھی اپنے آباؤاجداد کی اصلاب میں تھے بعض نے کہا وہی کفار مراد ہیں جو انجام بکار کفر سے تائب ہوں گے۔

فائدہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمین پر دو امانتیں نازل ہوئیں ایک امان اٹھائی گئی دوسری باقی ہے۔ جو اٹھائی گئی ہے وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے جو وصال فرما گئے۔ دوسری استغفار ہے جو باقی ہے اس کے بعد یہی آیت پڑھی۔

---

[1] ص ۴۰ ۱۲۸ [2] ایضاً۔

نکتہ وہ مؤمن جسے اپنے ایمان میں صدق اور خلوص ہے اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ عذاب نہیں کرے گا اس لئے کہ اُن کے نبی علیہ السلام انہی میں موجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے قسم یاد کرکے فرمایا کہ جہاں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے وہاں عذاب نہیں ہوگا۔

فائدہ صدق فی التوبہ بندے کو نجات بخشتی ہے اور توبہ یعنے اظہار ندامت کرکے گناہ سے بالکل دوری اختیار کرلینا صرف زبان سے توبہ کا اظہار نہ ہو۔

فائدہ عوام گناہوں سے اور خواص رؤیتِ اعمال سے جبکہ اس نظریہ سے اپنے اعمال پر نگاہ کریں کہ یہ اُن کے اعمال ہیں لیکن یہ خیال نہ آئے کہ اگر فضلِ رب نہ ہوتا تو اس سے اعمال نہ ہوتے اور اکابر اولیاء ماسوی اللہ کسی شئے کو تصور میں لاتے ہی نہیں ہے

گفت حق آمرزش از من می طلب

کان طلب مر غفورا باشد سبب

از پے زہر گناہ ار بشنوی

ہست استغفار تریاق قوی

ترجمہ: "حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بخشش مجھ سے طلب کر اس لئے کہ یہی معافی کا سبب ہے۔
(۲) اگر سچ پوچھو تو ہر گناہ کی معافی کے لئے استغفار قوی تریاق ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اور انہیں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ کرے یعنی ان کے لئے کونسی شئے حائل ہے جو اُن کے عذاب نہ کرنے کا سبب ہے کہ انہیں کسی قسم کا عذاب بھی نہ ہو جب مانع نہ ہوگا اور انہیں مہلت دی گئی اس سے بھی انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو انہیں لامحالہ عذاب ہوگا اور انہیں عذاب کیوں نہ ہو جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ **وَهُمْ يَصُدُّوْنَ** اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو روکتے ہیں **عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** مسجد حرام سے یعنی کعبہ کے طواف سے جیسے عام حدیبیہ میں ہوا۔ انہی کے الشکنے سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت پر مجبور ہوگئے اور وہ کہتے کہ ہم ہیں بیت اللہ شریف کے متولی جسے ہم چاہیں بیت اللہ شریف جانے دیں جسے چاہیں تو نہ جانے دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا **وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ** اور وہ اس کے اہل نہیں۔ یعنی بیت اللہ ہیں وہ کسی قسم کا استحقاق نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے گھر کی تولیت کیسی؟ **اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ** اُس کے اولیاء صرف پرہیزگار ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو شرک سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتے **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ۝ لیکن اُن کے اکثر نہیں جانتے کہ وہ بیت اللہ کے متولی نہیں ہوسکتے۔

فائدہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بعض جانتے تھے کہ ہم کعبہ معظمہ کی تولیت کے اہل نہیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی بضد تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر اکثر سے کل مراد ہیں جیسے کبھی قلت سے عدم مراد ہوتا ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولی اللہ وہ ہے جو متقی با اللہ عما سوی اللہ ہو لیکن بہت سے اولیا ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اولیا اللہ اپنے آپ کو جانتے ہیں کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں لیکن اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے ولی ہونے کا علم نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ اور مشرکین کی نماز و دعا نہیں۔ عِنْدَ الْبَيْتِ بیت اللہ یعنی کعبہ معظمہ کے نزدیک اِلَّا مُكَاءً مگر سیٹی۔ یہ مُكَاءٌ يمكو مكاء سے ہے بمعنے سیٹی بجانا۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ المکاء عرب میں ایک پرندہ کا نام ہے جو سیٹی سی آواز کرتا ہے اس آواز کی وجہ سے اس کا نام مکاء پڑ گیا۔

وَتَصْدِيَةً اور تالی بجانا جب دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر مارا جائے اس سے جو آواز نکلتی ہے اُسے تصدیہ (تالی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دراصل تصدیہ بمعنے احداث الصدی اور صدی ہر اُس آواز کو کہا جاتا ہے جو خالی مکانات سے نکلتا ہے جیسے صدائے بازگشت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے صدی یصدی تصدیہ۔ مشرکین بیت اللہ کے قریب بجائے تسبیح و دعا کے تالی اور سیٹی بجاتے تھے اور اس کو وہ قرب اور عبادت الٰہی سمجھتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین عرب مرد اور عورت ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ پنجہ ملا کر سیٹی اور تالی بجاتے تھے آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ وہ بیت اللہ کی توہین کرتے تھے اس بنا پر وہ بیت اللہ کی تولیت کے اہل بھی نہیں اس لئے کہ جو بیت اللہ میں اس طرح کی اہانت کرکے اسے اپنی عبادت سمجھے تو ایسا احمق بیت اللہ کی تولیت کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے۔

فائدہ مقاتل فرماتے ہیں کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے تو بنی عبدالدار کے دو مرد آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو کر مکاء پرندے کی طرح سیٹی بجاتے اور زور زور سے تالیاں بجاتے تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلجمعی سے نماز نہ پڑھ سکیں اور نہ ہی احسن طریقے سے قرآن پاک پڑھ سکیں۔ اسی طرح وہ ہر مؤمن کے ساتھ کرتے طرفہ یہ کہ وہ بھی اس کو اپنی نماز اور عبادت وغیرہ تصور کرتے۔ اس تقریر پر آیت میں صلوٰتھم سے یہی نماز ماموربہ مراد ہوگی۔

فَذُوقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو اس سے بدر کے دن کا قتل اور قید مراد ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہیں قیامت میں کہا جائے گا کہ فذوقوا العذاب۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ اس کا بدلہ جو تم کفر کرتے تھے۔

فائدہ کفر و معصیت عذاب کے وقوع کا اور توبہ و استغفار اللہ تعالیٰ کے فیض و رحمت کا سبب اور وسیلہ ہیں۔

---

[1] اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اس تفسیر کے مطابق ترجمہ میں لفظ نماز استعمال فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ توبہ و استغفار گناہوں کے لئے بمنزلہ صابن کے ہیں جسے توبہ نصیب نہیں اُسے قلبی طہارت کبھی نصیب نہیں ہو گی اس لئے عام مسلم قلب کی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قلب کی مسجد کی تولیت اس خوش نصیب کو عطا ہوتی ہے جو عارف باللہ ہو۔ یعنی ہر وہ انسان جو فارغ عن الشواغل اور معرض عن العلائق اور طاہر من الذنوب ہو۔ اللہ تعالیٰ جسے تجلیات عالیہ اور اذواق و حالات متوالیہ کی جنات میں اپنے اولیا کو داخل کرتا ہے پھر اُسے عذاب نہیں دیتا۔ اس لئے کہ ایسے اولیا کے وجود (جو ایندھن کے مشابہ ہوتے ہیں) کو آگ میں نہیں جلاتا ایسے لوگوں میں سوائے نور الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے کہ اُن کے قلب میں نورِ خداوندی چمکتا رہتا ہے پھر ایسے حضرات کو عذاب کیسا۔ البتہ عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو رحمت کے لئے مستعد نہیں یا جو شخص اپنے نیک اعمال سے بُرے اعمال ملا دیتا ہے۔ ایسے لوگ گناہوں کی آلائش سے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے انہیں عذاب ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نسخہ روحانی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء اور اُن کے احکام کی پابندی نہ صرف نجات کا موجب ہیں بلکہ اُن سے قلب کی صفائی نصیب ہوتی ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ نیکی اختیار کرے اور ایسے افعال سے بچے جو اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا موجب بن جائیں یہی دونوں یعنی اختیار و اجتناب ہر انسان کے لئے فرض ہیں اور یہی ہر دونوں تقویٰ کی رُوح ہیں۔ بیماری دفع ہوتی ہے اور بیمار دلوں کا علاج کرنا ہر عبادت اور ہر امر سے بہتر اور ہر معاملہ میں اہمیت رکھتا ہے لیکن دل کا علاج تقویٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرۃ مبارکہ کو اپنانا تقویٰ کی رُوح اور اصل ہے۔

حدیث شریف ① مَنْ اَحْيٰي فَقَدْ احيانى وَمَنْ اَحيانى فقد اَحبنى ومن احبنى كان مَعِى فِى الجنةِ يوم القِيٰمةِ جو میری سنت کو زندہ کرتا ہے وہ میری رُوح کو خوش کرتا ہے جو مجھے خوش کرتا ہے تو وہ مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے وہ قیامت میں بہشت میں میرے ساتھ ہو گا۔

حدیث شریف ② من حفظ سنتى اكرمه الله باربع خصال المحبة فى قلوب البررة والهيبة فى قلوب الفجرة والسعة فى الرزق والثقة بالدين جو میری سنت مبارک کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چار خصلتوں سے نوازتا ہے۔

① نیک لوگوں میں اُس کا وقار پیدا ہو جاتا ہے۔
② فاسق و فاجر لوگوں پر اس کی ہیبت چھا جاتی ہے۔
③ رزق کی وسعت نصیب ہوتی ہے

④ اسے دین کا وثوق عطا ہوتا ہے۔

فائدہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اس کے لئے یہ سعادت کچھ کم نہیں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنائے یا حدیث نبوی کے عشاق کی زیارت کرے پھر یوں سمجھے کہ گویا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو گئی اور بفضلہ تعالیٰ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) یک زمانہ صحبت با اولیا۔ اللہ والوں اور متقیوں کی صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے اور کلام الٰہی اور کلام دینوی سننے سے دل زندہ ہوتا ہے۔ لیکن جب تک توفیق ایزدی اور ہدایت الٰہی نہ ہو اس وقت تک اس کا حصول مشکل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اغراض درست فرمائے اور ہمیں نیک اعمال زیادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ نورِ کتاب وسنت سے ہمارے دل منور فرمائے اور جنت میں بلند کے مقامات سے نوازے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ آیت مشرکین مکہ کے ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو لشکر کفار کو بدر میں باری باری طعام کھلاتے تھے۔ وہ بارہ[۱۲] اشخاص تھے۔ ہر ایک شخص دن میں دس اونٹ ذبح کرتا تھا۔ جزور جزر کی جمع ہے۔ اونٹ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ مگر لفظ جزور مؤنث ہے اس لئے لفظی عبارت کے وقت کہا جائے گا ھٰذہ الجزور اگرچہ اس سے مذکر بھی مراد ہوں یعنی بے شک وہ لوگ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت و دشمنی میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں لِیَصُدُّوْا تاکہ لوگوں کو روکیں عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع۔ سے اس لئے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع بھی دین ہے اس سے بھی ثواب اور جو اس راہ پر چلتا ہے اسے دائمی بہشت کا داخلہ نصیب ہوتا ہے[۲] اور لیصدو کی لام صیرورۃ کی ہے۔ اسے عاقبت و مآل سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا پس اب وہ تمام مال خرچ کر دیں گے اوّل انفاق سے بدر میں خرچ کرنا

---

[۱] سید میراں بھیک قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

آدھی سے بھی آدھی گھڑی آدھی سے بھی آدھ

بھیکا سنگت سادھ کی کٹت کوٹ اپرادھ

یعنی آدھی سے بھی آدھی بلکہ اس کی آدھی گھڑی صحبت اولیاء اللہ گناہوں کی بڑے بڑے انباروں کو کاٹ دیتی ہے۔ (سادھ، درویش۔ کوٹ بمعنے انبار۔ اپرادھ بمعنے گناہ۔ یہ الفاظ ہندی پوربی کے ہیں اور ان کا کلام اسی زبان میں پایا جاتا ہے۔

[۲] اس میں منکرین حدیث یعنی پرویزیوں اور چکڑالویوں کا رد ہے جو اتباع رسول کو اتباع حق سے علیحدہ تصور کرتے ہیں۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

مُراد ہے۔ دوسرے سے آنے والے غزوات میں خرچ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ مثلاً غزوہ احد وغیرہ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یک وقت خرچ کرنا مُراد ہے۔ پھر سَیُنفِقُونَ کو استمرارِ جدید پر محمول کیا جائے گا اور فَسَیُنفِقُونَهَا کا سین تسویف کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس اعتبار سے اُن کے یہ دونوں انفاق ایک ہوں گے صرف فرق یہ ہے کہ پہلے خرچ میں غرض وغایت دوسرے میں اس کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ تَكُونُ پھر ہوں گے اُن کے تمام اموال عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ان پر پچھتاوا یعنی ندامت اور غم کہ مال بھی گیا اور اُس سے فائدہ بھی کوئی نہ ہوا چونکہ ان کا یہ انفاق اُن کے دلوں میں حسرت کا موجب بنے گا اس لئے اُن کے اموال کو عین حسرت ظاہر کیا گیا۔ گویا وہی حسرت کا عین ہے اسمیں مبالغہ ہے۔

حل لغات حسرۃ حسر سے ہے بمعنے الکشف۔ مثلاً کہا جاتا ہے "حسر راسہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنا سر کھولے الحاسر بمعنے کاشف الراس۔ اب معنے یہ ہوا کہ ان پر واضح ہو جائے گی جس بات جو ان کے لئے حسرت کا سبب ہوگی۔

ثُمَّ يُغْلَبُونَ پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے۔ یعنی اگرچہ جنگیں زوروں پر ہوں گی مگر اُن کا انجام یہ ہوگا کہ کفار مغلوب کر دیئے جائیں گے وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور وہ لوگ جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں إِلَىٰ جَهَنَّمَ جہنم کی طرف۔ يُحْشَرُونَ جمع کئے جائیں گے یعنی انہیں ہانک کر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ لِيَمِيزَ اللَّهُ یہ لام يُحْشَرُونَ یا يُغْلَبُونَ کے متعلق ہے اور میز سے مشتق ہے بمعنے جدا کردن یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جدا کرے۔ الْخَبِيثَ خبیث یعنی کفار کو مِنَ الطَّيِّبِ ستھرے یعنی اہل ایمان سے وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا اور کرے گا کفار خبیث کو اُوپر تلے کر کے سب کو ایک ڈھیر بنائے یعنی انہیں جمع کر کے ایک دوسرے سے ملا دے تاکہ سب ایک ڈھیر بن جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ الرکم مطلقاً جمع کے معنی میں ہے بلکہ ایسے جمع کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر تلے ڈھیر لگے ہوں اسی لئے وہ بادل جو ایک دوسرے کے نیچے ہوں انہیں السحاب المرکوم سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ پس ان سب کافروں کو جہنم میں ڈالدے۔ أُولَٰئِكَ وہی کفار خبیث هُمُ الْخَاسِرُونَ وہی مکمل طور خسارے والے ہیں اس لئے کہ انہوں نے مال بھی خرچ کئے اور جانیں بھی گئیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے روح علوی اور نورانی اور نفس کو سفلی اور ظلمانی پیدا فرما کر ان ہر دونوں کو مشترک امر کا شریک بنایا۔ اس کا راس المال استعداد فطری مقرر فرمائی جو یہی استعداد و معرفت اور خسارہ و نقصان ترقی و تنزل کو قبول کرتی ہے جس نے اس فطرت سے تجارت کر کے دولتِ ایمان حاصل کی اور مال سے جہاد کیا اور اللہ کا طالب ہو کر اللہ والوں کے مرتبہ کو پہنچا تو سمجھو اُس نے اپنی تجارت میں نفع کمایا اس کے نفس اور روح دونوں بہرہ یاب ہوئے اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود گناہوں میں مبتلا ہو گیا اور شریعت کی مخالفت پر زندگی بسر کی اس کے رُوح کی تجارت کو نفع ہوا لیکن اُس کے نفس نے

گھاٹا پایا۔ اور جس بد بخت کو دولتِ ایمان بھی نصیب نہ ہوئی اور کفر میں منہمک ہوا تو اس کا نفس اور رُوح ہر دونوں خسارے میں ہے

حکایت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت شبلی قدس سرہٗ بوقت وفات فرما رہے تھے یجوز۔ یجوز۔ یعنی جائز ہے جائز ہے۔ آپ سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس اور رُوح کو پیدا فرما کر ان دونوں کو تجارت میں شریک کیا۔ ہر دونوں عرصہ دراز تک تجارتی امور میں مشغول ہوئے اب ہر دونوں سے حساب ہوا تو دونوں نے خسارہ پایا۔ انہیں کسی قسم کا نفع نہ ہوا۔ اب آپس میں جدائی کا ارادہ کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں یجوز۔ یجوز۔ یعنی دُرست ہے کہ اب دونوں کی آپس میں جدائی ہونی چاہیئے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

(۱) کوس رحلت بکوفت دستِ اجل
اے دو چشم وداع سر بکنید

(۲) اے کف و دست و ساعد و بازو
ہمہ تو دیع یکدگر بکنید

(۳) برمن افتادہ مرگ دشمن کام
آخر اے دوستاں حذر بکنید

(۴) روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

ترجمہ: (۱) دست اجل نے کوچ کا نقارہ بجایا اے دونوں آنکھیں سر سے الوداع کرو۔
(۲) اے ہتھیلی اور ہاتھ اور گھٹنوں اور بازو تم بھی ایک دوسرے سے الوداع کرو۔
(۳) میری موت سے دشمن کی مراد پوری ہوئی اے دوستو تم خوف میں رہو۔
(۴) میرا وقت نادانی سے گذرا میں تو کچھ نہ کرسکا تم خوفِ خدا کرکے کچھ کرلو۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ نقصان سے بچنے کے لئے جدوجہد کرے اور نفس و مال خرچ کرکے اپنی تجارت میں نفع کمائے اور طالبین پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب میں پاکیزہ مال خرچ کریں اور صوفیا کے نزدیک خبیث مال وہ ہے جو طالبِ الٰہی بن حاجت غیر ضروریہ میں خرچ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل بنا دے اور اس کی طلب سے سُست پڑ جائے اسی طرح وہ طریق حق سے بھٹک جاتا ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ خبیث مال کو جہنم میں ڈالے گا تو خبیث مال کے مالکوں کو بھی ساتھ ڈالا جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوم یحمٰی علیہا فتکویٰ بہم جنوبہم وظہورھم قیامت کے دن ان کے مال جہنم کی آگ سے گرم کئے جائیں گے پھر ان لوگوں کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی

جائیں گی۔

حکایت مروی ہے کہ ابو سفیان (قبل از اسلام) نے احد کی جنگ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عربی جنگیوں کے علاوہ دو ہزار جنگی مزدوروں کے لئے چالیس اوقیہ سونا خرچ کئے۔

فائدہ بیالیس مثقال کا ایک اوقیہ ہوتا ہے (کذا فی القاموس)۔

سبق غور کیجئے کہ کفار حضور نبی علیہ السلام کی مخالفت پر کتنا مال خرچ کرتے تھے جبکہ ان کی غرض فاسد تھی یعنی ارادہ رکھتے کہ مسلمان راہ حق سے ہٹ جائیں اور مسلمان کو اور بھی میسر نہ ہو تو رضائے محبوب میں جذب و وصال کا جذبہ تو پیدا کرے یہی اس کا اصلی مقصد ہے۔

سبق ہر انسان پر لازم ہے کہ نفس کو اس کی مرغوب چیزوں سے روکے اور نفس کی مرغوب شے مال ہے۔

روحانی چٹکلہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تصوف کے اسباق قیل وقال سے حاصل نہیں کئے بلکہ نفس کو بھوکا اور اسے دنیا سے دور اور اس کی مرغوبات و مطلوبات اشیاء سے محروم رکھنے سے حاصل کئے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا ای الناس افضل لوگوں میں کون سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا مؤمن یجاھد بنفسه ومالہ فی سبیل اللہ۔ وہ مؤمن جو اپنے اور مال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کر کے جہاد کرتا ہے پھر پوچھا اس کے بعد کون آپ نے فرمایا رَجُلٌ فی شعب من الشعاب یَعْبُدُ رَبَّهٗ وہ مرد جو علیحدگی اختیار کر کے تنہائی میں اپنے رب کریم کی عبادت کرتا ہے۔ ویدع الناس من شرہ اور لوگوں کو اپنے شر سے دور رکھتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ اس سے ثابت ہوا کہ تنہائی میں رہنا افضل ہے اور جب لوگوں کے دین میں شر و فساد پھیل جائے اُن کے دینی حالات متغیر ہو جائیں تو اس وقت تنہائی اختیار کرنا مستحب ہے اسی طرح جب فتنے سر اٹھائیں اور معاملات گڑبڑ ہو جائیں تو بھی جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد کیا۔ ایسے ہی حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب اسلامی حالات بدل جائیں اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائیں اور لوگ فضول باتوں میں منہمک ہوں تو علیحدگی اختیار کی جائے اور گھروں میں بیٹھ جانا چاہیئے تلوار توڑ کر اسے کند بنا دیا جائے۔

فائدہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ جب لوگوں سے بدل جائیں تو تنہائی میں سلامتی ہے اور اسلاف کا فرمان ہے کہ ایسے اوقات میں السلامۃ الوحدۃ (سلامتی تنہائی میں ہے) کا حکم دیتے اور اسی کے متعلق وصیت فرماتے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہر فعل و قول مبنی بر مصالح دینیہ ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کے بعد کے ادوار خیر کی طرف نہیں جا رہے بلکہ شر

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِن يَنتَهُوا۟ يُغْفَرْ لَهُم

تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا

مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا۟ فَقَدْ

جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائیگا اور اگر پھر وہی کریں تو اگلوں

مَضَتْ سُنَّتُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَـٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ

کا دستور گزر چکا ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد

فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ ٱنتَهَوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِمَا

باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے

يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا۟ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَوْلَىٰكُمْ

کام دیکھ رہا ہے اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے

نِعْمَ ٱلْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ ٱلنَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔

تفسیر عالمانہ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ آپ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے فرمائیے لام تعلیل کی یا معنے اجل ہے۔ اس سے ابو سفیان (جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور اس کے یار دوست مراد ہیں۔
إِن يَنتَهُوا۟ اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمنی سے باز ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔
يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ انہیں بخش دیا جائے گا جو ان سے گذرا یعنی اُن کے اسلام لانے سے قبل ان سے جتنی غلطیاں ہوئیں انہیں معاف فرما دیا جائے گا وَإِن يَعُودُوا۟ اور اگر وہ جنگ کی طرف لوٹ آئیں تو ہم ان سے انتقام لیں گے اور انہیں تباہ و برباد کریں گے۔
فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ ٱلْأَوَّلِينَ ۔ پس پہلے لوگوں کا طریقہ گذرا یعنی کفار نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کو ہلاک و برباد کیا۔ جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے بدر میں کیا۔ بعض شعرائے فرمایا ؎

یستوجب العفو الفتی اذا اعترف
ثم انتہی عمّا اتاہ واقترف

یقولہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا

اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس مجرم کو معاف کرتا ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور سابقہ تمام گناہوں سے بصدقِ دل توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا الخ[1]

وَقَاتِلُوْهُمْ اے مومنو کفار سے لڑو حَتّٰی یہاں تک کہ لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ نہ ہو فتنہ یعنی شرک یعنی کوئی مشرک اور بت پرست اور اہل کتاب نہ رہے وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ اور سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور باقی تمام ادیان باطلہ مٹ جائیں یا وہ سب قتل کے خوف سے اس دین حق میں شامل ہو جائیں فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر وہ کفر سے باز ہیں فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ پس اللہ تعالیٰ اُن کے کام دیکھ رہا ہے تو انہیں اسلام لانے پر جزا اور اسلام نہ لانے پر سزا دے گا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ قبول حق سے اعراض کریں فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ یقین کرو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ پس اسی پر سہارا کرو۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وہ کیسا بہتر مولیٰ ہے۔ وہ اپنے پیاروں کو ضائع نہیں کرتا وَنِعْمَ النَّصِیْرُ اور کیا ہی بہتر مددگار ہے جس کی وہ مدد کرے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

مسئلہ آیت میں جہاد کی ترغیب ہے۔

بقیہ ص ۳۶۳ سے آگے

اور فساد کی طرف لوٹ رہے ہیں چنانچہ عرب کا مقولہ مشہور ہے کل یوم ابتر واذھی امس۔ ہر دن ابتر اور سیاہ کڑوا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز

ہزار بازی ازیں طرفہ تر برانگیزد

(۲) اِن دام ھٰذا ولم یحدث لہٗ غیرٌ

لم یُبْکَ مَیّتٌ ولم یفرح بمولود

ترجمہ: (۱) تو عمر مانگ لیکن صبر بھی کیونکہ چرخ شعبدہ باز (کا خیال رکھنا) کیونکہ ہزار بازی ہر لحظہ میں کھڑی کرتا رہتا ہے۔
(۲) اگر وہ ایک حالت پہ رہے تو پھر نہ کسی مردہ پر کوئی روئے اور نہ کسی بچے کی پیدائش پر کوئی خوش ہو یعنی ایک حالت پہ رہے نہ کسی کی موت ہو اور نہ کوئی بچہ پیدا ہو تو پھر رونا اور ہنسنا کہاں۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّابِرِیْنَ ۰ اے اللہ ہمیں صابرین سے بنا۔

---

[1] چونکہ یہ آیت ابھی مذکور ہوئی ہے اس لئے الخ کر دیا ہے۔

جہاد کے فضائل گھڑی بھر جہاد فی سبیل اللہ میں ٹھہرنا لیلۃ القدر کی ساری رات اور وہ بھی حجر اسود کے نزدیک کی عبادت افضل ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ پانچ باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے معاہدہ فرمایا کہ ان میں کسی ایک پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے کہ اُسے بہشت عطا فرمائے۔

① بیمار پرسی۔

② جنازہ کے ساتھ چلنا۔

③ امام کی خدمت میں حاضری محض اس کی تعظیم وغیرہ کی نیت پر۔

④ جہاد فی سبیل اللہ کے ارادہ پر جنگ کو جانا۔

⑤ اپنے گھر میں رہے اور لوگوں کو نہ ستائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو حج کے لئے چلے اور راہ میں مرگیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھے گا اور جو عمرہ کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے اور راستہ میں مرگیا اُسے قیامت تک عمرے کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص جنگ کے ارادہ پر نکلتا ہے اور راستہ میں مرگیا اُسے قیامت تک جنگ کا ثواب لکھا جائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ تا حدِ امکان ایسے اسباب تیار کرے جو اُس کے دین کو زندہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اسے وہی انعامات نصیب فرمائے جو دین کے زندہ کرنے والوں کو نصیب ہوں گے۔ مخلوق سے کسی قسم کی امید رکھنا نامناسب ہے اس لئے کہ مخلوق تمام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز میں برابر ہیں بالخصوص فساق سے استمداد تو زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے لازم ہے اہل خیر شریر ظالمین سے کسی قسم کی استمداد نہ کریں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

در کارِ دیں ز مردمِ بے دیں مدد مخواہ
از ماہ منخسف مطلب نورِ صبح گاہ

ترجمہ: دینی کام میں بے دین سے مدد نہ مانگ۔ چاند گرہن ہو تو اس سے صبح گاہ جیسا نور نہ طلب کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے وقاتلو الخ یعنی نفوس اور سچائی نفس کو صدق کی تلوار سے قتل کرو۔ یہاں تک کہ وہ نفس و ہویٰ تمہیں عالم حقیقت تک پہنچنے سے آفت مانع نہ ہو جائیں وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ الخ اور وجود کو حاصل کرنے کے لئے وجود کو خرچ کرو اور موجود کو معدوم بنا کر تمام دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاؤ۔ فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر نفوس اپنے معاملات سے لگ جائیں اور اپنے اوصاف تبدیل کر کے قلوب و ارواح کے تابع ہو کر احکام الٰہی کے اطمینان سے تابع ہو جائیں فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ جو کچھ وہ عبودیت اور صدق طلب میں عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بصیر ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں خواہ وہ چھوٹی ہو

یا بڑی تمہاری مساعی کے مطابق تمہیں جزا و سزا ملے گی۔ اور اگر نفوس حقوق سے اعراض کرکے شہوات و حظوظ سے اعراض کریں۔ اے ارواح و قلوب یقین کرو کہ ہدایت تمہارے مولیٰ کریم کے ہاتھ میں ہے وہی تمہارے نفوس کو مغلوب کرنے اور شہوات کو مٹانے میں تمہاری مدد کرے گا۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وہ بہت اچھا مولیٰ اور وہی تمہارا مددگار ہے کہ اس کے کرم سے اس کی طرف تم ہدایت پاؤ گے وَنِعْمَ النَّصِیْرُ اور وہ بہت اچھا مددگار ہے کہ جو امور تمہیں حق سے جدائی کا موجب بنیں گے اس سے تمہیں بچائے گا اور اپنے تک پہنچانے کے وہی اسباب تیار فرمائے گا۔

فائدہ نور سے وہ حقائق مراد ہیں جو قلب کا لشکر اسماء و صفات سے حاصل کرکے نفس و ہویٰ و شیطان کا مقابلہ کرتے ہیں اسی طرح ظالمین سے وہی معانی مراد ہیں جو ہوائے نفسانی اور عوائد ردیہ نفس کے لشکر کو نصیب ہوتے ہیں کہ جن سے وہ قوت پاکر قلب کا مقابلہ کرتا ہے اور ان کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے اللہ تعالیٰ نفس پر اس بندے کی امداد فرماتا ہے جو اس سے اس کے انوار کے لشکر کی مدد چاہتا ہے جبکہ اس پر نفس کے ظالمین حملہ کرتے ہیں تو وہی اسماء و صفات کے حقائق کا نور اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جو نفس کے ظالمین کو مار بھگاتا ہے یہاں تک کہ ان ظالمین کے ظلم کے آثار مٹ جاتے ہیں اور ان میں سے غیریت کا نام و نشان نہیں رہتا۔ شہوت و ہوائے نفسانی کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے اور اخلاق مذمومہ کے تصورات ہی نہیں رہتے (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ شرح الحکم العطائیہ میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پیارے اولیاء کے طفیل ہماری مدد فرمائے اور اپنے انوار و فیوض سے ہمارے قلوب کو فیضیاب فرمائے (آمین)

صاحب روح البیان نے پارہ نانواں کو اواسط ربیع الاول شریف ۱۱۰۱ھ میں فراغت پائی۔

وصلی اللہ علیہ وسلم علی حبیبہ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر پر تقصیر ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی قادری غفرلہٗ ربہٗ نے پارہ نویں کے ترجمہ سے ۷ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ بروز اتوار عند اذان العصر فراغت پائی۔

وما توفیقی الا باللہ العظیم والحمد علی ذلک والصلوٰۃ السلام علی حبیبہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۰

پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ

اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور

لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ

رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں

السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ

کا ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن

الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اتارا جس دن دونوں فوجیں ملیں تھیں اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ

جب تم نالے کے کنارے تھے اور کافر پرے

الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا

کنارے اور قافلہ تم سے ترائی میں اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے

خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ لا وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ

تو ضرور وقت پر برابر نہ پہنچتے لیکن یہ اس لیے کہ اللہ پورا کرے جو کام

مَفْعُوْلًا لا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ

ہونا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیئے دلیل

عَنْ بَيِّنَةٍ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ

سے جیئے اور بیشک اللہ ضرور سنتا جانتا ہے جب کہ اے محبوب اللہ تمہیں

اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ

کافروں کو تمہاری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا اور اے مسلمانو اگر تمہیں بہت کرکے دکھاتا تو تم ضرور بزدلی

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ

کرتے اور معاملہ میں جھگڑا ڈالتے مگر اللہ نے بچا لیا بیشک وہ دلوں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ

کی بات جانتا ہے اور جب لڑتے وقت کافر تمہیں تھوڑے

اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا

کر کے دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا کہ اللہ پورا کرے جو کام

كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

ہونا ہے اور اللہ کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے

تفسیر عالمانہ

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا (سوال) یہ اَنَّ ملغہ نہیں بلکہ عاملہ اور مَا موصولہ ہے۔ بنا بریں انہیں علیحدہ لکھنا تھا جیسے دوسری آیت (اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ) میں دونوں علیحدہ لکھے گئے ہیں۔ (جواب) چونکہ صحیفہ عثمانی میں یونہی لکھا ہے اور رسم الخط میں ان کی اتباع ضروری سمجھتے ہوئے ایسے ہی ملا کے لکھا گیا ہے۔ معنے یہ ہیں کہ بے شک وہ جو غَنِمْتُمْ تم نے کافروں پر قہر وغلبہ حاصل کیا ہے (اَلْغُنْمُ بمعنی اَلْفَوْزُ بِالشَّیْءِ) کسی شے کے حصول میں کامیاب ہو جانا اور (اَلْغَنِیْمَةُ) ہر وہ کامیابی جو دشمن سے ملے اب وسعت دے کر دشمنوں سے جو شے بھی حاصل ہو گی اسے غنیمت کہا جائے گا۔ حصول کا طریقہ جیسا بھی ہو۔ (مسئلہ) فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک یا دو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہو کر کفار سے کچھ مال واسباب لوٹ لائیں تو اُن سے خمس نہیں لیا جائے گا، اس لیے کہ غنیمت وہ ہے جو قہر وغلبہ کے طور کفار سے حاصل ہو نہ یہ کہ جو مال ان سے چھپ کر یا چوری کر کے حاصل کیا جائے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مال سے بھی خمس لیا جائیگا مِنْ شَیْءٍ یہ مَا غَنِمْتُمْ کے مَا موصولہ کے عاید محذوف سے حال ہے۔ یہ دراصل مَا غَنِمْتُمُوْهُ تھا یعنی غنیمت سے جو کچھ بھی حاصل ہو درآنحالیکہ اس پر شے کا اطلاق ہو سکے۔ یہاں تک کہ تاگہ، سوئی جیسی اشیاء حاصل ہوں تو وہ بھی غنیمت میں شامل ہوں گی (مسئلہ) جب امام اعلان کرے کہ مقتول کا مال قاتل کو انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ پھر کوئی مسلمان مجاہد کسی کافر حربی کو قتل کر کے اس کا مال لائے تو وہ غنیمت میں شامل نہ ہوگا، بلکہ اُسی قاتل کے حوالہ کیا جائے گا۔ (مسئلہ) قیدیوں کے متعلق امام وقت کو اختیار ہوگا کہ وہ جو چاہے ان سے کرے۔ (مسئلہ) وہ زمین جو مال غنیمت کے طور پر قبضہ میں آئی ہے اس کا اختیار بھی امام کو ہے۔

(شانِ نزول) آیت بدر میں نازل ہوئی۔ (فائدہ) مالِ غنیمت سے خُمس لینے کا حکم غزوۂ بنی قینقاع میں یعنی غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔ ان دونوں غزووں کے درمیان ایک ماہ تین دن کا فاصلہ ہے۔ اور یہ حکم ۵ ارشوال ۲ھ میں نازل ہوا۔ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل یہ عبارت یُوں ہے: حُکْمُہٗ ثَابِتٌ فِیْمَا شَرَعَہُ اللّٰہُ الخ یعنی اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا کہ بے شک مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ فَالْحُکْمُ اَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ یعنی حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ ہے۔ الخُمُسُ بمعنی پانچواں حصہ۔ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رشتہ داروں کے لیے ہے۔ (سوال) لام جارہ لذی القربٰی میں کیوں مکرر لائی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے بعد کے جمیع اصنافِ ثلاثہ میں لام کا اعادہ نہیں۔ (الجواب) تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ قرابت والے قربِ اتصال کی وجہ سے نبی علیہ السلام کے سہم میں مشترک ہیں بلکہ ان کا حصہ اپنا ہے اور ان کا اپنا۔ (فائدہ) ذوی القربٰی سے بنو ہاشم اور بنو المطلب مراد ہیں۔ اس میں بنو شمس و بنو نوفل شامل نہیں۔

حضور علیہ السلام کے نسب نامہ کا مختصر تعارف حضور علیہ السلام کا نسب نامہ یُوں ہے: سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ـــــ حضرت عبد مناف کے چار صاحبزادے تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبد شمس (۴) نوفل ـــــ اور حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے تھے: (۱) عبد المطلب (۲) اسد ـــــ حضرت عبد المطلب کے دس صاحبزادے تھے: (۱) حضرت عبد اللہ (۲) ابو طالب (۳) حمزہ (۴) عباس (۵) ابُولہب (۶) حارث (۷) زبیر وغیرہم۔ ان سب کو ہاشمی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ سب کے سب حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔

قریش کا مختصر تعارف عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔ نضر کی تمام اولاد کو قریشی کہا جاتا ہے۔ کنانہ کی تمام اولاد قریشی نہیں بلکہ قریشی وُہ ہوں گے جو حضرت نضر سے متعلق ہوں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ قریش وہ قبیلہ ہے جن کا نسب پدری حضرت نضر سے ملتا ہے۔ (نکتہ) بنو ہاشم و بنو المطلب کو حضور علیہ السلام کی قرابت سے متعلق کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضور علیہ السلام کا جاہلیت اور اسلام میں زیادہ ساتھ دیا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طریقوں سے ذی قرابت ہُوئے، یعنی نسبًا بھی اور دُکھ سُکھ کے ساتھی ہونے کے لحاظ سے بھی بنا بریں صرف انھیں خمس سے حصہ ملا۔ (نکتہ) اگرچہ بنو عبد شمس و بنو نوفل قرابت میں بنو المطلب کے قریب ہیں۔ لیکن خمس سے اس لیے محروم ہو گئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اسلامی اخوت اور دُکھ سُکھ کی شرکت میں اُن کے اکثر لوگ محروم رہے۔ وَالْیَتٰمٰی یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ہر وہ بچہ یا بچی جس کا باپ اُس کے سنِ بلوغ سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔ وَالْمَسٰکِیْنِ یہ مسکین کی جمع ہے۔ مسکین وُہ ہے جسے ضُعف و کمزوری نے حاجت پوری کرنے سے بٹھا دیا ہو۔ یعنی وہ مسلمان جو فاقہ و حاجات ضروریہ میں گھرے ہُوئے ہوں۔ وَابْنِ السَّبِیْلِ اور وُہ مسافر جو اپنے گھریلو مال و دولت سے دور ہو۔ (فائدہ) کاشفی نے کہا کہ ابن السبیل مسافر مسلمان یا وہ غریب الدیار لوگ جو مسلمانوں کے ہاں مہمان ہو کر ٹھہریں۔ (فائدہ تفسیریہ) یہ لام استحقاق

کی ہے جو مالِ غنیمت کے خمس کے بیان میں واقع ہوئی ہے۔ اس کے ظاہر معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ غنیمت کے چھ مصارف ہیں
لیکن جمہور نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک و تعظیم کے لیے ہے ورنہ اسے غنیمت کی کیا ضرورت۔ یعنی کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے
اسم مقدس سے ہوا تا کہ کلام متبرک ہو جائے ورنہ اسے غنیمت کی کیا حاجت۔ بلکہ ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے۔ اسی لیے
خمس کا چھٹا حصہ نہیں نکالا جائے گا کہ اس سے چھٹا حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کے نام علیحدہ کر کے اس کے گھر (کعبۃ اللہ) کو تیار کیا جائے
یا کسی مسجد کو بنایا جائے۔ اس لیے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کی گھر کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ بعض علماء کرام نے اسی قول کو لے کر اللہ تعالیٰ کا مصرف
کعبہ اور مساجد کو بتایا ہے، یا یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اُس کے رسول علیہ السلام کے حصہ میں ملایا جائے۔ جیسا کہ دیگر بعض
علماء کرام کا یہی مذہب ہے لیکن قول وہی صحیح ہے جو جمہور کا ہے۔ (فائدہ) غنیمت سے حضور علیہ السلام کا حصہ آپ کے وصال کے
بعد ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی۔ (نکتہ) ابن الشیخ نے فرمایا کہ جیسے آپ کی رسالت کے بعد
آپ کی رسالت کا کوئی حقدار نہیں، اسی طرح آپ کے سہم کا کوئی حقدار نہیں۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔
لیکن امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا سہم تاحال باقی ہے۔ لیکن اسے عامۃ المسلمین کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔
یا ان امور پر جن میں اسلام کی قوت و طاقت کا اضافہ ہو۔ (فائدہ) اسی طرح حضور علیہ السلام کے قرابت والوں کا حصہ بھی حضور
علیہ السلام کے بعد ساقط ہو گیا۔ اگر اب انہیں غنیمت وغیرہ سے کچھ دیا جائے تو ان کے فقر و احتیاج کے پیش نظر، حضور علیہ السلام کی
قرابت کی وجہ سے نہیں، اس لیے کہ قرابت کا حصہ حضور علیہ السلام کی وجہ سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام ان حضرات کے ہر غنی
و فقیر کو غنیمت سے عطا فرمایا کرتے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ وہ غنی تھے اتنا مال کثیر عنایت کرتے تھے کہ وہ مال
اٹھاتے وقت دوسروں کی مدد کے خواہشمند ہو جاتے۔ خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کے ذوی قرابت دوسرے
فقراء کی طرح نہیں، صرف ان کی رعایت ضروری ہے کہ دوسروں سے انھیں مقدم رکھا جاتے۔ لیکن اُن کے اغنیاء کو نہیں دیا جائیگا
(مسئلہ) حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تمام صدقات یعنی فرائض و نوافل بنی ہاشم کو دینا جائز فرمایا ہے اور حرمت حضور
علیہ السلام کے زمانہ اقدس تک تھی۔ اس لیے کہ انھیں خمس کا خمس ملتا تھا۔ جب خمس الخمس حضور علیہ السلام کے وصال سے ساقط
ہو گیا تو اب ان کے لیے ہر طرح کے صدقات حلال ہو گئے۔ کذا فی شرح الآثار۔ امام طحاوی نے فرمایا ہم جواز کے قائل ہیں[1]
(فائدہ) جب دو سہم ساقط ہوئے بلکہ تین یعنی اللہ جل جلالہٗ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور علیہ السلام کے قرابت والوں کے
اسہام تو آج مالِ غنیمت تین حصوں پر منقسم ہوگا، اور انہیں تین قسموں پر صرف کیا جائے گا: (۱) یتامیٰ (۲) مساکین (۳) ابناء السبیل
باقی حصص غانمین پر منقسم ہوں گے۔ دو دو حصے سواروں کے اور ایک ایک حصہ پیدل مجاہدین کو دیا جائے گا۔ (فائدہ) حیٰوۃ الحیوان
میں ہے کہ ہاتھی کا سوار بہ نسبت گھوڑے کے سوار کے دشمن کو زیادہ زخمی کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے حصص برابر ہونگے۔
(مسئلہ) تین مذکورہ یعنی یتامیٰ و مساکین و ابن السبیل مصارف غنیمت بحیثیت استحقاق کے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تمام
مال یعنی اُن ہر سہ مستحقین کے حصص صرف ایک کو دیے جائیں تو جائز ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اس کا متعلق یعنی
جزاء محذوف ہے۔ جس پر وَاعْلَمُوْا دلالت کرتا ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَاعْلَمُوْا الخ

[1] یہ قول مرجوح ہے۔ اسی لیے کہ یہ امام طحاوی کا اپنا عندیہ ہے۔

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے خمس کا مستحق مذکورہ بالا لوگوں کو بنایا ہے۔ فلہٰذا انھیں ان کے حقوق سپرد کر دو، اور تم اس میں ذرہ برابر بھی طمع نہ رکھو۔ حصص اربعہ باقیہ تمہارے لیے ہیں اور وہی تمہارے لیے کافی ہیں۔ (سوال) تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہاں پر اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ کی جزاء محذوف ہے۔ (جواب) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعْلَمُوْا کا امر صرف عمل کے لیے دیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے امور کا صرف جاننا مقصود نہیں بلکہ ان پر عمل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا اس کا عطف باللہ پر ہے یہ در اصل وَبِمَا اَنْزَلْنَا تھا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ عَلٰی عَبْدِنَا ہمارے عبد مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے آیات اور حضور علیہ السلام کی نصرت الٰہی مراد ہے علاوہ ازیں انزال سے مجرد ایصال وتیسیر مراد بھی ہے اس طرح سے انتظام حقیقی سب کو شامل ہوگا۔ يَوْمَ الْفُرْقَانِ یہ انزلنا کی ظرف ہے۔ اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ اس لیے کہ اسی دن حق و باطل کا امتیاز کیا گیا کہ اہل اسلام کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور کفار کو شکست اور ذلت وخواری۔ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اس دن دو جماعتیں ٹکرائیں یعنی مسلمان اور کافر لڑائی میں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے۔ یہ ظرف اول سے بدل ہے وہ جمعہ کا دن اور ۱۹ رمضان المبارک ۲ھ تھا۔ یہی پہلا معرکہ جنگ تھا جس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کلمۂ حق اور دین کی بلندی کے لیے خود بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر اور کمزوروں کو قوت والوں پر غلبہ بخشتا ہے جیسے اس نے اے مسلمانو! تمہیں کافروں و مشرکوں پر فتح ونصرت عطا فرمائی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا جب تم اترے اس وادی کے کنارے پر جو مدینہ طیبہ کے قریب تر تھی۔ یہ یَوْمَ الْفُرْقَانِ سے دوسرا بدل ہے وَهُمْ اور تمہارے دشمن نازل ہوئے بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى اسی کنارے پر جو مدینہ طیبہ سے بعید تھا۔ اس سے وہ جانب مراد ہے جو مکہ معظمہ کے قریب تھی (حل لغات) الْعُدْوَة وادی کے کنارہ کو کہا جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ عُدْوَةٌ بمعنی تجاوز ہے۔ اور چونکہ یہ وادی سے متجاوز ہو کر پانی کو اپنے سے آگے جانے سے روکتی ہے۔ بنا بریں اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اَلدُّنْيَا دَنَا يَدْنُوْ دُنُوًّا سے مشتق ہے اور اَلْقُصْوٰى، قَصَا الْمَكَانَ يَقْصُوْ قُصُوًّا سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس مکان سے دور ہو جائے۔ (سوال) قانون کا تقاضا ہے کہ اَلْقُصْيَا الدُّنْيَا کی طرح ہو۔ یعنی اس کی واؤ کو یا سے تبدیل کیا جائے۔ یہ قانون جاری نہیں کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے۔ (جواب) قَوَدٌ کی واؤ کی طرح اسے اپنے حال پہ چھوڑا گیا ہے تا کہ یہ اپنے دوسرے ہم جنسوں پر دلالت کرے کہ وہ بھی اس کی طرح وادی تھے۔ وَالرَّكْبُ یہ رَاكِبٌ کی جمع ہے جیسے صَحْبٌ صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ راکب ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اونٹ کا سوار ہو جیسے فارس گھوڑے کے سوار کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر مطلق قافلہ مراد ہے یعنی وہ قافلہ جو شام سے مکہ معظمہ کو جا رہا تھا یا اس کے قائدین مراد ہیں۔ یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی جو سب کے سب اونٹوں پر سوار تھے۔ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اس جگہ نازل ہوئے جو تمہاری جگہ سے نیچے تھی اور وہ دریا کے کنارے پر مسلمانوں سے تین میل کے فاصلے پر اترے اور اَسْفَلَ اگرچہ منصوب علی الظرفیۃ یعنی مفعول فیہ ہو کر مبتدا کی خبر کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ لیکن درحقیقت لفظ مکانًا محذوف کی صفت ہے اور یہ سالم

جملہ سابق ظرف سے حال ہے۔ خلاصہ یہ کہ واضح کرنا ہے کہ اس وقت دشمنان اسلام بڑی قوت اور طاقت کے مالک اور مسلمان نہایت کمزور تھے۔ (نکتہ) ہر دونوں فریقوں کے مرکز بیان۔ یہ تو بات جو واضح ہوگئی اس لیے کہ جہاں مسلمان اترے وہ زمین ریتلی تھی کہ چلتے وقت پاؤں ریت میں دھنس جاتے اور بڑی مشکل سے چلا جاتا۔ اور وہاں ضرورت پوری کرنے کے لیے پانی بھی نہیں تھا۔ بخلاف عُدْوَةُ قُصْوٰی کے۔ یعنی جہاں کفار اترے وہ زمین بھی اچھی تھی اس میں سایہ دار درخت بھی تھے اور پانی کے علاوہ ضرورت کی ہر شے مہیا ہوجاتی تھی۔ ان دونوں کے اترنے کی کیفیت بیان کرنے سے اُن ہر دونوں کے ضعف وقوت کا پتہ چلتا ہے تاکہ سب کو یقین ہو کہ اسلام کی فتح محض فضلِ ربانی سے ہوئی ورنہ ظاہری طور حال کمزور تھا۔ (فائدہ) اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ غزوۂ بدر میں معجزانہ طور اہلِ اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تاکہ خارقًا للعادۃ[1] ان کے ایمان ویقین میں اضافہ ہو۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے۔ اس سے مجاہدین مراد ہیں۔ یعنی تم اے مجاہدو! اپنا اور کفار کا حال معلوم کرلیتے۔ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ تو وعدہ میں ضرور مختلف ہوتے اور کفار کی ہیبت سے وقت پر برابر نہ پہنچتے اور ان پر فتحیابی سے مایوس ہوجاتے۔ وَلٰکِنْ لیکن نہ تم مختلف ہوئے اور نہ ہی وقت پر پہنچنے سے پیچھے رہے بلکہ دل جمعی سے تم اکٹھے ہوگئے لِّیَقْضِیَ اللّٰہُ تاکہ اللہ تعالیٰ پورا کرے اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا وہ کام جو لامحالہ ہونا ہے۔ یعنی اہلِ اسلام کو فتح ونصرت اور دشمنانِ اسلام کو شکست وہزیمت ہوئی حکمت کے تقاضا پر جو کچھ ہونا تھا وہ ضرور ہوا تاکہ معلوم ہو کہ حکمت کا مقتضا ضرور ہو کر رہتا ہے لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ یہ لِیَقْضِیَ سے بدل ہے۔ جیسے عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ میں عَمَّا بمعنے بعد ہے۔ اب معنی یہ ہوا تاکہ ہلاک ہونے والا ہلاک ہو۔ بعد مشاہدہ کرنے واضح دلیل کے یعنی دلیل دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے اور اس کی حقانیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں یعنی اسلام سے محروم ہونے والوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر قسم کا عذر غیر مسموع ہوگا وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ اور جو زندہ رہے تو دلیل سے زندہ رہے یعنی انہیں ایسا مشاہدہ نصیب ہوا کہ اس کا یقین مضبوط اور ایمان مکمل ہوگیا۔ اسی لیے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ حقانیتِ اسلام کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے۔ اس کے بعد جو بھی کفر میں پھنسا رہا تو وہ سرکشی اور حق سے عمدًا منہ موڑنے والا ہوگا۔ اسی لیے کہ جب اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی تو پھر انکار سوائے سرکشی اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مَنْ هَلَكَ سے وہ شخص مراد ہے جو ہلاکت کے گھاٹ اترنے والا اور حَیَّ سے جو آئندہ زندہ رہنے والا ہے۔ (فائدہ) سعدی چلپی نے فرمایا کہ یہاں غزوۂ بدر کے مشاہدہ کے بعد دائمی حیات مراد ہے۔ اسی تقریر پر مشارفۃً فی الحیاۃ کا معنی ثابت ہوا یعنی اسے مشاہدہ ہوا جو واقعہ بدر کے بعد زندہ رہا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور سنتا جانتا ہے کافر کے کفر اور اس کے انجام اور مومن کے ایمان اور اس کے ثواب کو۔

(نکتہ) یہاں پر صفت سمیع وعلیم کو اکٹھا بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کفر و ایمان کا تعلق زبان اور دل دونوں سے ہے۔ یعنی یہ دونوں قول واعتقاد پر مبنی ہیں اور یہ سمع وعلم سے متعلق ہیں۔ اسی لیے یہاں پر یہ دونوں صفتیں لائی گئیں۔

[1] خلاف عادت یعنی معجزہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بدر سے پہلے ایک خواب جسے مافی الغد کا علم کہا جائے

منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شب (کہ جس کی صبح کو غزوۂ بدر ہونا تھا) خواب میں دیکھا کہ قریش (کفار) کا لشکر بالکل تھوڑا اور نہایت ذلیل ہے۔ آپ نے اس کی تعبیر بتائی کہ اہلِ اسلام کو فتح و نصرت اور غلبہ اور کفار کو شکست و ذلت ہو گی۔ یہ تعبیر سن کر مسلمان بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی نعمت کی یاد دہانی فرمائی کہ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ یاد کیجیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ تمہیں تمہارے دشمن اللہ تعالیٰ دکھاتا تھا۔ فِیْ مَنَامِكَ یہ مصدر میمی ہے بمعنے نوم یعنی آپ کو خواب میں قَلِیْلًا۔ یُرِیْكَهُمْ کے مفعول ثانی یعنی هُمْ سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ تھوڑے نظر آتے تھے۔ (فائدہ) یہاں اِرَاءَةٌ سے رویت بصری مراد ہے۔ اس لیے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف سے متعدی ہوا ہے۔ (حدیث شریف) حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کفارِ قریش تھوڑے کر کے دکھائے اور آپ نے وہی خواب اپنے صحابہ کو بتایا۔ اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب حق پر مبنی ہے۔ اس وقت وہ تھوڑے بھی تھے لیکن خواب سے ان کے دل مضبوط ہو گئے وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا اور اے مسلمانو! اگر تمہیں وہ کفار بہت کر کے دکھاتا تو لَفَشِلْتُمْ تم بزدلی کر کے جنگ کی صفوں سے پیچھے ہٹ جاتے۔ (حل لغات) صاوی نے فرمایا کہ اَلْفَشَلُ بمعنی اَلضَّعْفُ مَعَ الْوَجَلِ یعنی خوف کے مارے کمزور ہو جانا۔ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور جنگ کے معاملہ میں جھگڑا کھڑا کر دیتے۔ یہاں امر بمعنے جنگ کا معاملہ ہے یعنی تمہارے آراء مختلف ہو جاتے۔ کوئی کہتا جنگ پہ چلنا چاہیے اور کوئی کہتا ایسی بڑی طاقت والوں سے راہِ فرار اختیار کرنی چاہیے۔ اَلتَّنَازُعُ بمعنی دو انسانوں کا آپس میں کسی معاملہ میں جھگڑنا۔ تو ہر ایک دوسرے کو اپنی رائے کی طرف کھینچے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا یعنی تمہیں بزدلی اور جھگڑا سے صحیح سالم رہنے کی نعمت بخشی اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک وہ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ جرأت کون کرے گا اور بزدلی کون دکھائے گا اور کون صبر کرے گا اور کون جزع فزع کرے گا۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ کی حقیقت دکھا دی۔ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اس کی دونوں ضمیریں یعنی كُمْ خطاب اور هُمْ، یری کا مفعول ہیں اور یُرِیْ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اور اے صحابہ کرام! یاد کرو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کافر دکھائے۔ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ جبکہ تم آپس میں ملے تمہاری نظروں میں درانحالیکہ وہ قَلِیْلًا تھوڑے سے تھے۔ (اعجوبہ) جنگ کے دوران کفار اہلِ اسلام کو گنتی کے چند نظر آتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قریبی ساتھی سے فرمایا کہ دیکھو وہ تو کل ستر ہزار ہیں۔ ساتھی نے کہا مجھے زیادہ سے زیادہ ایک سو نظر آتے ہیں حالانکہ اس وقت ایک ہزار یا نو سو پچاس تھے۔ یہ قلت اللہ تعالیٰ نے اس لیے دکھائی تاکہ وہ ثابت قدم رہیں اور ان کے دل مضبوط ہوں۔ اور ساتھ ہی پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب مبارک کی تصدیق بھی ہو جائے۔ ان کا خواب وحی الٰہی تھی اس میں کسی قسم کا شک اور وہم و گمان نہیں ہو سکتا۔ وَیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ اور تمہیں بھی ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی

اُکُلَةَ جزور ہیں یعنی گنتی کے چند ہیں۔ یہ مثال اس شے کے لیے بول دیتے ہیں جو نہایت قلیل ہو۔ یعنی وہ اتنا قلت میں ہیں کہ صرف ایک اونٹ کے گوشت سے ان کا پیٹ بھر جائے۔ (نکتہ) مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دکھانے میں یہ حکمت تھی تاکہ وُہ جنگ سے پہلے مقابلہ میں جم جائیں اور انھیں معمولی سمجھ کر خصوصی اہتمام نہ کریں اور معمولی سا سامان لے کر میدانِ جنگ میں آئیں۔ پھر جب جنگ میں کُود پڑے تو مسلمان اُنھیں زیادہ تعداد میں نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ انھیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد ان سے دوہری ہے۔ اس اچانک کی کثرت سے مبہوت ہو گئے اور ان کے دل یک لخت ٹوٹ گئے۔ (نکتہ) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یُقَلِّلُکُمْ فِیْ اَعْیُنِہِمْ میں نکتہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اور اہلِ ایمان کی کثرت اور قلبی طاقت اور ان کی ملائکہ کی مدد سے اندھے تھے۔ اس لیے کہ ان کی بصیرتیں اور قلبی طاقتیں مٹ چکی تھیں اور ساتھ ہی یہ بھی مقصود تھا کہ وہ اہلِ ایمان کی حقیقی طاقت کو دیکھ کر جنگ سے بھاگ نہ جائیں جیسے ابلیس ملائکہ کی مدد کو دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔

حکایتِ ابلیس شیطان سراقہ کی شکل میں غزوۂ بدر میں حاضر ہُوا تھا لیکن جب وہ بھاگنے لگا تو کفار نے پُوچھا: کہاں جاتا ہے؛ اس نے کہا: جو کچھ میں دیکھ رہا ہُوں تم نہیں دیکھ رہے۔

لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا تاکہ اللہ تعالیٰ وُہ کام پُورا کرے جو ہونا ہے۔ (سوال) اس جملہ کا تکرار کیوں، حالانکہ تکرارِ کلام بلوغت کے منافی ہے۔ (جواب) جب حیثیت مختلف ہو تو الٹا وُہ تکرارِ کلام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہاں پر اہلِ اسلام وکفار کی حیثیت فعل معلل بہ کی وجہ سے مختلف ہے۔ حالت مذکورہ میں فریقین کا جمع ہونا پہلے کا معلل بہ ہے اور ہر دونوں کا ایک دوسرے کو قلیل سمجھنا دوسرے کا۔ قاعدہ ہے کہ حیثیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس جملہ کا مکرر لانا ضروری ہُوا۔

وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور کا رجوع ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے نہ اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی اسے مجبور کر سکتا ہے۔ (فائدہ) اس میں تنبیہ ہے کہ دُنیا کے جملہ امور غیر مقصود ہیں بلکہ اس کے تمام امورِ سعادت اخرویہ کے وسائل ہیں اور اُنہی کی بدولت رضائے الٰہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیات مذکورہ میں چند لطیف اشارات ہیں: (۱) ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ دراصل یہی دین کی غنیمتیں ہیں، اور ان میں اعلیٰ اور مکمل ترین توحید ہے۔ اس لیے یہ رکن خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور باقیوں میں جوارح کو دخل ہے۔ (سبق) عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادات کے غنایم اور ان کے جملہ متعلقہ معارف وکمالات (جو اللہ والوں (عارفین کاملین) کو نصیب ہُوئے) کو حاصل کرنے کی جد وجہد کرے تاکہ اس کی رُوح اور جملہ اعضاء محرومی سے بچ کر پورے طور پر محفوظ ہو جائیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے: وَاعْلَمُوْا الخ یعنی اَے عبادت گزار بندو! جو کچھ تمہیں رفع حجابات کے وقت انوار مشاہدات و اسرار اور مکاشفات نصیب ہوں تو اُن میں سے چار حصّے تمہارے لیے ہیں کہ تم انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ لیکن اغیار سے مخفی رکھو۔ ؎

داند دیو شد بامر ذو الجلال
کہ نا باشد کشف راز حق حلال

ترجمہ: شیطان کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے رازِ حق نصیب نہیں ہوگا۔

اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مخلص ہوکر اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے تابع ہوکر خرچ کرو اور رشتہ داروں کے لیے دینی بھائیوں کے لیے خدا کی دوستی کی بناء پر اور یتامٰی سے اہلِ طلب مراد ہیں جن سے اُن کے مشایخ غائب ہیں اور وہ بے چارے حدِ کمال تک نہیں پہنچ سکے اور مساکین سے وُہ طالب صادق مراد ہیں جو ارادت و عقیدت کے ہاتھ سے تمہارے ارشاد و رہبری کے دامن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں" وابن السبیل "اس سے مراد وہ عوام ہیں جو سلوک کی راہوں سے بےخبر ہوکر تمہارے ہاں حاضر ہوتے ہیں تو ان کی صدقِ نیت اور حسنِ ارادت اور سچی طلب اور حقیقی استعداد اور ان کے استحقاق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی فرمانبرداری اور ان کی سیرت اور طریقہ پر چلنے کی وجہ سے ان کے حقوق ادا کرو۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے جیسے غزوۂ بدر میں اہلِ اسلام اور کفار کو اسی حالتِ مذکورہ میں جمع فرمایا تاکہ اُن کے اجتماع سے اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت واضح ہو اسی طرح ارواح ونفوس کو ایسے ہیاکل و قوالب میں جمع فرمایا کہ اگر وُہ اپنی اصلی حالت پر علیحدہ علیحدہ رکھتے اور انہیں آپس میں تناقض ہوتا تو اجتماع مشکل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا تاکہ ارواح کو مقعدِ صدق کا مقام نصیب اور نفوس کو ملائکہ مقربین کی معیت حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا: فَادْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ اے نفسِ مطمئنہ! جبکہ تو دُنیا اور جسم کی قید میں تھا اس سے نجات پاکر اب تو جنّاتِ نعیم اور اعلیٰ علیین میں داخل ہوجا جبکہ اس سے قبل تو اسفل سافلین میں تھا۔ یہ خطاب اُن خوش بختوں کو ہوگا جو تجلیاتِ قُربات سے نوازے گئے اور وہ بدبخت جنہیں جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا اُن کے لیے یہ مراتب نہیں۔ یاد رہے کہ انسان میں ترقی و تنزل کے ہر دونوں مادے پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر حجتِ کامل ہے **(فائدہ)** کاشفی نے لکھا ہے کہ ترجمۂ شفاء میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوہر جیسے دوستوں کے سینوں میں رکھا ہے ایسے ہی اپنے دشمنوں کی آستینوں میں بھی ڈالا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا ہلاک اور زندہ رہنے والا زندہ رہے یعنی جس کے عقل کو نورِ عنایت الٰہی و توفیق ایزدی سے چمک نصیب ہُوئی تو وہ ہدایت یافتہ ہُوا اگر اس پہ قہر و خذلان کا حملہ ہُوا تو دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہُوئیں جس سے وہ گمراہ ہوگئے۔ اس لیے فرمایا: "یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا" اس سے بہتوں کو گمراہ اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔ ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدہ دست قدرت اوست

ترجمہ: اگر تیری صورتِ حال اچھی یا بُری ہے کاتبِ تقدیر کے ہاتھ کی بنائی ہُوئی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کو حقائق الاشیاء کا یقینی طور مشاہدہ کرائے جن کی وہ عوام کو خبر دیتے ہیں ظاہر بین انہیں عقل کی کسوٹی سے غلط سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ مومن ہو یا منافق لیکن مومن تو اپنے نبی علیہ السلام کی تصدیق کرکے ان کے اقوال و اعمال و احوال کو بلا تامل مان لیا جاتا ہے جس کے ایمان میں اللہ تعالیٰ برکت اور نورانیت بخشتا ہے اور منافق جونہی نبی علیہ السلام کی باتیں سُنتا ہے تو بجائے تصدیق کے اس کے دل میں شبہات اُبھرتے ہیں جن سے وہ اعتراضات کرتا ہے۔ اُن کی نحوست سے اُس کی منافقت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے اندھا رہتا ہے وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ مومن کا حال تو یُوں ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہوتا ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کے غضب کا

بقیہ بر صـ ۳۷۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا

بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں

تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر والوں

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

کے ساتھ ہے اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

کے دکھانے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے اور ان کے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

سب کام اللہ کے قابو میں ہیں اور جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا

اور بولا آج تم پر کوئی شخص غالب آنیوالا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو تو جب

تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں تم سے الگ ہوں

مِّنْكُمْ اِنِّيْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا

الْعِقَابِ ○

عذاب سخت ہے

تفسیر عالمانہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً ۔ اے ایمان والو! جب تم جماعت کو ملو یعنی جب کفار سے جنگ کرو۔ (سوال) تم نے لَقِيْتُمْ کا معنی "جنگ کرنا" کہاں سے نکالا۔ (جواب) لفظ لِقَاءٌ اکثر حرب و قتال میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اہلِ اسلام صرف کفار سے ہی جنگ کرتے تھے فَاثْبُتُوْا تو جنگ وغیرہ کے وقت

ثابت قدم رہو۔

حدیث شریف دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو۔ لیکن جب ان سے لڑائی ہو جائے تو ڈٹ کے مقابلہ کرو اور ان سے جتنی تکالیف پہنچیں ان پر) صبر کرو۔ (نکتہ) دشمن سے ملنے کی آرزو سے روکنے کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان کے اندر عجب خود بینی اور صرف اپنی قوت وطاقت پر بھروسہ کا خیال عموماً پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جملہ امور تباہی و بربادی کا موجب ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے تصورات سے دشمن سے مقابلہ کے لیے اہتمام سے لا پرواہی اور ان کی تحقیر کے خیالات آتے ہیں اور یہ بھی شکست کا سبب بنتا ہے اور احتیاط کے منافی بھی ہے۔

مناظرہ کرنے کا ایک گُر مناظرہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے بالمقابل کو حقیر تصور نہ کرنا چاہیے۔ یعنی یہ نہ سمجھے کہ وُہ مجھ سے عمر اور علم و تجربہ میں کم ہے۔ اس لیے کہ بہت بار سوءِ اتفاق سے ایسے تصور میں لاپرواہی سے بالمقابل کے ساتھ کمزور دلیل اور ضعیف کلام منہ سے نکل جاتا ہے۔ جو وہی کمزوری بالمقابل کے غلبہ کا سبب بن جاتی ہے اس کے بعد ضعیف قوی ہو جاتا ہے اور قوی ضعیف اور وُہ شر جو بلا توقع حائل ہو وُہ بہت زیادہ درد پہنچاتا ہے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا طلبگار رہے۔ اسے کیا پتہ کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

اول شکستہ باش کہ اوج سریر ملک
یوسف پس از مجاورت قعر چاہ یافت

ترجمہ: پہلے مٹنا پڑتا ہے پھر تخت و تاج شاہی نصیب ہوتا ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے کنوئیں کی تکلیفیں اٹھائیں تب انھیں تخت و تاج حاصل ہوا۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو یعنی جنگوں کے گھمسان میں شدت کے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل کی کثرت کرو اور اللہ تعالیٰ سے اہلِ ایمان کی نُصرت اور کفار کی شکست و ہزیمت کی دُعا کرو جیسے پہلے لوگ کہا کرتے رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ[1] (اے اللہ! ہمیں صبر کی توفیق بخش اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافروں پر ہمیں فتح و نصرت بخش۔) تاکہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ اور مرادیں پالو تاکہ تمہیں فتح و نصرت اور بے شمار ثواب حاصل ہو۔ (سبق) اس میں سالک کو پند و نصیحت ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کوئی شے مانع نہ ہو اور اسے چاہیے کہ ہر مصیبت اور دُکھ درد کے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرے اور بالکل فارغ البال ہو کر اسی طرف متوجہ ہو جائے اور یقینی طور خیال میں رہے کہ اسی کریم کا لطف و کرم میرے شاملِ حال ہے۔

(فائدہ) دفع ضرر اور حصول منافع کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بہت بڑی تاثیر ہے۔ ؎

تو بہرہ اے کہ باشی روز و شب	یک نفس غافل مباش از ذکر رب
در رضی ذکر تو شکر نعمت است	در بلاہا التجا با حضرت است

---

[1] پ س بقرہ، ع ۳۳

ترجمہ: جس ۔ ال پر زندگی بسر ہو رات دن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو پل بھر بھی غفلت نہ کرو۔ خوشی و راحت کے وقت ذکر شکرِ نعمت کا سبب بنے گا اور بلاؤں میں بارگاہِ حق میں ذکر التجا بن جائے گا۔

لطیفہ اہل اللہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہشت موجود ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے تو اس کا جی باغ باغ ہو جاتا ہے اس سے اُن کی مراد مجالس ذکر ہیں۔ (غور سے دیکھا جائے تو واقعی مجالس ذکر بہشت بلکہ اس میں اس سے بھی زیادہ لذت ہے۔ بشرطیکہ حقیقی ذکر نصیب ہو)

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کے بعض ملائکہ زمین کے بعض حصوں پر پھرتے رہتے ہیں ان کا کام یہی ہے کہ ذکر کے حلقے تلاش کریں۔ جب وہ ذکر کے حلقوں کو پا لیتے ہیں تو انھیں گھیر لیتے ہیں۔ فراغت کے بعد ان کے سردار فرشتے اللہ تعالیٰ رب العزت کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہم آج تیرے ایسے بندوں کے ہاں حاضر ہوئے جو تیری نعمت کی عظمت بیان کرتے تھے اور تیری کتاب کی تلاوت نہایت خشوع و خضوع سے کرتے تھے اور تیرے محبوب مدنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے تھے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے فرماتا ہے کہ جاؤ انہیں میری رحمت سے ڈھانپ لو وہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کبھی کمبخت نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ مشارق الانوار میں ہے کہ جیسے ذکرِ الٰہی مستحب ہے، ایسے ہی ذکر کے حلقوں میں بیٹھنا بھی مستحب ہے۔ (فائدہ) ذکر کے حلقہ کا طریقہ یہی ہے کہ ذکر علانیہ طور ہو۔ اس لیے کہ ہر دور میں حلقۂ ذکر کا چرچا رہا ہے اور کوئی ایسا دور نہیں جس میں حلقۂ ذکر کے لیے لوگوں کا اجتماع نہ ہوا ہو۔ (ذکر بالجہر کے فوائد) (۱) قلب مبتدی پر جو وساوس شیطانی و خواطر نفسانی جم جاتے ہیں وہ ذکر بالجہر سے دفع ہوتے ہیں۔ (۲) جن گھروں یا محلوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوتا ہے تو لوگ فخریہ طور اور ان لوگوں کے برکات حاصل کرتے ہیں۔ (۳) قیامت کے دن ہر شئے خشک و تر (جہاں تک ذکر کی آواز جائے گی) ذاکر کے لیے خیر کی گواہی دے گی بالخصوص ایسے مقامات

بقیہ صفحہ ۳۷۵ سے آگے

مورد بن جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب اس کے لطف و قہر کے آثار ہیں۔ وہ حکیم مطلق ہے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

اولیاءِ کرام کے عشاق اور اعداء یہی کیفیت اولیاءِ کرام کے الہامات کی ہے کہ ان کے الہامات و احوال معتقدین و منکرین کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں تو معتقدین و منکرین کے لیے وہی الہامات و احوال و کرامات امتحان و آزمایش کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی اللہ والے کے محب و معتقد ہوتے ہیں۔ یہ اُن پر قہر و غضب کی وجہ سے ہے کہ امور حقہ اسے نامناسب معلوم ہوئے جن سے وہ اولیاءِ کرام سے بدظن ہو کر اب اُن پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ وہ محبت ختم ہو گئی۔ اگر پھر معتقد ہو جائے تو سمجھو کہ اس پر فضلِ الٰہی ہوا کہ اسی کریم نے اسے اپنے قہر و لطف کا مورد بنایا ہے اور یہ مرتبہ بہت بلند ہوا کہ دُوری کے بعد قُرب نصیب ہو۔ بہرحال اربابِ ظواہر بکثرت ہوتے ہیں۔ اور اصحابِ حقیقت بہت تھوڑے کسی مرشد کامل کو صرف ایک ہی سچا تابعدار مل جائے تو غنیمت سمجھے۔

پہ غافلوں کو تنبیہ اور فاسقوں کو نیکی کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ جو فاسقوں کی مجلس میں اس نیت سے ذکر کرے کہ وہ فسق میں مشغول ہیں تو میرے ذکر سے فسق سے باز آجائیں گے۔ ایسا ذکر بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

مسئلہ بازار میں ذکر بالجہر زیادہ فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے مقامات کے، اس لیے کہ اس طرح سے بازار والوں کی غفلت کے پردے ہٹتے ہیں۔

مسئلہ مجلسِ ذکر میں صرف ایک دفعہ کی حاضری ستر بُری مجلسوں کی حاضری کا کفارہ بن جاتی ہے۔ (مسئلہ) جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو وہاں جانا منع ہے (مسئلہ) اسی طرح جس مجلس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے وہاں جانا ممنوع ہے۔ بلکہ ایسی مجلس ان لوگوں کے لیے بجائے فائدہ کے حسرت کا سبب بن جائے گی (مسئلہ) حدیث شریف میں ہے، جب ایسی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہو کر جہاں گپ شپ ہوتی رہی تو مجلس سے اُٹھنے سے پہلے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" پڑھ لے تو اس کے وہ تمام گناہ دُھل جائیں گے جو اس سے اسی مجلس میں سرزد ہوئے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت زبان کو ذکر اور دعا و استغفار سے تر رکھے۔ خصوصًا اوقاتِ مبارکہ میں اس کا خصوصی اہتمام کرے۔

روایت مع حکایت مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر جہاد کے لیے بھیجا تو وہ جلدی غنیمت لے کر واپس لوٹے یعنی انہیں بہت جلد کامیابی حاصل ہوگئی۔ کسی نے عرض کی کہ اس جیسا غنیمت اور واپسی کے لحاظ سے بڑی فضیلت والا لشکر اور کوئی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی قوم کے متعلق رہبری نہ کروں جو غنیمت اور واپسی از جہاد میں عجلت کے لحاظ سے اسی قوم سے افضل ہو۔ سب نے کہا، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا، وہ لوگ جو صبح کی نماز کے لیے مسجد میں باجماعت ادا کر کے پھر طلوعِ شمس تک ذکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دو رکعت پڑھ کر گھر لوٹتے ہیں (یعنی اشراق نماز پڑھ کر واپس ہوتے ہیں)۔ (ف) نمازِ اشراق سورج کے نکلنے کے بعد پڑھی جاتی ہے جبکہ سورج میں پوری روشنی آجائے۔ جو شخص اس کا ایک دوگانہ پڑھتا ہے تو اسے حج وعمرہ کا مکمل ثواب نصیب ہوگا۔ آپ نے یہ کلمہ تین بار دُہرایا۔

شرح حدیث مذکور شرح المصابیح میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی "ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُوا اللّٰهَ" دلالت کرتا ہے کہ اس وقت صرف ذکرِ الٰہی مستحب ہے نہ تلاوتِ قرآن و دیگر اوراد و وظائف۔ اس لیے کہ یہ وقت بہت بڑا برگزیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت کرنے میں نفوس میں بہترین اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ (مسئلہ) مُنیہ (کتاب) میں جمع العلوم سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس تک تلاوتِ قرآن وغیرہ سے ذکرِ الٰہی اولیٰ ہے۔ اسی کی تائید قنیہ (کتاب) کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضور نبی علیہ السلام پر درود بھیجنا اسی طرح دعا و تسبیح میں مشغول ہونا تلاوتِ قرآن سے افضل ہے۔ یعنی ان اوقات میں کہ جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ (حدیث شریف) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: میں تمہیں بہشت کی ساعات سے ایک ایسی ساعت نہ بتاؤں کہ اس وقت بہشت کے

درختوں کے سائے دراز ہوتے ہیں اور ان میں رزق تقسیم ہوتا ہے اور اس میں رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، اور دعا مستجاب ہوتی ہے۔ سب نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ گھڑی صبح صادق سے ... طلوعِ شمس کے درمیان ہے۔

روایت و حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھیں دیکھا کہ وہ طلوعِ شمس سے پہلے نیند کر رہی ہیں۔ آپ نے انھیں پاؤں کی ٹھوکر سے جگا کر فرمایا: اُٹھ کھڑی ہو، اور اپنے رب تعالیٰ کے رزق کا مشاہدہ کیجیے اور غافلین سے نہ ہو جائیے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس کے مابین تقسیم فرماتا ہے۔

ذکرِ خفی افضل ہے یا جلی علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا تسبیح و تہلیل وغیرہ زبان سے مع حضورِ قلب افضل ہے یا صرف قلب سے۔ صرف قلب کے قائلین کی افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مخفی طور ہو وہ افضل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ذکرِ لسانی مع حضورِ قلب کی افضلیت پر زور دیتے ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل زائد ہے اور عمل کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ انہی حضرات کا قول صحیح ہے۔ (ذکرہ النووی فی شرح مسلم)

نسخہ رُوحانی ذکرِ کثیر دراصل وہ ہے جو قلب کی صفائی سے ہو اور تصفیۃ القلب دنیا میں ایک بہشت ہے۔ جو صرف عارفین کو معلوم ہے اس لیے کہ ذکرِ الٰہی سے سالک نفسِ امّارہ کی جہنم سے نکل کر حضورِ خداوندی کی نعمتوں میں پہنچتا ہے۔

حکایت حضرت ابوبکر فرغانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مَیں قافلہ سے رہ گیا اور منزلِ مقصود کے لیے صحیح راستہ نہیں مل رہا تھا۔ مَیں نے الٰہ العٰلمین کے حضور میں عرض کی، کاش! مجھے اسمِ اعظم نصیب ہوتا تو میں منزل کو پا لیتا۔ اندریں اثنا مجھے دو نوجوان ملے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اسمِ اعظم ہے "یا اللہ"۔ میں سُن کر خوش ہو گیا کہ مجھے اسمِ اعظم کی تعلیم نصیب ہوئی۔ دوسرے نے کہا کہ صرف زبان سے کہنے سے "اسمِ اعظم" کام نہیں دے گا، بلکہ نہایت عجز و انکسار سے جیسے کوئی دریا کی موجوں میں اور اس کی سخت طغیانی میں پھنس کر عرض کرتا ہے "یا اللہ"۔ اگر ایسے ہی کہو گے تو یہی اسمِ اعظم ہے اور اسی سے تمام مشکلات حل ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ماویٰ و ملجا نہیں۔ (مسئلہ) جہاد تمام طاعات کا سرتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہد کی گرد پر جہنم کی آگ کا دُھواں نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کا ایک قدم تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ دُوسرے قدم سے اس کے لیے نیکیاں ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (مسئلہ) مجاہد پر لازم ہے کہ نیتِ جہاد نیت صاف رکھے اور جنگ کے ہر مشکل سے مشکل مقام پر ثابت قدم رہے۔ اس لیے کہ ثابت قلبی اور صدق قدمی سے ہی مرد کی قدر معلوم ہوتی ہے (صدیقِ اکبرؓ کی شان) صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت (باوجودیکہ آپ کے وصال کو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے تمام صحابہ سیدنا عمر و سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت بیہوش نظر آتے تھے۔ لیکن) صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثابت قدمی کا ثبوت دیتے ہُوئے فرمایا کہ جو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے کا قائل ہو تو اسے سنا دو کہ ان کا وصال ہو گیا ہے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اُس پر موت نہیں آئے گی اور نہ وہ ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے معاصی کا تصور ہو سکتا ہے۔ اگر دشمنوں کا خطرہ ہے تو یقین کر لو کہ اعداء پر غلبہ تو قوتِ قدسیہ اور تائیدِ الٰہی

سے ہوتا ہے نہ قوتِ جسمانیہ اور کثرتِ تعداد سے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہل و ایمان کی ملائکہ کرام کے ذریعہ کس طرح مدد فرمائی، حالانکہ اہلِ ایمان چند گنتی کے۔ اور کفار بکثرت تھے۔ جو لوگ تقویٰ اور صبر و ثبات کو مدِ نظر رکھ کر جہاد کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دشمنوں پر غالب رہتے ہیں بلکہ بہت بڑے درجات اور کمالات حاصل کرتے ہیں، کہ سے

گہ شتاب چو صرصر گہ قرار چو کوہ
گہ نشیب کبوتر گہ فراز عقاب

حکایت سکندر رومی نے حکم فرمایا کہ جنگی لشکر میرے سامنے لاؤ۔ لشکر کے آگے آگے ایک مرد حاضر ہوا، جو لنگڑے گھوڑے پر سوار تھا۔ سکندر نے فرمایا، اسے گھوڑے سے گرا دو۔ وہ سنتے ہی ہنس پڑا۔ سکندر نے متعجب ہو کر پوچھا کہ اب ہنسنے کا کوئی مقام ہے؟ اس نے عرض کی: مجھے آپ سے تعجب ہے کہ آپ کے ہاں جنگ سے بھاگنے کے سامان ہیں اور میرے پاس بفضلہٖ تعالیٰ ثابت قدمی کی نعمت ہے۔ گھوڑے سے گرایا گیا ہے تو کیا ہوا۔ مجھ سے ثابت قدمی تو نہیں چھینی گئی۔ سکندر نے اس کے جواب سے خوش ہو کر اسے انعام دیا۔

تفسیرِ صوفیہ جیسے ظاہری طور پر باغی طائفہ کفار و فجار کو کہا جاتا ہے ایسے ہی باطن کے باغی ٹولے ہیں۔ جیسے قوائے نفسانیہ اور نفسِ امارہ کا لشکر۔ پھر جیسے مومن کو حکم ہے کہ ظاہری باغی طائفہ کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔ اسی طرح اسے حکم ہے کہ باطنی باغیوں کے مقابلہ کے وقت بھی مجاہدات میں ثابت قدمی دکھائے (جیسے کفار سے جہاد کا حکم ہے) اسے جہادِ اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اور قاعدہ ہے اصغر سے اکبر افضل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہادِ اکبر کے شہید کو صدیق کہا جاتا ہے اور جہادِ اصغر میں مرنے والے کو شہید۔ اور قاعدہ ہے کہ صدیق شہید سے افضل ہوتا ہے۔ کما قال اللہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ[1] (فائدہ) ظلماتِ خلقیہ سے خلاص اور انوار ذکر میں مشغول ہونا جو انواعِ جہادِ اکبر و اعلیٰ طریقہ سے ہے۔ بڑی کامیابی ہے بلکہ رب العباد تک پہنچنے کا جلد تر پہنچانے والا عمل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقائقِ ذکر و توحید سے آشنا فرمائے۔ آمین

تفسیرِ عالمانہ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ان تمام امور میں جو عمل میں لاتے یا چھوڑتے ہو بالخصوص امرِ جہاد اور معرکۂ قتال میں ثابت رہنے میں وَ لَا تَنَازَعُوْا اور مختلف آراء پیش کر کے نہ جھگڑو جیسے بدر و احد میں تم نے مختلف آراء کا مظاہرہ کیا فَتَفْشَلُوْا پس بزدل ہو جاؤ گے۔ یہ نہی لَا تَنَازَعُوْا کا جواب ہے فشل بمعنی کسل و تراخی و جُبنٌ ہے۔ یہاں آخری معنی مراد ہے وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یہ فعل منصوب ہے اس کا نہی کے جواب پر عطف ہے اور تمہاری ہوا چلی جائے گی۔ یعنی تمہاری دولت و شوکت تمہارے سے نکل جائے گی۔ اسے دولت سے استعارہ کیا گیا ہے کہ دولت چل چلاؤ اور خرچ ہونے والی شئے ہے۔ اسے ہوا کے چلنے

---

[1] سورۃ النساء، رکوع ۹ ترجمہ وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، وہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں [illegible]

اور جاری ہونے سے مشابہت دی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر ریحکم اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ اس لیے کہ فتح و نصرت ہوا کے ذریعے پہنچی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے رِیْحُ النَّصْرَۃِ۔

معجزہ مروی ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریش و غطفان و بنو قریظہ نے یوم خندق محاصرہ کیا تو بادِ صبا ایسی سخت زور سے چل کر اُن کے خیمے اُکھاڑ ڈالے اور ان کی ہانڈیاں اُتر گئیں۔ اس زور کی آندھی سے وُہ لوگ بھاگ گئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا، مَیں بادِ صبا سے مدد دیا گیا ہُوں اور قوم عاد دبور یعنی پچھوائی ہوا سے تباہ و برباد ہُوئی۔ (فائدہ) الصبا بفتح الصاد و بالقصر۔ وُہ ہوا جو مشرق سے چلتی ہے اور الدبور وُہ ہوا جو صبا کے بالمقابل چلتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہوا مَامُوْرَۃٌ مِّنَ اللہِ ہے۔ کبھی وہ فتح و نصرت لاتی ہے تو کبھی تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

جملہ ذرات زمین و آسمان لشکر حقند گاہ امتحان

بادرا دیدی کہ با عادان چہ کرد ابر را دیدی کہ با طوفان چہ کرد

ترجمہ؛ زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔ دیکھئے ہوا نے عاد کو کیسے تباہ کیا اور بارش نے قومِ نوح کس طرح برباد کی۔

وَاصْبِرُوْا اور بوقت شدائد حرب اور بوقتِ قتال صبر کرو۔ یعنی ایسے اوقات میں پیٹھ دے کر نہ بھاگو۔ اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صابرین ان کو بالاصالۃ اس حیثیت سے کہا گیا ہے کہ صبر انہی سے ہوتا ہے اس لیے کہ اس عمل میں یہ اصل ہیں۔ باقی ان کے تابع اور اللہ تعالیٰ کی معیت مکانی نہیں بلکہ بحیثیت امداد و اعانت کے ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا اور نہ ہو جاؤ اے مومنو كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ اُن لوگوں کی طرح جو اپنے گھروں سے نکلے یعنی وُہ اہلِ مکہ جو شام سے آنے والے قافلہ کی حمایت کے لیے نکلے تھے بَطَرًا یہ مفعول لہٗ یعنی اپنے آباء و اجداد و امہات کے کارناموں کو یاد کر کے اتراتے اور فخر کرتے ہُوئے دراصل بَطَرٌ تکبر اور غرور نعمت کے مقابلہ کو کہا جاتا ہے۔ وَرِئَآءَ النَّاسِ اور لوگوں کے دکھانے پر تاکہ وہ ان کی شجاعت و سخاوت کی داد دیں۔

واقعہ کفارِ بدر مروی ہے کہ جونہی قریش (کفار) نے سنا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے شامی قافلے کو لُوٹنا چاہتے ہیں تو زبردست جنگ لڑنے کی تیاری کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہُوئے۔ لیکن شامی قافلہ بچ کر مکہ معظمہ پہنچنے والا تھا۔ ابو سفیان کو معلوم ہُوا کہ قریش مکہ حضور علیہ السلام سے محض شامی قافلہ کے لیے لڑنے جا رہے ہیں تو اُس کا قاصد قریشیوں کو جا کر ملا اور بڑا سمجھایا کہ اب اُن سے لڑائی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہم اپنا قافلہ صحیح و سالم لائے ہیں۔ فلہٰذا واپس چلو۔ ابوجہل نے کہا؛ بخدا ہم بدر میں کم از کم ایک دفعہ ضرور جائیں گے وہاں جا کر شراب کی محفلیں جمائیں گے اور بہترین گانیوالی عورتوں کے گانے سُنیں گے اور وہاں جو لوگ ہماری خاطر پہنچے انہیں دعوتیں کھلا کر واپس لوٹائیں گے۔ چنانچہ بضد ہو کر کفار کا تمام لشکر بدر کی طرف چل پڑا۔ اُن کی شومئ قسمت کہ بجائے شراب کے موت کے پیالے پئے۔ اور گانے بجانے والی عورتوں کی

بجائے ان پر توجہ کرعورتیں روئیں۔ اسی وجہ سے اہلِ اسلام کو ایسے فخر و مباہات سے روکا گیا کہ ریأ سے بچ کر تقوٰی و طہارت پیدا کریں اور سراسر اخلاص کا نمونہ بن جائیں۔ (سوال) آیت میں تو صرف بَطَر (فخر و غرور) اور ریاء سے روکا گیا ہے۔ تم نے تقوٰی و خلوص وغیرہ کے سبق دینے شروع کر دیے۔ (جواب) قاعدہ ہے کہ شے کی نہی سے اس کی نقیض کا حکم خود بخود ثابت ہو جاتا ہے (مثلاً زنا سے روکا جائے تو اس سے اس کی نقیض کا حکم ہوگا یعنی عفت و پاکدامنی کا شیوہ اختیار کرو) وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بتاویل المصدر اس کا بطرًا پر عطف ہے۔ یعنی کفار کا ایک کام اللہ کے دین سے منع کرنا ہے یعنی وہ دین جو بندے کو بہشت اور ثواب کا حقدار بناتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ اور وہ جو عمل کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ محیط ہے۔ اسی لیے وہ انہیں اس کی جزا و سزا دے گا۔ (مسئلہ) آیت ہذا میں اعمالِ قلبیہ پر تہدید کی گئی ہے بالخصوص وہ اعمال جو آیت ہذا میں مذکور ہوئے ہیں یعنی فخر و غرور اور ریاء۔ (ف) اپنی اچھائیاں ظاہر کرنے اور برائیاں چھپانے کا نام ریاء ہے اور یہ بھی نفس کی صفات ذمیمہ میں سے ہے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بر سرِ راہ میری کوٹھی تھی اس کے بالاخانے میں مَیں نے صبح سویرے اُٹھ کر سورۃ طٰہٰ شریف پڑھی۔ اختتام کے بعد تھوڑی دیر کے لیے میں وہیں پر سو گیا۔ خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترا ہے اور میرے سامنے آکر ایک صحیفہ کھولا جس پر سورۃ طٰہٰ مکتوب تھی جس کے ہر حرف کے نیچے دس دس نیکیاں لکھی ہوئی تھیں صرف ایک کلمہ ایسا تھا جس کے نیچے نہ صرف نیکیاں محو تھیں بلکہ خود اس کے حروف بھی مٹا دیے گئے ہیں۔ میں نے کہا یہی کلمہ تو میں نے پڑھا تھا لیکن اس کا نہ مجھے ثواب ملا اور نہ ہی وہ عمل نامے میں مکتوب ہے۔ وہیں پر مجھے کسی نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ واقعی تو نے اسے پڑھا بھی ہے اسے ہم نے سنا اور لکھا بھی ہے لیکن ہمیں عرشِ الٰہی سے حکم ملا ہے کہ اسے مٹا دو۔ بزرگ مذکور فرماتے ہیں: یہ سُن کر میں بہت رویا اور کہتا رہا یارب کریم! میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہوا۔ فرمان ملا کہ اثنائے تلاوت میں تیرے قریب سے ایک شخص گزرا تھا تُو نے دکھاوے کی نیت سے یہی کلمہ زور سے پڑھا اسی لیے اس کا ثواب جاتا رہا۔ (حدیث شریف) جہنم اور جہنمی ریاکار کو دیکھ کر زاری کرتے اور شور مچاتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنم ریاکار کو عذاب دینے پر خوشی کے مارے چیختی چلاتی ہے۔ اور جہنم والے عذاب کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ (سبق) ریاکاروں کے لیے بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ بہت گندے عمل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (مسئلہ) جو لوگ نیکوں کا لباس ریاء کے طور پہنتے ہیں یا شہروں کے چکر اسی لیے لگاتے ہیں کہ لوگوں میں ان کا چرچا ہو کہ یہ بھی ان نیکوں میں سے ہیں جیسے ہمارے دور کے لوگ پیروں، فقیروں، صوفیوں کا لبادہ اوڑھ کر ہرجائی نظر آتے ہیں۔ انہیں ایسے لباس اور طور طریق سے اہل اللہ کے ساتھ حقیقی تشبہ مقصود نہیں بلکہ محض دکھاوا مطلوب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ انوارِ معرفت اور اسرارِ حقیقت سے محروم اور دائرۂ طریقت سے خارج ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشا کہ راز
دست غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد

ترجمہ: مدعی نے چاہا کہ باغ میں آئے اور تماشا دیکھے لیکن دستِ غیب نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر اسے نامحرم سمجھ کر باغ میں داخل نہ ہونے دیا۔

(سبق) عاقل کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر عبادت میں مالی ہو یا بدنی، خلوص پیدا کرے۔ یعنی یہ نیت رکھے کہ قربِ الٰہی نصیب ہو اور عبادت محض امرِ ربی کی عظمت کے لیے کرے اور عقیدہ رکھے کہ یہ اسی کا حکم ہے اسی لیے بجا لاتا ہوں۔ (مسئلہ) تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز محض رضائے الٰہی کے حصول کی نیت سے شروع کی پھر اس کے دل میں ریاء کا خیال گزرا تو اس کی نماز ریاء میں داخل نہ ہوگی بلکہ خالص عبادت لکھی جائے گی۔ (مسئلہ) لوگوں کے سامنے نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتا ہے لیکن جب لوگ نہ ہوں تو اُلٹی سیدھی کرکے پڑھتا ہے تو یہ بھی ریاء ہے اُسے اصل نماز کا ثواب تو نصیب ہوگا لیکن اس کی روح سے محروم رہے گا۔ (مسئلہ) روزہ میں ریاء نہیں البتہ اس غرض سے روزہ رکھے کہ روزوں سے چہرہ زرد نظر آئے گا اور کمزوری نظر آئے گی تو لوگ مجھے نیک بخت اور صالح انسان سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ شخص خوفِ آخرت سے نڈھال ہو رہا ہے تو ایسا روزہ ریاء میں داخل ہے۔ (سبق) ایسے بیوقوف کو کون سمجھائے کہ اتنی بہت بڑی تکلیف لوگوں کے لیے کیوں اٹھا رہا ہے کیا اچھا ہوتا کہ وہ رضائے الٰہی کا طالب ہوتا اگر اسے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم ہوتا تو ایسی سخت غلطی نہ کرتا۔ ایسے پاگلوں کے لیے عرب میں کہاوت مشہور ہے کہ "اَخَفُّ حُلْمًا مِنْ عُصْفُوْرٍ" فلاں چڑیا سے بھی زیادہ کم عقل ہے۔ (ف) عقل کی کمی اور طیش کے لیے بھی چڑیا کی مثال دی جاتی ہے۔ چڑیا ہوتی بھی کم غضب ناک اور کم عقل ہے) حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ؎

لَا بَأْسَ بِالْقَوْمِ مِنْ طُوْلٍ اَعْظَمٍ
جِسْمُ الْبِغَالِ وَ اَحْلَامُ الْعَصَافِيْرِ

ترجمہ: قوم کے عظم و طول کا کیا حرج ہے جن کے اجسام خچروں کے اور عقول چڑیوں جیسے ہیں۔

(سبق) دنیا کچھ نہیں خواہ مخواہ زندگی ضایع کرکے مرتے دم تک اس کے حصول میں لگے رہنا یہ کسی عقلمند کا کام نہیں۔

حکایت و روایت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوہڑ سے گزرے اُس میں ایک بکری کا مُردار بچہ پڑا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے پُوچھا، کیا اس کی لوگوں کو ضرورت نہیں ہے؟ عرض کی گئی، اگر انہیں ضرورت ہوتی تو اسے جوہڑ میں کیوں چھوڑ جاتے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حیثیت اس مردار جیسی بھی نہیں کہ اہلِ دنیا اسے حاصل کریں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا: ؎

وگر سیم اندودہ باشد نحاس — تواں خرج کردن بر ناشناس

مزہ آب زرجان من بر پشیز — کہ صراف دانا نگیرد بچیز
چہ قدر آورد بندۂ حور دیس — کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ : تانبے کو سونے کا پانی لگا کر کسی بے خبر کے ہاں تو بیچا جا سکتا ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ تانبے پر سونے کا پانی مت لگاؤ کیونکہ صراف دانا ہے وہ تمہارے اس کھوٹے سکے کو ہرگز نہیں لے گا۔ اس بندے کو دنیا میں کیا عزت حاصل ہو گی جو اوپر تو بہتر قبا رکھتا ہے لیکن اندر بدبوئی سے پُر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں دین کی راہوں پر چلتے وقت پھسلنے سے بچائے اور ہمیں ہر قول و فعل میں اپنی رضا عطا فرمائے وھو المعین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ اور یاد کیجیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو جبکہ شیطان نے انھیں ان کے کردار بھلے کر کے دکھائے۔

ابلیس میدانِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے وہی قصہ یہاں بیان فرمایا یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کیجئے کہ شیطان کیسے کفار کو اپنے کام بھلے دکھا کر اہلِ ایمان کی دشمنی کے لیے اُبھارتا تھا۔ (ف) حقائق سلمی میں ہے کہ شیطان نے کفار کی نگاہ میں ان کی قوت و طاقت دکھائی تاکہ وہ اپنی طاقت و قوت کے بھروسے پر جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں **وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔** اور کہا کہ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں، اس لیے کہ تم کثیر ہو اور وہ قلیل ہیں

ترکیب لَكُمْ، لَا غَالِبَ کی خبر ہے۔ دراصل لَا غَالِبَ كَائِنٌ لَكُمْ تھا اور اَلْيَوْمَ خبر۔ یعنی کائن کی وجہ سے منصوب ہے اور مِنَ النَّاسِ اس کی ضمیر سے حال ہے اور النَّاس سے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ اور میں بنی کنانہ کا تمہارا ذمہ دار اور مددگار ہوں۔ (**حلِ لغات**) جار بمعنی مُجِيْرٌ و مُحَافِظٌ جو دشمنوں کے شر سے بچائے۔ جیسے ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو ہر طرح کے دُکھ درد سے بچاتا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں اَنَا جَارٌ لَكَ مِنْ فُلَانٍ یعنی میں فلاں کی ضرر رسانی سے تمہاری حفاظت کروں گا۔ وہ تمہیں کسی قسم کا دُکھ نہیں پہنچا سکے گا۔ قاموس میں ہے: اَلْجَارُ بمعنی اَلْمُجَاوِرُ یعنی وہ شخص جو کسی کو بچائے و بمعنی اَلْمُجِيْرُ یعنی بچانے والے۔ **فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ** جب دونوں لشکر بدر میں آمنے سامنے ہوئے۔ کاشفی نے کہا جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ **نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ** تو شیطان اُلٹے پاؤں بھاگا۔ نُكُوْصٌ بمعنی رَجْعَةٌ قَهْقَرِیٌ۔ اس لیے کہ جو بھی دشمن سے جنگ کے وقت بھاگتا ہے تو دشمن کے خوف سے اس کی طرف پیٹھ دینے کے بجائے اُلٹے پاؤں بھاگتا ہے۔ (ترکیب) عَلٰى عَقِبَيْهِ نکص کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے اسی لیے رجعة قهقری اُلٹے پاؤں ہوتی ہے۔ (ف) اس سے مکر و حیلہ اور دھوکہ فریب سے شکست کھا کر بھاگنا مراد ہے۔

حکایت

منقول ہے کہ جب ملائکہ کرام بدر میں تشریف لائے تو شیطان انھیں دیکھ کر بھاگنے لگا۔ اس وقت وہ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے تھا۔ بھاگتے وقت ہاتھ چھڑائے تو حارث نے کہا: اے سُراقہ! (شیطان اُس وقت سراقہ کی شکل میں نمودار ہوا تھا) تو ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں جاتا ہے؟ ابلیس اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر چلتا بنا۔ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اور کہا میں تم سے بیزار ہوں۔ یعنی اب میں تمہیں پناہ نہیں دے سکتا۔ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ (فائدہ) یعنی مدد کے لیے ملائکہ کا نزول۔ حارث نے اسے کہا کہ ہمیں تو صرف یثرب کے چھوٹے چھوٹے مرد نظر آتے ہیں۔ (فائدہ) الجعاشیش جعشوش کی جمع ہے بمعنی الرجل القصیر۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ مجھے ملائکہ کوئی تکلیف نہ پہنچائیں یا مجھے اللہ تعالیٰ ہلاک و تباہ نہ کر دے۔ اگرچہ میری ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے، اور اس وقت تک میں مہلت لے چکا ہوں۔ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ (فائدہ) واقعی کذاب نے سچ کہا اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا بھی تھا کہ اگر وہ عذاب واقع ہوتا تو وہ مٹ کے رہ جاتا۔

فضائلِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سائے سے بھاگتا تھا اور جس گلی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا تو شیطان بچ کر دوسری گلی کو نکل جاتا صرف اسی بناء پر کہ کہیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت کے نور کا عکس نہ پڑ جائے جس سے وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ اور اسے یقین تھا کہ وہ معذبین و معاقبین سے ہے۔ (فائدہ) شیطان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف اسی لیے بھی تھا کہ اسے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اس کا ہر عذاب ہر دوسرے عذاب سے سخت تر ہوتا ہے۔ (نکتہ) شیطان کا خوفِ الٰہی سے ڈرنا دلالت کرتا ہے کہ اس نے تا حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید بندھی ہوئی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

عجیب کہانی

منقول ہے کہ جب کفار شکست کھا کر مکہ معظمہ کو لوٹے تو سُراقہ کو کہلا بھیجا کہ تُو نے ہی ہمیں شکست دلائی ہے اس لیے کہ نہ تو ہمیں بھروسہ دیتا نہ ہم جنگ کو جاتے۔ سُراقہ نے قسم کھا کر کہا کہ تا حال مجھے تمہاری جنگ کا علم تک نہیں۔ اس کے بعد سب کو معلوم ہوا وہ دھوکہ باز شیطان ابلیس تھا کہ سُراقہ کی صورت میں آ کر اس نے ہمیں دھوکہ دیا۔

(سوال) یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان نے اپنی اصلی صورت چھوڑ کر سراقہ کی شکل اختیار کر لی۔ اگر کہو کہ وہ انسانی صورت بدلنے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر یہ بھی مانو کہ وہ انسان بنانے کی طاقت رکھتا ہے اور یہ ممتنع ہے۔ (جواب) بشرطِ صحت روایت مذکورہ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ہی شیطان کو سُراقہ کی شکل میں پیدا فرمایا ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ کسی کو سراقہ کی صورت میں پیدا کرے۔ اور وہ ذات جو سُراقہ کی صورت میں پیدا کر سکتی ہے شیطان کو سراقہ کی صورت میں بھی ظاہر کر سکتی ہے۔ (کذا فی التفسیر الحدادی)

(مسئلہ) قاضی ابو یعلیٰ نے فرمایا کہ شیاطین کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنی تخلیق میں تغیر پیدا کر سکیں یا کسی اور صورتوں

منتقل ہوسکیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں چند کلمات سکھا دیے یا انہیں ایسا عمل بتا دیا جس سے وہی عمل کر کے یا وہی کلمات پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دوسری صورت میں منتقل ہوجائیں۔ پھر کہا جائے کہ وہ مختلف صورتوں و شکلوں میں منتقل ہونے کی قدرت رکھتا ہے بایں معنیٰ کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہُوئے کلمات یا عمل کی وجہ سے قدرت رکھتا ہے کہ وہی اعمال و افعال استعمال کر کے دوسری صورت میں منتقل ہوجائے۔ خلاصہ یہ کہ منتقل کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور بتائے ہوئے کلمات یا اعمال کو استعمال کرنا شیطان کا کام۔ اس استعمال کی وجہ سے مختلف صورتوں میں منتقل ہونے کی نسبت شیطان کی طرف مجازاً ہے ورنہ اس کا اپنی اصلی صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہونا محال ہے اس لیے کہ اصلی صورت سے منتقل ہونا مستلزم ہے کہ پہلے اس کی اصلی صورت اور پہلا تیار کیا ہوا ڈھانچہ مٹے اور اس کے ڈھانچہ کے اجزاء ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر نہ ڈھانچہ رہے گا نہ حیات، اور ایسا ہونا محال بھی ہے۔

ازالۂ وہم مذکورہ تقریر کے مطابق جواب ہوگا ملائکہ کا مختلف شکلوں میں آنا۔ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ابلیس کا سُراقہ کی صورت بن جانا اور جبریل علیہ السلام کا دحیہ کی صورت میں ہونا اور جبریل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ یہ تمام اسی پر محمول ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کوئی کلمہ سکھا دیتا ہے جسے وُہ کہہ کر ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ (کذا فی آکام المرجان) اسی طرح انبیاء و اولیاء مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں[1] (فائدہ) والہی الاسکوبی نے اس میں فرق بتایا ہے وہ اس طرح کہ جبریل علیہ السلام متمثل ہُوئے لیکن ابلیس متصور رہا۔ مگر ان کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو اس تمثیل یا تصویر کی ذاتی قدرت تھی۔ بلکہ ان کا بھی وہی مقصد ہے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے قدرت بخشی جو تمثیل و تصویر جیسے چاہتے عمل میں لاتے تھے۔ یہ دونوں اقوال آپس میں منافات نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی قدرت سے یہ تمثیل و تصویر کے لحاظ سے مختلف ہوجاتے تھے اور وہ قدرت دراصل چند اسباب تھے۔ جیسا کہ اسباب سے مخلوق کے کام چلتے ہیں۔ (ف) صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ ملائکہ و شیاطین ارواح لطیفہ کے قبیل سے ہیں۔ اور ارواح کو مختلف صورتوں میں متصور ہونے کی قدرت دی جاتی ہے۔ جیسے اجسام کو مختلف لباس پہننے کی قدرت حاصل ہے۔ لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت دینے پر ہے[2]۔ یاد رہے کہ اس مسلک کو سمجھنا سخت مشکل کام ہے۔ صرف انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو اس کا علم ہوسکتا ہے۔ اور وہ لوگ جو مکاشفہ کے مالک ہیں، وہ بھی سمجھتے ہیں (واللہ اعلم) بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلِ سنت اس مسئلہ کو خوب جانتے ہیں[3]

تنبیہہ شیطان کی عادت ہے کہ جو بھی اس کی اطاعت کرتا ہے تو وُہ اپنے مطیع کو تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار کر اُس سے بیزار ہوجاتا ہے۔

---

[1] اسی مسئلہ کے مزید ابحاث فقیر کے رسالہ "الانجلاء فی تطورات الاولیاء" یا "ولی اللہ کی پرواز" میں دیکھیے۔ (فقیر اویسی رضوی غفرلہٗ)

[2] جیسے وہابی دیوبندی اس حقیقت سے آج تک بے خبر ہیں۔ ورنہ مسئلہ واضح ہے کہ قدرت رب کی ہے استعمال بندہ کرتا ہے۔ ۱۲

[3] یعنی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی قدرت اللہ تعالیٰ انبیاءؑ و اولیاءؒ کو عطا فرماتا ہے اور وہ اسے عمل میں لا کر متعدد مقامات پر حاضر و موجود اور ناظر ہوتے ہیں ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ (اویسی غفرلہٗ)

حکایت منقول ہے کہ ایک عبادت گزار بندہ اپنے حجرے میں عرصہ دراز تک عبادتِ الٰہی میں مشغول رہا۔ اسی علاقہ کے بادشاہ کو ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بادشاہ کو خیال گزرا کہ اسے کہیں ایسی جگہ چھوڑ آؤں۔ جہاں کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ بادشاہ کی لڑکی ہے اس طرح سے وہ تنگی سے بچ جائے گی۔ اور وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کی لڑکی کا کسی سے نکاح نہ ہو۔ چنانچہ اس لڑکی کو اس عابد کے حجرے کے قریب ٹھہرا دیا۔ جب وہ لڑکی جوان ہوئی تو شیطان نے اُسی عابد زاہد کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے ساتھ جماع کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ زاہد عابد شیطان کا دھوکا کھا کر اس لڑکی سے جماع کر بیٹھا، اور اس سے وہ لڑکی حاملہ ہو گئی۔ پھر شیطان اسی زاہد کے ہاں حاضر ہوا کہ اگر اس لڑکی سے بچہ پیدا ہوا یا اس کے حمل کا بادشاہ کو علم ہو گیا تو تیری رسوائی ہوگی۔ اس کے متعلق صحیح صورت یہی ہے کہ بادشاہ کی لڑکی کو قتل کر کے کہیں دفن کر دے۔ اور بادشاہ کو جا کر کہہ دے کہ تیری لڑکی مر گئی ہے۔ عابد زاہد نے اس کے کہنے پر لڑکی کو قتل کر کے دفنا دیا۔ پھر شیطان بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ تیری لڑکی سے اُس زاہد نے زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئی۔ پھر اُس نے اپنی شرمساری کو چھپانے کے لیے اسے قتل کر دیا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو قبر کھود کر اس کا پیٹ چیر دیں اس سے بچہ نکلے گا۔ اگر اس کے خلاف ہو تو مجھے قتل کر دینا۔ بادشاہ نے قبر کھود دی اور پیٹ چیرا تو بات سچی نکلی۔ بادشاہ زاہد کو حجرہ سے گرفتار کر کے شہر لایا اور برسرِ میدان سُولی پر لٹکا دیا۔ جب وہ سُولی پر لٹکایا جا رہا تھا تو اس کے ہاں شیطان حاضر ہوا اور کہا کہ آپ نے میری تمام باتیں مانی ہیں اب آخری بات بھی مان لو، وہ یہ کہ تم میرا کلمہ (ابلیسی) پڑھ لو، بادشاہ کی سزا سے بچا لوں گا۔ چونکہ اب اسے بدبختی گھیر چکی تھی اسی لیے وہ شیطان کے کہنے پر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور کہا کہ اے ابلیس! اب تو بچائیو۔ اس نے کہا میں نے تو صرف دھوکا دیا تھا اب میں تیری مدد کروں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

(سبق) دانا پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

ترجمہ: بے شک آدمی کے بڑے دشمن پنہاں نہیں، عاقل وہ ہے جو ہر وقت ڈرتا رہے۔

(فائدہ) شیطان جب کسی سالک پر غلبہ پا لیتا ہے تو وہ اسے قوت و کمال کا دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تم درجۂ کمال کو پہنچ چکے ہو فلہٰذا اب تمہیں دنیوی امور سے کسی قسم کا نقصان نہیں بلکہ بعض منہیات شرعیہ کے ارتکاب سے اُلٹا تمہیں فائدہ ہوگا مثلاً ریاء و عجب سے بچ جاؤ گے جیسے ملامتیہ فرقہ کے لوگ برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

علاج روحانی اگر نفس کے عجب کو مٹانے کے لیے کسی مباح فعل کا اظہار کیا جائے تو اہلِ حقیقت کے نزدیک جائز ہے لیکن حرام فعل کا ارتکاب نہ کرے۔ اس پر تمام مشایخ اہلِ حقیقت کا اتفاق ہے۔ (سبق) سالک پر لازم ہے کہ ان باتوں کا خصوصیت سے خیال رکھے ورنہ بہت سے غلط کار صوفی ایسی بے شمار غلطیاں کر جاتے ہیں۔ وہ تو حلال و حرام کی حدود بھی توڑ دیتے ہیں بلکہ اپنے مشایخ سے سیکھے ہوئے تمام حدود ختم کر ڈالتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنے

بقیہ بر ۳۹۰

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ

جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین

هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾

پر مغرور ہیں اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ

اور کبھی تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں مار رہے ہیں ان کے

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۵۰﴾ ذَٰلِكَ

منہ پر اور ان کی پیٹھ پر اور چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۵۱﴾

اسکا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور وہ اللہ کی آیتوں کے منکر

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

ہوئے تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا بیشک اللہ قوت والا سخت عذاب والا ہے

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ

یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں جب تک

يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَأْبِ

وہ خود نہ بدل جائیں اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے جیسے

آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور انہوں نے اپنے رب کی آیتیں جھٹلائیں

فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوا

تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ہم نے فرعون والوں کو ڈبو دیا اور وہ سب

ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ

ظالم تھے بیشک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان

لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ

نہیں لاتے وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار اپنا عہد توڑ

عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں تو اگر تم انہیں کہیں

فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسا قتل کرو جس سے ان کے پسماندوں کو بھگاؤ

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ

اس امید پر کہ شاید انہیں عبرت ہو اور اگر تم کسی قوم سے دغا کا اندیشہ کرو تو

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ ع

ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو برابری پر بے شک دغاوالے اللہ کو پسند نہیں

میں سلامتی ہے اور اولیاء کرام کے آدابِ طریقت پر چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ یہ بات اسے کام دے گی جو اسرارِ الٰہی کے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدسی نے فرمایا: ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست

ہش دار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کے راستہ پر شیطان کے وسوسے بہت ہیں۔ ہوش کر کے فرشتے کا پیام دل میں محفوظ کرلے۔

تفسیر عالمانہ اِذْ یہ اُذْکُرْ محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ یعنی یاد کرو اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جبکہ منافقین کہتے تھے۔ انؐ سے قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگ مراد ہیں۔ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض تھا۔ ان سے وہ قریش مراد ہیں جو مکہ معظمہ میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن قوت کے فقدان اور اپنے اقربا کی ممانعت از ہجرت کی وجہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے نہ آسکے۔ جب کفارِ مکہ جنگِ بدر کے لیے آئے تو انہیں باجبار واکراہ ساتھ لائے۔ ایسے لوگوں نے جب دیکھا کہ اہلِ اسلام تو مٹھی بھر ہیں تو شک میں پڑ کر مرتد ہو گئے اور اہلِ مکہ یعنی کفار سے کہا، غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے کہ قلت کے باوجود جنگ کے لیے

قریشِ مکہ کے مقابلے میں نکل کھڑے ہیں حالانکہ اُن کی کثرت بھی ہے اور شان و شوکت بھی۔ اور انہوں نے نہ صرف شک کیا بلکہ انہیں یقین تھا کہ قریش (کفار) اہلِ اسلام پر غلبہ پا جائیں گے کیونکہ وہ (کفار) ایک ہزار کے لگ بھگ تھے اور یہ (اہلِ اسلام) صرف تین سو تیرہ۔
اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے یعنی اپنے جملہ امور اسی کو سپرد کر دے اور سہارا ہو تو صرف اسی کا، اور اس کی ہر تقدیر کے سامنے سر جھکائے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ تو بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرے اُسے ذلیل و خوار نہیں کرتا بلکہ اُسے پناہ دیتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ حَكِيْمٌ حکمت والا ہے اپنی حکمت سے وہ کام کرتا ہے جس کا عقول و فہوم ادراک نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امور کو دیکھ کر بہت بڑے عقیل و فہیم حیران رہ جاتے ہیں۔

حجاج بن یوسف ظالم اور ایک بیباک نڈر حاجی منقول ہے کہ ایامِ حج میں حجاج بن یوسف ظالم مکہ معظمہ میں تھا۔ ایک شخص کو زور سے تلبیہ پڑھتے ہُوئے سُن کر فرمایا: اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ شخص حاضر ہوا تو حجاج نے پُوچھا، تُو کون ہے؟ اس نے کہا، میں مسلمان ہوں۔ حجاج نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ تُو کہاں سے آیا ہے؟ عرض کی: یمن سے۔ حجاج نے کہا: میرے بھائی! محمد بن یوسف کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: خوب موٹا تازہ ہے، خوش لباس ہے، ہر وقت سواریوں پر سوار نظر آتا ہے۔ حجاج نے کہا، میرا مطلب یہ نہیں کہ وُہ معاش میں کیسا ہے بلکہ یہ بتائیے کہ عوام سے اس کا معاشرہ کیسا ہے۔ اس نے کہا: معاشرہ پوچھتے ہو تو حد درجہ کا ظالم، انتہائی غاصب، مخلوق کا مُطیع اور خالق کا نافرمان ہے۔ حجاج نے غُصّہ آمیز لہجہ میں کہا، تمہیں اتنی بڑی جرأت کیونکر ہُوئی جب تجھے معلوم ہے کہ وُہ میرا بھائی ہے اور میرے دل میں اس کی کتنی قدر ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی تو معمولی انسان نہیں ہُوں اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اس کے پیارے نبی علیہ السلام کا زیارتی اور اس کے دین اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنے والوں کا عاشق ہوں۔ حجاج اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ شخص اس سے پُوچھے بغیر وہاں سے چلا گیا اور کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ کر پڑھنے لگا: اَللّٰهُمَّ بِكَ اَعُوْذُ بِكَ اَللّٰهُمَّ فَرُجُكَ الْقَرِيْبُ وَمَعْرُوْفُكَ الْقَدِيْمُ وَعَادَتُكَ الْحَسَنَةُ۔

ترجمہ: اے وہ ذات کہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! تیری کشادگی قریب اور تیری نیکی قدیم اور تیری عادت کریمہ اچھی ہے۔

(سبق) اس حاجی صاحب کی جرأت قابلِ داد ہے۔ اس نے حق بیان کر ہی دیا اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ذرہ برابر بھی خوف نہ کیا بالخصوص حجاج ظالم سے بھی نہ گھبرایا کہ جس کے ظلم کی مثال نہیں ملتی۔ وہ ظالم حجاج جس نے کسی عزت والے کو نہ چھوڑا اور جس نے ناحق ظلم کر کے بہت بڑے کاملین کے خون سے زمین کی پیاس بجھائی۔ اس کے ظلم کی داستان سنانے سے زبان تھراتی اور قلم لرزتا ہے لیکن اس بندۂ خدا نے جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اس کریم نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سب سے بڑی جرأت یہ کہ وُہ اکیلا اور حجاج اپنے لشکر میں تھا۔ (نکتہ) اس مردِ مومن کے غلبہ کی ایک وجہ اور بھی ہے وُہ یہ کہ مومن روحانی طور تندرست، اور فاسق و

فاجر بیمار کی مانند ہوتا ہے ۔اور تندرست ہمیشہ بیمار پر غالب ہوتا ہے بالخصوص مومن منافق پر غلبہ رکھتا ہے اور حجاج تو اسی امت کا منافق تھا۔

تفسیر صوفیانہ دراصل قلب کی بیماریاں دو قسم کی ہیں:
(۱) ایمان میں شک وشبہ اسی طرح دین کے بارے میں اور اس کی حقانیت پر پورا یقین نہ ہو۔ یہ کفار و منافقین کے قلوب ہوتے ہیں۔

(۲) دنیا اور اس کے شہوات کی طرف میلان اور حظوظ نفسانیہ ۔ آیت میں اشارہ ہے کہ کفار و منافقین کے قلوب کی بیماری کا علاج ایمان و یقین و تصدیق قلبی سے ہوتا ہے ۔اگر وہ اسی بیماری میں مرجائیں اور علاج نہ کرائیں تو تباہ و برباد ہوں گے یعنی دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے اور اہل ایمان کے قلوب کی بیماریاں توبہ و استغفار، زہد و اطاعت اور ورع و تقویٰ سے دور ہو سکتی ہیں ۔اگر یہ لوگ اس حالت میں مرگئے تو انہیں انبیاء کرام و اولیاء عظام علی نبینا وعلیہم السلام کی شفاعت سے جہنم سے نجات ہو سکتی ہے ۔ایسے لوگوں کی بیماری سے خطرہ ہے کہ کہیں ایسی بیماری سے کفر میں نہ دھکیل دیے جائیں۔ گناہوں کے مرض میں اضافہ ہو تو نوبت کفر تک پہنچتی ہے ۔ چنانچہ اہل مکہ کے بعض کی کیفیت پہلے بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے مکہ معظمہ میں رہ کر اپنی بیماری کا علاج ترک کیا اور طبیب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری اختیار کی اور غذا نا موافق کھاتے رہے ۔مثلاً کہا: غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ۔ تو مکہ ہونے والوں کے ساتھ ظاہر اور باطن تباہ و برباد ہو گئے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے اور یہ حضرات اللہ والوں کی صحبت اور ہمنشینی سے نصیب ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ تو وہ کریم ہے جو عوام پر بھی لطف و کرم فرماتا ہے اور جب عقیل و فہیم اور عاشق زار ہو کر اس کے فضل و کرم کی طلب کرے تو وہ بہت بڑا مہربان ہے ۔حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد　　اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ: عاشق کا مہربان ہو کر رہو لیکن نظر عنایت سے نہ نوازا ۔ اے خواجہ درد نہیں ورنہ تیرا طبیب تو تیرے ساتھ ہے۔

دوسرے اور بزرگ نے فرمایا: ؎

گر اصحاب دل بگفتند و شد عشق سعد خالی　　جہاں پر شمس تبریز است و مرشد کرچہ مولانا

ترجمہ: یوں نہ کہو کہ اہل دل چلے گئے اور عشق کا شہر خالی ہو گیا سارا عالم تو شمس تبریز (اولیاء) سے پر ہے لیکن مولانا روم جیسا کہا

اے مولا کریم! ہمیں ان اعمال کی توفیق بخش جن سے تجھے محبت اور جن سے تو راضی ہے، اور ان بیمار قلوب کا علاج ہمارے لیے آسان فرما۔ آمین

تفسیر عالمانہ وَلَوْ تَرٰۤى اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کفار کا حال دیکھ لیں ۔ (سوال) ترٰی مضارع کو ماضی کے معنے میں کیوں ۔ (جواب) لَوْ مضارع کو ماضی کے معنے میں لاتا ہے جیسے لفظ اِنْ ماضی کو

مضارع بنا ہے۔ اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں یعنی جب عزرائیل علیہ السلام کا لشکر بد بخت کفار کی روحیں نکالتا تھا۔ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ یتوفی کا فاعل ہے یَضْرِبُوْنَ فرشتوں کا یہ حال تھا کہ وہ لوہے کے گُرزوں سے مارتے تھے۔

مروی ہے کہ جب وہ کافروں کے منہ میں لوہے کے گرز مارتے تو ان کے چہروں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی تھیں۔
وُجُوْھَھُمْ ان کے چہروں یعنی اعضا کے اگلے حصوں پر۔ وَاَدْبَارَھُمْ اور ان کے پچھلے حصوں پر وَذُوْقُوْا انہیں گرز مارتے ہوئے کہتے کہ دنیا کی تلواروں کے ورود کے بعد چکھو عَذَابَ الْحَرِیْقِ جلانے والا وہ عذاب جو کہ آخرت کے عذابوں سے پہلا عذاب ہے۔ اَلْحَرِیْقُ فعیل بمعنی مفعل یعنی اَلْمُحْرِقُ ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے حَرَقَہُ النَّارُ ای اَحْرَقَہٗ وَ حَرَّقَہٗ فَاحْتَرَقَ وَ تَحَرَّقَ یعنی اسے آگ نے جلایا پھر وہ جل گیا۔ اور لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ اور اسے اس لیے محذوف کیا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ ایسا سخت ترین منظر ہے کہ خارج از بیان ہے در اصل یہ عبارت یوں ہوگی: لَرَاَیْتَ اَمْرًا فظیعًا لَا یَکَادُ یُوْصَفُ تو تم اسے ڈراؤنا منظر دیکھتے ایسا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ذٰلِکَ وہ جو مذکور ہوا یعنی فرشتوں کا مارنا اور عذاب کا واقع ہونا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ سبب اس کے جو تم نے کفر و معاصی کا ارتکاب کیا۔ (ف) یہاں پر ید سے نفس و ذات کہ مراد ہے اس سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اعمال میں جوارح سے سب سے زیادہ ہاتھ کو دخل حاصل ہے وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ جملہ معترضہ تذییلیہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کے لیے واقع ہوا ہے یعنی معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انکے گناہوں کے بغیر عذاب نہیں دیتا جس کا نتیجہ نکلا کہ اہلِ ایمان کو جہنم اور اس کے عذاب کی سزا نہیں دیتا۔ بلکہ یہ سزا کفار و منافقین و مرتدین کے لیے ہے کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (ف) ظلم کی نفی کر کے عذاب کی نفی میں ایک راز ہے۔ اس لیے کہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ گناہ نہ ہو وہ عذاب دے تب بھی ظلم نہیں چہ جائیکہ بندوں سے گناہ سرزد ہو تو عذاب دے۔ یہ تو بطریقِ اولیٰ ظلم متصور نہ ہوگا۔ اس کی مفصل تقریر سورۂ آل عمران میں گزری ہے۔

سوال: ظلّام بصیغۂ مبالغہ ظالم سے اخص ہے اس لیے کہ اس کے اندر تکثیر کا معنی ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی۔ خلاصۂ سوال یہ ہے کہ اگر وہ ظلّام نہیں تو ظالم ہے۔ (معاذ اللہ)

جواب ۱: یہاں کثرت ظلم سے متعلقین کی کثرت مراد ہے۔ اس لیے کہ لفظ عبید کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس بنا پر ان پر ظلم کا پہنچنا بطور کثرت ہوگا۔ پھر جب ان سے ظلم کی نفی ہو گئی تو گویا اس ذات سے ہر طرح ظلم کی نفی ثابت ہوئی (وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ) اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

جواب ۲: کثیر کی نفی سے قلیل کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو بھی کسی پر ظلم کرتا ہے تو کسی نفع کو مدِنظر رکھ کر پھر جو شخص کثیر نفع کو ترک کر کے کسی پر ظلم نہیں کرتا تو قلیل نفع کے لیے کیسے ظلم کر سکتا ہے۔ یہ عمومی مفہوم کی حیثیت سے ہے کہ جسے نفع یا بلی یا ضرر

سے بچنے کا خیال ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا مفہوم کہاں۔

جواب ۳: یہ فعال بزاز و عطار کی طرح نسبت کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ اس میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ سے قریش کا مقابلہ فرعون والوں کی طرح ہے۔ وہ ایسے قبیح اعمال میں مشہور ہیں تو یہ بھی اُن کے طریقے پر چل رہے ہیں۔

حل لغات: دَاْب لغت میں اوامۃ العمل کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں فُلَانٌ یَدْاَبُ فی کذا۔ یعنی وہ ایسے عمل پر مداومت کرتا ہے پھر عادت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ اس لیے کہ انسان اپنی عادت پر مداومت کرتا ہے اور آلُ کا اطلاق مرد کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنے مؤکد ترین اسباب لے کر اس کی طرف لوٹیں اسی لیے قرابت والوں کو آل الرجل کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھیوں کو آل نہیں کہا جاتا لیکن یہاں پر فرعون اور اس کے اتباع مراد ہیں۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے یعنی فرعونیوں سے پہلے، جیسے قومِ نوح، عاد، ثمود اور دیگر اہل کفر و عناد۔ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے منکر ہوئے۔ یہ دَاْبُ کی تفسیر ہے اور آیات سے دلائل التوحید مراد ہیں جو آفاق والنفس میں موجود ہیں یا انبیاء علیہم السلام کے معجزات مراد ہیں۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑا، یعنی ان کے کفر و دیگر معاصی کی وجہ سے ان کی گرفت ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سخت عذاب والا ہے کہ اس کے عذاب کو کوئی دفع نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ وہ عذاب جو ان کی غلطیوں سے مرتب ہوا، ورنہ وہ قادر ہے کہ ایسے ہی کسی کو عذاب دے۔ بِاَنَّ اللّٰهَ بسبب اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ لَمْ يَكُ یہ دراصل لَمْ يَكُنْ تھا۔ نون کو حروفِ علت سے مشابہت کی وجہ سے تخفیفاً حذف کیا گیا ہے وجہ تشبیہ یہی ہے کہ یہ حرف غُنّہ ہے۔ پھر جیسے حرفِ علت بوقت عامل جازم کے محذوف ہو جاتا ہے یہ بھی بوجہ کثرت استعمال کے تخفیفاً محذوف ہوتا ہے اور فعل كَوْن كثیر الاستعمال ہے بخلاف لَمْ يَصُنْ وَ لَمْ يَخُنْ کے۔ ان میں نون محذوف نہیں ہوا اس لیے کہ وہ کثیر الاستعمال نہیں اور کثیر الاستعمال ہی تخفیف کو چاہتا ہے۔ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اور اس کی حکمت کے لیے ناموزوں ہے کہ وہ کسی کو نعمت دے کر پھر اس میں تبدیلی کرے حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یہاں تک کہ تبدیل کریں جو ان کے نفسوں میں ہے یعنی ان کے ان اعمال و احوال کی وجہ سے کہ نعمت کے حصول کے باوجود وہ غلط کاریوں میں مشغول رہے اور نعمت کے تقاضا کے منافی اعمال و افعال کے مرتکب ہوئے خواہ اس سے قبل ان کے احوال و افعال نیک تھے یا نیکی کے لیے اصلاح پذیر تھے۔ مثلاً یہی کفار کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کہ وہ بت پرستی میں مشغول تھے۔ لیکن ان کے لیے یہ حالت ایسی تھی کہ بحیثیت مہلت دینے کے وہ حصولِ نعمت کے مورد تھے یعنی تمام دنیوی نعمتیں ان کو حاصل تھیں۔ جب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم معجزات لے کر تشریف لائے تو انہوں نے انہیں بدتر احوال کی طرف تبدیل کیا بایں حیثیت کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ سے اور آپ کے تابعین سے مخالفت و عداوت کی اور ہر طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا اور شدائد و مصائب کے ان پر پہاڑ ڈھائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی دی ہوئی نعمت بھی اُن سے چھین لی کہ جہاں انھیں مہلت دے رکھی تھی انھیں عذاب میں مبتلا کیا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ وہ بھوکے تھے تو ان کے لیے طعام وغیرہ کی فراوانی کی اور انھیں خوف سے مامون و مصئون فرمایا، اور ان سے ہی رسول علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کی ہی زبان میں قرآنِ کریم نازل فرمایا۔ جب انہوں نے ان نعمتوں کا شکر نہ کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل کی۔ اس طرح سے انہوں نے نعمتوں کو تبدیل کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی نعمتیں واپس کر کے انھیں ہلاک کر دیا اور بدر میں انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے یعنی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال خواہ وہ عمل میں لاتے یا انہیں ترک کرتے ہیں ان سب کو جانتا ہے وہ سابق ہیں یا لاحق وہ مناسب و موزوں طریق سے انھیں مرتب فرماتا ہے۔ کسی پر نعمتیں باقی رکھنا موزوں ہوتا ہے تو باقی رکھتا ہے اگر اس سے واپس لینا مناسب ہوتا ہے تو واپس لیتا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون والوں کے طریقہ پر۔ اس کا تکرار تاکید کے لیے ہے۔ **وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ** اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے جنھوں نے اپنے رب کریم کی آیات کی تکذیب کی پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کیا **وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ** اس کا عطف **فَاَهْلَكْنٰهُمْ** الخ پر ہے۔ اور ہم نے فرعون والوں کو غرق کر دیا۔

سوال: اغراق کا مفہوم تو **اَهْلَكْنَا** میں ادا ہو گیا تھا پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: عموم کے بعد خصوص کا ذکر کسی اہمیت کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ یہاں اغراق کی ہولناکی اور اس کی گھبراہٹ کی سختی کو مدِ نظر رکھ کر **اَهْلَكْنَا** کے بعد **اَغْرَقْنَا** لایا گیا ہے۔

وَكُلٌّ اور ان میں ہر ایک یعنی فرعون والے اور قریشِ مکہ **كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ** کفر و معاصی کے مرتکب ہو کر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے لیے پیش کیا یا معنیٰ ہے کہ وہ ایمان و تصدیق کی بجائے کفر و تکذیب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فرعون اور اس کی قوم کو غرق در دریا سے اس لیے مخصوص کیا گیا کہ فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی اور خواہشات نفسانی کو غالب کر کے جوہر روحانی کو ضایع کرنے کا انتہائی مرحلہ طے کیا۔ اس لیے کہ اگرچہ ہر کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کفر سے اپنے جوہر کو ضایع کر دیتا ہے۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم کی غلط کاری اور مراتب کفر کو کوئی نہ پہنچ سکا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلی فطرت کو ضایع نہ کرے حتی الامکان اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اور منحوس معاملات سے بچے، جو اسے فساد اور ہلاک کی طرف لے جائیں اور مخالفت حق کے اعمال سے احتراز کرے اسی طرح

ایسے امور کے قریب نہ جائے جو اسے قبولِ حق سے باز رکھیں۔ یہ پند و نصیحت ہر ایک کو مفید ہے بالخصوص راہِ سلوک پر جو شخص گامزن ہو اس کے لیے نہایت ہی ضروری ہے ؎ کسے را کہ پندار در سر بود
پندار ہرگز کہ حق بشنود

ترجمہ: جس کے ذہن میں غرور بھرا ہو وہ حق کو ہرگز نہیں سُنے گا۔

پندِ غزالی قدس سرّہٗ حضرت امام غزالی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کی قدردانی نہ کرے اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اسے ایک مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کسی اپنے عبد مملوک کو اعزازاً و اکراماً اپنے قریب تر کردے اور بہترین لباس اور پوشاک عطا فرمائے اور اسے اپنے تمام نوکروں چاکروں اور خدام و حشم کا سردار بنا دے۔ اور اسے حکم ہو کہ وہ شاہی دروازہ پر حاضر باش رہے پھر غائبانہ اس کے لیے ایک بنگلہ تیار کرانا شروع کردے۔ اسے ہر طرح کی زیبائش سے مزین کرکے اس پر ہر طرح کا بہتر سے بہتر سامان لگائے اور ہر قسم کے خوانِ نعمت اس کے لیے تیار کرائے۔ اور اس میں نہایت حسین وجمیل حور وغلمان مقرر کرے اور اسے اجازت ہو کہ وہ بادشاہ کی خدمت سے فراغت پاکر اسی بنگلہ میں آرام کرے اور وہ اس میں بمنزلہ بادشاہ اور مخدوم ومکرم ومعزز ترین انسان کے ہو اگر اسے صرف گھڑی بھر یا اس سے بھی کم رہ کر پھر واپس جلد تر بادشاہ کی خدمت کے لیے جانا ہے۔ اندریں اثناء ایسا شخص دیکھے کہ بادشاہ کے دروازے کے باہر کوئی روٹی کے سُوکھے ٹکڑے کھا رہا ہے یا کُتا ہڈی توڑ رہا ہے۔ ایسا شخص بادشاہ کی خدمت چھوڑ کر انہی سُوکھے ٹکڑوں کو دیکھنا شروع کردے اور کُتے کی ہڈی کو گُھور گُھور کر دیکھے، اور ان سے اس کی ایسی دلچسپی ہو کہ وہ چاہے کہ اسے یہی سُوکھے ٹکڑے اور ہڈی مِل جائے۔ نہ اسے بادشاہ کا اعزاز ملحوظِ خاطر ہو اور نہ ہی اپنی موجودہ عزت واحترام کا خیال ہو بلکہ وہ بھوکوں کی طرح انہی سُوکھے ٹکڑوں اور کُتے کی ہڈی کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے اور ان سُوکھے ٹکڑوں کے لیے دست دراز کرے اور کُتے سے ہڈی چھیننے کے لیے بڑی جد وجہد کرے اور اسے روٹی کے ٹکڑوں اور کُتے کی ہڈی کا دل میں بہت بڑا احترام ہو اور اسے ایک نعمتِ عظمٰی تصور کرے۔ بتائیے ایسے شخص کے لیے بادشاہ کو کیا خیال گزرے گا بلکہ کہے گا یہ تو حد درجہ کا پاگل ہے جس نے ہمارے اعزاز واکرام کی کوئی قدر نہیں کی اور نہ اس نے ہمارے قرب واکرام اور دیگر الطاف وعنایات کو دیکھا۔ ہم نے اس پر نعمتوں وکرامتوں کے دریا بہا دیے۔ یہی کہا جائے گا کہ یہ جہالت کا استاد بلکہ بیوقوفوں کا سربراہ ہے۔ پھر اس سے وہ تمام نعمتیں چھین لی جائیں گی اور اس کا تمام اعزاز واکرام برباد ہو جائے گا کہ اسے بادشاہ کے دروازے سے ہٹا دو۔

عالمِ بےعمل مثال مذکور ہر اس عالمِ دین کی ہے جو علم پڑھ کر عمل کرنے کے بجائے دنیاوی عیش وعشرت کی طرف مائل ہو۔ اسی طرح ہر وہ عابد جس کی عبادت کا مطمحِ نظر صرف خواہش نفسانی ہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ انتہائی جد وجہد کرے تاکہ اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان سکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نعمت اس کے لیے عذاب کا سبب اور رحمت عذاب بن جائے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ او شد مرشاہ را جامہ کش
ہست خسراں بہر شاہش

ہر کہ باسلطان شود او ہمنشیں	بر درش شستن بود حیف وغبیں
دست بوسش چوں رسید از بادشہ	گر گزیند بوس پا باشد گناہ
گرچہ سر بر پا نہادن خدمتست	پیش آں خدمت و ذلتست
شاہ راغیرت بود بر کہ او	برگزیند بعد از انکہ دید او

ترجمہ: جو بادشاہ کے لیے بمنزلہ کپڑے کے ہو اسے بعد کو بادشاہ سے نقصان ہوگا۔ جو بادشاہ کا ہمنشین ہو گا اسے بادشاہ سے ہر وقت خوف و خطر ہوگا۔ جب بادشاہ اس کی تعظیم و تکریم کرے تو اسے غیر کی پا بوسی سے گناہ ہوگا۔ اگر اس کی خدمت پا بوسی پر مقرر ہو ایسی خدمت اس کے لیے ذلت ہے۔ بادشاہ کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اس کے غیر کو دیکھے۔

سبق جو اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کو پہچان لیتا ہے تو وہ دنیا بلکہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بزرگ تر ہے اور اس کا ذکر و کلام ہر ذکر و کلام سے افضل و اعلیٰ ہے۔

حکایت حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ السلام اپنے لشکر میں نہایت کر و فر سے جا رہے تھے۔ پرندوں نے سایہ کیا ہوا تھا۔ اور وحوش و انعام جن و انس بلکہ جمیع حیوانات وغیرہ آپ کے دائیں بائیں تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے ایک عابد سے گزرے تو اس نے کہا: اے ابن داؤد علیہما السلام! آپ کو ایک بہت بڑا ملک اور تخت نصیب ہوا۔ آپ کتنے خوش قسمت ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عابد! اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صرف ایک بار تسبیح کہنا ابن داؤد کی شاہی اور تخت و سلطنت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ ابن داؤد کی شاہی اور اس کی سلطنت کو فنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح غیر فانی ہے۔

سبق جو آخرت کا طالب ہے اس کے لیے یہی ذکرِ الٰہی بہتر رہبری ہے۔ اسی طرح جو شواغلِ دنیا سے فارغ ہو کر حضرت علیا کی طرف متوجہ ہے اور آخرت کے لیے ہر وقت جدّ و جہد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ بے شک زمین پر چلنے والے یعنی جملہ حیوانات سے شریر تر ہیں۔ اس میں انسان بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ یہاں پر دَوَابّ کا لغوی معنیٰ مراد ہے عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم و قضا میں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا یعنی اس پر اصرار کیا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان سے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ ان لوگوں سے ہیں کہ جن پر کفر کی مُہر ثبت ہو چکی ہے۔

سوال: انھیں شر الناس کی بجائے شر الدواب کیوں کہا؟

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ اتنا بدبخت ہو چکا ہے کہ انسانی مجانست سے خارج ہو کر حیوانوں میں داخل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئك كالانعام بل هم اضل۔ یہ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ ؎

وَدریغ آدمی زادہ پر محل	کہ باشد چو انعام بل ہم اضل

ترجمہ: اس آدمی پر حیف ہے جو جانوروں سے بھی بدتر ہو۔

اَلَّذِیْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ یہ پہلے اَلَّذِیْنَ سے بدل البعض ہے۔ اس کے بیان یا تخصیص کے لیے ہے یعنی ان میں بعض وہ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے۔ اس معنی میں یہ مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ پھر وہ اپنا معاہدہ توڑ ڈالتے ہیں۔ اس کا عطف عَاهَدْتَّ پر ہے۔ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ یعنی ہر بار معاہدہ کر کے توڑ ڈالے وَهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ وہ اپنے خلاف معاہدہ اور کفر کے اصرار کرنے پر دوام رکھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس دھوکہ بازی سے بچتے ہی نہیں۔ اس بارے میں عار اور نارِ جہنم سے نہیں ڈرتے۔

یہود معاہدہ توڑ اس سے قریظہ کے یہودی مراد ہیں جنہوں نے حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا یعنی وہ تمہارے دشمنوں سے مل کر تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں گے لیکن انہوں نے نہ صرف معاہدہ توڑا بلکہ بدر میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو شکست دینے کے لیے اہلِ مکہ کو ہتھیار دیے۔ جب انہیں معاہدہ کی یاددہانی کرائی گئی تو کہا کہ ہم بھول گئے اور ہم نے غلطی کی۔ اس کے بعد دوبارہ معاہدہ کیا تو غزوۂ خندق میں وعدہ توڑ کر کفار سے مل گئے اور حضور علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اصل وجہ یہ ہوئی کہ یہودیوں نے جب غزوۂ بدر میں اہلِ اسلام کا غلبہ دیکھا تو سمجھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہی سچے نبی ہیں جن کے متعلق خوشخبری دی گئی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے اس لیے معاہدہ کرلیا کہ اب کے بعد ان پر کوئی غلبہ نہیں پاسکے گا۔ پھر مسلمانوں کو جب اُحد میں تھوڑی سی شکست ہوئی اور وہ بھی ان کی ناتجربہ کاری اور غلط تدبیر اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی سے، تو شک میں پڑ گئے اگر یہ نبی حق پر ہوتے تو شکست نہ کھاتے۔ اسی لیے معاہدہ توڑ کر اہلِ مکہ کے ہاں خود چلے گئے۔ چنانچہ بنو قریظہ کا سردار کعب بن سعد مکہ معظمہ کے کفار کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم نبی علیہ السلام سے مقابلہ کرو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ پہلے تم اکیلے لڑتے رہے اب ہم تمہارا تعاون کرتے ہیں۔ اُن کے اُکسانے پر غزوۂ خندق وقوع پذیر ہوا۔

مسئلہ: اس میں اشارۃً معاہدہ توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جنہوں نے عالمِ میثاق میں اللہ تعالیٰ سے کفر اور معاصی سے دُور رہنے کا معاہدہ کر کے اب دُنیا میں کفر و عصیان کر کے وہ معاہدہ توڑ دیا۔ اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار۔ ؎

نہ مارا درمیاں عہد و وفا بود جفا کردی و بدعہدی نمودی
ہنوزت ار سرِ صلحت باز آ کزاں محبوب تر باشی کہ بودی

ترجمہ: تیرے میرے درمیان معاہدہ تھا لیکن تُو نے ظلم کیا اور معاہدہ توڑا۔ اب بھی اگر تجھے صلح کا خیال ہے تو آجا پہلے کی طرح تُو میرا محبوب ہوگا۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ یہ ثقفٌ سے ہے اور اس کی گردان باب سمع کے مطابق ہوگی یعنی مُصَادَفَةٌ وَ اَخْذٌ وَ ظَفْرٌ وَ اِدْرَاكٌ (کذا فی القاموس) اور لفظ "اِمَّا" اِن شرطیہ اور ما تاکیدیہ سے مرکب ہے یعنی جب ان کا یہی حال ہے جیسے مذکور ہوا۔ تو اگر آپ اُن پر فتح پائیں۔ فِی الْحَرْبِ جنگوں اور کمزوریوں میں فَشَرِّدْ بِهِمْ پس انہیں متفرق فرمائیے۔ کاشفی

فنبّذ کا مفعول بہ ہے۔

فائدہ: اس سے آپ کے دشمن کفار مراد ہیں۔ (ف) اَلتَّشْرِیْدُ بمعنی الطرد و تفریق الشمل و تبدید الجمع ۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان معاہدہ توڑنے والوں پر جنگ میں فتح پالیں تو ان کے ساتھ ایسا سخت معاملہ کرنا اور انہیں قہر و غضب میں ایسا مبتلا کرنا کہ ان کے دل کانپ جائیں تاکہ آپ کے ساتھ آئندہ کوئی معاہدہ توڑنے کی جرأت نہ کرسکیں بلکہ تادم زیست انھیں آپ سے لڑائی اور جنگ کرنے کے تصورات بھی مٹ جائیں۔

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاہدہ توڑنے والوں کے ماسوا ہیں کہ وہ آپ کی سخت سزا سے آئندہ کے لیے نصیحت پائیں گے کہ جس طرح منافقین اور معاہدہ توڑنے والوں کو سزا ملی ہے انھیں بھی ایسے ہی سزا ملے گی۔ اس طرح سے وہ کفر و معاصی سے بچ جائیں گے۔ ؎

نرود مرغ سوئے دانہ فراز	چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائبِ دیگراں	تا نگیرند دیگراں از تو پند

ترجمہ: وہ پرندہ دانے کے لیے نہیں جاتا جب دوسرے پرندے کو جال میں پھنسا دیکھتا ہے۔ دوسروں کے مصائب سے نصیحت حاصل کرو نہ یہ کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ اور اگر تم معلوم کرو یہاں پر خوف استعارۃً بمعنی علم ہے مِنْ قَوْمٍ معاہدہ کرنے والی قوم سے خِيَانَةً آئندہ کے معاملات میں ان سے خیانت یعنی عہد شکنی محسوس کریں بایں طور کہ ان کے طور اطوار بتائیں کہ ان کے عزائم اور ارادے کیا ہیں فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ تو ان کے معاہدے ان کی طرف پھینک دیں عَلٰى سَوَآءٍ درانحالیکہ آپ ان کی دشمنی کے اظہار میں سیدھے راستہ پر ہوں بایں طور کہ آپ بھی ان سے عہد شکنی ظاہر فرمائیں یعنی غیر مبہم الفاظ سے انھیں واضح کر دیں کہ اب تمہارا اور ہمارا معاہدہ، اور ایک دوسرے سے تعلق ہمدردی ختم، تاکہ انھیں جنگ کے دوران یہ وہم نہ ہو کہ آپ اپنے معاہدہ کے پابند ہیں حالانکہ اندرونی طور معاہدہ ختم کرکے ان سے لڑائی کا پروگرام ہے۔ جب آپ واشگاف الفاظ سے معاہدہ ختم کا اعلان فرمائیں گے۔ اب وہ کسی وہم و گمان میں نہ رہیں گے اور نہ ہی آپ پر الزام تراش سکیں گے کہ آپ نے ان سے خیانت کی ہے۔

فائدہ: جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ معاہدہ توڑنے والے سے حال ہے یا علی السّواء کا مطلب یہ ہے کہ آپ عہد کے خاتمے کا اعلان ایسے واضح الفاظ سے فرمائیں کہ جس سے ہر چھوٹا بڑا اور اعلیٰ ادنیٰ باخبر ہو اس معنی پر "علی السواء" اَلْمَنْبُوْذُ اِلَيْهِمْ سے حال ہے یا علی السواء کا مطلب یہ ہے کہ آپ اور وہ اس عہد کے ختم کرنے میں برابر ہیں۔ اس معنی پر علی السواء پر دونوں جانبوں سے حال ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ بطریق استیناف کے یہ امر فَانْۢبِذْ کی تعلیل اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا انہیں امر کیوں ہوا اور عہد شکنی سے پہلے انھیں جنگ سے کیوں روکا گیا تو اس کا جواب ملا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کہا کہ پس رمیدہ گردان و متفرق ساز بِهِمْ یعنے ان کے قتل کے سبب سے مَّنْ خَلْفَهُمْ وہ جو ان کے پیچھے ہیں۔ یہ

ؔ؎ بمعنے دور پھینک اور متفرق کر " " = اویسی غفرلہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝٥٩ وَ

اور ہرگز کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بیشک وہ عاجز نہیں کرتے اور

أَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ

ان کے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ

ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا کچھ اوروں کے دلوں

لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي

میں جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝٦٠ وَإِن

تمہیں پورا دیا جائے گا اور کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہو گے اور اگر وہ

جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ

صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بےشک وہی ہے

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٦١ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ

سنتا جانتا اور اگر وہ تمہیں فریب دیا چاہیں تو بےشک اللہ تمہیں

حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝٦٢ وَ

کافی ہے وہی ہے جس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور

أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا

ان کے دلوں میں میل کر دیا اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے ان کے دل

أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ

ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے بیشک وہی ہے

حَكِيمٌ ۝٦٣ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝٦٤

غالب حکمت والا اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے

تفسیر عالمانہ اس وہم کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَا يَحْسَبَنَّ** اور گمان نہ کریں **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا۔ یہ وَلَا يَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اور اس کا پہلا مفعول محذوف ہے اور وہ اَنْفُسَهُمْ ہے ایسے اس لیے محذوف کیا گیا ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے کیونکہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اَنْفُسَهُمْ کا ایک معنیٰ ہے۔ **سَبَقُوْا** یہ دوسرا مفعول ہے یعنی وہ جو چوک گئے یعنی وہ جن پر آپ لوگ فتحیاب نہیں ہو سکے۔ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو غزوۂ بدر اور دوسری جنگوں میں بچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور جی بھر کر جرم و خطائیں کیں۔ **اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ** بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے۔ یہ نہی کی تعلیل اور جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے یعنی وہ اپنے آپ کو اپنے ادراک میں عاجز نہیں پائیں گے۔

حلِ لغات: لَا يُعْجِزُوْنَ میں باب افعال کا ہمزہ اصل فعل کی فاعلیت میں مفعول کے وجود کے لیے ہے یعنی عجز۔ مثلاً کہا جاتا ہے اَبْخَلْتُهٗ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو بخیل پائے اور کہا جاتا ہے اَعْجَزَهُ الشَّيْءُ۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی سے رہ جائے اور کہتے ہیں اَعْجَزْتُ الرَّجُلَ۔ یہ اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی کسی کو

خیانتیوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے معاہدہ توڑنے پر طعن کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کر کے بہت سخت غلطی کھائی۔ گویا حضور علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی محسوس فرمائیں تو ان کو عہد شکنی کی اطلاع دے کر ان سے جنگ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور یہ یہود بھی منجملہ ان عہد شکنی کرنے والوں سے ہیں جیسا کہ آپ اُن کے حالات معلوم کر چکے ہیں۔

مسئلہ: خلیفۂ اسلام پر واجب ہو جاتا ہے کہ جس قوم سے عہد شکنی کے آثار محسوس کرے تو اُن کو عہد شکنی کا اعلان کر دے۔

مسئلہ: اگر ان سے عہد شکنی یقینی ہو جائے۔ یعنی وہ عہد شکنی کا ارتکاب بھی کر چکے ہوں تو پھر اعلان کی ضرورت نہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ سے کیا کہ جب انہوں نے خزاعہ کو قتل کیا تو وہ حضور علیہ السلام کے ذمہ میں تھے تو آپ نے اس عہد شکنی کے بعد بلا اعلان اہلِ مکہ سے جنگ کی۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے عہد شکنی کا حکم فرمایا تو کسی کے دل میں وہم گذرا کہ ہم جنگ سے پہلے دشمن کو کیسے بیدار کریں یا انہیں ہم کس طرح اطلاع دیں کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر چکے ہیں باوجودیکہ وہ خود عہد شکنی توڑ کر قرائن سے معلوم تو کر لیں گے کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر چکے۔ پھر جب ہم انھیں مطلع کریں گے تو وہ جنگ کی تیاری کر کے مضبوط قدم جما سکیں گے کہ ان سے مقابلہ مشکل ہو جائے گا یا کم از کم جنگ سے بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بہرحال ہماری اطلاع سے ہمارا مقصود فوت ہو جائیگا یعنی ان سے انتقام لینا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اس طرح کیوں نہ ہو کہ انھیں اطلاع دیے بغیر جنگ لڑی جائے اس وقت جب کہ ہم ان سے خیانت کی علامات محسوس کریں۔ ورنہ معاملہ گڑبڑ ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مخالفین کی عہد شکنی کے آثار معلوم کرنے کے بعد انہیں اطلاع دیے بغیر ان سے جنگ لڑنی چاہیے۔ لیکن یہ حکم جو فرمایا گیا ہے کہ پہلے انھیں اطلاع دو پھر اُن سے جنگ کرو۔ یہ عقل کے خلاف ہے۔

عاجز پائے۔

مسئلہ: آیت میں ان نفوس کو تہدید سُنائی گئی ہے جو گناہوں پر جرأت رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت مندی کی جاتی ہے۔

حکایت حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک شہر کی جامع مسجد میں وعظ کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہایت حسین وجمیل نوجوان کھڑا ہوگیا۔ وہ شاہی لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے اور بھی ساتھی تھے۔ جب اس نے میرے وعظ کے یہ کلمات سُنے کہ اس ضعیف پر تعجب ہے جو بڑی طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے اس کا رنگ فق ہوگیا اور وُہ اسی حالت میں مجلس سے چلا گیا۔ پھر دُوسرے روز میں حسبِ عادت وعظ کرنے لگا تو پھر وہی نوجوان حاضر ہوا اور مسجد میں آکر السلام علیکم کہا اور دوگانہ پڑھ کر مجھ سے گویا ہُوا: اے سری سقطی! فرمائیے، کل آپ نے کہا کہ اس کمزور پر تعجب ہے جو بڑی طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کا مطلب مجھے سمجھ نہیں آیا۔ میں نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قوی تر اور کوئی نہیں، اور بندے سے بھی ضعیف ترین اور کوئی نہیں لیکن اس کے باوجود بندہ اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی کرتا ہے۔ ؎

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ
چہ زند پیش باز روئین چنگ

ترجمہ: اگرچہ مرغ لڑائی میں چالاک ہے لیکن باز کے سامنے اس کی کیا مجال۔

یہ سُن کر اٹھا اور مسجد سے نکل گیا۔ پھر تیسرے روز حاضر ہوا تو بجائے شاہی لباس کے صرف دو سفید کپڑے اس کے زیب تن تھے اور اس کے ساتھ پہلے والا مجمع بھی نہیں تھا بلکہ اکیلا تھا۔ آتے ہی مجھ سے فرمایا: اے سری سقطی! بتائیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسی راہ جاتی ہے؟ میں نے اسے کہا کہ اگر صرف عبادت مطلوب ہے تو دن کو روزے رکھو اور رات کو نوافل پڑھو، اور اگر اللہ تعالیٰ کا وصال مطلوب ہے تو "ماسوی اللہ" سے علیحدگی اختیار کرو۔ اس طرح سے ان شاء اللہ تعالیٰ وصالِ الٰہی نصیب ہو جائے گا اور ماسوی اللہ کا ترک مساجد اور ویرانوں اور گورستانوں میں اقامت پذیر ہونے سے نصیب ہوسکتا ہے۔

یہ سُن کر وُہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اب ان شاء اللہ تعالیٰ سخت سے سخت تر راستے طے کروں گا۔ یہ کہتا ہوا جامع مسجد سے نکل گیا۔ چند دنوں کے بعد میرے ہاں چند نوجوان حاضر ہُوئے اور کہنے لگے: آپ نے احمد بن یزید الکاتب کو کیا کِیا ہے؟ میں نے کہا: میں اسے جانتا نہیں البتہ میرے ہاں ایک نوجوان اس صورت وسیرت کا کئی روز پہلے حاضر ہُوا تھا اور میری اور اس کی اس طرح گفتگو ہوئی، اس کے علاوہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ انہوں نے کہا: آئندہ اگر اس کے متعلق کچھ معلوم ہو تو ہمیں مطلع کرنا۔ ایک سال کامل اس کے متعلق کوئی خبر نہ مل سکی، ایک رات میں تہجد کے لیے اٹھا تو میرے دروازے پر کسی نے دستک دی، میں نے اسے کہا اندر چلے آئیے۔ وُہ اندر چلا آیا، میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان ہے جس کا تہبند ایک اُونی کپڑا ہے اور ایک ٹکڑا اونی کپڑے کا کاندھے پر ڈالے ہُوئے تھا اور بغل میں ایک زنبیل تھی جس میں چند دانے کھجور کی گٹھلیوں کے تھے۔ آتے ہی میری آنکھیں چُومنے لگا اور دُعائیں دیں کہ اے سری سقطی! تجھے اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد فرمائے۔ آپ نے مجھے دنیا کے گورکھ دھندوں

سے بچا لیا۔ مَیں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے اس کے گھر لے جائیے۔ وُہ اسے گھر لے گیا۔ گھر والی جو خود بھی زیورات سے آراستہ و پیراستہ اور بچے بھی نہایت فاخرہ لباس سے ملبوس تھے۔ اس نے بچے اپنے شوہر کی جھولی میں ڈال دیئے اور کہا: اے میرے آقا! آپ نے مجھے اپنی زندگی میں بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دیا۔ اس نوجوان نے بیوی کی بات سُن کر اپنے ایک بچے کو گلے لگایا اور پیار کرتے ہوئے کہا: اے میرے جگر کے ٹکڑے، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یہ کہہ کر بچے کے گلے سے اچھے کپڑے اتار کر اپنے کپڑوں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر بچے کے گلے میں ڈال دیا۔ اس کی بیوی نے کہا: یہ کیا کر رہے ہو؟ اور بچے سے پُرانے کپڑے اتارنے اور نئے کپڑے پہنانے میں مشغول ہُوئی تو وہ نوجوان چلتا بنا۔ اس کے جانے کے بعد اس کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ساری رات اس کے بچے، بیوی اور رشتہ دار روتے رہے۔ صبح کو اس کے عزیز سری سقطی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ اگر دوبارہ آپ کو اس کے متعلق علم ہو تو ہمیں مطلع کرنا، مَیں نے وعدہ کر لیا، بہت عرصہ تک اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ایک دن شونیزیہ سے ایک بڑھیا حاضر ہُوئی اور اسی نوجوان کا سلام پہنچا کر کہا کہ اے سری سقطی! وہی نوجوان آپ کو بلا رہا ہے۔ میں وہاں پہنچا اُسے دیکھا تو نہایت نڈھال ہو گیا تھا اور ایک اینٹ سرہانے رکھ کر سویا ہُوا تھا صرف سانس آ جا رہا تھا میں نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا: اے سری سقطی! کیا میرے اتنے بڑے گناہ معاف ہو سکیں گے؟ میں نے کہا: ضرور معاف ہو جائیں گے۔ اس نے کہا: میں نے بڑے ظلم کیے ہیں کیا وُہ بھی معاف ہو جائیں گے؟ میں نے کہا: ضرور۔ اس نے کہا: اے سری سقطی! میں گناہوں میں غریق ہُوں۔ میں نے کہا: وہ کریم ڈوبوں کو سہارا دیتا ہے۔ اس نے کہا: میرے اوپر کچھ حقوق العباد ہیں ان کے متعلق کیا بنے گا؟ میں نے کہا: فکر مت کیجیے، حدیث شریف میں ہے کہ:

تائب کو قیامت میں حاضر کر کے کہا جائے گا کہ جن پر جن لوگوں کے حقوق ہوں وُہ حاضر ہوں جب وُہ آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے حقوق کا بدلہ دیتا ہُوں لیکن تم میرے اس بندے کو چھوڑ دو اس طرح سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس نوجوان نے مجھ سے فرمایا کہ اے سری سقطی! میرے ہاں گٹھلیوں کی خرید و فروخت کے چند ٹکے محفوظ ہیں میرے مرنے کے بعد اُن ہی سے تجہیز و تکفین کرنا اور میرے اعزہ و اقارب کو مطلع بھی نہ کرنا تاکہ وہ اس میں حرام کا مال نہ ملا دیں۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور وہیں شونیزیہ میں دفنا دیا۔ چند روز کے بعد اس کے اعزہ و اقربا نے مجھ سے اُس کے متعلق پُوچھا تو میں نے بتانے سے گریز کیا۔ جب انہوں نے مجبور کیا تو میں نے کہا: وُہ فوت ہو گیا ہے، اس کی قبر فلاں جگہ ہے لیکن اس نے شرط لگائی تھی کہ میری تجہیز و تکفین حلال مال سے ہو اور میرے اقارب حرام کا مال نہ ملائیں۔ اس کی بیوی نے کہا: صرف آپ ہمیں اس کی قبر بتا دیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی قبر کی زیارت کے سوا اور کوئی بات نہیں کریں گے۔ مَیں نے اُسے قبر دکھائی تو پہلے تو وہ خوب روئی پھر دو معتبر گواہوں کے سامنے کہا کہ میں نے اپنے شوہر کی تمام کنیزیں اور غلام آزاد کیے اور اس کی تمام زمین اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی اور اس کا تمام مال فقراء و مساکین کو دے دیا اور وہیں قبر کے نزدیک عرصۂ دراز تک مقیم رہی اور وہیں فوت ہوئی، رحمۃ اللہ علیہا۔ ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کارِ عشق ز ما ایں قدر نمی آید

ترجمہ : ہم عمر و مال دوست پر قربان نہ کرسکے افسوس کہ عشق میں ہم سے اتنا بھی نہ ہوسکا ۔

وَاَعِدُّوْا اور اے مومنو تیار کرو لَهُمْ ان کفار کی جنگ کے لیے یعنی سامان مہیا کر کے ان سے لڑو مَّا اسْتَطَعْتُمْ جتنی تمہیں طاقت ہے در آنحالیکہ مِّنْ قُوَّةٍ ایسی قوت یعنی ایسا سامان جو جنگ کے لیے ضروری ہوتا ہے گھوڑے ، ہتھیار اور تیر وغیرہ ۔

سوال : حضور علیہ السلام نے فرمایا ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ ۔ خبردار جنگی طاقت صرف تیراندازی ہے ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنگی طاقت صرف تیراندازی میں محصور ہے اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی بتائی ہیں ۔

جواب : یہ حصر علی سبیل الکمال ہے ۔ اس لیے کہ اس وقت جنگی طاقتوں میں مکمل ترین ہتھیار تیراندازی تھی اور قاعدہ ہے کہ اکمل کا ذکر اس کے باقی جمیع افراد کو مشتمل ہوتا ہے ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُحد میں ایک ہزار تیر مارے ۔ اُن کے ہر تیر مارنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ، فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یَا سَعْدُ ۔ اے سعد ! تیرے اُوپر میرے ماں باپ فدا ہوں ۔

سوال : بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ کسی مسلمان کے لیے بھی لائق نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کو کہے فداك ابی وامی ۔ چہ جائیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک اُمتی کو فرمائیں ۔

جواب : بعض نے کہا کہ یہ اس وقت فرمایا جب حضور علیہ السلام کے ابوین کے متعلق کفر و اسلام کا امتیاز واضح نہیں ہوا تھا ۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے ابوین کے ایمان و اسلام کا اگرچہ عوام میں امتیاز نہیں ہوا ۔ مگر حضور علیہ السلام کو تو اُن کے ایمان و اسلام کا علم تھا ۔ لیکن بایں ہمہ آپ نے فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یا سعد فرمایا ۔ اس لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کا فتویٰ مبنی بر صحت نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے فداك امی و ابی کہنا مطلقاً جائز ہے ۔ اس لیے کہ ان الفاظ سے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے صرف کلام کو لطیف بنانا مطلوب ہوتا ہے ، جو دوسرے کو خوش کرنے اور اس کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بولا جاتا ہے ۔ اور اُسے بتایا جاتا ہے کہ بولنے والا اس سے محبت رکھتا ہے ۔

تیراندازی کے فضائل

حدیث شریف ۱ : ہر نیکی پر تیراندازی اور دُعا کو فضیلت ہے ۔

حدیث شریف ۲ : ایک ہی تیر کی وجہ سے تین افراد کو اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائیگا ۔

۱ ۔ تیر بنانے والا جو اس نیت سے تیر بناتا ہے کہ اس کا بنایا ہُوا تیر جہاد میں کام آئے گا ۔

۲ ۔ جس نے ہدیہ کے طور مجاہد کو تیر پیش کیا ۔

۳ ۔ جنگ میں تیر مارنے والا ۔

حدیث شریف ۳ : جس کی جوانی خدمتِ اسلام میں گزری اُسے قیامت میں ایک خصوصی نُور نصیب ہوگا ۔ اور جو جہاد فی سبیل اللہ میں تیر مارتا ہے اس کا تیر اس کے دشمن کو پہنچے یا نہ ، تو اُسے ہر تیر پر ایک آزاد شدہ مومن غلام کا ثواب ملے گا ، جس کا ایک ایک عضو اس تیر مارنے والے کیلئے جہنم کا فدیہ بنایا جائے گا ۔

حدیث شریف ۴: جو شخص تیراندازوں کے دو نشانوں کے درمیان چلتا ہے اس کے ہر قدم پر اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی۔

فائدہ: الغرضُ بفتح الغین المعجمة والزاء بعدها الضاد المعجمة۔ ہر وہ نشان جسے تیر مارنے والا اپنے تیر کے پھینکنے کے لیے منتخب کرتا ہے۔

حدیث شریف ۵: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا ہر فعل وقول اور عمل لہو ولعب میں شامل ہے سوائے چار اعمال کے:

۱۔ تیراندازوں کے دونوں نشانوں کے درمیان چلنا۔

۲۔ جہاد کی خاطر اپنے گھوڑے کو جنگی تربیت دینا۔

۳۔ اپنی گھروالی سے جائز ہنسی مذاق وغیرہ۔

۴۔ دریا میں تیرنے کا ڈھنگ سیکھنا۔

فائدہ: تیراندازی تین قسم کی ہے:

۱۔ ظاہری تیراندازی تیروکمان سے۔

۲۔ باطنی سحر کے وقت آہ وفغاں کے تیر اور خضوع وخشوع کی کمان سے۔

۳۔ حظِ نفسانی دل سے ہٹ کر توجہ بحق کرکے ماسوٰی سے فراغت کی تیراندازی (یہ اخص الخواص کا کام ہے) حضرت حافظ نے فرمایا؂

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ دوست ۔۔۔ چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم[1]

وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ یہ فِعال بمعنی مفعول لباس بمعنی ملبوس کی طرح ہے یعنی خیل مربوط جَزَ ذُ قَطِیْفَةٍ کی طرح ہے کہ دراصل قَطِیْفَةٌ جُرِدُ ہے یہاں عام خاص کی طرف مضاف ہے یہ اضافت نام قطعة کی اضافت بیانیہ یا تخصیص کے لیے ہے۔

سوال: اسے من قوة کے بعد لانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ من قوة میں ضمناً اس کا ذکر ہوچکا ہے۔

جواب: اس کی فضیلت اور اہمیت ظاہر کرنا مطلوب ہے جیسے عموم کے بعد خصوص میں ہوتا ہے جیسے ملائکہ کے ذکر کے بعد حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

الجوبہ: جنات اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں گھوڑا یا جنگی ہتھیار ہوں۔

حدیث شریف: جس نے جَو خریدے اور انھیں صاف کرکے بطور گھاس کے جنگی گھوڑے کو کھلائے تو اسے ایک ایک جَو کے عوض نیکی نصیب ہوگی۔

فائدہ: بنو آدم کی طرح گھوڑے کو خواب آتے ہیں۔

مجاہد گھوڑے کے فضائل

۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مجاہدین کے دو گروہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو گھوڑا پڑھتا ہے "سبوحٌ قدوسٌ ربنا ورب الملٰئکة والروح" یہی نکتہ ہے اس میں کہ پیدل

---

[1] میرے دل کی تختی پر سوائے دوست کے قدوقامت کے اور کچھ نہیں میں بھی مجبور ہوں کہ مجھے استاد صاحب نے سوائے الف کے اور کوئی سبق نہیں سکھایا۔

جنگی کو غنیمت کا ایک حصّہ اور گھوڑ سوار کو دو حصّے ملتے ہیں۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مادہ گھوڑیوں کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھو اس لیے کہ ان کی پیٹھ تمہاری حفاظت اور ان کے پیٹ تمہارے خزانے ہیں۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گھوڑے کو صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا وعدہ پورا کرنے کی نیت سے پالتا ہے تو اس کا گھاس سے سیر ہونا اور اس کی رال اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت میں جمع کر کے اس کے اعمال نامے میں رکھا جائے گا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ جانوروں میں سے آپ کو کون سا جانور محبوب تر ہے؟ انہوں نے فرمایا، گھوڑا اور گدھا اور اُونٹ، اس لیے کہ گھوڑا اولوالعزم رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی سواری ہے اور اونٹ حضرت ہود و صالح و شعیب و سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ہے اور گدھا عیسیٰ و عزیر علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی۔ پھر میں ان سے کیوں محبت نہ کروں جب اللہ تعالیٰ ان سے قبل الحشر یعنی موت سے پہلے محبت کرتا ہے۔

فائدہ : گھوڑے تین قسم کے ہیں ؛

۱۔ رحمٰن کے لیے۔ وہ یہ کہ اسے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرید کر اس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قتل کیا جائے۔

۲۔ انسان کے لیے۔ وہ یہ کہ اس سے اپنے پیٹ کی خدمت کی جائے یعنی فقر کا ستر۔

۳۔ شیطان کے لیے۔ وہ یہ کہ اس سے جُوا کھیلا جائے وغیرہ۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ درانحالیکہ تم اسے ڈراؤ یہ اعدوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم اپنے جنگ کے ہتھیار سے دشمنوں کو ڈراؤ دھمکاؤ۔ **عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو، اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں۔

سوال : اہلِ مکہ کی تخصیص کیوں ، حالانکہ تمام کفار اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کے دشمن ہیں۔

جواب : اہلِ مکہ دُوسرے کفار سے سرکشی اور حد سے متجاوز ہونے میں سخت تر تھے اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ اور ان کے ماسوا دُوسروں کو بھی ان کے ذریعے ڈراؤ اس سے دوسرے کفار جیسے یہود و نصاریٰ اور منافقین اور فارس کے آتش پرست وغیرہ مراد ہیں اسی طرح جنّات کے کفار بھی اس میں شامل ہیں **لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ** تم نہیں جانتے ہو۔ یہاں پر علم بمعنی معرفت ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور معرفت کا تعلق ذات سے ہے یعنی تم ان کی ذات کو نہیں جانتے **اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ** ای یعرفھم یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔

سوال : معرفت کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتا ہے جبکہ معرفت کو پہلے جہل لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جہل کا وہم لانا بھی کفر ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے لیے جب اسی لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے ان کا ذوات سے مطلق تعلق مراد ہوتا ہے اس میں نسبت جہل وغیرہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اشیاء اس کے علم سے متعلق ہونے سے پہلے مجہول تھیں یا نہ۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے ہر دشمن کا جاننا ضروری نہیں۔ ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

وَمَا یہ مَا شرطیہ ہے تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ اور وہ جو اپنے سرکش دشمنوں کی تیاری میں خرچ کرتے ہو وہ قلیل ہو یا کثیر فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جسے جہاد نے واضح کیا ہے یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ تمہیں اس کی پوری جزا دی جائے گی۔ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ بالکل ثواب سے محروم کر دیئے جاؤ یا تمہارے ثواب میں کمی کی جائے۔

سوال: ظلم کو ترک ثواب سے کیوں تعبیر کیا ہے اس لیے کہ اعمال ثواب کو موجب نہیں کہ اس کے ترک کو ظلم سے تعبیر کیا جائے۔

جواب: کمال تنزہ کی وجہ سے کہ جن امور کا اس کی ذات سے صدور محال ہے اس کے اسباب بھی اس کی طرف منسوب نہ کیے جائیں اور اعمال پر ثواب نہ دینا بھی منجملہ اس کے ہے اسی لیے اس کا تنزہ ذاتِ باری تعالیٰ سے ضروری ہوا۔

حدیثِ معراج: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام ایسا تیز رفتار براق لائے کہ جہاں تک آپ کی نگاہِ اقدس پڑتی وہاں براق کا قدم پہنچتا اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی ساتھ تھے آپ کا ایک قوم پر گزر ہوا جو ابھی بیج ڈالتے تو ابھی کھیتی سرسبز ہو جاتی پھر وہ اسی وقت کاٹ بھی لیتے ایک دن میں یہ کام مکمل ہو جاتا آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ انھیں ایک نیکی کے عوض دگنا بلکہ سات سو گنا زائد ثواب ملتا ہے جو کچھ انہوں نے خرچ کیا تھا اب اللہ تعالیٰ انھیں اجر و ثواب عطا فرما رہا ہے۔

حدیث شریف: جو مجاہد فی سبیل اللہ مدد کرتا ہے یا نہایت ہی دکھ اور تکلیف کے باوجود جنگ میں شامل ہوتا ہے یا گردن آزاد کرانے والے کی اعانت کرتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا جہاں اس کی رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

احوال گنج قارون کایام داد بر باد
با غنچہ باز گویند زر را نہاں ندارد

ترجمہ۔ قارون کے خزانے کا حال سب کو معلوم ہے کہ کیسے برباد ہوا اب غنچے کو کہیں کہ وہ زر کو چھپا نہ رکھے۔

چہ دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک
بمذہب ہمہ کفر طریقت امساک

ترجمہ: دوزخی بہشتی آدمی فرشتہ ہر ایک کا متفقہ فیصلہ ہے کہ طریقت میں بخل کفر ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَاِنۡ جَنَحُوۡا (حلِ لغات) اَلۡجُنُوۡحُ بمعنی اَلۡمَیۡلُ یعنی جھکنا۔ اسی سے اَلۡجَنَاحُ ہے۔ چونکہ پرندہ اپنے پر کے ذریعہ جہاں چاہتا ہے جھکتا ہے اسی مناسبت سے اس کے پر کو جَنَاحٌ سے تعبیر کرتے ہیں

؎ آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں خوف خدا رکھنے والا انسان دانا ہے۔

جَنَحُوْا لام اور الیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر وہ کفار جھکیں لِلسَّلْمِ صلح کے لیے سر تسلیم خم کریں - یہ اس وقت ہُوا جب کافروں نے مسلمانوں کے سازہ سامان کو دیکھا کہ وُہ اب ان کی سرکوبی کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں تو ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اسی لیے وہ صلح کے لیے تیار ہُوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا، فَاجْنَحْ لَهَا تو آپ ان کی صلح کو مان لیں۔

سوال : سِلْمٌ مذکر ہے اس کے لیے مونث کی ضمیر کیوں ؟

جواب نمبر ۱ : اس کی نقیض حرب پر محمول کر کے اور وہ مونث ہے۔

جواب نمبر ۲ : سِلْمٌ بمعنے المسالمۃ یعنی المصالحۃ ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے یعنی ان کے مکر و فریب سے خوف نہ کیجئے اس خیال پر کہ ممکن ہے کہ وُہ بظاہر صُلح کر رہے ہیں لیکن اندرونی طور در پے آزار ہوں آپ کو کوئی خطرہ نہ ہونا چاہیے اس لیے آپ کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ بے شک وہ سمیع ہے کہ کفار تنہائیوں میں جتنا مکر و فریب اور دھوکہ بازی کے منصوبے بناتے ہیں الْعَلِيْمُ وعلیم یعنی ان کی نیات وعزائم کو جانتا ہے ان کے استحقاق کے مطابق ان کا مواخذہ فرمائے گا اور ان کے دجل و فریب کو ان کے منہ پر مارے گا۔

مسئلہ : یہ آیت اگرچہ یہودیوں کے متعلق ہے لیکن حکم میں یہود اور غیر یہود یعنی جملہ عہد شکن کفار کو شامل ہے۔

قاعدہ : فَاجْنَحْ لَهَا امر اباحت کا ہے۔

مسئلہ : اس امر کے مطابق عمل کی کارروائی امام (حاکم وقت) کی رائے پر مبنی ہوگی۔ اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وُہ ہمیشہ کفار کے ساتھ جنگ لڑتا رہے اور نہ ہی اس کے لائق ہے کہ ان سے ہمیشہ صلح و سلوک کی باتیں کرے بلکہ ہر معاملہ میں اہلِ اسلام کی بہبودی اور فلاح کو مدِ نظر رکھے۔ مثلاً اہلِ اسلام کو کفار سے لڑائی کی پُوری طاقت اور ہمت حاصل ہو۔ تو پھر کفار سے صُلح وغیرہ نہ کرے بلکہ لڑائی اور جنگ کے لیے کمربستہ ہو اور اگر اہلِ اسلام میں ضعف و کمزوری ہو کہ وُہ لڑائی اور جنگ نہیں کر سکتے تو پھر کفار سے لڑائی کے بجائے ان سے مصالحت کی چارہ جوئی کرے اور طاقت و قوت کے وقت لڑائی چھیڑ دے یہاں تک کہ وہ کفار خود صلح پر مجبور ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔

مسئلہ : اگر صلح کا معاملہ طے ہو تو بھی ان سے ایک سال کامل کا صلحنامہ نہ لکھ دے بلکہ سال سے کم۔ ہاں اگر غلبہ اور قوت و طاقت کفار کو حاصل ہو تو پھر جیسے مناسب دیکھے خواہ دس سال تک کا صلح نامہ لکھے لیکن دس سال سے زاید کا معاہدہ نہ ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار اور پیروی اسی میں ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی کفار کو صلح نامہ اسی طرح لکھ دیا لیکن جب کفار نے عہد شکنی کی تو پھر آپ نے مدت سے پہلے ہی عہد شکنی کا اعلان فرما دیا اور یہی عہد شکنی فتح مکہ کا سبب بنی۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اور اگر وُہ لوگ جو آپ سے صلح کا مطالبہ کر کے دل میں ارادہ رکھتے ہیں اَنْ يَّخْدَعُوْكَ یہ کہ آپ سے صلح ظاہر کر کے دھوکہ دیں تاکہ آپ ان سے جنگ کرنے سے باز رہیں فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ پس بیشک آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے

کہ ان کے فتنوں اور شر سے آپ کو بچائے گا، آپ کا وہی مددگار رہے گا اور آپ کو ان پر غلبہ دے گا۔ یہ اس محاورہ سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے ؛

"احسبنی فلان ای اعطانی حتی اقول حسبی۔"

یعنی فلاں نے مجھے ایسا عطیہ عنایت فرمایا کہ جس پر مجھے کافی ہے کہنا پڑا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنی کرم نوازی سے آپ کی مدد فرمائی یعنی بغیر کسی ظاہری سبب کے اسی نے اپنے لطف و کرم سے آپ کو تقویت بخشی **وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ** اور آپ کی اہلِ ایمان مہاجر و انصار کے سبب سے مدد فرمائی۔

ربط: اب اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جس نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ ایمان کے سبب سے کس طرح مدد فرمائی۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں میں آپس کی محبت پیدا فرمائی حالانکہ اس سے قبل تعصب اور بغض و کینہ میں مبتلا تھے اور ایک دوسرے سے انتقام لینے میں مرمٹنے تک تیار رہتے کہ ان سے آپس کی الفت و محبت کی امید بھی نہیں تھی۔

اُن کے بغض و کینہ کی ایک ادنیٰ مثال اگر کسی قبیلہ کے ایک آدمی کو کوئی آدمی طمانچہ مارتا تو اس کا سارا قبیلہ مارنے والے قبیلے سے بڑی خونریز جنگ چھیڑ دیتا۔ اسی طرح ان کے درمیان دائمی جنگ رہتی اور ایک دوسرے کی دشمنی میں ان کی زندگی بسر ہوتی کہ ان سے ہمیشہ کے لیے الفت و محبت اور اتفاق منقطع متصور ہوتا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے انہیں ایسی توفیق عنایت ہوئی کہ اب آپس میں یکجان ہو گئے یہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن ترین معجزات سے ہے۔

فائدہ : اوس و خزرج دونوں قبیلوں کی ایک سو بیس سال سے لڑائی اور جھگڑے چلے آرہے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی برکت سے ان میں الفت و محبت پیدا فرمائی۔ (کذا قال الکاشفی) ؎

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازت است
ای نورِ دیدہ صلح بہ از جنگ آوری

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اگر تم ان کی تالیف قلوب کے لیے زمین کے اندر کی تمام اشیا خرچ کرتے **مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ** تو تم ان کے دلوں میں کبھی تالیف پیدا نہ کر سکتے یعنی ان کی آپس کی عداوت اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ اگر کوئی خرچ کرنے والا ان کی اصلاح کے لیے زمین کے تمام اموال اور ذخیرے خرچ کر ڈالے تو بھی ان کی اصلاح نہیں کر سکتا **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ** اور اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان تالیف قلوب فرمائی ہے کہ ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قلوب پر قبضہ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے۔ **اِنَّهٗ عَزِیْزٌ** بے شک وہ بڑی قدرت والا اور غلبہ والا ہے اس کے ارادہ کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ **حَكِیْمٌ** بڑی حکمت والا ہے جس طرح کسی کو قبضہ دینا چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق قابض کر دیتا ہے۔

ے ترجمہ: ایک صوفیانہ نصیحت کرتا ہوں اگر اجازت ہو وہ یہ کہ اے میری آنکھ کے تارے صلح اچھی ہے جنگ سے۔

فائدہ : بھائیوں سے اُلفت و محبت اور موافقت کرنا عالمِ ارواح سے ہے یعنی آج کی محبت و الفت اور موافقت ازلی محبت اُلفت اور موافقت کا نشان ہے۔

حدیث شریف : مومن فطرتاً الفت و محبت کا گرویدہ ہے اور اس شخص کے لیے کوئی بھلائی نہیں جو نہ الفت کرتا ہے اور نہ کسی کی الفت میں گرویدہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف : دو مومن جب آپس میں ملتے ہیں تو ان کی مثال دو ہاتھوں کی ہے جو ایک دوسرے کو دھوتے ہیں۔ اسی طرح دو مومن جب بھی آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے بھلائی کا افادہ و استفادہ کرتے ہیں۔

اولیاءِ کرام کی عزت و احترام حضرت ابو ادریس خولانی نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ میں آپ سے فی سبیل محبت کرتا ہوں اور آپ کو اس کی بہت خوشی ہونی چاہیے اسی لیے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سُنا کہ قیامت میں چند لوگوں کے لیے عرش کے گرد کُرسیاں بچھائی جائیں گی۔ ان کے چہرے چودھویں شب کے چاند کی طرح روشن ہوں گے اس روز اور لوگوں کو گھبراہٹ ہوگی لیکن وُہ گھبراہٹ سے پاک ہوں گے دوسرے لوگ اس دن خوفزدہ ہوں گے لیکن وُہ بے خوف و خطر ہوں گے اور وہ اولیاء اللہ ہوں گے کہ جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ عرض کی گئی وہ لوگ کون ہیں ؟ آپ نے فرمایا : وہ لوگ وُہ ہیں جو آپس میں اللہ واسطے محبت کرتے ہیں۔

نسخۂ روحانی اگر لوگ آپس میں محبت کریں اور اسی کو اپنا دستور العمل بنالیں تو عدالت سے بے پروا ہو جائیں اور عدالت محبت کی نائب ہے، جہاں محبت نہ ہو وہاں عدالت سے کام لیا جاتا ہے یعنی محبت کے فقدان پر جھگڑے اُٹھتے ہیں تو پھر ان کے فیصلہ کے لیے عدالتیں اور کچہریاں لگائی جاتی ہیں۔

نکتہ : محبت سے فرمانبرداری ڈر اور خوف کی اطاعت سے افضل ہے اس لیے کہ محبت کی اطاعت کا تعلق باطن (قلب) سے ہے اور خوف اور ڈر کی اطاعت کا تعلق ظاہر سے ہے اور باطن کو ظاہر پر فوقیت حاصل ہے۔

نکتہ : اسی وجہ سے صوفیہ کرام کی صحبت راہِ راست پر لانے کے لیے بہت بڑی تاثیر رکھتی ہے اس لیے کہ ان کی محبت اللہ واسطے ہوتی ہے اسی لیے وُہ اپنے صحبت یافتہ کو نیک عادات کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح سے مرید کو شیخ کی صحبت سے فائدہ نصیب ہوتا ہے اور نیک کی صحبت سے عوام استفادہ کرتے ہیں۔

نکتہ : ہر روز پانچ بار محلہ والوں کو مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں بھی یہی راز ہے اور علاقہ والوں کے ہفتہ وار جمعہ کے اجتماع میں بھی یہی نکتہ ہے اور عیدین کی نماز بھی یکجا پڑھنے کے لیے سال میں دو بار اکٹھے ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے جو ابھی مذکور ہُوا ، اسی طرح تمام ممالک کے لوگوں کے زندگی میں ایک بار حجِ بیت اللہ ادا کرنے میں فائدہ مذکور مضمر ہے علاوہ ازیں اور بھی ان میں بہت حکمتیں ہیں (جو اہلِ علم سے مخفی نہیں) منجملہ ان کے یہی ہے کہ ان کے ایسے اجتماعات میں ان کی آپس کی محبت و الفت میں اضافہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ ایمان کی آپس کی محبت والفت اور ایک دوسرے سے شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اس کے کسی حصّہ کو درد ہو تو سارا جسم بے قرار اور بے چین ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند٭
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

نسخۂ روحانی: کسی سے الفت و محبت اس کی صحبت کو چاہتی ہے اور صحبت ہو تو نیک لوگوں کی ہو، اس لیے کہ ان کی صحبت راہِ راست پر لانے کے لیے بہت بڑی تاثیر رکھتی ہے بلکہ ان کی صرف نگاہِ کرم بھی لاکھوں کی بگڑی بنا دیتی ہے۔
لطیفہ: صرف کسی کو دیکھنے سے بھی اس کی عادت اور اس کے طور و طریق سے دیکھنے والے پر اثر پڑتا ہے مثلاً کوئی شخص ہمیشہ غمگین و حزین کو بار بار دیکھے تو اس میں حزن و ملال پیدا ہو جائیں گے اسی طرح مسرور اور خوش و خرم آدمی کو بار بار دیکھنے سے سرور اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔
نکتہ: عرب کا مقولہ مشہور ہے:

"من لاینفعک لحظہ لاینفعک لفظہ"

جس کی نگاہ سے تمہیں فائدہ نہ پہنچ سکے تو اس کے ملفوظات بھی تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔
نکتہ: شرارتی اور فسادی اور سرکش اونٹ کو نرم خو اونٹ کے ساتھ اٹھایا بٹھایا جائے تو وہ سرکش اونٹ نرم خو ہو جائے گا، اس لیے کہ ایک دوسرے کی مقاربت سے جانوروں اور انگوریوں بلکہ جمادات کو فائدہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہوا اور پانی جیفہ (مردار) سے بدبودار ہو جاتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ کھیتوں اور زمینوں سے جڑی بوٹیاں اور فضول قسم کی اشیاء جڑ سے اکھاڑ کر باہر پھینکی جاتی ہیں اس لیے کہ وہی جڑی بوٹیاں اور دیگر فضول چیزوں کے باقی رکھنے سے زمین اور کھیتی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔
لطیفہ: جب مذکورہ بالا اشیاء کی مقاربت سے نقصان ہی نقصان ہے تو بزرگ ترین صورتیں یعنی حضرت انسان تو اس تاثیر کا زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔
نکتہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جسے بھی دیکھتا ہے اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ وہ شے اچھائی و برائی کو نہیں دیکھتا بس شے کو دیکھتے ہی اس سے متاثر ہو جاتا ہے خیر ہو تو بھی، برائی ہو تو بھی۔ پھر اس سے محبت و الفت سے مزید تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔
نکتہ: برے لوگوں کی صحبت اور دوستی کے بجائے تنہائی اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا بہتر اور اعلیٰ ہے۔
نسخۂ روحانی: اہلِ علم و وفا اور صوفیہ کرام اور اخلاقِ حمیدہ والے حضرات کی صحبت اور دوستی نعمت و غنیمت ہے بلکہ ان کی ہم نشینی اور صحبت اللہ تعالیٰ کی ہمنشینی کے قائم مقام ہے جیسے ان کی محبت گویا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ اُن سے رابطہ قائم کرنا

٭ بنی آدم ایک دوسرے کے اعضا ہیں۔ کیونکہ پیدائش میں ایک جوہر سے ہیں۔ جب ایک عضو کو زمانہ دکھ پہنچاتا ہے تو دوسرے عضو کو قرار نہیں رہتا۔

حق سے ملتا ہے اور ان کے غیر سے رابطہ تو طبع ومزاج پر منحصر ہے اسی لیے صوفیہ کرام کا قاعدہ ہے کہ "الصوفی مع غیر الجنس کائن بائن و مع الجنس کائن معاین"۔ صوفی غیر جنس سے مغایر ہو کر گزارتا ہے لیکن اپنے ہم جنس سے گویا عین ہو جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ حدیث سے ثابت ہے کہ "المومن مرأة المومن" مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے بمنزلہ شیشے کے ہے۔ جب وہ اپنے نیک بھائی سے ملاقی ہوتا ہے تو اس کی گفتار و رفتار اور احوال سے استفادہ کرتا ہے اس لیے کہ اس کے اقوال واحوال اور گفتار و رفتار تجلیات ربانیہ وتعریفات رحمانیہ اور تلویحات الہیہ ہوتے ہیں لیکن انہیں غیروں سے مخفی رکھا جاتا ہے البتہ نورانی لوگوں کو اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ (کذا فی عوارف المعارف)

قرآنی کیمیا صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے بہت بڑے شیخ کامل اور متقی عالم باعمل سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میری دو گھر والیاں تھیں، ان کی ہمیشہ ناچاقی رہتی تھی میں نے یہی آیت "ھو الذی ایدك بنصرہٖ" الآیہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے دونوں کو وہی پانی پلایا تو بفضلہٖ تعالیٰ ان کی آپس میں محبت والفت پیدا ہوگئی اور ان کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت کافور ہو گئے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ سے غیبی خبریں دینے والے اور بہت بڑی بلند شان والے **حَسْبُكَ اللّٰهُ** جمیع امور ومعاملات میں آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے **وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ** واؤ بمعنی مع ہے یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کو اپنے تابعدار کافی ہیں یعنی آپ کی مدد کرنے میں وہی آپ کو کافی ہیں یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے "حسبك وزیدا درھم" یعنی تمہیں زید مع درہم کے کافی ہے یا اس کا اسم اللہ پر عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ "کفاك اللہ والمؤمنین" یعنی اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان آپ کو کافی ہیں۔

سوال: حقیقی کفایت کنندہ تو اللہ تعالیٰ ہے تو پھر کفایت کا اسناد اہلِ ایمان کی طرف کیوں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کفایت کے اسباب ظاہری وہی اہل ایمان تھے بنا بریں کفایت کا اسناد اہلِ ایمان کی طرف جاتا ہے[1]

شانِ نزول ۱۔ یہ آیت غزوۂ بدر سے پہلے البیداء میں نازل ہوئی تاکہ آپ کو کفار کے مقابلہ کے لیے تقویت اور صحابہ کرام کو تسلی ہو اس لحاظ سے آیت میں "المؤمنین" سے انصار مراد ہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر نازل ہوئی۔ اسی بنا پر یہ آیت مکیہ ہے لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے سورۃ مدنیہ میں لکھا گیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تینتیس مرد اور چھ عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی وجہ سے کل چالیس مکمل ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دعا مانگتے تھے "اللھم اعز الاسلام" - اے اللہ تعالیٰ اسلام کو عزت دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] یہی ہے وہ مسئلہ جو آج تک دیوبندیوں، وہابیوں کو سمجھ نہیں آیا، یا عمداً ضد کرتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ انبیاء و اولیاء کی امداد بھی اللہ تعالیٰ کی امداد کے لیے ایک ظاہری سبب ہے۔ اسی طرح ان کے تصرفات واختیار کا مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ (اویسی رضوی غفرلہٗ)

ایدالاسلام باحد الرجلین اسے اللہ تعالیٰ دو مردوں کی وجہ سے موید فرمایا۔ ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مبارک بدھ کے دن کی تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوگئے اور ان کا اسلام لانا خمیس کے دن تھا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک چھبیس سال کی تھی حضرت حمزہ تین ماہ تین دن ان سے پہلے مسلمان ہوئے۔

فائدہ : مروی ہے کہ جب " انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون" نازل ہوئی تو ابوجہل بن ہشام کھڑا ہوگیا۔ ایامِ جاہلیت میں اسے ابوالحکم پکارا جاتا تھا۔ اس لیے کہ عربوں کا خیال تھا کہ فنونِ حکمت کا وہ سرچشمہ ہے، لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابوجہل رکھا۔ اور یہی کنیت اس پر غالب آگئی۔

فائدہ : ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ ابوجہل کی بہن تھی کیونکہ وہ بھی ہشام بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور ہشام ابوجہل کا والد تھا، اسی بنا پر ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں ہوا اور ماں کے عصبیات بیٹے کے ماموں ہوتے ہیں۔

ابوجہل کی ایک تقریر

ابوجہل اپنے بھانجے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر سخت رنجیدہ ہوکر اپنی قوم سے مخاطب ہوکر کہا کہ : یامعشر قریش الخ اسے قریشیو! (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے معبودوں کو گالیاں دیں اور باتوں باتوں میں تمہیں بیوقوف بنایا۔ اور ان کا خیال ہے کہ تم اور تمہارے آباؤ اجداد جہنم میں جائیں گے تم میں کوئی ہے جو (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرڈالے، اس کے لیے میں ایک سو بہترین سرخ و سیاہ اونٹنیاں پیش کروں گا اور اس کے ساتھ ایک ہزار سونے کا اوقیہ بھی بطور انعام دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اس پر تمہارا پختہ ارادہ ہے اور کیا واقعی تم انعام دو گے؟ ابوجہل نے کہا، یقین کیجیے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عمر ابوجہل کو کعبہ معظمہ میں لے گئے اس وقت کعبہ معظمہ میں بہت بڑا بُت رکھا تھا جسے ہبل کے نام سے پکارتے تھے وہاں دونوں نے جاکر قسم کھائی کہ ہم (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرکے چھوڑیں گے۔ اس پر اپنے معبود باطل ہُبل کو گواہ بنایا۔ اور ان کی عادت تھی کہ جب کہیں سفر کو جاتے یا شادی و بیاہ کرتے تو ہبل کے ہاں حاضر ہوکر مشورہ لیتے اور جس بات کا پختہ ارادہ کرتے تو اسے گواہ بناتے۔ اس وقت ڈیڑھ ہزار بُت کعبہ معظمہ میں رکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر اپنے صنم ہُبل سے رخصت ہوکر تلوار کو نیام سے نکال کر بغل میں دبائے ہوئے چلے، ارادہ یہ تھا کہ جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملیں گے انہیں قتل کردے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ دارِ ارقم میں چھپے ہوئے تھے اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر صفا کے نیچے تھا اور ان کے مکان میں چھپ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے اور وہیں پر قرآن پاک پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاش کرتے کرتے اسی مکان پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تلوار سے مسلح ہیں۔ اس نے گھبرا کر حضور علیہ السلام سے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دیکھو حضرت عمر تلوار سے مسلح ہوکر آگیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اسے آنے دو! اگر خیر کے لیے آیا ہے تو ہم اس کے لیے آنکھیں بچھائیں گے، اگر برائی کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم بھی اسے زندہ نہیں جانے دیں گے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آنے دو۔ جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! تم اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے اُوپر بلا نازل فرمائے۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کا بازو پکڑا اور ان کے کپڑوں اور تلوار کی حمائل کو کھینچا اس سے حضرت عمر پر سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت چھا گئی جس سے وہ بجائے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے آرام سے بیٹھ گئے اور عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسی اسلام کی تلقین فرمائیے جس کے لیے آپ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھیے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھا تو تمام مسلمانوں نے زور سے نعرہ لگایا جسے مکہ معظمہ کے گلی کوچوں میں دُور دُور تک سُنا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھا تو حضور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک پر تین بار اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے ہوئے پڑھا۔ اللھم اخرج ما فی صدر عمر من غل و ابدلہ ایمانا۔ اے اللہ! عمر کے سینے سے کھوٹ نکال کر اس کے عوض اس کے دل کو ایمان سے بھر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اسلام کا بول بالا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر تمام آسمان والے مسرور ہوئے۔ لیکن مشرکین کے گھر صفِ ماتم بچھ گئی اور کہتے تھے آج کے بعد ہماری قوم نصف و نصف ہو گئی یعنی عمر کے اسلام لانے پر ہماری آدھی قوم اسلام میں چلی گئی۔

فاروق کی وجہ تسمیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا فاروق نام کیوں رکھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ جب میں نے اسلام قبول کیا، اس سے قبل حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ چھپ کر عبادت کرتے، میں نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں حق پر ہیں۔ میں نے عرض کی: تو پھر ہم چھپ کر کیوں عبادت کریں، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اب میں جس مجلس کفر میں جاؤں گا وہاں اسلام کی دعوت دوں گا، نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ کسی کا خوف، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ آج کے بعد ہم چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ دارِ ارقم رضی اللہ عنہ سے باہر نکلے اور آپ کے آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے نکال کر بڑے زور سے پڑھتے جا رہے تھے، لا الٰہ الا اللہ مُحمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جلوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا گیا اور آپ مسجد مکہ میں تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں زور سے اعلان کرتے ہوئے فرمایا: "اے قریشیو! خبردار، اگر تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حرکت کی تو اسی تلوار سے تمہاری گردن اڑا دوں گا۔" اس کے بعد طواف کے لیے روانگی ہُوئی تو آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جا رہے تھے پیچھے پیچھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سمیت کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہے تھے۔ جی بھر کر

طواف کیا۔ اس کے بعد قرآن مجید زور زور سے پڑھتے رہے۔ کسی کافر کو ہمت نہ ہوئی کہ کوئی بات کر سکے اسی بنا پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاروق رکھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے حق و باطل کا امتیاز فرمایا۔

حدیث شریف: سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلانیہ طور اسلام بیان فرمایا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق کے مظہر اکمل تھے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حق کو بیان کرنے والا عمر سے بڑھ کر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ؎

لما لزمت النصح والتحقیقا

لم یترکا لی فی الوجود صدیقا

ترجمہ: جب سے میں نے نصیحت و تحقیق کو لازم پکڑا تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہر پہلو سے حق ادا کر دیا۔

اعجوبہ اور حکایت رافضی شیعہ حضرت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک چکی والا رافضی شیعہ ملعون میرا ہمسایہ تھا، اس کمینے کے دو خچر تھے، اس نالایق نے ایک کا نام ابوبکر، دوسرے کا عمر رکھا ہوا تھا۔ اسے اس کے ایک خچر نے ایک رات ایسا زور سے مارا کہ اس کی جان ہی نکال دی۔ اس واقعہ کی خبر میرے جدِ امجد حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا جا کر پوچھو میرا خیال ہے کہ جس خچر نے اسے جان سے مار دیا اسی کا نام عمر ہوگا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کمینے شیعہ کو مارنے والا خچر عمر نامی تھا۔

فضائلِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ① حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے حج عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں فرمایا: یا اخی لا تنسنا من دعائک۔

اے بھائی جان! ہمیں اپنی دعا سے نہ بھولنا۔

ف: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "یا اخی" کہہ کر پکارنے سے اور کوئی کلمہ محبوب تریں نہیں۔

② مروی ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ فرمائیں گے۔

③ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری چار وزراء سے مدد فرمائی ہے، دو آسمانوں میں جبرائیل و میکائیل علیہما السلام ہیں اور دو زمین میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ دونوں حضرات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وزیروں کی طرح تھے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں حضرات سے ہر معاملہ میں مشورہ لیا کرتے تھے، اور "شاورھم فی الامر" ان دونوں حضرات کے متعلق نازل ہوئی۔

④ مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں "محدَّث" ہوتے تھے۔

ف: محدَّث بفتح الدال المشددہ ہر اس بزرگ کو کہا جاتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتیں القاء ہوں، وہ ان باتوں کو

بطور فراست بیان کرے اور پھر اسی طرح ہو جیسے اس کے منہ سے نکلے۔ گویا اس کے ساتھ ملاءالاعلیٰ کے ملائکہ گفتگو کرتے ہیں اور اولیاءِ کرام کے لیے یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میری امت میں وہ محدث ہو تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سوال: اس حدیث میں حرف اِنْ شرط سے حضرت عمر کی محدثیت کا ذکر ہے اور حرف اِنْ شک پر دلالت کرتا ہے، اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثیت یقینی طور تو ثابت نہ ہوئی۔

جواب: (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شک نہیں فرمایا بلکہ آپ نے بطور کنایہ فرمایا کہ دُوسری امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کی امت تو افضل الامم ہے۔ جب دیگر امتوں میں محدث کا ہونا یقینی ہے تو پھر اس امت میں بھی اس کا ہونا یقینی ہے، اور جب اس امت کا اس کا ہونا یقینی ہے تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(۲) حرف اِنْ شرط بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں بلکہ امت کے لیے ہے اور اس کا ازالہ ہم نے پہلے کر دیا ہے۔ اسی مضمون کو غور سے دیکھا جائے تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے محدثیت کے یقین پر تاکید ہے۔ مثلاً عربی مقولہ مشہور ہے کہ:

ان یکن لی صدیق فھو فلان۔

یعنی اگر میرا کوئی سچا دوست ہے تو وہ فلاں ہے۔

اس جملہ میں اس شخص کی محبت و صداقت کی تاکید مطلوب ہوتی ہے اور اس سے کسی دُوسرے کی صداقت و محبت کی نفی بھی مقصود نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثیت کے ثبوت سے کسی دوسرے صحابی یا ولی سے محدثیت کی نفی نہیں ہوتی۔

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر یہ شعر موزوں ہے: ؎

لہ فضائل لا تخفی علی احد
الا علی احد لا یعرف القمرا

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و کمالات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہاں صرف اسے معلوم نہیں جو چاند کو نہیں جانتا۔

⑥ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے ابن الخطاب (عمر رضی اللہ عنہ)! آپ جس راستہ سے گزرتے ہیں تو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

ف: حدیث شریف میں "الفج" واقع ہے، ہر اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو واسع اور فراخ ہو۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے کہ شیطان اس راستہ پر نہیں چل سکتا کہ جس راستہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزر جائیں اور بالخصوص وُہ راستہ بھی کھلا ہوا ہو حالانکہ شیطان وُہ ہے جو ہر انسان کے ہر رگ ریشہ میں خُون کی طرح دَورہ کرتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۲۴ پر

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے غیب کی خبریں بتانے والے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں کے بیس صبر والے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں کے سو ہوں تو

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ سمجھ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ

نہیں رکھتے اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ تم

ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ

کمزور ہو تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں دو سو پر غالب آئیں گے اور

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى

صبر والوں کے ساتھ ہے کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک

يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ

زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت

الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ

چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا

لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

حلال پاکیزہ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ع ۹

تفسیر عالمانہ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اے رفیع القدر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ الخ ایمان کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں زیادہ سے زیادہ برانگیختہ فرمائیے اور انہیں ثواب کا وعدہ دے کر جنگ کی رغبت دیجیے یا انہیں جنگ پر انعام دینے کی ترغیب دیں۔

حل لغات: تحریض یہ ہے کہ کسی کو کسی شے پر برانگیختہ کرنا اور اسے اس بات پر ابھارنا کہ اگر اس کے خلاف کرے گا تو حارض یعنی ہلاکت کے قریب ہو جائے گا۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اہلِ ایمان اگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار سے جنگ لڑنے کی ترغیب دلانے کے باوجود جنگ سے پیچھے رہ جائیں گے تو ہلاکت دنیا ہی کے قریب ہو جائیں گے۔

فائدہ: دوسرے کو کسی امر کے لیے اس وقت ترغیب دلائی جاتی ہے جب پہلے اس امر پر عمل کیا جائے تاکہ دوسرا اس کی

بقیہ ص ۴۱۸ سے آگے

ف: اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے معاملہ میں بہت متصلب تھے اور آپ تادمِ زیست اسی طرح رہے۔

فائدہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگشتری کی خاتم پر مکتوب تھا "نعم القادر اللہ" اللہ کیسا قادر ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا "كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا" موت ہی واعظ کافی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ مُخْلِصًا" میں اللہ تعالیٰ پر مخلص ہو کر ایمان لایا ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا "اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ" تمام ملک اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

ف: یہ منقوش صرف ظاہری طور تھے جو بدن کی طرف منسوب ہیں ورنہ باطنی نقوش کچھ اور طریقہ رکھتے ہیں۔ ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدۂ دستِ تقدیر اوست

ترجمہ: تیری ظاہر حالت اچھی یا بری ہے یہ تمام اسی کی تقدیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا: ؎

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست　　　آنچہ سلطان ازل گفت بکن آں کردم

ترجمہ: یہ پندار اور مستی نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ سلطان نے فرمایا کر وہ کر وہم نے وہی کیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری لوحِ قلب سے شک و شبہ کے کھوٹ دور کر کے اس پر ایمان کا نقش کندہ فرمائے۔

اے اللہ! ہمارے دل کے کھوٹ دور کر دے تو نے ہمیں ہدایت عنایت فرمائی اور اپنی رحمت سے نوازا، اور تو ہی معطی ہے اور ہمیں ان اہلِ ایقان سے بنا جنہیں تو نے اولئك كتب فى قلوبهم الايمان سے نوازا اور جنہیں تیرے جمال نے منقوش فرمایا انہیں تیرے جلال سے نہیں مٹایا جا سکتا اگرچہ اس پر زندگیاں گزر جائیں۔

اقتدا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور فخرِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جنگ کرتے وقت جب دیکھتے کہ اب جنگ پورے زوروں پر ہے تو آپ دشمنوں کے زیادہ قریب ہو جاتے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو کہ جنگ میں آگے بڑھنے میں ثواب اور اجرِ عظیم ہے۔

فائدہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ زوروں پر ہوتی اور جنگی ایک دوسرے سے لڑائی پر حملہ آور ہوتے تو ہم حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کرتے اس لیے کہ آپ اس وقت دشمنوں کے قریب تر ہوتے۔ سلطان سلیم فاتح مصر نے فرمایا: ؎

گر لشکر عدو بود از قاف تا قاف — باللہ کہ ہیچ رو نمی تابم از مصاف

چوں آفتاب ظلمت کفر از جہان برم — گاہے چوں صبح بروں آرم از غلاف

ترجمہ: اگر دشمن کا لشکر کوہ قاف سے کوہ قاف تک ہو بخدا جنگ سے نہیں منہ موڑوں گا۔ کفر کے ظلمات کو جہان سے مٹا کر رکھ دوں گا جب میں اپنی طاقت کی صبح پردہ سے باہر کر دوں گا۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لیے کہ اگر اس کی فضیلت نہ ہوتی تو اس پر ترغیب نہ دلائی جاتی۔

حدیث شریف: تمام بندگانِ خدا کے اعمال جہاد کے سامنے ایسے ہیں جیسے دریا کے پانی کے سامنے چڑیا کی چونچ کا پانی۔

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اگر تم میں سے کوئی اے مسلمانو عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ معرکۂ جنگ میں بیس صبر کرنے والے ہوں یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تو دو سو کافروں پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں تو ایک ہزار کافروں پر غلبہ پا جائیں گے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا الف (ہزار) کی ابہام کی تفصیل ہے اور یہی قید اِنْ مِائَتَیْنِ میں بھی ہے یعنی ان دو سو سے بھی کافر مراد ہیں۔ اسی طرح صبر کی قید دونوں مقامات پر معتبر ہے۔ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ اسی لیے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے یعنی وہ قوم نہ خدا پر ایمان رکھتی ہے اور نہ ہی آخرت پر۔ اس لیے ان کی جنگ ثواب اور حکم الٰہی بجالانے کے لیے نہیں اور نہ ہی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہے اور نہ ہی انہیں رضائے حق مطلوب ہے، وہ تو صرف جاہلیت کے جوش سے جنگ کرتے ہیں اور انہیں شہوات نفسانیہ مدِ نظر ہوتی ہے اور شیطان کی اتباع میں لڑائی کرتے ہیں اور ان کا مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ملک میں بغاوت اور فساد پھیلے اسی اعتبار سے وہ قہر اور رسوائی کے مستحق ہوتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں وعدہ کریمہ ہے کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ساتھ ابوجہل کے تین سو کافروں کے مقابلہ کے لیے بھیجا تو بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔

ف: اس کے باوجود مسلمانوں پر یہ بات شاق تھی کہ ہم تھوڑے ہو کر کثیر التعداد کفار کے مقابلہ میں کس طرح جائیں بلکہ ایک مدت تک بہت پریشان رہے تو یہ حکم منسوخ ہوا اس کا ناسخ یہ ہے: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف فرمائی ہے کہ ایک کو دو کا مقابلہ کرنا فرض تھا۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان تین کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اگر دو کے مقابلہ سے بھاگا تو گنہگار ہے۔

مسئلہ: کافروں کے مقابلہ سے باوجود قوت و طاقت کے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ اس وقت ضروری ہے جب اس کے پاس ان دو کافروں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار اور سامان ہو اگر خالی ہاتھ ہو اور کافر مسلح ہوں تو ان کے مقابلہ سے بھاگ جانا بھی گناہ نہیں۔

وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری اور ضعف بدنی ہے۔

سوال: علامہ تفتازانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: تخفیف کو اَلۡـٰٔنَ سے مقید کرنے میں ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد اب وہ کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم ہوں گے لیکن اسے علم سے مقید کرنے میں اشکال ہے وہ یہ کہ یہاں پر وہم پیدا ہوتا ہے کہ حادثہ کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی معلوم ہوا کہ تم ضعیف ہو۔

جواب: (۱) بہ نسبت علمی ظہور کی وجہ سے ہے ورنہ اس کا علم تو ازلی ابدی ہے یعنی جو واقع ہوگا یا ہے یا ہوا، وہ تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

(۲) حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ تم میں سے ایک دس اور دس سو کا اور سو ہزار کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ‌ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ پس اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والا ہو تو تم دو سو پر غالب ہو گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہو تو دو ہزار کافروں پر غلبہ پا جاؤ گے اس لیے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی نصیب ہو گی۔

ف: پہلی آیت میں جو دو قیدیں بیان کی گئی ہیں یہاں بھی ان دونوں قیدوں کا اعتبار ہے ماقبل میں بیان ہونے کی وجہ سے یہاں اعادہ نامناسب ہوا۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی تائید اور مدد فرماتا ہے فلہٰذا یہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔

سوال: اللہ تعالیٰ صرف صبر کرنے والوں کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی دیگر ہر نیکی کرنے والے سے بھی خصوصی معیت ہے۔

جواب: چونکہ جہاد کی حیثیت میں صبر کرنے والے اصل اور دوسرے اعمال والے ان کے تابع ہیں اسی لیے یہاں پر اصل کا ذکر کیا گیا ہے۔

نکتہ: جو صبر کرتا ہے وہ فتح پاتا ہے اس لیے کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ ؎

صبر و ظفر ہر دو دوستاں قدیمند   صبر کن اے دل کہ بعد ازاں ظفر آید

از چمن صبر رخ متاب کہ روزے   باغ شود سبز و شاخ گل ببر آید

ترجمہ: صبر اور کامیابی دونوں آپس میں پرانے دوست ہیں۔ اے دل صبر کیجئے اس کے بعد کامیابی نصیب ہو گی۔ صبر کے چمن سے منہ نہ موڑیئے اس لئے کہ کبھی تیرا یہ صبر باغ بن کر تجھے بہترین پھل دے گا۔

سلطان سلیم اوّل نے فرمایا: ؎

سلیمیؔ خصم سیہ دل چہ داند ایں حالت
کہ از ظہور الٰہست فتح لشکر ما

ترجمہ: اے سلیم! سیاہ دل دشمن کو کیا خبر! ہمارے لشکر کی فتح اللہ تعالیٰ کے فضل کا ظہور ہے۔

تفسیر برنگِ دیگر تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بِاِذْنِ اللّٰہِ سے قوت وطاقت اور اس کی ظفر اور غلبہ مراد ہے یعنی کفار پر غلبہ پانا تمہاری اپنی قوت و طاقت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت ہے اس لیے کہ تم تو ضعیف اور کمزور ہو تمہیں جو کچھ فتح ونصرت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہوتی ہے ہاں اگر قوت و طاقت والے ہیں تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اس لیے کہ وہ کفار پر سخت ہیں اس لیے کہ توکل اور یقین اور فہم دین میں بہت بڑی قوت وطاقت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دشمن کے مقابلہ سے نہیں بھاگتا اگرچہ وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہو جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص اہل قوت یاروں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ کی رفاقت کو میں نے لمحہ بھر بھی ترک نہ کیا آپ سفید خچر پر سوار تھے۔ جب اہل اسلام و کفار کا آمنا سامنا ہوا تو بعض مسلمان پیٹھ دے کر بھاگے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی طرف متوجہ کرتے، اور میں آپ کے خچر کی لگام کو تھامے ہوئے تھا کہ کہیں آپ کا خچر عجلت کرکے کفار کے لشکر میں نہ چلا جائے۔ اسی طرح حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رکاب کو تھامے ہوئے تھے کہ آپ کفار کے ہاں نہ چلے جائیں، اس وقت نہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے بھاگے اور نہ ہی آپ کے مخصوص اہلِ قوت دوست صبر کرنے والے۔

سلطان سلیم نے فرمایا: ؎

سیمرغ جان ما کہ رمیدست از دو کون
منت خدا را کہ بجان رام مصطفیٰ است

ترجمہ: ہماری جان کا مُرغ دو کونین سے فارغ ہوا تو شکر خدا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اثر ہوا۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات مکیہ کے وصایا کے ترجمہ میں ہے کہ آدمی از جہت انسانیت حرص و ہوا اور بزدلی پر، لیکن از جہت ایمان قوت وشجاعت اور جنگ کے اقدام پر پیدا کیا گیا ہے۔

حکایت وروایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ ایک دن تم مصر کے والی ہوگے۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایک جنگ مصر میں لڑی اور وہاں ایک قلعہ کا محاصرہ کیا وہ صحابی بھی اس جنگ میں موجود تھا اسی نے مجاہدین صحابہ سے فرمایا کہ مجھے ایک فلاخن

میں رکھ کر کفار کے قلعہ کے اندر پھینک دو میں ہی ان سے لڑ کر قلعہ کھولوں گا۔ صحابہ کرام اس کی جرأت سے متعجب ہوئے اور پوچھا کہ اتنی جرأت کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم مصر کے والی ہو گے اور تا حال میں مصر کا والی نہیں بنا اور مجھے یقین ہے کہ میں نہیں مروں گا جب تک کہ مصر کا والی نہ بنوں۔

سبق: غور کیجئے کہ صحابہ کرام کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر کتنا یقین تھا اور ان کی قوتِ ایمانی کتنی مضبوط تھی[1] ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کو فلاخن میں ڈال کر دور پھینکا جائے تو سوائے موت کے اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ اسی سے مومن کو سبق سیکھنا چاہیے کہ اہل ایمان کتنا قوی القلب ہوتا ہے۔

سبق: انسان کا دل ایک ڈھکی ہوئی تلوار ہے لیکن اس کے لیے صقل ضروری ہے۔

اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے، اللھم انی اعوذبك من الشك فی الحق بعد الیقین و اعوذبك من الشیطٰن الرجیم و اعوذبك من شر یوم الدین۔ اے اللہ! میں حق میں یقین کرنے کے بعد شک سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان رجیم سے بھی اور قیامت کے دن کے شر سے بھی۔

نسخہ روحانی بعض مشایخ کا فرمان ہے کہ نیک عمل اللہ تعالیٰ کی جانب سعی الارکان اور نیت سعی القلوب ہے اور قلب بادشاہ ہے اور ارکان اس کا لشکر ہیں اور لشکر کے بغیر دشمن سے لڑنا مشکل ہے اور نہ ہی کوئی لشکر بادشاہ کے بغیر لڑ سکتا ہے۔

مَا كَانَ تفسیر عالمانہ یعنی یہ صحیح نہیں اور نہ ہی موزوں ہے **لِنَبِيٍّ** کسی نبی علیہ السلام کے لیے **اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى** یہ کہ ان کے ہاں کفار قیدی ہو کر آئیں۔ یہاں یکون بمعنے یثبت ہے۔ اس اعتبار سے یہ کان تام ہوگا اور اسرٰی اسیر کی جمع جیسے جرحی جریح کی جمع ہے اور اساری جمع الجمع ہے۔

آیت کا شانِ نزول اور اسیرانِ بدر کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بدر کے ستر قیدی حاضر کیے گئے ان میں حضرت عباس، عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یہ آپ کی برادری کے لوگ ہیں بلکہ قریبی رشتہ دار۔ فلھذا آپ ان سے درگزر فرمائیے ممکن ہے انہیں بعد کو دولتِ اسلام نصیب ہو البتہ ان سے فدیہ لے لیں ان کے مال و دولت سے اسلام کو تقویت ملے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ وہی ہیں جنھوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں۔ لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ ان کی گردن اڑا دو اس لیے کہ یہ کفار کے سرغنے ہیں۔ مجھے فلاں کی گردن اڑانے کی اجازت بخشئے اگرچہ وہ میرا قریبی رشتہ دار ہے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عقیل کی اور حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو عباس کے قتل کرنے کا حکم فرمائیے۔ اس طرح سے ہم ان سب کو قتل کر دیں آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ

---

[1] یہی عقیدہ بفضلہٖ تعالیٰ اہلسنت (بریلوی) کو نصیب ہوا ورنہ دیوبندی، وہابی، تبلیغی، مودودی و دیگر جاہل فرقے اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں عسے سما... شئے والا حصہ (اویسی غفرلہٗ)

قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کے دل دودھ سے بھی زیادہ نرم بنائے ہیں اور بعض کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے عرض کی: فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفورٌ رحیم - اور اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے اپنی امت کے لیے عرض کی، رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اس کے بعد آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا، اب تمہاری مرضی، چاہو تو انہیں قتل کر دو، چاہو تو ان سے فی کس بیس اوقیہ فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

ف: اوقیہ ۴۰×۴۰ دراہم اور ۶×۶ دنانیر کا ہوتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر تمہیں یہ شرط منظور کرنی پڑے گی کہ جتنا چھوڑو گے اتنا تمہارے مسلمان شہید ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ شرط منظور کرلی اور عرض کیا اس میں ہمارا کون سا نقصان ہے کہ ہم فدیہ بھی لیں اور بہشت میں بھی جائیں۔ فلہذا ہم فدیہ لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ ولستشھد منا عدتھم، بہر حال آپ نے فدیہ لے لیا اور آپ کے ارشادِ گرامی کے مطابق غزوۂ اُحد میں ستر صحابی شہید ہوئے۔ پھر اسارٰی بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر یہی آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی رونے کا سبب بتائیے تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ روؤں۔ اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل بناؤں۔ آپ نے فرمایا، میں اپنے دوستوں کے فدیہ کی وجہ سے رو رہا ہوں اور حال یہ ہے کہ میں ان کے عذاب اس درخت سے بھی قریب تر دیکھ رہا ہوں، اور وہ درخت آپ کے بالکل قریب تھا۔

فائدہ: سیرت حلبیہ میں ہے کہ اسارٰی بدر میں بعض ان میں وہ تھے جنہیں فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ مثلاً ابوالعاص اور وہب بن عمیر اور بعض ان میں مر گئے اور بعض ان میں وہ جو قتل کر دیے گئے اور وہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔

حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ط یہاں تک کہ وہ زمین پر خون بہائے یعنی زیادہ سے زیادہ قتل کرے اور اس میں بہت زیادہ مبالغہ کرے یہاں تک کہ کفر کو ذلیل و خوار کر کے کافروں کی جماعت کو کمزور کر دے اور اسلام کا بول بالا کرے اور اہل اسلام کو غالب بنا دے اور حَتّٰی انتہائے غایت کے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اثخان (خونریزی) کے بعد ہی کفار کو قید کرنے اور فدیہ لینے کا کام ہوا۔

حل لغات: الاثخان ثخانۃ سے مشتق ہے بمعنے الغلظۃ والکثافۃ فی الاجسام۔ پھر استعارۃً قتل اور اس میں مبالغہ کرنے پر مستعمل ہوتا ہے اس لیے کہ غلیظ وقت جب کفار کے قتل میں بہت زیادہ مبالغہ کرتا ہے تو دشمن اس شے کی طرح ہوتا ہے جیسے کوئی بوجھل چیز ایک جگہ پر پڑی ہو کر حرکت بھی نہ کر سکے۔ یہ اثخنہ المرض یعنی اسے مرض نے کمزور کر دیا اور بوجھل بنا دیا اور اس سے چلنے پھرنے کی قوت اور طاقت سلب کرلی۔ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا تم دنیوی اسباب کا ارادہ کرتے ہو۔ یہ جملہ مستانفہ ہے عتاب کا سبب بتایا گیا ہے یعنی فدیہ لے کر دنیوی اسباب کا ارادہ رکھتے ہو اور دنیوی اسباب کو عرض سے تعبیر کرنے میں اس

طرف اشارہ ہے کہ دنیوی اسباب چند روزہ ہیں اس لیے کہ دنیا کے منافع اور اس کے متعلقات کچھ نہیں اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کو ثبات و قرار نہیں وہ چند روزہ ہے پھر فنا ہی فنا ہے۔

دیوبندیوں، وہابیوں کے اوہام کا ازالہ یہ خطاب نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور نہ ہی آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فدیہ لینے کا مقصد محض اعزاز دین اور بدر کے قیدیوں کو ہدایت دینا تھا اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین قیدیوں سے انبیاء علیہم السلام کا فدیہ لینا انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں شامل نہ تھا اس لیے کہ اس سے تو رغبت دنیوی ثابت ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام کی عادات میں طمع دنیوی شامل نہیں تھا بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا کہ مالی و للدنیا یعنی مجھے دنیا سے کیا غرض۔ سے

کین جہان جیفہ است و مردار و رخیص
برچنین مردار چون باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور بدبو دار اور بے کار ہے پھر میں ایسے مردار پر ——— — کس طرح حریص ہو سکتا ہوں۔

فائدہ: اگر ظاہری طور دنیوی رغبت فرمائی تو وہ بھی صحابہ کرام کے مشورہ پر جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کما قال تعالیٰ وشاورھم فی الامر۔ (انکے ساتھ مشورہ کیجیے)

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ط اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ثواب آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ہاں اتنا وسیع المقدار ثواب ہے کہ دنیا و مافیہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

فائدہ: سعدی چلپی المفتی نے فرمایا کہ یہاں پر یُرِیْدُ بمعنے یَرْضٰی ہے ارادہ بمعنے رضا بوجہ مشاکلۃ کے ہے۔ (واللہ اعلم) اس سے مذہب اہلسنت پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف واقع ہوا حالانکہ اس کے ارادہ کے خلاف کبھی کچھ واقع ہوتا ہی نہیں۔ اس کا جواب پہلے بیان ہوا کہ یہاں پر ارادہ بمعنے رضا ہے۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے یعنی اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے **حَکِیْمٌ** حکیم ہے کہ ہر حال کو اس کے لائق جانتا ہے اور ان حکمتوں کو صرف وہی جانتا ہے جیسے مشرکین کی شان و شوکت کے باوجود خونریزی کا حکم کر کے فدیہ لینے سے روکا گیا اور جب حالات نے پلٹا کھایا کہ اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو پھر قیدی کفار کے لیے فدیہ لینے یا منت لگا کر مفت چھوڑ دینے کا اختیار دیا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کرتے ہیں اس لیے آیت مذکورہ میں عتاب محبوبی ہے اور ایسا عتاب نہ وحی کے احکام میں ہوتا ہے اور نہ حکم باصواب پر، اور ان کا اجتہاد گاہے مبنی برخطا ہوتا ہے[1] لیکن اس پر انہیں دوام

---

[1] اس سے مجتہدین کی اجتہادی خطا کو بھی ثواب میں شامل کرنا مقصود ہوتا ہے مزید تشریح کے لیے تفسیر اویسی دیکھئے۔

نہیں ہوتا بلکہ ان کو صواب پر متنبہ کیا جاتا ہے۔

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ اگر لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ثبت نہ ہوتا۔

ف: لوح محفوظ میں یہی حکم ثبت تھا کہ اجتہاد کی خطا پر گرفت نہیں ہوگی اور نہ ہی اہلِ بدر کو عذاب کیا جائے گا یا ان لوگوں پر سزا مقرر نہیں جن کے لیے کسی حکم کے متعلق نہی کی تصریح نہیں کی گئی اور ان سے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے اگر ان اساریٰ بدر کی سبقت سے کتاب اللہ کا حکم نہ ہوتا تو ان کے بعض ایمان لانے اور ان کی آل و اولاد بھی اسلام قبول کرتی۔ لَمَسَّكُمْ تو تمہیں پہنچتا فِيْمَا اَخَذْتُمْ اس سبب سے جو تم نے فدیہ لیا عَذَابٌ عَظِيْمٌ دردناک عذاب کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف و فضیلتِ عمر رضی اللہ عنہ (۱) مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے سوائے عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور کوئی نہ بچتا اس لیے کہ ان حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق فدیہ لینے کا مشورہ تمام صحابہ کرام نے دیا سوائے ان دونوں بزرگوں کے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب کسی امر کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوتا تو تمام کی رائے ایک طرف اور تنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ان کے برعکس ہوتی تو قرآن پاک اسی طرح نازل ہوتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوتی۔

(۳) بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل اور زبان پر حق رکھا ہے۔

(۴) متعدد مقامات پر وحی ربانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو مذکور ہوئی اور دوسراوہ مسئلہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج مطہرات کو نیک اور بُرے دیکھتے ہیں، کیا اچھا ہوتا کہ آپ انہیں پردہ کا حکم فرماتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ ایک موقعہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بہ بنائے غیرت آپ کی ازواجِ مطہرات حاضر ہوئیں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: عسٰى ربه ان طلقكن ان يبدله ازواجا خيرا منكن۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آیت کا جز بنا دیا۔

شانِ نزول فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ مروی ہے کہ مالِ غنیمت لینے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہی حکم نازل فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے غنیمت کا مال وغیرہ جائز رکھا ہے فلہذا کھاؤ جو تم مالِ غنیمت حاصل کرو۔ فدیہ بھی مالِ غنیمت میں داخل ہے۔ حَلٰلًا یہ مالِ مغنوم سے حال ہے۔

سوال: جب انہیں عفو و مغفرت کا مژدہ سنایا گیا تو لازماً ان کے لیے مالِ غنیمت حلال طیب ہو گیا پھر حَلٰلًا طَيِّبًا کی تصریح کا کیا فائدہ۔

جواب: صحابہ کرامؓ کو عتاب ملنے پر دل میں طرح طرح کے خطرات و وساوس گزرتے تھے کہ کہیں ہمارے لیے مالِ غنیمت ناجائز نہ ہو تو ان کے خطرات و وساوس دور کرتے ہوئے فرمایا وہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال ہیں۔

طَيِّبًا طیب ہیں۔

ف: لذیذ شے کو طیب کہا جاتا ہے حلال کو طیب سے موصوف کرنا بوجہ تشبیہ کے ہے کہ طیب وہ ہے کہ اس سے طبیعت کو کسی قسم کی کراہت نہ ہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی مخالفت سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی جو کچھ تم نے فدیہ لے کر زیادتی کی حالانکہ اس کی اباحت کا ابھی تمہیں حکم نہیں دیا گیا لیکن تم سے غلطی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس غلطی سے درگزر فرماتا ہے۔ پھر ایسی غلطیوں سے جو شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحم کرتا اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

فائدہ: کاشفی صاحب نے لکھا کہ وہ رحیم یعنی مہربان ہے کہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال فرماتا ہے، حالانکہ دوسری امتوں کے لیے مالِ غنیمت حرام تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر مالِ غنیمت حرام تھا اور جتنا بھی مالِ غنیمت حاصل کرتے انہیں حکم تھا کہ وہ راہِ للہ نذر دیں اور وہ بھی یوں کہ آسمان سے آگ اتر کر اس مال کو کھا جاتی لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر عنایات بے غایات ہیں کہ ان کے لیے مالِ غنیمت حلال طیب کر دیا گیا۔

مکالمہ آدم با سیدِ آدم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے شبِ معراج فرمایا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے چھ انعام ہوئے، فلہذا آپ خیر الناس ہیں:

- آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔
- آپ کو علم کی دولت بخشی۔
- آپ کو مسجودِ ملائکہ بنایا۔
- جس نے آپ کے سجدہ سے انکار کیا اسے ملعون ٹھہرایا۔
- آپ کو اپنے جزء سے بیوی سے نوازا۔
- آپ کے لیے بہشت کی تمام نعمتیں مباح فرمائیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کی آپ خیر الناس ہیں اس لیے کہ آپ کو ایسی چھ نعمتیں بخشی ہیں جو آپ سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئیں:

- آپ کے ہمقرین شیطان کو مسلمان بنایا۔
- آپ کے دشمنوں کو مقہور بنایا۔
- آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی زوجہ مکرمہ عطا فرمائی جو تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

- آپ کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کو شب معراج زندہ فرمایا۔
- آپ کو اپنی امت کے مخفی اسرار سے مطلع فرمایا۔
- آپ کی امت کو چھ بہترین عمل عنایت ہوئے ؛
- مجھے ایک گناہ (ظاہری طور ورنہ درحقیقت وہ گناہ نہ تھا) سے بہشت سے نکالا گیا لیکن آپ کی اُمت کو ہزاروں گناہوں کے باوجود مسجد سے بھی نہیں نکالا جاتا۔
- مجھ سے اس گناہ کے بعد تمام کپڑے اتار لیے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ستر عیوبی کی جاتی ہے۔
- اس گناہ کے بعد میری زوجہ مجھ سے علیحدہ کی گئی لیکن ان سے ان کی عورتیں علیحدہ نہیں ہوتیں۔
- اس وقت سے میرے قدوقامت میں کمی کی گئی لیکن ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی۔
- وعصی آدم کہہ کر مجھے رسوا کیا گیا لیکن ان کی کبھی رُسوائی نہیں ہوئی۔
- میں سَو سال روتا رہا تب کہیں میری بخشش ہُوئی۔ اور آپ کی امت کو صرف ایک عذر سے معافی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا : ؎

محالست اگر سر بزمین در نہی که باز آیدت دست حاجت تہی

بضاعت نیاور دم الا امید (اور تیرا دربار سوال) خدایا زعفوم مکن نا امید

ترجمہ : محال ہے کہ تو عاجزی کر کے سر زمین پر رکھے خالی لوٹے ۔ اے اللہ ! میں صرف امیدِ کرم کی پُونجی لایا ہُوں مجھے عفو سے نااُمید نہ کر۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ ہر وقت ڈرتا رہے اس لیے کہ جب وُہ امور اجتہادیہ جو صرف ظاہری طور خطا پر مبنی ہیں پر گرفت فرماتا ہے تو جو شخص عمداً گناہ کا ارتکاب کرے اس کی کیوں نہ گرفت فرمائے گا جب ایک معمولی دنیوی بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے سزا ملتی ہے تو پھر حقیقی بادشہ کی صریح خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ہو۔

ہُدہُد کا واقعہ یاد کیجیے کہ جب اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ چند لمحات کے لیے غائب ہو گیا، تو زجر و توبیخ اور سزا کا مستحق ہُوا ۔ اسی طرح جو بھی سلطان حقیقی کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا سزا کا مستحق ہو گا۔ اگر کوئی طاعت الٰہی میں مصروف ہے تو اس کا عذر مسموع ہو گا۔

فائدہ : آیت کے شانِ نزول سے ثابت ہُوا کہ انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت بارگاہِ حق کے خوف سے روتا رہے ۔ یہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد دونوں حضرات بہت رویا کرتے ۔

حدیث شریف : قیامت میں جہنم کو قریب لایا جائے گا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرمائیں گے دُور ہو جا ۔ وُہ نہیں ہٹے گی ۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک پیالہ پانی کا لائیں گے اور وُہ اسے جہنم پر چھڑک دیں گے ۔ اس سے جہنم

بقیہ ص ۴۳۲

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ

اے غیب کی خبریں جاننے والے جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرماؤ اگر اللہ نے تمہارے

اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ

دل میں بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں

لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ

بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اے محبوب! اگر وہ تم سے دغا چاہیں گے تو اس

خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

سے پہلے اللہ ہی کی خیانت کر چکے ہیں جس پر اس نے اتنے تمہارے قابو میں دیدیئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

بے شک جو ایمان لائے اور اللہ کے لیئے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ

سے لڑے اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ

ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا ترکہ کچھ

وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد

فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں

مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

معاہدہ ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور کافر آپس میں ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ

کے وارث ہیں ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ

بڑا فساد ہوگا اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے

اللّٰهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا

اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَ

ان کے لیئے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت

هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا

کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور

الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ

رشتے والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں بے شک

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷۵﴾

اللہ سب کچھ جانتا ہے

ع ۱۰ ۶

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے القابات سے یہ لقب بزرگ ترین ہے۔ یعنی اے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ یا اس کے احکام کی خبر دینے والی ہے قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ فرمائیے ان قیدی لوگوں کو جو آپ کے قبضہ میں ہیں۔ اَسْرٰی اسیر کی جمع ہے۔

شانِ نزول وعلمِ غیبِ رسول مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان تھے۔ آپ بدر کے ان دس قیدیوں میں سے تھے جنہوں نے تمام لشکرِ کفار سے وعدہ کیا تھا کہ شام کے قافلہ کی حمایت کے لیے اسے مکہ تک بسلامت لانے تک جتنا طعام کا خرچہ ہوگا اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔ حضرت عباس جب بدر کی لڑائی کے لیے نکلے تھے تو ان کے ہاں بیس اوقیہ سونا تھا ارادہ کیا کہ اسے کفار پر خرچ کریں گے لیکن ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی لڑائی شروع ہوگئی۔ اسی بنا پر وہ بیس اوقیہ سونا ان کے پاس رہ گیا۔ جنگ میں ان سے وہی بیس اوقیہ سونا پکڑا گیا۔ حضرت عباس نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ وہی بیس اوقیہ سونا ان کے فدیہ میں شمار کیا جائے لیکن حضور علیہ السلام نے اس سے انکار کیا اور فرمایا جو چیز تم ہمارے اوپر استعمال کرنے کے لیے لائے اور وہ مالِ غنیمت میں پکڑی گئی وہ تمہاری نہیں ہماری ہے بلکہ آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے فدیہ کے علاوہ ایک سو اوقیہ زاید ادا کریں اور ساتھ ہی اپنے دونوں بھائیوں کے بیٹوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کی طرف سے

چالیس اوقیہ بھی پیش کریں۔ اس پر حضرت عباس نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ یہی چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا واپس جاکر زندگی بھر قریش سے مانگتا پھرے۔ التکفف یعنے لوگوں کے سامنے سوال کے لیے دست دراز کرنا۔ یعنی مال و دولت مسلمانوں نے لوٹ لیا باقی جو کچھ گھر میں ہے اس کا اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ ادا کروں تو پھر میرا باقی کیا بچ رہے گا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سونا کہاں جائے گا جو آپ نے ام الفضل یعنی اپنی زوجہ کے سپرد کیا تھا جبکہ آپ مکہ سے غزوۂ بدر کے لیے نکلے اور اسے سونا دے کر فرمایا کہ کیا معلوم مجھے کیا پیش آئے اور کہا تھا اگر میں مرجاؤں تو یہ تیرا اور تیرے بیٹوں عبد اللہ اور فضل اور قثم کا ہے۔ یہ آپ کے تینوں صاحبزادوں کے نام ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے۔ حضرت عباس نے کہا: یقیناً آپ سچے ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یاد رہے کہ میں نے جب وہ سونا اپنی زوجہ کو دیا تھا اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہیں تھا اور اندھیری رات تھی اس سے قبل مجھے آپ کی نبوت پر شک تھا لیکن آپ کی اس غیبی خبر سے یقین ہو گیا کہ آپ لاریب نبی مرسل ہیں۔

قاعدہ: اگرچہ یہ آیت حضرت عباس کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب اس کا حکم عام ہے اس لیے کہ حکم خاص واقعہ سے متعلق نہیں رہتا۔ یعنی اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ عباس، عقیل اور دیگر قیدیوں سے فرمائیے اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں خیر یعنی ایمان و اخلاص کو جانتا۔

سوال: اِنْ شرطیہ شک کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے شک کیسا۔

جواب: یہ شک بہ نسبت ہمارے ہے جیسے حضور علیہ السلام نے دعائے استخارہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی: ان کنت

بقیہ ص ۴۲۹ سے آگے

دُور بھاگ جائے گی۔ سوال ہوگا اے جبریل علیہ السلام! یہ پانی کہاں سے لائے ہو؟ وہ فرمائیں گے، یہ گنہگاروں کے آنسو تھے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن — تا نگرید طفل کے جوشد لبن

طفل یکروزہ ہمی داند طریق — کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق

تو نمی دانی کہ دایۂ دائگان — کم دہد بے گریہ او رائگاں

چوں بر آرند از پشیمانی انین — عرش لرزد از انین المذنبین

ترجمہ: بادل جب تک نہیں روتا باغ شاداب نہیں ہوتا۔ جب تک بچہ نہیں روتا ماں کا دودھ جوش نہیں مارتا۔ نومولود دُودھ حاصل کرنے کا یہی طریقہ جانتا ہے کہ رونے سے ماں کا دودھ ملے گا اب تم سوچو کہ وہ رب الارباب کہ رونے کے بغیر بھی سب کچھ دیتا ہے۔ گنہگار بندے جب آہ وزاری کرتے ہیں تو عرشِ الٰہی لرز جاتا ہے۔

تعلمو الخ یعنی اگر تیرے علم و ارادہ کا تعلق ہو۔ چونکہ اس علم کا تعلق بہ نسبت طرف بندے کے مشکوک ہے اسی لیے اسے حرفِ شک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ تو تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے فدیہ لیا گیا وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اور تمہاری مغفرت فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

فائدہ: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر عطا فرمایا ہے اس سے جو مجھ سے بدر میں لیا گیا کہ اس وقت بحمدہ تعالیٰ میرے بیس مملوک ہیں اور کم درجہ والا بیس ہزار درہم کی تجارت کرتا ہے اور مجھے زمزم کا سقایہ عنایت فرمایا ہے یہ وہ دولت ہے کہ تمام مکہ والے میرا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان دونوں وعدوں سے ایک تو پورا ہو گیا دوسرے وعدے کا مجھے انتظار ہے یعنی باقی مجھے مغفرت کی امید ہے اور اس وعدۂ کریمہ کے خلاف نہیں ہو گا۔ ؎

خلاف وعدہ محالست کز کریم آید لئیم اگر نکند وعدۂ وفا شاید

ترجمہ: کریم سے خلاف وعدہ محال ہے ہاں نالائق وعدہ پورا نہ کرے تو اس سے ہو سکتا ہے۔

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا اور اگر وہ بدر کے قیدی ارادہ کریں خِيَانَتَكَ آپ سے خیانت کا۔ یعنی جو کچھ آپ سے وعدے کیے ہیں یعنی اسلام سے ہٹ کر اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف ہو گئے فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ انہوں نے اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کی خیانت کی تھی یعنی کفر کیا تھا اور جو کچھ ازل میں اللہ تعالیٰ سے وعدے کیے سب توڑ دیئے فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ پس ان پر تمہیں قبضہ دے گا جیسے بدر میں تمہیں فتح و نصرت دی اب بھی اگر تمہارے ساتھ خیانت کریں تو تمہیں ان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ یہ محاورہ "مکنہ من الشی و امکنہ منہ ای اقدر علیہ فتمکن منہ" سے ہے۔ یعنی فلاں کو فلاں شے پر قدرت دی پھر وہ اس پر غلبہ پا گیا وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ ان کی نیات اور جس عذاب کے وہ مستحق ہیں انہیں جانتا ہے۔ ؎

بر وعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں نزدش یکیست

حَكِيْمٌ ○ وہ حکیم ہے کہ جیسے اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا ہوتا ہے ویسے کرتا ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ظاہر نہیں کرتے تھے اس لیے کہ آپ کے قریش پر بہت قرضہ جات تھے انہیں خطرہ تھا کہ اگر اسلام ظاہر کر دیں تو قرضہ جات وصول نہیں ہو سکیں گے۔

سوال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر زاید فدیہ دینے پر کیوں مجبور کیا؟

جواب: یہ بھی ان کے لیے ایک فائدہ تھا اگرچہ بظاہر اُن کے لیے دُکھ تھا لیکن حقیقۃً ان کے لیے نفع ہی نفع تھا۔

ف: جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اہلِ مکہ کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اسلام کا اعلان فرما دیا۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندرونی اسلام کا علم تھا تو پھر آپ نے ان کے اسلام کا اعلان کیوں نہ فرمایا؟

جواب: آپ نے بھی وہی مصلحت دیکھی جو خود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لیے چاہتے تھے یعنی تاکہ ان کے اظہارِ اسلام سے ان کے قرضہ جات ضایع نہ ہو جائیں۔

ف: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب انہوں نے ہجرت کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: "یا عم اقم مکانک الذی انت فیہ فان اللہ یختم بک الھجرۃ کما ختم بی النبوۃ" اے چچا جان! آپ اپنے گھر میں رہ جائیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الہجرۃ بنایا ہے جیسے مجھے خاتم النبوۃ۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ ؎ ترجمہ اسکے علم کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں، پوشیدہ و ظاہر اسکیلئے برابر ہے۔

مسئلہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ایمان و اسلام کے سوا بچنا مشکل ہے وہی قادر ہے قوی ہے خالق ہے اور اس کے ماسوا باقی تمام مخلوق عاجز ضعف ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوت والے کو فرما دو کہ تجھے تیری قوت عجب میں ڈالے اگر تجھے بڑی طاقت ہے تو میں موت سے تیری اس قوت کو ملیامیٹ کر دوں گا اور عالم کو فرما دو کہ تجھے تیرا علم عجب میں ڈالے پس اگر تجھے علم کا غرور ہے تو میں تیرا گھمنڈ موت سے مٹا دوں گا اور دولت مند کو فرما دو کہ تجھے تیری دولت تکبر میں ڈالے تو میں طاقت رکھتا ہوں کہ تیری دولت مخلوق کو لٹا دوں گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آیت میں قیدیوں سے وہ نفوس مراد ہیں جو جہاد اکبر میں مقید ہیں کہ جن پر سلطان ذکر کا غلبہ ہے اگر نفوس کو ذکر الٰہی اور عبودیت اور سلطان ذکر کے احکام کی پابندی سے اطمینان ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتیں اور اس کے درجات عطا فرمائے گا اور یہ شہوات دنیا اور اس کی نعمتیں اور اس کی زینت سے افضل ہیں اس لیے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور جنت اور اس کی نعمتیں باقی ہیں۔

قاعدہ عجیبہ سات چیزوں کی متابعت سے سات چیزیں پیدا ہوتی ہیں:

۱۔ نفس کی متابعت سے ندامت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قابیل کو قابیل کے متعلق فرمایا ہے، فطوعت له نفسه قتل اخيه فقتله فاصبح من النادمين۔

۲۔ خواہشات نفسانی کی متابعت حق سے دوری پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بلعام کے لیے فرمایا: واتبع هواه فمثله كمثل الكلب یعنی اس نے اپنے نفس کی اتباع کی تو اس کا بعد اور خساست کتے کی طرح ہے۔

۳۔ شہوات کی اتباع کفر پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا۔ یعنی جنہوں

نے شہوات کی اتباع کی تو انہیں وادی غی یعنی کفر میں ڈالا جائے گا۔

۴۔ فرعون کی متابعت دنیا میں دریا کی غرقابی اور آخرت کی جہنم کا دخول پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واتبعوا امرفرعون۔ یعنی انہوں نے فرعون کے حکم کی تابعداری کی فاوردھم النار تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم کی آگ میں ڈالا۔

۵۔ گمراہ لیڈروں کی تابعداری حسرت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذ تبرأ الذین اتبعوا الی ان قال کذٰلک یریھم اللہ اعمالھم حسرات علیھم وماھم بخارجین من النار۔

۶۔ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ان کا عشق اور محبت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

۷۔ شیطان کی تابعداری جہنم کا ایندھن بناتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین وان جہنم لموعدھم اجمعین۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک پر ایمان لائے وَھَاجَرُوْا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے وطن یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کی وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ اور انہوں نے اپنے اموال سے جہاد کیا یعنی انہیں جنگی سامان اور ہتھیار اور دیگر ضروریات پر خرچ کیا وَاَنْفُسِھِمْ اور جنگ میں اور اس کے محاذ پر اور ہلاکتوں کے مراکز پر نفسوں کو قربان کیا۔

سوال: اموال کو انفس پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: (۱) مال سے جہاد زیادہ واقع ہوتا ہے اور اسی سے زیادہ ضروریات پوری ہوتی ہیں اور نفس سے جہاد مال کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ (کذا فی التفسیر الارشاد)

(۲) صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: مال نفس و وجود کے توابع سے ہے اور خرچ کے وقت توابع اصل سے مقدم ہوا کرتے ہیں۔

(۳) ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کا یہی بہترین طریقہ ہے اسی لیے صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: توحید افعال کے مقابلہ میں مال کو خرچ کیا جاتا ہے اور ذات معبود کی توحید میں وجود کو۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جَاھَدُوْا کے متعلق ہے اسے جہاد کے انواع میں سے ایک قسم کے متعلق کیا گیا ہے۔ سبیل اللہ سے وہ طریقہ مراد ہے جو ثواب اور جنت اور درجات و قربات تک پہنچانے والا ہو اور وہ بھی اس وقت پہنچاتا ہے جب اس میں خلوص ہو اس لیے کہ مال اور نفس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ریا ہو تو اس سے رضائے الٰہی نصیب نہیں ہوتی۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے راستہ پر جہاد کرتے اور تیرے غیر سے دور رہتے ہیں۔ حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎ گل توحید نروید بہ زمینی کہ دروِ خار شرک و حسد و کبر و ریاء و کین است

ترجمہ: اس زمین پر توحید کا پھول نہیں اُگتا جس میں شرک وحسد وکبر اور کینہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مہاجرین کو پناہ دی یعنی انہیں مدینہ طیبہ میں مکانات بنا دیے اور ان کی دیگر ضروریات پوری کیں۔ الایواء بمعنے الضم یعنی ملانا۔ وَّنَصَرُوْا اور ان کی مدد کی یعنی ان کے دشمنوں پر ان کی مدد فرمائی اور کفار کو تلوار سے مارا۔ پہلا مہاجرین کے متعلق ہے دوسرا انصار کے متعلق ہے اور لفظ انصار خزرج اور اوس دونوں قبیلوں کا علم ہے اسی لیے اس کی جمع کی طرف حرف نسبت لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے انصاری اور انہیں انصار اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور امام الانبیاء سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی۔ انصار نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف جمع آتی ہے۔

سلطان سلیم اول نے کہا: ؎

شہنشاہ آں گدا کہ بود خاک راہ او
آزاد بندہ کہ گرفتار مصطفیٰ است

آں سینۂ شاد کز غم او ساخت دل حزیں
وآں جانِ عزیز کز پے ایثار مصطفیٰ است

ترجمہ: شہنشاہ وہ ہے جو اس راہ کی مٹی کا گدا ہے آزاد بندہ وہ ہے جو مصطفیٰ کے عشق میں گرفتار ہے۔

خوش وہ سینہ ہے جو غم مصطفیٰ سے ہے دل غمگین جان عزیز وہ ہے جو مصطفیٰ کے لیے قربان ہے۔

اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کے اوصاف مذکور ہوئے بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اس لئے کہ مہاجرین وانصار ہجرت ونصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی وراثت لیتے۔ قرابت ورشتہ داری کا سلسلہ تو تھا نہیں لیکن ایک دوسرے کے وارث ہو جاتے تو محض ہجرت ونصرت کی وجہ سے۔

مسئلہ: ابتدائے اسلام میں مہاجرین وانصار ہجرت ونصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی وراثت لیتے مثلاً کوئی مہاجر فوت ہو جاتا تو اس کا انصاری بھائی وارث بنتا جبکہ اسی مہاجر کا مدینہ طیبہ میں کوئی دوسرا بھائی یا وارث مسلمان نہ ہوتا اسی طرح انصاری فوت ہوتا تو اس کا وارث مہاجر بھائی ہوتا اگر انصاری کا کوئی اور وارث نہ ہوتا یہ قانون فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: فتح مکہ کے بعد ہجرت کی وراثت کے بجائے قرابت کی وراثت کا اجراء ہوا۔

فائدہ: الاولیاء، الولی کی جمع ہے جیسے اصدقاء، صدیق کی جمع ہے اور اَلْوَلِيُّ، وَلِيٌّ بمعنے قرب یعنی نزدیک ہونا سے مشتق ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قریبی (رشتہ دار) ہیں۔ اب نہ تو مومن کافر کا وارث ہے اور نہ ہی مومن مہاجر غیر مہاجر کا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن دوسرے اہلِ ایمان کی طرح ہجرت نہیں کی۔
مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ تو وہ ان کی ولایت یعنی وراثت میں سے تمہارا کوئی حقدار نہیں اگرچہ وہ تمہارے قریب ترین رشتہ دار ہوں حَتّٰى يُهَاجِرُوْا یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس آیت

سے جب صراحۃً نفی کر دی گئی کہ غیر مہاجرین اہلِ ایمان کی وراثت، ولایت مہاجرین سے منقطع ہوگئی تو پھر وُہ مکہ میں مخالفین سے جتنی تکالیف اور دُکھ اٹھائیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کی امداد کریں حالانکہ یہ تو مقتضائے اسلام کے بالکل خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ اور اگر غیر مہاجرین مومن تم سے دینی امور میں مدد طلب کریں فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ تو تمہارے اُوپر واجب ہے کہ تم انہیں دشمنوں پر غلبہ پانے کے لیے دینی امور میں مدد کرو۔ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ مگر اس دشمن قوم پر غلبہ پانے کے لیے اہلِ ایمان غیر مہاجرین کو مدد مت دو بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط جن کا تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہو، بلکہ ان کی آپس میں ایسی اصلاح کرو کہ جنگ کے بغیر ان کی صُلح ہو جائے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے فلہٰذا تم اس کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو تاکہ تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط اور وہ لوگ جو کافر ہیں وُہ آپس میں ایک دُوسرے کی میراث کے وارث ہیں۔

مسئلہ: آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ کفار ایک دُوسرے کی میراث کے وارث ہیں اس لیے کہ احکام کا خطاب انہیں نہیں بلکہ صرف اہلِ ایمان کو احکام کے لیے مخاطب کیا گیا ہے۔

مسئلہ: مفہوم مخالف کے قاعدہ کی بناء پر مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ان کی وراثت سے روکا گیا ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ ان سے کوسوں دُور رہیں خواہ ان کے کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔

نکتہ: کفار سے محبت و موالات اور دوستی کفر کی نسبت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے اہلِ ایمان کی آپس میں محبت بوجہ نسبت ایمانی کے ہے۔ اسی بنا پر ایمان و کفر کے مابین مناسبت (دوستی و تعلق وغیرہ) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ کفر ظلمت ہے اور ایمان نور، جیسے نور و ظلمت کا اجتماع ممتنع ہے ایسے ہی ایمان و کفر کا اجتماع بھی محال ہے۔ اسی طرح ایمان و کفر سے موصوفین کا آپس میں تناسب کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مسلّم ہے کہ کافر اللہ کا دشمن اور مومن اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور قاعدہ ہے کہ غیر جنس سے وصال و یاری کے بجائے انقطاع اور جدائی ضروری ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نخست موعظۂ پیر صحبت ایں پند است
کہ وز مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ: بوڑھے تجربہ کار کی ایک نصیحت یاد رکھو کہ ناجنس کی دوستی سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

اِلَّا دراصل اِنْ لَا تھا تَفْعَلُوْهُ یعنی وُہ جو تم حکم دیے گئے ہو آپس میں محبت اور دوستی اور ایک دوسرے کی تعلق داری کا یہاں تک کہ میراث میں اور کفار سے قطع تعلق وغیرہ پر عمل نہیں کرو گے تَكُنْ یہ تامہ ہے فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ تو زمین پر ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا یعنی ایمان میں ضعف اور کفر کو غلبہ ہوگا وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ط اور دارین میں بہت بڑا فساد ہوگا۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ طالب نُصرت کی موافقت ضروری ہے اگر اس کی موافقت نہ کی جائے تو خسارہ ہی خسارہ ہے بلکہ دنیا سے امان اُٹھ جائے۔

حدیث شریف: ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔

فائدہ: ظالم کی مدد کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکا جائے۔

مسئلہ: قاضیخان میں ہے کہ اگرچہ رُوم سے ہی جنگ کے لیے اہلِ اسلام مدد طلب کریں تو ان کی مدد کے لیے حسب الامکان جنگ پر جانا ضروری ہے جبکہ زادِ راہ اور وہاں تک پہنچنے کی سواری کی استطاعت ہو ان کی مدد سے بلا عذر بیٹھ جانا ناجائز ہے۔

مسئلہ: جیسے اہلِ اسلام کی جنگ کی مدد میں بہت بڑی فضیلت ہے ایسے ہی جہاں دینی امور کا فائدہ ہے وہاں ہجرت کر جانے میں فضیلت ہے۔

ہجرتِ نبوی کا سبب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام پر مکہ معظمہ کے کفار کے پے درپے ظلم کے پہاڑ ڈھا رہے ہیں اور آپ کے ہاں ان کے بچانے کے بظاہر اسباب بھی نہیں تھے تو آپ نے انہیں وہاں سے متفرق مقامات پر چلے جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی خوشخبری سُنائی کہ عنقریب تم ایک مقام پر جمع ہو جاؤ گے۔ انھوں نے عرض کی: ہم کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کا اشارہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صراحۃً فرمایا کہ حبشہ کو چلے جاؤ وہاں کا بادشاہ بہت اچھا ہے وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وُہ مقام سچائی کا مرکز ہے پھر اللہ تعالیٰ تمہاری تکالیف دور کرنے کے اسباب پیدا فرما دے گا۔

پاک و ہند کی طرف ہجرت کا پروگرام صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو کان لی مالٌ لہاجرت من قسطنطنیہ الی ارض الھند۔ اگر میرے پاس (بظاہر) دنیا و دولت کی وفرت ہوتی تو میں قسطنطنیہ سے ہند (و پاکستان) ہجرت کر جاتا اس لیے کہ جس ملک کا ایسا بادشاہ ہو جسے دین کی کوئی غیرت نہ ہو تو وہاں اقامت پذیر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں[1]۔ اس کے بعد میرے شیخ نے ہند و پاک کے بادشاہ کے تقویٰ و طہارت کی باتیں سُنائیں۔

فائدہ: میرے شیخ کا یہ کلام شریعت و طریقت کے عین مطابق ہے۔ ایسے ہی بہت بڑے کاملین مشایخ سے منقول ہے کہ وُہ ظالم بادشاہ کی شاہی میں ہرگز مقیم نہ ہوتے۔

حدیث شریف: جو شخص ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کو دین کی خاطر ہجرت کر جائے اگرچہ ایک بالشت کی مسافت بھی ہو تو اس کے لیے بہشت واجب ہو گئی اور بہشت میں اسے حضرت خلیل علیہ السلام اور سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو گی۔

---

[1] نیز اب ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ پاکستان کو چھوڑ کر کسی عاشق اسلام اور دین پرور ملک میں چلے جائیں۔

جبشہ کی ہجرت حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سُن کر بہت سے صحابہ کرام جبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تاکہ کفار کے فتنہ و فساد سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر اپنا دین بچالیں پھر بعض ان میں اکیلے ہجرت کر گئے بعض اپنے بال بچوں سمیت چلے گئے اسے ہجرتِ اُولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

صُوفی کی ہجرت کا مطلب صوفیہ کرام فرماتے ہیں جو ایمان لاتا ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ طلبِ حق میں زندگی بسر کرے اور طالبِ حق کو ہجرت ضروری ہے، اور اس کی ہجرت یہ ہے کہ غیر اللہ سے بالکل علیحدہ ہو جائے یعنی افعالِ قبیحہ طبعیہ چھوڑ کر افعالِ حسنہ شرعیہ کا پابند ہو جائے اور اوصافِ ذمیمہ ترک کر کے اخلاقِ حمیدہ پیدا کرے یا یُوں سمجھو کہ وجودِ مجازی فنا کر کے وجودِ حقیقی حاصل کرے اسی طرح بدل حال اور نفس طلبِ حق میں ضروری ہے، اور صوفیہ کرام کے نزدیک حق کے سوا باقی ہر شے باطل ہے اور ہر باطل کو مٹانا لازم۔

حضرت سید بخاری قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہست تاجِ عارفاں اندر جہان از چار ترک
ترکِ دُنیا ترکِ عُقبیٰ ترکِ ہستی ترکِ ترک

ترجمہ: چار چیزوں کے ترک سے عرفا کو تاج حاصل ہوتا ہے ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ ہستی و ترکِ نیستی۔

حدیث شریف اور حکایت مروی ہے کہ زمانہ سابق میں ایک بندۂ خدا نے ایک کم ایک سو یعنی ننانوے قتل کیے اور اس نے روئے زمین کے اہلِ علم سے اپنی معافی کی تجویز پُوچھی، تو اسے ایک راہب کے ہاں بھیجا گیا۔ جب وہ اس کے ہاں حاضر ہُوا تو اس نے اپنا ماجرا سُنایا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا معافی ہو سکتی ہے۔ اس راہب نے جواب نفی میں دیا تو اسے بھی اس نے قتل کر دیا۔ اس طرح سے اس کے قتل مکمل یکصد ہو گئے۔ پھر رُوئے زمین کے علماء سے اپنی توبہ کا سوال کیا اُسے ایک عالمِ دین کی طرف بھیجا گیا اس نے اس کی خدمت میں اپنا تمام حال سنایا اور کہا کہ میں ایک سو آدمی قتل کر چکا ہوں کیا اس کے باوجود بھی میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں تیری توبہ میں کونسی کمی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بخشش میں کوئی شے حائل ہے۔ لیکن فلاں علاقہ میں جائیے وہاں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار نیک بندے رہتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ عبادت گزاری میں شامل ہو جاؤ لیکن جب تک توبہ قبول نہ ہو تم اپنے گھر نہ لوٹنا اس لیے کہ جہاں تم رہتے ہو وہ بہت بُرا علاقہ ہے واپس آؤ گے تو بُری صحبت سے خراب ہو جاؤ گے۔ وُہ بندۂ خدا اس عالمِ دین کے مشورہ پر انہی نیک لوگوں کے علاقہ کی طرف چل پڑا، ابھی آدھا سفر طے کیا تو ملک الموت تشریف لائے اور اس کی جان نکال لی۔ اس کے مرنے پر رحمت اور عذاب کے فرشتوں کا جھگڑا ہو گیا۔ رحمت کے فرشتے کہتے کہ یہ تائب ہو کر خلوصِ قلب سے اللہ تعالیٰ کی تلاش میں جا رہا تھا اور عذاب کے فرشتے کہتے کہ اس نے زندگی بھر کوئی نیکی نہیں کی فلہذا یہ بخشش کا حقدار نہیں۔ ان کا جھگڑا مٹانے کے لیے ایک فرشتہ انسانی لباس میں حاضر ہُوا۔ رحمت و عذاب کے ملائکہ نے کہا اس کا فیصلہ ہمیں منظور ہے ہم اسے اپنا حکم (سرپنچ) بنالیں۔ اس نے کہا دونوں زمینوں کو ناپو۔ یعنی جتنا طے کر کے آیا اور جتنی بقایا زمین اہل اللہ کے علاقہ تک رہتی ہے۔ جس زمین کو یہ شخص قریب تر ہے اسی کا مستحق ہے یعنی اگر طے کردہ زمین سے گھر کی طرف قریب تر ہے تو اسے جہنم میں لے جاؤ

ورنہ بہشت میں۔ چنانچہ اس کے فیصلہ پرسب فرشتے راضی ہو گئے اور زمین ناپی گئی تو اسی زمین کے قریب تر پایا گیا کہ جس کی طرف ارادہ رکھتا تھا یعنی اللہ والوں کے گھروں کے قریب تر پایا گیا، تو اسے رحمت کے فرشتے بہشت میں لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب زمین ناپی جارہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سطح کرہ زمین کی طرف پیغام بھیجا کہ تو لمبی ہو جا، اور دوسری زمین سے فرمایا کہ تو اس بندہ کے قریب تر ہو جا۔

سوال: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اس بندہ کے تمام گناہ معاف ہو گئے یہاں تک کہ حقوق العباد بھی۔ حالانکہ حقوق العباد نہیں بخشے جاتے جب تک بندے خود معاف نہ کریں۔

جواب: قاعدہ ہے کہ گنہگار جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے تو پھر حقوق اللہ تو سب کے سب بخشے جاتے ہیں اور حقوق العباد بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں چاہے تو صاحبِ حق کو اپنی طرف سے راضی فرما دے اور چاہے تو صاحبِ توبہ کی نیکیاں صاحبِ حق کو عنایت فرما دے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ جہاں بندے سے گناہ سرزد ہوا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنا مستحب ہے اور ایسے لوگوں کے ہاں جا کر گزارے جو اس کو نیکی کی معاونت کریں۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں سچے مہاجرین اور نیک بندوں سے بنا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان والی چیزوں پر اجمالاً و تفصیلاً ایمان لائے وَهَاجَرُوْا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی پر اپنے وطن کو خیر باد کیا وَجَاهَدُوْا اور کفار سے جہاد کیا۔ المجاهدہ بمعنی اللہ تعالیٰ کی راہ پر کفار سے جنگ کرنا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس سے دین اسلام اور اخلاص مراد ہیں جو ہر دونوں بہشت میں لیجانیوالے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے اہلِ ایمان کو اپنے ساتھ ملایا کہ اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور ان کی ضروریات کے لیے دنیوی سامان دیا اور ان کی موافقت کی یہ فعل متعدی بنفسہ اور متعدی بالٰی ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اٰوَيْتُ مَنْزِلِيْ وَاِلَيْهِ اٰوِيًا، ای نزلته بنفسی و سکنتُه اور کہا جاتا ہے وَ اٰوَيْتُهٗ وَ اٰوَيْتُهٗ ای اَنْزَلْتُهٗ، الماوی اسی سے مشتق ہے بمعنی المکان، الایواء بمعنی جگہ دینا۔ وَّنَصَرُوْٓا اور اہلِ ایمان کی ان کے دشمنوں کافروں پر مدد فرمائی۔ پہلے الَّذِيْنَ سے پہلے مہاجرین اولین اور دوسرے سے انصار مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تقریر پہلے گزری ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وہی لوگ وہ ہیں جن کا ایمان حَقًّا حق ہے اس لیے کہ انہوں نے ایمان کے مقتضی کے مطابق عمل کیے مثلاً ہجرت، جہاد اور مال خرچ کرنا اور نصرۃ حق وغیرہ۔ پہلی آیت ان کے حکم کے بیان کے لیے ہے یعنی وہ ایک دوسرے کی وراثت کے مالک اور ایک دوسرے کے متولی ہیں اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومن کامل فی الایمان وہی پہلے مہاجرین اور انصار ہیں نہ کوئی اور اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت میں تکرار نہیں اس لیے کہ پہلی بار بیان حکم کے لیے تھا اب ان کے کمال ایمان کے لیے ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے گناہوں کی مغفرت ہے وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ اور اس کے ہاں رزق واسع اور کثیر ہے

انہیں بہشت میں بہت بڑا طعام کھلائے گا جو ان کے بدن میں تحلیل ہو کر پسینہ کی صورت میں نکل جائے گا اور اس پسینہ کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہو گی وہ طعام پیٹ میں جا کر پاخانہ وغیرہ نہیں بنے گا۔ نَجْوٌ ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو پیٹ سے خارج ہو، ریح ہو یا پاخانہ۔

ربط: ان کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مذکورہ دونوں امور میں ان سے مشابہت رکھتے اور ان کے طریقہ پر چلتے ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ اور وہ لوگ جو ہجرتِ اُولیٰ کے بعد ایمان لائے وَهَاجَرُوْا اور تمہارے بعد ہجرت کر کے آئے وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ اور انہوں نے تمہارے ساتھ مل کر بعض غزوات میں جہاد کیا فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ پس اے مہاجرین و انصار وہ بھی منجملہ تمہارے سے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سابقین مہاجرین کے ساتھ ملایا۔ جو فضیلت ان سابقین کو عطا فرمائی انہیں بھی عطا ہوئی تاکہ اس سے انہیں ایمان و ہجرت کی ترغیب ہو۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین بھائی چارہ مقرر فرمایا اسی لیے اگر کوئی مہاجر مسلمان مرجاتا تو بجائے اس کے اپنے قریبی رشتہ دار کے اس کا وارث وہی انصاری بھائی ہوتا اگرچہ اس کا مہاجر بھائی مسلمان بھی ہوتا۔

اس کے بعد آیتِ ذیل سے یہ حکم اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ اور قریبی رشتہ دار اس کی وراثت میں زیادہ لائق ہے دوسرے بعیدی رشتہ دار سے فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اس کے حکم میں اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ پہلے دینی اسلامی رشتہ دار کو وراثت کا مالک بنایا پھر نسبی رشتہ دار کو۔ یہ اس کی بلیغ حکمتوں پر مبنی ہے۔ ؎

نہ در احکام اوست چون و چرا
نہ در افعال او چگونہ و چند

ترجمہ: اس کے احکام میں کسی کو چون و چرا کی ہمت نہیں، اس کے افعال میں چگونہ و چند کوئی نہیں کہہ سکتا۔

مسئلہ: چونکہ مہاجرین سابقین نے قبول ایمان اور اتباعِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کی اسی لیے وہ انصار سے افضل ہیں۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی منجملہ انصار کے ہوتا۔ اس سے انصار کی تعظیم و تکریم مطلوب ہے اس لیے کہ ہجرت کے بعد انصار سے اور کوئی افضل نہیں اس لیے کہ انہوں نے ہی مہاجرین کے بعد دینی نصرت فرمائی۔

فائدہ: مہاجرین کے چند طبقات ہیں:

۱۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔

۲۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد لیکن صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی، اور صلح حدیبیہ

۷ھ میں ہوئی۔ ان ہر دونوں کو مہاجرین سابقین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد لیکن فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ یہ ہجرت ثانیہ والے کہلاتے ہیں۔

۴۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں؛

۱۔ ہجرت الی الحبشہ

۲۔ ہجرت الی المدینہ

مسئلہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہر مومن ذی استطاعت پر ہجرت فرض ہو گئی تاکہ دینی امور میں وسعت اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ہو اور دینِ اسلام کا بول بالا ہو۔

مسئلہ: جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو اس کے بعد ہجرت کی فضیلت منقطع ہو گئی۔ اس کے بعد کسی کے لیے ہجرت کی فضیلت کا حصول روا نہ رہا اور نہ ہی کسی کو حق پہنچتا تھا کہ وہ مہاجرین کے مراتب کے ہم پلہ ہونے کا دعوٰی کرے۔

مسئلہ: کسی امر دینی کی مصلحت کے تحت ہجرت کرنا خواہ مکہ معظمہ کی طرف یا کسی دیگر شہر کی طرف تو یہ سلسلہ تا قیامت جاری ہے اور ایسی ہجرت جائز ہے۔

حدیث شریف نمبر ۱: فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں البتہ جہاد باقی رہے گا۔

حدیث شریف نمبر ۲: جس نے میرے وصال کے بعد میرے روضۂ اقدس کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو شخص حرمین شریفین میں سے کسی ایک حرم پاک میں مرے گا تو وہ قیامت میں امن والوں میں سے ہو گا۔

حدیث شریف نمبر ۳: امام غزالی قدس سرہٗ نے احیاء العلوم شریف میں نقل فرمایا کہ مروی ہے کہ حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کو واپس (زیارت و حج کے لیے) تشریف لاتے تو کعبہ معظمہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو خیر ارض اللہ اور احب بلاد اللہ ہے۔ اگر میں تجھ سے مجبوراً نہ نکالا جاتا تو تجھے چھوڑ کر ہرگز نہ جاتا۔

سبق: جو شے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ اُمت کو بھی محبوب ہونی چاہیے۔

مسئلہ: مکہ معظمہ میں اقامت پذیر ہونا دوسرے مقامات سے افضل ہے بشرطیکہ اس کے آداب بجا لائے جائیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ صرف کعبہ معظمہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس میں ایک نیکی پر لاکھوں نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنے اوپر اعتماد نہیں رکھتا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر اس کے آداب بجا نہیں لا سکے گا تو اسے کعبہ معظمہ میں مقیم نہ ہونا چاہیے۔

حکایت منقول ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہٗ جیسے خلفاء (بادشاہوں) کا طریقہ تھا کہ مکہ معظمہ میں پہنچ کر دو خیمے نصب کراتے ایک حرم شریف کے اندر اور دوسرا باہر۔ جب نماز و دیگر عبادات ادا کرنے کا ارادہ ہوتا تو حرم کے اندر والے خیمہ میں تشریف لے جاتے تاکہ مسجد شریف کے فضائل سے بہرہ ور ہو۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج پورے کرنے کا ارادہ ہوتا تو حرم سے باہر والے خیمہ میں چلے جاتے۔

فائدہ: مکہ معظمہ کے حرم کا احاطہ بجانب مشرق چھ میل اور بجانب شمال بارہ میل اور بجانب ثالث اٹھارہ میل اور بجانب رابعہ چوبیس میل ہے۔ (کذا قال الفقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ)

اولیاء اللہ حقیقی کعبہ ہیں

جیسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی نظروں میں بعض مکانات کی شرافت اور بزرگی ہے اسی طرح بعض اہلِ کمالات وکرامات بھی درجہ وار فضیلت رکھتے ہیں بلکہ مکانات کی فضیلت سے ان کی فضیلت وشرافت فزوں تر ہوتی ہے۔ ؎

مسجدے کان در درون اولیاست | خانۂ خاص حقست آنجا خدا است
نیست مسجد جز درون سروران | آن مجاز است این حقیقت اے جوان

ترجمہ: اولیاء کرام کے قلوب حقیقی کعبہ ہیں اس لیے یہی اللہ تعالیٰ کے خاص انوار وتجلیات کا مرکز ہیں اور حقیقی مسجد یہی ہیں اور دوسری مساجد مجازی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

فاولئك میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے جو متاخرین میں سے راہِ سلوک طے کرتے ہیں کہ یہ بھی ظاہری مرتبہ میں متقدمین کی طرح ہیں اس لیے کہ انہوں نے متقدمین کی طرح اسلام قبول کرنے اور ہجرت اور جہادِ حقیقی میں سرِ مُو کمی نہیں کی اسی لیے ان میں فرق کیسا جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ صبح ہے اور نہ شام۔ فلہذا جمیع واصلین کنفس واحد ہیں انہیں زمان ومکان کی قید سے مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں آج اور گزشتہ اور آنے والا لمحہ برابر ہے۔ وہ قُرب وبُعد اور اُونچ اور نیچ سب برابر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت بارش کے قطرات کی طرح ہے نہ معلوم ان کا اول خیر ہے یا آخر۔ اسی طرح آپ نے متاخرین امت کو اپنا بھائی بتایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا: واشوقاہ الی لقاء اخوانی۔ یعنی مجھے اپنی آنے والی امت کے بھائیوں کے دیدار کا شوق ہے۔

حکایت

حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سورۂ انفال پڑھتے تو فرماتے کہ وہ لشکر بہت با برکت تھا جس کے قائد حضور رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور جس کے ساتھ جنگی بہادر شیرِ خدا حضرت المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ تھے اور ان کا جہاد طاعتِ الٰہی کے لیے تھا اور ان کی مدد کے لیے ملائکہ کرام حاضری دیتے اور ان کی مزدوری اور ثواب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کا پیام ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نیک اعمال اور احسن اقوال واحوال کا سوال کرتے ہیں۔ ہمیں ہر حال میں طاعت گزاروں اور مشغولین فی العبادت سے بنائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۃ انفال کی تفسیر ربیع الآخر کے اواخر ۱۴۰۱ھ ہجری میں ختم ہوئی۔ اور فقیر اویسی غفرلہٗ ربہ القدیر نے اس کے ترجمہ سے ۸ رجب ۱۳۹۵ھ میں قبل صلوٰۃ العشاء فراغت پائی۔
بفضلہ وکرمہ تعالیٰ وبلطف حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انا الفقیر
ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ۔

سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ آيَاتُهَا ۱۲۹ رُكُوعَاتُهَا ۱۶

سورۃ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ

بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے جن سے تمہارا معاہدہ تھا اور وہ قائم

الْمُشْرِكِينَ ① فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا

نہ رہے تو چار مہینے زمین پر چلو پھرو اور جان رکھو کہ تم

أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ②

اللہ کو تھکا نہیں سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنیوالا ہے

وَأَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ

اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن

أَنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ

کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارا

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي

بھلا ہے اور اگر منہ پھیرو تو جان لو کہ تم اللہ کو نہ تھکا سکو گے

اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ③ إِلَّا الَّذِينَ

اور کافروں کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی مگر وہ مشرک جن سے

عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ

تمہارا معاہدہ تھا پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کچھ کمی

يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ

نہیں کی اور تمہارے مقابل کسی کو مدد نہیں دی تو ان کا عہد ٹھہری ہوئی مدت تک

مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ④ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ

پورا کرو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے پھر جب حرمت والے مہینے

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ

نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا

اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

اور اے محبوب اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا کلام

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾

سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیئے کہ وہ نادان لوگ ہیں

ع ١ ٦ ٧

تفسیر عالمانہ

سورۃ توبہ کی ایک سو تیس آیات ہیں اور یہ سورۃ مدنیہ ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: سورۃ توبہ میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں لائی گئی؟

جواب: بسم اللہ شریف میں رحمت کا بیان ہے اور سورۃ توبہ قہر و جلال اور منافقین پر غیظ و غضب اور ان سے بیزاری کا ذکر ہے اور قاعدہ ہے کہ رحمت و زحمت کو یکجا نہیں لایا جاتا۔

دلیل احناف: احناف کہتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کسی سورۃ کا جزء نہیں۔ اسی لیے تاویلات نجمیہ میں لکھا کہ سورۃ براۃ یعنی توبہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لائی گئی اور سورۃ نمل کے درمیان میں آئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کا جزء اور ایک مستقل آیت ہے لیکن کسی سورۃ کا جزء نہیں ورنہ اگر کسی سورۃ کا جزء ہوتی تو اسے مکرراً نہ لایا جاتا البتہ سورۃ نمل کی بسم اللہ شریف اسی سورۃ کا جزء ہے۔

نکتہ: سورتوں کے اوائل میں اسی لیے لائی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ پچھلا مضمون پچھلی سورۃ کا تھا۔ اب کا مضمون جو شروع ہو رہا ہے یہ جدید سورۃ کا ہے نیز اس طرف اشارہ ہے کہ ہر سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تاج پہنا کر نازل کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر سورۃ کو اوّلاً بسم اللہ شریف سے شروع کیا جاتا ہے سوائے سورۃ توبہ کے کہ اس کے نزول کے ساتھ بسم اللہ شریف کا نزول نہیں ہوا اور سورۂ نمل کے اوّل میں بھی اور اوسط میں بھی بسم اللہ نازل ہوئی اسی لیے اس میں بسم اللہ شریف کو دوبارہ لکھا گیا ہے۔

شانِ نزول ترجمہ اسباب النزول میں فقیہہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر کے فرمایا کہ معتبر مشایخ نے روایت کو عنعنہ کے طور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا وہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ انفال کے خاتمہ کی آیات کا کاتب میں (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں (انفال و توبہ) کے درمیان بسم اللہ شریف مجھ سے نہیں لکھوائی۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی) اسی شانِ نزول سے تاویلات نجمیہ کی تقریر اور احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

شیخ ابن العربی قدس سرہٗ کی بہترین تقریر اور شاندار نکتہ سیدنا محی الدین ابن العربی الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ سورۂ توبہ کی بسم اللہ شریف سورۂ نمل کو عنایت ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو انعام بخشتا ہے اس سے چھیننا اس کی شان کے خلاف ہے اور یہ بھی اس کی شان کے خلاف ہے کہ شے کو وجود عطا کر کے اُسے معدوم فرما لے۔ جب سورۃ براءۃ (توبہ) کی رحمت عدم سے وجود میں آئی ادھر اس کے ساتھ اس میں کفار سے بیزاری کا حکم بھی نازل ہوا تو رحمت اختصاصیہ کفار کی بیزاری کے ساتھ نہ ٹھہر سکی اس پر رحمت لانے والا فرشتہ حیران تھا کہ اسے کہاں لے جاؤں اس لیے کہ ہر گروہ اپنی اپنی رحمت حاصل کر چکا تھا۔ یہ رحمت کفار سے مخصوص نہ تھی اور وہ اس کے اہل نہیں فرشتے کو اللہ تعالیٰ سے حکم ہوا کہ یہ رحمت ان جانوروں کو بخش دو جنہوں نے سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا اس لیے کہ یہ رحمت اسے نصیب ہوتی ہے جو اپنے رسول علیہ السلام پر ایمان لائے چونکہ جانور سلیمان علیہ السلام کی قدر و منزلت کو پہچان کر ان پر ایمان لاتے اسی لیے جو انسانوں (کافروں) کا حصۂ رحمت تھا وہ انہیں مل گیا یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی وہ رحمت مخصوص جو مشرکین کے لیے مختص تھی وہ جانوروں کو ملی۔ لیکن رحمت رحمانیہ عامہ ہے وہ کفر و ایمان کو نہیں دیکھتی اسی لیے رحمتِ رحمانیہ کے اظہار کے لیے بسم اللہ کی باء کے مقابلہ میں "براءۃ" کو باء سے شروع کیا گیا تاکہ رحمتِ رحمانیہ کی علامت کا ظہور اور ہر ایک کو معلوم ہو کہ عالم دنیا میں ہر ایک رحمتِ حق کا محتاج ہے اور ہر ایک کو رحمتِ حق عطا ہوتی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن، البتہ رحمت خاصہ صرف اہلِ ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: قرآن پڑھتے وقت اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے خواہ سورۃ کا آغاز ہو یا قرآن کی ابتداء یا درمیان میں۔

مسئلہ: جب شاگرد استاذ کے سامنے قرآن مجید کا کوئی سبق شروع کرے تو اَعُوْذُ بِاللہ نہ پڑھے۔

مسئلہ: سُورۂ فاتحہ کے اوّل میں بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح ہر سورۃ کے ابتداء میں سوائے سورۃ توبہ کے۔ امت کا اجماع ہے کہ سورۃ توبہ کے اوّل میں بسم اللہ شریف نہیں پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ: ہر سورۃ کی کسی آیت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنے میں اختیار ہے۔ بسم اللہ شریف پڑھی جائے تو ثواب ہے نہ پڑھی جائے

تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں سورۃ برأت کی کسی آیت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا نامناسب ہے اسی طرح اس کے اوّل میں بھی بسم اللہ شریف نہ پڑھی جائے۔ (کذا فی شرح الشاطبیہ للجعبری)

تفسیر عالمانہ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ یہ بیزاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو پہنچے گی۔ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ ان کی طرف جن کے ساتھ تم نے اے مسلمانو! معاہدہ کیا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ یعنی مشرکین سے۔ یہ مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے ایسے ہی اِلٰی بھی انتہاء غایت کے لیے ہے، ان ہر دو کا ایک متعلق ہے اور وہ وَاصِلٌ ہے۔ یہ "هذا كتاب من فلان الى فلان" کی طرح ہے یعنی ان دونوں مِنْ اور اِلٰی کا متعلق محذوف ایک ہے ایسے ہی بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ کو سمجھیے یہ مِن براءۃ کا صلہ نہیں جیسے براءت من فلان میں مِنْ صلہ کا ہے اس میں وُہ بات نہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بیزاری کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عصمت منقطع کر لی اور ان کے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ ختم کر لیا۔

فائدہ: براءت کے متعلق کا ذکر اس لیے نہیں کیا جیسے "ان اللہ بری من المشرکین" میں مذکور ہُوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کا ذکر دُوسری جگہ آ گیا ہے اور اس کے ذکر میں مِنْ کا تکرار لازم آتا ہے وہ بلیغ کلام میں ناموزوں ہے۔ اسی لیے اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا معاہدہ توڑنا ناموزوں ہے اور تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ ختم کر دیا۔

جواب: وہ معاہدہ چونکہ واجب نہیں مباح تھا اسی لیے اسے ختم کر دینے میں کسی قسم کا عیب نہیں جبکہ وہ مشروط بشرط تھا، اور قاعدہ ہے اذا فات الشرط فات المشروط۔

سوال: معاہدہ تو مسلمانوں سے تھا اور بیزاری اللہ تعالیٰ نے کی اس کی کیا وجہ؟

جواب: چونکہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں نے معاہدہ کیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اسی لیے بیزاری من جانب اللہ ہوئی اور معاہدہ کا مفہوم بھی مسلمان ادا کر سکتے تھے اور بیزاری ان کے بس میں نہیں تھی جیسے اوامر و نواہی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بحیثیت آمر و ناہی کے ہے اور بندوں سے بحیثیت ادائیگی یا ترک کے ہے اسی حیثیت سے بیزاری اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہُوئی اور معاہدہ اہلِ ایمان کی طرف۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے مسلمانو! وہ معاہدہ جو تم نے مشرکین سے کیا اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بیزار ہیں اس لیے کہ مشرکین سے اپنا معاہدہ خود توڑ لیا۔

فائدہ: وہ عقد جو قسم سے پختہ کیا جاتے اسے عہد سے تعبیر کرتے ہیں چونکہ مشرکین عرب یعنی اہلِ مکہ وغیرہ کے ساتھ اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاق سے معاہدہ کیا تھا لیکن مشرکین نے سوائے بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار ماہ تک انہیں مہلت دے کر پھر تم بھی اے مسلمانو! معاہدہ توڑ دینا۔ کما قال تعالیٰ فَسِيْحُوْا پس اے مسلمانو! مشرکین کو کہو کہ چل پھر لو فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ زمین پر چار ماہ تک یعنی اس عرصہ میں تم جنگ وجدال سے مطمئن ہو کر جہاں چاہو آ جاؤ تمہیں کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا نہ تمہیں قتل کیا جائے گا اور

نہ ہی تمہارے مال لوٹے جائیں گے اور نہ ہی کوئی اور تکلیف دی جائے گی۔

حلِ لغات: السیح والسیاحۃ۔ زمین پہ آرام و اطمینان کے ساتھ اپنی مرضی سے چلنا پھرنا جیسے پانی کو زمین پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی مرضی سے اس پر چلتا پھرتا ہے اسے کسی قسم کی کہیں سے رکاوٹ نہیں ہوتی۔ سیح اور سیاحۃ میں ایسی وسعت ہے جو سَیۡرٌ وغیرہ میں نہیں۔

سوال: جب سَیۡحٌ اور سِیَاحَۃٌ میں اتنی وسعت ہے تو پھر اسے "فی الارض" کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ صرف تعمیم کے لیے ہے تاکہ کفار و مشرکین کو یقین ہو کہ انہیں زمین پر چلنے پھرنے کی ہر طرح کی وسعت ہے انہیں زمین کے کسی خطہ میں جانے کی رکاوٹ نہیں اور نہ ہی انہیں کسی مقام پہ جانے سے خطرہ ہے۔

مسئلہ: اس میں انہیں زمین کی سیر واجب نہیں کی گئی بلکہ انہیں ایسی سیر مباح تھی اور ساتھ ہی انہیں بتایا گیا کہ تم آنے والی جنگ کی خوب تیاری کر لو تمہیں عام اجازت عنایت ہوئی ہے کہ تم آزادی سے اپنا زور پیدا کر لو۔ اس عرصہ میں تمہارے مال و اسباب کی حفاظت بھی کی جائے گی۔

فائدہ: ان چار مہینوں سے وہ مہینے مراد ہیں جن میں ان سے جنگ کرنا حرام تھا یعنی شوال، ذیقعد، ذوالحجہ، محرم۔ اس لیے کہ یہ سورۃ شوال ۹ھ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس لیے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان چار مہینوں میں کفار و مشرکین کو کچھ نہ کہیں، اگرچہ بعد کو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

نکتہ: مشرکین کو اس مدت میں اس لیے مہلت دی گئی تاکہ انہیں اس اثناء میں تدبر و تفکر کا موقع میسر آجائے اس کے بعد وہ سمجھیں کہ اس کے بعد انہیں اسلام قبول کرنا ہوگا یا تلوار سے ان کا سر اڑایا جائے گا۔ اور ساتھ ہی انہیں خطرہ محسوس ہوگا کہ اگر ہم اسلام قبول نہ کریں گے تو مارے جائیں گے۔ اس کی اور بھی وجہ تھی وہ یہ کہ اگر اچانک قتل کا حکم ہوتا تو کہتے کہ ہمارے ساتھ مسلمانوں نے دھوکہ کیا ہے اور ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ اس کے بھی خلاف کیا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان چار مہینوں سے ذوالحجہ کے بیس دن اور محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر کے پہلے دن مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سورۃ براۃ کے مطابق اعلان کا حکم دسویں ذوالحجہ کو ہوا۔

شیعہ کا رد مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ حج حضرت عتاب بن اسید کو مقرر فرمایا اسی سال موسمِ حج میں تمام اہلِ اسلام اور مشرکین کا اجتماع ہوا، پھر ۹ھ میں موسمِ حج کا امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف روانہ ہوتے تو ان کے پیچھے معاہدہ توڑنے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیج دیا اور انہیں ناقہ عضباء پہ سوار کر کے مکہ میں حجاج کے اجتماع میں سورۃ براءت کی آیات پڑھ سنانے کا حکم فرمایا۔ شیعہ کہتے ہیں چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) نااہل تھے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امارت منسوخ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شیعہ کا بہتان ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی امارت اپنے مقام پہ حق تھی الٹا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی

ماتحتی میں آیات برأت پہنچانے کا حکم ہوا اور اس میں حکمت تھی جسے خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا۔ آپ سے صحابہ کرام نے عرض کی؛

لَوْ بَعَثْتَ بِهَا اَبَابَكْرٍ۔ اگر آپ اس کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجتے۔

ان کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

لَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا رَجُلٌ مِّنِّيْ ، یہ کام ہمارا قریبی رشتہ دار سرانجام دے گا۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب اہلِ عرب کوئی معاہدہ ایک دوسرے سے توڑتے تھے تو ضروری ہوتا تھا کہ اس کا اعلان وُہ کرے جو قبیلہ کا سردار یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خصوصی اعلان کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ بعد کو کفار و مشرکین یہ نہ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان اصول کے خلاف تھا۔

مزید توضیح؛ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُونٹنی کی آواز سُن کر فرمایا یہ آواز تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارکہ کی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت علی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پُوچھا؛

اَمِيْرٌ اَمْ مَاْمُوْرٌ ۔ آپ ہمارے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور ہو کر تشریف لائے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کی ماتحتی میں کفار و مشرکین کو ایک خاص پیغام پہنچانے آیا ہُوں۔

اس گفت گو کے بعد دونوں حضرات اکٹھے اپنے مرکز کی طرف چلے گئے جب ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خصوصی ہدایات دیں۔ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کے قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اعلان فرمایا؛

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ اے لوگو! میں تمہارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہُوں۔

لوگوں نے پُوچھا، وہ کیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورہ توبہ سے اوّل کی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سُنائیں۔ اس کے بعد فرمایا؛

اُمِرْتُ بِاَرْبَعٍ اَنْ لَّا يَقْرُبَ الْبَيْتَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَلَا يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا كُلُّ نَفْسٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاَنْ يُّتَمَّ اِلٰى كُلِّ ذِيْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ۔

میں تمہیں چار حکم سُناتا ہوں۔ آج کے بعد مشرک بیت اللہ کے قریب نہ جائے اور نہ ہی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا جائے اور بہشت میں اہلِ ایمان داخل ہوگا اور ہر اہلِ معاہدہ کو معاہدہ سپرد کیا جائے۔

فائدہ؛ حدادی نے فرمایا کہ جس سال (۹ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۂ براءت کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ اس سال

حج ۱۰ ذیقعد کو پڑھا گیا۔ پھر ۱۰ ذوالحجہ کو پڑھا جانے لگا اور معاہدہ کے سال تقدیم اس لیے تھی کہ بنو کنانہ تاخیر کو بُرا سمجھتے تھے چونکہ اعلان میں تمام قوموں کو شامل کرنا مطلوب تھا اسی سال پہلے پڑھا گیا۔

فائدہ: اس تقریر پر چار ماہ ذیقعد کے پہلے دس دن چھوڑ کر ربیع الاول کے پہلے دس دن ملانے تک ہوں گے اور انہی ایام میں کفار و مشرکین کو مہلت دی گئی۔ اسی قول کے بھی بعض مفسرین قائل ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اور یقین کرو کہ بے شک تم زمین پر چلنے پھرنے اور اس کے جملہ اسباب اپنے قبضہ میں لینے کے باوجود غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اگرچہ مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ۔

فائدہ: ربیع الابرار میں معجزی اللہ بمعنے سابقی اللہ ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

قاعدہ: قرآن مجید میں ہر جگہ مُعْجِزُ اللّٰهِ بمعنی سَابِقِ اللّٰهِ ہے۔ بنو کنانہ کی لغت کے مطابق یہی معنیٰ موزوں ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ اور یقین کرو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مُخْزِی الْكٰفِرِيْنَ۝ کافروں کو ذلیل کرے گا یعنی دنیا میں قتل اور قید سے اور آخرت میں سخت سزا دے کر۔ اور ظاہر ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو دنیا یا آخرت میں جتنی ذلت و خواری نصیب ہو گی یہی ان کے لیے رسوائی اور عار تھی جسے قرآن مجید نے اِخْزَاءٌ سے تعبیر کیا ہے۔

صوفیانہ فائدہ: امام قشیری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو ایک مخصوص مدت تک اس لیے مہلت دی تاکہ وہ گمراہی سے بچ کر اپنے نیک انجام کے لیے جدوجہد کریں اس سے انہیں وصال حق سے وافر حصہ نصیب ہو لیکن ان بدبختوں نے جرائم و معاصی سے کنارہ کشی نہ کی اسی لیے وہ عذابِ الٰہی سے نہ بچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کو اسی مضمون پہ ختم کیا کہ اے کافرو! اگر تم گناہوں پر اصرار کر رہے ہو تو یقین کر لو کہ تمہارا انجام برباد ہو گا تمہیں مہلت دی گئی تاکہ تم سمجھ جاؤ لیکن تم نے الٹا سرکشی کی اسی لیے دُنیا میں تمہارا قتل عام کر دیا گیا اور تمہیں ذلت و خواری کا نشان بنایا گیا اور تمہارے لیے یہ سودا بہت بڑے گھاٹے میں رہا۔ ؎

تَبَدَّلْتُ وَتَبَدَّلْنَا وَاَخْسَرْنَا
مَنِ ابْتَغٰی عِوَضًا بِسَعْیٍ فَلَمْ یَجِدْ

ترجمہ: تم نے تبدیل کیا اور ہم نے بھی تبدیل کیا اور ہم نے گھاٹا دیا ہر اس کو جو اپنی جدوجہد کا عوض طلب کرتا ہے لیکن وہ محروم رہا۔

مسئلہ: آیت میں حرب و کفران کے باوجود بھی ان کو صلح و ایمان کی دعوت کا اشارہ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص کفر یا گناہوں پر اصرار کرے تو سمجھو وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی مول لے رہا ہے پھر وہ جتنا توبہ میں تاخیر کرے گا اسی قدر اسے ندامت و ذلت زیادہ ہو گی۔ گویا وہ توبہ و استغفار نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کا اعلان کر رہا ہے اسے سوائے قہر و غضب الٰہی کے اور کیا نصیب ہو گا۔

ابدال بننے کا نسخہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کسی کو ابدال بننے کا شوق ہو تو اسے چاہیے کہ بچوں کی بعض عادات کو اپنائے اس لیے کہ بچوں میں پانچ عادات ایسی ہیں کہ اگر انہیں بڑے اپنائیں تو وہ ابدال بن جائیں ۔ وہ پانچ عادات یہ ہیں:

① بچوں کو روزی کی فکر نہیں ہوتی۔

جناب صائب نے کہا: ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست
زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مرا

ترجمہ: پنجرے میں آب و دانہ کی فکر بے سود ہے۔ آسمان کے نیچے مجھے روزی کی کوئی فکر نہیں۔

② جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو شکایت نہیں کرتے۔ ؎

حافظ از جور تو حاشا که بنالد روزے
که ازاں روز که در بند توام دلشادم

ترجمہ: حافظ تمہارے ظلم سے فریاد کرے توبہ توبہ اس دن سے کہ میں تیری قید میں ہوں تو خوش ہوں۔

③ طعام اکٹھے کھاتے ہیں: ؎

اگر خواہی کہ یابی ملک و دولت
بخور شاہد بدرویشاں نعمت

ترجمہ: اگر تم چاہو کہ ملک و دولت حاصل ہو تو اے میرے محبوب درویشوں کے ساتھ کھانا کھاؤ۔

④ جب جھگڑتے ہیں تو جلد صلح کر لیتے ہیں۔

سلطان سلیم اوّل نے کہا: ؎

خواہی کہ کنج عشق کنی لوحِ سینہ را
از دل بشوے آئینہ شان کردکینہ را

ترجمہ اگر تو سینہ کو گنجینۂ عشق بنانا چاہتا ہے تو دل سے اولیاء کرام کا بغض دھو ڈال

⑤ جب ڈرتے ہیں تو آنسو بہاتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

سوز و مہر و گریہ ابر جہاں — چون ہمی دارد جہان را خوش دہان
آفتاب عقل را در سوز دار — چشم را چون ابر اشک افروز دار
چشم گریان بایدت چوں طفل خورد — کم خوران نانرا کہ نان آب تو برد

ترجمہ: سوز و مہر و گریہ ابر جہان، جہان کو خوش رکھتا ہے۔ عقل کو سوز میں اور آنکھ کو اشک بہانے میں مصروف رکھ چھوٹے بچے کی طرح چشم گریاں چاہیے تاکہ عزت بحال رہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ مشرکہ وہ ہیں جنہوں نے خواہشاتِ نفسانیہ کو معبود بنا رکھا ہے اور دنیا کے صنم کی پرستش کی، زمانۂ طفولیت سے رُوح اور قلب نے اس کی تربیت کی اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ سنِ بلوغ تک نہ اس سے لڑیں گے اور نہ ہی اس کے خلاف کریں گے نفس نے بھی ان سے معاہدہ کیا کہ جسم کی تکمیل قالب اور قوائے بشریہ (کہ جن سے بارِ امانت اور ارکانِ شریعت کا بوجھ اٹھایا جاتا ہے) کے مستوی ہونے اور کمال عقل (کہ جس سے قبول دعوت اور دعوتِ اسلام کی اجابت کی جاتی ہے اور رسل کرام اور ان کے معجزات پہچانے جاتے ہیں اور صانع کا وجود ثابت کیا جاتا ہے اور اسی سے یقین کیا جاتا ہے کہ عبادت الٰہی واجب ہے تاکہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا ہو سکے) کے ظہور تک قلب و روح کے درپے نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بعد بلوغ ان کے معاہدہ سے بیزار ہے اس لیے کہ نفوس کا قلوب و ارواح کے ساتھ عہد شکنی کا دور یہی ہے کیونکہ قبل بلوغ نفس ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں تصرف کا حق رکھتا تھا تو قالب کی تربیت اور دفع ضرورت کے لیے تھا اور وہ اس وقت قلوب و ارواح کے لیے چنداں ضرر رساں نہیں تھا چونکہ بعد بلوغ ماکولات و مشروبات و ملبوسات کی ضروریات بڑھ گئیں اور وہ بھی محض شہوت و خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر اسی لیے اب تربیت کو اور تیز کرنا پڑا۔ جب شہوت بڑھی تو ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات کی آفات سے رُوح و قلب کو مقابلہ کرنا پڑا جوں جوں جوانی چڑھتی گئی مذکورہ بالا اشیاء کی شہوات کا بھوت سوار ہوتا گیا۔ اس سے قلب اور رُوح کا مرض بڑھتا گیا ان کے علاج کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ حضرات ارواح و قلوب کی امراض کا علاج کر کے انہیں عالمِ بالا کے لائق بنائیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دفعِ عادات و ترک شہوات کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: فَسِيحُوا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ میں اشارہ ہے کہ نفوس ارض بشریہ میں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں تاکہ اوصافِ اربعہ یعنی نباتیہ، حیوانیہ، شیطانیہ، انسانیہ کی تکمیل ہو اس لیے کہ روح علوی روحانی مفرد اور قالب سفلی مرکب از اربع عناصر کے اجتماع سے اوصاف مذکورہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً صفت نباتیہ پانی سے اور حیوانیہ ریح سے اور شیطانیہ آگ سے اور انسانیہ مٹی سے پیدا ہوتی ہے ان اوصاف کی تکمیل کے لیے نفوس کو دنیا کی چراگاہوں میں ڈالا گیا اور اس کی نعمتوں سے اسے مالا مال کیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے سعادت مند نفوس! تمہیں یقین کرنا چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، یعنی اللہ تعالیٰ تم سے دنیوی مال و متاع چھین نہیں لے گا اور نہ ہی اخروی انعامات سے تمہیں محروم رکھے گا۔ ہاں اہلِ شقاوت کو غفلات و شہوات کے جنگلوں میں ذلیل و خوار کرے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ اذان بمعنی ایذان جیسے عطاء بمعنی اعطاء آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلام (جتلانا) پہنچانے والا ہے اِلَى النَّاسِ تم لوگوں تک یعنی تمام اہل ایمان

اور اہل کفر تک انہوں نے وعدہ توڑ دیا ہے یا نہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان (اعلام) عام ہے اور برأت و بیزاری خاص ہے جو صرف عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے۔ اس جملہ کا عطف براءۃ من اللہ الخ پر ہے۔ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ پہ منصوب ہے اور اس کا تعلق اسی سے ہے جس سے الی الناس متعلق ہے۔ اس یوم حج اکبر کے متعلق دو قول ہیں؛

① اس سے عید کا دن مراد ہے اس لیے کہ اسی دن ارکان حج تکمیل پذیر ہوتے ہیں مثلاً طواف زیارت وغیرہ بلکہ حج کے بہت بڑے امور اسی دن میں انجام پاتے ہیں جیسے قربانی اور رمی وغیرہ، اور برأۃ کا اعلان بھی اسی دن ہوا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ دسویں ذوالحج کے دن حجۃ الوداع میں جمرات کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا ھذا یوم الحج الاکبر یہی حج اکبر کا دن ہے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ دسویں ذوالحج کے دن اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر جنابہ کے قریب جا رہے تھے تو ایک مرد نے آکر آپ کے خچر کی لگام پکڑ کر حج اکبر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا؛ حج اکبر کا دن یہی ہے۔ یہ سن کر اُس شخص نے خچر کی لگام چھوڑ دی۔

② اسی سے نویں ذوالحجہ کا دن مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا؛ الحج عرفۃ۔ حج عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے جملہ امور کو عرفہ کے دن سے موقوف فرمایا ہے اور حج کے بہت بڑے امور اسی دن میں ادا کیے جاتے ہیں۔ مثلاً جس شخص نے عرفہ کا دن پا لیا تو اس کا حج ادا ہو گیا۔ جس سے یہ دن فوت ہو گیا تو اس کا حج ضایع ہو گیا۔

نکتہ؛ حج کو اکبر سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ حج عمرہ کے ساتھ حج اکبر اور عمرہ کے بغیر ہو تو وہ حج اصغر کہلاتا ہے۔

نکتہ؛ چونکہ اسی دن حج کے امور مسلمانوں اور مشرکوں نے متفق ہو کر ادا کیے اور ایسا اجتماع نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ اس دن کے اجتماع کی عظمت تمام اہل ادیان و جملہ اہل ملل پر اثر انداز ہوئی۔

مسئلہ؛ حدیث شریف میں ہے کہ جو حج جمعہ کے دن ادا کیا جاتے وہی حج اکبر ہے۔ اس حج کا ستر حجوں کے برابر ثواب ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یہ دراصل بان اللہ تھا اس لیے کہ اذان کو باء کا صلہ ضروری ہے لیکن اسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے۔
بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکین کے اسی معاہدہ سے دست بردار ہے جو انہوں نے توڑا یہاں پر مشرکین سے وہی مشرک مراد ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی وَرَسُوْلُہٗ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ مرفوع ہے اور اس کا بری کی ضمیر مستتر پر عطف ہے یا منصوب ہے۔ اور اس کی واؤ بمعنے مع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرکین سے بیزار ہیں۔ یا مجرور ہے اور واؤ قسمیہ ہے۔

سوال: بری کا تکرار کیوں؟

جواب؛ برأت اولیٰ ثبوت برأت کے اظہار کے لیے اور دوسری وجوب اعلام کے اخبار کے لیے ہے جب ان ہر دو سے مقصود علیحدہ علیحدہ ہے تو تکرار نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری برأۃ میں الناس مطلقاً مومن مراد ہوں یا کافر، پہلی میں صرف

معاہدہ کرنے والوں کا ذکر ہے۔

فَاِنْ تُبْتُمْ پس اگر تم کفر اور دھوکہ دہی سے توبہ کرو فَهُوَ تو وہی توبہ خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لیے دارین کی بہتری ہے ورنہ اگر کفر اور دھوکہ دہی پر قایم رہو گے تو دارین میں نقصان پاؤ گے۔ چنانچہ فرمایا: وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ اور اگر تم توبہ سے روگردانی کرو فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ تو یقین کرلو کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے اور نہ ہی اس کی گرفت سے مہلت پا سکو گے یعنی اگر وہ تمہاری گرفت کرنا چاہے تو تمہیں بچنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا اور نہ ہی تم اس سے کہیں بھاگ سکو گے یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں بایں معنیٰ کہ اس سے بھاگ جاؤ یا اس سے لڑائی کرسکو۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ اور کافروں کو آخرت کے عذاب کی خوشخبری دو یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور انذار کے بجائے تبشیر لانے سے تہکم مقصود ہے۔

حدیث شریف: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو براءت کے اعلان کا حکم ہوا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا لوگوں نے پوچھا کہ اس اعلان کے الفاظ کیا تھے؛ انہوں نے فرمایا کہ اس اعلان کے الفاظ یہ تھے کہ بہشت میں صرف مومن داخل ہوں گے اور مشرکین و کفار آئندہ سال نہ حج کرنے آئیں اور نہ ہی کعبہ معظمہ کے گرد ننگے ہو کر طواف کریں اور جس کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہو ہم اسے چار ماہ تک مہلت دیتے ہیں۔ جب کمل چار ماہ گزر جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے معاہدہ سے دست بردار ہوں گے اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ یہ استدراک یعنی نبذ سابق ذکر جس کے لیے چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے) سے استثنا منقطع ہے گویا یوں حکم ہوا کہ اے مسلمانو! عہد شکنوں کو چار ماہ سے زاید ہرگز مہلت نہ دو ہاں جن کافروں اور مشرکوں نے تمہارے ساتھ عہد شکنی نہیں کی ان کے ساتھ عہد شکنوں کی طرح قتل و غارت وغیرہ میں عجلت نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ معاہدہ کے ایام مکمل کرو۔ ثُمَّ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین طویل المدت گزارنے کے باوجود اپنے معاہدہ پر ثابت قدم رہے لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا انہوں نے تمہارے ساتھ جتنی شرائط مقرر کیں اُن سے کسی ایک میں بھی کمی نہیں کی اور نہ ہی عہد توڑا یا يَنْقُصُ متعدی بدو مفعول ہے اس کا مفعول اول كُمْ اور مفعول ثانی شَيْئًا ہے یا وہ متعدی بدو مفعول ہے۔ اس تقریر پر كُمْ اس کا مفعول ہوگا اور شَيْئًا منصوب علی المصدریۃ ہے بمعنے شيئًا من النقصان۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ انہوں نے تمہارے معاہدوں میں کسی قسم کی کمی نہ کی یعنی تمہارے عہد و پیمان کو انہوں نے توڑا نہیں۔

وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا تمہارے نقصان پہنچانے کے لیے تمہارے دشمنوں کی مدد نہ کی جیسے بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا تو قریش نے بنو بکر کی ہتھیاروں کی مدد کی اور خزاعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ تو تم ان کے معاہدوں کو مکمل کرو۔

سوال: اَتِمُّوْٓا متعدی بنفسہ ہے اسے الیٰ سے متعدی کیوں کیا گیا؟

جواب: چونکہ اَتِمُّوْٓا بمعنی اَدُّوْا ہے اسی لیے اسے اِلیٰ سے متعدی کیا گیا ہے یعنی تم اپنے معاہدے مکمل طور ادا کرو اِلٰى مُدَّتِهِمْ

ان کی مدت مقررہ تک یعنی جب عہد شکنوں کی چار ماہ کی مدت ختم ہو تو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے ان پر اچانک حملہ نہ کر دو اور نہ ہی ان کے ساتھ عہد شکنوں جیسا معاملہ کرو۔

باوفا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ سے حدیبیہ والے سال بیت اللہ شریف کے ساتھ معاہدہ فرمایا تھا اسی اعلان کے بعد ان کے ساتھ ابھی نو ماہ باقی تھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ مکمل طور نبھایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اس میں معاہدہ پر پابندی کی علت بتائی گئی ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ معاہدہ کی پابندی بھی تقویٰ میں داخل ہے اور اشارہ ہے کہ وفادار اور بے وفا کو برابر سمجھنا تقویٰ کے خلاف ہے جس سے معاہدہ ہو جائے اگرچہ وہ کافر ہو تب بھی اس کے ایفائے عہد میں کمی نہ کی جائے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزی
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا و عہد اچھا عمل ہے۔ اگر تم سیکھ لو تو تمہارے لیے بہتر ہے ورنہ ہر طرح ظلم دیکھو گے۔

متقی کی نشانیاں حضرت شیخ نصر آبادی نے فرمایا کہ متقی کی چار علامتیں ہیں:

۱۔ حفظ الحدود (حدود شرعیہ کی پابندی)

۲۔ بذل المجہود (حتی الامکان اللہ تعالیٰ کے راہ پہ مال لٹانا)

۳۔ الوفاء بالعہود (ایفائے عہد یعنی وعدوں کو پورا کرنا)

۴۔ القناعۃ بالموجود (جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرنا)

کسی شاعر نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے: ؎

متقی را بود چہار نشان   حفظ احکام شرع اول آن
ثانیاً آنچہ دسترس باشد   بر فقیراں و بے کساں پاشد
عہد را باوفا کند پیوند   ہر چہ باشد بداں شود خرسند

ترجمہ: متقی کی چار نشانیاں ہیں، پہلا احکام شرعیہ کی پابندی، دوسرا جتنا ہو سکے فقیروں اور بیکسوں پر مال خرچ کرنا، تیسرا ایفائے عہد، چوتھا جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرنا۔

صوفی کا حج اور طواف صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب سالک کو کعبۂ وصال تک رسائی نصیب ہو وہی اس کا حج اکبر ہے۔ اور اس کا حج اصغر یہ ہے کہ اسے کعبۂ قلب تک پہنچنا اور کعبۂ وصال کی زیارت نصیب ہو جائے۔

یاد رہے کہ اس کعبہ کا طواف صفات ناسوتیہ کے مشرکین پر حرام ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور ان کا ہر وقت ماسوی اللہ کی طرف میلان رہتا ہے۔ اسی لیے حکمِ ربانی ہے ناسوتیہ صفات والے کعبۂ لاہوتیہ کے گرد طواف نہ کریں جب تک کہ انہیں فنائے کلی حاصل نہ ہو اور قاعدہ ہے فنائے کلی جذباتِ الٰہیہ سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف و کرم جب کسی بندہ کے شاملِ حال ہوتا ہے تو اسے "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی" کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، زندگی میں یا مرتے وقت جیسے اس کا مقدر ہوگا ویسے ہی ہوگا اس لیے کہ ہر ایک شے کا حکم اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہوا ہے مثلاً سحرۂ فرعون کو جب یہ موقعہ نصیب ہوا تو کہہ اٹھے۔ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ۔ ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

سحرۂ فرعون بہشت میں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شبِ معراج مجھے بہشت میں لیجایا گیا تو میں نے رضوان بہشت کو دیکھا کہ اس نے میری زیارت سے مسرت کا اظہار کیا اور مرحبا (خوش آمدید) کہہ کر مجھے بہشت میں لے گیا اور اس نے مجھے بہشت کے عجائبات دکھائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کے لیے جو کچھ تیار فرمایا ان تمام کو میں نے ملاحظہ فرمایا اس میں میں نے اپنے یاروں کے درجات بھی دیکھے اس میں عجیب و غریب نہریں اور چشمے تھے۔ بہشت سے بہترین نغمہ سُنائی دیا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جو پڑھ رہے ہیں اٰمنّا بِرَبِّ العٰلمین۔ رضوان نے عرض کی، یہ سحرۂ فرعون ہیں۔ اس کے بعد ایسا اور آواز سُننے میں آئی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے لبیک اللّٰھم۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؛ رضوان نے عرض کی، یہ حجاج کی ازواج ہیں۔ پھر تکبیر کی آواز سُنی گئی میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؛ رضوان نے عرض کی، یہ غازیوں کی آواز ہے۔ پھر تسبیح سُنی گئی میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؛ رضوان نے عرض کی، یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر میں نے نیک بخت لوگوں کے محلات دیکھے اس کے بعد میں سدرۃ المنتہیٰ پہ پہنچا۔ اور اسے منتہیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ مخلوق کے علوم کا انتہاء یہاں تک ہے۔ یہاں جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ میں نے انھیں کہا، آپ مجھے اکیلا چھوڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا، اے اللہ کے محبوب! اس کے آگے وہ علاقہ ہے جہاں نہ آپ سے پہلے کوئی گیا ہے نہ آپ کے بعد کوئی جا سکے گا۔ اس کے بعد مجھے میرے رب تعالیٰ نے ندا دی: "ادن منی یا حبیب"۔ اسی آواز کے میں قریب ہوتا چلا گیا اور اتنا دُور پہنچا کہ یہ آواز میں نے ہزار بار سُنی یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص میں واصل ہوا "کما قال اللہ تعالیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" میں جب بھی ادن منی سُنتا اس وقت میری ایک حاجت پُوری ہو جاتی گویا قربِ خاص تک پہنچنے تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزار حاجات پُوری ہوئیں اس کے بعد میری زبان پر ایک قطرۂ رحمت ڈالا گیا جو شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا اس کی برکت یہ ہوئی کہ،

فعلمت علم الاولین و الاٰخرین ۔ میں نے اوّلین و آخرین کے علوم جان لیے۔

اس کے بعد میرے رب تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اسلام آپ کی امت کے دلوں میں اس قطرۂ رحمت سے بھی لذیذ تر بنایا ہے یہاں تک آپ کی امت کے لوگ اسلام کو اپنی جان سے بھی محبوب تر سمجھیں گے اور

ان کے لیے کفر کڑوا بنایا ہے یہاں تک کہ انہیں کفر دنیا کی تمام چیزوں سے کڑوا محسوس ہوگا۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مضمون میں امت سے امت دعوت مراد ہے یہی وجہ ہے کہ امت مصطفویہ کو اسلام اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا اور کفر تمام چیزوں سے کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ایمان کی محبت جذبۂ الٰہیہ اور عنایت ازلیہ سے ہے اسی کی برکت سے مومن پہلے کفر سے پھر معاصی و جرائم سے پھر جہل سے پھر ما سوی اللہ سے بچتا ہے یہاں تک کہ اسے ما سوی اللہ کا خیال دل سے اتر جاتا ہے۔

مبارک باد اے ایمان والو! شکر کرو کہ تمہیں دولتِ ایمان نصیب ہوئی اور اے عرفان والو! تمہیں مبارک ہو کہ تمہیں معرفت کی وجہ سے ہدایتِ خاصہ عطا ہوئی اب اٹھو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو کہ اس کریم نے اپنے فضل و کرم سے ایمان و عرفان جیسی گرانقدر نعمت سے تمہیں نوازا اور ساتھ ہی خوشخبری سنائی کہ ان اللہ یحب المتقین۔ یہ اس کی کریمی ہے کہ محبوب ہو کر کبھی محب ہونے کا اعلان کرتا ہے اور کبھی محبوب ہونے کا۔ یاد رہے کہ مقامِ محبوبیت اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس سے اور کوئی اعلیٰ مقام ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حبیب اللہ نہ کہا جاتا۔

سبق: عقلمند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی زندگی اسی مشغلہ میں صرف ہوتی ہے۔ اور جوانمرد وہ ہے جو اس راہ میں اسے جتنی مشکلات اور موانع درپیش ہوتے ہیں وہ اپنی لگن میں لگا رہتا ہے سر مو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے پیچھے نہیں ہٹتا اور ہے بھی اسی میں کامیابی کہ جو منزل مقصود کے لیے آگے بڑھتا ہے وہ سعادت مند ہے اور جو بزدل ہو کر پیچھے ہٹتا ہے وہ بدبخت ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اپنا پسندیدہ راستہ عطا فرمائے اور ہماری غلطیوں سے درگزر فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

فَاِذَا انْسَلَخَ پس جبکہ ختم ہو جائیں۔ انسلاخ جانور کی کھال اتارنے کو کہا جاتا ہے استعارۃً بمعنے انقضاء ہے۔ الاشہر الحرام جنگ سے حرام کردہ مہینے یعنی وہ مدت ایسے گزر جائے یعنے مکمل ہو جائے جیسے بکری وغیرہ سے کھال اتار لی جاتی ہے، جیسے کھال کا پردہ اٹھنے پر گوشت وغیرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، ایسے ہی جب یہ ماہ ختم ہو جائیں گے تو کفار و مشرکین سے کھل کر جنگ و جدال کا موقعہ میسر آجائے گا۔

قاعدہ: علمِ ہیئت کا قاعدہ ہے کہ زمان زمانیات کو ایسے محیط ہے جیسے جانور کے جسم کو کھال احاطہ کیے ہوئے ہے اسی طرح اس کا ہر جزا اپنے مشتملہ پر مثلاً یوم اپنے مقررہ لمحات کو اور مہینہ اپنے ایام کو اور سال اپنے مہینوں کو وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب مقررشدہ لمحات ختم ہوں گے تو گویا اس معین زمانہ کی کھال اتر گئی۔

فائدہ: حُرُم حرام کی جمع ہے بمعنے حرام کردہ شدہ چونکہ ان مہینوں میں کفار سے جنگ و جدال وغیرہ حرام تھی اسی لیے انہیں حرام کیا گیا۔ وہ چار ماہ شوال، ذیقعد، ذوالحجہ، محرم ہے۔ کفارِ مکہ کو کھلی چھٹی دی گئی تھی کہ وہ زمین پر جہاں چاہیں جائیں صرف

سال میں چار ماہ جنگ نہ کریں پہلے زمانہ میں ان کے لیے رجب، ذیلقعد، ذوالحجہ، محرم میں جنگ نہ کرنے کا حکم تھا اور وہ اس کے پابند تھے۔ لیکن اس موقعہ مذکورہ بالا چار ماہ مقرر ہوتے جو ان کے لیے من وجہ مفید تھے کہ مسلسل انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا، اور دُوسری صورت میں ان کے لیے مہینوں میں خلاء پیدا ہوجاتا کہ کہاں رجب اور کہاں ذیلقعد، ذوالحجہ، محرم۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ پس ان مشرکین سے ہمیشہ ابداً لآباد جنگ جاری رکھو جو معاہدہ کو توڑ چکے ہیں۔

قاعدہ: یہ آیتِ قرآن مجید ان تمام آیات کی ناسخ ہے جن میں کفار سے جنگ نہ کرنے یا اُن سے نرمی کرنے یا ان کی ایذاء پر صبر کا حکم ہے۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ جہاں انہیں پاؤ حرم شریف میں یا اس سے باہر وَخُذُوْهُمْ اور انہیں پکڑو یعنی انھیں قیدی بناؤ۔ اخذ بمعنی قید کرنا آتا ہے اسی لیے اخیذ کو اسیر کہا جاتا ہے۔ وَاحْصُرُوْهُمْ اور انھیں بند رکھو حصر بمعنی منع۔ یہاں حصر بمعنے قید کرنا ہے یا کفار کو شہروں سے چلنے پھرنے اور انہیں کاروبار سے یا انہیں مسجد حرام سے روکنا مراد ہے وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ اور ان کی گزرگاہوں پر بیٹھ جاؤ یعنے سفروں کے لیے جن راستوں سے گزرتے ہیں تم ان کی ناکہ بندی کر دو تاکہ وہاں سے گزریں تو ان کی گردن اڑا دو۔ "کل مرصد" اقعدوا کے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ان کی گزرگاہوں پر پہرہ بٹھادو، یعنی جہاں سے وہ گزریں انہیں فوراً قتل کر دو۔

فائدہ: اس سے کفار کو تنگ کرنا اور انہیں ذلیل وخوار کرنا مطلوب ہے اس سے واقعدوا کا اصلی معنی مراد نہیں۔

فائدہ: کاشفی نے کہا کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو انہیں ان کے گھروں میں بند کر دو تاکہ وہ یہاں سے نکل کر دوسرے شہروں کو نہ چلے جائیں۔

فَاِنْ تَابُوْا پس اگر وہ قتل وغارت اور قید وبندکی صعوبتوں سے خطرہ کھا کر شرک سے تائب ہو کر ایمان لائیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اپنی توبہ کو پختہ کرنے کے لیے سچے دل سے نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

سوال: صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا ذکر کیوں حالانکہ ایمان پر دلالت کرنے کے لیے اور عبادات بھی ہیں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ دونوں عبادات رئیس العبادات البدنیہ والمالیۃ کہلاتی ہیں ان کے ذکر سے ضمناً دوسری عبادات بھی مذکور ہو گئیں۔

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط تو ان کے راستے چھوڑ دو یعنی اس کے بعد انہیں اپنے حال پہ چھوڑ دو۔ ان کے امور مذکورہ بالا کے درپے نہ ہو۔

مسئلہ: قاضی نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تارکِ صلوٰۃ وزکوٰۃ کا وہی حشر کیا جائے جو مذکورہ بالا مشرکین سے کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تین دن تک نماز نہ پڑھے وہ قتل کا مستحق ہے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں جس کافر کو اسلام کے لیے مجبور کیا جائے اور وہ مجبوراً کلمۂ اسلام پڑھ لے اسے مسلمان سمجھا جائے گا

اگر اس کے بعد وہ کفر کا اظہار کرے تب بھی اسے قتل نہ کیا جائے، ہاں اسے اسلام پہ مجبور کیا جا سکتا ہے۔ (کذا فی ہدیۃ المهدیین للمولی اخی چلپی)

مسئلہ: کافر اسلام کا تو اقرار نہیں کرتا لیکن مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا ہے تو اسے بھی قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگرچہ اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت نہیں پڑھتا بلکہ اکیلا پڑھتا ہے تو اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔ اگرچہ ایسا کافر روزہ رکھتا اور حج ادا کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے تو بمطابق ظاہر الروایۃ اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایسا شخص اگر حج اسی طریقہ سے ادا کرتا ہے جیسے ہمارے مسلمان حج پڑھتے اور تلبیہ و دیگر مناسک ادا کرتے ہیں تو اسے مسلمان کہا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یہ کافروں کے راستہ چھوڑنے کی علت ہے یعنی ان کا راستہ اس لیے چھوڑنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کا کفر اور ان کے سابقہ معاصی و جرائم بخش دیے ہیں، اس لیے کہ ایمان سابقہ غلطیاں معاف کر دیتا ہے جیسے حج سے سابقہ معاصی و جرائم بخشے جاتے ہیں۔ پھر ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی نیکیوں اور طاعت پر اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے۔

جہاد کی اقسام

آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا ہے اور جہاد کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جہاد الاولیاء (قلب کو اچھے اخلاق سے سنوارنا)

۲۔ جہاد الزہاد (نفس کا تزکیہ از اوصافِ رذیلہ)

۳۔ جہاد العلماء (اظہارِ حق بالخصوص ظالم بادشاہ اور ظالم حاکم کے سامنے)

۴۔ جہاد الغزاۃ (رُوح کو اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کرنا) ؎

بہر روز مرگ این دم مردہ باش   تا شوی با عشق سرمد خواجہ تاش

ترجمہ: ہر دن اسی دم کی موت کا مردہ ہو۔ تاکہ تو عشق دائمی کا غلام ہو۔

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر   بہ کہ شان زندگان جائے دگر

ترجمہ: اے محبوب ذبح کیا ہُوا اور مُردہ ہونا تیرے آگے بہتر ہے، دوسروں کے سامنے زندہ ہونے سے۔

فائدہ: قتل نفس دو قسم ہے: (۱) کافروں کو تلوار سے قتل کیا جاتا ہے لیکن بے فرمان نفوس کا قتل یہ ہے کہ اسے خواہش سے روکا جائے اور انہیں ان کی طبیعت کے خلاف پر مجبور کیا جائے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نفس کی خواہشات کے خلاف عمل کرنا بہترین جہاد ہے۔

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اپنی خواہش اور اپنی عورت کے مشورے کے خلاف عمل کرنا، پھر دنیا میں جس طرح زندگی بسر کرنا چاہو، گزارو۔

ف: حیث وجدتموھم میں نفس کو طاعت الٰہی میں قتل کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نفس کے قتل کرنے کا یہی معنیٰ ہے کہ نفس کو طاعت میں لگا دیا جائے اور حطام سے مراد یہ ہے کہ اسے اس کی راہوں سے ہٹانا۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے؛ ؎

و راعھا وھی فی الاعمال سائمۃ

وان ھی استحلت المرعی فلا تسم

ترجمہ: نفس کو بچائیے یہ اعمال کا خوگر ہے اسے جونہی آزاد چھوڑو گے نقصان کرے گا۔

یعنی نفس کو اعمال میں مشغول رکھیے ورنہ ریا و عجب و غفلت و گمراہی میں لگ کر اپنے کمال کا نقصان کرے گا، یعنی اگرچہ یہ بعض نیکیوں کی عادت کرے اور ان سے اسے پیار ہو جائے تب بھی اس سے خطرے میں رہو بلکہ جہاں تک ہو سکے اس سے سخت ترین اعمال کی مشقت کرائے اس لیے کہ عبادت نفس کی عادت کے خلاف کرنے کا نام ہے اگر توبہ کریں اور راجع الی اللہ ہوں یعنی جب نفوس طلب حق میں خواہشات نفسانیہ سے باز آجائیں اور نماز قایم کریں یعنی عبودیت اور توجہ الی الحق پر مداومت کریں اور زکوٰۃ اداکریں یعنی نفوس سے اوصاف ذمیمہ دور کریں۔ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ تو ان کے راستے چھوڑ دو۔ یعنی ریاضات و مجاہدات کے شدائد و تکالیف سے ان کا راستہ چھوڑ دو تاکہ وہ حقیقت کے پہنچنے کے بعد شریعت پر عمل کریں اس لیے کہ بندے کا منتہی یہ ہے کہ وہ نہایت سے بدایت کی طرف لوٹے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ سالک اگرچہ غایت مراتب و نہایت مطالب تک پہنچ جائے تب بھی اطلاق کے باوجود شریعت کی بندشوں میں مقید اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے اگر معمولی طور شریعت کی رسّی اپنے گلے سے ہٹائیگا تو حق کے دروازہ سے ہٹایا جائے گا اور ملحد اور بے ادب جیسے العاب دے کر اسے رب الارباب کے قرب سے محروم کر دیا جائے گا شریعت ہر مبتدی مسالک اور ہر منتہی واصل کی کسوٹی ہے اسی سے سچے اور جھوٹے سالک و واصل کی پہچان ہوتی ہے۔ اور کتب کلامیہ میں ہے کہ ہر عاقل و بالغ انسان پر نماز فرض ہے اوامر و نواہی کے خطابات وارادہ عام ہیں ان سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر مجتہدین وائمہ دین کا اجماع ہے۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری عبودیت شریعت کی قید میں مقید ہیں اور تیری ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ احد مرفوع ہے اس فعل سے جو اس کے بعد اس کی تفسیر کرتا ہے اور یہ مرفوع بالابتدا نہیں اس لیے کہ اِن فعل کے عوامل سے ہے مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ان مشرکین میں سے جن کے لیے ہم نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسْتَجَارَكَ اور اگر آپ سے مشرکین میں سے کوئی ایک ان چار ماہ مذکورہ بالا کے ختم ہونے کے بعد آپ سے امان اور پناہ

طلب کرے فَاَجِرْهُ پس اسے پناہ اور امن دیجیے اور اس کے قتل کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ حَتّٰی یَسْمَعَ یہاں تک سنے کَلٰمَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مجید تاکہ اسے معلوم ہو کر اس کے لیے کون سے امور مفید اور کون سے نقصان دہ ہیں یعنی جب قرآن مجید سنیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ کن اعمال سے ثواب نصیب ہوتا ہے اور کن اعمال سے سزا۔

مسئلہ: امام اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اصلی کلام قدیم سننا واجب ہے لیکن امام ماتریدی نے قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کلام قدیم کو سننا چونکہ بندے کے امکان میں نہیں اسی لیے بجائے اصلی قدیم کلام سننے کے وہ کلام سننا ضروری ہے جو اس کلام قدیم پر دلالت کرے جیسے کہا جاتا ہے سمعت علم فلان۔ اس سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ علم سنا گیا ہے اس لیے کہ اس کا سننا ناممکن ہے البتہ وہ شے سنی جاتی ہے جو علم پر دلالت کرے جیسے کہا جاتا ہے انظر الی قدرته۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کوئی نہیں دیکھتا بلکہ ایسے امور کو دیکھا جاتا ہے جو قدرت پر رکھتا ہے مزید تفصیل علم کلام میں دیکھیے۔

ثُمَّ اَبْلِغْهُ جب کافر قرآن سن کر ایمان نہ لاتے تو اسے پہنچائیے۔ مَاْمَنَهٗ یعنی اس کے اس مسکن پر پہنچائیے جو اس کی جائے پناہ ہے اس سے اس کی قوم کی آبادی مراد ہے یعنی کافر کو امان دینے کے بعد جب وہ اپنی قوم میں پہنچ جائے پھر اس سے جنگ کر سکتے ہو ذٰلِكَ یعنی کافر و مشرک کو پناہ دینا اور انہیں اپنی جائے پناہ پہ پہنچانا بِاَنَّهُمْ اس سبب سے ہے کہ بیشک وہ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝ ایسی قوم ہے کہ نہیں جانتی اسلام اور اس کی حقیقت کو ہے یا اس لیے کہ وہ جاہل لوگ ہیں اسی لیے انہیں امان دینا ضروری ہے یہاں تک کہ وہ سمجھ جائیں اس کے بعد ان کی معذرت غیر قابل قبول ہوگی۔

مسئلہ: اسی قاعدہ پر فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ حربی کافر اگر دار الحرب میں اسلام قبول کرلے لیکن اسے وہاں پر احکامِ شرعیہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ نہیں سیکھ سکا پھر دار الاسلام میں داخل ہو تو اس پر گزشتہ احکام کے روزے اور نماز کی قضاء نہیں لیکن اگر کوئی کافر دار الاسلام میں مسلمان ہوا اور اس نے احکام شرعیہ نہیں سیکھے تو اس پر ان کی قضاء ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کفار احکامِ شرعیہ نہیں جانتے ایسے ہی نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کو جانتی ہیں اور نہ اس کے الطاف کو اسی وجہ سے نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں البتہ نفس اور اس کی صفات دنیا اور اس کے شہوات کو خوب جانتی ہیں اسی لیے انہیں ان کی بہت بڑی رغبت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ اپنے میں وہ طاعت و عبادت کی رغبت پیدا کریں۔

حکایت بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک نوجوان بیس سال تک عبادتِ الٰہی میں مصروف رہا اس کے بعد بیس سال برائی کا مرتکب ہوا، ایک دن اپنا چہرہ شیشے میں دیکھا تو اسے داڑھی کے بال سفید نظر آئے اس سے شرمندہ ہو کر بارگاہِ حق میں عرض کی: اے الٰہ العٰلمین! میں نے بیس سال عبادت کر کے پھر بیس سال گناہوں میں مبتلا رہا، اب گناہوں سے میرا جی بھر گیا ہے اب میں گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ غیب سے ندا آئی کہ اے میرے بندے!

جب تک تُو میرا رہا تو مَیں بھی تیرے ساتھ محبت کرتا رہا، جب تُو نے مجھے چھوڑا تو مَیں نے بھی تجھے چھوڑے رکھا، اب اگر تُو میرا بننا چاہتا ہے تو مَیں پہلے سے تیار ہُوں۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ جوانی میں توبہ و استغفار کرے اس لیے کہ جوانی میں ہی غلطیوں کے اسباب پُورے زوروں پر ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں بُرائی کے اسباب ڈھیلے پڑجاتے ہیں اسی لیے بڑھاپے کی توبہ سے جوانی کی توبہ افضل و اعلیٰ ہے۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے فرمایا:

قحبۂ پیراز نابکاری چہ کند توبہ نکنند۔

(بوڑھی کنجری کو بڑھاپے میں توبہ کرنے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں)
اس لیے کہ اسے اب زنا کی خواہش کا سبب نہیں رہا اسے اچانک موت گھیر لے گی۔

(فرمایا:

شحنۂ معزول از مردم آزاری۔

(کوتوال معزول مردم آزاری چھوڑے تو کیا فائدہ، اس لیے کہ اس کے پاس اب عہدۂ حکومت نہیں رہا) ؎

جوان گوشہ نشین شیر مرد راہ خداست
کہ پیر خود نتواند زگوشہ برخاست

ترجمہ: جوان ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرے وہی شیر اور مرد راہ خدا ہے اس لیے کہ بوڑھا تو خود اپنے بڑھاپے سے مجبور ہے۔

؎

شیخ کبیر لہ ذنوب   تعجز عن حملها المطایا
قد بیضت شعرة اللیالی   وسوّدت قلبہ الخطایا

ترجمہ: وہ بوڑھا کہ جس کے گناہ سواریوں کے اٹھانے کے نہیں ایسے نالائق کی راتیں گناہوں کی سیاہی میں گزریں اسی وجہ سے اس کا دل بھی سیاہ ہے۔

سبق: افسوس اس غافل پر ہے جس پر سالوں کے سال گزرتے چلے جارہے ہیں لیکن وہ گناہوں کے دریا میں غرق ہے۔ اس بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور دیگر عبرتوں کو دیکھ کر سوچے کہ اس پر سال گزرتے چلے جارہے ہیں لیکن پھر بھی غفلت کے نشے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کی آیات اور سُورتیں سُننے کے بعد اسے ان سے نفع حاصل کرنا چاہیے اور بہت بڑے بڑے امور دیکھ کر بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن اس بدقسمت کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے جس کی ازل سے قسمت میں کیڑے ہیں ایسے شخص کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وہ دل کا اندھا ہے اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور قسمت میں نہ لکھے تو اسے کون نور بخش سکتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے خطاب سے لذت پاتے ہیں اور تیری درگاہ کے قرب کی استعداد رکھتے ہیں اور تیری معرفت کی صفات سے موصوف ہیں اور تیری ذات کے اسرار تک پہنچے ہوئے ہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ

مشرکوں کے لیئے اللہ اور اس کے رسول کے پاس کوئی عہد کیونکر ہو گا

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا

مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا تو جب تک وہ

لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ

تمہارے لیئے عہد پر قائم رہیں تم ان کیلئے قائم رہو بیشک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں بھلا کیونکر

وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ

ان کا حال تو یہ ہے کہ تم پر قابو پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں انکار ہے اور ان میں اکثر بے حکم ہیں

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ

اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑے دام مول لیئے تو اس کی راہ سے روکا

اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا

بیشک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں کسی مسلمان میں نہ قرابت کا لحاظ کریں

وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَ

نہ عہد کا اور وہی سرکش ہیں پھر اگر وہ توبہ کریں

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَ

اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں جاننے والوں کیلئے اور اگر عہد کر کے اپنی قسمیں

مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ

توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو

الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿١٢﴾ أَلَا

بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں کیا

تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ

اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا

وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ

حالانکہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق

تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ

ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دیگا

اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

تمہارے ہاتھوں اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں

صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَ

کا جی ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور فرمائے گا اور

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾

اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ

کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی ان کی

جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ

جو تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا

وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع

کسی کو اپنا محرم راز نہ بنائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

تفسیر عالمانہ کَیْفَ یہ محلاً منصوب ہے اور اسے حال اور ظرف سے مشابہت ہے اور یہ استفہام انکاری ہے انکار واقعی کے

معنے میں نہیں، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیف تکفرون باللہ ۔ بلکہ انکار الوقوع کے لیے ہے ۔ یَكُونُ یہ تامہ ہے لِلْمُشْرِكِيْنَ اس سے وہ مشرکین مراد ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی یعنی اب وہ عہد شکن مشرک کس حال میں ہیں عَهْدٌ وہ معاہدہ جو تیار ہے عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہاں یعنی وہ اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان سے معاہدہ کی رعایت کی جائے یا ان کی کوئی مدت مقرر ہو کہ اس مدت تک انہیں کچھ نہ کہا جائے یعنی نہ انہیں قتل کیا جائے اور نہ انہیں قید کیا جائے صرف اس لیے کہ ان سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے حالانکہ ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں فلہذا اب انہیں قتل کرنے یا قید کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اس نفی سے استدراک ہے جو استفہام کے معنے سے سمجھا جاتا ہے جو تمام معاہدہ کرنے والوں کو شامل ہے یعنی عہد شکن مشرکوں کو بیشک قتل یا قید کرو مگر ان مشرکوں کو کچھ نہ کہو عٰهَدْتُّمْ جن سے تم نے معاہدہ کیا اس سے بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے لوگ مراد ہیں عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام کے قریب ، اس سے غزوہ حدیبیہ مراد ہے جو کہ مکہ معظمہ کے قریب ہے اور مسجد حرام کے قریب کا معاہدہ بتاتا ہے کہ ان کے درپے آزار ہونا اچھا نہیں اور یہ محلاً مرفوع علی الابتداء ہے اس کی خبر فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط فاء میں اشارہ ہے کہ یہ مبتدا متضمن بمعنے الشرط ہے اور ما مصدریہ اور منصوبۃ المحل علی الظرفیۃ بہ تقدیر المضاف ہے ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ جتنی مدت تک وہ تمہارے ساتھ ایفائے عہد میں درست رہیں تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح درست رہو یعنی جب تک وہ عہد شکنی نہ کریں تم بھی ان کے ساتھ اپنے معاہدہ پر مضبوط رہو ۔ یا ما مرفوع علی الابتدا ہے اور اس کا عائد محذوف ہے یعنی جتنا عرصہ تک ان کا معاہدہ صحیح ہو تم بھی اتنا عرصہ تک ان کے ساتھ صحیح رہو اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ بیشک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاہدہ نہیں توڑتے اور اس میں امر استقامۃ کی علت بتائی گئی ہے اور ساتھ ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایفائے عہد بھی تقویٰ کے لوازم سے ہے ۔

حدیث شریف : قیامت میں ہر دھوکہ باز کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کے دھوکہ کی مقدار کا پتہ چلے گا ۔

ف : شرح الشہاب میں ہے کہ لواء (جھنڈا) سے اس کی تشہیر مراد ہے یعنی قیامت میں دھوکہ بازی کی مقدار پر دھوکہ باز کو رسوا کیا جائے گا ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

سوئے لطف بے وفایاں ہین مرو — کان پل ویران بود نیکو شنو

نقض میثاق و عہود از احمقیست — حفظ ایمان وفا کار تقیست

ترجمہ : بے وفاؤں کی جانب ہرگز ہرگز نہ جاؤ اس لیے کہ ایسے لوگ پرانی پل کی طرح ہیں میثاق کا نقض احمقی ہے ایمان و وفا کی حفاظت متقی لوگوں کا شیوہ ہے ۔

كَيْفَ مشرکین کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں معاہدہ کی رعایت کس طرح ہو ۔ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ حالانکہ وہ تمہارے اوپر دشمن کے حملہ کے وقت دشمن کی مدد کرتے ہو لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ وہ تمہارے معاملہ میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے ۔

حل لغات : الرقوب بمعنے النظر بطریق الحفظ والرعایۃ ۔ کسی شے پر رعایت کے طور نظر رکھنا ، اسی سے الرقیب

ہے اب مطلق رعایت کے معنے میں ہے۔

اِلًّا بمعنے حلف اور قرابت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اِلٌّ عبرانی لفظ ہے بمعنے اَللّٰہ۔

ف: ازہری نے لکھا کہ ایل عبرانی میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم ہے اس معنی پر ممکن ہے کہ اِل اسی کا معرب ہو۔ معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔

وَّلَا ذِمَّةً ط اور نہ اس عہد اور حق کی رعایت کرتے ہیں جو ان کے ذمہ لازمی اور ضروری ہے یعنی رعایت اس وقت ضروری ہے جب دوسرا بھی حقوق کی رعایت کرے، جب وہ حقوق کی رعایت نہیں کرتے تو تم بھی ان کے حقوق کی رعایت نہ کرو یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وہ صرف باتوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور گویا سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ مانا کہ وہ قسمیں کھا کر پھر جاتے ہیں یا رشتہ داری کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ وہ ہر قسم کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ صرف باتوں سے تمہیں راضی رکھنے کے دعاوی کرتے ہیں ورنہ اندرونی طور تمہارے لیے چاہتے ہیں کہ تم مٹ کر فنا ہو جاؤ اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے کسی طریق سے بھی خیر خواہ نہیں خواہ وہ منہ سے کتنا اونچے اور بلند دعوے کریں اس لیے کہ ان کے قلوب مسلمانوں کی ترقی سے جلتے ہیں وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل انکار کرتے ہیں ان باتوں سے جو وہ زبان سے کہتے ہیں یعنی ان کی زبانیں ان کے دلوں کے موافق نہیں بلکہ ان کے سینے تمہارے کینوں سے بھرپور ہیں جو کچھ زبان سے تمہاری محبت و الفت کا دم بھرتے ہیں اور اس پر جو قسمیں کھاتے ہیں وہ ان کا بڑا جھوٹ ہے اس لیے کہ ان کی یہ تمام گفتگو مبنی بر مکر و فریب ہے۔

حدیث شریف ۱: مکر و فریب جہنم میں ہوں گے، مکر و فریب کے مرتکب جہنم میں جائیں گے۔

حدیث شریف ۲: جھوٹی قسم علاقوں کو برباد کر دیتی ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ بلاقع واقع ہوا ہے یہ بلقعۃ کی جمع ہے بمعنے وہ ویران زمین جو ہر قسم کی آبادی سے محروم ہو اسی لیے اس عورت کو بلقعۃ کہا جاتا ہے جو ہر بھلائی سے خالی ہو۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوا کہ جھوٹی قسم کھانیوالا فقر و فاقہ کا شکار ہو جائے گا، اس کا مال و اسباب چھن جائے گا اور وہ ہر طرح کی عزت و احترام سے محروم ہو جائے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو جھوٹی قسم سے پرہیز کرے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانے کی عادت نہ بنائے اس لیے کہ بہت سے واقعات ایسے گزرے ہیں کہ جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

مسئلہ: جو شخص تجارت میں جھوٹی قسم کھا کر مال جمع کرتا ہے اس کا ایسا مال خنزیر سے بھی زیادہ حرام ہے۔

وَاَكْثَرُهُمْ اور اکثر مشرکین فٰسِقُوْنَ ۞ فاسق ہیں یعنی طاعت الٰہی سے خارج ہیں وہ اس لیے کہ حقوق عہد کی رعایت بھی طاعت الٰہی میں داخل ہے اور ایسے لوگ کفر میں بہت بڑے متمرد ہیں نہ ان کا کوئی عقیدہ صحیح ہے جو انہیں کفر سے روکے اور نہ ان کے ہاں کوئی انسانی مروت ہے کہ جس سے وہ برائی سے بچ سکیں۔

فائدہ : اکثر کی قید میں اشارہ ہے کہ مشرکین میں بعض ایسے بھی ہیں جو دھوکہ اور فریب سے نفرت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی برائیوں کے بیان کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

فائدہ : اُحْدُوْثَۃُ السُّوْءِ بمعنے مایتحدث الناس فی حقه من المثالب والمعائب، کسی کے معائب و نقائص افترا کر کے لوگوں میں پھیلانا۔

فائدہ : صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض کافروں کی احسن مروت اور نیک اخوت کا تذکرہ میرے پیر و مرشد کی خدمت میں ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سعادت ازلی کسی نہ کسی وقت ضرور نمودار ہو گی بلکہ ایسے لوگوں کے لیے نیک انجام اور حسن خاتمہ کی امید رکھنی چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

من ندیدم در جہان جست و جو	ہیچ اہلیت بہ از خوئے نکو
در پے خوباش و باخوش خوش نشین	چون ندیدی روغن گل را بہ بین
پس بدانکہ صورت خوب نکو	باخصال بد پذیرد یک طسو
ور بود صورت حقیر و ناپذیر	چونکہ خلقش نیک شد در پاش میر

ترجمہ : میں نے جہان میں اچھی خصلت سے کوئی شے اچھی نہیں دیکھی۔ اچھی خصلت کی تلاش کر کے اچھے لوگوں کے ساتھ خوش ہو کر بیٹھو جب تمہارے ہاں عطر نہ ہو تو گلاب کے پھول کو دیکھ اچھی صورت کو دیکھ کر خوشی نصیب ہوتی ہے اور قبیح شکل سے طبع منغص ہوتی ہے۔ البتہ اچھی خصلت سے قبیح صورت بھی بہتر ہوتی ہے اگر بُری عادت ہو تو اچھی صورت بھی خراب نظر آتی ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق کی ایک جامع تقریر

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک جامع اور بہترین تقریر فرمائی جسے محاسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا بجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! میں تمہیں تقویٰ اور سچ بولنے اور ایفائے عہد اور ادائے امانت و ترکِ خیانت و حقوق ہمسائیگی کی پاسداری اور یتیم پروری اور نرم گفتگو اور السلام علیکم کہنے کی عادت اور نیک عمل اور دنیوی امور کی آرزوؤں سے نفرت اور التزام علی الاعلان اور قرآن فہمی اور محبت آخرت اور قیامت کے حساب کے خوف اور تواضع و انکسار اور اہلِ حکمت کا گالی سے بچنے اور سچے کی تکذیب سے احتراز اور امام عادل کی نافرمانی اور بُرے انسان کی فرمانبرداری اور زمین پر فساد پھیلانے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں بلکہ مزید تاکید کرتا ہوں کہ تم ہر حجر و شجر اور ہر آباد و ویران مقام پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ہر گناہ سے توبہ کرنا اگر پوشیدہ گناہ ہے تو پوشیدہ ہو کر اگر کھلم کھلا گناہ کیا ہے تو واضح طور توبہ کا اظہار کرنا ایسے اخلاق کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے اور انہیں ایسے ہی اعلیٰ محاسن آداب کی دعوت دی ہے۔ (کذا فی العوارف)

فائدہ صوفیانہ : نفس کی تخلیق سفلیات سے ہوئی اور اس کی شہوات اور ان کی لذات اور جفاء و غدر اور ریاء و نفاق کی طرف میلان رکھنا اس کی فطرت ہے اللہ تعالیٰ نے نفس سے روزِ میثاق میں صدق و اخلاص کا وعدہ لیا لیکن یہ بدبخت جب تک صفات ذمیمہ کے ساتھ زندہ ہے تو عبودیت خالصہ کے قریب نہیں بھٹکتا ہے اگر اسے مجبور کیا جائے تو اس میں مقاصد اخرویہ و دنیویہ کی ملاوٹ کر دیتا ہے نفس کے صفات ذمیمہ اس وقت مٹتے ہیں جب صفات و جمال کی تجلیات کے انوار کا عکس قلب پر پڑے اس وقت نفس میں انوار خالقیہ پڑتے ہیں پھر جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو قول ثابت پر ثابت قدم رہتا ہے اور مرنے کے بعد اسے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور میثاق کے عہد پر بھی ایفاء کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ المسجد الحرام میں مقام وصول کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ مقام اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت پر حرام ہے کیونکہ یہ مقام صرف اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ مقام صرف انہی سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اسی مقام مکین کے وصول اور اسی حرم امین کے دخول کا سوال کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے فرمایا ؎

الزم الصدق و التقی　　واترک العُجب و الریاء
و اغلب النفس و الھوٰی　　ترزق المسئول و المنٰی

ترجمہ : صداقت اور تقویٰ کا التزام کرو اور عُجب و ریاء کو ترک کرو اور نفس و ہویٰ پر غلبہ حاصل کرو پھر جو چاہو پاؤ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس سے ہر وقت جہاد کرے اور عہود و حقوق کی حفاظت کرے اور فسوق و عقوق سے کنارہ کشی کرے۔

حکایت حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ عزم بالجزم کر لیا کہ صرف حلال رزق کماؤں گا اسی خیال پر جنگل میں چل دیے، فرمایا جب مجھے بھوک نے ستایا تو جنگل میں ایک انجیر کے درخت سے میوہ توڑنے کا ارادہ کیا تو درخت سے آواز آئی کہ آپ نے قصد کیا ہے کہ غیر کا حق نہیں کماؤں گا۔ مجھے ہاتھ مت لگاؤ اس لیے کہ میں یہودی کا درخت ہوں۔

سبق : صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس حکایت سے دو امر ثابت ہوئے :

① ولی اللہ کی کرامت کا ظہور کہ ایک درخت ان سے ہمکلام ہوا۔
② اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کہ اے شبلی ! (قدس سرہٗ) تم نے تو حلال رزق کا عزم کیا ہے فلہٰذا اپنے عزم پر مضبوط رہو۔

یاد رہے کہ یہ تمام برکتیں صدق و اخلاص کی ہیں جو چاہتا ہو کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے وقت کی قدر کرے اور اپنے نفس پر کنٹرول کرنے سے منزل مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تجاوز عن الحد سے بچائے اور خروج عن الطریق سے محفوظ رکھے اور حق کی حد کی واقفیت بخشے اور طریق تحقیق پر ثابت رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔
اِشۡتَرَوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یعنی وہ مشرکین جو عہد شکنی کرنے والے ہیں وہ ہیں جنھوں نے آیاتِ الٰہی کو بیچا یعنی ان آیات کو

چھوڑ دیا جو انہیں ایفائے عہد و رعایت حقوق کا حکم دیتی تھیں اور ان کے بدلے میں لے لیا ثَمَنًا قَلِیْلًا تھوڑا ثمن یعنی دنیوی اسباب جو کہ ایک معمولی اور حقیر شے ہے اس سے ان کی خواہشات وشہوات نفسانیہ ہیں جن کے وہ تابع ہوئے فَصَدُّوا پس انہوں نے رکاوٹ ڈالی یعنی روگردانی کی۔ یہ صَدَّ صُدُوْدًا سے ہے اس معنی پر یہ لازم باب ہوا یا صَدُّوا بمعنے مَنَعُوا وَ صَرَفُوْا غَیْرَھُمْ یعنی اپنے غیروں کو پھیرا اور روکا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں صَدَّہٗ عَنِ الْاَمْرِ صَدًّا اس معنے پر یہ فعل متعدی ہوگا عَنْ سَبِیْلِهٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی اس کے دین سے جو اس کی طرف پہنچانے والے یا سبیل سے، بیت اللہ یعنی حرم شریف مراد ہے اس لیے کہ کفار حجاج اور عمرہ کرنے والوں کو روکتے تھے۔ اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ بیشک بُرا ہے وہ جو عمل کرتے ہیں یعنی جس عمل کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وُہ بہت بُرا ہے اور ہمیشہ بُرا ہے یہ ما مصدریہ ہے اپنے متعلق سے مل کر محلًّا مرفوع ہے اس لیے کہ وہ سَآءَ کا فاعل ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔

ابتدائے اسلام میں ابوسفیان کی مخالفت

حضرت ابوسفیان جب مسلمان نہیں ہوئے تھے مکہ معظمہ میں بادیہ نشین بدؤوں کو جمع کر کے انہیں مال و اسباب کا لالچ دیکر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے روکا یا انہیں مال و دولت دے کر اُکسایا کہ وُہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑ دیں۔ بادیہ نشینوں نے دُنیوی لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام سے معاہدہ توڑ دیا۔ اسی تقریر پر اِشْتَرَوْا کے فاعل یہی بدوی ہوں گے اور ثمن قلیل سے ابوسفیان کا وہ دیا ہوا مال ہوگا جو انہوں نے بدویوں کو دین کی مخالفت کے لیے دیا۔

فائدہ: صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ تاحال جاری ہے کہ دنیا دار بعض لالچیوں کو دنیا و دولت دے کر کچہریوں میں جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں بلکہ بہت سے مالدار (شیعہ و وہابی) غرباء کو دنیا کی لالچ میں پھنسا کر اپنے مذہب میں لاتے ہیں یا پھر انھیں (اہلسنّت) کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے غنڈوں اور بدمعاشوں کو دنیا و دولت دے کر یہی دھندا کرتے ہیں ان کے لیے یہی وعید کافی ہے۔ (والہدایۃ بید اللہ)

لَا یَرْقُبُوْنَ رعایت نہیں کرتے فِیْ مُؤْمِنٍ مومن کے بارے میں اِلًّا قسم یا رشتہ داری کے حقوق کی وَّلَا ذِمَّةً ؕ اور نہ کسی معاہدہ کی اس سے عام معاہدہ مراد ہے اور اس پہلی آیت میں معاہدہ خاص مراد تھا اس بناء پر مضمون کا تکرار نہ ہوا وَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ جن کی صفتیں مذکور ہوئیں هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یعنی ظلم اور ستم اور شرارت کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ کفر اور اسی طرح دیگر بڑی بڑی شرارتوں سے باز آجائیں۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ دیں اور پھر ان پر التزام کریں اور ان کی فرضیت کا اعتقاد بھی رکھیں فَاِخْوَانُكُمْ پھر وہ تمہارے بھائی ہیں فِی الدِّیْنِ ؕ یہ اخوانکم کے متعلق ہے اس لیے اس میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے یعنی جب سچے اور پکے مسلمان بن جائیں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ دُکھ، درد اور راحت و آرام میں وہ تمہارے شریک ہیں ان کا اور تمہارا معاملہ آپس میں برابر ہوگا، ان کا نقصان تمہارا نقصان، ان کا فائدہ تمہارا فائدہ بشرطیکہ وہ

شرائط مذکورہ کے پابند رہیں۔ اگر ان میں کسی قسم کی خامی ہو تو پھر تمہارے لیے ان کی حفاظت ضروری نہیں بلکہ ان کی منافقانہ چال سمجھ کر ان سے جوچاہو کرو وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ اور وُہ آیات جو عہد شکنی کرنے والے مشرکین کے احوال سے متعلق ہیں اور ان کے وُہ احکام جو ان کے کفر و ایمان سے متعلق ہیں ہم انہیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ ان لوگوں کے لیے جو اہل علم نہیں یعنی جو لوگ ان آیات کے احکام جانتے اور ان میں غور و فکر کرتے اور ان کے احکام کی پابندی کرتے ہیں انہیں آیات تفصیلی طور معلوم نہیں وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اس کا عطف فَاِنْ تَابُوْا پر ہے یعنی اگر وہ امور معاہدہ پر پُورے نہ اتریں بلکہ توڑدیں اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ اپنی قسموں کو بعد معاہدہ کرنے کے یعنی ان کے دلوں کے اندر جو تمہارے متعلق بُغض و عداوت پوشیدہ ہیں وُہ ظاہر کردیں وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ اور تمہارے دینِ حق پر طعن و تشنیع کریں یعنی کھلم کھلا تمہارے دین کی تکذیب اور اس کے احکام کی تقبیح کرنے لگ جائیں فَقَاتِلُوْۤا پس قتل کردو اَئِمَّةَ الْكُفْرِ کفار کے لیڈروں کو اس میں اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا تاکہ ان کے قتل کا موجب بھی معلوم ہو جائے اور پتہ چلے کہ دنیا و دولت کی وجہ سے عوام کفار کے کفر میں لیڈر بنے رہے تو اب وہی زیادہ مستحق ہیں کہ سب سے پہلے انہیں قتل کیا جائے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان لیڈروں سے ابوسفیان، حارث بن ہشام، ابوجہل بن ہشام، سہل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور ان جیسے اور بڑے بڑے کافر مراد ہیں اور لیڈروں کے ذکر سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کافروں کو کچھ نہ کہو بلکہ الٹا اس میں تاکید ہے کہ جب کفار کے لیڈر قتل کے مستحق ہیں تو ان کے تابعدار بطریقِ اُولیٰ تہِ تیغ ہونے کے لائق ہیں، ان کی تصریح صرف ان کی شرارت میں شہرت کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی ہے کہ چھوٹے کافر ان کے دباؤ میں آکر کفر کا ارتکاب کرتے ہیں اسی اعتبار سے بڑوں کے قتل کی تصریح کی گئی اب آیت کا معنی یہ ہُوا کہ عہد شکن کافروں کو تہِ تیغ کرو بالخصوص ان کے لیڈروں کو کہ جنھوں نے عہد شکنی میں پیش قدمی کی اَئِمَّه دراصل اَءْمِمَه تھا، امام کی جمع ہے، جیسے مثال کی جمع امثلہ۔ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ بیشک وہ ایسے ہیں کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ وُہ اپنے عہد و پیمان اور قسموں کی کوئی رعایت نہیں کرتے بلکہ قسم کے خلاف عمل کرلینے کو قبیح نہیں سمجھتے، اگرچہ زبانی طور ہزار بار قسمیں کھائیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کی قسمیں ثابت فرمائی ہیں اب سرے سے ان کی قسموں کی نفی فرمادی۔

جواب: پہلے مضمون میں بھی فرمایا کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں اور ظاہری طور واقعی وہ قسمیں ہیں لیکن چونکہ ان کی وہ قسمیں جھوٹی تھیں اور انہیں ان کے اعمال سے تضاد تھا اسی لیے ایسی قسمیں نہ ہونے کے برابر ہیں بلکہ الٹا سخت نقصان دہ ہیں اسی لیے اس پچھلی آیت میں انکی نفی فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے ان دونوں مضامین میں تضاد نہیں ان کی قسموں کو کالعدم قرار دے کر ثابت کرنا مطلوب ہے کہ عہد شکن کفار و مشرکین سے جنگ جاری رکھو اگرچہ وُہ ہزار بار معاہدہ کریں اور قسمیں کھا کر اعتبار دلائیں تو اب نہ ان کی قسموں کا اعتبار کرو اور نہ ہی ان کے معاہدوں کا جب تک وُہ سچے اور پکے اور صدقِ دل سے ایمان نہ لائیں، جب وہ سچے اور پکے اور صدق دل سے مسلمان ہوجائیں تو پھر وُہ تمہارے بھائی ہیں۔

لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ○ یہ فقاتلوا کے متعلق ہے یعنی عہد شکن مشرکین سے جنگ جاری رکھو اس ارادہ پر کہ وُہ

اپنے کفر و شرک سے باز آجائیں، یعنی ان سے تمہاری جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک وہ مسلمان نہ ہوں. گویا ان کی جنگ سے انہیں کفر و شرک سے روکنا مطلوب ہے۔

عیسائیوں کی تردید اس سے عیسائیوں اور دیگر دشمنانِ اسلام کا اعتراض دفع ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان سے تلوار کی لڑائی دفاع کے لیے تھی، اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہارا ان کے ساتھ جنگ کرنا ایذاء کے لیے نہ ہو بلکہ انہیں ان کی غلط کاریوں سے بچانے کے لیے ہو، جب وہ غلط کاریوں سے باز آجائیں تو تم ان سے نہ لڑو اسی لیے کفر سے باز آنے والے کو اسلام معمولی ایذا دینے کا بھی روادار نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وُہ اپنے ہر عمل میں نیک ارادہ اور غرض صحیح کو مدنظر رکھے۔ مثلاً چیونٹی یا جوئیں مارے تو صرف دفعِ ضرر کے لیے، نہ اس سے بدلہ لینے کی نیت پر یعنی اس ارادہ پر کہ چونکہ اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اسی لیے میں اسے مارتا ہوں۔

سبق: اس مسئلہ پر صوفیہءِ کرام تادمِ زلیست عامل رہتے ہیں۔ اسی لیے صُوفیہ کے عشاق کو بھی اسی کا کاربند ہونا ضروری ہے وہ اس لیے کہ مقامِ فنا اسی طریق سے نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ: حدادی نے فرمایا کہ جس کافر و مشرک سے اسلام کے خلاف یوں صادر ہو کہ وہ اسلام پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور ان کے ساتھ معاہدہ ہُوا تھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اسی طرح ایسے امور ان سے سرزد نہیں ہوں گے جو مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے والے ہوں اور نہ ہی اہلِ اسلام کے اموال پر ڈاکہ ڈالیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف مخالفینِ اسلام کی مدد کریں گے تو اس طرح سے ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ختم، یعنی ایسے کافروں کو عہد شکن کہا جائے گا۔

مسئلہ: اگر ان سے معاہدہ میں مذکورہ امور طے نہیں ہُوئے لیکن وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے یا قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ہمارے احناف تو ایسے کافر کو تعزیر کا حکم دیتے ہیں، قتل کرنے سے روکتے ہیں۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل روایات سے ہیں:

حدیث شریف ۱: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر لائی تاکہ حضور علیہ السلام اسے کھا کر فوت ہوں، لیکن وُہ پکڑی گئی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائی گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ آپ نے اس کے قتل کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روکا۔

حدیث شریف ۲: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہودیوں کی شکایت کی کہ وہ آپ کو "السام علیکم" (یعنی آپ کو موت آئے) کہتے ہیں فلہٰذا ان سے بدلہ لینا چاہیے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی کو دوست رکھتا ہے

فلہذا انہوں نے اگرچہ مجھے بُرا کلمہ کہا ہے تو ہمیں ان کے قتل کا حکم نہیں بلکہ جیسے انہوں نے کہا ہے ہم نے بھی انہیں ویسے کہہ دیا ہے۔

دشمن مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر امام مالک کا فتوی

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بدبخت یہودی اور نصرانی حضور علیہ السلام کو گالی دے یعنی آپ کی شان میں تنقیص کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے ہاں مسلمان ہو جائے تو اسے قتل معاف ہے۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

مسئلہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ ذمی اگر اسلام پر طعن و تشنیع کرے یا اس کی تنقیص و تحقیر کرے تو اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ معاہدہ تھا کہ وہ اسلام پر طعن و تشنیع نہیں کرے گا۔ لیکن اس نے اسلام پر طعن و تشنیع کی تو وہ اپنے معاہدہ سے نکل گیا اسی لیے اس کا قتل کرنا ضروری ہوا۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذمی اسلام پر طعن و تشنیع کر کے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اس کے طعن و تشنیع پر ہم اپنا معاہدہ نہیں توڑیں گے جب تک وہ عہد شکنی کے خلاف تصریح نہ کرے۔

مسئلہ: مولانا اخی الچلپی ہدیۃ المہدیین میں لکھتے ہیں کہ جب ذمی حضور علیہ السلام کو کھلم کھلا گالیاں یا آپ کی عزت و عظمت پر حملہ کرے یا آپ کی قدر و منزلت میں تحقیر و تنقیص کرے یا آپ کے خلاف ایسے کو اس کرے جو آپ کی شان کے لائق نہیں تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے بدبخت کے قتل کرنے میں کسی قسم کا خلاف نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول نہ کرے اس لیے کہ ہم نے معاہدہ اس لیے تو نہیں کیا تھا کہ وہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بکواس کرے یہی دوسرے عام علماء و فقہاء کرام کا مذہب ہے صرف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اتباع اور امام ثوری اور ان کے اتباع اور دیگر فقہائے کوفہ فرماتے ہیں کہ ایسے بدبخت کو قتل نہ کرنا چاہیے البتہ ایسی سخت سزا دی جائے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔

مسئلہ: بعض فقہاء کرام نے فرمایا: ایسا بدبخت اگرچہ مسلمان بھی ہو جائے تب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے اسے لازمی طور قتل کیا جائے اس لیے کہ یہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں سے ہے اور ہم کون لگتے ہیں کہ ان کی عزت و عظمت گھٹانے والے کو معاف کر دیں۔ جب اسلام لانے سے اس سے عام مسلمانوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے تو مسلمانوں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کس طرح معاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اسلام لانے سے قبل کسی کو قتل کیا تھا یا کسی پر بہتان تراشا تھا تو اسلام لانے پر اس سے نہ قتل معاف ہے نہ بہتان تراشی کی غلطی جبکہ ایک عام انسان کا حق اسلام لانے سے معاف نہیں ہو سکتا تو حضور علیہ السلام کے حقوق کس طرح معاف ہو جائیں اگرچہ وہ مذکورہ غلطیوں اور حضور علیہ السلام کی تحقیر سے توبہ کرے تو بھی اس کی توبہ قبول نہیں[1] بایں معنیٰ کہ اسے ضرور قتل کیا جائے گا اگرچہ اس نے

---

[1] دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں، پرویزیوں، نیچریوں، چکڑالویوں، خاکساریوں کی وہ عبارات سامنے رکھیے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف لکھی ہیں اس کے بعد فیصلہ خود کیجئے کہ ہم اہلسنت حق بجانب ہیں یا نہیں۔

کلمۂ شہادت بھی پڑھا ہے۔

مسئلہ: لیکن ایسے شخص کی اسلامی حیثیت برقرار رہے گی یعنی سابقہ جرائم یعنی نبوت کی تنقیص یا عام مسلمان کے حقوق سے تائب ہو کر مرے یا اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی موت اسلام پر سمجھی جائے گی یہاں تک کہ اسے مسلمانوں کی طرح غسل دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے گورستان میں مسلمانوں کی طرح دفنایا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے گستاخ کو قتل کرنا ضروری ہے اگر وہ اس گستاخی سے توبہ کرے تو قتل تو معاف نہیں ہوگا اور نہ ہی اس بارے میں اس کی توبہ قابلِ قبول ہے البتہ اس کا اسلام لانا صحیح ہوگا کہ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اسے نبوت کی گستاخی کی وجہ سے قتل کیا جائے گا[1] لیکن اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے سے باز نہ آئے اور اسی پر اکڑا رہے (جیسے دیوبندیوں، وہابیوں کا کام ہے) اور وہ اپنی اس غلطی سے توبہ بھی نہیں کرتا تو اسے قتل کر دینا ضروری ہے اگرچہ وہ اسلام کا دم بھرتا ہے تب بھی اس کا اسلام قابلِ قبول نہیں۔ اس کے قتل ہو جانے پر اسے کافر سمجھا جائے گا۔ اس کا وراثت کا مال مسلمانوں کو دیا جائے اسے نہ غسل دیا جائے اور نہ ہی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے نہ ہی اسے کفنایا جائے گا بلکہ اسے کافروں کی طرح کپڑے میں لپیٹ کر ایک گڑھے میں دبا دیا جائے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی تنقیص کرنے والے کی توبہ قابلِ قبول ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کو گالی دے کر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے کہ وہ آپ کو گالی دے یا آپ کی شان کی تنقیص کرے تو وہ اگرچہ مسلمان ہو جائے تب بھی اسے قتل کیا جائے۔

ازالۂ اوہام اس سے بعض کمزور ذہن یہ سمجھیں گے کہ اس طرح سے تو نبی کریم علیہ السلام کی شان اللہ تعالیٰ کی شان سے (معاذ اللہ) بڑھ گئی لیکن حقیقت شناس حضرات جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے لیے سخت سزا مقرر ہوئی کہ نبی علیہ السلام انسانوں کی جنس سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے بڑے عہدے سے نوازا ہے اسی لیے انسان کو اگر عیب لگایا جائے یا اس کی تنقیص کی جائے تو فطرتاً اس کا دل دکھتا ہے اس قاعدہ پر کہ نبی علیہ السلام کا دل دکھانا کفر ہے اور کافر کی سزا قتل ہے اور اللہ تعالیٰ منزہ از نقائص ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہم جنس ہے کہ اس کے عیب لگانے سے اس کی شان میں نقص کا امکان ہو اور نہ ہی اس کے لیے دلآزاری کا شائبہ ہے انہی وجوہ سے اس کے گستاخ پر سخت سزا یعنی قتل نہیں۔

مسئلہ: تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور نبی علیہ السلام ان کی ہر قسم کی تنقیص و تحقیر اور گستاخی کفر ہے اس کا قائل اسے جائز سمجھ کر گستاخی کرے یا اس کا وہی عقیدہ ہو یا نہ ہو ... گستاخی کرے یا بلا قصد خطائً واقع ہوا ہو ہر طرح سے اس پر کفر کا فتویٰ ہے نبوت کی شان میں گستاخی میں لاعلمی اور جہالت کا عذر

---

[1] لیکن یہ کام حکومت کا ہے عوام ایسی تعزیرات کا اجراء نہیں کر سکتے ۱۲

غیر مسموع ہے اسی طرح سبقت لسانی کا عذر بھی غیر قابل قبول ہے اس لیے کہ عقل سلیم کو ایسی غلطی سے بچنا لازمی اور ضروری ہے
مسئلہ : جو شخص کہے کہ نبی علیہ السلام کالے سیاہ یا ابو طالب کی پرورش کے محتاج تھے یا عقیدہ رکھے کہ ان کا فقر و فاقہ اختیاری نہیں تھا بلکہ وہ اس فقر و فاقہ میں مجبور محض تھے اس لیے کہ اگر ان کے اختیار میں کچھ ہوتا تو لذیذ غذائیں اور پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ اسی طرح کے اور نقائص بیان کرے تو وُہ کافر ہے۔
مسئلہ : جو شخص نبی علیہ السلام کے لیے کہے کہ وُہ تو بکریوں کے چرواہے تھے یا ان سے بھول چوک ہوجاتی تھی یا ان پر نسیان اور سہو طاری ہوجاتا تھا یا وہ جادو میں مبتلا ہوجاتے تھے یا انہیں عورتوں سے شہوانی طور محبت تھی یا آپ کے بال مبارک کو حقارت کے طور بیان کرے تو وہ کافر ہے۔
مسئلہ : اگر کوئی کہے کہ نبی علیہ السلام ایک لمحہ کے لیے مجنون ہوگئے تھے ایسا قائل بھی کافر ہے ہاں کوئی یوں کہے کہ آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی تو وُہ کافر نہیں۔

حکایت وہابی کش حضرت قاضی ابُو یوسف ہارون الرشید کے ہاں مہمان خانے میں کھانے کے لیے بیٹھے تھے۔ اس وقت یہ روایت بیان کی گئی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مبارک پسند تھا، ہارون الرشید کا ایک دربان کہنے لگا کہ مجھے کدو پسند نہیں۔ حضرت قاضی ابو یوسف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ شخص اگر اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے میں اس کی ابھی گردن اُڑاتا ہوں۔ اس شخص نے فوراً توبہ واستغفار کی۔ اگر وُہ توبہ نہ کرتا تو اس کی گردن اڑائی جاتی۔ (کذا فی الظہیریہ)
مسئلہ : اگر کوئی شخص کہے کہ حضور علیہ السلام کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ طعام کھا کر اپنی انگلیاں مبارک چاٹ لیتے تھے دُوسرا کہے کہ یہ تو بے ادبی ہے ایسا قائل واجب القتل ہے۔
مسئلہ : حضور علیہ السلام کی کسی سنّت یا کسی حدیث کی تحقیر اور گستاخی کفر ہے۔
مسئلہ : کوئی شخص کہے کہ اگر پانچ نمازوں سے ایک نماز یا چالیسویں حصّہ پر زکٰوۃ کا وجوب اگر ایک درہم یا ایک ماہ کے روزوں سے ایک روزہ زاید فرض ہوتا تو میں ہرگز عمل نہ کرتا تو ایسا قائل کافر ہے۔
مسئلہ : کوئی شخص کسی سے کہے کہ نماز پڑھ، وُہ جواب دے کہ نماز تو بوجھ اور ایک سخت عمل ہے ایسا شخص کافر ہے۔
مسئلہ : کوئی شخص صرف رمضان شریف میں نمازیں پڑھتا ہے اسے دُوسرے مہینوں میں نماز کا کہا جائے تو وہ جواب دے کہ وہی رمضان شریف والی نمازیں میرے لیے کافی ہیں تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔
مسئلہ : جو شخص نمازیں عمداً قضا کرتا ہے اور اس کا ان کی قضاء کا ارادہ بھی نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے۔
مسئلہ : جو شخص رمضان شریف کی آمد پر کہے کہ آگیا سخت مہینہ یا آگیا تکلیف دہ مہمان تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

دین پر طعن سے تصوف اور سلوک پر انکار مراد ہے اور اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ سے نفوس امارہ مراد ہیں جیسے تصوف

تفسیر صوفیانہ کی اصطلاح میں ائمۃ الایمان سے قلوب و ارواح مراد ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ نفوس امارہ بے وفا ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کا کوئی پاس نہیں اور نہ ہی طلب حق کی خواہش کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں ما سوی اللہ کے ترک کا ارادہ ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ نفوس امارہ سے سخت سے سخت جہاد کیا جائے یہاں تک کہ ان کی اصلاح ہو جائے اور بُری عادتوں کو ترک کر کے حق تعالیٰ کے احکام کے پابند ہو جائیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا تم اس گروہ سے جنگ کیوں نہیں کرتے نَّکَثُوْٓا جنہوں نے توڑ دیں اَیْمَانَهُمْ وہ قسمیں جو بہت بڑے وثوق سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کے سامنے کھائی تھیں اور معاہدہ کیا تھا کہ وہ مخالفین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن انہوں نے اس کے برخلاف کیا کہ بنوبکر کے ساتھ مل کر خزاعہ پہ حملہ کر دیا اور خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ قریشِ مکہ کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام سے دوسرا معاہدہ اس طرح تھا کہ وہ ایک دوسرے کے حریفوں کو کچھ نہیں کہیں گے اور نہ ہی ان سے جنگ کرنے والوں کی معاونت کریں گے۔ لیکن بنوبکر نے جب بنوخزاعہ پر حملہ کیا تو قریشِ مکہ نے بنوبکر کی امداد کی اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

وَهَمُّوْا اور مشرکین نے ارادہ کیا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ رسول اللہ کو نکالنے کا، یعنی دار الندوہ میں مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال دینا چاہیے، چنانچہ مشورہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اب مسلمانوں کو کفار کے قتل پر ابھارنے پر پرانی باتیں یاد دلائی جا رہی تھیں تاکہ انھیں کفار سے جنگ کرنے میں جوش پیدا ہو۔

ف: بعض مفسر لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے کر کے توڑے اور پھر ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مدینہ طیبہ سے نکال دیں۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اور عہد شکنی اور تمہارے ساتھ جنگ کی ابتداء انہوں نے خود کی ہے اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں کتاب خداوندی لائے اور انہیں مقابلہ کا چیلنج دیا لیکن وہ اپنے عجز کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکے اس کے باوجود بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے ساتھ جنگ نہیں کرتے اور ان کے درپے آزار ہونے سے گریز کرتے ہو۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، یعنی تم ان سے جنگ اس خوف سے نہیں کرتے کہ کہیں وہ تمہیں نقصان نہ پہنچا دیں فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ پس اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈر کر اس کے دشمنوں سے لڑو اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو فَاللّٰهُ مبتدا اور اَحَقُّ اس کی خبر ہے اور اَنْ تَخْشَوْهُ اللہ سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ڈر بہ نسبت ان کے ڈر کے زیادہ حقدار ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا تقاضا یہی ہے

کہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا تم نفس کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت حظوظ نفسانیہ کے فوت ہوجانے کا خطرہ کرتے ہو حالانکہ حقوق الٰہی اور اس کے وصال کی محرومی کا خطرہ زیادہ ضروری ہے اگر تمہارے دل میں ایمان ہے کہ واقعی اس کے ہاں پہنچا ہے۔

تفسیر عالمانہ قَاتِلُوْهُمْ تو مشرکین سے جنگ کرو یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ انہیں تمہاری تلواروں سے عذاب دے گا یعنی تمہاری تلواروں کے سبب سے وہ مقتول ہوں گے وَيُخْزِهِمْ اور انہیں مغلوب و مقہور کر کے رسوا کرے گا وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اور تمہیں ان پر مدد دے کر غالب کرے گا یعنی وہ صرف مقتول ہو کر نہیں مریں گے بلکہ تمہیں ان پر پورا غلبہ نصیب ہوگا وَيَشْفِ اور شفا بخشے گا صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ان اہل ایمان کے سینوں کو جو جنگ میں شامل نہیں ہو سکے اس سے خزاعہ کا قبیلہ مراد ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے یمن اور سبا کے لوگ مراد ہیں جو مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو ان کی برادری نے انہیں سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع بھجوائی کہ ہمیں مخالفین اسلام بہت سخت ایذائیں پہنچا رہے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوا بھیجا کہ تمہیں مبارک ہو عنقریب تمہاری مشکلات حل ہو جائیں گی (چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد کفار و مشرکین مغلوب ہو کر ذلیل و خوار ہوئے اس طرح سے حضور علیہ السلام کا فرمان پورا ہوا، اسے ہم اہلسنت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں) حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت

اجر صبر لیست کہ در کلبۂ احزان کردم

ترجمہ : بڑھاپے میں مجھے یوسف کی صحبت نصیب ہوئی یہ میرے اس صبر کی جزا ہے جو میں نے عرصۂ دراز تک غم اور حزن کا دکھ اٹھایا۔

وَيُذْهِبْ تمہیں مدد دے کر اور کافروں کو مغلوب کر کے لے جائے گا غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ان کے دلوں کے اندوہ اور غم کو یعنی کفار کی اذیتوں سے ان کے دلوں کا ملال دور فرمائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح وعدہ فرمایا اسے احسن طریق سے پورا کر کے دکھایا وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کی توبہ قبول فرماتا ہے ، یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں آنے والے حالات کی خبر دی گئی ہے کہ ایک مدت کے بعد مکہ کے مشرکین میں سے بعض لوگ کفر و شرک سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا، چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو سفیان و عکرمہ بن ابی جہل و سہل بن عمرو وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ منظور فرمائی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ زمانہ گزشتہ اور آنے والے امور کو خوب جانتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا اور جس سے روکتا ہے تو وہ اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اے مسلمانو! کیا تم نے گمان کیا۔ اَمۡ منقطعہ ہے، اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ تم نے اے مسلمانو! گمان کیا۔

ف: بَلْ اضراب کے معنے میں آتا ہے اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم ان کے جنگ کے معاملہ میں رُوگردانی کے خیال میں ہو اس میں مسلمانوں کو اس غلط خیالی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔

اَنۡ تُتۡرَكُوۡا کہ تم جنگ سے فارغ چھوڑے جاؤ گے وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ اور ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سے جہاد کرنے والوں کو ظاہر نہیں فرمایا یعنی تمہارے سے مخلصین کا غیر مخلصین سے امتیاز نہیں فرمایا۔

سوال: تم نے عدم علم کو ظاہر کرنے سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے کہ وہ کسی شے کو ازل سے نہ جانے اسی لیے اس کی شان کے مطابق ترجمہ ضروری ہے اور یہی معنیٰ موزوں تر ہے اس لیے کہ ثواب کا دار و مدار عمل کے ظہور پر ہے۔ اسی لیے حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم تھا کہ ان میں مخلصین کون ہیں اور غیر مخلصین کون۔ لیکن وہ پوشیدہ تھا کہ سوائے اس کے اور کسی کو معلوم نہ تھا، اسی لیے اس کا ارادہ ہوا کہ اسے ظاہر فرمائے تاکہ ثواب و عذاب کا ترتب ہو سکے۔ اور وہ موقوف ہے بندوں کے مشاہدوں پر اس لیے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ کسی کو سزا و جزا اس وقت دیتا ہے جبکہ ان کا علم بندوں کو بھی معلوم ہو کہ انہیں فلاں عمل سے سزا ملے گی اور فلاں عمل سے جزا۔

سوال: جہاد پہ حاضری نہ دینے والوں کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں بھی نہیں تھے اور نہ ہی وہ اس لائق ہیں کہ ایسے معتبر مقام پر ان کا ذکر ہو۔

وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا اس کا عطف جَاهَدُوۡا پر ہے اس لیے کہ یہ بھی ولما یعلم اللہ الذین کے حکم میں داخل ہیں یعنی ابھی انہیں ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے نہیں بنایا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ یہ ولم یتخذوا کے متعلق ہے اگر اسے اپنے معنے پر رکھا جائے اور اگر وہ تَصۡيِيۡرٌ کے معنی میں ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہے وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے سوا کسی کو دوست۔

حل لغات: وَلِيۡجَةً بمعنے بطانة و صاحب سر یعنی وہ دلی دوست کہ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا اس کے اندرونی بھید سے واقف نہ ہو یہ وُلُوۡجٌ سے ہے بمعنی الدخول۔ ابو عبیدہ نے فرمایا کہ کسی شے کو دوسری ایسی شے میں داخل کرنا جسے اس دوسری شے سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو تو اسے عربی میں ولیجۃ کہتے ہیں۔ واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے یہی صیغہ یعنی ولیجۃ مستعمل ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اسی لیے وہ تمہیں ہر عمل کی جزا و سزا دے گا

اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں وُہ تمہارے جہاد کی غرض و غایت کو جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ تمہارے میں مخلص کون ہے اور غیر مخلص کون۔ اسے خبر ہے کہ تم میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کون لڑتا ہے اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے کون۔ اور اس کے علم میں ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے کون جنگ کرتا ہے اور اپنی شہرت کے لیے کون۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

منہ آب زر جان من بر پشیز — کہ صراف دانا نگیرد بچیز

زر اندودگانرا بآتش برند — پدید آید آنگہ کہ مس یا زرند

ترجمہ: اے عزیز! تانبے کو سونے کا پانی لگا کر نہ لا اس لیے کہ صراف اسے کوڑی برابر بھی نہیں لے گا اس لیے کہ وہ ایسے سکوں کو آگ میں ڈالتے ہیں اس کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ سونا ہے یا تانبہ۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف ایک دن جہاد کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ٹھہرنا سوائے رمضان کے تو وہ ایک دن سو سال کے روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے۔ اگر وہ زندہ بچ کر گھر لوٹا تو اللہ تعالیٰ ہزار سال تک اس کی کوئی بُرائی نہیں لکھے گا بلکہ تادمِ زیست اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی اور قیامت تک اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی اور قیامت تک اس کے لیے جہاد کی حاضری کا ثواب لکھا جائے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا اور نماز ادا کرتا اور رمضان کے روزے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس بندے کو بہشت میں ضرور داخل فرمائیگا وہ جہاد کرے یا اپنے گھر میں بیٹھے زندگی بسر کر دے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اجازت ہو تو ہم اہلِ ایمان کو اس کی خوشخبری سنا دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بہشت میں سو درجات اہلِ بہشت کے لیے تیار فرمائے ہیں اس کے ہر درجہ کی مسافت زمین و آسمان کے درمیانی خلا کے برابر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگو اس لیے کہ وہی تمام بہشت سے اعلیٰ و افضل ہے اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے اسی سے باقی بہشت کی نہریں جاری ہیں۔

حدیث شریف ۳: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہد وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر نفس سے جہاد کرتا ہے لے مسلمانو! تم نفس کی خواہشات کے مٹانے کے لیے ایسے جہاد کرو جیسے تم اپنے دشمنوں سے کرتے ہو، تمہارے میں بڑا بہادر وُہ ہے جو اپنے نفس کے لیے بہت زیادہ سخت گیر ہے۔ ایسا عقلمند جو خواہشات نفسانیہ کا اسیر ہے اسے شہوات کا بندہ سمجھو، اسے زرخرید غلام سے بھی ذلیل تر جانو۔ جو شیشہ زنگ آلود ہو اس سے چہرہ کے بدنما داغ نظر نہیں آئیں گے۔ اسی طرح نفسِ امارہ بھی بندے کو اپنے عیوب ظاہر نہیں ہونے دیتا اس لیے کہ وہ شہوات کی زنگ میں ہے۔

مسئلہ: آیت سے واضح ہوا کہ مومن مخلص وُہ ہے جو کافر اور منافق سے دوستی تو بجائے خود اسے اپنے قریب بھی نہ بھٹکنے دیتا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ

کفر کی گواہی دے کر ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور

فِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ

وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ

قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ

اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں

الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

میں ہوں تو کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر

الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ

ٹھہرالی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

راہ نہیں دیتا وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً

سے اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا درجہ

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ

بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے ان کا رب انہیں

رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ

خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی جن میں انہیں

مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾

دائمی نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ

اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو

أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن

اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں

يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِن

جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں تم فرماؤ

كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ

اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں

وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ

اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ

کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے

اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ

رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ

اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ﴿٢٤﴾

اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا

تفسیرِ عالمانہ ، شانِ نزول مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ یہ آیت قریشِ مکہ کے لیڈروں کے حق میں نازل ہوئی جب وہ بدر میں قیدی ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائے گئے ان میں حضرت عباس

حضور علیہ السلام کے چچا جان بھی تھے ان قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک سے نفرت دلا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عباس کو جھڑکا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ نہ کرنی چاہیے تھی اور فرمایا کہ آپ کو صلہ رحمی کرنی لازم تھی اور فرمایا کہ آپ نے مشرکین کی مدد کس نظریہ پر کی، باتوں باتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو خوب کوسا۔ حضرت عباس تمام باتیں سن کر فرمانے لگے کہ تم لوگ ہماری برائیاں تو گنتے جا رہے تھے اور ہمارے محاسن بھی تو ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، تمہارے کون سے محاسن ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: ہمارے محاسن یہ ہیں:

- ہم مسجد الحرام کی تعمیر کرتے ہیں۔
- ہم کعبہ معظمہ کے نگران ہیں یعنی ہم پاسبان حرم ہیں (اس لقب پر آج نجدی ناز کرتے ہیں)
- ہم حج کے موقعہ پر حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرکین کے لیے لائق نہیں یعنی ان کے لیے بالکل ناروا ہے اور نہ ہی ان کو مناسب ہے اس میں تحقق و وجود کی نفی ہے جواز کی نفی نہیں جیسا کہ ظاہری عبارت سے ثابت ہوتا ہے جیسے ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین میں وجوب و تحقق کی نفی ہے یعنی کفار کے لیے واجب ہے کہ وہ خوفزدہ ہو کر اس میں داخل ہوں۔ اَنْ یَّعْمُرُوْا ایسی تعمیر کریں کہ جس کا اعتبار کیا جائے مَسٰجِدَ اللّٰہِ اللہ کی مسجدوں کی۔ اس سے صرف مسجد حرام

بقیہ ص ۴۷۸ سے آگے

مسئلہ: مومن کا کافر کو دوست بنانا بھی خیانت ہے۔ اسی طرح کافر سے محبت کرنا بھی اور کفار سے میل جول رکھنا بھی ان سے محبت کی علامت ہے۔ (العیاذ باللہ) اسی لیے ہم اہلسنت بدمذاہب کے میل جول اور ان سے تعلق دوستی حرام سمجھتے ہیں لیکن اسے صرف اہل دل سمجھتے ہیں، عوام بیچارے کیا جانیں کہ یہ کیا راز ہے۔

حدیث شریف ۴: حضرت شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا کہ تمہارے میں کوئی اجنبی ہے، اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اہل کتاب تو نہیں۔ ہم نے عرض کی، ہمارے ساتھ ان کا کیا واسطہ۔ اس کے بعد آپ نے دروازہ بند کرا کر فرمایا، اپنے ہاتھ اٹھا کر کہو: لا الٰہ الا اللہ۔ ہم نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لا الٰہ الا اللہ۔ آپ نے ایک گھڑی بھر ہاتھ اٹھائے رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے بھی ہاتھ نیچے کر دیا اور ہمیں بھی اپنے ہاتھ نیچے کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے جس کلمے کے اعلان کا حکم فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ جو اس کلمہ کو قبول کرے گا اس کے لیے بہشت ہے تیرا وعدہ پختہ ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہمیں فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دیے۔

سبق: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ ایک خاص تلقین تھی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ کاملین اولیاء کو وراثت میں نصیب نبوی جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس سے آج تک جاری ہے اس پر عوام کو مطلع کو نہیں کیا جاتا تاکہ وہ غیروں تک اسرار و ہمیدہ نہ پہنچا دیں کیونکہ بھید و اسرار غیروں کو بتانا بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔

مراد ہے۔

سوال: اگر اس سے مسجد حرام مراد ہے تو پھر صیغہ جمع کیوں؟

جواب: (۱) چونکہ وہ تمام مساجد کی قبلہ ہے اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر جمع لایا گیا ہے اس کی تعبیر گویا تمام مساجد کی تعبیر ہے۔

(۲) اس کی ہر جانب سے مساجد واقع ہیں بخلاف دیگر ہر مسجد کے کہ اس کی کوئی جہت مسجد سے خالی ہوگی۔

فائدہ: حضرت عکرمہ سے پوچھا گیا کہ اسے مسٰجد کیوں پڑھتے ہو حالانکہ وہ تو ایک مسجد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اسکی فضیلت کی وجہ سے، اس لیے کہ صفا و مروہ کو اللہ تعالیٰ نے شعائر (جمع) کہا جو مسجد حرام کے بالمقابل کوئی شے نہیں اس لیے کہ مسجد الحرام اپنی جنس کے جمیع افراد سے افضل ہے۔

فائدہ: صراحۃً تعبیر مسجد کے ذکر سے یہی طریقہ بلیغ تر ہے۔

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ تمام مساجد سے محترم تر یہی مسجد حرام ہے، پھر مسجد المدینہ، پھر مسجد بیت المقدس، پھر دنیا کی تمام جامع مسجدیں، پھر شارع عام کی مسجدیں، یہی پچھلی مسجدیں مرتبہ کے لحاظ سے بہت کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مساجد میں اعتکاف نہیں بیٹھا جا سکتا، ہاں اگر اس مسجد کا امام معین اور اس میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہو تو ان تمام مساجد میں کم درجہ والی گھر کی مساجد ہیں کہ ان میں سوائے عورتوں کے اور کوئی اعتکاف نہیں بیٹھ سکتا۔

حقیقی مسجد صاحب روح البیان نے فرمایا: یہ تمام بحث مجازی مساجد کی تھی ورنہ حقیقی مسجد تو اولیاء کرام کے قلوب ہیں جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

مسجدے کان در درون اولیاء است ۔۔۔ خانۂ خاص حقست آنجا خداست

نیست مسجد جز درون سروران ۔۔۔ آن مجازست این حقیقت ای جوان

ترجمہ: وہ مسجد حقیقی ہے جو اولیاء کے اندر دل ہے اس لیے کہ وہی خاص خانۂ خدا ہے۔ اولیاء اللہ کے قلوب کے سوا اور کوئی مسجد نہیں یہ مساجد مجازی مسجدیں ہیں اور حقیقی مساجد وہی قلوب اولیاء ہیں۔

اسی وجہ سے مومن کا دل توڑنے کو ھدم المسجد (مسجد ڈھانے) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ درانحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دیتے ہیں یعنی مسجد حرام کے گرد بتوں کو نصب کر کے اپنے شرک پر خود بخود مُہر ثبت کر رہے ہیں۔ یہی ان کے مشرک ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے ان کا شرک سے انکار کرنا ان کی حماقت ہے۔ یہی تفسیر حضرت حسن سے منقول ہے۔

ف: سدی نے کہا کہ ان کا اپنے نفسوں پر کفر کا خود بخود گواہ ہونا ایسے ہے جیسے کسی سے کوئی پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وہ جواب دے کہ میں یہودی ہوں۔ یا نصرانی سے پوچھا جائے تو وہ کہے میں نصرانی ہوں۔ اسی طرح مجوسی اپنے متعلق کہے کہ میں مجوسی ہوں۔ اسی طرح یہ کافر (اہل مکہ) بت پرستی کا صراحۃً اقرار کرتے ہیں، مثلاً ما نعبدھم الا لیقربونا۔ ہم بت پرستی صرف اس لیے

کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں۔

ف : شٰهِدِيْنَ يَعْمُرُوْا کی ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا مسجد حرام کی تعمیر کا دم بھرنا بالکل بے سُود ہے جبکہ وُہ بت پرستی کرکے اپنا کیا کرایا ضایع کر دیتے ہیں اس معنے پر ان کی تعمیر مسجد کا دعویٰ کسی کام کا نہ رہا۔

اُولٰٓئِكَ جو تعمیر مسجد اور دیگر نیکیوں کے مدعی ہیں اور بت پرستی بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگ وُہ ہیں حَبِطَتْ بوجہ انکے اپنے کفر کے تباہ و برباد اور باطل ہو جائیں گے اَعْمَالُهُمْ ۚ ان کے وُہ اعمال جن پر وہ فخر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے اعمال مسلمانوں کے اعمال صالحہ کی طرح ہیں وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اور وُہ اپنے کفر اور معاصی کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

مسئلہ : حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اُمتِ محمدیہ کا اجماع ہے کہ کفار کو آخرت میں اعمال صالح سے کوئی فائدہ نہیں ملے گا اور نہ ہی انہیں ان اعمال کی وجہ سے کچھ ثواب نصیب ہوگا کہ جس سے جنت کی نعمتوں کے مستحق ہوں یا ان سے عذاب کی تخفیف ہو بلکہ جرائم و معاصی کی مقدار پر عذاب میں مبتلا ہوں گے کسی کو سخت اور کسی کو سخت تر اور کسی کو سخت ترین عذاب ہوگا۔

مسئلہ : امام فقیہہ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات و احادیث میں وارد ہُوا کہ کفار کو کسی نیکی کا ثواب نہیں ملے گا اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ کفار کو اعمال صالحہ کی وجہ سے جہنم سے نجات نہیں ملے گی البتہ انہیں عذاب کی تخفیف نصیب ہوگی۔ وہ اس لیے کہ گناہوں پر جہنم کی سزا مقرر ہے اور نیکیوں پر بہشت کی نعمتیں۔ چونکہ کفار نے بہشت میں تو جانا نہیں اور اُسے نیکیوں کی جزا بھی ملے گی کہ اس سے ان سے جہنم کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ مازری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی قول کے موافق ہیں۔

مسئلہ : امام واحدی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہُوا کہ کافر مسلمانوں کی مساجد نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اس میں چندہ دے سکتا ہے (اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس سے مسجد کی تعمیر کے لیے قرضہ لے لے اور وُہ مسجد پر خرچ کر دے پھر کافر مسلمان کو قرض معاف کر دے)

مسئلہ : اگر کافر مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے مال سے مسجد بنانا تو اس کی وصیت پُوری نہیں کی جائے گی۔ یہی پہ احناف کا اجماع ہے اگر ضرورت ہو تو اس کا وہی حیلہ کیا جائے جسے فقیر اُویسی نے پہلے عرض کر دیا ہے۔

مسئلہ : مساجد میں کفار کو داخل نہ ہونے دیا جائے اگر کوئی کافر کسی مسلمان کی اجازت کے بغیر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کافر کو سخت سزا دی جائے۔

مسئلہ : مساجد کی عظمت کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی لیے کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دینا افضل ہے۔ اسی طرح دُوسرے دشمنانِ اسلام کا حال ہے۔ اسی طرح مرزائی، شیعہ، رافضی، وہابی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ بھی ہماری مساجد میں داخل نہ ہوں۔ اس کی مزید تشریح فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ بے شک اللہ تعالیٰ کی مساجد تعمیر کرتے ہیں اس سے مسجد حرام کے علاوہ

دوسری تمام مساجد مراد ہیں۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ جو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ پر ایمان لاتے ہیں۔

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی داخل ہے اس لیے کہ اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایک دوسرے سے متحد ہیں ان کا کبھی ایک دوسرے کے بغیر ذکر نہیں ہوتا جیسے کلمۂ شہادت اور اذان اور اقامت وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

ف: حساب وکتاب اور دیگر وہ امور جو آخرت سے متعلق ہیں اسی میں داخل ہیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ اور باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ: اکثر مشایخ فقہاء کا خیال ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث شریف: گھر کے بجائے مسجد میں نماز ادا کرنے میں دوہرا اور بجائے بازار (دکان) مسجد میں پچیس گنا زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔

قاعدۂ فقیہہ: جو نماز جماعت سے تعلق رکھتی ہو اسے مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اس نماز سے جو گھر میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس سے صدقہ واجبہ مراد ہے یعنی اسے فرض سمجھ کر بطیب خاطر ادا کرتے ہیں۔

ف: زکوٰۃ کو صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایک دوسری کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی یعنی کسی کو زکوٰۃ کی طاقت ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو وہ اگرچہ نمازی ہے تو اس کی نماز بھی ناقابل قبول ہے اسی طرح زکوٰۃ کا پابند ہے لیکن نماز نہیں ادا کرتا تو اس کی زکوٰۃ بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ مسجد کی تعمیر ایسے شخص کی قابل قبول ہے جو امور مذکورہ بالا یعنی کمالات علمیہ وعملیہ کا جامع ہو۔

وَلَمْ یَخْشَ اور امور دین میں کسی سے نہیں ڈرتے اِلَّا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اسی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے مطابق عمل کرتے اور اسی کے نواہی سے بچتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی انہیں کسی ظالم سے خطرہ ہے۔

مسئلہ: جنگ کے میدان سے نہ گھبرانا بھی اسی حکم میں ہے یعنی مومن جنگ کو جانے سے نہیں گھبراتا اسی طرح کے اور دیگر امور کو سمجھیے۔

سوال: وہ امور کہ جن سے فطرۃً انسان کو خوف لاحق ہوتا ہے مثلاً درندوں اور ظالموں اسی طرح دیگر خطرات کہ جن سے انسان کو فطرتی طور ڈر رہتا ہے وہ اس میں داخل نہیں حالانکہ وہ بھی غیر اللہ ہیں اور تم کہتے ہو مومن غیر اللہ سے نہیں ڈرتا۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا پڑتا ہے مثلاً اس کی عظمت وجلال اور اس کی ہیبت وقدرت کا تصور دل میں لایا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اس تصور سے بندہ کو خوف لاحق ہوگا کہ اگر میں اس کے احکام

کی خلاف ورزی یا اس کے نواہی کی پروا نہ کروں گا تو سزا پاؤں گا ایسے خوف پیدا کرنے میں بندے کے کسب کو دخل ہے اور درندوں ظالموں وغیرہ سے اولاً تو مومن کامل ڈرتا نہیں اگر کوئی ان سے خوفزدہ ہوتا ہے تو چونکہ اس میں ہمارے قصد وارادے کو تعلق نہیں اور نہ اس میں ہمارے کسب کو دخل ہے اس لیے ایسا خوف آیت کے خلاف نہیں۔

فَعَسٰٓی ممکن ہے ایسا گروہ اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○ ہدایت یافتہ لوگوں سے ہو جائے، یعنی بہشت اور بہشت کی نعمتوں کو حاصل کرنے والوں سے ہو جائیں اور انھیں بھی وہی بلند درجات نصیب ہوں جو دوسرے بہشتیوں کو نصیب ہوں گے۔

سوال: مذکورہ بالا حضرات کو صرف اہتداء کی توقع سے کیوں موصوف کیا حالانکہ ایمان اور دُوسرے اعمال صالحہ کی وجہ سے دیگر مراتب علیا بھی تو انہیں نصیب ہوں گے۔

جواب: کافروں کی امیدوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے یعنی کافروں کو اپنے اعمال صالحہ سے امیدیں تھیں کہ انہیں بہت بڑے بلند مراتب حاصل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی امید پر پانی پھیر دیا بایں معنی کہ کافروں کو اہل اہتداء میں شمولیت نہیں اور بہشت اور اس کے بلند مراتب صرف اہلِ اہتداء کو نصیب ہوں گے۔ اس میں کافروں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ وہ کتنی ہی بہترا عمال کی جدوجہد کریں وہ کسی حالت میں بھی اہل اہتداء میں شامل نہیں ہو سکتے۔

نکتہ: اہلِ ایمان کو اگرچہ بار بار یقین دلایا گیا ہے لیکن پھر بھی انھیں لعلّ وعسٰی سے ہدایت یافتہ والوں میں شامل ہونے سے وعدہ فرمایا ہے پھر کافروں کو اپنے اعمال صالحہ سے کس طرح امید ہو سکتی ہے اس طریق سے اہل کفر کی تمام امیدوں کا دروازہ نہایت ابلغ طریق سے بند کر دیا گیا ہے۔ ؎

جائیکہ شیر مرداں در معرض عتا بند
روباہ سیرتانرا آنجا چہ تاب باشد

ترجمہ: جہاں شیر مردوں کو جھڑکا جا رہا ہے وہاں لومڑی صفت والوں کا کیا حال ہوگا۔

سبق: آیت میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ وُہ اپنے اعمالِ صالحہ پر مغرور نہ ہوں۔

قاعدہ: اگرچہ لفظ عسٰی اللہ تعالیٰ کے لیے یقینی امر پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں بندوں کو تنبیہ ہوتی ہے کہ وہ اعمال صالح کے باوجود بھی عذابِ الٰہی سے ڈرتے رہیں کہ کہیں ان سے ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے ان کے اعمال حبط ہو جائیں۔ (کذا قال الحدادی)

؎

ہر کہ از ل مغرور است
از فیض عمل مہجور است

ترجمہ: جو نیک عمل پر مغرور ہے وہ ازلی فیض سے دور ہے۔

۵

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس
بدیں سبب از بارگاہ عزت دور

ترجمہ: علم و عمل سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لیے کہ ابلیس بھی اسی دھوکہ سے بارگاہِ حق سے دُور ہوگیا۔

مسئلہ: تعمیرِ مساجد کئی قسم ہے مثلاً نئی مساجد تیار کرنا یا تعمیر شدہ مسجد کی ضروریات پُوری کرنا۔

حدیث صدقہ جاریہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ایسے عمل ہیں جن کا اجر و ثواب مرنے کے بعد بھی قبر میں پہنچتا رہتا ہے:

① علم پڑھانا ② نہر کھدوانا
③ کنواں بنوانا ④ باغ بونا (کھجوروں کا بالخصوص)
⑤ مسجد بنوانا ⑥ قرآن مجید پڑھنے کے لیے دینا (ایسے ہی دینی کتب)
⑦ نیک اولاد چھوڑ جانا جو اپنے والدین کے لیے استغفار کرتی رہے۔

فضیلت تعمیر مسجد حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنواتا یا اس میں حصہ لیتا ہے تو مسجد کی ہر انگلی یا ہر ہاتھ کی مقدار کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں چالیس لاکھ شہر تیار فرمائیگا ہر شہر میں ایک ایک لاکھ گھر ہوگا ہر گھر میں ایک ایک لاکھ پلنگ بچھے ہوں گے ہر پلنگ پر اس کے لیے حوریں بٹھائی جائیں گی اور مذکورہ بالا گھروں میں ایک ایک کے اندر چالیس چالیس ہزار دسترخوان بچھے جائیں گے ہر ہر دسترخوان پر چالیس چالیس ہزار پیالے (پلیٹیں) ہوں گی جن میں مختلف رنگ اور مختلف ذائقہ کے طعام ہوں گے اور اس بندے کی ہر قوت (جماع، خورد و نوش وغیرہ) میں اضافہ کیا جائے گا کہ ان طعاموں کو کھا کر پچا سکے گا اور مذکورہ بالا حوروں سے جماع بھی کر سکے گا۔[1] (ذکرہ الزندوستی فی الروضہ)

مسئلہ: کوئی مسجد ویران ہو جائے یا وہاں کے رہنے والے مسجد کو چھوڑ کر چلے جائیں اور مسجد ویران ہو جائے تو اس مسجد کی زمین کی وراثت مسجد کے بانی کو ملے گی وہ اس میں جو چاہے بنوائے مکان یا دُکان۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہ غیر معتبر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ تا قیامت مسجد ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اسی پر علمائے اسلام کا فتویٰ اور یہی معتبر اور صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی بد دماغ مسجد کو کھیل کا میدان اور کھیل کے میدان کو مسجد سے تبدیل کرے تو یہ بالکل ناجائز ہے۔

ف: ماڈرن دماغ اس کے قائل بلکہ اسی کے عامل ہیں۔[2]

---

[1] اس مضمون کو اگرچہ ماڈرن دماغ قبول نہیں کرے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالم آخرت کے حالات کو دنیوی امور پر قیاس کرنا بھی جہالت و حماقت ہے۔ [2] فقیر کو بھی ایک کمشنر سے واسطہ پڑا تھا اس کی تفصیل رسالہ "تعمیر مسجد کی داستان" میں ہے۔

فائدہ: صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ روم میں بعض بدمعاشوں نے مسجدوں کو گھوڑوں کی اصطبل اور مال گودام و دیگر ضروریات میں تبدیل کر دیا۔ یہ ان کے دَور کی بات ہے۔ ہمارے دور میں تو یہ عام ہو رہا ہے کہ مسجدیں ڈھا کر مکانات وغیرہ تعمیر کیے جا رہے ہیں، اور نہ صرف عوام بلکہ حکومت کے بڑے ذمہ دار حکام۔

مسئلہ: مدارسِ عربیہ یعنی دینی تعلیم گاہوں کا بھی احترام ضروری ہے لیکن بد دماغ ان کی عزت کو ذلت سے تبدیل کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں: وَقَدْ شَاهَدْنَاهُ فِيْ دِيَارِ الرُّوْمِ۔ (العیاذ باللہ) لیکن آج تقریباً تمام ممالک میں ہو رہا ہے۔

ملفوظاتِ علی کرم اللہ وجہہٗ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ اچھے انسان کے لیے چھ عادتیں لازمی ہیں، تین حضر میں اور تین سفر میں۔ گھر کے لیے تین عادات یہ ہیں:

- تلاوتِ قرآن مجید
- تعمیرِ مسجد اور اس کی صفائی اور آبادی از قسم نماز وغیرہ۔
- مہمان نوازی

اور سفر کی تین عادات یہ ہیں:

- زادِ راہ کی وُسعت
- حسنِ خلق
- معاصی و جرائم سے پرہیز کو مدِ نظر رکھ کر جائز ہنسی مذاق۔ (کذا ذکرہ الخطیب فی الروضہ)

مسجد کی صفائی مسجد کو جھاڑو دینا اور اسے صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کی حورعین کا حق مہر مسجد کے جھاڑو دینے اور اسے صاف ستھرا رکھنے میں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ برتنوں اور گھر کے صحن کی صفائی سے تونگری حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: جب عام گھر کی صفائی تونگری کا موجب ہے، اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی کو تو بطریق اولیٰ تونگری کا موجب ہونا چاہیے۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ فنا واقع ہوا بمعنی صحن الدار والدکان ونحوھا۔

مسئلہ: مسجد کی صفائی کی طرح درس گاہوں کا صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ: مساجد کو فرش وغیرہ سے آراستہ رکھنا چاہیے۔

فائدہ: مساجد میں سب سے پہلے چٹائیاں وغیرہ بچھانے کا عمل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا ورنہ ان کے زمانہ سے پہلے مسجدوں میں کنکریوں پر نماز ادا کی جاتی تھی۔

اعجوبہ زمانہ ایک روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں تشریف لائے تو مسجد شریف میں بارش کی وجہ سے کیچڑ تھی، ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ کنکریوں کی جھولی بھر کر مسجد میں ڈال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بہترین فرش ہے۔

اس کے بعد حکم صادر فرمایا کہ مسجد کے اندر باہر کنکریاں ڈال دی جائیں۔ ابھی یہ کام مکمل نہ ہُوا کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ اس کی تکمیل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نہ صرف کنکریاں بچھائیں بلکہ مسجد کو چٹائیوں سے آراستہ فرمایا۔

بدعتِ حسنہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا کہ :

اکثر معروفات ھذہ الاعصار منکرات فی عصر الصحابۃ اذ من عد المعروف فی زماننا من فرش المساجد بالبسط الرقیقۃ وقد کان یعد فرش البواری فی المسجد بدعۃ وکانوا لا یرون ان یکون بینھم و بین الارض حائل [1]	اکثر اسی زمانہ نیکیاں صحابہ کرام کے زمانہ میں برائیاں متصوّر ہوتی تھیں مثلاً ہم اپنے زمانہ میں مساجد میں فرش فروش بچھانے کو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں صرف چٹائیاں بچھانا بدعت کہا کرتے وہ مسجد کی مٹی اور سجدہ کے درمیان کسی شے کا حائل ہونا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ : فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی کے لیے مستحب ہے کہ زمین پر سجدہ کرے۔ سجدے اور زمین کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو نہ چٹائی نہ اینٹ نہ دیگر کوئی شے۔ اس لیے کہ تواضع و انکساری کا تقاضا اسی طرح ہے۔ اس طرح کرنے سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف سے بھی بچاؤ ہوگا اس لیے کہ ان کے نزدیک سجدہ اگر زمین یا زمین کی جنس پر نہ ہو تو نماز مکروہ ہے۔

مسئلہ : اُون کے موٹے گدّے اور اسی طرح دیگر ہر قسم کے فروش پر بلا کراہت نماز کا سجدہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ فرش یا گدا ایسا سخت ہو کہ اس پر سجدہ کرنے سے ماتھا اور ناک وغیرہ اس کی تہ میں نہ چلے جائیں اس لیے کہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے بنے ہُوئے گدّے پر نماز پڑھی تھی۔

مسئلہ : مسجد کو گچ اور سفید مٹی یعنی چُونے وغیرہ سے آراستہ کرنا جائز ہے۔ منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک نے شام کے خراج کے سہ گنا مال سے جامع مسجد دمشق کی تعمیر کی تھی۔

اعجوبۂ بیت المقدس مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے مسجد بیت المقدس کی تعمیر اور اس کی آراستگی پر پُورا زور لگایا یہاں تک کہ مسجد کے قبّہ کی چوٹی پر کبریت نصب فرمایا اور وہ اس زمانہ میں ایک بیش بہا اور نادرِ روزگار سمجھا جاتا تھا اور اس کی میلوں تک روشنی نظر آتی ہے یہاں تک کہ بارہ میل کے اندر چرخہ کاتنے والی عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں جب بدبخت بخت نصر نے بیت المقدس کو ویران اور برباد کیا تو نہ صرف

---

[1] ہم اہلسنت اس وسعت کو بدعات حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ہم اور مخالفین سب عامل ہیں لیکن ان بیوقوفوں سے تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ بدعت خواہ حسنہ ہو تب بھی حرام ہے لیکن وہ اس پر نہ صرف عمل کرتے ہیں بلکہ اسے اجرِ عظیم سمجھتے ہیں اور نہ صرف ایک بلکہ وہ تہائی دین میں اسی قاعدہ پر چل رہا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ من البدعۃ" میں ہے۔

کبریت احمر بلکہ مسجد شریف کا تمام سونا چاندی اور تمام جواہر و لعل اپنے شہر بابل لے گیا۔ اس سامان کو ایک لاکھ ستر اونٹوں پر لادا گیا۔

مسئلہ: مسجد میں روشنی کے قندیل لٹکانا اور دیے، موم بتی وغیرہ جلانا جائز ہے۔

حدیث شریف: جو شخص مسجد میں روشنی کے لیے قندیل لٹکاتا ہے تو اس کے لیے اس وقت تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہیں گے جب تک وہ قندیل نہیں ٹوٹے گا۔ (کذا فی الکشف)

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں چراغ جلاتا ہے تو جب تک مسجد میں روشنی رہیگی تو اس کے لیے فرشتے اور حاملین عرش استغفار کرتے رہیں گے۔

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد میں ایک ہزار سات سو سونے کے قندیل چاندی کے زنجیروں سے لٹکانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

حکایت مروی ہے کہ مسجد نبوی میں روشنی کے لیے کھجور کی چھال جلائی جاتی تھی۔ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو اپنے ساتھ قندیل اور ایک رسی یعنی بٹ اور تیل ساتھ لائے اور مسجد کے ہر ستون کے ساتھ قندیل لٹکا دیا۔ جب حضور علیہ السلام نے مسجد شریف میں بہت زیادہ روشنی دیکھی تو آپ نے تمیم داری کو دعا دی اور فرمایا: تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تمہیں روشن کرے۔ اور فرمایا: بخدا اگر میری لڑکی ہوتی تو میں اس کا تیرے ساتھ نکاح کر دیتا۔

فائدہ: بعض مورخین نے لکھا کہ مسجد میں سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قندیل لٹکایا۔ اسی قول کی تائید بعض مفسرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: والمستحب من بدع الافعال تعلیق القنادیل فیھا۔ یعنی بدعت حسنہ کو اپنانا مستحب ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مسجد میں قندیل لٹکایا جائے۔ اور یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ نماز باجماعت ادا کریں اور اسکی امامت اُبی بن کعب فرمائیں۔ جب تراویح کی جماعت کا حکم فرمایا تو مساجد میں قنادیل لٹکانے کا حکم بھی صادر فرمایا۔

حضرت علی نے حضرت عمر کو دعا دی جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ مسجدیں بارونق ہیں، حفاظ مساجد میں قرآن شریف سنا رہے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غائبانہ دعا دی کہ اے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے آپ نے ہماری مساجد کو روشن فرمایا۔

ازالہ وہم حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق یہ روایت بھی صحیح ہے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قندیل لٹکانا بھی درست۔ اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی رسم قندیل کو مزید فروغ بخشا پھر یہ قاعدہ ہے کہ فعل کا اصل موجد کے بجائے فروغ دینے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

حکایت کسی کو مامون الرشید نے کہا کہ مسجد میں روشنی کے متعلق معقول وجہ بتائیے جبکہ زاید از ضرورت روشنی جلائی جائے

وہ شخص کہتا ہے کہ میں حیران تھا کہ مامون کو کیا جواب دُوں، اسی حیرانی میں مجھے نیند آگئی، مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا مجھے کہتا ہے کہ مامون کو کہو کہ مسجد کی روشنی تہجد گزاروں کے لیے موجب انس اور اس سے اللہ تعالیٰ کے گھر سے تاریکی کی وحشت کا دفعیہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس پر میں جاگ اُٹھا اور مامون کو یہی وجہ لکھ کر بھیجی۔

مسئلہ: لیکن اتنی زاید روشنی بھی نہ ہو کہ جس سے اسراف کا وہم پیدا ہو جیسے شب برات یعنی ۱۵ شعبان کی شب کو زاید از ضرورت روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے یہاں تک اسی رات کا بعض لوگوں نے لیلۃ الوقود (روشنی والی رات) نام رکھ دیا۔

فائدہ: اس کے جواز و عدم جواز اور کراہت اور عدمِ کراہت کا حکم وہی ہے جو مسجد کے نقش و نگار اور اس کے سنوارنے کا ہے بعض فقہائے نے مکروہ کہا اور بعض نے ناجائز۔ کذا فی انسان العیون للحلبی

بدعت حسنہ اور اولیاء کرام کے قبہ جات وغیرہ کا ثبوت

حضرت الشیخ عبدالرحمٰن نابلسی[1] قدس سرہٗ نے کشف النور عن اصحاب القبور" میں عرصہ پہلے وہابیوں دیوبندیوں کا منہ بند کر گئے چنانچہ اوّلاً وہ بدعتِ حسنہ کا قاعدہ لکھتے ہیں پھر اسی قاعدہ پر بدعتِ حسنہ کو سنت کا لقب دے کر اہلسنت (بریلوی) کی تائید فرماتے ہیں جسے وہابی دیوبندی نہ مانیں یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ یہ سیکڑوں سال پہلے کی بات ہے جسے آج ہم بیان کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی فتوٰی سے بدعتی اور مشرک کہلواتے ہیں۔ سیدنا عبدالغنی نابلسی کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو:

ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمّٰی سنۃ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا تحتقروا صاحب ھذا القبر وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضاً للاولیاء فالمقصد

بدعت حسنہ جو شرع کے مقصود کے موافق ہو اس کا نام سنت ہے، یہی وجہ ہے کہ اولیاء و علماء کے مزارات پر قبہ جات بنانا اور ان کے مزارات پر غلاف ڈالنا اور ان کے سرہانے پگڑی باندھ کر رکھنا اسی طرح ان پر اور کپڑے ڈالنا جائز ہے اس لیے کہ ایسے امور کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام کی نظروں میں اولیاء و علماء کی تعظیم ہو ان کی معمولی قبروں کو دیکھ کر انھیں حقیر نہ سمجھیں اسی طرح ان کے مزارات پر روشنی چراغاں کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ اولیاء و علماء کا اعزاز و اجلال ہو اس نیت سے ان

---

[1] یہ وہی نابلسی ہیں جو شاہ ولی اللہ کے اجداد اساتذہ سے ہیں ۱۲

فیھا مقصد حسن و نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم و محبۃ فیھم جائز ایضا لا ینبغی النھی عنہ [1]

امور کا کرنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے مزارات کے لیے تیل اور روشنی وغیرہ کی منت ماننا جائز ہے جبکہ اس سے اولیاء و علماء کی تعظیم مطلوب ہو اور یہ امور محبت و عقیدت سے بجالائے جائیں ایسے امور کا روکنا نہایت ناموزوں ہے۔

مسئلہ: مسجد میں داخل ہونا اور بیٹھنا اور اس میں ٹھہرنا اور عبادت کرنا اور ذکر کرنا اور درس و تدریس کا شغل رکھنا اسی طرح کے دیگر امور خیر تمام جائز ہیں۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو جہاد سے بھی افضل ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کی، بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ تاکہ اس میں قرآن اور فقہ اسلامی اور سنت نبوی کی تعلیم ہو۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ: مسجد کو ایسے امور سے بچایا جائے جن امور کے لیے نہیں بنائی گئی یعنی اس میں دنیوی باتیں نہ کرنے دی جائیں۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں دنیوی باتیں نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے سوکھی لکڑیوں کو آگ یا جیسے گھاس کو جانور کھا جاتے ہیں۔

مسئلہ: مسجد اور مجلس علم میں اور مُردے کے قریب اور گورستان میں اور اذان اور تلاوتِ قرآن کے وقت دنیوی باتیں کرنے سے تیس سال کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین پر میرے گھر مساجد ہیں اور میرے زائر ان کی تعمیر کرنے والے ہیں، اس بندے کو مبارک ہو جو گھر سے وضو کر کے میرے گھر میں عبادت کے لیے آتا ہے پھر گھر والے کا حق ہے کہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے۔

صوفیانہ باتیں حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عمارت مسجد سے مراد یہ ہے کہ مرافق عبودیت کو آباد کیا جائے لیکن ان کی آبادی بشریت کے اوطان کو برباد اور ویران کیے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عابد وہ ہے جو اوطان شہوت کو مٹائے اور زاہد وہ ہے جو بشریت کا تصور بھی ختم کر دے ہر ایک صنف اپنے مقام پر ہے اسی طرح ان کے ایمان کے مراتب بھی مختلف ہیں کسی کا ایمان برہان سے کسی کا بیان سے کسی کا عیان سے، اسی طرح ان کے فضائل کے درجات ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقی معماروں اور سچے زائرین سے بنائے آمین

---

[1] اس موضوع پر اعلحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ایک رسالہ "بریق المنار" لکھا ہے۔

تفسیر عالمانہ، شانِ نزول (۱) اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا حجاج کو حج کے موقعہ پر پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور جہاد کرنے سے بہتر ہے کفار حرم مکہ کی نگرانی پر بہت بڑا فخر کرتے اور کہتے کہ ہم اہلِ ایمان سے بہت زیادہ ہیں اور حرم مکہ کی ہمسائیگی اور اس کی تعمیر کرنے والے بھی ہم ہیں اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول ۲ کاشفی نے لکھا ہے کہ بعض مشرکین مکہ زمانۂ جاہلیت میں حجاج کو زبیب کا نچوڑ یا شہد یا ستو پیش کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں پانی پلانے کا منصب حضرت عباس کے سپرد تھا اور مسجد حرام کی تعمیر شیبہ بن طلحہ کی ذمہ داری میں تھا۔ ایک دن یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخر یہ طور کہنے لگے کہ سقایہ اور مسجد حرام کی تعمیر کا کام ہمارے سپرد ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں دولتِ اسلام اور جہاد نصیب ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

شانِ نزول ۳ مروی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے قریب بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ حجاج کو پانی پلاتا ہوں اس بڑے عمل کے بعد دوسرے اعمال کی مجھے ضرورت کیا ہے۔ دُوسرے نے کہا کہ مجھے مسجد حرام کی تعمیر کی سعادت حاصل ہے اس بڑے عمل کے بعد مجھے اور کسی عمل کی حاجت نہیں۔ تیسرے نے کہا کہ تمہارے ان اعمال سے جہاد افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے سامنے آواز بلند مت کرو۔ یعنی ادب کا مقام ہے فلہٰذا اب خاموش رہو تمہاری یہی تمام گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جائے گی (یہ جمعہ کا دن تھا) جب ہم نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو حضور علیہ السلام کو عرض کریں گے ان کی اس گفتگو پر یہی آیت نازل ہوئی۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے لوگو مسلمانو! یا مشرکو! تم سقایہ اور تعمیر مسجد کی خدمت اور دیگر امور کو ہجرت اور جہاد اور اسی طرح کے دُوسرے اعمال پر ترجیح دیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ سقایہ اور تعمیر مسجد حرام علو درجات اور فضیلت میں۔ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اس شخص کی طرح ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔

سوال: سقایہ اور عمارۃ دونوں مصدر ہیں اور یہ عوارض یعنی معنوی امور ہیں انہیں من اٰمن سے کس طرح تشبیہ دی جا سکتی ہے جبکہ من اٰمن ذوجثہ ہیں یعنی معنوی امور کو اشیاءِ محسوسہ سے تشبیہ کیوں دی گئی۔

جواب: سقایہ اور عمارۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی عبارت دراصل اهل السقایة و اهل العمارة تھی۔ اس تقدیر پر محسوسات کو محسوسات سے تشبیہ ثابت ہوئی یا من اٰمن باللّٰہ سے پہلے ایمان مضاف محذوف ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یُوں تھی سقایة وعمارة کا ایمان من اٰمن باللّٰہ الخ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سقایہ اور عمارۃ المسجد الحرام اگرچہ نیکی کا کام ہیں لیکن وہ مومن کے ایمان وجہاد سے کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہو سکتے چنانچہ فرمایا:

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی فریقِ اوّل یعنی مشرکین، فریقِ ثانی یعنی مومنین کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں فریقِ ثانی کا درجہ بلند ہے اس لیے کہ ہر موصوف اپنے صفات سے بلندی پاتا ہے۔ ان دو گروہوں کو غور سے دیکھا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے صفات ایمان و جہاد اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مراتب ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ ان کے موصوف یعنی مسلمان کافروں سے افضل ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں بخشتا یعنی وہ کافر جو شرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرکے ظالم ہوئے اس وجہ سے وہ گمراہی میں منہمک ہیں بنا بریں وہ ان لوگوں کی برابری نہیں کرسکتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور انہیں حق و صواب کی توفیق عطا فرمائی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ربط : پہلی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ مومن و کافر کو برابری حاصل نہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ مشرکین گمراہ اور ظالم ہیں۔

یعنی وہ لوگ جو مومن ہیں وَهَاجَرُوْا اور انہوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگئے وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور طاعتِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مقابلہ کیا بِاَمْوَالِهِمْ مجاہدوں پر اپنے اموال خرچ کرکے یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو زیر کرنے کے لیے اپنے اموال مجاہدوں کے لیے نیار رکھتے ہیں۔ وَاَنْفُسِهِمْ اور جنگ کے میدان میں اپنے نفسوں کو پیش کرکے یعنی وہ حضرات جو ان اوصاف سے موصوف ہیں اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ بہت بڑے مراتب و درجات والے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اور بزرگی و کرامت میں یہ حضرات کافروں سے بلند و بالا ہیں، اگرچہ کافروں میں کتنی ہی نیکیاں پائی جائیں منجملہ ان کے سقایہ و تعمیر مسجد حرام بھی ہے تب بھی وہ اہل ایمان کے مراتب و درجات و کمالات کو کسی صورت میں نہیں پہنچ سکتے۔

سوال : اعظم افعل التفضیل کا صیغہ ہے اس کا تقاضا ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہیں حالانکہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی قسم کی عزت و عظمت نہیں بلکہ وہ تو اس کے ہاں ذلیل ترین ہیں۔

جواب : چونکہ کفار اپنے خیال پر اپنی عزت و عصمت کے قائل تھے ان کے غلط خیال کے مطابق ایسے فرمایا چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تائید ملتی ہے اصحاب الجنة خیر مستقرا و احسن مقیلا۔ بہشتی لوگ استقرار کے لحاظ سے بہتر اور آرام کرنے کے اعتبار سے احسن ہیں اس آیت میں بھی کافروں کی غلط خیالی کا رد ہے یا یوں کہو کہ یہ افعل التفضیل کے صیغے مطلق معنے پر دلالت کرتے ہیں اس کے جوابات ہم نے اسی تفسیر میں پہلے کسی جگہ پر مفصل عرض کیے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ جن کے اوصاف اوپر مذکور ہوئے هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○ وہی بہت بڑی کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں یا یہاں پر مطلق کامیابی مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کامیابی صرف انہی سے منسوب ہے اگر ان کے ماسوا کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ کالعدم بلکہ ان کی کامیابی کے مقابلہ میں ان کے ماسوا کی کامیابی لاشئے متصور ہوتی ہے۔

فائدہ : ان کے ماسوا سے وہ کفار مراد ہیں جو سقایہ و تعمیر مسجد وغیرہ پر فخر کرتے تھے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ انہیں ان کا رب تعالیٰ دنیا میں رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے خوشخبری سناتا ہے بِرَحْمَةٍ بہت

بڑی رحمت کی مِّنْهُ اپنی جانب سے یہاں پر رحمت سے عذاب آخرت سے نجات مراد ہے وَرِضْوَانٍ اور کامل خوشنودی وَجَنّٰتٍ اور بہت بلند اور عالیشان باغات نصیب ہوں گے لَّهُمْ ان کے لیے ان باغات میں نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ دائمی نعمتیں ہیں یعنی وہ نعمتیں جو انہیں بہشت میں نصیب ہوں گی وہ غیر منقطع ہوں گی خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے اَبَدًا ط یہ خلدین کی تاکید ہے تاکہ آیت کا مطلب مؤکد اور مزید واضح ہو جائے تاکہ خلدین سے کوئی مجازی معنے مراد نہ لے سکے اس لیے کہ خلود بمعنے طویل المکث (دیر تک رہنا) کے بھی آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہشت میں اجر و ثواب اندازہ سے باہر ہے اور یہ محض اس کی رحمت اور اپنا فضل و کرم ہوگا ورنہ وہ دنیوی اعمال کی مزدوری نہیں ہوگی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے رحمت عاصیوں کے لیے اور رضوان فرمانبرداروں کے لیے اور جنت جمیع اہل ایمان کے لیے ہے۔

نکتہ: رحمت کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ گنہگار کو رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے بلکہ گنہگار کو یقین ہو کہ اس کے گناہ اگرچہ عظیم ہیں لیکن اس کی رحمت عظیم تر ہے۔ ؎

گنہ ما بروں ز حد و شمار　　　عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ

قطرہ ز آب رحمت تو بس است　　　شستن نامۂ سیاہ ہمہ

ترجمہ: ہمارے گناہ حد و شمار سے باہر ہیں لیکن تیری عفو و مغفرت ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ تیری رحمت کا تو صرف ایک قطرہ بھی کافی ہے اس ایک قطرہ سے ہمارے تمام گناہ دُھل جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کفار و مشرکین بکفر و شرک جلی اہل ایمان کے اعمال و طاعات کے مساوی نہیں ایسے ہی مشرکین بشرک خفی یعنی عوام طاعت گزار بھی مخلصین اولیاء اللہ کے احوال و مقامات کے برابر نہیں ہو سکتے اس لیے وہ زہد و تصوف اور تعرف و تعبد جس میں ریاء و ہویٰ اور اغراض دنیویہ و اخرویہ کی ملاوٹ ہو اہل اللہ کے نزدیک سب بیکار ہے اس لیے کہ یہ خدمت ناقص ہے اس سے کسی قسم کا اچھا نتیجہ ثابت ہوگا جیسے خراب بیج زمین میں ڈالنے سے اچھا پھل پیدا نہیں ہوتا۔ ؎

دنیا داری و آخرت مے طلبی

ایں ناز بخانۂ پدر باید کرد

ترجمہ: دنیا دار ہو کر آخرت کا دعویدار رہتا ہے یہ ناز برداری باپ کے گھر میں ہو سکتی ہے۔

خادم و متخادم کا فرق اللہ تعالیٰ کے ہاں سُرخرو ہوئے زوالا کبھی لوگوں سے یہ طمع نہیں کرتا کہ وہ اس کی قدر و منزلت پہنچائیں۔ اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خادم و متخادم میں فرق ہے۔ متخادم وہ ہے جو مخدوم کی خدمت میں اپنی خواہش نفسانی کو دخل دے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ مخدوم کی خدمت میں اس کی رضا اور رنجش کو مدِّنظر نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنی قلبی خواہش کے پیش نظر خدمت کرتا ہے پھر خدمت کر کے منتظر رہتا ہے کہ اس کی مدح و ثناء ہو اور خادم ان تمام بیماریوں سے پاک ہوتا ہے۔

زھد کیا ہے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
جمیع ما فی الدنیا کے جمیع حظوظ نفسانی کے ترک کا نام زہد ہے۔

ایک روحانی مرض اور اُس کا علاج حظوظ مالیہ وجاہیہ اس وقت سے پیدا ہوتے ہیں جب بندہ چاہے کہ لوگوں کے ہاں اس کی قدر و منزلت ہو اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کی بہت زیادہ تعریف کریں۔
اس کا علاج حدیث شریف میں ہے کہ بندہ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اس سے غضبِ الٰہی دُور رہتا ہے جب تک دنیا کے کسی نقصان کی پروا نہ کرے جس وقت دنیوی نقصان پر ملال کرنے لگتا ہے تو پھر ہزاروں بار لا الٰہ الا اللہ پڑھے تو جواب ملتا ہے کہ تیرا یہ کلمہ صدقِ دل سے نہیں ہے۔

حکایت بنی اسرائیل کے ایک نیک بخت نوجوان کو کسی شہزادی ملکہ نے زنا کے لیے اپنے قابو میں لے لیا۔ اُس نوجوان نے کہا کہ مجھے غسل خانہ میں لے چلو تاکہ میں صاف ستھرا ہو لوں۔ جب اُسے غسل خانہ میں لیجایا گیا تو وہ چوری چھپے کسی اونچے مکان پر چڑھ گیا اور وہاں سے چھلانگ لگائی تاکہ زنا کی لعنت سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ اسے پڑوں پر اٹھا کر زمین پر آرام سے جا کر بٹھا دو تاکہ اسے کسی قسم کی چوٹ نہ آئے۔ چنانچہ ایسے ہوا کہ اُسے فرشتوں نے آرام سے زمین پر پہنچایا۔
شیطان سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا کہ تم نے اسے گمراہ کیوں نہ کیا؟ شیطان نے جواب دیا کہ اللہ والوں پر میری کوئی نہیں چلتی۔

سبق؛ جو بھی نفس کی خواہشات کے خلاف کرتا ہے اسے یہی مرتبہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کی نگرانی خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور حقیقی جہاد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا میں زندگی بسر کرے۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسے دنیا و آخرت کے نقصانات سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: عارف باللہ حضرات فرماتے ہیں کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے کھانے پینے میں، لباس وغیرہ میں۔ یعنی کپڑے پہنے تو اللہ کی رضا پر کھائے یا پیئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر اسی طرح پسند کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔

حدیث شریف؛ جو خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لگاتا ہے تو قیامت میں آئے گا تو اس کی خوشبو خالص مُشک سے بھی زیادہ معطر ہو گی اور جو خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر لگاتا ہے تو قیامت میں اس سے مردار سے زیادہ گندی بدبُو آئے گی۔

سبق؛ سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرے اپنے نفس کے کنٹرول میں لمحہ بھر بھی چشم پوشی نہ کرے اس کی ہر حرکت ہر کلام اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہو۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں نفس سے جہاد کرنا اور وجود و موجود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ نفس متمردہ کے لیے مقام عندیہ میں قرب اسی طرح نصیب ہوتا ہے اور جسے مقام عندیہ کا وصال حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے اجر بن جاتا ہے

اسے پورے طور پر یاد کر لینا ضروری ہے اس سے غفلت نہ کرنی چاہیے۔

تفسیرِ عالمانہ ،شانِ نزول ۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا ان میں سے بعض ان لوگوں نے کہا (جو اپنی عورتوں اور اولاد اور رشتہ داروں کی محبت میں مبتلا تھے) کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں کہ آپ ہمیں ایسے کام پر مجبور نہ کریں کہ جس سے ہم ضائع ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام ان کے حال پر رحم فرماتے ہوئے ہجرت کا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اپنے کافر آباء اور بھائیوں کو تم میں نہ بناؤ اَوْلِيَآءَ دوست اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ اگر وہ کفر کو پسند کریں عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ ایمان پر۔ استحبوا کو علی سے متعدی کرنے کا اشارہ ہے کہ یہ اختیار اور حرص کے معنیٰ میں ہے وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ اور جو تم میں ان سے دوستی کرتا ہے یعنی ان کے کردار (کفر) کو اچھا سمجھتا ہے۔ یہ مَن تبعیضیہ نہیں بلکہ جنسیہ ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس وہی دوستی کرنے والے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وہی ظالم ہیں اس لیے کہ انہوں نے دوستی کے فعل کو غیر محل میں رکھا گویا باقی ظلم ان کے ظلم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے پھر یہ کیسے کہا گیا کہ اس آیت سے ہجرت واجب ہوئی اور سب کو معلوم ہے کہ ہجرت قبل از فتح مکہ واجب ہوئی تھی حق یہ ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت کیا جائے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کی بیزاری کا وجوب اسی آیت سے ثابت ہوا اور آج کے بعد لازم کر دیا کہ رشتہ داروں سے ہر طرح کی دوستی ترک کر دو ظاہراً بھی باطناً بھی اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دو ان کے سامنے اپنے مخفی اسرار کا افشاء بھی نہ کرو اور انہیں یہ بھی نہ کہو کہ کاش ہم ہجرت نہ کر جاتے وغیرہ۔ اس تقریر کی تائید و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظّٰلمون سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ الظّٰلمون بمعنے المشرکون ہے۔

نکتہ: حدادی نے لکھا کہ ان کی دوستی کو کفر و شرک سے اسی لیے تعبیر فرمایا ہے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ الراضی بالکفر یکون کافرا۔ کسی کے کفر پر راضی ہونے والا بھی اس کی طرح کافر ہوتا ہے[1]

شانِ نزول ۲ کاشفی نے لکھا ہے کہ جب آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی تو ہجرت سے گریز کرنے والوں نے کہا کہ اگر ہم مکہ سے ہجرت کر کے چلے جائیں تو سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ ہم اپنے قبائل و عشائر سے جدا ہو جائیں گے

---

[1] اسی قاعدہ کے تحت ہم ان عبارات کفریہ کی وجہ سے موجود دیوبندیوں وہابیوں مودودیوں کو خارج از اسلام اور مرتد کہتے ہیں کہ ان کے اکابر کلمات کفریہ اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں تو یہ لوگ ان عبارات کو صحیح کہہ کر ان کی تاویلات کا دروازہ کھولتے ہیں گویا اس معنے پر وہ ان کی عبارات کفریہ پر راضی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی کتاب "حسام الحرمین" شریف۔ (اویسی غفرلہٗ)

اس وقت ہمارے تجارتی معاملات زوروں پر ہیں اور بسر اوقات بھی اچھی ہے لیکن ہجرت سے یہ تمام امور بگڑ جائیں گے علاوہ ازیں ہمارے ماں باپ نے یہاں زندگیاں بسر کیں اور وُہ اب بھی زندہ موجود ہیں ہم انہیں چھوڑ کر کہاں جائیں۔ یہ سودا ہمارے لیے گھاٹے کا ہے ہجرت کر کے ہم اپنے آپ کو بیکس اور بے بس نہیں بنانا چاہتے ان کی اس غلط پالیسی پر یہ آیت اُتری قُلْ فرمایئے میرے پیارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہجرت سے گریز کرنے والوں سے اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ اگر ہیں تمہارے آباء و ابناء اور بہن بھائی اور تمہاری عورتیں اور اور تمہارے قریبی رشتہ دار۔ العشیرة قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے اس کا مادہ معاشرہ ہے بمعنے مخالطہ۔ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا اور وہ مال جو تم نے کمائیں کما کر حاصل کیے۔

نکتہ: مال کو اقتراف سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اموال انہیں بہت مرغوب تھے اس لیے کہ انہوں نے ان کے حصول میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی وَتِجَارَةٌ اور وہ مال و متاع جو تم نے تجارت اور حصول نفع کے لیے خریدا۔ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا جس کے گھاٹے کا تم کو خطرہ ہے یعنی خطرہ کرتے ہو کہ تجارتی اسباب کا نرخ گر جائے تو موسم حج میں انہیں گراں قیمت سے بیچ سکو وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اور تم اپنے ان مکانات سے خوش ہوتے ہو یعنی ان مکانات کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھتے ہو کہ ایسے بہتر اور اچھے مکانات اور باغات کہاں اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت سے (کہ انہوں نے تمہیں ہجرت الی المدینہ کا حکم فرمایا) محبوب تر ہیں وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ اور تمہیں جہاد فی سبیل اللہ سے وہی محبوب تر ہیں۔

ف: یہاں اختیاری محبت مراد ہے یعنی وہ محبت جو ان کو کسی دوسری وجہ سے اختیار کرنی پڑی اس سے جبلی محبت مراد نہیں اس لیے کہ یہ تو ہر انسان میں غیر اختیاری ہوتی ہے اور یہ تکلیف شرع کے حکم میں داخل نہیں اس لیے کہ امور تکلیفیہ وہاں ہوتے ہیں جہاں بندے کی قوت و طاقت کو دخل ہونا پڑے۔

فَتَرَبَّصُوْا یہ شرط کا جواب ہے یعنی پس انتظار کرو حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ بِاَمْرِهٖ اپنے حکم کو اس سے جلدی یا دیر کا عذاب مراد ہے اس میں ان لوگوں کو وعید ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو دینی مصلحت پر ترجیح دیتے ہیں وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہاں فاسقین سے وُہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے برعکس مشرکین کی محبت میں گرفتار ہوئے۔

سبق: یہ وہ سخت وعید ہے کہ جس سے بہت کم لوگ بچ سکتے ہیں ورنہ دور حاضرہ کے زاہدوں عابدوں اور تقویٰ کے دم بھرنے والوں (غلط کار پیروں فقیروں) کے حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں اس لیے کہ ان کا دنیوی معاملہ اگر معمولی طور بھی گھاٹے میں پڑ جائے تو کئی روز تک حیران اور پریشان بلکہ غمگین و حزیں رہتے ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے دینی امور ضایع ہو جائیں تو پروا نہیں۔ یہ ان کے دور کا حال ہے ہمارا دور اس سے بھی ابتر ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص طاعت الٰہی پر دنیوی امور اور خواہشات نفسانی کو ترجیح دیتا ہے تو اسے زود یا بدیر عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

سبق صوفیانہ: اے عزیز! تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کونین سے بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا: فانہم عدو لی الا رب العٰلمین۔ ان کی سیرت تم نے پڑھی ہے کہ مال مہمانوں پر اور بال بچے راہِ حق میں قربان کر دیے اور خود کو آتشِ نمرود میں ڈال دیا تاکہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کا دم بھرنا صحیح ثابت ہو۔ ؎

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند

فرزند و عیال و خانرا چہ کند

ترجمہ: جس نے تجھے پہچانا وہ جان کو کیا کرے گا بلکہ آل اولاد اور جملہ خاندان کی بھی اسے پروا نہیں رہے گی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان اور آل و اولاد اور ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس نفی سے کمال کی نفی اور محبت سے بھی اختیاری مراد ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن سے فرمائیں کہ کافروں سے لڑکر شہید ہو جاؤ یا فرمائیں کہ اپنے کافر ماں باپ اور کافر بیٹوں کو قتل کر دے تو اس پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے اور یقین رکھے کہ دارین کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اس میں اپنے نفس کی خواہش کو دخیل نہ ہونے دے۔ اس کی مثال اس بیمار کی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ دوائی کڑوی ہے اسے طبیعت ہرگز قبول نہیں کرتی لیکن جب طبیب (ڈاکٹر) اسی دوائی کے پینے کا حکم فرماتا ہے تو مریض کو وہی کڑوی دوائی پینی پڑتی ہے اگرچہ اس کی طبیعت اسی دوائی سے متنفر ہے لیکن سمجھتا ہے کہ اسی میں بھلائی ہے۔

سبق: جب ایک معمولی انسان یعنی طبیب (ڈاکٹر) کے فرمان پر اسے اتنا اعتماد ہے تو پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پر کیوں اعتماد نہ ہو جبکہ بحیثیت مسلمان اور ان کے اُمتی ہونے کے اسے یقین ہے کہ وہ خود نہیں فرما رہے بلکہ ان کا فرمان فرمانِ حق ہے۔ اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں آباء و ابناء کی محبت کیا وقعت رکھتی ہے جب یقین ہے کہ وہ ہمارے لیے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق اور رحیم و کریم ہیں اور ہماری شفقت و رحمت سے انہیں ذاتی طور کوئی غرض بھی نہیں۔

نبی علیہ السلام سے محبت کی علامات کا بیان

حضور علیہ السلام کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت کی نصرت اور آپ کی شریعت پر اعتراضات کی مدافعت کی جائے۔

حکایت منقول ہے کہ احمد بن یحییٰ دمشقی ایک روز اپنی ماں باپ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا قصہ چل نکلا ان کے والدین نے فرمایا: بیٹے! ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے قربان کرتے ہیں

جاؤ دین حاصل کرو۔ احمد بن یحیٰی نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ العٰلمین! اب بجز تیرے میرا کوئی حامیِ کار نہیں۔ پھر کعبہ میں جاکر خوب روئے۔ اسی طرح چوبیس بار کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر بار بار روئے اس کے بعد پھر والدین کی زیارت کے لیے گھر واپس آئے۔ دمشق میں پہنچ کر باپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا والد صاحب گھر پر نہیں تھے۔ اندر سے ماں بولی، تو کون ہے؟ اس نے کہا آپ کا بیٹا احمد ہوں۔ بی بی نے کہا: ہمارا ایک بیٹا تھا اسے ہم نے راہِ خدا میں دے دیا ہے تم کون ہو جاؤ ہم احمد، محمود نامی بیٹوں کو نہیں جانتے۔ (کذا قال شیخ الاسلام قدس سرہٗ)

فائدہ: اس سے بی بی کی استقامت کا اندازہ کیجیے۔ ؎

ما ہر چہ داشتیم فدائے تو کردہ ایم　　جاں را اسیر بند ہوائے تو کردہ ایم

ما کردہ ایم ترک خود و ہر دو کون نیز　　وینہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

ترجمہ: ہمارے ہاں جو کچھ تھا وہ ہم نے تیرے اوپر قربان کردیا یہاں تک کہ جان بھی تیرے اوپر فدا کردی ہم نے اپنی خودی مٹادی بلکہ ہر دو جہانوں کا تصور بھی دل سے ہٹا دیا جو کچھ کیا ہے صرف تمہاری خاطر کیا ہے۔

فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا اعلیٰ ثبوت مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کیا کہ مکہ معظمہ سے کفار و مشرکین کی اذیتوں سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہ بھی رضائے الٰہی اور حصول اجر و ثواب کے پیشِ نظر پھر واپس اسی شہر کو لوٹنے کے لیے اگرچہ ان کا جی نہیں چاہتا تھا لیکن جونہی انہیں اس شہر کی واپسی کا حکم ہوتا فوراً لوٹ کر ضروریات دینیہ پوری کرتے اور اپنا طبعی اختیار چھوڑ کر تعمیل ارشاد نبوی کو ترجیح دیتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے دین کی اصلی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی استعداد کو محبت الٰہی کے غیر میں صرف کرے گا تو مارا جائے گا اسی کو قرآن کی اصطلاح میں فاسق کہا جاتا ہے مشتق از فسق بمعنے الخروج من محبۃ الخالق الی محبۃ المخلوق۔ یعنی خالق کی محبت کو چھوڑ کر مخلوق کی محبت میں مبتلا ہو جانا اور قاعدۂ تصوف ہے کہ جو شخص اپنے دنیوی امور کی محبت میں محبت الٰہی کی استعداد ضایع کردے تو اس سے فیض الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت و اہلیت سلب ہو جاتی ہے اور وہ دائمی طور پر محروموں کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، جب محروموں میں شامل کیا جاتا ہے تو اسے قہر الٰہی گھیر لیتا ہے، چنانچہ فرمایا: واللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔ یہاں الفاسقین سے وہی لوگ مراد ہیں جو اپنی فطری استعداد سے محروم ہو بیٹھے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی درگاہ اور فیض جمال کے قبول کرنے کی رہبری نہیں فرمائے گا اس لیے کہ انہوں نے حسنِ استعداد کو ضایع کر دیا۔

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہدایات عجیبہ حضرت بشر بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی مجھے فرمایا: اے بشر تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاصرین سے تمہیں بلند قدر کیوں بنایا ہے؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

(باقی بر صفحہ آئندہ) ۵۰۱

لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين اذ

بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تم

اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت

اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی

عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ﴿۲۵﴾ ج

وسیع ہوکر تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے

ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين

پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر

وانزل جنودا لم تروها ج وعذب الذين كفروا ط و

اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور

ذلك جزاء الكفرين ۝ ثم يتوب الله من بعد ذلك

منکروں کی یہی سزا ہے پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا توبہ

على من يشاء ط والله غفور رحيم ﴿۲۷﴾ يايها الذين

دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے ایمان والو

امنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام

مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس

بعد عامهم هذا وان خفتم عيلة فسوف يغنيكم

نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولت مند

الله من فضله ان شاء ط ان الله عليم حكيم ﴿۲۸﴾ قاتلوا

کر دیگا اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ علم و حکمت والا ہے لڑو

الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الاخر ولا يحرمون

ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ
اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝
کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہوکر

ع ۵ / ۱۰

تفسیر عالمانہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ اے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہیں تمہارے دشمنوں پر غلبہ بخشا اور باوجودیکہ تم ضعیف اور کمزور اور گنتی میں بہت قلیل تھے لیکن تمہیں بلندی بخشی فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ جنگوں کے بہت سے مقامات میں۔ مواطن موطن کی جمع ہے، ہر وہ جگہ جہاں انسان اپنے کسی امر کے لیے قیام اختیار کرے۔ ان مواطن سے غزوۂ بدر واحزاب وقریظہ ونضیر وحدیبیہ وخیبر وفتح مکہ مراد ہے وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اور حنین کے دن۔ اس کا عطف مواطن کے محل پر اور اس کا مضاف محذوف ہے تاکہ مکان کا مکان پر عطف ہو یہ عبارت دراصل یوں تھی: ومکان یوم حنین۔ یا مواطن کثیرۃ سے پہلے ایام مضاف محذوف ہے (ایام مواطن کثیرۃ) تاکہ زمان کا عطف زمان پر ہو اور یوم کو حنین کا مضاف اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہ جنگ ان دنوں اسی مقام پر ہوئی تھی۔ اس معنی پر یوم حنین بمعنی غزوۂ حنین ہے اس کا دوسرا نام غزوۂ ہوازن ہے اسے غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ غزوۂ حنین اسی اوطاس کے مقام پر ختم ہوئی!

مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کے وجوہ یہ ہیں:

۱۔ میری سنت کی اتباع
۲۔ نیک لوگوں کی خدمت
۳۔ مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی
۴۔ میرے صحابہ کی محبت
۵۔ میرے اہلبیت کی محبت

تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابرار و متقین کی فہرست میں درج فرما دیا ہے۔

فائدہ: صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبت ایک بہت بڑا بلند مرتبہ ہے یہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوتا ہے، جو قلب سلیم سے نوازے گئے ہیں۔

سبق: محبت کی تاثیر بہت عجیب و غریب ہے اور اس کا معاملہ بہت عظیم المرتبہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر کسی شئے کو ترجیح نہیں دیتے۔ (آمین)

فائدہ: حنین ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ جب تمہیں تمہاری کثرت تعجب میں ڈال رہی تھی یعنی اس جنگ میں تمہاری فوج بہت زیادہ تھی اس سے تم بڑے خوش تھے الاعجاب بمعنی السرور بالتعجب یعنی متعجب ہو کر مسرور ہونا۔ یہ یوم حنین سے بدل ہے۔

فائدہ: حنین کی جنگ میں مسلمان بارہ ہزار تھے ان میں مہاجرین و انصار میں سے بعض وہ حضرات بھی تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور ان میں دو ہزار طلقاء تھے یعنی وہ اہل مکہ جنہیں فتح مکہ کے موقعہ پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کے بغیر آزاد فرمایا تھا اور مسلمانوں کی یہ جنگ ہوازن و ثقیف کے لوگوں کے ساتھ تھی جو خود چار ہزار افراد تھے سوائے اہل عرب کے دوسرے امدادی لوگ۔

غزوہ حنین کا تفصیلی واقعہ

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو اواخر رمضان میں فتح کیا تھا یعنی رمضان المبارک کے باقی صرف تین دن رہ گئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ۱۳ رمضان المبارک کو مکہ فتح فرمایا اس کے بعد وہیں پر قیام پذیر رہے یہاں تک کہ شوال المکرم شروع ہوا، بروز ہفتہ ۶ شوال المکرم کو غزوہ حنین کی صبح کو میدان جنگ کی طرف روانگی فرمائی اور مکہ معظمہ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ یہاں کے لوگوں کو مسائل شرعیہ سمجھاتے رہیں۔

غزوہ حنین کا موجب

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح فرمایا تو عرب کے تمام قبائل نے آپ کی اطاعت قبول کر لی۔ صرف ہوازن و ثقیف کے لوگ اکڑ گئے اس لیے کہ یہ لوگ سرکش اور فرعون مزاج تھے پھر انہیں خوف پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کریں گے اسی لیے انہوں نے از خود جنگ کی تیاری شروع کر دی اسی خیال پر کہ انہیں حضور علیہ السلام اسلام کی دعوت دیں گے اس سے قبل وہ تیار رہیں چنانچہ تیار ہو کر بغاوت کے طور اعلان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تک ان لوگوں سے لڑتے رہے جنہیں جنگ کرنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ جنگ لڑینگے تو انہیں معلوم ہوگا کہ کسی سے واسطہ پڑا تھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب کے سب چلو کوئی بھی گھر میں نہ رہے، بلکہ گھروں کی تمام پونجی ساتھ لے جاؤ۔ یہ طے کر کے لشکریوں کی ترتیب دی کہ عورتیں سب کی سب اونٹوں پر سوار لیکن مردوں کے پیچھے پیچھے، عورتوں کے پیچھے بچے اور اونٹ، بکریاں وغیرہ ہوں تاکہ مسلمانوں پر کثرت کا رعب ہو اور ہمارے میں سے کوئی ایک بھی جنگ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے، اور اتنا لڑو کہ تلواریں ٹوٹ جائیں۔ اپنا لشکر تیار کر کے ہوازن تک پہنچے ادھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوسی کے لیے حضرت عبداللہ بن ابی کو بھیجا یہ کافروں کے لشکر میں گھس گئے اور ان کے امیر لشکر مالک بن عوف سے سنا وہ لشکر کو ہدایت دے رہا تھا کہ یاد رکھو اس وقت تم چار ہزار ہو، مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دو یہاں تک کہ تمہاری تلواریں ٹوٹ جائیں۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاسوس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دشمن کا عزم عرض کر دیا۔ صحابہ کرام نے جب یہ خبر سنی تو سلمہ بن سلامہ وقسی انصاری نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج ہم کسی صورت میں مغلوب نہیں ہوں گے اس لیے کہ وہ صرف چار ہزار ہیں اور ہم بارہ ہزار۔ یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناگوار گزری۔

فائدہ: بعض مفسرین یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتاتے ہیں۔ لیکن حضرت الامام صاحب التفسیر الکبیر نے فرمایا کہ ایسا قول حضور علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے اس لیے کہ آپ متوکل علی اللہ ہوکر ایسی بات ہرگز نہیں فرماتے کیونکہ آپ کا قلب دنیا اور دنیوی اسباب سے پاک تھا۔

فائدہ: ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ اگر حضور علیہ السلام کی طرف یہ قول منسوب ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے اسباب دنیا پر اعتماد کرنا توکل کے منافی نہیں۔

غزوۂ حنین کی تیاری حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر مبارک دلدل نامی پر سوار ہوئے اور وہ زرہ جسے داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنا تھا، زیبِ تن فرمایا اور علمِ جہاد بلند فرمایا اور جنگ کے جھنڈے مہاجرین و انصار کے ہاتھوں میں تھے بالکل صبح اندھیرے میں حنین کی وادی میں اسلامی لشکر وارد ہوا۔ یہ منگل کا دن تھا، دشمنوں نے اپنے سپاہی غاروں میں چھپائے ہوئے تھے انہوں نے تیراندازی شروع کر دی ادھر مسلمانوں نے جوابی تیر پھینکے سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ مشرکین شکست کھا کر بھاگے اور ایسے بےحواس ہوئے کہ بچے وہاں چھوڑ گئے لیکن کچھ آگے جا کر انہوں نے اپنے لشکر کو غیرت دلائی، اس پر ان کا لشکر لوٹا اور یکبارگی حملہ کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں نے دسابقہ کلمۂ تعجب کی وجہ سے شکست کھائی کہ مشرکین کا معمولی حملہ ان پر کامیاب ہوگیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا پس تمہیں تمہاری کثرت نے نہ بچایا۔ الاغناء بمعنے اعطاء ما تدفع به الحاجة۔ کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی شے دینا۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ تمہاری کثرت نے تمہاری ضرورت پوری نہ کی وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تمہارے اُوپر تنگ ہوگئی۔ مَا مصدریہ اور بَاء بمعنے مع ہے یعنی تم زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ پاتے تھے جس میں تمہیں اطمینان نصیب ہوسکے اس لیے کہ تمہارے اوپر دشمنوں کا رُعب چھا گیا اسی بنا پر تمہاری کیفیت اس شخص جیسی ہوگئی جسے کہیں سکون نہ ملے۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

كان بلاد الله وهى عريضة

على الخائف المطلوب كفة حابل

حلِ لغات: حابل بمعنیٰ شکار کی رسّی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شہر فراخ ہونے کے باوجود مطلوب خائف کے لیے شکار کی رسّی سے کم نہیں۔

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِينَ ۝ پھر تم نے کافروں سے پیٹھ پھیر دی، درانحالیکہ تم شکست کھانے والے تھے کہ پھر تم مُڑ کر نہیں دیکھتے تھے ولّی هاربًا ای ادبر الادبار الذهاب الی خلف خلاف الاقبال۔ اقبال کے خلاف یعنی کسی کی پیٹھ کے پیچھے چلنا۔

حکایت مروی ہے کہ مکہ کے لوگوں کو جب مسلمانوں کی شکست معلوم ہوئی تو اس سے بعض اہلِ مکہ بہت خوش ہوئے بلکہ مسلمانوں کو جی بھر کر گالیاں دیں یہاں تک کہ صفوان بن امیہ کے بھائی نے اپنی ماں سے کہا کہ آج نبی علیہ السلام کا

جادو ٹوٹا۔ اس وقت اگرچہ صفوان مشرک تھے لیکن اپنے بھائی سے ناراض ہو کر فرمایا: فض اللہ فاک۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے دانت توڑ دے۔ بخدا مجھے قریش سے اتنا پیار ہے کہ اب مجھے اپنے قبیلہ کے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

مسلمانوں کی شکست کے بعد کیا ہوا

مسلمانوں کو جب شکست ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے، صرف آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور دوسرے ان کے ابن العم حضرت ابو سفیان بن حرب بن عبد المطلب آپ کی سواری کے رکاب پکڑے ہوئے تھے اور آپ اپنی سواری کو مشرکین کی طرف لے جانے کے لیے حرکت دیتے ہوئے فرماتے تھے ؎

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

ترجمہ: میں ہوں نبی (علیہ السلام) اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں میں ہوں عبد المطلب کا صاحبزادہ۔

شرح شعر ہذا: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بلا قصد پڑھا۔ نیز آپ نے اپنے آپ کو عبد المطلب کا صاحبزادہ ظاہر فرمایا حالانکہ آپ تو حضرت عبد اللہ کے صاحبزادے تھے وہ صرف اس لیے کہ آپ اہل عرب میں اپنے دادا کی طرف منسوب تھے وہ اس لیے کہ عرب میں حضرت عبد المطلب زیادہ مشہور تھے اور حضرت عبد اللہ آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے، اور آپ نے یہ نسبت فخر کے طور پر بھی نہیں فرمائی کیونکہ فخر کے طور اپنے آباء کا ذکر جاہلیت کی رسوم سے تھا اور آپ تو جاہلیت کی تمام رسوم ختم کرنے آئے تھے چونکہ حضرت عبد المطلب کو حضور علیہ السلام نے ان کی زندگی میں دیکھا تھا اور حضرت عبد المطلب کے حالات اہل عرب میں مشہور تھے ان کی اسی شہرت پر آپ نے اہل عرب میں اپنا تعارف کرایا اور بعض باتوں میں نبی علیہ السلام کے معجزات اہل عرب میں مشہور تھے آپ نے وہ بھی سب کو بتائے اور رؤیا کا واقعہ بھی مشہور تھا وہ بھی سب کو معلوم کرایا۔ (کذا فی عقد الدرر والآلی)

واقعہ رؤیا

حضرت عبد المطلب یعنی حضور علیہ السلام کے دادا نے ایسا خواب دیکھا کہ جس سے خوفزدہ ہو کر اٹھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس وقت سمجھدار بچہ تھا، میں اپنے والد کی اس حالت سے گھبرایا اور ان کے پیچھے ہو لیا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک کاہن کے ہاں تشریف لے گئے اسے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک چاندی کی زنجیر میری پشت سے نکلی اس زنجیر کی چار اطراف تھیں اس کی ایک طرف مشرق میں دوسری مغرب میں تیسری شمال میں چوتھی جنوب میں، اور اس کی طرف آسمان کی جانب ثریا تک پہنچی ہوئی تھی اسی حالت میں ایک سبز شاخ نورانی نظر آئی اسی اثناء میں مجھے دو بزرگ ملے میں نے ان میں ایک سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نوح نبی علیہ السلام ہوں پھر میں نے دوسرے بزرگ سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں ابراہیم نبی علیہ السلام ہوں۔ کاہنوں نے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تمہارے سے نبی خاتم الانبیاء پیدا ہوں گے وہ ایسے نبی علیہ السلام ہیں کہ جن پر آسمان اور زمین والے سب کے سب ایمان لائیں گے، اور یہ زنجیر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے تابعدار و انصار بیشمار ہیں

زنجیر کے سلسلے اور درخت کی ٹہنی کی رجوع دلالت کرتی ہے اور آپ کی نبوت کے احکام ثابت اور آپ کا ذکر کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہوگا اور جو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح تباہ و برباد ہوں گے اور آپ کی ملت ملتِ ابراہیمی کی طرح ظاہر ہوگی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی عبدالمطلب کا صاحبزادہ ہُوں جس نے یہی خواب دیکھا تھا اس سے آپ نے فخریہ طور فرمایا، آپ نے اپنی علوِ ہمت اور کمال نبوت کا اظہار فرمایا۔

حنین کا آخری واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں پر مسلمانوں کو ابھارتے تھے، مسلمان بھاگتے ہوئے لوٹنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو نہ روکتا تو آپ کی سواری مشرکین کے مجمع میں چلی جاتی۔

فائدہ: اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ ایسے وقت میں بھی دشمنوں سے نہ ڈرے اس کی محض یہی وجہ تھی کہ آپ کو منجانب اللہ تائید حاصل تھی حضور علیہ السلام نے دُعا مانگی کہ اے اللہ! آج آپ اپنا وعدہ پُورا فرمائیے۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بلند آواز سے مسلمانوں کو بلائیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے ان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن انہوں نے مکہ معظمہ میں بلند آواز سے پکارا تو ان کی آواز سے حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے ان کی آواز آٹھ میل تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے انصار کو بلایا پھر بیت الرضوان والوں کو پھر سورۃ البقرہ والوں کو۔ اہل سورۃ البقرہ وہ ہیں جو اس سورۃ کو خصوصیت سے حفظ کرتے تھے اور وُہ کہتے تھے کہ جو سورۃ بقرہ و آل عمران کو یاد کر لیتا ہے وُہ ہمارے ہیں بزرگ ترین ہے ان لوگوں کا ذکر سورۃ البقرہ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون میں ہے۔ حضرت عباس کے پکارنے پر مسلمان جوق در جوق لَوٹنے لگے اور کہتے تھے، لبّیک، لبّیک۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ سکینہ سے وُہ رحمت مراد ہے جس سے قلوب کو سکون ملے اور فتح قریب کے لیے اطمینان کلی نصیب ہو۔ اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق تسکین حاصل تھی لیکن یہاں ایک خصوصی تمکین مراد ہے وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اور اہل ایمان پر اس سے شکست خوردہ وغیرہ تمام اہل ایمان مراد ہیں بہر حال بھاگنے والے لوگ واپس آ گئے پھر اہل اسلام کامیاب ہوئے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ایسا لشکر اتارا جسے تم نے نہیں دیکھا یعنی تم انہیں آنکھوں سے نہ دیکھ سکے جیسے تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہو، اس سے وُہ فرشتے مراد ہیں جو لشکری لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر آسمان سے زمین پر اُترے جنہیں کافروں نے تو دیکھ لیا اور مسلمانوں نے نہیں دیکھا تھا۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جنگ کی تیاری کو دیکھ کر فرمایا کہ حمِیَ حمو اب جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

ف : الوطیس ہر وُہ پتھر کہ جس کے نیچے آگ جلا کر اہل عرب گوشت بھُونتے تھے۔ دراصل الوطیس تنور کو کہا جاتا ہے اور یہ کلمات صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے گئے آپ سے پہلے کسی نے یہ کلمات نہیں پڑھے "حمی الوطیس" شِدَّۃُ الحَرب سے کنایہ ہے۔ جب جنگ شروع ہو گئی تو آپ اپنی سواری سے نیچے اُترے اور اس سے قبل بموقعہ جنگ اپنی سواری سے کبھی نیچے نہیں اُترے تھے سواری سے اُتر کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کنکریاں دیجئے یا آپ کی سواری زمین کی طرف اتنی نیچے ہو گئی کہ حضور علیہ السلام نے زمین سے خود ہی کنکریاں اٹھا لی تھیں اور وہ کنکریاں آپ نے مشرکین کی طرف پھینکیں اور فرمایا، شاھت الوجوہ۔ یہ آپ کا معجزہ تھا کہ لشکرِ کفار میں سے کوئی ایک ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں کنکری نہ پڑ گئی ہو اس کے بعد آپ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر فرمایا: انھزموا و رب الکعبۃ۔

فائدہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ (عصا سے سانپ بن جانے) سے بہت بڑا تھا اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے صرف رسیوں اور ڈنڈوں کو نگل لیا اس کا موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر کچھ اثر نہ ہُوا اور نہ ہی اس سے دشمنوں کی صفوں میں گڑبڑ ہُوئی بلکہ بعد کو اور زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے باغی و طاغی اور گمراہ ہُوئے بخلاف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ مبارکہ کے کہ بمجرد کنکریوں کے پھینکنے کے دشمن تباہ و برباد ہُوئے اور ان کی صفوں میں نہ صرف ہلچل مچ گئی بلکہ شکست کھا کر میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ف : اس جنگ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی:

اللھم لک الحمد و الیک المشتکی و انت المستعان۔ اے اللہ تعالیٰ! تیرے لیے حمد اور تیرے ہاں شکایت ہے، اور تُو ہی مددگار ہے۔

آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وُہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا عبور کرتے وقت سکھائی تھی۔

فائدہ : علماءِ کرام کا اختلاف ہے کہ اس موقع پر کتنے فرشتے تھے۔ بعض کہتے ہیں آٹھ ہزار، بعض کہتے ہیں پانچ ہزار، بعض کے نزدیک سولہ ہزار تھے نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ فرشتے غزوۂ حنین میں شریک ہُوئے یا نہ۔ بعض فرماتے ہیں کہ لڑائی میں صرف غزوۂ بدر میں شریک ہُوئے تھے اس وقت اس لیے آسمان سے اُترے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں نیکی کی باتیں ڈال کر ان کے دل مضبوط کریں اور ان کے زمین پر تشریف لانے سے کافروں پر رعب ہو۔

وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافروں کو قتل و قید وغیرہ سے عذاب دے وَذٰلِكَ جو کچھ کافروں سے ہُوا، وَجَزَآءُ الْكٰفِرِينَ ○ کافروں کو دنیا میں اسی طرح سزا ملتی ہے۔

حنین کی فتح کے بعد مشرکین حنین سے شکست کھا کر اوطاس میں جا گھُسے اس لیے کہ وہیں پر ان کے اموال اور اہل و عیال مقیم تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی سرکوبی کے لیے اوطاس کی جنگ کا امیرِ لشکر اشعریوں کے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بنایا انہوں نے اوطاس میں لشکرِ کفار کو شکست پہنچائی بہت سے مشرکوں کے اہل و عیال کو قیدی بنایا لیکن ان کا امیر مالک بن عوف چوری چھپے بھاگ کر طائف میں ایک مضبوط قلعہ تیار کر کے اس کے

اندر چھپ بیٹھا اگرچہ اس کا تمام اہل و عیال مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اسی جنگ میں مسلمانوں کے امیر لشکر یعنی ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مالک بن عوف کو گرفتار کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا لشکر طائف میں پہنچا اور مالک بن عوف اور اس کے ساتھیوں کا محاصرہ شوال کے آخر تک رہا۔ جب ذیقعد کا مہینہ شروع ہوا چونکہ ماہ ذیقعد اشہر الحرام سے تھا اسی لیے آپ مالک بن عوف کے محاصرہ کو ترک کر کے بمقام جعرانہ تشریف لائے۔

ف: جعرانہ ایک جگہ ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ جعرانہ ایک عورت کا نام تھا اس کی وجہ سے اس مقام کو جعرانہ سے موسوم کیا گیا۔ اس کا اصلی نام ریطہ بنت سعد تھا۔ آیت التی نقضت غزلہا میں یہی جعرانہ مراد ہے۔

تقسیم مال غنیمت از غزوہ حنین

جعرانہ کے مقام سے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے احرام باندھا جبکہ آپ یہیں پر تیرہ راتیں مقیم رہے اور فرمایا کہ یہیں سے ستر انبیاء علیہم السلام نے احرام باندھا تھا یہیں پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین و اوطاس کا مال غنیمت تقسیم فرمایا اور ان دونوں مقامات پر چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں حاصل ہوا اسی مال غنیمت سے تالیف قلوب فرمائی کہ ایک ایک مرد کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو اونٹ عنایت فرما دیے جب تالیف قلوب کے افراد نے مال غنیمت لے لیا تو اس کے ہر مخلص مومن کو صرف چار چار اونٹ اور بیس بیس بکریاں عنایت فرمائیں۔

انصار کا اعتراض لیکن عشق و محبت کے رنگ میں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کیلئے بعض کو بہت زیادہ اور مخلصین اہل ایمان کو بہت کم مال عنایت فرمایا تو انصار نے کہا:

یا للعجب ان اسیافنا تقطر من دمائھم و غنائمنا ترد علیھم۔	تعجب ہے کہ ہماری تلواریں ان کے خون سے پُر ہیں اور ہماری غنیمتیں بھی ہمارے سے چھینی گئیں۔

ان کا یہی مقولہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا گیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمع فرما کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے چونکہ وہ جھوٹ بولنے کے عادی نہیں تھے اس لیے صاف کہہ دیا کہ ہاں ہم نے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں یاد ہے کہ تم گمراہ تھے میرے طفیل اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت سے نوازا اور تم نہایت کمزور تھے میرے صدقے تمہیں اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی۔ اسی طرح چند ایک احسانات اسلام انہیں بیان فرما کر فرمایا:

اما ترضون ان ینقلب الناس بالشاء والابل وتنقلبون برسول اللہ الی بیوتکم۔	اگر تمام لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، کیا تمہیں سودا منظور ہے۔

انصار یوں نے خوش ہو کر عرض کی:

بلیٰ رضینا یا رسول اللہ واللہ ما قلنا ذالک الا محبۃ للہ ولرسولہ۔	یا رسول اللہ! ہم ایسے سودے پہ بہت خوش ہیں بخدا پہلی بات بھی ہم نے بہ بنائے محبت کہی تھی۔

ان کی تصدیق ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ان اللہ و رسولہ یصدقانکم ویعذرانکم۔[1]
واقعی وہ کلمہ تم نے محبت سے کہا اس کی اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اور واقعی تم اپنی محبت میں معذور ہو۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ؕ جس کی توبہ قبول کرنا چاہے یعنی بتقاضائے حکمت جسے چاہتا ہے اسے اسلام کی دولت سے نوازتا ہے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے یعنی سابق زمانہ کے کفر و معاصی سے درگزر فرماتا ہے رَّحِيْمٌ ۝ رحیم ہے یعنی اپنے بندوں پر فضل و کرم فرماتا اور ان کے نیک اعمال کی انہیں جزا عطا فرماتا ہے۔

حنین کے باغی مسلمان ہو گئے حنین کے بعض لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہو گئے۔ جب مسلمان ہو گئے تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خیر الناس و ابر الناس ہیں، ہمارے اہل و عیال اور چھوٹے بچے آپ کی قید میں ہیں اور ہمارے مال بھی آپ نے مالِ غنیمت میں لیے ہیں براہِ کرم وہ سب واپس فرما دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ہاں کچھ باقی نہیں رہا البتہ اگر چاہو تو تمہارے اہل و عیال اور تمہارے بال بچے واپس کر دوں چاہو تو تمہارے مال و اسباب لوٹا دوں۔ انہوں نے کہا ما کنا نعدل بالاحساب۔ حسب کی جمع احساب آتی ہے یعنے وہ امور جو انسان کے فخر و مباہات کا موجب ہیں ان کا بھی اس سے یہی مطلب تھا کہ عورتوں بچوں کا قید میں ہونا ہمارے لیے موجبِ عار ہے فلہٰذا مال و اسباب نہ ملے تو کوئی حرج نہیں عورتوں بچوں کو آزاد فرما دیجیے تاکہ فخر و مباہات میں نقص واقع نہ ہو اور نہ ہی ان کے قیدی ہونے یا کسی کی غلامی سے ہمیں ذلت و رسوائی ہو۔ ان نومسلموں پر ترس کھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اثر انگیز تقریر فرمائی جن کے پاس ان لوگوں کی عورتیں اور بچے قیدی اور ان کے مال و اسباب قبضے میں جا چکے وہ بطیبِ خاطر انہیں لوٹا دے اگر اس کا دل نہیں چاہتا تو وہ ہمیں بطور قرض دے دے ہم انشاء اللہ تعالیٰ اسے دوسرے کسی موقعہ پر کسر نکال دیں گے تمام صحابہ کرام نے عرض کی: رضینا سلمنا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بطیبِ خاطر ان کی عورتیں اور بال بچے اور مال و اسباب مفت واپس کرتے ہیں آپ نے فرمایا کیا معلوم تم بطیبِ خاطر واپس دیتے ہو یا مجبور ہو کر ہم تمہارے ہاں چند تجربہ کار آدمی بھیج کر تمہارے سے نفسیاتی طور اندازہ لگا کر ہمیں تسلی دیں گے تو پھر ہم تمہارے سے یہ پیشکش قبول کر لیں گے۔ چنانچہ ان تجربہ کاروں کی رپورٹ پر آپ نے ان کی پیشکش قبول فرمائی۔

مالک بن عوف کا مسلمان ہونا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے نومسلموں سے پوچھا کہ تمہارے امیرِ لشکر کا کیا حال ہے؟ عرض کی کہ وہ تو ہوازن سے بھاگ کر طائف میں مضبوط قلعے میں

---

[1] غور کرو مسلمانو! اگر یہی کلمہ پر الو ہابیہ کہے تو اس پر حضور ناراض ہوں وہی کلمہ انصار کے لیے محبت و عشق بن رہا ہے اور حضور علیہ السلام کے علم مافی الصدور کی تصدیق ہوتی ہے۔ تفصیل کتاب "آئینہ دیو بند" میں دیکھیے۔

محفوظ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ آج بھی اگر وہ مسلمان ہو کر ہمارے ہاں آجائے تو میں اس کے نہ صرف اہل و عیال اور بال بچے اور مال اسباب واپس کروں گا بلکہ الٹا اسے سو اونٹ انعام کے طور پر عنایت فرماؤں گا۔ جب اسے حضور علیہ السلام کی نوازشیں معلوم ہوئیں تو وہ قلعے سے نکل کر چوری چھپے حضور علیہ السلام کی طرف روانہ ہوا صرف اس خطرہ سے کہ اسے ثقیف کے لوگ قید نہ کر ڈالیں یہاں تک کہ دھنا، کے مقام پہ پہنچا اور یہاں سے بمقام جعرانہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا حضور علیہ السلام نے حسبِ وعدہ اسے مال و اسباب اور اس کے اہل و عیال لوٹا دیے اور انہیں ہوازن کا حاکم مقرر فرما دیا یہ وہی مالک بن عوف ہیں جنھوں نے ملک شام فتح فرمایا۔

فوائد: ۱۔ آیت سے ثابت ہوا کہ اس جنگ میں حضور علیہ السلام کا لشکر بہت زیادہ تھا اور جنگی قوت بھی بہت زیادہ رکھتے تھے لیکن جب بعض صحابہ نے اپنی کثرت و قوت پہ ناز کیا تو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا نہ صرف اظہار فرمایا بلکہ انہیں شکست سے دوچار کیا لیکن جونہی انہوں نے عجز و انکسار اور الحاح و زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت بخشی یہاں تک کہ کفار و مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا پر بھروسہ کرے تو وہ دین سے فارغ ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی نعمتوں سے احسن وجوہ سے نوازتا ہے۔

۳۔ اس سے واضح ہوا کہ اگرچہ ظاہری اسباب ظاہری فتح کا موجب ہیں لیکن ان کے لیے بھی فضلِ ربانی کا شاملِ حال ہونا ضروری ہے اسی طرح اعمال و طاعات اگرچہ یہ بھی فتح معنوی کا سبب ہیں لیکن ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق کا ہونا ضروری ہے۔

سبق: سالک کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز اور الحاح و انکسار لازم ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
راہبر گر صد ہزار دارد توکل بایدش

ترجمہ: طریقت میں تقویٰ و دانش پر سہارا کرنا کفر ہے۔ اگرچہ رہبر ہزاروں ساتھ ہوں لیکن پھر بھی توکل ضروری ہے۔

مسئلہ: مومن گناہِ کبیرہ یا صغیرہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس کی دلیل یہی مضمون ہے کہ حنین میں بعض صحابہ کرام جنگ سے فرار کی وجہ سے کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بدستور مومن کی صفت سے موصوف فرمایا کما قال "ثم انزل السکینۃ علی رسولہ وعلی المومنین" اس لیے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے وہ مومن کے دل سے خارج نہیں ہو سکتا جب تک اس کے منافی فعل یا قول کا صدور نہ ہو

فائدہ: گناہ کا ارتکاب چند وجوہ سے ہوتا ہے وہ وجوہ یہ ہیں:

۱۔ غلبہ شہوت ۲۔ غیرت جاہلیت

۳۔ عار ۴۔ سُستی

۵۔ خوف بالخصوص جب اس میں سخت عقاب کا خطرہ ہو۔ ۶۔ معافی کی اُمید

۷۔ عزم علی التوبہ

یہ تمام وجوہ ایمان کے منافی نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎ بپوشش دامن عفوے بزلت من مست
کہ آبروئے شریعت بدیں قدر نرود

ترجمہ: مجھ جیسے بدمست کی غلطی پر پردہ پوشی فرمایئے اس لیے کہ میرے جیسے کو معاف فرمانے سے شریعت کی قدر و منزلت کم نہیں ہو جائے گی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎ پردہ از روئے لطف گو بردار
کہ اشقیاء را امید مغفرتست۔

ترجمہ: لُطف و کرم کا پردہ اٹھا دے اس لیے کہ گنہگاروں کو تیری مغفرت کی امید ہے۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جنگ میں فرار ثابت نہیں۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مررت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھزما۔" اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرار ثابت ہے۔

جواب: منھزماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حال نہیں بلکہ مررت سے ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہزیمت خوردہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزرا یعنی روایت سے سلمہ بن اکوع کی انہزام ثابت ہوئی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

نبوت کا گستاخ واجب القتل ہے

حضرت قاضی عبداللہ بن المرابط رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کہے کہ حضور علیہ السلام بعض غزوات سے بھاگے تھے ایسے کہنے والے کو قتل کر دینا واجب ہے یعنی جب اسے کہا جائے کہ تُو نے نبی علیہ السلام کی گستاخی کی ہے فلہذا تجھے توبہ لازم ہے اگر وہ توبہ سے انکار کرے تو اسے قتل کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس بدبخت نے منصب نبوت کے خلاف بات کی ہے اور نبی علیہ السلام کا نقص بتایا اور ان کا عیب ظاہر کیا جبکہ آپ ہر عیب و نقص سے پاک ہیں اور آپ پر ایسی تہمت لگائی جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھی اس لیے کہ آپ ہر امر میں بصیرت تامہ رکھتے اور یقین کی ہر اونچی منزل پر تھے اور آپ ہر طرح کی لغزش سے معصوم تھے بالخصوص شجاعت کے معاملہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر شجاع سے اعلیٰ و اکمل بنایا اور دشمن کے سامنے جراُت مندی آپ پر ختم تھی آپ ہر صفت میں لاثانی اور بے نظیر تھے پھر ان سے شکست کا تصور کسی گندے ذہن میں سما سکتا ہے۔ ؎

شاہی و ملائکہ سپاہت خلق تو عظیم حق گواہست

فائدہ: ذیقعدہ کا مہینہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی قدر و منزلت رکھتا ہے۔ ہر انسان کو اس میں عبادتِ الٰہی میں جد و جہد لازمی ہے یہ وہی مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تھا اور فرمایا ان کی تکمیل کے بعد کوہ طور پر ہمکلامی کے لیے تشریف لانا وہیں پر ہمکلامی کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو انوار و مشاہدات سے نوازا گیا۔

فائدہ: کعب الاحبار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اپنی محبت کے لیے اختیار فرمایا کہ اشہر الحرام نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دم بھرا انہی اشہر الحرام میں ایک مہینہ ذیقعدہ بھی ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

ف: ذوالقعدہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ لوگ اس مہینہ میں جنگ سے فارغ ہو کر گھر بیٹھ جاتے تھے۔

حدیث شریف: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا کہ آپ نے اپنی زندگی مبارک میں کتنے عمرے کیے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر صرف چار عمرے کیے:

۱۔ عمرہ حدیبیہ، یہی عمرہ ذوقعدہ میں ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مشرکین نے حج کرنے سے روکا تھا۔

۲۔ اس کے دوسرے سال کا عمرہ، جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے صلح فرمائی۔

۳۔ عمرۂ جعرانہ، جب آپ نے غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

۴۔ پھر میں نے سوال کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج پڑھے؟ حضرت انس نے فرمایا، صرف ایک۔ یعنی ہجرت کے بعد صرف ایک حج پڑھا۔ وہ اس لیے کہ ہجرت سے پہلے متعدد حج پڑھے تھے۔ (کذا فی عقد الدرر و اللآلی وکذا قال صاحب الروضہ)

فائدہ: حضور علیہ السلام کی ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی لوگوں نے حج پڑھا۔ ہجرت کے دسویں سال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی حج ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہجرت کے بعد حضور علیہ السلام نے صرف یہی ایک حج پڑھا ہاں نبوت سے قبل اور اعلانِ نبوت کے بعد تو بہت حج پڑھے لیکن ان کی صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔

فائدہ: دسویں ہجری کو حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور گیارھویں ہجری کو حضور علیہ السلام کا وصال مبارک ہوا۔

اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان پہ فرما اور ہمیں مقام انس میں جگہ عنایت فرما اور ہمارا ٹھکانا حضرۃ القدس میں ہو۔ آمین۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اے ایمان والو! بے شک مشرک نجس ہیں۔

حلِ لغات : النجس بفتحتین نجاست کا مصدر ہے۔ مشرکین کو نجاست سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بالکل نجس ہیں۔ ان سے ہر طرح بچنا ضروری ہے، ان سے ہر طرح بیزاری لازمی ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کا دم بھرا جائے۔

فائدہ : حدادی نے فرمایا کہ مشرکین کو نجس سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ پلیدی کی طرح ہیں کہ جس طرح تم پلیدیوں سے احتراز کرتے ہو ان سے بھی احتراز کرو یا اس لیے کہ وہ جنابت و حدوث سے پاک نہیں ہوتے اور نہ ہی نجاستوں سے بچتے ہیں۔ اکثر طور وُہ پلید رہتے ہیں اور نجاستوں سے پاک ہونا ان کے طریقے میں داخل نہیں اسی بناء پر ان پر نجاست کا حکم لگایا گیا ہے کہ وُہ نجاست حقیقی و حکمی والے ہیں یعنی جس طرح یہ باطنی نجاست ان کے اندر ہے ایسے ہی یہ ظاہری نجاست سے بھی خالی نہیں ہیں۔ باطنی نجاست سے شرک اور ان کے بُرے اعتقاد مراد ہیں۔ اس معنے پر نجس، حسنؔ کی طرح صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس تقریر پر نجس سے پہلے ذو مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ یہ فاء سببیہ ہے یعنی مشرکین مسجد حرام کے قریب بھی نہ ہوں اس سبب سے کہ وہ نجاست والے ہیں۔ جب وہ مسجد حرام کے قریب جانے کے لائق نہیں تو وہ اس کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔ مسجد کے قریب نہ جانے کی نہی سے اس میں داخل نہ ہونے کے لیے مبالغہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ : تبیان میں ہے کہ مشرکین کو احاطۂ حرم میں داخل ہونے سے منع کرنا ضروری ہے۔ حرم شریف کا احاطہ از جانب مدینہ طیبہ تین میل اور از جانبِ عراق سات میل اور از جانبِ جعرانہ نو میل اور از جانبِ طائف نو میل اور از جانبِ جدّہ دس میل ہے۔

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد اس سے ہجری کا نواں سال مراد ہے یعنی جس سال امیر حج حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ اور حجۃ الوداع دسویں ہجری میں ہُوا۔ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مشرکین کو روکا گیا ہے کہ بیت اللہ میں حاضر ہو کر نہ حج پڑھ سکتے ہیں اور نہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں۔ اسی قول کی تائید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جبکہ انہیں حضور علیہ السلام نے مشرکین سے معاہدہ توڑنے کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تو اس میں یہ عبارت بھی تھی کہ لا یحج بعد عامنا ھذا مشرك۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج پڑھنے نہ آیا۔

مسئلہ : امام اعظم کے نزدیک مشرک کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے اور نہ ہی دوسری مساجد سے۔ چنانچہ الاشباہ میں احکام الذمی میں لکھا کہ مشرک کو مسجد میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے اگرچہ وہ جنبی ہو بخلاف مسلمان کے کہ جب وہ جنبی ہو تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے۔

مسئلہ : ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں کہ مشرک کسی مسلمان سے اجازت لے کر مسجد میں داخل ہو۔ یہی مسجد حرام کا حکم ہے۔

مسئلہ : اسی الاشباہ میں احکام الحرم میں لکھا کہ کافر مشرک مسجد حرام میں ٹھہر نہیں سکتا البتہ صرف داخل ہونے سے اسے روکا بھی نہ جائے۔

نکتہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جنبی کافر کو مسجد میں داخلے سے نہ روکنے اور مسلمان جنبی کو روکنے میں راز یہی ہے کہ کافر

کے اندر معنوی نجاست کفر و شرک اور خبث قلبی موجود ہے۔ جب اس بڑی نجاست کے ہوتے مسجد میں داخل ہونے سے ممانعت نہیں تو حکمی نجاست کی وجہ سے روکنے کا کیا معنیٰ۔ ہاں اگر اس کے جسم پر ظاہری نجاست پائی جائے تو پھر اسے مسجد کے اندر داخل ہونے سے روکا جائے اس لیے کہ ہم مامور من اللہ ہیں کہ مساجد کو غلاظتوں اور نجاستوں سے محفوظ رکھیں۔

مسئلہ: اسی نقطۂ نگاہ سے چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے اس لیے کہ ان میں اغلب طور نجاست حقیقی پائی جاتی ہے اگر ان میں نجاست حقیقی نہ ہو تو پھر ان کو داخل ہونے دینا مکروہ ہے۔ (کذا فی الاشباہ)

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً جب کفار و مشرکین کو مسجد کے قریب آنے سے بھی روکا گیا تو بکر بن وائل کے کافر تاجروں نے مکہ معظمہ کے مسلمانوں سے کہا کہ عنقریب تمہیں اس کا مزہ معلوم ہوگا کہ تم ہمیں

شانِ نزول

مسجد حرام سے روکتے ہو تو ہم تمہارے لین دین بند کر دیں گے، تم ہمارے اوپر سختی کرتے ہو تو ہم تمہارے کاروبار کے راستے بند کر دیں گے اور نہ ہی تمہارے ہاں تجارتی مال و اسباب آنے دیں گے۔ کفار و مشرکین کی اس جھڑکی سے اہل مکہ متاثر ہوئے اور مسلمانوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ جب بکر بن ابی وائل کے لوگ تمہیں تجارتی سامان نہیں بھیجیں گے تو تم کہاں سے کھاؤ گے اور تمہاری معیشت اس سے متاثر ہوگی تم پریشان حال ہو جاؤ گے۔ جب مشرکین تجارتی سامان تمہارے سے روک لیں گے تو تم کیسے گزر کرو گے۔ مسلمان اس کا اعتراف کرتے ہوئے آپس میں کہنے لگے نہ معلوم ہمارا معاملہ کس طرح ہوگا جب مشرکوں نے ہمارے سے تجارتی سامان روک دیا مسلمانوں کے غم کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم فقر سے خوفزدہ ہو یعنی تمہیں خطرہ ہو کہ تم نے انہیں مسجد حرام میں حج سے روکا تو وہ تمہارے سے تمہاری ضروریات زندگی اور امور تجارت کو روک کر تمہیں فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیں گے **فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل و کرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ کریمہ یوں پورا فرمایا کہ چند دنوں کے بعد موسلا دھار بارش نازل فرمائی اور اہل مکہ کو مالی خوشحالی اور غلہ سے مالا مال فرما دیا اس کے بعد تبالہ و جرش کے قبائل مسلمان ہو گئے وہ اہل مکہ کے لیے بہت سا غلہ لائے اس کے بعد عجم و عرب کے بے شمار بلاد اور علاقے مسلمانوں نے فتح کیے۔ ان گنت غنیمتیں اہل اسلام کو حاصل ہوئیں اور زمین کے کونے کونے سے مکہ کی طرف لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ **اِنْ شَآءَ** اگر وہ تمہیں غنی کرنا چاہے۔

سوال: اہل اسلام کے غنی کرنے کو مشیت سے کیوں مقید فرمایا حالانکہ یہ وعدہ کے خلاف ہے کہ ایک طرف انہیں فقر و فاقہ سے بےخوف کر دینے کا وعدہ فرمایا پھر اسے مشیت سے معلق فرما دیا۔

جواب ۱: تاکہ اہل اسلام صرف وعدہ موعودہ سے نہ آس لگا کر بیٹھ جائیں بلکہ وہ اپنے کریم کی نوازش سے دل لگائیں اور اپنے مقاصد و مطالب حل کرنے اور آفات و بلیات کے دفعیہ کے لیے صرف اسی کی طرف رجوع کر کے عجز و نیاز کریں۔

جواب ۲: تاکہ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ وعدہ کا ایفاء اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ ایفائے عہد اس کا فضل و کرم ہے کہ اگر چاہے تو پورا فرما دے، نہ پورا کرے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

جواب ۳: تاکہ معلوم ہو کہ یہ وعدہ موعودہ تمام اشخاص کے لیے نہیں اور نہ ہی کسی مکان و زمان سے مخصوص ہے وہ جب چاہے

جہاں چاہے جس کے لیے جیسے چاہے مختار ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح کو خوب جانتا ہے حَکِیْمٌ O دینا نہ دینا اس کی حکمت ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وہ کریم بندوں کے مآل وانجام کے مطابق حکم فرماتا ہے اگر کسی کے رزق کا ایک دروازہ بند کرتا ہے تو دوسرا کھول دیتا ہے ؎

گمان مدار اگر ضائعم تو بگذاری — کہ ضائعم نگذارد مسبب الاسباب

برائے من در احسان اگر تو در بندی — درے دگر بگشاید مفتح الابواب

ترجمہ : مجھے تمہارے ضایع کر دینے کا کوئی خطرہ نہیں اسی لیے کہ مجھے مسبب الاسباب ضایع نہیں چھوڑ دے گا اگر تم مجھ پر احسان کا ایک دروازہ بند کرو گے تو میرا کارساز اور دروازہ کھول دے گا۔

حکایت حضرت ابو یعقوب بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حرم شریف میں کئی دنوں تک فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں مبتلا رہا یہاں تک کہ بھوک سے نڈھال ہو گیا۔ مجھے نفس نے مشورہ دیا کہ حرم سے باہر کہیں رزق کی تلاش کرنی چاہیے تاکہ یہ ضعف و نقاہت دفع ہو اسی ارادہ پر میں حرم شریف سے باہر نکل پڑا۔ ایک راستہ پر سمندری سیپوں کے دانے گرے پڑے ملے، میں نے انہیں اٹھا تو لیا لیکن ان کے اٹھانے سے مجھے وحشت نے گھیر لیا اور اور کوئی کہنے والا مجھے کہہ رہا تھا کہ دس دن حرم شریف میں بھوک برداشت کی بالآخر بے صبری کر کے حرم شریف سے باہر نکلا تو مجھے ایسا سمندری سیپ ملا جو اندر سے گلا سڑا اور بدبودار ہے میں نے اسے پھینک دیا اس کے بعد مسجد حرام شریف کے اندر اطمینان و سکون سے بیٹھ گیا تھوڑی دیر گزری میرے ہاں ایک مرد آ کر بیٹھا اور ایک توشہ داں میرے آگے رکھ دیا اور فرمایا یہ آپ کے لیے ہے میں نے پوچھا میری تخصیص کیسی۔ اس نے کہا کہ ہم دس دن دریائی سفر میں رہے۔ ایک دن کشتی غرق ہونے لگی ہم سب نے منت مانی کہ یہاں سے بسلامت دریا کے کنارے لگ گئے تو صدقہ و خیرات غرباء و مساکین کو دیں گے اور میں نے منت مانی کہ اگر ہم سلامت بچ گئے تو یہی توشہ دان حرم شریف کے ایسے آدمی کو پیش کروں گا جسے میں سب سے پہلے دیکھوں گا میں حرم شریف میں داخل ہوا تو میری نگاہ سب سے پہلے آپ پر پڑی فلہذا میرا نذرانہ قبول فرمائیے میں نے اسے کہا کہ اسے کھولیے۔ اس نے توشہ دان کو کھولا تو اس کے اندر کیک یعنی میدے کی سفید روٹی اور سفید شکر و دیگر اشیاء خوردنی تھیں میں نے اس سے ضرورت کی چند چیزیں اٹھا لیں اور اسے کہا کہ اسے اپنے بچوں پر تقسیم کر دیجئے یہ میری طرف سے آپ کے بچوں کے لیے ہدیہ ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے دل میں کہا کہ میرا رزق تو دس دن سے میرے لیے مقدر ہو چکا تھا میں خواہ مخواہ حرم شریف کے باہر بھٹکتا پھرتا رہا۔ حضرت صائب نے فرمایا : ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست

زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مرا

ترجمہ : آب و دانہ کا فکر پنجرے میں بے سود ہے اس لیے کہ آسمان کے نیچے مجھے روزی کا کوئی فکر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت تک مرفوع القلم بنایا ہے جب تک اس کے قالب کی تکمیل نہیں ہوتی یعنی سنِ بلوغ تک وہ آزاد رہتا ہے اور اسی اثناء میں قالب کعبۂ قلب کے گرد طواف کرتا رہتا ہے اور قوائے عقلیہ وروحانیہ سے فیض پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل بلوغ اگر ماحول گندہ ہے تو وہ دنیا اور اس کی خواہشات میں گرفتار ہو کر بعد بلوغ عبدالدنیا ہوجاتا ہے۔ شرک وکفر اس کی طبیعت میں گھس جاتا ہے۔ اگر کسی کامل کی صحبت نصیب رہی تو سنِ بلوغ تک قالب کی تکمیل کے ساتھ روحانی تربیت کی طرف دل لگ جاتا ہے۔ سنِ بلوغ کے وقت شہواتِ نفسانیہ کا ظہور ہوتا ہے اسی وقت سے بندے کو احکامِ شرعیہ کا مکلف بنایا جاتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ قلب کو نفس کی اتباع سے بچانا اور اس وقت سے اسے یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس سے جہاد کرے اور اسے قلب کے حرم میں داخل نہ ہونے دے تاکہ کعبۂ قلب نفس کی نجاسات سے ہو کر اسے اوصافِ ذمیمہ میں مبتلا نہ کر دے۔ جب قلب سے نفس اور اس کی دُور رکھنے کا حکم ہُوا تو قلب کو خطرہ محسوس ہوا کہ لذات سے بالکلیہ محروم کر دیا جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان لذات سے مستغنی کر دیا کہ اس پر وارداتِ ربانیہ اور شواہد وکشوف رحمانیہ سے نوازا گیا۔ ان لذات نفسانیہ کو ایسے عطیات وانعامات سے ذرہ بھر بھی نسبت نہیں اور اِنْ شَآءَ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سوائے اس کی مشیت کے کسی کو نصیب نہیں ہوتیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست ایں کار

ترجمہ: سکندر کو آبِ حیات نہیں بخشتے اور یہ کام زور اور زر سے حاصل نہیں ہوتا۔

قَاتِلُوا اے مسلمانو! جنگ کرو **الَّذِيْنَ** ان لوگوں سے **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ** جو اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان نہیں لاتے جیسے اس کی شان کے لائق ہے مثلاً یہود مُثنّیہ (دو خدا ماننے والے) اور نصاریٰ مثلثہ (تین خدا مانتے) ہیں۔ اس معنی پر ان کا ایمان لانا نہ لانے کے برابر ہے **وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** اور آخرت کے دن پر بھی اس طرح ایمان نہیں لاتے جیسے اس پر ایمان لانا چاہیے۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ بہشت میں نہ کھانا ہے نہ پینا۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ آخرت کی زندگی روحانی ہے۔ اس معنی پر ان کا آخرت کو ماننا نہ ماننے کے مترادف ہے اس لیے کہ ان کے اصول ہی ایسے غلط ہیں جو سراسر باطل ہیں۔ انکے اصول کو نہ ایمان سے رابطہ صحیح ہے نہ آخرت سے کامل واسطہ ہے۔ اور مومن کامل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی شان کے لائق مانتا ہے اور اس کی تنزیہہ وتقدیس کا قائل ہے اور آخرت کو جسمانی اور روحانی اور اس کی نعمتیں بھی صوری ومعنوی دونوں طرح مانتا ہے اس لیے کہ جسم کو جسمانی نعمتیں لائق ہیں اور روح کو روحانی۔ اسی لیے انہیں ان کے لائق نعمتیں ملنی لازم ہیں۔ ہر شے کو اپنے مناسب حال ومقام نعمتوں کا حصول ہو **وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے ہیں وہ حرام نہیں کرتے یعنی جن امور کی تحریم کا ثبوت وحی متلو یعنی کتاب اللہ اور وحی غیر متلو یعنی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے دم مسفوح ولحم الخنزیر وخمر وغیرہ وغیرہ۔ **وَلَا يَدِيْنُوْنَ**

دِیْنَ الْحَقِّ دین الحق ، یدینون کا مصدر (مفعول مطلق) یا اس کا مفعول بہ ہے ۔ اور لا یدینون بمعنے لا یعتقدون ولا یقبلون ہے اور الحق صفت مشبہ بمعنی الثابت ہے اور دین کا حق کی طرف مضاف ہونا اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اس لیے کہ یہ دراصل ولا یدینون الدین الحق تھا یہاں پر دین الحق سے اسلام مراد ہے اس لیے کہ وہ حق اور ثابت ہے اور باقی تمام ادیان منسوخ اور اب غیر ثابت ہیں۔

ف : قتادہ نے فرمایا کہ یہاں الحق سے ذاتِ حق مراد ہے ۔ یعنی وہ کافر و مشرک اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہیں کرتے جس کا نام اسلام ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا تعارف خود فرمایا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام ۔

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ بیانیہ ہے اور الکتٰب سے تورات و انجیل مراد ہیں ۔ یہ الذین لا یؤمنون کا بیان ہے حَتّٰی غایت کے لیے ہے یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ یہاں تک کہ جزیہ قبول کر کے اسے ادا کریں۔

سوال : آیت میں اعطاء الجزیۃ کا بیان ہے تم نے قبول جزیہ کی شرط کہاں سے نکالی ہے ۔

جواب : کفار سے جنگ بندی اعطاء جزیہ پر موقوف نہیں بلکہ قبول جزیہ پر موقوف ہے ۔ الجزیۃ بروزن فعلۃ جزا دینیہ کے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا قرضہ ادا کرے اور اصطلاحِ شرع میں کافر کی ہر وہ ادائیگی جو اس پر معاہدہ کے وقت مقرر کی جائے اور اسے جزیہ سے بھی اسی لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کا ادا کرنا واجب ہے یا اس لیے کہ وہ ذمی کو کفایت کرتا ہے یعنی ذمی کو اس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہوتی ہے وہ ذمی سے اس لیے کفایت کرتا ہے کہ وہ جب جزیہ قبول کر لیتا ہے تو وہ مسلمانوں کی امان میں آجاتا ہے اسی وجہ سے وہ قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔ گویا اس جزیہ نے اسے قتل سے کفایت کر لی۔

عَنْ یَّدٍ ان یعطوا کی ضمیر سے حال ہے بمعنے مسلمین بایدیھم الخ یعنی جزیہ کی ادائیگی خود بخود کریں دوسروں کے ذریعے یا ان کے کہنے پرا دا نہ کریں یہی وجہ ہے کہ جزیہ کی توکیل ممنوع ہے یا اس کا معنی عن ید مطیعۃ غیر ممتنعۃ ہے یعنی مطیع و فرمانبردار ہو کر ادا کریں ۔

مسئلہ : جب جزیہ مانگنے میں جبر و اکراہ کی نوبت آجائے تو عقد ذمہ باطل ہو کر اس وقت ان کا قتل و قتال روا ہو جاتا ہے اس تقریر پر عن یدٍ سے ان کی فرمانبرداری اور اطاعت مراد ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے اعطی فلان بیدہٖ ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے سامنے سر جھکاتے اور اس کی فرمانبرداری قبول کرے ۔ اور اسے عن ید سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی شے کے دینے سے انکار کرتا ہے یا اپنے ہاتھ سے نہیں دیتا بخلاف مطیع کے کہ جب وہ کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے دیتا ہے یا ید سے غنا اور دولت مندی مراد ہے اسی وجہ سے اسلام نے کافر فقیر اور اس محتاج سے جزیہ معاف فرمایا ہے جو روزی نہیں کما سکتا یا ید بمعنے انعام ہے یعنی کافر کا جزیہ ادا کرنا اس پر انعام بایں معنی ہے کہ جزیہ سے ہی ان کی زندگی کو رونق نصیب ہوئی ۔ اگر جزیہ نہ ادا کرتا تو قتل و قتال سے ذلیل و خوار ہوتا اس معنی پر اس لیے جزیہ بہت بڑی نعمت ٹھہری ، یا ید سے ید قاہرہ متولیۃ علیھم مراد ہے اور " ید قاہرۃ " اسلام ہے ۔ اس معنے پر عن سببیہ ہو گا جیسے

لیسمنون عن الاکل و الشرب یعنی کھانے پینے کی وجہ سے موٹے تازے ہوجاتے۔ وَھُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ درانحالیکہ وہ ذلیل وخوار ہوں۔ چنانچہ اسلام نے ان کی ذلت وخواری کا اظہار یوں فرمایا کہ انہیں حکم تھا کہ جزیہ خود بخود اور پیدل چل کر ادا کرنے آئیں اور جب خلیفۂ اسلام کو ادا کریں تو غلاموں کی طرح نہایت الحاح وزاری سے پیش کریں اور خلیفۂ وقت جزیہ لیتے وقت لیے سکے کہ اسے ذمی، اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! جزیہ ادا کر۔

فائدہ: کافر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رہے گی یہاں تک کہ مسلمان ہوجائیں جیسے مشرکین عرب اور جمیع مرتد۔ اسلام کی مشرکینِ عرب کے متعلق تو یہی دلیل کافی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے اور انہیں معجزات دکھائے لیکن وہ ایسے بدبخت تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے تُل گئے اس لیے ان کا کفر افحش ہوگا اور چونکہ مرتدین سے اس لیے جنگ ضروری ہے باوجودیکہ انہیں اسلام کے محاسن سے اطلاع دی گئی لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ اسی بنا پر ان کا کفر اقبح ہوگا اور سزا بھی جنایت کے مطابق ہوتی ہے۔ ایسے بدبختوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا اس لیے کہ جزیہ تخفیف کو چاہتا اور یہ لوگ تخفیف کے مستحق نہیں۔

۲۔ ایسے کفار جن سے جنگ جاری رکھی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں یا جزیہ ادا کریں۔ ان سے یہود و نصاریٰ اور مجوس مراد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے لیے دلیل یہی آیت ہے اور مجوس کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجوسیوں سے اہلِ کتاب جیسا معاملہ کرو یعنی ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔

۳۔ وہ کافر جو نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ مجوس اور نہ مشرکینِ عرب سے، جیسے ترک و ہند کے بت پرست۔

مسئلہ: ایسے کافروں سے جزیہ لینا جائز ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے اس لئے کہ جزیرۂ عرب کے غیروں میں دو دینوں کا اجتماع جائز ہے اور یہ لوگ جزیرۂ عرب کے غیر ہیں۔

مسئلہ: فقیر ہنرمند سے بطور جزیہ کم از کم بارہ درہم لینے چاہییں، وہ بھی ہر درہم ایک مہینے میں۔ یہ اسی فقیر کیلئے ہے جو اکثر سال صحیح اور تندرست ہو کر کاروبار کرتا ہے۔

مسئلہ: اگر اکثر یا نصف سال بیمار رہتا ہے تو اس سے جزیہ معاف ہے۔ متوسط حال سے چوبیس دراہم سال میں اور ہر ماہ میں دو درہم۔ اور دولت مند کافروں پر سال میں اڑتالیس دراہم، ہر ماہ میں چار درہم لیے جائیں۔

مسئلہ: فقیر اور کمانے سے عاجز شیخ فانی، لنگڑا، نابینا، نابالغ لڑکا، عورت اور وہ راہب جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا، پر جزیہ لازم نہیں۔ ان سے اس لیے جزیہ معاف ہوا کہ اصلی غرض جزیہ سے یہی تھی کہ ان کافروں کو کفر سے زجر و توبیخ اور اسلام کی ترغیب ہو اور دوسرے اس لیے کہ ان کے کفر پر جزیہ قتل کے قائم مقام ہے اور چونکہ یہ قتل کے اہل نہیں ان پر جزیہ نہیں علاوہ ازیں جب جزیہ ان کے اصل پر مقرر ہوگیا تو ان کے تبع انہی میں شامل ہوگئے۔

بقیہ برصفحہ ۵۲۱ پر

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا

ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ

بیٹا ہے یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں اگلے کافروں کی سی بات بناتے

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾

ہیں اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ

انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا

اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا

اور مسیح بن مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو

وَاحِدًا ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ يُرِيدُونَ

پوجیں اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسے پاکی ہے ان کے شرک سے چاہتے ہیں کہ

أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ

اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے

نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ

نور کا پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت

بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ

اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے

كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ

برا مانیں مشرک اے ایمان والو بیشک بہت پادری

الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ

اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ

اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى

دردناک عذاب کی جس دن وہ تپایا جائیگا جہنم کی آگ میں پھر اس سے

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ

جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا بیشک مہینوں کی گنتی

عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ

آسمان اور زمین بنائے ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہ سیدھا دین ہے

الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ

تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو

كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں

يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ

ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں

اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِہِمْ ؕ

جو اللہ نے حرام فرمایا ہے اور اللہ کے حرام کیے ہوئے حلال کریں ان کے بُرے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے ہیں اور اللہ

وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ ع

کافروں کو راہ نہیں دیتا

تفسیر عالمانہ

وَقَالَتِ الْیَہُوْدُ عُزَیْرُ ﹰابْنُ اللّٰہِ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

ف: عزیر کو تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ مبتدا اور ابن اللہ اس کی خبر ہے اور عزیر کی تنوین حذف نہ کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وُہ مبتدا ہے اس کا مابعد اس کی صفت نہیں۔

ف: حضرت عزیر علیہ السلام بن شرحیا ــــ لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ چودھویں پشت میں ملتا ہے۔

فائدہ: حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہودیوں کے قدماء کا عقیدہ تھا اس کے بعد یہ عقیدہ اخلاف میں منقطع ہو گیا۔ اسی لیے اب وہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں لیکن ان کا انکار ہمارے لیے مضر نہیں اس لیے کہ قرآن مجید نے ان کے اسلاف کا عقیدہ بتایا ہے۔ اگر ایک گروہ اس کا انکار کرتا ہے تو کیا حرج ہے اس لیے کہ بہت سے عقاید اسلاف میں ایسے تھے جو ان کے نزدیک ممدوح لیکن اخلاف کے نزدیک مذموم ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

عزیر علیہ السلام کا قصہ

جب بخت نصر بابلی بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کر کے بنی اسرائیل کے خون سے ہولی کھیلی ان کے علماءِ کرام کو چُن چُن کے قتل کرایا چونکہ اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام صغر سن تھے لیکن تھے تورات کے حافظ۔ اس نے انہیں معمولی بچہ سمجھ کر قتل نہ کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جسے تورات یاد ہو۔ اور بخت نصر بیت المقدس کو ویران کر کے اپنے علاقہ بابل کو چلا گیا اور ساتھ ہی بقایا بنی اسرائیل کو قید کر کے ساتھ لے گیا ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے بخت نصر کی قید سے رہائی پائی تو گدھا پر سوار ہو کر واپس اپنے گھر تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں دجلہ کے کنارے ہرقل کی دیر میں فروکش ہوئے۔ تمام شہر کا گشت لگایا اس میں کوئی انسان نہ ملا۔ باغات پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ آپ نے بھوک مٹانے کے لیے میوے توڑے اور پیاس بجھانے کے لیے انگور نچوڑ کر پیا۔ میوہ جات اور انگور کے نچوڑ کا بقایا اپنے سامان میں میں محفوظ کر لیا تاکہ سفر میں بوقتِ ضرورت کام آئے۔ جب بیت المقدس سے گزرے تو فرمایا "یہ ویران بستی بھی کبھی آباد ہو سکتی ہے"۔ یہ آپ نے قادر مطلق کی قدرت پر شک کر کے نہیں بلکہ بطور تعجب کے کہا۔ اس پر حضرت عزیر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ

بقیہ صہ ۵۲۳

سوال: بعض بے دین اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے کفار پر جزیہ مقرر کرکے اپنی عزت گھٹا دی اس لیے کہ معمولی ٹکے کافروں کے اسلام کا بدلہ کیسے بن گئے۔

جواب: ہم ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیتے کہ ہم ان کے کفر پر راضی ہیں بلکہ یہ جزیہ ان پر سزا کے طور مقرر ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اگر کفر پہ نہ ہوتے تو وہ اتنا ذلیل وخوار نہ ہوتے۔ یہ اسلام کی دُور اندیشی اور فراخدلی کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے مخالف پر جبر واکراہ اور تشدد کا قائل نہیں اور اسے مہلت اسی لیے دی گئی ہے کہ وہ اسلام کی اچھائی وبُرائی میں سوچ بچار کرسکے پھر جب اسے مفت مہلت دینا جائز ہے تو پھر اس سے ذلت وخواری کی نیت پر جزیہ لینا کیوں ناجائز ہو۔

مسئلہ: حکام اور قوت وطاقت رکھنے والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود سے متجاوز نہ ہوں اس لیے کہ ظلم مطلقًا ناجائز ہے کیونکہ ظلم کا وبال نہ صرف ظالم کی طرف لوٹتا ہے بلکہ ظلم کی نحوست کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔

حدیث شریف: پانچ اعمال سے پانچ سزائیں لازم ہیں:

- سودخوری عام ہوگی تو زمین میں دھنسنا اور زلزلے عام ہوجائیں گے۔
- جب حکام ظلم کریں گے تو رحمت کی بارشیں بند ہوجائیں گی۔
- جب زنا کی کثرت ہوگی تو موت کی کثرت ہوگی۔
- جب زکوٰۃ کی ادائیگی بند ہوجائے گی تو جانوروں میں قلت ہوگی۔
- جب اہلِ ذمہ پر زیادتیاں شروع ہوجائیں گی تو دولت سمٹ کر انہی کے پاس چلی جائے گی۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ) ؎

جملہ دانند کہ اگر تو نگر دے
ہرچہ می کاریش روزے بدروے

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تمہیں اعتبار نہ ہو وہ یہ کہ جو کچھ بوؤ گے وہی اٹھاؤ گے۔

صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ ہم ۹۰۴ھ سے تا حال یعنی ۱۱۰۱ھ تک دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ بلادِ روم یہ اور دریائے اسود و ابیض تک اہلِ اسلام پر کفار کا غلبہ ہے اس سے قبل ایسا ہمارے اسلاف نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ معلوم اس دور کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جو چاہے کرے یہ نحوست صرف اسی لیے ہے کہ ہمارے دور میں مسلمانوں اور ذمیوں پر ظلم ڈھائے گئے جس کی نحوست جھوٹے بدعمل مسلمانوں کے نصیب ہوئی۔ اور یہ بھی منجملہ ان کی ذلت وخواری کے ہے اور ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے (اور ظاہر ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" عربی مقولہ مشہور ہے لیس الخبر کالمعاینۃ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اہل حق سے لاحق فرمائے اور ارض مقدسہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے اہل حق پر دنیا اور اہل دنیا پر دنیا کی محبت حرام فرمائی ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی سرتاج ہے کفار نے چونکہ دین کے بدلے دنیا کو اختیار کیا اسی لیے ان پر جزیہ لازم کر دیا گیا اور نفس امارہ کافر کا جزیہ یہ ہے کہ اس کی طبیعت کے خلاف کیا جائے تاکہ وہ شریعت کے احکام اور طریقت کے آداب کے ماتحت ذلیل وخوار ہو کر زندگی بسر کرے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس سے ہر وقت جہاد کرے اور اسے ایسا ذلیل وخوار کرے وہ روح کے ملک عزت ودولت کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جائے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست — لیک اژدہات محبوس چہست

آتشت ہیزم فرعون نیست — زانکہ چوں فرعون او را عون نیست

ترجمہ: وہ جو فرعون میں تھا وہ تم میں بھی ہے صرف فرق یہ ہے کہ تمہارا اژدہا کنویں میں ہے۔ تیرے پاس لکڑیاں تو ہیں لیکن اس میں آگ نہیں اسی لیے کہ فرعون کی طرح تمہیں طاقت نہیں۔

سبق: یہی نفس کا حال ہے کہ یہ فرعونی طبع رکھتا ہے اسی لیے اسے ذلیل وخوار رکھنا ضروری ہے یہاں تک کہ نفس اپنے دعاوی کو گم کر دے اور اسے حقیقی عزت نصیب ہو اسی مقام پہ پہنچ کر نفس فانی اور مطمئن ہوتا ہے اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکانے اور فرمان ماننے کی اہلیت وصلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

بقیہ صفحہ ۵۲۰ سے آگے

نے نیند طاری فرمادی اور وہ نیند کی حالت میں سو سال تک وہیں پر کالیٹ آرام فرماتے رہے۔ اسی طرح آپ کے گدھے کو بھی حقیقی موت واقع فرمادی۔ چونکہ آپ کے ساتھ میوہ اور انگور کا نچوڑ تھا وہیں پر محفوظ رہا جہاں آپ آرام فرما رہے تھے، وہیں سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آنکھیں دیکھنے سے اندھی کر دیں یہاں تک کہ سو سال تک آپ کو کسی نے نہ دیکھا۔ سو سال کے بعد زندہ ہوئے اور آپکا گدھا بھی تو اسی گدھے پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچے تو نہ وہ نقشہ نہ وہ لوگ۔ نہ یہ اہل محلہ کو پہچانتے ہیں نہ اہل محلہ انہیں اپنی برادری کے متعلقین کے حالات سے آگاہی فرمائی تو آپ کو اپنا صاحبزادہ ملا جو اس وقت ایک سو اٹھارہ کے بوڑھے اور کئی پوتوں پڑپوتوں کے دادا تھے اور ایک نابینا بوڑھی عورت نہایت کمزور جو چل پھر نہ سکتی تھی اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی کنیزوں میں سے تھی۔ جب عزیر علیہ السلام ان سے جدا ہوئے تھے اس وقت اس بی بی کی عمر صرف بیس سال تھی۔ آپ نے حالات کا جائزہ لے کر اعلان فرما دیا کہ میں عزیر ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے سو سال فوت کر کے پھر زندہ فرمایا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ عزیر علیہ السلام مستجاب الدعوۃ تھے، وہ بیماروں کو تندرست بنا دیتے اور مصیبت زدہ لوگوں کو خوشحال فرما دیتے تھے اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میرے لیے دعا فرمائیے تاکہ میں بینا ہو کر تمہیں دیکھوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تمہیں پہچان

---

[1] جسے فاماتہ اللہ سے اللہ تعالیٰ نے تعبیر فرمایا ہے وہاں پر موت بمعنے نیند ہے جیسا کہ روح البیان جلد ۱ صفحہ ۴۰۹ تحت آیت وقالت الیھود عزیر ابن اللہ لکھا کہ فالقی اللہ تعالیٰ علیہ النوم ونزع منہ الروح وبقی میتا الخ چونکہ نوم بمنزلہ موت کے ہوتی ہے اسی لیے اسے موت سے تعبیر کیا گیا۔ ۱۲

سکوں ۔حضرت عزیر علیہ السلام نے دُعا فرمائی اور بی بی کی آنکھوں پر رحمت بھرا ہاتھ پھیرا تو وہ بی بی انکھیاری ہوگئی۔ اس کے بعد عزیر علیہ السلام نے بڑھیا کے ہاتھ پکڑ کر اسے فرمایا، قومی باذن اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بی بی تندرست ہوکر کھڑی ہوگئی اور غور سے دیکھ کر کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ واقعی آپ عزیر علیہ السلام ہیں ۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے صاحبزادے نے کہا کہ میرے والد ماجد کے دونوں کاندھوں کے درمیان ہلالی شکل کا ایک تل تھا آپ اپنے کاندھے سے کپڑا ہٹائیے تاکہ ہم اس کی پہچان کرلیں ، آپ نے اپنے کاندھے سے کپڑا ہٹایا تو وہ ہلالی شکل کا تل بھی موجود تھا۔

فائدہ: سدی وکلبی نے کہا کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کیا تو اس نے تورات کو بھی جلا دیا تھا۔ تورات کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی عزیر علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت کے لیے کوئی سبب تھا اس وقت عزیر علیہ السلام نے دعا مانگی کہ انہیں تورات کا علم نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب روئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا وہ عزیر علیہ السلام کو پلا دیا۔ اس کی برکت سے آپ کو تورات مکمل طور پر یاد ہوگئی۔ اس کے بعد عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مبعوث فرمایا ہے تاکہ میں تمہارے لیے تورات کے احکام کی تجدید کروں۔ انہوں نے کہا پہلے ہمیں تورات سنائیے۔ آپ نے انہیں تمام تورات زبانی سنادی۔ بنی اسرائیل کے ایک مرد نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے سنا تھا کہ تورات فلاں انگور کے درخت میں مدفون ہے اسے نکال کر عزیر علیہ السلام کی پڑھی ہوئی تورات سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ اس مدفونہ تورات کو اسی انگور کے درخت سے نکالا گیا اور عزیر علیہ السلام سے سنا تو اس کے ایک حرف میں بھی فرق نہ پایا گیا اس پر ان میں بعض بیوقوفوں نے کہہ دیا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ (معاذ اللہ) اس لیے کہ یہ کتاب اللہ کی ہے تو اس نے اپنی کتاب اپنے بیٹے کو ہی یاد کرادی ہے۔ اسی بنا پر متقدمین یہودیوں کا عقیدہ ٹھہرا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور نصرانیوں نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

ف: یہ قول بھی نصاریٰ کے بعض کا ہے انہوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ اسی لیے کیا کہ کوئی لڑکا باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں بنا بریں وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد اندھوں کو انکھیارا اور برص والے کو تندرست اور مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے خدائی کام خود خدا کر سکتا ہے یا اس کا بیٹا۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ یہودیوں اور نصرانیوں کے مذکورہ بالا گندے عقیدے کی طرف ہے **قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ** ان کا یہ قول بناوٹی ہے اس پر نہ ان کے ہاں کوئی برہان ہے نہ حجت۔ یہ صرف منہ سے ایسے ہی کہہ دیا ہے۔ مہمل کلمہ کی طرح اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ ان کا یہ قول ایسا ہے جو صرف لفظوں تک محدود ہے اسے معنے سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ

وہ خود معترف ہیں کہ اس دعویٰ کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی زوجہ نہیں۔ جب ان دونوں کا انہیں اعتراف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا وجود کیسے۔

یُضَاهِئُوْنَ یضاھی بمعنی یشابہ یعنی ان کا قول کفر و شناعت میں مشابہ ہے قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط ان کافروں کے قول سے جو ان سے پہلے گزرے ہیں اس سے وہ مشرک مراد ہیں جو کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ج اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کرے یہ ان سب کی تباہی و بربادی کی دعا ہے اس لیے کہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے وہ تباہ و برباد کرے گا اس میں لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ یہاں پر حقیقی معنے مراد لینا محال ہے نیز ممکن ہے کہ یہاں ان کے اس گندے عقیدے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہو۔ اگرچہ اس کے اصلی معنے کی بجائے مجازی معنیٰ مراد لیا جا سکتا ہے اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ○ کہاں پھیرے جا رہے ہیں یعنی یہ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کس طرح منتقل ہو رہے ہیں حالانکہ باطل کی طرف جانے کی کوئی راہ ہی نہیں یہ استفہام تعجب ہے اِتَّخَذُوْٓا یہودیوں نے بنا رکھا ہے اَحْبَارَهُمْ اپنے علماء کو احبار۔ حبر (بالکسر) کی جمع ہے یہی فصیح تر ہے اور حبر کو اس لیے اس لفظ سے موسوم کرتے ہیں کہ وہ اپنے علم کو سیاہی سے بہت زیادہ لکھتا ہے یا چونکہ معانی احسن وجوہ سے بیان کرتا ہے اسی لیے اسی نام سے موسوم ہوا۔ یہ یہود کے ان علماء کا لقب ہے جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے وَرُهْبَانَهُمْ اور نصاریٰ نے اپنے راہبوں کو بنا رکھا ہے۔ یہ راھب کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں رھبۃ خوف و خشیت الٰہی گھر کر چکی ہو جس کے آثار اس کے چہرے اور زبان سے نمایاں ہوں اور اس کی شکل و صورت واضح کرے کہ واقعی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے ایسے شخص کو راہب کہا جاتا ہے، لیکن اب نصاریٰ کے ان پادریوں کا لقب بن گیا جو ان کے عقاید و مسائل کے عالم اور ان کے گرجوں کے اندر رہ کر عبادت میں مصروف رہتے ہوں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا ان یہود و نصاریٰ نے رب بنا رکھا ہے۔ یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یعنی یہ اپنے پادریوں اور راہبوں کی فرمانبرداری میں ایسے سر دھنتے ہیں جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے جن اشیاء کو وہ حرام بتاتے ہیں یہ صرف انہی کو حرام اور جن اشیاء کو وہ حلال کہتے ہیں یہ صرف انہی کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حرام بتایا یہ اسے حلال اور جن اشیاء کو اس نے حلال فرمایا یہ حرام کہتے ہیں۔

حدیث شریف: کسی شے کو حرام کرنے والا ایسے ہے جیسے حرام شے کو حلال کہنے والا یعنی دونوں کی سزا برابر ہے۔

مسئلہ: حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا کفر محض ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ دودھ حرام ہے۔ اس میں اور اس دوسرے قائل میں کوئی فرق نہیں جو کہتا ہے کہ شراب اور خنزیر حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ج اس کا عطف اربابًا من دون اللہ پر ہے یعنی انہوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھی رب اور معبود بنا رکھا ہے جبکہ اس سے قبل یہ کہتے رہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے کہ اس کا کوئی شریک یا اس کا کوئی بیٹا ہو۔

ف : اِتخذ وا کی ضمیر ہر دو یعنی یہود و نصاریٰ کی طرف لوٹتی ہے چونکہ یہاں التباس کا کوئی خطرہ نہیں ہے اسی لیے دونوں کی ایک ضمیر لائی گئی ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا حالانکہ ان کافروں کو تورات و انجیل اور عقل کی روشنی سے حکم نہیں ہے اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا مگر یہ کہ وہ صرف اسی معبودِ عظیم الشان کی عبادت کریں اور اسی کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس کے غیر کی اطاعت سے انہیں روکا گیا ہے اس لیے کہ اس کے غیر کی اطاعت اس کی عبادت کے لیے مخل ہے اور اس قاعدہ پر تمام کتب سماویہ متفق ہیں۔

سوال : تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض سمجھتے ہو حالانکہ اطاعتِ رسول بھی تو غیر اللہ کی اطاعت میں شامل ہے۔

جواب : اطاعتِ رسول کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کی اطاعت بھی درحقیقت اطاعت[1] الٰہی ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ اللہ کی دوسری صفت ہے۔ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ مَا مصدریہ ہے یعنی اسے دوسروں کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں منزہ سمجھنا ضروری ہے۔ نہ عبادت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اطاعت میں۔ یُرِیْدُوْنَ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اَنْ یُّطْفِئُوْا بجھانا چاہتے ہیں نُوْرَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے نور کو، یعنی قرآن مجید جو توحید و تنزہ عن الشرکاء والاولاد و دیگر احکام کا حکم فرماتا ہے اس کی وہ تردید و تکذیب کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام اور اس کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیتے ہیں بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے منہ سے یعنی ایسی باطل اور گندی تاویلیں ان کے منہ سے نکلتی ہیں جو کسی طریق سے بھی احکامِ خداوندی اور عقل سلیم کے مطابق نہیں اور نہ ہی وہ کسی قانون و قاعدہ اور ضابطہ کے تقاضا پر ہیں وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ یہ استثناء مفرغ من الموجب اس لیے ہے کہ اس کا معنی نفی کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ نہیں مگر وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے نور کا اتمام اعلائے کلمۃ التوحید و اعزاز دین الاسلام سے ہو وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ لَوْ کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل اس کے جواب کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس جملہ کا عطف جملہ متقدمہ پر ہے جو اس سے قبل محذوف ہے اور وہ ہر دونوں محلاً منصوب حال ہیں اب عبارت یوں ہوگی کہ لا یرید اللہ الا اتمام نورہ ولو لم یکرہ الکافرون ذٰلک بل ولو کرھوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی تکمیل چاہتا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو نور کی تکمیل ناگوار ہے۔ خلاصہ یہ کہ کافروں کی دونوں حالتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نور اللہ کی تکمیل ضروری ہوگی۔

---

[1] پرویزی و چکڑالوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے منکر ہیں ان کا رد ہو گیا۔ اسی طرح وہابیہ وغیرہ کا بھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں انہیں معلوم ہو کہ ہم وہ کمالات و اختیارات بھی حقیقۃً خدا تعالیٰ کے سمجھتے ہیں۔

قاعدہ : جملہ اولی ایسے مقامات پہ قانونی طور اس لیے محذوف ہوتا ہے کہ جملہ ثانیہ اس کے محذوف ہونے پر دلالت واضح طور دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شے کسی مانع کے باوجود بھی مستحق ہو جائے تو بوقت قرینہ تو بطریق اولی ہے کہ وہ متحقق ہو تو ایسے مقام پہ اس کا محذوف ہونا مضر نہیں۔ ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے کش پف کند سُبلت بسوزد

ترجمہ : وہ چراغ جسے اللہ تعالیٰ روشن کرے اسے پھونک مار کر جو بجھائے گا اس کی اپنی مونچھیں جل جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ **هُوَ الَّذِیْٓ** وہ ذات جو نور الٰہی یعنی دین اسلام کے اتمام کا ارادہ رکھتی ہے وہ ہے **اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ** بھیجا ایسے رسول علیہ السلام کو جو ملتبس ہیں **بِالْهُدٰی** ہدایت کے ساتھ یعنی انہیں وہ قرآن عطا ہوا ہے جو متقین کو ہدایت دیتا ہے **وَدِیْنِ الْحَقِّ** اور دین حق کے ساتھ اس سے دین اسلام مراد ہے **لِیُظْهِرَهٗ** تاکہ غالب کرے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو **عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ** تمام اہلِ ادیان پہ یہاں مضاف محذوف ہے یا دین حق تمام ادیان کو منسوخ کر دے جیسا کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہو **لِیُظْهِرَهٗ** کی لام ارسل رسولہٗ کے سبب موجب کے اثبات کے لیے ہے۔ شرعاً یہ لام حکمت و سبب کی اور عقلاً علت کی ہے اس لیے اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال مُعَلَّلَةٌ بِالْاَغْرَاضِ نہیں ہیں۔ ہاں غایات جلیلہ کے مستتبع ہو کر ان کا صدور ہوتا ہے گویا غایت کا ترتب اس کے ثمرہ کے مطابق ہوتا ہے جیسے غرض کو کسی امر کے لیے ہونا چاہیے **وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ** ○ اگرچہ مشرکین کو دین اسلام کا غلبہ ناگوار ہو۔

سوال : کفر کے بعد شرک کی کیا ضرورت ہے۔

جواب : تاکہ انہیں تنبیہ ہو کہ رسول علیہ السلام اور ان کے دین سے عناد بھی کفر بعد کفر ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا کہ دین اسلام کا غلبہ تدریجاً ہو گا اور قیامت کے قُرب میں اس کی تکمیل ہو گی یعنی جب عیسٰی علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے تو ان کی تشریف آوری کے بعد مکمل طور دینِ اسلام کا غلبہ ہو گا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عیسٰی علیہ السلام آسمان سے زمین پہ تشریف لائینگے تو ان کے زمانہ میں تمام ادیان مٹ کر رہ جائیں گے اُن کے دور میں صرف دینِ اسلام کا دور دورہ ہو گا۔

فائدہ : بعض علماء فرماتے ہیں کہ دین اسلام کا غلبہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے وقت ہو گا اس لیے کہ ان کے ظہور کے وقت تمام لوگ خود بخود دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے یا پھر خراج کی ادائیگی پہ مجبور ہوں گے۔

حدیث شریف : دین اسلام کے معاملہ میں شدت اور دنیا کے امور میں ڈھیلا پن اور لوگوں کے بخل میں اضافہ ہوتا رہیگا اور قیامت شریر لوگوں پر قائم ہو گی اور مہدی صرف عیسٰی علیہ السلام ہیں۔ یعنی مہدی علیٰ نبینا علیہ السلام کے معاون صرف عیسٰی علیہ السلام ہوں گے۔ یعنی عیسٰی علیہ السلام کا نزول صرف مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کی نصرت اور ان کی معاونت

کے لیے ہوگا۔

تعارف امام مہدی امام مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں گے۔ وہ امام عادل ہیں، نبی یا رسول نہیں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان میں یہی فرق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی رسول اور ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی کا نزول ہوگا اور مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام نبی رسول نہیں ہیں اور ان کی طرف وحی کا نزول ہوگا، نیز عیسیٰ علیہ السلام خاتم الولایت بن کر تشریف لائیں گے اور مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام خاتم الخلافۃ ہوں گے، بہرحال ہوں گے۔ ہر دو خدام الاسلام اس لیے کہ اسلام ہی خیرالادیان اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دین ہے۔

حکایت باکرامت ایک رومی نومسلم کا بیان ہے کہ میرا اسلام لانا ایک عجوبہ ہے وہ اس طرح کہ اہلِ اسلام نے ہمارے ساتھ جنگ کا اعلان کیا۔ دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دوران میں مَیں کفار کے لشکر کا بہت بڑا افسر تھا۔ مسلمانوں کے دس لشکریوں کو ہم نے قید کر لیا ہم نے انہیں قید کر کے خچروں پر سوار کر کے جیل خانے میں بند کر دیا اور حکم جاری کیا کہ ہر قیدی کے ساتھ ایک سپاہی نگرانی کے لیے مقرر ہو۔ ایک دن میں جیل خانہ کا گشت کرتا ہُوا ایک مسلمان جیلی کو دیکھا کہ وُہ نماز میں مصروف ہے۔ میں نے اس کے نگران سے پوچھا یہ کیسا جیلی ہے۔ اس نے کہا کہ اس قیدی کا معاملہ بھی عجیب ہے وُہ اس طرح کہ جونہی نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو مجھے ایک دینار لازماً عطا کرتا ہے۔ میں نے پُوچھا کیا اس کے ہاں دراہم ودنانیر کا خزانہ ہے۔ میں نے کہا نہیں پھر وہ کہاں سے لاتا ہے۔ اس نے کہا جب وُہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو دونوں ہاتھ زمین پر مارتا ہے نامعلوم وہیں سے پیسے نکال کر دیتا ہے۔ مجھے اس نیک بخت قیدی کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ دوسرے روز میں نے فقیروں مسکینوں جیسے پُرانے کپڑے پہنے اور نہایت دُبلے کمزور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نیک بخت کے نگران سپاہی کے ساتھ مذکورہ بالا کرشمہ دیکھنا چاہا۔ ہم اس کی کوٹھڑی کے قریب بیٹھ گئے۔ جب اس نیک بخت نے ظہر کی نماز پڑھنا چاہی تو میری طرف اشارہ فرمایا کہ کیا تمہیں بھی دینار چاہییں؟ میں نے اشارہ کیا کہ مجھے دو دینار چاہییں۔ اس نے نماز پڑھ کر حسبِ دستور زمین پر ہاتھ مار کر میری طرف دو دینار پھینکے۔ جب عصر کی نماز پڑھنی چاہی تو مجھ سے پہلے کی طرح دنانیر لینے کا اشارہ کیا۔ میں نے اشارہ کیا کہ اب مجھے پانچ دینار چاہییں نماز پڑھ کر حسبِ دستور زمین پر ہاتھ مار کر پانچ دنانیر میرے ہاتھ میں تھما دیے۔ جب اس نے مغرب کی نماز پڑھنا چاہی تو میرے سے اشارہ کر کے پُوچھا تو میں نے اشارہ کیا کہ اب مجھے دس دینار چاہییں۔ نماز پڑھ کر پہلے کی طرح مجھے دس دینار عنایت فرمائیے۔ اس کا یہ عجیب کرشمہ دیکھ کر صبح کو پھر اس کے ہاں حاضر ہُوا اور عرض کی کیا آپ واپس اپنے لشکرِ اسلام میں جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جانے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے اسے اپنے خچّر پر سوار ہو کر زادِ راہ دے کر لشکرِ اسلام کی طرف روانہ کیا۔ اس بندۂ خدا نے روانگی کے وقت میرے لیے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی پر آپ کا خاتمہ ہو۔ اس وقت سے میرے دل میں اسلام کی محبّت پیدا ہُوئی یہاں تک کہ میں پکّا اور سچا مسلمان ہو گیا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں بدل وجان جد و جہد کرے کہ انہیں ایسے دین حق سے نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اسمِ گرامی کو صفحات کون کے ذرہ ذرہ میں لکھا ہے۔

ہر درد کی دوا ہے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ بعض مشایخ فرماتے ہیں کہ میں بلادِ ہند کے ایک شہر میں وارد ہوا وہاں ایک ایسا درخت دیکھا جس کا میوہ بادام کے مشابہ، جس کے اُوپر ایک چھلکا بھی تھا۔ جب اسے توڑا جاتا تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا پتہ لپیٹا ہُوا نمودار ہوتا جس پر سُرخ سیاہی سے مکتوب تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس کا رسم الخط ہندی خط کے مشابہ تھا۔ اہلِ ہند اسی سے برکات حاصل کرتے۔ جب بارش نہ ہوتی تو اسے وسیلہ بناتے تو بارش ہوجاتی اور اس کے قریب کھڑے ہوکر عجز و نیاز سے دُعا مانگتے تو مشکلیں حل ہوجاتیں۔

دُوسری عجیب کہانی وہی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یعقوب صیاد کو یہی واقعہ سُنایا، انہوں نے فرمایا میں نے اس سے بڑھ کر اور عجیب واقعہ دیکھا۔ وہ یہ کہ ایلہ میں مَیں نے ایک ایسی مچھلی کا شکار کیا جس کے دائیں کان کے قریب لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے کان کے قریب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہُوا تھا۔ میں نے اس مچھلی کو پھر دریا میں پھینک دیا صرف اس کے احترام کے پیش نظر کہ اس پر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مکتوب تھا۔

شہباز ہوائے قاب قوسین پُرشد ز تو آشیان کونین

ترجمہ: قاب قوسین کی ہوا کے شہباز آپ سے آشیانۂ کونین آباد ہُوا۔

وہابی کش حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجعلونی کقدح الراکب ای لا تنسونی فی حالۃ الشدۃ و الرخاء و لا تذکرونی کضبیع الراکب مع قدحہ المعلق فی مؤخر رحلہ اذا احتاج الیہ من العطش استعملہ و اذا لم یحتج الیہ ترکہ وقیل لا تجعلونی فی اٰخرا لدعاء فان اللائق ان یذکر اسمہ الشریف اولا و اٰخرا و یجعل الدعاء لہ عنوان الادعیۃ۔

مجھے سوار کے پیالے جیسا نہ سمجھو یعنی دکھ درد کے وقت مجھے نہ بھُولو بلکہ ایسے میں مجھے ہر وقت پکارو، مجھے سوار کے اس پیالہ کی طرح نہ سمجھو جو سواری کے پیچھے لٹکا رہتا ہے اور اسے اس وقت اٹھایا جاتا ہے جب ضرورت پڑتی ہے اور ضرورت نہ ہو تو وہ ویسے ہی پڑا رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے دعا کے آخر وقت میں یاد نہ کرو بلکہ ضروری ہے کہ آپ کا اسم گرامی دعا کے اول و آخر دونوں وقتوں میں یاد کیا جائے بلکہ آپ کا ذکر مبارک ہر دعا کا عنوان ہو۔

(روح البیان ج ۱ ص ۱۹۰ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

ھ

ہر چند شد آخرین مقدم
شد بر ہمہ نوا نو مقدم

ہم سب کو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ کا خادم اور ہمیں اپنی جناب کا ان کے وسیلہ کے قائلین سے بنائے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ اے ایمان والو! بہت سے احبار۔

تفسیر عالمانہ ان سے علمائے یہود مراد ہیں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے وَالرُّھْبَانِ اور نصاریٰ کے پادری جو ان کے گرجوں میں رہ کر عبادت کرتے تھے۔ یہ راہب کی جمع ہے اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کی ہے لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ البتہ لوگوں کے مال باطل کے طور کھاتے ہیں یعنی احکام و شرائع اور ان میں تخفیف و تیسیر کے لیے تغیر و تبدل کر کے رشوت لیتے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں اپنی دھاک بٹھاتے کہ وہ تاویل آیت میں بہت بڑے ماہر و حاذق ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی مراد جانتے ہیں۔

دورِ حاضرہ کے مفتی اور ظالم حکّام صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی حال غلط کار مفتیوں اور ظالم حکّام کا ہے کہ وہ فتویٰ لینے والے کے مطلب و مراد پر بھاری رقمیں لے کر فتوے دیتے اور احکام صادر کرتے ہیں کبھی مرجوح اقوال پر فتویٰ دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات شرع مطہرہ کے خلاف احکام صادر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے فتویٰ دیا ہے ان کی سند قوی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے غلط کار مفتیوں اور ظالم حکام کو ذلیل و خوار کرے۔

فائدہ: چونکہ رشوت لینے اور حرام کا مال کمانے سے اکل و شرب میں بہت فائدہ ہوتا ہے اسی لیے اسے لیاکلون سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ رشوت لینا اور حرام مال کی کمائی ہر طرح حرام ہے خواہ اسے کھانے میں استعمال کیا جائے یا دوسری ضروریاتِ زندگی میں۔

وَیَصُدُّوْنَ اور وہ لوگوں کو روکتے ہیں عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی دینِ اسلام سے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ رشوت کا مال اور حرام کی کمائی سے اپنے آپ کو دینِ اسلام سے دُور رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر کے ان کی نگرانی کرتے ہیں اسے دفن کر کے یا کسی اور طریق سے۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کے عرف میں الکنز بمعنے الجمع ہے اور ایک شے کو دوسری شئے سے جمع کرنے کو مکنوز کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: ھذا الجسم مکتنز الاجزاء۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ جسم مجتمع الاجزاء ہو

اور سونے کو عربی میں الذھب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چلنے والی اور باقی نہ رہنے والی شے ہوتی ہے۔ اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔
اور چاندی کو الفضہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی متفرق ہو کر باقی نہیں رہ سکتی اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔
سبق: سونے چاندی کے عاشق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جب ان کا نام بھی ایسا ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی باقی نہیں رہ سکتے یعنی فانی ہی فانی ہیں تو پھر ان سے دل لگانا کیسا!

سونے، چاندی اور اگربتی کو سزا ملی منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو بہشت کی ہر شے نے آنسو بہائے سوائے چاندی، سونے اور لوبان (اگربتی کی لکڑی) کے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اگر تمہارے دل میں ذرہ بھر بھی نرمی ہوتی تو تم بھی میرے خوف سے روتے لیکن تم سنگدل ہو، اور میرا دستور ہے کہ جو سنگدل ہوتا ہے میں اسے آگ میں جلاتا ہوں، مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم ہے، اے سونا چاندی! تمہارے سے جب درہم، دینار اور کنگن یا کوئی اور زیور بنائیں گے تو تمہیں آگ سے پگھلا کر تیار کریں گے۔ اور اے لوبان (اگربتی کی لکڑی)! تو بھی ہمیشہ آگ میں سلگائی جائے گی۔ اور تم سب تاقیامت غم اور حزن میں مبتلا رہو گے۔

فائدہ: الذین اسم موصول سب کو شامل ہے، احبار ہوں یا رہبان یا کوئی اور مسلمان ہوں یا کافر، لیکن وہ جو مال کو راہِ حق میں خرچ نہ کریں۔ یہ اسم موصول مبتدا اور اس کی خبر فبشرھم الخ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اموال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی ان کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کا حق پورا کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر لفظ مِنْ محذوف ہے لیکن نیست میں ہے جیسے دوسری آیت میں اسے ظاہر کر دیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ۔ یعنی ان کے مال سے صدقہ لیں۔

حدیث شریف: دو سو دراہم چاندی سے پانچ درہم اور بیس مثقال سونے سے آدھا مثقال راہِ حق میں دو۔

فائدہ: اگر اس سے تمام مال خرچ کرنا مراد ہو تو وہ کسی حال میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

سوال: ینفقونھا میں ضمیر واحد مونث کی ہے حالانکہ اس سے پہلے ذھب و فضۃ تثنیہ ہے۔

جواب ۱: ذھب و فضہ سے کثرت مراد ہے اور ضمیر واحد مونث اسی کثرت کی وجہ سے ہے۔

جواب ۲: یہ ضمیر اموال کی طرف راجع ہے۔

جواب ۳: الکنوز کی طرف راجع ہے جیسا کہ یکنزون سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب ۴: فضہ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہی قریب ہے۔ پھر چونکہ ذہب و فضہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں اسی لیے ان کا ایک دوسرے کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ آیت "و اذا راو تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا" سے بھی ثابت ہوتا ہے اسی طرح علیھا کی ضمیر کی تقریرات ہوں گی۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ اور انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجیے۔ وعید کے بجائے بشارت سے تہکم کیا گیا ہے یَوْمَ عذاب مصدر کا مفعول فیہ ہے اسی وجہ سے منصوب ہے۔ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ (حلِ لغات) حمیت النار ای اشتدت حرارتها، یعنی اس دن انہی دراہم و دنانیر پر سخت گرم آگ جلائی جائے گی۔

ف : علیہا محلاً مرفوع کا یُحْمٰی کے فاعل کے قائم مقام ہے۔

فَتُكْوٰى پس داغی جائیں گی بِهَا انہی گرم کردہ دراہم و دنانیر سے جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں۔

نکتہ : ان تینوں اعضاء کو داغنے میں حکمت یہ ہے کہ جب دولت مند فقیر طالب زکوٰۃ کو دیکھتا ہے تو تیوری چڑھاتا ہے اس کے بعد جب اس سے سائل کچھ مانگتا ہے تو پیٹھ کی طرف منہ پھیرتا ہے، جب فقیر اسے مزید پریشان کرتا ہے تو اپنی جگہ سے اٹھ کر سائل کو پیٹھ دے کر چلا جاتا ہے اور ایسے دولت مندوں کی اکثر عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ سائلوں کو کچھ دیتے بھی نہیں۔

نکتہ : اس کی اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا عموماً دولت اسی لیے سمیٹتا ہے کہ عوام کی نظروں میں اس کی وجاہت ہو اور چہرے میں سب سے اونچا مانا جاتا ہے اور دولت سے اعلیٰ مقصد لذیذ خوراک ہے اور خوراک سے ہی بندہ موٹا ہو جاتا ہے . . . . اور دولت سے دوسرا عظیم مقصد لباس ہے اور کپڑے باہر سے اٹھا کر لائے جاتے ہیں تو پیٹھ پر انہی وجوہ سے مذکورہ اعضاء داغے جائیں گے۔

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ یعنی قیامت میں داغتے وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہی دولتِ دنیا ہے جسے تم نے دنیا میں جمع کیا تھا لِاَنْفُسِكُمْ منافع کے لیے اب اس کا عین تمہیں ضرر دے رہا ہے اور وہی تمہارے عذاب کا موجب ہے فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ اب تم ذخیرہ اندوزی کا وبال چکھو۔ یہ ما مصدریہ اور اس کا مضاف محذوف ہے، یعنی یہ دراصل فذوقوا وبال ماکنتم الخ تھا، مضاف اس لیے محذوف مانا گیا ہے کہ کنز (ذخیرہ اندوزی) (مصدر) چکھنے کی شے نہیں بلکہ اس کا وبال و عذاب انہیں چکھایا جائے گا۔

نکتہ : ذخیرہ اندوزی کا وبال آخرت میں اسی لیے چکھنے کا کہا گیا ہے کہ اس کا احساس آخرت میں ہوگا ورنہ دنیا تو دار غفلت ہے اس میں نوم غفلت کا غلبہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نیند والے کو داغے جانے کا احساس نہیں ہوتا، ہاں اس کا احساس جاگنے کے بعد ہوتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں ہم خوابِ غفلت میں ہیں، جب مریں گے تو اس خواب سے بیداری ہوگی۔ ؎

مرماں غافلند از عقبیٰ — ہمہ گویا بخفتگاں مانند

ضرر غفلتے کہ مے ورزند — چوں بمیرند آنگہے دانند

ترجمہ : لوگ آخرت سے غافل ہیں، یوں کہو گویا وہ تمام نیند میں ہیں، ایسی غفلت سے نقصان اٹھائیں گے جب مریں گے تو انہیں معلوم ہوگا۔

فائدہ: بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اگر دوسرے لوگ مال کا خزانہ جمع کریں تو تم اعمال کا خزانہ جمع کرو۔ اگر دوسرے اسبابِ فانیہ کی چیزیں جمع کریں تو تم رموز و اسرار کی جستجو کرو۔ ؎

یکدرم کان دہی بدرویشے — بہتر از گنجہائے مدخر است
زانچہ داری تمتع بردار — کان دگر روزے کے دگر است

ترجمہ: ایک فقیر کو دینا ایک درہم ہزاروں خزانوں کو محفوظ کرنے سے بہتر ہے۔ جتنا ہو سکتا ہے تم اپنے مال سے آج نفع اٹھاؤ ورنہ کل تو اس کا کوئی اور مالک ہو گا۔

تارکِ زکوٰۃ کی سزا

حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ صاحبِ خزانہ کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو گی تو اس کا مال آگ سے گرم کر کے صاحبِ مال کا چہرہ اور ماتھا اور کروٹیں داغی جائیں گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو۔ اور حساب و کتاب کا دن تمہارے انہی ایام کے مطابق پچاس ہزار سال کا ہو گا اب بندہ سوچ لے، چاہے تو بہشت کا راستہ اختیار کرے چاہے دوزخ کا۔ اسی طرح ہر وہ شخص کہ جس کے ہاں بہت سے اونٹ تھے لیکن اس نے ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس شخص کو زمین پر لٹا کر اونٹوں کو اس کے اوپر سے چلایا جائے گا اور اونٹ جونہی اس کے اوپر چلیں گے تو خوب کود کر، اور سخت سے سخت ہاتھ پاؤں سے اس شخص کو روندتے ہوئے جائیں گے، اور جب ان میں سے ایک کا گزر ہو گا تو دوسرا اس کے پیچھے اسی طرح کودتا ہوا جائے گا۔ جب ایک دفعہ سارے گزر جائیں گے تو پھر از سرِ نو آئیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب تک بندوں کا حساب مکمل نہ ہو جائے، اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، اب بندوں کا اختیار ہے چاہے بہشت میں جائیں یا دوزخ میں۔ اسی طرح بکریوں کی زکوٰۃ نہ دینے والے کا حشر ہو گا کہ اسے مٹی پر لٹا کر بکریوں کو اس کے اوپر سے چلایا جائے گا جو اسے سینگوں سے ماریں گی اور پاؤں سے روندیں گی۔ ان کا سلسلہ بھی اسی طرح ہو گا کہ ان میں سے ایک جائے گی تو اس کے پیچھے اور آئے گی۔ تمام بکریوں کے ختم ہونے کے بعد از سرِ نو سلسلہ شروع ہو گا اور حساب و کتاب کے اختتام تک اس کا یہی حال ہو گا۔ اس سے بندے خود سوچیں کہ کون سا راستہ اچھا ہے، بہشت کا یا دوزخ کا۔

نکتہ: مال کی نعمت کے شکرانہ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا حکم ہوا، جیسے نماز، روزہ، حج اعضاء کی صحت و عافیت کے شکر کی ادائیگی کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے متعلق بھی یہی تقریر ہے کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ان کی صحت و سلامتی کے شکرانہ میں بندہ کو ہر صبح دوگانہ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: دو سو درہم میں سے پانچ درہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے فقراء کو دینے ضروری ہیں۔

مسئلہ: ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا کہ جس سے کسی قسم کی دنیوی غرض مطلوب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

مسئلہ: یتیم کی پرورش کرنے والا اگر یتیم کو زکوٰۃ کے مال سے کھانا کھلائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس لیے کہ زکوٰۃ کا رکن یہاں پایا گیا ہے یعنی تملیک یہ اس وقت ہے جب یتیم کو طعام کا مالک بنا دے۔ اگر اسے مالک بنائے بغیر اسے اپنے قبضے میں چھوڑ دے اور اسے بقدر ضرورت دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لیے کہ تملیک نہیں پائی گئی۔

مسئلہ: یتیم سے اگر خدمت لے کر اسے زکوٰۃ دیتا ہے تو بھی ایسے یتیم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: ایسے ہی غیر مملوک غلام کو زکوٰۃ دینا لیکن اس سے کسی قسم کی خدمت کی امید نہ رکھی جائے۔ اگر اس سے کسی قسم کی خدمت لی جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سبق: ان مسائل سے اکثر لوگ نہ صرف غافل ہیں بلکہ ان کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ: ایسے ہی رشتہ داروں کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا وغیرہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ اس کے ایسے قریبی رشتہ دار نہ ہوں جن کا نان و نفقہ اس کے لیے ضروری ہو۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ پہلے زکوٰۃ اپنے بھائیوں کو دے اگر وہ مستحق ہوں، وہ نہ ہوں تو پھر چچا، وہ نہ ہو تو پھر ماموں، پھر دوسرے رشتہ دار، پھر ہمسائیگاں، پھر محلہ والوں کو، پھر شہر والوں کو۔

مسئلہ: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ ذمی کو دینا جائز ہے بخلاف فطرانہ کے کہ وہ ذمی کو نہیں دیا جا سکتا، دوسرا زکوٰۃ کا کوئی وقت معین نہیں لیکن فطرانہ کا وقت معین ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر فطرانہ دوسرے دن دے گا تو گنہگار ہوگا۔

مسئلہ: فرماتے ہیں کہ کل زکوٰۃ عمر کے کسی ایک وقت میں ادا کرنا فرض ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہی ادا کرنا لازمی ہے۔ بعض فقہاء کا اسی پر فتویٰ ہے، ان کے نزدیک زکوٰۃ میں تاخیر گناہ ہے۔ ایسے شخص کی گواہی بھی ناقابل قبول ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ کو چھپا کر دینا مستحب ہے بالخصوص جب ظالم حکام کا خطرہ ہو تو فقیری کا اظہار کر کے زکوٰۃ پوشیدہ دے تو جائز ہے یہ امام صاحب کا مذہب ہے۔ (خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

مسئلہ: کسی کے پاس اور کوئی سامان نہیں صرف ایک مکان جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس کے لیے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔ لیکن ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں اگر وہ مکان تجارت کا ہو اور اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس شخص کو زکوٰۃ دینی ہوگی۔

مسئلہ: زعفران اس ارادہ پر خریدا کہ روغنی روٹی پر لگائے گا اور وہ روٹیاں اگرچہ تجارت کی ہوں، تب بھی اس زعفران پر زکوٰۃ نہیں، اگرچہ ان تجارتی روٹیوں پر روغن سمیت زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر صرف روغن خریدا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں زعفران تبعاً خریدا گیا ہے، دوسری صورت میں روغن بالاصالۃ خریدا گیا ہے۔

مسئلہ: لکڑی اور نمک (جو روٹی پکانے والے نے)، اور صابون اور کھار دھوبی نے خریدا اور شب یمانی، ہڑ (ام ادویہ) موچی (جوتے سینے والے) نے خریدا تو ان چیزوں پر زکوٰۃ نہیں اور پیلا رنگ اور زعفران رنگریز نے خریدا تو زعفران اور پیلے رنگ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (کذا فی الاشباہ والنظائر)

مسئلہ: سونے اور چاندی میں نصاب اور ادائیگی کا اعتبار وزن پر ہے اس کا اعتبار عرف عام پر نہیں اس لیے کہ اس کے درا ہم و دنانیر بنا کر بادشاہوں کی مہر لگا کر کاروبار کرتے ہیں۔
مسئلہ: زکوٰۃ کی ادائیگی اسی طرح کفارہ سوائے اعتاق کے اسی طرح عشر و منت میں بجائے سونا چاندی دینے کے نقد رقم دینا جائز ہے۔
مسئلہ: کسی نے منت مانی کہ میں آج یہی درہم فلاں فقیر کو دوں گا، اس نے بجائے آج کے کل وہی درہم اسی فقیر کو دیا تو حانث نہ ہوگا۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔
مسئلہ: کسی میت کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، ہاں اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے مال سے زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن تہائی مال سے زاید نہ ہو۔
مسئلہ: مریض کو اگر وارثوں سے خطرہ ہو تو وہ اپنے مال سے پوشیدہ طور خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے فقراء کو دینا جائز ہے۔
اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ۔ عِدَّةٌ مصدر ہے بمعنے عدد یعنی گنتی۔ یعنی احکام شرعیہ جیسے حج، عمرہ، روزہ، زکوٰۃ، عیدین وغیرہ وغیرہ کے لیے مہینوں کی گنتی، اور یہاں پر شہور سے قمری مہینے مراد ہیں، جس کا ہر مہینہ پہلی تاریخ سے دوسرے مہینہ کی پہلی تاریخ تک چلتا ہے اور وہ کبھی پورے تیس دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دنوں کا، اور اس کے سال کے دن تین سو پینتالیس اور تہائی دن کا ہوتا ہے، بخلاف فارسی اور رومی (عیسوی) مہینوں کے کہ انکے بعض ماہ تیس دن کے ہوتے ہیں اور بعض اکتیس کے، اور ان کا نظام شمسی ہوتا ہے، اس لیے ان کے سال کے ایام تین سو پینسٹھ، اور دن کا چہارم حصہ ہوتے ہیں۔
فائدہ: سورج کے بارہ بروج ہیں جنہیں سال میں تمام طے کر لیتا ہے اور چاند ان سب کو صرف ایک مہینے میں طے کرتا ہے۔ وہ بارہ بروج یہ ہیں، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت فلکیات کی اصطلاح میں سورج کے سالانہ دورے کا آغاز راس الحمل کے نقطہ سے شروع ہو کر اسی نقطہ میں دورہ کا اختتام ہوتا ہے، کیونکہ سورج اسی نقطہ سے آغاز کرتا ہے تو انگوریوں کو قوۃ اور اسی وقت سے نشو و نما شروع اور سردیوں کا دور ختم اور گرمیوں کے فصل ربیع کا آغاز ہوتا ہے یعنی گرمی و سردی کا موسم معتدل ہوتا ہے۔
فائدہ: چونکہ اہل عرب کا سن قمری ہے یہ اپنے معاملات دینی جیسے حج، صوم، فطرانہ وغیرہ اسی سن کے مطابق سرانجام دیتے ہیں اور یہ بہ نسبت سن شمسی کے مقدار میں کم ہے اسی لیے حج و روزہ وغیرہ کبھی سردیوں میں واقع ہوتے ہیں کبھی گرمیوں میں، بخلاف دوسرے لوگوں یعنی عیسائی وغیرہ کے کہ ان کے معاملات شمسی نظام کے مطابق ہوتے ہیں اسی لیے وہ ایک ہی موسم میں آتے ہیں۔
عِنْدَ اللّٰهِ یہ عدۃ کی ظرف یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں اثْنَا عَشَرَ یہ ان کی خبر ہے شَهْرًا یہ تمیز موکد ہے، جیسے عندی من الدنانیر عشرون دینارا میں تمیز موکد ہے فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ یہ اثنا عشر کی صفت ہے۔ اصل عبارت اثنا عشر شهرا مثبتة فی کتابه یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بارہ ماہ ہیں اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔

فائدہ: فی کتٰب اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا کتٰب اللہ میں ہونا خصوصیت سے ہے ورنہ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں یوں تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہیں لیکن انھیں فی کتٰب اللہ سے موصوف نہیں کیا جاتا۔

یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ منصوب اور ظرف ہے۔ یہ اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق فی کتٰب اللہ ہے یعنی یہ بھی مثبتۃ کے متعلق ہے یعنی یہ بارہ ماہ کتاب اللہ میں اس وقت سے ثبت ہیں جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا فرمائے۔ اور آسمان وزمین سے اجرامِ کثیفہ ولطیفہ مراد ہیں۔ اور یہ قید اس لیے لگائی کہ سورج وغیرہ کو آسمان وزمین پر اس وقت سے جاری فرمایا جب سے ان کی تخلیق فرمائی۔ اس بنا پر یہ نہ بارہ سے بڑھ سکتے ہیں اور نہ ان سے کم ہو سکتے ہیں۔ ان مہینوں کا پہلا مہینہ محرم اور آخری ذوالحج ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سال کو بارہ ماہ میں اس لیے مقید فرمایا کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ سال کو تیرہ ماہ کا مقرر کرتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ ہر دو سالوں میں حج کو آگے بڑھا کر ادا کرتے۔ پھر آیندہ سال اسی ماہ کو دوسرے سال میں شمار نہیں کرتے تھے اسی طریق سے ان کا سال کا دورہ بدلتا رہتا تھا۔ جس ماہ سے حج کا آغاز کرتے پچیس سال کے بعد پھر اسی ماہ کی باری آتی۔ یہ طریقہ ان کا ایجاد کردہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال ان کا حج کا مہینہ تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے جس سال ان کا حساب حج کرنے کا ماہ ذوالحج پر پہنچا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان کے ساتھ حج پڑھا، حضور علیہ السلام نے جبل عرفات میں نویں تاریخ کو اہلِ جاہلیت سے فرمایا کہ تمہارے حج کی تواریخ کو بدلنا اور اسے تاخیر سے ادا کرنا نہایت قبیح ہے۔ اس کی بحث ابھی آئیگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بارہ ماہ کو کسی شاعر نے یوں نظم فرمایا ؎

چوں محرم بگزرد آید بزد تو صفر	پس ربیعین وجمادین ورجب آید بر
باز شعبانست وماہ صوم وعید وذی القعد	بعد ازاں ذوالحج نام ماہ ہا آمد بسر

ترجمہ: محرم کے بعد صفر، پھر ربیع الاول والآخر اور جمادی الاولیٰ والاخریٰ اور رجب ہوں گے اس کے بعد شعبان ورمضان وشوال وذیقعد اور ذوالحجہ آئیں گے۔

بارہ مہینوں کی وجہ تسمیہ محرم کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے کہ اہلِ عرب اس مہینے میں جنگ حرام سمجھتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی کسی کے باپ یا بیٹے کے قاتل کو قابو کر لیتا تب بھی اس کے درپے آزار نہیں ہوتا اور صفر کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے کہ صفر بمعنے خالی اور اس مہینے میں چونکہ ان کے اخراجات غلہ وغیرہ ختم ہوجاتے اور انکے گھر گندم وغیرہ سے خالی پڑ جاتے بلکہ اسی مہینہ میں غلہ حاصل کرنے کی خاطر گھروں کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کو چلے جاتے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام صفر رکھا گیا۔ اسی لیے کہتے ہیں صفر السقاء یہ اس وقت بولتے جب سقا میں پانی نہ ہو اور الصفر بمعنی الخالی من کل شیٔ ہے کذا فی التبیان اور شرحِ التقویم میں ہے کہ صفر کا نام صفر اس لیے رکھا گیا کہ یہ ماہ اس حرمت قتال سے خالی ہو گیا جو ماہِ محرم میں تھی اور ربیع الاول والآخر اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان دو ماہ میں بوجہ کثرت خوشحالی،

اہلِ عرب موٹے تازے ہوجاتے۔

فائدہ: اہل عرب کے نزدیک ربیع دو ہیں ؛

۱۔ ربیع الشہور

۲۔ ربیع الازمنہ

تو یہی دو مہینے ربیع الاول والآخر ہیں جو ماہِ صفر کے بعد واقع ہوتے ہیں۔ (اغلاط العوام) اکثر لوگ ربیع کو الاول والآخر کا مضاف پڑھتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ ربیع الاول والآخر کا مضاف نہیں بلکہ یہ آپس میں موصوف صفت ہیں اسی لیے ربیع پر تنوین پڑھنا ضروری ہے اور ربیع الازمنہ بھی دو ہیں ؛

۱۔ جس میں الکماءۃ والنور بکثرت پیدا ہوتے ہیں، اسی لیے اسے ربیع الکلأ کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ موسم جس میں درختوں کے پھل پکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق ظاہر کرنے کے لیے مہینوں کے استعمال میں شہر ربیع الاول والآخر کہا جاتا ہے تاکہ واضح ہو کہ اس سے ربیع الشہور مراد ہے نہ ربیع الازمنہ۔

اور جمادی الاولیٰ والاخریٰ کو ان اسمائے سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان دونوں مہینوں میں برف جم جاتی تھی۔ اور جمود بمعنے برف کا جم جانا۔ (کذا فی التبیان)

اور شرح التقویم میں ہے کہ جُمادَی الاولیٰ بضم الجیم وفتح الدال الجمد بضم الجیم والمیم سے ایک لغت میں بمعنے سخت اور اونچا مکان جو گرمی کو قبول نہ کرے اور انہیں اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی اول وضع کے وقت موسم بہت سخت گرم تھا اور مکان بہت سخت اور بلند اور حرارت کی تاثیر کو قبول کرنے والے نہ تھے اور جمادی الاخریٰ کی وجہ تسمیہ بھی جمادی الاولیٰ کی طرح ہے۔

ف : ابن الکمال نے فرمایا کہ ؛

الجمادی بروزن فعالی حباری کی طرح ؛ یعنی دال مہملہ کے ساتھ (اغلاط العوام) عوام بلکہ بہت پڑھے لکھے ذال مکسورہ کے ساتھ اور اولیٰ و اُخری یا آخرہ کے بجائے الاول والثانی سے موصوف کرکے پڑھتے ہیں اس میں ان کی تین غلطیاں ہیں ؛

۱۔ دال کے بجائے ذال

۲۔ فتح کے بجائے کسرہ

۳۔ تانیث کے بجائے تذکیر

چوتھی غلطی وہ بھی ساتھ ملا لو کہ موصوف کے بجائے مضاف۔

صحیح یہ ہے کہ جمادی الاولیٰ اور جمادی الاُخریٰ یا جمادی الآخرہ لکھنا پڑھنا چاہیے۔ جمادی الاول وجمادی الثانی پڑھنا لکھنا غلط ہے۔

فائدہ: چونکہ جمادی ایک ماہ کا علم ہے فلہذا اس کی صفت پر الف لام داخل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ربیع الاول و ربیع الآخر جب مہینوں کے نام ہوں تو ان کے صفت پر الف ولام کے ساتھ پڑھنا لکھنا ہوگا اور موصوف یعنی ربیع پر الف ولام نہ لانا چاہیے۔ ہاں جب ربیع سے زمانہ مراد ہو تو الربیع، یعنی موصوف پر الف لام ضروری ہے اس لیے کہ اس وقت الربیع کسی شے کا علم نہیں۔

رجب کو اس نام سے اس لیے . . . . موسوم کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت اس ماہ کی بہت بڑی تعظیم کرتے تھے یہاں تک کہ اس ماہ میں جنگ وجدال حرام سمجھتے تھے۔ رجب بمعنے تعظیم و تکریم۔ چنانچہ کہا جاتا ہے رجبۃ (بالکسر) بمعنی عظمت۔ اور الترجیب بمعنی التعظیم۔ اور اسے "رجب مضر" بھی کہا جاتا، اس لیے کہ قبیلۂ مضر کے لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

حدیث شریف: فیہ رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان' اس میں وہ رجب مضر ہے جو جمادی وشعبان کے درمیان واقع ہے۔

ف: حدیث شریف میں رجب کو الذی سے موصوف کیا گیا ہے یا تو تاکید مطلوب ہے یا آپ نے رجب کا تعارف کرایا کہ وہ رجب جو جمادی وشعبان کے درمیان واقع ہے اس میں جنگ وجدال حرام ہے لیکن اس میں "تاخیر وغیرہ کی صورت نہیں کرتے تھے جیسے حج کے متعلق بارہ ماہ کے بعد تیرھواں مہینہ مقرر کرتے یا آپ نے رجب مضر سے اسے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اہلِ عرب شعبان و رجب کو ملا کر انہیں "رجبین" تعبیر کرتے۔ آپ نے ان دونوں کے درمیان امتیاز کے طور فرمایا رجب مضر۔ اس معنے پر رجب کی شعبان پر تغلیب ہوگی اور کبھی شعبان کو رجب پر غلبہ دے کر "شعبانان" کہتے۔

شعبان کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے کہ اسی مہینہ میں جنگ وجدال و دیگر ضروریات کے لیے ماہ رجب حرام مہینہ سے فراغت پا کر متفرق ہوتے۔ یہ التشعیب سے مشتق ہے بمعنے التفریق یعنی جدا کرنا۔

رمضان کو اسی لیے رمضان کہتے کہ جب اس کی وضع ہوئی تو وہ اتنی سخت گرمیوں کے دن تھے کہ گرمی کی شدت کے پیشِ نظر جانوروں کے بچے دودھ پینا چھوڑ دیتے۔ یہ ایسے ہے جیسے ذوالحج کو حج کی نسبت سے ذوالحج کہا گیا، اسے بھی گرمی کی نسبت سے رمضان کہا گیا۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ رمضان، الرمض سے ہے بمعنی شدت یعنی سورج کی دھوپ جب ریت پر پڑے اس وقت کی گرمی کو رمض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر اس ماہ کی اس نام سے مناسبت ظاہر ہے کہ اہل عرب ہر ماہ کو زمانہ کی نسبت سے موسوم کرتے اور مہینوں کے اسماء تدریجی زمانہ کے مطابق رکھے گئے اور جب ماہِ رمضان کا نام رکھا گیا تو وہ سخت گرمیوں کے ایام تھے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک رمضان کی وجہ تسمیہ ہے کہ چونکہ رمضان گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے، بناء بریں اس نام سے

موسوم ہوا۔

مسئلہ: حضرت مجاہد صرف رمضان کہنے کو مکروہ سمجھتے وہ اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو شہر رمضان کہا جائے۔ حدیث شریف سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ:

لا تقولوا جاء رمضان وذھب رمضان ولکن قولوا جاء شھر رمضان فان رمضان اسم من اسماء اللہ تعالیٰ۔ (کذا فی التفسیر)

یعنی یوں نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا، بلکہ کہو کہ ماہِ رمضان آیا اور گیا، اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔

فائدہ: توریح میں ہے کہ اس ماہ کا علم "شہر رمضان" ہے۔ یعنی شہر مضاف اور رمضان مضاف الیہ۔ پھر صرف رمضان کہنا مضاف کو تخفیفاً حذف کر کے پڑھنا، کہنا جائز ہے۔ (کذا فی الکشاف) وہ فرماتے ہیں کہ اگر رمضان اس کا علم ہوتا تو شہر رمضان کی ترکیب ایسے ہے جیسے کہا جائے انسان زید۔ اور ایسی ترکیب عند النحاۃ قبیح تر ہے یہی وجہ ہے کہ عرب میں اس کا نام "شہر رمضان" کے ساتھ شہرت رکھتا ہے ورنہ دوسرے مہینوں کے ساتھ بھی شہر لگایا جاتا اور اہل عرب سے شہر رجب و شہر شعبان سنا نہیں گیا یعنی باضافہ شہر الی رجب یا شعبان وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: مولانا حسن چلپی مرحوم نے فرمایا کہ قبح کا ازالہ ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ شہر رمضان کی اضافت بیانیہ ہو اور اضافۃ بیانیہ نحو میں شائع ذائع اور مشہور ہے، ہاں جب غیر معروف قاعدہ ہو تو پھر اس کی قباحت میں شک نہیں۔

اور شوال کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ یہ مہینہ گناہوں کو دُور کرتا ہے مشتق از شال یشول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو اٹھا کے لے جائے۔ اہل عرب کہتے ہیں شالت الناقۃ بذنبھا، یعنی اونٹنی نے اپنی دُم اٹھائی۔ یہ اس وقت کرتی ہے جب اسے مارا جائے۔ (کذا فی التبیان)

اور شرح التقویم میں ہے کہ یہ الشول سے مشتق ہے بمعنے الخفۃ من الحرارۃ فی العمل والخدمۃ، یعنی خدمت وعمل کی حرارت کی خفت وہ اس لیے کہ انسان رمضان شریف کے روزوں میں نفس امارہ اور اس کی شہوات کے مٹانے میں لگا رہا۔ شوال کے ماہ میں ان دونوں کی سختیوں سے خفت پائی۔ اسی بناء پر اس کا نام شوال رکھا گیا۔

اور ذوالقعدہ کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ قعدہ بمعنے بیٹھنا۔ چونکہ اہل عرب اپنی خوشحالی کی وجہ سے یا جنگ وجدال سے اس ماہ میں اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور شرح التقویم میں لکھتے ہیں کہ اس ماہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ مکہ معظمہ میں بیٹھنے کا مہینہ ہے۔ القعدہ بفتح القاف وسکون العین المہملہ۔

ف : ابن الملک نے فرمایا کہ ذوالقعدہ و ذوالحجہ میں فتح القاف وفتح الحاء، اور ان ہردو کو مکسور بھی پڑھنا جائز ہے لیکن القعدہ (بفتح القاف) اور الحجہ میں (بکسر الحاء) زیادہ مشہور ہے۔

اور ذوالحج کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اس ماہ میں حج پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ : عقد الدرر واللآلی فی فضائل الشہور والایام واللیالی میں ہے کہ اسماءِ مشہور کے نام رکھنے کے لیے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا گیا، وہ اس طرح کہ جب اصاغر نے دیکھا کہ اس ماہ میں اکابر نے عادات کو ترک کر دیا اور جنگوں کو اپنے اوپر حرام کیا تو اس ماہ کا نام محرم رکھا۔ اور جس ماہ میں دیکھا کہ ان کے ابدان مریض اور ان کے بازو کمزور اور ان کے چہرے زرد ہو گئے تو اس ماہ کا نام صفر رکھ دیا۔ اور پھل پھول اُگے اور باغات سرسبز دیکھے تو ان دونوں مہینوں کو ربیع الاول و آخر سے تعبیر کیا۔ جب ثمرات میں کمی پائی اور ہوائیں سردی محسوس کی۔ اور دیکھا کہ پانی برف کی طرح منجمد ہو گیا تو ان دونوں مہینوں کا نام جمادی الاولیٰ والاُخریٰ رکھا۔ جب دیکھا کہ دریا موجزن ہیں، نہریں جاری ہو گئیں اور درختوں میں خنکی آگئی تو اس ماہ کو رجب سے موسوم کیا گیا۔ اور جب قبائل سفروں کو چلے جاتے اور ایک دوسرے سے ان کی آپس کی ملاقات کے اسباب منقطع ہو جاتے تو اس ماہ کا نام شعبان رکھتے۔ جب فضا گرم ہو جاتی اور میدان تنور کی طرح تپ جاتے تو اس ماہ کو رمضان سے موسوم کرتے۔ جب مٹی جمع ہو جاتی اور مکھیوں کی بہتات ہو جاتی اور اونٹنیاں اپنے دم ہلاتی رہتیں تو اس ماہ کا نام شوال پڑ گیا۔ اور جب دیکھتے کہ تجار سفروں کو ترک کر کے گھروں میں بیٹھ گئے، نہ سردار کہیں جاتے ہیں نہ ان کے نوکر چاکر، تو اس ماہ کو ذوالقعدہ سے موسوم کر دیا۔ اور جب دیکھتے ہر سمت سے لوگ حج کے لیے کھچے کھچے اور لبیک پکارتے ہوئے میلے کچیلے، اور کفنیاں پہنے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف آرہے ہیں تو اس ماہ کا نام ذوالحجہ رکھ دیا۔

مِنْهَا ان بارہ مہینوں سے **اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ** چار ماہ حرام ہیں، اور وہ چار ماہ یہ ہیں۔

۱۔ رجب	۲۔ ذوقعدہ
۳۔ ذوالحجہ	۴۔ محرم

حل لغات : الحرم بضمتین، الحرام کی جمع، یعنی وہ چار ماہ جن میں جنگ وجدال حرام ہے اور ان مہینوں کے عین کو حرام کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوقات کہ جن میں جنگ کرنا حرام ہے وہ انہی مہینوں میں ہیں یا حکم کا اسناد شئے کے ظرف کی قبیل سے ہے اور یہ اسناد مجازی ہے اگرچہ اوقات من حیث الاوقات سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات کو کسی خصوصیت سے ممتاز فرمایا ہے مثلاً یومِ جُمعہ اور یوم عرفہ، یہ ایسے دن ہیں : جن کی عزت وحرمت کے مقابلہ میں دوسرے ایام ہیچ ہیں اس لیے کہ ان میں مخصوص عبادت کرنے کا حکم ہے اور اسی عبادت کی نسبت سے انہیں فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح ماہِ رمضان کو دوسرے مہینوں سے فضیلت حاصل ہے وہ بھی اسی مخصوص عبادت کی وجہ سے۔ اسی طرح بعض ساعات دوسری ساعات سے افضل ہیں۔ بعض ساعات دن کی افضل ہیں تو بعض ساعات

رات کی، مثلاً اوقات الصلوٰۃ دوسرے اوقات سے افضل ہیں۔ اسی طرح بعض مکانات دوسرے مکانات سے افضل ہوتے ہیں ان کی تعظیم و تکریم بہ نسبت دوسرے مکانات کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر بعض ماہ دوسرے مہینوں سے تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں تو کیا حرج ہے، اسی طرح ان کے اندر عبادات کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے دوسروں میں کم یا ان کے اندر گناہوں کی دُگنی سزا ملتی ہے تو عقلاً و نقلاً دونوں طرح جائز ہے۔

فائدہ: اسئلۃ الحکم میں لکھا ہے کہ مہینوں اور دنوں اور راتوں اور اوقات کی ایک دوسرے پر فضیلت کا وہی حکم ہے جو انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا ہے یعنی جیسے انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے سے افضل ہیں ایسے ہی بعض شہور و ایام و اوقات ایک دوسرے سے افضل و اعلیٰ ہیں اس لیے کہ ان کی بزرگی و شرافت کی وجہ سے قلوب ان کے ادراک و احترام و اکرام کے لیے پُرشوق اور نفوس و ارواح ان میں عبادات کرنے میں پُرذوق رہتی ہیں اور ان کے فضائل کے حصول میں خلقِ خدا کو رغبت بھی ہوتی ہے اور ان میں اجر و ثواب کا اضافہ منجانب اللہ ہے اسی کا اپنا فضل و کرم ہے وہ جس طرح چاہے کسی کو بڑھائے یا گھٹائے یہ اسی کی اپنی خصوصیات ہیں جسے جس طرح مخصوص فرمائے۔

فائدہ: الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے تو اسے نیک اوقات اور افضل ساعات میں بہتر عبادات کی توفیق بخشتا ہے۔ اگر وہ کسی بندے پر ناراض ہوتا ہے تو اسے ایسے مقدس ایام میں بھی اس سے برائی کراتا ہے جس سے وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہو کر ان اوقات کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو اوقات متبرکہ کی برکات کے حصول سے غفلت نہیں کرتا اس لیے کہ جن اوقات کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لیے مخصوص فرمایا ہے وہ یوں سمجھو کہ اطاعاتِ الٰہی کے لیے بمنزلہ موسم بہار کے ہیں یا یوں سمجھو کہ وُہ گھڑیاں نیکیوں کی منڈی ہیں۔ پھر جس طرح ایک تاجر اپنی تجارت کے سیزن میں غفلت نہیں کرتا ایسے ہی نیکی کے سیزن کو بھی سمجھدار انسان ضایع نہیں کرتا جسے فضائلِ اوقات کی قدر نہیں تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں دینی امور میں چستی و چالاکی مفید رہتی ہے، جیسا کہ فارسی میں ایک مثال مشہور ہے: ع

زاد راہ رواں چیست و چالاکی

ترجمہ: رُوح کی غذا چستی و چالاکی ہے۔

مسئلہ: تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ رمضان شریف تمام مہینوں سے افضل ہے، اس کے بعد ربیع الاول شریف، اس لئے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ پھر رجب شریف، کیونکہ معظم مہینوں میں سے ایک یہی ہے۔ پھر شعبان، اس لیے کہ حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ ہے اور آجال و اعمال کی تقسیم اسی مہینہ میں ہوتی ہے۔ اور دو بڑے معظم مہینوں یعنی رجب و رمضان کے درمیان واقع ہے۔ گویا اسے دُو بزرگوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے فضیلت و بزرگی حاصل ہُوئی۔ ایسی فضیلت اور کسی دُوسرے مہینے کو نصیب نہیں، اس کے بعد ذوالحجہ، اس لیے کہ اسی میں حج پڑھا جاتا ہے

اور اس کے پہلے دنوں کی ہر رات کی فضیلت لیلۃ القدر کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے بعد محرم کو، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا مہینہ ہے اور سن ہجری کا آغاز اسی ماہ سے ہوتا ہے، اور یہ بھی معظم مہینوں سے ایک ہے اور چند وجوہ سے یہ افضل مہینوں سے مقرب بھی ہے۔

ذٰلِكَ ان معین چار مہینوں کی تحریم الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہی دین مستقیم ہے۔ یعنی یہی ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کا حکم ہے اور اہل عرب کو یہی دین وراثت میں ملا اور متوارثاً ان معین مہینوں کی تحریم واحکام دینِ ابراہیمی میں تھے لیکن جاہلیت کے چند بدبختوں نے تاخیر کی بدعت نکالی تو اس وقت سے ان معین مہینوں کی تحریم میں تغیر پیدا ہوگیا۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ پس ان مہینوں کی ہتک اور جن امور سے ممانعت ہے ان کا ارتکاب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔

سوال: تبیان میں ہے کہ اثنی عشر گنتی کے لحاظ سے جمع ہے لیکن منها اربعة حرم میں ضمیر واحد کی لائی گئی ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب: اثنا عشر کو کثرۃ کی تاویل میں لے کر مونث واحدہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹائی گئی ہے۔

سوال: فیهن میں ضمیر جمع مونث غائب کی کیوں؟

جواب: چونکہ وہ معین چار ماہ ہیں اور عرب تین اور تین سے اوپر الی غیر نہایۃ کو جمع کہتے ہیں اور دس تک جمع قلت ہوتی ہے اور اس کے بعد الی غیر نہایۃ جمع کثرت اور جمع کثرت کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے تو اکثر واحدہ مونث غائبہ کی ہوتی ہے، اور جمع قلت میں اکثر جمع مونث غائبات کی۔ اسی لیے فلا تظلموا فیهن میں ضمیر جمع مونث اور منها میں ضمیر واحد مونث لائی گئی ہے تاکہ فرق معلوم ہو کہ اس ضمیر کا مرجع جمع کثرت ہے یا جمع قلت۔

قاعدہ: یہ آیت منسوخ ہے یعنی ان معین مہینوں میں جنگ وجدال کی حرمت منسوخ ہوگئی یہی جمہور کا مذہب ہے۔

مسئلہ: ہاں ان معین مہینوں میں معاصی کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے جیسے بحالت احرام اور حرم شریف میں گناہ کرنا نہ صرف کبیرہ بلکہ ایک عظیم ترین جرم ہے۔ ایسے ہی ان معین مہینوں میں گناہ ایک جرم عظیم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ظلم (فلا تظلموا) سے تعبیر کیا ہے۔ اسی لیے جمہور نے فرمایا ہے کہ اگرچہ ان معین مہینوں میں تحریم القتال منسوخ ہے لیکن جرائم کا ارتکاب بھی ظلم عظیم ہے۔

سوال: گناہ کا ارتکاب ہر ماہ میں حرام ہے، پھر ان معین چار مہینوں کی تخصیص کیوں؟

جواب: تاکہ اشارہ ہو کہ ان معین چار مہینوں کی عزت وعظمت منسوخ نہیں بلکہ ان کے اندر جو مخصوص حکم تھا وہی منسوخ ہوگیا۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اور تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

حلِ لغات: کافۃً کفّ کا مصدر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ثلاثی مجرد کے مصادر کبھی فاعلۃ کے وزن پر آتے ہیں جیسے عافیۃ وغیرہ، اور کافۃ بمعنے کل وجمیع، اور وہ منصوب علی الحال ہے۔ وہ قاتلوا کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنیٰ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم سب کے سب ایک دوسرے کے معاون بن کر مشرکین سے جنگ کرو۔

فائدہ: مسلمان بھائی کی معاونت دعا سے بھی کی جاسکتی ہے، بلکہ یہی بہترین ہتھیار ہے اسے عارفین معنوی ہتھیار سے تعبیر

کرتے ہیں جیسے ہم ظاہرہیں تلوار کو جنگ کا ظاہری ہتھیار سمجھتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص میدانِ جنگ میں نہیں جاسکتا اسے چاہیے کہ وہ اپنے جنگی بھائیوں کے لیے نہایت خشوع وخضوع سے دُعا مانگے اس لیے کہ اب وہ خاطر جمع رکھتا ہے بخلاف جنگیوں کے کہ اگرچہ وہ افضل الاعمال میں مصروف ہیں لیکن بوجہ میدانِ جنگ میں ہونے کے پراگندہ دل ہیں، اسی لیے جسے جنگ پہ جانا نصیب نہیں ہوا تو اسے دُعا کرنے سے معنیً جنگ کی شمولیت نصیب ہو گی۔ اگرچہ ظاہری طور اسے حاضری نصیب نہیں۔ معناً تو نصیب ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در رہِ عشق مرحلۂ قُرب و بُعد نیست
می بینمت عیاں و دُعا می فرستمت

ترجمہ: عشق میں نہ قرب ہے نہ بُعد، میں آپ کو حاضر دیکھ کر سلام و دعا عرض کرتا ہوں۔

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط جیسے وہ سارے کافر مجتمع ہو کر تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

فائدہ: ہم نے پہلے جملہ میں لکھا کہ کافۃ، قاتلوا کے فاعل سے حال ہے۔ اس جملہ میں یہ بھی جائز ہے کہ وہ مفعول سے حال ہو اب اسی جملہ کا معنی ہو گا کہ اے مسلمانو! تمام مشرکین سے جنگ کرو، ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑو، جیسے وہ تم سب سے جنگ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

فائدہ: کافۃ جیسے قاتلوا المشرکین میں فاعل اور مفعول سے علیحدہ علیحدہ حال بن سکتا ہے ایسے ہی دونوں سے بیک وقت حال واقع ہو سکتا ہے۔ اب معنیٰ ہو گا کہ اے تمام مسلمانو! تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

قاعدہ: فاعل و مفعول دونوں سے بیک وقت حال واقع ہو سکتا ہے جیسے ضرب زید عمرو اقائمین، یعنی زید نے عمرو کو مارا۔ درانحالیکہ وہ دونوں قایم تھے۔

سوال: کافۃً مصدر واحد ہے اور فاعل و مفعول دونوں جمع کے صیغے حال و ذوالحال میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جواب: کافۃً مصدر ہے اور مصدر مشترک کھاتہ ہے مذکر و مونث واحد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں مستعمل ہوتا ہے۔

فائدہ: کافۃً کو منصوب علی الظرفیہ یعنی مفعول فیہ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ اے مسلمانو! مشرکین کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت جنگ کرو حرم وغیر حرم اور اشہر الحرام وغیرہ کی تخصیص نہ کرو اور ان سے ہمیشہ تا قیامت لڑتے رہو، اس لیے کہ قیامت تک جہاد جاری رہے گا۔[1]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے یعنی جب وہ مشرکین و

---

[1] اس سے قادیانی کا رد ہے جس نے برطانیہ کے اشارے پر جہاد کی فرضیت کا انکار کر کے اپنے لیے اور اپنی تمام جماعت کے لیے جہنم خریدی

کفار سے جنگ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

سوال: یہاں عربی قاعدہ کے مطابق "معھم" ہونا چاہیے۔ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کیوں لایا گیا ہے۔

جواب ۱: تاکہ معلوم ہو کہ ان کی تعریف و توصیف ان کے تقویٰ و طہارت کی وجہ سے ہے۔

جواب ۲: تاکہ معلوم ہو کہ مجاہدین تقویٰ و طہارت سے موصوف ہوں تو فتح و نصرت ان کے قدم چومتی ہے۔

جواب ۳: تاکہ تقویٰ و طہارت سے جی چرانے والوں کو بھی معلوم ہو کہ جہاد تقویٰ کے بغیر اپنے آپ کو شکست کے منہ میں دینا ہے اگر وہ کریم اپنی مہربانی سے فضل و کرم کرے تو وہ علیحدہ بات ہے ورنہ غیر متقی کو منجانب اللہ کبھی فتح و نصرت نصیب نہیں ہوتی۔
(کذا فی الارشاد)

فائدہ: قاضی نے لکھا کہ تقویٰ و طہارت والوں کو گویا ضمانت دی گئی ہے کہ تم تقویٰ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے کہ وہ تمہیں ضرور اور لازماً فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ مجاہدین کا تقویٰ اتنا بڑا کام کر گیا کہ جہاں ہتھیاروں اور خالی دعاؤں نے کام نہ کیا تاریخ کی ورق گردانی سے اس کلیہ کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

تقویٰ کے درجات تقویٰ کا ادنیٰ درجہ کلمۂ شہادت پر یقین رکھنا اور اس کا اقرار کرنا ہے۔ اسی ادنیٰ درجہ کی برکت ہے کہ مسلمان کو دنیا میں مال اور اولاد میں حفاظت اور آخرت میں عذابِ الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے پھر جب تقویٰ کے شرائط ظاہری و باطنی پورے کئے جائیں تو قلب کو ایک باطنی نور نصیب ہوتا ہے یعنی قلب اوصافِ ذمیمہ سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ قلب کی صفائی سے سالک کو تقویٰ السر نصیب ہوتا ہے۔ اور تقوی السر یہ ہے کہ بندہ کا قلب ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے، پھر اسے مقام "من کان للہ کان اللہ لہ بالنصرۃ والامداد" نصیب ہوتا ہے[۱]

تفسیر صوفیانہ تلوار دو قسم کی ہے:

۱۔ ظاہری تلوار

۲۔ باطنی تلوار

ظاہری سے ظاہری جہاد، اور باطنی سے جہاد معنوی مراد ہے۔ ظاہری جہاد سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو فی النار والسقر کیا جاتا ہے، اور باطنی جہاد سے نفس کی اندرونی بغاوتیں اور شرارتیں مٹا کے رکھ دی جاتی ہیں۔ جہاد ظاہری میں اسمائے الٰہیہ کے اسم "الظاہر" کا مظہر یعنی بادشہ اور اس کا لشکر کام کرتا ہے۔ اور جہاد معنوی پر اسم "الباطن" کا

---

[۱] اسی کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں بیان فرمایا کہ: ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مظہر ولی اللہ، یعنی قطبِ وقت اور اس کا لشکر مامور رہوتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بادشاہ کو اپنے "محمد و ناصر و معین" کی برکات سے مدد دے۔ اور ہمارے دشمنوں کو اپنے اسماء المنتقم، القہار، ذوالجلال کی برکات سے ذلیل و خوار کرے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دعائے ضعیفاں امیدوار

زبازوئے مردے بر آید بکار

ترجمہ: ضعیف امیدواروں کی دُعا مرد کے بازوؤں کو بہت بڑا کام دیتی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اعدائے اسلام سے جہاد کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

حدیث شریف: القتل فی سبیل اللہ مصمصہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے سے گناہوں سے صفائی و ستھرائی نصیب ہوتی ہے۔ "مصمصہ" مصص الاناء سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی برتن میں ڈال کر برتن کو متحرک کیا جائے۔ مضمضہ کا معنیٰ بھی یہی ہے، کُلّی کرنے میں یہی مفہوم مطلوب ہوتا ہے۔ (کذا فی تاج المصادر)

حدیث شریف: ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ بہشت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔ یعنی جنگ میں مجاہد کی یہ شان ہوتی ہے کہ گویا بہشت کے دروازے اس کے آگے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ مخالفین کی تلواروں کے سائے انسان کے قلب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کا نفس چاہتا ہے کہ جنگ سے فرار اختیار کر جائے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیشِ نظر قلب کو تھام کر جانبازی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ مرتے ہی فوراً بہشت میں چلا جائے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسلمان مجاہد بوقتِ جہاد بہشت کے بالکل قریب ہوتا ہے۔

فائدہ: سیوف (تلوار) کی قید اتفاقی ہے اس لیے کہ عرب میں اس دور میں عموماً جنگ تلوار سے لڑی جاتی ہے ورنہ اب ہم جنگی سامان میں سے تلوار کی بجائے جس شے کو تعبیر کریں، جائز ہے۔ مثلاً ٹینک، گولی وغیرہ۔

مسئلہ: جنگ کے میدانوں اور محافلِ دُعا میں ریاء و سُمعہ (شہرت) سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔

حضرت خسرو دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

غازیٔ اسمی کہ بغارت رود	ہست چو حاجی کہ تجارت رود
آنکہ غزا خوانی و جوئی رضا	گر غرضے ہست نباشد غزا
رو بغزا دل غرض آلودہ وائے	جہد خود است ایں نہ جہاد خدائے

ترجمہ: نام کا غازی جو جنگ میں جاتا ہے اسے یُوں سمجھو جیسے حاجی حج کو تجارت کی غرض سے جائے۔ جس جنگ میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی اور غرض ہو تو اسے تم جنگ کا نام دیتے رہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ

جنگ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ان عدۃ الشھور عند اللہ مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی ازل سے فی کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یوم خلق السمٰوٰت والارض اس دن کہ آسمان اور زمینوں کو پیدا فرمایا منھا اربعۃ حرم ان میں چار ماہ معزز و معظم ہیں۔ یعنی ازل سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے یہ ماہ حرمت والے ہوں۔ یعنی حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ ان مہینوں میں جرائم و معاصی کے ارتکاب کی سزا بہت زیادہ ہو بلکہ بندوں پر لازم کردیا گیا کہ ان مہینوں میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے عبادت و اطاعت میں زیادہ وقت گزاریں اور اس میں شواغل دنیویہ و حظوظِ نفسانیہ کو بالکل ترک کردیں۔

دوسری صوفیانہ تقریر اس میں اشارہ ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ اپنی زندگی کے اکثر لمحات طلبِ حق میں بسر کرے۔ اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو دو تہائی عمر اسی شغل میں گزرے ورنہ نصف زندگی تو نہایت ضروری ہے سالک پر تہائی عمر بھی غیر حق میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ بندہ خسارے میں رہے گا جو تہائی عمر بھی طلبِ حق میں صرف نہیں کرتا۔ ہم نے یہ قیود اس لیے لگائی ہیں کہ بندے پر اپنی آل اولاد اور اہل و عیال کی معاش کے اسباب تلاش کرنا ضروری ہے، ورنہ جو بندہ اہل و عیال سے فارغ ہے اسے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی غیر حق کی طلب میں صرف کرنا حرام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلک الدین القیم یہی دین مستقیم ہے، یعنی جو شخص اپنی زندگی کے لمحات غیر حق کی طلب میں صرف کرتا ہے تو اس کا دین مستقیم نہیں بلکہ جتنی زندگی ضایع کرے گا اتنا ہی اس کا دین ٹیڑھا ہوگا۔ فلا تظلموا فیھن اور طلب میں عمر کا تہائی حصہ بھی ضایع کرکے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو، اس لیے کہ بارہ مہینوں کی تہائی چار ماہ ہے۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے اپنی زندگی کا تہائی حصہ طلب حق کے غیر میں صرف کیا تو یقین کرو کہ تم نے اپنے نفسوں پر بہت بڑا ظلم کیا۔ صوفیاء کرام کے نزدیک ظلم علی النفس کا معنیٰ یہ ہے کہ صفات و حظوظِ نفس کو قلوب و ارواح کی صفات پر غالب کردینا اور ظاہر ہے کہ دنیوی مشاغل و مصالح میں زندگی کا اکثر حصہ ضایع کرنا اپنے قلوب و ارواح کو مجروح کرنا ہے اور مشاغلِ دنیویہ میں منہمک ہونے سے نفس روح و قلب پر غلبہ پاتا ہے اور یہ انسان پر ظلم عظیم ہے اور قاعدہ ہے کہ قلب و روح پر نفس کی صفاتِ ذمیمہ کے غلبہ سے انسان کا جھکاؤ دنیا کی طرف ہوجاتا ہے۔ اور صوفیاء کرام دنیا کی طرف میلان کو عبادت غیر اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور نفس کے پجاریوں کو صوفیاء کرام مشرک کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقاتلوا المشرکین کافۃ یعنی اے سالکو! تم اپنے قلوب و ارواح کی صفات کو بحال رکھنے کے لیے نفس دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو کما یقاتلونکم کافۃ جیسے سرکش نفوس تمہارے قلوب و ارواح اور ان کی صفات کو مذموم بنانے کے لیے سر کی بازی لگاتے ہیں۔

فائدہ: نفسِ امارہ سے جنگ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے ہر ارادہ کی مخالفت کی جائے اور اس کی ہر خواہش کو دبایا جائے اور اس کی جملہ صفات مذمومہ کو ملیا میٹ کیا جائے اور اسے خواہشات سے باز رکھ کر اور اسے ہر وقت طاعت و عبادتِ الٰہی

میں مصروف رکھا جائے اور اسے معاملاتِ روحانیہ وقلبیہ میں لگایا جائے۔ خلاصہ یہ کہ نفس سرکش کا اوصافِ ذمیمہ سے تزکیہ اور اخلاقِ حمیدہ سے تحلیہ ضروری ہے۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک متقین سے وہ قلوب وارواح مراد ہیں جو شرک یعنی التفات لغیر اللہ سے پاک ہیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کی علامت یہ ہے کہ اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم نہ ہوتا تو ارواح وقلوب کو تقویٰ وطہارت کی توفیق نصیب نہ ہوتی یہ اسی کا کرم ہے کہ یہ ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اِنَّمَا النَّسِیْٓئُ یہ نساٗہ بمعنے اخرہ کا مصدر ہے بر وزن فعیل جیسے مسّ کا مصدر مسیسٌ آتا ہے۔ اہلِ عرب کی جاہلیت میں عادت تھی کہ جب مہینہ حرام آتا اور وہ جنگ میں مصروف ہوتے تو ماہِ حرام میں جنگ جاری رکھتے ہوئے کہتے کہ اس مہینے کے بدلے دوسرا مہینہ حرام کا مقرر کر دیں گے یہاں تک کہ مہینے حرام کے جنگوں میں گزار دیتے۔ پھر اپنی مرضی سے دوسرے مہینے ان کے عوض مقرر کر دیتے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اہلِ جاہلیت کو جنگ وجدال کا بہت شوق تھا۔ لیکن ماہِ حرام میں جنگ وجدال نہیں کرتے تھے مگر جب مسلسل تین ماہ گھر بیٹھے رہتے تو تنگ ہو کر مختلف تجویزیں سوچتے۔ ایک دفعہ قیس کنانی نے اہلِ عرب کو جمع کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ماہِ صفر تک حرام کے مہینے مؤخر کر دیے ہیں۔ لوگوں نے اس کی بات پر اعتبار کر کے حرام کے مہینوں میں جنگ وجدال جاری کر دی۔ دوسرے سال کسی دوسرے نے اس سال تمہارے لیے ماہِ محرم کو حرام کیا ہے اور صفر میں جنگ حلال کر دی گئی ہے۔ اسی طرح ہر سال اپنی مرضی سے ماہِ حرام کو حلال اور ماہِ حلال کو حرام کر دیتے۔ کبھی مسلسل چار ماہ کو حرام کر دیتے۔ اس طریق سے ماہِ حرام اصلی حالت پہ نہ رہے۔ ان کے نزدیک سال میں صرف چار ماہ حرام تھے خواہ وہ کوئی مقرر کر لیے جائیں۔ اپنے اس طریق کو نسیئ (تاخیر) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ایک ماہِ حرام کو دوسرے ماہ سے مؤخر کرنا زِیَادَۃٌ زیادتی ہے فِی الْکُفْرِ کفر میں، یعنی حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنا ہے، اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال اور حلال کو حرام کرنا ہے۔ یہ کفر ہے۔ اس طرح سے ان کے کفر معروف کے ساتھ ایک اور کفر کا اضافہ ہوا، یعنی کافر تو تھے ہی، لیکن ایجاد بندہ یعنی بدعتِ سیئہ کے اجراء سے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر دیا یُضَلُّ بِہٖ گمراہ کیے جاتے ہیں دین میں نئی ایجاد یعنی تاخیر کی وجہ سے الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وہ لوگ جو کافر ہیں اور حقیقۃً سب کا مضل اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ضلال کی تخلیق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب وہ گمراہی کے امور کا ارتکاب کرتے ہیں یا جب ان میں گمراہی کے اسباب پائے جاتے ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا فرماتا ہے یا گمراہ کرنے والے ان کے لیڈر تھے۔ اس معنی پر الذین اسم موصول سے ان لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں یعنی لیڈروں کی گمراہی کی اتباع میں ان کے متبعین گمراہ ہو جاتے ہیں یا گمراہ کنندہ شیطان ہے اس لیے کہ وہ اسم الٰہی مضل کا مظہر ہے۔

صوفیانہ تفسیر صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان، نفس، اور گمراہی درحقیقت ایک شے ہے

مختلف اعتبارات کی وجہ سے علیحدہ نام سے معنون ہوتے ہیں۔ یعنی شریعت والے اس حقیقت کو شیطان سے اور طریقت والے نفس سے اور حقیقت والے ضلال سے تعبیر کرتے ہیں لیکن یاد رہے کہ ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاح پر استعمال کرنا ناجائز ہے۔ یہی تقریر صاحب رُوح البیان کے پیرومرشد کی ہے یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا حلال کرتے ہیں ایک سال میں ماہ مؤخر کو۔ ضمیر اس ماہ مؤخر کی طرف لوٹتی ہے جس پر نسیئ مذکور دلالت کرتا ہے، عَامًا سے زندگی کے سالوں میں سے کوئی سال مراد ہے یعنی جو ماہ حرام نہیں تھا اسے اپنی طرف سے حلال ماہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وَیُحَرِّمُوْنَهٗ اور اس ماہ کی حرمت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس آنے والے ماہ کو حرام سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ آنے والے سال اسی حلال کردہ ماہ کو حرام قرار دیں گے عَامًا دوسرے سال میں یہ اس وقت ہے جب انہیں اس ماہ کی تحریم سے کوئی غرض متعلق ہو لِّیُوَاطِئُوْا المواطاۃ سے مشتق ہے بمعنی الموافقۃ یعنی تاکہ اس حکم کی موافقت کر کے عمل کریں عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ان چار ماہ کی گنتی جو اللہ تعالیٰ نے حرام مقرر فرمائی اور وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے چار ماہ جنگ حرام فرمائی ہم نے اس حکم کو پورا کر لیا فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط باوجود اینہمہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال کرتے تھے یعنی حیلہ سازی کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کی کوشش کرتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کو حلال بنا لیتے۔ اسی لیے چار ماہ کی گنتی سے تعمیل حکم الٰہی کے بجائے بے فرمانی کے مرتکب ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ ان پر دو امر واجب تھے ایک چار ماہ کی گنتی دوسرا معین ماہ کی حرمت انہوں نے گنتی کے امر کی تعمیل تو کی لیکن حرمت کی تعمیل کی خلاف ورزی کی زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ان کے لیے بُرے اعمال سنگارے گئے یعنی وہ اعمال ان کو ایسے محبوب و مرغوب تھے جو ان کے نفوس کی خواہش کے مطابق تھے حقیقی مزین اللہ تعالیٰ اور مجازاً شیطان یا نفس۔ ہے وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ۠ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی انہیں وہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی جو موصل الی المطلوب ہو۔ ہاں انہیں موصل الی المطلوب کا راستہ دکھایا لیکن چونکہ انہوں نے اپنے اختیار سے اس راہ سے ہٹ کر دوسرا غلط راستہ اختیار کیا اسی لیے وہ گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے۔

فائدہ: ینابیع میں ہے کہ کفار نے چار ماہ اپنے اوپر سے حرام کر رکھا تھا کہ کسی کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ مسلمانوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ تمام سال کسی کو دُکھ درد نہیں دیں گے نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ ؎

آزار دل خلق مجو بے سببے ۔۔۔ تا بر نکشند یار بے نیم شبے

بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن ۔۔۔ کانرا بشبے برند ایں را بہ تبے

ترجمہ: بلا سبب کسی کا دل نہ دکھا تاکہ وہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ سے فریاد نہ کریں۔ اپنے مال و جمال پر بھی سہارا مت کر اس لیے کہ مال ایک سیکنڈ میں ختم ہو سکتا ہے اور جمال بھی۔

احساس زیاں جاتا رہا صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے دور میں غلط کاریوں کی انتہا ہو گئی ہے کہ لوگوں نے آج کل ہر ماہ گناہوں کے ارتکاب کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی نہ کسی بابرکت مہینہ

کی شرم وحیا رہی نہ دوسرے عام ہی غلطیوں میں کمی ہے یہاں تک کہ ماہِ رمضان جیسے مقدس مہینے میں کھلے بندوں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہے بعض بے حیا زور برسر بازار کھانے پینے میں مست رہتے ہیں اور رات کو جب حفاظِ قرآن مجید مساجد میں سنانے سے ملائکہ کے لیے رشک بنے ہوئے ہیں اور خوش قسمت نمازِ تراویح کی ادائیگی میں مصروف ہوتے ہیں بدبخت رنگ رلیوں میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ایسے بدمعاشوں کو جب برائیوں سے روکا جاتا ہے تو دست بگریباں ہوتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ دین کی عزت کا وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے رمضان و قرآن و اسلام کی عزت و احترام کا احساس نکل گیا ہے اور وہ انوار و برکات جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مختص فرمائے ان سے آدم زادہ یکسر محروم ہوگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کے انوار و تجلیات کے حصول کیلئے شب و روز جدوجہد کرتے ہیں۔

فائدہ: انما النسئ المذکور میں حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا ھامۃ ولا صفر۔

شرح الحدیث المذکور: عدوی "اعداء" مصدر کا اسم ہے جیسے دعوی "ادعا" کا اسم ہے بمعنے تجاوز، اور اصطلاح عوام میں ایک آدمی کی بیماری دوسرے کو چمٹنا۔ اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو چمٹ جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کسی طرح سے دخیل نہیں سمجھتے تھے۔ اب لا عدوی کا معنیٰ یہ ہوا کہ کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں چمٹتی۔ اس کا مطلب مفسرین وعلماء شرع یہ بتاتے ہیں کہ اس میں سرایۃ العلۃ والتعدیۃ کی نفی مطلوب نہیں اس لیے کہ یہ تو طب کے قانون کے عین مطابق ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔ اور بارہا کا تجربہ ہے کہ بہت سی بیماریاں متعدی ہوکر دوسروں کو چمٹ جاتی ہیں بلکہ اس عقیدہ کی نفی ہے کہ اس بیماری کے تجاوز میں اللہ تعالیٰ کو دخیل نہ سمجھنا، حالانکہ یہ کفر ہے۔ اسلام نے اس کے برعکس عقیدہ دیا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو کبھی چمٹ جاتی ہے تو اس میں بھی تقدیر ربانی کو دخل ہے صرف بیماری ایک سبب ہے اصل اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو مانا جائے اور سبب دوسری شے کو۔ یہی عین اسلام ہے۔ یہی عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہوا ہے کہ ہم نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء کو ان کا سبب اور وسیلہ مانتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ہمارے خلاف لوگ بیان دیتے ہیں اس کے لیے ہم صرف کہیں گے ھذا بہتان عظیم۔

مزید شرح: اس قاعدہ قانون پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یورد ممرض علی مصحح صاحب ابل الصحیحۃ۔

حلِ لغات: الممرض بمعنے صاحب الابل المریضۃ اور المصحح بمعنے صاحب الابل الصحیحۃ۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ بیمار اونٹ تندرست اونٹ کو بیمار نہیں کرتا بلکہ بیمار کو بیماری اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور تندرست کو تندرستی اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی یہی سبق دیا گیا ہے کہ ہر شے کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن

س کے پیدا کردہ اسباب کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جن اسباب سے نقصان ہوتا ہے ان سے بچنا لازمی اور جن سے نفع حاصل ہوتا ہے انہیں اسباب سمجھ کر عمل میں لانا بھی ضروری ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہی طریقہ ہم اہلسنت کو حاصل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آگ کو جلانے اور پانی کو ڈبونے کے لیے پیدا فرمایا ہے تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم آگ اور کثیر پانی سے بچنے کی کوشش کریں ایسے ہی جس دیوار کے گرنے کا یقین ہو۔ اس کو ہلاکت کا سبب سمجھ کر ہمیں اس سے بچنا لازمی ہے اسی طرح وہ جملہ اسباب کہ جن سے انسان کو نقصان اور ضرر پہنچتا ہے۔ ان سے دُور رہنا لازم، مثلاً جذام (کوڑھ) کے مریض سے اسی طرح جس شہر یا بستی میں طاعون، وباء کا حملہ ہو ان سے بچ کر رہنا اس معنے پر ضروری ہے کہ یہ ضرر و نقصان کا موجب ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ضرر و نقصان کے لیے پیدا فرمایا ہے اسی لیے دُور رہنا لازم ہے لیکن یہ حکم ضعیف اور کمزور مومن کا ہے کیونکہ اسے جونہی ایسے اسباب سے تکلیف پہنچے گی تو فوراً سمجھے گا کہ انہی اسباب نے نقصان اور ضرر پہنچایا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تخلیق کا خیال تک نہیں آئے گا۔ اس غلطی پر وہ کفر کے گھاٹ اُتر جائے گا ورنہ جو مومن کامل اور ولی اللہ ہے وہ توکل علی اللہ کے عقیدہ میں پختہ اور مضبوط ہے اور اس کا ایمان کسی طریق سے متزلزل نہیں ہو سکتا اس کے لیے ایسے اسباب ضرر رساں نہیں یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک جذامی (کوڑھی) کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، اور کھانے کے آغاز میں فرمایا: بسم اللہ ثقۃ باللہ توکلت علی اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت اور اسی پر بھروسہ اور توکل کر کے کھانا ہوں۔

حضرت عمر اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی کرامت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے زہر قاتل کی شیشی پی لی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق زہر نوش فرمانے کا واقعہ مشہور ہے لیکن ان پر زہر نے کسی قسم کا اثر نہ کیا۔

نکتہ: ان حضرات پر زہر کا اثر ہوتا کیسے جبکہ انہوں نے یہ زہر مقامِ حقیقت میں پی لی تھی ان کی نگاہ اس ظاہری زہر پر تھی ہی نہیں۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ حقیقت سے کون اونچا ہو سکتا ہے ان پر تو زہر کا اثر ہو گیا تھا۔

جواب: اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے کہ آپ نے اپنے اختیار سے مقامِ بشریت میں نزول فرما کر زہر نوش فرمائی تھی وہ اس لیے کہ آپ عالم دنیا میں ارشاد و رہبری کے لیے تشریف لائے تھے اور یہ آپ کے لیے عالمِ تنزل تھا اگرچہ آپ کے لیے یہ عالمِ ارواح سے کم نہ تھا بلکہ اسے اعدل المراتب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس عالم کا تنزل بھی ہمارے لیے اختیار فرمایا تھا ورنہ آپ کو عالم بالا سے عالمِ تنزل میں نزول کی ضرورت کیا تھی۔ اور یہ بھی ان کی شان تھی کہ عالمِ تنزل میں نزول فرمانے کے باوجود زہر نوش فرمائی تو اس کا اثر بارہ سال کے بعد ہوا۔ یہ بھی آپ کے معجزات سے ایک معجزہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی اور اس عالمِ تنزل میں زہر پیتا تو فوراً ڈھیر ہو جاتا۔ یہی نکتہ آپ کی موت کے وروہ کا ہے کہ آپ پر بھی موت اس وقت طاری ہوئی جب آپ عالمِ تنزل میں تشریف لائے۔ اسی طرح جب آپ عالمِ تنزل میں تشریف لائے تو پھر زہر نے بھی

اپنا اثر دکھا لیا۔

سبق: اس تقریر کو خوب یاد کر لو، اس لیے کہ حضور علیہ السلام ان حالات کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کے دماغ چکرا گئے (جیسے دیوبندی وہابیوں نے ان حالات کو دیکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو اپنے جیسی بشریت سمجھ لیا اور ان کو اپنا بڑا بھائی تصور کر کے اپنا اور قوم کا بیڑا غرق کیا۔

وَلَا هَامَۃَ کی شرح ہامہ کی میم کو مخفف کر کے پڑھا جائے، اس کی دو تقریریں ہیں:

۱۔ اہلِ عرب ھامۃ کو منحوس سمجھتے تھے، اور ھامہ ایک پرندہ ہے جو دوسرے بعض پرندوں کی طرح رات کے وقت ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ھامہ کا دوسرا نام بُوم ہے۔ یہ پرندہ رات کے وقت جس گھر پہ اترتا تو اہلِ عرب کہتے کہ اس گھر یا ان کے متعلقین پر لازماً موت وارد ہوگی۔ یہی تفسیر مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

۲۔ بعض اہلِ عرب کہتے کہ جس مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی رُوح ھامہ پرندہ کی طرح ہو جاتی، پھر وہ اس مقتول کی قبر پہ بچھا دیتا ہے اور کہتا ہے" اسقونی اسقونی من دم قاتلی" مجھے میرے قاتل کا خون پلاؤ۔ جب تک اس کے قاتل سے خون کا بدلہ نہ لیا جاتا تو وہ اس طرح کہتی رہتی۔ جب بدلہ لے لیا جاتا تو وہ اڑ جاتی۔

۳۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ بعض اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ جب میت کی ہڈیاں بہت پرانی ہو جاتی تھیں تو وہ ھامہ پرندے کی شکل اختیار کر جاتیں، اس کو عربی میں الصدی، فارسی میں کوف، اردو میں اُلّو کہتے۔ اور قبر سے نکل کر پھر اسی قبر میں داخل ہو جاتی اور قبر میں جا کر میت (کی روح) کو اس کے اہل وعیال کے احوال سے آگاہ کرتی ہے۔ اکثر علماء نے اسی تفسیر کو لیا اور یہی مشہور قول ہے۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام نے مطلقاً ھامہ کے عقیدہ سے منع فرمایا ہے خواہ تفسیر اوّل ہو یا دوم یا سوم یا کوئی اور۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے کہ جس وقت ھامہ پرندہ بولے اور کسی کے منہ سے نکل جائے کہ ھامہ کا بولنا بتاتا ہے کہ ہم میں سے کوئی مر جائے گا۔ ایسے قائل کو فقہاء کافر کہتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص سفر کو جائے اور صبح کو کوے کے بولنے پر کہے کہ فلاں سفر سے واپس آئے گا تو ایسے قائل کو بھی فقہاء نے کافر کہا ہے۔

ولا صفر کی تشریح: صفر کے متعلق بھی دو تقریریں ہیں:

۱۔ اہلِ جاہلیت کا خیال ہے کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہے، اس کا صفر نام ہے۔ جب وہ انسان کے جگر کو کاٹتا ہے تو اسے بھوک لگتی ہے۔ یہ بھوک اسی صفر نامی سانپ کے کاٹنے کا نام ہے۔

۲۔ صفر کا وُہ مہینہ جو اہلِ جاہلیت محرم کے بجائے جنگ وجدال وغیرہ کے لیے صفر کا مہینہ مقرر کر دیتے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے النسئ سے تعبیر فرمایا۔ حدیث شریف میں یہی یا دونوں مراد ہوں اسی لیے کہ اسلام میں صفر کی دونوں

صورتیں باطل ہیں۔ ان کا اسلام میں کوئی نام و نشان نہیں۔

فائدہ: بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی کہ صفر کے مہینے کو منحوس مت سمجھو۔

حکایت ایک اعرابی کا سفر کا ارادہ ہوا دل میں خیال کیا کہ اگر محرم کے مہینہ کو جاؤں تو ممکن ہے کہ مقصد و مطلب سے محروم رہوں اگر صفر میں جاؤں تو ممکن ہے خالی ہاتھ لوٹوں، کیونکہ صفر بمعنی خالی ہے، اسی لیے ربیع الاول میں جاؤں، چنانچہ ربیع الاول کے مہینے میں سفر کو روانہ ہوا تو بیمار ہوگیا اور اپنے مقاصد سے مکمل طور محروم ہوگیا۔ اس پر اس نے کہا کہ میں نے تو ربیع الاول میں اس لئے سفر کا آغاز کیا کہ ربیع بمعنے بہار ہے اور وُہ میرے لیے ربیع الریاض ثابت ہوگا لیکن وہ تو ربیع الامراض بن گیا۔

فائدہ: حضرت علی و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگِ صفین کا آغاز ماہ صفر ۳۷ھ میں ہُوا تھا۔ کچھ لوگ اسی مناسبت سے بھی ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے لگے۔

فائدہ: روضۃ الاخیار میں ہے کہ بہتر ہے کہ ماہِ صفر میں سفر کے بجائے گھر میں آرام کیا جائے (لیکن یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں صرف خیالی بات ہے) جمہور کا یہی مذہب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خبر دے میں اسے بہشت کی خوشخبری دُوں گا۔

ازالۂ وہم: بعض لوگ اسی حدیث کو پیش کر کے صفر کی نحوست کا اثبات کرتے ہیں۔ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہُوئے ایک بہترین توجیہہ بیان فرماتے ہیں، وہ یہ ہے:

یقول الفقیر هذا الحدیث لا یدل علی مدعاه وهو اولویة القعود فی صفر فان النبی علیه السلام انما قال کذلك شغفا بشهر ولادته و وفاته وحبا لدخوله فان الانبیاء علیهم السلام والاولیاء یستبشرون بالموت لکونه تحفة لهم وینتظرون زمانه اذلیس انتقالهم الا الی جوار الله تعالی۔

فقیر یعنی صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صفر میں گھر پر بیٹھنا زیادہ اچھا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لیے فرمایا تاکہ آپ کی ولادت کے مہینے سے عوام کو محبت ہو اور آپ کو بھی اس سے محبت اسی لیے تھی کہ آپ کا وصال اسی مہینہ میں ہُوا اور انبیاء و اولیاء موت سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ موت ان کا تحفہ ہے اسی لیے وہ اس کے منتظر رہتے ہیں کیونکہ انہیں موت کے بعد حق کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند کے محاق میں سفر نہ کرو اور نہ ہی ان دنوں میں جب چاند

بُرجِ عقرب میں ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دنوں میں سفر اور نکاح مکروہ سمجھتے۔ جب چاند بُرجِ عقرب میں ہوتا۔ صاحب رُوح البیان نے فرمایا:

ھو اسناد صحیح ۔ اس کا اسناد صحیح ہے۔

مسئلہ: حضرت الشیخ الشہیر بافتا زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایام کی نحوست بہ برکت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت سے مرتفع ہو گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اگر صحیح سند سے ثابت ہے تو ان کے قول ہر ماہ میں سات دن منحوس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نفس و طبیعت منحوس ہیں۔ اسی بنا پر جس کا نفس اور طبیعت بدبخت ہیں تو اس کے لیے وہ ایام منحوس ہیں اور جس کی طبیعت اور نفس سعید ہیں تو اس کے لیے وہ ایام منحوس نہیں، چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمارے نفوس و طبائع سے نحوست مرتفع ہو چکی ہے فلہذا ہمارے لیے نہ ایام منحوس ہیں نہ لیالی اور نہ شہور نہ سنین۔

ازالۂ توہمات عقد الدرر و اللآلی میں ہے کہ بہت سے جہال ماہِ صفر کو منحوس سمجھ کر اس ماہ میں سفر کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں حالانکہ جس طرح بدفالی ہمارے اسلام میں نہیں اسی طرح ماہ صفر کے سفر کی نحوست کا مسئلہ بھی ہمارے ہاں نہیں۔

اسی طرح بعض لوگ بدھ[1] اور موسم سرما کے آخری ایام میں سفر کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے اور بعض لوگ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کو منحوس فعل سمجھتے ہیں۔ یہ بھی زمانۂ جاہلیت کے توہمات سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کسی زمانہ میں شوال کے مہینے میں زبردست طاعون واقع ہوا۔ اس سے بہت نوجوان دُولہے، دُلہنیں اور دوشیزائیں مر گئیں۔ اس وجہ سے جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح و بیاہ کو منحوس سمجھنے لگے، حالانکہ شرع مطہرہ نے اس کی زبردست تردید فرمائی ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور بیاہ شوال میں حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح اور پھر بیاہ شوال میں فرمایا۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ مجھ جیسا خوشگوار معاشرہ دنیا بھر کی کسی عورت کو نصیب نہ ہوا اور نہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی ماہ، دن اور رات اور سال، جیسے صفر وغیرہ، کو منحوس سمجھنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ فلہذا ان کی نحوست کا خیال رکھنا حرام ہے اس لیے کہ تمام زمانے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں ان میں نحوست کا خیال کرنا در اصل

---

[1] سلسلہ چشتیہ کے بعض مشایخ مثلاً خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ بدھ کے دن سفر کو نہایت منحوس امر سمجھتے ہیں۔ فقیر نے اس کی عجیب توجیہ اپنے رسالہ "اربعاء" میں عرض کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر طعن و تشنیع کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں انہی زمانوں کو بنی آدم کے نیک اعمال واقع ہوتے ہیں۔ انہی برکات سے نحوست کے اجتماع کا کیا معنیٰ۔

ہر شب شب قدر ست جس وقت میں بندہ نیکی کرے وہی اس کے لیے سعید اور جس گھڑی اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے وہی وقت اس کے لیے منحوس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی زمانہ منحوس نہیں، در اصل منحوس بندے کا اپنا برا عمل ہے۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر نحوست ہوتی تو جبڑوں کے درمیان ہوتی، یعنی زبان ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحوست تین چیزوں میں ہے:

(۱) عورت (۲) دار (۳) فرس

شرح الحدیث: عورت وہ منحوس ہے جو بچے نہ جنے۔

دار وہ منحوس ہے جس کا ہمسایہ برا ہو، اس لیے کہ برے ہمسائے سے اذیت پہنچتی ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ:

اَدْفِنُوْا اَمْوَاتَكُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ۔

(اپنے موتیٰ کو نیک اور صالح لوگوں کے درمیان دفنایا کرو۔)

اس لیے کہ:

فَاِنَّ الْمَيِّتَ يتاذى بجار السوء كما يتاذى الحى بجار السّوء۔

یعنی میت کو برے ہمسایہ سے اذیت پہنچتی ہے۔ جیسے زندہ ہمسایہ سے زندہ انسان کو۔

اور فرس یعنی گھوڑے میں یہ نحوست ہے کہ جب اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جائے۔

گھوڑے تین قسم کے ہیں:

(۱) رحمان کے لیے (۲) انسان کے لیے (۳) شیطان کے لیے

رحمٰن کے لیے وہ ہے کہ جس سے جہاد کیا جائے۔ یعنی اس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔

انسان کے لیے یہ ہے کہ جس کے ذریعے سے روزی کمائی جائے۔

شیطان کے لیے یہ ہے کہ جیسے کھیل، تماشہ اور جوا و قمار بازی وغیرہ کے لیے شرط پر دیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ

سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ

میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت

الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ

کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں

إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ

مگر تھوڑا اگر نہ کوچ کرو گے تو تمہیں سخت سزا دے گا اور تمہاری

قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

جگہ اور لوگ لے آئیگا اور تم اسکا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت

كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ

سے انہیں باہر تشریف لیجانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَ

غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور

أَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ

ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی

وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انْفِرُوا خِفَافًا

اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے کوچ کرو ہلکی جان

وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

سے چاہے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا

یہ تمہارے لیئے بہتر ہے اگر جانو اگر کوئی قریب مال

قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ

یا متوسط سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ جاتے مگر ان پر تو مشقت کا راستہ دور

الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ

پڑ گیا اور اب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے

يُهْلِكُوْنَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بے شک ضرور جھوٹے ہیں

ع ۶ ۵ ۱۲

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ربط) غزوۂ حنین کے بعد غزوۂ تبوک کے متعلق تشریح فرمائی۔

ف: تبوک ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ پر جنگ لڑی گئی ہے۔ اسی لیے اس جنگ کو غزوۂ تبوک سے موسوم کرتے ہیں، اسے "غزوۃ العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ اسے "غزوۃ الفاضحہ" بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اس جنگ میں بہت سے منافقین کے حالات کھل کر عوام کے سامنے آگئے جس سے منافقین کو سخت رسوائی ہوئی۔ بنابریں اسے فاضحہ (رسوا کرنے والی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ کو فتح فرما کر ہوازن وثقیف حنین و اوطاس وغیرہ سے جنگ کی، اور پھر طائف کا محاصرہ فرمایا ان تمام غزوات سے کامیاب ہوکر جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ عمرہ سے فراغت پاکر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حکم فرمایا کہ غزوۂ روم کو چلو۔ یہ جنگ رجب ۹ھ میں واقع ہوئی جبکہ آپ کو خبر پہنچی کہ رومیوں نے اسلام کے خلاف بہت بڑے جنگی جمع کیے ہیں۔ بلکہ مقام بلقاء تک بھی پہنچ چکے ہیں۔

فائدہ: روم کو بنو الاصفر بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ روم بن العیص بن اسحاق نبی علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، اور ان کی اولاد اور روم کو اصفر بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی رنگت زرد تھی۔ بعض کہتے ہیں اس کے والد کی رنگت کی وجہ سے اس کے بیٹے کو اصفر کہا گیا۔

فائدہ: غزوۂ تبوک ایسے موسم میں ہوا جب لوگوں کی معاش نہایت تنگ تھی اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ادھر مدینہ طیبہ کی کھجوریں پک کر اپنی جوانی کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک کا سفر بھی طویل تھا، اس لیے بعض لوگوں کو غزوۂ تبوک پہ جانا مشکل سا ہو گیا، ان کی ناخوش طبع کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

یعنی ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے مَا لَکُمْ لفظاً استفہام اور معناً انکار و توبیخ ہے اِذَا قِیْلَ لَکُمُ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چل کر جہاد کرو یعنی جنگ کے لیے نکلو۔

حل لغات: نفرا لقوم ینفرون نفرا و نفیرا۔ اس کی گردان ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی کسی مکان کی طرف کسی مصلحت کے پیش نظر جائے، اس مکان کی طرف جانے والی قوم کو نفیر کہا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں استنفر الامام الناس لجہاد العدو۔ یعنی امام نے لوگوں کو دشمنوں کے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ اور انہیں برانگیختہ کیا اثَّاقَلْتُمْ دراصل تثاقلتم تھا۔ یہ لفظاً ماضی اور معناً مضارع ہے اس لیے کہ یہ ما لکم سے حال ہے اِلَی الْاَرْضِ یہ اثاقلتم کے متعلق اور میلان و اخلاد کے معنے کو متضمن ہے۔ یعنی تمہیں کون سا سبب روکتا ہے اور کون سی غرض تمہیں چمٹی ہے اور کون سی بات تمہارے دل میں بیٹھ گئی ہے کہ جب تمہیں جنگ کے لیے کہا جاتا ہے تو تم دنیا اور شہوات نفس فانیہ کی طرف جھکے جا رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں عارضی اور چند روزہ ہیں۔ اور تم سفر جہاد کی مشقتوں سے بھی گھبرا رہے ہو حالانکہ جہاد سے دائمی راحتیں اور مسرتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں الارض سے دنیا اور اس کی شہوات مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر "ملتم الی الاقامۃ بارضکم و دیارکم" فرمائی ہے۔ یعنی تم اپنی زمینوں اور گھروں سے محبت کرتے ہو۔ اَرَضِیْتُمْ یہ استفہام توبیخی ہے۔ یعنی کیا تم راضی اور خوش ہو بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں یعنی باغات کے پھلوں اور سایوں کے ساتھ مِنَ الْاٰخِرَۃِ آخرت اور اس کی نعمتوں کے بجائے۔

ف: کلمہ مِنْ بمعنے البدل ہے جیسے جعلنا منکم ملائکۃ میں بمعنے بدل ہے۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا پس نہیں حیوۃ دنیا کا سامان۔ یعنی دنیا اور اس کی لذتوں سے نفع اٹھانا نہیں۔ فِی الْاٰخِرَۃِ بہ نسبت آخرت کے اِلَّا قَلِیْلٌ۝ مگر تھوڑا یعنی ایسی حقیر و قسیر کہ اسے کسی شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس لیے کہ دنیا کا سامان فانی اور معیوب، اور آخرت کا سامان باقی اور مرغوب ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈبو دے، پھر دیکھے کہ دریا سے انگلی کے پانی کو کیا نسبت ہے۔

اِلَّا یہ دراصل دو کلمے ہیں۔ اِنْ حرف شرط اور لَا نافیہ بمعنے لَمْ۔ تَنْفِرُوْا اگر تم جنگ کے لیے نہ نکلے یُعَذِّبْکُمْ تو تمہیں اللہ عذاب دے گا عَذَابًا اَلِیْمًا۵ عذاب دردناک جو تمہارے ابدان و اجسام اور قلوب کو گھیر لے گا۔ یعنی تمہیں بہت بڑی گھبراہٹ سے تباہ و برباد کرے گا، مثلاً کبھی قحط سالیوں سے اور کبھی دشمنوں کے غلبوں سے وَیَسْتَبْدِلْ تمہارے تباہ و برباد کرنے کے بعد تبدیل کرے گا قَوْمًا غَیْرَکُمْ ایسی قوم سے جو تمہاری غیر ہو یعنی تمہارے بجائے

یہاں اور ایسے لوگ آجائیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے جو تمہارے ساتھ ان کا کوئی خاندانی رشتہ نہ ہو، نہ آبا سے، نہ امہات سے، مثلاً وہ اہلِ یمن یا ابنائے فارس ہوں وَلَا تَضُرُّوْهُ اور ترکِ جہاد سے اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا ضرر نہ دو گے شَيْئًا ط معمولی سا بھی، یعنی تمہارا جہاد سے جی چرانا اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں دے گا اس لیے کہ وہ ہر شے سے مستغنی ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وہ تمہارے ہلاک کرنے اور تمہارے بجائے دوسری قوم کو لانے پر قادر ہے۔

فائدہ: بیکاری انسان کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ: انسان پر لازم ہے کہ آخرت کے امور یا دنیوی کاروبار میں مشغول رہے اور حلال رزق کے حصول میں جدوجہد کرے حلال رزق سے اعمال صالحہ کا دوہرا بلکہ کئی گنا زاید ثواب نصیب ہوتا ہے اور امورِ معاش کی جدوجہد سے خوشحالی حاصل ہوتی ہے اگر کوئی شخص نہ دینی امور کا مشغلہ رکھے اور نہ دنیوی کاروبار میں وقت بسر کرے اس کا دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے۔

فائدہ: انسان کو تحرک ضروری ہے اس لیے کہ حرکات میں صد برکات ہیں وہ حرکات حضری ہوں یا سفری۔

فائدہ: سفر دو قسم ہے:

۱۔ سفرِ دنیا

۲۔ سفرِ آخرت

پہلے سے دُوسرے میں زیادہ مشقت ہے۔

حدیث شریف: السفر قطعة من العذاب۔ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

لطیفہ: بعض مشایخ سے منقول ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے الفاظ کی تبدیلی جائز ہوتی تو میں کہتا: السفر قطعة من السقر۔ سفر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔

نکتہ: حضور علیہ السلام نے سفر کو عذاب کا ٹکڑا فرمایا ہے ورنہ عقل کا تقاضا ہے کہ اسے موت کا حصہ کہا جاتا لیکن بغور دیکھا جائے تو صحیح فرمایا ہے اس لیے کہ موت سے صرف جسم کو لیکن سفر سے جسم اور دل ہر دونوں کو دکھ اور درد پہنچتا ہے۔

حجاج بن یوسف ظالم کا مقولہ

حجاج بن یوسف ظالم کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر مسافر کو گھر کی واپسی کی خوشی کا تصور نہ ہوتا (اس لیے کہ مسافر جب گھر لوٹتا ہے تو اسے سفر کی تمام تکالیف اور پریشانیاں بھول جاتی ہیں)، تو میں لوگوں کو قتل کرانے کے بجائے سفر کی مشقتوں میں مبتلا کرتا۔

مسئلہ: دینی سفروں میں سے ایک سفر جہاد بھی ہے۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لغدوة فی سبیل اللہ۔
غدوة بمعنے صبح کے وقت کہیں جانا، اور روحة بمعنے دن کے آخری حصے میں جانا۔

خیر من الدنیا وما فیہا یعنی جنگ وجہاد کے لیے صبح یا شام کو جانا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی تمام نعمتیں زوال پذیر ہیں اور آخرت کی نعمتیں زوال پذیر نہیں ہیں۔

مسئلہ: جہاد میں نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں اور جہاد میں صرف رضائے الٰہی مدِ نظر ہو اور اثنائے جنگ میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کرنی چاہیے۔ جنگ کے دوران آل اولاد اور اپنی عورتوں اور اپنے گھر، مال، اسباب اور وطن کی باتوں کو دل میں نہ لائے، اس لیے کہ ان کی یاد سے جہاد میں دل نہیں لگتا۔ نصائح مذکورہ کے مطابق جہاد کی مشغولی افضل العبادات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملفوظ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غازیوں سے کوئی گناہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور سخن چین کی عبادت بیکار ہے، مخنث کی دعا ناقابلِ قبول ہے (جبکہ غلط کاریوں میں مشغول ہو اور اسی طریقے کی دعا مانگے) شرابی کی دعا بھی مستجاب نہیں ہوتی۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اپنی زندگی طاعتِ الٰہی میں بسر کرے اور صرف رضائے الٰہی میں جد وجہد رکھے۔

حدیث شریف: دو ایسی نعمتیں ہیں جن سے لوگوں کو بہت رشک ہونا چاہیے:

۱۔ صحت

۲۔ فراغت

یہ روحانی اسباب، کامیابی اور نجات پانے کے موجبات ہیں۔

نکتہ: حضور علیہ السلام نے مکلف (عاقل بالغ انسان) کو تاجر سے اور صحت وفراغت کو راس المال فرمایا، اس لیے کہ یہی روحانی اسباب اور نجات پانے کے موجبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو اوامر کی پابندی کی توفیق بخشتا ہے تو اس کو دنیوی زندگی میں تاجر کی طرح بہت نفع نصیب فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم تومنون بالله ورسوله وتجاهدون فى سبيل الله باموالكم وانفسكم۔ کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی رہبری نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور نفسوں سے جہاد کرو۔

مسئلہ: جو شیطان کی اتباع کرتا ہے تو اس کا راس المال ضایع ہو جاتا ہے، اسے نفع حاصل نہ ہو گا بلکہ زندگی کے ضایع ہونے پر بعد کو سخت پچھتائے گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کرنے سے انسان کا انجام بخیر ہوتا ہے اگرچہ بظاہر نفس کو اس سے سخت کوفت ہوتی ہے مثلاً جہاد سے نفس سخت گھبراتا ہے لیکن اس کا انجام نہایت اعلیٰ وافضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترکِ راحت اور اختیارِ مشقت میں انسان دنیوی اور دینی مقاصد میں کامیاب رہتا ہے لیکن اس میں توفیقِ ایزدی کا شاملِ حال ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ہر مشقت اٹھانے والے کو یہ مقام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک دنیوی پریشانی اٹھانے والے کو دین سے وافر حصہ حاصل ہوتا ہے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

خام را طاقت پروانۂ پُر سوختہ نیست
نازکانرا نرسد شیوۂ جاں افشانی

ترجمہ: کچے عاشق کو پروانے جیسی طاقت نہیں۔ اسے نازبرداری کا کیا پتہ جو جان دینا نہیں جانتا۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ ایک قوم کو تبدیل کرکے اس کے بجائے دُوسری قوم کو لاتا ہے، ایسے ہی انسان کی بعض صفات کے بجائے دوسری صفات لاتا ہے۔ مثلاً جو شخص شہواتِ نفسانی کی اتباع یعنی اپنی تمام حرکات و سکنات میں خواہش نفسانی کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایسا شخص وادیٔ طبع ونفس میں تباہ و برباد ہوتا ہے اسے رجال عالم قدس و انس کے مقامات کبھی نصیب نہیں ہوں گے اور نہ ہی اسے ایسے حضرات کے مقالات و مقامات و حالات سے تعلق پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ اس خبیث النفس اور ان پاکبازوں کے مراتب و حالات میں بہت بڑا بُعد ہے۔ اس لیے کہ اس خبیث النفس کی صفات نفس و طبیعت کی صفات ہیں اور ان پاکبازوں کی صفات رُوح اور ان کے اخلاق اخلاقِ الٰہی ہیں۔ ان دونوں صفات کا اجتماع محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی ان صفات کی صورت میں اٹھائے گا جو صفات مذمومہ اس پر غالب ہوں گی، ہاں جسے اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے اور ستار العیوب کے طور اپنے لُطف و کرم کی چادر میں اسے ڈھانپ لے تو وہ علیحدہ بات ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اگر تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک میں مدد نہ کی **فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ** تو ان کی اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا جیسے ان کی مدد فرماتا رہتا ہے۔ مثلاً **اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** جبکہ انہیں کافروں نے نکالا یعنی جب ان کی ہجرت کے لیے کافر سبب بنے۔

سوال: تم نے ترجمہ کے بعد یہ کہاں سے نکال لیا کہ کافر حضور علیہ السلام کی ہجرت کا سبب بنے۔

جواب: ظاہر ہے کہ ہجرت کا حکم حضور علیہ السلام کو منجانب اللہ تھا اور آپ نے اسی حکم کی تعمیل کی۔ البتہ کفار نے انہی ایام میں حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو سبب بنا کر اپنے محبوب علیہ السلام کو مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ یہ اخرجہ کی ہٗ ضمیر سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ آپ دو میں سے ایک تھے، اس میں آپ کو اثنین سے ثانی بایں معنیٰ کہا گیا ہے کہ گویا اثنین میں آپ داخل ہی نہیں تھے۔ یہ عرب کا ایک خاص محاورہ ہے اسے تجرید سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے ثالث ثلاثہ اور رابع اربعہ وغیرہ۔ یعنی ان اعداد میں سے اگرچہ وُہ خود بھی داخل ہو پہلے ان اعداد مثلاً اثنین، ثلاثہ، اربعہ کو مطلق گنتی کے طور تصور میں لاکر گویا بعد کو ثانی، ثالث، رابع لایا گیا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں بالاتفاق حضرت[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ **اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ** یہ اخرجہ سے بدل البعض ہے اس لیے کہ اس سے وسیع زمانہ مراد ہے الغار سے وہ گڑھا مراد ہے، جو

---

[1] اس کے متعلق شیعہ کتب کے حوالوں سے بھرپور مضمون فقیر کی کتاب "آئینۂ شیعہ نما" کا مطالعہ کریں۔ اویسی غفرلہ

ثور کے اوپر والے حصّے میں ہے۔ ثور ایک پہاڑ ہے جو مکہ معظمہ کی دائیں جانب تھوڑی مسافت پر واقع ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ تخمیناً دو فرسخ یعنی چھ میل کا فاصلہ ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ اسے ثور اطحل بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل پہاڑ کا نام اطحل ہے چونکہ اس پر ثور بن عبد مناۃ مقیم ہوا اسی بناء پر اسے ثور اطحل سے موسوم کیا گیا۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے صرف ثور کے نام سے مشہور ہُوا۔

ف: انسان العیون میں لکھا ہے کہ اسے ثور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی شکل بیل سے ملتی ہے اور عربی میں بیل کو ثور کہتے ہیں۔

ہجرت کیوں

مکہ معظمہ میں جب مسلمانوں کو کفار نے بہت تنگ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت کی اجازت بخشی، لیکن جگہ کے تعین کے بغیر فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہاری ہجرت گاہ کا وہ علاقہ ہے جہاں بہت سی کھجوریں ہیں، اور وہ دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت بخشے گا۔ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ھل ترجو بابی وامی۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ بھی ہجرت کی امید رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کی اذیتیں سر پر اٹھالیں لیکن ہجرت کا مصمم ارادہ یُوں کیا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے میں ان کی خدمت کرتا جاؤں گا، یعنی ان کی معیت و رفاقت میں ہجرت کروں گا، رسول علیہ السلام کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہایت ناموزوں ہے[1]۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت کا سنتے ہی مکہ معظمہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر وحضرت علی وحضرت صہیب اور دیگر وہ صحابہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے تھے جو کفار کی قید میں یا بیمار تھے یا ہجرت کرنے کی فرصت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے ہجرت کی خوشخبری سنتے ہی آٹھ سو درہم میں دو اونٹنیاں خرید لیں[2]۔ یہ ہجرت سے تین ماہ پہلے کی بات ہے اس لیے کہ آپ نے ہجرت کا اذنِ عام ماہِ ذوالحج میں فرمایا اور خود ربیع الاول میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق دیکھیے کہ تین ماہ پہلے دو اونٹنیاں خرید کر انہیں خوب موٹا تازہ کر رہے ہیں، انہیں عمدہ گھاس ڈالنے کے علاوہ خصوصیت[3] سے آٹا وغیرہ درختوں کے پتوں میں ملا کر خوب کھلاتے۔ قریشِ مکہ یعنی مشرکین نے جب دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ ظاہری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ قبائل کے قبائل اور اطراف و اکناف کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے

---

[1] یہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق کی ایک دلیل ہے اگر کوئی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو رہ گئے تھے۔ جواب: وہ ہجرت کی تمنا میں نہیں بلکہ وہ چونکہ حضور علیہ السلام کی تربیت گھریلو خدمات پر متعین تھے اسی لیے، ورنہ ان میں بھی عشق تھا لیکن اولیت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہُوئی۔ ۱۲ فافہم

[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دوسرا نمونہ ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہیں لیکن وہ تصورِ یار میں۔

[3] یہ ہے عشق کی تڑپ جو صرف صدیق کو نصیب ہُوئی۔

جارہے ہیں، یہاں تک کہ اوس اور خزرج کے لوگ نہ صرف اسلام میں داخل ہوئے بلکہ ہر قسم کی معاونت کا اعلان کر دیا۔ اسی لیے انہیں انصار کے لقب سے نوازا گیا۔ اس سے مشرکین مکہ کو خوف ہوا کہ اگر اسلام کے اثرات اسی طرح پھیلتے گئے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اسی لیے بطور حفظِ ماتقدم آپس میں مشورہ کیا اور دار الندوہ میں بیٹھ کر تہیہ کر لیا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایسی کارروائی کی جائے جس سے وہ اسلام کو آگے نہ پھیلا سکیں۔

ف: پہلا مکان جو مکہ معظمہ میں تیار ہوا، وہ یہی دار الندوہ ہے۔ یہ دراصل قصیٰ بن کلاب کا گھر تھا، جو حجرِ اسود کی جانب مقام حنفی کے نزدیک واقع ہے اس کا ایک دروازہ مسجد حرام کی طرف تھا، اسے دار الندوہ اس لیے کہتے کہ یہاں مشورہ کے لیے جماعتیں جمع ہوتیں اور الندوہ بمعنے جماعت ہے اس دن اس کا نام دار الزحمۃ رکھا گیا۔ الزحمۃ بمعنے ہجوم۔ اسی مشورہ میں قریش کے تمام قبائل مثلاً بنی عبد شمس اور بنی نوفل و بنی عبدالدار و بنی اسد و بنی مخزوم وغیرہ وغیرہ کے تمام بڑے بڑے لیڈر جن کی عقل و فکر بلند تھی، کوئی ایک بھی ان میں سے غیر حاضر نہ تھا سب اسی مشورے میں شریک ہوئے انکا یہ مشورہ ہفتہ کے دن تھا۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہفتہ کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، وہ مکر و فریب کا دن ہے۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ قریشِ مکہ نے اس دن مکر و فریب کی سوچ و بچار کی۔ چنانچہ ان کی مشاورتی کمیٹی میں ابلیس (شیطان) شیخ نجدی کی شکل میں شامل ہوا، اور کہا کہ میں نجدی ہوں شیطان کو اپنے تعارف میں نجدی کہنے کی ضرورت اس لیے پیش ہوئی کہ قریشِ مکہ نے پابندی لگا رکھی تھی کہ تہامہ کے لوگوں میں سے کوئی ایک فرد بھی ہماری اس کمیٹی میں داخل نہ ہونے پائے۔ اس لیے کہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ لوگ اندرونی طور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہوئے ہیں۔ لیکن نجدیوں پر تو انہیں یقین تھا کہ وہ ان کی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی دشمن ہیں۔ اسی لیے جب ابلیس نے کہا کہ میں نجدی ہوں، تو تمام مشرکین نے کہا کہ اس کے شریک ہونے سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ اگر مکہ کا باشی ہوتا تو ضرور خطرے والی بات تھی۔ مشورہ میں کسی نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر لو۔ دوسرا بولا کہ انہیں شہر بدر کر دو۔ چنانچہ اسی واقعہ کو تفصیلی طور سورۂ انفال کی آیت "و اذ یمکر بک الذین" میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ جتنی صورتیں اس وقت بیان ہوئیں سب کو ابلیس شیخ نجدی نے رد کر دیا۔ اس کے بعد ایک بات ابوجہل نے کی جس پر تمام آراء کا اتفاق ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا: ہر قبیلہ کا ایک فرد (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کر کے (نعوذ باللہ) قتل کر دے۔ اگر ان کا بدلہ دینا پڑا تو ہر قبیلہ پر ان کی دیت تقسیم ہو جائے گی۔ اور بنو عبد مناف کے لوگ یعنی حضور علیہ السلام کے ورثاء تمام قبائل سے تو نہیں لڑ سکتے، لامحالہ دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ اور دیت کی ادائیگی ہمارے لیے مشکل نہیں۔ اس مشورہ کی شیخ نجدی نے بھی تائید کی۔ اس مشورہ پر اتفاق کر کے تمام مشرکین متفرق ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کو رات کے وقت جبریل علیہ السلام نے قریشِ مکہ کی تمام کارروائی بیان کر دی اور مشورہ دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ آپ کو جب یقین ہو گیا کہ آج رات کو قریشِ مکہ نے شرارت کرنی ہے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آج رات آپ میری حضرمی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جائیے۔ لیکن

یاد رکھیو کہ قریش تک تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے. آپ اطمینان سے سوتے رہنا[1]

فائدہ: یہ حضرمی چادر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقعہ پر پہنا کرتے تھے۔ اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔

ف: یہ چادر سبز تھی یا سُرخ۔ دوسرے قول کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقعہ پر سُرخ رنگ کی چادر پہنا کرتے تھے، اسی طرح جمعہ میں بھی۔ اور سیرۃ الحافظ الدمیاطی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میری سُرخ چادر اوڑھ کر سو جائیے۔

ف: حضرمی حضرموت کی طرف منسوب ہے۔ اس سے اسی قبیلہ یا یمن کے شہر کی چادر مراد ہے۔ اس لیے کہ آپ حضرمی چادر یمن سے منگوایا کرتے تھے اور آرام فرماتے وقت وہی یمنی چادر اوڑھتے تھے۔

نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کے لیے اس لیے حکم فرمایا کہ مشرکین کو بستر پر آرام فرمانے والے سے التباس پڑے گا، وہ اس طرف آئیں گے اتنی دیر آپ اپنے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر ہجرت کی طرف چل دیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جونہی رات کا تہائی حصہ گزرا، مشرکین نے حسبِ مشورہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گھیر لیا اور وہ ایک سو افراد تھے اور دروازے کے باہر اس تاک میں تھے کہ کس وقت حضور علیہ السلام آرام فرماتے ہیں تاکہ ان کا (معاذ اللہ) سر قلم کریں۔ ان لوگوں کے دروازہ پر موجود ہونے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "یٰسین والقرآن الحکیم الیٰ قولہ تعالیٰ فاغشیناھم فھم لا یبصرون" پڑھتے ہوئے گزر گئے۔ مگر وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔

سورۃ یٰسین کے فضائل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ یٰسین کے فضائل میں فرمایا کہ، خوف زدہ پڑھے تو اس کا خوف دُور ہو گا۔ اگر بھوکا پڑھے تو اسے کھانا ملے گا۔ ننگا پڑھے تو اسے کپڑے ملیں گے۔ پیاسا پڑھے تو اسے پانی ملے گا۔ بیمار پڑھے تو شفایاب ہو گا۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضور علیہ السلام جب اپنے گھر کے دروازے سے باہر نکلے تو آپ نے مٹی کی مٹھی بھر کر ان مشرکوں کافروں کے سر پر پھینکی اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ ان منتظر مشرکوں کے پاس کوئی آیا اور کہا، کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ تمہیں خائب و خاسر کرے۔ بخدا (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تو تمہارے سامنے سے چلے گئے، بلکہ الٹا تمہارے سروں پر مٹی ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ سب نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر مٹی تھی۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ السلام کے گھر چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

---

[1] اس واقعہ کو شیعہ بغلیں بجا کر بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری مسلّم، لیکن اس واقعہ سے ان کی بہادری ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ انہیں حضور علیہ السلام نے تسلی دے دی۔ بہادری درحقیقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے عین حملہ کے وقت کاندھے پر اٹھا کر دشمنوں کے سامنے سے لے گئے۔ ۱۲ فافہم

وسلم) کہاں ہیں ؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : مجھے کیا معلوم یہاں سے تو وہ باہر چلے گئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارا بلند حضرت جبریل علیہ السلام کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا : چلیے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : کیا مجھے آپ ساتھ لے چلیں گے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو کرنے لگے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

ورد الکتاب من الحبیب بانہ ۔۔۔ سیزورنی فاستعبرت اجفانی
ھجم السرور علی حتی انہ ۔۔۔ من فرط ما قد سرنی ابکانی

یاعین صار الدمع عندک عادۃ ۔۔۔ تبکین من فرح و من احزان

ترجمہ : محبوب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ میں عنقریب تمہارے ہاں آؤں گا اس خوشی میں میری پلکیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور مجھے سرور و مستی سے اتنا غلبہ ہوا کہ رونے پر مجبور ہوگیا اے میری آنکھو! تم بھی عجیب ہو کر غم اور خوشی ہر دونوں وقتوں میں روتی ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں اونٹنیاں لے کر حاضر ہوگئے اور عرض کی : اس میں ایک آپ چن لیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس کی قیمت لیجئے۔

سوال : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب جانتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اونٹنی صرف انہی کے لیے پال رکھی ہے پھر قیمت کا کیا مطلب ؟

جواب : تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت مال سے بھی ہو ، جیسے نفس سے ہجرت فرما رہے تھے ایسے ہی اپنے مال کے ساتھ بھی ہجرت کا ارادہ فرمایا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کے نمونے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار ، ایک روایت میں چالیس لاکھ دینار خرچ فرمائے ، یہ وہی اونٹنی تھی جو قصویٰ یا الجدعاً کے نام سے مشہور تھی۔ یہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فوت ہوئی۔

حضور علیہ السلام کی ایک اونٹنی غضباء نامی تھی ، اسی پر قیامت میں بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سوار ہوں گی۔

اعجوبہ ہجرت کی روانگی کے وقت بنو ۔۔۔ کے قبیلہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو مزدوری پر لیا ، اس کا نام عبد اللہ بن اریقط تھا ، تاکہ وہ مدینہ کے راستہ کی رہبری کرے۔ اور وہ عبد اللہ قریش مکہ کے دین پر تھا۔ آپ نے اپنی اونٹنیاں اس کو دے کر فرمایا کہ تیسرے روز صبح سویرے غار ثور میں لانا۔ وہ رات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہ گزاری۔ دوسری رات کو غار کی طرف روانگی ہوئی۔ راستہ طے کرتے وقت کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضور علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سبب پُوچھا تو انہوں نے عرض کی:
آگے ہوتا ہُوں تاکہ دشمنوں کو دیکھوں کہ کہیں لڑنے کے لیے تو نہیں چُھپے بیٹھے، اور پیچھے ہوجاتا ہوں کہ شاید دشمن آجائیں تو پہلے میں آپ پر فدا ہوں[1]۔ حضور علیہ السلام اس رات پاؤں کی انگلیوں کے کناروں پر چلتے تھے تاکہ آپ کے قدموں کے نشانات ظاہر نہ ہوں، یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر چھالے پڑ گئے۔ حضور علیہ السلام کی یہ کیفیت جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھی تو آپ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر غارِ ثور تک پہنچایا۔ ایک روایت میں ہے کہ پہاڑی راستے کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہوگئے ورنہ اتنا لمبا سفر تو تھا نہیں کہ بُعدِ مسافت سے آپ کے قدم مبارک زخمی ہوجاتے۔ ممکن ہے بُعدِ مسافت سے ہوں کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ راستہ بھُول گئے۔ اس لیے ساری رات چلتے رہے۔ اسی وجہ سے آپ کے قدموں پر چھالے پڑ گئے۔

دو عاشقوں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سانپ) کا مقابلہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی شب پہلے جبلِ حنین پر تشریف لے گئے تو حنین نے عرض کی:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن تلاش کر رہے ہیں خدانخواستہ اگر وہ آپ کو شہید کر دیں تو میں مارا جاؤں فلہٰذا میرے ہاں سے چلے جائیے۔
حنین کی یہ بات سُن کر جبلِ ثور نے آواز دی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس غلام کو سرفراز فرمایئے، میرے ہاں تشریف لائیے۔
ثور کی غار موذی کیڑوں مکوڑوں کا خزانہ مشہور تھی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر جانے کا ارادہ فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عرض کی[2]، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ٹھہریئے، میں اسے صاف کر لوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں گھس گئے اور اپنے کپڑے پھاڑ کر غار کے سوراخوں کو بند کرتے گئے اس خطرہ سے کہ کہیں کوئی شے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ دے غار کا ایک سوراخ بچ گیا جس سے سانپ کی آمد و رفت تھی۔ اس جگہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں کا گٹا دبا دیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندر تشریف لا کر آرام فرما ہُوئے۔ سانپ چونکہ حضور علیہ السلام کی زیارت کا مشتاق تھا اس لیے اس نے اپنے سوراخ سے حضرت صدیق اکبر کو ڈسا اور خوب ڈنگ لگائے۔ لیکن صدیق جیسا عاشق سوراخ سے پاؤں کب ہٹاتا تھا۔ سانپ کے ڈنگ کے سخت اثرات سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہُوئے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈسے ہُوئے مقام پر لُعابِ دہن لگایا تو فوراً شفاء ملی۔

عجمی شیعوں کا کمینہ پن عجمی شیعہ خوشی سے اپنے سروں پر سونے کے رنگ کا سر پر ایک تاج پگڑی میں باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی سانپ کی یاد میں ہم ایسا کرتے ہیں اس لیے کہ اس نے (معاذ اللہ) ہمارے دشمن کو ڈسا تھا۔

العجوبۃ جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف لے گئے تو غار کے منہ پر اللہ تعالیٰ نے فوراً کانٹے دار درخت بعض نے کہا کہ کیکر کا درخت پیدا فرمایا جس کی ٹہنیاں غار کے منہ پر چھا گئیں اور اس کا قد انسان کے قد کے برابر

---

[1] یہ ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عشق ۱۲ [2] یہ ہے عشقِ صدیق رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] ایضاً [4] صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق کی یہ داستان قابل

ہوگیا۔ بعض روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمامہ درخت پر گزر ہوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:
اسے ساتھ لے جانا چاہیے۔ چونکہ وہ ضعیف اور نہایت چھوٹا ہوتا ہے، جو غار کے منہ کے برابر تھا، اسی لیے غار کے منہ پر ڈال دیا گیا
اس کے اوپر مکڑی نے تانا تنا اور اتنا گہرا کہ چار سال کا تنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے ؎

ظنوا الحمام و ظنوا العنکبوت علی

خیر البریۃ لم تنسج و لم تحم

ترجمہ مع شرح: یعنی کافروں نے گمان کیا کہ اگر حضور علیہ السلام اسی غار کے اندر ہوتے تو مکڑی یہاں پر تانا نہ تنتی اور نہ ہی اس کے گرد پھرتی یا غار کے منہ میں جانے سے تانا ٹوٹ جاتا۔

لم تحم ای تطف یہ حام حولہ سے ہے بمعنی طاف و دار یہ علفتھا تبنًا وماءً باردًا کے قبیل سے ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا:

شد دو سہ تارے کہ عنکبوت تنید
بر در آں غار پردہ دار محمدؐ

ترجمہ: مکڑی کی تاریں غار پہ حضور علیہ السلام کی غلامی میں کھڑی ہوگئیں۔

فائدہ: ایسے ہی مکڑی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بھی تانا تنا تھا، جب وہ جالوت کے خطرے سے غار میں چھپے تھے۔

اسی طرح سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے ستر پہ بھی مکڑی نے تانا تنا تھا۔

حضرت زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف اور ان کا دردناک واقعہ

یہ زید حضرت امام باقر کے بھائی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کے چچا ہیں۔ انہیں یوسف بن عمر ثقفی امیر العراقین منجانب ہشام بن عبدالملک نے سولی پہ چڑھایا تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بادشاہی کے خلاف علم بلند فرمایا تو اس بدبخت نے آپ کو ننگا کرکے سولی پہ چڑھا دیا۔ یہ سنہ ۱۲۶ھ کا واقعہ ہے آپ اسی حالت میں چار یا پانچ سال سولی پہ کھڑے رہے لیکن اس اثنا میں آپ کا ستر کسی کو نظر نہ آیا۔ بعض کہتے ہیں مکڑی نے تانا تنا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے پیٹ کا گوشت آپ کے ستر پہ پھیل گیا تھا، ممکن ہے دونوں معاملے ہوں،

اعجوبہ آپ کو سولی چڑھانے وقت قبلہ کی جانب سے آپ کا چہرہ پھیرا گیا لیکن جونہی روح نے پرواز کی، آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف پھر گیا۔ پانچ سال پر چڑھائے رکھنے کے بعد آپ کا جسم اطہر سولی کی لکڑیوں سمیت آگ سے جلایا گیا۔

مکڑی کے فضائل مکڑی کو سب سے بڑی فضیلت اور شرافت یہی ہے کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غار پہ تانا تننے کا شرف نصیب ہوا، اسی وقت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکڑی کو قتل کرنے سے روک دیا اور فرمایا:

انہا جند من جنود اللہ" یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں سے ایک لشکر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے :

جملہ ذرات زمین و آسماں
لشکر حق اند گاہ امتحاں

ترجمہ : زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔

سوال : حدیث شریف میں ہے :

"العنکبوت شیطان فاقتلوہ" مکڑی شیطان ہے اسے قتل کر دو۔

ایک روایت میں ہے :

"العنکبوت شیطان مسخہ اللہ فاقتلوہ" مکڑی شیطان ہے اسے اللہ تعالیٰ نے شیطان سے مکڑی کی صورت میں بنایا ہے فلہذا اسے قتل کر دو۔

ان دو روایات سے معلوم ہوا کہ مکڑی بہت برا جانور ہے اور تم اس کی فضیلت کے قائل ہو۔

جواب : دونوں روایات مذکورہ صحیح نہیں۔ اگر صحیح ہوں تو آپ نے واقعہ ہجرت سے پہلے اس کی مذمت فرمائی۔ اس کے بعد آپ اس کی تعریف فرماتے۔ فلہذا ہمارے نزدیک بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس معنی پہ مذکورہ بالا دونوں اور اسی طرح کی اور روایات منسوخ ہیں۔

سوال : حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا :

"طہروا بیوتکم من نسج العنکبوت فان ترکہ فی البیوت یورث الفقر" اپنے گھروں کو مکڑی کے تانے سے صاف رکھو۔ اس لیے کہ مکڑی کا تانا گھر میں ہو تو اس سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مکڑی قابلِ ستائش نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔

جواب : شے کی شرافت، بزرگی اور شے ہے اور اس کے متعلقات میں نحوست یا بے برکتی کا ہونا اور شے۔ مگر اس طرح سے کسی شئے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اس کی شرافت اور بزرگی میں فرق پڑتا ہے۔

زخموں کا علاج حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ مکڑی کا تانا مکڑی کے جسم کے خارجی حصے سے نکلتا ہے نہ کہ پیٹ سے۔ اس کے خواص میں سے ہے کہ اگر جسم کے خون بہنے والے زخموں پر مکڑی کا تانا رکھا جائے تو خون بھی رک جاتا ہے اور یہ زخموں پر ورم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ویسے جہاں سے خون بہہ رہا ہو تو اس پر تانا رکھا جائے تو بہنے والا خون رک جاتا ہے۔

بخار کا علاج مکڑی کا وہ تانا جو ٹٹی خانوں اور جانوروں کے گوبر خانوں میں ہوتا ہے اگر اسے توڑ کر بخار والے کے

ئے میں لٹکایا جائے تو بخار کا آرام ہوجاتا ہے۔ (کذا قال ابن الزبیر)

کبوتری کے انڈے جونہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے تو مکڑی کے تانے پر کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے کبوتروں کو دُعا فرمائی اور ہ میں رہنے کی اجازت بھی بخشی۔

ئدہ: حرم شریف کے یہی کبوتر اسی کبوتری کی اولاد ہیں یا کوئی اور۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اور ہیں۔ اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام ے متعلق مروی ہے کہ آپ نے کبوتر کو کشتی سے بھیجا کہ زمین پر حالات دریافت کرے۔ وُہ اڑ کر حرم کی وادی میں پہنچا جہاں اب کعبہ مکرمہ موجود ہے۔ یہاں پانی خشک ہوچکا تھا اور یہاں کی کیچڑ سُرخ تھی۔ کبوتر نیچے اترا تو اس جگہ کا گارہ پاؤں سے چمٹ گیا۔ اسی وجہ سے کبوتر کے پاؤں کے بال سُرخ ہوتے ہیں۔ کبوتر نے حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی تو آپ نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اور خصوصی طوق پہنایا۔ کبوتر کے گلے کا طوق اور پاؤں کی سرخی اسی روز سے ہے اسی روز سے حضرت نوح علیہ السلام نے حرم شریف میں رہنے کی اجازت بخشی اور اس کے لیے برکت کی دُعا بھی فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن کبوتر نے سایہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے برکت کی دُعا فرمائی۔

اعجوبہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کبوتروں کی طرح بھولے ہو جاؤ۔ اس لیے کہ کبوتر سے زیادہ بھولا اور کوئی پرندہ نہیں۔ اس لیے کہ اس کے گھونسلے سے اس کے سامنے اس کے بچے پکڑ کر ذبح کردو اور اسے وہاں سے ہنکا دو تو بھی واپس اسی گھونسلے میں آئے گا۔ پھر اسی جگہ پر بچے دے گا اور رہے گا۔ کبوتر کی ایک عادت یہ ہے کہ وُہ اپنے گھونسلے کو نہیں چھوڑتا اگرچہ ہزاروں میل تک دُور جائے تب بھی اپنے گھونسلے میں واپس آجاتا ہے۔ دُور دراز کی خبریں آن کی آن میں پہنچاتا ہے۔ (کذا فی المغرب)

فائدہ: عراق و شام میں کبوتر بہت مہنگی قیمت میں بکتے ہیں۔ بہت دور کی خبریں لاتا ہے۔ اس کے گلے میں خطوط ڈال دیے جاتے ہیں ان کے جوابات واپس پہنچاتا ہے۔ اگر کبوتر نہ ہوتے تو بصرہ والوں کو پتہ نہ چلتا کہ کوفہ میں کیا ہورہا ہے، اور نہ ہی ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے۔ اسی طرف فصحاء بلغاء کے اشعار میں بھی اشارات ملتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

رقعہ بر پر مرغ دوختے
پر مرغ از تف رقعہ سوختے

ترجمہ: میں نے کبوتر کے پر پر خط لکھا، خط کے دردناک احوال سے کبوتر کے پر جل گئے۔

حضرت سلطان سلیم اول یعنی فاتح مصر نے لکھا کہ: ؎

مرغ چشم من کہ پروازش بجز سوئے تو نیست
بستہ ام از اشک صد جا نامۂ شوقش بہ بال

ترجمہ: میری آنکھ کے پرندے کو تیری جانب کے سوا اور کہیں پرواز نہیں۔ اسی لیے میں نے شوق سے اس کے ہر بال میں عریضہ باندھ دیا ہے۔

مسئلہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ انڈے نکالنے اور بچے حاصل کرنے اور صرف انس اور خطوط پہنچانے کے لیے کبوتر پالنا بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ: کبوتروں سے کھیلنا اور اڑانا اور دوڑانا، بعض فقہاء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، اس لیے کہ کبوتروں سے جنگ میں خطوط پہنچانے کا کام لیا جاتا ہے، لیکن صحیح تر یہ ہے کہ کبوتر پالنا اور اپنے گھروں میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: کبوتروں کے ساتھ جُوا قمار کھیلنا مکروہ ہے اور ایسے شخص کی گواہی ناقابل قبول ہے۔

ہجرت کے واقعہ کا باقی حصّہ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام کو نہ پایا، شہر کا کونہ کونہ چھان ڈالا، انہیں الٹا اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تو سراغ رسانوں کا سہارا ڈھونڈا۔ یعنی ایسے لوگ بلوائے جو قدموں کی رفتار سے جانے والوں کا پتہ چلاتے ہیں۔ آپ کے قدموں سے علقمہ بن کرز نے خبر دی کہ حضور علیہ السلام کا جانا غارِ ثور تک ثابت ہوتا ہے اس کے بعد نہ معلوم کہاں تشریف لے گئے۔ (یہ علقمہ بن کرز فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہو گئے تھے۔

فائدہ: حضور علیہ السلام شثن الکفین والقدمین تھے۔ شثن شثنت کفہ شثنا و شثونۃ بمعنی خشنت وغلظت فھو شثن الاصابع بالفتح۔ (کذا فی القاموس) مکہ کے نوجوان پُرجوش تھے، لکڑیاں کلہاڑیاں اٹھا کر ادھر ادھر گشت لگا رہے تھے اور کہتے جہاں بھی (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) مل گئے انہیں (معاذ اللہ) قتل کر دیا جائے گا۔ ہر وادی، ہر پہاڑی، ہر غار کو جھانک کر اور نہایت غور و خوض سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ غارِ ثور کے منہ پر پہنچے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ غار کے اندر ہوں گے۔ امیہ بن خلف نے کہا کہ اس میں کیسے جا سکتے ہیں جب کہ اس کے منہ پر مکڑی نے تانا تنا ہے اور میں اس غار کو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے اسی طرح دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ اگر وہ غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا تانا کب بچ سکتا تھا اور نہ ہی کبوتری کے انڈے باقی رہتے۔ غار کے گرد گھومنے والوں کو دیکھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خاطر گھبرائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ يَقُوْلُ یہ دوسرا بدل یا دوسری ظرف ہے یعنی جب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لِصَاحِبِهٖ** اپنے ساتھی سے۔ اس سے بالاتفاق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

ردِ شیعہ: تمام امت کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کا منکر کافر ہے، اس لیے کہ وہ کلامِ الٰہی

کا انکار کرتا ہے۔

مسئلہ: روافض اسی لیے کافر ہیں کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے اور (معاذ اللہ) انہیں لعنتی اور کافر کہتے ہیں۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان پر فضیلت دینا بدعت سیئہ ہے۔

مسئلہ: بدعت سیئہ گناہِ کبیرہ ہے۔ (کذا فی ہدیۃ المہدیین)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گریہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام و تابعین کی جماعت سے فرمایا کہ تم میں کوئی سورۂ توبہ پڑھ کر سنائے۔ ایک شخص نے کہا میں سناتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سورۂ توبہ پڑھنا شروع کی۔ جب "اذ یقول لصاحبہ" تک وہ شخص پہنچا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا:

بخدا لصاحبہ سے یہی بندۂ عاجز مراد ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ اور غم نہ کھائیے۔

سوال: آپ نے لا تخف کیوں نہ فرمایا؟

جواب: خوف کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ خائف پہلے اپنے نفس کا خیال رکھتا ہے پھر دوسرے کا۔ اور حزن میں اپنا تصور دل سے ختم ہوجاتا ہے جب اس سے دوسرا مطلوب ہو۔

ردِّ شیعہ: شیعہ سمجھتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے ناراض ہوا تو حضور علیہ السلام نے اسے غصے سے فرمایا: لا تحزن۔

ایک جواب تو ہم نے پہلے عرض کر دیا کہ لا تحزن میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا تصور نہیں تھا تو پھر ناراضگی کیسی۔ دوسرا حضور علیہ السلام نے لا تحزن فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مانوس فرمایا اور اسے خوشخبری سے نوازا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ولا یحزنک قولھم فرما کر مانوس فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس طرح تسلیاں اور خوشخبریاں سنائیں جیسے انہیں ان کا رب تعالیٰ حزن و ملال کے وقت تسلیاں و خوشخبریاں سناتا ہے۔ تیسرا اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نیکی سمجھ کر حزن و ملال کر رہے تھے تو حضور علیہ السلام کا روکنا بے سُود ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم نیکی سے روکتے نہیں بلکہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی غم اور حزن تھا نہیں اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے لیے غم اور حزن نہیں کر رہے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر رہے تھے اسی لیے ماننا پڑا کہ یہ نہی انس اور بشارت کی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی معنیٰ بنتا ہی نہیں۔ (کذا فی انسان العیون) اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہی ہماری مدد فرمائے گا اور وہی ہمیں بچائے گا۔

ف: یہاں معیت سے ایسی ولایت دوستی مراد ہے کہ جس میں حزن و ملال کا شائبہ تک نہ ہوا وہ خصوصیت جو متبوع سے تابع کو

نصیب ہوتی ہے یا وہی معیت مقصود ہے جو تابعداری سے تابع کو فضائل وکمالات حاصل ہوتے ہیں۔

نکتہ: حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کلیم خدا علیہ السلام پر اسی لیے ہے کہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کما قال ان اللہ معنا۔ اور کلیم علیہ السلام نے پہلے اپنا نام لیا کما قال ان معی ربی بے شک میرے ساتھ میرا رب تعالیٰ ہے۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف فرماتھے تو کفار ومشرکین غار کے اوپر سے اندر جھانک کر دیکھنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر ان کمینوں نے ہمیں دیکھ لیا تو حضور علیہ السلام کو سخت تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لیے حضور علیہ السلام سے عرض کی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندۂ خدا! ڈر کاہے کا، ہم دو ہیں تو تیسرا ہمارے ساتھ ہمارا خداوند قدوس ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی ہوئی اور کافروں مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا بنا دیا کہ اگرچہ غار کے اندر جھانکتے رہے لیکن انہیں نہ حضور علیہ السلام نظر آئے اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

دوسرا معجزہ اور غار کے اندر سرکار دوعالم نے ابوبکر کو دونوں طرف سے سڑک دکھائی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اب کیا ہوگا جبکہ کفار ومشرکین سر پر آگئے ہیں اور غار کے اوپر سے پھر رہے ہیں، اگر وہ نیچے نگاہ ڈالیں تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ اس طرح وہ ہمیں گرفتار کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوجاؤنا من ھٰھنا لذھبنا من ھٰھنا۔ اگر وہ ہمارے ہاں ادھر آئیں گے تو ہم اسی غار کے اندر سے ہی اُدھر نکل جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے غار کے اندر جس طرف اشارہ فرمایا اس طرف سے غار پھٹ گئی اور میں نے دیکھا کہ اس طرف ایک بڑا دریا ہے اور اس کے ساتھ کشتی پار جانے کو تیار کھڑی ہے۔ ابن کثیر نے کہا:

وھٰذا لیس بمنکر من القدرة العظیمة۔ اور قدرت الٰہی سے کچھ بعید بھی نہیں۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دریا کو دیکھنا اور غار کا پھٹ جانا حق ہے[1]۔

فضائل صدیق اور رد شیعہ زندیق آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بلند مرتبہ ثابت ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جیسے غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ نصیب ہوا ایسے ہی ازل سے عالم ارواح میں بھی آپ ثانی ہیں اس لیے کہ عالم عدم سے عالم وجود میں جب ارواح لائے گئے تو اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح مبارک کے دوسرے نمبر پر

عـہ روح البیان ج ۱، ص ۳۰۲ مطبوع قدیم تحت آیت ہذا۔

[1] لکن الوھابیة والرافضة قوم لا یعقلون ۱۲۔ اس لیے کہ یہ دونوں گروہ اس واقعہ کے منکر ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رُوحِ اقدس تھی۔ اسی لیے آپ ہجرت میں ثانی ہیں تو غار میں بھی ثانی، خلافت میں ثانی تو مزار میں بھی ثانی۔ اسی طرح جب میدانِ محشر کے لیے مزار شریف شق ہوگی تو صدیق اکبر حضور علیہ السلام کے ثانی، اسی طرح دخول جنت میں بھی ثانی۔ کما قال علیہ السلام:

اما انک یا ابا بکر اول من یدخل الجنۃ من امتی۔	اے ابوبکر! قیامت میں تم میرے ساتھ میری امت سے سب سے پہلے بہشت میں داخل ہو۔

خصوصی جلوہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر سے فرمایا:

الا ابشرک قال بلیٰ بابی انت وامی قال ان اللہ عزوجل یتجلی للخلائق یوم القیٰمۃ و یتجلی لک خاصۃ۔	اے ابوبکر! میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں، وہ یہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جلوہ دکھائے گا لیکن تجھے خاص جلوہ سے نوازے گا۔

غار میں صدیق اکبر کو بہشتی شرابًا طہورا مروی ہے کہ غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ غار سے باہر جائیے وہاں سے پانی پیجئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے باہر تشریف لے گئے۔ وہاں ایسا پانی نوش فرمایا جو شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے سفید تر اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہارِ جنت کے صدر فرشتہ سے فرمایا کہ جنت الفردوس سے ایک نہر کھود کر غار کے کنارے تک پہنچا دو تاکہ میرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیاس بجھائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا اتنا مرتبہ ہے۔ حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تیرے ساتھ بغض و کینہ رکھنے والا بہشت میں ہرگز نہیں جائے گا، اگرچہ اس کے اعمالِ صالحہ ستر انبیاء علیہم السلام کے برابر ہوں[1]۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ پس اللہ تعالیٰ نے سکینہ اتاری۔

ف: سکینہ ہر وہ خصوصی چَین کہ جس سے قلوب کو اطمینان و قرار نصیب ہوتا ہے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے وہ رحمت مراد ہے جس سے قلوب آرام اور چین پاتے ہیں۔ **عَلَيْهِ** حضور علیہ السلام پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ایسی رحمت نازل فرمائی کہ جس سے خوف کا معمولی شائبہ بھی آپ کے دل میں نہ رہا۔ یا اس سے حضرت ابوبکر مراد ہیں۔ اور صحیح تر یہی ہے، اس لیے کہ خوف اور حزن و ملال تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو تھا ورنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت

---

[1] اس سے شیعہ گروہ کو سوچنا لازم ہے کہ محض مرثیہ خوانوں اور ذاکروں کے کہے اور غلط تواریخ کے من گھڑت حوالوں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت کر کے اپنا بیڑا غرق کرتے ہیں۔ ۱۲

اطمینان و قرار تھا۔ اسی دوسرے قول کی طرف حضرت فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا: ؎

خواجۂ اول کہ اول یار اوست
ثانی اثنین اذ ھما فی الغار است

ترجمہ: سید اولین کا یار بھی اس کا پہلا خلیفہ ہے۔ ثانی اثنین اذہما انہی کے حق میں ہے۔

چوں سکینہ شد ز حق منزل برو
گشت مشکلہائے عالم حل برو

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل ہوئی تو ان کی تمام مشکلیں حل ہوگئیں۔

سعدی چلپی المفتی نے فرمایا کہ ضمیر کا مرجع حضور علیہ السلام ہیں۔ اور یہی موزوں تر ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ نزول سکینہ صرف حزن و ملال کی وجہ سے بلکہ مزید اطمینان و سکون کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ سکینہ کا مورد صرف اپنے حبیب علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے اور فا، تعقیب ذکری کے لیے ہے۔

ف: مصحف حفصہ میں" فانزل اللہ سکینتہ علیہما" ہے (لیکن قرآن مجید مصاحف کا نام نہیں بلکہ اصل لوحِ محفوظ کے مطابق کا نام قرآن مجید ہے۔ اسی لیے ہم شیعہ کے مصاحف فاطمہ و مصاحف علی کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم مصاحف ابن مسعود و حفصہ وغیرہم کے قائل ہیں۔

وَاَیَّدَهٗ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تقویت بخشی۔ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ایسے لشکر سے جسے تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس سے وہ ملائکہ کرام مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کی مدد کے لیے بدر، احزاب اور حنین میں تشریف لائے تاکہ آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ ہو۔ اس کا عطف نصرہ اللہ پر ہے۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى اور کافروں کے کلمہ کو نیچے کرے یعنی شرک کو قیامت یعنی ابدالآباد تک مقہور و مغلوب کرے۔ یا کلمۂ سفلیٰ سے کفار کی دعوت کفر مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعوت کفر کو ذلیل و خوار فرمائے۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ اس سے توحید کا کلمہ یا دعوت الی الاسلام مراد ہے اور یہ مرفوع بالابتداء ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ کا کلمۂ توحید یا دعوتِ اسلام۔ هِیَ ضمیر فصل کی ہے دفع توہم کے لیے لائی گئی وہ وہم یہ تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کلمۃ اللہ کے علاوہ اور کوئی کلمہ بھی بلند و بالا ہوگا۔ ضمیر فصل میں چونکہ حصر کے لیے ہوتی ہے اسی لیے اب وہ وہم دفع ہوگیا۔ الْعُلْیَا بلند ہے۔ یعنی ابدالآباد تک یہ مبتدا کی خبر ہے اور کلمۂ توحید کو اس طرح بلند فرمایا کہ کافروں سے ہی نبی علیہ السلام کو اپنے کلمۂ توحید کے اعلان کے لیے مبعوث فرمایا۔

ف: یعقوب قاری نے کلمۃ اللہ کو منصوب پڑھا ہے اس کا عطف کلمۃ الذین پر ڈالا ہے لیکن اس کا یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس سے ثابت ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ پہلے نیچے تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بلند فرمایا حالانکہ یہ بالکل

غلط ہے اس لیے کہ اس کا کلمہ ابتداءً ہی بلند ہے کسی کے بلند کرنے سے بلند نہیں ہوا۔

مسئلہ: مناظرات المکی میں ہے کہ اگر کوئی عمداً "وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ" پڑھ کر وقف کرکے اسے کلمۃ اللہ ھی العلیاء سے نہ ملائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور اہلِ توحید کو غالب فرماتا ہے حَکِیْمٌ ○ اپنے امور اور اپنی جملہ تدابیر اور تمام احکامات میں حکمت والا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ کفر کو ذلیل وخوار کرنے والا ہے اور اسے ان کی ذلت وخواری کی حکمت معلوم ہے۔

ربط: غزوۂ تبوک کے درمیان واقع غار کو ذکر کرنے میں جہاد سے نفرت وکراہت کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہیں کروگے تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں اس لیے کہ میں خود احکم الحاکمین ان کا حامی و مددگار ہوں۔ مثلاً جبکہ ہجرت کے وقت ایک فرد بھی ان کی مدد کرنے والا نہیں تھا اور پھر قریشِ مکہ کا ایک ایک فرد ان کی جان کا پیاسا ہو گیا تھا لیکن میں نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے دشمنوں سے انہیں بچا کر با امن وسلامت مدینہ طیبہ پہنچایا۔ فتح ونصرت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں جس کو کوئی مدد ملتی ہے تو وہ میری طرف سے ہوتی ہے؎

یاری از وے جوئے نہ ز خیل وسپاہ　　　راز با من گوی نے با امیر وشاہ

ہر کرا یاری کنم برتر شود　　　ہر کرا دور افگنم ابتر شود

ترجمہ: مدد سپاہ ولشکر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے تلاش کرو۔ اپنے راز بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرو۔ امیر وبادشاہ کو نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا تمام یاریاں برباد ہو جاتی ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ سے دور فرما دے وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔

غارِ ثور کے بعد کیا ہوا جب قریشِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش سے عاجز ہوئے تو گرد ونواح میں بہت بڑے ظالم خونخوار آدمیوں کو مقرر کرکے اعلان کیا کہ جو بھی کوئی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کرکے یا انہیں قید کرکے لائے تو منہ مانگا انعام پائے یعنی اسے ایک سو اونٹنی، ایک روایت میں دو سو اونٹنیاں دی جائیں گی۔ ادھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور شریف میں تین راتیں بسر کرکے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور عبداللہ بن ابی بکر اس وقت چھوٹے تھے۔ دن کو مکہ میں رہتے، رات کو حضور علیہ السلام کے ہاں حاضر ہو کر مکہ والوں کے حالات سناتے، پھر اندھیرے میں نکل کر صبح سویرے مکہ معظمہ پہنچ جاتے۔ مشرکوں کو ایسے محسوس ہوتا کہ گویا وہ رات کو اپنے گھر پر رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکریاں چراتا تھا۔ رات کے وقت ان بکریوں کا دودھ دوہ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں پہنچاتا تھا اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کو کھانا پکا کر پہنچاتی تھیں۔ جب مکمل تین راتیں ختم ہوئیں تو جس

عبداللہ کو مزدوری کے لیے مقرر فرما کر آئے تھے وہ صبح سویرے دونوں اُونٹنیاں لے کر حاضر ہوگیا اور دونوں حضرات اونٹنیوں پر سوار ہوکر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے ان کے ساتھ حضرت فہیرہ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوار ہوگئے۔ اس روانگی کے وقت "وقل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا" نازل ہُوئی۔

فائدہ: حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ آیت میں مدخل صدق سے مدینہ طیبہ اور مخرج صدق سے مکہ معظمہ، اور سلطانا نصیرا سے انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کی جدائی سے رو پڑا مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے تو حضور علیہ السلام کی جدائی سے مکہ معظمہ کی در و دیوار کی چیخیں نکل گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ کے شہر کو مخاطب ہو کر فرمایا: بخدا! میں تجھ سے ہرگز جدا نہ ہوتا مجھے تیرے مکینوں نے یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بخدا اے مکہ! تو مجھے تمام شہروں سے محبوب ترین اور مکرم ترین ہے۔ اگر مجھے مکّہ والے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاتا۔

مسئلہ: اسی روایت کو لے کر محدثین نے فیصلہ فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ تمام شہروں سے افضل ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مکّہ کی گرمی پر گھڑی بھر صبر کیا تو اس سے سو سال کی مسافت تک جہنم کی آگ دُور رہے گی اور مکہ معظمہ کی ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔

شانِ رسالت کی ایک جھلک زمین کے جس حصہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر آرام فرما ہے وہ تمام مکانات یہاں تک کہ عرش معلیٰ اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام سے یہی حصّہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس لحاظ سے یہ ٹکڑا بھی درحقیقت مکہ مکرمہ (کعبہ اقدس) کا ہے۔

سراقہ کو زمین نے نگل لیا جب سراقہ بن مالک بن جعشم الکنانی نے سُنا کہ جو شخص حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے یا انہیں قید کر کے لائے اسے ایک سو اُونٹ انعام ملے گا۔ وُہ لالچ سے حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں چل نکلا، یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو ساحل کے کنارے پا لیا اور دُور سے للکارا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج آپ کو میری گرفت سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا، مجھے میرا رب جبّار واحد قہار بچائے گا۔ اندریں اثناء حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آپ کے تابع فرما دیا ہے آپ اسے جو حکم دیں گے وُہ بجا لائے گی۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ سراقہ کو نگل لے۔ زمین نے سراقہ کو

گھوڑے سمیت گھٹنوں تک نگل لیا۔ اس پر سراقہ نے حضور علیہ السلام سے امان چاہی۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ سراقہ کو چھوڑ دے۔ چنانچہ زمین نے سراقہ کو اچھالا۔ بعض روایات میں ہے کہ سراقہ کے ساتھ اسی طرح سات بار ہوا کہ جب وہ معاہدہ توڑتا تو زمین اسے پکڑ لیتی۔ جب وہ پناہ مانگتا تو اسے چھوڑ دیتی۔ جب ساتویں بار اس نے صدقِ دل سے توبہ کی تو مکہ کو لوٹا اور اسے جو کافر بھی حضور علیہ السلام کی طلب کے لیے ملتا اسے واپس کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے خوب چھان بین کی مجھے اس راستہ پر کوئی نہیں ملا۔ ہجرت کے تفصیلی واقعات کتبِ سیر میں موجود ہیں۔

اِنْفِرُوْا اے مومنو! غزوۂ تبوک کی طرف حضور علیہ السلام کے ساتھ چلو۔

ف: تاج المصادر میں ہے النفیر والنفور بمعنے سفر کے لیے باہر جانا۔

خِفَافًا وَّ ثِقَالًا خفیف وثقیل ہو کر یعنے درانحالیکہ تم نوجوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا غنی، سوار ہو یا پیدل، تندرست ہو یا مریض، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، محض اعلانِ جنگ سنتے ہی جلد تر تیار ہو کر نکلنے والے یا سوچ بچار کے بعد جنگی ہتھیار تیار ہیں یا نہیں، سامانِ جنگ تھوڑا ہے یا بہت، زیادہ خوش ہو کر یا غمگین ہو کر تمہارے لیے جنگ پہ جانا آسانی ہے یا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ مشاغل میں مصروف ہو یا غیر مصروف، کمزور ہو یا موٹے تازے، قوی ہو یا ضعیف، گھر بار والے ہو یا یک سر دو گوش۔

ف: اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہر معاملہ بالمقابل کا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غزوہ تبوک پہ جانے کی ہر اہل اسلام کو تاکید تھی۔ چنانچہ مولانا ابوالسعود نے فرمایا کہ اے مسلمانو! جس حال میں ہو غزوۂ تبوک کو جاؤ۔ دولت مندی کی تخصیص نہیں، ہر امیر غریب جائے۔ تندرستی کی بھی تخصیص نہیں، ہر تندرست اور بیمار جائے۔ اور نہ ہی فارغ البال کی تخصیص ہے کوئی یک سر دو گوش ہے یا کوئی عیال دار اور کنبہ دار ہے تو بھی جائے۔ اسبابِ جنگ حاصل ہیں یا نہیں، ہر حالت میں جانا پڑے گا۔

ف: یہ حکم سنکر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، کیا میں بھی جنگ پہ چلوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، تم بھی چلو۔ گھر واپس آئے تو جنگ کا کوئی سامان بھی میسر نہ آیا۔ پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تاکہ سامان کے نہ ہونے کی معذرت کریں۔ یہ ابھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، لیس علی الاعمی حرج۔ نابینا پر کوئی حرج نہیں اگر وہ جنگ پہ نہ جائیں تو۔

قاعدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت ہذا لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ (الآیہ) سے منسوخ ہے۔

تفسیر صوفیانہ سلمی نے فرمایا کہ خفافا سے عبادت میں چست چالاک اور ثقالا سے عبادت سے جی چرانے والے مراد ہیں۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خفافا سے بند شہود ما سوی اللہ سے آزاد حضرات۔ اور ثقالا سے قید تعلقات سے مقید لوگ مراد ہیں۔

بحرالحقائق میں ہے کہ انفردا اے طالبانِ حق ! حق کی طلب میں چلو۔ خفافا علائق اولاد و اہلی سے مجرد اور عوائق املاک و اموال سے منقطع ہوکر، وثقالا اور متمول (اہل مال) متاہل (اہل عیال والے) ہوکر۔

نیز خفافا مجذوبین بالعنایۃ ہوکر و ثقالا اور سالکین بالہدایۃ ہوکر۔ یعنی خفاف سے وہ مجذوب مراد ہیں جو راہِ سلوک پر عنایت الٰہی کی کشش سے چلتے ہیں اور ثقال سے وہ سالک مراد ہے جو پرورشِ حق سے جذبہ حقانی کی طرف متوجہ ہے اور یہ دونوں حضرات ابھی راستہ طے کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا کشش کے پروان سے اڑ رہا ہے دوسرا مشاہدہ ماسوی اللہ کے ساتھ پرواز کر رہا ہے۔ سے

مرد عارف چوں بداں سے پرد　　　در دمے از نہ فلک مے بگذرد

سیر زاہد در دمے یک روزہ راہ　　　سیر عارف ہر زماں تا بہ تخت شاہ

ترجمہ، عارف مرد جب حق کی طرف پرواز کرتا ہے وہ نو آسمانوں سے بھی گزر جاتا ہے زاہد کی پرواز ایک دن کی راہ کے برابر ہوتی ہے اور عارف کی سیر ایک آن میں بادشاہ کے تخت تک ہوتی ہے۔

وَجَاهِدُوْا اور جہاد کرو۔ جہاد اصطلاحِ شریعت میں دین کو مضبوط کرنے کے لیے کفار کو قتل کرنا۔ کذا فی شرح الترغیب للمنذری خالصۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ اہل حکمت کہتے ہیں اپنی جد وجہد کو صرف کرنا اور سرکشوں کو قتل کرنا صرف اس لیے کہ وہ اسلام قبول کریں اور اصنام پرستی سے باز آجائیں۔

اعدائے اسلام کے اوہام کا ازالہ بعض کمیونسٹ اور دشمنانِ اسلام جہاد کو رحمتِ نبوی کے منافی قرار دے کر مسلمانوں کو جہاد سے روکتے ہیں، حالانکہ جہاد رحمتِ نبوی کے عین مطابق ہے اس لیے کہ جہاد کا حکم ارحم الراحمین رب کریم کا حکم ہے اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کریم کے حکم کی تعمیل فرماتے ہیں۔ نیز اُمم سابقہ جب اپنے نبی علیہ السلام کے خلاف چلتے تو فوراً عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتے بخلاف ہمارے رحمۃ للعالمین نبی کریم علیہ السلام کے کہ آپ نے اپنے مخالفین کو صرف تلوار کا ڈر سنایا تو بہت سے خوش قسمت کفر کی لعنت سے بچ کر اسلام کی آغوشِ رحمت میں آگئے امم سابقہ مخالفتِ نبوت پر فوراً تباہ و برباد ہوئیں بخلاف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کہ اسے بجائے نیست و نابود کرنے کے اسلام کی دعوت دی گئی اور اسے تلوار کا ڈر سنایا گیا اگر قبول کر لیا تو زندگی کے مزے بھی لیے اور مرنے کے بعد آخرت کی دائمی نعمتوں سے بھی اسے نوازا گیا۔ یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ ہے۔ یہی جواب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض عربوں کو پہلے کئی سال سمجھا گئے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بعض اہل عرب نے آپ سے سوال کیا کہ افنانا السیف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کی تلوار نے ہمیں فنا کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا: ذلک ابقی لاٰخرکم یہ تلوار تو تمہاری بقا کے لیے ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار)

بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں سے یعنی وہ مال جس سے تم جہاد کا زادِ راہ اور ہتھیار خریدو۔ وَاَنْفُسِكُمْ اور اپنے نفسوں سے

یعنی وہ پیاری جانیں تم راہِ حق میں قربان کرو یعنی جہاد ان دونوں سے ہو۔ اگر دونوں ناممکن ہوں تو ان میں سے ایک سے یعنی مال یا جان سے۔ یعنی جو جنگ میں مال اور جان دونوں خرچ کرے تو یہی طریقہ افضل و اعلیٰ ہے۔ ورنہ اگر مال ہے تو مال خرچ کرو، ورنہ جان دے دو۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اموال کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ نفوس کو راہِ حق میں صرف کرے۔ لیکن اس میں صفات مذمومہ موجود ہوں تو ایسے نفوس راہِ حق میں قربان کرنے کے لائق نہیں۔ مثلاً نفوس میں دنیا کی حرص اور بخل باقی ہو تو وہ نفوس راہِ حق میں قربان ہوئے تو کیا فائدہ۔ اسی لیے اموال کی تقدیم میں اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے نفوس کے صفات مذمومہ کو مٹاؤ۔ اور وہ یہی ہے کہ اموال کو راہِ حق میں لٹا کر پورے تارک الدنیا ہو جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے تعس عبد الدینار و عبد الدرھم۔ تعس بفتح العین وکسرہا بمعنے عثر او ھلك ولزمہ الشر او سقط لوجہہ او انتکب اس سے بددعا مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ دراہم و دنانیر کے پجاری کو تباہ و برباد کرے وہ اس لیے کہ اسے حلال و حرام کے امتیاز کے بغیر دنیا و دولت کے جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کرنے سے جی چراتا ہے اور ایسا انسان متاع دنیا فانی کا عاشق اور آخرت کی نعمتوں کے حصول سے دور بھاگنے والا ہوتا ہے حضرت سلطان ولد قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بگذار جہاں را کہ جہان آں تو نیست　　ویں دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست
گر مال جہاں جمع کنی شاد مشو　　ور تکیہ بجان کنی جان تو آں نیست

ترجمہ: جہانِ دنیا کو ترک کر دے کہ یہ جہانِ دنیا تیرا نہیں بلکہ یہ سانس جو تیرے سینہ سے نکل رہا ہے یہ بھی تیرے ہاتھ میں نہیں۔

تمام جہان کا مال جمع کر کے خوش نہ ہو اگر اپنی جان پر سہارا کرتا ہے تو غلط ہے اس لیے کہ یہ جان تیرے قبضے میں نہیں۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ لفظ عام ہے۔ ہر وہ عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے، اور اس سے تقرب الی اللہ مقصود ہو وہ فرائض ہوں یا نوافل اسی طرح کے اور عبادات کے انواع کی ادائیگی کو فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اس کا اکثر اطلاق جہاد پر ہوتا ہے۔ پھر جہاد پر کثرتِ استعمال کی وجہ سے فی سبیل اللہ کا اطلاق صرف جہاد پر مقصود ہوتا ہے۔ (کذا فی شرح الترغیب)

ف: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ بمعنی وہ راستہ جو موصل الی الجنۃ و القربۃ والرضیٰ ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں کسی قسم کا لالچ اور غرض نہ ہو نہ دنیوی نہ اخروی یہاں تک دخول بہشت کا تصور بھی نہ ہو۔ (کذا فی المفاتیح)

حضرت یوسف بن اسباط جو متقدمین صوفیا سے ہیں ان سے کسی نے سوال کیا کہ میرا نفس کے ساتھ جنگ پہ جانے کا

حکایت جھگڑا چل رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ جنگ پہ جاؤں لیکن نفس روکتا ہوں۔ آپ نے اسے کہا کہ نفس کی خواہش پوری نہ کرنا جنگ پہ جانے سے افضل ہے خواہ جنگ پہ جا کر کسی کو قتل کرو یا شہید ہو جاؤ یعنی جنگ پہ جاؤ یا نہ جاؤ لیکن نفس کی خواہشات کو دباؤ۔

منقول ہے کہ قتیبہ بن مسلم جب بخارا کو فتح کرنے کے لیے دریائے جیحوں کے قریب پہنچا تو کفار نے کشتیاں اڑالیں

حکایت تاکہ مسلمان ان پر سوار ہو کر دریا کو عبور کر کے انہیں شکست نہ دے قتیبہ دریا کے کنارے ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگے: اے الٰہ العالمین! اگر میں تیری رضا اور تیرے دین کے اعزاز کے لیے آیا ہوں تو مجھے اس دریا میں غرق نہ کرنا۔ اگر اس کے برعکس میرا ارادہ ہو تو مجھے اس دریا میں غرق کر دے یہ کہہ کر اپنی سواری دریا میں ڈال دی اس کے پیچھے اس کا لشکر بھی دریا میں لیکن بفضلہ تعالیٰ بسلامت وعافیت دریا کے کنارے پہنچے۔

مروی ہے کہ کسی نے ابلیس کو دیکھا کہ اس کا جسم نہایت کمزور، رنگ زرد اور آنکھیں رونے سے سوجی ہوئی،

حکایت اور پیٹھ ٹیڑھی، اس نے شیطان سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ جب غازیوں کے گھوڑے جنگ پہ جاتے ہوئے ہنہناتے ہیں تو اس سے میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے حالانکہ میں چاہتا تھا ان سواریوں اور سواروں کو میں اپنے کام میں لگاتا لیکن وہ اسلام کے کام آئے۔ اس غم سے میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے اور میرا رنگ زرد لوگوں کے دینی امور میں ایک دوسرے کی معاونت کے غم سے ہے۔ حالانکہ مجھے ان سے امید تھی کہ وہ میرے کہنے پر برائیوں پہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے لیکن اس کے بجائے وہ نیکیوں میں مصروف ہیں، ان کے اس طریقۂ کار سے مجھے درد ہے، اس لیے بدن کا رنگ زرد ہو گیا ہے اور آنکھیں رو رو کر اسی لیے سوج گئی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجاج حج کرنے جا رہے ہیں اور اس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ میرے لیے یہ سودا مہنگا پڑے گا حالانکہ میرا ارادہ تھا کہ میں ان کو گندے عزائم میں پھنسا کر ان کا سودا سستا کر دوں گا لیکن وہ نیک نصیب والے ہیں، اسی لیے میں نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا دی ہیں۔

حدیث شریف: صحیحین میں ہے حضرت ابوسعید سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ افضل الناس کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ مومن جو اپنے نفس و مال سے جہاد کرتا ہے۔ عرض کیا گیا: اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا: نیکی کا کوئی ایک شعبہ مثلاً اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور لوگوں کو اپنے شر سے ڈرائے۔

ذٰلِكُمْ وہ مذکورہ بالا حکم یعنی جہاد اور اس کی تیاری **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لیے جنگ پہ جانے سے جہاد بہتر ہے۔

سوال: خیر افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ جہاد جائز ہے۔ حالانکہ ظاہر ترکِ جہاد گناہ ہے۔

جواب: اس حکم میں خیریت مطلوب نہیں بلکہ جزا و ثواب مطلوب ہے یعنی ترک جہاد سے راحت و استراحت اور آرام و عیش حاصل ہوگا۔ اس سے آخرت کا ثواب اور بہشت کی نعمتیں افضل و برتر ہیں۔ (کذا فی البحر)

نیز دنیا میں بہتری نصیب ہوگی کہ جہاد سے دشمنوں پر غلبہ اور فتح و نصرت کے علاوہ مالِ غنیمت اور دشمنوں کے شہروں پر قبضہ بھی حاصل ہوگا، علاوہ ازیں آخرت کا اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی (کذا قال سعد الچلپی)

اور ترک جہاد میں صرف راحت اور وہ مذکورہ بالا جہاد کی خیریت سے کم درجہ پر ہے ان کنتم تعلمون اگر تم جانتے ہو کہ جہاد میں خیر ہی خیر ہے۔ اس لیے کہ اس میں دارین کی بھلائی نصیب ہوتی ہے اور ترک جہاد کے مفاسد سب کو معلوم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں ہے کہ طلب حق میں تمہارے لیے نفس اور دنیا سے تمہارے لیے ترکِ دنیا اور نفس کو قربان کرنا بہتر ہے اگر تم طلبِ حق کی قدر و منزلت جانتے ہو اور اگر تمہیں معلوم ہے کہ سیر الی اللہ کے کیا فائدے ہیں تو تم جہاد نفس اور ترک دنیا کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ اس لیے کہ طلبِ مال و نفس میں وبال اور گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں اور طلب حق میں وصل و وصال نصیب ہوتا ہے۔

صحابی کے جذبۂ جہاد کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہ نے سورۂ براۃ پڑھی جب آیت انفروا خفافا وثقالا پر پہنچے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے لیے جنگی سامان تیار کرو میں جنگ پہ جاتا ہوں۔ سب نے عرض کی کہ آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ لڑیں یہاں تک کہ ان کا وصال ہوا ان کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں ہر اسلامی جنگ میں شریک رہے اب بھی آپ کا جہاد سے جی نہیں بھرا۔ آپ سے گزارش ہے کہ اب آپ آرام فرمائیے ہم آپ کی طرف سے جنگ پہ جاتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوطلحہ نے فرمایا، جلدی کرو، میرے لیے جنگی سامان تیار کرو، میں جنگ پر ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ آپ تیار ہو کر جنگ پر چلے گئے اور دریا میں فوت ہو گئے۔ چونکہ دریائی سفر میں کوئی ایسا جزیرہ نہ ملا جہاں انہیں دفن کیا جائے۔ سات دن بلا دفن رہے مگر آپ کے جسم میں کسی قسم کا تغیر یا بدبو نہ ہوئی۔ سات دن کے بعد مدفون ہوئے۔ (کذا فی زبدۃ التفاسیر)

حیوٰۃ الانبیاء والاولیاء کے منکرین کے منہ پر طمانچہ روح البیان دو صدی پہلے کی تفسیر ہے لیکن موجودہ دور کے مسئلہ کو واضح فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

وذلك لان اجساد الانبياء والاولياء و الشهداء لا تبلى ولا تتغير لما ان الله تعالىٰ	انبیاء، اولیاء، شہداء کے اجسام طاہرہ زمین میں متبدل و متغیر نہیں ہوتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے اجساد طاہرہ

قد نقی ابدانہم من العفونۃ الموجبۃ للتفسخ و برکۃ الروح المقدس الی البدن کالاکسیر۔ کو عفونت سے پاک فرمایا جس کی وجہ سے وہ اجسام نہیں پھٹتے اور ان کے ابدان میں ان کی روح اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

فائدہ: لوگ دو قسم کے ہیں:

۱۔ صاحبِ رخصت

۲۔ صاحبِ عزیمت۔ اور یہ صاحبِ عزیمت ہر نیکی میں سبقت و سرعت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اے سالک! تم انہی صاحبانِ عزیمت کے طریقہ پر چلو۔

فائدہ صوفیانہ: آیت کریمہ میں تنبیہ ہے کہ نفس شرارتی ہے اسی لیے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ اس لیے کہ نفس ہمیشہ مال کی محبت میں گرفتار رہتا ہے اور مال خرچ کرنے سے اس کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ تمام گندی عادات سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے جسے یقین ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ اور دولت مندی اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر یقین رکھتا ہے اور اس پر مال خرچ کرنا بھی آسان ہوتا ہے اور وہ مال بقدرِ ضرورت اپنے پاس رکھ کر باقی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے جیسے کسی کو معلوم ہو کہ میں عنقریب مر جاؤں گا تو وہ اپنی دولت اپنے پاس نہیں رکھتا بلکہ اسے خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ظاہر ہے موت کا ایک وقت ہے، وقت سے پہلے کسی کو موت نہیں آنے گی اس لیے سمجھدار دشمنانِ اسلام کے مقابلہ سے نہیں بھاگتا اور نہ ہی مال خرچ کرنے سے ڈرتا ہے۔

مسئلہ: مال ضرورت کے لیے محفوظ رکھنا جائز ہے اور ضرورت سے زائد مال جمع کرنا اور ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن عمر کا غلام حضرت نافع جو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہم کے استاذ مکرم بھی تھے بوقت فوتیدگی ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے کھو دو۔ اسے کھودا گیا تو وہاں سے بیس ہزار درہم ایک بند گھڑے میں ملے۔ آپ نے فرمایا، میرے جنازہ سے فراغت پا کر یہی بیس ہزار درہم کسی مفلس فقیر کو دے دینا۔ عرض کی گئی، یا حضرت! یہ دراہم آپ نے کیوں چھپا کے رکھ چھوڑے تھے؟ آپ نے فرمایا، اسی تنگ وقت کے لیے میں نے چھپائے تھے جبکہ میرے اوپر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوئی اور زندگی بھر اہل و عیال کے حقوق بھی پورے کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنی خواہش کو پورا نہ کیا، بلکہ جب کسی چیز کے لیے میرا نفس کچھ مطالبہ کرتا تھا تو میں اتنی مقدار اس گھڑے میں رکھ چھوڑتا تھا اس ارادہ پر کہ اگر ضرورت شدید محسوس ہو تو کہیں سے سوال نہ کرنا پڑے۔ (کذا فی شرح الشہاب)

فوائد و مسائل: اس حکایت سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ دینی مقتدائے امت کو لائق نہیں کہ وہ کسی حرص یا طمع و لالچ کے پیشِ نظر دنیا و دولت جمع کرے، اس لیے کہ "الناس علی دین ملوکہم" کا مقولہ مشہور ہے اور مقتدایانِ امت بھی بمنزلہ بادشاہوں کے ہوتے ہیں اسی لیے صوفیۂ کرام

فرماتے ہیں کہ جس پیر و مرشد میں دنیا و دولت جمع کرنے کا شوق ہو اس کا مرید نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ صوفیاء کرام کا مسلّم قاعدہ ہے کہ دنیا و دولت سے پیار رکھنے والے کو کبھی دیدار نصیب نہیں ہوتا۔

۲۔ جسے نفس کی خواہش کا غلبہ ہو وہ اس کے خلاف مال و دولت خرچ کرنے کے بجائے کسی کارِ خیر میں مال و دولت خرچ کرے تو وہی حقیقی مجاہد بالنفس والطبیعت ہے نفس سے تو اس لیے کہ اس کی طلب کا مال اس سے روک کر کسی کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ارادہ کیا اور طبیعت سے اس لیے کہ جو وہ چاہتی تھی اس کے برعکس معاملہ کر دیا۔ اسی کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں جہادِ اکبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳۔ کمینے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنا نہایت مذموم ہے شرعاً بھی اور طریقۃً بھی۔ اسی لیے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو لیکن اپنی محتاجی کو بتائے بغیر رجوع الی اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے سال بھر رزق کی کشادگی فرماتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شکایة الحبیب الی الحبیب عن التوحید و الی غیرہ شرک۔ محب اگر محبوب کو شکایت سنائے تو یہ عین توحید ہے اگر غیر کو بتائے تو صوفیاء کے نزدیک عین شرک ہے اور شرک کی جتنی وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ اسی کو لائق ہوں گی۔

سبق: دانا وہ ہے جو اصحابِ صُفّہ کے طریقے پر چلتا ہے اس لیے انہوں نے مال و دولت حاصل کرنے کے بجائے راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کر دیں اس لیے وہی حق کے قریب تر تھے اگر مکمل طور ان کے طریقے نصیب نہیں ہو سکتے تو جتنا ہو سکے عمل میں لائے۔ "ما لا یدرك كله لا یترك كله" یعنی بزرگوں کا فرمان ہے کہ کل شئے کا حصول ناممکن ہے تو سالم کو بھی ترک نہ کرنا چاہیے۔

قاعدہ: شریعت نے بھی طاعت کا حکم اتنی مقدار پہ دیا ہے جتنی انسان کی طاقت ہے۔ اس سے زاید کا حکم نہیں دیا۔ اور یہی حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں طاعتِ حق میں جان و مال خرچ کرنے کی توفیق بخشے اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے سے بچائے، بلکہ اپنی جناب تک پہنچنے کے اسباب بنائے کیونکہ ہمارا اصلی مطلوب و مقصود وہی ہے۔

شانِ نزول: منقول ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا اعلان فرمایا تو

تفسیر عالمانہ

تو اصحاب کے تین گروہ ہو گئے۔ اصحاب کبار مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو حکم سنتے ہی جنگ کے لیے فوراً حاضر ہو گئے۔ ضعیف و کمزور ایمان والے لوگ پس و پیش کرنے لگے اور منافقین نے صراحۃً انکار کرتے ہوئے جنگ پہ جانے سے معذرت چاہی اور غیر معقول اعذار کیے۔ اس آخری گروہ یعنی منافقین کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: **لَوْ کَانَ** یعنی اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جس کے لیے آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں اگر [illegible] کان کا اسم محذوف ہے اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے **عَرَضًا قَرِیْبًا** عرض بمعنے اسباب دنیا کے منافع جو انسان کو حاصل ہوں یعنی اگر مالِ غنیمت قریب اور آسان طریقہ سے حاصل ہونے والا ہوتا **وَّ سَفَرًا قَاصِدًا** قاصد بمعنے ذو قصد یعنی وہ درمیانی شے جو قریب و بعید کے مابین واقع ہو اس تقریر پر قاصد بمعنے ذو قصد ہے جیسے لابن بمعنے ذو لبن اور تامر بمعنے ذو تمر اور سفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ سفر بمعنی کشف، اور سفر انسان کے اخلاق و عادات کو ظاہر کرتا ہے یعنی اور اگر

ان کا سفر درمیانہ ہوتا لَّاتَّبَعُوْكَ تو وہ جنگ کے لیے آپ کی اتباع کرتے صرف مال کے طمع و لالچ میں منافقین کی اتباع کو دونوں امروں سے متعلق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اتباع کا عدم تحقق وجوہ بالا کے فقدان کی وجہ سے ہے وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ لیکن چونکہ ان کی مسافت پُرمشقت ہے اسی لیے جہاد سے کترا رہے ہیں وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ یہ سین استقبالیہ ہے یعنی جب آپ جنگ سے فراغت پاکر واپس تشریف لائیں گے تو یہی لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے چنانچہ منافقین نے ویسے کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی۔ صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فھو من جملة المعجزات النبویه" پس یہ بھی نبی علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ ہے کہ قبل از وقوع آپ نے منافقین کا حال بتادیا۔[1]

لَوِاسْتَطَعْنَا یعنی جھوٹی قسمیں کھانے کے بعد کہیں گے کہ اگر ہمارے ہاں جنگ کے اسباب یا ہمیں صحت و عافیت یا دونوں یعنی اسبابِ جنگ اور صحت و عافیت میسر ہوتی لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ تو ہم آپ کے ساتھ جنگ کے لیے چل پڑتے باللہ، سیحلفون کے متعلق ہے لخرجنا معکم قسم کا جواب اور شرط کی جزاء ہر دو کے قائم مقام ہے۔ اس لیے کہ لواستطعنا سے قسم کا مفہوم خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ یہ سیحلفون باللہ سے بدل ہے، اس لیے کہ جو بھی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے وہ تباہ و برباد ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی قسمیں علاقہ جات کو ویران کر دیتی ہیں۔

ف: حدیث مذکور میں لفظ بلاقع واقع ہوا ہے وہ بلقع کی جمع ہے اور بلقعہ ہر وُہ زمین جو نہایت ویران اور غیر آباد ہو۔ اسی طرح البلقعہ ہر اس عورت کو کہا جاتا ہے جس میں خیر و برکت بالکل نہ ہو یعنی جو شخص دنیا اور مال کے اضافہ کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے یا اپنے مرتبہ کو بحال رکھنے کے لیے۔ تو اسے ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑے گا کہ نہ اس کے پاس مال باقی رہے گا اور نہ ہی جاہ و جلال۔ اسی وجہ سے وُہ خود ذلیل و تباہ اور اس کی دار بھی خراب و ویران اور برباد۔

حدیث شریف: جھوٹی قسم مال و اسباب کو بظاہر رواج اور چالو بنا دیتی ہے وہ بھی قسم کھانے والے کے اندازہ کے مطابق ورنہ اور کاروبار کی برکات کو ختم کرنے والی ہے یعنی جو کچھ کمائے گا وہ تا دیر نہیں رہے گا اور جو کچھ خرچ کرے گا اسے اس کا اخروی نفع نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی دنیوی نفع کی اسے برکت حاصل ہوگی اگر اس کے پاس وہ یا اس کا نفع باقی بھی رہے گا یا اس کے ورثاء کو ملے گا تو وہ مال حرام کا ہوگا اور حرام کا مال ہر طرح سے مذموم و غیر محمود ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک وُہ منافقین جھوٹے ہیں۔ یعنی اس دعویٰ میں کہ کہا تھا کہ اگر ہمیں جنگ پر جانے کی استطاعت ہوتی۔ حالانکہ انہیں جنگ پر جانے کے ہر قسم کے اسباب میسر تھے اور دنیوی فارغ البالی کے علاوہ تندرست بھی تھے لیکن نہ گئے، صرف اسی لیے کہ ان کے دل کے اندر منافقت کی بیماری ہے۔

---

[1] لیکن وہابیوں دیوبندیوں کے تعصب و نبوت دشمنی کا کمال ہے کہ اس آیت کو پس پشت ڈالتے ہوئے عفا اللہ عنك پیش کر کے عوام کو بہکاتے ہیں۔ اس کی تفصیل آتی ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ

اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے اور وہ جو

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تم سے چھٹی نہ مانگیں گے اس سے کہ

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا

اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو تم سے

يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

یہ چھٹی وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ

اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں انہیں

اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

نکلنا منظور ہوتا تو اس کا سامان کرتے مگر خدا ہی کو ان کا اٹھنا ناپسند ہوا

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾

تو ان میں کاہلی بھر دی اور فرمایا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

اگر وہ تم میں نکلتے تو ان سے سوا نقصان کے تمہیں کچھ نہ بڑھتا اور تم میں فتنہ ڈالنے کو تمہارے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

بیچ میں غرابیں دوڑاتے اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ خوب جانتا

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ

ہے ظالموں کو بیشک انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا اور اے محبوب تمہارے لیے تدبیریں

الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

الٹی پلٹیں یہاں تک کہ حق آیا اور اللہ کا حکم ظاہر ہوا اور انہیں ناگوار تھا

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور ان میں کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے سن لو وہ فتنہ

سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ

ہی میں پڑے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو اگر تمہیں

تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا

بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں

قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ

ہم نے اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے پھر جائیں تم فرماؤ

لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى

ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہ ہمارا مولیٰ ہے اور مسلمانوں

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ

کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو

اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ

مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا اور ہم تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے

اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا

اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تو اب راہ دیکھو

مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ

ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں تم فرماؤ کہ دل سے خرچ کرو یا ناگواری سے تم سے

يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ

ہرگز قبول نہ ہوگا بے شک تم بے حکم لوگ ہو اور وہ جو خرچ

اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

کرتے ہیں اسکا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اسی لیئے کہ وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ

اور نماز کو نہیں آتے مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر

كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا

ناگواری سے تو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد کا تعجب نہ آئے اللہ یہی

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں سے ان پر وبال ڈالے اور کفر ہی پر

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ

ان کا دم نکلے اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں

وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ

اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں اگر پائیں کوئی پناہ یا غار یا

مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَ

سما جانے کی جگہ تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو

رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ

راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں اور کیا

اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع

اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ...

تفسیر عالمانہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ لم اور لھم کی لام اذنت کے متعلق ہیں اور یہ دونوں لام معنًا بھی مختلف ہیں مثلاً پہلی تعلیل اور دوسری تبلیغ کے لیے ہے اور ھُمْ ضمیر مجرور تمام مستأذنین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے انہیں جنگ پہ نہ جانے کی کیوں اجازت دے دی جبکہ انہوں نے آپ کو نہ جانے کے لیے مختلف علتیں اور معذرتیں کیں۔

سوال: لوکان عرضا قریبا وسفرا قاصدا الا تبعوك سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض افراد نے جنگ کے معاملہ میں حضور علیہ السلام کی اتباع سے روگردانی کی اس لیے کہ لو کا قاعدہ ہے کہ بوجہ انتفائے جواب کی نفی سے شرط کی نفی ہوجاتی ہے اور عفا اللہ عنك الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا جنگ پہ نہ جانا حضور علیہ السلام کی اجازت سے ہوا۔ اور یہ غلطی گویا (معاذاللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تبھی تو اللہ تعالیٰ نے عفا اللہ عنك فرمایا، اور خطاء عصمت نبوت کے منافی ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا منافقین کو جنگ پہ نہ جانے کی اجازت بخشنا از قبیل خطأ نہیں اور اسے خطا کہنا خود خطأ میں مبتلا ہوتا ہے یا اسے گناہ سے تعبیر کرنا خود بڑا گناہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے ترکِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں اور خلافِ اولیٰ شرعًا گناہ یا خطا نہیں وہ اس طرح کہ منافقین کو اجازت بخشنے کے بجائے حضور علیہ السلام کو تاخیر و توقف کرنا چاہیے تھا تاکہ منافقین کا معاملہ زیادہ منکشف اور واضح ہوجاتا۔

فائدہ: لم اذنت لھم عفو کا بیان ہے جس کا عفا اللہ عنك میں اشارہ ہے۔

نکتہ: عفا اللہ عنك کی تقدیم میں لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیغفر اللہ ما تقدم وما تاخر کی خوشخبری سے نوازا تو عفا اللہ عنك میں اس کی تصدیق و توثیق فرمائی اب مطلب واضح ہوگیا کہ اے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے منافقین کو اجازت بخش کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب فرمایا ہے جسے عوام (وہابی وغیرہ) عتاب یا غلطی سے تعبیر کرتے ہیں تو کیا ہوا آپ تسلی فرمائیے کہ جب میں نے آپ سے پہلے وعدہ کر رکھا ہے کہ آپ کے گزشتہ اور آیندہ امور اگرچہ خلاف اولیٰ ہوں تمام بخش دیے ہیں۔

ردِ وہابیہ و دیوبند وہابی مودودی، دیوبندی یہ آیت پڑھ کر عوام کو بہکاتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا ہے، جھڑک دی ہے۔ (معاذاللہ)

صاحبِ روح البیان ان کی اس غلطی کا ازالہ صدیوں پہلے فرما گئے کما قال:

وقوله لم اذنت لهم ما كان على وجه العتاب حقيقة بل كان على اظهار لطفه به وكمال رافته فى حقه۔	لم اذنت لھم بطور عتاب نہیں بلکہ درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال شفقت و محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

(كذا فى التاويلات النجميه)

اور فرمایا:

قال سفیان بن عیینه انظروا الی هذا اللطف بداء بالعفو قبل ذکر العفو ولقد اخطأ و اساأ الادب و بئسما فعل فیما قال وکتب من[1] زعم الکلام کنایة عن الجنایة و ان معناه اخطاءت و بئسما فعلت کذا فی الارشاد۔

(روح البیان ص ۹۰۰ ج ۳ تحت آیت ہذا)

سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ مسلمانو! دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ لطف و کرم فرمایا کہ خطا کے اظہار سے بغیر عفو کا اظہار فرمایا اور اس شخص سے بہت غلطی ہوئی جو لکھتا ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام کو جھڑکا گیا ہے۔

اور فرمایا:

ویجوز ان یکون انشاء کما قال الکاشفی فی تفسیرہ عفا الله عنك دعا له است حق سبحانہ وتعالیٰ پیغمبر خود را می فرماید کہ عفو کناد از تو خدائے و عادت مردم می باشد کہ دعا کند کسے را بعفو و رحمت و مغفرت بے وقوع خطائے از وے چنانچہ مثلاً تشنہ را آب دہد و او در جواب می گوید غفر اللہ لک یا در جواب عاطس می گوید یرحمك اللہ۔ (ایضاً)

ممکن ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہو جیسا کہ کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ عفا اللہ عنك میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشفقانہ طور پر دعا دی ہے لوگوں کی عام عادت ہے کہ جرم و قصور کے صدور کے بغیر دعائیں دیتے ہیں مثلاً کسی کو کوئی پانی پلائے تو وہ اسے کہتا ہے غفر اللہ لك۔ اسی طرح چھینک دینے والے کو کہا جاتا ہے یرحمك اللہ۔

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حوالہ جات لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

اقول ولقد اصاب فی تفسیرہ و رجاد فی تقریرہ فان خطاء النبی صلی اللہ علیه وسلم وسهوہ ونسیانه لیس من قبیل خطاء الامة وسهوهم ونسیانهم فاولی التأدب ان یسکت عاشقین بحاله او لا یلیق بکماله[2] (ایضاً)

بہترین قول وہ ہے جس نے لکھا کہ نبوت کے خطاء و نسیان کو امت کے خطاء و نسیان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اسی لیے ہمیں ایسے مقامات پر خاموش رہنا بہتر ہے۔

---

[1] اس زعم سے مراد صاحبِ روح البیان کے دَور کے لوگوں کے علاوہ دورِ حاضر کے وہابی، دیوبندی، مودودی، پرویزی اور چکڑالوی وغیرہ وغیرہ بھی ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور علیہ السلام کو جھڑکا ہے۔ ۱۲

[2] یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے اور اسلام نبوت کے آداب سکھاتا ہے کہ نبوت پر حرف گیری اور کفار کی طرح اعتراضات

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا یہاں تک کہ تمہارے لیے سچے لوگوں کے حالات پورے طور پر واضح ہو جائے جبکہ انہوں نے مالی یا بدنی یا دونوں کی کمزوری کا عذر پیش کیا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ ○ اور جھوٹے لوگوں کو بھی جان لیتے کہ ان کا عذر مذکور غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا دونوں گروہوں کا معاملہ اسی طرح فرماتے جس طرح کے وُہ مستحق ہیں۔

ف : خلاف اولیٰ کے بعد اب اولیٰ وافضل کا ذکر فرمایا۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! منافقین وغیرہ کی جنگ پہ نہ جانے کی اجازت بخشی کے بجائے توقف فرمانا آپ کے لیے اولیٰ وافضل تھا اور حتّٰی کا متعلق محذوف ہے جیسا کہ اس پر کلام مذکور دلالت کرتا ہے۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی لما سارعت الی الاذن لھم وھلا اخرتھم وتانیت الی ان تبین الامر وینجلی او لیتبین کما ھو قضیۃ الجرم۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ نے ان کی اجازت بخشی میں کیوں جلدی فرمائی آپ اس معاملہ میں دیر فرماتے، یہاں تک کہ معاملہ خود بخود کھل جاتا یا یہاں تک کہ ان کے جُرم کا ماجرا خود بخود منکشف ہو جاتا۔

ف : اس تقریر پر حتّٰی بمعنے الیٰ یا بمعنے لام ہے۔ لفظ حتّٰی کا تعلق اذنت سے نہیں اس لیے کہ ان کے اذن کا موجب یہی غایۃ ہوگی اور ان کا اذن تبین کے لیے تھا اور یہ دونوں امر عتاب کے موجب نہیں اور کلام سے عتاب یعنے اظہار خلاف اولیٰ مطلوب ہے۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ جو دنیا اور اس کی زینت کا طالب ہے تو اسے دنیا کے اسباب وافر ووافر بلکہ ہر شئے فراوان حاصل ہوگی اور جو طالب حق اور وصال الٰہی کا عاشق ہے تو اسے پہلے تو دنیوی اسباب راس نہیں آئیں گے۔ اگر کچھ میسر ہوں گے تو نہایت تنگ اور بہت تھوڑے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

حفت الجنۃ بمکروھاتنا

حفت النیران من شھواتنا

ترجمہ : بہشت کو دُکھ اور درد محیط ہیں اور دوزخ کو شہوات نفس و دنیا گھیرے ہُوئے ہیں۔

یعنی جنت ان اعمال کی ادائیگی پر موقوف رکھی گئی ہے جن کی ادائیگی سے ہمارے نفوس کو مکروہ یعنی گراں محسوس ہوتی ہیں اور جہنم ان امور پر واجب کر دی گئی ہے جو ہمارے نفوس کو محبوب و مرغوب ہیں اور ظاہر ہے کہ محبوب و مرغوب اشیاء کا حصول انکے چھوڑنے سے آسان نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لوگ ہزاروں روپے ضایع کر کے بھی جہنم میں داخل ہو رہے ہیں لیکن ایک درم دے کر بہشت کا داخلہ قبول نہیں کرتے۔

فائدہ : آیت اخیرہ میں اشارہ ہے کہ جملہ امور میں سوچ بچار ضروری ہے یعنی کام سے پہلے سوچنا لازمی ہے۔

حدیث شریف : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ کام کرنے سے پہلے تدبر ضروری ہے اگر تدبر کے بعد اس کا نتیجہ اچھا نکلے تو اس پر عمل کرو اگر اس کا انجام

غلط محسوس ہو تو اسے چھوڑ دینا لازمی ہے اس لیے کہ عجلت شیطان کی صفت ہے۔

حدیث شریف[۲]: مروی ہے کہ شیطان نے جب آدم علیہ السلام کا مٹی کا ڈھانچہ دیکھا جبکہ ابھی اس میں رُوح نہ پھونکا گیا تھا، تو عجلت کرتے ہُوئے کہا کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر افضل اور بہتر بنایا تو میں اس کی اطاعت نہیں کروں گا۔ اگر مجھے اس پر افضل و برتر بنایا گیا تو میں اسے ذلیل و خوار کروں گا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کے ڈھانچے میں روح پھونکی گئی اور ملائکہ اور ابلیس کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ تو ابلیس نے عجلت کرتے ہُوئے عداوت کا اظہار کر کے سجدہ سے انکار کر دیا اور ساتھ اپنا عزم بھی ظاہر کر دیا کہ میں آدم علیہ السلام کو ہلاک کروں گا۔ اس میں اسے تدبر کرنا ضروری تھا اور انجام پر نظر رکھ کر توقف کے بعد اسے یقین ہو جاتا کہ سجدۂ آدم میں اس کا فائدہ ہے۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ دیر کے بعد عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں چھ دن لگانے میں بھی یہی حکمت ہے اگرچہ وہ قادر ہے کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تمام کائنات کو پیدا فرما دیتا۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنے ہر امر میں تدبر و تفکر کرے اور وہ افضل و برتر فعل پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے زندگی بھر اس کا یہی معمول رہتا ہے وہ اس لیے کہ ان متخلفین (منافقین) میں اس کا اندراج نہ ہو۔

ملفوظ حضرت شقیق حضرت شقیق بلخی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ بخشا ہے تو صرف جہاد کی برکت سے جو شخص اپنے زمانہ میں جہاد میں کسی حیثیت سے حصہ لیتا ہے تو گویا اس نے اپنے سے پہلے تمام مجاہدین کے جہاد میں شرکت حاصل کی اگر وُہ اپنے زمانہ میں جہاد کے کسی شعبہ سے محروم رہا تو وہ گویا متخلفین (منافقین) میں شامل ہو گیا یاد رہے کہ جہاد سے سستی اور غفلت بر وُہ شخص کرتا ہے جس کے بدن میں طبعی غفلت کا غلبہ ہو اور جس کی روحانیت تازہ ہو وُہ جہاد میں چستی اور چالاکی دکھاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہر گرانی و کسل خود از تنست
جان ز خفت جملہ در بر بدنست

ترجمہ: یہ سستی و کاہلی بدن کی روح کی خفت بدن کی خرابی سے ہوتی ہے۔

اے اللہ! دینی امور کی سستی سے ہمیں بچا بلکہ ان کی ادائیگی میں ہماری مدد فرما۔ اس لیے کہ تو ہمارا ہر کام میں مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا یَسۡتَاۡذِنُكَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ آپ سے وُہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ اس بارہ میں کہ وُہ اپنے اموال اور نفوس جہاد میں صرف کریں بلکہ ان کے مخلفین بلا توقف (اذن سے پہلے ہی جان کی بازی لگا دیتے ہیں وہ تو جنگ پہ نہ جانے کی اجازت کا نام تک نہیں لیتے اور دوسروں کا اجازت طلب کرنا نہ صرف ان کے ایمان کی ضعف کی دلیل ہے بلکہ ایسے لوگوں کی منافقت کا بیّن ثبوت ہے۔

قاعدہ: جیسے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت کی طلب بے ایمانی کو علت بنایا گیا ہے ایسے ہی اجازت نہ طلب کرنا ایمان خالص کی علت بن سکتی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ کسی حکم کو کسی وصف سے معلق کرنا اسی وصف کو اسی حکم کی علت بناتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ متقین کو خوب جانتا ہے یعنی اہل ایمان کے مخلصانہ طور جنگ کی تیاری پر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ متقین کے زمرہ میں شامل ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا جنگ کے لیے ہر وقت مستعد ہونا ان کے متقین ہونے کی علت ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ بے شک جنگ پہ نہ جانے کی اجازت آپ سے وہ لوگ طلب کرتے ہیں الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

فائدہ: جنگ پہ نہ جانا دورِ نبوت میں منافقت کی علامت بن گئی تھی[1] ایک روایت میں آیا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جنگ پہ جانے کے لیے انتالیس مردوں نے اجازت طلب کی تھی۔

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل شک میں ہیں اس کا عطف صلہ یعنی لا یؤمنون الخ پر ہے اور ماضی کے صیغہ میں اشارہ ہے کہ ان کے دل میں ریب (شک) راسخ ہو چکا ہے۔

فائدہ: الریب ھو اضطراب القلب ________ قلب کے اضطراب کو ریب سے تعبیر کرتے ہیں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ضروریاتِ دین میں شک و ریب کرنے والا مومن نہیں ہو سکتا۔

فَهُمْ پس ان کا حال یہ ہے کہ وہ فِيْ رَيْبِهِمْ شک میں (جو ان کے قلوب میں راسخ ہے) يَتَرَدَّدُوْنَ ○ حیران پھرتے ہیں۔ تردد متحیر کی عادت ہوتی ہے، جیسے ثابت قدمی دانشمند کی عادت ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منافقین نے جنگ پہ نہ جانے میں معذرت کے طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارا جنگ پہ جانے کا ارادہ تو تھا لیکن ہم جنگ کی تیاری نہیں کر سکے۔ اب جنگ پہ جانے کا وقت قریب ہے اس لیے ہمارے لیے ناممکن ہو گیا کہ ہم آپ کے ساتھ جنگ پہ چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ منافقین غزوۂ تبوک کی جنگ پر دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے تو لَاَعَدُّوْا لَهٗ وقت پر نہ نکلنے کے لیے تیاری کر لیتے۔ عُدَّةً سامان مثلاً زادِ راہ اور ہتھیار اور دیگر وہ اشیاء جو سفر کے لیے ضرورت پڑتی ہیں وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تیاری سے کراہت کی، یعنی جنگ پہ چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے متعلق نہیں تھا اس لیے کہ ان کا جنگ پہ چلنا بجائے خود صد مفاسد کو متضمن تھا۔ الانبعاث یعنے بر انگیختہ شدن۔ (کذا فی تاج المصادر) لفظ لکن جملہ متقدمہ سے استدراک کے لیے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پہ لفظ لکن محض تاکید کے لیے ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی چلپی) فَثَبَّطَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سستی اور بزدلی میں گرفتار فرمایا اسی لیے جنگ سے سستی کر کے اس کی تیاری نہ کر سکے التثبیط صرف الانسان عن الفعل الذی یھم بہ الانسان کا اس فعل سے ارادہ بدل لینا کہ جس کا پہلے اسے ارادہ تھا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں بد مذہبی کی ایک علامت ہوا کرتی ہے جیسے آجکل "یارسول اللہ"، گیارھویں شریف، اعراس و دیگر مسائل معروفہ کا انکار وہابیت، دیوبندیت، نجدیت کی علامت بن گیا ہے۔

اسے عربی میں "تثبیط" سے تعبیر کرتے ہیں۔ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ اور انہیں کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یعنی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھو جن کے لیے عموماً گھروں میں بیٹھنا ضروری ہے جیسے لنجے لنگڑے، مریض، اندھے، عورتیں اور بچے۔

ف: اس میں جنگ پہ نہ جانے کی معذرت کرنے والوں کی مذمت اور "انفروا خفافا و ثقالا" کی کھلی مخالفت کا بیان ہے۔
اسی بنا پر مفسرین نے کہا کہ یہ مضمون بطور تشبیہ و تمثیل ہے مثلاً امرِ آمر کے بعد ان کے دلوں میں کراہت ڈالے جانے کو گھروں میں بیٹھنے والوں کے بیٹھنے سے تشبیہ دی ہے اس کے بعد ان کے جنگ پہ جانے کی خود اللہ تعالیٰ نے کراہت کی وجہ بیان فرمائی کہ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ اور تمہارے ساتھ ان کا جنگ کے لیے خروج ہوتا۔ یعنی وہ جنگ پہ تمہارے ساتھ مل کر چلتے۔ مَّا زَادُوْكُمْ تو تمہارے میں نہ بڑھاتے یعنی تمہیں کسی شے کا وارث بنا کر نہ چھوڑتے۔ اِلَّا خَبَالًا مگر شر اور فساد کو مثلاً بزدل ہو جانا اور کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈرانا اور اہل ایمان کی باتیں سُن کر کفار کو جا کر بتانا (یعنی چغلخوری کرنا) اور مسلمانوں کے درمیان میں فساد برپا کرنا اور ایک دوسرے کو لڑانا ان کے بعض کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور ان کے بعض کو گھٹیا ظاہر کرنا تاکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا کر دیں اس سے دوسرے لوگ بھی جنگ پہ نہ جا سکیں اس طرح سے وہ دین کو ضعف پہنچاتے۔

ف: عام الاعم یعنی الشیٔ سے مستثنیٰ مفرغ ہے۔

ردِ شیعہ بعض شیعہ الزام لگاتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام بھی منافقین کے ہمنوا ہونا چاہتے تھے۔ شیعوں کا یہ الزام غلط ہے اس لیے کہ صحابہ کرام میں کسی ایک کو بھی یہ خیال فاسد نہ ہُوا اور نہ ان سے شر و فساد کی توقع کی جا سکتی ہے البتہ لفظ زیادہ سے مطلوب وہی منافقین ہیں جو ایک دُوسرے کے شر و فساد کے اضافہ کے سبب بنتے تھے۔ یہ استثناء بھی اعم العام سے ہے نہ بایں معنی کہ وہی قبائح و منکرات جو ان میں تھے ان سے استثناء ہے۔ اس طرح سے استثناء الشیٔ عن الشیٔ لازم آتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس جنگ میں منافقین بکثرت تھے اور ان میں اپنے ایمان اور اسلامی امور میں تو شک تھا ہی اس لیے کہ اگر وہ جنگ کے لیے نکلتے بھی تو موجب صد شر و فساد ہوتا۔

وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ اور البتہ وہ کوشش کرتے اور عداوت برانگیختہ کرنے میں عجلت کرتے یا ایسے اسباب بناتے جس سے شکست لازماً ہوتی۔

حل لغات: اَلْاِيْضَاعُ بمعنے تَهْيِيْجُ الْمَرْكُوْبِ وَحَمْلُهٗ عَلَى الْاِسْرَاعِ سواری کو برانگیختہ کرنا اور اسے تیز دوڑنے پر اُبھارنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے وضع البعیر وضعا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اُونٹ تیز دوڑے۔ اور کہا جاتا ہے اوضعته انا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو تیز دوڑنے کے لیے برانگیختہ کرے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ وہ تمہارے مابین سواریوں کے دوڑانے میں عجلت کرتے ہیں۔ مرکب لا وضعوا کا مفعول محذوف ہے اس کا اصلی مقصد یہ ہے

کر وُہ منافقین تمہارے ساتھ جنگ پر چلتے تو تمہاری باتیں کفار کو پہنچانے میں جد وجہد کرتے اور انہیں جنگ میں سوائے چغلخوری کے اور کوئی کام نہ ہوتا اور انہیں سواریوں کی تیز رفتاری سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ چلنے والے سے سوار تیزی سے کام کرتا ہے اور الخلال خلل کی جمع ہے بمعنی الفرجہ یعنی دو چیزوں کے درمیان کا سوراخ، جسے ہم نے بینکم سے تعبیر کیا ہے اور وہ لا وضعوا کے مفعول فیہ (ظرف) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ یہ اوضعو کے فاعل سے حال ہے یعنی در انحالیکہ وہ تمہارے لیے فتنہ کی طلب کرتے یعنی یہی لوگ کلمۂ حق کے افتراق کے موجب بنتے وَفِيْكُمْ اور تمہارے درمیان ہیں سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ان کے چغلخور جو تمہاری باتیں سُن کر انہیں جا کر سناتے ہیں اس معنے پر لام تعلیل کی ہوگی یا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے وہ لوگ کمزور دل والے ہیں کہ منافقین کی باتیں سُن کر ان کی اطاعت کرتے اس معنے پر لام عمل کی تقویت کے لیے ہے اس لیے کہ یہ عامل یعنے سَمّٰعُوْن عمل میں اصل نہیں بلکہ فرع ہے جیسے فعال لما یرید میں لام تقویت عمل کے لیے ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خُوب جانتا ہے اس لیے کہ اس کا علم محیط ہے وہ ہر ایک کے ظواہر و بواطن کو خوب جانتا ہے اور اسے ہر ایک کے ماضی و حال و مستقبل کے احوال و افعال و اعمال کو جانتا ہے۔ یہ جُملہ سمّٰعون و قاعدون دونوں گروہوں کو شامل ہے۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا البتہ بے شک منافقین نے طلب کیا ہے الْفِتْنَةَ فتنہ، یعنی منافقین چاہتے ہیں کہ جملہ حالات بگڑ جائیں اور آپ کے اصحاب سے علیحدہ ہو جائیں مِنْ قَبْلُ اس غزوۂ تبوک سے پہلے یعنی انہوں نے غزوۂ احد میں اسی طرح کا کردار ادا کیا چنانچہ عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں کو ورغلا کر جنگِ اُحد سے بھاگ نکلا تھا۔ اُحد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سات سو خالص مومن مجاہد باقی رہ گئے تھے۔ اور یہی ابی بن سلول غزوۂ تبوک میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روانگی کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت مقام ذی جدہ سے لوٹا تھا۔ یہ ثنیۃ الوداع (وادی) کی نچلی جانب واقع ہے اسی طرح خندق میں بھی انہوں نے یہی کھیل کھیلا تھا، چنانچہ انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا:

یا اھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا۔ اے یثرب والو! جنگ سے واپس چلو کیونکہ کفار کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے۔

ایسے ہی لیلۃ العقبہ میں انہوں نے حضور علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں میں کوئی شے پھینکی جس سے اونٹنی ڈر گئی، یہاں تک کہ حضور علیہ السلام اونٹنی سے گرنے کے قریب ہو گئے۔ لیلۃ العقبہ میں ثنیۃ الوداع کے موقعہ پر بارہ منافقین نے حضور علیہ السلام کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مطلع فرما دیا۔ اس طرح سے حضور علیہ السلام ان کی شرارت سے محفوظ ہو گئے۔

ف: الفتك بمعنے ان یاتی الرجل علی صاحبه وھو غار غافل حتی یشتد علیه فیقتله، یعنی کسی کے ساتھ غفلت میں دھوکے کا کوئی طریقہ بنا کر پھر اسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ (تقلیب الامر) بمعنے تعریفه الی وجه و تردیده لاجل التدبیر والاجتهاد فی المکر والحیلة یعنی مکر و فریب اور دھوکہ دہی

کے لیے کسی شے کو پھیرنا۔ اسی لیے ہر وُہ شخص جو مکر و فریب کا ماہر ہو اس کے لیے اہلِ عرب کہتے ہیں : حوّل قلب۔ دل پھرا۔ اب آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ منافقین نے آپ کے لیے طرح طرح کے حیلے کر کے آپ کے امورِ دینیہ مٹانے کی قسم وقسم کی آرا زنی کی۔

حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ یہاں تک کہ حق یعنی نصرت و تائیدالٰہی آئی۔ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کا امر ظاہر ہُوا، یعنی اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوا اور اس کی شرافت بلند ہُوئی۔ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ حالانکہ منافقین دین کی سر بلندی اور نصرت الٰہی آپ کے لیے نہیں چاہتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس لیے منافقین کا نہ چاہنا نقصان دہ نہ ہوا۔ ؎

چوں ترا اندر حریم قرب خود رہ دادہ شاہ   از تغیر پردہ دار و طعن دربان غم مخور

ترجمہ : جب تجھے اپنے حریم خاص نے اللہ تعالیٰ نے جگہ دی دشمن کی دشمنی اور دربان کی زجر سے غم نہ کھا۔

سبق : آیت میں منافقین کی مذمت و مذلت کی گئی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو تسلّی دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیک انجام متقین کو نصیب ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہر زمانہ میں مخلصین و منافقین ہوتے ہیں، اور دونوں مل کر گزارتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن جس کی نیت نیک اور ارادہ سچا ہوتا ہے تو وہ تمام اہل ہوا اور اہلِ ریا سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اس لیے غیر جنس کی صحبت سے دینی امور میں تشویش اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے ، بلکہ اہلِ یقین کے عزائم میں ایسی صحبتوں سے سستی ہوجاتی ہے اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ اپنے غیر جنسوں کی صحبتوں سے دُور بھاگے ان کے قریب بیٹھنا تو درکنار، انہیں دیکھنا بھی گناہِ عظیم سمجھے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

چوں بہ بندی تو سر کوزہ تہی   درمیان حوض و یا جوئی تہی
تا قیامت آں فرود آید پہ پست   کہ دلش خالیست در وے بادہست
میل بادش چوں سوئے بالا بود   ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد
باز آں جانہا کہ جنس انبیاء ست   سوئے ایشاں کش کش چوں سایہ ہاست
جاں ہامان جاذب قبطی شدہ   جان موسٰی جاذب سبطی شدہ
معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب   معدۂ آدم جذوب گندم آب

ترجمہ : جب تم کوزے کا سر بند کر کے حوض اور دریا میں ڈالو تو وہ قیامت تک خالی رہے گا بلکہ اسے الٹا کرو گے تو اسے خالی پاؤ گے اور وہ اس خالی ہونے کی وجہ سے جتنا ڈبو دُ گے اُوپر کو اُبھرے گا، ہاں جن کی رُوحیں انبیاء علیہم السلام سے تعلق رکھتی ہیں تو وُہ ان کے پیچھے سایہ کی طرح لگی رہتی ہیں۔ ہامان کی رُوح نے قبطی کو کھینچ لیا اور موسٰی علیہ السلام کی روح نے سبطی کو اپنے ساتھ ملایا۔ گدھے کا معدہ گندگی چاہتا ہے، آدم علیہ السلام کا معدہ گندم نفیس شے چاہتا ہے۔

چغلخور کی مذمت آیت میں چغلخور کی مذمت کی گئی ہے۔ چغلخوری کو عربی میں النمیمہ کہا جاتا ہے وھی کشف ما یکرہ کشفہ یعنی جس کا اظہار نہ چاہے اسے ظاہر کرنے کا نام النمیمہ (چغلخوری) ہے۔ مروی ہے کہ قبر کا تہائی عذاب چغلخوری سے ہوگا۔

ولدالزنا کی علامت حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولدالزنا بات کو نہیں چھپا سکتا۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بات سن کر بجائے پوشیدہ رکھنے کے اسے دوسروں تک فتنہ و فساد پھیلانے کی نیت سے پہنچاتا ہے تو یقین کر و کہ وہ ولدالزنا ہے۔

چغلخور جہنم میں بندروں کی شکل میں حدیث معراج میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم کے داروغہ سے کہا کہ مجھے جہنم دکھائیے۔ اس نے عرض کی آپ کا کام نہیں۔ آپ نے فرمایا: کچھ تو دکھائیے اگرچہ سُوئی کے ناکہ کے برابر۔ آپ نے فرمایا: جونہی دوزخ کو میں نے دیکھا تو اس میں مجھے ایک قوم بندروں کی صورت میں نظر آئی، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی، یہ چغلخور ہیں۔

نمام و قتات میں فرق نمام ہر وہ شخص جو شر و فساد پھیلانے والوں کے ساتھ باتوں میں شریک ہو۔ قتات وہ ہے جو ایسی قوم کو شر و فساد کے لیے ایسی باتیں جا کر سُنائے جس کو ان باتوں کا علم نہ ہو، لیکن جونہی اس کی باتیں سُنیں تو شر و فساد کے لیے تُل جائیں۔

چغلخور حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کے حضور میں ایک شخص حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ میں نے فلاں سے آپ کی مذمت سُنی۔ آپ نے اس سے فرمایا: کب؟ اس نے کہا: آج۔ آپ نے فرمایا: کہاں؟ اس نے کہا: اس کے گھر میں۔ آپ نے فرمایا: تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟ عرض کی: اس کی مہمانی تھی۔ اُس نے کیا کھلایا؟ اُس نے آٹھ کھانے گن سُنائے۔ حضرت حسن قدس سرہٗ نے فرمایا: اے بیوقوف! اُس نے تیرا پیٹ آٹھ کھانوں سے پُر کیا تُو نے اس کی بات بھی نہ پچائی، اُٹھ کھڑا ہو میری مجلس سے اے بدبخت[1]!

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ چغلخوری کی دوستی اچھی نہیں اور نہ ہی اس کی بات کا اعتبار کیا جائے۔

پُر حکمت حکایت ایک حکیم کے ہاں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ فلاں آپ کی مذمت کر رہا تھا۔ حکیم نے اسے فرمایا: کاش! تو مجھے ملنے نہ آتا، اس لیے کہ تُو نے آتے ہی تین خرابیاں پیدا کیں:

۱۔ میرے دوست کو میرا مبغوض فرمایا۔

۲۔ میرے فارغ دل کو تشویش میں ڈالا۔

۳۔ میرے سے اپنا وقار کھویا۔ (کذا فی الروضہ والاحیاء)

---

[1] بحمدہ تعالیٰ یہی عادت کریمہ میرے استاذ مکرم حضرت مولانا سردار احمد لائلپوری قدس سرہٗ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

سبق: آجکل ہمارے بھائیوں میں چغلخوری کی عام عادت ہے اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرمائے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ زبان بند رکھے اور بُری عادات و رسوم سے بچے بلکہ تمام گناہوں سے کنارہ کشی کرے اس لیے کہ کل قیامت کو آنکھ، زبان اور کان بلکہ ہر عضو سے سوال ہوگا۔

وَمِنْهُمْ اور ان منافقین میں بعض وہ ہیں مَّنْ يَّقُوْلُ جو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے عرض کرتے ہیں ائْذَنْ لِّيْ ہمیں غزوہ تبوک پہ نہ جانے کی اجازت بخشیے۔ وَلَا تَفْتِنِّيْ اور ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے۔ یہ فَتَنَهٗ يَفْتِنُهٗ سے مشتق ہے بمعنے اوقعہ فی الفتنۃ یعنی فلاں نے اسے فتنہ میں ڈالا۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فتنہ وافتنہ (کذا فی تاج المصادر) اور فُتُوْن و فِتْنٌ مصدر ہے بمعنی فتنہ میں ڈالنا اور فتنہ میں ہونا۔ اب آیت کا معنیٰ ہوگا کہ منافقین کہتے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے۔ یہاں پہ فتنہ بمعنے گناہ ہے۔ اس سے منافقین کی غرض یہ تھی کہ اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں اجازت دیں یا نہ دیں ہم غزوہ تبوک کے لیے آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے اگر ہم چلیں تو فتنہ وغیرہ میں پڑیں گے یا فتنہ بمعنے ہلاکت ہے، اب معنیٰ ہوگا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اگر آپ اپنے ساتھ لے گئے تو ہمارے اہل و عیال ہلاک ہوں گے اس لیے کہ ان کا ہمارے سوا اور کوئی سہارا نہیں۔ اَلَا خبردار جان لو فِي الْفِتْنَةِ فتنہ میں مکمل طور سَقَطُوْا گرے یعنی ان کا جنگ پہ نہ جانا ایک عظیم جرم ہے، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی، تیسرے ان کی منافقت کا کھل جانا یعنی ان کا خیال ہے کہ جنگ پہ نہ جانے سے فتنہ سے بچاؤ ہوگا حالانکہ جنگ پہ نہ جانے سے ایک نہیں متعدد فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس طرح سے وہ فتنہ سے بچنے کے بجائے متعدد فتنوں میں گرے حالانکہ ان کے لیے لازم تھا کہ جونہی جنگ کا حکم ہوتا فوراً اس کے لیے لبیک پکارتے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ اور جہنم کافروں کو محیط ہے اس کا جملہ سابقہ پر عطف اور مذکورہ بالا تنبیہ میں داخل ہے یعنی جہنم قیامت میں منافقین و کافرین کو ہر طرف سے گھیر لے گی نتیجۃً یہ منافقین جہنم میں لازماً داخل ہوں گے اس لیے کہ جہنم جسے گھیرتی ہے اُسے ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے (کذا فی الحدادی) یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جہنم اب بھی کفار کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے، اس لیے کہ وہ لوگ جہنم کے تمام اسباب یعنی کفر و معاصی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ آج جہنم ان اعمال کفر و معصیت کی شکل میں متشکل ہے جو بھی ان اعمال سیئہ کا ارتکاب کرتا ہے گویا وہ جہنم کی لپیٹ میں ہے لیکن اس کا ظہور عالم دنیا میں نہیں بلکہ عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اسی طرح اعمال صالحہ کا حال ہے کہ جو اعمال صالحہ اور ایمان سے مزین ہے وہ گویا بہشت میں ہے لیکن اس کا ظہور عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شہید کا خون قیامت میں عطر و مشک اور کستوری میں متشکل ہوگا یعنی شہید کے خون سے مشک و کستوری کی خوشبو آنے گی۔ (کذا فی الشرع)

شانِ نزول یہ آیت جد بن قیس منافق کے حق میں نازل ہوئی جبکہ اسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لیے بلایا اور اسے جہاد کی رغبت دلائی اور فرمایا، اے لوگو! بنی الاصفر کی لمبے قد والی عورتیں چاہتی ہیں کہ ان میں بعض کو تم خدمت گزار اور بعض کو اپنی لونڈیاں بناؤ۔ جد بن قیس نے کہا کہ مجھے گھر رہنے دیجئے مجھے جنگ پر لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیے اس لیے کہ روم کی عورتیں حسین و جمیل ہیں اور میں ان کو دیکھ کر ان کے حسن و جمال میں مبتلا ہو جاؤں گا، قبل تقسیم ممکن ہے [illegible]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کا عذر مسموع فرما کر ارشاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب

فرمایا: میں نے تو تجھے اجازت دے دی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جد بن قیس کا عذر قبول نہیں فرمایا۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ وہ بہت بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گیا اس لیے کہ اس نے نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی ہے۔

ف: بنی الاصفر سے رومی لوگ مراد ہیں اور وہ روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اور روم کو بنی الاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں روم کے بادشاہ فوت ہوتے چلے گئے ان کے خاندان میں صرف ایک عورت بچ گئی، ہر ایک چاہتا تھا کہ اس سے نکاح کرلے تاکہ روم کی بادشاہی ہاتھ آجائے۔ اس معاملہ پر بہت بڑا شور اٹھا۔ بالآخر طے پایا کہ ایک جگہ بیٹھ جاؤ جو سب سے پہلے ہماری اس مجلس میں باہر سے آئے گا وہی ہمارا بادشاہ ہوگا اور اس شہزادی کا نکاح اس سے کر دیں گے۔ چنانچہ یہ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ یمن سے ایک شخص اپنے غلام کو لے کر روم آرہا تھا کہ راستہ میں وہ غلام بھاگا اور رومیوں کی مجلس سے گزرا، سب نے اسے دیکھ کر کہا کہ ایک مصیبت سے چھوٹے تو دوسری میں پڑ گئے۔ اب فیصلہ سے پھرنا اچھا نہیں۔ اسی شہزادی کا نکاح اسی حبشی سیاہ کالے غلام سے کر دیا گیا۔ اسی غلام سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اصفر رکھا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد اس غلام کا مالک تلاش کرتا ہوا آیا تو کہا: یہ تمہارا بادشاہ میرا غلام ہے اس کے غلام نے بھی تصدیق کی۔ چونکہ رومی غلام کو اپنا بادشاہ بنا چکے تھے اس لیے انہیں اس کے مالک کو راضی کرنا پڑا، اور وہ راضی ہو گیا۔ اور انہیں بنو الاصفر سے بھی اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ اس حبشی اور شہزادی سے جو بچہ پیدا ہوا وہ رنگ کا زرد تھا اس لیے کہ شہزادی سفید اور اس کا شوہر سیاہ رنگ کا تھا، ان دونوں کی وجہ سے بچہ درمیانے رنگ کا یعنی زرد پیدا ہوا۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ چونکہ ان کا دادا عیصو بن اسحاق علیہ السلام پیلے رنگ کے تھے ان کی وجہ سے ان سب کو بنو الاصفر کہا گیا اور بعض کے نزدیک خود روم بن عیصو بن اسحاق علیہ السلام کا رنگ پیلا تھا اور اسی روم بن عیصو کی والدہ کا نام قسمۃ بنت اسماعیل علیہ السلام تھا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ سب رومی بنو الاصفر نہیں اس لیے کہ ان کے گمان پر روم اول یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام تھا۔

ف: بعض نے کہا کہ انہیں بنو الاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے جد روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا، اس سے جو لڑکا پیدا ہوا، والد کے سفید رنگ اور والدہ کے سیاہ رنگ کی وجہ سے سیاہی سفیدی کی ملاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ ایسے رنگ کو وہ اصفر سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس کی تمام اولاد کا یہی رنگ تھا۔

ف: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حبشی بادشاہ رومیوں پر غالب ہوا تو اس نے ان کی عورتوں سے (نکاح کر کے) وطی کی تو

ان کی سفیدی میں اس کی سیاہی ملی تو اس رنگ والے پیدا ہوئے تو ان کا نام بنو الاصفر پڑ گیا۔

اعجوبۂ خواب اور اس کی عجیب تعبیر کسی بزرگ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو عرض کی کہ میرا ارادہ روم میں جانے کا ہے۔ آپ نے فرمایا: الروم لا یدخلہ المعصوم۔ روم میں معصوم داخل نہیں ہوتے۔ اس سے اس بزرگ کو پریشانی ہوئی کہ گویا روم تمام فاسقوں کا ملک ہے حالانکہ یہ عقل اور تجربہ کے خلاف تھا اس لیے کہ وہاں بہت بڑے علماء، مشایخ و اولیاء کرام رہتے چلے آئے، اور اس وقت بھی بے شمار ایسی ہستیاں موجود تھیں۔ بڑی سوچ کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی مستقل اقامت نہیں رہی اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ تمام ابحاث انوار المشارق سے لیے گئے ہیں۔

حدیث شریف اور علم ما فی الغد صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب قیامت میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا سوائے روم کے ملک کے۔

ف: حالانکہ اس وقت اس ملک میں کفار کی کثرت تھی۔ لیکن نگاہِ نبوت نے قیامت کے قرب تک کی خبر دے دی۔

ف: جنگ پہ نہ جانا یہ بھی انسان کے بخل کی دلیل ہے اور بخل انسان کی مذموم ترین صفت ہے۔

ملفوظ حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بخل سے بچو۔ عرض کی گئی: بخل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا والوں کے نزدیک بخل مالی ہے کہ مال کو خرچ نہ کیا جائے۔ اور آخرت والوں کے نزدیک بخل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان نہ خرچ کرنا۔

قاعدہ صوفیانہ: صوفیاء کرام کا قاعدہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ پہ جان دیتا ہے اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ ہدایت کے واردات وارد فرما کر اسے تقویٰ کی دولت سے نوازتا ہے اور اس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اسے عقل راجح اور وقار وعلم نصیب ہوتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ جان و مال اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے۔ یہی جہادِ اصغر و اکبر ہے اسی سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے اور جُود انسان کی بہترین صفت ہے۔

بے نظیر ہمدردی کی کہانی ابی جہم بن حذیفہ نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کی جنگ میں میں اپنے چچا کی تلاش میں نکلا۔ میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا، ایک جگہ انہیں دیکھا کہ حالتِ نزع میں ہیں اور پانی پلانے سے ان کی جان بچ جانے کا امکان تھا، میں نے وہی پانی ان کے قریب کیا تو ایک طرف سے آواز آئی، العطش۔ پانی کی پیاس ہے، میرے چچا نے سر کے اشارے سے اسی طرف جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے دیکھا وہ ہشام بن العاص تھے۔ میں نے ان سے عرض کی: آپ کو پانی پلاؤں۔ وہ بھی نزع میں تھے اگر پانی پلایا جاتا تو ممکن تھا ان کی جان بچ جاتی۔ لیکن میں نے جونہی پانی پیش کیا

تو آپ کو نے سے پانی مانگنے والے کی آواز آئی تو انہوں نے مجھے اس طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ میں وہاں پہنچا تو وہ پانی مانگنے والا مر چکا تھا۔ پھر واپس تمام کی طرف پانی لایا تو وہ سب فوت ہو چکے تھے بالآخر چچا کے ہاں آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے
(کذا فی خالصۃ الحقایق)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس کہ ہم نے اپنی عمر و مال کو دوست پر قربان نہ کیا کہ عشق کی کارروائی مجھے نصیب نہ ہوئی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنچہ بخشی بری

ترجمہ: اگرچہ قارون کا خزانہ بھی تیرے ہاتھ لگ جائے وہ تیرے کام کا نہیں بلکہ تیرے کام کا وہ مال ہے جو تو نے راہِ خدا پر لٹایا۔

تفسیر عالمانہ اِنۡ تُصِبۡكَ اگر تمہیں بعض جنگوں میں پہنچی حَسَنَةٌ فتح و نصرت اور مالِ غنیمت جیسے غزوۂ بدر میں تَسُؤۡهُمۡ تو انہیں برا لگتا ہے یعنی آپ کی فتح و نصرت سے منافقین کا دل دکھتا ہے اور وہ چونکہ آپ سے عداوت اور حسد رکھتے ہیں اس لیے وہ آپ کی ہر کامیابی سے غمگین و حزیں ہوتے ہیں وَ اِنۡ تُصِبۡكَ اور آپ کو بعض غزوات میں پہنچتی ہے مُصِيۡبَةٌ زخم یا کوئی اور تکلیف، جیسے غزوۂ احد میں ہوا یا صحابہ کرام کا شہید ہونا اور شکست۔

ف: اس خطاب سے اہلِ ایمان مراد ہیں جیسے کہ آنے والے ضمائر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں جمع متکلم کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔

ادب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطاب اہلِ ایمان کو اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ نبی علیہ السلام کو شکست ہوئی تو اسے توبہ لازم ہے اگر توبہ سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے اور حضور علیہ السلام ہر نقص اور عیب سے پاک ہیں ان کے لیے شکست کا کیا معنی۔ اس لیے شکست وہ کھاتا ہے جو جنگی تدبیروں سے ناواقف ہو، اور حضور علیہ السلام ہر معاملہ میں بصیرت تامہ کے مالک تھے بلکہ آپ کے لیے ہر معاملہ عین الیقین کے درجہ پر تھا[1] اور آپ ہر غلطی سے معصوم تھے۔ (کذا فی ہدیۃ المہدیین عن القاضی عبداللہ بن المرابط رحمہ اللہ تعالیٰ)

---

[1] یہ تھا اسلاف کا طریقہ۔ لیکن آجکل تو نبوت کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس کر کے ایسی باتوں کو بیان کرنا عین اسلام سمجھا جا رہا ہے۔

[2] لیکن اشرف علی تھانوی نے کہا کہ دنیوی کاموں میں بعض انسان نبی علیہ السلام سے فائق ہوتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "دیوبندی بریلوی فرق" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا منافقین کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے معاملات میں احتیاط سے کام لیا ہے مِنْ قَبْلُ شکست اور زخم وغیرہ کھانے سے پہلے یعنی منافقین کہتے ہیں کہ یہ ہماری دُوراندیشی کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم جنگ پہ نہیں گئے۔ ورنہ جیسے مسلمانوں کو تکالیف وغیرہ پہنچی ہیں ہم بھی ان میں مبتلا ہوتے۔ وَيَتَوَلَّوْا اور مجلس اجتماع اہل اسلام اور باصلاحیت لوگوں کی گفتگو کرنے سے کتراتے ہیں وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ اور وُہ اپنی کارکردگی مثلاً مسلمانوں سے علیحدگی اور جنگ پہ نہ جانے سے خوش ہیں اور یہ جملہ یقولوا اور یتولوا کی ضمیر سے حال ہے نہ صرف یتولوا کی ضمیر سے اس لیے کہ ان کی خوشی کا تعلق دونوں فعلوں سے ہے قُلْ منافقین نے جس عقیدہ سے اپنی خوشی کا اظہار کیا ان کے عقیدہ کے بطلان کو بیان فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے۔ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ ہمیں ہیشہ تک ہرگز نہیں پہنچے گا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھا لَنَا یہ لام تعلیل کی ہے یعنی لوحِ محفوظ جس میں ہمارے لیے خیر و شر اور شدۃ و فرحت لکھی گئی ہے اس میں ہرگز تغیر نہیں ہوگا تم موافقت کرو یا مخالفت، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسی طرح ہوگا کیونکہ اس کا لکھا ہوا مضبوط اور محکم و مبرم ہے هُوَ مَوْلٰىنَا وہی ہمارا حامی و ناصر اور ہمارے جملہ امور کا متولی ہے وَعَلَى اللّٰهِ یہ مامور بہ کلام کا تتمہ ہے ممکن ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ یُوں کہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اہلِ ایمان کو توکل کرنا چاہیے التوکل تفویض الامر الی اللہ تعالیٰ والرضی بما فعلہ اللہ تعالیٰ کی طرف جملہ امور سپرد کرنے اور اس کے ہر فعل پر راضی ہونے کا نام توکل ہے۔ اب معنی یوں ہوا کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ پر توکل کرے اور اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی رہے اور اعتقاد رکھے کہ کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں لکھا ہو لازماً ہوگا۔ ؎

پیرِ ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: میرے شیخ نے فرمایا کہ قلم تقدیر کو خطا نہیں نظر پاک پہ آفریں خدا کرے کہ وہ میری خطا پوشی فرمائے۔

حدیث شریف: بندہ کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک عقیدہ نہ رکھے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وُہ ضرور پہنچے گا اور جو کچھ نہیں لکھا وُہ ہرگز نہیں پہنچے گا۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! منافقین کو فرمائیے هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ "التربص المکث مع انتظار مجیٔ شیئ خیرا کان او شرا" کسی شے (خیر ہو یا شر) کے آنے کے انتظار میں ٹھہرنے کو تربص کہا جاتا ہے اور بنا کی باء تعدیۃ کی ہے اور تربصون میں ایک تاء محذوف ہے۔ یہ دراصل تتربصون تھا، یعنی تم ہمارے لیے انتظار نہیں کرتے اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ دو نیکیوں میں سے ایک کا یعنی دو انجاموں میں سے ایک کا جو کہ ان دونوں میں ہر ایک کا اچھا نتیجہ ہوگا یعنی مدد یا شہادت، جواب اول میں جو بات مبہم تھی یہ اسی نوع کا بیان ہے اس میں منافقین کے گمان کی حقیقت حال کو واضح کیا گیا جبکہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ جنگ پہ جانے سے مسلمانوں نے نقصان اٹھایا حالانکہ جنگ

پہ جانے پر انہیں دو بہتر انجاموں سے ایک بہتر شے نصیب ہو گی یعنی مددِ الٰہی سے غنیمت یا شہادۃ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسے منافقو! تم نہیں خوش ہو رہے مگر اس بہتر انجام سے جو ہمیں نصیب ہو گا اور تم اس سے محروم ہو گئے۔ پھر تمہاری سمجھداری کہاں گئی اور تمہارے گھر میں بیٹھنے سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔

حدیث شریف: جو شخص ایمان خالص سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے پیشِ نظر گھر سے جنگ کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں داخل فرمائے گا یا اگر وہ بسلامت گھر لوٹے گا تو اسے اجر و ثواب اور غنیمت سے نوازے گا۔ ؎

دولت اگر مدد دہد دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشد زہے شرف

ترجمہ: اگر دولت میری مدد کرے تو میں اسے ہاتھ میں لوں گا، اگر وہ میرے ساتھ رہے تو خوشی ہے اگر بھاگے تو بھی خوشی ہے۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اور ہم تمہارے بُرے انجام کے منتظر ہیں اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ یہ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ پہنچائے بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اپنی طرف سے عذاب جیسے سابقہ امتوں پر عذاب نازل کر کے انہیں تباہ و برباد کیا مثلاً انہیں سخت آواز یا زلزلہ یا زمین میں دھنسا دیا گیا بعذاب من عندہ میں اشارہ ہے کہ عذاب بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس میں بندوں کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اَوْ یا تمہیں عذاب ہو بِاَيْدِيْنَا ہمارے ذریعے سے مثلاً تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں قتل کرنا فَتَرَبَّصُوْۤا فاء فصیحیہ ہے یعنی جب معاملہ یُوں ہے تو تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○ ہم تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر جب ہمیں یا تمہیں جو کچھ پہنچے گا تو تم ہماری تکالیف کو دیکھ کر خوشیاں مناؤ گے اور ہم تمہاری تکالیف کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

حدیث شریف: مومن کی مثال اس بالی کی طرح ہے کہ کسی وقت ہوا کے جھونکوں سے کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی گر جاتی ہے اور منافق اور کافر کی مثال اس مضبوط تنے کی ہے کہ وہ کسی وقت بھی نہیں ہلتا مگر اس وقت کہ اسے جڑ سے کاٹا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس درخت سے مراد وہ ہے جو صنوبر کے مشابہ ہو وہ شام اور ارمن کے علاقوں میں ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس سے خود صنوبر مراد ہے۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو کبھی خوشی نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ اکثر اوقات غم میں مبتلا رہتا ہے اگر اسے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو پھر بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اکثر اوقات اُس کے پریشانی میں بسر ہوتے ہیں اور کافر و منافق اکثر خوش و خرم ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔

ولی اللہ کی شان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی ولی کی بے عزتی کرتا ہے وہ میرا مقابلہ کرتا ہے۔ ولی سے مومن فرمانبردار مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے جو اس بندے سے دشمنی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس معنے پر ولی اللہ کا دشمن درحقیقت اللہ تعالیٰ

کا دشمن ہے اور ولی اللہ کی بے عزتی کرنے والا کافر یا منافق ہے اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ ولی اللہ کا دشمن ہلاک اور برباد ہوگا۔ ؎

قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست — تا بدانی کہ انبیاء را نازکیست

این نشانِ خسف و قذف و صاعقہ — شد بیان عز نفس ناطقہ

جملہ حیوانرا پے انسان بکش — جملہ انساں را بکش از بہر ہش

ہش چہ باشد عقل کل ہوشمند — ہوش جزئی ہش بود اما نژند

ترجمہ: عاد و ثمود کے قصے کس لیے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں نزاکت ہے۔ خسف و قذف و صاعقہ کے نشانات صرف نفس کے غرور کو توڑنے کے لیے نہیں تمام حیوانات کو نفس کے لیے مار اور تمام انسانوں کو ہوش کے لیے ہوش ہے نزدیک عقل کل ہوشمند (ولی کامل) ہے۔ یہ ہوش اسی ہوش کل کا ظل ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو باتوں کی وجہ سے مذمت فرمائی ہے:

۱۔ وہ ایک حال پر نہیں رہتے۔

۲۔ ان کا حال ان کے قال کے مطابق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف: مومن مستقیم نہیں رہ سکتا جب تک اس کا دل مستقیم نہ ہو اور دل مستقیم نہیں ہو سکتا جبکہ اس کی زبان استقامت پذیر نہ ہو۔

حدیث شریف: اس بندے کو مبارک ہو جس کی کمائی حلال کی اور جس کا دل صحیح اور ظاہر اچھا ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں۔

حدیث شریف: لوگوں میں شریر ترین وہ ہے جو دو منہ رکھتا ہے یعنی منافق کہ وہ نہ ادھر کا نہ اُدھر کا۔ اور جو دنیا میں دو منہ رکھتا ہے اس کے لیے جہنم کی دو لگامیں ہوں گی۔ (کذا فی ابکار الافکار)

قُلْ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم جد بن قیس کے باب میں فرمایئے جبکہ اس نے غزوہ میں غیر حاضری کی معذرت کر کے اجازت چاہی اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مالی امداد بھجواؤں گا اَنْفِقُوْا اے منافقو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرو۔ طَوْعًا درانحالیکہ اس میں تمہارے نفوس خوشی میں ہوں اَوْ کَرْھًا یا خوفِ قتل سے کراہت کرتے ہوں۔ (کذا فی الحدادی)

ف: الارشاد میں لکھا ہے کہ طوعًا بمعنے من غیر الزام من جھة علیہ السلام ولا رغبة من جھتکم او ھو فرض لتوسیع الدائرة. یعنی خود بخود خرچ کرو اس میں حضور علیہ السلام کی طرف سے تمہارے اوپر الزام نہ ہوگا اگرچہ تمہیں اس خرچ کرنے کی کوئی رغبت نہ ہو یا فرضی طور انہیں کہا گیا ہے کیونکہ فرضی باتوں کا دائرہ وسیع ہے۔ اس

معنے پر یہ "ولا ینفقون الا وھم کٰرھون" کے منافی نہیں ہے

لَنْ یُّتَقَبَّلَ مِنْکُمْ تمہارا کوئی خرچ قبول نہ ہوگا یعنی حضور علیہ السلام تمہارے دیے ہوئے مال کو قبول نہیں فرمائیں گے یا اگرچہ خرچ کرو اور اسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قبول بھی فرمالیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیگا اور نہ ہی اس پر اجر وثواب عنایت فرمائے گا۔

ف: انفقوا بمعنے خبر یعنی انفقتم ہے اس لیے کہ لن یتقبل امر کے حقیقی معنے کو قبول نہیں کرتا اس لیے کہ یہ فضول بات ہے کہ پہلے کسی کو حکم دیا جائے کہ فلاں کام کرو پھر اس کے لیے خبر دی جائے کہ وہ قابل قبول نہیں۔

جب منافق مذکور یعنی جد بن قیس نے جنگ پہ جانے کی معذرت کی تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے

اعجوبہ کہا کہ آپ کی یہ معذرت آپ کی منافقت پر دلالت کرتی ہے دیکھ لینا تمہاری اس منافقت پر قرآنی آیت کا نزول ہوگا جد بن قیس نے اپنے لڑکے کے منہ پر جوتا مارا۔ پھر جب یہی آیت نازل ہوئی تو جد بن قیس کے لڑکے نے کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ کی منافقت کے اظہار میں قرآنی آیت کا نزول ہوگا۔ اس پر جد بن قیس نے اپنے لڑکے سے کہا اسکت یا لکع فواللہ لانت اشد علی من محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاموش اے بدبخت! بخدا تم میرے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سخت ہو۔

ربط: آنے والے جملہ میں بتایا ہے کہ تمہارے خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کیوں قبول نہیں کرتا، کما قال اِنَّکُمْ کُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ○ اس لیے کہ تم فاسق یعنی کافر ہو۔ فسق سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور اس کا فرد کامل کفر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ف: کاشفی نے کہا کہ بے شک تم اے منافقو! دائرۂ اسلام سے خارج ہو۔ اور ظاہر ہے دائرۂ اسلام سے خارج کافر ہوتا ہے اور کافر کا کوئی خرچ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جملہ کا اور انھم کفروا باللہ کا ایک مطلب ہے یعنی ان کے انفاق کی عدمِ قبولیت کی علت ان کا اپنا کفر ہے۔

جد بن قیس مسلمان ہوگیا بعض روایات میں ہے کہ جد بن قیس نے منافقت (کفر) سے مکمل طور توبہ کی اور مسلمان ہوکر اسلام پر قایم ہوا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بحالتِ اسلام فوت ہوا

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ یہ اعم الاشیاء سے مستثنیٰ ہے یعنی ان کے نفقات کی قبولیت کو کسی شے نے نہیں روکا مگر ان کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نے۔ اس معنے پر مستثنیٰ مفرغ مرفوع المحل ہے اس لیے کہ منع کا فاعل ہے اور ان تقبل نزع الخافض کے بعد اس کا دوسرا مفعول ہے یا بلانزع الخافض بلا واسطہ مفعول ہے اس لیے کہ منع کبھی دو مفعول چاہتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: "منعت الشئ ومنعت فلانا حقہ ومنعتہ من حقہ" میں نے فلاں کو اس کے

حق سے روکا۔

ف: ابوالبقاؒ نے کہا کہ ان تقبل محلاً منصوب ہے اس لیے کہ منھم کے مفعول سے بدل ہے۔

وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اور نماز باجماعت میں نہیں آتے۔ اس کا کفروا پر عطف ہے۔ **اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی** مگر آتے ہیں اس حال میں کہ وہ سستی کرنے والے ہوتے ہیں یعنی نماز باجماعت کی حاضری انہیں بوجھ نظر آتی ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ نماز باجماعت کی حاضری ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہے اس لیے اس کی حاضری سے کراہت کرتے ہیں کیونکہ انہیں نماز سے سچی ارادت نہیں اور الکسالی کسلان کی جمع ہے جیسے سکران کی جمع سکارٰی ہے۔

سوال: بغوی نے لکھا کہ ان کے لیے الکسل فی الصلوٰۃ کا ذکر کیا جبکہ سرے سے ان کی نماز ہی نہیں۔

جواب: اس سے دراصل ان کے کفر کی مذمت ہے کہ کفر کی وجہ سے ہی انہیں نماز میں سستی ہوتی ہے اسی لیے مقولہ مشہور ہے: "الکفر مکسل والایمان منشط" کفر سستی پیدا کرتا ہے اور ایمان نشاط، یعنی چستی اور پھرتی۔

وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ کٰرِھُوْنَ ○ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر حالانکہ وہ ہیں کراہت کرنے والے۔

نکتہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ ادائے عبادات میں رغبت اور نشاط ثواب کی امید پر ہوتا ہے اور اس کے ترک پر خوف عتاب اور رجا اس وقت نصیب ہوتے ہیں جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر ایمان ہو اور منافق اس دولت سے کورا ہے اس لیے نہ اسے آخرت کے ثواب کی امید ہے نہ عذاب کا خطرہ۔ اس لیے اسے ادائیگی نماز میں سستی اور مال خرچ کرنے میں کراہت ہوتی ہے اس لیے کہ خوف و رجا سے خالی ہو کر لامحالہ نماز پہ جانے سے بدنی تکلیف اور مال خرچ کرنے میں تضیع مال تصور کریں گے۔

ف: آیت میں سستی کی مذمت کی گئی ہے، اسی لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے: من دام کسلہ خاب املہ۔ جو سستی کا شکار ہو وہ مطالب و مقاصد کے حصول سے محروم ہے۔

حضرت ابوبکر الخوارزمی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

لا تصحب الکسلان فی حالاتہ	کم صالح بفساد آخر یفسد
عدوی البلید الی الجلید سریعۃ	والجمر یوضع فی الرماد فیخمد

ترجمہ: کسی حالت میں بھی سست لوگوں کے ساتھ نہ رہو۔ بہت سے نیک لوگ فسادیوں کے ساتھ بیٹھنے سے فسادی بن بیٹھے۔ احمق کی حماقت عقلمند پر جلد اثرانداز ہوتی ہے۔ انگارہ راکھ میں پڑتا ہے تو فوراً بجھ جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول	از رسالت باز می ماند رسول
کے رسانند آں امانت را بتو	تا نباشی پیش شاں راکع دوتو

ترجمہ: اگر ہزاروں طالب ہوں اور ایک ان میں بیکار ہو تو اس کے سمجھانے کے لیے رسول باز رہتا ہے۔

تمہیں سمجھنا چاہیے کہ امانت تجھے نصیب نہ ہوگی جب تک تم ان کے آگے عاجزی و انکساری نہیں کرو گے۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تُعۡجِبۡكَ الاعجاب بمعنی الاستحسان علی وجه التعجب من حسنه اپنے فعل کے حسن پر تعجب کرکے اسے اچھا سمجھنا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔

یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے، یعنی اے مومنو! تمہیں تعجب میں نہ ڈالیں اَمۡوَالُهُمۡ منافقین کے مال وَلَآ اَوۡلَادُهُمۡ ط اور نہ ان کی اولاد اس لیے مال اور اولاد ان کے لیے قیامت میں وبال ثابت ہوں گے یہ صرف دنیا میں چند روز انہیں دیے گئے کما قال اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا بیشک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ انہیں انہی مال و اسباب کے ذریعے حیوۃ دنیا میں عذاب پہنچائے۔

ف: ھا ضمیر کا مرجع صرف اموال ہے اس لیے کہ دنیا میں اسے جمع کرنے میں مشقت اٹھاتے اور ان کی نگرانی میں دکھ پاتے اور ان کے خرچ کرنے میں کراہت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے اموال و اولاد دونوں مراد ہوں وہ اس لیے کہ انسان کو جس طرح اموال کے متعلق تکالیف و پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں ایسے ہی اولاد کے متعلق بھی، مثلاً ان کی پرورش و تربیت کا دکھ اور ان کے معاش کے اسباب کی تیاری اور ان کے کھانے پینے اور لباس و دیگر ضروریات۔ اگر وہ چھوٹے ہو کر مریں تو ان کی جدائی و فراق کا درد اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس کی جدائی پر بہت بڑا درد پہنچتا ہے۔

سوال: صاحب روح البیان نے لکھا کہ مذکورہ بالا وجوہ میں مومن و کافر تمام برابر ہیں۔ پھر ان میں کافر [illegible] بعض کیوں؟

جواب: مومن کو ایمان کی برکت سے انکا درد بہت کم ہوتا ہے اس لیے کہ اسے آخرت کے ثواب کی [illegible] ہوتی ہے اور شدائد پر صبر سے اجر کا منتظر ہوتا ہے اس بنا پر وہ بہ نسبت کافر کے بہت کم دکھ اور درد پاتا ہے۔

وَتَزۡهَقَ الزهوق بمعنی خروج الشئ بصعوبة کسی شے کا بمشکل نکلنا۔ اور نکلیں گے اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝ ان کے نفوس درانحالیکہ وہ کافر ہوں گے یعنی وہ کافر ہو کر مریں گے انہیں عاقبت کی [illegible] اس لیے توجہ نہیں ہوگی کہ وہ مال و اولاد سے نفع اٹھانے میں مصروف رہیں گے پھر مرتے وقت وہ مال و اولاد اس [illegible] کے لیے نعمت کے بجائے عذاب بن جائیں گے اس لیے کہ نزع روح کے وقت نہ اسے مال بچا سکتا ہے اور نہ اولاد۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ شریر النفس اور موذی کے کفر اور اسی پر اس کی موت پر خوش ہونا جا[ئز] ہے اگر وہ اپنے کیے کی سزا پائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے لیے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا تاکہ ان سے ان کے [کفر] کا انتقام لیا جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی نفسہٖ کفر کو مستحسن سمجھا جائے یا اس کے ارتکاب کی اجازت دی جائے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر ظالم کو بددعا کے طور پر کہے اماتك الله علی الکفر یا اسے کہے سلب [الله] [منك] الایمان یا اسے فارسی الفاظ میں بددعا دے کہ "خدا جان بکافری بستاند" قائل کافر نہ ہوگا۔ جب وہ اس قول کو مستحسن نہ سمجھے، اور اس کی اجازت نہ دے ہاں ظالم کی بددعا اس نیت پر ہو کہ اللہ تعالیٰ اس ظالم سے ایمان کی دولت چھین کر اسے [illegible] کے

ظلم کی سزا دے جبکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذا پہنچاتا رہا۔

ف: طاعۃ فی العبودیۃ تین قسم ہے:

① مال

② بدن

③ قلب

مالؔ سے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کیا جائے۔

حدیث شریف: جو غازی کو کچھ دے اگرچہ سُوئی کا تاگہ تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے گا اور جو غازی کو ایک درہم بطور امداد عنایت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ستر درجے بہشت میں بلند فرمائے گا۔

حدیثِ معراج: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ شبِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ا ا گھوڑا لایا گیا جس کا ایک قدم تا حدِ نگاہ پہنچتا تھا۔ اس شب کو جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے۔ حضور علیہ السلام ایک ایسی قوم سے گزرے جو کھیتی کاشتے تو فوراً ان کے پیچھے اُگتی جاتی تھی۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا، تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، ان کی ہر نیکی ستر سو نیکیوں کے برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرو گے اس کا اجر پاؤ گے۔

بدنؔ سے عبادت یہی ہے کہ اوامر و نواہی و سنن و مستحبات مستحسنہ پر عمل کیا جائے۔

اور قلبؔ کی عبادت یہی ہے کہ ایمان و صدق اخلاص فی النیۃ ہو۔

مسئلہ: جب تک قلب کی عبادت نہ ہو بدنی، مالی عبادات بالکل مقبول نہیں جیسے منافقین۔ چونکہ وہ قلبی عبادت سے محروم تھے اس لیے ان کی بدنی و مالی عبادت قبول نہ ہوئی۔

مسئلہ: قلبی عبادت ہو تو بدنی اور مالی عبادت بھی قبول ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن کی نیت اس کے عمل سے بلیغ تر ہے۔ قربتِ الٰہی نصیب ہوتی ہی نہیں جب تک ایمان کی حقیقت نصیب نہ ہو اور ایمان جملہ طاعات بدنیہ و مالیہ کے لیے شرط ہے۔

حدیث شریف: مال نہ ہو تو بھی فتنہ ہے اس لیے کہ مال کو ریاء اور منت و اذی کے طور پر خرچ کرنا فتنہ ہے اور اسے روکنا ملامت و ذلالت بلکہ ضلالت ہے۔

حدیث شریف: ہر امت کے لیے فتنہ تھا۔ اس امت کا فتنہ مال ہے۔

ف: جو شے جسے رشد و ہدایت اور دین سے محروم کر دے وہی شے اس کے لیے فتنہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی علاقہ کا بادشاہ ہو، اگر وہ بادشاہی اس کے دین کو فائدہ پہنچائے تو وہ بادشاہی اس کے لیے مفید ورنہ فتنہ۔

مثنوی شریف میں ہے،

چیست دنیا از خدا غافل بدن — نے قماش و نقرہ و میزان وزن
مال را کز بہر دین باشی حمول — نعم مال صالح خواندش رسول
آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است
چونکہ مال و ملک را از دل براند — زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ: دنیا خدا سے غافل ہونے کو کہتے ہیں قماش نقرہ و میزان وزن کا نام دنیا نہیں اگر مال دین کی خاطر اٹھا رہا ہے تو بہت خوب ہے ایسے مال کو حضور علیہ السلام نے صالح مال فرمایا ہے پانی کشتی میں جائے تو غرق کر دیتا ہے پانی کشتی کے نیچے ہو تو مدد دیتا ہے۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے پوچھا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے تھے۔ اس نے عرض کی، وہ ایسے بزرگ تھے جنہیں ملک مال نے غرور میں نہ ڈالا۔

جادو و آسیب اثر نہ کرے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو مال و دولت سے محبت نہیں کرتا اس پر جادو وغیرہ اثر نہیں کرتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کی، مجھے ایسا عمل بتائیے کہ مجھ پر شیطان کا حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ مال اور نامحرم عورتوں سے دور رہ۔ (کذا فی شرح الشہاب)

س

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از بود است و بعد از توہم

ترجمہ: ملک و جاہ و حشم پر بھروسہ مت کر اس لیے تیرے سے بہت سے لوگ گزرے ہیں اور تیرے بعد بھی بہت سے لوگ آئیں گے۔

وَيَحْلِفُوْنَ اور منافقین قسمیں کھاتے ہیں بِاللّٰهِ یہ یحلفون کے متعلق ہے یا یہ منافقین کا ایک علیحدہ مستقل کلام ہے خدا اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ بیشک وہ بھی منجملہ تمہارے سے یعنی مسلمانوں سے ہیں وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ اور ان کے قلبی کفر کی وجہ سے وہ تمہارے سے نہیں ہیں۔ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○ لیکن وہ قوم ڈرپوک ہے۔ یعنی انہیں خوف ہے کہ تم ان سے وہی حشر کرو جو مشرکین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تقیہ[1] کر کے وہ نہ صرف اسلام کا اظہار کرتے ہیں بلکہ جھوٹی قسمیں کھا کر اسلام کے ٹھیکیدار بنے ہیں۔

---

[1] شیعہ کا تقیہ تو مشہور ہے لیکن دیوبندی جماعت کا خصوصی شعار ہے کہ اہل سنت میں اپنے آپ کو سنی ظاہر کر کے اپنے مذہب کی گاڑی چلاتے ہیں۔

حلِ لغات : یفرقون ازفرق لفرح کی طرح ہے یعنی از باب علم بمعنے فَزِعَ اور الفرق بفتحتین بمعنے الفزع۔
لَوْ یَجِدُوْنَ اگر پائیں۔
سوال : مضارع مستقبل بمعنے ماضی کیوں ؟
جواب : یہ مضارع لَوْ شرطیہ کی شرط ہے اور قاعدہ ہے کہ جونہی لَو کی شرط ماضی ہو، اور دوسرا قاعدہ ہے کہ مضارع جب ماضی کے معنے میں آئے تو وہاں استمرار مطلوب ہوتا ہے یعنی انہیں ابد عدم الوجدان دائمی ہے۔
مَلْجَاً جائے پناہ یعنی پہاڑوں یا قلعوں یا جزیروں میں انہیں کوئی ایسا مضبوط اور محفوظ مکان مل جائے جہاں وہ اپنا سر چھپا سکیں اور پناہ گزیں ہو سکیں۔ مَلْجَأٌ بروزن مَفْعَلٌ لَجَاءَ اِلَیْہِ یَلْجَأُ ای اِنْضَمَّ اِلَیْہِ لِیَتَحَصَّنَ بِہٖ" یعنی فلاں اس جگہ سے ملا تاکہ وہاں محفوظ ہو سکے۔ اَوْ مَغٰرٰتٍ یا انہیں ایسی غاریں مل جائیں جو بلند پہاڑوں میں ہوتی ہیں۔
مغٰرت بمعنے غیران یعنی غاریں یا ایسے گڑھے جہاں وہ اپنے آپ کو چھپائیں۔ مغٰرت مغٰرۃ بروزن مفعلۃ کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں انسان چھپ جائے غیر بمعنے غیبٌ و استتارٌ بمعنے غائب ہو جانا اور چھپ جانا۔ اَوْ مُدَّخَلاً مدخل زمین کے اندر کا گڑھا جیسے کنواں۔ مدخل ہر وہ گڑھا جسے کھود کر اندرونی حصّہ کو باہر سے پتھروں کے ساتھ بند کر دیا جائے یا ایسی قوم کی حفاظت کے تحت کسی گڑھے میں گزارنا تاکہ وہ قوم اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان کی نگرانی کریں جن کی نگرانی سے انہیں کسی قسم کا بیرونی خطرہ نہ رہے۔ (کذا فی الحدادی) مُدخل بروزن مفتعل از دخول یہ دراصل مُدْتَخَلٌ تھا، بقانون معروف مدخل ہوا۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا مغٰرت اور مدخل کا عطف ملجاء پر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ لوگ ایسی جگہوں میں چھپ کر محفوظ ہو جاتے تھے۔

اس لیے کہ الملجاء بھی ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان پناہ گزیں ہو تو پھر وہ ہر طرح کے بیرونی خطرہ سے محفوظ ہو جائے۔ لَوَلَّوْا البتہ منہ پھیریں گے اور متوجہ ہوں گے اِلَیْہِ اسی کی طرف یعنی مذکورہ بالا ہر سہ مقامات میں سے کسی ایک کی طرف وَھُمْ یَجْمَحُوْنَ ○ درانحالیکہ وہ دوڑتے ہوں ایسی جگہوں کی طرف تیز رفتار گھوڑے کی طرح ایسے دوڑ کر جائیں کہ انہیں کوئی روک نہ سکے صرف اسی خوف سے کہ انہیں تمہارے ساتھ مل جل کر وقت گزارنے کا موقعہ نہ ملے اور تم سے بہت دُور جا کر بسیں۔

حلِ لغات : یَجْمَحُوْنَ از الجموح بمعنے النفور با سراع تیزی سے بھاگنا، مثلاً کہا جاتا ہے الفرس الجموح، ہر اس تیز رفتار گھوڑے کو کہا جاتا ہے کہ جب تک لگام سے اسے نہ روکا جائے وہ کہیں رُکنے کا نام تک نہ لے۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ منافقین اگرچہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس دعوی میں جھوٹے ہیں اور ان کا قسمیں کھا کر اعتبار دلانا بھی سراسر جھوٹ اور فریب ہے اور وہ صرف اسی طمع پر کہ وہ قتل سے بچ جائیں اس لیے وہ جنگ پر نہ جانے کی معذرت کرتے ہیں تاکہ وہ بجائے تمہارے ساتھ جانے کے گھر پہ رہ جائیں اور

وہ بھی اس لیے کہ انہیں سوائے اپنے گھروں کے اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی ورنہ اگر انہیں پہاڑوں کی بلندیوں پر کوئی جائے پناہ یا پہاڑوں کے اندر غاریں یا زمین کے کوئی ایسے گہرے گڑھے مل جائیں جہاں وہ اپنا سر چھپا سکیں تو وہ ایسی تدبیروں کو کر ڈالتے لیکن انہیں ایسی جگہیں نہیں ملتیں اس لیے مجبور ہو کر تمہارے ساتھ گزارہ کر رہے ہیں ورنہ تم انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے اور چاہتے ہیں کہ تم انہیں لمحہ بھر بھی نظر نہ آؤ۔

ف : آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے بہت زیادہ دشمنی رکھتے تھے اور سر تا پا اُن کے بُغض سے پُر تھے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافق کا مخلص کے ساتھ گزارہ مشکل ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ہم جنس کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔

حکایت حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے گلستاں میں لکھا ہے کہ طوطی کو کوے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کر دیا گیا طوطی کوے کو دیکھ کر کہتی تھی:

ایں چہ طلعت مکروہست و ہیاۃ ممقوت و منظر ملعون و شمائل ناموزوں یا غراب البین یالیت بینی و بینک بعد المشرقین۔

ترجمہ : یہ کیسی بُری شکل اور نظارہ قبیح اور منظر ملعون اور عادتیں گندی ہیں۔ اے کوے! کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔

شعر

علی الصباح بروئے تو کہ برخیزد ۔۔۔ صباح روز سلامت بروِ مسا باشد

بد اخترے چو تو در صحبت تو باشتی ۔۔۔ وے چنانکہ تو در جہاں کجا باشد

ترجمہ : صبح کو جس کی تیرے اوپر نگاہ پڑے گی اس کا سارا دن پریشانی سے گزرے گا، کوئی بدبخت تیرا ساتھی ہوتا لیکن جہان میں تیرے جیسا منحوس کون ہوگا۔

جس طرح طوطی کوے سے نالاں تھی کوا بھی طوطی کی صحبت سے خوش نہیں تھا وہ بھی جوابی طور پر کہتا تھا:

ایں چہ بدبخت نگونست و طالع دوں و ایام بُوقلموں لائق قدر من آنستی کہ با زاغے در و دیوار باغے خراماں ہمی رفتے۔

ترجمہ : یہ کیسا بدبخت اور بُری شکل اور دور کی خرابی کا ملا ہے میرے لائق تو یہ تھا کہ میرے ساتھ دوسرا کوا ہوتا اور ہم دونوں خراماں باغ میں چلتے۔

شعر

پارسا را بس ایں قدر زنداں

کہ بود ہم طویلۂ زنداں

ترجمہ۔ نیک کے لیے اتنی قید کافی ہے کہ اسے کمینوں کے ساتھ جوڑ بنایا جائے۔

کوے نے پھر کہا:

"تا چہ گنہ کردہ ام روزگارم لعقوبت آں در سلک صحبت چنیں ابلہے خودرائے وناجنس دبافہ داری وچنیں بند بلاکردہ است۔

ترجمہ: میں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ مجھے سزا کے طور پر ایسے بیوقوف، متکبر اور ناجنس اور بیہودہ گو کے قید میں پھنسا دیا گیا ہے۔

کس نیاید بپائے دیوارے　　کہ براں صورتت نگار کنند

گرترا در بہشت باشد جائے　　دیگراں دوزخ اختیار کنند

ترجمہ: کوئی بھی ایسی دیوار کے قریب نہیں آئے گا جس پر اس جیسے کمینے کی تصویر ہوگی۔ اگر تیرے جیسے بہشت میں چلے گئے تو دوسرے دوزخ کو جانا پسند کریں گے!

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے یہ مثال اس لیے بیان کی ہے کہ جس طرح دانا کو نادان سے نفرت ہے ایسے ہی نادان کو دانا سے وحشت ہے اس لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے "افیق السجون معاشرۃ الاضداد"۔ تنگ ترین وہ جیل خانہ ہے جہاں غیر جنس کے ساتھ گزارہ ہو۔

حکایت اصمعی کہتے ہیں کہ میں خلیل نحوی کے ہاں حاضر ہوا وہ چھوٹی سی چٹائی پر بیٹھے تھے، مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا میں نے کہا: جگہ تنگ ہے آپ کو تکلیف ہوگی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمام دنیا دو مبغوضوں کے لیے تنگ ہے لیکن دو دوستوں کے لیے صرف ایک بالشت بھی وسیع تر از روئے زمین ہے۔ اسی طرح ایک مشہور عربی مقولہ ہے: الصدیق الموافق خیر من الشفیق المخالف۔ دوست موافق شفیق مخالف سے بہتر ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو آفاق و انفس کی بقدر امکان رعایت کرتا اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں ہر لحظہ لگا رہتا اور دشمنوں سے دور بھاگتا ہے اگرچہ وہ اسے سو بار بھروسہ دیں کہ ہم تمہارے بھائی ہیں منجملہ اعداد کے انسان کا ایک دشمن نفس اور اس کی صفات ہیں اور یہ انسان کو تسلی دلاتی ہیں کہ وہ روح و قلب اور سر اور ان کے طریقوں پر ہے حالانکہ یہ سراسر اس کا جھوٹ ہے اس لیے کہ نفس وغیرہ عالم خلق سے ہیں اور وہ عالم امر و ارواح سے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ عالم اشباح یعنی نفس کی اصلاح کی جائے اور اس کے اندر جتنا رذیل اور ردی اخلاق ہیں انہیں زائل کیا جائے تاکہ وہ روح کی صحبت کے لائق ہو اور اسے انواع ذوق و فتوح کا ذائقہ نصیب ہو۔

وَمِنْهُم اور بعض منافقین میں سے مَّن يَلْمِزُكَ وہ ہیں جو آپ پر عیب لگاتے ہیں اس لیے کہ لمز اور ھمز بمعنے عیب۔ لامز، ھامز اور لماز، ھماز اور ھمزۃ بمعنے عیاب۔ بعض کے نزدیک لامز وہ ہے جو منہ پر عیب ظاہر کردے اور ہامز وہ ہے جو پس پشت عیب بیان کرے۔ فِي الصَّدَقَٰتِ صدقات کے متعلق ہے یعنی آپ جب زکوٰۃ کی تقسیم کرتے ہیں تو منافق آپ کی بدگوئی کرتے ہیں الصدقت صدقۃ کی جمع ہے۔ صدق سے مشتق ہے عطیہ کو صدقہ کہہ کر اس سے ثواب مراد لیا جاتا ہے اس لیے کہ اسی سے بندے نے صداقت فی العبودیت کا اظہار کیا ہے۔ (کذا فی الکرمانی)

شانِ نزول یہ آیت ابی جواظ منافق کے حق میں نازل ہوئی۔ اس نے کہا کہ نبی علیہ السلام کو دیکھو وہ چرواہوں کو زکوٰۃ تقسیم کرکے سمجھتے ہیں کہ اس نبی علیہ السلام نے عدل وانصاف کیا۔

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا ان کی بدگوئی کا بیان ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ ان کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہے اور بس۔ اور انہیں صرف اسی کی حرص ہے کہ اگر انہیں دنیوی مال انہی کی منشاء و مراد پر عطا ہو رَضُوْا تو اس عطیہ سے خوش ہوتے ہیں اور اس طرح کی تقسیم پر راضی ہو کر اس کی بہت بڑی تعریف کرتے ہیں وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَاۤ اور اگر انہیں ان کی منشاء و مراد کی مقدار سے کم ملے اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ○ تو اچانک ناراض ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر انہیں کچھ نہ ملے تو انہیں اچانک غصہ آجاتا ہے، وہ اپنی فطرت کے خلاف فوراً لڑائی جھگڑے پہ تل جاتے ہیں صرف دُنیا کی محبت اور حرص کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صوفیاء کرام کے نزدیک "نفاق" "تزیین الظاهر باركان الاسلام وتعطیل الباطن عن انوار الایمان (ظاہر کو ارکانِ اسلام سے سنوارنے اور باطن کو انوارِ ایمان سے بیکار چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس کا قلب انوارِ ایمان سے بیکار ہو دنیا کی محبت کے ساتھ کفر سے مزین ہوتا ہے، ایسا انسان دنیا ہو تو خوش نہ ہو تو رنج ہوتا ہے۔

شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا؎

نکند دوست زینہار از دوست دل نہادم بر انچہ خاطر اوست

گر بلطفم نبزد خود خواند ور بقہرم براند و داند

ترجمہ: دوست سے دوست پناہ نہیں مانگتا، میں نے تیری رائے پر چلنا ہے اگر لطف سے بلاؤ تو کرم، اگر بہت دکھ دے تو بھی منظور۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے عطیات سے راضی ہوں یعنی جو کچھ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں اسے خوشی سے لے لیں اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام تبرکاً لیا ہے ورنہ غنائم کا دینا لینا بظاہر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ رسول اللہ کا دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دینا ہے کیونکہ وہ جو کچھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے[1] دیتے ہیں فلہٰذا ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

---

[1] اس میں ایک طرف پرویزیوں کا رد ہے دوسری طرف وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں کا، جو رسول علیہ السلام کو بے اختیار مانتے ہیں۔۱۲

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ اور کہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کا فضل کافی ہے جو کچھ اس نے ہمارے لیے کیا ہے وہ ہمیں منظور ہے اس لیے جو کچھ اس کی عنایات ہو رہی ہیں وہ اس کی اپنی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے اس میں ہمارے کسب کو دخل ہو یا نہ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور عطیات سے نوازے گا ان عطیات سے مزید جو ابھی ہمیں عطا ہوئے وَرَسُوْلُہٗ اور اس کے رسول کی طرف سے عنایات ہوں گی اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ ○ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اسی لیے وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ہر ضرورت سے مستغنی بنا دیگا۔ یہ آیت شرط کے قایم مقام ہے اور اس کا جواب محذوف ہے جو کہ لکان خیراً لہم ہے وہ اس لیے کہ جزاء کا محذوف ہونا ظاہر ہے اسے ہر طرح سے سمجھا جا سکتا ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پہ راضی ہونا موجب صد برکات اور اس سے غصہ کا اظہار باعثِ صد نحوسات ہے۔

فائدہ روحانی: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہتا ہے وہ ہر رنج و غم اور حزن و ملال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ؎

رضا بداد و بدہ وز جبیں گرہ بکشا
کہ بر من و تو در اختیار نکشاد است

ترجمہ: محبوب کے لیے رضا و تسلیم کا سر جھکا اور پیشانی سے گرہ ہٹا اس لیے کہ ہمارے لیے کوئی اختیار نہیں رہا گیا۔

اسی کے مطابق کسی نے فرمایا: ؎

بشنو این نکتہ کہ خود را ز غم آزادہ کنی
خون خوری گر طلب روزی ننہادہ کنی

ترجمہ: میرے سے یہ نکتہ یاد رکھ کہ غم سے آزاد ہو ورنہ خون پیتا رہے گا اگر روزی کی فکر کی۔

مقولہ عجیبہ "اذا کان القدر حقا کان السخط حمقا" جب عقیدہ ہو کہ تقدیر حق ہے تو پھر اس سے رنج ہونا حماقت ہے۔

حکایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے بعد مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو آپ سے لوگوں نے کہا: آپ مستجاب الدعوۃ ہیں، اپنی بینائی کے لیے دعا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکانا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔

ف: کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ انسان پیدائش کے وقت انگلیاں بند کرتا اور موت کے وقت کیوں کھول دیتا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے یہ اشعار پڑھے: ؎

و مقبوض کف المرء عند ولادۃ   دلیل علی الحرص المرکب فی الحی
ومبسوط کف المرء عند وفاتہ   یقول انی خرجت بلا شئے

ترجمہ: بچہ پیدائش کے وقت ہاتھ بند کیے ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ زندگی حرص و ہوا کا گھر ہے اور مرتے وقت ہتھیلی کھول کر بزبان حال کہتا ہے کہ میں دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

حکایت

ایک نباش نے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آپ نے اس سے توبہ کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ہزاروں قبریں کھودیں سب کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے سوائے دو بزرگوں کے۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا: وہ مسکین جنہیں رزق نے تنگ کر رکھا ہوگا وہ رزق کے پیچھے پڑے رہے انہیں قبلہ سے منہ پھیرنا پڑا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کے وعدے پر بھروسہ کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی ہے اور یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائے گا جس کی مجھے دین و دنیا میں ضرورت ہوگی وہی پورا کرے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں نہ ہمیں دنیا کی رغبت ہے نہ عقبیٰ کی اور نہ ہی ان دونوں کی نعمتوں کی۔

حکایت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم سے گزرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھی۔ آپ نے اس قوم کے افراد سے پوچھا: تم کیوں ذکر میں مصروف ہو؟ انہوں نے کہا کہ ثواب کی خاطر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بہت خوب۔ پھر ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم ذکر میں کیوں مصروف ہو؟ انہوں نے جواب دیا: عذاب الٰہی کے خوف سے۔ آپ نے فرمایا: خوب۔ ایک تیسری قوم سے گزرے تو ان سے ذکر کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا: نہ ہمیں ثواب کی خواہش ہے نہ عذاب کا خوف بلکہ ہم ذکر اس سے اپنی عبودیت کی ذلت اور اپنے رب کی ربوبیت کی عزت کا اظہار کرتے ہیں اور ذکر الٰہی سے زبان کو اور معرفت الٰہی سے قلب کو شرف دے رہے ہیں۔ یہی الفاظ جو ہماری زبان پر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدسیہ اور اس کی عزت پر دلالت کرتے ہیں اسی لیے ہم اس کا نام لیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: حقیقی ذکر کرنے والے صرف تمہی ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے اسی کی ترجمانی کی ہے:

ے

پدرم روضۂ جنت بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بجوئے نفروشم

ترجمہ: میرے ابا آدم نے دو دانے گندم کے عوض بہشت بیچ ڈالی میں نا اہل بیٹا ہوں گا اگر اسے ایک جو کے بدلے نہ بیچوں۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیئے ہے محتاج اور نرے نادار

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ

اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دیجائے اور گردنیں چھڑانے میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھیرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت

حَكِيْمٌ ۞٦٠ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

والا ہے اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو

اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لیئے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے ہیں

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ

اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیئے

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞٦١ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ

دردناک عذاب ہے تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞٦٢

اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ

کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کے لیئے جہنم کی

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۞٦٣ يَحْذَرُ

آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے منافق ڈرتے ہیں

الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ

کہ ان پر کوئی سورت ایسی اترے جو ان کے دلوں کی

قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

بتادے تم ہنسے جاؤ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِا

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ

للّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا

کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ

قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں

نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع

تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ بیشک صدقات۔ اس سے زکوٰۃ کے جمیع انواع مختلفہ مراد ہیں، سونا چاندی ہو یا جانور وغیرہ۔ اور زکوٰۃ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بندے کی صداقت فی العبودیۃ پر دلالت کرتی ہے۔

(کذا فی الکافی)

اور الازاہیر میں ہے کہ اس کی ترکیب قوۃ فی الشئ قولاً وفعلاً پر دال ہے اور اس کی قوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صدقہ سے بلائیں رد ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے کہ ہر وہ پہلا عمل جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ جمع کرنے پر مقرر فرمایا وہ بنی صدق (بکسر الدال) کے قبیلہ سے تھا اور کندہ قوم کا ایک قبیلہ ہے اس قبیلہ کے منسوب کو صدقی (بالفتح) کہا جاتا ہے اسی قبیلہ کی مناسبت کے لیے صدقہ سے تعبیر کیا جانے لگا۔ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ مخصوص ہیں فقراء ومساکین اور ان کے بعد مذکور ہونے والے جملہ افراد کے لیے ان کے سوا باقی کسی منافق وغیرہ کو نہ دیے جائیں۔ "الفقیر" شریعت کی اصطلاح میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو۔ اور المسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہی قول حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بعض نے ان کی مذکورہ بالا تعریف کے برعکس کہا ہے۔ اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب کوئی مرتے وقت فقیر و مسکین کے لیے وصیت کرے (تفصیل کتب فقہ میں ہے) وَالْعٰمِلِيْنَ

عَلَيْهَا اور صدقہ (زکوٰۃ وغیرہ) جمع کرنے والوں کے لیے۔

مسئلہ: زکوٰۃ جمع کرنے والے کو اس کی کارروائی کے مطابق زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے خواہ وہ بذات خود غنی ہو یا نبیؑ یا ہاشمی۔

مسئلہ: اگر زکوٰۃ جمع کرنے والا زکوٰۃ کا جمع کردہ مال ضایع کر دے تو اسے کچھ نہ دیا جائے۔

مسئلہ: اگر زکوٰۃ دہندہ اپنی زکوٰۃ امام (خلیفہ شرعی) کے ہاں خود پہنچا دے تو اس سے عامل کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ: تبیین میں ہے کہ اگر عامل کی مزدوری سالم جمع کردہ زکوٰۃ کو پہنچتی ہے تو ایسی صورت میں عامل کو جمع کردہ زکوٰۃ سے آدھا حصہ دیا جائے اس موقعہ پر اس کے لیے انصاف کا یہی تقاضا ہے۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جو عرب میں بڑے حصہ دار تھے ان کے بکثرت متبعین تھے، ان کے متبعین اہل اسلام اور کافر ہر دو طرح کے تھے لیکن چونکہ ان کی اسلام کے خلاف آواز دب چکی تھی اور اسلام کی شان و شوکت سے مرعوب ہو چکے تھے اس لیے اسلام قبول کر لیا لیکن نہ بطور منافقت بلکہ بطور صداقت مگر ان میں جاہلیت اور کفر کے اثرات باقی تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا و دولت کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اس لیے ان کے اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے مخصوص مدت تک انہیں زکوٰۃ وغیرہ دینے کا حکم تھا تاکہ انہیں اسلام سے مزید محبت وعقیدت ہو یا کسی غلطی سے کسی وقت اسلام کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔ وَفِي الرِّقَابِ اور گردنیں آزاد کرنے کے لیے۔ مثلاً غلام نے مکاتبت کے پیسے ادا کرنے ہیں تو اسے آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ کی رقم دی جائے اس سے یہ مال مکاتب کو بحیثیت غلام ہونے کے نہ دیا جائے اس لیے کہ خدانخواستہ اگر آزاد نہ ہو سکے تو یہ مال تو اس کے مولیٰ کا ہوگا اور مولیٰ زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ اسی طرح مدیون کے قرضہ کی ادائیگی کی حیثیت ہے کہ وہ بھی مال قرضدار کے ہاں چلا جائے گا اس لیے مدیون کی ذات کی حیثیت کو مدّنظر رکھ کر اسے زکوٰۃ نہ دی جائے بلکہ اس کے قرضہ کی ادائیگی کی حیثیت کو مدّنظر رکھا جائے اس لیے آیت میں للفقراء کے بعد ان چاروں اخیر والوں میں لام نہیں بلکہ فقط فی داخل کیا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ زکوٰۃ کا استحقاق ان چاروں کی ذات کو نہیں بلکہ ان کی جہت استحقاق کو ہے۔ مثلاً غلام کو غلامی سے آزاد کرانا اور مدیون کو اُن کے قرضہ کی ذمہ داری سے چھڑانا اسی طرح مجاہد کی جہاد کی غرض پوری کرنا اور مسافر کی قطع مسافت کی ضرورت پوری کرنا بخلاف پہلے چاروں کے کہ ان کی ذات کو ذاتی استحقاق حاصل ہے بہرحال دوسرے چاروں میں فی سببیہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عذب فلان فی سرقۃ لقمۃ" فلاں کو ایک لقمہ کی چوری سے سزا دی گئی یعنی فی سرقۃ لقمۃ یعنی بسبب سرقہ لقمہ۔

مسئلہ: مکاتب سے بھی غیر کا مراد ہے اگرچہ وہ غنی ہو ایسے مکاتب کی مکاتبت میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے تاکہ وہ مکاتب اپنی جان رہا کرا سکے۔

ف: الرقاب الرقبۃ کی جمع ہے بمعنے گردن۔ عرف میں جملہ جسم۔ شرع میں مملوک (غلام یا لونڈی) کو کہا جاتا ہے۔

وَالْغَارِمِينَ اور قرضداروں کے لیے۔ اس سے وہ قرضدار مراد ہیں جو جائز ضروریات کے لیے قرضہ اٹھاتے ہیں۔

گناہوں کے ارتکاب کے قرضدار مراد نہیں ہیں اور وُہ بھی جن کے ہاں نصاب کامل کی مقدار مال نہ ہو۔

ف : الغارم والغریم ایک ہیں یعنی ہر وہ شخص جس کا کسی پر قرضہ ہو لیکن آیت میں وہ شخص مراد ہے جس پر کسی کا قرضہ ہو۔

ف : مدیون دو قسم کے ہیں :

○ مباح امور کے لیے قرضہ اٹھانے والے کو ادائیگی قرض کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے، لیکن نہ اتنا کہ اس کی ادائیگی قرض کے بعد اس کے پاس کچھ نقد بچ جائے۔

○ لوگوں کی اصلاح اور کارِ خیر میں خرچ کرتا ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ شخص خود بھی مالدار ہو۔ یعنی ایسے شخص کی قرض کی ادائیگی جائز ہے۔

مسئلہ : جو معصیت اور غلط کاریوں کے لیے قرض اٹھاتا رہا ہے، تو ایسے شخص کی ادائیگیِ قرض میں زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ غارم وہ ہے جس کا گھر آگ سے جل جائے یا سیلاب سے بہہ جائے یا عیال داری کی وجہ سے قرضہ اٹھائے۔

وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے فقراء غازی مراد ہیں۔ یعنی وُہ لوگ جو جنگ پہ جانا تو چاہتے ہیں لیکن فقیری اور تنگ دستی کی وجہ سے لشکرِ اسلام کے ساتھ نہیں جا سکتے یا خرچ کی کمی سے یا سواری کے نہ ہونے سے یا کسی اور وجہ سے۔ ایسے غازیوں کو بھی زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ کمائی کر سکتے ہیں اگر ہم انہیں زکوٰۃ کا مال نہ دیں گے اور وہ کمائی میں لگ جائیں تو جنگ میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

ف : لفظ سبیل اگرچہ عام ہے کہ ہر طاعت الٰہی کو سبیل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اب خاص اس عبادت کو کہا جائے گا جو جنگ سے متعلق ہے جب مطلقاً مستعمل ہو گا تو اس سے جنگ مراد ہو گی۔

ف : فی سبیل اللہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ حاجی مراد لیتے ہیں۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ ط اور وہ مسافر جو اپنے علاقہ سے بہت بعید ہو اور اس کے پاس مال و دولت بھی نہ ہو اور اسے ابن السبیل اس کے سفر کے لزوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

مسئلہ : جو شخص مباح سفر طے کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ سفر طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ سکے ایسے مسافر کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے۔ اس کے گھر یا جس شہر میں پہنچنا چاہتا ہے، مال ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ : اسی طرح وہ شخص جس کا مال دوسرے علاقہ میں ہے اور خود گھر میں مقیم ہے اب وہاں تک پہنچنے یا دیگر ضروریات پیش ہوں تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

مسئلہ : کسی کا کسی دوسرے پر قرض ہے اور مقروض اس کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن ادا نہیں کرتا اور اسے ضروریاتِ سفر درپیش ہوں تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس یا گھر پر اور کوئی مال نہ ہو۔ (کذا فی المحیط)

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ یہ مصدر ہے جیسا کہ آیت کا ابتداء دلالت کرتا ہے اس لیے کہ "انما الصدقٰت للفقراء" بمنزلہ "فرض اللہ لھم الصدقٰت فریضۃ" کے ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے لیے ہمارے اوپر اپنی طرف سے زکوٰۃ فرض فرماتا ہے۔
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال اور ان کے استحقاق کے مراتب خوب جانتا ہے حَكِيْمٌ ○ حکیم ہے اور جملہ نیک امور اپنی حکمت کے تقاضا پر سرانجام دیتا ہے منجملہ ان کے حقوق مذکورہ ان کے مستحقین کو دینا۔

ف

حق تعالیٰ چوں در قسمت کشاد ہر کسے را ہرچہ می بائست داد
نیست واقع اندراں قسمت غلط بندہ را خواہی رضا خواہی سخط

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی قسمت خود لکھی ہے اس کی تقسیم غلط نہیں، چاہے بندہ خوش ہو یا ناخوش۔
مسئلہ: مؤلفۃ قلوبھم کا حصۂ زکوٰۃ باجماعِ صحابہ ساقط ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت و کثرت بخشی ہے اور اسلام کو عزت ملی اور کلمۃ الٰہی بلند ہوا تو اب کسی کو تالیفِ قلب کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فرمایا کہ اسلام کو ضرورت نہیں کہ رشوت دے کر اس کا کام چلایا جائے۔ اے مرتدو! رشوت کے بغیر اسلام پر ثابت قدم رہ سکتے ہو تو الحمد للہ، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ اس معنے پر زکوٰۃ کے مصارف باقی صرف سات ہیں۔
مسئلہ: زکوٰۃ دینے والا چاہے تمام اقسام کے افراد کو دے یا کسی ایک قسم کے متعدد افراد کو یا صرف ایک فرد کو دے دے جائز ہے۔ اس لیے کہ للفقراء کی لام مصارفِ زکوٰۃ کے بیان کے لیے ہے کہ زکوٰۃ ان مصارف کے سوا کسی اور جگہ پر نہ خرچ کی جائے۔ جیسے ہم کہتے ہیں خلافۃ بنی عباس یا میراث فلاں لقرابتہ۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خلافت بنو عباس سے خارج نہ ہوگی اور میراث فلاں کی قرابت ہے۔ جیسے یہاں عدم خروج مطلوب ہے ویسے وہاں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس مصرف میں وہ سب برابر ہیں جیسے میراث و خلافت میں برابر نہیں ایسے ہی یہاں۔
ف: للفقراء کی لام تخصیص کی ہے تملیک کی نہیں اس لیے کہ تملیک المجہول شرعاً ناجائز ہے۔
مسئلہ: ہمارے مشایخ نے فرمایا کہ مثلاً کوئی ایک روپیہ زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو وہ کسی ایک مستحق فقیر کو دے دے۔ ایسا نہ کرے کہ اس روپے کے سو پیسے کر کے ایک صد مساکین کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ (کذا فی المحیط)
مسئلہ: صدقۂ فطر میں بھی ایسا ہی کرے کہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا فطرانہ ایک ہی فقیر یا مسکین کو دے دے، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (کذا فی التمرتاشی)
مسئلہ: بمقدار نصاب ایک ہی فقیر غیر مدیون یا مسکین غیر مدیون کو دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ فقیر یا مسکین قرضدار یا صاحبِ عیال ہے یا ان کو علیحدہ علیحدہ اتنا دے کہ وہ مال ملایا جائے تو نصاب کی مقدار ہو جائے (اگرچہ یہ مال ایک گھر میں جائے) تو بھی جائز ہے۔ (کذا فی الاشباہ)

ف : مکروہ کا مطلب فقہ کی اصطلاح میں یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل مع کراہت جائز ہے۔ مثلاً فقیر غیر مدیون کو زکوٰۃ بمقدار نصاب بیک وقت دینا جائز ہے اس لیے کہ وہ مالِ زکوٰۃ فقیر کو دیا گیا ہے اور زکوٰۃ کے لیے بھی یہی شرط تھی کہ وہ فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے اور بوقتِ ادائیگی زکوٰۃ وہ شرط موجود ہے اس لیے کہ قبل از تملیکِ مال وُہ شخص فقیر تھا اگرچہ تملیک کے بعد غنی ہو گیا ہے تو تملیک کے بعد کا غنی ہونا ہمارے لیے مضر نہیں۔ اور مکروہ اس لیے ہے کہ ایک فقیر کو بیک وقت دولت مند بنا دیا گیا، اس سے وہ اچھا تھا کہ کئی فقراء کی تنگدستی دور کی جاتی۔

مسئلہ : فقیر کو اتنا مالِ زکوٰۃ دینا مستحب ہے کہ اسی روز اپنی ضرورت کا سوال نہ کرتا پھرے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ فقراء کو سوال کی ذلت سے مستغنی کرو اس لیے کہ سوال ذلت ہے اور مسلمان کو ذلت کے وقوع سے بچانا ضروری ہے۔

مسئلہ : جس کے پاس ایک دن کی ضرورت کا اسباب موجود ہے اسے اس سے زاید کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ سوال ذلت ہے اور مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ذلت سے بچائے۔ علاوہ ازیں بلا ضرورت سوال کرنا حرج کشی ہے، اور اپنے آپ کو حرج میں ڈالنا حرام ہے۔

ف : اگرچہ اوصاف مذکورہ میں مسلم و کافر دونوں شامل ہیں لیکن زکوٰۃ صرف مسلمان کو دینا جائز اور کافر کو دینا ناجائز ہے بتخصیص احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ : بے نمازی کو زکوٰۃ نہ دینا چاہیے، ہاں دینا جائز ہے لیکن گناہ ہے گا ہے۔ (کذا قال ابوحفص)

مسئلہ : صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ عالم فقیر محتاج کو دینا افضل ہے بہ نسبت فقیر جاہل کے۔

مسئلہ : نفل صدقات مذکورہ اوصاف والوں کے مسلم اور ذمی کے علاوہ مساجد اور پُلیں بنانا، میت کو کفنانا اور اس کا قرض وغیرہ ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دیگر مصارف، اس لیے کہ صدقات نافلہ میں تملیک شرط نہیں ہے۔

حیلہ شرعیہ : اگر ان پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا چاہے تو زکوٰۃ کا مال کسی فقیر کی تملیک کر دے اور اسے کہے کہ اسے مسجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کر دے، اس میں دونوں ثواب کے مستحق ہوں گے یعنی زکوٰۃ دہندہ اور فقیر۔

مسئلہ : اگر کسی زندہ فقیر کا قرضہ اپنی زکوٰۃ سے اتار دے تو اس کی دو صورتیں ہیں :

۱۔ فقیر مدیون نے حکم دیا ہے تو اس کے حکم سے قرضہ میں دی تو یہ جائز ہے اس لیے کہ فقیر کے حکم سے زکوٰۃ قرض لینے والا فقیر کا حکماً وکیل ہوگا اور وکیل کا قبضہ درحقیقت مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے۔

۲۔ اگر فقیر کے حکم کے بغیر اس کے قرضہ میں زکوٰۃ دی تو یہ ادائیگی تبرعاً نوافل میں داخل ہوگی، زکوٰۃ کے لیے اور رقم فقیر کی تملیک کرے۔

مسئلہ : مجنون اور صبی غیر مراہق کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر ان کی طرف سے ان کا وُہ متولی قبضہ کرے جو ان کے

مال قبضہ کرنے کا حق رکھتا ہے مثلاً باپ، یا وصی وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: مراہق عاقل (صبی) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (کذا فی المحیط)

ف: مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ بیت المال میں چار طرح کا مال جمع ہوتا ہے:

۱۔ زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، ان کا مصرف وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انما الصدقات للفقراء (الآیہ) میں بیان فرمایا۔

۲۔ مالِ غنیمت، اس کا مصرف یتامٰی، مساکین اور ابن السبیل ہیں۔

۳۔ جزیہ وخراج، اس کا مصرف اہلِ اسلام اور دار الاسلام کی ضروریات جیسے سرحدوں کی نگرانی اور جنگی ہتھیار و اسباب وغیرہ اور جنگیوں کے مصارف وغیرہ وغیرہ جزیہ وخراج کو امن طرق پلوں کی اصلاح اور ان کی تعمیرات اور نہروں کی کھدائی اور حکام وقضاۃ، ملازمین، ائمہ وخطباء، مؤذنین، محتسبین، مفتیوں اور معلموں کی تنخواہوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ میت کا وہ ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، اسی طرح زوج زوجہ کا بقایا جبکہ ان کا سوائے ان کے اور کوئی وارث نہ ہو۔ اس کا مصرف مریضوں کی ضروریات اور ان کی ادویہ پر کرنا جبکہ وہ عاجز اور فقیر ہوں۔ اسی طرح ایسے غرباء ومساکین پر، جو کمائی نہ کر سکتے ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے صدقات۔ ان صدقات سے مراد وہ ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا صدقہ مقرر ہے جو اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے خرچ کرتا ہے الفقراء سے صوفیاء کے نزدیک وہ حضرات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی وجہ سے مستغنی اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

الفقراء الصبر ھم جلساء اللہ۔ فقراء صبر گزار ہی اللہ تعالیٰ کے جلیس (ہمنشیں) ہیں۔

کا بھی یہی مطلب اور مقصد ہے۔ حضرت الواسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الفقیر لا یحتاج الی اللہ۔ فقیر اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں۔

یعنی چونکہ وہ مستغنی باللہ ہے۔ اور جو جس کی وجہ سے غنی ہو وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ وہ خود اسے احتیاج تک نوبت پہنچنے نہیں دیتا۔ المساکین اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں اوصاف الوجود سے بقایا نصیب ہوا۔ ایسے حضرات کے لیے بحرِ طلب میں قلب کی کشتی ہے جسے محبت کے خضر نے توڑا، اس لیے کہ ان کے پیچھے ان کا وہ بادشاہ تھا جو ہر کشتی صحیح سالم کو چھین لیتا تھا۔ العاملین سے وہ حضرات مراد ہیں جو صاحب العمل ہیں، یعنی الفقراء والمساکین صاحب الاحوال تھے اور یہ صاحب العمل المؤلفۃ قلوبھم سے وہ جن کے دل اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لیے چل نکلنے میں ذکرِ حق سے مانوس ہیں، اس لیے کہ یہی حضرات ما سوی اللہ سے بعید ہونے کی وجہ سے قربِ الٰہی کے متلاشی رہتے ہیں وفی الرقاب یعنی وہ

متانب جن کے قلوب موجودات کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تاکہ فارغ البال ہو کر پوری جدوجہد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں۔ شرعاً مکاتب وُہ ہے جسے آزاد ہونے پر کچھ رقم اپنے مالک کو دینی ہو الغارمین اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکونات کے مراتب سے اوصاف وطبائع قرض لیے ایسے لوگ وجود کے قیدخانہ میں اپنے قرضہ جات میں گرفتار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ قرضوں کی ادائیگی میں جدوجہد کرتے ہیں ان کی جان رہائی انہی صدقات الٰہیہ مذکورہ سے ہوتی ہے فی سبیل اللہ وہ مجاہد مراد ہیں جو جہادِ اکبر میں مشغول رہتے ہیں یعنی کفار نفوس و ہوٰی وشیطان اور دنیا سے جہاد کرنے والے ابن السبیل وُہ مسافر جو طبیعت و بشریت کے وطن سے دُور ہو کر شریعت وطریقت کے قدموں پر چلتے ہُوئے انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں فریضۃ من اللہ یعنی الیسی سیر اور جہادِ اکبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے اور قرض کی ادائیگی اور موجودات کی قید و بند سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اسے شریعت کے اعمال میں مشغول رکھنا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بنانا تاکہ اس سے استغنا نصیب ہو۔ یہ امور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب فرمائے ہیں اور یہ صدقات مذکورہ عطایا ربانیہ اور الطاف الٰہیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے صرف طالبانِ حق اور صادق القلوب حضرات کے لیے مخصوص فرمائے ہیں اور یہ ایسے صدقات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم پر واجب فرمائے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو بندہ مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے ضرور پالیتا ہے واللہ علیمٌ اللہ تعالیٰ اپنے طلب گاروں کو جانتا ہے حکیمٌ اپنے طلب کے وجدان کی معاونت کی حکمت اسی کو معلوم ہے کہ کسے وجدان کی طلب میں معاونت کرنی ہے اور کسے نہیں۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ جو میرے ہاں ایک بالشت چل کر آتا ہے تو میں اس کے لیے ایک ہاتھ چل کر آتا ہوں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اوصاف موجودات سے فنا اور کائنات کی قید و بند سے آزادی حاصل کر کے انہی صدقات ونفحات کی طلب کے لیے اپنے آپ کو محتاج بنا کر پیش کرے۔

تفسیر عالمانہ: وَمِنْهُمُ اور بعض منافقین وُہ ہیں جیسے جلاس بن سوید اور اس کے ساتھی الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں یعنی ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ایک انسان کو دُکھ پہنچے وَيَقُولُونَ اور کہتے ہیں اس کے جواب میں جو کسی نے کہا کہ ایسی باتیں مت کرو اس لیے کہ یہ باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوں گی اور وہ برسرِ مجلس بیان کریں گے تو تم شرمسار ہو گے تو منافقین اس کے جواب میں کہتے هُوَ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم أُذُنٌ کان ہیں کہ وہ ہر قسم کی باتیں سُن لیتے ہیں اس لیے ہم جو چاہیں کہتے رہیں گے پھر ان کے ہاں حاضر ہو کر انکار کر دیں گے بلکہ حلف اٹھا دیں گے اور وہ ہماری بات کی تصدیق کر دیں گے اس لیے کہ محمد اذن سامعۃ، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کان ہیں سُننے والے، حضور علیہ السلام کو منافقین نے کان مبالغہ کے طور پر کہا اس لیے کہ

جس طرح کان ہر طرح کی بات سُن لیتا ہے ایسے وہ اس سے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو کسی معاملہ کی سمجھ بوجھ نہیں معاذاللہ بھولے بھالے ہیں جب انہیں کوئی ہمارے خلاف بات سنائے گا تو ناراض ہو جائیں گے لیکن جب ہم جا کر قسم کھائیں گے تو ہماری بات مان لیں گے یہ نہیں دیکھیں گے کہ ہم سچی قسمیں کھا رہے ہیں یا جھوٹی۔

رد وہابیہ دیوبندیہ اس سے کسی بیوقوف کا دماغ گواہی دے گا کہ آپ کو منافقین کی اس غلط روی کا علم نہیں تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ان کی ایسی شرارتوں کا علم تھا لیکن ظاہر نہ کرتے۔ اس کی چند وجوہ تھیں جو صاحب روح البیان نے بیان فرمائی ہیں کہ:

لانہ علیہ السلام کان لایواجہم بسوء ماصنعوا ویصفح عنہم حلما وکرما۔ حضور علیہ السلام منافقین کی برائی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ ان کے سامنے حوصلہ اور کرم فرمائی سے پیش آتے۔

(روح البیان ص ۹۱۷، ج ۱ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

البتہ آپ کی اس طرز سے لاعلمی کا قول منافقین نے کیا جیسے آج وہابی دیوبندی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ

فظن اولئك انہ علیہ السلام انما یفعل لقلۃ فطنۃ وقصور شہامۃ۔ ان منافقین نے سمجھ رکھا تھا کہ ہمارے لیے چشم پوشی نہیں بلکہ سرے سے نبی علیہ السلام کو علم نہیں ہوتا۔ (معاذاللہ)

قُلْ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے۔ **اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ** وہ خیر کا کان تمہارے لیے ہے یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے رجل صدق میں اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ واقعی وہ کان تو ہیں لیکن ان کا ایسا ہونا نہایت ہی بہتر ہے اس لیے کہ جو کسی کا عذر سُن کر قبول نہ کرے۔ لیکن محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ ان کے کریم اور حسن خلق ہونے کی ترجمانی کرتی ہے۔

اہلسنت کا طریقہ آیت میں جس لفظ کو منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب بنا کر پیش کیا بعینہٖ اسی لفظ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت وستائش اور ان کا اعلیٰ وصف ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا۔[1]

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ اذن خیر لکم کی تفسیر ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی اپنے دلائل قویہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی لیے جو اللہ تعالیٰ کا ہر حکم سُن کر قبول کرتے ہیں اور وہ نہ صرف مخاطبین کے لیے بلکہ جملہ عالمین کیلئے

---

[1] الحمد للہ یہی طریقہ ہم اہلسنت نے اپنایا ہے کہ ہم اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو ادائے حق مانتے ہیں بخلاف دیوبندیوں وہابیوں کے کہ حضور علیہ السلام کی ہر اعلیٰ اور بہتر صفت کو گھٹیا طرز میں بیان کرتے ہیں۔ ع

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا (اویسی غفرلہٗ)

خیر ہیں جیسا کہ آپ کا خیر ہونا کسی سے مخفی نہیں وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور اہل ایمان کے اقوال کو مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ انہیں یقین ہے کہ اہل ایمان کی ہر بات مبنی بر صدق اور پُر از اخلاص ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مومن مخلص جس بات کی خبر دے گا وہ حق اور سچ ہوگی جو اسے سن کر قبول کرے گا وہ اذن خیر ہوگا، لام زائدہ ہے تاکہ ایمان معروف (جو کہ دائمی جہنم میں داخل ہونے سے نجات والا اور کفر کا نقیض ہے)، اور ایمان لغوی کے درمیان فرق ہو ایمان معروف با سے متعدی ہوتا ہے۔ مثلاً امن باللہ اور یؤمنون بالغیب اور لغوی ایمان بمعنے تصدیق و تسلیم و قول یہ لام سے متعدی ہوتا ہے مثلاً وما انت بمؤمن لنا ای بمصدق وَرَحْمَةٌ اس کا عطف اذن خیر پر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں اور مصدر مبالغۃً لایا گیا ہے یعنی رحمۃ بمعنے رحیم۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تمہارے میں سے ایمان ظاہر کیا، اس سے منافقین مراد ہیں یعنی چونکہ منافقین نے ایمان کا سہارا لیا اس لیے حضور علیہ السلام ان کی بات مان لیتے ہیں لیکن ان کی تصدیق کے طور پر نہیں بلکہ ان پر ایمان کی وجہ سے شفقت کے طور پر اور ان پر رحمت بن کر ان کی شرارتوں کو جاننے کے باوجود ان کے اندرونی امور ظاہر نہیں فرماتے اور نہ ہی ان کے پردے فاش کرتے ہیں۔

کاشفی نے لکھا کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے حالات سے بے خبر تھے اور انہیں ان کے سچ اور جھوٹ کا علم نہ تھا بلکہ انہیں منافقین کے تمام حالات معلوم تھے لیکن آپ ان کے ظاہری ایمان کی لاج رکھتے ہوئے ان کی پردہ دری بھی فرمانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے ساتھ ہر معاملہ میں نرمی فرماتے (اس نسے وہابیوں دیوبندیوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس دلیل سے بار بار کہتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لاعلمی سے منافقین سے نیک برتاؤ کرتے۔

سبق: ہر مومن پر لازم ہے کہ پردہ پوشی میں حضور نبی علیہ السلام کی سیرت اپنائے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قولاً و فعلاً ایذاء دیتے ہیں۔ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء دینے کے۔

ف: اس لیے کہ حضور سرور عالم ان کے لیے رحمت و احسان فرماتے تھے اور وہ بدبخت منافق ان کے عوض انہیں ایذاء دیتے۔ اسی لیے خوانخواروں ظالموں کو دردناک عذاب کا ہونا لازمی امر ہے۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ منافقین کی عادت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کی جی بھر بدگوئی کرتے پھر اہل ایمان کے ہاں قسمیں کھا کر معذرتیں کرتے اور انہیں ہر طرح راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ اے مسلمان بھائیو! ہم نے بالکل نہیں کہا جو کچھ تمہیں ہمارے متعلق کہا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں سراسر غلط ہے۔ اسی پر بڑی بڑی قسمیں کھا جاتے۔ لِيُرْضُوْكُمْ تاکہ وہ تمہیں اس پر راضی کریں وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول

صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ منافقین اپنے کفر سے تائب ہوں اور طعن و تشنیع بالکل ترک کردیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غائبانہ ان کے اجلال و اکرام اور تعظیم و تکریم میں مبالغہ کریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر قبول کرلینا یا ان کے عیوب پر پردہ ڈالنا ان کی رضا کی علامت نہیں ہے وہ تو ان کی شانِ رحیمی ہے، منافقین کو چاہیے کہ اگر واقعی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو وہی کریں جو ہم نے اوپر کہا ہے۔

سوال: یرضوہ کی ضمیر واحد کیوں؟

جواب: ۱۔ اس میں اشارہ ہے کہ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے حق ہے، ان دونوں میں فرق کرنا کسی بد دماغ کا تصور ہوگا اس لیے کہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں لہٰذا ایک کے ذکر سے دوسرے کا ذکر لازمی ہو جاتا ہے کیونکہ ان کا آپس میں جدا ہونا ناممکن ہے۔

۲۔ یہ ضمیر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے تو ان کا راضی کرنا بھی ضروری ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی محض تبرکًا ہے۔

۳۔ یہ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تاکہ معلوم ہو کہ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے حق ہے، اس لیے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے رضائے الٰہی خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا "واذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم" اور جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مابین فیصلہ فرمائیں اس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کا ذکر ہے اس میں بھی یہی تنبیہ مطلوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

۴۔ یہ ضمیر تو دونوں کی طرف راجع ہے لیکن اسے ھذا کے معنی میں استعارہ کیا گیا ہے اور ھذا کا واحد اور متعدد کی طرف اشارہ جائز ہے لیکن اس مشارٌ الیہ کو مذکور کی تاویل میں واحد تصور کیا جاتا ہے جب مشار الیہ متعدد ہو۔

سوال: جب مشار الیہ کو مذکور کی تاویل میں لیا جاتا ہے پھر ضمیر کو ھذا کے معنی میں استعارہ کا کیا معنیٰ؟

جواب: ضمائر کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف ذات تک محدود رہتی ہیں انہیں مذکورہ اشیاء کے اوصاف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف اسم اشارہ کے کہ اس کا تعلق اشیاء مذکورہ کے اوصاف سے ہوتا ہے۔

ف: حدادی نے لکھا کہ اگرچہ نحوی قاعدہ کا تقاضا یہی تھا کہ یرضوہ، یرضوھما ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا کرنا یہ لانا مکروہ ہے جو ایک ہی جنس کے دونوں کو اکٹھا کردے۔

حدیث وحکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیب سے سُنا، جس نے خطبہ میں پڑھا:
"من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی۔"

لہ اس مبالغہ سے آج بھی وہابی دیوبندی گھبراتے ہیں بلکہ ہم اہلسنت کو نبی علیہ السلام کی جائز تعریف کرنے پر غالی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں ۱۲۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

بئس الخطیب انت ۔ تُو برا خطیب ہے ۔ تیرے لیے لازم تھا کہ تُو کہتا، و من یعص اللہ و رسولہ ۔ (کذا فی ابکار الافکار)

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کے ساتھ دوسرے کے نام کو جمع کرنے سے کراہت ظاہر فرمائی کہ ایک قسم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو ملایا جائے تاکہ کسی کو برابری کا وہم نہ ہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

متکلم را تا کسے عیب نگیرد سخنش صلاح نپذیرد ۔ ست

مشوغرہ بحسن گفتار خویش
بتحسین ناداں و پندار خویش

ترجمہ: متکلم کو جب تک عیب کی نشاندہی نہ کی جائے وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔

اپنی اچھی گفتار پہ مغرور نہ ہو جب کہ بیوقوف تیری تعریف کریں یا تمہیں اپنی باتوں پر خوش فہمی ہو۔

حدیث شریف: یوں نہ کہو ماشاء اللہ و شاء فلان ۔ اللہ تعالیٰ اور فلاں جو کچھ چاہے گا ۔ بلکہ کہو ما شاء اللہ ثم شاء فلان ۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ پھر فلاں چاہے گا۔

مسئلہ: خطابی نے فرمایا: اس میں ادب سکھایا گیا ہے اس لیے کہ واو تسویہ و تشریک کا فائدہ دیتی ہے اور ثم عطف مع ترتیب و تراخی کا فائدہ دیتا ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے مشیت میں پہلے اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی دوسرے کا نام لینے کا ادب سکھایا ہے۔ اس معنی پر نخعی نے کہا: اعوذ باللہ وبك کہنا مکروہ ہے، ہاں اعوذ باللہ ثم بك بلا کراہت جائز ہے ۔ اسی طرح لولا اللہ ثم فلان کہنا جائز ہے اور لولا اللہ وفلان کہنا ناجائز ہے۔

سوال: ومن یطع اللہ ورسولہٗ قرآنی نص پہ کیوں جائز تھا حالانکہ اس میں بھی مذکورہ بالا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا ہر حکم بندوں کے لیے عبادت ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ اطاعتِ رسول بھی درحقیقت عبادتِ الٰہی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی درحقیقت اطاعتِ الٰہی ہے۔

اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ اگر وہ سچے ہیں اظہارِ ایمان میں، تو ان پر فرض ہے کہ طاعتِ رسول بجالائیں اور ایمان میں اخلاص پیدا کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا کیا انہیں معلوم نہیں یعنی منافقین کو، یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے انہیں نبوت کے متعلق عظمت گھٹانے پر جھڑکا گیا ہے باوجودیکہ انہیں اس کی بدانجامی معلوم تھی اَنَّهٗ بیشک شان یہ ہے کہ مَنْ یہ شرطیہ ہے یعنی ہر وہ شخص جو کہ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتا ہے اور ان کے متعین کردہ حدود

سے تجاوز کرتا ہے المحادۃ کسی سے جنگ یا کسی کے حکم کے خلاف کرنا کذا فی تاج المصادر مفاعلہ اس کا مادہ الحد بمعنے الطرف والنہایۃ اور چونکہ ہر دو مخالف و معاند اپنے خصم کی حد و طرف کے غیر کی جانب ہوتا ہے۔ بنا بریں اسے "المحادۃ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی پس اپنے نالائق کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا جہنم کی آگ ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ○ وہی دائمی عذاب بہت بڑی ذلت و خواری ہے جس سے انہیں ہمیشہ رسوائی و ندامت نصیب ہوگی۔ یہ تمام خرابی انہیں منافقت کی وجہ سے حاصل ہوئی کہ کھلم کھلا آپ کے سامنے ان کی رسوائی کا اظہار ہوا اور آخرت میں خصوصی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف: ہر نبی علیہ السلام اپنے زمانے کے کفار سے ایذاء دیے گئے۔ لیکن کفار نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ستایا۔ چنانچہ خود فرمایا:

"ما اوذی بعض مثل ما اوذیت" جتنی مجھے اذیت دی گئی اتنی اذیت کسی نبی علیہ السلام کو نہیں پہنچی ہوگی۔

نکتہ: چونکہ ایذاء سے تصفیۂ قلب ہوتا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کو اذیتیں پہنچنا لازمی امر تھا۔ (اس سے وہابیوں دیوبندیوں کا اعتراض اٹھ گیا کہ انبیاء علیہم السلام کو کچھ اختیار ہوتا تو اپنے دشمنوں سے کیوں مار کھاتے) (معاذ اللہ)

سوال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے موقع پر مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ پر ایک منافق نے بے انصافی کا الزام لگایا۔ آپ نے منافق سے اتنا فرمایا کہ "اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کون انصاف کر سکتا ہے"۔ اس کے بعد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحمتیں نازل فرمائے وہ میرے سے زیادہ ایذاء دیے گئے۔ لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام سے ایسی ایذاؤں کے صبر میں موسیٰ علیہ السلام کو فوقیت حاصل تھی اور اوپر کی حدیث سے حضور علیہ السلام اپنی فوقیت کا اظہار فرما رہے ہیں۔

جواب: موسیٰ علیہ السلام کو ایک واقعہ کے بعد فوقیت کا اظہار فرمایا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک واقعہ کی فوقیت کلی فوقیت سے ترجیح نہیں پاتی۔ اور حدیث اول میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر کفار کی اذیتیں مجموعی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی اذیتوں سے زائد تھیں[1]۔

ف: جب انبیاء علیہم السلام کی اذیتیں تصفیۂ قلوب کا سبب ہیں تو اولیائے کرام کے لیے بطریق اولیٰ تصفیۂ قلوب ہوں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب انور، اطہر، اصفیٰ ہوتے ہیں انہیں اتنی ضرورت نہیں ہوتی جس قدر حضرات اولیاء کرام کو تصفیہ کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام پر تقدس اغلب اور ان کے بواطن و اسرار اصفیٰ ہوتے ہیں بخلاف اولیاء کرام

---

[1] یہی جواب دیوبندیوں وہابیوں کے ان اعتراضات پر صادق آتا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے علمِ غیب اور نفی اختیار میں جزئیات و واقعات کا سہارا لیتے ہیں اور ہم بفضلہ تعالیٰ آیات و احادیث کلی طور پر پیش کرتے ہیں۔

کے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام کے درجات کہاں۔ بنابریں انہیں کبھی کسی شہادت سے، کبھی شہر بکالی سے، کبھی کسی مصیبت سے تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

مختارکل اور جواب وہابیت و دیوبندیت

وہابی دیوبندی ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اگر اختیار ہوتا تو اپنے نواسوں کو بچا لیتے۔ اس کے متعلق صاحب روح البیان پہلے جواب دے گئے ہیں؛

وانما کان الحسن مسموما والحسین مذبوحا رضی الله عنهما بسبب ان کمال تعینهما کان بالشهادة وکان النبی صلی الله علیه وسلم قادرا علی تخلیصهما بالشفاعة من الله تعالیٰ ولکنه رأی کمالهما فی مرتبتهما راجحا علی الخلاص۔	حضرت حسن کی زہرخوری اور حضرت حسین کی شہادت میں کمال تھا اور حضور علیہ السلام ان کے معاملات کو جانتے اور قدرت رکھتے تھے کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کر کے بچا لیتے لیکن چونکہ ان کا کمال اسی میں تھا اس لیے آپ نے شفاعت نہ کی۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۱۸ مطبوعہ مصر قدیم تحت آیت ہذا)

اور یہ بھی (وہابیہ دیوبندیہ) کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو حسنین رضی اللہ عنہما کا علم بھی نہ تھا۔ اس کا جواب بھی صاحب روح البیان عنایت فرماتے ہیں کہ؛

حتی انه علیه السلام دفع قارورتین لواحدة من الازواج المطهرة وقال اذا اصفرما فی احداهما یکون الحسن شهیدا بالسم واذا احمر ما فی الاخری یکون الحسین شهیدا بالذبح فکان کذلك۔ (ایضاً ج ۱، ص ۹۱۸)	یہاں تک کہ آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کو دو شیشیاں عنایت فرمائیں اور فرمایا جب ان میں ایک زرد ہو جائے تو سمجھنا کہ حسن کو زہر دی گئی۔ اور جب دوسری سرخ ہو جائے تو یقین کرنا کہ حسین کی شہادت ہو گئی کہ ان کی گردن اتار لی گئی۔

سبق، عاقل پر اطاعت و تسلیم لازمی ہے اور اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کم بخت منافق کی باتوں سے حوصلہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر متقی مومن کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہو جب اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہے اور اس کے ہر دکھ اور درد کو کھولنے والا ہے تو پھر کیوں نہ عاشق صادق پر ہر مصیبت اور بلا آسان ہو بلکہ اس کے لیے وہ مصائب و مشکلات راحت و سرور اور کیف و مستی کا موجب نہیں گے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کجا باشد شہ ما را بساط — ہست صحرا گر بود سم الخیاط

ہر کجا کہ یوسفے باشد چو ماہ — جنتست ار چہ باشد قعر چاہ

ترجمہ؛ جہاں بادشاہ کی اقامت گاہ ہو وہ خوش منظر میدان ہوگا اگرچہ بظاہر جنگل یا تنگ جگہ جہاں یوسف علیہ السلام تشریف رکھتے ہوں وہ جگہ بہشت ہوگی اگرچہ کنویں کا گڑھا ہو۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ منافقوں کو خطرہ ہے کہ اہل ایمان پر نازل ہو جائے **سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ**

ایسی سورۃ کہ انہیں باخبر کرے۔ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اس سے جو ان کے دلوں میں ہے یعنی منافقین کے دلوں میں جو شرک ونفاق ہے جس سے انہیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑے اور ان کے پردے فاش ہو جائیں۔ اس جملہ میں پہلے ھُمْ ضمیر اہلِ اسلام کے لیے اور پچھلا منافقین کے لیے ہے۔

سوال: اس طرح سے انتشار الضمائر لازم آتا ہے اور نحویوں کے نزدیک مکروہ ہے۔

جواب: انتشار الضمائر اس وقت مکروہ ہے جب معاملہ مبہم ہو۔ اور جب معاملہ اظہر من الشمس ہو تو پھر کسی قسم کی کراہت نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے تمام ضمائر منافقین کی طرف لوٹائے ہیں اب معنیٰ یہ ہوگا کہ منافقوں کو خطرہ رہتا ہے کہ ان کے متعلق کوئی ایسی سورۃ نہ نازل ہو جائے جو ان کے اندرونی حالات کو عوام کے سامنے کھول دے۔

سوال: سورۃ تنبئہم کی ضمیر اگر منافقین کی جانب لوٹائی جائے تو معنیٰ نہیں بنتا اس لیے کہ وہ سورۃ منافقین کو کیا خبر دے گی جبکہ وہ خود پہلے سے باخبر ہیں کیونکہ ان کا اپنا اندرونی معاملہ ان کو معلوم ہونا لازمی امر ہے۔ اس طرح سے یہ ضمیر خواہ مخواہ ہی اہلِ ایمان کی طرف راجع ہو تب معنیٰ صحیح ہوگا۔ پھر جب معنیٰ صحیح ہوگا تو وہی خرابی لازم آئے گی یعنی انتشار الضمائر۔

جواب: منافقین کو معلوم کرا دینے کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہیں معلوم نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ ان کے حالات آیت اور سورۃ کے بیان کرنے سے عوام میں پھیل جائیں گے۔ پھر وہ عوام سے اپنے حالات وغیرہ سنیں گے تو گویا وہ اپنے حالات ابھی سُن رہے ہیں ان کا اپنا علم سابق کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

سوال: منافقین کو سورۃ کے نزول سے خطرہ کیوں جبکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہی نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی وحی نازل ہوتی ہے۔

جواب ۱: منافقین میں بعض افراد ایسے بھی تھے جنہیں نبی علیہ السلام کی نبوت کا یقین تھا لیکن عناداً یا کفار کی خوشامد کے طور پر آپ کی نبوت کا اقرار (تصدیق) نہیں کرتے تھے اور کفار کے سامنے تحقیقی طور پر کفر وشرک کا ارتکاب کرتے ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہیں حضور علیہ السلام کی نبوت پر شک اور تردد تھا اور شک کرنے والا اور متردد کبھی ایسی باتوں سے گھبراتا ہے کہ ممکن ہے ان پر وحی کا نزول ہو جائے کہ جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو اور وہ عوام کے سامنے شرمسار ہوں۔

جواب ۲: ابو مسلم نے فرمایا کہ وہ اس گھبراہٹ کا اظہار بطور استہزاء کرتے تھے اس لیے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنتے جو آپ فرماتے کہ حکمِ وحی الٰہی ہے تو وہ استہزاء یعنی ٹھٹھا مخول کے طور پر آپس میں کہتے کہ یارو! ڈرو شاید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسی وحی نازل ہو جائے جس سے ہمیں شرمساری اور رسوائی اٹھانی پڑے۔ اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمایئے کہ ٹھٹھا مخول کر لو۔ یہ امر تہدیدی ہے یعنی بیشک ٹھٹھا کرو، لیکن اس کی سزا کے لیے بھی تیار ہو جاؤ اور وہ سزا یہی ہے کہ تم عوام کے سامنے شرمسار اور رسوا ہو گے۔ اِنَّ اللّٰهَ

مُخْرِجٌ بے شک اللہ تعالیٰ نکالنے گا یعنی قوۃ سے فعل کی طرف یا تم سے ظہور کی طرف مَّا تَحْذَرُوْنَ ○ جس سے تم ڈرتے ہو. مثلاً سورۃ کا انزال وغیرہ یا وہ تمہارے عیوب جن کا اظہار تم نہیں چاہتے جیسے تمہاری منافقت وغیرہ۔ اس بناء پر اس سورۃ کا نام "الفاضحہ" ہے اس لیے کہ اس کے مضامین سے منافقین کو سخت رُسوائی اور شرمساری ہوئی اور اس کا نام "الحافرہ" بھی ہے اس لیے کہ اس نے منافقین کے دلوں کے بھید کھود کر باہر پھینک مارے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اگر ان سے ان باتوں کے متعلق پُوچھو جو بطور ٹھٹھا مخول کہا کرتے تھے لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ تو کہیں گے بیشک ہم دل لگی کرتے تھے۔ جیسے سوار راستہ طے کرنے کے لیے ایک دوسرے سے دل لگی کرتے ہیں وَنَلْعَبُ ط اور ہم ہنسی مذاق کرتے تھے جیسے بچے ایکدوسرے سے ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

شانِ نزول غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تمسخراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سُن کر ہنستا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لیے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کا یہ عذر وحیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لیے یہ فرمایا گیا جو آگے ارشاد ہوتا ہے۔

ان باتوں سے نہ ہمیں آپ کی خفت مطلوب تھی اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام کی بدگوئی مقصود تھی جب انہوں نے سراسر ایسی باتوں کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ قُلْ فرمائیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں جھڑک دے کر فرمائیے اب ان کے کسی عذر کو نہ مانیئے اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے ہو۔ مستھزأ بہ کو صرف تقریر کے بعد لانے میں اشارہ ہے کہ ان سے لازماً استہزاء واقع ہوچکا اور تستھزئ باللہ اور اباللہ تستھزئ میں اس لیے فرق کیا گیا ہے کہ پہلے جملے میں استہزاء کے ملابست کا انکار ہے دُوسرے جملے میں استہزاء فی اللہ کے ایقاع کا انکار ہے لَا تَعْتَذِرُوْا اعتذار میں مشغول نہ ہو جاؤ اس لیے کہ تمہارا معاملہ معلوم الکذب اور بین البطلان ہے۔

حل لغات: الاعتذار بمعنے محو اثر الذنب یعنی گناہ کے اثر مٹانے کو اعتذار کہا جاتا ہے۔ تبیان میں ہے کہ الاعتذار دراصل القطع کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے اعتذرت الیہ قطعت ما فی قلبہ من الموجدۃ یعنی اس کے دل پر جو میری وجہ سے اثر تھا اسے میں نے کاٹ ڈالا۔

قَدْ كَفَرْتُمْ بے شک تم کافر ہوگئے اس کفر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء اور ان پر طعن وتشنیع مراد ہے

• اس آیت سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کفر ہے جس طرح بھی ہو اس کا عذر قبول نہیں۔

بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ تمہارے ایمان لانے کے بعد یعنی ایمان ظاہر کرنے کے بعد۔

سوال: تم نے ایمان کی تاویل اظہار ایمان سے کیوں کیا؟

جواب: اس لیے کہ منافقین کسی حد تک مومن نہیں تھے وہ صرف ایمان ظاہر کرتے تھے اب ان کے اظہار ایمان کا بھانڈا پھوٹا اسی لیے ہم نے اسے اظہار ایمان سے تعبیر کیا ہے۔

اِنْ نَّعْفُ اگر ہم معاف فرما دیں عَنْ طَآئِفَۃٍ مِّنْکُمْ تمہارے ایک گروہ کو ان کی توبہ و اخلاص یا اذیت استہزا سے بچنے کی وجہ سے نُعَذِّبْ طَآئِفَۃً بِاَنَّھُمْ ہم دوسرے گروہ کو عذاب دیں اس سبب سے کہ بیشک وہ گانُوْا مُجْرِمِیْنَ ○ مجرم تھے یعنی اپنے جرم پر اصرار کرنے والے تھے اور توبہ کا نام تک نہ لیتے یا جرم کا ارتکاب کر کے جرم و قصور سے بچنے کا نام تک نہ لیتے۔

فائدہ: جب منافقین کی منافقت کھل گئی تو لوگوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ انہیں قتل کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے اللہ تعالیٰ خود بدلہ لے گا انہیں کچھ نہیں کہنا تاکہ اہل عرب (کفار و مشرکین وغیرہ) کو مشہور کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ پڑھنے والوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔

مسائل نفیسہ

مسئلہ: منافقین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی اور آپ کی نبوت پر اعتقاد رکھنے کے باوجود انہیں ایمان نے فائدہ نہ دیا صرف اس لیے کہ ان کے قلوب نبی علیہ السلام کے اعزاز و اکرام سے یکسر خالی تھے۔

مسئلہ: خوف و خطر سے تقدیر ربانی نہیں ٹلتی جیسا کہ منافقین نے جونہی خوف کھایا کہ ان کے خلاف کوئی آیت نہ نازل ہو لیکن ان کی اندرونی خباثتوں سے نہ صرف ایک بلکہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: کسی کی کوشش کام نہیں آتی جب تقدیر ربانی کا نزول ہو جائے۔

مسئلہ: جو شخص اگرچہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے لیکن صرف اتنا کہہ دینے سے کافر ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہ۔ (یعنی کسی بھی نبی علیہ السلام کی معمولی گستاخی اور بے ادبی [illegible])

قادیانی (احمدی) کافر ہیں جو شخص عقیدہ رکھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الرسل [illegible] ختم نبوت کے متعلق تردد کرے اور شک کرے کہ ان کا دین قیامت تک [illegible] ادیان کا ناسخ ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم کسی سبب کا محتاج نہیں وہ بلا سبب بھی ہوتا ہے اور قہر و غضب نازل نہیں ہوتا جب تک کوئی سبب نہ ہو۔ کما قال بانھم کانوا مجرمین۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش ۔۔۔ زانکہ تخم ست و برویاند خداش

چند گاہے او بپوشاند کہ تا | آیدت زاں بد پشیمان و حیا
بارہا پوشد پے اظہار فضل | باز گیرد از پے اظہار عدل
تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود | آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ: تمہارے سے جب غلطی ہو تو خدا سے ڈرو اور بے غم نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہی پیدا کرے گا جیسے بیج بویا وہ تیرے گناہ اس لیے چھپاتا ہے کہ کہیں تم حیاء کرکے تائب ہو جاؤ۔ جب تم ڈرو گے اور تائب ہوگے تو تمہارے لیے فضل رب مبشر ہوگا اگر خوف نہ کرو گے تو عدل الٰہی تیرے لیے منذر ہوگا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی آیات سے ٹھٹھا مخول کرنا کفر ہے۔

ف: بطور حقارت کسی کے عیوب قولاً فعلاً بیان کرنے کو شرعاً و عرفاً استہزاء کہا جاتا ہے کبھی اشارۃً و ایماءً بھی استہزاء ہوتا ہے اور کبھی اس کے کلام پر بھی استہزاء کیا جاتا ہے جب اس کے کلام میں خبط ہو یا کلام میں غلط بیانی کرے اور کبھی اس کی صنعت (کام وغیرہ) پر بھی استہزاء کیا جاتا ہے بہرحال اور بہرصورت استہزاء بالاجماع حرام ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی منظومہ میں لکھا کہ کبائر ستر ہیں منجملہ ان کے استہزاء بھی ہے کما قال: ؎

ویل لمن من الانام یسخر
مقامہ یوم الجزاء سقر

ترجمہ: اسے بڑی خرابی ہے جو لوگوں پر ہنستا ہے اور قیامت میں اس کی جگہ جہنم ہے۔

ف: یہی عام استہزاء گناہ کبیرہ نبوت اور الوہیت و ولایت اور آیات قرآنیہ سے تو کفر ہے۔

حدیث شریف: استہزاء کرنے والوں کے لیے بہشت کا دروازہ کھول کر کہا جائے گا کہ آؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔ جب وہ اس دروازے کے قریب آئیں گے تو دروازہ بند کرکے کہا جائے گا فلاں دوسرے دروازے سے جاؤ وہاں بھی غم اور دیگر پہنچیں گے تو وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا۔ اسی طرح متعدد بار ہوگا جب وہ تنگ آجائیں گے آخر میں بہشت کے کسی بھی دروازے سے بلایا جائے گا تو ناامیدی کی وجہ سے نہیں جائیں گے۔

دورِ حاضرہ کے نامہذب مغربیت زدہ مسلمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین بزرگوں سے ٹھٹھا مخول صرف منافق کرتا ہے۔
۱۔ سفید ریش ۲۔ عالم دین ۳۔ امام عادل (ذکرہ فی الترغیب والترہیب)

مسلمان جملہ صورتوں پر دیوبندی وہابی مودودی اپنی تحریروں پر غور کریں کیا انہوں نے اپنی تحریروں میں انبیاء و اولیاء بالخصوص حضور علیہ السلام پر تو استہزاء نہیں کیا۔

فائدہ: ان تینوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ اوصاف درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں اگرچہ ایک انسان سے استہزاء کیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے ٹھٹھا مخول ہے سفید ریش سے اس لیے کہ بڑھاپے کو عربی میں کبر السن کہا جاتا ہے اور کبر کبریائی پر دلالت کرتا ہے اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ اور عالم دین علم سے موصوف ہے۔ اور امام عادل (نیک دل افسر) عدل سے موصوف ہے۔ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اس سے نتیجہ نکلا جو شخص ان تینوں بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلال کے سامنے سر جھکاتا ہے اور جو ان کی تحقیر کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی شان اقدس پر حملہ کرتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذلیل قوم کے اندر عزت والے بزرگ پر اور مفلسوں میں بسر کرنے والے دولت مند پر اور جاہلوں میں عالم دین کے رہائش رکھنے پر رحم کرو اس لیے کہ ان حضرات کی یہ لوگ قدر نہیں جانتے۔ (جیسے آج کل ہو رہا ہے بالخصوص علمائے دین سے کہ انگریزی دان اور دنیادار طبقہ عموماً علماءِ کرام کو نہایت ہی ذلیل انسان سمجھتا ہے)

۵

گفت پیغمبر با ایں سہ گروہ	رحم آرید دستگیر ز کوہ
آنکہ او بعد از عزیزے خوار شد	واں تونگر ہم کہ بے دینار شد
و آں سوم از عالمے کاندر جہاں	مبتلا گردد میان ابلہاں
زانکہ از عزت بخواری آمدن	ہمچو قطع عضو باشد ز بدن

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ کو رحم آتا ہے، ان کی مدد کرو اگرچہ وہ پہاڑوں میں ہوں:

- بلند مرتبہ کے بعد ذلت و خواری کا شکار ہو جائے۔
- وہ دولت مند جو گردش زمانہ سے تنگدست ہو جائے۔
- وہ عالم دین جو نااہل لوگوں میں رہتا ہو اس لیے کہ عزت کے بعد خواری میں ہونا ایسے ہے جیسے کسی زندہ انسان کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے۔

صحابہ کرام کا ایک دوسرے کا ادب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہو کر ان کے رکاب کو درست کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! ایسا مت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ایسے حکم ہوا ہے کہ ہم بڑوں کا ادب کریں۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ مبارک دکھائیے۔ انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دے دیا اور عرض کی کہ ہم بھی ایسے ہی مامور ہوئے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(باقی صفحہ ۶۳۲)

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ

منافق مرد اور منافقہ عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ

دیں اور بھلائی سے منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَ

وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بیشک منافق وہی پکے بے حکم ہیں ور

عَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

جس میں ہمیشہ رہیں گے وہ انہیں بس ہے اور اللہ کی ان پر لعنت ہے اور ان کے لیے قائم

مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

رہنے والا عذاب ہے جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے تم سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَا

کے مال اور اولاد تم سے زیادہ تو وہ اپنا حصہ برت گئے تو تم نے اپنا حصہ برتا

قِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ

جیسے اگلے اپنا حصہ برت گئے اور تم بیہودگی

كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور

الْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَاُ

آخرت میں اور وہی لوگ گھاٹے میں ہیں کیا انہیں اپنے سے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

اگلوں کی خبر نہ آئی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِا

اور مدین والے اور وہ بستیاں جو الٹ دی گئیں ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس

لْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

لائے تھے تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں

يَظْلِمُوْنَ ۝٧٠ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

پر ظالم تھے اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں

بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ

نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ و رسول کا

رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٧١

حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ

جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے

عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٧٢ ع

باغوں میں اور اللہ کی رضا سب سے بڑی یہی ہے بڑی مراد پانی

تفسیر عالمانہ: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وہ منافق مرد جن کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں اس آیت کے نزول کے وقت تین سو تیرہ تھی وَالْمُنٰفِقٰتُ اور منافق عورتیں جن کی تعداد ستر تھی بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ نفاق اور اسلام سے دوری میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جیسے ایک شخص کے جسم کے کئی اجزا ہوتے ہیں ایسے ہی یہ لوگ بظاہر کئی جسم اور درحقیقت

[illegible] یہ منافق ہیں یامُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وہ بُرائی یعنی کفر و معاصی کا حکم دیتے ہیں وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ اور نیکی یعنی ایمان و طاعت سے روکتے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے سابق مضمون کی تاکید کرکے اہل النفاق اور ایمان والوں کی مخالفت اور [illegible] کو واضح کرتا ہے۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اور اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ اور صدقہ اور ہر خیر میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں۔

سوال: قبض الید سے تم نے بخل مراد کیسے لے لیا؟

جواب: اس لیے کہ عموماً قبض الید سے بخل مراد لیا جاتا ہے یا قبض الید سے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھانا اور مناجات مراد ہے۔ (کذا فی الکاشفی)

نَسُوا اللّٰهَ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بُھلا دیا یہاں تک کہ بالکل غافل ہوگئے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے یعنی نسیان بمعنٰے ترک۔

سوال: نسیان بمعنے ترک تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب: چونکہ نسیان افعال غیر اختیاریہ سے ہے اور ان کا یہ فعل اختیاری تھا اس لیے مجازاً نسیان بمعنے ترک ہے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسے ترک کردیا گویا وہ ان کے اذہان میں ہے ہی نہیں۔

فائدہ: اگر نسیان اپنے معنے میں ہوتا تو ان کی مذمت کیسی جبکہ کسی کی مذمت اس کے اختیاری فعل پر کی جاتی ہے۔

فَنَسِيَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا یعنی اپنے لطف و کرم اور فضل و احسان سے چھوڑ دیا یہاں پر نسیان بمعنے ترک قہر و تعذیب مراد نہیں۔

بقیہ صفحہ ۶۳۱ سے آگے

اہل بیت سے ایسے ہی کریں۔

مسئلہ: اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

مسئلہ: جس طرح حضور علیہ السلام کی جسمانی اولاد کی تعظیم ضروری اور لازمی ہے ایسے ہی آپ کی معنوی اولاد کی تعظیم بھی فرض ہے اور آپ کی معنوی اولاد وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کی اقتداء کی یعنی علماء باعمل اور مشائخ اہل سنت[2] ان کی تعظیم بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور ان کی تحقیر و تضحیک دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر و تضحیک ہے۔

---

[1] اہل سنت اہل بیت کی تعظیم کرتے ہیں اور اہل بیت صحابہ کرام سے [illegible] کی محبت [illegible] شیعہ پارٹی نے غلط تاثر دے کر ان کا آپس میں بغض و عداوت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی [illegible] دیوبندیوں [illegible] بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے۔

[2] موجودہ دور کے بعض نام و پیر جو شرع مطہر کے خلاف عمل کے باوجود ولایت کے مدعی بنتے ہیں۔ ۱۲

سوال: یہاں پر نسیان بمعنے ترک کیوں مراد لیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ نسیان کا حقیقی معنی مراد لینا محال ہے اس لیے مجازاً بمعنے ترک استعمال کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ بیشک منافق وہی فاسق یعنی وہ تمرد اور سرکشی میں کامل ہیں اور الفسق بمعنے الخروج عن المطاعۃ ہے یعنی کسی کی طاعت اور ہر خیر سے نکل جانا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور منافقات سے وعدہ فرمایا ہے۔

حل لغات: الوعد کا اطلاق امور خیر پر ہوتا ہے یعنی الاخبار بایصال المنفعۃ قبل وقوعہا. منفعت کے وقوع سے قبل اس کے ملنے کی خبر دینا اور اس کا استعمال شر کے لیے بھی ہوتا ہے بمعنے الاخبار بایصال المضرۃ قبل وقوعہا یعنی نقصان کے پہنچنے سے قبل اس کی خبر دینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: وعدتہ خیرا ووعدتہ شرا۔ جب خیر و شر کا اعتبار ساقط ہو جائے تو خیر میں الوعد اور شر میں الایعاد اور الوعید بولتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: قد اوعدہ ویوعدہ۔ یعنی اسے عذاب کا ڈر سناتا ہے۔

وَالْكُفَّارَ اور کافروں کو۔

سوال: منافقین بھی تو کافر ہوتے ہیں پھر "الکفار" کیوں مذکور ہوا؟

جواب: چونکہ وہ اپنے کفر کو چھپاتے ہیں اس لیے الکفار علیحدہ مذکور ہوا تاکہ کھلم کھلا کفر کرنے والے بھی اس میں داخل ہوں۔

نَارَ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ۔ نار کے اسماء سے ایک جہنم ہے۔ گہرے گڑھے کو جہنم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل زبان برس کنویں کو "بئر جہنام" کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت دور تک ہو۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سخت ڈراؤنی آواز سنی اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا، یہ کیسی آواز تھی؟ انہوں نے عرض کی: یہ اس پتھر کے گرنے کی آواز ہے جو جہنم کے کنارے سے گرا اور آخری سطح پر ستر سال کے بعد پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی آواز آپ کو سنائے۔ یہ وہی آواز تھی۔ اس روز سے تا وصال آپ کبھی منہ بھر کر نہیں ہنسے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ منافقین و کفار اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کا جہنم میں ہمیشہ داخل رہنا مقدر ہو چکا ہے۔

هِیَ حَسْبُهُمْ ۚ یہ انہیں سزا اور عذاب کے لحاظ سے کافی ہے اس لیے کہ اس سے بڑی اور زائد اور کوئی سزا اور عذاب ہو سکتا ہے نہ ہو گا۔ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ اور ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرے اور انہیں ذلیل و خوار کرے۔ اس میں ان کے جہنم کے دائمی عذاب کے علاوہ دیگر ضمنی سزاؤں کا بیان ہے اگرچہ ان کے خلود نار کا عذاب بھی کافی ہے لیکن اس پر مزید عذاب میں مبتلا کیا گیا یعنی لعنت اور اہانت وغیرہ ہیں وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ○ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہو گا یعنی ایسا عذاب کہ ان سے کبھی منقطع نہ ہو گا اس سے وہی عذاب مراد ہے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا یعنی نار جہنم کا دائمی

عذاب ۔ اور یہ اس کی تاکید محض کے لیے مذکور ہوا۔ اس لیے کہ خلود اور دوام کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
ان لوگوں کی طرح جو تمہارے سے پہلے گزرے ہیں یعنی اے منافقو! تم ان لوگوں کی طرح جو امم مهلکہ میں سے تمہارے سے پہلے
گزرے ہیں كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وہ جسمانیت اور طاقت وقوت کے لحاظ سے تمہارے سے سخت ترین تھے وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ اور اموال واولاد میں تمہارے سے زائد تھے پس تم دنیا میں ان کے
نصیب سے نفع اٹھاؤ۔

ف : نصیب کو خلاق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ خلاق خلق سے مشتق ہے بمعنے التقدیر۔ اور ہر وہ خیر و بھلائی جو بندہ کے لیے
مقدر ہو اسے نصیب کہا جاتا ہے۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ کاف محلاً منصوب ہے
اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے در اصل استمتاعاً کاستمتاعهم یعنی تم نفع اٹھاؤ ان کے نفع اٹھانے کی طرح۔
سوال : آیت میں تکرار لازم آگیا اس لیے کہ پہلے جملے اور اس کا ایک مقصد ہے۔
جواب : اس میں تکرار نہیں اس لیے کہ فاستمتعوا بخلاقهم میں پہلے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے بایں معنیٰ کہ وہ حظوظ فانیہ میں
مشغول ہو گئے اور ان کی مذمت مخاطبین کی مذمت کی تمہید تھی اس لیے کہ یہ ان کے نقش قدم پر چل گئے اس طرح سے ان کے حال
سے مخاطبین کے حال کی تشبیہ دی گئی ہے۔
وَخُضْتُمْ اور تم باطل میں داخل اور شروع ہوئے كَالَّذِيْ اس فوج کی طرح خَاضُوْا ط جو باطل میں داخل ہوتے۔
یہ بھی جائز ہے کہ الذی در اصل الذین تھا۔ تخفیف کے طور پر نون محذوف ہے اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جن کے اوصاف مذمومہ اوپر
مذکور ہوئے یعنی کفار مخاطبین جو کہ مشبہ اور سابقہ امم مهلکہ مشبہ بہ کے صفات ذمیمہ پہلے بیان ہو چکے ہیں وہی۔ یہ خطاب
حضور علیہ السلام کو ہے یا ہر اس مخاطب کو جو اس خطاب کے لائق ہے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ جن کے اعمال گر گئے۔ یعنی وہ
لوگ جو اعمال صالحہ کے اجر و ثواب کے مستحق تھے اگر ایمان کے ساتھ انفاق فی وجوہ الخیر وصلۃ الرحم و دیگر امور خیر بجا لاتے لیکن
اب سب کے سب ضائع اور باطل ہو گئے۔ ان سے انہیں کسی قسم کا اجر و ثواب نصیب نہ ہوگا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
دنیا و آخرت میں۔ آخرت میں انہیں اجر وثواب کا نہ ملنا تو ظاہر ہے اور دنیا میں بایں طور کہ ان کے اعمال کی صحت اور وسعت
اور ان کے اجر وثواب کا ترتب تو دنیا میں ہونا تھا وہ ضائع ہو گیا۔ جیسا کہ فرمایا: من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها
نوف اليهم اعما لهم فيها وهم فيها لا يبخسون۔ اس آیت میں بھی دنیا میں ان کے اعمال کا انہیں اجر و ثواب دینا بطور
کرامت نہیں بلکہ استدراجاً ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ اور وہی لوگ جو دارین میں حبوط اعمال سے موصوف ہیں هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝
وہی خسارے والے ہیں یعنی دارین میں حبط اعمال کے لحاظ سے وہی کامل فی الخسران اور خسارے کے جملہ اسباب انہی میں
پائے جاتے ہیں اس لیے کہ ان کے اگر صرف نفع ونقصان کے اسباب ضائع ہو جاتے تو بھی ان کے خسارے کے لیے کافی تھا

لیکن ان کے تو راس المال بھی ختم ہوگئے اس لیے انہیں کمال درجے کے خسارے ہی خسارے نصیب ہوں گے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

قیامت کہ بازار مینو نہند — منازل باعمال نیکو نہند
بضاعت بچندان کہ آری بری — اگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چندان کہ آگندہ تر — تہی دست را دل پراگندہ تر

ترجمہ: قیامت میں جو بڑا بازار لگے گا وہاں کے مراتب اعمال کے مطابق ہوں گے جیسا سامان لانے گا ویسا ہی مرتبہ پائے گا اس وقت اگر اعمال نہیں تو سخت شرمسار ہوگے کہ وہ اس وقت بازار پر رونق ہوگی لیکن خالی ہاتھ سخت پریشان ہوگا۔

اَلَمْ یَاْتِهِمْ کیا ان کے ان منافقین کے پاس نہیں آئی نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان لوگوں کی خبر جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی انہیں معلوم ہے کہ سابقہ امتوں سے کیا گزری جب انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی تو انہیں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ یہ استفہام تقریر و تحذیر کے لیے ہے یعنی منافقین کو چاہیے کہ امم سابقہ کے حالات کو یاد کرکے خدا تعالیٰ سے ڈریں کہ کہیں انہیں ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر امم سابقہ کی طرح سخت عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے قَوْمِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی قوم جو طوفان میں غرق ہوئی۔ یہ الذین سے بدل ہے وَّعَادٍ اور عاد کی قوم جو سخت آندھی سے تباہ و برباد ہوئی وَّثَمُوْدَ اور قوم ثمود جو کہ دھماکے اور زلزلے سے تباہ و برباد ہوئی وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس کا بڑا لیڈر نمرود ایک مچھر سے مارا گیا اور دوسرے سرکش دیوار کے گرنے سے تباہ ہوئے وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ اور مدین والے۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بادلوں کے سائے میں آگ سے جلائے گئے اور مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ یہ بستی انہی کی طرف منسوب ہے وَالْمُؤْتَفِکٰتِ ط اس کا عطف مدین پر ہے۔ اس سے لوط علیہ السلام کی الٹی ہوئی بستیاں مراد ہیں جیسا کہ بار بار گزرا ہے کہ ان کی بستیوں کو جبریل علیہ السلام نے ایسا الٹایا کہ اوپر کے حصے نیچے اور نیچے کے اوپر ہو گئے۔ پھر ان پر پتھر برسائے گئے اَتَتْهُمْ اُن کے پاس یعنی تمام تباہ شدہ قوموں کے پاس لائے رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ج ان کے رسل کرام علیہم السلام، بینات اس سے معجزے و براہین مراد ہیں ان بدبختوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا فَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ پس نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ کہ ان پر ظلم کرے جیسے عام لوگ ظلم کرتے ہیں یعنی جیسے لوگ دوسروں پر بلا جرم ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کرتا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ لیکن وہ خود بخود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی کفر و معاصی کا ارتکاب کرکے اپنے نفسوں کو خود بخود عذاب کے پیش کر دیا۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانۂ خراب ہوائے خویشتم

ترجمہ: میں غیر سے کیوں شکایت کروں میں حباب کی طرح ہمیشہ خانہ خراب رہتا ہوں۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنی قوت اور کثرت اموال و اولاد و اسباب سے دھوکہ نہیں کھاتا اس لیے کہ یہ تمام فانی اور زوال پذیر ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا: ؎

ببال و پر و مرو از رہ کہ تیر پرتابی
ہوا گرفت زمانے و لے بخاک نشست

ترجمہ مع شرح: جو شخص اپنی قوتِ بدنیہ اور اسباب دنیویہ سے دھوکہ نہیں کھاتا وہ کبھی راہِ راست سے نہیں ہٹ سکتا۔ ہر بندے کی مثال تیر کی سی ہے کہ وہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ پرواز کر جائے لیکن بالآخر نیچے گرتا ہے اس لیے کہ ہر بلندی کو نیچا دیکھنا پڑتا ہے ہر قدرت کو عجز لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار سے اپنے معاملات کو درست کرے قبل اس کے کہ شرارتیوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ناراضگی کا نزول ہو۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی لونڈی کو ایک جگہ بٹھا کر اسے حکم دیا کہ یہاں سے میرے آنے تک نہ اٹھنا جب میں اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر لوٹا تو لونڈی موجود نہ تھی میں اس کی تلاش میں نکلا، دیکھا تو ایک دوسری جگہ ایک کونے میں بیٹھی تھی، میں نے اسے جھڑک کر کہا کہ جب میں نے تجھے روکا تھا تو وہاں سے کیوں اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے کہا: حضرت! ناراض نہ ہوں، آپ نے جہاں مجھے بٹھایا تھا وہ لوگ ذکرِ الٰہی سے محروم تھے مجھے خطرہ ہو گیا کہ یہ خسف کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور میں بھی ان کی نحوست سے ماری جاؤں، اس خطرہ سے مجھے وہاں سے اٹھنا پڑا۔ میں نے کہا امتِ مصطفیٰ بطفیل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خسف (زمین میں دھنس جانے) کے عذاب سے محفوظ ہے تو کیسے ان کے لیے خسف کے عذاب سے ڈر گئی۔ اس نے جواب دیا: میرے آقا واقعی زمین میں دھنسنے سے محفوظ ہیں لیکن قلب کے خسف سے تو محفوظ نہیں۔ یعنی جو ذکرِ الٰہی سے محروم ہے اس کے دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے اس اعتبار سے گویا وہ دل دھنس گیا۔

سبق: سالک کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو قلب ذکر و معرفتِ حق سے محروم ہے وہ خسف کے عذاب میں مبتلا ہے گویا وہ قلب مختلف عذاب اور کرب و بلاؤں میں گرفتار ہے۔ اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسے عذاب سے بچائے اور موت سے پہلے اپنے مریض قلب کا علاج کرا لے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تقریر فرما رہے تھے

اور سامعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تقریر سننے میں محو تھے میں نے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔ سامعین میں سے ایک نے عرض کی، حضرت! ہم تو اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے اور اپنے پیٹ اور سر کی حفاظت کرے یعنی پیٹ میں حرام کا لقمہ نہ جانے دے اور دماغ میں غلط تصور کو جگہ نہ دے اور ہر وقت موت کا ذکر زبان پر ہو اور یقین کرے ایک دن یہی جسم مٹی میں مٹی ہوگا اور دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دے۔

وحی موسیٰ وہارون اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو فرعون والی تمام طاقت تمہیں دے دُوں تو ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں نہ صرف تمہارے سے ایسی طاقت وقدرت دُور رکھتا ہوں بلکہ اپنے تمام اولیاء کو دنیاوی جاہ وحشم نہیں دیتا اور میرے لیے یہ کوئی مشکل بھی نہیں لیکن صرف اس لیے کہ اولیاء کرام کو فقر وفاقہ میں مبتلا کر کے اپنے ہاں ان کے درجات بلند کرتا ہوں۔ ؎

نکو جاہے از سلطنت بیش نیست
کہ ایمن ترا ز ملک درویش نیست

ترجمہ: نیک آدمی کی نیکی سلطنت سے بڑھ کر ہے اور فقیر اللہ والے کو بادشاہی سے زیادہ بے فکری ہے۔

سبق: دنیا و آخرت کے حالات ظاہر و باہر ہیں دانا وہ ہے جو عبرت حاصل کرتا ہے اور مرتے دم تک خدا تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی ان کے بعض بعض کے دین حق پر ہیں یعنی وہ سب توحید میں متفق ہیں۔

ردِّ وہابیہ مذکورہ بالا معنے پر اکتفاء کرتے ہوئے وہابیہ دیوبندیہ دوسرے معنے کے معنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان ان کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وبعضهم معين بعض فی امر دینهم ودنیاهم	بعض ان کے دوسروں کے امر دین ودنیا میں مددگار ہیں اور
وبعضهم موصل بعض الی الدرجات	بعض ان کے دوسروں کو بلند مراتب تک پہنچاتے ہیں تربیۃ
العالیة بسبب التربیة والتزکیة النفس وهم	وتزکیہ نفس کے ذریعے ان سے مرشدان کرام مراد ہیں۔
المرشدون فی طریق اللہ تعالیٰ۔	

(روح البیان مطبوعہ قدیمہ ص ۹۲ ج ۱ تحت آیت ہذا)

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ المعروف سے نیکی کی جنس مراد ہے یعنی ہر قسم کی بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے اصطلاح شرع میں ایمان وطاعت کو بھی المعروف کہا جاتا ہے۔

صوفیہ کا معنیٰ صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو طلب حق میں ابھارتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے المعروف کا حقیقی معنی یہی ہے جیسا کہ حدیث قدسی "فاحببت ان اعرف" سے معلوم ہوتا ہے۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ المنکر سے ہر قسم کی برائی مراد ہے یعنی وہ ہر طرح کی برائی سے روکتے ہیں یہاں تک کہ کفر و معاصی کو بھی المنکر کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہی کفر و معاصی اپنے آقا سے بندے کو دور رکھتے ہیں خواہ معاصی دنیا سے متعلق ہوں یا کسی امر سے۔ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ اور نماز قایم کرتے ہیں، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں معروف رہتے اور قلب کی نگرانی پر مداومت کرتے ہیں بلکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور رہتے ہیں انہیں دنیوی مشاغل بھی حائل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ ایسے حضرات صاحب مکاشفہ کہلاتے ہیں اور انہیں اصطلاح صوفیاء میں اہل دل کہا جاتا ہے۔ کفار و منافقین کی "نسوا الله" سے مذمت اور اہل ایمان کی ويقيمون الصلوٰة سے مدح کی گئی ہے۔ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ يقبضون ايديهم کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نہ صرف زکوٰۃ واجبہ ادا کرتے ہیں بلکہ ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راہ میں لٹاتے ہیں۔ اس طرح سے وہ اپنے نفوس کا تصفیہ و تزکیہ کرتے ہیں یعنی دنیا کی محبت کے ترک سے تزکیہ نفوس ہوتا ہے۔

وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ اور وہ جمیع اوامر نواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رہتے ہیں جس طرح منافقین کی کمال درجہ کی مذمت کی ہے ایسے ہی اہل ایمان کی مدح بھی کمال درجہ سے کی ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل ایمان تمام معاملات اخلاص سے کرتے ہیں اس لیے کہ منافقین اگرچہ بظاہر نماز و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن وہ حقیقی طور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت نہیں کرتے بلکہ وہ درحقیقت اپنے نفس و ہوا کے مطیع ہیں اس لیے کہ انہیں ان امور میں دنیوی مقاصد و مصالح مدنظر ہوتے ہیں۔

أُولٰئِكَ وہی لوگ جو مذکورہ اوصاف کریمہ سے موصوف ہیں سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط ان پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیگا۔ یعنی ان پر اپنی رحمت کے آثار مثلاً تائید و نصرت سے بہرہ ور فرما کر عذاب دردناک سے نجات بخشے گا یا انہیں بعد و فراق کے عذاب سے نجات دے کر بہشت اور وصال و قرب سے نوازے گا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو لوگ مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں ان پر پانچ مقامات پر لطف و کرم فرمائے گا، وہ مقام یہ ہیں:

۱۔ سکرات الموت کے وقت انہیں آسانی نصیب ہوگی اور ایسے آڑے وقت میں اس کا ایمان محفوظ فرمائے گا۔

۲۔ عذاب قبر سے نجات بخشے گا۔

۳۔ عملنامہ کے پڑھنے کے وقت جبکہ دوسروں کو حسرتیں اور ندامتیں ہوں گی اور بائیں ہاتھ میں عملنامے دیے جائیں گے۔ ایسے حضرات کو حسرتوں اور ندامتوں سے محفوظ کر لیا جائے گا اور ان کے دائیں ہاتھ میں عملنامہ عطا ہوگا بلکہ ان کے عملناموں سے گناہ مٹا دیے جائیں گے تاکہ وہ اپنے گناہ دیکھ کر حسرت نہ کھائیں اور نادم نہ ہوں۔

۴۔ میزان کے وقت جبکہ دوسروں کو اعمال کی کمی سے حسرتیں ہوں گی ان کے اعمال بوجھل کر کے حسرتوں سے محفوظ کر لیا جائیگا

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حاضری اور اس کے سوالات کے وقت جبکہ دوسروں کو تنگی لیکن ان کے لیے آسانی ہوگی اور نہ ہی ان کے عیوب کی وجہ سے ان کی گرفت ہوگی۔

پانچوں نمازیں پڑھنے والے کو مبارکباد حدیث شریف میں ہے: جو صبح کی نماز پڑھتا ہے اس پر سکرات اور اس کے کڑوے گھونٹ آسان ہوں گے۔ جو ظہر کی نماز ادا کرتا ہے اس پر عذاب قبر اور اس کی تنگی نہیں ہوگی۔ اور جو عصر کی نماز پڑھتا ہے اس پر منکر نکیر کے سوالات کی تکلیف اور ان کے رعب کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اور جو مغرب کی نماز پڑھتا ہے اس پر عذاب میزان اور اعمال کی کمی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور جو عشاء کی نماز پڑھتا ہے، اس پر پل صراط پر گزرنا آسان ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ یہ وعدہ موعودہ کی علت ہے یعنی وہ اپنے اولیاء کے وعدہ کے ایفاء پر بہت بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے اعداء پر قہر و غضب پر قادر ہے اور نعمتوں کا مالک ہے ان سے اپنے اولیاء کو بخشتا ہے۔ حَكِيْمٌ○ حکمت والا ہے کہ اس نے اپنے جملہ احکام کی بنا، ہزاروں حکمتوں پر رکھی ہے۔ اس لیے جو نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے اور جو عذاب کے حق دار ہیں انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اہل ایمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی انہیں بہشت کی خوشخبری سنائی اور اہل احسان کو وصال و قرب سے نوازا اس لیے کہ انہوں نے زندگی اس کی طلب میں گزاری بلکہ ماسوی اللہ کو بالکل چھوڑ دیا اور کافروں اور منافقوں کو جہنم میں دائمی داخل رہنے کی خبر دی اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور ان کی تکذیب کی اور اصنام و اوثان کی پرستش کر کے شرک میں مبتلا ہوئے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اللہ تعالیٰ نے مومن مرد عورتوں سے ہر ایک کو کامل وعدہ فرمایا کہ کیف وکما رابت نقل میں انہیں بہشت میں مختلف طبقات نصیب ہوں گے۔ الوعد نفع کے وقوع سے پہلے اس کے پہنچنے کی خبر دینا جَنّٰتٍ جنۃ کی جمع ہے۔ اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں درخت اور کھجوریں ہوں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے جاری ہیں۔ الْاَنْهٰرُ پانی خمر اور دودھ کی نہریں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے کہ وہ اس میں دائمی طور ٹھہریں گے اور ہر مومن ان درجات سے فائز المرام ہوگا۔ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً اور ان میں سے بعض کاملین کو ایسی منازل نصیب ہوں گی کہ جنہیں دیکھ کر جی خوش ہوگا یا اس میں رہنے سے طبیعت خوش ہوگی۔

حدیث شریف: بہشت کے محلات لؤلؤ، زبرجد، یاقوت احمر سے ہیں فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ خاص باغات میں۔ یہ تمام بہشتوں سے زیادہ پُر رونق اور زیادہ عجیب و غریب مقام ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: عدن اللہ تعالیٰ کی ایسی دار ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور آ سکتا ہے اس میں صرف تین گروہ قیام فرمائیں گے:

۱۔ انبیاء علیہم السلام

۲۔ صدیقین

۳۔ شہداء اور مبارک ہوا نہیں جو ایسی دار میں داخل ہوں گے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جنۃ عدن کو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ خود پیدا فرمایا اور اسے شاہی قلعہ کی طرح بنایا اس کے اندر چند خصوصی منزلیں ہیں ایک ٹیلہ نما منزل ایسی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلی نمودار ہوتی ہے اور ایک ایسی منزل ہے اسے مقام الوسیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ ہے اسی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے طوبیٰ کا درخت خود پیدا فرمایا جس میں کسی دوسری شے کو اس کی تخلیق میں واسطہ نہیں بنایا اور اس کی ٹہنیاں اتنی بلند ہیں کہ اس کی ہر ایک ٹہنی بہشت عدن کی ہر دیوار تک پہنچتی ہے اور وہ ٹہنیاں تمام بہشتیوں کو سایہ کرتی ہیں۔ اور طوبیٰ کے گوشوں میں جو ثمر ہوتا ہے اس سے بہشتیوں کے زیورات اور لباس تیار ہوتے ہیں جو بہشت کے باقی لباسوں سے زیادہ حسین اور زیب و زینت میں بڑھے ہوتے ہیں اور جنۃ عدن کو اسی لیے فضیلت دی گئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ حقایق جنانیہ کی نعمتوں میں جامع تر اور برکات کے لحاظ سے مکمل ترین ہے۔ یہی بہشت کے جملہ اشجار کا اصل ہے جیسے آدم علیہ السلام سے تمام انسان ظاہر ہوئے۔ اس سے بہشت کے تمام اشجار ظاہر ہوئے ہیں اور بہشت کی ہر نہر اسی درخت سے نکلتی ہے۔ محمدیۃ المقام یہی ہے اور یہ دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حصہ ہے۔ کہا جاتا ہے عدن بالمکان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی مقام میں مقیم ہو۔ المعدن بمعنے مستقر الجواہر یعنی جواہر کا خزانہ۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی۔ اَكْبَرُ بہشت سے بہت بڑی اور عظیم تر ہیں اور اس کی نعمتوں سے بھی۔ اس لیے کہ یہ جمیع السعادات کا مبداء اور تمام الکمالات کا منشأ ہے۔

ف: عارفین محققین کاملین کا اصلی مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے اور بس۔ ؎

یکے می خواہد از تو جنت و حور
یکے خواہد کہ از دوزخ شود دور

ولیکن ما نخواہیم ان و آں جست
مراد ما ہمیں خوشنودیٔ تست

چو تو خوشنود گشتی در دو عالم
ہمیں مقصود بس و اللہ اعلم

ترجمہ: کوئی تیرے سے جنت و حور چاہتا ہے۔ کوئی دوزخ سے دوری۔ ہمیں نہ اس کی خواہش ہے نہ اس کی ہمیں تیری رضا مطلوب ہے اس لیے کہ جب تو راضی ہو گیا تو ہمیں مقصود مل گیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور
با خیال تو اگر با دگرے پردازم

بقیہ ص ٦۴۵

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی برا جگہ پلٹنے کی اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے

قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ

اور وہ چاہا تھا جو انہیں نہ ملا اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے انہیں غنی کر دیا

رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

اپنے فضل سے تو اگر وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے اور اگر

يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

منہ پھیریں تو اللہ (انہیں) سخت عذاب کرے گا دنیا اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور زمین میں کوئی نہ ان کا حمایتی ہوگا نہ مددگار اور ان میں کوئی وہ ہیں

عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا

ہو جائیں گے تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے اور

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى

پھیر کر پلٹ گئے تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک

يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا

کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ

يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ

بولتے تھے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ان کے دل کی چھپی اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ

اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کا بہت جاننے والا ہے وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا

کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ

محنت سے تو ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا اور ان کیلئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ

دردناک عذاب ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ

اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا

بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کو

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

راہ نہیں دیتا

ع ۸ / ۱۶

تفسیر عالمانہ نکتہ درشان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: دور حاضر کے توحید پرستوں وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں کو نبوت کی عزت و عظمت سمجھاتے ہیں کہ،

اعلم ان اللہ تعالیٰ خاطب الانبیاء علیہم السلام باسمھم الشریفۃ مثل یا آدم ویا نوح ویا موسیٰ ویا عیسیٰ وخاطب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بالالقاب الشریفۃ مثل یا ایہا النبی یا ایہا الرسول

اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نام لے کر پکارا مثلاً یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ۔ اور ہمارے نبی علیہ السلام کو القاب جلیلہ سے پکارا، مثلاً یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نبی پاک

وذلك يدل على علو جنابه عليه السلام مع ان كثرة الالقاب والاسماء تدل على شرف المسمى ۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۲۳ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے علاوہ کثرت القاب وکثرت اسماء مسمی کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتی ہے۔

۶۴۲ سے آگے

ترجمہ: حور کی صحبت کی تمنا سراسر قصور ہے بس ہے تیرے خیال کے ساتھ دوسروں کا تصور گناہ ہے۔

حدیث قدسی شریف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بہشت سے فرماتا ہے کہ کیا تم خوش ہو یا نہ؟ عرض کریں گے: اے اللہ کریم! اب بھی ہم راضی نہ ہوں گے کہ تو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے نوازا کہ سوائے ہمارے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے اور افضل نعمت سے نوازتا ہوں۔ عرض کریں گے وہ کون سی افضل نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارے اوپر اپنی رضامندی حلال کرتا ہوں اس کے بعد میں تمہارے اوپر ناراض نہ ہوں گا۔

ذٰلِكَ مذکورہ نعمتیں اور رضائے الٰہی هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ وہی بہت بڑی کامیابی ہے اس سے یہ دنیوی کامیابی مراد نہیں جیسے حظوظ نفسانی کو بھی لوگ کامیابی سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ قطع نظر اس کے یہ دنیوی نعمتیں فانی اور تغیر پذیر اور خراب اور بیکار ہو جانے والی ہیں انہیں آخرت کی نعمتوں سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں ہے ہاں صرف اتنا کہ دنیا کی تمام نعمتیں مچھر کے ایک پر کے برابر ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی عزت مکھی کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیتا۔

دنیا کمینی حضرت یحییٰ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دنیا خراب ہے لیکن خراب تر وہ شخص ہے جو اسے آباد کرتا ہے اور آخرت آباد ہے لیکن آباد تر وہ انسان ہے جو اس کی طلب میں زندگی بسر کرتا ہے۔

نکتہ: انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں ایک ایسا باغ ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے پھر اسے کبھی جنت الفردوس کی بھی خواہش نہیں رہتی۔ آپ سے پوچھا گیا: وہ کونسا باغ ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ ہے معرفت الٰہی۔ اور حقیقی جنت یہی ہے۔

ملفوظ بسطامی قدس سرہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ معرفت الٰہیہ کی چاشنی جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین کی چاشنی سے بہتر ہے بخدا اگر آٹھوں بہشت کے دروازے میرے لیے کھول دیئے جائیں اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں مجھے دے کر کہا جائے کہ وہ ذوق جو وقت سحر یاد الٰہی میں نصیب ہوتا ہے اسے ترک کر کے بہشت کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہو کر تمام نعمتیں لے لو تو میں اس سحری کی گھڑی کو چھوڑ کر اس طرف منہ نہ کروں گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو حضرت الٰہی کی طرف متوجہ ہونے کے لیے جدوجہد اور دنیا سے اعراض اور مطلب اعلیٰ اور مقصد اعظم کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حرم وصال کے داخلے کا سوال کرتے ہیں۔

امام ابواللیث کی وہابیوں دیوبندیوں کو نصیحت ہمارے دور کے توحید کے ٹھیکیداروں کے لیے سابق دور کے ایک حنفی امام نے "سورۂ نور" کی آیت "لاتجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا" کے تحت لکھا کہ:

لا تدعوا محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم باسمہ ولکن وقروہ وعظموہ و قولوا یا رسول اللہ و یا نبی اللہ و یا ابا القاسم۔ (روح البیان ایضاً)	حضور علیہ السلام کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ عزت و تعظیم و توقیر و تکریم سے پکارو۔ مثلاً کہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اس طرح پکارو یا نبی اللہ، یا ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی نیکی کی بات سمجھائے اس کی تعظیم و تکریم ضروری ہے یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسی سے استاد کے حقوق کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و فضل بخشا ہے ان کے بھی عوام پر حقوق ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ان کے القاب عزت و عظمت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔

صاحبِ روح البیان اور جدت پسند صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم اہلسنت پر لازمی ہے کہ ہم اپنے مشایخ اہلِ ارشاد کا ذکرِ خیر بہتر اور برتر القاب سے یاد کریں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی لغت میں ان کے جائز القاب جس طرح چاہے بیان کرے اس لیے کہ جب ہمیں روکا ہے کہ ہم اپنے ماں و باپ کو خالی اسماء سے نہ پکاریں تو باطنی اور معنوی آباء یعنی مشایخ طریقت کے لیے بطریقِ اولیٰ ضروری ہے کہ ان کے خالی اسماء بیان کریں بلکہ انہیں اعلیٰ و اکمل القاب سے یاد کریں (لیکن جدت پسند لمبے چوڑے القاب سے نہ صرف گھبراتا ہے بلکہ اس سے مذاق کرتا ہے)

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ یعنی یاایھا المبلغ عن اللہ و یاایھا المخبر عن اللہ و یاصاحب علوالمکانۃ والزلفی یہ اس لیے کہ لفظ انباء و ارتفاع کی خبر دیتا ہے۔ وَجَاهِدِ الْكُفَّارَ کفار سے جہاد کرو یعنی کھلم کھلا ان کے ساتھ تلوار سے لڑو۔ والجہاد باطل لوگوں کو برائیوں سے روکنے اور انہیں حق پر لگانے کے لیے اپنی جدوجہد کرنا وَالْمُنٰفِقِیْنَ اور منافقین سے حجۃ اور دلائل اور ان پر حدود قائم کرنے سے جہاد کرو اس لیے کہ ان سے حدود کے اجراء کے اسباب بکثرت سرزد ہوتے ہیں اس لیے ان سے تلوار سے جہاد نہ کرو اور نہ ہی ہماری شریعت ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیتی ہے اس لیے کہ ہماری شریعت کے احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اور منافقین اسلام ظاہر کرتے ہیں اگرچہ کفر ان کے قلوب میں ہوتا ہے لیکن ہم ظاہر کے احکام کے پابند ہیں (یہی بات ہم دیوبندیوں وہابیوں سے کہتے ہیں کہ ان سے حضور علیہ السلام کا ہر معاملہ مبنی بر لاعلمی و عدم اختیار نہیں تھا بلکہ اسی ظاہری شریعت کے حکم پر ہے) وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ط اور ان پر سختی کیجئے، یعنی کافروں اور منافقوں دونوں گروہوں کی سخت گرفت کیجیے اور ان کے کسی معاملہ میں نرمی نہ کریں (جیسے ہم اہلسنت بدمذاہب کے

معاملہ میں کسی قسم کی نرمی کے قائل نہیں، (والحمد للہ علیٰ ذالک) یعنی بفضلہ تعالیٰ ہم صلح کلی نہیں ہیں اور نہ ہی زمانہ سازی جیسے مکرو فریب اور دوسرے لفظوں میں تقیہ کہا جاتا ہے) کیونکہ کسی شاعر نے فرمایا کہ : ؎

ہست نرمی آفت جان سمور

وز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ :

قاعدہ : یہ آیت ان تمام آیات واحادیث کی ناسخ ہے جس میں کفار ومنافقین اور دیگر بدمذاہب کے لیے نرمی اور درگزر اور معاف کرنے کا حکم ہے۔[1]

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ربط : پہلی آیت میں عذاب بلا تاخیر کا ذکر تھا۔ اس جملہ میں آنے والے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اور وہ جگہ بہت بری ہے جہاں یہ کفار ومنافقین مرنے کے بعد جا کر ٹھہریں گے۔

فائدہ : مرجع و مصیر میں فرق یہ ہے کہ مصیر میں ضروری ہے کہ حالۃ اولیٰ اپنے حال پہ نہ رہے بخلاف مصیر، کہ اس میں حالت اولیٰ اپنے حال پہ رہتی ہے۔

حدیث شریف مع شرح : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

اوصیك بتقوی اللہ فانہ راس امرك۔ میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ تمام امور کا سرتاج ہے۔

یعنی جملہ طاعت کی اصل تقویٰ ہے۔

ف : تقویٰ خوفِ الٰہی کا نام ہے اس لیے کہ بندہ کی ہر نیک عمل کی طرف رغبت اور برے فعل سے اجتناب، تو تقوے کی وجہ سے۔

قاعدہ : جب بندہ تقویٰ کا شجر قلب میں بو دیتا ہے تو اس کے تمام اعضاء نیکیوں کی طرف جھک جاتے اور برائیوں سے رک جاتے ہیں۔ اور فرمایا :

وعلیك بالجہاد فانہ رھبانیۃ امتی۔

اور جہاد کو لازم پکڑو، اس لیے کہ میری امت کی بہتر عبادت جہاد ہے۔

---

[1] عوام بلکہ بعض پڑھے لکھے صلح کلی قسم کے لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ تم بدمذاہب سے کیوں سختی کرتے ہو جبکہ حضور علیہ السلام دشمنوں کو چادر دیتے تھے انہیں یہ قاعدہ یاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ چادر بچھانا اور ان سے نرمی کرنا حق لیکن "واغلظ علیھم" بھی حق۔ ہم اہلسنت ناسخ آیت پر عمل کرتے ہیں اور منسوخ احکام پر عمل کرنا یا ان کی دعوت دینا جاہلوں اور لاعلموں کا کام ہے۔ (فافہم)

ف : رہبانیت برہ اچھی عادات جوان راہبوں کی طرف منسوب ہیں جو عبادت گاہوں میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے علاوہ ازیں وہ گوشت نہیں کھاتے اور اچھی اچھی چیزیں اور خوشبو وغیرہ استعمال نہیں کرتے اور موٹے کپڑے پہنتے۔

ف : رہبانیت سے تشبیہ اس معنیٰ میں ہے کہ امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگوں میں خواہ مخواہ ایسے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اگرچہ وہ رہبانیت کو نہ اپنائیں تب بھی انہیں ایسے موٹے کپڑے پہننے پڑتے۔

ف : بسا اوقات انسان ایسا طعام کھاتا ہے جو اس کا جی چاہتا ہے۔ لیکن ایسے روزہ دار سے افضل ہے جس کا روزہ حبِ دُنیا کا موجب ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خوانده که خیرے بر آید ز دست

به از صائم الدہر دنیا پرست

ترجمہ : اس روزہ دار صائم الدہر نفس پرست سے وہ روزہ نہ رکھنے والا بہتر ہے جو دوسروں کو خیر خیرات دیتا ہے۔

پانچ امور پر التزام حضرت اوزاعی نے فرمایا کہ : صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچ باتوں پر مداومت رکھتے تھے :

- نماز باجماعت ادا کرنا
- اتباعِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- تعمیرِ مساجد
- تلاوت القرآن
- جہاد فی سبیل اللہ

عورتوں کا جہاد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میری اُمت کے مردوں سے افضل وہ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ اور عورتوں میں افضل وہ ہیں جو زندگی اپنے گھروں میں بسر کرتی ہیں۔ سوائے شدید ضرورت کے وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتیں۔

مجاہد کا درجہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہدین کو رنج پہنچانے سے بچو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی خاطر اسی طرح ناراض ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے لیے۔ اور ان کی دعا اسی طرح مستجاب ہوتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے جانوروں کی پرورش اور کھیتوں وغیرہ کے کام میں مصروف ہو کر جہاد ترک کر دو گے تو اس وقت تمہارے اُوپر ذلت و خواری مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ تم اپنے کی طرف واپس

نہ آ جاؤ۔

ف : اس حدیث شریف سے معلوم ہُوا کہ ترکِ جہاد اور اس سے روگردانی اور دُنیا کے کاروبار میں سخت مشغول ہو جانا کافروں کا شعار اور دین سے خروج کا دُوسرا نام ہے۔

سبق : انسان سوچے کہ اس کے لیے اس سے اور کون سا بڑا جرم اور گناہ ہوگا۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ قلب وُہ ہے کہ اس پر انبیاء علیہم السلام کی طرح منجانب اللہ واردات وارد ہوتے ہیں پھر وُہ قلب انبیاء علیہم السلام کی طرح کافر نفس اور اس کی صفات سے جہاد کرتا ہے۔

ف : یہ مرتبہ دراصل مشایخِ طریقت کو نصیب ہوتا ہے کہ وُہ اپنے نفوس اور اپنے مریدین کے نفوس کی اصلاح کرتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ شیخ اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت میں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش
چوں نبی باشد میان قوم خویش

ترجمہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیخ کامل اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت میں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نفس کافر اور اس کے صفات سے ساتھ صدق کی تلوار سے جہاد کرو۔ اور نفس سے جہاد یہ ہے کہ اسے شہوات سے دُور رکھا جائے اور اسے اس کی اپنی طبیعت سے دور کر کے شرعی امور پہ لگایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ : بعض نفوس کفار صفت ہوتے ہیں وہ اسلام قبول نہیں کرتے یعنی مشایخ کی تربیت کو قبول نہیں کرتے اور ان کے ساتھ جہاد یُوں ہو کہ انہیں حکمت عملی اور اچھے مواعظ سے دعوت فی سبیل اللہ دی جائے اور ان میں بعض منافق طبع ہوتے ہیں انکی علامت یہ ہے کہ بظاہر تو وہ مشایخِ طریقت کے سامنے ارادت اور تسلیم کا دم بھرتے ہیں لیکن اندرونی طور ان کے معاہدوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں ان کا جہاد یوں ہو کہ انہیں تزکیہ کے طور ریاضاتِ شاقہ میں لگایا جائے اوامر الشیخ ونواہی کا انہیں بہت زیادہ فرمانبردار بنایا جائے ان سے انکار و امتناع محسوس ہو تو ان کو مشایخ کے ارشادات کا پابند کیا جائے۔ کما قال وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ سالک پر لازم ہے کہ نفس کی مخالفت اور اس کے مواخذہ میں احکام طریقت پر سختی کی جائے۔ اگر وہ طریقت کے احکام کو مان لے تو الحمدُ للہ، ورنہ اسے خبر دو کہ وہ اسی کا مستحق ہو گیا جس کے لیے وُہ پیدا ہُوا، یعنی جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔ یعنی ان کا جہنم یہی ہے کہ وہ نار بُعد و فراق میں مبتلا ہوں گے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک پر لازم ہے کہ سب سے پہلے نفس اور اس کی خواہش سے جہاد کرے اس لیے کہ بادشاہ پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے باغی اور سرکش رعایا سے جہاد کرے اس کے بعد نفس کے صفات سے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر طرح کے کافروں پر غلبہ بخشے۔ (آمین)

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں دو ماہ ٹھہرے۔ اسی اثناء میں قرآن پاک کا نزول بھی ہوتا رہا اور ان منافقین کی مذمت بھی نازل ہوتی رہی جو جنگ پر حاضر نہ ہوئے حضور علیہ السلام ان کی مذمت منافقین کے دوسرے ساتھیوں کو سناتے تھے جو جنگ میں آپ کے ساتھ تھے جلاس بن سوید نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیچھے رہنے والے بھائیوں کے لیے جو کچھ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ جنہیں ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے ہیں وہ تو ہماری قوم کے برگزیدہ اور بہتر آدمی ہیں۔ حضرت عامر بن قیس انصاری نے جلاس سے فرمایا کہ واقعی تم گدھوں سے بدتر ہو اس لیے کہ حضور علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق اور سچ ہے جلاس کی گفتگو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائی گئی۔ آپ نے جلاس کو بلایا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے کوئی بات نہیں کی۔ اس پر حضرت عامر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا اے اللہ! اپنے عبد مقدس اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب نازل فرما۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام "آمین" کہتے تھے۔ ابھی وہ وہیں بیٹھے تھے کہ جبریل علیہ السلام یہی آیت لائے۔

سوال: قسم کہ کر قول مذکور تو صرف جلاس نے کہا تھا لیکن صیغہ جمع (قالوا) کا لایا گیا ہے۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ قول مذکور کا قائل ایک تھا لیکن باقی منافقین اس کے اس قول پر راضی تھے اسی وجہ سے وہ بھی بمنزلہ قائلین ہوئے بنا بریں انہیں جلاس کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ بے شک انہوں نے کلمۂ کفر کہا اور اس کلمۂ کفر کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ اور اسلام ظاہر کرنے کے بعد اب انہوں نے اپنے قلب کے اندر چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا۔ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا الہم بالشئ بمعنے مقاربته دون الوقوع یعنی کسی شے پر وقوع کے بغیر اس سے ملنا یعنی منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی جس میں وہ کسی صورت میں کامیاب نہ ہو سکے۔

منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ پندرہ منافقین نے منصوبہ بنایا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائیں تو انہیں عقبہ (جو کہ تبوک و مدینہ کے مابین واقع ہے) میں شہید کر دیا جائے۔ اور مشورہ کیا کہ جونہی آپ کی اونٹنی عقبہ سے گزرے تو اسے وادی کی طرف لے جایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

منافقین کے منصوبہ سے مطلع فرما دیا غزوۂ تبوک کی فراغت کے بعد جب لشکر اسلام عقبہ مذکورہ کے قریب پہنچا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عقبہ سے گزرے گی باقی تمام لشکر وادی سے گزرے اس لیے کہ ان کے لیے وہی راستہ آسان تر ہے۔ یہ فرما کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری عقبہ کی جانب روانہ کر دی اور دوسرے تمام اہلِ اسلام وادی کی جانب سے روانہ ہوئے۔ جب منافقین نے یہ پروگرام سنا تو وہ عقبہ کو روانہ ہو پڑے تاکہ وہ اپنا منصوبہ مکمل کر سکیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ وہ اونٹنی کی مہار لے کر چلیں، اور حضرت حذیفہ بن الیمان سے فرمایا کہ وہ اونٹنی کے پیچھے ہو کر چلیں، عقبہ میں سے اونٹوں کے چلنے اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ حضرت حذیفہ بن الیمان نے پیچھے ہٹ کر دیکھا کہ وہی منافقین آ رہے ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا حضرت حذیفہ نے انہیں للکار کر فرمایا کہ اے اللہ کے دشمنو! ہٹ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو جاؤ۔ جب منافقین نے دیکھا کہ ان کا پردہ فاش ہوتا ہے تو جلدی سے بھاگے اور لشکر اسلام سے جا ملے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلع ہو گئے۔ اسی لیے وہ وہاں عقبہ سے بھاگ کر وادی میں لشکر اسلام سے جا کر ملے۔ جب منافقین بھاگ گئے تو حضرت حذیفہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آ ملے اور حضور علیہ السلام کو ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے انہیں پہچانا بھی تھا، انہوں نے عرض کی کہ وہ منہ چھپائے ہوئے تھے اور رات اندھیری تھی میں انہیں نہیں پہچان سکا۔

اسی جگہ تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ بجائے وادی کے چلنے کے عقبہ سے کیوں تشریف لے گئے، حالانکہ وادی کا راستہ آسان تر تھا اور عقبہ کا راستہ پُرخطر۔ آپ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ منافقین نے میرے شہید کرنے کا پروگرام بنایا تھا اس لیے مجھے راستہ تبدیل کرنا پڑا۔ انہوں نے عرض کی: اب لشکرِ اسلام بسلامت اپنے مقام پر پہنچ گیا ہے اب آپ ان منافقین کے نام بتا دیجیے تاکہ ہم ان کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالیں۔ بخدا اگر آپ مجھے بھی ان سب کے نام بتا دیں تو میں اکیلا ہی ان سب کے سر اڑا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا اور اسی نشست میں ہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ اسلام کی شکایت ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار کو مسلمان کر کے جب ان پر غلبہ پاتے ہیں تو انہیں قتل کرا دیتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! وہ آپ کے صحابی تو نہیں بلکہ اندرونی طور پر کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظاہراً کلمۂ شہادت تو پڑھتے ہیں۔ آپ نے اس کے بعد منافقین کے لیے بددعا کی کہ اے اللہ! انہیں دبیلہ میں مبتلا فرما۔

ف: الدبیلہ وہ آگ کا شعلہ جو ان کے کاندھوں سے نکل کر ان کے سینے جلا دے۔ بعض کہتے ہیں وہ آگ کا شعلہ جو دل کو چیر کر تباہ و برباد کر دے۔

وَمَا نَقَمُوٓا اور انہیں برا نہیں لگا۔

حلِ لغات: قاموس میں ہے کہ نقم الامر ای کرھہ یعنی انہوں نے شئ من الاشیاء سے کسی سے کراہت نہ کی اور اس پر

عیب لگایا۔

اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج مگر یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہ لوگ تنگدست تھے۔ مالی حالات نہایت کمزور تھے یہاں تک کہ مالِ غنیمت کی کثرت سے ان کے حالات درست ہو گئے۔ ایک دفعہ جلاس کا غلام قتل کر دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قاتل سے بارہ ہزار درہم دلوائے جس سے وہ غنی ہو گیا۔

ف: اس سے دیت کے زائد درہم مراد ہیں جو دیت کے علاوہ انسانی شرافت کے پیشِ نظر مقتول کے ورثاء کو دیے جاتے ہیں وہ اپنی اصطلاح میں شنق کو کہتے ہیں۔

ف: یہ کلام طنز کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مالی عندك ذنب الا احسانی۔

یعنی میرا گناہ اتنا ہے کہ میں نے تیرے اوپر احسانات کیے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کلام منافقین سے تہکم اور توبیخ و زجر کے طور بیان فرمایا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ اغنٰھم کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو غنی بنایا تو منافقین غیظ و غضب سے جلنے لگے۔ کذا قال عبدالسلام

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا پس اگر وہ اپنے کفر و نفاق سے تائب ہوں۔ يَكُ تو ان کی توبہ ہو گی خَيْرًا لَّهُمْ ج ان کے لیے دارین کی بہتری۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو جلاس (سابق منافق) نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی دعوت دی ہے فلہذا گواہ ہو جائیے کہ بخدا میں نے صدقِ دل سے توبہ کی۔ اس کی تصدیق عامر بن قیس نے بھی کی۔ اس طرح سے جلاس نے توبہ کی اور تادمِ زیست اپنی توبہ پہ قائم رہا۔

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا اور اگر وہ اعراض کریں یعنی اپنے کفر و نفاق پر بضد رہیں، یعنی دین سے روگردانی پر ڈٹے رہیں۔ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا تو انہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں قتل و قید اور لوٹ مار اور دیگر سخت سزائیں دے کر دردناک عذابوں میں مبتلا فرمائے گا وَالْاٰخِرَةِ ج اور آخرت میں جہنم کے سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ اور زمین کی وسعت اور دور دور تک پھیلے ہونے اور اس میں بے شمار خلقِ خدا موجود ہونے کے باوجود ان کے لیے نہیں ہو گا۔ مِنْ وَّلِيٍّ کوئی دوست جو ان کی دستگیری کرے وَّلَا نَصِيْرٍ ○ اور نہ ہی کوئی مددگار جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچائے شفاعت کر کے یا اپنے زورِ بازو سے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار کی نجات استغفار اور توحید و توجہ الی علام الغیوب کے سوا ناممکن ہے اگرچہ عالم دنیا میں اسے بہت بڑی دنیوی، سیاسی اور فوجی طاقت حاصل ہو۔

حکایت حضرت محمد بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں بادشاہِ وقت کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ بادشاہ نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ اللہ بھی واحد (لاشریک) ہے اور میں بھی۔ میں نے اسے منع کیا اور کہا کہ اگر دوبارہ ایسے کہو گے تو ہم سب دریا میں ڈوب کر مر جائیں گے۔ اس نے کہا، وہ کیسے؟ میں نے جواب دیا، تم ایک نہیں بلکہ دو ہو:

۱۔ رُوح ۲۔ جسد

اور دو سے پیدا ہوئے ہو۔ یعنی ماں باپ سے۔ اور دو میں رہتے ہو یعنی رات اور دن۔ اور دو کے ذریعے زندہ ہو یعنی خورد و نوش سے۔ اور دو چیزیں تمہارے اُوپر ہر وقت سوار ہیں: فقر، عجز۔ اور واحد صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

ف: کسی دانا نے فرمایا کہ بہشت کا داخلہ تین وجوہ سے ہوگا:

- کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو ماننے سے۔
- گناہوں سے استغفار کرنے سے۔
- دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تحمید سے۔

ف: بہشت میں داخل ہوتے ہی اہل بہشت پڑھیں گے:

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمارے سے حزن دور فرمایا۔

ف: الحزن سے قبر، حساب و کتاب اور جہنم مراد ہے۔ "ان ربنا لغفور" بیشک ہمارا رب ہمارے چھوٹے بڑے گناہ بخشنے والا ہے "شکور" چھوٹی بڑی نیکی قبول کرنے والا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ و جدال کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دلت آئینہ خدا نما ست — روئے آئینہ تو تیرہ چرا ست

صیقلے وار صیقلے میزن — باشد آئینات شود روشن

صیقل آں اگر نہ آگاہ — نیست جز لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ: تیرا دل آئینہ اور خدا نما ہے پھر تیرا دل سیاہ کیوں ہے دل کو صاف کر امید ہے تیرا یہ شیشہ منور

صاف ہوجائے گا۔ دل کے صاف کرنے کا صیقل سوائے لا الٰہ الا اللہ کے اور کوئی شے نہیں ۔ یہ سبق یاد کرلے اگر تمہیں معلوم نہیں۔

تفسیر صوفیانہ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ؕ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ میں اشارہ ہے کہ بعض مریدین خواہشات نفسانی اور نفوس امارہ اور شیطان کی شرارت کے غلبہ سے اپنے مشایخ اور اولیاء پر اعتراض اور ان کی شان میں کفریہ کلمات بکتے ہیں[1] یعنی اولیاء کے کمالات و فضائل کا انکار اور ان پر اعتراضات کرنا منافقین (بدبختوں) کا کام ہے۔ ایسے لوگ اگرچہ بظاہر اور زبانی طور اسلام کا دم بھرتے اور اولیاء کرام کی کرامات و فضائل کا اقرار کرتے ہیں لیکن قلبی طور او حقیقۃً اولیاء کرام کے منکر ہیں[2]۔ جب اولیاء کرام ایسے بدبختوں کی خبث باطنی کی خبر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم اندرونی طور اللہ والوں کے دشمن ہو تو وہ قسمیں[3] کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اولیاء کرام کے منکر نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ان کے گستاخ ہیں اور نہ ان کی شان میں کمی کرتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی پیروی کے بغیر یا وقت سے پہلے ہی مسند مشیخت پر بیٹھیں اور عوام پر اپنا سکہ بٹھائیں، ان کے لیے ایسا ہونا مشکل ہے ۔ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ اور وہ مشایخ پر صرف اس حیثیت سے اعتراضات کرتے ہیں کہ مشایخ نے انہیں ولایت کے مراتب سے روشناس کرایا اور آثار رشد و ہدایت سے انہیں بہرہ ور فرمایا۔ لیکن چونکہ یہ ازلی بدبخت تھے اپنی پست ہمتی سے ولایت کے انوار و تجلیات نہ بچا سکے بلکہ شیطان نے انہیں اپنی اچھی کارگزاریوں پر ابھار کر دارین کی بہبودیوں سے محروم رکھا اس لیے وہ دارین میں اندھے، بہرے اور گونگے رہے۔ فَإِنْ يَتُوبُوا اگر وہ عجز و انکسار اور الحاح و زاری کرکے اپنے مشایخ (اولیاء) سے معافی لے کر ولایت کی راہوں پر واپس آئیں۔ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ تو ان کے لیے بھلائی ہے کہ ولایت کی غیرت اور ارتداد کی سزا سے نجات پالیں گے اس لیے کہ ولایت کی غیرت اور ولایت کے ارتداد کی سزا بہت سخت ہے اس سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ کسی کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لے اسی میں اس کی نجات ہے اور بس۔ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا اور اگر وہ اللہ والوں (مشایخ) کی ولایت کا انکار کریں اور انہیں نہ مانیں۔ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا و آخرت کی سزا ایسے بدبخت کو یوں نصیب ہوگی کہ اس سے ولایت کا جوہر چھین لیا جائے گا۔

مسئلہ: یاد رہے کہ شریعت کے مرتد سے طریقت کے مرتد کا گناہ بہت بڑا ہے اس لیے اس کی سزا بھی بہت بڑی سخت ہے۔

ملفوظِ جنید: سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صدیق کا مرتبہ پاکر اور کوئی ہزار سال اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے لیکن

---

[1] یہی کام آجکل دیوبندیوں وہابیوں نجدیوں مودودیوں نے سنبھال رکھا ہے۔ ۱۲

[2] آزما کر دیکھیے یہی شیوہ دیوبندیوں وہابیوں، تبلیغی جماعت اور مودودیوں (جماعت اسلامی) والوں کا ہے۔ ۱۲

[3] ایسے ہی مذکورہ بالا لوگوں کی عادت ہے کہ جھوٹ بول کر قرآن سر پر رکھ لیتے ہیں۔ ۱۲

بدقسمتی سے صرف ایک گھڑی روگردانی کرے تو تمام مراتب ضایع ہوکر سخت سزا کا مستحق ہوجائے گا یعنی ہزار سالہ عبادت و ریاضت ضایع ہوگئی اور سزا کا استحقاق مزید برآں۔

ف: طریقت کے مرتد کی دنیوی سزا یہ ہے کہ اس سے قلب کی صدق وصفائی چھین لی جائے گی اور اسے طلب حق کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا اور اس کے آگے ہزاروں پردے لٹکا دیے جائیں گے اور اسی معنوی ذلت وخواری میں مبتلا کیا جائے گا اور اس پر ہوا وہوس کو مسلط کیا جائے گا اس کے اخلاص کو ریاء اور حرص علی الدنیا اور رجاہ وجلال اور حشمت ووجاہت کی طلب میں تبدیل کیا جائے گا اور اس کی آخرت کی سزا یہ ہے کہ اس کے دل پر حسرت وندامت کو مسلط کرکے اسے دائمی جدائی و مفارقت کی آگ میں جلایا جائے گا یہ نار ہجران الٰہی وہی ہے جو بدبختوں کے قلوب کو جھلس دے گی۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۝ میں اشارہ ہے کہ جو شیخ کامل ولی اللہ کی ولایت کا مردود ہے اس کا دنیا میں کوئی حامی ومددگار نہیں اگرچہ عالم دنیا کے تمام مشایخ اولیاء کرام اس کے لیے سفارش کریں اور اپنے شیخ سے اگر مردود ہوچکا ہے تو وہ اگرچہ ہزاروں مشایخ کی ارادت کا دم بھرے یا بے شمار اولیاء کرام کی خدمت کرے تب بھی اپنی بدبختی سے نہیں نکل سکے گا اور نہ ہی اسے کوئی کامل اس بدبختی سے نکال سکے گا، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ مالک ومختار ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: اسی لیے ہم اہلسنت (صوفیاء کرام) اپنے شیخ کی ارادت پر کسی ولی کامل کی ارادت وعقیدت کی ترجیح کے روادار نہیں۔

فافھم ولا تکن من الجاھلین والوھابیین۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْهُمْ اور ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے حلفیہ معاہدہ کیا لَئِنْ اٰتٰىنَا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل وکرم سے مال لَنَصَّدَّقَنَّ تو ہم زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات وخیرات دیں گے۔ یہ دراصل "لنتصدقن" تھا۔ تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے۔ التصدق بمعنے صدقہ دینا۔ اور اسے صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بندے کے صدق فی العبودیۃ پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور ہم ہر حال میں نیک لوگوں سے ہوں گے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد حج تھی۔

شانِ نزول یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے حق میں نازل ہوئی اور وہ ابتداءً مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتا۔ اسے حمامۃ المسجد "مسجد کی کبوتری" لقب دیا گیا۔ کثرت سجود سے اس کے ماتھے پر نہ صرف داغ[1] پڑ گیا بلکہ ماتھا اونٹ کے گھٹنے کی طرح باہر کو نکل آیا۔ لیکن وہ مسجد سے بہت جلد نکل جاتا۔ ایک

---

[1] اب یہ کیفیت وہابیوں میں ہے۔ ۱۲

دن اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم نماز سے جلد چلے جاتے ہو۔ یہ تو منافقین کا کام ہے کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی بلا تاخیر گھر چلے جانا، حالانکہ نماز کے بعد کچھ دیر دُعا و استغفار کرنا چاہیے۔ اس نے عرض کی: میں نہایت ہی تنگدست ہوں یہاں تک کہ میرے پاس صرف ایک کپڑا ہے جس سے نماز پڑھ کر پھر جلدی گھر چلا جاتا ہوں اس سے میری عورت نماز ادا کرتی ہے اور وہ گھر میں ننگی بیٹھی ہے جب تک میں نہیں جاتا وہ نماز نہیں پڑھ سکتی فلہٰذا اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دُعا فرمایئے تاکہ میں مالدار ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ویحك یا ثعلبہ "تمہیں خرابی ہو اے ثعلبہ۔

ف: ویحك۔ یہ کلمہ عذاب کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شفقت کا کلمہ ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس بہت سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم میں نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ رہی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا حضور نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے۔ اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی تحصیل کرنے والے بھیجے لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیے جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا۔ اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہو گیا جاؤ میں سوچ لوں۔ ثعلبہ کی مذکورہ بالا حالت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مال عطا فرمایا بَخِلُوْا بِهٖ تو انہوں نے اس کے ساتھ بخل کیا یعنی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا وَتَوَلَّوْا اور اللہ تعالیٰ کے معاہدہ اور اطاعت سے رُوگردانی کی وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ [illegible] روگردانی کرنے والے ہیں یعنی انہیں روگردانی عارض ہوئی۔

ثعلبہ کا بقایا قصہ اور حضور علیہ السلام کا علم غیب

جب زکوٰۃ جمع کرنے والے واپس آئے تو قبل اس کے کہ وہ ثعلبہ کا حال سناتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: یا ویح ثعلبہ۔ یہ کلمہ آپ نے دو بار فرمایا یعنی ثعلبہ پر افسوس۔ تو یہ آیت نازل ہوئی پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرما دی۔ وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا پھر اس صدقہ کو خلافت صدیقی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ [illegible] کے پاس لایا انھوں نے بھی اسے نہ فرمایا۔ پھر خلافتِ فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی [illegible] اور خلافتِ عثمانی میں ہلاک ہو گیا۔[1]

---

[1] اس سے میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے کہ آپ نے قبل از وقت ثعلبہ کو انجام بد کا اشارہ فرما دیا [illegible] سے معلوم ہوا کہ [illegible] باقی بجھو آئندہ

ف: ایک روایت میں ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ اے بدبخت! تیرے حق میں آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے سزا ہے تیرے اس قول کی جبکہ تُو نے کہا کہ یہ زکوٰۃ چٹی ہے۔ باقی مضمون پہلے کی طرح ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے فعل کے پیچھے ڈالا۔ یہاں گویا لفظ فعل مضاف محذوف ہے نِفَاقًا منافقت جو گھس چکی ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں یعنی ان کے اعتقاد بُرے ہو چکے ہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے "اعقبه الله خيرًا" یعنی اللہ تعالیٰ نے فلاں کا انجام کار خیر بنایا۔ یا کہا جاتا ہے "اكلت سمكا فاعقبتني سقما" یعنی میں نے مچھلی کھائی اس کا انجام بیماری بنی۔ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ اس دن تک کہ جسے وُہ پائیں گے یعنی ان کی موت تک انہیں منافقت نہیں چھوڑے گی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ تادمِ زیست ان کو منافقت لازم ہوگئی تھی نیز معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا اور اس کے پاس مال ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تو اس کا نتیجہ بُرا نکلے گا جیسے ابلیس کا انجام برباد ہُوا یا ثعلبہ کا (نعوذ باللہ) ابلیس نے ایک حکم سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنے دروازہ سے ہٹا دیا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اسّی ہزار سال عبادت کرتا رہا لیکن اس کے باوجود اب وہ ہمیشہ کے لیے ملعون ٹھہرا اور نہایت سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیرِ مغاں اینہمہ نیست

ترجمہ: اے زاہد! زمانہ کی غیرت سے بے غم نہ ہو ممکن ہے وہ غیور رب تجھے مسجد سے اٹھا کر بُت خانہ میں بھیج دے اور بُت پرست کو تیری جگہ مسجد میں۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا یعنی وعدہ کیا تھا کہ وُہ صدقہ دیں گے اور نیک ہوں گے۔ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اور بوجہ ان کی تکذیب کے۔ یعنی انہوں نے عزم کر رکھا ہے کہ وہ ہر قول و فعل میں حضور علیہ السلام کے حکم کے خلاف کریں گے منجملہ ان کے یہ بھی ہے جو ثعلبہ کے واقعہ میں مذکور ہوا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا کیا انہیں معلوم نہیں یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مال کی کثرت اگر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خرچ نہ ہو سکے تو تباہی کا موجب ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ: ؎

محمد بخشد گنہگار حق را
ولے حق نہ بخشد خطائے محمد

(جامی رحمۃ اللہ علیہ)

خرچ کریں گے اور نیک ہوں گے۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی انہیں معلوم ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ سِرَّھُمْ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں پختہ ارادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے لیکن اسے بیان نہیں کرتے وَنَجْوٰىھُمْ اور ان کی ان سرگوشیوں کو جانتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ وغیرہ کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زکوٰۃ چٹی ہے۔ اور ایسی اور غلط باتیں جو اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔

ف: التناجی بمعنے ایک دوسرے سے راز کی بات کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے نجاہ نجوی و ناجاہ مناجات بمعنے سارہ۔ یعنی فلاں سے فلاں کی راز کی بات کی۔ اور النجوی بمعنے راز کی بات۔ اسی طرح النجی۔

وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ غیوب کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر منافقت کی باتوں کو دل میں رکھ کر کیسے سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی کو خبر نہ ہوگی۔ ؎

مکن اندیشۂ عصیاں چو می دانی کہ می داند
مبینی در رُخِ این و آں چو میدانی کہ می بیند

ترجمہ: جب تمہیں یقین ہے کہ وہ تیرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے تو پھر گناہ نہ کر بلکہ اس سے تائب ہو جا۔

مسائلِ فقہیہ

مسئلہ: کسی نے صرف اللہ تعالیٰ کی قربت کی طلب میں منت مانی۔ مثلاً کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہزار درہم عنایت فرمایا تو میں پانچسو درہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ پانچسو روپیہ اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے۔

مسئلہ: کسی نے قربت کے لیے نہیں بلکہ ویسے ہی منت مانی۔ مثلاً کہا کہ میں فلاں دار میں ضرور داخل ہوں گا۔ یا کسی گناہ کی منت مانی۔ مثلاً کہا میں فلاں کو قتل کروں گا۔ اس پر لازم ہے کہ صورتِ اولیٰ میں حانث ہونے پر کفارہ ادا کرے، اور قتل کی صورت میں مثلاً اس پر لازم ہے کہ قتل نہ کرے بلکہ کفارہ ادا کرے۔

قسم کا کفارہ

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو طعام کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑا دے، یعنی ان تینوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ان تینوں مذکورہ بالا امور میں سے کسی کی طاقت نہیں تو تین دن مسلسل روزے رکھے۔

مسئلہ: اگر کسی شرط کے ساتھ مشروط منت مانی مثلاً کسی شے کے ہونے سے فعل کو مشروط کیا جیسے کہا کہ اگر فلاں سفر سے بخیریت واپس آیا یا میں سفر سے بخیریت واپس آیا یا اگر اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں مریض کو شفا بخشی یا اللہ تعالیٰ نے میرا قرض اتار دیا تو میرے اوپر روزہ ہے یا صدقہ۔ یا مثلاً کہا "اگر میں غلام کا مالک ہوگیا یا فلاں مخصوص غلام میرے قبضہ میں آگیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اسے آزاد کر دوں۔ ان صورتوں میں اسے شرط کے پورے ہونے پر منت کا پورا کرنا لازم ہے، اس لیے کہ ایسے الفاظ میں نذر کے مسائل مرتب ہوتے ہیں اس لیے کہ ان الفاظ میں یمین کا معنیٰ نہیں ہے۔

مسئلہ : ایسی صورت میں کسی شے کا وجود مقصود نہیں یعنی منت کو مشروط بالشرط کرتا ہے لیکن اس میں کسی شے کا وجود مطلوب نہیں مثلاً اگر میں نے فلاں سے بات کی یا میں دار میں داخل ہوا تو مجھ پر ایک سال کا روزہ ہے ایسی صورت میں خلاف کرنے پر کفارۂ یمین کافی ہے۔

مسئلہ : ایسی شے کی منت ماننے جو اس کے فرائض میں شامل ہے۔ مثلاً روزہ، نماز، صدقہ، اعتکاف ایسی صورتوں میں اس پر ان کی ادائیگی منت ماننے والے پر لازم ہے۔

مسئلہ : اگر منت والے پر وہ امور فرائض سے نہیں مثلاً عیادت مریض یا جنازہ کی شمولیت و دخول مسجد، پُل کا بنانا، رباط تیار کرنا، سقایہ، قرأت قرآن وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورتوں میں اس پر کوئی شے لازم نہیں۔

قاعدہ : جو افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہیں وہ افعال بندہ اپنے اوپر واجب کر سکتا ہے ورنہ، تاکہ نذر سے معلق کرنے سے اس کی مصلحت اسے نصیب ہو۔

مسئلہ : نذر غیر معلق کسی زمان و مکان کی محتاج نہیں جب اور جہاں ادا کرے جائز ہے۔ اسی طرح دراہم و دنانیر اور جنس گندم وغیرہ بھی اس میں ضروری نہیں جو چاہے جیسے چاہے ادا کرے بخلاف معلق کے کہ اس میں شرائط ضروری ہیں۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میں منت مانتا ہوں کہ یہ درہم آج کے دن اسی فلاں فقیر پر خرچ کروں گا اگر اس نے آج کے بجائے کل اور کسی غیر معین فقیر پر کوئی درہم خرچ کیا تو جائز ہے۔ یہ احناف کے جملہ ائمہ کے نزدیک ہے۔ خلافاً لزفر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ : حقیقی مساجد تین ہیں :

- مسجد حرام
- مسجد نبوی
- مسجد اقصیٰ

اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تیار کردہ ہیں انہیں انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اگر کسی نے منت مانی کہ میں ان میں کسی ایک مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس پر اسی معین مسجد میں نماز پڑھنا ضروری ہے بخلاف دوسری کسی مسجد کے کہ ان میں کسی خاص مسجد کی منت مانی تو اسے ضروری نہیں کہ وہ اسی مسجد میں جا کر نماز پڑھے بلکہ جس مسجد میں پڑھ لے اس کے لیے جائز ہے۔

مسئلہ : کذب، خلاف وعدہ اور امانت میں خیانت کا نام منافقت ہے۔

فائدہ : یہ اس کے لیے منافقت کی علامت ہیں جو ان امور کا عادی بن جائے۔

مسئلہ : صدق اور طاعت پر مداومت ایمان کی علامت ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے صدق کو پیدا فرمایا تو اس کا ظل ایمان ہوا۔ اور کذب کو پیدا فرمایا تو اس سے کفر و منافقت کا ظل ظاہر ہوا۔

حدیث شریف: تین ایسی خصلتیں ہیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے:

- کذب
- وعدہ خلافی
- امانت میں خیانت

اگرچہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلم بتائے یعنی جو عمداً جھوٹ بولے اور خلاف کرنے کے لیے وعدہ کرے۔ اور امانت کا انتظار صرف خیانت کے لیے رکھے۔

مسئلہ: یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان امور کا عادی ہو ورنہ کبھی کبھار یا غفلت سے غلطی ہو جائے تو اگرچہ بہت بڑا گناہ کیا لیکن اس کا شمار منافقین میں سے نہ ہوگا۔ یہی بخاری اور بعض علماء کا مذہب ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہی منافقین کی نشانیاں ہیں جس میں پائی گئیں اگرچہ وہ منافق نہ ہو تب بھی علامات تو اس میں ہیں اس لیے اسے تشبیہ بالمنافق کہا جائے گا۔ بطور تغلیظ اسے منافق کہنا مجازاً ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے بطور تغلیظ من لم یحج کے بجائے من یکفر فرمایا ہے۔

فائدہ: صاحبِ تحفہ نے لکھا کہ ضروری نہیں کہ منافقین کی صرف یہی تین علامتیں ہوں بلکہ جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو، وہ منافق ہے۔

فائدہ: منافق دو قسم ہیں:

۱۔ ابتداءً اسلام کا اعلان کرتے لیکن دل سے متنفر تھے ایسے لوگوں پر منافقت کی صفات کا غلبہ اور ان کے نفوس میں منافقت جڑ پکڑ چکی تھی۔

۲۔ اسلام کا اعلان کرتے، دل سے اس سے متنفر تھے لیکن منافقت کی صفات کا ان پر غلبہ نہیں تھا بلکہ ایسی صفات انکے نفوس میں پوشیدہ تھیں کہ گاہ گاہ ظاہر ہو جاتیں اور ان میں یہ صفات ابتداءً کمزور تھیں پھر جوں جوں منافقت بڑھتی گئی ان کی وہ صفات قوت پکڑتی گئیں یہاں تک کہ اسلام کے متعلق ان کے قلوب میں شکوک مضبوط اور پختہ ہو گئے۔ ایسے لوگ اپنی منافقت سے غافل ہوتے ہیں اسی لیے وہ روزے بھی رکھتے اور نماز بھی پڑھتے ہیں اور وہ اپنے لیے مسلمان ہونے کے مدعی ہوتے ہیں۔

حجاج بن یوسف کی مذمت

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عالم دنیا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کی منافقیں حجاج بن یوسف کے مقابلہ میں لائی جائیں تو ان سب پر حجاج کی منافقت بڑھ جائے گی۔

صاحبِ روح البیان کے دور کے وزراء اور مشیرانِ کار صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز قدس سرہٗ نے اپنے زمانہ کے حجاج کو دیکھ کر فرمایا، اگر ہمارے دورِ عثمانیہ کے وزراء اور مشیرانِ کار کو دیکھ لیتے تو فرماتے کہ حجاج ان کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہٗ اگر صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے دور کے وزراء و مشیرانِ کار کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ یہ صاحبان اپنی نظیر آپ ہیں اس لیے کہ وہ علت صاحبِ رُوح البیان نے بتائی۔ وہ ہمارے دور کے وزراء و مشیرانِ کار میں بدترین طریق سے پائی جاتی ہیں مثلاً صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ ہمارے دور کے وزراء کفار سے رشوت لیتے ہیں تاکہ ان سے جنگ و جدال میں چشم پوشی کریں، اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و خوار کرے۔

ہمارے دور کے وزراء کا حال عوام سے مخفی نہیں کہ وہ اہلِ اسلام سے نہ صرف رشوت کھاتے ہیں بلکہ ان میں ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر اور سُن کر حیاء و شرم والے انسان کو ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔

مسئلہ: آیت میں بخل اور حرص علی الدنیا کی مذمت ہے۔

حدیث شریف: تین ایسے شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں اور جمیع ملائکہ کی لعنت میں ہیں:

- بخیل
- متکبر
- بسیار خور

حدیث شریف: خرابی بلکہ سخت پریشانی ہوگی قیامت میں اغنیاء کو غرباء فقراء سے جب فقراء اغنیاء کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ یا اللہ! اغنیاء سے ہمیں اپنے اموال سے حقوق نہ دے کر ہمارے اوپر ظلم کیا حالانکہ ان پر ہماری خدمت فرض تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم میں اغنیاء کو اپنے سے دور کہہ کر تم فقراء کو اپنا قرب عطا کرتا ہوں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز
خوانده باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ: قارون کا خزانہ جو قہرِ الٰہی سے تاحال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تم نے پڑھا ہے تو یاد رکھ وہ درویشوں کی غیرت کا نتیجہ ہے۔

حدیث شریف: ولی اللہ کی تخلیق ہی سخاوت پر ہوئی ہے یعنی ولی اللہ فطری طور پر سخی ہوتا ہے اور سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے

شایاں نے تمام کائنات کو خلعت وجود عطا فرمائی پھران پر ظاہرہ باطنہ مختلف نعمتیں عطا فرمائیں اور انہیں مہلکات سے بچایا بالخصوص شہوات اور خاص طور پر بخل سے محفوظ کر کے لذات باقیہ کا شوق عنایت فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یہ مرفوع ہے اور منافقین کی مذمت کے لیے ہے یعنی منافقین وہ ہیں کہ یَلْمِزُوْنَ قاموس میں ہے کہ لمز بمعنی عیب اور کسی کے لیے آنکھ سے اشارہ کرنا یعنی عیب لگاتے اور غیبت کرتے ہیں اَلْمُطَّوِّعِیْنَ دراصل المتطوعین تھا یعنی نفلی صدقہ دینے والوں پر۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ المطوعین سے حال ہے یعنی درانحالیکہ جن پر منافقین عیب لگاتے ہیں وہ اہل ایمان ہیں فِی الصَّدَقٰتِ یہ یلمزون کے متعلق ہے یعنی وہ مومنین پر صدقات کے متعلق عیب لگاتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو غزوۂ تبوک میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی تو سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا جس کی کل مالیت چار ہزار درہم تھی۔ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هل ابقيت لاهلك شيئاً کیا آپ نے اپنے بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہ۔

انہوں نے عرض کی:

ابقيت لهم الله ورسوله۔ میں ان کے لیے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں۔

ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟

عرض کی کہ آدھا مال بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں میں یہی فرق ہے جو تم نے خود بتایا۔

مسئلہ: اس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔

ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سا مال لائے کہ اس سے قبل آپ نے کبھی اتنا خرچ نہیں کیا ہوگا۔ دس ہزار دینار جنگی ضروریات کے لیے، اور ایک ہزار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ، اور تین سو اونٹ جنگی سامان سمیت، اور پچاس گھوڑے پیش کیے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

اللهم ارض عن عثمان فانی عنه راض۔ اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوا اور تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ یا اللہ! جس گھرانہ سے میں نے شادی کی اور جس کے ساتھ میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا وہ دوزخ میں داخل نہ ہو۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ خوش نصیب بزرگ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

نکاح سے نوازا، وہ فوت ہوگئیں۔ ان کی فوتیدگی غزوۂ بدر کی روانگی کے وقت ہوئی، تو پھر جب حضور علیہ السلام غزوۂ بدر سے فراغت پا کر لوٹے تو حضرت عثمان کو اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح سے نوازا۔ اس بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے۔ جب بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لو کان عندی ثالثۃ لزوجتکہا۔ یعنی اے عثمان! اگر میری تیسری صاحبزادی ہوتی تو میں تیرا نکاح اس سے کر دیتا۔

ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کل مال آٹھ ہزار درہم تھا، چار ہزار تو یہ راہِ خدا میں حاضر ہے اور چار ہزار میں نے گھر والوں کے لیے روک لیے ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے دیا اللہ اس میں بھی برکت فرمائے اور جو روک لیا اس میں بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ ان کا مال بہت بڑھا، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے چار بیبیاں چھوڑیں، انہیں آٹھواں حصہ ملا جس کی مقدار ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم تھی۔ ایک روایت میں اسی ہزار اور کئی درہم بھی وارد ہوا ہے۔ اور ان کا کل مال تین لاکھ بیس ہزار درہم تھا یعنی کل جائداد کا آٹھواں حصہ مذکورہ مال تھا۔ ایک روایت میں سونے کے چالیس اوقیے بھی وارد ہوا ہے۔ اس لیے روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو "اللہ تعالیٰ کے خزانے" کہا جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے لیکن مال میں الٹا برکت ہی برکت ہوتی۔

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی بہت سا مال لائے۔

اسی طرح حضرت طلحہ نے بھی، اور حضرت عاصم بن عدی نے کھجوروں کا ایک وسق پیش کیا اور ایک وسق نبوی ساٹھ صاع کے برابر تھا اور نبوی صاع چار مد کا تھا۔ ایک مد امام ابو یوسف و امام شافعی کے نزدیک بغدادی ایک رطل اور تہائی رطل کے مساوی تھا اور ایک رطل ایک سو تیس دراہم کا ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مد دو رطل کا ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں نے حسبِ استعداد اپنے زیورات پیش کیے۔

ان کے بعد ابو عقیل انصاری حاضر ہوئے اور عرض کی: ایک سیر میری کھجوریں بھی قبول فرمائیے، اور یہ میری وہ مزدوری ہے کہ ساری رات کماتا رہا مجھے صرف دو صاع کھجوریں ملیں۔ ایک صاع میں نے بچوں کے لیے رکھ چھوڑی ہیں اور ایک صاع حاضر کر دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے صدقہ کے ڈھیر میں ڈال دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قربانی کو منافقین نے ریاء و سمعۃ پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ عبدالرحمٰن نے تو ریاء اور شہرت کے لیے مال خرچ کیا ہے، اور ابو عقیل بھی اسی لیے مال لایا ہے کہ اس کا بھی نام یاد کیا جا سکے اور جتنا لایا ہے اس سے زیادہ سے ملے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ایک صاع کھجوروں کی کیا ضرورت ہے۔ منافقین کی اس طعن و تشنیع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ اور ان پر طعن کرتے ہیں جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔ اس کا

عطف المطوعین پر ہے یعنی منافقین ان کے صدقہ دینے پر عیب لگاتے ہیں جو اپنی محنت سے صدقہ دیتے ہیں۔

ف: صاوی نے فرمایا کہ منافقین نے زیادہ خرچ کرنے والوں کو ریاء و سمعہ اور تھوڑا خرچ کرنے والوں کو تھوڑا خرچ کرنے کا طعنہ دیا۔

حل لغات: الجہد اگر بالفتح ہو تو بمعنے مشقت۔ اگر بالضم ہو تو بمعنے طاقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں پہلا بمعنے الجہد فی العمل اور دوسرا الجہد فی القوۃ میں مستعمل ہے۔

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ پس وہ ان سے ہنستے ہیں۔ اس کا عطف یلمزون پر ہے یعنی منافقین اہل ایمان کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔ یہاں پر اہل ایمان سے دوسرا گروہ یعنی تھوڑا خرچ کرنے والے۔ جیسے حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ وغیرہ مراد ہیں۔ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی ہنسی کی سزا دے گا۔

ف: مسخری کا جواب لفظ مسخری سے صرف لفظی مشاکلت سے دیا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس لفظ کا اطلاق ناجائز ہے اور اس سے مراد سزا ہے۔

وَلَهُمْ اور ان منافقین کے لیے ثابت ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ دردناک عذاب یعنی ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے۔

ع

ایکہ دارد نفاق اندر دل   خار بادش خلیدہ اندر حلق

ہر کہ سازد نفاق پیشۂ خویش   خوار گردد بنزد خالق و خلق

ترجمہ: وہ جو دل میں منافقت رکھتا ہے خدا کرے اس کے حلق میں کانٹا پھنسے جو منافقت کی عادت کرتا ہے وہ خالق و مخلوق ہر دونوں کے نزدیک خوار و ذلیل ہوتا ہے۔

ربط: صاوی نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری تو منافقین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے بخشش کی دعا مانگیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت کریمہ تھی کہ آپ کلمہ گو لوگوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے تھے صرف ان کے ظاہری طور اسلام کی وجہ سے قطع نظر اس کے کہ وہ منافق ہے یا نہیں۔ اور آپ کو اس کے اندرونی معاملات کی طرف توجہ کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ اس طرف متوجہ ہوتے اس وجہ سے منافقوں کا جو شخص بھی فوت ہوتا تو اس کے ورثاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی مغفرت کی دعا کے لیے عرض کرتے تو آپ اس کے لیے دعا فرماتے صرف اس لحاظ سے کہ وہ کلمۂ اسلام پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توجہ دلائی کہ یہ لوگ منافق ہیں ان کے لیے استغفار کا کوئی فائدہ نہیں۔

کما قال اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لیے دعا مانگیں یا نہ مانگیں۔ صیغۂ امر بمعنی شرط کا معنی ہے یہ عبادت دراصل یوں تھی "ان شئت استغفر لھم و ان شئت لا تستغفر لھم" یعنی ان کے لیے بخشش مانگنا نہ مانگنا

برابر ہے اس لیے کہ انہیں دعائے مغفرت کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اگر ان کے لیے ستر بار مغفرت کی دعا مانگو۔ مرۃ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ دراصل سبعین استغفارۃ مرۃ تھا یا ظرف (مفعول فیہ) بمعنے وقت ہے یعنی سبعین وقتا۔ ستر سے پورا عدد مراد نہیں بلکہ اس سے نفی مغفرت کی تاکید مطلوب ہے اس لیے کہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب انہیں کسی شئے کے وصف میں مبالغہ مطلوب ہوتا ہے تو اسے سبع (سات، یا سبعون (ستر) سے مؤکد کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ لو سألتنی حاجتك سبعين مرة لم اقضها، تم اگر مجھ سے اپنی حاجت ستر بار مانگو تب بھی میں تیری حاجت پوری نہیں کروں گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر سائل ستر سے زاید بار طلب کرے تو اس کی حاجت پوری کردے گا بہر حال اس سے تحدید مطلوب نہیں بلکہ تکثیر مقصود ہے۔ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ اس آیت سے وہابیہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول نہیں ہوتی اور اور نہ ہی آپ کو کسی قسم کا اختیار ہے اس کا مختصر رد صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ یوں فرما گئے کہ،

ای امتناع المغفرة لهم ولو بعد المبالغة فی الاستغفار لیس لعدم الاعتداد باستغفارك بل بانهم بسبب انهم كفروا بالله ورسوله۔

یعنی ان کے لیے مغفرت کا امتناع اگرچہ ان کے لیے استغفار میں مبالغہ کیا جائے یہ اس لیے نہیں کہ آپ کی استغفار میں قبولیت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے منکر ہیں۔

(ص ۴۲۸ ج ۳ تحت آیت ہذا مطبوعہ قدیم)

یعنی ان کے کفر کی وجہ سے، اس لیے کہ وہ کفر میں حد سے متجاوز ہو چکے ہیں تجاوز عن الحد کی نبد ہم نے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ سے بھی اس لیے کہ فسق ہر شے میں تمرد اور تجاوز عن الحدود کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا کہ جس سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اس لیے کہ ان کی ہدایت حکمتِ ایزدی کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ احکام تشریع و تکوین حکمت کے تقاضوں پر دائر و سائر ہیں۔

ف: ہدایت بمعنے ایصال الی المطلوب ہے وہ اگرچہ ان کو نصیب ہو جاتی لیکن انہوں نے اپنے برے اختیار سے اسے قبول نہ کیا جس سے انہیں وہی نصیب ہوا جو ان کے مقدر میں تھا۔

کمیونسٹ کا ردّ اور وہابیہ دیوبندیہ کا دوبارہ ردّ جس طرح آیت ہذا وہابیہ دیوبندیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم اختیار کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے کمیونسٹ

استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بخیل ہے۔ ان دونوں پارٹیوں کے رد میں صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وفیه اشارة الی ان استغفار النبی علیه السلام لاحد من غیر استغفاره لنفسه لا ینفعه فالیأس من المغفرة وعدم قبول استغفاره لیس لبخل من اللہ ولا لقصور فی النبی علیه السلام بل لعدم قابلیتهم بسبب الکفر الصارف عنها۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی استغفار کسی کو نفع نہیں دیتی یہ اس لیے نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بخیل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے اختیار کی کوئی کمی ہے بلکہ اس لیے کہ منافقین سے اہلیت ختم ہے کہ جس سے انہیں بخشش حاصل ہو۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۹۲۰ طبع قدیم تحت آیت ہذا)

رد امکان کذب وہابی دیوبندی کذب باری تعالیٰ کے نہ صرف امکان کے قائل ہیں بلکہ وقوع کا قول بھی رشید احمد گنگوہی سے منقول ہے حالانکہ اسلاف صالحین متفق ہیں کہ کذب باری تعالیٰ محال ہے چنانچہ کمبختوں کے مذکورہ بالا قول کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح البیان قدس سرہ نے لکھا کہ:

کما قال المولی جلال الدین فی شرح الهیاکل المحال لا یدخل تحت قدرة قادر ولا یلزم من ذلك النقص فی القادر بل النقص فی المحال حیث لا یصلح لتعلق القدرة۔

مولانا جلال الدین نے شرح الہیاکل میں لکھا کہ محال قادر کی قدرت کے تحت نہیں اور اس میں اس کی تنقیص بھی نہیں اس لیے کہ نقص فی المحال قدرت سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔

(روح البیان ج ۱ ص ۴۲۰ تحت آیت ہذا)

یہی وجہ ہے کہ ایسے اقوال کے قائلین کو سابقہ دور میں بھی بُرا مانتے تھے چنانچہ عرفی شیرازی ذیل کے شعر پر تشنیع کی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ:

ومنه یعرف معنی قول العرفی الشیرازی: ؎

ذات تو قادرست بایجاد ہر محال
الا بآفریدن چوں تو یگانہ

---

[1] اس سے دیوبندیوں وہابیوں کے اس خبط کا رد بھی ہوگیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے امکان کذب نہ مانا جائے تو "علیٰ کل شیٔ قدیر" کے خلاف ہوتا ہے اور یہ اس کے لیے نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے۔ اسکی مزید تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

ترجمہ: تیری ذات کو ہر محال کی تخلیق کی قدرت ہے لیکن تو اپنے جیسے کو نہیں پیدا کرتا اس لیے کر تو بے مثل ہے۔

وفی عبارته سوء ادب کما لا یخفی۔ ایسی باتیں بے ادبی میں شامل ہیں انہیں بیان نہ کرنا لازم ہے۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۲۸)

مسئلہ: صدقات پر طنز کی وجہ سے کافر و فاسق ہوئے ورنہ اگر انہیں ایمان یا صلاحیت ہوتی تو اہل ایمان مخلصین کی طرح خرچ کرنے میں جدوجہد کرتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کا قلب ایمان سے منور اور اس کی روح حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے حق تعالیٰ روح کی نظر عنایت اور توفیقِ عبودیت سے تائید کرتا ہے جس کی برکت سے روح نور روحانی بتائید نور ربانی چمک اٹھتا ہے اس سے وہ خواطر روحانیہ ابھرتے ہیں جو بندے کو اعمال موجبہ للقرب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے داعی بنتے ہیں اعمال موجبہ سے فرائض و نوافل مراد ہیں۔ یہ اعمال ہدیہ بھی ہیں جیسے روزہ، نماز اور مالیہ بھی جیسے زکوٰۃ، صدقات، صدقے زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔

حدیث شریف: نوافل بندہ کے وہ تحائف ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا ہے اس لیے بندے کو چاہیے کہ اپنے تحفہ و ہدیہ کو اچھا کر کے پیش کرے اور اس میں حتی الامکان خلوص کرے۔ منافق کا دل صفات نفس کی تاریکیوں سے تاریک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ نور ایمان سے محروم ہے اور اس کا دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ دنیا کے نقش و نگار میں مبتلا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفس امارہ کی اتباع کی نحوست سے نہایت ذلت و خواری سے بارگاہِ حق سے مطرود و مطروح ہوتا ہے کیونکہ اس کا ساتھی شیطان ہے اسی ذلت و خواری اور شیطان کی دوستی کی وجہ سے نفس سے ظلمت نفسانیہ ابھرتی ہے جو اس کے قلب کو دعوتِ اسلام سے سرفراز نہیں ہونے دیتی۔ اس وجہ سے وہ اتباع رسل سے محروم رہتا ہے اور نہ ہی اوامر و نواہی کو صدق دل سے ادا کر سکتا ہے اور اس سے خواطر ظلمانیہ صادر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ادائیگی فرائض و نوافل سے باز رہتا ہے بلکہ ان کے عاملین سے ٹھٹھہ مخول کرتا ہے (جیسے دورِ حاضرہ میں نئی روشنی کے ماڈرن مسلم اسلام پسند اور اسلامی شعار کے عاملین سے ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں)

داؤد علیہ السلام کا قصہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا الہ العالمین! مجھے میزان کا اصلی ڈھانچہ دکھایئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میزان کی اصلی صورت خواب میں دکھائی جس کی عظمت دیکھ کر داؤد علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا الہ العالمین! وہ کون خوش بخت انسان ہو گا جو اسے نیکیوں سے بھرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد علیہ السلام! جس بندے سے میں راضی ہوتا ہوں اس کے ایک کھجور کے دانہ صدقہ کرنے سے اس کا پلڑا بھر دیتا ہوں۔

(باقی برصفحہ ۶۷۰)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

پیچھے رہ جانیوالے اس پر خوش ہوئے کہ وہ رسول کے پیچھے بیٹھ رہے اور انہیں

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

گوارا نہ ہوا کہ اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں لڑیں اور

قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ

بولے اس گرمی میں نہ نکلو تم فرماؤ جہنم کی آگ سب سے سخت گرم ہے کسی طرح

كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ

انہیں سمجھ ہوتی تو انہیں چاہیئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ

بدلہ اسکا جو کماتے تھے پھر اے محبوب! اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ

مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ

کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کی نکلنے کی اجازت مانگے تو تم فرمانا تم کبھی میرے ساتھ نہ چلو

اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ

اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے نہ لڑو تم نے پہلی دفعہ بیٹھ رہنا پسند کیا

اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى

تو بیٹھ رہو پیچھے رہ جانیوالوں کے ساتھ اور ان میں سے کسی کی میت پر

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک اللہ و رسول

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ

سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے اور ان کے مال یا اولاد

اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

پر تعجب نہ کرنا اللہ یہی چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں ان پر

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَآ

وبال کرے اور کفر ہی پر ان کا دم نکل جائے اور جب

أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

کوئی سورت اترے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو

اسْتَاْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ

تو ان کے مقدور والے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ بیٹھ رہنے والوں

الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ

کے ساتھ ہولیں انہیں پسند آیا کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہولیں اور

طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ

ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو وہ کچھ نہیں سمجھتے لیکن رسول اور جو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ

ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں جانوں سے جہاد کیا

وَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچے

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں بہشتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ ع

یہی بڑی مراد ملنی ہے

تفسیر عالمانہ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ مخلف ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے پیچھے کچھ چھوڑ جائے اور متخلف وہ جو خود کسی کام سے رہ جائے اور مخلفون سے وہ منافق مراد ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ پہ نہ جاسکے انہوں نے حضور علیہ السلام سے غزوۂ تبوک پہ نہ جانے کی رخصت طلب کی اور وہ

مدینہ طیبہ میں رہ گئے بِمَقْعَدِهِمْ مقعد مصدر میمی ہے بمعنے قعود یہ فرح کے متعلق ہے یعنی منافق جنگ پہ نہ جانے سے خوش ہوئے خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یہ مصدر کا ظرف ہے بمعنے خلف یعنی حضور علیہ السلام جنگ پہ تشریف لے گئے اور وہ نہ جا سکے یہاں پر خلف بمعنے خلف ہے جیسے قول باری تعالیٰ "واذا لایلبثون خلافك الا قلیلا" میں خلف بمعنے خلف ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں "اقام زید خلاف القوم" یہ اس وقت بولتے ہیں جب زید قوم کے چلے جانے کے بعد کہیں رہ جائے یا خلاف بمعنی مخالفت ہے۔ اس معنے پر اس کا منصوب ہونا فرح کی علت کی وجہ سے ہے یعنی خلاف۔ فرح کا مفعول لہ ہے۔ اب معنی یوں ہُوا کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفت کرتے ہوئے خوش ہوئے کہ آپ جنگ پہ تشریف لے گئے اور وہ گھر پر آرام سے رہ گئے وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اموال ونفوس کو جہاد میں خرچ کرنے سے کراہت کی۔ یعنی انہوں نے راحت وآرام کو طاعتِ الٰہی پر ترجیح دی حالانکہ ان کے دل میں کفر ومنافقت تھی۔

نکتہ: فرح کے بعد کراہت کا ذکر اس لیے ہے تاکہ دلالت ہو کہ اہلِ ایمان نے اموال ونفوس خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوئے۔ کرھوا کا فرح سے مقابلہ معنویہ ہے اس لیے کہ فرح قلب محبت کے ثمرات سے ہے۔

وَقَالُوْا اور آپس میں انہوں نے کہا تاکہ جنگ پہ نہ جانے سے تسلی ہو یا جنگ پہ نہ جانے اور شر وفساد پھیلانے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کے طور پر کہا یا اہل ایمان کے دل کمزور کرنے کے لیے کہا تاکہ اہلِ ایمان جہاد سے محروم ہوں گویا اہلِ ایمان کو نیکی سے روکنے کے طور پر کہا۔

ف: منافقین کی تین عادتیں بیان کی گئی ہیں جو کہ ان کی یہی ان کے کفر وگمراہی کی علامات ہیں:

- ○ جنگ پہ نہ جانے کی فرحت
- ○ جہاد سے کراہت
- ○ دوسروں کو جہاد سے روکنا۔

حکایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک نخاس سے گزر ہُوا اس کے ہاں ایک لونڈی نہایت حسین وجمیل تھی آپ نے اس سے فرمایا اسے ایک دو درہم کے بیچنے پر تُو رضامند ہو جائے گا۔ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ حسین وجمیل حوریں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پیسہ دو پیسے خرچ کرنے پر عطا فرمائے گا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ: دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے، اے عزیز! ابھی خرید لو ورنہ حسرت کھاؤ گے۔

: فرائض کی ادائیگی کے بعد ہی نوافل بارگاہِ حق میں قبول ہوتے ہیں۔ اور یہی اہل ہدیٰ کی علامت ہے۔

لَا تَنْفِرُوْا نکلو فِي الْحَرِّ گرمی میں، اس لیے کہ گرمی کی شدت تم سے برداشت نہ ہوگی اور غزوۂ تبوک کا موقعہ سخت گرمیوں میں تھا اور کھجوریں خوب پک چکی تھیں۔ یہی سخت گرمی کا موسم ہوتا ہے۔

سوال: حضرت عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضور علیہ السلام موسم خریف میں غزوۂ تبوک پر تشریف لے گئے۔ یہ قول آیت کے خلاف ہے۔

جواب: قول مذکور خلاف نہیں اس لیے کہ گرمی خریف کے اوائل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ خریف کے اوائل میں سورج برج میزان میں ہوتا ہے اور یہ موسم گرما کے آغاز میں ہوتا ہے۔

ابو خیثمہ کا عجیب واقعہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے ساتھ نہ جا سکے۔ انہی ایام میں ابو خیثمہ سخت گرمی میں اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی دو عورتیں تھیں انہوں نے اپنے اپنے علیحدہ کھجور کے بہترین باغ سجا رکھے تھے اور ٹھنڈے پانی کی صراحی بھر لائیں اور بہترین مکلف طعام پکا کر ابو خیثمہ کو پیش کیا۔ جونہی حضرت ابو خیثمہ نے ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈا پانی اور بہتر طعام اور اپنی عورتوں کو دیکھا تو کہا کہ افسوس ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گرمیوں میں تشریف فرما ہوں گے اور ابو خیثمہ ٹھنڈے پانی پئے اور مکلف طعام کھائے اور درختوں کے سایہ میں اپنی عورتوں کے ساتھ بیٹھے، یہ اس کے لائق نہیں۔ یہ تمام اشیاء وہیں دھری رہ گئیں ابو خیثمہ نے عورتوں سے فرمایا کہ بخدا کہ میں گھر میں داخل ہونا حرام سمجھتا ہوں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر لوں۔ یہ کہہ کر اونٹنی تیار کی اور تلوار اور تیر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملول از ہمرہاں بودن طریق کاروانی نیست
بکش دشواریٔ منزل بیاد عہد آسانی

ترجمہ: اپنے ساتھیوں سے ناامیدی اچھی نہیں آسانی کی امید پر منزل کی سختی کو سر پر اٹھا لے۔

اور فرمایا: ؎

مقام عیش میسر نمیشود بے رنج
بلے بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ: مقام عیش آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر شے الست والے کے حکم کی پابند ہے۔

پھر فرمایا: ؎

من از دیار حبیبم نہ از دیار غریب
مہیمنا بعزیزاں خود رساں باشم

ترجمہ: میں تو حبیب کے دیار کا ہوں اور نہ غریب دیار ست۔ اے اللہ! مجھے اپنے یاروں کے ہاں پہنچا دے۔

قُلْ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں ان کا رد کرتے ہوئے ان کی جہالت کے اظہار کے طور پر فرمائیے نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط جہنم کی آگ کی گرمی زیادہ سخت ہے بہ نسبت اس دنیوی گرمی کے جسے تم پسند کر رہے ہو تمہیں تو اسی جہنم کی گرمی سے ڈرنا چاہیے لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ اگر وہ جانتے اور سمجھتے کہ واقعی جہنم کی گرمی سخت تر ہے تو وہ ہرگز مخالفت نہ کرتے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیوی آگ جہنم کی آگ کا سترواں جز ہے۔

شرح الحدیث: اگر دنیا کی تمام لکڑیاں جلائی جائیں تو ان تمام لکڑیوں کی آگ ایک جز ہے، جہنم کی آگ کے ستر اجزاء ہوں گے۔

حدیث شریف: جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام مالک نار (فرشتۂ نار) کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے ایک چنگاری لی تاکہ اس سے آدم علیہ السلام کھانا پکائے۔ جب یہ چنگاری اٹھا کر آدم علیہ السلام کو دی گئی تو آدم علیہ السلام کے ہاتھ جلنے لگے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جہنم کی ایک چنگاری ہے جسے میں نے ستر بار پانی سے دھویا ہے اس کے بعد آپ کے ہاں لایا ہوں اس پر لکڑیاں ڈال کر کھانا پکائیے اور کھانا کھائیے۔ آدم علیہ السلام آگ کی گرمی کو دیکھ کر روئے اور فرمایا کہ اس سے میری اولاد کیسے بچ سکے گی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی نیک اولاد سے اس آگ کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ جیسا کہ وارد ہے کہ جہنم مومن سے کہے گی: جزیا مومن فقد اطفاء نورك لهبی۔ اے مومن! مجھ سے جلدی گزرو، اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

ف: جو اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہو اس کو آگ نہیں جلائے گی جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج کرۂ نار سے آسانی سے گزر گئے اس سے آپ کے بال کو بھی آگ نے مس نہ کیا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہو گئی۔

فَلْيَضْحَكُوْا پس دنیا میں ہنسیں گے قَلِيْلًا بہت تھوڑا، اس سے زندگی بھر مراد ہے اس لیے کہ جب دنیا کی عمر بہت قلیل ہے پھر جو اس میں بسر کرتا ہے تو اس کے لیے تو بہت زیادہ قلیل ہے وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ج اور آخرت میں نار میں بہت روئیں گے۔ جَزَآءً لیبکوا کا مفعول لہ ہے یعنی ان کا جہنم کا رونا بسبب جزاء کے ہوگا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ان مختلف گناہوں کے سبب سے۔

پہلی تقریر: یہ دونوں صیغے امر کے ہیں لیکن ان کا معنیٰ مضارع کا ہے یعنی تھوڑا ہنسیں گے لیکن ہمیشہ روئیں گے۔

نکتہ: مضارع کو امر کے صیغے لانے میں اشارہ ہے کہ مخبر بہ کا وقوع لازمی اور ضروری ہے اس لیے کہ آمر مطاع کی اطاعت کا مامور بہ خلاف ہرگز نہیں کرتا۔

حدیث شریف: منافق جہنم میں دنیا کی عمر کے برابر روتا رہے گا اس دوران نہ اس کے آنسو بند ہوں گے نہ انہیں نیند آئے گی۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ جہنمیوں پر گریہ مسلط کریگا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائیں گے یہاں تک کہ ان کے چہرے کھائی کی طرح ہو جائیں گے۔

دوسری تقریر: اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ضحک سے فرح اور بکاء سے غم، اور اس کی قلت سے عدم اور کثرت سے دوام مراد ہے۔ اب معنیٰ یُوں ہو گا کہ منافقین کو قیامت میں غم ہو گا فرح کے بغیر اور آہیں نکالیں گے جن میں سرور نہ ہو گا۔ اس تقریر میں ہنسنا اور رونا دونوں قیامت میں ہوں گے۔

تیسری تقریر: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں دنیا میں ہوں یعنی منافقین جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی اور اپنا بُرا حال دیکھتے ہیں تو انھیں ہنسی بہت کم اور رونا بہت زیادہ آتا ہے جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہُوں اگر تم جان لو تو بہت تھوڑا ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔

حدیث شریف: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے آپ کا ایک قوم پر گزر ہُوا جو باتوں باتوں میں ہنستی تھی آپ اس کے ہاں ٹھہر گئے اور السلام علیکم کے بعد فرمایا کہ عزیزو! لذات کے مٹانے والی کو بہت زیادہ یاد کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: لذات کے مٹانے والی کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا: وُہ موت ہے۔

حضرت صائب علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

بر غفلت سیاہ دلاں خندہ میزند
غافل مشو ز خندۂ دنداں نما صبح

ترجمہ: سیاہ دلوں کی غفلت سے ہنسی آتی ہے

حکایت حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک نوجوان پر گزر ہُوا جو بہت ہنس رہا تھا آپ نے اس سے پوچھا کہ اے عزیز! تم پُل صراط سے گزر چکے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم بہشت میں جاؤ گے یا دوزخ میں؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر ہنسنا کیسا! جب حضرت حسن بصری سے اس نوجوان نے یہ نصیحت سُنی، تو اس کے بعد تادمِ زیست کبھی نہ ہنسا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام سے جُدا ہونے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابن عمران! چاپلوسی اور خوشامد سے بچتے رہنا، بلا ضرورت کہیں نہ جانا اور نہ ہی ہنسنا، بلکہ اپنی خطاؤں کو یاد کر کے بہت روتے رہنا۔

لطیفہ: حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم کسی کو بہشت میں روتے دیکھو تو تعجب کرو گے یا نہ؟ لوگوں نے کہا: ہاں ضرور تعجب ہو گا۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی جو دنیا میں رہ کر ہنستا ہے تو اس سے بھی تعجب لازمی امر ہے اس لیے کہ اسے ابھی معلوم نہیں کہ بہشت میں جانا ہے یا دوزخ میں۔

حکایت دو بلبلوں کی حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے یحییٰ علیہ السلام گھر سے چلے گئے، تلاش بسیار کے بعد

ایک قبر پر روتے ہوئے پائے گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں فرمایا: بیٹے! کیوں روتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، مجھے والدہ ماجدہ نے فرمایا ہے کہ آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام خبر لائے ہیں کہ بہشت و دوزخ کے درمیان ایک ایسا آگ کا جنگل ہے وہ طے نہیں ہو سکے گا سوائے آنسو بہانے کے یہ سن کر زکریا علیہ السلام نے فرمایا، بیٹے! روتے رہو۔

نکتہ: حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ بندۂ خدا کو جب رونا نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اپنا پر بندے کے جگر پر لگاتا ہے اس کے بعد بندے کو رونا آجاتا ہے۔

تین آنکھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جنھیں آگ مس نہیں کرے گی،

- راہِ خدا میں خدا نکالی گئی
- اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نگرانی کے لیے شب بھر جاگنے والی
- اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کے خوف سے آنسو بہانا ہزار دینار راہِ خدا میں لٹانے سے زیادہ مرغوب ہے۔

تورات کا مضمون تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! رونے کے بعد اپنے آنسو آنکھ سے مت پونچھ اس لیے کہ یہ آنسو میری خاص رحمت ہے انہیں اپنے ہاتھ سے تیرے چہرے سے صاف کروں گا۔

گریہ کی اقسام علمائے کرام نے فرمایا کہ گریہ دس قسم کا ہے:

① فرح (خوشی) ② حزن
③ رحمت ④ خوف جو کسی کو پہنچ چکا
⑤ جھوٹا رونا جیسے بین کرنے والی عورت جو دوسرے کے غم سے جھوٹا رونا روتی ہے۔

بین کرنے والی عورت: مروی ہے کہ بین کرنے والی عورت جونہی قبر سے نکلے گی تو اجڑے ہوئے اور غبار آلودہ بالوں والی اور اس پر لعنت کی چادر لپیٹے اور خارشتی قمیص پہنے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر کتے کی طرح بھونکتی ہوگی۔

⑥ موافقت میں رونا مثلاً ایک جماعت روتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی رونا شروع ہو جائے حالانکہ اسے علم نہ ہو کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔
⑦ محبت اور شوق کا رونا۔
⑧ وہ درد جو اسے پہنچے اور اس کی برداشت نہ کرنے پر رونا۔
⑨ جو رو ضعف کا رونا۔
⑩ منافقت کا رونا، وہ یہ کہ آنکھیں تو آنسو بہائیں لیکن دل سخت ہو۔

ف : تباکی بمعنے بتکلف رونا، یہ دو قسم ہے :

① محمود

② مذموم

محمود وہ ہے جو رقت قلبی کے لیے بتکلف روئے۔

مذموم ریاء و سمعت کے طور رونا۔ (کذا فی انسان العیون)

سبق : طالبِ آخرت پر لازم ہے کہ وہ ہنسے کم اور روئے بہت زیادہ اور اسے چاہیے کہ وہ موت اور آخرت کے حساب و کتاب سے غفلت نہ کرے، اس لیے کہ بہت سے لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کا کفن تیار کیا جا رہا ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دیہ آں قہقہہ کبک خراماں حافظ

کہ ز سرپنجہ شاہیں قضا غافل بود

ترجمہ: اس کبک رفتار انسان کے قہقہے پر تعجب ہے کہ وہ سرپنجۂ شاہین قضا سے غافل ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ **حل لغات** : یہاں رجع متعدی مراد ہے نہ لازم اس لیے کہ رجع لازم ہو تو اس کا معنیٰ ہے انصرف اگر متعدی ہو تو بمعنے صرف و رد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ پس اگر آپ کو اللہ تعالیٰ غزوۂ تبوک سے واپس لائے اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ ان کے ایک گروہ کی طرف۔

حلِ لغات : الطائفة من الشئی بمعنے شئے کا ایک ٹکڑا۔ اور منھم کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو غزوۂ تبوک سے مدینہ طیبہ میں رہ گئے اس سے مطلق جنگ سے رہ جانے والے منافق غیر منافق مراد نہیں اس لیے کہ ان میں بعض اہلِ ایمان مخلصین بوجہ شرعی مجبوری غزوۂ تبوک پر حاضر نہ ہو سکے یا یہ ضمیر ان منافقین کی طرف راجع ہے جو غزوۂ تبوک کی فراغت کے بعد زندہ موجود تھے اس لیے کہ غزوۂ تبوک کی روانگی اور واپسی کے درمیانی عرصہ میں ان میں بعض فوت ہو چکے تھے اور بعض ان دنوں شہر سے غائب ہو چکے تھے اور بعض ان میں ایسے تھے جنہوں نے اپنا قائمقام بھیجا تھا اور بعض نے سرے سے اجازت بھی نہیں مانگی تھی۔

ف : حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کل بارہ منافق تھے جنہوں نے اجازت چاہی تھی اس پر ان کی خوب مذمت ہوئی۔

فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ بس وہ آپ سے غزوۂ تبوک کے بعد کسی دوسری جنگ پر نہ جانے کی بھی اجازت چاہیں فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا آپ انہیں فرمائیے کہ تم میرے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ نکلو یعنی آپ انہیں ہرگز اجازت نہ دیجئے یہ جملہ خبریہ بمعنے امر ہے مبالغہ کے طور پر ایسے ہوا ہے جیسے وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ط یعنی

میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ نہ کرو اِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ اس لیے کہ تم جنگ پہ نہ جانے سے راضی ہو بلکہ اس سے قبل بہت بڑے خوش ہوئے ہو۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار اس سے غزوۂ تبوک مراد ہے۔

سوال: مرۃ مونث اور اوّل افعل التفضیل مذکر خلاف قانون کیوں؟

جواب: افعل التفضیل کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مذکر ہو کر آتا ہے خواہ اس کا مضاف الیہ صیغۂ مونث ہو، یہی عام اور کثیر الاستعمال ہے اس لیے کبریٰ امراءۃ یا اولی مرۃ کبھی نہیں کہا جاتا۔

فَاقْعُدُوا پس اس کے بعد بیٹھ جاؤ مَعَ الْخَالِفِينَ ○ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ یعنی ان منافقین کے ساتھ رہ جاؤ جن کو جنگ پہ نہ جانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی طرح جنگ پہ جانے کے لائق بھی نہیں۔

الخالفین میں تغلیب الذکور علی الاناث ہے ورنہ ان میں عورتیں بھی تھیں۔

سوال: منافقین کے اعمال مثلاً کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وزکوٰۃ وغیرہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں مقبول، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نامقبول تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ہم ظاہر پر حکم فرماتے ہیں اور انکے اندرونی معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں[1]۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

نحن نحکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر۔ (روح البیان ج ۱ ص ۱۳۱۹ تحت آیت ہذا)

باوجود ایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں حکم فرمایا کہ جنگ پہ نہ جانے والے منافقین کے اعمال مت قبول فرمایئے۔ خلاصۂ سوال یہ کہ منافقین کو اتنا عرصہ تک کیوں مہلت دی گئی۔

جواب: چونکہ منافقین بظاہر اسلام کا دم بھرتے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشادِ گرامی پہ عمل کرتے اور دل میں کفر و منافقت کو پوشیدہ رکھتے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ظاہری باتوں کو مان کر ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد فرماتے اس ارادہ پر کہ شاید ان کی منافقت موافقت سے تبدیل ہو جاتے اور انہیں رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو۔ (اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں مہلت دے رکھی تھی) لیکن جب انہوں نے اپنے اندرونی غلط معاملات کو خود ظاہر کیا تو ان کے تمام اعمال مردود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے خبیثوں کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دُور رہنے کا حکم فرما دیا۔

ف: علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیئے اور حکم فرمادیا کہ آج کے بعد میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور رہیں۔ یہ ان کی اس کیے کی سزا تھی جو انہوں نے حضور نبی کریم

---

[1] اس سے وہابیہ دیوبندیہ کے وہ تمام اعتراضات اُٹھ گئے جو آپ منافقین کے ظاہری احوال کے مطابق عمل فرماتے جنہیں وہابیہ ... پر محمول کرتے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پہ جانے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ کی شان میں گستاخی کی۔ اس سے واضح ہُوا کہ نبوت کی گستاخی سے نہ دین کو تقویت ملتی ہے نہ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے[1]۔ البتہ مخلص مومن کی کسی خدمت سے دین کو فائدہ پہنچتا ہے خواہ وہ تھوڑی ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دین اور اہلِ دین کی صحبت کا سوال کرتے ہیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عکاظ کے بازار سے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے خریدا گیا۔ بی بی صاحبہ نے ہبہ کے طور پر زید کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا اس کے بعد حضرت زید کا والد حاضر ہوا اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خریدنے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا، اگر زید واپس جانے پر راضی ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ حضرت زید سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غلامی کے ساتھ رہنا مجھے والد کے ہاں آزادی سے زیادہ محبوب ہے اس لیے کہ مجھ سے آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں ہو سکتی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زید کو ہمارے ساتھ اتنی محبت والفت ہے تو ہم بھی انہیں غلام رکھنا نہیں چاہتے۔ یہ فرما کر انہیں آزاد کر کے انکا نکاح پہلے بی بی ام ایمن سے کر دیا۔ پھر ان کا نکاح بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گدائے در جاناں بسلطنت مفروش
کسے ز سایہ ایں در بآفتاب رود

ترجمہ: محبوب کے در کی گدائی کو سلطنت لے کر نہ بیچ اسی دروازے سے ہی آفتاب کا گزر ہوگا۔

سبق: چونکہ منافقین میں حضور سرورِ عالم کی صحبت مقدسہ کی اہلیت وصلاحیت نہیں تھی اس لیے انہیں آپ سے جدائی ومفارقت کو بہتر سمجھا آپ کے ساتھ نہ وہ سفر پہ جانا چاہتے اور نہ حضر میں آپ کے ساتھ رہنا پسند کرتے۔

قاعدہ: کند ہمجنس با ہمجنس پرواز۔

فائدہ: مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ والوں سے فرمایا: اے مدینہ والو! ہم نے آتے ہی تمہارے شریف اور رذیل لوگوں کو پہچان لیا۔ انہوں نے پُوچھا: وہ کیسے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ شریف لوگ شرفاء کے ساتھ نظر آتے ہیں اور رذیل رذیلوں کے ساتھ، اس لیے کہ طبع کی خواہش نے اپنی طبع کا ساتھی تلاش کیا۔ ؎

اذا الرجال توسلوا بوسیلة　　　فوسیلتی حبی لآل محمد

---

[1] اہلِ اسلام غور فرمائیں کہ وہابی دیوبندی، مودودی، تبلیغی اور دیگر گمراہ فرقے کتنا ہی دین کی خدمت کا دم بھریں تمام بے کار ہے جبکہ وہ شانِ رسالت کے گستاخ اور بے ادب ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

ترجمہ: لوگ دنیا میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں میرا وسیلہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور بس۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ جنگ پہ جانا مردِ میدان کا کام ہے، اس لیے نالائق سے یہ کام سرانجام نہیں ہوتا اور نامرد تو ویسے بھی اس اہم کام کے لائق ہی نہیں۔

؎

یا برو ہمچوں زناں رنگے و بوئے پیش گیر
یا چو مرداں اندر آئے و گوئے در میدان فگن

ترجمہ: یا گھر بیٹھ کر عورتوں کی چوڑیاں پہن لے یا مردِ میدان ہو کر میدان میں آجا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نہد ہوشمند روشن رائے | بفرومایہ کار ہائے خطیر
بوریا باف اگرچہ بافندہ است | بنزندش بکارگاہ حریر

ترجمہ: سمجھدار نااہل کو بڑا کام سپرد نہیں کرتا۔ بوریا بنانے والے اگرچہ کتنا ہی کاریگر ہو مگر انہیں ریشم بنانے کا کام نہیں دیا جائے گا۔

زمخشری کے بلیغ اقوال

① لا تصلح الامور الا باولی الالباب۔ عقلمندوں سے ہی کام سرانجام ہوتے ہیں۔
② والارحاء لا تدور الا علی الاقطاب۔ چکی کیل کے گرد گھوم سکتی ہے۔

ف: الاقطاب قطب کی جمع ہے بمعنے وہ کیل جس پر چکی گھومتی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! نماز مت پڑھیے عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ ان کے کسی ایک پر۔ منھم احد کی صفت ہے اور اس سے منافقین مراد ہیں۔ مَّاتَ یہ احد کی دوسری صفت ہے اور منھم مات کی ضمیر سے حال بھی واقع ہو سکتا ہے (کذا فی تفسیر ابی البقاء) یعنی وہ جو مر گیا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔ یہ نہی کا مفعول فیہ ہے یعنی لا تدع کا ظرف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے لیے ہمیشہ تک نہ دعا کیجئے نہ استغفار۔ یہی ترکیب اظہر ہے، بعض کے نزدیک ابداً مات کا مفعول فیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے کسی ایک کے لیے نماز نہ پڑھیے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے مر گیا جبکہ اس کی موت کفر پہ واقع ہوئی، اس لیے کہ جو کافر ہو کر مرتا ہے وہ حقیقی مردہ ہے اگرچہ اسے قیامت میں زندہ کیا جائے گا تو عذاب دینے کے لیے، اور وہ اس کے لیے زندگی نہیں بلکہ موت سے بدتر۔ اس معنے پر گویا وہ زندہ ہوا بھی نہیں۔

صحابی رازداں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا لقب "صاحب سرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں تجھے ایک راز بتاتا ہوں، وہ کسی کو نہ بتانا[1]، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں فلاں کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا ہے۔ آپ نے منافقین کی ایک بہت بڑی جماعت کے اسماء گنائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب کسی پر شک کرتے کہ وہ منافقین سے ہوگا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جاتے اگر حضرت حذیفہ اس کی نماز کے لیے تیار ہو جاتے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ورنہ صاف انکار کر دیتے[2]۔

وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اور اس کی قبر پر دفن یا زیارت اور دُعا کے لیے نہ ٹھہریے (اسی سے وہابیہ، دیوبندیہ کی قبروں کا اندازہ لگائیے کہ کس طرح تا قیامت ان پر فاتحہ درود پڑھنے والے نہیں ملتے بخلاف اللہ والوں کے مزارات کے کہ ان پر شب و روز خلقِ خدا کا ہجوم رہتا ہے)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ میت کو دفنانے کے بعد اہلِ قبر کے لیے دُعائے خیر فرماتے۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بیشک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا یہ ان کی قبروں پر نہ ٹھہرنے اور ان کے لیے استغفار نہ کرنے کی علت ہے وہ اس لیے کہ کسی کی قبر پر ٹھہرنے کے لیے صاحبِ قبر کا صالح ہونا ضروری ہے اور منافقین میں صالحیت محال ہے اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے پر زندگی بسر کی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ: زمزم اور کوثر کے پانی سے اس گلیم کو سفید نہیں کیا جا سکتا جسے ابتداءً ہی سیاہ تاگوں سے تیار کیا گیا ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

---

[1] اس سے وہابیہ کا وہ اعتراض اٹھ گیا جو کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے راز کا کوئی علم نہیں تھا بلکہ آپ کا وہی علم تھا جو شریعت نے ظاہر کیا۔

[2] اس سے شیعہ کا رد ہوا وہ یہ کہ کسی کی جزئی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ رازدانی حضرت حذیفہ کی ایک فضیلت تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانا اسی طرح بعض جزوی فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں جن سے ان کی اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت ثابت نہیں ہوگی۔ وہابیہ کا رد بھی ہوگیا جبکہ حضرت عمر کا عقیدہ تھا کہ بعض باتیں راز کی ہیں جو رازدان جانتے ہیں۔ ۱۲

ترجمہ: شیشے سے تو زنگ اتارا جاسکتا ہے لیکن پتھر تو شیشہ نہیں ہوسکتا۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ اور مرگئے درانحالیکہ وہ فاسق تھے یعنی کفر میں متمرد اور حدود حق سے خارج تھے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا واقعہ اور تردید وہابیہ دیوبندیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اپنی مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر استغفار اور نماز جنازہ کی درخواست کی اور جب مرجائے تو اس کی قبر پر تشریف لائیں آپ کو پھر کہلوا بھیجا کہ اپنا قمیص مبارک عنایت فرمائیں تاکہ اسی قمیص میں اسے کفنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ اس پلید کو اپنا پاک اور مبارک قمیص کیوں عنایت فرماتے ہیں۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

انا قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا وانی ارجوا من اللہ تعالیٰ ان یدخل فیہ بہ الف فی الاسلام۔

میرا قمیص تو اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچائے گا۔ البتہ اس سے ہزاروں کو دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

ف: اس سے وہابیہ کے دو اعتراض دفع ہوگئے۔ پہلا یہ کہ حضور علیہ السلام کو (معاذاللہ) علم ہوتا کہ وہ بے ایمان ہے تو اسے قمیص کیوں دیتے۔ دوسرا یہ کہ حضور علیہ السلام کا قمیص متبرک تھا تو منافق کو کیوں فائدہ نہ دیا۔ حضور علیہ السلام نے دونوں کے جواب دے دیے۔ یہی نہیں بلکہ آنے والے حالات بتا دیے کہ قمیص دینا مبنی بر حکمت ہے۔ اول تو قمیص سے نفع کی قوت سلب کرلی گئی ہے، دوسرے اس سے ہزاروں بدقسمتوں کو دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔

وہ منافقین جو ابی بن سلول کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے اور اسے جانتے تھے کہ یہ نبی علیہ السلام کا اندرونی طور پر سخت دشمن ہے پھر بھی حضور علیہ السلام سے موت کے وقت تبرک کے طور پر قمیص اور دعائے مغفرت کی درخواست کررہا ہے اور امید رکھ رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کی قمیص اور ان کی دعا عذابِ الٰہی سے بچادیں گے اور رحمتِ الٰہی کا سبب بنیں گے اس لئے خزرج کے ہزاروں لوگ مسلمان ہوگئے۔

وہابیہ دیوبندیہ کے ایک سوال کا جواب

وہابی دیوبندی چیخ چیخ کر عوام کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ملبوسات و متعلقات و متبرکات سے کوئی فائدہ ہوتا تو عبداللہ بن ابی کو حضور علیہ السلام کے قمیص نے کیوں فائدہ نہ بخشا۔ اس کا جواب سیکڑوں سال پہلے صاحب روح البیان نے لکھا:

وانما قال علیہ السلام ان قمیصی لا یغنی لعدم الاساس الذی ھو الایمان ومثلہ انما یؤثر عند صلاح المحل۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ تحت آیت ہذا)

آپ نے اپنے قمیص کا اسے فائدہ نہ دینے کا اس لیے فرمایا کہ اس کے اندر نجات کی اساس یعنی دولت ایمان ہی نہیں تھی اور ایسی بابرکت چیزوں کا اثر تو اس وقت ہوتا ہے جو محل بھی اثر پذیر ہو۔

یہی جواب اگرچہ حدیث شریف میں تھا لیکن صاحبِ روح البیان نے توضیحاً لکھا تاکہ دیوبندیوں وہابیوں کو حدیث شریف میں غلط تاویل کا موقعہ نہ ملے یہ ایسے ہے جیسے بارش میں تو منافع موجود ہیں لیکن آگے زمین ایسی ہو کہ جس میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں اس سے یہ کوئی نہیں کہے گا کہ بارش میں منافع نہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ زمین خراب ہے۔ ایسے وہابیہ دیوبندیہ کو سمجھانے کے لیے کہا جائے کہ قمیص مبارک کے منافع میں شک نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ منافق میں ان منافع کی صلاحیت و اہلیت نہیں تھی۔

تبرکات کے فوائد کے دلائل

اگرچہ صاحبِ روح البیان کے دور میں وہابی دیوبندی مودودی قسم کے لوگ نہیں تھے لیکن ابنِ تیمیہ جو مذکورہ پارٹیوں کا گرو ہے اس کے تاثرات موجود تھے اس لیے صاحبِ روح البیان کو تبرکات کے فوائد پر چند دلائل دینے پڑے، چنانچہ فرمایا:

دلیل اوّل: ویدلّ علیہ قولہ علیہ السلام ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء۔

حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی کہ صالحین کے درمیان مردگان کو دفن کرو اس لیے کہ میت بُرے ہمسایہ سے ایذا پاتا ہے جیسے زندہ انسان زندہ ہمسایہ سے۔

ف: اس حدیث شریف سے صاحبِ رُوح البیان کا مقصد یہ ہے کہ مردہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو لیکن اسے نیک بخت لوگوں کے قرب سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی تبرکات کی برکات کا حال ہے۔

سوال از وہابیہ دیوبندیہ: یہاں ایک اعتراض پیدا کر کے صاحبِ رُوح البیان نے گویا وہابیہ کی طرف سے لکھا کہ: وہ جو مروی ہے کہ ارضِ مقدسہ کسی کو مقدس نہیں بنا دیتی بلکہ بندے کو اپنے اعمال مقدس بناتے ہیں۔

جواب: اس روایت میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب مقصود ہے یا تبرکات کے فوائد و منافع اور ان کے برکات کے علم سے پہلے کی روایت ہے ورنہ روایات مندرجہ ذیل غلط ہوتی ہیں حالانکہ روایاتِ ذیل صحیح اور مستند ہیں۔

دلیل دوم اور حکایت مع روایت: مروی ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے سفیان بن خالد الہذلی کو قتل کر کے حضور علیہ السلام کے سامنے ڈال دیا حضور علیہ السلام نے عبداللہ کو اپنا عصا مبارک عطا فرما کر فرمایا کہ اسی کے سہارے بہشت میں جا۔ جب حضرت کے وصال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہی عصا مبارک ان کے کفن کے اندر جسم سے ملا کر تبرک کے طور پر رکھ دینا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

ف: حضور علیہ السلام سے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ کے سر مبارک کے بال حضرت معمر بن عبداللہ حجام نے مونڈے تو آپ نے آدھے بال مبارک حضرت ابوطلحہ کو عنایت فرمائے اور آدھے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک ایک دو دو عنایت فرمائے۔

ف: [illegible] روایات سے ثابت ہوا کہ تبرک [illegible] کا عقیدہ رکھنا اور تبرکات تقسیم کرنا سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صحابہ کرام کا عقیدہ اور تبرکات جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمائے، صحابہ کرام کا قول تھا کہ:

فکانوا یتبرکون بہا ویستنصرون ما داموا حاملین لہا۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ تحت آیت ہذا)

حضور علیہ السلام کے بال مبارک سے برکات حاصل کرتے جب تک اپنے ساتھ رکھتے۔[1]

دلیل چہارم: اسرار محمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان نے ہم اہلسنت کو مواد بہم پہنچایا۔ کما قال:

وہذا قال فی الاسرار المحمدیہ لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاص ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب۔ (ایضاً)

اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کے بال مبارک یا عصا مبارک یا آپ کی چھڑی کسی مجرم کی قبر پر رکھی جائے تو وہ مجرم انہی مبارک اشیاء کی برکت سے نجات پا جائے گا۔

دلیل پنجم: اور فرمایا:

وان کان فی دار انسان او بلدۃ لا یصیب سکانہا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ۔ (ایضاً)

جس گھر یا شہر میں بال مبارک ہوں تو وہ گھر اور شہر بلا سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انھیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

دلیل ششم: ومن ہذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بہا وکتابۃ القرآن علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی۔ (ایضاً)

اسی قبیل سے زمزم شریف کا پانی یا اس سے کفن تر کردہ اسی طرح کعبہ کا غلاف اور اس کا کفن بنایا یا قرآنی آیت لکھ کر مردے کے ہاتھ میں دینا۔

جیسے ہم اہلسنت کفنی لکھتے اور عہدنامہ وغیرہ میت کے ہاتھ میں دیتے اور قبر پر اذان دیتے اور قبر میں سورۃ ملک وغیرہ پڑھتے اور نزدیک قبر قرآن پڑھاتے ہیں۔

صاحب روح البیان کا اپنا مشاہدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے خزانوں بالخصوص

---

[1] بحمدہ صحابہ کرام کا عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہوا کہ ہم انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے تبرکات ہیں یہی تاثیر سمجھتے ہیں، جیسے صحابہ کرام ان بال مبارک سے زندگی بھر نہ صرف تبرک کے طور ساتھ رکھتے بلکہ ان کے وسیلہ جلیلہ سے مدد چاہتے جسے آج وہابیہ دیوبندیہ نے شرک و بدعت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ بال مبارک کی زیارت صحیح ہے جیسے پاکستان میں روڑھی شریف، سکھر (سندھ) اور کشمیر میں سرینگر وغیرہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

آلِ عثمان کے خزانہ میں بعض ایسے تبرکات ہوتے ہیں جن کے فیوض و برکات سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آلِ عثمان کے خزانہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبۂ مبارک اور دیگر بہت بڑے تبرکات ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آلِ عثمان کو ان سے فیوض و برکات اور انہیں وسیلہ بنانے کی توفیق نصیب نہیں حالانکہ ان کے ہاں نبوی لواء مبارک بھی ہے لیکن ان کے ملک میں مصائب و آفات و بلیات کی بھرمار ہے۔ صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ انھیں اس کی سزا ملی ہے اس لیے کہ آلِ عثمان نے ان تبرکات کی عزت و احترام نہ کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے متعلق صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان میں طاعون کا داخلہ بند ہے لیکن جب ان کے مکینوں نے غلط کاری اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور ان پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ارشاداتِ نبوی کے خلاف ہو جانا محض سزا یا تنبیہ کے طور ہوتا ہے ورنہ اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے۔

باقی قصہ ابن اُبی بن سلول جب عبداللہ بن ابی بن سلول فوت ہو گیا تو اس کا لڑکا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ حضرت مخلص مومن اور صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور عرض کی کہ میرے والد کا جنازہ تیار ہے تشریف لے چلیں۔ آپ نے ان سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کی: الحباب بن عبداللہ۔ آپ نے فرمایا: آج کے بعد تیرا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے اس لیے کہ الحباب شیطان کا نام ہے۔ (کذا فی القاموس) اس لیے تمہارے لیے یہ نام ناموزوں ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اس پر تم خود نماز پڑھ کر دفن کر دو۔ اس نے عرض کی: اگر آپ نے میرے والد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی تو کوئی بھی میرے والد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھے گا اس طرح میری سخت ذلت ہوگی اور دشمن ہنسیں گے۔ آپ نے اسے تسلی دلائی اور اس کے والد کی نمازِ جنازہ کے لیے تیار ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور آپ کے آگے کھڑے ہو گئے تاکہ آپ منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھا سکیں اور عرض کی: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔ آپ کو یاد نہیں کہ فلاں فلاں موقعہ اس نے کیسے کردار ادا کیے اور اس کی تمام غلط کاریاں ایک ایک کر کے بتائیں۔ چنانچہ یہی آیت اتری اور جبریل علیہ السلام نے آپ کے قمیص مبارک کو پکڑ کر نماز پڑھانے سے روکا اور پڑھا "لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا"۔ حضور علیہ السلام نے یہ آیت سن کر منافق کی نماز نہ پڑھائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے مناقب کے حامل ہیں۔ ان کے منشاء مبارک کے مطابق نہ صرف یہی بلکہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دین میں بہت بڑی قدر و منزلت ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں نبی بن کر مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر! تم نبی بن کر مبعوث ہوتے اور فرمایا: زمانہ سابقہ میں محدث (بالفتح و تشدید دال) ہوتے میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

ف : المحدث بفتح الدال المشددہ، ہر وہ شخص جس کے دل میں خیر کی بات ڈالی جائے اور وہ اسی فراست سے صحیح اور حق بات کی قبل از وقت خبر دے۔ پھر جس طرح وہ خبر دے اسی طرح ہو جائے۔ گویا اس کے ساتھ ملاء الاعلیٰ والے گفتگو کرتے ہیں اہل ولایت کا یہی سب سے بڑا مرتبہ ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مضمون کو لفظ اِنْ شرطیہ (جو شک پر دلالت کرتا ہے) سے بطور تردد اور ازالۂ وہم شک کے بیان نہیں فرمایا بلکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مزید تاکید فرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں میرا کوئی سچا دوست ہے تو فلاں ہے۔ اس سے اس شخص کی صداقت کی تاکید مطلوب ہوتی ہے نہ یہ کہ اس شخص کا سرے سے کوئی دوست ہے بھی نہیں۔ علاوہ ازیں جب ایسے محدث دوسری اُمتوں میں پائے جاتے ہیں تو حضور علیہ السلام کا افضل الامم میں پایا جانا ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کسی شاعر نے خوب فرمایا ؎

لہ فضائل لا تخفی علی احد
الا علی احد لا یعرف القمرا

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل کسی پر مخفی نہیں ہاں اس سے مخفی نہیں جو قمر کو نہیں جانتا، یعنی جس طرح قمر (چاند) کو ہر کوئی جانتا ہے

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل چاند کی طرح روشن ہیں ہاں چمگادڑ چاند کی چاندنی سے اندھا ہے اسی طرح شیعہ یا اعدائے اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے بے خبر ہیں۔ (کذا فی مشارق الانوار)

سوال از وہابیہ دیوبندیہ : اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تھا کہ وہ کافر ہے اور کفر پر مرا ہے تو پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ کیوں پڑھی اور نماز جنازہ میں دعائے مغفرت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کی دعائے مغفرت سے روکا تھا پھر آپ نے کافر کو قمیص کیوں پہنایا جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے حالانکہ آپ کو حکم ہے کہ کفار کی اہانت کریں۔

جواب : جب اس خبیث منافق ابن ابی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قمیص طلب کی اور نماز پڑھانے کی بھی استدعا کی تو نبی علیہ السلام نے ان قرائن سے سمجھا کہ وہ موت سے پہلے توبہ کر چکا ہو جبکہ اس کی زندگی دشمنی میں گزری لیکن اب عین موت کے وقت محبت وخلوص دکھا رہا ہے اور حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ ہم ظاہر پر عمل کرنے کے لیے مامور من اللہ ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کا اظہار بھی کرتا ہے اس لیے آپ اس کی نماز پڑھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی کہ اس کی موت یقیناً کفر پر ہوئی ہے اس پر آپ نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اس پر نماز پڑھا چکے تھے تو بعد کو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ پھر بعد ازاں آپ نے زندگی بھر کسی منافق پر نماز نہ پڑھی اور نہ ہی کسی منافق کی قبر پر تشریف لے گئے۔

قمیص مبارک کے متعلق جوابات جوابا : جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں قیدی ہو کر حاضر ہوئے

تو اس کا قمیص نہیں تھا اور آپ طویل القامت تھے کسی کا قمیص آپ کے جسم پر پورا نہ آتا تھا۔ اس موقعہ پر اسی عبداللہ بن ابی بن سلول نے قمیص دیا اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور بدلہ قمیص عنایت فرمایا اس سے اعزاز مطلوب نہ تھا اور نہ اس سے اعزاز کا تصور ہو سکتا ہے۔

جواب ۲: آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ آپ کو فرمایا: واما السائل فلا تنھر۔ اور پہلے ہم نے روایت نقل کی ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی قمیص کے متعلق خصوصی درخواست کی تھی۔ اگر آپ اس کا سوال پورا نہ کرتے تو یہ آپ کی شان کریمی کے خلاف ہوتا۔ اس لیے قمیص دینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ وہابیہ کو یہ اعتراض بجائے نبی علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے۔

جواب ۳: غالباً وحی کے ذریعے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آپ منافق کو قمیص عنایت فرمادیں اس طرح سے آپ کے خلق عظیم کا ظہور ہوگا اس کی برکت سے ہزاروں کو دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔ اور یہ روایت ہم نے گزشتہ اوراق میں نقل کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

سبق: ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم نبوت کے ہر عمل کو حکمت پر محمول کریں جو بات سمجھ میں نہ آئے اس سے ہم خاموشی اختیار کریں وہی اللہ تعالیٰ طریق تحقیق کی ہدایت دینے والا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ (حلِ لغات) الاعجاب شگفتی نمودن یعنی تعجب کرنا۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو۔ لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے یعنی تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ان کے اموال و اولاد۔ یہ ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے۔ کاشفی میں ہے کہ منافقین کے اموال اگرچہ بکثرت اور ان کی اولاد با اقتدار اور قوی ہے۔

نکتہ: ایسے مواقع پر اموال کی اولاد پر تقدیم بوجہ عموم یا بوجہ اس کی عام ضرورت ہے بحسب الذات و بحسب الافراد والاوقات اس لیے اموال کی ہر ایک کو ضرورت پڑتی ہے۔ اجداد و آباء و امہات و اولاد سب کو اور ہر وقت اگرچہ معزز ترین اولاد ہے لیکن جس کی اولاد اور دوسرا کنبہ بہت زیادہ ہو لیکن مال نہ ہو تو بہت تنگی اور تکلیف کا موجب ہوتے ہیں اور اولاد کی ضرورت بھی اس وقت محسوس ہوتی ہے جب ابوہ کے درجہ کو پہنچے یا اس لیے کہ اموال نفوس کی بقاء کا سبب ہیں اور اولاد صرف نوع کی بقاء کا سبب ہے یا اس لیے کہ اولاد کے وجود سے اموال کا وجود اقدم ہے اس لیے اجزاء منویہ اغذیہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں اموال و اولاد سے نفع دے کر ان کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا بسبب مال جمع کرنے اور اس کی نگرانی میں دنیا میں انہیں عذاب میں مبتلا کرے یعنی وہ ہمیشہ دکھ اور رنج میں رہیں اور اپنی اولاد کے احوال کی رونق میں مست ہو کر ہمیشہ محنت و مشقت کھینچیں وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ الزھوق بمعنے روح کا نکلنا اور انکے روح نکلیں یعنی مریں۔ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ درانحالیکہ وہ کافر ہوں یعنی اموال و اولاد سے نفع اٹھانے اور ان میں مشغول ہونے اور عواقب پر تدبر اور غور کرنے سے غفلت کی وجہ سے۔

حکایت ایک فقیر کہہ رہا تھا کہ دولت مندوں سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوگا کہ مال واسباب جمع کرکے کئی طرح کی

مشقتیں اور تکلیفیں اٹھانے اور ہر وقت گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو مال و اسباب چھوڑنے کی ہزار حسرتیں قبر میں لے جاتے ہیں۔

ے

در اول چو خواہی کنی جمع مال — بسے رنج بر خویش باید گماشت
پس از بہر آں تا بماند بجائے — شب و روز می بایدت پاس داشت
وزیں جملہ آں حال مشکل تر است — کہ آخر بحسرت بباید گذاشت

ترجمہ: تجھے مال جمع کرنے کا شوق ہے تو یاد رکھ کہ اس کا انجام پریشانی ہے جب تک وہ تیرے پاس ہوگا، تجھے اس کی حفاظت کی فکر رہے گی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب وہ تیرے ہاتھ سے جائے گا تو بہت گھبراہٹ پائے گا۔

ف: اس مضمون کا تکرار محض اموال و اسباب سے نفرت دلانے کی تاکید کے لیے ہے تاکہ سامع کو اموال و اسباب کی خرابیوں سے توجہ ہٹ نہ جائے بلکہ ناصح پر لازم ہوتا ہے کہ ایسے امور کے لیے اپنے کلام کے اثناء میں اس کے متعلق یاد دہانی کرائے بالخصوص جب دو کلاموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو اس لیے کہ انسان فطری طور پر اموال و اسباب کے وقت متوجہ رہتا ہے بلکہ وہ ان کے متعلق متمنی ہوتا ہے اور اسی حرص میں رہتا ہے کہ خدا کرے کہ اموال و اسباب حاصل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اموال و اولاد اگرچہ مومن کے لیے نعمت ہیں لیکن منافقین کے لیے عذاب الٰہی ہیں اس لیے کہ منافقین کے قلوب اموال و اولاد میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور نہ ہی اس کی طلب کا انہیں خیال رہتا ہے اور قلوب کے لیے بہت بڑا عذاب حجاب ہے اور جن قلوب کو حجاب میں رکھا جائے تو وہ ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ یعنی ایسے لوگوں کے قلوب حبِ اموال و اولاد کے حجابات سے محجوب ہوتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حدیث شریف: دنیا شہوات و لذات سے پُر ہے۔ فلہذا اے خدا کے بندو! تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دنیا کی شہوات اور لذات غافل نہ بنا دیں اس لیے کہ جسے آخرت کا نیک انجام نصیب نہیں اسے دنیا کے منافع سے کوئی فائدہ نہیں اور آخرت سے وہ نفع نہ پا سکے گا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتا یعنی مومن وہ ہے جو عبادات مالیہ سے آخرت کا سامان تیار کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اور جب قرآن کی کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ یہ اَنْ مصدریہ ہے اس سے حرف جارہ محذوف کر دیا گیا ہے در اصل بان امنوا الخ یعنی بایں طور کہ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر۔ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهٖ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اعزاز دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرو اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ تو منافقین میں سے دنیا دار آپ سے اجازت چاہتے ہیں یعنی باوجودیکہ انہیں اموال و اسباب کی وفرت و وسعت اور جہاد پہ جانے کی بدنی مالی قدرت اور طاقت ہوتی ہے تب بھی جہاد پہ جانے سے کے لیے

معذرت کرتے ہیں۔

ف: حدادی نے لکھا کہ طول دراصل اسی طاقت و قدرت کو کہا جاتا ہے جس سے اعداء سے مقابلہ کیا جا سکے اور امام رازی نے سورۂ نساء میں لکھا کہ طول دراصل قصر کی نقیض ہے اس لیے کہ طویل میں کمال و زیادہ ہوتی ہے ایسے ہی قصیر میں قصور و نقصان ہوتا ہے۔ اسی لیے غنی (دولت مند) کو طویل سے تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف فقیر کے کہ اسے اپنے مقاصد و مطالب کے حصول میں دشواریاں درپیش ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنی مطالب برآری دنیا و دولت سے ہوسکتی ہے وہ فقر و فاقہ میں کہاں۔

وَقَالُوْا ذَرْنَا اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ○ ہم ہو جائیں ان لوگوں کے ساتھ جو جنگ سے عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتے رَضُوْا منافقین خوش ہیں بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ بایں طور کہ وہ ہوں ان عورتوں کے ساتھ جو جنگ پہ نہ جانے کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی ہیں۔ " الخوالف" خالفۃ کی جمع ہے اور خالفہ کی تا، تانیث کی ہے کبھی الخالفۃ ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہ ہو۔ اس معنے پر یہ تا، وصفیت سے اسمیۃ کی طرف منقول ہوگی تانیث کی نہیں ہوگی اور مردوں کو خالفہ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ انہیں اہم امور کی طرف بلایا گیا تو وہ ان کے لیے تیار نہ ہوئے اس بناء پر گویا وہ ایسے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی بھلائی نہیں وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر مُہر لگائی گئی۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ "الطبع" لغۃً میں شے کو طابع کی طرح کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے طبع الدینار و الدراھم۔ تاج المصادر میں ہے کہ ان الفاظ کی ترکیب دلالت کرتی ہے کہ شے اپنی انتہاء کو پہنچ گئی، یہاں تک کہ اس شے کا آگے جانا ختم اسی پر انسان کی طبیعت کا قیاس کیجئے کہ اس کی طبیعت کے لیے طبع، طباع، طبیعۃ جیسے الفاظ مستعمل ہیں یعنی انسان کی اصلی فطرت کہ جس پر اس کی تخلیق ہوئی اور دل پر مُہر لگانے کی تخصیص اس لیے ہے کہ دل فہم و ادراک کا محل اور مرکز ہے اس لیے فرمایا:

فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ○ اس لیے وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ ایمان باللہ کیا ہے اور اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے بچنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور ان کے ساتھ جہاد پہ جانے کے منافع کیا ہیں۔ اور انہیں معلوم نہیں کہ امور مذکورہ بالا کے خلاف کرنے کا کتنا نقصان ہے لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر اور جو احکام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف لائے یعنی آپ کے ساتھ ایمان لانے والے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے اس اعتراض کا دفعیہ ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ان کا ایمان لانا کیسا جبکہ بہت بڑے عرصہ کے بعد صحابہ نے ایمان قبول کیا۔ اوپر مذکور ہوا کہ یہاں مقارنت زمانی مقصود نہیں بلکہ مقارنت بمعنے موافقت ہے جیسے قرآن مجید میں بلقیس کے متعلق ہے "اسلمت مع سلیمان"۔ یہاں بھی مقارنت زمانی نہیں بلکہ معیت بمعنے موافقت ہے یعنے اسلمت اسلام سلیمان یعنے ویسے مسلمان ہوں جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام

مسلمان ہیں۔ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اپنے اموال و نفوس کو قربان کر کے جہاد کیا۔ فلہٰذا ان منافقین کے خلاف کرنے سے دین کو کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی جہاد کے امور میں نقص ہوا جبکہ ان سے افضل ترین بندے جہاد میں شریک ہوئے جو ان سے خلوص نیت میں بہتر اور اعتقادیات میں برتر ہیں وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ ہیں لَهُمُ بوجہ اوصاف مذکورہ کے، ان کے لیے اَلْخَيْرٰتُ دارین کے منافع ہیں جیسے نصرت و غنیمت دنیا میں اور جنت و کرامت آخرت میں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خیرات سے آخرت یعنی بہشت کی حسین و جمیل عورتیں مراد ہوں جنہیں حور عین کہا جاتا ہے کما قال تعالیٰ "فیھن خیرات حسان"۔ اس معنے پر الخیرات' خیرۃ بتخفیف اولیاء کی جمع اور خیرات العابدین سے عابدین کی وہ حسنات مراد ہیں جو ان کے اعمال سے متعلق ہیں اور خیرات العارفین سے مواہب الحق مراد ہیں اور یہ ان کے احوال سے متعلق ہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اور یہ وہی ہیں جو اپنے مقاصد و مطالب پر کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کامیاب نہیں جو فانی نعمتیں اور دنیوی اسباب جو حظوظ نفسانیہ کا مجموعہ ہیں جمع کرے اس لیے کہ وہ جلد تر فنا پانے والی ہیں۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھی ہیں۔ جَنّٰتٍ یہ جنۃ کی جمع ہے بمعنے وہ باغ جس میں پھلدار درخت ہوں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے جاری ہیں یعنی ان باغات کی زمینوں یا ان کے درختوں یا ان کے محلات یا بالاخانوں کے نیچے، اس سے مطلق زمین کا تحت مراد نہیں الْاَنْهٰرُ یہ نہر کی جمع ہے، پانی بہنے کی جگہ، اس کی وسعت اور چمک کی وجہ سے اسے نہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: بہشت میں ایک دریا دودھ کا، ایک پانی کا، ایک شہد کا اور ایک شراب کا ہے' ان سے باقی تمام نہریں نکلتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہی ایک نہر ہے جس میں دودھ، شراب، پانی اور شہد ہیں اور باوجودیکہ ایک نہر میں سب ہیں لیکن ایک دوسرے سے ملتی نہیں ہیں بعض کے نزدیک وہ سب ایک ہیں صرف جس طرح کا ذائقہ انسان چاہے گا اسی طرح کی شکل و صورت اسی وقت پیدا ہو جائے گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی انہیں جنات مذکورہ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ فلاں فلاں شئے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہے۔ اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس کے بالمقابل اور کوئی کامیابی نہیں یعنی وہ لوگ بہشت اور اس کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جہنم اور اس کی آگ سے نجات پا جائیں گے۔

حدیث شریف: جو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس پر جہنم کی آتش حرام ہے۔

حدیث شریف: جو شخص کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خلوص قلب سے پڑھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

ف: خلوص کی شرط اس میں ضروری ہے اور جس میں خلوص ہوگا وہ گناہوں سے بچ جائے گا۔ اگر گناہوں سے نہیں بچتا تو وہ مخلص نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ یہی کلمہ زبان سے پڑھتا ہے اس کا عارضی ہو جو گناہوں کی شامت اور نحوست سے اس سے چھین لیا جائے اخلاص قلب کے صفات سے ہے اور وہ اوصافِ حمیدہ سے رونق پاتا ہے لیکن اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنے سے رذائل دُور کر کے نفس کا تزکیہ نہ کرے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس کے حجابات اور اس کے صفات سے چھٹکارا پانے کا نام الفوز العظیم (بڑی **تفسیر صوفیانہ** کامیابی) ہے اس لیے کہ کامیابی کی عظمت پروان کی عظمت کے مطابق ہے اور نفس کے حجابات سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں، اس لیے جو بھی ان حجابات سے چھٹکارا پاجاتا ہے وہی کامیاب ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جملہ قرآن شرح خبث نفسہا ست — بنگر اندر مصحف آں خبیث کجاست

ہین مرو اندر پے نفس چو زاغ — کو بگورستان بردنے سوئے باغ

نفس اگرچہ زیرکست و خردہ دان — قبلہ اش دنیاست اورا مردہ دان

ترجمہ: سارا قرآن نفس کی خباثت کا بیان ہے لیکن دیکھ کہ وُہ ہے کہاں، اس کمینے کوے کے پیچھے مت جا وہ تجھے گورستان لے جائے گا نہ کہ باغ میں۔ اگرچہ نفس کتنا دانا ہو لیکن اس کا قبلہ دنیا ہے اور دنیا مردہ ہے۔

حدیث شریف مع الشرح: "ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ" بہشت میں ایک سو درجے ہیں۔ یہاں سو سے گنتی مراد نہیں بلکہ درجات کی کثرت مراد ہے اور درجہ سے مرقات یعنی سیڑھیوں کی مختلف منزلیں مراد ہیں۔" اعد اللہ للمجاھدین فی سبیلہ" وہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار فرمائے ہیں۔ مجاہدین فی سبیل اللہ غازی یا حاجی یا وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نفس سے جہاد کرتے ہیں۔" کل درجتین ما بینھما کما بین السماء و الارض " ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ فاصلہ ظاہری طور ہے یا معنوی طور۔ اگر معنوی طور ہو تو درجہ سے مرتبہ مراد ہوگا اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہر وہ خوش قسمت ہوگا جس کے درجات سب سے بلند تر ہوں گے کہ اس کے بعد اور کسی کا درجہ نہ ہوگا " فان سألتمو اللہ" پس اگر تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو" فاسئلوہ الفردوس" تو اس سے جنت الفردوس مانگو۔ الفردوس بہشت کا ایک ایسا باغ ہے جس میں بہشت کے ہر قسم کے پھل وغیرہ پائے جاتے ہیں" فانہ اوسط الجنۃ " اس لیے کہ وہ تمام بہشتوں کی اوسط ہے یہاں اوسط بمعنے اشرف ہے "واعلی الجنۃ " اور تمام بہشتوں سے اعلیٰ ہے اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ آسمان گنبد کی طرح ہے، اس لیے کہ اوسط اعلیٰ کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس شے کو گنبد کی طرح تسلیم نہ کیا جائے، اور یہ بھی مسلم ہے کہ بہشت ساتوں آسمانوں کے اُوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

بقیہ صفحہ ۶۹۱ پر

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ

اور بہانہ بنانے والے گنوار آئے کہ انہیں رخصت دی جائے اور بیٹھ رہے

الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ جنہوں نے اللہ و رسول سے جھوٹ بولا تھا جلد ان میں کے کافروں کو دردناک

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى

عذاب پہنچے گا ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر

الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

جب کہ اللہ و رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ نہیں

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے نہ ان پر جو تمہارے حضور حاضر ہوں

اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ

کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار

اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾

کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ

مواخذہ تو ان سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں اور وہ دولت مند ہیں

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

انہیں پسند آیا کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی

فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

تو وہ کچھ نہیں جانتے

تفسیر عالمانہ حل لغات: وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔ "المعذرون" عذر فی الامر سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی امر میں کوتاہی اور سستی کرے اور اس سے بنا بر معذرت کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا عذر معقول محسوس ہو۔ اس معنے پر المعذر بصیغہ اسم فاعل از باب تفعیل ہے یا یہ انفعال کا باب ہے دراصل المعتذرون تھا پھر تا کو ذال میں مدغم کیا گیا ہے اور تا کی حرکت عین کو دی گئی ہے اس تقریر پر یہ صیغہ فاعل از باب انفعال ہے۔

ف: معذرت کبھی جھوٹی ہے اور کبھی سچی اس لیے کہ اعتذار یہ ہے کہ انسان اپنی معذوری کا اظہار کرے۔ وہ واقعی معذوری ہو یا نہ۔ "الاعراب" عرب کے بادیہ نشینوں کو کہا جاتا ہے اس کا کوئی واحد نہیں اور عرب عجم کی نقیض ہے۔ شہری زندگی بسر کرنیوالے کو عرب کہتے ہیں یا یہ لفظ عام ہے بادیہ نشین ہو یا شہری سب کو عرب کہیں گے البتہ اعراب خاص ہے یعنی صرف اس کے لیے مستعمل ہوگا جو بادیہ نشین ہوگا۔ "العربة" شہر کے قرب کی ایک جانب کو کہتے ہیں چونکہ قریش شہر کے ایک کونہ میں مقیم تھے اسی لیے اسی کی طرف منسوب ہوئے اور عرب کے شہر کے والان کو عربہ کہا جاتا ہے اسی نسبت سے ان کی اولاد عرب سے موسوم ہوئی۔ (کذا فی القاموس)

ف: یہ عذر کرنے والے اسد غطفان کے لوگ تھے جنہوں نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر نہ جانے کی اجازت چاہی اور عذر پیش کیا کہ ہم میں جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے اس لیے کہ ہم معاشی لحاظ سے تنگ ہیں اور عیالداری سوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یا معذرت کرنے والے عامر بن الطفیل کا ایک گروہ ہے جنہوں نے معذرت یوں کی کہ اگر ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے چلیں تو ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال اور گھروں پر ہمارے مخالفین یعنی طے کے اعرابی حملہ کر دیں گے وہ ہمارے جانور لے جائیں گے اور گھروں کو لوٹ لیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا: مجھے تمہاری ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ

باقی ص ۶۸۹ سے آگے

نکتہ: امام طیبی نے فرمایا کہ اوسط واعلیٰ کے درمیان تطابق یوں ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک سے حسی دوسرے سے معنوی معنے مراد ہوں لیکن میرے نزدیک دونوں حسی مراد ہیں اس لیے کہ وہ ایسے حسین ترین ہیں کہ ان جیسا اور کوئی محسوس نہ ہوگا۔ "وفوقه عرش الرحمٰن" اور اس کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرش الٰہی تمام بہشتوں کے اوپر ہے۔ "ومنه تفجر" یہ دراصل تتفجر تھا ایک تا تخفیفاً گرا دی گئی ہے یعنی اسی سے جاری ہوتی ہیں انہار الجنة بہشت کی وہی چار نہریں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے متعلق فرمایا: فیها انهار من ماء غیر آسن وانهار من لبن لم یتغیر طعمه وانهار من خمر لذة للشاربین وانهار من عسل مصفی۔ اس سے بہشت کی نہروں کے اصول مراد ہیں۔ (کذا فی شرح المشارق لابن ملک)

ہم اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ کا سوال کرتے ہیں اور اس کے وجہ الٰہی اور تمام اسنٰی کی زیارت کی تمنا کرتے ہیں۔ بقیہ ختم۔

مجھے کافی ہے تم جاؤ گھروں میں آرام کرو۔

ف: ایسے لوگوں کی معذرت کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے ان کا عذر جھوٹا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعی معذور تھے جیسا کہ بتشدید الذال المکسورہ (المعذرون) کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جو واقعی معذور ہو اسے معتذر کہتے ہیں۔ قاموس کی تحقیق یہی ہے اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایسا عذر کرنے والا جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس سے ان کی منافقت کا ثبوت نہیں ملتا اس لیے کہ جو شخص سستی و کاہلی سے جنگ پر نہ جاسکے اور صرف اسی وجہ سے معذرت کر دے تب بھی وہ کافر نہیں ہو سکتا البتہ اسے فاسق کہہ سکتے ہیں اور اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہاں پر مفسرین کے اقوال کئی طرح کے ہیں ہمیں تو لفظوں کو چھوڑ کر معنے کو لینا چاہیے۔

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے وہ جنگ سے بیٹھ گئے اس سے وہ بادیہ نشین منافقین مراد ہیں جنہوں نے جنگ کی حاضری کی نہ حامی بھری اور نہ ہی کوئی عذر کیا اور نہ ہی حضور علیہ السلام سے اجازت طلب کی۔ یعنی ڈھٹائی سے گھروں میں بیٹھے رہے اور جنگ پر نہ گئے۔ اس طرح سے واضح ہوا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں اگرچہ بظاہر ایمان و اسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: معذرت کرنے والوں میں سے بعض بادیہ نشین ایسے بھی تھے جو واقعی کمزور تھے اور تھے بھی محدود۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ کل بہتر افراد تھے۔ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ پر نہ جانے کی اجازت چاہی آپ نے انہیں اجازت بخش دی اور وہ لوگ جو بلا عذر اور سبب کے اظہار کے بغیر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ پر نہ گئے انہی کی طرف "وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہ" میں اشارہ فرمایا۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عنقریب پہنچے گا ان پر جنہوں نے اعراب میں سے کفر کیا منھم کی ضمیر کا مرجع عذر کرنے والے ہیں بہر تقدیر من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں اس لیے کہ معذرت کرنے والے یا جنگ پر نہ جانے والے سب کے سب کافر نہیں تھے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں بعض اعراب وہ ہیں جو چند دنوں کے بعد پکے اور سچے مسلمان ہو جائیں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں بعض صرف سستی اور کاہلی سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ دردناک عذاب دنیا میں قتل و قید سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے۔

ربط: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلق خدا تین قسم ہے:

۱۔ المعذرون یعنی وہ لوگ غلطی کا ارتکاب کر کے اپنی کوتاہی اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے بالآخر سچے اور پکے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

۲۔ القاعدون یعنی جھوٹے کذاب وہ منافق جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے یعنی

کُھلم کُھلا انکار کرنے والے کافر اور دل میں کفر چھپانے والے منافق ان کی رسوائی اور عذاب الٰہی کے لیے جد وجہد ہوتی ہے انہیں عذاب دردناک لازماً ہوگا۔ کما قال تعالیٰ "وقعد الذین" الآیہ۔

۳۔ مومن مخلص سچے اور دین کے خیر خواہ ان میں سُستی و کاہلی بھی نہیں لیکن واقعی وہ حقیقی معذور ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ کمزوروں پر نہیں مثلاً بڑھاپا ہے یا ہاتھ لنجے اور پاؤں لنگڑے ہیں۔

ف: الہرم بحر الرا بمعنے کبیر السن یعنی بوڑھا "الزمنی" زمن کی جمع ہے بمعنے "المقعد" یعنی چلنے پھرنے سے معذور انسان۔

وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی اور مریضوں پر بھی۔ "المرضیٰ" المریض کی جمع ہے۔ وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ اور نہ ان لوگوں پر جو اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جسے خرچ کر سکیں جیسے مزینہ و جہینہ و بنی عذرہ کے لوگ حَرَجٌ کوئی حرج اگر وہ جنگ پر نہیں جا سکے لیکن ان کے لیے بھی ایک شرط ہے وہ جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کریں۔ ابو البقاء نے فرمایا کہ اس کا عامل کلام کا معنی ہے یعنی وہ جنگ پر نہیں جا سکے تو کیا کہ ان کے دل میں اسلام کی خیر خواہی ہو۔ النصح یعنے کھوٹ سے عمل کو خالص رکھنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے نصح الشیء بمعنے خلص اور کہتے ہیں ونصح له فی القول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے بہت بھلائی کی بات کرے الناصح بمعنے الخالص۔

حدیث شریف: الدین النصیحۃ الدین النصیحۃ الدین النصیحۃ۔ یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے تاکید کے طور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ بعض کہتے ہیں اسی نصیحت پر اسلام کا دارو مدار ہے اس لیے کہ نصیحت کا معنی ہے ارادۃ الخیر۔ اور اس پر اسلام کا دارو مدار اس لیے ہے کہ خیر خواہی دین کا ایک رکن ہے اور جیسے کہا جاتا ہے کہ حج کا ستون عرفہ ہے تو گویا حج کا اسی پر دارو مدار ہے کہ وہ نہ ہو تو حج کی فرضیت نہ جانے گی ایسے ہر عمل میں اسلام کی خیر خواہی مدِ نظر نہ ہو تو وہ عمل غیر قابلِ قبول ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تاکید کی طور پر فرمایا کہ دین نصیحت کا نام ہے تو نصیحۃ بمعنے خیر خواہی ہے اس لیے صحابہ کرام کو پُوچھنا پڑا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کے لیے خیر خواہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا؛ للّٰہ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اب اس کا معنی یہ ہُوا کہ دین میں اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص اور اس پر سچے دل سے ایمان ہو اور وہ جن امور کے لیے حکم فرمائے ان پر سچے دل سے عمل کرے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اپنا اسمِ گرامی بتایا کہ: "ولرسولہ" اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام اللہ تعالیٰ سے لائے ان کی تصدیق کر کے ان پر عمل کرنا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طریقہ کو زندہ رکھنا یعنی ان کی پیروی ضروری سمجھنا۔ اور فرمایا: "ولکتابہ"

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے متعلق اعتقاد رکھنا کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے محکمات پر عمل کرنا اور اس کے متشابہات کو تسلیم کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

ف: یہ نصائح دراصل بندے کی طرف راجع ہیں یعنی اسے ہر ایک مذکورہ بالا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ ولائمۃ المسلمین۔ ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے جائز احکام کو ماننا اور ان کی غلطیوں پر انہیں متنبہ رکھنا۔ وعامتہم اور عوام اہلِ اسلام کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان سے ضرر رساں امور کو حتی الامکان دور کرنا اور حتی الامکان ان کے لیے نفع بخش امور کے حصول کی جد وجہد کرنا (کذا فی شرح المشارق لابن الملک) اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ مذکرکے جنگ پر نہ جانے والے مذکورہ بالا اعذار قابلِ قبول ہیں اور نہ ہی جنگ پر نہ جانے کا ان پر کوئی گناہ ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کے جملہ احکام کی فرمانبرداری کا عہد رکھیں ان کے لیے اس وقت سب سے بڑا ضروری کام یہ ہو کہ وہ غازیوں کے متعلق اگر کوئی کمزوری سنیں تو اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں اور نہ ہی فتنہ انگیزی کریں۔ ہو سکے تو جنگی مجاہدین کے لیے امدادی صورتیں پیدا کریں وہاں ان کی ضروریات کی اشیاء بھیجیں اور ان کے گھریلو امور کی خبر گیری کریں بلکہ ان کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹائیں اور ان کے گھر والوں کو ان کی خیر کی خبریں سنائیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط یہ جملہ مستانفہ ہے سابق مضمون کی تاکید وتقریر کے لیے واقع ہے یعنی نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کوئی گناہ اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی منجانب اللہ زجر وتوبیخ ہوگی۔ یہ من زائدہ ہے صرف نفی عام کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور ضمیر کے بجائے المحسنین کو ظاہر کرکے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ دین کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے اس سے قاعدہ بنایا ہے وہ یہ کہ حکم کو کسی وصف سے معلق کرنے میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ وصف اس حکم کے لیے بمنزلہ علت ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ اگرچہ ایسے لوگ تحقیقی عذر سے جنگ پر نہیں جا سکے تب بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی ضرورت لازمی امر ہے کہ اس کی مغفرت کے بغیر چارۂ کار نہیں اس لیے کہ انسان تقصیر وعجز کا مرکز ہے اسے سوائے عفوِ حق ومغفرتِ الٰہی کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

شمس ہم معدۂ زمیں را گرم بود ۔ تا زمیں باقی حدثہا را بخورد
جز و خاکی گشت و رست از وے نبات ۔ ہکذا یمحوا لالٰہ السیّاٰت
اے کہ من زشتم خصالم جملہ زشت ۔ چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت
نوبہارِ حسن گل دہ خار را ۔ زینتِ طاؤس دہ آں مار را

ترجمہ: سورج کا زمین پر لطفِ کرم ہے تاکہ زمین تمام نباستوں کو کھا جائے۔ اس میں وانے ڈالو تو اس میں وانے ڈالو تو اس سے انگوری پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ بخشتا ہے۔ میں کتنا غلط کار سہی لیکن اس سے امید ہے کہ وہ لطف فرمائے گا اس لیے کہ وہ کانٹوں کو بہار بناتا ہے اور بُروں کو اچھا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ اس کا المحسنین پر عطف ہے یعنی نہ محسنین پر کوئی گناہ وغیرہ ثابت ہے اور نہ ہی ان لوگوں پر جو آپ کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ سواری عنایت فرمائیں یا اپنے ساتھ لے جائیں اور رو کر یہی عرض گزار رہے تھے اور یہ انصار کے سات آدمی تھے:

① معقل بن یسار

② صخر بن الخنساء

③ عبداللہ بن کعب

④ سالم بن عمیرہ

⑤ ثعلبہ بن غنمہ

⑥ عبداللہ بن مغفل

⑦ علیہ بن زید

مروی ہے کہ یہی حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے منت مانی تھی کہ ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک پہ چلیں گے فلہٰذا آپ ہمیں شاندار کجاووں پر اور بہترین سواریوں پر بٹھائیے تاکہ ہم آپ کے ساتھ جنگ پہ چلیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تمہاری مطلوبہ سواریاں نہیں ہیں۔ یہ سُن کر وہ حضرات روتے ہوئے لوٹے۔

ف: بعض کہتے ہیں ان سے بنو مقرن بروزن محدث کے سات بھائی مراد ہیں اور وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کے صحابی تھے ایسا شرف سوائے ان کے اور کسی کو نصیب نہ تھا کہ وہ سات بھائی بیک وقت صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ (کذا فی تفسیر القرطبی)

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ یہ اتوك کی ضمیر کاف خطاب سے حال ہے یہاں قد محذوف ہے یعنی وہ لوگ جب آپ کے ہاں حاضر ہوتے تو آپ کا حال یہ ہے کہ آپ انہیں فرماتے ہیں لا اجد الخ۔ ما احملکم میں ما عام ہے جو ان کے سوال کردہ سواری کو بھی مشتمل ہے اور دیگر ان ضروریات کو بھی جو جنگ کے لیے نفقہ کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔

نکتہ: لیس عندی کے بجائے لا اجد فرمانے میں لطافت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایسے لطف بھرے کلام سے نوازا کہ جس سے ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔ گویا حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تمہاری سوال کردہ شے

اب موجود نہیں لیکن جونہی موجود ہوئی اور تم نے سوال کیا تو فوراً دے دی جائے گی۔

تَوَلَّوْا یہ اذا کا جواب ہے یعنی آپ سے لوٹے۔ وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ اور ان کی آنکھیں بہاتی تھیں بہت زیادہ شدت کے ساتھ مِنَ الدَّمْعِ آنسو سے۔ یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب آپ سے مایوس ہو کر گھر کو لوٹے۔ عبارت کے بدل میں مبالغہ ہے کہ گویا ان کی آنکھیں تمام تر آنسو بن کر بہہ رہی تھیں۔ اس معنے پر آنسو بہنا کا اسناد اعین (آنکھوں کی طرف) مجازی ہوگا جیسے کہا جاتا ہے سال المیزاب یعنی پرنالہ بہہ پڑا۔ یہ اس لیے مجاز ہے کہ پرنالہ تو نہیں بہتا بلکہ پانی بہتا ہے ایسے ہی آنسو بہہ رہے تھے نہ کہ آنکھیں۔ اصل عبارت یفیض الدمع من اعینهم مجازاً تفیض اعینهم کو پڑھا گیا ہے۔ حَزَنًا مفعول لہ اس کا عامل تفیض ہے۔

سوال: مفعول لہ کا قاعدہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل مذکور کا فاعل ایک ہو یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ تفیض کا فاعل اعین ہے اور حزن آنکھوں کو نہیں ہوتا بلکہ قلب کو ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے حزناً کو مفعول لہ بنانا صحیح نہ ہوا۔

جواب: جیسے تفیض اعینهم میں اسناد مجازی ہے ایسے ہی حزن کو اعین سے مجازاً موصوف کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے عین حزینة و عین مسرورة، آنکھ غمگین یا مسرور ہے۔

اَلَّا يَجِدُوْا یہ ان مصدریہ ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے جو حزناً کے متعلق ہے۔ دراصل لئلا یجدوا ہے اس لیے کہ وہ نہیں پائیں گے مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ وہ جو خرچ کریں اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ جب ہمیں در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں ملا تو پھر اور کہاں سے ملے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ ان حضرات کو حضرت ابن عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم نے زادِ راہ اور جنگی سامان اور سواری وغیرہ دی۔ اس طرح سے وہ حضرات بھی جنگ میں شریک ہوئے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ بیشک زجر و توبیخ کی راہ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ج حالانکہ وہ دولت مند ہیں اور ان کے ہاں جنگی سامان مکمل طور پر موجود ہیں اور وہ تندرست بھی ہیں۔ رَضُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے سابقہ جملہ کی علت کے لیے ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ جو دولت مند اور تندرست ہونے کے باوجود بھی جنگ پہ نہ جانے کی اجازت چاہتے تھے ان کا کیا حال تھا۔ تو اس کا جواب ملا کہ وہ خوش تھے۔ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ بایں طور کہ وہ گھر میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں۔ گویا وہ اپنی خفت اور ذلت پہ راضی ہیں اور وہ اسے خود پسند کر رہے ہیں۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پہ مہر لگائی ہے یعنی انہیں ذلیل و خوار بنایا یہاں تک کہ وہ اپنے انجام سے بالکل غافل ہو گئے۔ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ پس ہمیشہ اپنے انجام سے بے خبر رہیں گے اس لیے کہ انہوں نے اپنی خساست طبع سے عجلت والے امر کو پسند کیا حالانکہ انہیں آخرت کے بہتر امر کو پسند کرتے اگرچہ اس کے لیے دیر کا معاملہ تھا۔

نکتہ: ارسطو نے لکھا کہ اعلیٰ منازل کی طرف ترقی کرنا مشکل اور بہت دیر سے بہرہ وری نصیب ہوتی ہے بخلاف خساست و رذالت کی طرف جھکنے کے کہ وہ آسان بھی اور جلد تر بھی ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ برگزیدہ انسان کون ہے؟ آپ نے مٹی کی دو مٹھیاں بھر لیں اور پوچھا: ان میں سے کون سی مٹی برگزیدہ ہے؟ اس کے بعد انہیں زمین پر پھینک دیا۔ فرمایا: تمام انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ان میں برگزیدگی کسی کو نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی برگزیدہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے۔

سبق: بلندی اور بزرگی تقویٰ و طہارت میں ہے ہمیں چاہیئے کہ ہر راحت کو مجاہدہ پر اور خوشی کو رونے پر اور سرور کو غم پر قربان کریں۔

حدیث شریف: قیامت میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ انسان ہوگا جس نے دنیا میں حزن سے زندگی بسر کی اور بھوکا پیاسا رہا۔

فائدہ: کسی دانا نے کہا ہے: الدنیا سوق الآخرۃ دنیا آخرت کا بازار ہے۔ والعقل قائد الخیر عقل خیر و بھلائی کی قائد ہے۔ والمال رداء التکبر اور مال تکبر کی چادر ہے۔ والھویٰ مرکب المعاصی خواہشات نفسانی معاصی و جرائم کی سواری ہیں۔ والحزن مقدمۃ السرور اور حزن و ملال سرور کا مقدمہ اور تمہید ہے۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود
شد ہمزبان حق چو زبان کلیم سوخت

ترجمہ: ہر محنت راحت کا مقدمہ ہوتی ہے۔ جب کلیم کی زبان جل گئی تو اس کا ہم کلام خود اللہ تعالیٰ ہوا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت فرح و استہزاء کی وجہ سے ہے اور اہل اخلاص کی مدح حزن و بکا سے فرمائی ہے۔ منافقوں کو ضحک نے بکا کثیر کی طرف اور اہل اخلاص کو حزن و بکا ضحک وفیر کی طرف لے گئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن — تا نگرید طفل کے جوشد لبن
ہر کجا آب رواں سبزہ بود — ہر کجا اشک رواں رحمت بود
باش چوں دولاب نالاں چشم تر — تا ز صحن جان بروید خضر

ترجمہ: جب تک بادل نہ روئے چمن نہیں کھلتا، جب تک بچہ نہ روئے ماں کے پستان دودھ نہیں دیتے۔ جہاں پانی چلتا ہے وہاں سبزہ اُگتا ہے جہاں آنسو بہتے ہیں وہاں رحمت برستی ہے۔ اس لیے تم بھی بہت گریہ کرو تاکہ رحمتِ الٰہی نصیب ہو۔

ف: انسان کو جس امر سے روکا جائے اس کی طرف اس کا شوق مزید بڑھتا ہے۔ مثلاً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جب سائلوں سے کہا کہ میرے ہاں تمہارے لیے سواری نہیں تو وہ حضرات از راہِ شوق روئے اور خُوب روئے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیدار سے روکا تو اس میں بھی یہی راز تھا کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے شوقِ دیدار میں اضافہ ہو۔ پھر قانونِ قدرت ہے کہ شوق کے انجام پر مقصد و مطلب میں کامیابی بخشتا ہے جیسے سائلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ابھی گزرا کہ بالآخر غزوہ تبوک پہ جانے کے لیے انہیں اسباب میسر ہو گئے۔

صوفیانہ تقریر جیسے عالمِ صورت کے کوائف آپ نے پڑھے ایسے ہی عالمِ معنیٰ کا معاملہ ہے۔ جیسے عالمِ صورت میں پرندہ نہیں اڑ سکتا جب تک کہ اس کے پر نہ ہوں حالانکہ اس کے پرچند بال ہیں ایسے ہی عاشقِ حق کا حال ہے کہ وُہ بھی عالمِ معنیٰ کی طرف نہیں اڑ سکتا جب تک اس کے پر نہ ہوں اور عاشقِ حق کے پر علم و عمل اور شوق الی المولیٰ اور توجہ الی الحضرت العلیا ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بہشت میں دو پروں سے اڑ رہے ہیں جہاں چاہتے ہیں انہی پروں سے اڑ کر تشریف لے جاتے ہیں اور ان کے پاؤں کو پاؤں کو دیکھا جو خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

ف: امام منذری نے لکھا چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ کے دونوں ہاتھ راہِ حق میں کاٹے گئے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے عوض دُو پر عطا فرمائے۔ اسی لیے ان کا لقب "ذو الجناحین" ہے اور آپ کو جعفر طیار بھی اسی لیے کہا جاتا ہے۔

ازالۂ وہم حضرت سہیلی نے لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ان کے دُو پر ہیں تو ان کی شکل و صورت بھی پرندوں کی طرح ہو گی اس لیے کہ انسانی شکل اشرف الاشکال ہے بلکہ یہی اکمل الصور ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس روایت سے آدمی کی صورت اور شکل کی بزرگی واضح ہے بلکہ اس کی شرافت کی عظمت سے کسی کو شک نہیں اسی لیے ماننا پڑے گا کہ حضرت جعفر کی صورت آدمیت تبدیل نہیں ہو گی صرف ہاتھوں کی طاقت کے اندر وہ قوت بھر دی گئی جو اڑنے والے ملائکہ کی ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے تو پھر آدم کو اپنی صورت پر کیسے بنایا اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ملکی صورت مراد ہے۔

دُوسری تقریر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو پروں سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واضمم یدك الیٰ جناحك۔ اس آیت میں جناح سے بازو، مونڈھے مراد ہیں۔ اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پروں سے ان کی قوت اور طاقت ملکی مراد ہے جسے تو سعاد مجازاً جناحین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری تقریر حضرت جعفر کے پروں سے پرندوں کے پروں پر قیاس کرنے میں غلطی ہوتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ملائکہ کے

ے جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ طریقت میں نہ علم ضروری ہے نہ عمل۔ یہ ان کا ابلیسانہ خیال ہے۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

پر ہیں لیکن اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ان کے پر ان پرندوں جیسے پر نہیں بلکہ وُہ ایک قوت معنوی ہے وصفات ملکیہ ہے جسے ہم اس وقت سمجھ سکیں گے جب انہیں دیکھیں گے۔ ان حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے لیے فرمایا، اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلٰث وربٰع ۔ جب فرشتوں کے تین تین چار چار پر ہیں تو وہ کون سا پرندہ ہے جس کے تین یا چار پر ہوں پھر چھ سو پروں والوں کا کیا حال ہوگا جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ان پروں کی کیفیت غیر معلوم ہے ۔ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی نمونہ ثبوتی ہے ۔ ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان پروں کے متعلق ایمان لائیں لیکن ان کے متعلق غور و فکر نہ کریں، ہاں موت کے اس کا مشاہدہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ موت کے وقت فرشتے اہلِ ایمان کے ہاں تشریف لا کر فرمائیں گے ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون، خوف نہ کھاؤ اور نہ غم بلکہ تمہیں اس بہشت کی خوشخبری ہو جس کے لیے تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ بعض کے سامنے اپنے پروں کو کھول کر انہیں کہیں گے آج اپنے رُوح نکالو آج کا دن وہی ہے جس میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (کذا فی فتح القریب) واللہ یھدی کل مریب۔

دسویں پارہ کی تفسیر صاحب رُوح البیان نے ۲ ذوالحج ۱۱۰۱ھ کو اپنے دولت کدہ شہر بروسہ میں ختم کی اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کا ترجمہ ۵ رجب ۱۳۹۶ھ شب اتوار بعد نمازِ عشاء اپنی مسجد سیرانی بہاولپور میں ختم کیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ فصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

پارہ نمبر ۱۱

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا

تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا بہانے نہ بناؤ

لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى

ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دیدی ہیں اور اب

اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَ

اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر سب کو

الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ

جانتا ہے وہ تمہیں جتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے اب تمہارے آگے

بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِ

اللہ کی قسم کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اس لئے کہ تم ان کے خیال میں نہ پڑو تو ہاں

ضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا

تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو نرے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے بدلہ اس کا جو

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن

کماتے تھے تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر

تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾

تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ

گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ اللہ نے جو حکم

مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ

اپنے رسول پر اتارے اس سے جاہل رہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور کچھ

الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ

گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اسے تاوان سمجھیں اور تم پر گردشیں آنے

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾

کے انتظار میں رہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ سنتا جانتا ہے

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ

اور کچھ گاؤں والے ایسے ہیں کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو

مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا

خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ

قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ان کیلیے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾ ع

مہربان ہے

تفسیر عالمانہ یَعۡتَذِرُوۡنَ منافقین معذرت کریں گے۔ اِلَيۡكُمۡ تمہارے پاس حاضر ہو کر جنگ پر نہ پہنچنے کے متعلق اور وہ اس وقت اسّی کے اوپر چند تھے۔ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ہے۔

شانِ نزول یہ آیت قبل از وقت نازل ہوئی۔ اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے منافقین معذرت کریں گے

اِذَا رَجَعۡتُمۡ جب تم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ پہنچو گے۔ اِلَيۡهِمۡ ان کے ہاں۔

سوال: واپس تو مدینہ طیبہ میں پہنچنا تھا۔ پھر اس کے بجائے اِلَيۡهِمۡ کیوں کہا گیا؟

جواب: معذرت کا تعلق منافقین سے تھا اس لیے ان کی تصریح کی گئی۔

جواب ۲: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض منافقین معذرت پیش کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کے ہاں مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے

حاضر ہوئے ہوں۔ اس بنا پر اِلَیْھِمْ کہا گیا۔

قُلْ اے میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرمایئے۔

سوال: جب منافقین کی معذرت کا بیان تھا تو اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شامل کیا گیا ہے اور جب منافقین کو جواب دینے کی باری آئی تو صرف حضور علیہ السلام کو کہا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب: وجہ ظاہر ہے۔

ف: لَا تَعْتَذِرُوْا اب عذرمت کرو، اس لیے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ہمیں تمہاری معذرت پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پہلے ہی بذریعہ وحی باخبر فرما دیا ہے کہ تم نے اپنے دلوں میں شر و فساد کے پروگرام بنا رکھے ہیں۔ مثنوی میں ہے: ؎

(۱) از منافق عذر در آمد خوب
زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

(۲) کذب چوں خس باشد دل چوں دہاں

وَسَيَرَى اللّٰهُ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھے گا عَمَلَكُمْ تمہارے کام وَرَسُوْلُهٗ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھیں گے کہ تم کفر و نفاق سے توبہ کرتے ہو یا اس پر ڈٹے رہتے ہو۔

ف: اس میں کفر و نفاق کی توبہ کا مطالبہ کر کے انھیں چند روز مہلت دینے کا وعدہ ہے۔

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ پھر تم قیامت کے میدان میں لوٹائے جاؤ گے اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ عالم غیب کی طرف۔

ف: اسے غیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بندوں سے غائب ہے۔

وَالشَّهَادَةِ اور شہادت کے عالم کی طرف۔

ف: شہادت سے وہ باتیں مراد ہیں جو بندوں کو معلوم ہیں۔

فَيُنَبِّئُكُمْ پھر تم کو اللہ تعالیٰ بتائے گا جس وقت اُس کے ہاں قیامت میں حاضری دو گے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر زندگی کا حساب دو گے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اپنے ان بُرے کردار کا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

ف: خبر دینے سے یہاں جزا دینا مراد ہے۔

سوال: اس کے بجائے فَيُجْزِيْكُمْ کہہ دینا تھا خبر دینے کی تخصیص کیوں؟

جواب: یہ لوگ دنیا میں اعمال کی حقیقت سے بے خبر تھے اگرچہ اُن کے مرتکب ہوئے تھے لیکن اُن کی صورتیں ان سے اوجھل تھیں مگر قیامت میں اُن کی صورتیں اُن کے سامنے منکشف ہو جائیں گی۔ اس لیے انکو سزا دیتے ہوئے اُن کی صورتیں دکھا کر اُن کی گزشتہ خبروں سے انھیں باخبر کیا جائے گا۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ ان کی معذرتوں کی تاکید کا اظہار ہے کہ وہ اپنی معذرتوں میں قسمیں کھا کر تمھیں کہیں گے کہ واللہ ہمیں جنگ کی حاضری کی طاقت نہیں تھی۔ بخدا اگر ہمیں طاقت میسر ہوتی تو ہم جنگ سے غیر حاضر نہ ہوتے

اِذَا انْقَلَبْتُمْ جب تم جنگ سے لوٹو گے اِلَیْهِمْ اُن کے ہاں۔ اُن سے جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے دوسرے ساتھی (منافقین) مراد ہیں۔ لِتُعْرِضُوْا تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ اعراض بمعنے صفح یعنی روگردانی کرنا مطلب یہ ہے کہ وہ عذر کرکے چاہتے ہیں کہ ان سے درگزر کرتے ہوئے ان کو کسی قسم کی ملامت اور تحقیر نہ کرو۔ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ پس ان سے درگزر کرو۔ لیکن اظہارِ مسرت کے طور نہیں بلکہ بطور اجتناب اور اظہارِ غصہ و رنج کے۔ اِنَّهُمْ رِجْسٌ بیشک وُہ منافقین بدبودار شئے کی طرح ہیں پھر جس طرح بدبودار شئے سے اجتناب کیا جاتا ہے ان سے بھی ایسے ہی اس لئے کہ ان میں روحانی نجاست و غلاظت ہے۔

ف: بیان میں ہے کہ منافقین نجس ہیں۔ ان کے کردار ایسے گندے ہیں کہ وُہ اس ظاہری صفائی سے پاک اور صاف نہیں ہوسکتے۔

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس میں علت کا اتمام ہے۔ یعنی اُن سے اجتناب کا اصلی مُوجب یہی ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح ملامت اور عتاب وغیرہ سے نہیں ہوسکتی۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ اُن کے بُرے اعمال کی جزا ہے جن کا وُہ دُنیا میں ارتکاب کرتے تھے۔ يَحْلِفُوْنَ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا [illegible] لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ تاکہ تم ان کی جھُوٹی قسمیں سُن کر اُن سے خوش ہوجاؤ اور پہلے کی طرح اُن کے ساتھ [illegible] فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ پس اگر تم ان سے راضی ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا اس لیے کہ وُہ کفر میں بہت زیادہ منہمک ہیں فلہذا اُن کے ساتھ تمہاری رضامندی سے ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہو اور صرف تمہاری رضا ان کے لیے مفید بھی نہیں۔ اس لیے کہ تمہاری رضا نہ اُنھیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا سکتی ہے اور نہ ہی انھیں عذاب سے نجات دے سکتی ہے۔

خُلاصۃ التفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو روکا ہے کہ منافقین سے اظہارِ رضامندی نہ کرو اور نہ ہی ان کے جھوٹے عذروں اور جھوٹی قسموں کا اعتبار کرو۔ اس میں بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں اس کے لیے مومن کو لائق نہیں کہ وہ اس سے راضی خوشی ہوکر گزارے۔ (کذا فی الارشاد)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں غزوۂ تبوک کی واپسی پر اعلان فرمایا کہ خبردار! آج کے بعد منافقین کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا اور اُن سے کلام کرنا بند کردو

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ منافقین اور کبیرہ گناہوں سے بیباک لوگوں سے میل جول نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ وہ اپنی غلطیوں سے سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی امام باقر رضی اللہ عنہ کو نصیحت سیّدنا امام زین العابدین نے اپنے صاحبزادہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانچ شخصوں کی صحبت سے بچنا، بلکہ جس راستے پر وہ گامزن ہیں وہ راستہ بھی چھوڑ دینا۔ اُن کے ساتھ کسی قسم کی یاری دوستی نہ رکھنا۔ وُہ

پانچ شخص یہ ہیں :

① فاسق کے ساتھ کسی وقت بھی صحبت وسنگت نہ کرنا اس لیے کہ وُہ اپنی عادت بد سے تمہیں ایک لقمہ پرنیچنے سے گریز نہیں کرے گا۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے عرض کی : اباجی ! فاسق اتنا لالچی ہوتا ہے ؟

انہوں نے فرمایا : ایک لُقمہ کی قید بھی میں نے لگائی ہے وہ اس سے بھی کم خسیس ترین چیزوں پر للچا جاتا ہے اگرچہ وہ اسے حاصل بھی نہ کرسکے۔

② بخیل کو کبھی دوست نہ بنانا اس لیے کہ وہ تمہاری بہت سی ضروریات میں رُکاوٹ ڈالے گا۔

③ جُھوٹے کی دوستی بھی تمہارے لیے سخت مُضر ثابت ہوگی اس لیے کہ وُہ بمنزلہ سراب کے ہے۔ وہ تمہارے قریبی عزیزوں کو دُور کر دے گا اور دُور کے تعلق داروں کو تمہارے قریب تر کر دے گا۔

④ احمق سے بھی دُور رہنا اس لیے کہ اس کا تمہارے متعلق ارادہ تو نیک ہوگا اور کوشش کرے گا کہ وُہ تمہیں فائدہ پہنچائے لیکن وہ اتنا شدید ترین نقصان پہنچائے گا کہ جس کا مداوا ناممکن ہوگا۔

ایک عربی مقولہ مشہور ہے :

عَدُوٌّ عَاقِلٌ خَيْرٌ مِّنْ صديق احمق.

جس کا مفہوم شیخ سعدی قدس سرہٗ نے یُوں ادا فرمایا : ؎

اگر خصمِ جاں تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

ف : جاہل سے یہاں احمق مراد ہے۔

⑤ قاطع رحم، یعنی قریبی رشتہ داروں سے بلاوجہ بگاڑنے والے سے بھی دوستی نہ کرنا اس لیے کہ میرے نزدیک وہ ملعون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے تین مقامات پر لعنتی کہا ہے۔

مسئلہ : آیات سے ثابت ہُوا کہ غلط عذر اور جھوٹی معذرت غیر قابل قبول ہے۔ اگرچہ قبول کر لینا کریم النفسی میں داخل ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

عذر احمق بدتر از جرمش بود
عذر ناداں زھر ہر دانش بود

مسئلہ : آیات سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ اپنے عذر کو وزنی بنانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا نہایت مذموم اور سخت غلط اقدام ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ سچی قسم بھی نہ کھانی چاہیے بہرحال قسم کھانے سے اجتناب لازم ہے

تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی کی تعظیم و تکریم ہو۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر غلط قول سے اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

رُوحانی نسخہ متقی وہ ہے جو مباح امور سے بچنے کی کوشش کرے اس خطرہ سے کہ شاید یہ غیر مباح ہوں۔

مسئلہ: آیات سے یہ بھی واضح ہُوا کہ منافقین نجس اور غلیظ ہیں۔ ان کا خمیر پلید اور غیر پاکیزہ مٹی سے ہوا۔ اسی لئے اس مٹی کی تاثیر سے اعمالِ خبیثہ و اوصافِ ذمیمہ اُن سے سرزد ہوتے ہیں اسی وجہ سے انھیں ظاہری جہنّم یعنی دوزخ اور معنوی نار یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان سے جُدا رہنا نصیب ہوا۔

حکایت شیخ شبلی حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وُہ اپنے گُم شدہ بچّے کی وجہ سے رو رہی ہے اور بار بار کہتی ہے ہائے میرا لختِ جگر۔ حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ کے اس رونے والی عورت کے ساتھ آنسُو آ گئے اور وہ فرماتے تھے: ہائے مجھ سے جُدا ہونے والے یارو۔ اس عورت نے شیخ شبلی قدس سرہٗ سے عرض کی کہ میں تو اپنے بچّے کو روتی ہُوں اور آپ کس لیے روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تُو ایک فانی کی جُدائی پر روتی ہے جس نے آخر مرنا تھا۔ اور میں اس ذات کی جُدائی پر روتا ہُوں جس کو دائمی بقا ہے۔

ف

فرزند و یار چونکہ بمیرند عاقبت
اے دوست دل مبند بجز حیّ لایموت

سبق: عاشق مہجور پر لازم ہے کہ وہ فراق اور جدائی کے درد سے رونے بلکہ غم شوق اور دردِ اشتیاق کے اظہار میں بہت بڑی جدوجہد کرے اور اُمید رکھے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس کے درد و الم کو ختم کر کے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا اور اس سے وہی نوازشات ہوں گی جو وُہ اپنے محبوبوں سے فرماتا ہے اور اس کی قسمت جاگ اُٹھے گی کہ جس سے وہ کریم تا ابدالآباد اس سے ناراضگی ختم کر دے گا۔ بقول شخصے: ع

کبھی تو میری کھُلے گی قسمت کبھی تو میرا سلام ہوگا

اَلْاَعْرَابُ یہ اعرابی کی جمع ہے۔ جیسے عربی کی عرب اور مجوسی کی مجوس اور یہودی کی یہود۔

فائدہ: جمع کے لیے نسبت کی "یا" حذف کی جاتی ہے۔

فائدہ: عرب اور اعراب میں فرق ہے اور عربی کئی قسم ہیں وہ حضرات جو شہروں اور دیہاتوں اور جنگلوں میں بسر کریں، وہ عرب کہلاتے ہیں۔ اور جو صرف جنگلوں میں ہی زندگی بسر کریں وہ اعراب کہلاتے ہیں اُن میں عموم و خصوص کی نسبت ہے کہ ہر عرب اعرابی ہے لیکن ہر اعرابی عرب نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب وُہ ہیں جو آبادیوں میں رہتے ہیں اور اعراب وُہ جو جنگلوں ویرانوں میں گزاریں۔ اس طرح سے اُن میں تباین کی نسبت ہے۔ اس معنے پر الاعراب بمعنے دیہاتی ہے **اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا** کفر و نفاق میں سخت تر بن ہیں بہ نسبت آبادی والوں کے اس لیے کہ اعراب وحشیوں کی

طرح ہیں کہ جس طرح وحشی کسی کے تابع نہیں ہو سکتے ایسے ہی یہ لوگ کسی کے سامنے سر جُھکانے کے لیے تیار نہیں ہوتے کیونکہ گرم اور خشک ہوا ان کے دلوں کو سخت بنا دیتی ہے اور ان پر قساوۃ قلبی غالب ہو جاتی ہے۔

ف: قساوۃ قلبی تکبر اور فرار حق سے بھاگنے کا دُوسرا نام ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی استاد سے کوئی سبق نہ سیکھے اور نہ ہی کتاب اللہ جل جلالہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سُنے اور نہ ہی کسی نیک آدمی کی صحبت سے مستفیض ہو وہ اس جیسا کس طرح ہو سکتا ہے جو ہر وقت اہل علم کی صحبت سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کے کانوں میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز گونجتی رہتی ہے۔

حدیث شریف اھل الکفور اھل قبور دیہاتی مُردہ ہیں۔

ف: کفور کفر کی جمع ہے۔ اس سے دیہات مراد ہیں اس لیے کہ دیہات لوگوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔ اسی لیے دیہاتیوں کو حدیث شریف میں مُردگان سے تشبیہ دی گئی ہے اس لئے کہ دیہاتی حضرات شہروں اور اجتماعات میں حاضری بہت کم دیتے ہیں۔

ف: الفردوس الاعلیٰ میں ہے کہ دیہات سے یہاں وہ بستیاں مراد ہیں جو اہلِ علم کے اجتماعات اور شہروں کی حاضری سے دُوری رکھتے ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں پر جہالت چھا جاتی ہے اور وہ بدعات سیئہ کا ارتکاب بہت زیادہ کرتے اور بدعات کو جلد تر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

(۱) دہ مردہ مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

(۲) قول پیغمبر شنو اے مجتبےٰ
گورِ عقل آمد وطن در روستا

ف: اگر شہری دیہاتی ماحول کا فرق معلوم کرنا ہو تو پہاڑی اور باغ والے میوہ جات کو دیکھ لیجئے جیسے ان کے مزہ اور ذائقہ میں فرق ہے ایسے ہی ان کی تہذیب و تمدن میں ہے۔

ازالۂ توہم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہر دیہاتی بیکار اور ہر شہری سمجھدار ہوتا ہے بلکہ یہاں جنسیت کے طور فرق بتایا گیا ہے ورنہ بہت سے دیہاتی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی پرواز سے بہت سے شہری عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور جنسیت کی حیثیت کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ہر دیہاتی کے لیے اشد کفراً و نفاقاً نہیں کہا گیا۔

ف: کاشفی فرماتے ہیں کہ آیت میں الاعراب سے بنو تمیم و بنو اسد اور غطفان کے علاوہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کے بادیہ نشین مراد ہیں۔ اس سے تمام بادیہ نشین مراد نہیں گویا یہ جمع مخصوص عنہ البعض ہے۔

وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا اور ان کے لیے زیادہ لائق بھی یہی ہے کہ وہ نہ جانیں۔ حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ عبادات و شرائع کے وُہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل فرمائے یعنی فرائض وسُنن و دیگر احکام۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ قرآن و حدیث نہیں سُنتے تھے۔
مسئلہ : بادیہ نشین جاہل کی امامت مکروہ ہے۔ (الحدادی)

مسئلہ : جو امام نماز میں مکروہات کا ارتکاب کرے اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ایسے امام کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔ (فتح القریب)

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ اور اللہ بادیہ نشین اور جبل نشین لوگوں کے حالات کو خوب جانتا ہے حَكِيمٌ ۝ بُرے کو برائی کی سزا اور نیک کو نیکی کی جزا دینے کی حکمتوں کا مالک ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دیہات سے عالمِ انسان کا نفس اور شہر سے اس کا قلب مراد ہے۔ جیسے عالمِ صورت میں بعض مقامات دیہاتی اور بعض شہری ہیں۔ ایسے ہی حضرت انسان میں ہیں۔ آیت میں الاعراب سے نفس اور اس کے خواہشات کی طرف اشارہ ہے۔ کفر و نفاق نفس کے ذاتی افعال ہیں۔ ایسے ہی ایمان قلب کا ذاتی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو اس کی فطرت پر پیدا فرمایا ہے پھر انسان میں جب نفس کی صفت سرایت کر جاتی ہے تو اس سے کفر سرزد ہوتا ہے اور وہ نفس کے صفات سے موصوف ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

اندک اندک آب را دزدد ہوا
وین چنیں دزدد ہم احمق از شما
گرمیت را دزدد و سردی دہد
ہمچناں کو زیر خود سنگے نہد

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جب انسان پر قلب کے صفات کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس سے قلب کے واردات نمودار ہوتے ہیں۔

؎

مگو زنہار اصل خود چہ بست
ببیں دودش چہ مستثنٰی و خو بست

یعنی گلاب کی صحبت سے لکڑی کو خوشبو نصیب ہوئی حالانکہ وہ تو بیچاری لکڑی تھی اس میں خوشبو کا کیا معنیٰ۔ لیکن صحبت کی برکت سے لکڑی کو خوشبو نصیب ہوگئی۔ نفس قلب سے منافقت و کفر میں قلب سے زائد ہے۔ جب انسان کو دولتِ ایمان نصیب ہو اور اس کے صفات اس لائق ہیں کہ ارواح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ واردات کو نہ جانیں۔

ف : رُوح جسم میں بمنزلہ رسُول کے ہوتا ہے کہ جس طرح عالم ظاہر میں رسول علیہ السلام کو واردات ربانیہ نصیب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی رُوح اگر قابلِ واردات ہو تو اس پر بھی وارداتِ ربانیہ نازل ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کی حکمت پر مبنی ہے کہ کون سے کافر نفس کو مومن بنانا ہے اور کون سے مومن قلب کو کافر۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنَ الْاَعْرَابِ اور اعراب کی بعض جنہیں مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ ایسی ہیں یعنی ان کے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو مَغْرَمًا تاوان سمجھتے ہیں۔

ف: مَغْرَمًا مصدر ہے بمعنے الغرامۃ الغرم یعنی تاوان۔ ہر وہ مال جو انسان اپنے اس بچاؤ کے عوض پیش کرے جس کے متعلق سمجھتا ہے کہ یہ مال مجھ سے بلاقصور وصول کیا جا رہا ہے۔ اسے عربی میں مغرم، غرامۃ اور غرم اور اُردو میں تاوان کہا جاتا ہے۔

ف: جس کو خدا تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ ہو اور نہ ہی وہ ثواب کی خاطر مال خرچ کرتا ہے بلکہ کسی خوف سے یا ریاکاری کے طور پر خرچ کرکے اس کا نام تاوان رکھے، وہ اس کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے خرچ کرنے پر بہت سے اجر و ثواب کا وعدہ کریمہ فرمایا ہے۔

وَیَتَرَبَّصُ انتظار کرتا ہے بِکُمُ الدَّوَآئِرَ الدوائر دائرہ کی جمع ہے وہ آفات و بلیات اور آلام و مصائب جو انسان کو گھیر لیں۔ منافقین کی تمنا تھی کہ (معاذ اللہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں اور مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے اس طرح ہم مال خرچ کرنے کے تاوان سے بچ جائیں گے۔

ف: صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں جن کا خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے پھر ہم دینی کاموں پر خرچ کرنے سے بچ جائیں گے ورنہ جب تک مسلمان زندہ ہے وہ اسلام کی ضروریات کے لیے کچھ خرچ کرتا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں نفس و شیطان کے مکر و فریب سے بچا کر اپنے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ان پر ہو بُری گردش۔ یہ بددعا جوابی کارروائی کے طور پر کی گئی ہے جیسا کہ وہ اہل اسلام کے لیے بُری گردشوں کے آرزومند ہیں تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی ہے کہ اے کافرو! خدا کرے تم ہی بُری گردشوں میں مبتلا رہو۔

ف: السّوء بالفتح سا کا مصدر ہے بمعنے خوشی کی نقیض ہے۔ لیکن اہل عرب ہر شر اور ہر ضرر کو سَوْءٌ کہتے ہیں۔

ف: دائرہ کو السوء کی طرف مضاف از رُوئے ذات کیا گیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل سوءٍ، اس لیے کہ جس پر گردش کا نزول ہوتا ہے تو وہ اس کی مذمت کرتا ہے۔ یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے گویا پہلے اس دائرہ کو اس مصدر سے بطور مبالغہ موصوف پھر اسے اپنی صفت کی طرف مضاف کیا گیا[1]

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو جانتا ہے جو خرچ کرنے وقت کہتے ہیں عَلِیْمٌ ۝ اُن کے اُن امورِ فاسدہ کو بھی جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی کہ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اہل اسلام کو گردشِ زمانہ کب گھیرتی ہے وَمِنَ الْاَعْرَابِ اس سے ان دیہاتیوں کے مطلقاً بعض افراد مراد ہیں۔ (الارشاد)

---

[1] اس کی بحث شروح کافیہ بالخصوص فقیر کی شرح "نعم الحامی" میں دیکھئے ۱۲

تبیان میں ہے کہ اس سے قبیلہ اسد، جُہینہ، اسلم اور غفار کے لوگ مراد ہیں۔ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اعجوبہ وحکایت منقول ہے کہ ایک دیہاتی نے پہلی آیت سُنی تو بہت مغموم ہُوا کہ ہائے افسوس ہم دیہاتی ایسے گندے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ مذمت کرتا ہے۔ اس کے بعد جب پھر یہی آیت سنی تو بہت خوش ہوا کہ الحمد للہ دیہاتی سب گندے نہیں بلکہ ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں آیتیں سُن کر دیہاتی نے کہا۔ اللہ اکبر، ھجانا اللہ ثم مدحنا، یعنی اللہ نے ہماری ہجو بھی کی اور مدح بھی۔

وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ اور جتنا مال خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور نزدیکیوں کا مُوجب سمجھتے ہیں۔ قُرُبات سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکیوں کے اسباب اور ذرائع مراد ہیں۔ اور یہ یتخذ کا دُوسرا مفعول ہے۔ عِنْدَ اللّٰہِ یہ قُرُبات کی صفت ہے۔

ف : حدادی نے اس کا مطلب یُوں لکھا ہے کہ بعض دیہاتی ایسے نیک بخت ہیں جو جہاد میں اپنا مال دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اس ارادہ پر کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قُرب نصیب ہوگا اور وہ اس کے صلہ میں ہمیں بہت بڑے مراتب اور ثواب عنایت فرمائے گا۔

سوال : قُربِ الٰہی واحد ہے اسے قربات جمع کے صیغے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : قُرب کے اسباب اور ذرائع اور افراد مختلف ہیں۔ بنا بریں انھیں جمع کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

ف : لفظ قربات میں حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے قال تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقرب الیہ ذراعاً۔ جو ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے مَیں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہُوں۔

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اور وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے کو ذریعہ سمجھتے ہیں یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دُعائیں فرمائیں گے جس سے ہماری نجات ہوگی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ صدقہ دینے والوں کے لیے خیر و برکت اور مغفرت کی دُعا فرماتے تھے۔

مسئلہ : صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کو صدقہ لیتے وقت دُعا کرے۔ یہ سنّت ہے۔

مسئلہ : لیکن کسی کے لیے لفظ صلوٰۃ کا اطلاق نہ کرے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تھا کہ آپ صدقہ دینے والے کے لیے فرماتے اللھم صل علیٰ ابی اوفیٰ کیونکہ یہ صرف آپ کا خاصہ تھا کہ آپ جسے جس طرح کی فضیلت بخشیں۔ دُوسرے کے لیے ایسے بڑے منصب سے یاد کرنا مناسب نہیں ہے۔

اَلَآ یہ تنبیہ کا کلمہ ہے خبردار اِنَّھَا بے شک وہ نفقہ (خرچ)۔

سوال: ضمیر کا مرجع تم نے نفقہ کہاں سے نکالا؟
جواب: یُنفق مذکور سے۔
سوال: یُنفق سے مصدر مرجع نکالا گیا تو اس کی ضمیر مونث کی کیوں لائی گئی:
جواب: چونکہ اس کی خبر مونث ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر مونث لائی گئی ہے۔
قُرْبَةٌ لَّهُمْ وہ خرچ اُن کے لیے بہت بڑے فخر کا باعث ہے۔ یعنی جب وہ لوگ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کریں گے تو اس کے باعث وُہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر لیں گے۔
ف: اس سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتقادِ صحیح کی شہادت دی ہے اور بتایا ہے کہ یہی خرچ اُن کے قُربِ الٰہی کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور انھیں اس کے بعد رحمتِ الٰہی کی اُمید میں رہنا چاہیئے کہ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ کریمہ فرمایا کہ انھیں وُہ کریم اپنی آغوش رحمت میں لے گا۔ یہ جملہ قُربت کی تفسیر ہے اور لفظ "سین" وعدے کی تحقیق کے لیے ہے اس لیے کہ جملہ ثبت میں جب واقع ہوتا ہے تو تحقیق کا فائدہ دیتا ہے جیسے لفظ لَنْ جملہ منفیہ پر داخل ہوکر تاکید نفی کا افادہ کرتا ہے۔
ف: کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی بہشت میں جگہ دے گا جو کہ وہی بہشت نزولِ رحمت کا مرکز ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کے لیے غفور ہے۔ رَّحِیْمٌ ۝ اپنے مقربین کے لیے مہربان ہے۔
ف: صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ بیشمار ہیں اور کسی پر مخفی نہیں۔

حکایت بنی اسرائیل میں ایک دفعہ قحط پڑا، اور ایک فقیر ان کے کسی شہر میں تشریف لایا۔ ایک دولت مند کے گھر کے قریب کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا "تَصَدَّقُوْا خدا کے لیے مجھے کچھ دو"۔ دولت مند کی لڑکی ایک گرم روٹی فقیر کو دینے کے لیے گھر سے باہر نکلی۔ راستہ میں وہی دولت مند ملا، پُوچھا: یہ روٹی کسے دیتی ہو؟ اُس نے کہا: اس صدا لگانے والے فقیر کو دیتی ہُوں۔ دولتمند جوش میں آیا، اس لڑکی کو نہ صرف روٹی دینے سے روکا بلکہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یہ بات ناگوار گزری تو اس نے اس دولت مند کو اس قدر مفلس و قلاش بنا دیا کہ چند روز بعد مرگیا اور وہ فقیر جس نے روٹی مانگی تھی وہ دولت مند ہوگیا اور اس رئیس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ وہ لڑکی مرقعِ حُسن و جمال تھی۔ جب لڑکی سے طعام منگوایا گیا تو اس نے بائیں ہاتھ سے پیش کیا۔ اس نے بگڑ کر کہا کہ دائیں ہاتھ سے دینا سُنّت ہے تو سُنّت کی تارک ہو رہی ہے لیکن پھر بھی اس نے بائیں ہاتھ سے ہی کھانا

ف انہیں اسباب و ذرائع کو سلاسلِ طیبہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اویسیہ تعبیر کیا جاتا ہے جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ۱۲

دینا چاہا۔ اسی طرح ستر بار کیا۔ ہاتفِ غیبی نے کہا: سیدھے ہاتھ سے دے دے تجھے اللہ تعالیٰ نے اس روٹی کے بدلے میں ہاتھ عنایت فرما دیا ہے۔ چنانچہ غیبی آواز پر دایاں ہاتھ دیکھا تو وہ صحیح سالم تھا اور اس سے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

سبق: اس حکایت سے ثابت ہُوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا تو سزا کے طور پر اس سے وہ نعمت چھن جاتی ہے۔ دیکھیے بلعم باعورا کیسا بلند مراتب تھا۔ لیکن جب اس نے دینِ حق کا شکریہ ادا نہ کیا تو اس کا خاتمہ خراب ہوا اور وہ کافر ہو کر مرا۔ (کذا فی منہاج العابدین)

اس حکایت سے دُوسرا فائدہ یہ حاصل ہُوا جو شخص کہ ... کام کرے یا کسی غلط کاری سے محض رضائے حق کی طلب میں باز آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی جمیع مُرادیں پُوری فرماتا ہے۔

مسئلہ: بائیں ہاتھ سے طعام کھانا سوءِ ادب ہے اس لیے شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ ہاں معذور کو اجازت ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

(۱) گفت پیغمبر کہ دائم بہرِ پند
دو فرشتہ خوش منادی میکنند

(۲) کائے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشان را عوض دہ صد ہزار

(۳) اے خدایا ممسکاں را در جہاں
تو مدہ الا زیاں اندر زیاں

(۴) آں درم دادن سخی را لایق است
جاں سپُردن خود سخائے عاشق است

(۵) ناں دہی از بہرِ حق نانت دہند
جاں دہی از بہرِ حق جانت دہند

(۶) ہر کہ کارد گردد انبارش تہی
لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی

(۷) وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اسپش موش حوادثہاش خورد

نکتہ: جو شخص راہِ حق میں خرچ کرنے سے مال روکتا ہے اس کا مال کسی طریق سے ضائع ہو جاتا ہے۔
(بر صفحہ ۶۹۶)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ

بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور

اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں

اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ

یہی بڑی کامیابی ہے اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں

الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا

اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے

عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ

نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ

دوبارہ عذاب کریں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور کچھ اور ہیں

اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو

صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے

عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا

وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

اور صدقے خود اپنے دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اور تم فرماؤ کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اور جلد اس کی طرف پلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے تو وہ تمہارے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

کام تمہیں جتا دے گا اور کچھ موقوف رکھے گئے اللہ کے حکم پر یا ان پر

يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

عذاب کرے یا ان کی توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا

اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں

بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ

مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ

يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ

گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا بے شک

اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ

وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو

فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو

الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ

پیارے ہیں تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر

اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا

اور اس کی رضا پر وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً

راہ نہیں دیتا وہ تعمیر جو چنی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے۔

ف : اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ یعنی وہ حضرات جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور ہر دونوں قبلوں، کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

ف : عورتوں میں سب سے پہلے بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

وَالْاَنْصَارِ اور انصار یعنی اہل بیعۃ عقبہ اُولیٰ وہ سات افراد تھے اور اہل بیعۃ عقبہ ثانیہ وہ ستر تھے اور وہ لوگ

بقیہ صفحہ ۶۹۲ سے آگے۔ مسئلہ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اغنیا کے مال پر غریبوں کے اخراجات فرض ہیں۔

مسئلہ : کوئی غریب فاقہ کشی میں مبتلا ہو اور دولت مند معلوم ہونے کے باوجود اس پر خرچ نہ کرے تو قیامت میں دولتمند سے باز پرس ہوگی۔

جن کے ہاں مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے جس کی تفصیل ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔ ان شاء اللہ

نکتہ : سبقت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے تعریف فرمائی کہ بعد میں آنے والوں سے وہ پہلے اہل ایمان شمار ہوں گے اور قاعدہ ہے الفضل للمتقدم فضیلت پہلے کو حاصل ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ نیکیوں میں ملتبس ہوئے۔

ف : احسان سے ہر نیک عادت مراد ہے۔ اور یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے بعد مسلمان ہوئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے تمام مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اس لیے کہ باقی مسلمانوں سے یہی حضرات اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اس معنے پر مِن بیانیہ ہے اور تابعین سے قیامت تک آنے والے تمام اہلِ اسلام مراد ہیں

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ ان تمام مذکورہ بالا حضرات سے راضی ہے۔ یہ مُبتدا مذکور کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی طاعات قبول کر کے اُن سے راضی ہے اور اُن کے جُملہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں۔ وَرَضُوْا عَنْهُ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہیں۔ یہاں دینی و دُنیوی ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں وَاَعَدَّ لَهُمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائے جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جمیع قراء یہاں پر مِن کے بغیر یعنی صرف تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ پڑھتے ہیں۔ لیکن ابن کثیر نے قرآن مجید کے دُوسرے مقامات کی طرح لفظ مِنْ کے ساتھ پڑھا ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس میں وُہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی اُن کا ان باغات میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے اَبَدًا ط ایسی ہمیشگی کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اسے ابداً سے تعبیر کرتے ہیں گویا کہ زمانہ مستقبل کے جمیع ازمنہ کو حاوی ہوتا ہے جیسے لفظ ازل ماضی کے جمیع ازمنہ کو حاوی ہوتا ہے اور بطور مجاز ہر دونوں یعنی ابد و ازل بہت طویل زمانہ کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔

ف : کبھی اپنی جمع کی طرف مضاف ہو کر بھی آتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے ابد الاباد و ازل الازال لفظ سرمد ماضی و مستقبل ہر دو کے جملہ زمانوں کے لیے مستعمل ہے۔

لہ اس سے صحابہ ثلاثہ (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان) اور اُن کے جُملہ احباب کی فضیلت کا اندازہ کیجئے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ ان حضرات کے ایمان پر شک کرتے ہیں مگر اہلِ فہم کو یقین ہے کہ جن کی خود اللہ تعالیٰ اپنے سچے کلام میں تعریف بیان فرمائے اُس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو وُہ اپنی شومیٔ قسمت پر ماتم کرے۔

ٹہ اس سے شیعہ فرقہ کا رد ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے میں ان سب سے راضی ہوں۔ لیکن یہ لوگ صدیوں بعد اپنے غلط خیالات کی بنا پر اُن پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ ۱۲

ذٰلِكَ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مذکورہ بالا حضرات کے لیے جو کراماتِ عظیمہ تیار فرمائی ہیں الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ایسی عظیم کامیابی کہ اس کے بعد کسی دیگر کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

آغازِ اسلام کی داستان

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی مبارک کے چالیسویں سال مکہ معظمہ میں اظہارِ نبوت فرمایا تو چند گنتی کے افراد نے اسلام قبول فرمایا۔ اُن پر کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیے تاکہ مسلمان اسلام ترک کر کے کفر کو لوٹ آئیں لیکن مسلمان اپنے عزم پر چٹان بن گئے۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ وہاں کا بادشاہ نجاشی نیک طینت ہے۔ مسلمانوں نے حبشہ کو نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں ہجرت فرمائی۔ ہجرت کرنے والے اسّی افراد تھے۔ یہی اسلام کی پہلی ہجرت ہے۔ پھر عقبتین میں انصار کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا۔ عقبہ اُولیٰ کی بیعت نبوت کے گیارھویں سال اور عقبہ ثانیہ کی بیعت بارھویں سال ہوئی۔ جب عقبۂ ثانیہ میں بیعت کر کے انصار واپس مدینہ طیبہ آئے تو اُن کے ساتھ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وُہ انہیں مدینہ طیبہ پہنچ کر مسائل شرعیہ سمجھاتے رہیں اور جتنا قرآن مجید نازل ہوچکا اُس کی تعلیم سے انہیں روشناس کراتے رہیں۔ اس اثناء میں انصار کی بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔

سوال: اہلِ مدینہ کو انصار سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ مہاجرین نے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی؛

جواب: اس لیے کہ اہلِ مدینہ نے ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی بہت مدد فرمائی۔ اس خصوصیت سے یہ نام صرف اُن کے لیے مخصوص ہوگیا۔ اُس کے بعد نبوت کے چودھویں سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اُسے ہجرتِ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: تحویلِ قبلہ یعنی بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم مدینہ طیبہ میں بروز منگل ماہ شعبان میں ہوا جبکہ حضور علیہ السلام کو مدینہ طیبہ تشریف لائے ہوئے اٹھارواں مہینہ تھا۔ اس سال غزوۂ بدر کبریٰ ۱۹ ر رمضان المبارک کو ہوا، اور غزوۂ حدیبیہ ۶ھ میں ہوا۔ اس سال بیعتِ رضوان واقع ہوئی۔

ترتیب عقیدہ دربارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اہلسنت کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے اوّل[1] و افضل صدیقِ اکبر، پھر فاروقِ اعظم، پھر عثمانِ غنی، پھر علی المرتضیٰ، پھر

---

[1] جاہل اہلسنت رافضی، شیعوں یا تفضیلیوں سے متاثر ہو کر کہتے ہیں: ؏
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
یہ غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوا۔
ہم کہتے ہیں: ؏
یہ بات محض ہے اندھوں کی کچھ سُوجھ نہیں لاچاروں میں
جو شعور نہیں رکھتا وہ اندھوں سے بھی بدتر ہے۔

باقی عشرہ مبشرہ مع سابقین اولین، پھر اصحابِ بدر، پھر غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والے، پھر غزوۂ حدیبیہ مع بیعت رضوان والے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تفسیر صوفیانہ ۱۔ السابقون الاوّلون کے متعلق صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں جن کو عنایت ازلیہ سب سے پہلے نصیب ہوئی۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی۔

یعنی یہ وہی لوگ ہیں جن کو ازل میں سب سے پہلے عنایتِ ربانی نصیب ہوئی۔

۲۔ السابقون سے وُہ لوگ مراد ہیں جو سب سے پہلے عدم سے وجود میں آئے۔ اوّلون وہ عدم وجود میں سب سے پہلے نکلے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو عالمِ ارواح میں صفِ اوّل میں تھے جبکہ ازل میں ارواح صف بہ صف بہت بڑے لشکر کی طرح کھڑے تھے۔

۳۔ السابقون سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی آواز سب سے پہلے سُنی۔

۴۔ السابقون الاوّلون سے وہ ذرات مراد ہیں جنہیں اللہ کی قدرت کا ہاتھ سب سے پہلے نصیب ہُوا جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس روز میں گُوندھا گیا۔

۵۔ السابقون سے وُہ سالک مراد ہیں جو سلوک طے کرتے ہُوئے سب سے پہلے راجع الی اللہ ہوتے ہیں۔ الاوّلون وہ لوگ جو سلوک طے کرتے ہُوئے جلال کے پردوں تک سب سے پہلے پہنچتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کی فضیلت ان تمام وجوہ مذکورہ میں اسبقیت واوّلیت ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اُمم میں آپ کی اُمت کو۔ اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ ہم پچھلے بھی ہیں اور پہلے بھی۔ یعنی صورت کے خروج سے آخر اور معنٰی کے دخول میں سب سے اوّل۔

ف: فصل القریب میں ہے کہ زمانہ اور وجود اور کتاب دیے جانے کے لحاظ سے ہم آخر اور قیامت میں حصول فضل و دخول جنۃ وفیصلہ وحساب کے لحاظ سے اوّل۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اُمتوں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔

ف: اس سبقت سے کام پہلے کرنا مراد ہے یا کام کا ارادہ کرنا۔ لیکن ترجیح دُوسرے قول کو ہے۔

حکایت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن سب سے پہلے جامع مسجد میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن حسبِ دستور جب حاضر ہوا تو مجھے آواز سُنائی دی کہ ایک بندہ تجھ سے پہلے سبقت کرچکا ہے۔ چنانچہ میں دوسرے جمعے میں اُس پہلے وقت سے بھی کچھ پیشتر حاضر ہُوا تو پھر وہی آواز میرے کانوں

میں پڑی کہ اے ابوالقاسم! تجھ سے ایک اور بندہ سبقت کر گیا۔ میں ہر جمعہ میں سبقت کرنے کی کوشش میں رہا لیکن ہر بار وہی آواز سُنی۔ میں ورطۂ حیرت میں گم ہو گیا اور بارگاہِ ایزدی میں ملتجی ہُوا: یا الٰہی! مجھے اس راز سے آشنا فرمایئے کہ وہ کون سا خوش بخت انسان ہے جو مجھ سے سبقت کر جاتا ہے۔ میری دعا قبول ہُوئی کہ مسجد کی محراب کے ایک کونے سے آواز آئی تجھ سے سبقت کرنے والا وہ ہے جو آج جامع مسجد سے سب سے آخر میں نکلے گا۔ میں جمعہ پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ نمازِ عصر پڑھی گئی۔ بعدہٗ تمام لوگ جامع مسجد سے نکل گئے۔ سب سے آخر میں مسجد سے نکلنے والا ایک نحیف و ناتواں بُوڑھا تھا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور عرض کی: حضرت! آپ مسجد میں کس وقت تشریف لاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد۔ میں نے انھیں اپنی پوری داستان سُنائی اور عرض کی اب بتایئے آپ کس عمل کی وجہ سے مجھ سے سبقت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اے جنید! میں جب جمعہ پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہُوں تو نیت کر لیتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالیٰ اگر زندگی ہُوئی تو آئندہ جمعہ پھر حاضر ہوں گا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے مجھے سبق ملا کہ سبقت پہلے آنے سے نہیں بلکہ سبقت دل کے ارادے کا نام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

① فکر اوّل ہرچہ آمد در عمل — خاصہ فکرے کو بود وصفِ ازل

② دل بکعبہ میرود در ہر زماں — جسم طبعی دل بگیرد ز امتناں

③ ایں دراز و کوتہی مر جسم راست — چہ دراز و کوتہ آنجا خدا ست

④ چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد — رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

تفسیر عالمانہ (وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ) ممن حولکم خبر مقدم اور مُنٰفِقُوْنَ اس کا مُبتدا مؤخر ہے یعنی اور تمہارے مدینہ طیبہ کے گرد بعض مِنَ الْاَعْرَابِ دیہاتیوں میں سے (اعراب اور عرب کا فرق ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے) مُنٰفِقُوْنَ ؕ منافق ہیں۔ ان سے قبیلہ جُہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار مراد ہیں۔ یہی لوگ مدینہ طیبہ کے گرد بستے تھے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قف اور اہلِ مدینہ میں سے ایک قوم ہے مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ قف جو منافقت کی خوگر ہے۔ وہ ہر وقت منافقت پہ کمربستہ رہتی ہے یا وہ منافقت میں مہارت تامہ رکھتی ہے۔ المرد علی الشئ۔ بمعنے کسی فن کا کاریگر اور ماہر اور عادی ہونا۔

تحقیق لفظِ مدینہ لفظِ مدینہ جب مطلق ہو تو اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دارِ ہجرت مراد ہو گی یعنی وہ شہر جس کی طرف آپ ہجرت فرما گئے یا جس شہر میں آپ کا منبر اور قبر انور ہے۔ مَدَنَ بالمکان سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی وہاں اقامت پذیر ہو جائے۔ اس معنے پر مدینہ کا میم اصلی ہو گا۔ اس کی جمع المدن (بضم الدال وبجرہا) آتی ہے اور مدائن بھی ہمزہ کے ساتھ یا دان سے مشتق ہے۔ یہ اُس

وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی اطاعت کرے۔ دین بمعنے طاعت مشہور ہے۔ اس معنے پر مدینہ کا میم زاید ہوگا۔ اس کی جمع مداین ہمزہ کے بغیر معایش (بالیاء) ہوگی۔

مدینہ طیبہ کے بعض اسماء گرامی مدینہ پاک کے اسماء گرامی بکثرت ہیں ان میں ایک طابہ وطیبہ (بفتح الطاء و سکون الیاء) بھی بمعنی پاکیزہ ہے۔ چونکہ یہ شہر مبارک شرک سے مبرا ہے یا اس شہر مبارک کے لوگ امن وسکون اور دعوتِ حق کی وجہ سے خوشی میں ہیں یا اپنے عیش عشرت کے لحاظ سے شاداں وفرحاں ہیں یا اس شہر اقدس کی خاک پاک ہے۔ یا یہ شہر منافقت سے پاک ہوگیا۔ بنابریں ان دو اسماء سے موسوم ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: مدینہ طیبہ شریر (منافق) لوگوں کو اپنے سے باہر پھینک دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے سے زنگ نکال دیتی ہے

حدیث شریف میں ہے: ایمان مدینہ طیبہ کی طرف ایسے جاتا ہے جیسے سانپ اپنی بل میں یعنی جیسے سانپ اپنی بل میں جاتے ہوئے سیدھا چلا جاتا ہے اسی طرح ایمان مدینہ طیبہ کو۔

ف: مدینہ سے شام کا تمام حصہ مراد ہے۔ اس لحاظ سے مدینہ شام کا جُز ہوگا۔ صرف مدینہ کا نام لیا گیا۔ اُس کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے اس لحاظ سے مدینہ شام کی طرف منسوب ہوگا۔ ابنِ ملک کا یہی مذہب ہے۔

ف: امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مدینہ طیبہ نہ شامیہ ہے نہ یمانیہ بلکہ حجاز میں شامل ہے۔

ف: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ دونوں یمانیہ ہیں۔

لَا تَعْلَمُهُمْ [1] یہ مردوا علی النفاق کا بیان ہے یعنی وہ منافق اپنی منافقت میں ایسی مہارت رکھتے ہیں کہ تم پر ان کی منافقت کی چال واضح نہیں ہوتی باوجودیکہ تم کمال درجہ کی فطانت وفراست کے مالک ہو۔

خلاصہ یہ کہ آپ اُن کے احوال کل اور اُن کی منافقت کو (ذاتی علم سے) نہیں جانتے۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم انہیں جانتے ہیں کہ یہ منافق ہیں ہمیں ان کے پوشیدہ اسرار کا علم ہے۔ اپنی منافقت سے آپ کے ساتھ ہیرا پھیری کر سکتے ہیں لیکن میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔ **سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ** پر سین تاکید کا ہے ہم ان کو دوبارہ عذاب میں مبتلا کریں گے۔

---

[1] جمل علی الجلالین میں ہے کہ یہ آیت " ولتعرفنھم بسیماھم" الخ سورہ محمد کی آیت سے پہلے اُتری۔ اس تقریر پر حضور علیہ السلام کے علم مبارک کی نفی ثابت نہیں ہوتی اس دعویٰ پر جو اہلسنت حضور علیہ السلام کے وصال مبارک سے پہلے علم کلی کا عقیدہ رکھتے ہیں تفصیل تفسیر اویسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا علم مبارک منافقین کے بارہ میں

مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے منافقین سے فرمایا:

"اے فلاں! میری مجلس سے اُٹھ کھڑا ہو، اس لیے کہ تو منافق ہے۔"

اسی طریق سے آپ نے اپنی مجلس سے بہت سے منافقین کو نکال کر برسرِ مجلس اُنھیں رُسوا کیا۔ عذابِ اوّل تو یہی تھا۔ دُوسرا عذاب انھیں قبر میں نصیب ہوگا۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ منافق سے قبر میں چالیس دن منکر نکیر سوال کرتے رہیں گے لیکن اُس سے کوئی جواب نہ بن سکے گا۔

ف: یہ بھی کہ یہاں مرّتین سے کثرت مراد ہے، دُو کی گنتی مقصود نہیں۔ جیسے آیت فارجع البصر کرّتین سے کثرت مراد ہے۔ یعنی آنکھ بار بار لوٹائیے۔

ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ۝ پھر اُنھیں ایک بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس سے جہنّم کا عذاب مراد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ عذابِ عظیم سے مراد یہ ہے کہ اُنھیں بارگاہِ حق سے دُور رکھا جائے گا۔ درحقیقت عذاب بھی ہے کہ بندے کو اپنے مولیٰ کی درگاہ سے دُوری اور محجوبیت ہو کہ اپنے آقا کے دیدار سے محروم ہو جائے اس عذاب سے بڑھ کر اور کون سا عذاب ہوگا۔ ؎

(۱) از فراق تلخ میگوئی سخُن	ہر چہ خواہی کن و لیکن آں مکُن
(۲) تلخ تر از زہر ہجراں ہیچ نیست	در فراقت غیر بیچارہ ہیچ نیست
(۳) صد ہزاراں مرگ تلخ از شوق تو	نیست مانندِ فراقِ رُوئے تو
(۴) جور دوراں و ہجراں رنجی کہ ہست	سہلتر از بُعدِ حق و غفلتست
(۵) از فراق ایں حنا کہا شورہ شود	جملہ ذوق از فراق غورہ شود

تفسیر عالمانہ

وَاٰخَرُوْنَ اور اہلِ مدینہ سے دوسرے بعض وہ ہیں اعْتَرَفُوْا جنھوں نے اقرار کیا بِذُنُوْبِهِمْ اپنے گناہوں کا، جو جنگ سے باز رہنے کی وجہ سے ان سے سرزد ہوا اور ضروریات کو عزیز جان کر جنگ پہ نہ جا سکے اور منافقین کے ساتھ گھروں میں رہنے پر راضی رہے لیکن بعد کو نادم ہو کر معذرت کی لیکن جھوٹ نہ بولا بلکہ سچ کہہ دیا۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پر مسجدِ نبوی سے باندھ دیا۔ جب سُنا کہ غزوہ پہ نہ جانے والوں کے لیے عتاب کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے فارغ ہو کر حسبِ دستور مسجدِ نبوی میں تشریف

لائے تو آپ نے اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق مسجد شریف میں دوگانہ ادا فرمایا۔ ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد کے ستونوں سے بندھے بیٹھے ہیں۔ آپ نے اُن کے متعلق پُوچھا تو جواب ملا کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پر باندھا ہُوا ہے۔ اس جُرم کی وجہ سے کہ وہ جنگ کے لیے آپ کے ساتھ نہ جا سکے۔ انہوں نے معاہدہ کیا ہے اور قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے نہ چھوڑیں گے یہ ایسے ہی بندھے رہیں گے۔ آپ نے بھی قسم کھائی کہ میں بھی انھیں نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ مجھے حکمِ ربّانی نہ ہو گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، تب آپ نے انہیں چھوڑا اور اُن کا عذر قبول فرمایا۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا انھوں نے ملایا عمل صالح یعنی وہ اعمال صالحہ جو اس سے قبل انہوں نے کیے اور جنگوں پہ جاتے رہے اور اس جنگ پہ نہ جانے پر غلطی کا اعتراف کیا بلکہ اپنی مذمت کی اور ندامت کا اظہار کیا۔ وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ط اور دُوسرے وُہ ہیں جنہوں نے اپنے اعمال کو بُرائی سے ملایا یعنی اوّل و آخر میں ہر طرح بُرائیوں سے ملوّث ہُوئے منجملہ اُن کے غزوۂ تبوک کی غیر حاضری بھی ہے۔

نکتہ: یہاں پر باخر کی بجائے و اخر لانے میں اشارہ ہے کہ ہر گروہ مخلوط و مخلوط بہ ہے یہ "خلطت الماء باللبن" کے محاورہ سے ابلغ ہے۔ اس لیے کہ اس عبارت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پانی دُودھ پر ڈالا گیا لیکن اس سے "پانی پر دُودھ ڈالا گیا" کا معنیٰ نہیں نکل سکتا بخلاف اس کے کہا جائے "خلطت الماء واللبن" اس سے ہر دو کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔ ہر دو مخلوط و مخلوط بہ سے موصوف ٹھہرتے ہیں۔

نکتہ: حدادی نے فرمایا کہ وُہ ایک دفعہ جنگ پہ حاضر ہُوئے، دُوسری دفعہ غیر حاضر ہوئے تو اُن کے دونوں کام آپس میں مل گئے، جیسے کہا جاتا ہے:

خلط الدنانیر والدراھم" یعنی دنانیر ودراہم کو اُس نے ملا دیا۔

اور کہا جاتا ہے:

خلط الماء واللبن" یعنی پانی اور دُودھ کو آپس میں ملایا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ط عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے گا۔

سوال: تم نے توبہ کہاں سے نکال لی جبکہ اُنھوں نے توبہ کا اظہار نہ کیا۔

جواب: گناہوں کے اعتراف کا دُوسرا نام توبہ ہے اور اُن کے اعتراف کا بیان سابقًا گزرا۔ اس بنا پر ان کی توبہ قبول کرنے کا اظہار جملہ ہذا میں ہُوا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ تائب کے گناہوں سے درگزر فرما کر اسے فضل و احسان سے نوازتا ہے۔ کلمۂ عسیٰ سے جو توبہ کی قبولیت کا وعدہ دیا گیا اس کی علت کا اظہار ہے کہ اعتراف کرنے والے کی توبہ لازمًا قبول ہوتی ہے۔ کریم کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جس طرح جس طور طریق سے چاہے گدا کو پُر اُمید کرے۔

نکتہ : حدادی نے فرمایا کہ لفظ علیٰ میں اشارہ ہے کہ بندے کو بین الخوف والرجاء میں ہونا ضروری ہے۔ نہ اتنا رحمت سے پُر اُمید ہو کہ خوفِ الٰہی بھی دل سے اُٹھ جاتے اور نہ ہی اتنا پُر خطر رہے کہ رحمت کریم کا تصور اٹھ جائے۔ ؎

چوں بدیٔ گناھرا دانی
گشت جانبِ پشیمانی
ور ندانی گناھرا کہ بد است
آں شقاوت ابد است

تفسیر صوفیانہ

نفوس تین قسم کے ہوتے ہیں:

① منافق

② کافر

③ مومن

۱ ——— نفس منافق وہ ہے جس میں حیوانوں کی طرح خواہشات کا غلبہ ہو۔ یہ عادت تبدیل ہو سکتی ہے جبکہ قلب کو شریعت و طریقت کے تابع کر کے نفس کو قابو میں لیا جائے لیکن اس سے صرف قلب کا ظاہر صاف ہوگا۔ ابھی باطنی حالت کے لیے صفائی باقی رہے گی۔ وہ اس وقت تک حقیقی طور صاف نہیں ہوگی جب تک اس سے شہواتِ نفسانیہ کو پورے طور نہ نکالا جائے بلکہ نفس کو یقینی طور مغلوب کر دیا جائے۔

۲ ——— نفس کافر وہ ہے جسے کھانے پینے کی طلب کا غلبہ درندوں کی طرح ہو۔ یہ اس وقت پاک ہو سکتا ہے جب اس کی ضد اس پر غالب ہو یعنی اُسے ایسے مغلوب کیا جائے کہ اُسے کھانے پینے کی طلب بالکل نہ رہے۔ اگر کھائے پیئے تو جسم کی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ جسم کی بقاء کے لیے۔

۳ ——— نفسِ مومن وہ ہے جس میں درندگی اور شیطنت کے اوصاف موجود ہوں۔ جیسے غصہ، تکبر، عداوت، خیانت وغیرہ۔ سالک یہ اوصاف ایسے مٹاتے کہ اُسے غصہ کے بجائے وصلۂ تکبر کے بجائے تواضع، عداوت کے بجائے محبت و اخوت اور خیانت سے امانت نصیب ہو جاتے۔ یہاں تک کہ نورِ ربانی سے اسے انشراح صدر نصیب ہو۔

ف : اگر کسی سے نفس کے اوصاف نہیں مٹ سکتے یا ان اوصاف سے مغلوب الحال ہے تو سمجھو کہ اس میں منافقت کا کچھ حصہ باقی ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، دھوکہ بازی کو منافقت سے تعبیر فرمایا۔ کما قال علیہ السلام:

اربع من کن فیہ فھو منافق وان صام وصلی وزعم انہ مسلم اذا حدث کذب واذا اتمن خان واذا وعد اخلف واذا عاھد عذر ومن کانت فیہ واحدۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق

حتی یدعہا۔

چار ایسی خصلتیں جس میں وُہ پائی جائیں وہ منافق ہے خواہ روزے رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے خیال میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں:

۱ ــــ جب بولے جھُوٹ بکے۔

۲ ــــ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے، خیانت کرے۔

۳ ــــ جب کسی سے وعدہ کرے اس کے خلاف کرے۔

۴ ــــ جب معاہدہ کرے تو پھر دھوکہ دے۔

مذکورہ بالا خصلتوں میں سے جس میں ایک بھی ہوگی اس میں منافقت ہوگی۔

سبق: عاقل وُہ ہے جو احکامِ شریعت و آدابِ طریقت کے لیے جدوجہد کرے یہاں تک کہ وہ منافقت سے چھٹکارا پالے۔

ف: گناہوں کا اعتراف مومن کی میراث ہے جو اُسے آدم علیہ السلام سے نصیب ہُوئی۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر دو سو سال روتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کی لغزش معاف ہوگئی۔

توبہ کی قبولیت کا نسخہ

جو چاہے کہ اس کی توبہ یقیناً قبول ہو تو وُہ بوقتِ توبہ بہت روئے اور گڑگڑائے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

شفیعِ ہر نبی و ولی

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی علیہ السلام اور ہر ولی کے شفیع ہیں۔ اس لیے آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کا نام بطور وسیلہ پیش کیا۔ چنانچہ کہا:

اُلٰہی بحق محمّد ان تغفرلیٰ اے اللہ! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے بخش دے۔

اور توبہ کے وقت جمیع مرد و زن کے لیے بخشش مانگی۔

ف: استغفار کا معنےٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے ربِ کریم سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا معنےٰ یہ ہے کہ وُہ اپنے بندے کے گناہ اپنے فضل و کرم سے چُھپا دے اور اس کی غلطیاں بندوں کے سامنے ظاہر نہ کرے اور نہ ہی بندے کا عیب کسی کے سامنے ظاہر ہونے دے۔ توبہ کی قبولیت کے لیے ایک شرط ضروری یہ ہے کہ پختہ عزم کرے کہ آیندہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

مسئلہ: خدانخواستہ اگر اس سے [illegible] گناہ سہواً یا خطاءً ہوجائے تو معاف ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

جائیکہ برق عصیاں بر آدم صفی زد
مارا چگونہ زیبد دعویٰ بیگناہی

تفسیر عالمانہ خُذْ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لے لیجئے مِنْ اَمْوَالِهِمْ ان لوگوں کے اموال جو جنگ پہ نہیں جاسکے۔ لیکن اب اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں صَدَقَةً صدقہ۔ درانحالیکہ آپ تُطَهِّرُهُمْ ان کو پاک فرمادیں۔ ان کی وہ غل وغش جو ان سے جنگ کی غیر حاضری سے ہوئی۔ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا اور ان سے صدقات لے کر اُن کا تزکیہ فرمائیں۔ یعنی اُن کے اموال صدقہ کے طور لے کر اُن کی نیکیاں بڑھائیں اور انھیں مراتب مخلصین تک پہنچائیں۔

واقعہ ستُون والوں کا مروی ہے کہ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں سے چھوڑا تو وہ سیدھے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اپنے تمام اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں لائے اور عرض کی: یہی مال تھے جنہوں نے ہمیں آپ کے ساتھ جنگ پہ جانے سے محروم رکھا، ہم آپ کی خدمتِ اقدس میں لائے ہیں آپ انھیں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے ان اموال کو خرچ نہیں کرتا۔ تو یہی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان کا تہائی مال خرچ کیا تاکہ ان کی توبہ کی تکمیل ہو کر اُن کی جنگ پہ نہ جانے کے گناہ کا کفارہ بن جاتے۔

ف: یہ صدقہ واجب نہیں تھا اس لیے کہ صدقہ واجبہ اس طرح نہیں لیا جاتا۔ جیسے حضور علیہ السلام نے اُن سے لیا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کسی واقعہ پہ نہیں اُتری بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے نازل ہوئی کہ دولت مندوں سے مال لے کر غریبوں اور مسکینوں کو دیا جائے اگرچہ دولت مندوں کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ اس کی نظیر آیت "انا انزلناه فی لیلة القدر" (الآیہ) ہے۔

سوال: کم از کم اس کے لیے کوئی قرینہ تو ہوتا ایسے ہی زکوٰۃ کی فرضیت کیسے ثابت ہوتی ہے؟

جواب: دلالت حال قرینہ ہے اور ایسے مقامات کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ دولتمند مسلمانوں سے اموال کی زکوٰۃ لیجئے۔

نکتہ: زکوٰۃ کو اس لیے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اس سے بندے کی صداقت فی العبودیۃ کا پتہ چلتا ہے۔

مسئلہ: اکثر فقہاء کرام اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے حاکم وقت جبراً لے سکتا ہے اس کی دلیل اُنہوں نے یہی آیت "خذ من اموالھم" پیش کی ہے اور یہی مختار ہے۔

مسئلہ: اشباہ کتاب میں ہے کہ زکوٰۃ جبراً نہ لینی چاہیے۔

مسئلہ: محیط میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے جبراً لینا جائز نہیں۔ اگر جبراً لے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

اس لیے کہ زکوٰۃ دینے والے سے اختیاراً ادا نہیں ہوئی بلکہ جبراً وصول کی گئی ہے البتہ اسے قید کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے بعد وہ اپنے اختیار سے ادا کرے۔

مسئلہ: ہمارے دور میں جو حکام زکوٰۃ وعشر اور جزیہ اور خراج اور دیگر تاوان وغیرہ جبراً وصول کرتے ہیں صحیح تر یہ ہے کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ وہ زکوٰۃ وغیرہ دیتے وقت ادائیگی کی نیت کریں۔

مسئلہ: لیکن اس میں صحیح یہی ہے کہ ایسی ادائیگی کے بعد زکوٰۃ وغیرہ دوبارہ ادا کرنی چاہیے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اور اس پر ان کے لیے خیر و برکت کی دعا و استغفار فرمائیے اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ اس لیے کہ آپ کی خیر و برکت کی دعا سے انہیں تسکین قلبی اور اطمینان نصیب ہوگا۔

ف: سکن مصدر بمعنے مفعول نقص بمعنے منقوص کی طرح ہے وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ تعالیٰ ان کا اعتراف سننے والا عَلِيْمٌ ○ اور ان کی ندامت کو جاننے والا ہے۔

مسئلہ: کافی (کتاب) میں ہے کہ میت کے لیے نماز جنازہ کا ثبوت اس آیت وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ اور حدیث شریف "صلوا علیٰ کل بر و فاجر" "ہر نیک و برے پر نماز پڑھو" سے حاصل ہوا۔

سب سے پہلی نماز جنازہ مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کے لیے تجہیز و تکفین کے کپڑے اور خوشبو وغیرہ بہشت سے لائی گئی۔ آپ کی تجہیز و تکفین اور نماز وغیرہ کے لیے ملائکہ نازل ہوئے اور آپ کی تغسیل کے فرائض انجام دیے۔ اور تین کپڑوں میں کفنایا اور خوشبو لگائی۔ اور ایک فرشتے نے امام بن کر نماز پڑھائی اور دوسرے فرشتے مقتدی ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ حضرت شیث علیہ السلام نے پڑھائی اور یہ حکم آپ کو جبریل علیہ السلام نے سنایا اور فرمایا کہ اپنے والد ماجد کی نماز جنازہ خود پڑھائیں اور نماز کی تیس تکبیریں کہی گئیں۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام کو قبر میں دفنایا گیا اور آپ کی قبر میں لحد بنائی گئی تھی اور ان کی قبر پر نشان کے طور پر چند اینٹیں رکھی گئیں۔

ف: شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے جانشین مقرر ہوئے۔ جب آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین و تدفین سے ملائکہ کرام فارغ ہوتے تو شیث علیہ السلام نے فرمایا: اسی طرح اپنی اولاد اور بہن بھائیوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کرنا۔ یہی تمہارا یعنی آدم زادوں کا طریقہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ غسل میت اور تکفین اور نماز جنازہ اور تدفین و لحد تمام سابقہ شریعتوں کا طریقہ ہے۔

سوال: بعض روایات میں ہے کہ نماز جنازہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔

جواب: چونکہ نماز جنازہ شرائع سابقہ میں سے چلی آ رہی تھی لیکن قریش کو اس کا علم نہ تھا ورنہ وہ بھی اسی طریقہ سے نماز جنازہ پڑھتے۔ اس لیے انہوں نے جب حضور علیہ السلام سے یہ طریقہ دیکھا تو سمجھ رکھا کہ یہ طریقہ صرف اسی امت کا

ف : زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا طریقہ یوں تھا کہ میت کو نہلا دُھلا اور سفید کپڑے پہنا کر چارپائی پر لٹا دیتے۔ پھر میت کے متولی کو حکم ہوتا کہ وہ عام مجلس میں کھڑے ہو کر اس کے اوصاف و محاسن بیان کرے۔ پھر اتنا کہہ دے کہ علیك رحمة الله (تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو)۔ بعدہٗ اسے دفن کر دیتے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ کی آمد سے پہلے براء بن معرور فوت ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کی قبر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ نمازِ جنازہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوئی۔ ایسے ہی علماءِ کرام سے منقول ہے۔

مسئلہ : نمازِ جنازہ کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ (کذا فی القنیہ)

مسائلِ فقہیہ مسئلہ : غسلِ میت سابقہ شرائع کی طرح ہماری شریعت میں بھی فرض ہے۔

مسئلہ : غسلِ میت کی نیت اس لیے نہیں تاکہ میت پر نمازِ جنازہ جائز ہو سکے، بلکہ مکلفین سے فرضیت کے اسقاط کے لیے ہے کہ ان سے غسلِ میت کی فرضیت ساقط ہو جائے۔ اس لیے میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اگر ان میں سے ایک بھی میت کو نہلائے گا تو سب سے فرضیت ساقط ہو جائے گی (اور ثواب صرف نہلانے والے کو ملے گا) اگر کسی نے بھی (میت کو) نہ نہلایا تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ میت کے غسل کی نیت غسل دینے والے کے لیے ہے اور وُہ نیت یہ ہے :

" نویت الغسل للہ " (میں نے میت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غسل دینے کی نیت کی)

نکتہ : میت کو اس لیے نہلایا جاتا ہے کہ انسان موت کے وقت دُوسرے دموی حیوانات کی طرح نجس ہو جاتا ہے دوسرے حیوانات تو مرنے کے بعد پاک نہیں ہوتے البتہ انسان نہلانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے اور یہ صرف انسانی شرافت کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ : کوئی انسان اگر پانی میں مر جائے یا مرنے کے بعد پانی میں پڑا ہُوا ملے تو اُسے بھی نہلانا واجب ہے اس لیے کہ میت کے نہلانے کا حکم بنو آدم کو ہے اور وہ پانی میں پائے جانے سے پُورا نہ ہُوا۔

ف : بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب میت پر نزع رُوح کی شدت ہوتی ہے تو اس سے اس کے ذکر سے منی خارج[1]

---

[1] شیعہ کی فقہ میں گندگی کا کیا کہنا۔ انہوں نے لکھ دیا کہ جسم کے کسی حصہ یا مُنہ سے منی نکلتی ہے۔ حالانکہ مُنہ کا لفظ لکھنا سخت قبیح ہے اس لیے کہ مُنہ سے کلمہ طیبہ پڑھا جانا ضروری ہے۔

(فافہم ۱۲)

ہوجاتی ہے۔ اس بنا پر اسے نہلانا ضروری ہے جیسے زندہ انسان کے ذکر سے جب منی نکلے تو اسے نہانا واجب ہے۔ (کذا فی اسئلہ الحکم)

صاحبِ روح البیان کی تحقیق صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالاحکم ہمارے نزدیک نہایت درجہ کا ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے اس لیے کہ ذکر سے منی کے خروج کے لیے غسل کے وجوب کی شرط (عندالاحناف) اُس وقت ہے جبکہ شہوت سے ہو اور میت میں اُس وقت شہوت کہاں۔ البتہ یہ قول ضعیف ہونے کے باوجود امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک اس شخص پر غسل واجب ہے کہ جس نے سخت بوجھ اٹھایا ہو اور اس کے ذکر سے منی خارج ہُوئی۔

مسئلہ: میت کے غسل میں شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اس کا بدن سالم یا اکثر باقی ہو۔

مسئلہ: نصف بدن مع سر سالم بدن کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: کافر میت کا غسل ضروری نہیں اور نہ ہی اس مسلمان کے لیے جس کا بدن سر کے بغیر ہو۔

مسئلہ: نہلانے والے کو مغسول میت کی ہر شے کو دیکھنا بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: عورت سفر میں مر جائے اور نہلانے والی کوئی عورت میسر نہ ہو تو ذی محرم غسل کے بجائے تیمم کرائے۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کے لیے نہ عورت میسر ہو اور نہ ذی محرم، تو اجنبی مرد ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اسے تیمم کرائے۔ اسی طرح مرد سفر میں فوت ہو تو مرد نہلانے والا نہ ملے تو اسے ذی محرم عورت یا اس مرد کی اپنی لونڈی کپڑے کے بغیر تیمم کرا سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر نابالغ لیکن مشتہی لڑکا یا لڑکی جن سے شہوت کا اندیشہ نہیں تو بوقتِ ضرورت اجنبی مرد یا عورت کو نہلا سکتے ہیں۔

مسئلہ: قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رضاعی رشتہ دار کو بھی ذی محرم نہلائے۔ لیکن دُوسرے ائمہ نے رضاعت کے ذی محرم کے غسل کو بھی مکروہ بتایا ہے۔

مسئلہ: زوج اپنی زوجہ کو نہیں نہلا سکتا البتہ زوجہ اپنے زوج کو بوقتِ ضرورت نہلا سکتی ہے۔ ہاں اگر موت سے پہلے زوجیت کا سلسلہ کسی وجہ سے منقطع ہو گیا، مثلاً طلاق واقع ہُوئی تو پھر یہ عورت بھی اسے نہیں نہلا سکتی۔

مسئلہ: میت کو وُہ نہلائے جو رشتہ میں اسے زیادہ قریب ہو۔ یہی مستحب ہے۔ مثلاً باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو وغیرہ وغیرہ [1] اگر قریبی رشتہ دار کو میت کے نہلانے کے مسائل نہیں آتے تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو

---

[1] لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ میں میت کا نہلانا ایک معیوب فعل شمار ہوتا ہے۔

وہی نہلائے۔

مسئلہ: میّت کو ایسی جگہ نہلایا جائے جو باپردہ ہو، جہاں عام لوگوں کی اس پر نگاہ نہ پڑے اور غسل کے وقت غاسل (یعنی نہلانے والا) اور اس کے معاونین کے سوا اور کوئی نہ جائے۔ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

مسئلہ: جہاں اہلِ اسلام اور کفار کی اموات مخلط ہو جائیں اور ان میں سے مسلمان اور کافر کی تمیز نہ ہو سکے تو اسلامی شعار کو دیکھ کر غسل دیا جائے اور نماز پڑھی جائے ورنہ غسل اور نماز کے بغیر گڑھوں میں پھینکا جائے[1]۔

مسئلہ: اگر کفار و مسلمین کی اموات میں اکثر مسلمان ہوں تو سب کو نہلایا، کفنایا جائے اور نماز پڑھ کر اسلامی حکم کے مطابق دفنایا جائے لیکن نمازِ جنازہ اور دعا میں صرف اہلِ اسلام کے لیے ارادہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب اسلام اور کفر کی علامات میں امتیاز نہ ہو سکتا ہو۔

مسئلہ: اگر کفار زیادہ ہوں اور اہلِ اسلام تھوڑے، اور شعارِ اسلام اور علاماتِ کفر کی تمیز بھی نہیں تو سب کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر نماز پڑھے (بغیر مشرکین کے) کہ وہ گورستان میں گڑھے کھود کر دبا دیے جائیں۔

مسئلہ: جو بچہ پیدا ہوتے ہی آواز نکال کر مر گیا تو اُسے نہلا کر نام رکھ کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

مسئلہ: اگر بچہ مردہ حالت میں پیدا ہُوا تو مختار یہ ہے کہ اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفنایا جائے اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا قریبی رشتہ دار مر جائے تو اسے نجاست کی طرح دھو کر کپڑا لپیٹ کر گڑھے میں پھینک کر اُوپر مٹی ڈال دی جائے یا اس کے ہم مذہب کافر کے سپرد کر دیا جائے۔

مسئلہ: قہستانی میں لکھا ہے کہ کافر کو کسی طرح نہلانا جائز نہیں۔ ہاں غیر حربی کافر کا مسلمان رشتہ دار کو نہلانا مباح ہے۔ (کذا فی الجلالی)

مسئلہ: شہید شرعی کو نہ نہلایا جائے۔

مسئلہ: اگر شہید شرعی کے لیے جنبی ہونا معلوم ہو تو اسے نہلانا چاہیے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے خلاف ہیں۔

مسئلہ: عورت کا حیض و نفاس ختم ہُوا ابھی اس نے غسل نہ کیا تھا کہ شہید ہُوئی تو امام صاحب کے نزدیک نہلانا چاہیے اور صاحبین کے نزدیک نہیں۔ (اگر ابھی عورت حیض و نفاس کے ایام میں تھی کہ شہید ہو گئی، تو صحیح تر یہ ہے کہ اُسے نہلانا چاہیے)

---

[1] اس لیے اسلامی شعار داڑھی رکھنا اور اسلامی لباس کے لیے اسلام نے تلقین کی ہے لیکن افسوس کہ آجکل اُس کا مذاق اڑتا ہے۔

مسئلہ: اگر معرکۂ جنگ میں قتل کے بغیر مرگیا تو اسے نہلانا چاہیے۔
مسئلہ: رجم یا قصاص یا تعزیر کی سزا سے مرگیا یا درندے کے حملے یا دیوار وغیرہ کے گرنے یا پانی میں ڈوب کر یا کسی دوسرے حادثے وغیرہ سے مرا تو بلاخلاف نہلانا چاہیے۔ یہ ایسے ہیں جیسے کوئی بغاوت کرتا ہوا یا ڈاکہ زنی کرتا ہوا مارا گیا۔ تو ایک روایت میں اسے نہلانا چاہیے۔ لیکن باغی اور ڈاکو کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ یہی ظاہر الروایۃ میں ہے۔
مسئلہ: سُولی پر لٹکانے سے مرگیا، تو اس کے متعلق امام ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں:
—— جس نے اپنے آپ کو خطاءً قتل کر دیا تو بلاخلاف اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے۔ خطاءً قتل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس نے کسی شئے کو مارنا چاہا تو بجائے اس شئے کے خود مارا گیا۔
—— اگر عمداً خودکشی کرلی تو زجراً صحیح تر یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (اگر پڑھی جائے تو حرج بھی نہیں)، اس لیے کہ اُسے توبہ کا موقع نہ ملا تو پھر اس کے لیے شفاعت کیسی! نمازِ جنازہ بھی ایک شفاعت ہے۔
مسئلہ: میّت کی نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے (عند عامۃ الفقہاء) اس کا وقت وہی ہے کہ جب جنازہ تیار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مغرب کی نمازِ فرض کے بعد فوراً ادا کیا جائے۔ مغرب کی سُنتیں بھی بعد کو پڑھی جائیں۔ (کذا فی الخزانۃ)

حدیث شریف: نمازِ جنازہ پڑھنے میں عجلت کرو۔

تنبیہ: بعض لوگ نمازِ جنازہ میں اپنی مصلحات کی بناء پر بہت دیر کرتے ہیں۔ علماءِ کرام کے نزدیک یہ بہت قبیح امر ہے یہاں تک کہ اہلِ مکہ کی اس عادت کو علماءِ کرام نے غفلت سے تعبیر کیا، جبکہ ان کا طریقہ تھا کہ وہ اکثر نمازِ جنازہ ظہر کے وقت لاتے یا صبح کی نماز کے وقت۔ اس خیال پر کہ اس وقت نمازیوں کی کثرت ہوگی حالانکہ میت کو فوت ہونے بہت وقت گزر جاتا۔ صرف انہی اوقات میں میّت کو لا کر باب الکعبہ کے سامنے رکھ دیتے۔ پھر نمازِ ظہر یا صبح کے بعد نمازِ جنازہ پڑھتے (کذا فی المقاصد الحسنہ) صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا: یہ غفلت عموماً اکثر لوگوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ آج تو غفلت کچھ اور بڑھ گئی ہے۔
مسئلہ: شدید ضرورت ہو تو طلوعِ شمس اور دوپہر کے وقت اور بوقتِ غروب نمازِ جنازہ بلاکراہت پڑھی جا سکتی ہے۔
مسئلہ: اگر ان اوقات سے پہلے جنازہ لایا گیا تو اُن اوقات کے گزرنے کے بعد نماز پڑھنی چاہیے۔
مسئلہ: امام جنازہ کو میّت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیے اس لیے کہ یہی سینہ علم اور نورِ ایمان کی جگہ ہے۔
پہلی تکبیر کہہ کر امام و مقتدی اور منفرد سب کے سب ثناء یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ پڑھیں۔

ف: احادیثِ مشہورہ میں تَبَارَكَ اسْمُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرض نمازوں میں وجلّ ثناءُك

نہیں پڑھا جاتا۔ ہاں نوافل میں اس کا اضافہ جائز ہے اس لیے کہ نوافل میں وسعت رکھی گئی ہے اور فرائض ایسے اضافات کے متحمل نہیں۔ حلبی نے فرمایا: نمازِ جنازہ میں اس کا اضافہ اولیٰ ہے۔

مسئلہ: جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھے۔

ف: جلابی کتاب میں ہے کہ جنازہ میں ہر درود شریف پڑھنا جائز ہے یا وہ درود شریف پڑھے جو فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے یعنی درود ابراہیمی مصنفی (کتاب) میں ہے کہ درود ابراہیمی شریف یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمیدٌ مجید۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل صلوٰۃ بھیج جیسا کہ اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے۔ وعلی آل محمد عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے یعنی جس طرح آل ابراہیم پر درود ہے۔ ایسے ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر بھی درود ہو۔ اس تقریر سے وہ اشکال رفع ہوگیا جو عام مشہور ہے کہ درود ابراہیمی میں حضور علیہ السلام مشبہ اور ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی اور افضل ہوتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام سے ابراہیم اقوی افضل نہیں ہمارے مذکورہ ترجمہ پر اشکال مذکور وارد نہیں ہوتا[1]۔ (کذا فی القہستانی)

مسئلہ: تیسری تکبیر کہہ کر میت کے ساتھ تمام اہلِ اسلام واہلِ ایمان مُردہ اور زندہ کے لیے دُعا مانگے اور وہ دُعا مسنون یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

مسئلہ: میت کے لیے خصوصیت سے رحمت وغفران اور روضہ ورضوان کی دُعا مانگے اور یوں کہے[2]: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِیْ اِحْسَانِهٖ وان کان مسیئًا فتجاوز عنه برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔ (کذا فی عیون الحقائق)

مسئلہ: غیر بالغ لڑکے اور مجنون کے لیے استغفار نہیں کی جاتی اس لیے کہ وہ گناہوں سے مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے یہ دُعا پڑھی جاتی ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

---

[1] اس کے اور جوابات بھی ہیں جو ہم نے تفسیر اویسی میں لکھ دیے ہیں ۱۲۔

[2] صاحبِ رُوح البیان نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ دُعا جنازہ سے فراغت کے بعد مانگے یا نماز کے اندر۔ اہلسنت کے نزدیک فراغت کے بعد صفیں توڑ کر دُعا مانگنا مستحب ہے۔ یہی دیوبندیوں کے مفتی کفایت اللہ دہلوی "دلیل الخیرات" کتاب میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن جہاں دیوبندی اور غیر مقلدین اسے ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ "نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کا ثبوت" پڑھیے۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

ف : غیر بالغہ لڑکی کے لیے مذکورہ بالا دُعا میں صرف ضمیر اور صیغہ کا فرق کرنا پڑے گا۔ مثلاً اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ اجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً۔

ف : مُشَفَّعَة بمعنے مقبول الشفاعۃ ۔

مسئلہ : جو بیچارہ مذکورہ دُعائیں نہیں یاد کر سکا تو وہ یہ دُعا پڑھے ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ لِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی نمازِ جنازہ اور صدیق اکبر و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن مبارک پہنا کر منگل کے دن قبرِ انور کے قریب لایا گیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع چند صحابہ مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں حاضر ہوئے۔ یعنی جب آپ کی بیعت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہو گیا اور آپ کی خلافت سب نے تسلیم کر لی تو آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کے لیے حاضری دی اور حسبِ حکمِ شرع نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں کہیں اور آخری دُعا معروفہ کے بجائے یہ الفاظ پڑھے :

اللھم انا نشھد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بلغ ما انزل اللہ علیہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ وتمت کلمتہ فاجعل الٰھنا ممن تبع القول الذی انزل معہٗ و اجمع بیننا و بینہٗ حتی تعرفہ بنا وتعرفنا بہ فانہ کان بالمؤمنین رؤف رحیم لا تبتغی بالایمان بہ بدلاً ولا نشتری بہ ثمنا ابداً[1]

ترجمہ : یا اللہ ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے جملہ احکام ہم تک پہنچائے اور اپنی اُمت کو ہر طرح کی بھلائی کی تلقین فرمائی اور جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا یہاں تک کہ تُو نے اُن کے دین کو غلبہ دیا اور ان کے کلمہ اسلام کو مکمل فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ان کے جملہ احکام کی تابعداری کرنے والے ہیں ۔ اور ہمیں قیامت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ملا کر انھیں ہمارے پہچاننے اور ہمیں ان کو پہچاننے کی توفیق بخش اس لیے کہ وہ اہلِ ایمان کے ساتھ بہت بڑے مہربان اور رحیم تھے ۔ ہم ان پر ایمان لانے کا

---

[1] شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل کی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے ۔ یہ ان کی بہتان تراشی ہے ورنہ ہماری کتابوں کے علاوہ اُن کی مذہبی اور مشہور کتاب " اصولِ کافی " میں تصریح موجود ہے کہ جملہ صحابہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ پڑھی ۔ تفصیل فقیر کی کتاب " رد الزندیق عن مطاعن الصدیق " میں ہے ۔

نہ تجھ سے بدلہ لیتے ہیں اور نہ ہی اس سے کچھ دنیوی مفاد چاہتے ہیں۔

نکتہ : صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام جنازہ کی دُعا چھوڑ کر دُعا مذکورہ کیوں پڑھی ۔ اس میں وہی راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اہلسنت کو نصیب فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر معاملہ عند اللہ وعند العشاق جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے ۔اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے مشورہ کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں کون سی دُعا پڑھی جائے۔مشورہ کے بعد طے پایا کہ عام دُعا کے بجائے دعا مذکور پڑھی جائے[1]

مسئلہ : میت کی دُعاءِ جنازہ پڑھنے کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دیں اور سلام دونوں طرف پھیرنا چاہیے ۔لیکن میت کے سوا جملہ حاضر کے لیے (السلام علیکم میں) سلام کی نیت کریں ۔

مسئلہ ، ہر دُوسری تکبیر پہلی تکبیر کی بہ نسبت آہستہ آواز میں ہو یہی سنت ہے ۔

مسئلہ : چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے ۔اس کے بعد اور کوئی ذکر نہیں۔

مسئلہ ، نمازِ جنازہ کے ارکان صرف چار تکبیریں ہیں ، ثنا ، درود شریف اور دُعا (السلام علیکم کہنا) سنت ہیں ۔ (کذا فی الجلابی)

مسئلہ ، نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے ۔اس لیے کہ اس کے بعد کی تکبیروں میں ذکر مشروع موجود ہے ۔جب چوتھی تکبیر کہے گا اُسے معلوم ہوگا کہ اس کے بعد نماز ختم ہے ۔

مسئلہ ، الاشباہ میں ہے اگر نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ ، ثنا و دُعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے اگر قرأت کی نیت سے پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی ۔

مسئلہ ، کسی سے چند تکبیرات نمازِ جنازہ رہ گئی ہوں تو وہ امام صاحب کے سلام پھیرنے سے پہلے کہہ لے ۔

مسئلہ ، جو شخص چوتھی تکبیر کے بعد نمازِ جنازہ میں شریک ہوا تو وہ تکبیریں نہ کہے اس لیے کہ اب اس سے نماز فوت ہوگئی ۔ یہ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے ۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اس وقت ایک تکبیر کہہ لینی چاہیے ۔ باقی تین تکبیریں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہے ۔

مسئلہ : اگر ایک سے زائد جنائز ہوں تو سب پر ایک نمازِ جنازہ کافی ہے ۔ (کذا فی المحیط)

مسئلہ : اگر بالغ و نابالغ جمع ہوں تو سب کے لیے ایک نمازِ جنازہ کافی ہے ۔لیکن دُعا بالغوں والی پڑھی جائے ۔ (کذا فی المضمرات)

سوال : جنازہ میں رکوع و سجود کیوں جائز نہیں حالانکہ یہ بھی تو نماز ہے ۔

---

[1] اس سے وہابیہ ، دیوبندیہ ، نجدیہ کے لیے عبرت کا موقعہ ہے ، اگر نصیب ہو تو ورنہ .....

جواب۱ : یہ لفظاً نماز ہے لیکن درحقیقت یہ دُعا و استغفار اور میت کے لیے سفارش کی صورت ہے اور رکوع و سجود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اگرچہ سجدۂ تعظیمی سابقہ اُمم کے لیے جائز تھا لیکن ہمیں غیر اللہ سے ہر طرح کے رکوع و سجود سے روکا گیا ہے[۱]

جواب۲ : چونکہ میت نماز کے وقت نمازیوں کے سامنے ہوتی ہے اور وہ نمازیوں اور اللہ تعالیٰ (کی تجلیات) کے درمیان حائل ہے۔ اگر اس وقت رکوع و سجود کا حکم ہو تو جہال اور دیگر اعدائے اسلام سمجھیں گے کہ یہ غیر خدا کو سجدہ ہو رہا ہے جیسے شیطان کو دھوکہ لگا۔ جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تو شیطان نے جہل و حسد سے سمجھا کہ شاید آدم علیہ السلام کو ہوگا اس لیے اس وقت وہ سجدے سے انکار کر گیا حالانکہ اس سے قبل وہ بہت بڑا ساجد و عابد تھا۔ اس طرح سے وہ حقیقی مسجود لہ سے محجوب و محروم ہوگیا حالانکہ ظاہر ہے کہ اس وقت بھی حقیقی مسجود اللہ تعالیٰ ہی تھا، اگرچہ بظاہر آدم علیہ السلام درمیان میں بمنزلہ محراب کے تھے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اے آنکہ بقبلۂ بتاں روست ترا
بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا
دل در پئے ایں و آں نہ نیکوست ترا
یک دل داری بست یک دوست ترا

کسی دوسرے شاعر نے کہا: ؎

ازاں محراب ابرو رو مگرداں
اگر در مسجدے ور در خرابات

مسئلہ : نماز جنازہ میں تین صفیں مستحب ہیں ۔

حدیث شریف جس مسلمان میت کے جنازہ پر تین صفیں نماز کے لیے ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے ۔ طبرانی شریف میں چالیس سے سو عدد کا لفظ ہے۔ مسلم شریف میں بھی عدد کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ اس میں ہے کہ جس مسلمان میت پر چالیس بندگانِ خدا نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرمالیتا ہے۔

نکتہ : تین صفوں کا راز یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں : یا اللہ ! ہم تیرے حضور میں تین صفیں بنا کر

---

[۱] وُہ جاہل ہیں جو سجدہ تعظیمی کے قائل ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے "الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ" ۱۲

تیرے اِس بندے کی بخشش کا سوال کرنے آئے ہیں۔ ہمیں اپنے فضل و کرم سے خائب و خاسر نہ لوٹانا۔

نکتہ و مسئلہ مسجد کی طرف جاتے ہُوئے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھانے کی بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے جتنے قدم بڑھیں گے ہر قدم پر نیکی ملے گی اور گناہ معاف اور درجات بلند ہوں گے اور یہ مستحب اور رحمتِ ربانی سے پُر اُمید ہونے کے باب سے ہے۔

مسئلہ: میّت کی نمازِ جنازہ کی تینوں صفوں کا ثواب برابر ہے۔ اس میں کسی صف کی ترجیح اور افضلیت کا مسئلہ نہیں اس لیے کہ بندوں کو میّت سے تھوڑا دُور ہٹ کے کھڑے ہونے کا حکم ہے اور وہ اس میں برابر ہیں۔ لیکن حلبی نے فرمایا نمازِ جنازہ کی پچھلی صف میں کھڑا ہونا افضل ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ ان میں پہلی صف میں کھڑا ہونا فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ پہلی صف والے امام کے کوالف سے زیادہ علم رکھتے ہُوئے جلد تر اتباع کریں گے بخلاف پچھلی صف والوں کے کہ ان میں پہلی صف والوں کے بعد معلوم ہوگا اور نماز میں متابعتِ امام ملحوظ ہوتی ہے اور جنازہ میں دُعا ہے اور وہ اس میں سب برابر ہیں۔

فائدہ اور حدیث شریف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوّل صف سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کے لیے سب سے پہلے حاضر ہُوئے خواہ بوقتِ ادائیگی مسجد کے کسی گوشہ میں اُنھیں جگہ ملے۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

نکتہ در لفظِ چہلم حدیث شریف میں چالیس آدمیوں کی قید میں بھی یہی راز ہے کہ جہاں چالیس مسلمان ہوتے ہیں، اُن میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے (کذا فی اسئلۃ الحکم)

خلاصہ یہ کہ میّت کو دو امروں سے ہی شفاعت نصیب ہوتی ہے۔ اُس کی نمازِ جنازہ میں تین صفیں ہوں یا چالیس افراد۔ (کذا فی فتح القریب) مستحب نمازِ جنازہ میں یہی ہے کہ صفیں تین ہوں۔ افراد چالیس سے کم ہوں یا زائد۔

ردّ نجدیہ وہابیہ در مسائل شرعیہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ میّت کو ہماری دُعا اور استغفار فائدہ بخشتی ہے اور ہم ان کی ارواح کو جتنا ثواب بخشتے ہیں انھیں پہنچتا ہے۔ بدنی عبادتوں کا ثواب ہو یا مالی کا، مثلاً ان کے لیے صدقہ دینا یا اُن کے لیے غلام آزاد کرنا یا نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر یا حج کرکے یا قرآن پڑھ کر ان کو ثواب بخشا جائے تو مُردگاں کو پہنچتا ہے[1]

مسئلہ: اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ میّت کا قرض ادا کر دیا جائے تو اس کے ذمّہ سے قرض اُتر جائے گا، بلکہ

---

[1] لفظاً نجدیہ وہابیہ مذکورہ بالا امور کے قائل ہیں لیکن، مگر، چونکہ، چنانچہ وغیرہ سے ایسے روڑے اٹکاتے ہیں جن سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ وہابی نجدی وہی پُرانے معتزلی خارجی ہیں۔

اس طرح سے اسے قبر میں فائدہ بھی ہوگا۔ خواہ غیر انسان اس کا قرض اتار دے یا اس کے ترکہ سے اتارا جائے۔

مسئلہ: اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر زندہ آدمی کے کسی مُردے پر حقوق ہوں اور وہ اُس کی موت کے بعد اسے معاف کر دے تو مُردہ سے اُس زندہ کے حقوق ساقط ہو جائیں گے جیسے زندہ آدمی کو اس کی زندگی میں معاف کرنے سے معافی ہو جاتی ہے ایسے ہی مُردے کو بھی معافی ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ابن الملک نے فرمایا کہ اگر کوئی انسان اپنی نماز اور صدقہ کا ثواب کسی مُردے کو بخشے تو جائز ہے اور وہ ثواب اُس مُردے کو فائدہ پہنچائے گا۔ (خلافاً للمعتزلہ) (صراحةً وللوهابیة والنجدیه والدیوبندیه عملاً وکنایةً) معتزلہ کہتے ہیں کہ ثواب سے مراد بہشت ہے اور وہ بندے کا کام نہیں کہ نماز روزے و دیگر عبادات صدقات کسی مُردے کو پہنچا کر اسے بہشت کا مالک بنا دے اس لیے کہ اسے اس کی قدرت نہیں اس کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اہلسنت کا استدلال

اہلسنت ایصالِ ثواب کا استدلال اس حدیث شریف سے کرتے ہیں کہ "حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت دو مینڈھے چتکبرے ذبح کر کے فرمایا ایک میرے لیے، دُوسرا میری تمام اُمت کے مسلمانوں کے لیے۔ اگر شرعاً مُردہ کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچتا تو حضور علیہ السلام اپنی تمام امت کا نہ فرماتے جس میں اہلِ اموات بھی شامل ہیں اور شارع علیہ السلام کے اجرائے شریعت پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔

ف: عبادت کئی قسم ہے:

۱۔۔۔۔۔ خالص بدنی، جیسے نماز۔ اس میں نو نیابت جائز نہیں یعنی ایسے ہو کہ اپنی فرضی نماز کے بجائے کسی دیگر کو اس کی ادائیگی کا حکم دے یا کوئی دُوسرا اس کی طرف سے پڑھ لے (البتہ نوافل کا ثواب ایک دوسرے کو دیا جا سکتا ہے) اس لیے کہ اس عبادت بدنی میں امارہ نفس کو تکلیف دینا مطلوب ہے اور وہ جب تک خود نہ پڑھے گا مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔

۲۔۔۔۔۔ عبادت خالص مالی، جیسے زکوٰۃ۔ اس میں نیابت جائز ہے۔ اس کی طرف سے اگر کوئی دُوسرا زکوٰۃ ادا کر دے تو فرضیت ساقط ہو جائے گی، اس لیے کہ اس میں غرض ہے۔ غریب مسکین کو مالک بنانا اور وہ حاصل ہو گیا۔

مسئلہ: میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنی ہے تو اس نے مرتے وقت وصیت کی ہو تو اس کے ترکہ سے تہائی مال تک ادائیگی ضروری ہے۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو وُرثا کو ادا کرنا مستحب ہے۔

۳۔۔۔۔۔ بدنی اور مالی سے مرکب، جیسے حج۔ یہ ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے، بنا بریں نیابت ناجائز ہے

لیکن دُوسرے اعتبار سے مالی عبادت ہے اس لیے نیابت جائز۔ لیکن جبکہ سخت مجبوری ہو کہ اس کی ادائیگی بوجہ بڑھاپا، شدید دائمی بیماری نہ ہوسکتی ہو تو اس کی طرف سے دُوسرا آدمی حج کر سکتا ہے۔ لیکن حج فرض کیجیے اگر نفلی ہو تو مجبوری، نہ ہو تب بھی اُس کی طرف سے دُوسرا آدمی حج پڑھ سکتا ہے اس لیے کہ نوافل میں وسعت رکھی گئی ہے۔

مسئلہ: فوائد الفتاوی میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ بعد بلوغ اپنی تمام عمر کی نمازوں کے لیے اسقاط کی وصیت کرے اگرچہ زندگی بھر نماز پڑھتا رہا ہو، کیونکہ اسے کیا خبر کہ اس نے صحیح طور پڑھی یا فاسد کرکے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنے کسی تعلق والے کو وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری نمازوں کا کفارہ (اسقاط وغیرہ) کر دینا تو ایسی وصیت جائز ہے۔ اگر اس کے اپنے مال سے ادا کرنا مطلوب ہے تو تہائی مال تک اسقاط (کفارہ) ادا کر سکتے ہیں۔

مسائلِ اسقاط

مسئلہ: ہر فرض نماز کا فدیہ (اسقاط) گندم کا نصف صاع۔ اسی طرح نذر کے روزوں میں ایک روزہ پر نصف صاع گندم دینی ہوگی۔

مسئلہ: میت پر روزہ فرض تھا تو اس کے لیے اس کا متولی یا کوئی اور کفارہ کے لیے روزہ نہ رکھے اور نہ ہی اس کی طرف سے نماز پڑھے بلکہ اس کے لیے اسقاط (کفارہ، فدیہ مالی) دینا ہوگا۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میت کی طرف سے نہ روزہ رکھا جائے نہ نماز پڑھی جائے۔

مسئلہ: قہستانی نے کہا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے لیے کوئی اسقاط (کفارہ، فدیہ) وغیرہ نہ ہو۔ یہی بلخی کا مذہب ہے (کذا فی قاضی خاں) لیکن استحسان کا تقاضا ہے کہ نماز کا بھی اسقاط (کفارہ، فدیہ) ہو۔

مسئلہ: روزے کی اسقاط کے لیے نص قرآنی موجود ہے (کما قال تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہ الخ)

پھر چونکہ نماز روزے سے افضل ہے بنا بریں جب مفضول میں اسقاط جائز ہے تو افضل عبادت میں بطریق اولیٰ جائز ہوا اسی لیے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ویجزی بھما انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: اسقاط کا مال دفن سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ اگر دفن کے بعد ادا کیا جائے تب بھی جائز ہے۔

حیلۂ اسقاط اور ردّ وہابیہ و دیوبندیہ

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اپنے ماں باپ یا کسی عزیز کا اسقاط (کفارہ، فدیہ) ادا کرنا چاہتا ہے اور خود غریب اور مسکین ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ حسبِ استطاعت اپنی ملکیت سے کچھ گندم یا نقد وغیرہ لے کر کسی فقیر مسکین کو ہبہ کرے۔ وہ کسی اور کو وہ کسی دوسرے کو۔ اسی طرح دَور کے طور ایک دُوسرے کو مالک بناتے جائیں یہاں تک کہ روزے نماز کا (کفارہ، فدیہ) اسقاط ادا ہو جائے[1]

---

[1] (بر صفحہ آئندہ)

مسئلہ: ہر میّت کا اسقاط دینے وقت اس کی زندگی کے مرد کے بارہ۱۲ اور عورت کے نو۹ سال کے حساب سے نفی کر لیے جائیں۔ اس لیے کہ ان کے بالغ ہونے کی ادنیٰ مدت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ چنانچہ وقایہ (فقہ کی کتاب) میں مدت مذکورہ بالا تحریر فرمائی ہے۔

مسئلہ: نماز میں طعام کا اعتبار ہے۔ مساکین کی گنتی معتبر نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسکین کو ایک دن میں نصف صاع سے زاید گندم نماز کے کفارہ میں دے دے تو جائز ہے۔ روزے اور ظہار کے کفارہ میں اس طرح ناجائز ہے اس لیے کہ ان میں مسکینوں اور غریبوں کی گنتی معتبر ہے کہ انھیں گن کر کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ (کذا فی شرح النقایہ)

مسئلہ: غیر مقروض فقیر کو بمقدار نصاب یا اس سے زائد مال دے دینا مکروہ ہے اس لیے کہ اتنا مال دولت دے دینے سے تو وہ بھی غنی دولت مند بن گیا، وہ فقیر نہ رہا، حالانکہ یہ مال فقراء کا حق ہے۔ ہاں اگر وہ قرضدار یا صاحب عیال ہو تو اسے نصاب یا اس سے کچھ زاید مال دینا مکروہ نہیں اس لیے کہ بوجہ قرض و عیالداری اسے دولتمندی کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکے گی۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان تائبین کو معلوم نہیں یعنی انھیں یقین ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ بیشک اللہ تعالیٰ سچی اور خالص توبہ قبول کر لیتا ہے عَنْ عِبَادِهٖ اپنے مخلص بندوں کی، اور ان کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

سوال: تم نے گناہوں سے درگزر کرنے کا معنیٰ کہاں سے نکالا ہے؟

جواب: آیت میں لفظ عن سے معلوم ہوا۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ قبول توبہ کا معنیٰ ہے کہ توبہ پر اپنے بندہ کو اپنے فضل و کرم سے لازماً ثواب عنایت فرماتا ہے۔

وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور صدقات لیتا ہے خواہ توبہ کرنے والے کفارہ کے طور صدقہ دیں یا ان کے غیر ثواب کے طور صدقہ کریں۔

ف: یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لے کر اپنے محبوب علیہ السلام یا آپ کے خلفاء مراد لیے ہیں، اس لیے کہ ان کا صدقات وصول کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس معنے پر مجازاً صدقہ وصول کرنے والے وہ ہوں گے اور حقیقی لینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۱؎ دورِ حاضرہ کے معتزلہ یعنی دیوبندی وہابی اس حیلۂ اسقاط کے منکر ہیں ان کے لیے تفسیر ہذا کا حوالہ ہی کافی ہے مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "الاقساط فی الاسقاط" میں دیکھئے۔

نوٹ: اہلسنت جہلاء بھی غلط حیلہ اسقاط کرتے ہیں جس پر ہمارے علماء اہلسنت بھی چشم پوشی کرتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے۔ ۱۲ (اویسی)

ف : بیضاوی شریف میں ہے قبول سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ اُن سے لینا ہے اُن سے راضی ہو کر لیتا ہے ۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے اس لیے کہ حقیقی طور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کرنے والے تھے نہ کہ وہ جسے وصولی کے لیے بھیجا جاتا تھا ۔

ف : صدقات صدقہ کی جمع ہے ۔ اس کا اطلاق صدقہ واجبہ اور نافلہ دونوں پر ہوتا ہے لیکن عوام صرف جانوروں کو صدقاتِ واجبہ کہتے ہیں اور غلہ وغیرہ سے جو صدقہ دیا جائے اُسے عُشر سے تعبیر کرتے ہیں اور نقد صدقات واجبہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے ۔ (کذا فی فتح القریب)

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ اور بے شک اللہ تعالیٰ تائب سے تجاوز کرتا ہے ۔ یعنی توبہ کے بعد اُلٹا اُس مُجرم کو انعامات سے نوازتا ہے بشرطیکہ بندہ بھی طاعات پر التزام کرے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے تواب بمعنے اپنے لطف وکرم سے توبہ کی توفیق بخشنے والا ۔ اس لیے کہ اگر توفیق شاملِ حال نہ ہو تو کوئی مُجرم بھی توبہ نہ کر سکتا ۔ جیسے ابلیس کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہُوئی ۔ مثنوی شریف میں ہے ، ؎

جز عنایت کہ کشاید چشم را
جز محبت کہ نشاید خشم را
جہد بے توفیق خود کس را مباد
در جہان و اللہ اعلم بالرشاد

الرَّحِيْمُ ○ جو بندہ توبہ کر کے مرے اس کے لیے مہربان ہے ۔

ف : اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنے یہ ہے کہ وُہ جس پر رحمت کرے اسے انعامات سے نوازتا اور ضرر سے بچاتا ہے ۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ اَلَمْ يَعْلَمُوْا کی ضمیر غیر تائبین کی طرف لوٹائی جائے یعنی عام مومنین کے لیے تواب رحیم ہے ۔

ف : آیت میں گنہگار مومنین کو توبہ اور صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَقُلِ اور اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! انھیں فرمائیے جب ان کے توبہ کی یہ حالت ہے تو اعْمَلُوْا اب جس طرح چاہو عمل کرتے جاؤ ۔

فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ پس اللہ اور اُس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان بھی تمہارے اعمال کو دیکھیں گے ۔

ف : بظاہر تو اس میں ہر طرح کے عمل کی رخصت اور اختیار دیا گیا ہے لیکن درحقیقت اس سے ترغیب وترہیب کی تاکید اور سین تاکید یہ ہے ۔

حدیث شریف اگر کوئی بندہ ایسے پہاڑ میں چھپ کر عمل کرے جس کا کوئی دروازہ نہ ہو اور نہ دریچہ، تو بھی اس کے اعمال لوگوں سے اوجھل نہیں رہتے، کسی نہ کسی طریق سے انھیں معلوم ہو ہی جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے اعمال پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہارے اعمال کو ایسے دیکھتا ہے جیسے تم ایک دوسرے کے اعمال دیکھتے اور جانتے ہو۔

ف: اس سے یا تو حقیقی رویت مراد ہے تو آیت کے معنیٰ میں کسی قسم کا اشکال نہیں یا اس کا معنیٰ مجازی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا ملے گی ورنہ سزا پاؤ گے۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ نیکی کرو گے تو اللہ جل جلالہٗ و رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان تمہاری مدح و ثنا اور ذکرِ جمیل وغیرہ کریں گے اور اعزاز سے نوازیں گے۔ اگر برائی کرو گے تو مذمّت اور ذلت و پریشانی سے دوچار ہو گے۔

وَسَتُرَدُّوْنَ اور مرنے کے بعد لوٹائے جاؤ گے اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ عالمِ غیب و شہادت کے حضور میں۔

نکتہ: غیب کو شہادت پر مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ عالمِ غیب بہ نسبت عالمِ شہادت کے وسیع تر ہے۔ نیز غیب بہ نسبت شہادت کے عظیم الشان ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ غیب سے وہ اعمال مراد ہیں جو چھپ کے اور شہادت سے وہ اعمال مراد ہیں جو کھلم کھلا کیے جائیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا: "يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ"۔

نکتہ: اس سے لفظ غیب کی تقدیم میں ایک نکتہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر پوشیدہ اور کھلے امور پر محیط ہے اس کے لیے غیب و شہادت برابر ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جب اس سے مخفی امور پوشیدہ نہیں تو کھلے امور اس سے کب مخفی رہ سکتے ہیں اسی لیے غیب کو مقدم کیا گیا تاکہ یقین ہو کہ وہ ہر شئے کو ہر حالت میں جانتا ہے کیونکہ اس کا علم حصولی نہیں بلکہ ہر شئے کا وجود و تحقق اس کے علم کی طرف منسوب ہے۔ نتیجہ نکلا کہ اس سے نہ امور ظاہرہ مخفی ہیں نہ باطنہ۔

دوسری تقریر وَسَتُرَدُّوْنَ الخ یعنی تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جس کے حضور میں تمہارے اعمال پیش ہوتے ہیں وہ تمہارے غیبی امور کو جانتا ہے بلکہ ان امور کو بھی جانتا ہے جن سے تم غائب ہو، یعنی جو شئے تم سے غائب ہے۔ وہ تمہارے ہر نیک اور برے عمل کے نتائج سے واقف اور جزا و سزا کا مالک ہے۔ وہ بندوں سے پوشیدہ نہ ہوتے تو بندے نیکی ہی نیکی کرتے۔ برائیوں کے قریب بھی نہ بھٹکتے اور وہ امور جن سے ہم غائب ہیں وہ تقدیرِ ازلی اور حکمتِ ربّی ہے۔ یعنی جس طرح ازل میں خیر و شر کے لیے تقدیر کے قلم نے لکھا ہم اس سے غیب ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملک و ملکوت میں جن عیون و قلوب کا تم مشاہدہ کرتے ہو ان سب کو اللہ تعالیٰ

جاتا ہے۔
فَیُنَبِّئُکُمْ جب تم مرنے کے بعد بارگاہِ حق میں حاضری دو گے تو وہ تمہیں خبر دے گا۔ اس سے قیامت تک کا وقت مراد ہے۔ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ دُنیا میں جن اعمال کا تم ارتکاب کرتے تھے۔

ف: یُنَبِّئُکُمْ بمعنے اظہار ہے اس لیے کہ خبر دینے اور ظاہر کرنے کو آپس میں بایں معنیٰ ملابست ہے کہ یہ ہر دو علم کے مسبب ہیں۔ اس میں ان بندوں کو تنبیہ ہے جو اپنے ارتکاب کردہ اعمال سے بے خبر اور اس کے انجام بد سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ برسرِ میدان قیامت میں اُن کے اعمال ظاہر کر کے بتائے گا کہ تمہارے اعمال کتنے گندے ہیں جن کا تم دُنیا میں ارتکاب کرتے تھے اور شب و روز انہی کے ارتکاب کی دُھن میں تھے۔ اب تمہاری سزا انہی پر مرتب ہوگی۔

سبق: عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعمال صالح کے لیے جدّ وجہد کرے اور بُرے اعمال سے بہت دُور رہے تاکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے سامنے رُسوا نہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نیک عمل اور اس کا خلوص ایک نور ہے جو اپنے اخلاص و صدق کی قوت پر آسمانوں کی طرف جاتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ اپنے نورِ اُلوہیت سے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس سے اپنے نورِ نبوت سے اور اہلِ ایمان کی ارواح اپنے نورِ ایمان سے ایسے ملاحظہ فرماتے ہیں ہر عمل صالح اس قدر آسمانوں پر پرواز کرتا ہے جس قدر عمل والے کے خلوص اور صدق کے نور کے اندر صفائی اور روشنی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر بُرا عمل آسمان پر چڑھتا ہے اس کے اندر ظلمات ہوتے ہیں۔ جس قدر بُرا ہوتا ہے اتنے ظلمات کثیر ہوتے ہیں اسے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان دیکھتے ہیں[1]۔

حدیث شریف: بندے کو مرنے کے بعد نگران فرشتے اعمال صالح مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وعمرہ اور حسنِ خلق اور دیگر نیکیاں، یہاں تک کہ ہر ذکر وفکر لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں کو طے کرتے ہُوئے جملہ حجابات سے آگے نکل کر جب بارگاہِ حق میں پہنچتے ہیں تو تمام ملائکہ اس بندے کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اس کے اعمال صالح کو سراہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے: اے فرشتو! تم بندے کے اعمال کے نگران تھے۔ تم سچ کہتے ہو اس لیے کہ تمہاری اس کے ظاہر پر نظر تھی۔ لیکن مجھے تو اس کے باطن پر نگاہ ہے یہ اپنے ان جملہ امور میں میری رضا کا طالب نہیں تھا اس لیے میرے نزدیک اُس کے تمام اعمال ناقابلِ قبول ہیں۔ مجھے معلوم ہے یہ اپنے اعمال سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال سکتا ہے لیکن مجھ سے کہاں جا سکتا ہے اس لیے کہ میں عالمِ غیب اور اس کے تمام پوشیدہ امور پہ مطلع ہوں، اس کے تمام امور مجھ سے مخفی نہیں اور نہ ہی کوئی شئے میرے علم سے باہر ہو سکتی ہے یہ نہ تھا تب بھی میں جانتا تھا اور جو کچھ کر چکا ہے اس کا بھی مجھے علم ہے اور جو کچھ چھوڑ آیا ہے میں اُسے بھی جانتا ہوں یہ مخلوق کو دھوکہ

---

[1] اسی بنا پر اہلِ سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے لیے علم غیب کے معتقد ہیں اور حاضر و ناظر کی تقریر بھی اسی مطابق ہوتی ہے جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ۱۲۔ فافہم

دے سکتا ہے کہ انھیں اُس کی حقیقت معلوم نہیں لیکن مَیں تو سب کچھ جانتا ہُوں فلہذا اے فرشتو! سُن لو اس پر میری لعنت ہے اس کے ساتھ جانے والے ہزاروں فرشتے کہیں گے یا اللہ! جب تو اس کو لعنتی کہتا ہے تو ہم کہتے ہیں اس پر تیری اور ہم سب کی لعنت۔ یہ سُن کر آسمان کے تمام فرشتے کہتے ہیں، اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت۔ بلکہ تمام لعنت والوں کی لعنت۔ (معاذاللہ)

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

وگر سیم اندوہ باشد نحاس
تواں خرج کردن بر ناشناس
منہ آب زر جان من برپشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ف: تقدیر ربانی کے قلم نے جُملہ عالم کے ظاہری باطنی احوال تختیوں پر لکھ کر وُہ تختیاں خزانچی فرشتوں کے سپرد کر دیں اس کے بعد بے شمار نگران فرشتے مقرر کیے گئے کما قال تعالےٰ: "وان من شئ الا عندنا خزائنہ" تقدیر لکھنے والے فرشتے ان خزانہ والوں اور نگران فرشتوں سے لکھتے ہیں۔ ہر شعبۂ اعمال کے علیحدہ علیحدہ خزانے ہیں جن میں ہمارے دُنیا کے جُملہ اعمال انہیں خزانوں میں جمع ہوتے ہیں۔ ان سب کا منتہیٰ "سدرۃ المنتہیٰ" ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نگران فرشتے ہمارے اعمال ظاہری و باطنی کو تو جانتے ہیں لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان میں مقبول اعمال کون سے ہیں اور غیر مقبول کون سے۔ ہاں انھیں اس وقت معلوم ہوگا جب وہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں گے جیسا کہ اُوپر معلوم ہُوا۔

سبق: بندے کا وہ عمل قبول ہوگا جس میں صدق اور خلوص ہو ورنہ وہ بندوں سے تو اپنی چالاکی سے اوجھل رہ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے نگران فرشتوں سے نہیں چھپ سکتا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در بستہ ز روئے خود بمردم
تا عیب نگسترند ما را
در بستہ چہ سود عالم الغیب
دانائے نہاں و آشکارا

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ اس کا عطف پہلے اخرون پر ہے۔ یعنی جنگ پہ نہ جانے والوں میں سے دُوسرے اہل مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے بعض دیہاتی ایسے ہیں جو مذکورہ

لوگوں کی طرح اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتے مُرْجَوْنَ نافع وحمزہ وکسائی وحفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ یہ دراصل مُرجیون تھا (بقاعدہ صرفی موجون ہُوا) باقی قرأ نے اسے مُرجاؤن ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ویسے یہ دونوں لغات سے مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے ارجیتہ (بالیاء) وارجأتہ (بالہمزہ) بمعنے اخرتہ یعنی میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔ ہمزہ والے صیغہ کی طرف منسوب کرنا ہوگا تو مرجئی مرجعی کی طرح کہا جائے گا۔ مرجی یعنی جیم کے بعد یاء کو مشدد کر کے اور جماعت کے لیے کہیں گے "ھم المرجئۃ" بالہمزہ والمرجیۃ یعنی تخفیف الیاء۔ (کذا فی القاموس)

ف: مرجئہ ایک گمراہ فرقہ کا نام ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے سزا و جزا کا کوئی حکم صادر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اس کا نتیجہ قیامت میں کھلے گا۔ انہیں اسی لیے مرجئہ کہتے ہیں کہ وہ مرتکب کبیرہ کے حکم کو قیامت تک موخر کرتے ہیں[1] (کذا فی المغرب)

یعنی دُوسرے وُہ ہیں جو جنگ سے پیچھے رہ گئے لِاَمْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہے کہ اُن کے لیے جو چاہے جس طرح کا حکم نافذ فرمائے۔ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ یا انہیں عذاب میں مبتلا کرے کہ وُہ زندگی بھر اسی حالت میں رہیں کہ نہ توبہ کریں نہ معذرت ظاہر کریں اور اُن کا یہ طریقہ منافقت سے بھی نہ ہو اس لیے کہ منافقین تو ہمیشہ غیر مخلص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دُوسرے تو غلطی کے مرتکب ہُوئے لیکن خلوص میں تو انہیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ یا اُن کی توبہ قبول فرمالے واگر خالص نیت سے توبہ کا اظہار کریں۔ یہ جملہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ما قبل سے حال ہے یعنی ان میں بعض سزا یافتہ ہیں اور بعض کی توبہ قبول ہوجائے گی۔

سوال: لفظ اِمَّا شک کے لیے ہوتا ہے اور اللہ کو شک کیسا۔ وُہ تو منزّہ ومقدس ذات ہے بلکہ وُہ تو ہر ایک حالاتِ ظاہرہ باطنہ کو جانتا ہے۔

جواب: یہ اِمّا تردیدیہ ہے اور یہ بندوں کے لیے ہے۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم خوف ورجاء کے مابین رہو۔

فائدہ: اِمّا تردیدیہ - - - - - - کا مدخول اسم ہو یا فعل ہر دو طرح جائز ہے۔ اگر اِمّا تخییریہ ہو تو اس کا مدخول لازماً فعل ہونا چاہیے۔ اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ اَنْ مفتوحہ مخففہ ہوتا ہے۔ مثلاً وَاِمّا

---

[1] غنیۃ الطالبین نامی کتاب منسوب بہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا حوالہ دے کر غیر مقلدین بہکاتے ہیں کہ حضور غوث اعظم نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی گمراہ فرقے سے گنا ہے۔ یہ ان کا افترا ہے۔ تحقیق مطلوب ہو تو فقیر کے رسالہ "ہدیۃ السالکین فی غنیۃ الطالبین" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

اَنْ تُلْقِیَ۔

وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ اُن کے حالات جانتا ہے حَکِیْمٌ O اپنے جملہ امور میں ہزاروں حکمتیں رکھتا ہے۔ ایسے ہی جنگ پہ حاضر ہونے اور نہ ہونے والوں کے متعلق بھی اس کی بےشمار حکمتیں ہیں۔

شانِ نزول یہ آیت ان تین صحابیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ پہ نہ جا سکے۔ وہ تین حضرات یہ ہیں:

۱۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

۲۔ مرارہ بن الربیع العمری رضی اللہ عنہ

۳۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرات غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے اور تھے مالدار۔ اس کے باوجود غزوۂ تبوک پہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ جا سکے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس وقت میں اہلِ مدینہ سے مالی لحاظ سے خوشحال تھا۔ میرے پاس اُونٹ بھی بہت اچھے تھے۔ ہر روز ارادہ کرتا تھا کہ میرے پہنچنے میں کیا دیر لگے گی۔ جب لشکر روانہ ہوگا اسے راستہ میں پاؤں گا۔ لیکن اس کے باوجود کئی روز ایسے ہی گزر گئے اور میں جنگ پہ نہ جا سکا۔ اس پر مجھے اور میرے دُوسرے مذکورہ ساتھیوں کو سخت ندامت ہُوئی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائے ان حضرات نے خود کو نہ تو حضرت ابُولبابہ اور دُوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ستونوں سے باندھا اور نہ ہی اتنا شدید اظہارِ غم اور جزع فزع کی۔ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اُن کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے اور نہ اُن کے ساتھ کوئی کھانا کھائے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا مشورہ کرے۔ یہاں تک کہ ان حضرات کی عورتوں کو فرمایا کہ وہ ان سے علیحدہ ہوکر اپنے میکے چلی جائیں۔ حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے اتنی اجازت لی کہ چونکہ وہ ضعیف العمر ہیں صرف انھیں کھانا پہنچانے کی اجازت ہو۔ حضور علیہ السلام نے صرف ان کے لیے اتنی اجازت بخشی۔ ادھر شام کے عیسائیوں کے بادشاہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہاں تمہاری ناقدری ہُوئی ہے تم ہمارے ہاں آجاؤ۔ حضرت کعب نے کہا، افسوس کہ ہم سے اتنا بھاری گناہ سرزد ہوا ہے کہ اب مشرکین ہمیں اپنے ساتھ ملانے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ اس غم سے زمین میرے پاؤں سے نکل گئی۔ اسی طرح ہلال بن اُمیہ بھی اس صدمہ سے زار و قطار روئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں ضایع ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے کہ اگر اُن کے متعلق معافی کا پیغام مِن جانب اللہ نازل نہیں ہوتا تو یہ مارے گئے۔ بعض فرماتے کہ اللہ کریم ہے انھیں ضرور بخش دے گا۔ اُن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ ہوگئے، کہتے: انھیں عذاب ملے گا یا معافی نصیب ہوگی۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزرنے کے بعد اُن کی توبہ کی قبولیت کے لیے آیت نازل ہُوئی۔ (لقد تاب اللّٰہ علی النبی الی ان قال وعلی الثلثۃ الذین خلفوا الآیۃ) اُن کی معافی کو پچاس دن تک مؤخر کرکے ایسے احسن وجوہ سے ظاہر فرمایا

معافی نامہ میں حضور علیہ السلام اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ساتھ شامل فرمایا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور تفویض الامور الی اللہ نزول رحمتِ ربانی کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مسئلہ : نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ رونا، گڑگڑانا توبہ کی قبولیت کا نشان ہے۔ لیکن اس میں خلوص بھی ضروری ہے۔

سبق : بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرے اور اس غلطی پر خوب آنسو بہائے۔

حکایت حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کے ایک مرید کا بیان ہے کہ ایک دن میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھیں دیکھا کہ وہ خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ میں نے انھیں قسم دے کر ماجرا پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم قسم دے کر نہ پوچھتے تو میں اس کا کبھی انکشاف نہ کرتا۔ فرمایا گریہ کیا اپنے مولیٰ سے خلاف عہدی پر، جو الست کے موقعہ پر عہد کر کے اس کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہوں اور خون کے آنسو اس لیے بہائے کہ نامعلوم اس کریم نے میری توبہ قبول کی یا نہ۔ آپ کا وہی مرید فرماتا ہے کہ میں نے حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ آپ کے رب کریم نے کیا کیا۔ فرمایا کہ اس کریم نے مجھے نہ صرف بخش دیا بلکہ اپنے قربِ خاص سے نوازا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے فتح موصلی! تم روئے کیوں؟ اور خون کے آنسو کیوں بہائے؟ میں نے عرض کی: یا رب! میں تو اس لیے رویا تھا کہ مجھ سے تیرے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکی اور خون کے آنسو بہائے اس خطرہ سے کہ نامعلوم تُو نے میری توبہ قبول کی یا نہ۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے فرمایا: اے موصلی! تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہارے اعمال نامے کو چالیس سال تک نگران فرشتوں کے سامنے رکھا کہ کوئی غلطی ظاہر ہو۔ لیکن اعمال نامے میں ایک بھی گناہ نہ ملا۔

سبق : جب اکابر اولیاء کرام کا یہ حال ہے باوجودیکہ اُن سے گناہوں کا صدور بھی نہیں ہوتا لیکن خوفِ خدا سے خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ افسوس کہ ہم سر تا پا گناہوں میں غرق ہیں لیکن کسی وقت بھی خوفِ خدا کا خیال تک نہیں آتا۔

حکایت حضرت فضیل رضی اللہ عنہ حج پر گئے۔ ان کا یومِ حج سالم خاموشی میں گزرا۔ جب سورج غروب ہوا تو دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ ہائے گناہوں کا بوجھ ہلکا نہ ہو سکا۔ اے الٰہ العٰلمین! تیری رحمت کے سوا مجھے اور کوئی سہارا نہیں۔ اگرچہ تُو نے عفو و مغفرت کا پیغام بھی بھیجا ہے۔

نکتہ : صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ ان حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو عفو و مغفرت کے یقین کے باوجود رونا اس لیے آتا ہے کہ دنیوی گناہوں کے اثرات کا ازالہ بہت دیر سے ہوتا ہے۔ مثلاً جن جہنمیوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں لایا جائے گا وہ بہشت میں پہنچ کر اس وقت تک بدنام رہیں گے جب تک کہ ان کی پیشانیوں سے دوزخی گناہوں کے اثرات مٹائے نہیں جائیں گے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہرچند کہ ہجراں ثمر برآرد
دہقان ازل کاشکے ایں تخم نکشتی

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بسا نام نیکوئے پنجاہ سال
کہ یک نام زشتش کند پائمال

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہُوا کہ بعض نفوس کو گناہوں میں مبتلا کرکے اُنہیں خوف و رجا کے درمیان متردد کرے یہاں تک کہ وہ مقام قبض و بسط میں پہنچ کر اُنس کے خیمہ تک جانے کے لائق بن جائیں اور اُنہیں مقام ہیبت نصیب ہو۔ اُن کی اِس خوف و رجا سے تربیت ہوتی ہے انہیں خوف و رجا کے دو دو پر نصیب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وُہ خیمہ انس تک پہنچتے ہیں۔ اُنس و ہیبت تک پہنچنے پر یہاں سے انہیں دُوسرے پر ملتے ہیں جس سے وہ سیر و تجلی کی قاب قوسین اور وحدۃ ادنیٰ سے شرف پاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ بندوں کی تربیت کس طرح ہوتی ہے حَکِیْمٌ وہی ان حکمتوں کا مالک ہے کہ قرب قبول کی صلاحیت کس میں ہے اور بُعد و رد کسے نصیب ہوتا ہے۔ (کذا فی التاویلات)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا اور جن لوگوں نے مسجد تیار کی۔ اس سے وہ منافق مراد ہیں جو غزوۂ تبوک سے غیر حاضر رہ کر مسجد قبا شریف کے مقابلہ میں ایک اور مسجد تیار کرلی۔ قبا بضم القاف مذکر و مونث دونوں طرح جائز ہے۔ یہ ایک گاؤں (کا نام) ہے جو مدینہ طیبہ سے ڈیڑھ میل دُور ہے۔ (کذا فی التبیان)

حضور علیہ السلام کی ہجرت اور مسجد قبا کا سنگِ بُنیاد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں جانے سے پہلے بستی قبا میں تشریف لانے تو بنی عمرو بن عوف کے ہاں قیام پذیر ہُوئے۔ بنی عمرو بن عوف کے امیر کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا وُہ حضور علیہ السلام کی اُس بستی میں تشریف لانے کے بعد مسلمان ہُوئے یا قبل ازیں مسلمان ہوچکے تھے بہرکیف بھی ہو وہ بہرحال مسلمان تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر بستی قبا میں تشریف لائے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی مسجد تیار کی جائے، جہاں چاہیں نماز پڑھیں، اور اگر چاہیں تو آرام بھی فرمائیں۔ بایں ارادہ چند پتھر اُٹھا لائے اور مسجد تیار کرلی۔ اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اہلِ اسلام کے لیے تیار فرمائی۔ یہی مسجد قبا شریف وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ

با جماعت نماز ادا فرمائی۔

مسجدِ قبا کی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے مسجد قبا میں صرف چار دن قیام فرمایا۔ یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ دس سے اوپر چند راتیں ٹھہرے۔ بخاری شریف میں یہی ثابت ہے اور مسلم شریف میں چودہ راتیں مروی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کے لیے ہر ہفتہ کے دن تشریف لایا کرتے، کبھی پیدل کبھی سوار ہوکر۔ پھر نماز پڑھ کر مدینہ طیبہ لوٹتے۔

حدیث شریف: جو مکمل وضو کر کے مسجد قبا میں ایک دوگانہ پڑھے گا اسے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

مسجد قبا کا سنگِ بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، جسے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی معاونت سے تیار کیا۔ یہی اکثر علماء و محدثین کا مذہب ہے۔

تعمیرِ مسجد کے فضائل حدیث شریف میں ہے کہ جو مسجد تعمیر کرے لیکن اس میں نہ ریا کا دخل، نہ شہرت مقصود ہو تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے بہشت میں محل تعمیر فرمائے گا۔

ف: امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے حدیث شریف کا مفہوم اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ اس میں مجاز ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ثواب بخشے گا جس کی برکت سے اسے بہشت میں بہترین اور عظیم الشان اور ارفع و اعلےٰ مقامات نصیب ہوں گے۔ اس لیے کہ اعمال کا ثواب کئی گنا زاید نصیب ہوتا ہے کیونکہ ایک نیکی کا عوض دس کا وعدہ تو قرآن مجید میں ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو ایک کھجور راہِ حق میں کسی مسکین کو دیتا ہے تو قیامت میں اس کا ثواب اسے پہاڑ کے برابر ملے گا۔

مسئلہ: ثواب کا اضافہ اخلاص پر مبنی ہے اگر کسی کی نیکی اخلاص سے خالی ہو تو اسے خس برابر بھی ثواب نصیب نہیں ہوگا۔ اسی طرح نہ وہ مسجد کسی کام کی جس میں اپنی دنیوی غرض یا ریاکاری یا شہرت مطلوب ہو اگرچہ ہم اس پر ظاہری شرعی طور فتویٰ مسجدیت کا دیں گے اور اس کی تعظیم و تکریم اور عزت و احترام اور اس پر جملہ احکام مسجد کے جاری ہوں گے۔ اسی طرح رباط ہو یا سرائے، پل ہو یا سقایہ وغیرہ وغیرہ سب کے لیے قبولیتِ بارگاہِ حق کی یہی شرط ہے کہ صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر تیار کیے جائیں۔ (کذا قال فی شرح الامام)

مسئلہ: اس حکم میں وہ مسجد بھی شامل ہے جسے گرا کر از سرِ نو دوبارہ تیار کیا جائے۔ (کذا قال النوی)

مسئلہ: مسجد میں جتنے لوگ شریک ہوکر کام کریں گے سب کو مکمل مسجد بنانے کا ثواب ملے گا۔ جیسے ایک جماعت نے غلام خرید کر آزاد کیا تو ان سب کو جہنم سے آزادی یکساں طور نصیب ہوگی۔ ایسے نہیں کہ تھوڑا حصّہ ملانے والے

تھوڑی اور زیادہ حصہ ملانے والے کو زیادہ آزادی حاصل ہو۔ کما قال تعالیٰ "وما ادرٰك ما العقبة فك رقبة" فك رقبة کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے سے کی ہے۔

ف: مسجد کی بناء کو غلام آزاد کرنے پر اس لیے قیاس کیا گیا ہے کہ دونوں میں ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ: کافر بھی مسجد میں حصہ لے سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کا حصہ ملانے یا مستقل مسجد بنوانے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ان اللہ یؤید دینه بالرجل الفاجر"۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فاجر سے بھی کراتا ہے۔ (کذا فی البغوی)

مسئلہ: امام واحدی نے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا کہ آیت ہذا سے ثابت ہوتا ہے کہ کافروں کو اہلِ اسلام کی مساجد کی تیاری یا حصہ ملانے سے روکا گیا ہے اگر کافر نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ اس کے مال سے مسجد کی تعمیر کی جائے تو اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہوگا۔

مسئلہ: حضرت مفتی سعدی چلپی مرحوم نے فرمایا: احناف کا اجماع ہے کہ کافر کی ایسی وصیت ہرگز جاری نہیں ہوگی۔

مسئلہ: کافر مسجد بنانے سے مسلمان متصور نہیں ہوگا، اگرچہ کتنی ہی عظیم الشان مسجد بنائے جب تک کلمۂ شہادت کا اقرار و تصدیق نہ کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی مسلمان گرجا اسی طرح بد مذاہب کفار کی عبادت گاہوں میں آمد و رفت رکھے اور ان کی تعظیم و تکریم کا عقیدہ رکھے تو وہ کافر ہے۔

نکتہ: کفر کے فتویٰ کا دار و مدار نیت پر اور اسلام کا انحصار اظہار کلمۂ شہادتین پر ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)

ف: صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ روم کے بعض مقامات کے باشی قبطی اگرچہ کلمۂ اسلام ظاہر کرتے ہیں بلکہ نماز اور روزہ کے بھی پابند ہیں اور نہایت خلوص سے عبادتِ الٰہی بجا لاتے ہیں۔ انگریزوں نصرانیوں کے ساتھ ان کی عبادت گاہوں گرجوں میں بھی اُن کی عبادات کے لیے چلے جاتے ہیں۔ نصاریٰ کی موافقت میں وُہ جملہ امور بجا لاتے ہیں جو وہ کرتے ہیں وُہ مرتد ہیں وُہ مرجائیں تو اُن کے جنازوں کی نمازوں میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ نصاریٰ کی عبادات پر موافقت کر کے اُن کے گرجوں کی تعظیم کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے ہم ان کے کفر و ارتداد میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کے کلمۂ شہادتین کا اعتبار ہے اس لیے کہ وُہ تو عادت کے طور پڑھتے ہیں۔ یہ کلمہ اور دیگر اسلامی عبادات بجالانا اس کے کفر و ارتداد کو نہیں اُٹھاتا۔ ہمارے بعض معاصرین ان کے کفر میں توقف کرتے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اُن کی جہالت کا ثبوت ہے[1]

---

[1] یہی تقریر مرزائیوں، شیعوں، وہابیوں، دیوبندیوں، نیچریوں، پرویزیوں اور دیگر بد مذاہب منطبق کر کے ان جدید مجتہدوں اور صُلح کلیوں کا ماتم کیجئے جو اُن کے کفر و ارتداد میں توقف کرتے ہیں۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "دیو بندی بریلوی اختلاف" میں دیکھئے ۱۲ (اویسی)

مسجد ضرار کی بنیاد کی اصلی وجہ

جب بنو عمرو بن عوف کی مسجد قبا شریف کی تعظیم و تکریم ہونے لگی تو ان کی دُوسری برادری بنو غنم بن عوف کو حسد پیدا ہُوا اور وہ اس کے عزت و احترام گھٹانے پر تُل گئی اور اس نے عوام میں پھیلا دیا کہ ہم عمرو کی عورت کے گدھا باندھنے کی جگہ پر نماز نہیں پڑھتے ۔ اگرچہ ایک حد تک اُن کی بات سچی تھی کہ واقعی وہاں پر ایک گدھا باندھا جاتا تھا ۔ بعض کہتے ہیں اس جگہ پر کلثوم ابن ادہم رضی اللہ عنہا کھجوریں خشک کرتے تھے ۔ گویا وہ ایک عام جگہ تھی ۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ کو عزت بخشے تو کسی کے روکنے سے اُس کی شان میں کمی نہیں آتی ۔

بنو غنم مذکورہ بالا عذر لنگ کر کے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی نیت سے اپنی ایک علیحدہ مسجد بنائی ۔ اس کی امامت ابُو عامر راہب کے سپرد کر دی ۔ جب وہ ملک شام سے مدینہ طیبہ آتا تو اس مسجد میں قیام کرتا اور امامت کے فرائض انجام دیتا ۔

ازالہ وہم

بعض[1] لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اس مسجد کی تیاری کی اجازت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی ۔ حداوی مرحوم نے فرمایا یہ خیال سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے ۔ اوّلاً اس لیے کہ مذکورہ بالا قصّہ اور واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے ، اس لیے کہ بنانے والے منافق تھے اور مسلمانوں کے حاسد ۔

(ثانیاً) ، اس لیے کہ منافقین کو حضور علیہ السلام کس طرح اجازت بخشتے جبکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی اجازت بھی نہیں تھی ۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کیسے اجازت دے سکتے تھے ۔

ابُو عامر راہب کا تعارف

ابو عامر خزرج قبیلہ کے اشراف لوگوں سے تھا ۔ جاہلیت کے دور میں اس نے نصرانیت اختیار کر کے ان کا راہب بن گیا ۔ اور موٹے کپڑے پہن کر زاہدانہ زندگی بسر کرتا ۔ تورات اور انجیل کا بہت بڑا ماہر تھا ۔ کاشفی نے لکھا کہ اس کی عادت تھی کہ وُہ ہمیشہ اہلِ مدینہ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقبات و کمالات اور فضائل سناتا رہتا تھا ۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ آپ کے کمال کے شیفتہ اور عاشق ہو گئے ۔ اس سے ابو عامر راہب کی شیخی میں کمی واقع ہو گئی یہاں تک کہ اکثر لوگ حضور سرورِ دنیا و دین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور وُہ مکھیاں مارتا رہتا تھا ۔ ؎

باوجود لب جاں بخشی تو اے آبحیات
حیفم آید سخن از چشمۂ حیواں گفتن

اس طرح سے ابُو عامر راہب پر حسد کا حملہ ہُوا تو آقائے کونین ماوائے ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں لگ گیا ، اور کہتا تھا کہ میرا ساتھی کوئی نہیں ورنہ (معاذ اللہ) میں آپ کو مٹا کر چھوڑتا ۔ اس کے بعد اس نے حضور علیہ السلام

---

[1] جیسے بعض جاہل واعظ دیوبندیوں وہابیوں کو ۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

کے خلاف محاذ آرائی رکھی یہاں تک کہ "ہوازن" کی جنگ میں حضور علیہ السلام سے شکست کھا کر ملکِ شام کو بھاگ گیا۔
کاشفی نے لکھا کہ ملک شام میں پہنچ کر اس نے ہرقلِ روم کے بادشاہ سے ساز باز کی اور اُسے اُبھارا کہ ایسا لشکر تیار کیا جائے جو مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اِدھر قباؔ کے منافقین مثلاً ثعلبہ بن حاطب کو خط لکھا کہ قبا میں پہلی مسجد کے مقابلہ میں ایک اور مسجد تیار کیجئے جس میں وہاں حاضر ہو کر عوام کو افاضہ و افادۂ علوم سے بہرہ ور کردں۔ اس کے لکھنے پر منافقین نے مسجد ضرار کی تیاری کی اور حضور علیہ السلام سے ازراہِ منافقت عرض کی کہ آپ ہماری مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں۔
آپ چونکہ اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔ فرمایا اِن شاء اللہ تعالےٰ واپسی پر تمہاری مسجد میں آئیں گے۔ آپ سے مسجد کی تیاری کا عذر پیش کیا چونکہ مسجد قبا ہم سے کچھ فاصلہ پر ہے اور ہمارے ضعیف اور کمزور نمازی وہاں نہیں پہنچ سکتے اس لیے بوجہ مجبوری ہم نے مسجد تیار کی ہے۔ حضور علیہ السلام نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ان کی مسجد میں تشریف لیجانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب حضور علیہ السلام غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو وہی پرانی عرضداشت پیش کی کہ حضور! آپ ہماری مسجد میں تشریف لے چلیں۔ اس سے ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم اپنے منصوبے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ عوام ہمارے ساتھ ہوں گے انہیں بہکانے کا ہمیں موقع مل جائے گا۔
مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

مسجد اصحاب مسجد را نواز — تا مہی تا شب دمے با ما بساز
تا شود شب از جمالت ہمچو روز — ای جمالت آفتابِ جاں فروز
اے دریغا کان سخن از دل بدے — تا مراد آں دتو حاصل شدے

منافقین کی علامت

مسجد ضرار میں ان کا کام یہ تھا کہ بروقت حضور علیہ السلام کی تنقیص اور عیب شماری میں گزارتے اور حضور علیہ السلام کی باتوں کو گن گن کر استہزاء کرتے تھے۔ آپ نے سفر کی واپسی کے بعد ان کے دوبارہ آنے پر ارادہ فرمایا یہاں تک کہ آپ نے اپنا قمیص مبارک منگوایا تاکہ مسجدِ ضرار میں تشریف لے چلیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا وَّضِرَارًا مفعول لہ ہے یعنی اہلِ ایمان کی ضرر رسانی اور اُن سے جنگ لڑنے کے لیے وَّكُفْرًا کفر کی تقویت کے لیے جسے انہوں نے دل میں چھپا رکھا تھا۔
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اہلِ ایمان کے درمیان جھگڑا برپا کرنے کے لیے۔ اس سے اہلِ قبا کے مومن نمازی مراد ہیں۔ منافقین نے پروگرام بنایا کہ دُوسری مسجد تیار کرو لوگ مسجدِ قبا کو چھوڑ کر تمہارے ہاں آجائیں گے۔ اس طرح سے ان میں پھوٹ پڑ جائے گی وَاِرْصَادًا اور تیاری کے لیے اور اس کے انتظار میں لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ یہ مسجد جو تیار کی گئی کہ وہ آکر اس میں امامت سنبھالے گا، پھر رفتہ رفتہ جماعت تیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دے گا، جیسا کہ وہ اس سے قبل جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں

پیش پیش رہا مِنْ قَبْلُ ط حَارَبَ اللهَ یا اتَّخَذُوا سے متعلق ہے۔ یعنی یہ مسجد انہوں نے غزوۂ تبوک کی غیر حاضری سے اپنی منافقت کے اظہار سے پہلے تیار کر لی تھی وَ لَيَحْلِفُنَّ یہ قسم مقدر کا جواب ہے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ جب ان سے کوئی پوچھتا کہ یہ مسجد تم کیوں بنا رہے ہو تو قسمیں کھاتے ہوئے کہتے اِنْ اَرَدْنَآ یہ اِنْ نافیہ ہے۔ یعنی ہمارا اس مسجد کے بنانے کا ارادہ نہیں اِلَّا الْحُسْنٰی مگر نماز اور ذکر الٰہی اور نمازیوں کی سہولت وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنی قسم کھانے میں جھوٹے ہیں۔

مسجد ضرار کا انہدام

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی (قاتلِ حمزہ) رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ ایک جماعت لیجا کر اس مسجد کو گرادو۔ چنانچہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعت لے کر کھجوروں کی سوکھی چھڑیاں اٹھا کر بعد مغرب پہنچے اور جا کر مسجد ضرار کو آگ لگا دی۔ پھر دیواریں منہدم کر کے میدان بنا دیا۔ یہ مغرب و عشا کے درمیان کا واقعہ ہے۔ پھر ان کو آپ نے حکم جاری فرمایا کہ منافقین کی مسجد ضرار کی جگہ پر گندگی و غلاظت اور مردار جانور وغیرہ ڈالا کریں۔ چند دنوں کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ ثابت بن ارقم کو مکان بنانے کے لیے عنایت فرمائی۔ لیکن یہ ایسی منحوس ثابت ہوئی کہ جب تک وہ اس میں ٹھہرے رہے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ زید بن ارقم نے وہاں ایک گڑھا کھودا تو اس سے آگ نکلی۔

ابُو عامر راہب کی موت

ابو عامر راہب شام میں مسافر اور تن تنہا مرا۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہی ابُو عامر آپ کو ملنے آیا۔ آپ سے پُوچھا آپ کون سا دین لائے؟ آپ نے فرمایا: دینِ حنیف یعنی دینِ ابراہیم علیہ السلام لایا ہوں۔ ابو عامر راہب نے کہا میں بھی اسی پر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تُو دینِ حنیف پر نہیں۔ اُس نے کہا: میں تو یقیناً دینِ ابراہیم پر ہُوں۔ لیکن آپ نے اس میں اپنی طرف سے غلط باتیں داخل کر لی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تو اس میں کسی قسم کی غلط بات نہیں بڑھائی۔ بلکہ دینِ حق لایا ہوں۔ ابو عامر نے کہا: ہم میں جو جھوٹا ہو وہ مسافرت اور تنہائی میں لاوارث ہو کر مرے۔ آپ نے فرمایا: آمین۔

بعدہٗ آپ نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا۔ چنانچہ وہ قنسرین علاقہ شام میں کافر ہو کر مرا۔

ف: قنسرین بکسر القاف وتشدید النون المفتوحہ او المکسورہ ملک شام میں ایک شہر کا نام ہے۔

اعجوبہ: ابُو عامر کی اس بہت بڑی خباثت کے باوجود اس کا لڑکا حضرت ابُو حنظلہ صالح نیک بخت صحابی تھا جو غزوۂ اُحد میں شہید ہُوئے اور انہیں ملائکہ کرام نے غسل دیا۔ اسی لیے وہ لقب "غسیل الملائکہ" سے مشہور ہوئے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہنر بنمائی اگر داری نہ گوہر   گل از خارست و ابراہیم ز آزر

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ خواہشات کے پجاریوں نے نفس کے اندر مسجد تیار کی تاکہ اہلِ حقیقت کو ضرر پہنچائیں اور اُن کے احوال کا انکار کرسکیں جیسا کہ ان اہلِ حقیقت نے قلب میں ایسی مسجد تیار کی جس میں وُہ ذکرِ الٰہی کا وِرد کرتے ہیں۔ یہی غلط پیروں اور درویشوں کا طریقہ ہے کہ اپنے جھوٹے دعووں سے اہلِ حقیقت کا طور طریقہ اختیار کرکے اُلٹا اہلِ حقیقت کا رَدّ کریں اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ ڈالیں۔ یعنی اہلِ حقیقت سے بدظن کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کا عام طریقہ ہے کہ پیروں فقیروں کا بھیس بدل کر اہلِ ایمان کو سمجھاتے ہیں کہ وہ اہلِ حقیقت اگر صحیح درویش اور اللہ والے ہوتے تو ان میں فلاں فلاں نقائص اور عیوب کیوں ہوتے۔ ایسے مدعی (جیسے دیوبندی پیر)[1] اللہ والوں کے ایسے معاملات بتاتے ہیں جن پر بظاہر انگشت نمائی کا موقعہ ملتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اربابِ حقیقت سے عوام بدظن ہوکر اُن سے دُور ہوجائیں اور ایسے لوگوں کے لیے عوام کو تیار کریں[2] جو بظاہر اچھے طور طریقے رکھتے ہیں اور درحقیقت وُہ صرف مدعی محض اور جھوٹے مکار ہیں۔ اور وُہی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے محاذ بنائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو سبز باغ دکھا کر دین اور شریعت کے دشمنوں کا معتقد بناتے ہیں اور اس بارہ میں لمبی چوڑی جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا ارادہ محض نیکی ہے اور نیکی کی تمہیں تبلیغ اور دعوت دیتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دعووں اور قسموں میں جھوٹے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ لَا تَقُمْ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نہ کھڑے ہو فِیْہِ منافقین کی مسجد میں اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ لَا تَقُمْ بمعنے لا تصل ہے۔ قیام سے صلوٰۃ مراد ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

"فلان یقوم اللیل"

یعنی فلاں رات کو نماز پڑھتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث شریف میں ہے:

"من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه"

جو رمضان میں نماز (تراویح) پڑھتا ہے ایمان کی حالت میں، ثواب کی خاطر، تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دئے جائیں گے۔

لَمَسْجِدٌ البتہ مسجد قبا (اس میں لام ابتدائیہ ہے یا قسمیہ) اُسِّسَ کی بنیاد رکھی گئی۔ تاسیس سے مشتق ہے بمعنے احکام یعنی محکم کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: "اس البناء" یعنی اس کی مضبوط بنیاد رکھی۔ اسے اس معنے سے اس لیے

---

[1] جیسے دیوبندی وہابیوں نے کرکھا ہے۔ [2] جیسے تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ عوام کو سبز باغ دکھا کر حقیقی اللہ والوں سے بدظن کرکے اپنے بڑوں بڑوں کے پاس مراکز میں لے جاتے ہیں۔

تعبیر کیا گیا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور اس میں قیام کے دوران نمازیں پڑھیں۔ عَلَى التَّقْوٰى پرہیزگاری پر۔

ف : تبیان میں ہے تقوٰی پر بنیاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدود کی تعیین اور اس کی بنیاد کی تکمیل اللہ تعالٰے کی اطاعت کے لیے ہوئی۔ حدادی نے فرمایا کہ تقوٰی پر بنیاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ تعالٰی کی رضا کی خاطر تیار کیا گیا۔

ف : عَلٰی بمعنے مع ہے جیسے آیت واتی المال علٰی حبہ میں عَلٰی بمعنے مع ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی مرحوم)

مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اس کے ابتدائی تعمیر و تاسیس کے دن سے۔ اس کا تعلق اسّس سے ہے۔

قاعدہ : لفظ مِن کا قاعدہ ہے کہ جب ظروف کی ابتداء میں آئے تو اکثر ظروف مکان ہوتی ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے "جئت من البصرۃ" یہ بصریوں کا مذہب ہے، کوفیوں کے نزدیک وہ اکثر ظروفِ زمان ہوتے ہیں جیسے آیت ہٰذا میں ہے یہاں پر من بمعنے 'منذ' ہے۔ یعنی جب سے اس کی بنیاد رکھی گئی اس لیے کہ لفظ "منذ" ابتداء الغایہ فی الزمان کے لیے مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے : ما رایتہ منذ شھر۔

رضی صاحب نے فرمایا : یہاں پہ مِن بمعنے فی ہے اور ظروف میں اکثر واقع ہوتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا : یہاں پر مسجد سے مسجد نبوی (جو مدینہ طیبہ میں واقع ہے) مراد ہے۔ لیکن پہلا معنٰی مشہور اور قصہ کے موافق ہے، کیونکہ جس مقصد کا واقعہ یہاں ہُوا وہ بستی قبا میں تھی اور مسجد ضرار کا مقابلہ بھی اسی کے لیے موزونیت رکھتا ہے نہ کہ مسجد مدینہ سے۔

ف : حدادی نے فرمایا : مذکورہ بالا دونوں قولوں میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ آیت میں دونوں مسجدیں (مسجد قبا اور مسجد نبوی) مراد ہیں۔

اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔

سوال : افعل التفضیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد قبا کے ساتھ اس دوسری مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز ہو باوجودیکہ اس میں چار خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے وجود سے دُوسری مسجد میں نماز ہرگز ناجائز ہو۔

جواب : اگر مان لیا جائے کہ افعل کے صیغہ سے دُوسری مسجد کا جواز نکلتا ہے لیکن چونکہ مسجد قبا کے جملہ اوصاف احق کے ہوتے ہُوئے دوسری مسجد کے مفاسد مدِ نظر رکھنے پر جوازِ نماز خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہاں احق اپنے افعل (اصل) معنے پر نہیں بلکہ یہاں پر احق بمعنے حقیق ہے۔ (کذا قال مولانا ابو السعود المفسر مرحوم) یعنی مسجد ضرار کسی طرح حق نہیں رکھتی کہ آپ اس میں نماز پڑھیں بلکہ صرف مسجد قبا اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔

سوال: اگر احق اپنے معنے پر نہیں تو اسے لانے کا کیا فائدہ؟

جواب ۱: تاکہ مسجد قبا کی فضیلت کی طرف اشارہ اور اس کے کمال پر دلالت ہو۔

جواب ۲: احق اپنے اصلی افعل معنیٰ پر ہے۔ لیکن یہاں پر افضلیت سے وہ استحقاق مراد ہے جو بانی مسجد کی غرض و ارادہ پر دلالت کرے اور جس کے عقاید حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں صحیح ہوں۔ یہی تیسری توجیہ انسب ہے اس کی مزید تشریح آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

فِیْهِ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے رِجَالٌ بہت سے مرد یعنی انصار یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنے کی از روئے حال احقیت کی علت ہے جبکہ پہلے اس کی احقیت از روئے محل بیان کی گئی ہے۔ یُحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا انہیں محبت ہے کہ وہ ہر قسم کی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک رہیں۔ وہ نجاستیں بدنی ہوں یا عملی، یعنی وہ جس طرح بدنی نجاستوں سے پاک رہتے ہیں ایسے ہی عملی یعنی گناہوں اور گندی خصلتوں سے پاک رہنا چاہتے ہیں وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور انہیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے جیسے ایک محب اپنے حبیب کو قریب کرتا ہے۔

حدیث شریف اور فضیلتِ ساکنانِ قبا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد مسجد قبا میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ چند صحابہ بھی تھے۔ جب آپ مسجد قبا کے دروازے پر پہنچے تو مسجد میں بیٹھنے والوں سے فرمایا: تم اہل ایمان ہو؟ وہ خاموش رہے۔ آپ نے یہی کلام دہرایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: وہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی انہی سے ہوں۔ آپ چل کر مسجد کے اندر اُن کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا: کیا تم مصائب پر صبر کرتے رہتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم تقدیر پر راضی رہتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم تم یقیناً مومن ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے انصاری (قبا والے)! اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ بتاؤ تم وضو اور قضائے حاجت کے وقت طہارت کیسے کرتے ہو؟ عرض کی: ہم قضائے حاجت کے بعد مٹی کے تین ڈھیلے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بس اسی وجہ سے تمہاری تعریف نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد آپ نے پڑھا: فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ۔ الخ

سب سے پہلے استنجا کرنے والا

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے استنجاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع فرمایا۔

مسئلہ: استنجاء بمعنے پلیدی کے نکلنے کی جگہ کا پونچھنا، نجو سے ہے بمعنے وہ شے جو پیٹ سے نکلے۔ یہ عمومی معنی ہے اسے کسی کپڑے یا ڈھیلے سے صاف کیا جائے تو بھی استنجاء ہے اسے پانی سے دھویا جائے تب بھی۔ (کذا فی المغرب)

مسئلہ: پیٹ کی پلیدی کی نکلنے کی جگہ کو تین مٹی کے ڈھیلوں سے صاف کیا جائے۔ اگر ڈھیلے نہ ہوں تو پتھر سے۔ وہ نہ ہو تو ہاتھ کی ہتھیلی سے پانی بہا کر" ان تینوں کے سوا دُوسری اور کسی شے سے استنجا نہ کیا جا سکے اس لیے کہ اس سے فقرو فاقہ اور تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔

ف: دراصل اس سے مطلوب صفائی ہے اس لیے مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک سے صفائی ہو جائے تو دُوسری اشیاء کی ضرورت نہیں۔ اگر مذکورہ بالا تینوں کے بعد کسی اور شئے کے اضافے کی ضرورت محسوس ہو تو جائز ہے۔

بدعت کی مثال نیند اور ریح خارج کرنے کے بعد استنجا کرنا بدعت سیئہ ہے۔ ہاں پیشاب اور قضائے حاجت سے استنجا کرنا لازمی ہے۔ (کذا فی النوازل)

مسئلہ: استنجا کے بعد کپڑے (تولیہ وغیرہ) سے استنجا کی جگہ کو پونچھنا مستحب ہے۔ لیکن یہ صفائی استنجا کی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے اور پانی کے استعمال کے بعد ہو تاکہ استنجا کا پانی کپڑے (تولیہ وغیرہ) سے اچھی طرح صاف ہو جائے۔

ف: قبا کے انصار رضی اللہ عنہم پیشاب کے بعد بھی پانی سے استنجا کرتے تھے جبکہ دُو ڈھیلے سے پہلے پیشاب خشک کر لیتے تھے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن کی یہ تعریف اس لیے ہے کہ وُہ جنابت کے بعد فوراً غسل کر لیتے۔

حدیث شریف مع شرح ثلاثۃ لا تقربھم الملائکۃ تین ایسے شخص ہیں جن کے قریب فرشتے نہیں رہ سکتے ان فرشتوں سے غیر حفظہ مراد ہیں۔ یعنی وُہ فرشتے جو رحمت و برکت لے کر اُترتے ہیں وُہ تینوں کے قریب نہیں آتے۔ باقی رہے حفظہ (نگران) فرشتے وُہ تو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی موت سے پہلے انسان سے جُدا نہیں ہوتے۔ اس لیے بعض علماء کرام نے فرمایا اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو نگران اور موت کے فرشتوں کے غیر ہیں۔ یعنی ایسے تین شخصوں کے ساتھ خیر و برکت لے کر حاضر نہیں ہوتے۔ پہلا "جیفۃ الکافر" کافر مُردہ۔ اس سے اُس کا جسم مراد ہے خواہ زندہ ہو یا مُردہ۔ اس لیے کہ وُہ ہمیشہ کے لیے پلید اور رحمتِ خداوندی سے بعید تر ہے اس لیے اس کے لیے فرشتے خیر و برکت نہیں لاتے۔ والمتضمخ بالضاد والخاء المعجمتین۔ یعنی دُوسرا وُہ جو رنگدار خوشبو اپنے جسم پر لگائے۔ الخلوق بفتح الخاء المعجمۃ، اس خوشبو کو کہا جاتا ہے جو زعفران وغیرہ سے مرکب کر کے بنائی جاتی ہے جس میں سُرخی اور زردی اور زردی زیادہ ہوتی ہے۔ ابُو عبید نے فرمایا کہ عرب والے صرف زعفران کو کہتے ہیں اور خلوق یعنی رنگدار خوشبو سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس کے استعمال سے رعونت اور عورتوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ رُکاوٹ بھی صرف مردوں کے لیے ہے ورنہ عورتوں کے لیے اس کا گھر میں استعمال جائز ہے اور اگر اس میں رنگ نہ ہو تو خوشبو مرد کو جائز ہے۔ عورتوں کو خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانا

ناجائز ہے۔ (کذا فی المفاتیح) والجنب ان میں تیسرا جنب ہے۔ الجنابہ سے ہے بمعنے بُعد۔ اور جنبی مرد کو اس لیے جنب کہا جاتا ہے کہ وہ نماز وغیرہ سے دُور رہتا ہے جب تک اس سے پاکی نہ حاصل کرے یا اس لیے کہ ایسا شخص لوگوں کی محفل میں بیٹھنے کا نہیں رہتا جب تک کہ غسل نہ کرے۔ الا ان یتوضاء ہاں وضو کرلے تو پھر رحمت و برکت کے فرشتے اس کے لیے خیر و برکت لاتے ہیں۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو بلا عذر غسل کو موخر کرتا ہے یا عذر کی وجہ سے غسل نہیں کرتا۔ لیکن وضو کی قدرت کے باوجود وضو نہیں کرتا۔ تو ایسے شخص کی جنابت کے وقت خیر و برکت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ بعض حضرات نے اس جنب سے وہ شخص مراد لیا ہے جو سرے سے جنابت کے غسل کا منکر ہو اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنب کے بعد بلا وضو (امت کی سہولت کے لیے) سو جاتے اور کبھی ایک شب میں تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ درمیان میں وضو نہیں فرماتے آخر میں صرف ایک دفعہ غسل فرماتے صرف اس لیے کہ اگر اُمت سے کسی وقت ایسا ہو جائے تو ان کے لیے گناہ نہ لکھے جائیں بوقتِ ضرورت غسل میں تاخیر کر سکتے ہیں۔ سُستی و کاہلی سے ایسا ہرگز نہ کرے۔

مسئلہ: شرعۃ (کتاب) میں ہے کہ جنب کے بعد تھوڑا سا سو جائے تاکہ جسم کو تھوڑی سی راحت کا موقعہ مل جائے۔

مسئلہ: جنب کے بعد وضو کر لینا سنّت ہے۔ اس کے بعد اگر سو جائے تو جائز ہے۔ (کذا فی شرح ابن السید علی)

مسئلہ: فتح القریب میں ہے کہ وضو سے یہاں پر شرعی وضو مراد ہے اس میں کسی کا خلاف نہیں۔

حدیث شریف: حضرت شعبہ سے مروی ہے کہ جنب کے بعد ذکر کو دھو کر وضو کر کے پھر سو جانا جائز ہے۔

ف: یہی درست ہے کہ پہلے ذکر کو دھو لیا جائے تاکہ اس کی نجاست دُھل جائے پھر وضو کر کے چاہے سو جائے۔

مسئلہ: جو شخص جنب میں بلا وضو سو جائے اُسے اللہ تعالیٰ سے استغفار لازمی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی جماع کے بعد نیند سے پہلے دوبارہ جماع کا ارادہ کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ذکر اور دونوں ہاتھ دھو لے۔ یہاں پر اسے شرعی وضو ضروری نہیں۔

وظیفۂ خوشحالی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "طعام کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے تنگدستی دُور ہوتی ہے۔" اس روایت میں وضو سے شرعی وضو مراد ہے۔

مسئلہ: جنابت سے پہلے پُورا وضو کرنے میں نیت کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حدثِ اصغر دُور کرے یا دوبارہ جماع کرنے کی وجہ سے سنّت پر عمل کرنے یا جنابت دُور کرنے کا ارادہ کرے یا یہ ارادہ ہو کہ اعضائے مغسولہ پر جو نجاست پڑی ہے وہ دُور کرنا ہو۔ ان سب صورتوں میں صحیح یہ ہے کہ یہ ارادہ ہو کہ حدث اصغر دُور ہو تاکہ اسے ایک مستقل عبادت نصیب ہو یا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جنابت اور حدث اصغر اس کے سر پر ہیں۔ ان میں سے وضو کرنے سے حدثِ اصغر دفع ہو جائے گی۔ (کذا فی فتح القریب)

ف : وضو کی علت میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ وضو اس لیے ہے کہ دو حدثوں میں سے ایک حدث ہٹ جانے سے اسے خفت حاصل ہوگی۔ بعض فرماتے ہیں کہ اسے وضو سے نیند کرنی چاہیے تاکہ خدانخواستہ اگر اسے اس وقت موت آجائے تو بے وضو ہوکر نہ مرے اور ان رحمت کے ملائکہ کے نزول سے محروم نہ ہو جائے جو جنب کے قریب نہیں جاتے۔ ہاں اگر وضو کر لے تو پھر وہ فرشتے اس کے ہاں تشریف لاتے ہیں۔

مسئلہ : امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جنبی کو بعد جنابت سونے سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کیا کرتے تھے۔

مسئلہ : بعض مالکیہ سے ہے کہ اگر کوئی جنابت کے بعد وضو کر کے نہیں سوتا تو اس کے عادل ہونے میں فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ علماً کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس پر عمل درآمد ہو تو عامل کی عدالت پر حرف نہیں آئے گا۔

اعجوبہ : صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چاہا کہ بخار میں مبتلا ہوں تاکہ گناہ جھڑ جائیں۔ چنانچہ سب کے سب بخار میں مبتلا ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بخار کی حاضری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخار نے اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟

بخار نے عرض کی: میرا نام ام ملدم ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فرمایا: اہل قبا کے ہاں چلی جا۔

وہاں پہنچی تو وہ سب بخار میں مبتلا ہوگئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض گزاری۔ آپ نے فرمایا: چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں اور تمہارے سے بخار بھاگ جائے، چاہو تو تمہارے لیے یہ بخار گناہوں کا کفارہ ہو۔

انہوں نے عرض کی: کیا ایسے ہوگا؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے عرض کی: پھر بخار کو ہمارے ہاں رہنے دیجئے۔

بُخار کی فضیلت

ایک شب کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور ایک دن کا بخار جہنم کی آگ سے بیزاری کا سبب بنتا ہے اور بندہ گناہوں سے ایسے پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہو۔

حکایت و روایت

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ میں بیمار ہوگئیں تو انہوں نے بخار کو گالیاں دیں۔ حضور اکرم نے فرمایا: بخار کو سبّ وشتم مت کرو، اس لیے کہ وہ

مامور من اللہ ہے۔ ہاں اے عائشہ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھا دوں، جن کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخار تمہارے سے ٹل جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا: وہ کلمات یہ ہیں:

اللھم ارحم جلدی الرقیق وعظمی الدقیق من شدۃ الحریق یا ام ملدم ان کنت اٰمنت باللہ العظیم فلا تصدعی الراس ولا تنتنی الفم ولا تاکلی اللحم ولا تشربی الدم و تحولی عنی الی من اتخذ مع اللہ۔ الخ

اے میرے اللہ! کمزور چمڑے اور نرم ہڈیوں کو سخت گرمی سے بچا۔ اے ام ملدم! اگر تجھے اللہ کریم پر ایمان ہے تو میرے سر کو دُکھ نہ دے اور نہ ہی منہ کو زخم کر اور نہ ہی گوشت کھا اور نہ خون پی۔ میرے سے ہٹ کر کسی ایسے کے پاس جا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معبود بناتا ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ کلمات پڑھے تو بخار ان سے ٹل گیا۔

وطن کی یاد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انھیں مدینہ طیبہ کی آب و ہوا چند روز کے لیے ناموافق ہُوئی اُن میں اکثر حضرات بیمار پڑ گئے اور مکہ معظمہ کی یاد انہیں ستانے لگی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن آسمان (جو کہ دعا کا قبلہ ہے) کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھی،

اللھم حبب الینا المدینۃ کما حبب الینا مکۃ بارك لنا فی مدھا وصاعھا وصححھا لنا ثم انقل وباءھا الی مھیعۃ۔

اے اللہ! ہمارے اندر مدینہ کی محبت ڈال دے جیسے ہمارے اندر مکہ کی محبت ڈال دی اور مدینہ کے مد اور صاع میں برکت دے اور اسے ہمارے لیے خوشگوار بنا دے اور اس کی وبا مہیعۃ کی طرف بھیج دے۔

ف: مہیعہ ایک گاؤں ہے جسے جحفہ کہا جاتا ہے۔ وہ رابغ کے قریب مصر سے آنے والوں کے لیے احرام کی جگہ ہے اس وقت وہاں کے باشی یہودی تھے۔

ف: آپ نے مدینہ کی محبت کی دُعا کی اس لیے عرض کی کہ انسان میں وطن کی محبت جان وجگر میں سمائی ہوتی ہے اور دل اس طرف مائل رہتا ہے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے حضور علیہ السلام کے سامنے مکہ معظمہ کے حالات پُوچھے جو کہ مکہ معظمہ سے تازہ طور مدینہ مکرمہ حاضر ہُوا۔ جب وُہ مکہ معظمہ کے حالات سُنانے لگا تو حضور علیہ السلام کی چشمانِ مبارک آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور فرمایا مکہ معظمہ کے شوق کی باتیں بند کر دے تو اچھا ہے۔ ۵

فتنہا در انجمن پیدا شود از سوز من
چو مرا در خاطر آید مسکن و ماوائے دوست

ختنہ کے مسائل ۱۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ختنہ صفائی ستھرائی کے لیے کرایا جاتا ہے اس لیے کہ اس سے محبت الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

یہی وجہ ہے کہ ختنہ کے بعد پیشاب کے قطرات اور اس کی نجاست سے پورے طور طہارت حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ غیر مختون (یعنی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو) اسے جنابت والے کے غسل میں ختنہ والے چمڑے کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے، اس لیے کہ اُسے پانی پہنچانے میں تکلیف نہیں ہوتی۔

حدیث شریف: پیشاب سے بچو اس لیے کہ قبر کا عذاب عموماً پیشاب کے قطرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بندے کا سب سے پہلا حساب قبر میں ہوتا ہے۔ (کذا فی الترغیب)

تفسیر صوفیانہ منافقین کی مسجد سے نفس کی گندگیوں کا ڈھیر مراد ہے۔ اور المسجد اسس علی التقوٰی سے قلب کی مسجد مراد ہے۔ اس لیے کہ بروز میثاق بوقت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور قَالُوْا بَلٰی کے جواب قلب کی بنیاد عبودیت و طاعت اور اقرار با لوحدانیت پر رکھی گئی ہے اور اس مسجد کے باشی منتظر یعنے صفاتِ ذمیمہ واخلاق لئیمہ بلکہ وجود کی گرد وغبار اور حدوث کی گندگیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو اُن کے وجودِ فانی سے انھیں وجود باقی کی نعمت سے نوازتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اُن سے محبت نہ ہوتی تو وہ انھیں ایسی تطہیر کی توفیق نہ بخشتا۔ ان کا پاک ہونا ان میں اللہ تعالیٰ کے آثار میں سے ایک ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

طہارت از نہ بخون جگر کند عاشق
بقول مفتی عشق اش درست نیست نماز

مثنوی شریف میں ہے: ؎

روئے ناشستہ نہ بیند روے حور
لا صلوٰۃ گفت الا بالطہور

ف: الطہور بالفتح مصدر بمعنے تطہیر ہے۔ اس معنے پر ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور اور الطہور وضو کے پانی وغیرہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ (کذا فی المغرب)

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس سے مسجد قبا کے مکینوں کی مسجد ضرار کے ساکنین کی فضیلت بیان کرنا مطلوب ہے۔ اس کا ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاء فعل مقدر پر عطف ہے۔ التاسیس بمعنے بنیاد کو

مضبوط کرنا اور البنیان غفران کی طرح مصدر ہے۔ بمعنے المفعول یعنی بنیان بمعنے مبنی ہے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ کیا بعد معلوم کر لینے حالات ان لوگوں کے پس جس نے اپنی مسجد کی بنیاد مضبوط رکھی ہو۔ یہ ترجمہ اس لیے زیادہ موزوں ہے کہ کلام اس کے متعلق ہو رہا ہے۔ اسس علی التقویٰ کا جملہ بھی اس معنے کا موید ہے۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:

"آیا ہر کس کہ اساس افگند بنائے دینِ خود را"

یعنی کاشفی نے دین مراد لیا ہے۔

عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ تقویٰ سے یہاں پر تقویٰ کا درجۂ ثانیہ مراد ہے یعنی ہر گناہ سے بچنا اور نیکی پر عمل کرنا۔ اس معنے پر تقویٰ حبلی کی طرح غیر منصرف ہوگا۔ اس بنا پر اس پر تنوین نہیں لایا گیا۔ بعض مفسرین نے اسے تنوین کے ساتھ بھی پڑھا ہے اس کا آخری الف ارطی کے الف کی طرح الحاقی مانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر وَ رِضْوَانٍ اور طاعات میں مشغول ہو کر۔ اس کی رضامندی کی طلب میں خیر بہتر ہے۔ یہ خیریت بایں معنیٰ ہے کہ مسجد ضرار کے باشیوں کو اپنی مسجد کو بحیثیت مسجدیت کے مسجد قبا سے اشتراک کا خیال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے خیال کے مطابق فرمایا: خیرہ امن اسس بنیانہ یا وہ کہ جس نے اپنی مسجد کی بنیا د رکھی ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے افضل کون ہے اور ان میں سے کس کے ساتھ دینے میں فضیلت ہے اور کس مسجد میں نماز پڑھنا ثواب ہے۔ یعنی ان میں ایک وُہ ہے جو اپنی مسجد کے تیار کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی رضا کا طالب ہے۔ اس سے اہلِ قبا مراد ہیں۔ دُوسرا وُہ ہے جو مسجد کی بنیاد کفر و نفاق اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کے ارادے پر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس طرح اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانا آسان ہوگا اور دینی امور میں پھوٹ ڈال کر اسے کمزور کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ضمیر نہیں لائی گئی ہے ہر دو بنیادوں کو نہ صرف صفۃً و اضافۃً اختلاف ہے بلکہ وُہ ذاتی طور پر ایک دُوسری سے مختلف ہیں۔ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ

حل لغات: شفاء الشیئ بالکسر بمعنے شئے کا کنارہ۔ اس کا تثنیہ شفوان آئے گا الجرف بالضم والاسکان دونوں لُغتیں ہیں وہ زمین جس کی بنیاد سیلاب کھود ڈالے۔ یعنی اس کی بنیاد کی مٹی سیلاب سے کہیں دُور چلی جائے الھاری بمعنے المتصدع یعنی گرنے کے قریب ہونے والا۔ مثلاً کہا جاتا ہے ھار الجرف، یھور بروزن یقول یا یہیر بروزن یبیع اس کا مضارع آتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے پیچھے سے پھٹ جائے اور ھاری ھائر کا مقلوب ہے لام کلمہ عین کلمہ کی جگہ پر رکھا گیا ہے جیسے شاك میں کیا گیا ہے کہ وُہ دراصل شائكٌ تھا۔ یعنی ھاری بروزن قاضی فاعل کی طرح ہوگیا۔ ابوالبقاءؒ نے فرمایا کہ ھَارٍ دراصل ھاوِرٌ یا ھایِرٌ تھا۔ پھر قلب مکانی سے ھارِوٌ ہُوا اس کے بعد ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ یاء سے تبدیل ہو کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ اس اعتبار پر قلب مکانی کے بعد اس کا وزن فالع اور یاء کے گر جانے کے بعد اس کا قال ہوگا۔ عین کلمہ اس کا واؤ ہے یا یاء۔ مثلاً کہا جاتا ہے تھود البناء و تہیر۔

فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ط پس وہ نارِ جہنم میں گرا۔

اہلِ لغت کہتے ہیں ھار البناء ھدمہ فانھار ۔ الانہیار سے مشتق ہے بمعنے بہیدہ شدن ۔ (کذا فی تاج المصادر)، فانہار کا فاعل ضمیر ہے جو البنیان کی طرف لوٹتی ہے و بہٖ کی تفسیر موسس کی طرف ہے۔ یعنی جس نے مسجد کی بنیاد رکھی ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ مسجد گری اور اپنے بنانے والے کو جہنم میں لے کر گری۔

ف : حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی تو اس سے آگ کا ایک دُھواں نکلتا رہا ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی ۔ اس سے جو دھواں نکلتا تھا اسے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ بنیاد جو پانی کے کنارے پر کھودی جائے تو اس کے گرنے میں کون سا شک ہے ۔ اسی طرح جو مسجد منافقین نے اختلافات بڑھانے کی نیت پر بنائی تو اُسے بھی یقین سے سمجھو کہ وہ برلبِ جہنم ہے ۔ اور گرنے پر سیدھی جہنم میں (مع اپنے تعمیر کنندگاں) جائے گی۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔ یعنی وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یا ظٰلمین سے وُہ لوگ مراد ہیں جو اشیاء کو اپنے اصلی محل پر نہیں چھوڑتے ۔ تو اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو اُن امور کی طرف رہبری نہیں کرتا جو انھیں نجات کی راہ دکھائیں ، یا اس کی اصلاح ہو سکے ۔ ویسے تو رشد و ہدایت کی راہیں ہر وقت صاف صاف کھلی ہیں اور اگر وُہ چاہیں اور جب بھی چاہیں اُن پر چلیں لیکن ان کا ان سیدھی راہوں کی طرف رجوع ہی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

حقیقی ظُلم تو یہ ہے کہ عبادت و محبت و طلبِ حق کے بجائے دُنیا کی عبادت و محبت اور اس کی طلب میں زندگی بسر کی جاتے ۔

تفسیر عالمانہ

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا بنیان مصدر بمعنی مفعول ہے اس لیے اسم موصول بصلۂ فعل مل کر اس کی صفت بنائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی مسجد کی بناء اتعمیر نہایت کمزور اور بالکل ضعیف اور قطعاً ناکارہ ہے کہ چند روز کے بعد کھوکھلی ہو کر خود بخود منہدم ہو جائے گی ۔ پھر اس میں حکم کی علت بھی بتائی گئی ہے ۔ یعنی ان کی مسجد کی بنیاد ہمیشہ رہی رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں اور دین میں شک شبہ کا سبب گویا اُن کے دل اور دین عین شک بن گئے۔

ف : مسجد کی بناء کا حال بتا کر منافقین کے طور طریقوں کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کرتے اس مسجد میں بیٹھ کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے حیلے اور مکر و فریب اور دھوکے سازیاں سوچتے اور اپنے شرک و کفر کی باتیں کھل کر کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے آیندہ اپنا لائحہ عمل اسی مسجد میں تیار کرتے اور مجلس شوریٰ اسی مسجد میں منعقد کرتے اور مسلمانوں سے جتنے اسرار و رموز سُن کر آتے اس جگہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں

کرتے۔ اس طرح سے انہیں دین اسلام کے متعلق شک وشبہ کا اضافہ ہوتا۔ یا اس سے مسجد کی اپنی حالت کا بیان ہے کہ جب اُن کے دل میں شر وفساد راسخ ہو گیا تو مسجد ضرار کے آثار واحکام میں اضافہ ہُوا کہ بالآخر اس کے گرانے کا حکمِ ربانی صادر ہُوا اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ از باب تفعل دراصل تتقطع (بالتائین) تھا۔ ایک تا دگرا دی بمعنے اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ مگر یہ کہ کٹ جائیں اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ان کے اجزاء ایسے بکھر گئے ہیں کہ اب ان میں شے کے ادراک اور ان میں اُس کے رہنے کی اہلیت وصلاحیت نہیں رہی۔ یہ اعم الاحوال یا اعم الاوقات سے استثنأ ہے یا محلاً منصوب علی الظرفیہ ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

لا یزال بنیا نھم ریبۃ فی کل وقت من الاوقات او فی کلِ حال من الاحوال الاوقت تقطع قلو بھم۔

یعنی بظاہر اگرچہ اُن کے دل صحیح سالم ہیں لیکن شک وشبہ سے لبریز ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرتے دم تک دینِ اسلام کے متعلق اُن کے دلوں سے شک وشبہ نہیں جائے گا۔

ف: یہاں پہ حقیقی معنیٰ بھی مراد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اُن کے دل ظاہری طور پر جنگوں میں ٹکڑے ہُوئے یا مرنے کے بعد قبر میں اُن کے دل گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یا جب انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا تو جہنم کی آگ سے ان کے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ منافقین نے مسجد کیوں بنائی اور کس غرض پر اس کی بنیاد کھڑی کی حَکِیْمٌ ع اپنے ہر حکم اور ہر امر میں حکمت رکھتا ہے۔ مسجد ضرار کو گرا دینے اور ان کی منافقت کو ظاہر کر دینے میں حکمتیں تھیں جنھیں باری تعالیٰ خود ہی جانتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

مذکورہ بالا دونوں آیات میں چند ارشادات ہیں:

(۱) باب اعمال میں عقاید بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے دیوار بنیاد کے سوا محکم نہیں سمجھی جاتی ایسے ہی عقاید کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اعتقاد کی صحت ہی اعمال صالح کا باعث ہے اس لیے کہ اعتقاد صحیح ہی تقرب الٰہی کا موجب بنتا ہے اعتقاد سے ہی امرِ الٰہی کو معظم سمجھا جا سکتا ہے اس کی برکت سے ہی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس کی نقیض منافقت ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کے قرب سے انسان محروم ہو کر مخلوق کی خوشنودی کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر عمل خیر کو نفع آخرت کے ارادہ پر کرے۔ اس کی نقیض ریأ ہے اور اس سے ہی بندہ حصولِ دُنیا کی غرض سے نیک عمل کرتا ہے خواہ وہ نیک عمل مخلوق سے متعلق ہو یا خالق سے۔ اس لیے کہ ریاء کا تعلق مراد سے ہوتا ہے نہ مراد منہ سے۔

سبق: عاقل وُہ ہے جو اپنے دین کی بنیاد اعتقاد صحیح اور اخلاص اور تقویٰ پر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا

دین اس درخت کی مانند ہو جائے جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان پر ہوں۔

(۲) منافقین نے ظاہری طور تو مسجد اس لیے بنائی کہ اس میں نماز پڑھی جائے لیکن درحقیقت انہوں نے اپنے اقوال کی گندگی اور غلاظت کا مرکز تیار کیا اس لیے وہ اس لائق تھی کہ اسے گرانے اور مٹانے کے بعد اس میں گندگی پھینکی جائے۔ چند روز تو منافقین نے اس مسجد سے فائدہ اٹھایا لیکن بعد ازاں جہنم کے گڑھے میں ڈالے گئے۔ کما قال تعالیٰ "ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جہنم" بے شک اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار کو جہنم میں جمع کرے گا۔

رُوحانی نسخہ جیسے اُن کی گندگی اور غلاظت بھری مجلس میں بیٹھنے والے کا دل بدبختی سے لبریز ہو جاتا ہے ایسے ہی صدیقین اور عارفین کی مجلس میں بیٹھنے والے کا دل پاک صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے بلکہ اسکی پاکیزہ مجلسوں کا خاصہ ہے کہ گندے دلوں کو پُر نور اور صاف وشفاف بنا دیں۔

حدیث شریف : سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انھم لقوم لا یشقی جلیسھم۔ وہ حضرات ایسے ہیں جن کا صحبت یافتہ بدبخت نہیں ہو سکتا۔

ف : صحبت یافتہ سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ملفوظات دِل سے سُننا ہے یا محبت وعقیدت سے ان کے ساتھ نشست وبرخاست رکھنا ہے اس لیے کہ ملفوظات سُننا اور اُن سے عقیدت کی بنا پر نشست وبرخاست رکھنا ان سے محبت کی دلیل ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المرء من احب۔ قیامت میں ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔

نکتہ : صوفیہ کرام فرماتے ہیں ارشادِ نبوی میں ایک نکتہ ہے وُہ یہ کہ بندہ دُنیا میں اپنے محبوب کی طاعت میں زندگی بسر کرتا ہے اور آخرت میں اپنے محبوب کے قرب اور اس کے مشاہدہ سے نوازا جائے گا۔

(۳) منافقین نے مسجد کی تیاری میں اندرونی طور فریب ومکر اور مسلمانوں سے نقصان دہی کا عزم کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت کی پروا نہ کی۔ اس لیے جب انہوں نے مسجد ضرار بنائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا، جس سے منافقین کو سخت فضیحت اور ذلّت وخواری حاصل ہوئی۔ ؎

مکر حق سرچشمۂ ایں مکرہا ست
قلب بین اصبعین کبریا ست
آنکہ سازد در دلت مکر و قیاس
آتشے داند زدن اندر پلاس

(۴) جس کی بدبختی ازلی اور اصلی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش پر گمراہی پاتا ہے بلکہ اس کے ہر غیظ وغضب

نشانہ بنتا رہتا ہے اور اس سے ہر امرِ الٰہی پر انکار ہی انکار صادر ہوتا ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو دُنیا کی ذلت اور رسوائی تو سر پر اٹھا لیتا ہے لیکن آخرت کی سُرخروئی کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے اس لیے کہ دنیا کی ذلت و خواری تو چند روزہ ہے جسے سر پر رکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں بخلاف آخرت کی ذلت و خواری کے جسے سر پر رکھنا آسان نہیں ہے۔ ؎

ازیں ہلاک میندیش و باش مردانہ
کہ ایں ہلاک بود موجب خلاص و نجات

(۵) آیت سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے رحمۃ للعلمین ہیں کہ اُمت کو ہمیشہ جہنم کی آگ سے بچانے کی تدبیر میں لگے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسجد ضرار کو منہدم کر کے نیست و نابُود فرمایا۔ کیونکہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد کو نہ گراتے اور اسے اسی حالت میں چھوڑ دیتے تو چند روز کے بعد اہلِ اسلام کے لیے وہی مسجد ایک آفتِ عظیم بن جاتی جو حقیقی طور ایک بہت بڑی آگ تھی۔ یعنی جہنم کے داخل ہونے کا موجب بنتی۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے بیشمار بندگانِ خدا گمراہی میں مبتلا ہو جاتے اور دینی فتنہ کھڑا ہو جاتا جس کی لپیٹ میں اہلِ اسلام آجاتے اور اس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ شر و فساد کبھی نہیں مانتے کہ وہ شر اور فساد پھیلا رہے ہیں[1]۔ پھر جہاں تک ہو سکے ان کی زیادہ سے زیادہ تردید کی جائے اور ان کی عزت و عظمت کو عوام کے سامنے یکسر ختم کر دی جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اُن کو اُن کے گھروں سے نکال کر کہیں دُور بھگا دیا جائے۔ اگر ضروری ہو تو ان کے گھروں اور آبادیوں کو مٹا دیا جائے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے لیے مسافر خانہ تیار کر کے وقف کر دے اور اس میں شرط لگائے کہ زندگی بھر اس پر میرا قبضہ رہے گا تو اُس کی یہ شرط قابلِ قبول ہے اُس کی زندگی تک وہ مسافر خانہ وغیرہ اُس کے قبضہ میں رہے گا لیکن جب اس سے کوئی امر خلافِ شرع صادر ہو تو اسے اس مسافر خانہ سے نکالا جا سکتا ہے اور وہ مسافر خانہ اس کے قبضہ سے چھین لیا جائے مثلاً وہ اس جگہ شراب پینا شروع کر دے یا ایسا عمل کرے جس میں فسق و فجور ہو اور اس سے رضائے الٰہی میں کمی واقع ہوتی ہے اس لیے کہ وقف میں شروط قابلِ قبول ہوتی ہیں لیکن جب اس کے خلاف معاملات صادر ہونے لگیں تو ان شرائط کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ خانقاہ اس کے بانی سے نہیں چھینی جا سکتی لیکن اس کے بانی سے فسق و فجور کا صدور ہو تو پھر وہ اس سے چھینی جا سکتی ہے۔

انتباہ: جب خانقاہ کے بانی کو اُس کے فسق کی وجہ سے خانقاہ سے علیحدہ کر کے اس سے خانقاہ

---

[1] جیسے مرزائی، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی، پرویزی، شیعہ، نیچری وغیرہ۔

چھین لینا جائز ہے تو پھر خانقاہوں میں فاسق اور مبتدع (بدعتی) وغیرہ کیوں ٹھہرائے جاتے ہیں[1]، جیسے حدیدہ فرقہ یعنی وہ لوگ جو عموماً خانقاہوں پر درویش صفت لوہے کے زنجیر وغیرہ یا لوہے کی کڑیاں یا انگشتریاں یا لوہے کے کڑے ہاتھوں، پاؤں، کانوں، گردنوں یا ناک میں لوہے کی نتھلیاں پہن کر ملنگ بنے پھرتے ہیں اور اکثر داڑھیاں منڈاتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی آستانوں، مزارات اور خانقاہوں میں نہیں رہنے دینا چاہیے اس لیے کہ ان ہر دو کے تمام طریقے غلط اور شرع پاک کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ پہلا گروہ یعنی لوہے وغیرہ پہننے والے۔ ان کا لباس شہرت کا لباس ہے اور شہرت کے لباس سے شرع پاک نے منع فرمایا ہے اور دوسرا طبقہ وہ بھی حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن کا عمل انگریزوں کی تقلید میں ہوتا ہے۔ یعنی داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے اور سر کے بال فیشن دار رکھیں یعنی کوئی بڑے کوئی چھوٹے ودیگر اعمال اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر و تبدل پیدا کرنا۔ علاوہ ازیں داڑھی میں عورتوں سے تشبیہ ہوتی ہے فلہذا حرام ہے۔ اسی طرح قلندریہ بھی ایک گروہ ہے وہ عموماً آستانوں، مزارات اور خانقاہوں میں ہوتے ہیں۔ ان کا عمل بھی شریعت مطہرہ کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ جسم کے تمام بال منڈاتے ہیں یہاں تک کہ داڑھی مونچھوں کے ساتھ ابرو وغیرہ بھی چٹ صاف کراتے ہیں۔ انہی کے بارے میں حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

قلندری نہ بریشت دموی یا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ مو بموی ست
گزشتن از سر مو در قلندری سہلست
چو حافظ آنکہ ز سر بگزرد قلندر اوست

ف: یہی حکم تمام بدعت سئیہ کے ارتکاب کرنے والوں کا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی ایک کو حکم دوں کہ وہ مسجد میں نماز پڑھائے اور میں خود لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھوں کہ ان میں نماز با جماعت کون نہیں پڑھتا، تو جماعت میں شامل نہ ہونے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ نماز کی جماعت میں عمداً نہ آنے والوں کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہے اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور حضور ناجائز امر کے لیے ارادہ نہیں فرماتے کیونکہ برائی کا ارادہ بھی برا ہے۔

تنبیہہ: جب سنتِ مؤکدہ کے تارک کے گھر کو جلانا جائز ہے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو فرض و واجب کا تارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے اقوال و افعال سے بچائے۔ (آمین)

---

[1] اسی طرح ہمارے زمانے میں جب دیوبندیوں وہابیوں کا فتویٰ ہے کہ اولیاء کرام کے آستانوں کی آمدنیاں اور اس کے اوقافات کی اشیاء حرام ہیں تو ہماری حکومت انہیں خانقاہوں کے خطباء و ائمہ بلکہ ڈسٹرکٹ خطیب بلکہ وزیر اوقاف تک کیوں بناتی ہے یہ لوگ اس میں گھسنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں!

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں

وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل

وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے

بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ

توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے

الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

رکوع والے سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور

النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ

برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے اور

بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

خوشی سناؤ مسلمانوں کو نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں

يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ

کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ

انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں اور ابراہیم

اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ

کا اپنے باپ کی بخشش چاہتا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدہ سے کے سبب جو اس سے کر

اِيَّاهُ ج فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط اِنَّ

چکا تھا پھر جب ابراہیم کو کھل کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اس سے تنکا توڑ دیا بے شک

اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝١١٤ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ

ابراہیم ضرور بہت آہیں کرنیوالا متحمل ہے اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے

اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے بے شک اللہ

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١١٥ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

سب کچھ جانتا ہے بے شک اللہ ہی کے لیئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی والی اور نہ

نَصِيْرٍ ۝١١٦ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

مددگار بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا

مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ

كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّهٗ

قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بے شک

بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١١٧ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط

وہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ

اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

۱۴ ع ۸ ۲

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى الخ مروی ہے کہ جب انصار نے مکہ معظمہ میں لیلۂ عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس وقت وہ اہلِ مدینہ سے ستر یا چوہتر افراد تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ آپ اپنے رب کے لیے جو چاہیں ہم سے شرائط لگالیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے شرط لگائی کہ تم اس کے ساتھ دوسرے کو شریک نہ ٹھہرانا اور صرف اسی کی عبادت کرنا۔ اور میں نے اپنے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ میری اس طرح حفاظت کرنا جیسے تم اپنے مال و جان کی حفاظت کرتے ہو۔ انصار نے عرض کی اگر آپ کے جملہ شرائط ہم پورے کریں تو ہمیں کیا عطا ہوگا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا: تمہیں بہشت نصیب ہوگی۔ انصار نے کہا: ایسی بیع سے ہمیں بہت نفع ہے ہم اس طرح کی بیع کو نہ توڑیں گے اور نہ ہی اس بیع سے ہٹیں گے۔ ؎

آں بیع را کہ روز اوّل با تو کردہ ایم

اصلا دراں حدیث اقالہ نمیرود

انصار کے اس قول پر یہ آیت نازل ہوئی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اہلِ ایمان میں سے۔ یعنی اللہ تعالےٰ خرید و فروخت منافقین و کفار کے ساتھ نہیں کرتا اس لیے کہ وہ ایسی بیع کے لیے مستعد نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے ساتھ کرتا ہے۔

ف: حضرت حسن نے فرمایا: سُن لو اللہ تعالےٰ نے سُود مند بیع کا اعلان کیا ہے اور وہ بھی ہر مومن سے۔ بخدا ہر مومن جو بھی اس دنیا میں ہے اس بیع کے اعلان میں شامل ہے۔

سوال: یہ تو معاہدہ ہے اسے بیع سے کیسے تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: بیع میں چونکہ جانبین سے معاوضہ دیا جاتا ہے اور اس معاہدہ میں بھی جانبین سے معاوضہ ہے اس مشابہت سے اس معاہدہ کو بیع سے تعبیر کیا گیا۔

ف: ابن الملک مشارق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاوضہ یہ ہے کہ آپ نے ثوابِ آخرت کا وعدہ فرمایا اور اہلِ ایمان کا معاوضہ یہ ہے کہ وہ طاعت پر مداومت کریں۔

اَنْفُسَهُمْ اپنے نفسوں کو جہاد کے لیے تیار رکھیں۔ یہاں پر نفس سے مراد یہی بدن جو مٹی کا ڈھانچہ اور روح مجرد انسانی کے کمالات حاصل کرنے کا آلہ ہے وَ اَمْوَالَهُمْ اور اپنے مال راہِ حق میں لٹائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال اس ڈھانچہ انسانی کی ضروریات کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط جان و مال دینے کا معاوضہ میں انہیں بہشت نصیب ہوگی۔ یعنی وہ مال و جان کے خرچ کرنے پر بہشت کے مستحق ہوں گے اور اس کا جار د مجرور مل کر اشتریٰ کے متعلق ہے۔

ف : یہ باء متروک پر داخل ہے جیسے باء عوض و مقابلہ کا قاعدہ ہے۔

سوال : بالجنۃ کیوں نہ کہا ؟

جواب : تاکہ اس قانون میں مبالغہ ہو کہ انھیں جو کچھ جان و مال کا معاوضہ مل رہا ہے وہ نقد اور صرف انہیں سے مخصوص ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بہشت تمہارے لیئے ثابت ہوگئی اور وہ صرف ہے بھی تمہارے لیے مخصوص۔

سوال : یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنی شئے سے بیع و شرا کی جائے یعنی جو شئے دی جائے وہ بھی اس کی ملکیت ہو اور جو لی جائے وہ بھی اسی کی۔ جب سب کو یقین ہے کہ ہم سب کی جانیں اور ہمارے اموال اسی کے اور بہشت بھی اسی کی۔ پھر اس میں خرید و فروخت کا کیا معنیٰ ؟

جواب : صرف جنگ کے بارے میں ترغیب و تحریص کے طور ایسے کہا گیا ہے کہ ؎

اے بندہ از تو بذل کردن نفس و مال
واز من عطا دادن بہشت بے زوال

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو طاعت بدنیہ و مالیہ کی دعوت میں لُطف و کرم فرمایا ہے اور اُن کے عطیہ جزا پر ترغیب و تحریص فرمائی۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا :

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیگا)

یہاں پر صدقہ کے بجائے قرض کا لانا ترغیب و تحریص کے لیے ہے اس لیے کہ قرض کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کا مال یا نقد دراہم و دنانیر وغیرہ لیے جائیں اسی کے مثل واپس ادا کیے جائیں لیکن اللہ تعالےٰ سے اس جیسا واپس کرنا کیسا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے یہاں پر اپنے بندوں سے مال و جان طلب فرما کر اُن پر غیر مالکانہ حیثیت سے معاملہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر اشتریٰ فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان کے مال و جان کو قبول فرمالیا ہے اور ان کے عوض میں انھیں بہشت عطا فرمائی ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو مشتری اور اہل ایمان کو بائع اور ان کے مال و جان کو مبیع اور بہشت کو ثمن سے تعبیر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ عقد بیع میں عمدہ اور اصل مبیع ہوتی ہے اور ثمن وسیلہ اور ذریعہ۔

نکتہ : اس سے ثابت ہُوا کہ انسان کا جان و مال راہِ حق میں خرچ کرنا اصل ہے اور بہشت کا حصول صرف ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہوتا : ان اللہ باع الجنۃ من المؤمنین بانفسھم و اموالھم۔

جواب : اس عبارت میں بہشت اصل اور مقصد حقیقی بن جاتی اور بذل مال وجان اس کا وسیلہ و ذریعہ، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کی عزت افزائی ہو، اور وہ اس صورت میں ہے کہ انسان کا بذل مال وجان مقصد اصلی ہو اور حصولِ جنّت آلہ وسیلہ۔

نکتہ از حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے ابنِ آدم! اپنے نفس کی قدر و منزلت کی قدر شناسی سے غافل نہ ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے نفس کو وہ عزّت بخشی کہ اس کا ثمن سوائے بہشت کے اور کسی شے کو نہ بنایا اور نہ ہی جنّت کے سوا کسی دوسری شے کو اس قابل بنایا کہ وہ ابنِ آدم کے نفس کا عوض بن سکے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

خویش را نشناخت مسکیں آدمی
از فزونی آمد و شد در کمی

کاشفی نے کہا کہ نفس شرار و شور کا مجموعہ ہے اور مال سرکشی اور گمراہی کا سبب۔ ان دونوں گندگی والوں کو

اعجوبہ اپنے سے ہٹا کر بہشت حاصل کیجئے جو بہترین باغات و دیگر عیش و عشرت کا مجموعہ ہے۔ ؎

سنگ بیند از و گہر می ستاں
خاک و زمیں می دہ و زر می ستاں
در عوض فانی خوار و حقیر
نعمت پاکیزۂ باقی بگیر

حکایت تفسیر کبیر میں منقول ہے کہ قیامت میں شیطان یہی آیت سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ سے احتجاج کرتا ہوا مسئلہ شرعیہ پیش کرے گا کہ بائع سے جب مشتری عیب دار مال خریدتا ہے تو عیب دار مال کو واپس کر دیتا ہے۔ اے الٰہ العٰلمین! تُو نے اپنے بندوں سے ان کے نفس اور مال خریدے ہیں اور وہ ہر طرح عیب دار اور تیری شان کے لائق نہیں اس لیے کہ میں بھی گندا اور وُہ بھی عیب والے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کو فرمائے گا : اے بدبخت! تو شرعی مسئلہ سے بھی ناواقف ہے اور نہ ہی تو میرے فضل وعدل کو جانتا ہے۔ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ جس پر تمام اہلِ مذاہب متفق تھے کہ مشتری بائع سے عیب دار شے اپنی مہربانی سے لے تو کوئی حرج نہیں، وہ بیع ہو جاتی ہے۔ میرے بندوں کے نفس و مال اگرچہ گندے ہیں۔ لیکن چونکہ میں نے اپنے فضل و کرم سے خرید

لیے ہیں بنا بریں اب بیع توڑی بھی نہیں جا سکتی۔ اس سے شیطان شرمندہ ہو کر ذلیل و خوار ہو کر درگاہِ حق سے خارج ہو گا۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

کالۂ کہ ہیچ خلقش ننگرد
از خلاق آنکریم آنرا خرد
ہیچ قلب پیش حق مردود نیست
زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

ف : اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خریدا ہے باوجود ہمارے بے شمار عیوب کے۔ لیکن اس نے اپنے کرم سے ہمیں قبول فرما لیا ہے۔ اب ہمیں اس کے فضل و کرم پر امید ہے کہ وہ ہمیں اپنی درگاہ سے ردّ نہیں کرے گا۔

نفحات الانس میں حضرت ابو ذر بوزجانی سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ : ؎

تو بعلم ازل مرا دیدی
دیدی آنکہ بعیب نخریدی
تو بعلم آں من بعیب ہماں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

یُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ جملہ مستانفہ ہے اور مذکورہ بالا بیع و شراء کا بیان اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ وہ لوگ جنت کے بدلے کس طرح اپنے مال و جان کو خرچ کرتے اس کا جواب ملا کہ راہِ حق اور محض رضائے الٰہی پر جان و مال نثار کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا پر اپنی جان و مال لٹا دیتے ہیں۔

ف : حدادی نے فرمایا : اس میں ان کی خرید و فروخت کی غرض و غایت بتائی گئی ہے کہ وہ اگر دشمنانِ خدا سے لڑتے ہیں تو محض رضائے حق کے لیے اور بس۔

تحقیقِ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں یا کیونکہ۔ اکثر اشاعرہ کا مذہب ہے کہ افعالِ الٰہی کسی غرض پر معلل نہیں لیکن بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ افعال اللہ اغراض سے معلل ہوتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو غرض و غایت کے بغیر ہو وہ عبث کہلاتا ہے اور فعل عبث حکیم ازلی سے محال ہے۔ اس کی مزید تحقیق اور جانبین کے دلائل دیگر تفاسیر میں ہیں۔ (تفسیر اویسی میں فقیر نے لبسط سے لکھا ہے)

ف : اگر اس مسئلہ کی بحث کسی ضخیم تفسیر میں دیکھنا مطلوب ہو تو آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے تحت دیکھیے۔

فَیَقْتُلُوْنَ پس گا ہے وہ لوگ دشمنانِ اسلام کو قتل کرتے ہیں تو وہ غازی کہلاتے ہیں اُن کے لیے بھی جنت ہے اگرچہ شہادت کے بغیر فوت ہوں۔ وَیُقْتَلُوْنَ اور گا ہے شہید کیے جاتے ہیں۔ یعنی کفار انھیں مار ڈالتے ہیں تو وہ شہدا کہلاتے ہیں ان کو بھی جنت نصیب ہو گی۔

ف : اس میں جان کو راہِ حق پہ لٹانے کا بیان ہے کہ جو بندہ دشمنِ اسلام سے لڑ کر مرتا ہے تو وہ راہ حق میں اپنی جان خرچ کر دیتا ہے تب بھی غازی بن کر کفار کو مار کر جان بچا لیتا ہے اور اُلٹا اُن سے مال بھی لوٹتا ہے تب بھی راہِ حق میں جان خرچ کرنے والا سمجھا جائے گا اس لیے کہ اس نے وہ کر دکھائی جو کرنی لشکر کی ہے۔ لیکن قدرت نے جان بچا دی اور مالِ غنیمت بھی عطا فرمایا۔

سوال : شہید کا راہِ حق میں جان دے کر خرچ کرنے کا معنیٰ تو واضح ہے لیکن غازی کو بھی اس زُمرہ میں شامل کرنے کا مطلب واضح نہیں، اسے واضح کیجئے۔

جواب : دونوں فعلوں کا اسناد اس شرط پہ نہیں کہ دونوں میں ایک صفت سے موصوف ہونا لازمی ہو یعنی خرید د فروختِ الٰہی کے مضمون میں نہ یہ شرط ہے کہ جان و مال ہر دو خرچ کیے جائیں اور نہ ہی ان میں سے ایک کا نہ ہونا لازمی ، بلکہ اس میں تو یہ حکم ہے کہ بندہ ان دونوں کے کسی ایک حال سے موصوف ہو جائے۔ اس تقریر کے بعد اب واضح ہو گیا کہ بندہ جہاد میں شامل ہو گیا ہے۔ پھر وُہ اپنی جانی قربانی پیش کر چکا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی جان قدرتی طور پر بچ گئی ہے ورنہ وُہ تو راہِ خدا میں اپنی جان سپردِ خدا کر چکا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کسی بندۂ خدا کو ہر دو افعال یعنی جان و مال راہِ حق میں لٹانے کا موقعہ نصیب ہے تو سبحان اللہ اور اگر ان میں سے ایک پر عمل کیا تو بھی اسے اسی طرح ان دونوں کا کوئی حصہ نصیب ہو۔ تو بھی خرید و فروخت کا معاملہ اس سے متحقق سمجھا جائے گا۔ ان دونوں افعال کا بالکلیہ صدور ہو یا نہ۔ مثلاً ایک بندہ جنگ میں خُوب لڑا۔ کافروں کو مارا اور مار کھائی لیکن شہادت تک نوبت نہیں پہنچی اور نہ ہی کوئی کافر اس کے ہاتھوں مرا۔ اسی طرح ہر وہ بندۂ خدا جو جنگ میں شمولیت کے لیے عزم کر کے مجاہدین کے ساتھ جہاد کو روانہ ہُو کر میدان میں گیا۔ لیکن کسی کافر سے مرنے کا موقعہ میسر نہیں ہوا تو بھی ہم اسے اس خرید و فروخت کرنے والوں کے زمرہ میں مانیں گے۔ اس لیے کہ اس کا قصد اور عزم بالجزم پھر مجاہدین کی جماعت کی شمولیت اُن کے ساتھ اجر و ثواب سے محرومی کا سبب نہیں بلکہ اسے اجر و ثواب ضرور نصیب ہو گا۔

مسئلہ : قاتل ہونے یا مقتول ہونے کی حالت کی تقدیم میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا کہ کہا جائے کہ جو قاتل ہونے کی حیثیت میں اسبق ہو وُہ مقتول ہونے کی حیثیت سے افضل یا مفضول ہے اس کا کوئی فرق نہیں اس لیے جب نفس کو

راہِ حق میں لٹانے کے لیے حاضر ہو گیا ہے تو اب قابلیت نصیب ہو یا مقبولیت اسے اس سے اب کوئی غرض نہیں۔
ف: بعض قرأۃ میں صیغۂ مجہول پہلے ہے اور صیغۂ معلوم بعد کو اس لیے کہ مومن کا مقصدِ اوّلیں شہادت ہے اور وہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں صیغۂ مجہول کو مقدم رکھا جائے تاکہ دنیا کو معلوم ہو کر مومن موت کو کچھ نہیں سمجھتا بلکہ وہ اسی جدوجہد میں رہتا ہے کہ کسی طرح اسے فی سبیل اللہ والی موت نصیب ہو بلکہ یوں سمجھا جائے کہ موت ہی اس کا محبوب مشغلہ ہے اور حیاتِ مستعار کا طالب نہیں بلکہ وہ مرنے کو ترجیح دیتا ہے جبکہ بیع اپنے قبضہ میں لیتا ہے چونکہ بندہ اپنی جان دے کر اپنے مالکِ حقیقی سے بہشت حاصل کرے گا اس لیے وہ اس وقت ہو سکتا ہے جب وُہ شہید ہو کر جان جانِ آفریں کے سپرد کرے۔ اصمعی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے لکھا: ؎

اثا من بالنفس النفیسۃ ربّھا — ولیس فی الخلق کلھو ثمن
بھا تشتری الجنات ان انا یعھا — بشئ سواھا ان ذلکمو غبن
اذا ذھبت نفسی بشئ رصیعۃ — فقد ذھب الدنیا وقد ذھب الثمن

ترجمہ: کیا تم اپنے نفس نفیسہ اللہ تعالےٰ کے ہاں بیچتے ہو۔ یہ صحیح ہے کہ تمام مخلوق کے پاس اس کا ثمن نہیں، نفس دے کر اگر بہشت خریدی جاتی ہے تو میں اسے خریدتا ہوں۔ اگر نفس دینے سے بہشت مل جائے تو سستا سودا ہے۔ اگر میں نفس کو کسی دنیوی غرض پر خرچ کر دوں تو پھر سمجھوں گا میرے ہاتھ سے دُنیا بھی گئی اور ثمن بھی۔

ابو علی کوفی نے بھی لکھا: ؎

من یشتری قبۃ فی عدن عالیۃ — فی ظل طوبیٰ رفیعات مبانیھا
دلا لھا المصطفیٰ واللہ بائعھا — فمن اراد وجبریل منادیھا

ترجمہ: جنۃ عدن کے بلند و بالا محلات کیلئے کون ہے جو اس کی عمارت خرید لے وُہ بنگلہ طوبیٰ کے سایہ تلے ہے اور اس کی بلندی اور موزونیت کا کیا کہنا۔ بہشت کے بنگلوں کا بیچنے والا اللہ کریم ہے۔ لیکن ملیں گے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں۔ اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہشت دینے کے مجاز ہیں اور اس کا اعلان حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہے۔

تفسیر صوفیانہ جو مال و جان جنّت کی طلب میں خرچ کرتا ہے اسے بہشت ضرور نصیب ہو گی اور اس کے اس جہاد کا نام جہادِ اصغر ہے اور جو اپنی رُوح و قلب کو طلبِ حق میں صرف کرتا ہے تو اُسے ربِ کریم کا وصال نصیب ہو گا ایسے شخص کے جہاد کو جہادِ اکبر کہتے ہیں اس لیے کہ تصفیہ قلب اور بُرے اخلاق و عادات کو نیک خصال بنانا بہت زیادہ تکلیف دہ ہے بہ نسبت دشمنانِ خدا کے ساتھ ظاہری جنگ کرنے کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتل دو قسم ہے:

اعدائے اسلام کو قتل کرنا ———— اور یہ ظاہری دشمن ہے۔
باطنی دشمن کو مارنا ———— اور وہ نفس اور اس کی خواہشات ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَعْدًا یہ مصدر مؤکد ہے اس معنیٰ کا کہ جان و مال خرچ کرنے کے بعد ثمن نصیب ہوگا۔ اس لیے کہ ثمن بہشت ہے اور اس کا دنیا میں ہونا محال ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وَعْدًا سابق جملہ کے مضمون سے منصوب ہے۔

ف: سعدی مفتی چلپی مرحوم نے فرمایا کہ اس عبارت کا دراصل معنیٰ یُوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد فی سبیل اللہ پر بہشت کا وعدہ بخشا ہے۔

عَلَيْهِ یہ حَقًّا سے حال ہے، اس لیے کہ اگر عَلَيْهِ کو حَقًّا کے بعد لایا جائے تو بقاعدہ نحو یہ حَقًّا موصوف اور عَلَيْهِ اُس کی صفت ہوگی۔ اور اسے صفت بنانا مطلوب نہیں بلکہ حال بنانا مقصود ہے۔ اس لیے کہ دراصل معنیٰ یہ یوں ہے کہ وَعْدًا حَقًّا ای ثابتا مستقرًا علیه تعالیٰ۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے وہ حق ہے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر وہ وعدہ ثابت و مستقر ہے۔ کاشفی نے بھی یُوں ہی ترجمہ کیا ہے کہ:

حقاً ثابت و باقی کہ خلاف نیست دراں۔

یعنی وہ حق ثابت ہے اور باقی ہے اور اس کا خلاف نہیں ہوسکتا۔

فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جو کہ وعدًا کی صفت ہے یعنی وہ وعدہ مذکور اور مثبت ہے۔ تورات و انجیل میں جیسے قرآن میں مذکور اور مثبت ہے۔

خلاصہ یہ کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بہشت کا وعدہ، جیسے قرآن میں مذکور ہے ایسے ہی تورات و انجیل میں بھی مذکور اور مثبت ہے۔

ف: فی التوراۃ الخ کو اشتری سے متعلق کرنا بھی جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جیسے اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بہشت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ایسے ہی تورات و انجیل والے بھی جہاد کے لیے مامور من اللہ تھے اور ان کے ساتھ بھی بہشت کا وعدہ تھا۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ یہ استفہام انکاری اور اَوْفٰی صیغہ افعل التفصیل ہے اور مِنَ اللّٰه اَوْفٰی کا صلہ ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ جیسا ایفائے عہد پر پُورا اترنے والا اور کون ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اسے ایفائے عہد پہ ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے بخلاف مخلوق کے کہ وہ ایفائے عہد پر قدرت نہیں رکھتی اور عاجز محض ہے۔ جب تک کہ توفیق ایزدی نصیب نہ ہو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فَاسْتَبْشِرُوْا استبشار سے مشتق ہے بمعنے اظہار السرور۔ یہ سین استوقد کے سین کی طرح طلب کے لیے

نہیں محض تاکید کے لیے ہے یعنی جیسے استوقد بمعنی اوقد ہے۔ ایسے ہی استبشروا بمعنے البشروا ہے اور یہ
فا، ترتیب کے لیے ہے یعنی استبشار کا ترتب ما قبل پر ہے۔ اب معنےٰ یہ ہُوا کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدہ
ایفائے عہد کا یقین ہے تو تم زیادہ سے زیادہ خوشی مناؤ اور بہت بڑی خوشی کا اظہار کرو کہ تمہیں اللہ تعالےٰ بہشت سے
ضرور نوازے گا۔ بِبَيْعِكُمُ اپنی خرید و فروخت سے۔

سوال: انہیں بہشت کے پہنچنے سے پہلے اظہارِ مسرت کیوں، بلکہ یہ تو اس وقت ہو سکتا ہے جب بہشت میں پہنچنا
نصیب ہو۔

جواب: اس میں جہاد کی ترغیب مطلوب ہے جسے لفظ بیع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: لفظ شراء کے بجائے لفظ عقد کیوں نہ کہا حالانکہ ایسے مواقع پر لفظ عقد زیادہ موزوں رہتا ہے۔

جواب: چونکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور اس سے ترغیب جہاد مطلوب ہے اور وہ اس صورت میں
ہو سکتا تھا جیسے ہوا۔ اگر بندوں کی طرف سے یہ صورت ہوتی تو پھر اس عقد سے تعبیر کرنا موزوں ہوتا۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے بندگانِ خدا! تم اپنی بیع میں جتنا بھی خوشی کا اظہار کرو تھوڑا ہے
اس لیے کہ تمہارے نفوس کا خریدار خود اللہ تعالےٰ ہے اور نفوس کے بدلے بھی بہشت عطا فرمائے گا۔ اس اعتبار سے
تمہاری خوشی قابلِ رشک ہے کہ نہ ایسا خریدار کسی کو نصیب نہ ایسا ثمن بیش قیمت کسی کی قسمت میں لکھا ہے۔

الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ جس سے تم نے بیع کی ہے۔ یہ بیع کی تقریر اور اس معنے کو واضح کرنے کے لیے لایا
گیا ہے کہ یہ بیعت انوکھی ہے جس کے ساتھ کسی اور بیع کو مناسبت ہی نہیں اس لیے کہ اس میں فانی شے دے کر
باقی کو حاصل کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں دونوں یعنی مبیع و ثمن اللہ تعالےٰ کی اپنی ملکیت کے باوجود اپنے فضل و کرم سے
تمہیں اپنی بہشت کا مالک بنا رہا ہے۔

وَ ذٰلِكَ یہ اشارہ بہشت کی طرف ہے جو کہ جان و مال کا عوض یعنی ثمن بنے گی هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝ وہ بہت بڑی
کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بڑی کامیابی نہیں ہو سکتی۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ اس سے نجات عظیم اور بہت بڑا اجر و ثواب مراد ہے اور اسے عظیم کامیابی اس لیے کہا گیا ہے
کہ فانی کے بدلے باقی شے نصیب ہوئی ہے کیونکہ نفس و مال فانی اور بہشت باقی ہے۔

ف: تمام مخلوق اللہ تعالےٰ کی ملک اور اس کی عبادت گزار ہے وہ اپنی ملک اور اپنے بندوں میں جس طرح کا تصرف چاہے
کرے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کی جُرأت نہیں البتہ بندوں سے وہ باز پرس فرما سکتا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں کہا
جا سکتا کہ اس نے اس فعل کا ارادہ کیوں کیا یا یہ کیوں فرماتا ہے کہ فلاں کام نہیں ہوگا باوجود اینہمہ اس نے اپنے بندوں سے
فرمایا کہ میں تم سے مال و جان خرید کر اس کے عوض میں بہشت عطا کرتا ہوں۔ یہ اس کی کرم نوازی اور لطف و عنایت ہے

اور بس۔

ف : ہر ایک کی زندگی کا وقت مقرر ہے اور ہر ایک کا رزق اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے جسے اللہ تعالےٰ جانتا ہے ایسے نہیں کہ جسے جو کچھ نہیں ملنا ہے تو وہ اسے ملے اور موت کا تیر ہر ایک کو لازماً پہنچے گا۔ اس لیے کہ ہر جی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جس کے لیے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ضرور ملے گا۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ تلوار کے سایہ تلے بہشت ہے پھر شراباً طہورا کے پیالے بھر بھر پلائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنی تقدیر میں لکھا ہے کہ جس مجاہد کے قدم جہاد کے گرد وغبار سے آلودہ ہوئے اس پر جہنم کی آتش حرام ہے۔ اور یہ بھی اس کا فرمان ہے کہ جو راہِ حق میں صرف ایک دینار خرچ کرتا ہے اسے سات سو دینار کا ثواب ملے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے سو ہزار دینار کا ثواب عطا ہوگا۔

شہید کے فضائل

۱۔ شہدا کے لیے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم پر واجب ہے کہ انھیں مرنے کے بعد زندہ فرمائے۔
۲۔ شہدا کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے اندرونی حصہ میں رکھی جاتی ہیں۔ پھر وہ بہشت کے جس حصہ میں رہنا چاہیں انھیں عام اجازت ہوتی ہے۔

۳۔ شہید کے تمام صغیرہ وکبیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

۴۔ وہ اپنے گھرانے کے ستر افراد کی شفاعت کر کے بلا حساب وکتاب انھیں بہشت میں لے جائے گا۔

۵۔ وہ قیامت میں ہر بڑی سے بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا۔

۶۔ نہ اُسے موت کی تلخی سے تکلیف ہوگی نہ آخرت کے خطرات سے ڈر۔

۷۔ شہید ہوتے وقت اسے قتل ہونے کا خس برابر بھی درد کا احساس نہیں ہوگا۔

جہاد کے فضائل

۱۔ جہاد میں کھا پی کر نیند کے مزے اڑانے والا عام روزے دار اور شب بیدار سے افضل ہے۔

۲۔ جو راہِ حق میں جہاد کے متعلقات کی نگرانی کرتا ہے اس کی آنکھ جہنم کی آگ کو نہیں دیکھے گی۔

۳۔ جہاد کے لیے تیار رہنے والے کے اعمال تاقیامِ قیامت لکھے جائیں گے۔

۴۔ باقی ایام کی ہزار دنوں کی عبادت جہاد میں ایک دن گزارنے کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۵۔ مجاہد کا رزق بھی شہید کی طرح غیر منقطع ہے۔

۶۔ جہاد میں صرف ایک دن کی رہائش کے لیے کچھ تیار کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

۷۔ مجاہد کو قبر کا عذاب اور اس کی ہولناک باتوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

۸۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجاہد کی نہایت تعظیم وتکریم فرمائے گا۔ وغیرہ وغیرہ

سبق : جب جہاد و شہادت کے اتنے بڑے بڑے اور بہت ہی فضائل و مراتب ہیں تو سمجھدار اس بڑی نعمت و عظمت کو حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ وُہ اپنی زندگی اس کے حصول میں بسر کرتا ہے اور ہر وقت جہاد کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس تصور میں رہتا ہے کہ وہ کون سا وقت ہوگا کہ میں دشمن کا پیچھا کر رہا ہوں گا۔ وہ رات دن لشکر جہاد میں شمولیت کے لیے چشم براہ رہتا ہے اور اپنی آمدنی کا وافر حصہ جہاد کے لیے محفوظ رکھ لیتا ہے بلکہ وُہ راہِ حق میں اپنے اموال لٹاتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی جان و مال جانِ آفریں کو سپرد کروں اور وُہ گھڑی نصیب ہوگی کہ ہے پا پیادہ لڑوں اور کبھی سوار ہو کر اور دشمنانِ اسلام پر جب مجاہدین ہلّہ بولیں تو میں اُن کی صف میں شریکِ کار ہوں۔ یہاں تک کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا جھنڈا لہراتا نظر آئے یا یہ کہ اعدائے اسلام جزیہ دے کر اسلام کے تابع فرمان ہو کر زندگی گزاریں یا پھر ان کی گردنیں مار دی جائیں اور ان کی کھوپریاں پاؤں تلے روندی جائیں۔ قاعدہ ہے کہ دشمنوں کا لشکر کتنا ہی بڑا ہو وہ بالآخر شکست ہی کھاتا ہے اگرچہ لاتعداد اور اَن گنت ہی کیوں نہ ہو۔

ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ جب وُہ اہلِ اسلام کے مقابلہ میں آتے تو بالآخر پیٹھ دکھا کر بھاگتے۔ اپنے آپ کو چاہے وہ نہایت باشعور، ذہین و فہیم کہلاتے ہوں لیکن اہلِ اسلام کے مقابلے میں ان کی سب کی سب تدابیر اکارت اور وہ خود کمزور و لاچار ہوتے ہیں۔ وہ بیشک اپنے منہ میاں مٹھو بنتے پھریں مگر بوقتِ تقابل کوڑی کے برابر بھی نہیں نکلتے اور بحمدہٖ تعالےٰ اہلِ حق کے عزایم بڑے بلند ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید شاہد ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں کی جان ٹھکانے لگا سکتا ہے اس لیے میراث میں مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہوتا ہے یعنی کافر بمنزلہ مونث کے اور مومن بمنزلہ مرد کے ہوتا ہے۔

سبق : ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی ان کی صحبت بابرکت سے فیضیابی کی جدّ و جہد کریں۔ پیدل چلنا پڑے یا سوار ہو کر، ہمیں اپنے غمزدہ کو آلام و مصائب سے نجات دلانے کی سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔ اور ہمیں چاہیے کہ اپنی محبوب ترین چیز کو بھی ان پر نچھاور کر دیں اور دشمن کے معاونین کو نہس نہس کر دیں۔ دشمن کے نیزوں کا جواب نیزوں سے اور تلواروں کا جواب تلواروں سے دیں یہاں تک کہ ان کا نام و نشان تک مٹ جائے۔ یہی نہیں بلکہ کفر و شرک کے علاوہ ہر چھوٹی بڑی بُرائی کا خاتمہ کر دیں، بعدہٗ ہمارے لیے بہشت کے دروازے وا ہوں گے۔ بہشت کی ہر نعمت ہمارے لیے ارزاں ہوگی۔ اور شرابًا طہورا کے لبریز پیالے پئیں گے اور حُورِ عین جن کی تعریف قرآن مجید نے عربًا اترابا سے کی ہے کے ساتھ ہماری شادیاں ہوں گی۔ یہ خوشخبریاں اور نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے دشمنانِ اسلام کی ہر قوت اور گھمنڈ کو توڑا اور اپنی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑائیں اور اپنی حیاتِ مستعار کو لاشئے سمجھا اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑے اس ارادہ پر کہ جب تک فانی زندگی ختم نہیں ہوگی دائمی عیش و عشرت اور بقا نصیب نہیں ہوگا۔ اسی جذبہ سے وہ شہادت کے گھاٹ اُترے اور موت کے بعد ایسے ٹھنڈے میٹھے پیالے نوش کیے کہ تا ابد ان کی پیاس بجھ گئی۔ ایسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے

کہ انھیں تجارت میں بے بہا منافع حاصل ہوئے، اس سبب سے بڑے سعادت مند کہلائے۔ انھی لوگوں کا معاملہ کامیابی کو پہنچا اور یہی حضرات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہیں۔ اے اللہ کریم! ہم تجھ سے عجز و نیاز کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ ہمیں ان حضرات کے زمرہ سے بنا اور قیامت میں ہمیں ان سے دُور نہ رکھنا اور ہمیں بھی اس شہادتِ عظمیٰ سے نواز جس سے تو خوش ہو جائے اور ہمارے تمام گناہ بخش دے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت میں ہمیں گناہوں سے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ اے اللہ کریم! ہم اپنی جان و مال تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ اس حقیر نذرانے کو اپنے فضل و کرم اور رحمت سے قبول فرما اور ہمیں وہ وقت نصیب نہ ہو جس سے ہم تیرے فضل و کرم کے دروازے سے مایوس اور ناامید ہو جائیں، تو ارحم الراحمین ہے۔

حکایت ایک شہید کی

حضرت عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہا کہ مجلس میں زور سے قرآن پاک کی یہی دو آیتیں ان اللہ اشتریٰ من المومنین الخ پڑھ دے تاکہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب نصیب ہو۔ چنانچہ جب یہ دو آیات تلاوت کی گئیں تو ایک نوجوان جس کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی ہو گی، ہمارے پاس آیا، اور وہ تھا بھی یتیم۔ یعنی انھی ایام میں اس کا باپ فوت ہوا تھا اور اسے وراثت میں بکثرت مال و دولت حاصل ہوئی تھی اس نے مجھے کہا: اے عبدالواحد بن زید! کیا یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جان و مال لے کر بہشت عنایت فرماتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں بالکل صحیح ہے۔ اُس نے کہا: تو پھر آپ گواہ ہو جائیے میں اپنا مال و جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بہشت لینا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے کہا: عزیز! ذرا سوچ لیجئے تلوار کی سختی بہت تیز ہوتی ہے اور تُو ابھی بچہ ہے نہ معلوم تلوار کی سختی تم برداشت کر سکو یا نہ۔ اور پھر اس عزم سے باز رہو۔ اس نے کہا: اے عبدالواحد بن زید! یقین کیجئے میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی جان و مال بہشت کے عوض پیش کر دی۔ اب اس عزم سے ہٹنا کسی ناقص العقل کا کام ہو گا۔ آپ گواہ رہیں میں اپنے عزم پر ڈٹا ہُوا ہوں۔ حضرت عبدالواحد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بچے کی ان باتوں سے ہم سب حیران و ششدر اور انگشت بدنداں تھے اور ہم سب اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ ایک صغیر السن بچہ اس قدر استقامت اور عزم صمیم رکھتا ہے اور ہم کمزوری کا ثبوت دے رہے ہیں وہ نوجوان مجھے مذکورہ بالا باتیں کہہ کر چلا گیا اور واپس آ کر گھر کا سارا سامان میرے سپرد کر دیا، صرف ایک گھوڑا، ایک تلوار اور جنگی ضروریات کے لیے تھوڑا سا مال اپنے پاس رکھا، جب روانگی کا وقت قریب ہُوا تو وہ سب سے پہلے لشکر گاہ میں حاضر ہو کر مجھے کہا: السلام علیکم۔ میں نے اسے سلام کا جواب دے کر کہا: "تیری تجارت ان شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گی۔ اس کے بعد ہم سب چل پڑے اور وہ نوجوان ہمارے ساتھ تھا اور اتنا شائق کہ دن کو روزے سے رہتا اور رات کو مصروفِ عبادت۔ بلکہ ہم سب کی اور ہماری سواریوں کی بڑے شوق سے خدمت کرتا ہوا چلتا رہا، اور جب ہم سو جاتے تو وہ ہم سب پر پہرہ دیتا، یہاں تک کہ ہم دارالروم (میدانِ جنگ) میں پہنچے تو وہ اچانک بڑے

زور سے کہتا تھا ہائے "العیناء المرضیہ"۔ میرے ساتھیوں نے کہا: افسوس نوجوان کو وسوسۂ شیطانی نے گھیر لیا اب اس کا دماغی توازن بھی صحیح نہیں رہا۔ میں نے اُسے بلاکر پوچھا: عزیز! "العیناء المرضیہ" کا مطلب کیا ہے اور تم اس کلمہ کو بار بار کیوں دہراتے ہو؟ اس نے کہا: حضرت! ماجرا یوں ہے کہ میں ایک رات سو رہا تھا، مجھے اُونگھ سی آگئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاں کوئی آنے والا آیا ہے اور کہا، چلو العینا المرضیہ کے پاس۔ یہ کہہ کر مجھے ایک باغ میں لایا گیا جس کے اندر ایک ٹھنڈے پانی کی نہر چل رہی تھی اور اس کے کنارے چند حسین لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کے ملبوسات اور زیورات اتنے قیمتی اور بہترین تھے جو کبھی دیکھے نہ سُنے، اور نہ ہی میں اُن کے متعلق کچھ بتا سکتا ہوں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا اور آپس میں کہنے لگیں:

العیناء المرضیہ کے شوہر گرامی یہی ہیں۔

میں نے انہیں السلام علیکن کہہ کر پوچھا: العیناء المرضیہ تم میں کوئی ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں جناب! وہ تو ہماری آقا اور ہم ان کی نوکرانیاں ہیں۔ ذرا آگے تشریف لے جائیے۔

میں آگے بڑھا تو مجھے ایک اور عظیم الشان بنگلہ نظر آیا جس کے اندر میٹھے دودھ کی نہر جاری تھی اور اس کے کنارے پہلے کی طرح چند حسین وجمیل نوخیز لڑکیاں بیٹھی تھیں جنہیں دیکھتے ہی ہر انسان اپنے قابو سے باہر ہو جائے۔ انہوں نے پہلی لڑکیوں کی طرح میرا پُرجوش استقبال کیا اور ان سے بھی وہی گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بھی وہی کہا کہ ہم اس کی خادمائیں ہیں۔ ذرا آگے بڑھیے۔ میں تھوڑا سا آگے بڑھا تو ایک اور عالیشان بنگلہ نظر آیا۔ اس کے اندر شراب طہور کی نہر چل رہی تھی۔ اس کے کنارے بھی حسبِ سابق چند لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کے حسن وجمال کو دیکھ کر پچھلی تمام حسیناؤں کا حسن وجمال میرے ذہن سے محو ہوگیا۔ اُن سے بھی وہی گفتگو ہوئی۔ اُنہوں نے بھی آگے چلنے کا کہا۔ میں کچھ آگے گیا تو دیکھا کہ ایک نہر شہد کی چل رہی ہے۔ اُس کے آگے موتیوں کا ایک بہترین بنگلہ ہے جس کے باہر حسینہ وجمیلہ لڑکی بیٹھی نظر آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور باہر سے آواز دی:

اے العینا المرضیہ! تمہیں مبارک ہو۔ تمہارا شوہر آگیا ہے۔

بس جونہی خیمہ کے قریب گیا اور اندر جھانک کر دیکھا تو وہ العینا المرضیہ ایک سنہری پلنگ پر بیٹھی ہے جب میں نے اسے دیکھا تو میرے ہوش اُڑ گئے اور وہ مجھے کہنے لگی:

مرحبا یا ولی اللہ، تمہیں مژدہ باد۔ یہاں پر تمہارے تشریف لانے کا وقت قریب آگیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگانا چاہا تو اس نے کہا:

ٹھہریئے! ابھی تمہارا گلے لگانے کا وقت نہیں آیا اس لیے کہ تم عالمِ دنیا میں ہو۔ البتہ اب واپس چلے جاؤ۔ جنگ میں شرکت کرو۔ شام تک تمہارا رہنا سہنا عالمِ دنیا میں لکھا ہے۔ بعدازاں تم ہمارے ہاں تشریف لا کر روزہ افطار کرو گے (ان شاء اللہ)۔

اے عبدالواحد بن زید ! یہ ماجرا ہُوا۔ بعد ازاں مَیں جاگا تو اب مجھے قرار ہے نہ سکون۔ بس تو ایک لمحہ بھی اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے العیناء المرضیہ کی یاد ستا رہی ہے۔ ہم ابھی باہم مصروفِ گفتگو تھے کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے جنگ کا اعلان ہوگیا۔ اس اثنا میں دشمنوں کا ابتدائی دستہ تلواریں چمکاتا ہُوا ہمارے مجاہدین کے مقابلہ کے لیے میدانِ جنگ میں آ دھمکا تو فوراً وہی نوجوان میدانِ جنگ میں کُود پڑا اور بڑے جذبہ کے ساتھ جوانمردی کے جوہر دکھلائے۔ دشمنوں کے نو بہادروں کو جہنم رسید کیا۔ دسویں پر حملہ کیا تو دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے لاتعداد زخم کھا کر وہ نوجوان خون میں لت پت ہوگیا۔ میرے پہنچنے پر اس نے مسکراتے ہُوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے

یا من یعانق دنیا لا بقاء لہا — یمسی ویصبح مغرورًا وغرّارا

ھلا ترکت من الدنیا معانقۃ — حتّٰی تعانق فی الفردوس ابکارا

ان کنت تبغی جنان الخلد تسکنہا

فینبغی لک ان لا تامن النارا

ترجمہ: اے دنیا سے عشق بازی کرنے والے! تمہیں معلوم نہیں کہ دُنیا فانی ہے۔ پھر صبح و شام تم کیوں اس میں غرق ہوکر دھوکہ کھا رہے ہو۔ کیا تم سے ایسے نہیں ہوسکتا کہ تم دنیا کو سہ طلاق دے کر جنۃ الفردوس میں رہنے والی دوشیزاؤں سے جا ملو۔ اگر تم بہشت کے باغات میں اقامت کا ارادہ رکھتے ہو تو جہنم کی آگ سے ہر وقت ڈرتے رہو۔

تفسیر عالمانہ اَلتَّآئِبُوْنَ زجاج فرماتے ہیں کہ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ توبہ کرنے والے اسی طرح باقی آنے والے حضرات سب کے سب ان مجاہدین کی طرح بہشتی ہیں جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہُوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بہشت کے مستحق جس طرح مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں ایسے ہی تمام اہلِ ایمان بھی بہشت کے حقدار ہیں اگرچہ انھیں جہاد کا موقعہ نصیب نہ ہوا ہو بشرطیکہ وہ جہاد کا جذبہ رکھتے اور جہاد کے عقیدہ کے قائل ہوں۔

ف: تائبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک و منافقت اور ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔

تحقیقِ مسئلہ توبہ لغت میں توبہ بمعنے رجوع اور اصطلاحِ شریعت میں عقوبۃ سے رحمت و مغفرت کی طرف رجوع کرنا۔

مسئلہ: گناہ سے فوراً تائب ہونا واجب ہے۔

مسئلہ: توبہ سے پہلے اس گناہ کا (جس سے توبہ مطلوب ہے) خیال لانا ضروری ہے کہ واقعی یہ گناہ ہے، پھر

تہہِ دل سے کہے کہ مَیں اس سے توبہ کر رہا ہُوں۔

توبہ کی قبولیت کی علامات

توبہ کے قبول ہونے کی چار علامات ہیں؛

۱۔ فاسقین سے کٹ کر صالحین کے ساتھ لگ جانا اور نیک مجلسوں میں دلچسپی سے شریک ہونا۔

۲۔ ہر نیک کام میں عملی طور پر شامل ہونا اور بصدقِ دل تمام طاعاتِ الٰہی میں لگ جانا جیسے درخت کی ٹہنیاں اس وقت سرسبز رہ سکتی اور پھل دیتی ہیں جبکہ جڑ صحیح و سالم ہو۔

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی شئے سے خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مغموم و محزون اور متفکر نظر آتے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو اپنے ذمۂ کرم پر واجب فرمایا ہے ان کی اسے ذرہ برابر بھی فکر نہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک کا رزق میرے ذمہ ہے تو پھر اس کے لیے فکر کیوں! اس لیے بندہ اس سے بے فکر ہو کر تشاغل باللہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! مَیں نے تجھے مٹی پھر نطفے سے بنایا۔ مجھے تیرے عدم سے وجود میں لانے سے تکلیف نہیں ہُوئی تو تیرے ہونے کے بعد مجھے تیری طرف ایک روٹی بھیجنے سے بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

ف: جب توبہ کرنے والے کے اندر توبہ کے بعد مذکورہ بالا چاروں علامات پائی جائیں تو پھر عوام الناس پر لازم ہے کہ اس پر بدگمانی کے بجائے اس کے ساتھ محبت کریں، اس لیے کہ اللہ تعالےٰ ایسے بندے سے محبت کرتا ہے، بلکہ اُس کی ثابت قدمی کے لیے دُعا کریں اُسے سابقہ گناہ یاد دلا کر شرمندہ نہ کریں۔ جب بھی وُہ اُن کی مجلس میں آئے تو اُس کی تعظیم و توقیر کریں۔

سبق: تائب پر لازم ہے کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے کیا ہُوا عہد نہ توڑے اور نہ ہی کسی گناہ کی طرف راجع ہو۔

نکتہ: توبہ کے بعد صرف ایک گناہ قبل توبہ کے ستر گناہوں سے قبیح تر ہے۔ (کذا قال یحیٰی بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صُوفیانہ

حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا: تائب کئی قسم کے ہیں؛

بعض وُہ ہوتے ہیں جو غلط کاریوں سے توبہ کر کے نیکیوں میں لگ جاتے ہیں۔

بعض وُہ ہوتے ہیں جو اپنے نفس کے تصوّر کو فنا کر کے لُطفِ الٰہی کے تصوّر میں محو ہوتے ہیں۔

بعض وُہ ہوتے ہیں جو اپنے نیک معاملات میں نفس کے تصورات مٹا کر حقائقِ ربّانی میں مستغرق رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَلْعٰبِدُوْنَ ان سے وہ عبادت گزار بندے مراد ہیں جو نہایت خلوص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ف : عبادہ بمعنے ایسا فعل کرنا جو اللہ تعالےٰ کی تعظیم پر دلالت کرے۔

حکایت امام اعظم اور ان کا تقویٰ منقول ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیس سال تک عشا کی نماز سے صبح کی نماز ادا کرتے یعنی بیس سال آپ نے نیند نہ کی بلکہ نیند کے لیے بستر وغیرہ بچھ ڈالے تاکہ نفس نیند پر مجبور نہ کر سکے اور عجز وانکسار کا یہ عالم کہ سر سے کپڑا اتار ڈالا اور درگاہِ حق کا ادب اتنا کہ کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔

انتباہ : وہ اللہ تعالےٰ کا مبغوض ترین بندہ ہے جو تندرست اور فارغ البال ہو کر عبادتِ الٰہی سے کترائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عابد وہ لوگ ہیں جو ہر وقت خوف الٰہی سے خوفزدہ رہتے ہیں اور انہیں دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شئے کے ساتھ معمولی طور بھی انس نہیں ہوتا اور نہ ہی آخرت کی اچھی چیزوں سے ان کا دل لگتا ہے۔ بلکہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک حقیقی بندہ وہ ہے جو جمیع حوادث سے مجرد ہو۔

تفسیر عالمانہ اَلْحَمْدُ وَ اللہ تعالےٰ کی تمام نعمتوں کی تعریف کرنے اور اُس کے جُملہ عطیات پر شکر کرنے اور اس کی صفات واسماء کی مدح وثنا کرنے والے۔ بعض مفسرین نے فرمایا حمد عام ہے یعنی دنیوی واُخروی ہر دو نعمتوں کی تعریف کو حمد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دُنیا کی ہر مصیبت مالی جانی ہو یا اہل وعیال کی مصیبت پر صبر کرنے کو حمد کہتے ہیں اس لیے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقی نعمتیں یہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مصائب کے صبر سے لاتعد ولاتحصی اجر وثواب نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کا چھوٹا بچہ مرتے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہو اور اُس کے والدین اور دیگر خویش واقارب اس کی تکلیف کو دیکھ کر صبر کریں تو صبر کے علاوہ اس بچے کی تکلیف کا ثواب بھی اُنھیں ملے گا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے : الحمد للہ علی ما ساء وسرّ۔ ہر رنج وراحت پر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دینِ اسلام کوئی نعمت نہیں کہ اس کے لیے بھی حمد وشکر کیا جائے۔ یہ

ازالۂ وہم اُن کی غلطی ہے ورنہ توفیق توحید اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے لیے تو مومن کو ہر وقت لازم ہے کہ کہتا رہے کہ یا اللہ! تیرا بڑا احسان ہے کہ تُو نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں دولتِ اسلام اور توفیقِ ایمان سے نوازا۔ حضرت امام مجاہد (مفسر) نے "الیس اللہ باعلم بالشاکرین" کی تفسیر میں لکھا "ای الشاکرین علی التوحید" یعنی اللہ تعالےٰ کا شکر کرنے والے ہیں۔ توحید کی توفیق پر ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دین و اسلام بھی نعمتِ عظمیٰ ہیں۔ ان کے لیے جتنا شکر کیا جائے تھوڑا ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حٰمِدُوْنَ وہ حضرات ہیں جنھیں قدرتِ الٰہی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس پہ وہ کبھی اعتراض نہیں کرتے اور جو ان پہ عبادتِ الٰہی بجا لانے کا حکم ہے اس کی ادائیگی سے کبھی تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ السّٰٓئِحُوْنَ قاعدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
کل ما ذکر فی القراٰن من السیاحۃ فھو الصیام۔
قرآن مجید میں ہر جگہ سیاحۃ بمعنے صوم ہے۔
حدیث شریف: سیاحۃ امتی الصوم۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ ہے۔
شاعر لکھتا ہے: ؎

تراہ یصلی لیلۃ ونہارہ
یظل کثیر الذکر للہ سائحا

اس شعر میں سائحا بمعنے صائما ہے یعنی تم اسے دیکھو گے تو وہ شب و روز نماز میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بکثرت کرتا ہے درانحالیکہ وہ روزے دار ہوتا ہے۔

روزے کو سیاحت سے تشبیہہ کے وجوہ ۱۔ روزے کو سیاحۃ دبیر کرنے سے تشبیہہ اس لیے دی گئی کہ جس طرح سیاح صرف اپنی منزل کو مدِّنظر رکھتا ہے اپنی منزل کے سوا کسی دُوسرے کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح روزے دار بھی شہوات سے رُک جاتا ہے اور صرف ذاتِ حق کو اپنا مطمحِ نظر سمجھتا ہے۔

۲۔ روزہ نفس کی ریاضت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان غلط کاریوں سے محفوظ ہو کر ملک و ملکوت کے غیبی اسرار کا محرم راز بن جاتا ہے جیسے سیاح ایسے مقامات پر پہنچتا ہے جنھیں اُس نے نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی وہ انھیں جانتا تھا جیسے سیاح مختلف ممالک کی سیاحت پر جس علاقہ کو اپنے لیے خوشگوار دیکھتا ہے اسی جگہ پر اقامت پذیر ہو جاتا ہے اور جس علاقہ میں اُس کا جی نہیں لگتا وہاں سے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح روزے دار کا حال ہے کہ جب وہ بہشت میں داخل ہونا چاہے گا تو اُسے حکم ہو گا کہ بہشت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو اور جس بالاخانے یا بنگلے میں ٹھہرنا چاہے تو اس کو اپنے لیے منتخب فرمالے تو روزے دار بہشت کے تمام بنگلہ جات کو دیکھنے کے لیے چل نکلے گا جیسے سیاح تمام رُوئے زمین کا چکر لگاتا پھرتا ہے وُہ بھی تمام بہشت کے چپہ چپہ پر جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سٰٓئِحُوْنَ سے وہ حضرات مراد ہیں جو حلال طعام سے روزہ رکھتے ہیں اور حرام مال کے قریب نہیں بھٹکتے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں ایسے لوگ بکثرت ہیں جو رزقِ حلال حاصل ہونے کے باوجود اس کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ لیکن حرام کھانے میں شاغل ہیں۔ ایسے

لوگوں پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السّآئِحُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو غیر اللہ کے شہود سے روزہ رکھتے ہیں۔ انہیں صرف ذاتِ حق سے واسطہ ہے اور بس۔

۳۔ تاویلات نجمیہ میں ہے السّآئِحُوْن یعنی وُہ لوگ جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والے اور ما سوی اللہ کے تمام اشغال ختم کرنے والے ہیں۔

۴۔ حضرت عطاؒ نے فرمایا: اس سے مراد غازی فی سبیل اللہ ہیں جو اپنے ملک اور علاقہ کو چھوڑ کر کفار کے علاقہ جات میں پہنچ کر اُن سے جہاد کرتے ہیں۔

۵۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا: اس سے وہ طالبانِ علوم مراد ہیں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر غریب الدیار ہو کر علم حاصل کرتے ہیں۔

حکایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث شریف سُننے کی خاطر مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے اس لئے کہ کوئی شخص کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ باہر نکل کر کچھ حاصل نہ کرے اور جب تک ہجرت نہ کرے اپنے مقصد کو نہیں پا سکتا۔

نکتہ: جس کا کوئی استاذ نہ ہو وہ ہمیشہ دُوسروں کا دست نگر رہتا ہے اور دوسروں کی مدد سے اس کے دل کے پردے اُٹھتے رہیں گے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا کوئی باپ نہ ہو یا وُہ انسان جس کا کوئی حسب نسب نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ وہ لوگ جو نماز میں رکوع و سجود کرنے والے ہیں۔

سوال: نماز کے دو ارکان کے ذکر کا کیا فائدہ حالانکہ نماز کے اور ارکان بھی ہیں۔

جواب: چونکہ نماز کی ہیئت کا اظہار انہی دو ارکان سے واضح تر ہوتا ہے بہ نسبت باقی ارکان کے، اس لیے کہ قیام و قعود کبھی انسان طبعی طور پر بھی کرتا ہے بخلاف رکوع و سجود کے کہ یہ صرف نماز کی ہیئت پر دلالت کرتے ہیں انسانی طبع پر اُن کی دلالت ہوتی ہی نہیں فلہٰذا ان کا ہونا عبادت کی حیثیت سے ہوگا بنا بریں انہیں نماز کی خصوصیات سے سمجھا جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس سے وُہ حضرات مراد ہیں جو سلطان التجلی کے سامنے مٹ کر نہایت درجہ کی عاجزی کرنے والے ہیں۔

حدیث شریف: "اِنَّ اللہ اذا تجلّٰی بشیٔ خضع لہ"۔ اللہ تعالیٰ جب کسی شئے کو اپنی جلوہ گاہ بناتا ہے تو وُہ شے اس کے لیے خضوع کرتی ہے۔

السّٰجِدُوْن یعنی وُہ لوگ ظاہر سے بساط عبودیت اپنے نفوس کو باطن میں شہود ربوبیت کے سامنے اپنے

قلوب کو جھکاتے ہیں۔

۲۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الرَّاکِعُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو مقام قیام سے اپنے وجود کو موجود کے سامنے لاتے ہیں اور السّٰجِدُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو بلا ارادہ عتبہ وحدۃ پر اپنے عزائم سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را کلیم

تفسیر عالمانہ الآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایمان و طاعت کا حکم دینے والے ہیں۔ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور شرک اور معاصی سے روکنے والے ہیں۔

ف: حدادی نے فرمایا:

(المعروف سے یہاں پر سنت اور المنکر سے بدعت (سیئہ) مراد ہے۔

بدعت کی تعریف اور ردّ وہابیہ اور دیوبندیہ ابن الملک نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "کل بدعة ضلالة" کے تحت لکھا ہے کہ بدعت سیئہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ "ضلالة" طریقہ مستقیمہ کے ترک اور غلط راہ پر چلنے کا نام اور طریقہ مستقیمہ سے شریعت مراد ہے اس سے بدعت حسنہ مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس تراویح کے اجرا کے بعد فرمایا:

"نعمت البدعة هذه"۔ یہ کیسی اچھی بدعت ہے۔

بدعت کی تقسیم اور ردّ وہابیہ دیوبندیہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں:

۱۔ بدعت واجبہ ــــــ جیسے ملحدین اور دوسرے بے دینوں کے شبہات کے ردّ میں دلائل قائم کرنا۔

۲۔ بدعت مندوبہ ــــــ جیسے دینی کتب تصنیف کرنا اور مدارس عربیہ اسلامیہ قائم کرنا اور ان کی تعمیر وغیرہ۔

۳۔ بدعت مباحہ ــــــ جیسے اطعمہ وغیرہ کی مختلف اقسام۔

۴۔ مکروہہ

۵۔ حرام ــــــ ان کی مثالوں کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ مشہور ہیں۔

صاحب روح البیان کی تحقیق دربارہ مسائل صوفیائے کرام صاحب روح البیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب ظاہری علوم کی تعلیم کے لیے بناء مدارس بدعت حسنہ ہے تو صوفیاء کرام کی خانقاہوں کا اس حکم میں ہونا ضروری ہے بلکہ مدارس کی بنا سے خانقاہوں کی بناء افضل و اعلیٰ عمل ہے اس لیے کہ مدارس کو ظاہری علوم سے تعلق ہے اور خانقاہوں کو باطنی علوم سے اور باطنی

علوم ظاہری علوم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

سوال وہابیہ دیوبندیہ: مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ دین و اسلام کے مرکز ہیں ان میں تو خانقاہیں نہیں۔ پھر بلاد رومیہ پھر دیگر اسلامی ممالک میں صوفیاء کرام کی خانقاہیں کیوں۔

ا ب از صاحب رُوح البیان: خانقاہوں میں ذکر و فکر کی محفلیں ہوتی ہیں اور اُن کی خلوتوں سے باطنی احوال کی اصلاح ہوتی ہے اور نفسِ اَمّارہ کے ساتھ جہاد کرنے کی ریاضت کی تربیت دی جاتی ہے بناء بریں جو خانقاہوں کی بناء پر اعتراض کرتا ہے وہ جاہل اور احمق ہے اور اس کا روکنا اس کی ازلی بدبختی کی دلیل ہے۔ اسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں شامل کرنا اسلام دشمنی کا ثبوت دینا ہے اہلِ فہم پر یہ تقریر واضح وظاہر ہے۔

وہابیت و دیوبندیت جیسے منکرین پہلے بھی تھے اولیاء کرام کے اس طریقے پر اعتراض کرنے والوں کی اکثریت ہے لیکن وہ لوگ صرف زبانی جمع خرچ پر ہیں اُن کے ہاں نہ تو کوئی دلیل ہے نہ کوئی معقول ثبوت۔ اُن سے اللہ تعالٰی بچائے۔ (آمین)

تفسیر صُوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اَلاٰمِرُوْنَ وَالنَّاھُوْنَ سے وُہ لوگ مراد ہیں جو داعی الی اللہ ہیں اور غیر اللہ کے تعلق سے روکتے ہیں بلکہ وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ بندگانِ خدا کو وصالِ حق نصیب ہو اور غیر اللہ کے تعلقات سے بالکل فارغ ہو جائیں۔

نکتہ: الاٰمرون اور النّاھون کے درمیان واؤ جمع کی اس لیے لائی گئی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر درحقیقت ایک عمل ہے اس لیے کہ وہ ایک دُوسرے کے بغیر نہیں ہوتے، گویا آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اس گروہ پر آٹھواں گروہ یعنی الحٰفِظُوْنَ کی آٹھویں صفت ہوگی۔ بعض کے نزدیک النا ھون عن المنکر آٹھویں صفت ہے اس پر عطف واؤ بھی آٹھویں ہوگی۔

قاعدہ: نسفی کی تفسیر مسمّٰی بہ تیسیر میں ہے کہ محققین کے نزدیک اس کے متعلق کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس عدد کی اسی طرح کی تقریر سے بہشت کے آٹھوں دروازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ازیں واؤ کے بغیر بھی قرآن مجید میں اس طرح کی عبارات بکثرت ہیں۔ مثلاً:

الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر۔

اور فرمایا:

ولا تطع کل حلاف ھماز الآیۃ وغیرہ۔

آٹھویں گروہ کے لیے فرمایا:

تفسیر عالمانہ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ اور اللہ تعالٰی اور بندوں کے درمیان جو حقائق و شرائع واحکام معاملہ

ہوا ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دُوسروں کو بھی اس کے متعلق وصیت و نصیحت کرتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وہاں پر ٹھہرتے ہیں جہاں انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، وہ احکامِ الٰہی سے سرمُو انحراف نہیں کرتے۔ جب حکم ہوتا ہے تو پھر ہلنے کا نام نہیں لیتے اور اپنے سانس کو اللہ تعالیٰ کے نام سے محفوظ رکھتے ہیں یعنی پاسِ انفاس کے عامل ہوتے ہیں۔

ایک عجیب تقریر احکامِ شرعیہ تکلیفیہ لا تعد و لا تحصیٰ ہیں۔ آیتِ مذکورہ میں ان سب کے اصناف و اقسام کا ذکر نہیں بلکہ یہ ان میں سے بعض کا بیان ہوا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے بہت بڑے ضخیم مجلدات درکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اجمالی طور احکامِ تکلیفیہ کو وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ میں بیان فرمایا ہے۔

فقہاء کرام کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے احکامِ تکلیفیہ شرعیہ صرف یہی ہیں اس لیے کہ مکلفین کے افعال دو قسم کے ہیں:

۱۔ متعلقات بالجوارح

۲۔ متعلقات بہ قلوب

اور کتبِ فقہ نے تو صرف ان اقسام کو بیان کیا ہے جو افعال جوارح سے متعلق ہیں اور وہ افعال جو قلوب سے متعلق ہیں وہ اوّلاً تو اُن کی کتبِ فقہ میں نہیں اور اگر ہیں تو بہت تھوڑے۔ ہاں افعالِ قلوب کو بعض کتبِ کلامیہ میں بیان کیا گیا ہے اور بعض کو امام غزالی اور ان جیسے اور بزرگوں نے کتبِ تصوف و اخلاق میں بیان فرمایا ہے اور وُہ بھی سب کے سب والحٰفظون لحدود اللہ میں اجمالی طور بیان فرمائے ہیں۔

حکایت امام احمد غزالی نے اپنے برادر محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ میں تیری تمام تصانیفِ تصوف و اخلاق بس صرف دو لفظوں میں بیان کرتا ہوں:

۱۔ التعظیم لامر اللہ

۲۔ الشفقۃ علیٰ خلق اللہ۔

یعنی امرِ الٰہی کی تعظیم اور خلقِ خدا پر شفقت کرنا۔

ف: حدادی نے فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طاعت اور اُن کا اوامر و نواہی کے لیے مستعد ہونے اور اس کے نواہی سے باز رکھنے کے اجمال کا بہتر کلمہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حدود کو اوامر و نواہی و مندوبات میں بیان فرمایا ہے اور درا اس کلمہ میں موجود ہیں۔ مثلاً بعض وُہ امور ہیں جن پر عمل کرنے کی ترغیب ہے دُوسرے وہ ہیں جن پر عمل

کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰے کے ارشاد سے رُکنا پڑتا ہے اور ان سب کو اس کلمہ نے بیان فرما دیا ہے۔

ف : جب بندہ مذکورہ بالا امور کو بجا لاتا ہے تو سمجھا گیا کہ وہ "الحٰفظون لحدود اللہ" میں شامل ہو گیا۔

حکایت حضرت خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات اپنی عورت سے فرمایا کہ اب تیرے بچے کا دُودھ چھڑانے کا وقت پُورا ہو گیا۔ فلہذا اس کو دُودھ نہ پلائیں۔ اور یہ آپ نے اسے رات کے کسی وقت میں حکم فرمایا۔ کسی نے کہا: اب تو رات ہے، اجازت ہو تو صبح کو یہ سلسلہ شروع ہو۔ آپ نے فرمایا: قرآن پاک میں دو سال متعین کیے گئے ہیں اور وُہ ابھی پُورا ہو گیا ہے۔ اس پر وقت بڑھانا قرآن پاک کے حکم کے خلاف ہو گا۔

اسی طرح سے "والحٰفظون لحدود اللہ" کے ارشادِ گرامی کی خلاف ورزی ہو گی۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اہلِ ایمان کو خوشخبری دیجئے۔ اس سے وہی حضرات مراد ہیں جو مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف ہیں۔

سوال : یہاں بَشِّرْهُمْ کہنا تھا۔

جواب : اسم ظاہر لانے سے تنبیہہ ہو گئی کہ ان اوصاف سے انہیں ایمان نے موصوف کیا ہے اور مومن کامل ہوتا بھی وہی ہے جو اوصافِ مذکورہ سے موصوف ہو۔

سوال : جس بات کی خوشخبری دی گئی ہے اس کا ذکر کیوں نہ ہُوا۔

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت باعظمت ہے اور اتنا کہ انسانی عقل وفہم کے حیطۂ امکان سے باہر ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور ان بشارتوں میں سے اعلیٰ مرتبہ کی بشارت دار السّلام میں رؤیتِ باری تعالیٰ ہے۔

ف : دار السّلام میں ہر عمل صالح کے مطابق جزا نصیب ہو گی۔ مثلاً روزے دار سے کہا جائے گا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بما اسلفتم فی الایام الخالیہ۔ اسی طرح باقی اعمال کو سمجھیے۔

سبق : مومن کو ہر عمل صالح کے لیے جدوجہد ضروری ہے تاکہ دار السّلام میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے اللہ تعالےٰ ہم سب کو ان اسباب کی توفیق بخشے جن پر عمل کر کے ہم اسے راضی کر سکیں۔

تفسیر عالمانہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لیے لائق نہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ وحدہٗ لا شریک پر ایمان رکھتے ہیں اُن کے لیے نامناسب ہے کہ وہ حکم اور حکمتِ الٰہی کی خلاف ورزی کریں اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا یہ کہ بخشش کا مطالبہ کریں لِلْمُشْرِكِيْنَ مشرکین کے لیے

یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ وَلَوْ کَانُوْا اگرچہ ہوں وہ مشرکین
اُولِیْ قُرْبٰی اہلِ ایمان کے قریبی رشتہ دار۔ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَھُمْ اس کے بعد جب حضور نبی پاک
صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان پہ واضح ہو چکا کہ اَنَّھُمْ بے شک وہ مشرکین اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ○ اہلِ جحیم یعنی
جہنمی ہیں جبکہ ان کا خاتمہ کفر پہ ہوا۔ یا جن کے بارے میں اُن کی زندگی میں بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ وہ کافر ہو کر
مریں گے۔

ابُوطالب کی موت کفر پر

مروی ہے کہ جب ابُوطالب بیمار ہوا۔ یہ ہجرت سے تین اور بعثت سے دس سال بعد کا واقعہ ہے۔ ابُوطالب کی مرض الموت کی خبر قریشیوں کو پہنچی تو
بعض نے کہا کہ حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسلمان ہو کر ہم سے گئے اور اُن کے اسلام لانے پر حضرت محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل قریش میں خوب مشہور ہوئے۔ سب نے کہا ابُوطالب کے پاس چل کر اس سے
معاہدہ لکھوائیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے سب کچھ چھین لیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم چل کر اسے کہیں کہ اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ لکھوا دیں
ورنہ اس کی موت کے بعد لامحالہ ہم نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا ہے۔ پھر اہل عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ
ابُوطالب سے خطرہ ٹلا تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔

یہ طے کر کے قریش کے بڑے بڑے لیڈر عتبہ، شیبہ یعنی ربیعہ کے بیٹے، ابُوجہل، اُمیہ بن خلف اور
حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) یہ حضرت فتح مکہ کی شب کو مسلمان ہو گئے تھے۔ ابُوطالب کے ہاں پہنچے اور کہلا بھیجا
کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابُوطالب نے انہیں ملنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے آ کر کہا کہ آپ ہماری
برادری قریش کے سردار ہیں۔ اب آپ کی موت قریب ہو گئی ہے اور خدشہ ہے کہ اب چند لمحات کے بعد آپ ہم سے
جُدا ہو جائیں فلہٰذا ہماری گزارش ہے کہ آپ اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر ہمارے ساتھ
معاہدہ لکھا دیں کہ نہ ہم اسے چھیڑیں گے اور نہ وہ ہمیں چھیڑے۔ ابُوطالب نے حضور علیہ السلام کو بلایا۔ جب
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابُوجہل نے دیکھا کہ ابُوطالب کے قریب ایک جگہ خالی ہے اسے
خطرہ لاحق ہُوا کہ اگر حضور علیہ السلام ابُوطالب کے قریب پہنچے تو اُسے جھاڑ پھُونک کر اپنا بنا لیں گے۔ فلہٰذا وہ خود
کود کر ابُوطالب کے قریب بیٹھ گیا۔ حضور علیہ السلام جگہ نہ پا کر دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ابُوطالب نے رسولِ خدا
صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: بیٹا! تیری قوم کے سردار میرے ہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں
آپ ان کو تسلی بخش جواب دیجئے اور ان کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ آپ ان کے معبودوں کو گالی مت دیا کریں۔ یہ تمہیں
اور تیرے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔ حضور علیہ السلام نے کفار کے لیڈروں سے فرمایا کہ مجھ سے تم جو چاہو لے لو
لیکن مجھے صرف اتنا مطلوب ہے کہ تم کلمۂ اسلام کو تہِ دل سے قبول کرو۔ پھر اس کی برکت دیکھو کر تم تمام عرب کے

بادشاہ بن جاؤ گے بلکہ سارے عجمی تمہارے زیرِ فرمان ہو جائیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہم تمہیں بہت کچھ دے سکتے ہیں بلکہ بہترین عطا سے ہم دس گنا زائد تجھے دے سکتے ہیں لیکن بتائیے تو سہی وہ کلمۂ اسلام کیا شے ہے؟

آپ نے فرمایا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا اقرار کر کے اپنی گردنوں سے معبودانِ باطل کی پرستش کا طوق اتار دو۔

اس پر تمام کفار تضحیک کرتے ہوئے تالیاں بجانے لگے۔ پھر انہوں نے کہا:

تم ہم سے جس طرح کا مطالبہ کرو ہم ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سورج بھی اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دو تب بھی مجھے منظور نہیں، جب تک کہ کلمۂ اسلام قبول نہ کرو۔

یہ سن کر سب کے سب کہنے لگے: یہ غریب تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ اٹھو اور اپنے دین کی بات کرو اور اسی پہ ڈٹ جاؤ یہاں تک کہ اس کا اور ہمارا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

یہ کہہ کر تمام قریش اٹھ گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: چچا جی! آپ کلمۂ شہادت قبول فرمالیں میں بارگاہِ رب العزت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔

ابوطالب نے جواب دیا: اگر مجھے ننگ و عار کا خیال نہ ہوتا تو کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔ لیکن مجھے اپنی برادری سے ڈر لگتا ہے کہ وہ میرے بعد کہتے پھریں گے کہ ابوطالب نے موت کے خطرہ سے کلمہ پڑھ لیا۔

جب ابوطالب نے کلمۂ اسلام سے منہ موڑا تو اسی حالت میں مرگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے چچا ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا اللہ کریم مجھے اس سے منع فرمائے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دعائے مغفرت

ازالۂ وہم اور ردِ وہابیہ و دیوبندیہ کا اہتمام فرمایا کہ ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا بلکہ ہر ممکن مالی و جانی مدد کرتا[1]۔ چنانچہ اس کی موت کے بعد قریش نے مکہ معظمہ میں حضور علیہ السلام کو بہت ستایا اور اس قدر سخت اذیتیں دیں کہ ابوطالب کی زندگی میں ان کا تصور تک نہ تھا

چنانچہ مروی ہے کہ بعض شرارتیوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مٹی کا ٹوکرا پھینکا جسے آپ جھاڑتے ہوئے اپنے دولت کدہ میں تشریف لائے۔ آپ کی بعض صاحبزادیوں نے یہ حال دیکھا تو رونے لگیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرنا صلہ کے طور پر تھی اس سے اختیار و عدمِ اختیار کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ وہابیہ دیوبندیہ خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابوطالب کو کلمہ کیوں نہ پڑھا دیتے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔ ۱۲

اور آپ سے مٹی جھاڑی اور خوب گریہ کیا۔ آپ نے فرمایا: میری پیاری بیٹیو! مت رو۔ بے۔ اللہ تعالیٰ میرا مہربان ہے اس کا کوئی بہتر انتظام فرما دے گا

بہرحال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ یہی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے نہ اس کے لیے اور نہ دوسرے کفار و مشرکین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میرے باپ کے بعد کون فوت ہوا؟ عرض کی گئی آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون ان کی قبر کو جانتا ہے تاکہ میں جا کر اُن کی قبر پر اُن کے لیے استغفار کروں اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی۔ مسلمانوں نے کہا: تو ہم بھی اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرنے کے لیے آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ آپ گورستان کی طرف چلے۔ یہ فتح مکہ کے سال کی بات ہے۔ جب آپ مقامِ ابواء پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر پہنچے۔ (یہ ابواء مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے) بی بی صاحبہ کی قبر یہاں اس لیے تھی کہ آپ کی پیدائش مبارک سے پیشتر ہی آپ کے والد ماجد فوت ہو چکے تھے اور انہیں مدینہ طیبہ میں دفن کیا گیا۔ سبب یہ ہوا کہ وہ کسی کام کے لیے مکہ سے باہر گئے۔ مدینہ میں موت آگئی۔ آپ اپنی امی جان بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ آپ جب چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر ننھیال پہنچیں جو مدینہ میں تھے۔ اور بی بی صاحبہ اُن کے ہاں تشریف لیجایا کرتی تھیں۔ ان سے مل کر بی بی صاحبہ واپس مکہ معظمہ کو روانہ ہوئیں تو مقامِ ابواء پر اُن کا وصال ہو گیا تو وہ وہیں مدفون ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں وہ حجون میں مدفون ہوئیں۔ ان دونوں روایات میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ پہلے بی بی صاحبہ کو ابواء میں دفن کیا گیا پھر انہیں وہاں سے اٹھا کر حجون میں دفن کیا گیا۔ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

حضور علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے قریب بیٹھ کر طویل دعا مانگی اور بہت گریہ کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم بھی رو پڑے۔ فراغت کے بعد ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قدر کیوں روئے؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کریم سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو زیارت کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی درخواست کی تو اس کا اذن نہیں ملا[1]۔ اس پر

---

[1] اس سے وہابیہ و دیگر گستاخانِ نبوت استدلال کرتے ہیں کہ آپ کے والدین کافر جہنمی ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ اذن کا نہ ملنا اس کی دلیل نہیں اس لیے کہ اس وقت اذن نہ ملا۔ بعد کو آپ کو اس کا نہ صرف اذن ملا بلکہ آپ نے ان دونوں کو زندہ کر کے اسلام کی تلقین کی اور وہ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک کتاب مسمی بہ "شمول الاسلام لآبائہ الاکرام" لکھی ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے ان دونوں ائمہ کے فیض سے صحیح ہم کتاب "ابوین مصطفیٰ" لکھی ہے۔ ۱۲

یہ دونوں آیتیں مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَمَا کَانَ استغفار ابراھیم الخ نازل ہوئیں۔

ازالۂ وہم آیت کے دو اور اس سے زاید شانِ نزول ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ جب آپ نے اپنی والدہ کے لیے دُعا مانگی ہو تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر جب چچا کے لیے دُعا مانگی تو بھی یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: لیکن صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ تقریر ناموزوں ہے اس لیے کہ جب پہلے اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنی والدہ کے استغفار سے روک دیا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ نے اپنے چچا کے لیے دُعا مانگی ہو حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ سورۃ قرآن پاک کی تمام سورتوں سے بعد کو نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسرے طور بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے چچا کے لیے دعائے مغفرت کی تو ممانعت کر دی گئی پھر آپ اپنی والدہ کے لیے کیسے دُعا مانگ سکتے تھے۔ جسے اس کا نسرق معلوم ہے واضح کرے۔[1]

وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ جبکہ اللہ تعالےٰ سے یوں دُعا مانگی واغفر لابی کہ اے اللہ تعالےٰ! اسے ایمان کی توفیق اور اس طرف رہبری فرما۔

سوال: تم نے رہبری اور توفیقِ ایمان کہاں سے نکال لیا؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام نے دُعا بھی اور اس کی علت بھی خود واضح فرمائی انہ کان من الضالین اس لیے کہ وہ گمراہوں سے ہے۔

اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ یہ اعم العلل سے استثنا مفرغ ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام جب اپنے اب یعنی چچا آزر[2] کے لیے دعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا تھا **وَّعَدَهَآ اِیَّاهُ** جو اپنے اَبْ یعنی چچا آزر سے مغفرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اسے فرمایا تھا **لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ** میں تیرے لیے مغفرت کی دُعا مانگوں گا۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے کافر سے مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا؟

جواب: اُس کے لیے ایمان کی اُمید کی بنا پر آپ نے دُعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا کیونکہ اس وقت اس کی حقیقت امر واضح نہیں تھی۔

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ پھر ابراہیم کو وحیِ الٰہی سے اس کی حقیقت واضح ہوئی کہ وُہ کفر پر ڈٹا ہوا ہے اور اس سے ایمان کی اُمید منقطع ہوئی یا اللہ تعالےٰ سے وحی ہوئی کہ وُہ کفر پر مرے گا۔ لیکن پہلا معنےٰ زیادہ مناسب ہے۔

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ بے شک وُہ اللہ تعالےٰ کا دشمن ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی عداوت للہ کی بات موت کے وقت معلوم

---

[1] فقیر نے اس بحث کو تفسیر اویسی میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے۔

[2] آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جس کی تشریح ہم نے تفسیر اویسی میں کی ہے۔

نہیں ہوئی بلکہ اس سے قبل اس کی عداوۃ للہ واضح ہو چکی تھی۔ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط تو اس سے ابراہیم علیہ السلام نے بیزاری کا اظہار فرمایا یعنی واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اب میں آزر کے لیے دُعا نہیں مانگوں گا۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ **حل لغات:** اَوَّاہٌ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو سخت دُکھ اور درد پہنچے۔ مثلاً کہتا ہے اوّاہ من کذا۔ یا کہتا ہے اوّہ بالمد و التشدید و فتح الواؤ سکون الہاء یعنی شکایت کے وقت طویل آواز کھینچنا اواہ بمعنے الخاشع المتضرع۔ جب اواہ بالکسر اور اس کے بعد آخرت کے شدائد مذکور ہوں تو اس وقت یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے امور کی عظمت سے گھبرا کر اواہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت کعب نے فرمایا:

الاواہ ھو الذی اذا ذکرت عندہ النار قال آہ۔

"اواہ وہ ہے کہ جس کے سامنے جہنم کا ذکر ہو تو کہے آہ"۔

بعض نے کہا الاواہ بمعنے الموقن۔ یہ لغت حبشہ میں ہے لیکن یہ ان کے مذہب کے مطابق نہیں جنہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ نہیں ہیں حالانکہ یہ لفظ حبشہ میں بولتے ہیں تو اس کا یہ جواب دیا کہ ایک لفظ دو لغات میں مستعمل ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ یہ لفظ عربی ہے لیکن حبشی بھی عربوں کے مطابق اپنی لغت میں استعمال کیا کرتے ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے اب یعنی چچا آزر کے حال پر رحم فرماتے ہوئے بکثرت آہیں بھرتے۔ یہ ان کے کمال رافت و رحمت کی دلیل ہے باوجودیکہ باپ کافر تھا لیکن اس کے حال سے آپ کو سخت دُکھ اور درد تھا اس لیے آہیں بھرتے۔

حَلِیْمٌ ○ تکلیفوں اور اذیتوں پر بہت صبر کرنے والے تھے۔ اس لیے وہ اپنے اب یعنی چچا کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر اور حوصلہ فرماتے باوجودیکہ آپ کا چچا تندخو سنگدل تھا اور بدخلق بھی۔ لیکن پھر بھی اس کے لیے دُعائے مغفرت فرماتے تھے اس کی تندخوئی اور بدخلقی کی دلیل قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے کہتا تھا لَاَرْجُمَنَّكَ میں تمہیں سخت ماروں گا۔

ردِ وہابیہ دیوبندیہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک اب یعنی چچا کے لیے دُعا مانگا کرتے ایسے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسلاف مشرکین کے لیے استغفار کرتے[1] پھر جب کافروں کی استغفار سے روکا گیا تو آپ رُک گئے۔

ف: آیت میں اپنے حبیب علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ ممانعت سے پہلے جن مشرکین کے لیے آپ نے

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء میں تھا، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ: "واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا"۔ لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے پر کی اڑائی۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔

نے دُعائیں مانگی ہیں ان کا کوئی حرج نہیں۔ اس کی مزید وضاحت یُوں فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا اور اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ نہیں کہ کسی پر گمراہی کے احکام جاری کرے بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ اس کے بعد جب کہ انھیں اسلام کی ہدایت دی ہے حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ یہاں تک کہ انھیں صریح وحی یا دلائل سے واضح ہوجائے مَّا يَتَّقُوْنَ ط وہ جو محظورات وممنوعاتِ دین سے بچنے کی جد وجہد میں رہتے ہیں اور ممنوعاتِ الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ عاقل ان امور کا مکلّف نہیں، جن پر عقل کی رسائی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ بے شک اللہ تعالےٰ جمیع اشیاء کو جانتا ہے منجملہ اُن بندوں کے وہ امُور بھی ہیں جنھیں وہ عقل سے نہیں پہچان سکتے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے لیے واضح فرماتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط بے شک اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے ملک۔ ان میں کسی کا کوئی شریک نہیں۔ ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوے نہ کند جز ہالکے

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے یعنی زمین اور اجسام اور قلوب اُمم میں حیات وممات پیدا کرتا ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ . . . . . . یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ تم اللہ تعالےٰ کی ولایت ونصرت سے تجاوز کرنے والے ہو مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ نہیں کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو روکا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مشرکین کے لیے استغفار نہ کریں بلکہ اُن سے پُورے طور بیزار ہوجائیں، تو وہم پیدا ہوتا تھا کہ کہیں رشتہ دار مشرکین ہماری بیزاری پر ہمیں تکالیف پہنچائیں اور ہم تنہا رہ جائیں گے تو کاروبار کیسے چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلّی دلائی کہ اے مسلمانو! تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ جملہ موجُودات کا مالک ہے اور تمام امور کا متولّی اور تمام کائنات پر غالب ہے۔ جسے بھی کوئی فتح ونصرت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالےٰ سے ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ بندگان یکسوئی سے پُورے طور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور ماسویٰ اللہ سے یک لخت بیزار ہوجائیں یہاں تک کہ ہر معاملہ میں اُن کا مقصود صرف ذاتِ حق ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کو زندہ کرکے ایمان سے نوازا۔ علماء کرام کی ایک بہت بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حجون سے گزرے تو رب العزت سے دُعا کی کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو قبولیت بخشی اور آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ فرما دیا۔ اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح واپس لی اور وہ پھر سے قبر میں لوٹیں۔

سوال از وہابیہ : اس حدیث شریف کا ثبوت ہی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت کا کوئی پتہ ہے اگرچہ بے شمار حفاظ الحدیث نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث پر جرح وطعن کیا اسے درخورِ اعتنا نہیں کیا لیکن مشکل یہ ہے کہ موت کے بعد ایمان غیر نافع ہے جیسا کہ شرع کا قانون اور قرآن مجید میں مصرح ہے۔

جواب ۱ : یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ جب یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو پھر اعتراض کیسا۔ (کذا فی انسان العیون)

جواب ۲ : قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے بے شمار بندگانِ خدا کے ذریعے مُردے زندہ فرمائے تو پھر اس میں کون سا اشکال ہے کہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور بزرگی کے تحت آپ کے والدین کریمین کو آپ کے ذریعہ سے زندہ فرما کر اُنھیں دولتِ ایمان سے نوازے، بلکہ آپ کی جملہ مخلوق سے افضلیت کی بنا پر آپ کے لیے بطریقِ اولیٰ ہونا چاہیے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ایمان موت کے بعد فائدہ نہیں دیتا۔ یہ بھی شانِ نبوت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ زندہ کر کے پھر ایمان سے نوازنا اگر غیر نافع ہے تو پھر ردّ الشمس کا بھی انکار کیا جائے جبکہ اس کا وقت ختم ہو چکا تھا اسے لوٹا کر وقت بحال فرمایا وہ بھی آخر ملنی بر فائدہ تھا تو یہاں بھی وہی معاملہ ہے۔

ف : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے والدین کریمین اور ابو طالب کے ایمان کی بحث سورۂ بقرہ پارہ اوّل لا تسئل عن اصحاب الجحیم کے تحت مفصّل طور لکھی ہے وہاں دیکھ لیں۔

ایمانِ عبد المطلب کے دلائل

۱۔ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بُتوں کی پرستش ترک کر دی تھی اور توحیدِ الٰہی کے قائل ہو گئے تھے۔ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بہت سے طریقے مروّج تھے جنھیں اسلام نے ابتدائی دَور میں جائز رکھ کر بعد کو ناجائز کیا جو قرآن مجید کی آیات کے علاوہ احادیث نبویہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ مثلاً:

- نذر کا ایفاء
- محارم کے نکاح کی ممانعت
- چور کا ہاتھ کاٹنا
- زندہ درگور کے قتل کی نہی
- شراب و زنا کی حرمت

○ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرنا

(کذا فی سبط ابن الجوزی)

ان میں بعض وہ وجوہ ہیں جو ابتداءً حرام تھے اور کچھ بعد کو حرام ہوئے۔

۲۔ ابکار الافکار فی مشکل الاخبار میں ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ اکثر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے اور انہی کے احکام پر عبادتِ الٰہی بجالاتے۔ بعض مسائل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بھی منکر نہیں تھے۔ علاوہ ازیں اس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت بھی نہیں فرمایا تھا۔

۳۔ قاعدہ شرعیہ ہے کہ زمانۂ فترت میں جو لوگ فوت ہوئے انہیں کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی ان پر کفار و مشرکین کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

سیرۃ حلبیہ میں ایک دلیل لکھی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ ماجدہ کے

ازالہ وہم استغفار سے اس لیے روکا کہ جو آپ کے یا کسی اور نبی علیہ السلام کے دین کا انکار کرے گا یا اس میں تغیر و تبدل پیدا کرے گا تو اسے لازماً عذاب ہوگا۔ یہ دلیل بالکل ضعیف ہے اس لیے کہ یہ قول اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ایمان و توحید کا وجوب عقل سے ہو حالانکہ اہلسنت وجماعت کے جمہور علماء کرام کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ ان میں رسل کرام علیہم السلام نہ بھیجے اور یہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں کوئی نبی نہیں آیا۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا اجراء اُن کے وصال سے ختم ہو گیا یہ صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ بعد وصال بھی تاقیامت آپ کی نبوت جاری و ساری رہے گی[1] اور اہلِ عرب جو زمانۂ فترت میں فوت ہوئے اُن پر کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا اگرچہ وہ دین میں تغیر و تبدل پیدا کرتے یا اصنامِ باطلہ کی پرستش میں مبتلا رہے۔

سوال: بہت سے فترت کے دَور کے گمراہوں اور بُت پرستوں کے لیے احادیث میں ان کے عذاب کا بیان وارد ہوا ہے اور تم کہتے ہو انہیں عذاب نہیں ہوتا۔

جواب ۱: انہیں عذاب دینا اور پھر حضور علیہ السلام کا خبر دینا، تمام روایات مؤول ہیں۔

جواب ۲: ترغیب اسلام کی وجہ سے ہوتا تاکہ یہ لوگ اُن کے عذاب کا حال سُن کر کفر و شرک سے بچ جائیں اور وہ

---

[1] اگرچہ قادیانی جیسے بدمزاج کئی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنی سزا پائیں گے ورنہ نبوتِ حضور علیہ السلام موجود ہے اور آپ زندہ ہیں۔

بھی بعض کے متعلق وارد ہے سب کے لیے ، ورنہ احادیث میں کلّی طور پر فرمایا جاتا کہ اہلِ فترت سب کے سب جہنم کے عذاب میں مُبتلا ہیں۔

جواب۳ : صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے بعض علماءِ کرام کی عبارات سے اندازہ کیا کہ وہ اس کی تقریر یُوں کرتے بلکہ اس کو مرجح فرماتے ہیں کہ وجوبِ ایمان و توحید یعنی بُت پرستی سے باز رہنے پر کسی کو مکلف بنانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کوئی رسول علیہ السلام دعوتِ حق پیش کرے اور بُت پرستی کی مذمت فرمائے اگرچہ وہ اس وقت مُرسل من اللہ نہ بھی ہو تب بھی جسے ایسے رسول کی دعوت و تبلیغ پہنچی ہے اُس پر ایمان و توحید کا قبول کرنا اور بُت پرستی سے بچنا واجب ہے کیونکہ نبوّت کا زمانہ پا لینا ضروری نہیں بلکہ دعوت و تبلیغ کا ہونا ضروری ہے وہ دعوت و تبلیغ اُس نے براہِ راست سُنی ہے یا اُسے دعوت و تبلیغ سُننے کا امکان ہو۔ اگر ایسی صُورت اُسے نصیب نہیں تو پھر وہ معذور ہے۔ ایسے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کسی رسُول علیہ السلام کا زمانہ نصیب ہو اور وُہ اسے دعوت و تبلیغ دین یا اسے ان کی دعوت و تبلیغ کسی ذریعہ سے پہنچے اس جواب پر لازم آتا ہے کہ جس نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دُوسرے پیغمبر علیہ السلام کا زمانہ نہیں پایا، لیکن اسے دعوت و تبلیغ پہنچی ہے تب بھی شرک میں مُبتلا رہا تو ایسا شخص جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اس لیے کہ ہم نے شرط لگائی ہے کہ ہر اس بندے کو عذاب نہ پہنچے گا جسے دعوت و تبلیغ بھی نہ پہنچے اور اسے تو دعوت و تبلیغ پہنچی ہے اور اسے قدرت حاصل ہے کہ وُہ دعوت و تبلیغ پر شرک کو ترک کر کے ایمان و توحید قبول کرے۔

تقریر مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نبی کی بعثت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا بلکہ اُسے عذاب ہوتا ہے جو بعثت کے بعد شرک اور بُت پرستی نہیں چھوڑتا اور نہ ہی توحید و ایمان قبول کرتا ہے۔

سوال : تمھارے جوابات صحیح حدیث شریف کے خلاف ہیں جنہیں طبرانی نے "اوسط" میں سندِ صحیح سے روایت کیا ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد جو زمانہ فترت ہوا اس میں جتنے لوگ فوت ہوں گے سب جہنم میں جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فترت کے زمانہ کے لوگ جہنمی ہیں۔

جواب : اس تمام سے مراد کثرت ہے۔ یعنی ان میں کثیر لوگ جہنم میں ہوں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایاتِ ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جہنّم میں دوزخیوں کو داخل کیا جائے گا ، وہ کہتی رہے گی "هل من مزيد" یعنی "کچھ اور چاہیے"۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اس میں اپنا قدم مبارک (یعنی قدرت کا دھڑکا) رکھے گا تو جہنم کے طبقات ہل جائیں گے۔ عرض کرے گی: "قط قط" یعنی اللہ تعالیٰ ! مجھے تیری عزت اور تیرے کرم کی قسم مجھے اب ضرورت نہیں۔

مسئلہ : ایمان و توحید کے علاوہ فروعی مسائل میں اہلِ فترت پر عذاب نہ ہو گا اس لیے کہ انھیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی بعثت مبارکہ نصیب نہیں ہوتی۔ وہ صاحبان اگرچہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقراری تھے لیکن بُت پرستی میں مُبتلا ضرور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

ف: توحید و ایمان میں فرق یہی ہے کہ توحید میں تمام سالفہ متفق ہیں۔ صرف مسائل میں ایک دُوسرے سے مختلف تھے اور یہ کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ: اہلِ فترت سے قیامت میں حساب اور امتحان ہوگا۔

اہلِ فترت کے امتحان کی داستان

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

جب قیامت قائم ہوگی تو اہلِ جاہلیت کو لایا جائے گا اور وہ اپنے بُتوں کو پیٹھ پر اُٹھائے ہوں گے۔ آتے ہی اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے: اے الٰہ العٰلمین! تُو نے ہمارے ہاں نہ کوئی رسُول بھیجا اور نہ ہی تیرا کوئی حکم پہنچا کہ جس سے ہم تیری فرماں برداری کرتے۔ اگر تیری طرف سے رسول تشریف لاتے تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرمانبردار ہوتے۔ اللہ جل جلالہٗ انھیں فرمائے گا: اگر میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مانو گے۔ عرض کریں گے: ضرور مانیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے وعدے لے کر اُنھیں فرمائے گا: جاؤ جہنم میں۔ وُہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب جہنم کے قریب جائیں گے تو متفرق ہو کر جہنم سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو جائیں گے اور عرض کریں گے: یا اللہ! اس میں تو ہمارا داخل ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا: اب تمہیں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ چنانچہ انھیں جبراً دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر وُہ پہلی بار جہنم میں چلے جاتے تو ان کے لیے جہنم ٹھنڈی اور سلامتی کا گھر بن جاتی۔

فائدہ درشانِ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور اُن کی عزت و احترام کے تحت قبل بعثت کے لوگ امتحان میں کامیاب ہو کر بہشت میں داخل ہوں گے تاکہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی حاصل ہو۔

مسئلہ: ہم اُمید رکھتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے جنہیں امتحان میں کامیابی ہوگی۔

مسئلہ: ابُو طالب کو اس زمرہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثتِ مبارکہ پایا لیکن ایمان سے محروم رہا باوجودیکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت اسلام پیش فرمائی۔

ف: مسئلہ احیاء کو اُنھوں نے نہیں بیان فرمایا صرف ابُو طالب کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔

نا اُمیدم مکن از سابقۂ لطف ازل
تُو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوبست کہ زشت

تفسیر عالمانہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَى النَّبِیِّ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے آپ کا وُہ اِذن مراد ہے جو آپ نے جنگ پہ جانے والے منافقین کو معاف فرما دیا تھا۔

سوال: اجازت تو حضور علیہ السلام نے دی لیکن صحابہ کرام کو ساتھ ملا دیا، یہ کیوں؟

جواب: قاعدہ ہے کہ بعض کا فعل کل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: "بنو فلان قتلوا زیداً"۔ فلاں قبیلہ کے لوگوں نے زید کو قتل کیا (حالانکہ قتل صرف ایک نے کیا ہوتا ہے لیکن قتل کی نسبت کُل کی طرف ہوئی ہے۔

ازالہ توہم وہابیہ دیوبندیہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے (معاذاللہ) تب ہی تو اللہ تعالےٰ نے توبہ کی قبولیت کی خبر دی ہے۔

جواب: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منافقین کا اذن از قبیل اجتہاد تھا اور اسے گناہ سے تعبیر کرنا جہالت وحماقت ہے اس لیے کہ اہلسنت کا مسلّم عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ عام انسان بھی اگر گناہ کا ارتکاب کرے تو عوام کے دلوں سے اُس کی عزت وعظمت اُٹھ جاتی ہے اور عوام کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہوں کا صدور ہو تو اُن کی عزت وعظمت عوام کے دلوں سے اُٹھ جاتے گی حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا باہیبت ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام امراض سے محفوظ ہوتے ہیں جو عوام کے لیے نفرت کا سبب بنیں۔ مثلاً جذام وغیرہ۔

سوال: اسے "ذلة" سے اہلسنت نے تعبیر کیا ہے اور "زلة" بھی خطا کو کہا جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ السلام پر گناہ کا اطلاق ناجائز ہے تو پھر یوں کہا جائے کہ آپ سے خطا ہوئی (معاذاللہ)

جواب: زلہ بمعنے خطا لینا بھی نبوت دشمنی کا ثبوت دینا ہے اس لیے کہ اگرچہ لغۃً ذلة بمعنے خطاء اور حق سے باطل کی طرف جُھکنا ہے۔ اگر یہی معنیٰ لیا جائے تو پھر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی عزت وعظمت پر دھبّہ آتا ہے، بلکہ زلۃ اصطلاح شریعت میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بمعنے افضل سے فاضل کی طرف میل کرنا۔ اگرچہ افضل کو چھوڑ کر فاضل کو لینا عوام کے لیے موجب ملامت نہیں بنتا۔ لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقربین ہوتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے لیے یہ فعل موجب عتاب بنتا ہے یہ بھی ان کی قدر و منزلت کی عظمت کی دلیل ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خراز قدس سرہ نے فرمایا: حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ابرار کی حسنات مقربین کے سیئات ہوتی ہیں۔

جواب: نبی علیہ السلام کے لیے توبہ کا ذکر اُمت کی توبہ کا مقدمہ اور اصل ہے اور تابع کی توبہ کا دارومدار اصل وتبوع

کی تصحیح پر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ توبہ نعمت بلکہ ایک مخصوص رحمت ہے تاکہ پہلے آپ پر پھر آپ کے صدقے اپنے بندوں کو اس نعمت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت جسے بھی نصیب ہو تو وہ صدقہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اسی معنیٰ پر یہ نعمت نبوت سے سب سے پہلے مہاجرین وانصار کو نصیب ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لقد تاب اللہ علی النبی الخ

وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید حدیثِ نبوی سے ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میرے سینے میں ڈال دیا۔

حل لغات: الانصار نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف شریف کی جمع یا ناصر کی جمع انصار ہے اور جیسے صاحب کی اصحاب جمع آتی ہے۔ اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ کرام مراد ہیں جنہوں نے مدینہ سے ہجرت کر کے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اصحاب مہاجرین کی مدد کی اور انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔

ف: انصار ان کا اسلامی نام ہے اوس وخزرج کے مسلمانوں کا نام اللہ تعالیٰ نے انصار رکھا ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت سے قبل اور نزولِ قرآن سے پہلے اس نام سے موسوم نہ تھے۔

مسئلہ: انصار کی محبت وعقیدت واجب ہے بلکہ اُن کی محبت وعقیدت ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

آیۃ المومن حب الانصار وحب الانصار آیۃ الایمان و آیۃ النفاق بغض الانصار۔ (کذا فی فتح القریب)

یعنی مومن کی علامت انصار کی محبت ہے اور انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور منافقت کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

مسئلہ: مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار۔

اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی منجملہ انصار کے ہوتا۔

ف: ابن الملک نے فرمایا: اس حدیث سے انصار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم میں ہجرت کے سب سے بڑا مرتبہ انصار کا ہے۔

ف: اس مسئلہ کے باقی ابحاث ہم نے والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار کے تحت بیان کر دیے

تفصیل مطلوب ہو تو وہاں دیکھیے۔
اَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ اس سے وُہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ کسی معاملہ میں بھی انہوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی اور نہ ہی آپ کے کسی ارشادِ گرامی میں کوتاہی کی فِیۡ سَاعَۃِ الۡعُسۡرَۃِ تنگی کی گھڑیوں میں۔ اس سے وُہ گھڑی مراد ہے جس میں غزوۂ تبوک واقع ہوا۔ اس لیے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سخت مشقت برداشت کرنی پڑی، اس لیے کہ غزوۂ تبوک سخت گرم موسم میں لڑا گیا اور پھر صحابہ کرام کے پاس اس وقت سواریوں کی کمی تھی یہاں تک کہ دس آدمیوں کے لیے سواری کا صرف ایک اُونٹ تھا، جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور خرچ خوراک کی تو بالکل ہی کمی تھی یہاں تک کہ صرف ایک کھجور ایک بڑی جماعت پر تقسیم کی جاتی اور وُہ بھی پانی میں بھگو کر گزارہ کرتے اور پانی کی قلت کی یہ کیفیت تھی کہ جانوروں کا گوبر نچوڑ کر گزارہ کرتے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم غزوۂ تبوک کے لیے ایسے موسم میں روانہ ہوئے کہ گرمی سے کلیجے باہر آتے تھے، یہاں تک کہ ہمارے بعض دوستوں نے اونٹ ذبح کرکے اس کا گوبر وغیرہ جمع کرکے نچوڑ کر گزارہ کیا۔

ف: کاشفی نے فرمایا کہ "برطوبات اجواف و امعاءآں دھن ترساختند" یعنی آنتوں اور معدوں کی رطوبات کا تیل تیار کرکے (تاکہ جواز کی صورت نکل آئے) استعمال کیا۔ اس لیے غزوۂ تبوک کا دُوسرا نام "غزوۃ العُسرۃ" ہے۔

ف: اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی مدح ہے کہ انہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اس جنگ میں حصّہ لیا بلکہ ہر آڑے وقت سینہ سپر ہوئے۔

سبق: انسان کو غور کرنا چاہیے کہ ان حضرات کی اتنی بڑی مشقت کو سر پہ رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں معمولی کمی پر توبہ کا حکم فرمایا ہے پھر ہم کس باغ کی مُولی کہ اتنے بڑے جرائم کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا کَادَ یَزِیۡغُ قُلُوۡبُ فَرِیۡقٍ مِّنۡہُمۡ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہوجاتے تھے یزیغ بمعنے یمیل ہے یعنی جنگ کے شدائد و تکالیف کی شدت سے بعض لوگوں کو عین جنگ کے وقت خیال گزرتا تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر واپس مدینہ طیبہ چلے جائیں۔ لیکن صبر کیا اور سمجھا کہ اجر و ثواب سے ہم محروم ہوجائیں گے۔ بلکہ جو کچھ دل میں غلط خیال گزرا اس پر اظہارِ ندامت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔

ف: کاد میں ضمیر شان کی ہے اور جملہ یزیغ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ وُہ کاد کی خبر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کاد کی خبر جملہ ہو تو ضروری ہوتا ہے کہ اس میں ضمیر ہو جو اس کے اسم کی طرف لوٹے۔ ہاں جب اس میں ضمیر شان کی ہو تو پھر جملہ خبریہ میں ضمیر کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ تعالٰے نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ یعنی ان سے جو غلطی ہوگئی اسے معاف فرما دیا۔

سوال: توبہ کا ذکر پہلے ہو چکا، پھر دوبارہ اس کا ذکر کیوں؟

جواب: یہ تکرار تاکید کے لیے ہے اور تنبیہہ ہے کہ اُن کی توبہ کی قبولیت صرف اس لیے ہوئی کہ اُنھوں نے جنگ کے شدائد کو جوانمردی سے سر پر اُٹھا لیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

مکن ز غصّہ شکایت کہ در طریق طلب

براحتی نرسید آنکہ زحمتے نکشید

اِنَّهٗ بے شک وُہ اللہ تعالٰے بِهِمْ ان کے ساتھ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ رؤف و رحیم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور بمنزلہ علت کے ہے۔ اس لیے کہ رافت و رحمت توبہ کے موجبات سے ہے اور یہ بھی ہے کہ رافت ازالہ ضرر اور رحمت ایصال منفعت کے لیے ہے اور یہ بھی ہے کہ رافت سابق غلطیوں کی معافی کے لیے اور رحمت آنے والی کوتاہیوں کی بخشش کے لیے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس کی مہربانی میں شمار ہے کہ اس نے اپنے محبوب کریم رؤف رحیم کو ہمارے ہاں رسول بنا کر بھیجا اور انھیں بہت بڑے معجزات سے نوازا۔

اختیارِ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام پیاس سے سخت پریشان تھا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ سے اللہ تعالٰے نے قبولیتِ دُعا کا وعدہ فرمایا ہے آپ دُعا فرمایئے تاکہ بارش ہو۔ آپ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم بھی چاہتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کی: ضرور چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے دُعا مانگی، یہاں تک کہ بارش ہوگئی۔ لشکرِ اسلام نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی ضروریات کا پانی محفوظ کر لیا اور اپنے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور طرفہ یہ کہ پانی صرف لشکرِ اسلام کی رہایش گاہ سے متجاوز نہ ہوا۔

دیگر: مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام ایک جنگل میں پہنچا وہاں اُن کا پانی ختم ہو چکا تھا اور جانور پیاس کے مارے مرے جا رہے تھے اور چلنے سے بالکل عاجز آ گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر آپ نے بارش کی دُعا مانگی، اور اپنے لوٹے بردار خادم کو بلایا اور فرمایا کہ لوٹے میں پانی ہے؟ عرض کی: تھوڑا سا ہے۔ آپ نے اسے پیالہ میں ڈال کر اپنا پنجہ مبارک اس میں رکھا تو پانی کے چشمے اُبلنے لگے۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا اور سواریوں کو پانی پلایا اور اپنے پانی کے تمام برتن اور مشکیزے بھر لیے۔ اس وقت بارہ ہزار گھوڑے، پندرہ ہزار اُونٹ اور تیس ہزار جنگی بہادر۔ ایک روایت میں ستر ہزار

سلطان سلیم اوّل خاقان عثمانیہ نے کہا: ؎

کوثر نمی ز چشمۂ احسان رحمتش
آب حیات قطرہ از جام مصطفیٰ است

معجزہ و اختیارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے مجاہدوں کو بھوک نے ستایا تو اپنی سواریوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی تاکہ ان کے گوشت سے بھوک اور اُن کی چربیوں وغیرہ کا تیل نکال کر پانی بنا کر پیاس بجھائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر سواریاں ذبح کر دی گئیں تو پھر لشکرِ اسلام جنگ کیسے لڑ سکے گا۔ آپ دُعا فرمائیے تاکہ یہ مشکل حل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ لشکرِ اسلام میں اعلان کر دو کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ لے آئے۔ اور ایک دسترخوان بچھا دیا اور فرمایا: جو کچھ لاؤ اس پر ڈالتے جاؤ۔ چنانچہ کوئی جوار کوئی باجرا، کوئی کھجور، کوئی گندم مٹھی بھر بھر کر اس دسترخوان پر ڈالتا گیا۔ جب معمولی سا اناج جمع ہو گیا تو آپ نے اس کے لیے برکت کی دُعا فرمائی اور حکم فرمایا اس میں سے جتنا چاہو لے جاؤ۔ تمام لشکر نے جی بھر کر وہاں سے اُٹھا لیا تمام لشکر نے اپنی ضرورت کے برتن پُر کر لیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ طعام جوں کا توں تھا۔ آپ نے فرمایا:
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

پھر فرمایا:
جو اس کلمہ پر یقین رکھتا ہے اور اسے یقین سے پڑھتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آتش حرام فرمائے گا۔
حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا:

گل توحید نروید ز زمینے کہ درو
خار شرک و حسد و کبر و ریا و کین است

تفسیرِ صوفیانہ لقد تاب اللہ علی النبی الخ یہاں پر نبی سے الروح النبی مراد ہے۔ اس لیے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقائقِ دین کا الہام ہوتا ہے۔ پھر وُہ اپنی اُمت یعنی قلب، نفس، جوارح، اعضاء کو پیغاماتِ حق پہنچاتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی الروح اور ان کے صفات کے مہاجرین (جنہوں نے نبی الروح کے ساتھ مکۃ الروحانیہ سے مدینۃ الجسدانیہ کی طرف ہجرت کی) پر فیضان فرماتا ہے اور ان کے انصار یعنی قلب و نفس اور اُس کی صفات پر بھی انصار سے مدینہ جسدانیہ کے باسی مراد ہیں جنہیں فیوضاتِ رحمت سے نوازا گیا۔ الذین اتبعوہ سے مراد وہ ہیں جنہوں نے رُوح کی اتباع کی جبکہ روح نے عالم علو کی طرف دکھ اُٹھا کر رجوع فرمایا۔ وُہ چونکہ عالم سفل کے باسی ہیں انہیں عالم علو کی سیر میں بہت مشقت ہوئی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ یہاں فریق سے مراد نفس اور اس کی صفات اور خواہشات مراد ہیں اس لیے کہ ان کا میلان طبعی

عالمِ سفل کی طرف ہے۔ اس لیے وہ عالمِ علو کی سیر سے جھجکنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس کوتاہی کو معاف کر کے فیضِ ربانی سے مستفیض فرما کر انہیں طبعی میلان سے نکالا۔ پھر انہیں عالمِ علو کی سیر سے نوازا۔ اِنَّہٗ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اس لیے کہ وہ اُن کے لیے رؤف و رحیم ہے اسی لیے انہیں اس پر شریعت سے اس لائق بنایا کہ عالمِ حقیقہ کی طرف رجوع کرنے کے اہل ہو گئے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَّعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمالی جو غزوۂ تبوک میں غیر حاضر ہوئے اُن کے لیے قطعی فیصلہ نہ ہوا کہ اُن کے لیے کیا کیا جائے یہاں تک کہ ان کے لیے نزولِ وحی ہوا اور انہیں توبہ کا مژدہ سنایا گیا۔ یہ تین حضرات "کعب بن مالک شاعر، مرارۃ بن الربیع العنبری اور ہلال بن اُمیہ انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ ان تینوں کا خلاصہ لفظ "مکہ" ہے اور اُن کے اباء کے آخری لفظ کا خلاصہ "عکہ" ہے حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہوگئی۔ یہ غایت ہے یعنی ان کا انجام بکار یہ ہوا کہ ان پر زمین تنگ ہوئی بِمَا رَحُبَتْ باوجودیکہ یہ ان پر فراخ اور کشادہ تھی اس لیے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بحکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بائیکاٹ کر رکھا، نہ ان سے بولتے نہ انہیں سلام کہتے نہ اُن کے سلام کا جواب دیتے یہاں تک کہ انہیں خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر وہ اسی حالت میں مرگئے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی نمازِ جنازہ بھی نہ پڑھائیں گے۔

ف : ضاقت علیھم الارض تمثیل حیرت کے وقت بولا جاتا ہے، جب کسی کا آرام و قرار چھن جائے اور وہ ہر طرح کا اطمینان کھو بیٹھے۔

وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ فرطِ غم اور سخت وحشت سے وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ تھے اس لیے کہ انہیں نہ کوئی خوشی راس آئی اور نہ ہی اُن کا کوئی مونس رہا اور تمام سرور و کیف ان سے مٹ چکا تھا۔ اس بنا پر گویا اُن کی ذات ختم ہو چکی وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّاۤ اِلَیْہِ پس انہیں یقین ہو گیا کہ اب اللہ تعالیٰ سے ناراضگی سے ان کا ملجا و ماویٰ اور نجات کا موجب سوائے اللہ کے استغفار کے لائق کوئی نہیں۔ یہاں پر ظَنُّوْا بمعنے علموا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کی مدحت و ستائش کے مقام پر بیان فرمایا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے علم اور یقین سے ایسا کلام کریں۔

ف : ان مخففہ من المثقلہ ہے اس کا اسم شان ضمیر مقدر ہے اور لا اپنے متعلقات سے مل کر اُن کی خبر ہے اور من اللہ لا کی خبر ہے اور ان اپنے تمام متعلقات سے مل کر ظنوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور الا کا مستثنیٰ منہ عام اور محذوف ہے۔ دراصل عبارت علموا ان الشان لا النجاء من سخطہ الی احد الا الیہ تھی۔

ف : بعض متقدمین نے فرمایا: جب کسی کو اللہ تعالیٰ نعمتوں سے مالا مال فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ کثرت سے حمد و ثنا کرے۔

نسخۂ روحانی برائے ازالۂ غم جسے غم و الم گھیریں اسے استغفار بکثرت پڑھنی چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ جو بحرِ توحید میں مستغرق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی ملجا و ماوی نہیں ہوتا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں ملتا۔ ہاں یہ مظاہر صرف اسباب ہیں اور بس۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گرچہ سایۂ عکس شخص است اے پسر
ہیچ از سایہ تانی خورد بسر
ہیں زسایہ شخص را می کن طلب
درمسبب رد گزر کن از سبب

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق بخشی لِيَتُوبُوا ؕ تاکہ توبہ کریں، یعنی گناہوں سے رُوگردانی کرلیں۔

ف: یہاں پر تین امور لازم آئے:

۱۔ توفیق توبہ —— یہ "تاب" سے ثابت ہُوئی۔

۲۔ توبہ کا ہونا —— یہ لیتوبوا سے حاصل ہُوئی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کی توبہ قبول کرنا —— یہ علی الثلثۃ الخ سے ثابت ہُوا۔

نکتہ: تیسرے امر کو امرِ اوّل پر ثمّ سے عطف ڈالنے میں یہ راز ہے کہ معلوم ہُوا کہ ان تمام امور کا اصل امرِ ثالث ہے معناً دونوں مراتب پر مقدم ہے اس تقریر پر لفظ ثمّ میں زتبی تراخی ہوگی۔ اور یُوں بھی معنیٰ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ کی قبولیت نازل فرمائی جس پر وُہ تائبین کے گروہ میں شامل ہُوئے اور انھیں تائبین کے زمرہ میں شمار کیا گیا۔ اس معنے پر ثمّ اپنے حقیقی معنے پر ہوگا۔ اس لیے انزال قبول التوبہ نفس قبول ہے جو کہ وعلی الثلثۃ میں مذکور متفرع ہے۔ ان اللہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں کی توبہ بہت جلد قبول کرلیتا ہے اگرچہ وُہ دن میں سَو بار بھی غلطی کا ارتکاب کرکے توبہ کریں۔ پھر وُہ اگرچہ گناہوں کے مرتکب ہوکر اپنے گناہوں کی وجہ سے مختلف اور سخت قسموں کے عذاب کے مستحق ہوں۔ لیکن اس کے بعد بھی ان پر گوناگون الطاف ہوتے ہیں۔ ؎

گر لطف تو یاری نماید زنخست
ہم توبہ شکستہ است وہم پیمان ست
چُوں توبہ بامید پذیرفتن تست
تا تو نپذیری نبود توبہ درست

ف: مروی ہے کہ بہت سے صحابہ کرام غزوۂ تبوک میں پہلے دنوں میں جانے سے رہ گئے۔

حکایت ۱ حضرت حسن سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا؛
مجھے ایک صحابی کا قول پہنچا ہے کہ اُن کا باغ تھا جس کی قیمت لاکھ درہم تھی۔ انہوں نے اپنے باغ کو کہا کہ تُو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے روکا۔ نہ تیرے ثمرات ہوتے نہ میں انتظار میں رہتا فلہذا اب میں تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھوڑتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ تبوک کے لیے چل پڑے۔

حکایت ۲ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ وُہ بھی غزوۂ تبوک سے پہلے دنوں حاضری نہ دے سکے۔ ان کی صرف ایک اہلیہ تھیں، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے تیری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے رکاوٹ ہُوئی اور میں غیر حاضر ہوا۔ اب میں تجھے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے جاتا ہُوں۔ راستے میں خواہ کتنی ہی سختیاں درپیش ہوں، میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ضرور حاضری دُوں گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر سوار ہو کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حکایت ۳ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ اس کا گھر میں کچھ نہیں سوائے اپنی ذات کے۔ لیکن اس کے باوجود وہ جنگ میں پہلے دنوں حاضری نہ دے سکے۔ وُہ اپنے نفس سے مخاطب ہُوئے کہ اے نفس! تیری بدبختی نے مجھے جنگ پہ جانے سے روک دیا۔ تُو نے مجھے اس خیال میں پھنسا دیا کہ غزوۂ تبوک کا معاملہ سنگین ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنے نفس کو کوستے ہُوئے تیاری میں لگ گئے۔ جس قدر زادِ راہ کی ضرورت تھی گھر سے اٹھا کر چل پڑے۔ چنانچہ وُہ بھی چند دنوں کے بعد آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے۔

حکایت ۴ حضرت ابُوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وُہ بھی پہلے دنوں غزوۂ تبوک میں حاضر نہ ہو سکے۔ بعد کو زادِ راہ سر پر اٹھائے پیدل چل پڑے اور چند روز کے بعد وُہ بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کی خدمتِ اقدس میں غزوۂ تبوک کے لیے حاضر ہو گئے۔ ؎

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زیں سواری سیر سیر

معجزہ اور اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم انہی حضرت ابُوذر رضی اللہ عنہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور سے دیکھ کر فرمایا:

"کُن اباذر" ہو جا ابُوذر۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو وہ واقعی ابُوذر تھے۔

حضور علیہ السّلام کا علم ما فی الغد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ابُوذر اکیلے چل کر غزوۂ تبوک کے لیے حاضر ہوئے ہیں تو یہ مریں گے بھی اکیلے اور قیامت میں اُٹھیں گے بھی اکیلے۔

ف : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف یہی تینوں وُہ تھے جو مدینہ طیبہ میں بلا عذر رہ گئے اور غزوۂ تبوک کے لیے حاضر نہ ہو سکے ۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ وُہ ہیں جو بیعتِ عقبہ کے موقعہ پہ حاضر تھے اور حضرت ہلال و حضرت مرارہ رضی اللہ عنہما دونوں غزوۂ بدر میں حاضر تھے ۔

حضرت کعب کی کہانی اُن کی اپنی زبانی

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو میں نے جا کر سلام عرض کیا ، آپ نے رنجش بھرے الفاظ سے جواب دیا اور میرا نام لے کر فرمایا :

کاش ! کعب غزوۂ تبوک سے غیر حاضر نہ ہوتا ۔

پھر فرمایا : میں اس کے نفسل وا سلام کو جانتا ہوں ۔

پھر مجھ سے پُوچھا کہ تم جنگ سے کیوں غیر حاضر ہوئے ؟ کیا تم نے جنگ کے لیے سواری نہیں خریدی تھی اس کے باوجود بھی جنگ پہ نہیں آئے ۔

میں نے عرض کی : سوائے سُستی و کاہلی اور غفلت کے میرا اور کوئی عذر نہیں ۔

اس پر مجھے فرمایا : اُٹھ جا میری مجلس سے ، تیرا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا ۔

یہی میرے ساتھیوں کا حال ہے ۔ پھر ہم تینوں کے لیے تمام صحابہ کرام سے سلام وکلام کرنے سے روک دیا ۔ اس کے بعد ہماری یہ کیفیت ہو گئی کہ ہمارے ساتھ نہ اپنا کوئی سلام و کلام کرتا نہ بیگانہ ۔ حضرت ہلال و مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو غم کے مارے گھر میں بیٹھ گئے ۔

لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں گھُل مل کر رہتے ۔ وُہ نماز بھی اُن کے ساتھ اور بازار میں بھی ان کے ساتھ ہوتے لیکن کوئی بھی ان سے بولتا نہیں تھا ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : کوئی تاجر مدینہ طیبہ آیا اور میرے متعلق لوگوں سے پُوچھتا تھا ۔ لوگ میرا نام لیے بغیر میری طرف اشارہ کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ تاجر مجھے ملا اور مجھے ملک غسان کا خط دیا ۔ بادشاہ کا نام ابو الحارث ابن ابی شمر تھا ۔ وہ خط ریشم کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا ہُوا تھا ۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم پر تمہارے ساتھی (نبی علیہ السلام) نے بہت بڑا ظلم کیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ذلت وخواری سے نہیں رکھے گا ۔ یعنی تم کچھ معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہو تم ہمارے ہاں آ جاؤ ہم تمہیں بہت بڑے اعزاز و اکرام سے نوازیں گے ۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کا وُہ خط پڑھا تو میں نے سمجھا کہ یہ ہمارے لیے ایک اور مصیبت (امتحان) ہے ۔ میں نے وُہ پڑھتے ہی فوراً گرم تنور میں ڈال دیا ۔

ف : انباط نامی ایک قوم عراقین کے درمیان پہاڑیوں میں آباد ہے وہاں زندگی بسر کرتے ہم پر کامل چالیس دن گزر گئے ۔ چالیسویں دن میرے ہاں حضور پرنور شفیع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد تشریف لایا اور فرمایا کہ تمہیں رسولِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آج کے بعد اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا۔

میں نے اُن سے پُوچھا کہ اسے طلاق دے دُوں؟ یا صرف علیحدگی اختیار کروں اور اس سے جماع نہ کروں؟ یہی حکم میرے ساتھیوں یعنی ہلال اور مرارہ رضی اللہ عنہما کو ہُوا۔ قاصد نے کہا: بالکل علیحدہ ہو جاؤ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اس کے بعد میں نے اپنی زوجہ سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ، جب تک اللہ تعالیٰ کوئی نیک فیصلہ نہ فرما دے۔ تم میرے ہاں نہ آنا۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہلال نہایت ہی بُوڑھا اور ضعیف الانسان ہے۔ اس کا نہ کوئی خادم ہے نہ لونڈی۔ اگر میں اس کی خدمت کے لیے اس کے گھر رہ جاؤں تو کیا آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟

آپ نے فرمایا: لیکن جماع سے پرہیز کرنا۔

اُس نے کہا، حضرت! وہ تو اب جماع کے قابل ہی نہیں رہا۔ اور پھر جب سے آپ نے اس سے منہ موڑا ہے رات دن گریہ وزاری میں گزار دیتا ہے۔

حضرت کعب نے فرمایا: اس حکم کے بعد بھی ہم پر دس دن گزر گئے یہاں تک کہ (سابق گنتی کو ملا کر ان دنوں کے ساتھ) پچاس دن پُورے ہُوئے۔ گویا پچاس دن ہمارے ساتھ بائیکاٹ جاری رہا۔ اس پچاسویں روز کی صبح کو میں نے پہاڑ کی چوٹی سے سُنا کوئی کہنے والا زور سے پکار رہا ہے:

"ابشر یا کعب بن مالک"

اے کعب بن مالک! مبارک باد ہو۔ ؎

ابشروا یا قوم اذ جاء الفرح

افرحوا یا قوم قد زال الجرح

ترجمہ: اے لوگو! تمہیں مبارک ہو تمہارے ہاں خوشی و فرحت آ گئی اور مبارک ہو تمہیں کہ تمہارے سے دُکھ درد کے دن چلے گئے۔

می دمد در گوش ہر غمگین بشیر

خیز اے مدبر راہ اقبال گیر

اے دریں حبس و دریں کند و شپش

ہین کہ تا کس نشنود رستی خمش

چوں کنی خاموش کنوں اے یار من

کزیں ہر سو بر آید طبل زن

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مژدۂ بہار سُن کر سجدہ میں گر گیا اور سمجھا کہ ہماری توبہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہو گی یہاں تک کہ وُہ شخص جو مجھے دُور سے مبارکباد کہہ رہا تھا، وُہ شخص حضرت حمزہ بن عمرو الاوسی تھا۔ میں نے خوشی سے اپنا کپڑا اتارا اور اس (حمزہ) کو پہنا دیا۔ اس مژدۂ بہار سنانے کے صلے میں اور میں نے اس سے معذرت کرتے ہُوئے کہا کہ بخدا میرے پاس ان دُو کپڑوں کے سوا اگر اور کچھ ہوتا تو میں تیرے حوالے کر دیتا۔ اب انہی دُو کپڑوں کو قبول فرمائیے۔ ؎

بعید نیست کہ صد جان بمژدۂ بستاند
بریں بشارتِ دولت کہ عنقریب آمد

اس کے بعد میں نے اپنے چچازاد ابی قتادہ سے دو کپڑے عاریتہً لے کر پہنے۔

ف: ہلال بن اُمیہ کو اسعد بن سعد نے اور مرارہ بن ربیع کو سلطان بن سلامہ نے توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سُنائی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری توبہ کی قبولیت کی خوشخبری رات کے آخری حصّہ میں سُنائی، جبکہ رات کا صرف ایک حصّہ باقی تھا اور آپ اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرما تھے اور بی بی صاحبہ میری بہت بڑی مہربان تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اے اُمِ سلمہ! کعب وغیرہ کی توبہ کی قبولیت کا پیغام ابھی ابھی منجانب اللہ پہنچا ہے۔ انہوں نے عرض کی: اگر حکم ہو تو کعب وغیرہ کو ابھی سے خوشخبری پہنچا دُوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، لوگ ابھی سے پھر مبارک باد دینے کے لیے حاضر ہونے لگ جائیں گے۔ اس سے تمہارے آرام و سکون میں خلل پڑ جائے گا۔

جونہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے اور ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شکریہ کے لیے چل پڑا۔ لیکن راستہ میں لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور مبارک باد کے لیے ایک جمِ غفیر جوق در جوق میرے ہاں حاضر ہونے لگا اور سب یہی کہتے تھے کہ اے کعب! تمہیں توبہ کی قبولیت کی مبارک ہو اسی حالت میں میں مسجدِ نبوی میں حاضر ہُوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ جونہی طلحہ بن عبداللہ نے مجھے دیکھا تو پاؤں (پنجوں) کے بل چلتے ہُوئے جلدی سے میرا مصافحہ کیا اور مبارکباد دی اور مہاجرین میں سے سوائے اُس کے اور کوئی شخص میرے لیے نہ اُٹھا۔ یہ بھی انس سے ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ ہجرت اُن کا میرے ساتھ بھائی چارہ مقرر فرمایا تھا۔ میں نے جب مسجد کے اندر داخل ہو کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کیا تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے تمتماتا ہوا نظر آیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ جب کسی بات سے خوش ہوتے تو آپ کے رُخِ انور سے نُور جھڑتا نظر آتا۔ گویا آپ کا چہرۂ اقدس چاند سے زیادہ نور افشاں ہے۔

سلطان سلیم اوّل جو سلاطین عثمانیہ سے ہیں نے فرمایا: ؎

گر آگہی ز معنیٰ والشمس والضحیٰ
تعریف ماہ روئے دلا رائے مصطفیٰ است
بنگر بچرخ دکوکبۂ لشکر نجوم
کانہا فروغ گوہر ولائے مصطفیٰ است

اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ گیا تو مجھے فرمایا:

تمہیں مبارک ہو اے کعب! تیرے دن خیر سے گزر گئے۔ جب سے تجھے تیری امّی نے جنا ہے اُس وقت سے آج تک تیرا معاملہ دگرگوں تھا لیکن آج سے خیر ہی خیر ہو گئی۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:

لقد تاب اللہ علی النبی الی قولہ ــــ وکونوا مع الصادقین۔

اس کے بعد میں نے عرض کی:

یا رسول اللہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃً الی اللہ والی رسولہ۔

یا رسول اللہ! میری توبہ کی قبولیت میں یہ بھی شامل ہو جائے کہ اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دوں۔

آپ نے فرمایا:

امسك علیك بعض مالك فهو خیر لك۔ کچھ مال اپنے لیے باقی رکھو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔

ف: حضرت ابوبکر دراق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ توبہ کی قبولیت کی علامت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:

توبہ کرنے والے پر زمین تنگ ہو۔

یعنی اس کا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا سا حال ہو جائے۔

؎

توبہ کردم حقیقت با خدا
نشکنم تا جان شدی از تن جدا

تفسیر صوفیانہ ان تینوں حضرات کے قصہ میں اشارہ ہے کہ جہاں اصلاح دینی مطلوب ہو وہاں بائیکاٹ جائز ہے اور اس وقت تک بائیکاٹ جاری رکھا جائے جب تک اس کی اصلاح ہو جائے اور جب وہ اس سے صدقِ دل سے تائب ہو جائے تو پھر اس سے بائیکاٹ ختم کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی بدعتِ سیئہ

(بقیہ برص ۸۱۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

کے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان

عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ

پیاری سمجھیں یہ اس لیے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔـوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ

اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں

الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

جس سے کافروں کو غیظ آئے اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے

بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے بے شک اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں چھوٹا یا بڑا اور جو نالہ طے کرتے ہیں

وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا

سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے سب سے بہتر کاموں کا انہیں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ

صلہ دے اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا

کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے سچے دل سے اور مخلصانہ طور پر ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جن امور سے وہ راضی ہوتا ہے ان پر عمل کرو وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝ اور ہر معاملہ میں سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی حق کے قائل و عامل ہو جاؤ۔

ف: یہاں پر مع الصّٰدقین بمعنے من الصّٰدقین ہے یا فی الصّٰدقین۔ اس لیے کہ مع مصاحبت کے لیے ہے اور فی بمنزلہ برتن کے اور من تبعیض کے لیے مستعمل ہے۔ پس جب کوئی صادقین کی جہت میں ہونا چاہتا ہے تو اُس کے لیے یہ تینوں مذکورہ بالا معانی صادق ہو سکتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم صادقین میں یا اُن کے مصاحب یا منجملہ ان میں سے ہو جاؤ۔

مسئلہ: آیت میں صدق کی فضیلت اور اس کے علو مرتبہ ہونے کی دلیل بلکہ اس پر ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ صوفیانہ: بعض اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جو دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض بھی قبول نہیں ہوتا۔ ان سے عرض

بقیہ صـ ۸۰۹ سے آگے

یا فسق میں مبتلا ہو تو اس سے تین روز سے زاید تک بائیکاٹ رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: دُنیوی امور میں تین دنوں سے زاید بائیکاٹ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس بائیکاٹ میں نفس کے معاملہ کو دخل ہو تو وہاں بھی تین دنوں سے زیادہ بائیکاٹ رکھنا ناجائز ہے۔

سوال: اسے تین دنوں سے مقید کرنا کیوں، جبکہ بائیکاٹ دنیوی امور اور حظوظِ نفسانی پر مبنی ہو تو وہ ہر حال میں ناجائز ہو۔

جواب: چونکہ انسان فطرتی طور پر بدخلقی اور غیظ و غضب وغیرہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ انہی عوارض کو دفع کرنے کے لیے اسے تین دن کی مُہلت دی گئی ہے۔ یہ بھی اللہ کریم کا کرم ہے ورنہ عقل کے تقاضے پر اتنی مُہلت بھی ناجائز ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اخوتِ اسلامی میں کوتاہی نہ کرے۔ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بغض اور حسد سے بچے۔ ؎

ہیچ رحمے نہ برادر ببرادر آرد   ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر   پسران را ہمہ بدخواہ پدری می بینم

دلائلِ نعت خوانی جونہی حضرت کعب نے قبول توبہ کا مژدہ بہار سُنا تو فرطِ مسرت میں خوشخبری سنانے والے کو جوڑا کپڑوں کا اتار کر دے دیا۔ خوشخبری سنانیوالے کا نام حمزہ بن عمرو الاسلمی تھا اور اسے فرمایا: بخدا میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا کچھ اور نہ تھا تو میں تیرے حوالے کر دیتا۔ (روح البیان پارہ ہذا تحت آیت وعلی الثلثۃ الذین الخ)

بعید نیست کہ صد جان بمژدہ بستانند   بریں بشارت دولت کہ عنقریب آمد

ف: یہی ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ نعت خوان سے جونہی ہمیں کوئی شعر بھاجاتا ہے تو حسبِ استطاعت ہم اسکی خدمت کرتے ہیں۔

کیا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: صدق۔ ؎

از کجا افتی بجم و کاستی
از ہمہ غم براستی گر راستی
راستی خویش نہاں کس نکرد
بر سخن راست زبان کس کس نکرد

حدیث شریف: قیامت میں تمام تجارت پیشہ لوگ فاجروں میں اٹھیں گے مگر وہ جس نے پرہیزگاری اور صداقت سے کام لیا۔

ف: الفجّار، فاجر کی جمع ہے۔ فاجر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرود گانے اور دیگر محارم میں انہماک رکھتا ہو اور تاجر کو فاجر اس لیے کہا گیا کہ وہ تاجر اکثر بیع و شراء میں جھوٹی قسمیں کھاتے اور غبن فاحش کا ارتکاب کرتے ہیں اور مال میں ملاوٹ سے کام لیتے اور سُودی کاروبار میں بہت زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے حدیث شریف میں "الا من اتقی" فرمایا۔ یعنی وہ تاجر فاجر نہیں جو مذکورہ بالا اقسام بالخصوص جھوٹ سے بچتا ہو اسے برّ یعنی نیک تاجر سے موسوم فرمایا اور وہ تاجر بھی فاجر ہیں جو جھوٹی قسموں کو شعار نہیں بناتے اور نہ ہی اپنے معاملات میں جھوٹ بولتے ہیں۔ بعض محدثین نے یہاں پر من اتقٰی کا وہی عمومی معنٰی لیا ہے یعنی وہ تاجر جس کے دل میں اللہ تعالٰی کا خوف ہے فاجر نہیں کیوں کہ وہ اوامر الٰہی کی پابندی کرتا ہے اور نواہی سے بچتا ہے اور برّ بمعنے ہر ایک سے احسان کرتا، اور کسی کو دُکھ اور تکلیف نہیں پہنچاتا اور اپنے سامان کے ثمن میں سچائی سے کام لیتا ہے۔ نہ ہی وہ اپنے سامان کے رواج دینے میں جھوٹی قسمیں کھاتا ہے مثلاً خریداروں سے کہے بخدا میں نے یہ سامان سو روپے میں خریدا ہے۔ یاد رہے کہ ہر وہ سامان جو جھوٹی قسم سے بیچا جائے اُس سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔

حدیث شریف: بہترین کاروبار تجارت ہے بشرطیکہ تاجر جھوٹ نہ بولیں اور امانت میں خیانت نہ کریں اور وعدہ خلافی نہ کریں اور کوئی خریدے تو مشتری کی مذمت نہ کریں اور اپنی شئے کو بیچتے وقت اس کی تعریف نہ کریں کسی کو کچھ قرض دینا ہے تو اُسے تنگ نہ کریں اور لینا ہے تو بھی مقروض کو پریشان نہ کریں۔

ف: سچائی ہر حال میں بہتر عمل ہے اور شرع نے اس کی مدح فرمائی ہے اور اس کے عامل کے لیے دنیا و آخرت میں تعریف ہوتی ہے۔ ؎

دانی زچہ روسرو رواں سر سبز است
پیوستہ چرا بوستاں سرسبز است
چوں مذہب اوست راستی در ہمہ وقت
برطرف چمن ہمیشہ زاں سرسبز است

صوفیہ کے نزدیک صدق کا معنےٰ: عارفین کے نزدیک صدق کا معنےٰ عبودیت میں سچائی کا ضروری اور حقوقِ ربوبیت کی ادائیگی میں جدّ وجہد لازمی ہے۔

حکایت حضرت احمد بن الحواری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
میں نے حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہٗ سے عرض کی کہ مجھے بنی اسرائیل پر رشک آتا ہے۔
انھوں نے فرمایا: کس وجہ سے؟
میں نے کہا کہ اُن کی عمریں آٹھ سو سال تک ہوتی تھیں۔
آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی بنائی ہے اگرچہ اُن کی عمریں بڑی ہوتی تھیں لیکن اگر ہم صدق دلی اور سچی نیت سے اس کی عبادت کریں تو ہمیں بنی اسرائیل کے برابر ثواب ملتا ہے اس لیے کہ بہت سی بڑی عمر والے وہ مراتب نہیں پا سکتے جو چھوٹی عمر والے کو نصیب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل اگرچہ طویل العمر ہوئے لیکن انھیں وہ مراتب وکمالات نصیب نہ ہوئے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو نصیب ہوئے۔
چنانچہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے منہاج العابدین سے فرمایا کہ بعض حضرات یہ منازل ستر سال میں طے کرتے ہیں۔ بعض انہی منازل کو بیس سال میں طے کر لیتے ہیں اور بعض دس سال میں اور بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں جو ایک سال میں حاصل کرتے ہیں۔ بعض کو وہی مراتب صرف ایک ہفتہ میں حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض کو صرف ایک لمحہ میں نصیب ہو جاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرتے ہوئے جادوگروں کو صرف ایک لمحہ میں بہت بڑا مرتبہ حاصل ہوا، جب انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غلامی اختیار کر لی۔

حکایتِ رابعہ بصریہ بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوڑھی ہوگئیں تو آپ کا مالک آپ کو بیچنے کے لیے بازار لے گیا، سارے بازار کا چکر لگایا تو کوئی ایک خریدار بھی نہ ہوا۔ لیکن ایک تاجر نے صرف ایک سو روپے میں آپ کو خرید کر کے فوراً آزاد کر دیا۔ بی بی صاحبہ آزاد ہوتے ہی عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئیں۔ صرف ایک سال میں ہی اتنا بڑا کمال حاصل کر لیا کہ آپ کے کمالات کے پیشِ نظر بصرہ کے قراء علماء آپ کی زیارت کو حاضر ہونے لگے۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ" میں ہے کہ صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے یومِ میثاق "الستُ بربّکم" کا خطاب سُن کر اپنے عہد کو سچ کر دکھایا کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں بلکہ دُنیا و آخرت کے مقاصد کو یکسر ختم کر کے اپنا مطمحِ نظر صرف ذاتِ حق کو سمجھتے ہیں۔ بلکہ یُوں کہو کہ ہر حادث یہاں تک کہ اپنے جسم سے بھی علیحدگی اختیار کر کے فانی فی اللہ باقی باللہ ہیں۔ ایسے حضرات کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا کہ:
كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

مثنوی شریف میں ہے :

چوں ہمہ صدقت خفی شد در دروغ
ہمچوں طعم روغن اندر طعم دوغ
آں دروغت را ایں تن فانی بوُد
راستنت آں جاں ربانی بُود

صاحبِ رُوح البیان کے پیرومرشد کا مکتوبِ گرامی

صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ قدس سرہٗ نے ایک مکتوبِ گرامی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ :

سچائی کو ہر وقت اپنا معمول بناؤ اس لیے کہ سچائی اخلاص پیدا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کے عامل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام حرکات وسکنات صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ صدق میں بال برابر بھی حظِ نفسانی کو دخل دیا گیا تو تمام صدق وخلوص ضائع ہو جاتا ہے بلکہ جائز ہے کہ ایسے شخص کو جھُوٹا کہا جائے۔ لیکن یاد رکھیے کہ صدق واخلاص کے مراتب لاتعد ولاتحصی ہیں۔ کبھی یُوں بھی ہوتا ہے کہ انسان بعض امُور میں صدق وخلوص کرتا ہے اور بعض امور میں اسے بہت کمی ہوتی ہے اور اگر خوش قسمت صدق کے جمیع مراتب کا جامع ہو تو اسے صوفیہ کی اصطلاح میں صدیق کہتے ہیں اور صادق ومخلص (بالکسر) بھی حظوظ نفس کی تمام ملاوٹوں سے مطلقاً پاک ہونے والے اور صدیق ومخلص (بالفتح) ہر اُس نیک بخت کو کہتے ہیں جو غیریت کی ملاوٹوں سے پاک ہو۔ دوسرا معنیٰ اوسع اور کثیر الاستعمال اور سب پر حاوی ہے اس لیے کہ ہر صدیق ومخلص (بالفتح) صادق ومخلص (بالکسر) ہے لیکن ہر صادق ومخلص (بالکسر) صدیق ومخلص (بالفتح) نہیں۔ اس کے بعد میرے شیخ نے اپنے مکتوب میں اسرار ورموز لکھے جو سُورہ الم نشرح کی تفسیر سے متعلق ہیں۔ میں انہیں طوالت کی وجہ سے یہاں نہیں لکھتا۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اولیآ اللہ کے ذوق اور ان کے مراتب سے نوازے۔

صادقین سے مرشدین کرام مراد ہیں جو مریدین کو واصل باللہ بناتے ہیں۔ اگر کوئی سالک ان سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور ان کی نیازمندی اور ان کی خدمت کے لیے گامزن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی عقیدت ومحبت و تربیت کی برکت سے اسے بھی سیر الی اللہ کے مراتب سے بہرہ ور فرماتا ہے بلکہ اسے وہ مرتبہ عطا فرماتا ہے جس سے وہ ماسوی اللہ کو ترک کر دیتا ہے۔

تقریر دلپذیر حضرت شیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر

حضرت شیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرشد کامل کی رہبری پر عمل نہیں کرتا اگرچہ معمولی طور بھی ان کے کسی امر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو سمجھو ابھی وہ اپنے نفس کی خواہشات میں گرفتار ہے اگرچہ وہ اس طرح زندگی بھر مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے بلکہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا ہے اس کے آگے کالمیت (مُردہ ہو کر) زندگی بسر کرے اور حتی الامکان اپنے مرشد کی خدمت

اور عزت و عظمت میں کمی نہ کرے اور خود کو اُن کے ہاتھ گیند کی طرح سمجھے کہ وہ جس طرح چاہیں مرید میں تصرف کریں۔ اس میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے جسے یہ طریق کار نصیب ہو وہ یقین کرے کہ زندگی سعادت سے بسر ہوگی۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم کرے جس کا وہ حکم دیں اسے بجا لائے جس سے روکیں اس سے رک جائے (یہاں تک کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ آگ میں چھلانگ لگانے کا بھی حکم دے دیں تو ذرہ بھر گریز نہ کرے۔ اگر وہ کسی ہنر کے سیکھنے کا امر فرمائیں تو اس ہنر کو اس ارادہ پر سیکھے کہ مرشد کا حکم ہے اس میں اپنے ارادہ کو دخیل نہ بنائے اگر وہ فرمائیں کہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاؤ آرام سے گھر بیٹھ جاؤ تو وہی حکم بجا لائے لیکن یہ سمجھ کر کہ مرشد کا حکم ہے اس میں بھی نفس کی خواہش کو درمیان میں نہ لائے اس لیے کہ مرشد اپنے مرید کی مصلحتوں کا بہت زیادہ واقف ہے۔

سبق: لازم ہے کہ مرشد ایسا تلاش کیا جائے جو کامل واکمل ہو اور رہبری کرنا جانتا ہو نہ آنکہ خود گم است کرا رہبری کند۔ اور اسے نفس کی تمام شرارتوں اور ان کی اصلاح کا تجربہ حاصل ہو یہاں تک کہ وہ مرید کو ذاتِ حق تک پہنچا سکے۔ ایسے مرشد کامل سے مرید کو کمالات نصیب ہوتے ہیں۔ (کذا فی مواقع النجوم)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
سست و ریزیدہ چوں آب و گل مباش
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو
ہمچو موسٰے زیر حکم خضر رو
شیخ را کہ پیشوا و رہبر است
گر مریدی امتحاں کر دار خر است

اللہ تعالٰے ہم سب کو کاملین سے سوءظنی اور بداعتقادی کے امراض سے محفوظ فرمائے اور اہل ارشاد کے طریقے پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

تفسیر عالمانہ مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اہل مدینہ کے لیے نہایت ناموزوں ہے۔

ف: المدینہ دار ہجرت یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک کے لیے الثریا والنجم کی طرح کا لعلم (علم کی طرح) ہے جب یہ لفظ مطلق ہوگا مثلاً کہا جائے گا مدینہ قاہرہ وغیرہ۔

قاعدہ: اس کی طرف نسبت کرنا مطلوب ہو تو "مدنی" اور دوسرے شہروں کی نسبت کے لیے "مدینی" کہا جائے گا تاکہ مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فرق ہو۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: کوئی شہر ایسا نہیں جس کے اسماء مدینہ طیبہ یا مکہ معظمہ کے برابر ہوں۔ یعنی ان دونوں شہروں کے اسماء کثیر التعداد ہیں۔ (کذا قال الامام النووی)

بعض علماء کرام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک سو نام ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ دارالاخیار	۵۔ دارالفتح
۲۔ دارالابرار	۶۔ البارہ
۳۔ دارالسنۃ	۷۔ طابہ
۴۔ دارالسلامۃ	۸۔ طیبہ

آخرالذکر دو ناموں سے اس لیے موسوم ہوا کہ یہاں زندگی خوشگوار بسر ہوتی ہے یا اس لیے کہ اس شہر اقدس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عطر مہکتی ہے جبکہ دوسرے شہروں کو یہ شرف نصیب نہیں۔ اس شہر مبارک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس پاک شہر کی مٹی مبارک کوڑھ اور برص بلکہ ہر بیماری اور اس کی عجوہ کھجور زہر کے لیے شفا ہے۔ دوسری خصوصیت اس شہر مبارک اور مکہ معظمہ کی یہ بھی ہے کہ ہر دور میں اہل علم وفضل ان میں ساکن رہے اور رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔

ف: مدینہ طیبہ قیامِ قیامت سے چالیس سال پہلے ویران ہوگا اور اس کے باشی بھوک (فاقہ) سے مریں گے۔

وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اور نہ ہی ان بادیہ نشینوں کے لیے لائق ہے جو مدینہ طیبہ کے گرد رہتے ہیں اس سے مزینہ وجہینہ واشجع وغفار وغیرہ قبائل مراد ہیں۔

سوال: ان لوگوں کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ یہ لوگ مدینہ کے نواح میں رہ کر نبوت کے قریب ہوتے اور غزوۂ تبوک کے لیے ان کی روانگی کو جاننے کے باوجود جنگ پہ نہ جا سکے اس لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جائیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ پر تشریف لے گئے بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنگ پہ جانے کی اطلاع دی اور انہیں ترغیب دی لیکن اس کے باوجود آپ کی رفاقت سے یہ لوگ محروم رہے۔

ف: یہ نفی بمعنے نہی محض تاکید کی بنا پر ہے۔

وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ یہ باء تعدیہ کی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

رغبت عنه اعرضت عنه۔

یعنی میں نے اس سے روگردانی کی۔

اسے باء سے متعدی کرکے گویا اس محاورہ سے لیا گیا جبکہ کہا جاتا ہے:

رغبت بنفسی عنه۔

اس سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو روگردان بنایا۔ آیت کا لغوی معنیٰ یوں ہوا کہ اپنے آپ کو حضور

علیہ السلام سے رُوگردان بنایا۔ آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام سے رُوگردان نہ بناؤ۔ یعنی جنگ کی جن تکالیف و شدائد کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرمایا تم ان سے اپنے آپ کو نہ بچاؤ۔ جب وہ تکالیف و شدائد سے اجتناب نہیں کرتے تم کیوں بچنے کی سعی کرتے ہو بلکہ تمہارے لیے لازم ہے کہ تم اُن کے ساتھ ہو کر کفار کے مقابلہ کیلئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ مناسب بھی یہی ہے کہ جب رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی سختی و گرمی سے نہیں گھبرائے تو اُمت کیوں گھبراتی ہے۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ اُمت کو چاہیے کہ اپنے نفوس کو نفسِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیں۔ ہر ممکن حد تک اپنے نفوس ان کے بچاؤ کے لیے ڈھال بنائیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام کے حقوق واجبہ سے ہے کہ اُمت اُن پر اپنی جانیں قربان کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اُن پر لطف و کرم فرمایا کہ اُنھیں دعوتِ حق دے کر دولتِ ایمان سے نوازا ہے اور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے صدقے انھیں راہِ حق نصیب ہُوا کہ جس سے وہ آتش سے بچ گئے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ نبی علیہ السلام کی متابعت کے وجوب کی طرف ہے۔

سوال : وجُوبِ متابعت کا معنیٰ تم نے کہاں سے لیا جبکہ اُس کا پہلے ذکر ہوا ہی نہیں۔

جواب : ہم نے پہلے عرض کیا ہے ولا یتخلفوا و لا یرغبوا نفی بمعنے نہی ہیں اور تخلف و اعراض کی ضد متابعت و مشایعت ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی ضد وجوب متابعت و مشایعت ثابت ہُوئی۔ (وھو المراد والمطلوب)

بِاَنَّهُمْ بسبب اس کے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا انھیں شرف نصیب ہوا **لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ** انہیں معمولی پیاس بھی نہیں پہنچے گی **وَلَا نَصَبٌ** اور نہ ہی انہیں معمولی طور پر جسمانی تھکان محسوس ہوتی، **وَلَا مَخْمَصَةٌ** اور نہ ہی وُہ بھوک میں مبتلا ہوئے **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** راہِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ میں **وَلَا يَطَـُٔوْنَ** اور جس راہ پر نہ چلتے یا اُن کے گھوڑے دوڑتے اور نہ اُن کے اُونٹ راہ طے کرتے **مَوْطِئًا** وطئًا کا مصدر ہے جیسے موعد وعد کا مصدر ہے یا اسم مکان بمعنے مفعول ہے **يَغِيْظُ الْكُفَّارَ** کفار کو غصہ میں لاتا ہے یعنی جہاں سے بھی اہلِ اسلام گزرتے ہیں کفار غم و غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہیں اس لیے کہ یہ فطرتی امر ہے کہ دشمنوں کے گھروں سے گزر ہو تو وہ لامحالہ رنج مناتا اور غصہ کھاتا ہے۔ الغیظ بمعنے انقباض الطبع برؤیۃ ما یسوہ یعنی رنج و غصہ پہنچانے سے شے کو دیکھ کر طبیعت کا منقبض ہونا۔ الغضب، قوۃ طلب الانتقام انتقام طلب کرنے کی قوت کو غضب کہا جاتا ہے **وَلَا يَنَالُوْنَ** یہ نیل سے مشتق ہے بمعنے پانا یعنی اور نہیں پاتے **مِنْ عَدُوٍّ** دشمن کی جانب سے۔ نیلاً بمعنے میل ہے اگر اسے مفعول بہ بنایا جائے اس سے آفت و محنت جیسے قتل و قید اور ہزیمت و خوف مراد ہے **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ** یہ محلاً منصوب ہے ظمأ سے اور اس کے جمیع معطوفات سے حال ہے یعنی جملہ امور مذکورہ میں سے انھیں کسی حال میں نہیں پہنچتا مگر ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے **عَمَلٌ صَالِحٌ** ایسا نیک مقبول عمل جو ان کے لیے اجرِ عظیم کا موجب بنے۔

ف : کاشفی نے اس کا معنیٰ لکھا کہ ان حضرات کو ان مذکورہ بالا امور سے جو کچھ پہنچے گا تو وہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنگ میں مذکورہ بالا تکالیف میں سے کوئی ایک تکلیف پہنچنے پر ستر کا ثواب ملے گا۔

ف : مذکورہ ہر دو تراجم عام تفاسیر میں ہیں۔ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ نَیل بمعنے دشمن سے کسی دکھ اور تکلیف کا پہنچنا، وہ جسمانی ہو یا روحانی وغیرہ۔ یہ معنے ہر دو مذکورہ معانی سے مختلف ہے۔ (کما لایخفی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۙ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر ضائع نہیں کرتا۔ یعنی انہیں احسانِ عظیم سے نوازتا ہے۔ یہ کُتِبَ کی تعلیل اور اشارہ ہے کہ جہاد بھی احسان ربانی ہے۔

سوال : اہلِ ایمان کے لیے جہاد کو احسان کہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ کفار کے لیے احسان کیسا ؟

جواب : کفار کے ساتھ جہاد کا مقصد یہی ہے کہ انہیں راہِ راست نصیب ہو۔ اُن سے کفر کی گندگیاں دُور ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جیسے مجنون و پاگل کی پٹائی اس لیے کی جاتی ہے کہ اُسے صحت و عافیت نصیب ہو۔ ؎

سفیہانرا بود تادیب نافع
جنوں را چوبست دافع

اور اہلِ ایمان کے لیے جہاد احسانِ عظیم ہے کہ جہاد سے اہلِ ایمان کو کفار سے حفاظت اور اُن پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔

وَلَا یُنْفِقُوْنَ اور جہاد میں خرچ نہیں کرتے نَفَقَةً صَغِیْرَةً تھوڑا سا خرچ جیسے کھجور کا صرف ایک دانہ۔ اسی طرح صرف ایک ڈنڈا یا جنگی گھوڑے کی نعلبندی وغیرہ وغیرہ وَّلَا كَبِیْرَةً اور نہ ہی بڑا خرچ۔ جیسے حضرت عثمان و عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے جیش العسرہ میں خرچ کیا۔ اس کی تفصیل والذین یلمزون المطوعین الآیہ میں ہم نے عرض کر دی ہے وَلَا یَقْطَعُوْنَ اور کفار کی کسی زمین کو طے نہیں کرتے جنگ پہ جاتے ہوئے یا واپسی پر وَادِیًا دراصل پہاڑوں اور ریت کے ٹیلوں کے اُن رستوں کو کہا جاتا ہے جہاں سے سیلاب کا گزر ہو۔ ودی یدی کا فاعل ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی بہہ نکلے لیکن اب اس کا استعمال مطلق زمین کے لیے ہوتا ہے۔

اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ مگر ان کے صحیفوں اور عمل ناموں میں اُن کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ یعنی اُن کے وہی اعمال مثلاً جنگ کے لیے ان کا تھوڑا بہت خرچ کرنا یا جنگ کے لیے آنا جانا وغیرہ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ یہ کتب کے متعلق ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کی بہتر جزا عنایت فرمائے۔ یہاں مضاف الیہ محذوف ہے اس لیے کہ نفسِ عمل تو جزا نہیں بنتے بلکہ اُن کے اعمال جزا کا موجب اور سبب ہیں۔

ف : بنابیع میں لکھا ہے کہ غازی کے اعمال میں سے اگر ایک ہزار عمل ہو اور ان میں صرف ایک احسن ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی باقی نوسو ننانوے نیکیوں کو ایک احسن کے مرتبہ میں بنا دے گا تاکہ عوام میں مجاہدین

اور غازیوں کے مراتب واضح ہوں۔

جہاد کے فضائل جہاد کے ایسے فضائل ہیں جو دُوسری عبادات میں نہیں پائے جاتے۔ ویسے جہاد ایک حرفت ہے جو نبی علیہ السلام کا خصوصی مشغلہ ہے۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عُیَینہ کسی ایسے مقام سے گزرے جہاں کا پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا تھا انھیں وہاں کی فضا پسند آگئی انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے وہاں قیام پذیر ہو جائیں لیکن خیال کیا کہ اس کے لیے اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اجازت حاصل کر لوں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور فرمایا تمہارا جہاد میں صرف ایک گھڑی بھر ٹھہرنا اس مقام پر ستّر سال کی نماز نوافل وغیرہ سے افضل ہے۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش کر تمہیں بہشت میں داخل کرے۔ فلہذا تم فی سبیل اللہ جہاد کرو۔ جو شخص اُونٹنی دوہنے کی مقدار بھی جہاد کے لیے حاضری دیتا ہے اس کے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے۔

ف : فواق الناقۃ اونٹنی دوہتے وقت پستان پر صرف ہاتھ رکھ کر اٹھانے کی دیر کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ : حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ علیحدگی اختیار کر کے عبادت کے لیے بیٹھنے سے جہاد پر حاضر ہونا افضل ہے۔

سبق : صحابی کے درجہ کو نگاہ میں رکھ کر سوچیئے کہ اس نے عبادت کے لیے تنہائی کی اجازت چاہی تو نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم نے اجازت نہ بخشی۔ تو پھر اُس بندے کا کیا حال ہے جو فراغت کے باوجود زندگی گناہوں میں گزارتے ہُوئے جہاد سے گریز کرتا ہے۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
رُوزیکہ رخت جاں بجہان دِگر کشیم

مسئلہ : اگر کوئی مجاہد عذر سے جنگ پہ حاضر نہ ہو سکے لیکن اس کی نیت نیک اور عزم پختہ ہو کہ جنگ پہ ضرور حاضر ہوگا۔ مگر عذر معقول مانع ہو تو اُسے بھی جنگ کی حاضری کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا: ہمارے مجاہد ایسے بھی تھے جنھیں ہم نے مدینہ طیبہ میں چھوڑا۔ لیکن ہم جس وادی اور گھاٹی سے گزرتے تو وہ ہمارے ساتھ موجود تھے۔ اگرچہ انہیں عذر معقول سے جنگ میں حاضر نہ ہونے دیا۔ یعنی وہ ثواب کے استحقاق میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک تھے اس لیے کہ اُن کی نیت اور ارادہ حاضری کا تھا۔ لیکن عذر کی وجہ سے جنگ پہ حاضر نہ ہو سکے۔ نیت کے لحاظ سے وُہ ہمارے ساتھ رہے اگرچہ جسمانیت کے لحاظ سے غیر حاضر تھے اگر انھیں عذر مانع نہ ہوتا تو وہ جسمانیت کے لحاظ سے بھی ہمارے ساتھ ہوتے۔

ازالۂ توہم ابن الملک نے فرمایا: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غیر حاضر مجاہدین کو جنگ پر حاضر ہونے والوں کے برابر ثواب ملے گا

بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر حاضرین کو ثواب ملے گا لیکن اجر عظیم اور مرتبہ بلند صرف انھیں نصیب ہوگا جو جنگ پہ حاضر تھے۔
کما قال تعالیٰ :

فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آیت میں تو مطلقاً حاضرین کو غیر حاضرین پر فضیلت کا بیان ہے لیکن حدیث شریف میں غیر حاضرین کے لیے عذرِ معقول کی قید لگا کر ان کی نیت اور عزم کا اظہار فرما کر اُن کے ثواب کی فضیلت بلکہ برابر کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ اس سے ضح ہوتا ہے کہ اس نیت و ارادہ کی برکت سے وُہ بھی حاضرینِ جہاد کے برابر ثواب پائیں۔ بلکہ بسا اوقات نیت و ارادہ کو ایسا خلوص نصیب ہوتا ہے جس کی تاثیر سے وہ اس فعل کے عامل سے فوقیت حاصل کر لیتا ہے اور قاعدہ شرعیہ بھی ہے کہ بہت سے اعمال نیک نیتی سے عمل کرنے سے فضیلت میں بڑھ جاتے ہیں اس کے علاوہ دیگر شواہد بھی ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت ماکان لاھل المدینۃ میں مدینہ سے قلب اور اہل سے نفس وہوا، اور من حولھم من الاعراب سے صفاتِ نفسانیہ کے اعراب مراد ہیں اور ان یتخلفوا عن رسول اللہ میں رسول اللہ سے رسول الروح مراد ہے۔ اس لیے کہ وہی راجع الی اللہ اور اس کی طرف وہی سیر کرتا ہے ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہٖ یعنی وہ قلب و نفس اور اُن کے صفات اپنے وجود کو رسول الروح، اپنے آپ کو فنا فی اللہ بنانا ہے لا یصیبھم ظمأٌ یعنی وُہ اپنے وجود کو فنا کرنے سے نہ گھبرائیں اس لیے کہ فنا کے بعد نہ انھیں شہوات کی پیاس ستائے گی ولا نصبٌ اور نہ ہی انھیں راہِ حق اور طلبِ ذات میں لذات کی تکالیف اور دنیوی حرص و ہوا سے پریشانی کی بھوک پہنچے گی ولا یطئون موطئاً اور فنا کے جن مقامات کو عبور کرتے ہیں یغیظ الکفار جو نفس و ہوا کے کفار کو غیظ و غضب میں ڈالتے ہیں ولا ینالون من عدوٍ اور جو کچھ پہنچتے ہیں دشمن شیطان و دنیا و نفس سے نیلاً اس سے بلاؤ محنت و فقر و فاقہ وجد وجہد اور ہم و حزن اسی طرح جملہ فنا کے اسباب مراد ہیں الا کتب لھم فنا فی اللہ کی تکالیف و مصائب کے برابر اُن کے لیے بقا باللہ کے مراتب و کمالات لکھے جاتے ہیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ہ یہاں پر محسنین سے وہ حضرات مراد ہیں جو فنا کے بعد بقا باللہ کا مقام حاصل کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان حضرات کو باقی باللہ بنا دیتا ہے تاکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کریں جس سے انھیں مشاہدہ نصیب ہو۔ اس لیے کہ اصطلاحِ تصوف میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کر رہا ہے ولا ینفقون نفقۃً یعنی وہ وجود کو جس قدر فنا کرتے ہیں صغیرۃ ولا کبیرۃ۔ صغیرۃ سے وجود الصفات اور کبیرۃ سے وجود الذات کی فنا مراد ہے کہ اپنی صفات و ذات کو حق کے صفات و ذات میں فنا کر دے۔ ولا یقطعون وادیاً یہاں پر وادی سے دُنیا و آخرت اور نفس و ہوٰی اور قلب و رُوح مراد ہیں۔ الا کتب لھم یعنی ان حضرات کے لیے مذکورہ بالا امور سے

فارغ البال ہونے پر قُربِ الٰہی اور اعلیٰ مراتب اور بلند درجات لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ:

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا۔

یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اسے ایک گز اپنے قریب کر دیتا ہوں۔

لیجزیھم اللّٰہ۔ تاکہ انہیں اللہ تعالےٰ بقا و فنا کے مراتب سے نوازے احسن ما کانوا یعملون ○ یعنی وہ اللہ تعالےٰ کی طلب میں جس قدر عبودیت میں جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اس کی بہتر جزا عنایت فرمائیں گے۔ یعنی اتنے بڑے مراتب و کمالات عطا فرمائیں گے کہ وہاں نہ اُن کی عقل پہنچ سکے نہ ادراک کی رسائی ہو اور نہ اُن کے وہم و گمان میں ہو۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اعددت لعبادی الصالحین۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط یہ لام نفی کی تاکید کے لیے ہے اور اہلِ ایمان کے لیے نہایت نامناسب ہے کہ جنگ یا طلب علم کے لیے سب کے سب چل پڑیں جیسا کہ اُن کے لیے ناموزوں ہے کہ سب کے سب جنگ یا طلبِ علم سے محروم رہیں۔

مسئلہ: اس سے ضمناً طلب معاش کا امر ہو رہا ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ پس کیوں نہیں جاتے۔ یہ لولا، ھلّا کی طرح تحضیض کا حرف ہے۔

قاعدہ: حرف تحضیض جب فعل ماضی پر داخل ہو تو وہ ترک فعل کی توبیخ کا فائدہ دیتا ہے۔

قاعدہ: ترک فعل پر توبیخ سے فعل کا وجوب ثابت ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلب علم کے لیے جانے کا یہ حکم وجوب کا متقضی ہے۔ یعنی طالب علم کے لیے جانا واجب ہے۔

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ہر بہت بڑی جماعت سے ایک گروہ یعنی قبیلہ و برادری سے یا بہت بڑے شہر سے چند افراد۔

ف: آیت کریمہ سے فرقہ و طائفہ کا فرق بتایا گیا ہے کہ فرقہ بہت زیادہ اور طائفہ چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے[1] اس کو قلت کو کثرت سے خارج کیا جا سکتا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ فرقہ اکثر اور طائفہ قلیل افراد کو کہا جائے بلکہ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ طائفہ ایک سے اُوپر افراد پر اطلاق ہوتا ہے۔

لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ تاکہ دین کی فقاہت (سمجھ) حاصل کریں بلکہ اس کے حصول میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور اس پر جتنی مصیبتیں اور مشقتیں درپیش ہوں انھیں سر پر رکھنے کو سعادت اور فخر سمجھیں۔

ف: احکامِ دین کی معرفت کو فقہ کہا جاتا ہے۔

---

[1] اس آیت سے تقلید شخصی کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب تقلید میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ تاکہ جب واپس آئیں تو اپنی تمام برادری کو احکام الٰہی بتائیں اور اللہ تعالےٰ کے احکام پر عمل کرنے پر انعامات کی خوشخبری سنائیں اور ان سے روگردانی پر عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ یعنی اُن کے حصول علم کی اصلی غرض وغایت صرف یہی ہو کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو دین اسلام کی رہبری کریں۔

سوال : آیت میں صرف انذار کا ذکر ہے حالانکہ اس میں تبشیر بھی ضروری ہے۔

جواب : بشارۃ سے انذار اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ پہلے شے کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے۔ پھر اسے زیور اور نیا لباس پہنایا جاتا ہے۔ انذار نفس کے لیے بمنزلہ صفائی کے ہے اور ابشار بمنزلہ زیورات اور اچھے لباس کے ہے اور پھر اہم کی تصریح سے غیر اہم ضمناً خود مذکور ہو جاتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ یعنی اُن کا ارادہ یہ ہو کہ تعلیم وتعلّم کے بعد اپنی برادری کو راہِ حق بتائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ دینی علوم کا حصول اور مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرنا فرض کفایہ ہے۔

تنبیہ الطلبہ اس میں طلبائے اسلام کو تنبیہ ہے کہ وہ حصولِ علم میں نیت اور اپنی غرض و غایت کی اصلاح کریں۔ یعنی علم پڑھنے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ وہ اپنی اصلاح کریں گے پھر بحکم خدا اہلِ اسلام کو احکام الٰہی کی تبلیغ کریں گے۔ تحصیلِ علم کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ عوام سے بلند قدر ہو جائیں گے اور علماء بن کر زندگی کے عیش لوٹیں گے[1] اور بہترین لباس وخوراک ہوگا اور عوام ہمارے غلام بن کر رہیں گے وغیرہ۔

اسباق برائے طلباءِ اسلام

سبق نمبر ۱ : طالب علمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحصیلِ علم میں صرف رضائے الٰہی اور خدمتِ اسلام اور اپنے سے ازالۂ جہل اور دوسرے اہلِ اسلام سے ازالۂ جہل و احیاء وبقاءِ اسلام مطلوب رکھے اس لیے کہ اسلام کی احیاء وبقاء علم سے ہے اور زہد وتقویٰ کے لیے بھی علم ضروری ہے ورنہ جہل سے زہد وتقوےٰ وعبادت وغیرہ وبالِ جان بن جاتی ہے۔

علم آمد دلیل آگاہی
جہل برہان نقص و گمراہی
پیش اربابِ دانش وعرفاں
کے بود ایں تمام و آں نقصاں

سبق نمبر ۲ : طالب علم کو ضروری ہے کہ وہ اثنائے تعلیم نیت کرے کہ حصولِ علم میں اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں

---

[1] ہمارے دَور کے وہ علماء توجہ فرمائیں جو ڈگریوں کے چکر میں پڑ کر پھر ملازمتِ گورنمنٹ کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں بالآخر (اکثر کا) نتیجہ یہ ہوتا ہے:

؎ ایسے ہوئے مہذب کبھی رب کا گھر نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

کہ اس نے عقل وفہم سے نوازا اور صحت بدن اور سلامتی حواس بخشی تاکہ آیت :
"وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥
اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماؤں کے شکموں سے نکالا تم ایسی حالت میں تھے کہ تم کسی شے کو بھی نہ جانتے تھے۔ اور تمہارے لیے سمع وبصر اور دل بنایا تاکہ تم شکر کرو۔" پر عمل ہو جائے۔

سبق نمبر ۳ : طالب علم کو چاہیے کہ ایسے استاد کی شاگردی اپنائے جو عالم ومتقی وپرہیزگار اور سن رسیدہ (اور سُنّی العقیدہ) ہو۔ اگرچہ ایسے اوصاف والے استاد کی تلاش میں کچھ دیر بھی لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استادِ بزرگ کی تلاش کے لیے اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں :

مَیں ایک دن بصرہ گیا اور مجھے اپنے علم پر کامل اعتماد تھا کہ مجھ پر جس طرح کا بھی سوال ہوگا میں لبفضلہ تعالیٰ سب کا تسلی بخش جواب دُوں گا۔ چنانچہ جب شہر میں داخل ہُوا تو مجھ سے چند سوالات کیے گئے جن کا مجھ سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ مَیں حضرت حماد (استاذ امام اعظم رضی اللہ عنہما) کی صحبت اختیار کروں۔ چنانچہ میں نے بیس سال ان کی خدمت اقدس میں گزارے اور ان کی پاکدامنی سے مَیں بہت متاثر ہُوا۔ اب ہر نماز میں اپنے استاد اور والد گرامی کے لیے دُعا مانگتا ہُوں۔

نکتہ : اساتذہ کی صحبت اور اُن کی دُعاؤں میں بہت بڑی عجیب وغریب تاثیرات ہوتی ہیں۔

حکایت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثابت یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے والد گرامی نے حلوہ تیار کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت اقدس میں پیش کیا وہ دن سیروز مہرجان یعنی گویا عید کے دن عیدی پیش کی تو سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ثابت اور اُن کی اولاد کے لیے برکت کی دُعا مانگی۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دعا کی برکت کا ثمرہ ہے کہ میرے صاحبزادے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی علماء وفقہاء بلکہ ائمۂ مجتہدین مدح وثنا کرتے ہیں۔

سبق : جب طالب علم کو استاد کامل عالم باعمل میسر آجائے تو اس سے وہ علم حاصل کرے جو آخرت کے لیے احسن اور نافع تر ہو۔ سب سے پہلے علم پڑھے جو فرض عین ہے یعنی ان اعتقادات میں سے جن کا جاننا فرض ہے اور وُہ ظاہری وباطنی مسائل جن کا سیکھنا ضروری اور لازمی ہے اسے علم الحال سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ علم جس کا بہت جلد سیکھنا فرض ہے۔

ف : حضرت عز بن عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
جس علم کو سیکھنا فرض ہے اس کی تین اقسام ہیں :

۱۔ علم التوحید
۲۔ علم اللہ

۴ ۔ علم الشریعت

۱ ۔ علم التوحید : وُہ علم جو بندے کو سنِ شعور کے بعد اصولِ دین سے یاد کرنا ضروری ہے علم التوحید کہلاتا ہے۔ اس لیے بندے پر واجب ہے کہ پہلے یہ جانے کہ اس کا معبود ایک ہے۔ جب اسے یہ یقین نہیں کہ اس کا کوئی معبود بھی ہے تو پھر وہ عبادت کس کی کریگا۔ بنا بریں پہلے باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسماء کو جانے۔ پھر وہ معلومات حاصل کرے کہ کون سی باتیں اس کی شان کے لائق ہیں اور کون سی باتیں اس کے لائق نہیں۔ اگر یہ نہ جانے گا تو بہت سی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کی جاتی ہیں جو اس کی شان کے شایاں نہیں، اس لیے اسے بجائے ثواب کے عذاب نصیب ہوگا۔

۲ ۔ علم اللہ : یہ وہ علم ہے کہ جو دل اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔ یہ علم بھی سیکھنا فرض ہے اس سے توکل و انابت اور خشیتِ ایزدی مراد ہے اس لیے کہ ان سے اکثر اوقات انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض اموُر وُہ ہیں جن سے اجتناب لازمی ہے جیسے حرص، غضب، کبر، حسد، عُجب، ریاء وغیرہ۔ انھی امور کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کلّ مُسلمٍ و مُسلمۃ ۔

ہر مسلمان مرد و زن پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

سوال : تم نے صرف اس قسم کو حدیث مذکور میں کیوں شامل کیا حالانکہ حدیث شریف میں العلم مطلق ہے جو علم التوحید کو بھی شامل ہے۔

جواب : چونکہ علم التوحید لفظ مُسلم و مُسلمۃ میں ضمناً مذکور ہو چکا ہے اس لیے ہم نے اسے شامل نہیں کیا۔ اگر شامل کیا جائے تو تحصیل الحاصل لازم آئے گا۔

سوال : نماز کے مسائل بھی یاد کرنے فرض ہیں تم نے اُنھیں بھی شامل نہیں کیا۔

جواب : ہمارے عموم میں وہ بھی شامل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ اُن کی ادائیگی کا موقعہ ملتا ہی نہیں۔ مثلاً ایک شخص بوقتِ چاشت بالغ ہو کر ظہر سے پہلے فوت ہو جائے تو ایسے شخص پر اگرچہ نماز فرض ہوئی لیکن وُہ اسے ادا نہ کر سکا۔ اس لیے اس پر مسائل کے سیکھنے کی فرضیت کیسی۔ بنا بریں ثابت ہوا کہ حدیث شریف میں صرف مسائل متعلق بقلب مراد ہیں اس لیے کہ اس کے مسائل ہر وقت اور ہر شخص پر لازم ہیں۔ اسی لیے اُن کا یاد کرنا بھی اوّلین فرائض میں سے ہے۔

۳ ۔ علم الشریعت : وہ واجباتِ شرعیہ جو ہر انسانِ مکلف پر واجب ہیں اُن کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے تاکہ بندہ احکامِ شرعیہ کو حکم شرع کے مطابق ادا کر سکے۔ اسی طرح ان مناہی کا علم سیکھنا بھی فرض ہے جن سے شرع پاک نے نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ معلوم کر کے انہیں ترک کر سکے۔

ف : یہ تمام عبادات و معاملات کو شامل ہے۔ مثلاً کوئی بیع و شراء تجارت کا کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے۔ یا کوئی کسی

قسم کی صنعت سیکھتا ہے تو اسے اس کے متعلق مسائل سیکھنا فرض ہے تاکہ شرع کے مطابق معاملات سطے کر سکے۔

مسئلہ : بعض وُہ امور ہیں جن سے انسان کو گاہے گاہے واسطہ پڑتا ہے تو اُن کے مسائل سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

ف : علوم شرعیہ پانچ ہیں :

○ علم کلام ○ حدیث شریف ○ اصولِ فقہ
○ تفسیر ○ فقہ

ف : عین المعانی میں لکھا ہے کہ :

لیتفقھوا الخ میں صرف آخرت مراد ہے اس لیے کہ انذار (ڈرانا) صرف اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر اس میں علم المعاملہ و المکاشفہ شامل کیا جائے گا۔

تنبیہ علم المعاملہ دونوں جہتیں رکھتا ہے اگر اسے صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو اللہ جل جلالہٗ سے ملانے والا ہے ورنہ اس سے دُور کرنے والا۔

ف : علم اعمال الجوارح و اعمال القلوب اسی علم المعاملہ میں شامل ہیں۔

ف : حدیث شریف میں علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ :

فضل العالم علی العابد کفضلی علی اُمتی۔

عالم کی عابد پر فضیلت ویسی ہے جیسی میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر، یہ فضیلت اُس علم کے لیے ہے جو علم مکاشفہ سے بہرہ ور ہو۔ اس لیے کہ علم مکاشفہ اصل ہے باقی علوم اسی کی فروع ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل کا عالم فروع کے عالم سے افضل ہوتا ہے۔

مسئلہ : فرض اصلی کے علم کے حصول کے بعد علم فروض کفایہ حاصل کیا جائے۔ مثلاً تفسیر، تاریخ، فتاویٰ یہ سب فروض کفایہ ہیں۔ ان کا حصول فرض اصلی کے بعد ہونا چاہیے۔

تنبیہ : وُہ علوم جو متعلق بہ فرض کفایہ ہیں اُن کے مسائل بھی اسی قدر حاصل کیے جائیں جن کی ضرورت ہے اُن کے نوادر کی تحقیقات میں تضییع اوقات نہ کی جائے۔ جتنا پڑھتا جائے اسی پر عمل کرنے کی جدوجہد کی جائے[1]

مسئلہ : قبلہ کی جہت اور اوقات الصلوٰۃ کے لیے بقدر ضرورت علم النجوم سیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ : علمِ طب میں اسی قدر سیکھ لینا چاہیے کہ جس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال وغیرہم کا علاج معالجہ کیا جا سکے۔

ف : الاشباہ والنظائر میں ہے :

تحصیل علم کی کئی اقسام ہیں :

---

[1] اس میں ہمارے طلبہ غور فرمائیں جو عمل صالح کا نام تک نہیں لیتے لیکن ہوتے ہیں علامہ۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

۱۔ دین کی ضروری باتوں کے مسائل سیکھنا فرض عین ہے۔

۲۔ دین کے ضروری امُور سے زائد ایسے مسائل سیکھنا جن سے دینی فائدہ ہو یہ فرض کفایہ ہے۔

۳۔ مندوب یہ ہے کہ علم فقہ و تصوّف میں بہت بڑا ادراک حاصل ہو۔

۴۔ حرام جیسے علم الفلسفہ والشعبدہ۔ التنجیم یعنی نجومی بننا۔ رمل۔ علوم الطبائعیین ایسے علوم فنون حاصل کرنا حرام ہیں۔ ایسے ہی وہ منطق جس میں فلسفہ کا دخل ہو (نہ ہماری مروج منطق) اسی طرح علم الحروف والموسیقی سرود گانے وغیرہ سیکھنا حرام ہے۔

۵۔ مکروہ فحش گانے کی غزلیات واشعار وغیرہ کے طور طریقے سیکھنا۔

۶۔ مباح وُہ اشعار و غزلیات جو مبنی بر فحش وغیرہ نہیں۔ بلکہ اس میں عوامی حیثیت ہوتی ہے پھر انہیں ہر ایک اپنی نیت جدھر لے جائے۔

منطق کی تعلیم کی تحقیق

حضرت خادمی نے فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں منطق کی تعلیم کی حُرمت کی تصریح نہیں دیکھی۔ اگر کسی نے لکھ دیا کہ (یجوز الاستنجاء باوراق المنطق) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ منطقی ابحاث میں تضیع اوقات نہ کرے بلکہ مابہ الضرورۃ پڑھ کر دُوسرے فنون کے حصول میں لگ جائے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ منطق کے وُہ ابحاث پڑھے جائیں جن میں فلسفہ کے فن کا ایک ذریعہ اور آلہ ہے اس لیے بعض فقہاء و محدثین نے اس کے پڑھنے پڑھانے سے ممانعت فرمائی ورنہ مروجہ منطق میں کوئی ایسی قباحت نہیں جو شرع پاک کے منافی ہو۔ (ہمارے مدارس عربیہ میں منطق کا جو نصاب داخل ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے)

مسئلہ: قہستانی نے فرمایا کہ اطہمات للاسنوی میں مرقوم ہے کہ اس ورق سے استنجاء مکروہ ہے، جس پر کسی علم محترم کے الفاظ مسطور ہوں۔ مثلاً اس پر نحو وغیرہ کے حروف مرقوم ہوں۔ ہم نے علم محترم کی قید اس لیے لگائی ہے کہ غیر محترم علم جیسے حکمیات سے منطق وغیرہ کے اوراق سے استنجاء جائز ہے۔ (لیکن یہ قول بھی قابل قبول نہیں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف ردّی کاغذ سے استنجاء تو بجائے خود اس کی بے ادبی بھی گوارہ نہیں کرتے۔ مزید تحقیق فتاویٰ رضویہ مصنفہ سیّدی شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ میں دیکھیے۔

تنبیہ از شیخ الاکبر قدس سرہٗ

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ اکبر الاطہر نے مواقع النجوم میں لکھا ہے کہ منطق میں غیر ضروری ابحاث سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ غیر ضروری ابحاث میں پڑنا تضیع اوقات ہے اور تضیع اوقات بھی ایک جُرم ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ بقدر ضرورت علم حاصل کر کے نیک عمل میں جد و جہد کرے۔

طلباءِ اسلام کے فضائل

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جسے خواہش ہو کہ وُہ جہنم سے آزاد شدہ لوگوں کو دنیا میں دیکھے تو اُسے چاہیے کہ

وہ طلباءِ اسلام کی زیارت کرے۔ بخدا ہر وہ طالب علم جو اپنے استادِ گرامی کے ہاں درس گاہ یا اُن کے گھر کی حاضری دیتا ہے تو اُسے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کے ایک قدم پر بہشت میں اس کے لیے ایک شہر تیار ہوگا اور وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اسے دُعائیں دیتی ہے اور ہر شام و سحر اس کی مغفرت کا اعلان ہوتا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ یہ طلباءِ اسلام دوزخ سے آزاد ہیں۔

اساتذہ کے فضائل علم کی نشر و اشاعت اور اس کی رہبری یعنی تعلیم و تدریس اور تبلیغ کے بھی بہت فضائل وارد ہیں۔

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں فرمایا کہ اگر صرف ایک آدمی تیرے سبب سے ہدایت پا جائے تو تیرے لیے سارے سال کی عبادت سے افضل ہے اور علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اس لیے کہ جیسے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خلقِ خدا کی رہبری میں مشغول رہے ان کے ورثا بھی ایسے ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔

تنبیہ ہر رہبر یعنی عالمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دینی خدمات میں یہ نیت کرے کہ میری خدمتِ اسلامی سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و جاہ اور کمال و مرتبہ میں اضافہ ہو کہ جس قدر کثیر التعداد افراد ان کے فرماں بردار ہوں گے اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت میں راحت اور خوشی ہوگی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انی مکاثر بکم الامم"

بیشک میں قیامت میں کثیر فرماں برداروں کی وجہ سے دُوسری اُمم پر فخر کروں گا۔

نکتہ صُوفیانہ عوارف المعارف میں ہے عارفین نے علمِ وراثت سے وافر حصّہ لیا۔ علمِ وراثت یہ ہے کہ علم کے مطابق عملِ صالح کی جدّوجہد کی جائے۔ اس کی برکت سے علمِ وراثت نصیب ہوتا ہے ایسے لوگ علماءِ ظواہر کے علم میں برابر ہوتے ہیں لیکن علومِ وراثت کی وجہ سے اُن سے ممتاز ہوتے ہیں۔ علمِ وراثت فقہ فی الدین کا دُوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلولا نفر الآیۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انذار کا وہی حق ادا کر سکتا ہے جسے علمِ فقہ سے وافر حصّہ نصیب ہو اور انذار کی برکت سے منذر کو علم کے پانی سے احیا نصیب ہوتا ہے اور احیاء صرف فقیہ فی الدین کا مرتبہ ہے اور یہی تمام مراتب سے بلند و بالا اور محل ترین مرتبہ ہے اور یہ علمِ فقہ صرف اس عالم کو حاصل ہوتا ہے جو تارک الدنیا اور متقی ہو، اور یہ مرتبہ اسے انذار سے حاصل ہُوا جو اس نے اپنے علم سے خلقِ خدا کو عنایت فرمایا۔

شانِ رسالت کا بیان تمام مراتب کا سرچشمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے ہی انذار سے خلقِ خدا کو مستفیض فرمایا۔ آپ پر خداوندِ قدوس سے علمِ ہُدیٰ کی بارش ہُوئی پھر آپ سے تمام قلوب و نفوس کو فیض نصیب ہُوا ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

تنبیہ: یاد رہے کہ یہ علم صرف دُعا اور آرزو سے نصیب نہیں ہوتا بلکہ اس کے حصول کے لیے سعی و کاوش کرنی پڑتی ہے۔

حکایت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ سے عرض کی گئی کہ آپ کو یہ بہت بڑا مرتبہ کہاں سے نصیب ہوا؛ آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے گھر میں تیس سال کی محنتِ شاقہ سے۔ ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ

از یمن دُعا شب و ورد سحرے بود

سبق: آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ نافع علم حاصل کرنے کے لیے ترکِ وطن کریں۔

حکایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ایک حدیث شریف کے لیے مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے اور کسی کو کمال ملا تو صرف قلبِ مکانی اور وطن سے ہجرت کر کے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا: ؎

سافر تجد عوضا عمن تفارقه

وانصب فان اکتساب المجد فی النصب

فالاسد لولا فراق الجنس ما فرست

والسهم لولا فراق القوس لم یصب

ترجمہ: سفر کر اس لیے کہ جسے تُو چھوڑ جائے گا اس کا تجھے بدلہ ملے گا۔ اور محنت کر اس لیے کہ محنت میں بزرگی نصیب ہوتی ہے۔ شیر بھی اپنے مقام کو چھوڑتا ہے تو حملہ کرتا ہے۔ اسی طرح تیر کمان کو چھوڑتا ہے تو شکار کر سکتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جفا بزدہ چہ دانی تو قدر یار تحصیل کام دل بتگاپوئی خوشتر است

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں فرماتے ہیں؛ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر لازم ہے کہ وہ صورت و معنیٰ کی طرف ہجرت کریں۔ صورت کی طرف ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کاملین و مکملین اور واصلین و موصلین کی تلاش میں نکلتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تھے۔ اور معنے کی طرف ہجرت کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا: (بقیہ برصفحہ ۸۲۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ

اے ایمان والو جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾

سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ

اور جب کوئی سورۃ اترتی ہے تو ان میں سے کوئی کہنے لگتا ہے کہ اس نے تم میں کس

هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ

کے ایمان کو ترقی دی تو وہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس نے ترقی دی اور وہ

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ

خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی

رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ

بڑھائی اور وہ کفر ہی پر مر گئے کیا انہیں نہیں

اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا

سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں پھر نہ تو

يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو

نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ

تو ان میں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر

انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾

پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ

گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت اور اُن کی حقانیت کا اقرار کیا۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ جنگ کرو ان لوگوں سے يَلُوْنَكُمْ جو تمہارے قریب کے رشتہ دار ہیں یلونکم، الولی سے ہے، بمعنے الدنو یعنی نزدیک ہونا مِنَ الْكُفَّارِ کافروں میں سے۔ یعنی جنگ کرو ایسے دشمنوں سے جو تمہارے ساتھ قرب اور رشتہ داری رکھتے ہیں، اور ان سے جہاد کرو جو نسبی لحاظ سے قرب رکھتے ہیں۔ پھر اسی طرح اور رشتہ داروں سے۔ ایسا نہ ہو کہ قریبی رشتہ دار کو چھوڑ کر دُوسروں سے لڑو۔

مسئلہ: یہ قرب عام ہے رشتہ داری ہو یا شہریت کے اعتبار سے ہو یا اہل وعیال کے لحاظ سے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ جو کافر رشتہ دار کو امان دے تو سمجھو کہ وہ اپنے غیروں سے لڑائی رکھتا ہے۔

مسئلہ: کفار سے جنگ وجہاد واجب ہے بالخصوص جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں۔ اسی طرح اقرب فالاقرب۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے رشتہ داروں سے جنگ کی، پھر دُوسرے عربوں سے، پھر شام والوں سے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ رہا کہ جب شام کی فتوحات سے فارغ ہُوئے تو پھر عراق پر چڑھائی کی۔ اسی طرح ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے اہلِ اسلام پر فرض ہے کہ پہلے اقرب کو دعوت دیں پھر دوسروں کے ساتھ لڑیں بشرطیکہ اقرب سے جنگ کرنے پر اس علاقہ کے اہلِ اسلام کو ضرر نہ پہنچے۔

مسئلہ: تبلیغ و دعوت اسلام کی بھی یہی ترتیب ہے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اس سے تبلیغی جماعت کے پھندے میں پھنسنے والے سوچیں کہ ان کے جانسے ہیں آکر کبھی چین کا دورہ کرتے ہیں کبھی لندن کا۔ لیکن خود اپنی حالت یہ ہے کہ میاں تبلیغی دورے پر تو بیوی سینما میں۔

سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں کے لیے حکم فرمایا کما قال تعالیٰ :

وانذر عشیرتك الاقربین ۔

اس لیے کہ تبلیغ ایک شفقت ہے اور شفقت کے سب سے زیادہ حقدار قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح بھی سب سے پہلے اُن ہی کی ضروری ہے، اس لیے کہ اُن کے حقوق کی پاسداری کی زیادہ تاکید ہے۔

ف : فرائض کے بعد وہ دُوسرے نفلی عبادات افضل ہیں جو جسم سے متعلق ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"مجھے تو فرائض کے بعد جہاد سے زیادہ افضل کوئی عمل معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جہاد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب مشغلہ تھا"۔

امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"فرائض کے بعد دُوسروں پر علم سے اور کوئی عمل افضل نہیں۔ اس لیے کہ تمام اعمال کا دارو مدار علم پر ہے ، اس کے بعد جہاد"۔

حکایت عجیبہ در فضیلت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کو قیامت میں کہاں ملیں ؟

آپ نے فرمایا : امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے قریب۔

حدیث شریف نبوت کے قریب تر اہل علم ہیں اُن کے بعد اہل جہاد اہل علم اس لیے کہ وُہ لوگوں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہُوئے احکام کی رہبری کرتے ہیں اور اہلِ جہاد تلوار سے احکامِ الٰہی اور عالمین احکامِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ جہاد نوع انسانی کے بقاء کا سبب ہے۔ اگر جہاد متروک ہو جائے تو دشمن غالب ہو کر نوعِ انسانی کو ختم کر دیں گے اور یہ آخرت میں دائمی حیات کا سبب ہے اس لیے کہ جہاد شہادت کا موجب ہے اور شہادت ہی حیاتِ دائمی بخشتی ہے اور شُہداء مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ط اور چاہیے کہ وُہ پائیں تم میں سختی۔

ف : غلظة بمعنے شدت وصبر علی القتال۔ قاموس میں ہے کہ الغلظة ، مثلثة رقة کی ضد کو کہتے ہیں ۔ یہ کلام

بقیہ صفحہ ۸۲۸ سے آگے

انی ذاهب الی ربی سیهدین ۔ بیشک اپنے رب کی طرف جاتا ہوں م

اس میں قالب اور اس کی صفات سے نکل کر قلب اور اس کی صفات کی طرف پھر قلب سے رُوح اور اس کی صفات کی طرف پھر رُوح سے رُوح کو فنا کر کے تخلق باخلاق اللہ کی سیر کرنا۔ اسی کو سیر الی اللہ کہتے ہیں اور اخلاق اللہ سے اپنی ذات کو صفات اللہ کی تجلی میں فنا کر کے ذات اللہ کی طرف سیر کرنا۔ اسے سیر باللہ کہتے ہیں اور انانیت سے ہویت کی طرف پھر ہویت سے الوہیت کی طرف ابدالآباد سیر کرنا۔ اسے سیر باللہ من اللہ الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (مختصراً)

"لا اریناک ھھنا" (میں تجھے پھر یہاں نہیں دیکھوں گا)، اگرچہ بظاہر یہ اپنے آپ کو مخاطب کے نہ دیکھنے کی بات کر رہا ہے لیکن درحقیقت وُہ مخاطب کو روک رہا ہے کہ وُہ یہاں پر نہ آئے۔ اس آیت میں بھی اگرچہ بظاہر کفار کے لیے حکم ہے کہ وہ تمہارے متعلق سختی کریں لیکن درحقیقت اہلِ ایمان کو حکم ہے کہ وہ کفار پر سختی اور شدت کریں۔ کلام میں صراحۃ کی بجائے کنایہ سے کام لیا گیا ہے یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر پیغمبر سخت رو بد در جہاں
یکسو راہ گفت بر جیش شہاں
رو نگردانید از ترس و غمی
یک تنہ تنہا بزد بر عالمے
گوسفنداں گر برونست از حساب
اینہشاں کے برسداں قصاب

حکایتِ سکندر

سکندر سے کہا گیا کہ دارا کے کروڑوں جنگی سپاہی ہیں۔ سکندر نے کہا: کیا ہوا، قصاب بکریوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔

حکمت

اہلِ عرب فرماتے ہیں کہ شجاعت انسان کی ڈھال ہے اور بزدلی انسان کی قاتل ہے۔ بہادروں کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے۔ دشمن کو پیچھے سے مارنے والے بہت ہوتے ہیں لیکن بالمقابل لڑ کر قتل کرنے والے بہت تھوڑے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

آنکہ جنگ آرد بخون خویش بازی کند
روز میداں وانکہ بگریزد بخون لشکری

کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

زہرۂ مرداں نداری چوں زناں در خانہ باش
ور بمیداں میروی از تیر باراں بسر مگرد

حکمت

بادشاہ، وزراء اور دیگر اراکینِ دولت لشکر میں بمنزلہ دل کے ہوتے ہیں اور لشکر بمنزلہ دیگر اعضاء کے۔ پھر جیسے دل کی کیفیت ہے کہ وہ درست تو سارا جسم درست۔ اسی طرح امیرِ لشکر اگر ثابت قدم ہے اور دلیری و شجاعت دکھائے تو سارا لشکر دلیر ہوگا۔

نکتہ: بہرام نے کہا:

جو سر پر تاج رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنا دل ہتھیلی پہ رکھے اور جو بادشاہ اپنا قدم گھر سے باہر نہیں رکھنا چاہتا تو سمجھے کہ چند روز کے بعد نہ شاہی رہے گی نہ مال و دولت بلکہ سر بھی نہیں رہے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔ یعنی متقی کی نگرانی و اعانت فرماتا ہے۔

ف: معیتِ الٰہی سے ولایت دائمہ مراد ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کے ساتھ ہے پھر متقین کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ جنگ میں وہ جان ہتھیلی پر رکھتے ہیں اسی لیے انھیں خصوصی معیت کی خوشخبری سُنائی گئی۔

سوال: قاعدہ نحو یہ کے مطابق یہاں ضمیر ھم لانا مناسب تھا یعنی کہا جاتا "ان اللّٰہ معھم" اسم ظاہر یعنی "مع المتقین" کیوں کہا گیا؟

جواب: اسم ظاہر یعنی متقین لانے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کی علت تقویٰ ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے متقیوں کو اپنی معیت سے اُن کے تقویٰ و توحید و ایمان و اسلام و طاعت کی وجہ سے اور ان کے شرک کفر و نفاق و عصیان بمطابق حکم شرع بچنے سے نوازا یا یُوں کہو کہ اللہ تعالیٰ میں محویت پاکر ما سوی اللہ سے بحکم حقیقت فارغ ہوجاتے ہیں۔ یہ معیت نہ کفّار کو نصیب ہُوئی نہ منافقین کو اور گنہگاروں کو بھی، کبھی غلبہ حاصل ہوتا ہے تو بطور استدراج کے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس لیے نصیب ہوتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ جس قدر کفّار پر غلبہ پاتے ہو اسی قدر تمہاری رُوحانیت میں رونق اور جلاء ہوتی ہے۔ اس بناء پر اہلِ ایمان تمہارے قدموں میں گرتے ہیں۔

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر اپنی کتاب مواقع النجوم میں لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ کسی بندے کو مقامات بلند پر فائز المرام فرمائے تو اس کے مقابلے کے لیے ان دشمنوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو بندے کو رشتہ میں قریب تر ہوتے ہیں تاکہ اس مقرب بندے کو جہاد کے فضائل مدِ نظر رہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کرے لیکن پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے، پھر غیروں سے، کما قال:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ الخ

صوفی صافی اور اسی طرح ہر بلند قدر انسان کو اس آیت سے حظِ وافر نصیب ہوتا ہے کہ وہ اس آیت سے نفسِ امارہ کی جنگ کا سبق سیکھتے ہیں جبکہ انھیں نفسِ امّارہ طرح طرح کے مکر و فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے بلکہ اسے ہر واجب و مندوب سے ادائیگی سے باز رکھنے کی جدّ و جُہد کرتا ہے اس لیے کہ اسے پیدا ہی اسی لیے کیا گیا ہے اور ہے بھی تمام اعداء و کفار سے انسان کو قریب تر۔ جب کوئی بندۂ خدا اس کے ساتھ جہاد کر کے اسے قتل کر دیتا ہے یا کم از کم اسے قید کر لیتا ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ غیروں کی طرف توجہ دے لیکن اس قدر جتنا اُس کا مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ نفس تمام دشمنوں سے بدترین اور سخت ترین دشمن ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ جہاد کا نام جہادِ اکبر ہے

اور نفس سے جہاد کا معنےٰ یہی ہے کہ اس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے اور اس کی گندی عادات کو مٹا کر اسے طاعتِ الٰہی کا خوگر بنایا جائے۔ ؎

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں
ماند از و خصم بتر دد اندروں
قد رجعنا من الجہاد الاصغریم
ایں زماں اندر جہاد اکبریم
سہل شیر آں درنکہ صفہا بشکند
شیر آنرا وانکہ خود را بشکند

قاعدہ صوفیانہ نفسِ امارہ کے پاس دو ہتھیار بہت زبردست ہیں:

۱۔ شہوتِ فرج

۲۔ شہوتِ شکم

یہ ایسی دو تلواریں ہیں کہ بڑے بڑے مضبوط لوگوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ یاد رہے کہ شہوتِ شکم شہوتِ فرج سے زیادہ قوی اور سخت ہے اس لیے کہ فرج کی شہوت شکم کی شہوت سے پرورش پاتی ہے۔

؎

زاں نداری میوۂ مانند بید
کآب روبروی پے نان سپید

نکتہ: پیٹ کو اگرچہ حلال لقموں سے بھرا جائے تب بھی شرارت سے باز نہیں رہتا۔ پھر اس بدبخت کی کیا حالت ہو گی جو حرام کے لقموں سے شکم پروری کرتا ہے۔

نسخہ روحانی: جو پیٹ بھر کر طعام کھاتا ہے وہ راہِ حق اور طریقت سے بھٹک جاتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدّام سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے ماننے والو! اپنے پیٹوں کو طعام سے خالی اور اپنے جگروں کو پانی سے پیاسا رکھو۔ پھر تمہارے دل اللہ تعالےٰ کے دیدار کے قابل ہوں گے اور اس کے انوار و تجلیات سے نوازے جاؤ گے۔

ف: یہی خرابیاں زیادہ بولنے سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کو ایذا پہنچانے پر بھی رُوحانی نقصانات ہوتے ہیں۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے ستانے پر عمل نہ کرے بلکہ دنیا میں کسی کے ایذاء دینے کا تصوّر

بھی ذہن سے اتار دے اس لیے کہ سالک کے لیے دُکھ دینے والا اور احسان کرنے والا برابر ہوتے ہیں بلکہ اتنا ہو جائے کہ وہ بُرائی دینے والے کو بھی محسن سمجھے۔

ف : نیند زیادہ کرنے سے بھی وہی رُوحانی نقصانات ہوتے ہیں جو مذکور ہوئے۔

مخفی بھید اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ جو چالیس راتیں خالص رضائے الٰہی کے لیے آنکھوں میں کاٹ دے یعنی نیند نہ کرے تو اُس کے لیے ملکوت سماوات کے پردے ہٹا دیے جاتے ہیں تو وہ ہر وقت ملکوت سماوات کا معاینہ کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے غفلت کے پردے ہٹا دے اور وہی سب کی دُعا قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَاۤ یہ ما موصولہ جزا و شرط کو موکد کرنے کے لیے لایا گیا ہے اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ جب قرآن مجید کی کوئی سُورت اتاری جاتی ہے۔

ف : قرآن پاک کی ایک سو چودہ سُورتیں ہیں اس پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔

ف : سُورة کلامِ الٰہی کے ایک حصّہ کو کہتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ پس بعض اُن منافقین سے وُہ ہیں مَنْ یَّقُوْلُ جو اپنے ایماندار بھائیوں سے بطور انکار و استہزاء کہتے ہیں اَیُّكُمْ یہ مُبتدا ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِس سُورت میں کون سی سورت تمہارا ایمان بڑھاتی ہے۔ اِیْمَانًا یہ زادتہ کا مفعول بہ ہے۔

سوال : جب منافقین کے عقیدہ پر اہلِ ایمان میں ایمان ہی نہیں تھا تو پھر ایمان بڑھانے کا کیا معنٰے!

جواب : منافقین نے اہلِ ایمان کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر ایسے کہا۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ استہزاء و انکار منافقت کی علامت ہے۔

ف : منافقین کے سوال کا جواب اور ان کے استہزاء و انکار کا جواب آنے والی آیات سے دیا کہ جو سمجھتا ہے کہ اس کا ایمان وحی کے ذریعے اور اس پر عمل کرنے سے بڑھتا ہے تو وہ پکّا مومن ہے کما قال :

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بہرحال وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئے ہُوئے جملہ احکام پر ایمان لاتے ہیں فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا تو آیاتِ قرآنیہ اور سورہ فرقانیہ اس کے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں۔ یعنی متعلق کی بناء پر، لیکن ایمان کا متعلق سے اضافہ پذیر ہونا زمانۂ نبوی سے مخصوص ہے۔ حضور تاجدارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے ہاں اس کے درجات مختلف ہیں ان میں کمی بیشی ہُوا کرتی ہے جیسے ایک شخص ایمان کی تفصیل سے واقف ہے دوسرا صرف اجمال کو جانتا ہے تو تفصیل والے کے درجات اجمال والے سے بہت بلند ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص شئے کو دُور سے دیکھتا ہے دُوسرا اس شئے کو قریب ہو کر، تو جو قریب سے دیکھے گا وہ بہ نسبت دُور سے دیکھنے والے کے اس شئے سے زیادہ واقفیت رکھنے والا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ : ایمان تصدیق قلبی کو کہا جاتا ہے اور احسان (تصوّف) کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے

وقت یُوں سمجھے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر اتنی رسائی نہ ہو تو کم از کم یُوں تصور رکھے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

یاد رہے کہ حقیقتِ احسان وُہ مرتبہ ہے جسے "کُنْتُ سَمْعَهٗ و بصرہ الذی" یعنی قربِ نوافل کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اُونچا مرتبہ فرائض کے قُرب کا ہے جسے "سمع اللہ لمن حمدہ" میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کعبہ معظمہ کو دُور سے دیکھتا ہے تو اس کو کعبہ معظمہ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے لیکن جونہی قریب ہو کر دیکھتا ہے تو اس کا یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ پھر جب اُس کے اندر داخل ہوتا ہے تو یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اصل اعتقاد میں نہ کمی ہُوئی نہ بیشی، البتہ اعتقاد کے درجات میں اضافہ وکمی ضرور ہے۔

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ اور وُہ قرآنی سورتوں کے نزول اور ان کے احکام اور ان کے دینی و دنیوی منافع سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ بہر حال جن لوگوں کے دل میں کفر اور بُرے عقائد کا مرض ہے۔

نکتہ: حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقت کو دل کا مرض اس لیے بتایا کہ منافقت ایک حیرت کا نام ہے اور وُہ قلب کو لاحق ہوتی ہے جیسے بدن کے درد کو بدن کی بیماری کہا جاتا ہے۔ صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ دل کی بیماری ہو یا جسم کی، دونوں ہلاکت و تباہی کا موجب بنتی ہیں۔ ظاہری بیماری اس لیے کہ اس کا انجام موت ہے اور باطنی مرض کا انجام رُوح کی ہلاکت کا دُوسرا نام ہے۔ ہر دو بیماریوں کا علاج ان کی مناسبت پر کیا جائے۔

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ پس وُہ سُورتیں پلیدی کو ان کی پلیدی میں ملاتی ہیں۔ یعنی اُن کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کے عقاید باطلہ اور اخلاقِ مذمومہ زیادہ خراب ہوتے ہیں۔

فرق ما بین نجس و رجس نجس و رجس میں فرق یہ ہے کہ رجس اکثر عقلی غلاظتوں کے لیے مستعمل ہے اور نجس طبعی غلاظتوں کے لیے۔ یعنی جس غلاظت سے عقل کو نفرت ہو وُہ رجس ہے اور جس سے طبع کو نفرت ہو وہ نجس ہے۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اور وُہ کافر ہو کر مرتے ہیں یعنی کفر ان میں ایسا مستحکم ہو جاتا ہے کہ پھر اسی پر اُن کی موت وارد ہوتی ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتایا ہے کہ آسمان سے سورتوں کے نزول سے اہلِ ایمان کو دُو فائدے ہوتے ہیں اور اہلِ کفر کو دُو نقصان۔

اہلِ ایمان کے دُو فائدے یہ ہیں:

۱۔ اضافۂ ایمان

۲۔ استبشار

اور اہلِ کفر و نفاق کے دُو نقصان یہ ہیں:

۱۔ رجس

۲۔ موت علی الکفر

حدیث شریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی برکت سے قیامت میں ایک گروہ کی عزت افزائی اور اُن کے درجات بہت بلند فرمائے گا۔ یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں تو قیامت میں اُن کی شان دیدنی اور قابلِ رشک ہوگی۔ اور دُوسرے گروہ کی قرآن مجید کے انکار کی وجہ سے ذلّت اور رسوائی ہوگی یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہ لائے ہوں گے اور نہ ہی اس کی عظمت کا اقرار کیا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت[1] میں ذلیل و خوار رکھا جائے گا۔

اَوَ لَا يَرَوْنَ یہ ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف علیہ محذوف و مقدر ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہے:

الا ینظر المنٰفقون و لا یرون۔

یعنی کیا منافقین دیکھتے نہیں۔

اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ بے شک وہ ہر سال آزمائے جاتے ہیں مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ایک یا دو بار۔

ف: یہاں پر گنتی مراد نہیں بلکہ کثرت مطلوب ہے کہ سال بھر میں مختلف بلیّات و امراض اور شدائد میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان صعوبتوں سے یہ مطلوب ہے کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں اور منافقت ترک کر کے پکے سچے مسلمان ہوجائیں۔

ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ اس کا عطف لَا يَرَوْنَ پر ہے اور یہ بھی انکار و توبیخ کے حکم میں داخل ہے یعنی کیا پھر وُہ توبہ نہیں کرتے وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ انھیں اپنا آزمائش میں پڑنا نظر نہیں آتا (جو وُہ بھی منجملہ اُن کی رہبری کا ایک سبب تھا) پھر وہ اپنی منافقت اور کفر اور جن غلط کاریوں میں مبتلا ہیں ان سے تائب ہوجائیں اور ان آزمائشوں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں جو اُن کے تائب ہونے کا بہتر ذریعہ ہے لیکن قسمت نے یاوری نہ کی۔

تفسیر صُوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایسی آزمائش زندہ دلی کا انتباہ تو بن سکتی ہے لیکن جس کا دل مردہ ہو اُسے یہ آزمائش کیا نصیحت دے گی۔ کفّار کے دل چونکہ مُردہ تھے اسی لیے وہ محروم رہے اور جس کا دل مُردہ ہو وہ کبھی واصل باللہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس پر کسی ناصح کی نصیحت اثر انداز ہوسکتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔

---

[1] دنیا میں ایمان سے محروم رکھ کر اور آخرت میں سخت عذاب ۔۱۲

اور فرمایا : لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

ور نگوئی عیب خود باری خمش

از نمایش از دغل خود را مکش

گر تو نقدے یافتی مکشا دہاں

ہست در رہ سنگہائے امتحاں

گفت یزداں از ولادت تا بحین

یفتنون کل عام مرتین

امتحاں بر امتحانست اے پدر

ہیں بکمتر امتحاں خود را مخر

ماہیاں را بحر نگذارد بروں

خاکیاں را بحر نگذارد دروں

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اور جب کوئی سورتِ قرآنی آسمان سے نازل کی جاتی ہے۔

ربط : اب اُن کا وہ حال بیان کیا گیا ہے جو محفلِ تبلیغ میں ہوتا ہے جیسے پہلی آیات میں ان کا مقولہ بیان کیا گیا جو محفل سے غائبانہ ہوتا تھا۔

نَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ تو وہ ایک دُوسرے کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

ف : یہاں پر نظر سے نظرِ مخصوص مراد ہے۔ یعنی نزولِ سورۃ کے وقت انکار و استہزاء کا دیکھنا اور اس پر طعن و تشنیع کی سی صورت بنا کر ایک دُوسرے پر نظر ڈالنا۔ یعنی ایک دُوسرے کی طرف دیکھ کر انکار و استہزاء کے طور غمزے و اشارے کرتے ہیں۔

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ یعنی منافقین استہزاء و انکار کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھتے کہ کیا مسلمانوں میں سے کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا تاکہ اُن کے دیکھنے سے پہلے ہی ہم مسجد و محفل سے باہر نکل جائیں اور انہیں کہہ سکیں کہ ہم سُورۃ کے نزول سے نہیں ہنستے اور نہ ہی ان کی تضحیک (ٹھٹھہ مخول) کرتے ہیں۔ اس کیفیت سے اُن پر ہنسی مذاق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ انْصَرَفُوْا پھر لوٹ جاتے ہیں۔ اس کا عطف نظر بعضھم الخ پر ہے۔

سوال : یہاں وجدان الفرصۃ اور وقوف عدم رویت احد من المسلمین کو تراخی کے قائم مقام تصور کر کے ثمّ لایا گیا ہے۔ یعنی سب کے سب وحی سے پلٹ جاتے ہیں تاکہ اُن کی ہنسی و مذاق سے رُسوائی نہ ہو۔

جواب : آیت کا معنٰے یہ ہے کہ ایک دُوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی مسلمان دیکھ لیتا ہے جب تم مجلس سے اُٹھتے ہو۔ اُن کی عادت تھی کہ اگر کوئی مسلمان مجلس سے اُن کے اُٹھنے کو دیکھتا تو وہ مسجد سے اُٹھ جاتے اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اُن کے اُٹھنے کا

مسلمانوں کو علم ہو جاتا ہے تو حضور علیہ السلام کی فراغت از خطبہ تک بیٹھے رہتے۔ فراغت کے بعد اُٹھ کر چلے جاتے۔

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پلٹ دیئے یعنی ان کا مجلس سے نکلنا ان پر نحوست کا موجب بنا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے ہٹا دیا۔

ف: یہ جملہ دعائیہ ہے۔

بِاَنَّهُمْ یہ باء سببیہ ہے یعنی بہ سبب اس کے کہ بے شک وہ منافق قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ ایسے لوگ ہیں کہ انھیں کوئی سمجھ نہیں یعنی نہ انھیں کوئی فہم ہے نہ تدبّر۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھیں قلب کی فقاہت نصیب نہیں۔ جیسے جہل ایک اندھیرا ہے جو مُردہ قلب پر چھا جاتا ہے اُن منافقین کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اُن کے قلوب پر ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ اے اللہ! ہمیں تدبر کرنے والوں، نصیحت کرنے والوں، نصیحت حاصل کرنے والوں اور عبرت پکڑنے والوں سے بنا۔ اصحاب القلوب یعنی اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں؛

——ایک قسم یہ ہے کہ وہ جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لهم قلوب لا يفقهون بها۔

——دُوسری قسم وُہ ہے جن کے جسم تو انسانی ہوتے ہیں لیکن اُن کے ارواح شیطانی۔

——تیسری قسم وُہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے سایہ میں ہوں گے۔ اُس دن سوائے اللہ تعالےٰ کی رحمت کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

ف: حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: قلب کو چھ چیزیں لاحق ہوتی ہیں:

① حیات ④ بیماری
② موت ⑤ بیداری
③ تندرستی ⑥ خواب

۱- اس کی حیات کا نام ہدیٰ ہے۔
۲- اس کی موت گمراہی ہے۔
۳- اس کی تندرستی صفائی سے ہوتی ہے۔
۴- اس کی بیماری دُنیوی تعلقات سے اُٹھتی ہے۔
۵- اس کی بیداری ذکرِ الٰہی سے ہوتی ہے۔
۶- اس کی نیند غفلت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

ہر صباحے چوں سلیمان آمدے
خاضع اندر مسجدِ اقصےٰ شدے
نوگیا ہے رستہ دیدے اندرو
پس بگفتے نام و نفع خود بگو

تو چہ دارو ئے و چہ نامت چیست
تو زیاں کہ و نفعت بر کیست
پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام
کہ من آنرا جانم و ایں را حمام
پس سلیماں داند اندر گوشہ
نوگیاہے رستہ ہمچوں خوشہ
گفت نامت چیست برگوئے دہاں
نامِ من خرّوب اے شاہِ جہاں
گفت فعلت چیست و از تو چہ رود
گفت من رستم مکان ویراں شود
من کہ خرّوبم خراب منزلم
من خرابی مسجد آب و گلم
پس سلیماں آں زماں دانست زود
کہ اجل آمد سفر خواہد نمود
گفت تا من ہستم ایں مسجد یقین
درخلل ناید ز آفات زمین
پس خرابی مسجد ما بیگماں
نبود الا بعد مرگ ما بداں
مسجد است آندل کہ جسمش ساجد است
یار بد ہر جا مسجد است
یار بد چوں است در تو مہر او
ہیں ازو بگریز و کم کن گفتگو
برکن از بیخش کہ گر سر بر زند
مرترا و مسجدت را بر کند

خلاصۂ ترجمہ: حضرت سلیمان روزانہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تو نیا گھاس اُگا ہوا دیکھتے تو اُس سے اس کا نام اور اس کے نفع و نقصان کی کیفیت پوچھتے تو وہ بھی زبانِ حال سے

سب کچھ بتا دیتا۔ چنانچہ ایک دن ایک نیا گھاس دیکھ کر اس سے حسبِ دستور وہی سوال کیا، تو اُس نے کہا میرا نام خرّوب ہے میں جہاں اُگتا ہوں اس جگہ کو ویران کر کے چھوڑتا ہوں۔ اس سے آپ سمجھ گئے کہ میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا مسجد کی آبادی ہمارے دم قدم سے ہے ہم چلے گئے تو مسجد ویران ہو جائے گی۔ بس یہی قرینہ ہمارے سفرِ آخرت کا ہے۔ اس کے بعد مولانا رُوم قدس سرہٗ نے نصیحت فرمائی ہے کہ یارِ بد سے انسان کو دُور رہنا لازم ہے وغیرہ وغیرہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ بے شک یہ خطاب جمیع عرب و عجم کو ہے۔ اب معنٰی یہ ہوگا اے تمام لوگو! تمہارے ہاں تشریف لائے رَسُوْلٌ ایسے رسول (علیہ السلام) جو بڑی شان والے ہیں۔ رسول شریعت میں ہر اس انسان کو کہا جاتا ہے جسے تبلیغِ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف بھیجے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں سے۔ یعنی وہ تمہاری جنس سے ہیں (یعنی بظاہر) تمہاری طرح آدمی ہیں یعنی نہ وہ ملائکہ سے ہیں اور نہ کسی اور جنس سے۔ یہ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری غیر جنس سے ہوتے تو تم ان سے نفرت کر کے اُن کی اتباع سے محروم ہو جاتے اور کہتے کہ ہم اُن کی متابعت کیسے کریں جبکہ وہ ہماری جنس سے نہیں۔ اس تقریر کی تائید قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے بھی ہوتی ہے اور دوسرے مقام پر اسی طرح فرمایا کہ:

لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم۔

لفظ مومن عام ہے گویا ہر اہلِ ایمان کو مژدہ سُنایا گیا کہ اے مومنو! تمہارے نبی علیہ السلام بظاہر تمہاری جنس سے ہیں اس لیے کہ اگر وہ فرشتوں یا جنات سے ہوتے تو بوجہ عدمِ مجانست یا بوجہ غیر مدرک ہونے کے تم ان سے استفادہ نہ کر سکتے۔ اس لیے ہم نے ایسی ذات تمہارے لیے رسول بنا کر بھیجی جس میں دو جہتیں ہیں:

۱۔ جہت تجرد رکھتے ہیں کہ جانب قدس سے استفاضہ کریں۔

۲۔ جہت تعلق رکھتے ہیں تاکہ خلقِ خدا کو فیض پہنچائیں۔

نکتہ: اس جہت لطافت کی وجہ سے جنات بھی رسول علیہ السلام سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انسانوں کی طرح دعوت حق پیش کی۔ اگرچہ ان کے اجسام لطیفہ ہیں لیکن رسول علیہ السلام اُن سے بھی لطیف تر تھے۔ ؎

مشعلہ افروز شب خاکیاں
شمع سراپردۂ افلاکیاں

ف: ممکن ہے کہ یہ خطاب صرف اہلِ عرب کو ہو۔ اب ترجمہ یوں ہوا کہ اے عرب والو! بخدا ہم نے تمہارے ہاں تمہاری ہم زبان والا رسولِ عربی بھیجا (علیہ السلام)۔ جو تمہاری بولی بولتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہم زبان سے انس ہوتا ہے اور اس سے نفرت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور زبان فہمی سے رہبری زُود نصیب ہوتی ہے۔

حکایت منقول ہے کہ چار ہمسفر عجمی، عربی، ترکی، رومی کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک درہم ملا۔ اس میں چاروں مختلف ہو گئے۔ جو کچھ بولتے کسی کو بھی آپس کی مراد سمجھ نہ آتی۔ انہیں ایک دوسرا ایسا آدمی ملا جو ہر چہار لغات سے واقف تھا۔ ان کا جھگڑا سن کر عربی سے پوچھا:

ایش تریـد۔

پھر عجمی سے سوالاً کہا:

چہ میخواہی؟

اسی طرح ترکی و رومی سے بھی پوچھا:

تم کیا چاہتے ہو؟

سب کا مطلب یہ تھا کہ اس درہم سے انگور خریدنا چاہیے۔ لیکن چونکہ ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف تھے اس لیے جھگڑا برپا کر دیا۔ اس اجنبی نے ان سے درہم لے کر انگور خریدا اور سب میں تقسیم کر دیا جس سے تمام خوش ہو گئے۔ اور آپس میں راضی خوشی ہو گئے۔

مِنْ اَنْفُسِکُمْ کو ایک قرأۃ میں بفتح فاء بھی پڑھا گیا ہے یعنی تمہارے ہاں نہایت برگزیدہ اور افضل ترین رسول (علیہ السلام) تشریف لائے ہیں۔ یہ نفاست سے مشتق ہے بمعنے عزیز شدن۔ اور کہا جاتا ہے شَیْءٌ نفیسٌ یعنی عظیم الشان چیز۔

حضور اکرم سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سیدنا و سید الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَی بن کلاب۔

ف: کلاب میں آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ ایک ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

آمنہ بنت وہب بن زہرہ بن کلاب۔

ف: خصائل حمیدہ کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک بنو ہاشم افضل القبائل مانا گیا ہے۔

ف: کلاب کے آگے نسب یوں ہے:

کلاب بن مُرہ بن کعب بن لوئی بن غالب۔

قومِ قریش کی تحقیق تمام نسب دانوں کا اتفاق ہے کہ قومِ قریش فہر سے چلی اور قومِ قریش کے مورثِ اعلیٰ یہی حضرت فہر ہیں۔

ف: فہر کو قریش اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے اس لیے کہ قرش بمعنی تفتیش احوال الغرباء والمساکین ہے۔ پھر آپ کی اولاد کی عادت بن گئی کہ موسمِ حج میں حُجاج کی امداد و اعانت فرماتے اور

انھیں طعام کھلاتے۔ اُن کی ہر طرح کی خدمت کو اپنے لیے سعادت اور فخر سمجھتے۔ بنأ بریں حضرت فہر کی تمام اولاد کا قریش لقب پڑگیا۔

ف : لفظ الرفادہ قریش کی صفت میں واقع ہوا ہے بمعنے اطعام الحجاج أیام الموسم حتّٰی یتفرقوا۔ اس لئے کہ قریش قوم کی عادت بن گئی کہ حجاج کا سال بھر تک انتظار کرتے اور اُن کی اپنی کمائی سے کچھ مال علیحدہ رکھتے تھے۔ جتنا جمع ہوتا حضرت قُصَیّ کے سپرد کر دیتے۔ وہ اس سے دیگیں پکا کر حج کے موقع پر حاجیوں ہیں لنگر عام کھلاتے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے جن کے پاس موسمِ حج میں زادِ راہ کی کمی ہوتی۔ ان کے بعد اس لنگر کا متولی ان کا صاجزادہ حضرت عبدمناف اُن کے بعد حضرت ہاشم، اُن کے بعد حضرت عبدالمطلب، اُن کے بعد ابُوطالب اس کے منتظم مقرر ہُوئے۔ بعض نے کہا کہ یہ کام ابو طالب کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ یہ کام حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں آپ کے ذمہ کرم تھا۔ پھر آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے سنبھالا یہاں تک کہ خلافت کے امور بغداد کو منتقل ہو گئے۔ پھر مصر کی طرف۔

قومِ قریش کے فضائل

حدیث شریف ۱ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
حب قریش ایمان وبغضہم کفر۔

قریش کی محبت ایمان اور ان کا بغض کفر ہے۔

حدیث شریف ۲ : قریش میں ایک عالمِ دین پیدا ہوگا جو روئے زمین کو اپنے علم سے بھر دے گا۔

ف : امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ مراد ہیں۔ اس لیے کہ قریشی علمأ سے صرف یہی ایک شخصیت ہے جس نے رُوئے زمین کو اپنے علم سے بہرہ ور فرمایا۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کا نسب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے ساتھ حضرت عبدمناف میں جا کر ملتا ہے۔ حضرت عبدمناف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے نویں جدِ امجد ہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں نسب وحسب اور سسرالی رشتہ داری کے لحاظ سے نفیس ترین ہُوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے اَبِ مکرم تک کوئی بھی زنا کار نہیں۔ سب کا سلسلۂ ازدواج شرعی نکاح سے ہوتا رہا۔

نکتہ : کوئی ولی بھی ولد الحرام والزنا نہیں اور نبی علیہ السلام کی شان تو بہت بلند ہوتی ہے۔ پھر نبی الانبیأ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا کہنا۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اصل تخلیق میں آپ کا جوہر اطہر نفیس ترین ہے اس لیے کہ آپ وُہ جوہر ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا۔ (حاشیہ ۱ اگلے صفحہ پر)

حضرت جبریل علیہ السلام کی عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

یا جبریل! کم عمرك من السنین؟

اے جبریل (علیہ السلام)! تمہاری عمر کتنی ہے؟

عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی علم نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار برس میں صرف ایک بار طلوع ہوتا اور اسے میں نے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

یا جبریل وعزة ربی انا ذلك الكوكب۔

اے جبریل علیہ السلام! مجھے رب العزۃ کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔ (صلی اللہ علیہ و الہ واصحابہ وسلم)

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کا بیان جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کو اُن کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا۔ آپ کا نور اقدس چمکتا تھا۔ پھر ان سے اُن کے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ حضرت شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے وصی اور تیسرے صاحبزادے تھے۔ بی بی حوا علیٰ نبینا و علیہا السلام بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنتی تھیں صرف شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے صرف اسی نورِ مبارک کے اعزاز و تکریم کی وجہ سے۔ پھر اسی طرح شیث علیہ السلام سے عبدالمطلب تک منتقل ہوتے ہوتے پہنچا۔ اُن کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی پشت میں تشریف لایا اور ان سے بی بی آمنہ کے شکم مقدس میں منتقل ہوا۔

حضور علیہ السلام کل کائنات کے لیے علتِ غایہ ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے علت غایہ ہیں۔ یعنی آپ اصلؐ ہیں باقی جملہ مخلوق آپ کے طفیل۔ اسی بنا پر آپ کا وجود مسعود اور عنصر مبارک تمام موجوداتِ کونیہ سے افضل و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ و حاشیہ صفحہ ہٰذا)

ملہ و ملہ حضرت مولانا عالم پورکوٹلوی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا: ؎

جوہر ارض و جود خلائق اصل اصول کمالی

امت خیر امم دا والی نام محمد عالی

اعلیٰ ہے اور آپ کی رُوحِ مقدسہ تمام ارواح سے اکمل و اشمل ہے۔ اسی بنا پر آپ کا قبیلہ شریف دیگر جملہ قبائل سے افضل اور آپ کی بولی مبارک تمام لغات کی سرتاج اور آپ کی کتاب تمام کتب الٰہیہ سے برگزیدہ، آپ کی آل و اصحاب تمام انبیاؑ و اولیاء کی اولاد و اصحاب سے افضل و اشرف۔ آپ کی ولادت پاک کا زمانہ عالمِ دنیا کے تمام ازمنہ سے بہتر و برتر اور آپ کا روضہ مقدسہ تمام مقامات و مکانات سے بلند و بالا قدر۔ آپ کا وُہ پانی جو آپ کی انگلیوں سے نکلا تمام پانیوں سے علی الاطلاق افضل۔ اس کے بعد آبِ زمزم، اس لیے کہ شبِ معراج اس سے حضور علیہ السّلام کا سینہ مبارک دھویا گیا۔ اگر اور کوئی پانی افضل ہوتا تو وہی لایا جاتا۔

ف : آیت لقد جاءکم رسولٌ الخ اللہ تعالیٰ کا ایک بہترین ہدیہ و تحفہ ہے جو اُس نے اپنے بندوں کو عنایت فرمایا، لیکن اس سے صرف کفار و منافقین نے انکار کیا۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎ خورشن و خواجہ عرصات گفت
انما انا رحمة مهداة گفت

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ آپ پر سخت گراں ہوتا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا۔ العزیز بمعنے الغالب الشدید، اور ما مصدریہ ہے۔ العنت بمعنے ناگوار امر میں پڑنا۔ اور ظاہر ہے کہ امور میں گراں تر جہنم میں داخل ہونا ہے اور اس جملہ میں خبر مقدم اور مبتدا مؤخر ہے اور سالم جملہ رسول کی صفت ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ تمہارا ترکِ ایمان سے مشقت میں پڑنا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت گراں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ تمہارے بُرے انجام سے ہر وقت خائف رہتے ہیں اور تم پر عذاب کے وقوع سے گھبراہٹ میں رہتے ہیں۔ رسول علیہ السلام کے ہم جنس ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ انہیں اپنے ہمجنسوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔

ف : بعض قرّاء لفظ عزیز پر وقف کرتے ہیں۔ اسے بھی رسول کی صفت مانتے ہیں۔ ان کے ہاں علیہ ما عنتّم کا معنے یُوں ہے کہ جو کچھ تم سنگین کام کرتے ہو وہ اس رسول علیہ السلام کے ذمۂ کرم پر ہے کہ وہی قیامت میں تمہاری طرف سے معذرت کریں گے اور تمہارے لیے شفاعت پر کمربستہ ہوں گے۔ اسی معنے پر شیخ سعدی قدس سرہٗ کے اشعار ذیل کو محمول کیا ہے۔ ؎ نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سیدے پیشرو
اگر دفترت از گنہ پاک نیست
چو او عذر خواہت بود باک نیست

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاح احوال کے لیے حریص ہیں۔ یہ معنے ہم نے اس لیے کیا ہے کہ حضور علیہ السّلام کو اپنی اُمت کی ذوات کی ضرورت نہیں بلکہ اُن کے ایمان اور اُن کی اصلاح کی خواہش ہے الحرص بمعنے شدۃ طلب الشئ مع اجتهاد فیه۔ کسی شَے کی شدت طلب کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے لیے زیادہ

جدوجہد کرنا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝ بالمؤمنین یہ رؤف کے متعلق ہے۔ یعنی اہلِ ایمان کے لیے بہت زیادہ شفیق و رحیم ہیں۔ رؤف، رحیم سے زیادہ بلیغ ہے اسی لیے اسے مقدم کیا گیا۔ رؤف، رافة سے مشتق ہے بمعنے شدۃ الرحمۃ۔

سوال: یہ مقام مدح ہے اور مدح کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بلیغ کے بعد ابلغ ہو۔ یہاں ابلغ یعنی رؤف پہلے اور بلیغ یعنی رحیم بعد کو۔ یہ کیوں؟

جواب: تاکہ آیت کے فواصل میں فرق نہ آئے۔

سوال: بالمؤمنین اپنے متعلق رؤف سے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ معمول کی تقدیم سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے یہاں چونکہ تخصیص مطلوب ہے اس لیے بالمؤمنین کو رؤف پر مقدم کیا گیا۔ یعنی ان کی رافت و رحمت صرف اہلِ ایمان سے مخصوص ہے آپ کفار کے لیے نہ رافت ہیں نہ رحمت (یہ خصوصی رحمت سے متعلق ہے)

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ بالمؤمنین رؤف رحیم، یعنی مومنین کے لیے۔ اس معنے پر رؤف رحیم ہیں کہ نہایت درجہ کی شفقت و رحمت کر کے ان کی دینی تربیت فرماتے ہیں۔

چنانچہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دین متین ہے اسے نرمی اور رحمت کے ساتھ دُوسروں تک پہنچاؤ۔"

اور آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ ایمان کی غلطیاں معاف فرما دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا:

فاعف عنہم واصفح۔

ف: وبالمؤمنین رؤف رحیم ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف بتائے جو اس کے اپنے ہیں[1]۔ چنانچہ اپنے لیے فرمایا:

اللہ بالناس لرؤف رحیم۔

اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ حضور نبی علیہ السلام مخلوق ہیں اور ان کی رحمت بھی مخلوق، اس لیے وہ ایک مخصوص گروہ کے لیے رحمت ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ خالق اور اس کی رحمت بھی قدیم۔ اسی لیے وہ عام ہر ایک کے لیے ہے کہ قوۃِ خالقیت کا یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ نے فرمایا: انّ رحمتی وسعت کل شیئ۔

---

[1] اس میں وہابیوں دیوبندیوں کا رد بھی ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی نبی یا ولی کے لیے بیان کی جائیں تو شرک لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور انبیاء و اولیاء کے عطائی پھر شرک کیسا۔

یہی وجہ ہے کہ جسے خالقِ کائنات کی رحمت و رافت نصیب ہوتی ہے وہی اُس کے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کے لائق بنتا ہے ورنہ اسے محرومی ہی محرومی، اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت خالقِ کائنات کی رحمت و رافت کا عکس اور نتیجہ ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا:

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔

عجائبات در آغاز تخلیق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بعض حکماء کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پیدا فرمائی تو اُن کی رُوحانی صورت بعینہٖ اُس دنیوی صورت کے مطابق تھی، جن کا سر مبارک برکت سے اور دونوں چشمان شریف حیا سے اور دونوں کان مبارک عبرت سے اور زبان مبارک ذکر سے اور دونوں لب ہائے اطہر تسبیح سے اور چہرۂ اقدس رضا سے اور سینہ مبارک اخلاص سے اور قلب پاک رحمت سے اور فواد شریف رافت سے اور ہتھیلیاں پاک سخاوت سے اور بال اطہر بہشت کی انگوری سے اور لعابِ دہن شریف بہشت کی شہد سے[1]۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مدینہ منورہ کے کڑوے کنویں بئر رومہ میں لعابِ دہن میں ڈالتے تو وُہ میٹھا ہو جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو انہی اکمل ترین صفات کے ساتھ اس اُمت کی طرف مبعوث فرمایا۔

ابُوطالب کی موت کے بعد حضور علیہ السلام کے ساتھ کفّار کی ایذاؤں کا بیان

مروی ہے کہ ابُوطالب کی موت کے بعد ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشِ مکّہ نے سخت سے سخت تکالیف پہنچائیں اسی لیے آپ محزون و مغموم ہو کر طائف میں تشریف لے گئے۔ آپ کو علاوہ دُوسرے لوگوں کے آپ کے قریبی رشتہ داروں بالخصوص ابُولہب آپ کے چچا اور اُس کی زوجہ اُم جمیل جس کا حمالۃ الحطب لقب ہے نے سخت ایذائیں دیں۔ کبھی گالی دیتے۔ طرح طرح کی ہجو بکتے۔ آپ کے ہر قول کی تکذیب کرتے اور کہتے تمہی ہو کہ ہمارے معبودوں سے رُخ موڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے کی دعوت دیتے ہو۔

سب سے پہلا عاشقِ نبی علیہ السلام

اُس وقت آپ کا صرف ایک حامی کار اور جانی غمگسار تھا، جن کا نام نامی اسمِ گرامی حضرت ابوبکر صدّیق[2] رضی اللہ عنہ ہے جو تمام کفار و مشرکین کو

---

[1] اس سے وہابیوں دیوبندیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ وُہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نفسِ بشریت میں اپنے جیسا سمجھتے ہیں حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام بشر ہیں لیکن: ؎ حقیقت محمد دی پا کوئی نہیں سکدا
اِتھاں چُپ دی اسے الا کوئی نہیں سکدا

[2] خلیفہٗ بلافصل کے یہی اوصاف نمایاں ہیں کہ اپنے محبوب علیہ السلام پر ایسے آڑے وقت کام آئے اگرچہ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن بوجہ بچپن یا ویسے ہی خاموش تھے۔

سمجھاتے کہ تم ایسی شخصیت سے لڑائی پہ تُلے ہُوئے ہو جو کہتی ہے :

ربی اللہ ۔ میرا رب تعالیٰ اللہ کریم ہے ۔

چنانچہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حسبِ توفیق مدافعت کی ہر ممکن کوشش کی ۔

طائف کی طرف تشریف لے جانا

نبوت کے اظہار کے بعد دسویں سال شوال میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے طائف کو تشریف لے گئے ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ آپ کا غلام حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھا ۔ آپ ثقیف کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے گئے اور آپ کو اُمید تھی کہ وُہ لوگ آپ کی دعوت جلد تر قبول کر کے آپ کی بھرپُور امداد کریں گے ۔ اس لیے اس قبیلہ میں آپ کے ننھیالی رشتہ دار رہتے تھے ۔ جب آپ طائف میں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کے سرداروں سے ملنا چاہا ۔ طائف میں تین بھائی تمام قوم کے سردار تھے ۔ آپ نے اُن سے گفت گو فرمائی ۔ مگر انہوں نے بجائے قبول کرنے کے (ایک نے) کہا تم وُہی ہو جو کعبہ معظمہ کے غلاف چرا کر اپنی ضروریاتِ زندگی پُوری کرتے ہو دُوسرے نے کہا ؛ خدا تعالےٰ کو تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا تھا جو اُسے اپنا رسول بنا کر بھیجتا ۔ تیسرے نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں بولوں گا ، اس لیے کہ اگر واقعی تم اللہ تعالےٰ کے رسول ہو تو بھی تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرے ہاں وُہ الفاظ کہاں کہ آپ کے ساتھ کلام کر سکوں ۔ اور اگر آپ خدا تعالےٰ پر افتراء کرتے ہیں تو بھی آپ سے گفتگو کرنا نہایت ناموزوں ہے ۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ از ہرسہ اقوال الکفار)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے مایوس ہو کر اُٹھ کھڑے ہُوئے لیکن انھیں کہا : بھائی میری یہ بات کسی کو نہ بتانا ۔ آپ نے اس خیال سے یہ فرمایا کہ کہیں یہ میری مایُوسی عام پھیلی تو پھر کوئی بھی میری بات نہیں مانے گا ۔ لیکن انہوں نے بجائے نرمی برتنے کے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے شہر سے ابھی ابھی نکل جائیں ۔ آپ کو یہ کہہ کر بدمعاشوں سے کہا کہ اس جانے والے کو خوب گالیاں دو اور چیخو چلاّو ۔ چنانچہ اس واقعہ سے آپ کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور راستہ روک کر دو صفیں مقرر کر دیں ۔ جونہی حضور علیہ السلام وہاں سے گزرے تو ان بدمعاشوں نے پتھر برسانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کو ایسا زخمی کیا کہ آپ کے پاؤں مبارک سے خُون بہہ نکلا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا ۔ آپ ان ظالموں سے بڑی تکلیف سے جان چھُڑا کر چلے ۔ آپ کے پاؤں مبارک سے خُون بہہ رہا تھا ۔ آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک انگور کے درخت کے نیچے بیٹھ کر دُعا مانگی : اے اللہ ! تیرے سامنے اپنی ضعفِ قوت اور قلتِ اسباب اور لوگوں کی نظروں میں اپنی کمزوری ظاہر کرتا ہُوں تُو ارحم الراحمین ہے اور کمزوروں کا رب تو ہے اور میرا بھی رب تو ہے مجھے جس کی طرف سپرد کرے میں راضی ہُوں اگر تو راضی ہے اس کے بعد حضور علیہ السلام چل پڑے آپ مغموم و مھموم تھے ۔ قرن الثالث یعنی اہلِ نجد یا اہلِ یمن کے میقات میں پہنچے جو مکہ معظمہ سے ایک دِن رات کی راہ کے فاصلے پر تھا ۔

آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ اُن کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا اور عرض کی اگر آپ چاہیں تو بنی ثقیف کے لوگوں پر یہ پہاڑ گرا دُوں۔

حضور علیہ السلام نے جواباً فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہُوں کہ ان لوگوں سے کلمہ گو عبادت گزار لوگ پیدا فرمائے اور وُہ توحید کو ماننے اور شرک سے بچنے والے ہوں۔ اس وقت پہاڑوں کے فرشتے نے اعتراف کیا کہ آپ کا نام اللہ تعالیٰ نے رُوف رحیم رکھا ہے واقعی آپ اسم بامسمّٰی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

بندگانِ حق رحیم و بُردبار
خُوئے حق دارند در اصلاح کار
مہربان بے رشوتاں یاری گراں
در مقام سخت و در روز گراں!
اے سلیمان درمیان زاغ و باز
علم حق شو با ہمہ مرغاں بساز
اے دو صد بلقیس حکمت را زبُوں
کہ اِھْدِ قومی انھم لا یعلمون
صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں اہلِ علم وحلم کی رفاقت نصیب فرمائے اور ہمیں بُرے اخلاق اور گندی عادات سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فَاِنْ تَوَلَّوْا اس میں حضور علیہ السلام کو تسلّی دی جارہی ہے کہ اگر وہ آپ پر ایمان لانے سے گریز کرتے اور آپ کی نصیحت قبول نہیں کرتے اور نہ ہی آپ کی کوئی بات مانتے ہیں فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ تو آپ فرمائیے مجھے میرا اللہ کریم کافی ہے۔ مجھے تمہاری تمام تکالیف سے وہی بچائے گا اور میری صرف وہی مدد کریگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت سے قُربِ الٰہی نصیب ہوتا تھا۔ اس سے آپ کی عند اللہ مقبولیت میں اضافہ ہوتا تھا۔ جونہی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے اس سے آپ کے قُربِ الٰہی اور مقبولیت میں اضافے ہُوئے۔ تبلیغ سے کفّار استفادہ کریں یا نہ کریں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ جملہ مضمون سابق کے لیے بمنزلہ دلیل کے ہے۔

ف : صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا : لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ، لا الٰہ الا اللہ کے حکم میں ہے ۔ اس لیے کہ یہ ضمیر لفظ اللہ مذکور کی طرف راجع ہے ۔

سوال : ھو ضمیر عام ہے وہ اللہ تعالٰے کے اسماء میں شمار نہیں اور نہ شمار ہو سکتی ہے ۔

جواب : ضمائر اسماء ہیں اور ھو ضمیر اللہ تعالٰے کے اسماء سے ہے ۔ چنانچہ صوفیا کرام رحمہ اللہ تعالٰے ھو کا ذکر کرتے ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ منجملہ اسمائے الٰہیہ سے ہے ۔

نکتہ : چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات محقق اور مخلوق کا وجود موہوم ہے ۔ بنا بریں اس موہوم ضمیر سے موہوم والے محقق الوجود ذات کے لیے اشارہ کر سکتے ہیں علاوہ ازیں اس محقق الوجود ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالٰے کا کوئی مزاحم نہیں ۔ بنا بریں اس ضمیر کا اشارہ اس کی طرف جائز ہے ۔ نیز مبتدی صوفی اس ضمیر سے اللہ تعالٰے کا ذکر کرتا ہے تو اس کے لیے موزوں بھی ہے کہ وہ ابھی ابتدائے سلوک کی وجہ سے غیوبت کی حالت میں ہے پھر جونہی ترقی کرتا ہے تو ضمیر سے اللہ تعالیٰ کو نہ اسے اشارہ جائز ہوتا ہے نہ ذکر ۔ ہاں ہویت مطلقہ کی طرف منتہی بھی ھو ضمیر سے اشارہ کر سکتا ہے ۔ ہم اللہ تعالٰے سے مراتب تحقیق کی طرف پہنچنے کی دُعا کرتے ہیں ۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ اسی پر میں نے بھروسہ کیا کہ اس کے سوا نہ مجھے کسی سے امید ہے اور نہ ہی مجھے اس کے سوا کسی سے ڈر ہے اور توکل بمعنے اعتماد القلب علی اللہ الخ اللہ تعالیٰ پر دل کے اعتماد اور سکون کا نام توکل ہے ایسا اعتماد کہ اس سے تعلق کی وجہ سے ذرہ برابر بھی دل کو اضطراب نہ ہو ۔ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ اور وہی بڑے عرش کا رب ہے عرش سے بہت بڑا ملک مراد ہے ۔ یا وہی عرش مراد ہے جو دُعاؤں کا قبلہ اور فرشتوں کا مرکز ہے جس کے ہزارہا ستون ہیں ۔ اس میں اللہ تعالٰے نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا کہ وہ بہت بڑے عرش کا مالک و محافظ ہے ۔

عرش کی عظمت مروی ہے کہ عرش معلّٰی کے ایک ہزار ستون ہیں ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے تین ہزار پائے ہیں ۔ ایک پایہ سے دُوسرے پائے تک تین ہزار سال کی مسافت ہے ۔ ہر ایک پایہ پر بے شمار صف بستہ اور گھیرا ڈالے ہُوئے ملائکہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اُن کی حفاظت فرماتا ہے ۔ اس سے حضور علیہ السلام نے گویا فرمایا کہ میرا رب اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے اگر چاہے تو میرے دشمنوں سے مجھے پناہ دے اس لیے کہ اپنے بندوں کا وہی حامی و ناصر اور وہی سب کو پناہ دینے والا ہے ۔ ؎

از و خواہ یاری کہ یاری دہ اوست
بدو التجا کن کہ اینہا ازوست
کسے را کہ او آرد در پناہ
چہ غم دارد از فتنہ کینہ خواہ

ف: حدادی صاحب نے فرمایا کہ ربّ العرش العظیم کا معنٰی ہے کہ وہ اس بہت بڑے عرش کا خالق ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے۔

سوال: صرف عرش کی کیا تخصیص ہے وہ تو ہر شئے کا خالق اور رب ہے۔

جواب۱: جب کسی کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ اتنے بڑے عرش کا خالق اور رب ہے تو اسے دوسری اشیاء کے ماننے کے لیے تامل نہ ہوگا اسی لیے اس کی تخصیص کی گئی۔

جواب۲: اس سے عرشِ معلّٰی کی تعظیم و تکریم کا اظہار مطلوب ہے۔

ف: عناصر و افلاک کی ترتیب یوں ہے: زمین اس کے اوپر پانی پھر ہوا پھر آگ اس کے بعد فلک القمر پھر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک شمس پھر فلک مشتری پھر فلک زحل پھر فلک ثوابت پھر فلک الافلاک ہے جسے فلکِ اعظم کہتے ہیں۔ وہی فلکیات وعناصر کو محیط ہے اس کے بعد خلا و ملا کے سوا اور کچھ نہیں۔

ف: ہر محیط اپنے محاط کو مس کرتا ہے یعنی جو محاط جس محیط کو قریب ہوگا[۱] وہ اسے مس کرے گا۔ جس طرح ترتیب مذکور ہوئی اسی طرح ان کے مس کرنے کی ترتیب ہے اس لیے اُن کے مابین خلاء کا ہونا محال ہے[۲]۔

ف: ان اجرام عناصر و فلکیات کے مجموعے کا نام عالم ہے۔

عرش است کمیں پایۂ ز ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے عرشِ معلّٰی کو صرف اپنے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شرافت کے اظہار کے لیے پیدا فرمایا اسی لیے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا:

عسٰی ان یبعثك ربك مقامًا محمودًا۔

اور مقام محمود عرشِ معلّٰی کے نیچے ایک اعلٰی مقام کا نام ہے۔ دوسرا یہ کہ عرش کتاب الابرار کا معدن و مخزن ہے کما قال:

ان کتاب الابرار لفی علیین۔

علاوہ ازیں عرش معلّٰے فرشتوں کا آئینہ ہے کہ اس سے وہ تمام انسانوں کو دیکھ رہے ہیں تاکہ وہ قیامت میں اُن کے متعلق گواہی دے سکیں۔

ف: عالم مثال و تمثال عرش میں ہے جیسے عالم اطلس کرسی میں ہے۔

---

[۱] ملحقًا یا متوازًا بذریعہ کشش وغیرہ۔

[۲] لیکن آج کل کے سرپھرے سرے سے آسمانوں کے وجود کے قائل نہیں اسی لیے وہ اوپر کو چھلانگیں لگا رہے ہیں لیکن افسوس ان علماء پر ہے جو ان کی تصدیق پر زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔ بعض بدبخت تو ان کے چاند پر پہنچنے کے لیے نصوصِ قرآنی پیش کر رہے ہیں۔ دیہ معنًی تحریفًا و تحریفًا قرآن پاک سے کھیل رہے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عرشِ عظم حضرت انسان ہے

میرے شیخ قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ "عرفانیہ" میں لکھا ہے جسے آپ نے ۱۰۸۲ھ میں تحریر فرمایا کہ عرشِ عظیم انسان کبیر اور عرش کریم انسان صغیر ہے۔ عرشِ عظیم اور انسانِ کبیر کا ظاہر متبدل ومتغیر ہوتا رہتا ہے لیکن اس کا باطن دائماً ایک حالت پہ ہوتا ہے۔ عرش کریم اور انسانِ صغیر کا باطن متغیر ومتبدل ہوتا ہے لیکن اس کا ظاہر ایک حال پہ رہتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

صاحبِ رُوح البیان اپنے شیخ قدس سرہٗ کے مذکورہ بالا بیان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میرے شیخ رضی اللہ تعالیٰ کے کلام مذکور کا مطلب یہ ہے کہ عرشِ عظیم سے مراد وہی عرشِ محیط ہے جسے ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے ظاہر سے اس کے ماتحت باقی تمام اجرام وفلکیات مراد ہیں جسے عالم کون وفساد کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہی اشیاء عرش کے نیچے ظاہر ہیں اس لیے انہیں تغیر وتبدل بھی ہے اور کون وفساد کو بھی قبول کرتی ہیں بخلاف عرش کے باطن کے کہ وہ اس کی اپنی ذات ہے اس کا ایک حالت پہ رہنا ضروری ہے اور عرشِ کریم جسے انسانِ کبیر سے تعبیر کیا گیا ہے اُس کا ظاہر اُس کی عمر اور زندگی مراد ہے وہ ایک ہی حالت پہ رہتی ہے بخلاف اس کے باطن کے کہ اس سے اس کا قلب مراد ہے اور وہ متبدل متغیر ہوتی رہتی ہے اسی لیے اسے افکار وتعلیات گھیرے رہتے ہیں اس لیے کہ وہ متبدل بھی ہے اور متغیر بھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر عرش ظاہری وباطنی اور ہر اوّل وآخر کا رب اور خالق ہے۔

فضائل آیت لَقَدْ جَآءَکُمْ الخ

ان دو آیات مذکورہ، جو اس سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں ہیں، جن کا آغاز لقد جاءکم اور اختتام رب العرش العظیم پر ہوتا ہے، کے بہت فضائل ہیں منجملہ اُن کے مندرجہ ذیل حکایات ہیں:

شیخ شبلی کی برکت اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر ابن مجاہد مقری رضی اللہ عنہ کے ہاں اُن کی مسجد میں حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ تشریف لائے تو حضرت ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ تعظیماً شیخ شبلی قدس سرہٗ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شاگردوں نے عرض کی کہ آپ کا استغناء مشہور ہے کہ عیسیٰ وزیر بھی آئے تو آپ کھڑے نہیں ہوتے۔ لیکن ایک فقیر (شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے لیے آپ نے قیام فرمایا۔ حضرت ابن مجاہد نے فرمایا:

کیا میں ایسے بزرگ کی تعظیم سے محروم رہتا جس کی خود آقائے نامدار تعظیم کریں۔ اس لیے کہ میں نے خواب میں حضور تاجدارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو مجھے فرمایا:

اے ابوبکر! کل تیرے ہاں ایک بندۂ خدا تشریف لائے گا وہ اہلِ بہشت سے ہے آپ اُن کی تعظیم بجالانا۔

(حاشیہ ص۱ اگلے صفحہ پر)

اس لیے میں نے اُن کی تعظیم کی ہے۔

حضرت ابنِ مجاہد رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ، دو راتوں کے بعد پھر مجھے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت سے مشرف فرمایا اور ارشاد فرمایا :

اے ابوبکر ! اللہ تعالےٰ تجھے ہمیشہ خوش وخرم اور باعزت رکھے کیونکہ تم نے ایک اہل بہشت بزرگ کی عزت وتکریم کی۔

میں نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت شبلی قدس سرہ العزیز کو یہ شرف کیسے نصیب ہوا ؟
حضور علیہ السلام نے فرمایا :

وہ وہی مردِ خدا ہے جس نے اسّی سال سے پانچوں نمازوں کے بعد میرا ذکر کرکے یہی آیت لقد جاءکم رسولٌ من انفسہم الخ پڑھا ہے فلہذا میں اس بندے کی کیوں نہ عزت افزائی کروں۔

(کذا فی عقد الدرّ واللآلی)

حکایت وزیر اور زیارت نبی بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک نیک آدمی کو تنگدستی نے ستایا تو اسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

" اے فلاں ! غم نہ کھا، صبح کو علی بن عیسیٰ کے ہاں چلے جانا اور اسے میرا اسلام پہنچا کر کہنا کہ تُو نے میرے روضۂ پاک پر جاکر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا تھا۔ یہی نشانی ہے اس کی برکت سے ایک ہزار دینار مجھے عنایت کردے۔"

صبح کو وہ نیک مرد وزیر مذکور کے ہاں حاضر ہوا اور تمام واقعہ سنایا تو وزیر مذکور سُن کر مسرور ہوا اور اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے اور کہا :

صدق اللہ ورسولہٗ ۔ (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم)

نیک مرد نے کہا : آپ سچ فرماتے ہیں ۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

لہ وہ ذکر یہ ہے : " الصلوٰۃ والسلامُ علیك یا رسول اللہ "۔ جلاء الافہام لابن القیم میں ہے کہ تین بار یہ درود پڑھ کر پھر آیت پڑھتے تھے ۔ اویسی غفرلہٗ

لہ جلاء الافہام میں شبلی کو ماتھے پر بوسہ دینے کا بھی ذکر ہے بفضلہٖ تعالےٰ ہمارے اہلسنت ہر نماز کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہیں لیکن بدقسمت وہابیہ روکتے ہیں اور شرک و بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں ۔ ابوبکر سے ابن مجاہد مذکور مراد ہیں۔

پھر اپنے نوکر سے فرمایا: میری دولت کی تھیلی لائیے۔ جب تھیلی لائی گئی تو تین ہزار دینار پیش کر کے عرض کی کہ ایک ہزار کا تو حکم ہوا، دوسرا ہزار آپ کی بشارت کے صدقے اور تیسرا ہزار آپ کی نذر ہے۔

وہ نیک مرد تین ہزار دینار لے کر وزیر مذکور کو دعائیں دیتا ہوا واپس ہوا۔ لیکن وزیر کی قسمت جاگ پڑی۔ اس نے وزارت کا قلمدان بادشاہ کے سپرد کر کے دنیا کو ترک کیا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مکہ معظمہ کا مجاور بن بیٹھا۔

سبق: سب کا انجام اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جسے چاہے اور جس طرح چاہے کرتا ہے کسی کا انجام بد اور کسی کا نیک انجام۔ ؎

خدایا بحق بنی فاطمہ

کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

احادیثِ مبارکہ

۱۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی دو آیتیں ہیں۔ تمام سورتوں کا ایک ایک رکوع یا ایک ایک آیت اتری۔ لیکن دو سورتیں ایسی ہیں جو بیک وقت نازل ہوئیں:

۱۔ سورۃ براءۃ

۲۔ سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد

ان کے نزول کے وقت ستر ستر ہزار ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے۔

فائدہ تفسیریہ

سورتوں کے آخر میں صاحبِ کشاف نے ہر سورۃ کے فضائل کی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ یہ تمام مفسرین جلیل القدر علماء میں سے ہیں ان کی تفاسیر بھی جلالۃ شان میں مشہور ہیں لیکن بہت سے محدثین انھیں صحیح بتاتے ہیں ان میں بہت سے انھیں غلط اور موضوع ہونے کا الزام لگاتے ہیں جیسے امام صنعانی وغیرہ محدثین نے ان احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

صاحبِ روح البیان کا نکتہ درباره احادیث موضوعہ

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو ان احادیث مبارکہ کے متعلق تقریر ذیل الہام سا ہوا کہ احادیثِ مذکورہ عنداللہ یا تو صحیح ہیں یا ضعیف یا جھوٹی اور وضعی (موضوع) اگر عنداللہ وہ صحیح ہوں تو پھر ان پر عمل کرنے میں ثواب ہی ثواب۔ اگر ضعیف ہوں تب بھی ان پر عمل کرنے میں حرج نہیں اس لیے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے[1] کہ "ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الترغیب والترھیب فقط" کما فی الاذکار للنووی

---

[1] لیکن دیوبندیوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جن روایات کو نبوت سے تعلق ہے انہیں خواہ مخواہ ضعیف قرار دے کر عمل نہیں کرنا بلکہ اوروں کو بھی روکنا۔ اسی طرح ان کے بڑے بھائی غیر مقلدین نے بھی مطلقاً حدیث ضعیف پر عمل کرنا بلکہ گناہ سمجھ رکھا ہے اور ان دونوں کی اس گندی عادت کو دیکھ کر دیگر فرقے منکرینِ حدیث (چکڑالوی پرویزی اور نیچری) پیدا ہوئے۔

والانسان العیون لعلی بن برھان الدین الحلبی والاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین الرومی وغیرھا[1] اگر وہ موضوع ہیں تو اُس کے متعلق ایک حکایت سے اندازہ کیجئے کہ اس پر عمل کر لیا جائے تو نیت نیک ہو تو ثواب کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ امام حاکم وغیرہ لکھتے ہیں کہ ایک مرد زاہد عابد تھا لیکن احادیث موضوعہ دربارہ فضائل قرآن وفضائل سور القرآن کے وضع کرنے کا بھی استاد تھا۔ کسی نے اسے کہا کہ تم کیوں احادیث وضع کرتے ہو۔ یہ تو گناہ ہے۔ اس نے جواب دیا چونکہ لوگ قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی تلاوت سے دُور ہوتے جا رہے ہیں اس لیے میرا ارادہ ہُوا کہ اُن کے متعلق انہیں احادیث پڑھ کر قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب وترہیب دوں اگرچہ وضعی سہی۔ اسے کہا گیا یہ تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے سراسر خلاف ہے۔ کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوّء مقعدہ من النار۔ جس نے مجھ پر بہتان تراشا اسے چاہیے وہ اپنا گھر جہنم میں بنائے۔

ف: تبوّء بمعنے اتخاذ المسکن والمنزل یعنی تبوّء بمعنے کسی جگہ اپنا مسکن ومنزل بنانا۔

ف: اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن درحقیقت اس میں نہی شدید اور سخت وعید ہے یعنی جو شخص بھی حضور علیہ السلام کی طرف جھوٹی حدیث کی نسبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا گھر جہنم میں بنائے گا۔

اس زاہد عابد نے اس حدیث شریف کا جواب دیا کہ میں حضور علیہ السلام پر جھُوٹ اور بہتان تھوڑا تراشتا ہوں میں تو ان کے دین کا فائدہ کرتا ہُوں۔ من کذب علیہ پر وعید شدید ہے۔ میں تو کذب لہٗ کا مصداق ہوں۔ گویا اس زاہد عابد نے حدیث مذکور کی تاویل کرتے ہُوئے کہ آپ کی وہ وضعی حدیثیں بیان کرنا حرام ہیں جو اسلام کے قواعد اور شریعت واحکام کے افساد کا موجب ہوں اور میرا عمل الٹا دین اور شریعت کے احکام کے فائدہ کے لیے ہے بلکہ انکی شریعت کی اتباع کی ترغیب ہے اور انہی کے طریقہ پر چلنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

جائز جھوٹ بولنے کا قاعدہ

حضرت شیخ عزّ الدین بن عبد السلام قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ گفتگو مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے لیکن ہر اچھے مقصود کو سچ اور جھُوٹ سے حاصل کیا جا سکتا ہے مگر اس کے حصول میں جھُوٹ بولنا حرام اور اشد حرام ہے ہاں اگر سوائے جھُوٹ بولنے کے اس کا حصول ناممکن ہو تو ایسے مقام پر جھُوٹ بولنا مباح ہے۔

مسئلہ: اگر وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھُوٹ بولنا مباح اگر واجب ہے تو واجب۔ یہ وہی قاعدہ کلیہ ہے جسے شیخ سعدی قدس سرہٗ نے یُوں ادا فرمایا:

"خردمنداں گفتہ اند دروغ مصلحت آمیز بہ از راست فتنہ انگیز۔"

اور حضرت لطیفی نے فرمایا: ؎

---

[1] ان کے علاوہ بے شمار کتبِ احادیث واصولِ حدیث میں حوالہ وقاعدہ موجود ہے۔

دروغیکہ جان و دولت خوش کند
بہ از راستی کان مشوش کند

انتباہ احادیث موضوعہ میں انسان کے لیے ضروری نہیں کہ ان پر خواہ مخواہ عمل کرے۔ اگر اسے ناقلین روایت (جو بہت بڑے اکابر محدثین سے ہوتے ہیں بالخصوص جلیل القدر تفاسیر میں مندرج ہوتی ہیں) پر حسنِ ظن ہو کہ یہ حضرات جب اپنی تصانیف میں عام کلمہ بڑی سوچ بچار سے تحریر فرماتے ہیں تو روایتِ حدیث میں کس طرح تساہل کرتے۔ اس اعتبار سے ایسی احادیث موضوعہ پر عمل کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر صرف بعض محدثین کے کہنے پر کہ یہ احادیث موضوعہ ہیں اگر عمل نہ کرے اور اُن احادیث کے بتائے ہُوئے بہت بڑے فوائد و منافع سے محروم ہوجائے تو اس کی [illegible]ری۔ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالےٰ کے اشارات و کنایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث پر عمل کرلینا چاہیے۔

قاعدہ حدیثیہ بہت سی روایات پر عام محدثین کا اتفاق ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے حالانکہ درحقیقت وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ اُن کا کسی روایت کی صحت پر اتفاق کرلینے سے وہ حدیث صحیح نہیں بن جاتی اس لیے کہ انسان خطاء و نسیان سے مرکب ہے۔ اس روایت و دیگر جمیع احوال کا صحیح علم اللہ جل جلالہٗ کو ہوتا ہے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو براہِ راست اللہ تعالےٰ سے کلام سُنتے ہیں جو حدیث شریف کے حکم کے صریح خلاف ہوتا ہے جسے عوام سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندے کا اجتہاد ہے اور اس کا اجتہاد مبنی برخطا ہے۔ لیکن اس بندۂ خدا کو وہ حدیث شریف بذریعہ کشف حضور علیہ السلام سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کا حکم انھیں معلوم تھا لیکن وہ بندۂ خدا بہت بڑے مرتبہ کا مالک ہے اس لیے وہ راویانِ حدیث پر اعتبار نہیں کرتا اس معنے پر کہ وہ راوی اگرچہ بہت بڑے عادل اور ثقہ سہی لیکن سہو و نسیان سے بری نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ مبداءً تا و بلات و تحریفات سے معصوم مانے جاتے ہیں۔ لیکن وہ بندۂ خدا مشاہدہ سے اپنی بات پر محکم و مضبوط ہوتا ہے فلہٰذا اس کی بات اس کے نزدیک وزنی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے ماننے والوں اور اس کی روایت پر عمل کرنے والوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ محدثین کے نزدیک حدیث موضوع قرار پائے گی اور شرعی احکام کا ترتب بھی انہی پر ہوگا۔ ان کشفی احادیث پر مسائل و احکام کا ترتب نہیں ہوسکے گا۔ لیکن ان پہ اعتراض کرنا بھی بیجا ہے[1] شیخ اکبر قدس سرہٗ کا کلام حق ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ آپ کے کلام کی

---

[1] لیکن ایسے بندگانِ خدا عالمِ دنیا میں کالعنقاء ہیں البتہ مکر و فریب کے جال پھیلانے والے لاتعداد و لاتحصٰی ہیں۔ جیسے قادیانی نے کیا اور اس کے چیلے چانٹوں نے۔ ۱۲

حقیقت پر کسی کو شک ہو سکتا ہی نہیں۔

قاعدہ قرآنیہ بعض متقدمین نے قرآن مجید کو تین حصوں میں منقسم کیا:

۱۔ سورۃ توبہ کی آیت وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہٗ پر۔

۲۔ سورۃ عنکبوت کی آیت الا بالتی ھی احسن پر۔

۳۔ الیٰ آخر القرآن۔

عوام کے نزدیک "وطبع اللہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون" پر۔ یعنی دسویں پارے پر قرآن مجید کی تہائی ختم ہوئی۔ دوسری تہائی بیسویں پارے پر۔ اور تیسری تہائی الیٰ آخر القرآن۔

ف: پہلا قول تحقیقی اور دوسرا تقریبی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خاتمة التفسير للثلث الاوّل من القرآن المجيد

صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس سورہ توبہ کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ:

يقول الفقير سمى الذبيح اسماعيل حقى الخ

یعنی فقیر اسماعیل حقی (قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ:

مجھے اس تفسیر کے آغاز میں ارادہ تھا کہ اس کی صرف ایک یا دو جلدیں لکھوں گا۔ اگر زندگی نے وفا کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل و کرم ہوا کہ اس کی صرف ایک جلد اوّل سورۃ توبہ کے اختتام پر ختم ہوئی اب دوسری جلد کا آغاز کروں گا اور اس جلد اوّل کا اختتام شہر بروسہ حضرت سید محمد سبزی قدس سرہٗ کے دولت کدہ میں ہوا۔ بروز اتوار ماہ شوال کی بالکل آخری تاریخ ۱۱۰۱ھ میں تفسیر ختم ہوئی۔

حسن اتفاق سے فقیر نے بھی آج بروز جمعرات یکم ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ دار التصنیف دار العلوم جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں اس مقام ترجمہ الموسوم بہ "فیوض الرحمٰن" ختم کیا۔

فلله الحمد والمنة والثناء والتحية لكاشف الغم وشافع الامة وعلى آله و اصحابه اجمعين۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد
اویسی رضوی
غفرلہٗ

دیباچہ

(از مصنف روح البیان)

روح البیان کے جزِ دوم کا دیباچہ جسے صاحبِ رُوح البیان نے خود لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل القرآن موعظۃ وشفاء لما فی الصدور وجعلہ منھا عذابا للورود والصدور اظہرہ من مقام الجمع والتنزیہ والنون فالزمہ حجۃ لاھل الظواھر والبطون جمع فیہ علوم الاوّلین والاٰخرین فلا رطب ولا یابس الّا فی کتاب مبین والصلٰوۃ والسلام علی من اوحی الیہ ذٰلک القرآن من لوح الوجوب والامر والشان سیّدنا محمدؐ اجری من مسجلہ ما یحاکی السلسبیل والرحیق وافحم بلاغتہ کل متکلم منطیق وفسر الاٰیات فی الانفس والاٰفاق علیٰ مراد الیہ الملک الخلّاق وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ المقتبسین من مشکاۃ انوارہ المغترفین من بحار اسرارہ المتفردین فی ریاض البیان بالخطب العرفانیۃ المترنّمین فی مروج العیان بالکلمات الحقانیۃ ومن تبعھم ممن تخلق بالقرآن فی کل زمان ما طلع المرزبان۔

امّا بعد

بندہ اپنے گناہ وخطاء کا اعتراف کرتا ہُوا اپنے ربِ کریم سے عفو وعطأ کی التجاء کر کے اپنے اُوپر بیکراں لُطف کرم کے انعام کی بارش کی اُمید رکھے اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بندوں کی طرف بھیجنے کی کریمی کا صدقہ دینے والا داعی الشیخ، حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السّلام کا ہمنام المعروف "حقی جلوتی (بالجیم)" اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے جملہ دوستوں کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھے اور اس کا آج کا دن کل گزشتہ روز سے بہتر بنائے یہاں تک کہ موت آجائے بلکہ اس کی گردن میں روحانی ترقی کا طوق ڈالے اور اسے حقانی مقامات کی سعادت عطا فرمائے عرض کرتا ہے کہ:

علم تفسیر ایک ایسا فن ہے کہ اس میدان میں ہر جوان کا کام نہیں اگرچہ وُہ بہت بڑی طاقت رکھنے والا شیر بہادر کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کا جھنڈا ہر امیر اٹھا سکتا ہے اگرچہ اس کی زندگی اسی کے رشک میں بسر ہو۔ اور یہ ایسا واضح اور روشن بیان ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ادھر اس کی بہت بڑی عظمت ادھر ہمارے ہاں اتنی فرصت کی کمی کے علاوہ کوتاہیوں کی بھرمار ہم نے بہت سے بڑے بڑے فضلاء وعلماء جن کی تحریر اور تقریر کی دھاک عالمِ دُنیا میں بیٹھی ہوئی ہے کو دیکھا کہ وہ اس میدان میں بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے کہ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے قضأ وقدر کے تیر نے ایسی ضرب کاری لگائی کہ وُہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ اور اجل مقرر گھڑیوں سے آگے جانے دیتی ہی نہیں اور نہ ہی دورِ زمانہ اپنی دستبرد سے کسی کو معاف کرتا ہے۔ ویسے دنیا کا عیش کسی کو راس نہیں آیا اور نہ ہی اس نے کسی کو صاف پانی پینے دیا ہے اگرچہ وہ آبِ حیات کا ساقی بھی بن بیٹھے۔

بتائیے از آدم تا ایں دم کون سا خوش بخت ہے جسے موت نے اپنے شکنجے میں نہ جکڑا ہو۔ اور وہ کون سی نعمت ہے جسے زمانے نے اہلِ نعمت کے لیے منغص نہ کیا ہو۔

جب میں نے اسی مجموعہ تفسیر مسمّی بہ رُوح البیان کے دفترِ اوّل کو مکمل کر چکا تو میرے دل میں روح قدس سے خیال گزرا بلکہ عالمِ ملکوت اور حضرت اُنس سے الہام ہُوا تھا اس سے قبل مَیں نے اپنے قلم کو اس ارادہ پر روک لیا کہ میرے سے افضل اعلیٰ حضرات تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تو میں کون لگتا ہُوں اسے پُورا کرنے والا۔ تو اسی اثنا میں میں نے ایک خواب دیکھا جس سے مجھے شدید خوف محسوس ہُوا اور بہت بڑی گھبراہٹ نے مجھے گھیر لیا لیکن جُونہی میں نے اس کی تعبیر میں توجہ دی تو نتیجہ نکلا کہ مجھے اپنی زندگی میں بہت بڑی مُہلت دی گئی ہے یہاں تک کہ میں اس تفسیر کو مکمل کر لوں گا۔ لیکن اس کی بھی تعیین نہیں تھی جس مبہم طور پر معلوم ہُوا کہ زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔

ادھر میری عمر چالیس برس سے متجاوز ہو رہی تھی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ انسان جب چالیس سے تجاوز کرتا ہے تو اس پر بڑھاپا سایہ فگن ہونے لگتا ہے اور اعضا کی قوت میں ضعف آنے لگتا ہے۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی میں نے اپنی قوت و طاقت میں ضُعف اور کمزوری کے آثار دیکھے تو اپنی ہمت کو تھکا ہارا پایا لیکن مسبب الاسباب کی رحمت سے نااُمیدی نہیں تھی اسی لیے اس کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دو آنسو بہائے اور ان کو اپنا بہتر وسیلہ سمجھا کہ وُہ کریم میری اس عاجزی کو قبول فرما کر مجھے اس تفسیر کے بقایا دفتر دوم وسوم یعنے تا آخر لکھنے کی توفیق بخشے گا اور اس کے لکھنے کے دوران جملہ علائق وعوائق دُور فرمائے گا۔ اگرچہ یہ کام بہت بڑا ہے لیکن اس کی رحمت اور لطف و کرم سے کیا شے بڑی ہو سکتی ہے۔

خصُوصیاتِ تفسیر ہذا

از

مصنّف رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۔ اس تفسیر میں بکثرت وجوہ تفسیر بیان کرنے کے بجائے اختصار کو ملحوظ رکھ کر آیات کے اصل منشا کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ البتہ متقدمین کی معتبر و مستند تفاسیر کا خلاصہ ضرور بیان کیا جائے گا اس سے میری تفسیر کو مقبولیت حاصل ہو گی۔

۲۔ ہر آیت کے تحت مناسب لیکن دلپسند پند و نصائح ضرور بیان کروں گا تاکہ ان سے قلوب کو جلاء اور ارواح کو سرور حاصل ہو۔

۳۔ موقعہ کے مطابق فارسی اشعار بھی لکھوں گا تاکہ اہلِ دل ان اشعار سے رُوحانی ذوق پائیں۔

۴۔ حتی الامکان جن تفاسیر معتبرہ اور کتب فقہ واحادیث مبارکہ کا حوالہ دُوں گا ان کی اصل عبارت لکھنے کی کوشش کروں گا البتہ کہیں بوقتِ ضرورت صرف عبارات میں ترمیم و اضافہ کروں گا لیکن مطالب و مقاصد میں ذرہ برابر فرق

نہیں آنے دُوں گا۔

۵۔ بہت تھوڑے ایسے مواقع آئیں گے جہاں میں اپنا نظریہ (یقول الفقیر سے) پیش کروں گا لیکن وہ بھی بحمدہ تعالےٰ کسی شیخ کامل اور معتبر ولی اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہوگا۔

آغاز تصنیف دفتر ہذا

اس دفتر کا آغاز ۲۲ شعبان ۱۱۰۲ھ میں ہُوا پہلے دفتر کی طرح اس کا آغاز شہر بروسہ میں ہوا جبکہ میں اسی شہر کی طرف ہجرت کرکے مقیم ہوگیا تھا۔ خدا کرے یہ شہر ارواحِ قدسیہ والے حضرات کا مرکز بنا رہے۔

اے اللہ العالمین! جس طرح تُو نے مجھے اس کے دفتر کے اتمام کی توفیق بخشی ہے اپنے فضل وکرم سے اس کے بقایا حصص کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرما اور میری اس تحریر کو قیامت کے دن میرے چہرے کی سفیدی کا سبب بنا جیسے تیرے اولیاء کرام کے چہرے نورانی ہوں میرا بھی چہرہ نورانی ہو اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میرے گناہوں کے سیاہ دفتروں کو دھو ڈال۔ اور میں بھی صبح وشام تا دمِ زیست تیرے سے دُعائیں مانگتا رہوں گا اور اس میں مجھے نااُمیدی بھی نہیں۔

فلك الحمد فی الاولیٰ والاخری علیٰ عنایتك الکبری واٰخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔

○

دیباچہ

از مترجم

ناکارہ و آوارہ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ فقیر نے زمانہ طالب علمی میں اپنے اکابر اہلسنت سے تفسیر رُوح البیان کا غلغلہ سُنا۔ مخالفین اہلسنت نے اسے ضعیف اور غیر معتبر تفسیر گردانا۔ تحصیل علوم وتکمیلِ فنون کے بعد ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء میں اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہوگیا۔ اسی اثناء میں تفسیر ابن کثیر کا اُردو ترجمہ شائع ہُوا۔ عوام میں تاثر پیدا کر دیا گیا کہ یہ زمانۂ قدیم کی معتبر تفسیر ہے حالانکہ ابن کثیر ابن تیمیہ کا شاگرد اور اس کے مذہب و مسلک کے لیے سر کی بازی لگانے والا ہے۔ اس لئے تفسیر ابن کثیر میں اہلسنت کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ یہ تفسیر اہلسنت کے عقاید کے بھی خلاف ہے اور مسلک حنفیت کے بھی۔ فقیر قلیل البضاعۃ وعدیم الفرصت کو اتنی جرأت کہاں کہ تفسیر جیسے اہم ومشکل ترین فن میں قدم رکھے۔ لیکن فضل ایزدی

پر اُمید رکھ کر رُوح البیان کے ترجمہ کا آغاز کیا۔ یہ تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ اصول و ضوابط اور قوانین اصول کے عین مطابق ہیں اور مخالفین اہلسنت اسے صرف اسی لیے غیر معتبر و ضعیف گردانتے ہیں کہ صاحب رُوح البیان نے امام ابُوحنیفہ کا مذہب اور صوفیاء کرام میں سے سیّدنا ابن العربی اور حضرت مولانا روم قدس سرہما کا مسلک پیش کیا ہے اور یہی ہمارا عین مدعا ہے اور مخالفین کے لیے موت اور زہر قاتل۔

اب عوام اس فرق کے بعد تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف غیر مفید بلکہ ان کے عقاید اور مسائل احناف کے لیے سخت مضر۔ اور رُوح البیان کا مطالعہ نہ صرف ان کے عقاید اہلسنت و مسائل احناف کو اُجاگر کرے گا بلکہ حضرت مولانا روم اور عارف باللہ سیّدنا ابن العربی قدس سرہما کے عارفانہ کلام سے رُوحانیت کو بھی تازگی بخشے گا۔

تفسیر روح البیان معتبر تفسیر ہے

کسی کو زبان سے غیر معتبر اور ضعیف کہہ دینا صرف مخالفین کی اپنی بڑ ہے ورنہ مطالعہ کے بعد قاری خود محسوس فرمائے گا کہ عالم اسلام کی جملہ تفاسیر سے بوجہ اصول و قواعد و ضوابط فنِ تفسیر کے تفسیر ہذا کتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ طرفہ یہ کہ صاحبِ رُوح البیان نے ہر ایک مضمون کو مشہور و معروف اور نہایت معتبر اور مستند تفاسیر و کتب احادیث و فقہ حنفی کے حوالہ جات سے مزیّن فرمایا ہے اور صوفیانہ تفسیر کو اصول تفسیر میں حق مانا گیا ہے جس کا مخالفین کے اکابر نے اعتراف کیا ہے۔ اسی لیے تعصّب سے بالا ہو کر اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو حق واضح اور روشن ہوگا۔

خصُوصیاتِ ترجمہ

۱۔ فقیر نے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم و اضافہ نہیں کیا صرف اس ارادہ پر کہ عوام اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد خود اس نتیجہ پر پہنچیں اور سمجھیں کہ گیارھویں صدی میں عقائد و مسائل یہی تھے جن کی امام اہلسنت مجدّدِ دین و ملّت شیخ الاسلام والمسلمین سیّدنا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرّہٗ نے چودھویں صدی میں ترجمانی فرمائی ہے ان کے دلائل و مسائل کو بدعت کہنا ایسے ہے جیسے امام الانبیاء حبیبِ کبریا شافعِ روزِ جزا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ عرب نے بدعتی گردانا اور منافقین نے مشرک۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو خارجیوں نے مشرک و بدعتی کہا۔ اسی طرح امام اعظم اور حسن بصری اور ان کے متبعین و معتقدین کو معتزلہ نے مشرک و بدعتی ہونے کا فتویٰ جڑا۔ اسی طرح ابن تیمیہ کی پارٹی۔ اور عبدالوہاب نجدی نے تو تمام اہلِ حق کو مشرک و بدعتی گردانا۔ اب اگر اعلیٰ حضرت بریلوی اور ان کے تلامذہ اور معتقدین و متعلقین کو وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی، احراری وغیرہم بدعتی اور مشرک کہیں تو وہ مجبور ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ سوائے مشرکین عرب و منافقین کے باقی ہر دَور میں ہمارے اکابر و اسلاف صالحین کو بدعتی اور مشرک گرداننے والے اپنے آپ کو موحّد (اہلِ توحید) کہلاتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "ابلیس تا دیوبند" کا مطالعہ کیجئے۔

ﷺ دیکھئے فقیر کی تصنیف "الفیضان علیٰ روح البیان"۔

۲۔ چونکہ تفسیر ہذا عربی میں اور دورِ قدیم کی طرز پر لکھی گئی اس لیے فقیر نے دورِ حاضرہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جگہ جگہ عنوانات قایم کیے۔ کہیں ضرورت محسوس ہوئی تو بریکٹ میں کچھ لکھ دیا یا حواشی پر مختصراً لکھا۔

۳۔ ادیبانہ طرز پر نہیں اپنے جیسے عوام کی خاطر سادہ اور بہت سادہ اردو لکھا ہے اور چونکہ فقیر نے صرف پانچ جماعت تک اردو پڑھا پھر حفظِ قرآن اور عربی علوم و فنون کی تحصیل کی۔ پھر ان کی تدریس و تعلیم میں مصروف ہوگیا۔ اسی لیے ممکن ہے اردو قواعد میں غلطی بھی کی ہو۔ لیکن بحمدہ تعالےٰ تفسیر کا اصل منشا ادا کیا ہے اس سے صرف عوام تک پہنچانا مطلوب ہے۔ ادباءٔ و علماءٔ سے داد لینا مقصود نہیں بلکہ ان سے نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ آپ حضرات اپنے علوم کے صدقے فقیر کے ٹیڑھے میڑھے ترجمے سے کیڑے نکالنے کے بجائے اصلاح فرما کر فقیر کو براہِ راست مطلع فرمائیں۔ فقیر اور عوام الناس کے درمیان روڑے نہ اٹکائیں۔ ممکن ہے مناع للخیر کی وعید آپ پر صادق آجائے۔

فقیر نے تفسیر رُوح البیان کے سمجھنے اور اسے معتبر و مستند تفسیرِ احناف ثابت کرنے کے لیے کتاب "الفیضان علیٰ رُوح البیان" لکھی ہے۔ تفسیر کی تکمیل کے بعد اسے علیحدہ شایع کیا جائے گا (ان شاء اللہ تعالےٰ)

آخر میں باری تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بطفیل حبیب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کو اس کے ترجمے کی تکمیل کی توفیق بخشے اور آخرت میں میرے اور میرے اساتذۂ کرام اور والدین ماجدین کے لیے بہترین توشہ بنائے۔ (آمین)

تصنیف گھر، بہاولپور

۲۰ شوال ۱۳۹۶ھ شبِ جمعۃ المبارک تقریباً ۱۱ بجے

فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو اس کا اچنبا

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ

ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈرسناؤ

بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ

کافر بولے بیشک یہ تو کھلا جادوگر ہے بے شک تمہارا رب

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا

عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں

مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا

مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ

دھیان نہیں کرتے اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بے شک

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

وہ پہلی بار بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ

اچھے کام کیئے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے لیئے پینے کو کھولتا پانی اور

مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ

دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا وہی ہے

الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ

جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے لیئے منزلیں

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو اللہ نے اسے نہ بنایا

اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِى

مگر حق نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کے لیئے بے شک رات اور

اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ

دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا

میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لیئے بے شک وہ جو ہمارے ملنے کی

يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا

امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن

بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰ

ہوگئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ

هُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا بے شک جو ایمان لائے اور اچھے

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِىْ

کام کیئے ان کا رب ان کے ایمان کے سبب انہیں راہ دے گا ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ

نہریں بہتی ہوں گی نعمت کے باغوں میں ان کی دعا اسمیں یہ ہوگی

فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ
کر اللہ تجھے پاک ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی
دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ ع
دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا

ع ۱۰/۱

سورۂ یونس مکیہ ہے اور اس کی ایک سو نو آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ الٓرا یہ سورۃ کا نام ہے اور محلاً مرفوع مُبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا خبر ہے تو اس کا مبتداء محذوف ہے یعنی دراصل الٓرا ھذہ السورۃ یا ھذہ السورۃ الٓرا تھا اور یہی اس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے سُورتوں کو موسوم فرمائے۔

ف : حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو راجح بتایا ہے اور فرمایا کہ اسے مرفوع توپڑھنا ہے اور بڑی تحقیق و تنقیح کے باوجود معلوم نہیں ہو سکا کہ اس سُورۃ کا فلاں نام ہے اور اسے موضوع کا عنوان بھی نہیں بنایا جا سکتا' کیونکہ وہ بھی مخاطب کے علم پر موقوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطبین کو نزولِ سُورہ سے پہلے کوئی علم نہیں کہ اس سورۃ کا موضوع کیا ہے کیونکہ وہ مخاطبین کو اس کے موضوع کا علم تو اس وقت ہوگا جب یہ سورہ مکمل طور پر نازل ہو جائے اور وہ اسے اپنے سامنے رکھ کر اس کا موضوع متعین کرے گا جیسے شئے سامنے موجود ہوتی ہے تو کہا جا سکتا ہے : ھذا من اشتری فلاں۔

صاحب رُوح البیان کی تحقیق یہ سب کو معلوم ہے کہ حروف کلمات کے اور کلمات جملوں اور جملے آیات اور آیات سورتوں کی اور سورتیں قرآن کے اجزاء ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو پہلے سُورتوں کی طرف پھر آیات کی طرف، آیات جُملوں کی طرف اور جُملے کلمات کی طرف اور کلمات حروف کی طرف اور حروف نقطوں کی طرف منقسم ہوتے ہیں جیسے دریا سے بڑی نہریں، بڑی نہروں سے چھوٹے نالے اور نالیاں اور نالیوں سے قطرات نکلتے ہیں۔ اگرچہ قطرہ یا نقطہ ان ہر دو مثالوں میں ایک معمولی شئے ہے لیکن درحقیقت ان کی اصل اور جڑ یہی ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو یہ وُسعت وکثرت نقطہ وقطرہ کی وجہ سے نصیب ہُوئی ہے۔

ازالۂ توہم یہ جو اہلِ ظواہر (عام علماء) کہتے ہیں کہ الٓرا جیسے دُوسرے حروف مقطعات صرف تحدّی (یعنی مخالفین اسلام کو لاجواب کرنے کی خاطر) کے لیے لائے گئے۔ یہ ان کا وہم اور سراسر غلط بیانی ہے اس لیے کہ :

هی الحروف المقطعة لها مدلولات صحیحة وھی زبدة علوم الصوفیة المحققین رحمھم اللہ تعالیٰ[1]

حروف مقطعات معانی و اسرار و رموز پر مشتمل ہیں صوفیۂ محققین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز الٰہی میں مضمر اور پوشیدہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلی علم غیب

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اوّلین و آخرین کے علوم سے نوازا ہے اور ظاہر ہے کہ آدم و ادریس علیہما السلام کے علوم انہی حروف پر مشتمل تھے۔ اور پہلے مانا جا چکا ہے کہ حضور علیہ السلام کو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے جملہ علوم عنایت ہوئے منطقی نتیجہ نکلا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کلی عطا ہوئے منجملہ ان کے حروف مقطعات کا علم بھی ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اس سے ان بدبختوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو حروف مقطعات کا کوئی علم نہ تھا۔ (معاذ اللہ) مزید تحقیق کے لیے فقیر کی تفسیر اویسی کا مطالعہ کیجئے۔

سوال: علماء محققین نے ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے جنہوں نے حروفِ مقطعات کے معانی و مطالب بیان کیے ہیں اور تم کہتے ہو کہ یہ صوفیۂ محققین کے اسرار و رموز ہیں کیا علماء و صوفیۂ آپس میں ایک دُوسرے کے مخالف ہیں۔

جواب: جن علماء کرام نے مذمت فرمائی ہے انہوں نے صوفیۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مذمت نہیں بلکہ ان جہال کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے ان حروف سے اپنے مقاصد و مطالب پر اُن حروف سے اشارات ثابت کیے، اور ان کی حقیقی عبارات کے مفاہیم و مضامین بدل کر شریعتِ مطہرہ کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کیے۔ ایسے لوگ قابلِ مذمت ہیں۔ ہم بھی اُن کی مذمت اور سخت مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان حروف سے اپنے مطالب بیان کرنا اور حقیقی مقاصد سے انحراف اور شریعت مطہرہ کی توہین کرنے والا شیطان ہے رجیم ہے۔ اس لیے کہ ہم شریعتِ مطہرہ کو حقیقت کا لباس مانتے ہیں جیسے الفاظ معانی کا۔ اسی طرح اشارات صوفیۂ کے انہی حروف میں رموز ہوتے ہیں جیسے وجود شہود کا آئینہ متصور ہوتا ہے اور وُہ ایک دُوسرے کو لازم و ملزوم ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے کسی ایک راز سے انکار معرفت الٰہیہ سے محرومی کی علامت ہے۔

---

[1] رُوح البیان ج ۴ ص ۴

[2] صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایسی تحقیقات کی وجہ سے دیوبندی وہابی فرقہ ان سے ناراض ہے اسی لیے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ یہ تفسیر غیر مستند ہے حالانکہ تفسیری حیثیت سے اس تفسیر کی نظیر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ (دیکھیے فقیر کی کتاب "الفیضان علی روح البیان") اصل میں ان بیچاروں کی مثال اس حبشی کی ہے جس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر آئینے کو پتھر دے مارا تھا۔ اپنی صورت کو نہ سمجھا اور قصوروار آئینے کو ٹھہرایا۔ (اویسی غفرلہٗ)

خلاصہ یہ کہ معترض نے غلط کار جہال کے خیالات کو سامنے رکھ کر صوفیہ کرام پر اعتراض جڑ دیا۔ آجکل یہی طریقہ دیوبندی، وہابی، نجدی، مودودی گروہ نے اختیار کر رکھا ہے کہ عوام کو صوفیہ کرام سے بدظن کرنے کے لیے مذکورہ بالا تقریر صوفیہ کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا عقیدہ

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ حروفِ مقطعات کے متعلق محاکمہ کر کے آخر میں اپنا عقیدہ لکھتے ہیں کہ:

"فعلم ھٰذہ الحروف بلوازمھا وحقائقھا مفوض فی الحقیقۃ الی اللہ و رسولہ وکمل الورثۃ منھم۔

حروف مقطعات کا علم مع لوازم وحقائق اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) یا پھر اولیاء کاملین جانتے ہیں۔

ف: بعض مفسرین ان حروف کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں حروف مقطعات کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی ایک اسم کے مجموعہ میں سے ایک حرف پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے اہلِ عرب کی عادت ہے کہ مجموعہ کلام میں سے ایک حرف پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً شاعر نے کہا: ع

قلت لھا قفی فقالت ق

میں نے اسے کہا کہ ٹھہر جا اس نے کہا: ق۔ یعنی وقفت۔ یعنی میں ٹھہر گئی۔

اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

الٓرا بمعنے انا اللہ ارٰی۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

اور یہ بھی انہی سے منقول ہے کہ:

یہ الرحمٰن کے حروف میں سے ہے اس لیے کہ جب الٓرا اور حٰمٓ اور ن کو جمع کیا جائے تو "الرحمٰن" بنتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان حروف میں دو اشارے ہیں:

۱۔ اشارۃ من الحق للحق الی عبدہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی حق سے حق کے محبوب بندے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ۔

۲۔ الاشارۃ من الحق لنبیتہ والیہ علیہ السلام۔

یعنی حق کا اشارہ اپنے نبی اور ذاتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

پہلے اشارے میں اللہ تعالیٰ نے حلفاً فرمایا کہ:

بآلائی علیك فی الازل وانت فی العدم و	مجھے اپنی ان نعمتوں کی قسم جو ازل سے آپ پر ہیں باوجودیکہ
بلطفی منك فی الوجود ورحمتی و رافتی	آپ عدم میں تھے اور مجھے اپنے اس لطف کی قسم جو

لك من الازل الى الابد[1]

عالم وجود میں آپ کے ساتھ ہے۔ اس معنے پر میری رحمت و شفقت ازل سے ابد تک آپ کے ساتھ ہے۔

دوسرے اشارے میں بھی حلفاً فرمایا کہ:

بانك معی حین خلقت روحك اول شیئ خلقته فلم یكن معنا ثالث و بلبیك الذی احببتنی به فی العدم حین دعوتك للخروج منه فخاطبتك وقلت یاسین ای سیّد قلت لبیك و سعدیك والخیر كله بیدیك و برجوعك منك الی حین قلت لنفسك ارجعی الی ربك۔[2]

مجھے تیرے اُس اُنس کی قسم جو آپ کو میرے ساتھ ہے اُس وقت سے جبکہ سب سے پہلے میں نے آپ کی رُوح کو پیدا فرمایا اس وقت صرف مَیں تھا یا آپ، اس وقت تیسرا اور کوئی نہیں تھا اور مجھے آپ کے اس لبیک کی قسم جو آپ نے میرے بلاوے پر کہا جبکہ آپ عالم عدم سے عالمِ وجود میں تشریف لائے اس پر میں نے آپ سے خطاب فرمایا کہ یٰسٓ یعنی اے شاہ جی آپ نے اس کے جواب میں کہا لبّیك و سعدیك میں حاضر ہوں اور کل بھلائی تیرے قبضہ میں ہے اور مجھے تیرے اس رجوع کی قسم جو آپ اپنے سے میری طرف ایسے متوجہ ہوئے کہ اپنے آپ کو فرما رہے تھے ارجعی الی ربك۔

تفسیر عالمانہ

تِلْكَ یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے۔ اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔

ف: اس تقدیر پر کہ الٓر ا مبتدا بنایا گیا تو یہ دُوسرا مبتدا ہوگا اور یہ سُورۃ کے مجموعہ مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں یعنی قرآن مجید کی وُہ آیات ہیں جو ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ حکیم کے لفظ میں نسبتی معنیٰ مانا جائے۔ یعنی الحکیم بمعنے ذی الحکم۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک کی ہر آیت میں ہزاروں حکمتیں امانت رکھی ہیں کما قال فی مقام آخر ولا رطب ولا یابس الا فی کتٰب مبین[3]۔ یعنی ہر خشک و تر کا بیان قرآن مجید میں ہے۔

حکایت حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ایک شربت بیچنے والے کے ہاں تشریف لاتے اور ایک گھونٹ شربت کا مانگا اور فرمایا کہ اس کے عوض میں تمہیں دو مسئلے بتاؤں گا۔ دکاندار نے کہا: مجھے کسی مسئلہ کی ضرورت نہیں۔ ے

---

[1] رُوح البیان ص ۴ ج ۴ [2] ایضاً [3] سورہ انعام

قیمت در گرانمایہ چہ دانند عوام
حافظا گوھر یکدانہ مدہ جز بخواص

اتفاقاً اس نے قسم کھائی کہ اگر میں نے اپنی بچی کو جہیز میں عالمِ دُنیا کی ہر شے نہ دی تو اُس کی عورت کو تین طلاق۔ یہ کہہ کر بعد میں پچھتایا۔ علماء کرام سے فتویٰ پُوچھا تو سب نے فتویٰ دیا کہ تیری عورت کو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب حلالہ کے بغیر تیرے لیے جائز نہیں اس لیے کہ عالمِ دُنیا کی تمام اشیاء تیرے بس میں نہیں۔ مایوس ہو کر حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے ایک گھونٹ شربت مانگا تھا۔ اس وقت میرا ارادہ تھا کہ میں تمہیں دُو مسئلے بتاؤں۔ ان میں سے ایک یہی تھا۔ لیکن تُو نے اس کی قدر نہ کی۔ اب صرف اس مسئلہ پہ ایک ہزار دینار ادا کرنا پڑے گا تاکہ تمہیں مسئلہ شرعیہ کی قدر معلوم ہو۔ اُس نے بلا تاخیر ایک ہزار دینار پیش کیا تو امام صاحب نے فرمایا اپنی لڑکی کے جہیز میں قرآن مجید دے دے تو تیری عورت کو کسی قسم کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ علماء کرام نے حضرت امام صاحب سے وجہ پُوچھی تو آپ نے فرمایا کہ قرآن عزیز خود فرماتا ہے:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتٰب مبین[1]

علماء نے امام صاحب کا جواب سُن کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

علم دُرلیست نیک با قیمت
جہل دردیست سخت بے درماں

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:

تلک بمعنے ھٰذہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے نازل شدہ آیات الکتاب الحکیم یعنی اس کتاب حکیم کی آیات ہیں جو آپ اور آپ کی اُمت کے لیے وراثت کے طور پر ہم نے ازل سے لکھ رکھی ہے کما قال: ثمّ اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا۔

نکتہ: اس کتاب کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام کتب کی حاکم ہے بایں معنیٰ کہ ان کے جملہ احکام و شرائع کو منسوخ کرتی ہے اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اسے کوئی کتاب ناسخ نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویہ کو تمام اُمتوں سے برگزیدہ بنایا اور صرف اسے اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ اور وراثت کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اُمت قیامت تک باقی رہے گی اور یہ آپس میں ایک دُوسرے کے وارث بنتے رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا کیا لوگوں کو تعجب ہے۔ یہ ہمزہ انکاری کفار کے تعجب سے انکار مطلوب ہے بلکہ سامعین کو ان پر تعجب دلانا مقصود ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے تعجب کو غیر محل میں استعمال کیا۔

ف: الناس سے کفار مکہ مراد ہیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہُوا کہ اسقاط میں قرآن مجید بطور حیلہ دینا جائز ہے جیسا عوام اہلسنت میں رواج ہے۔

ف : ابوالبقا نے فرمایا کہ :

للنّاس، عجبًا سے حال ہے اس لیے کہ یہ دراصل آکان عَجَبًا لِلنَّاس تھا اور عَجَبًا، کَانَ کی خبر ہے اور کان کا اسم اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ہے یہ کہ ہم نے وحی بھیجی ایک ایسے مرد کی طرف جو ان میں سے ہے یعنی ان کی جنس کا ایک بشر ہے[1]

وہ اس سے متعجب ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جیسا بشر نبی بنا کر بھیجا لیکن وہ اس سے مشوش نہ ہوتے کہ انہوں نے پتھروں، لکڑیوں، پیتل اور دیگر ایسی اشیاء کو معبود بنا رکھا تھا کہ جنہیں نہ کوئی مرتبہ یا مال یا حکومت حاصل تھی یا انہیں ایسے اسباب میسر تھے کہ جن سے انہیں ذی عزت وعظمت سمجھا جاتا ہو۔ مکہ کے بیوقوف کا فر کہا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول بنانے کے لیے ابو طالب کا پروردہ یتیم ملا۔ اس کی خدائی ہیں اور کوئی ذی عزت و شان انسان نہیں تھا۔ (معاذ اللہ)

وُہ اپنی کمال حماقت اور انتہائی سفاہت سے بکتے تھے۔ ان کی نظر مادیات پر تھی اور ظاہری ٹھاٹھ پہ نظر رکھتے تھے۔ انھیں وحی و نبوت کی حقیقت سے ذرہ بھر خبر نہیں ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عزت وعظمت، حسب ونسب اور دیگر کمالات سے ان سے کچھ کم نہیں تھے بلکہ انھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل حمیدہ اور عادات کریمہ کا اعتراف تھا صرف (ظاہری طور پر) آپ کے ہاں مال نہیں تھا اور مال کی کمی انسان کی شریف النفسی اور جوہر ذاتی کے لیے دخیل نہیں بنتی لیکن چونکہ وہ دولت و دُنیا کے بھُوکے تھے اس لیے وُہ آپ کی اس کمی کو دیکھ کر آپ کو رسالت سے شرفیاب پاکر انکار کر بیٹھے اور کہا :

لولا اُنزل هٰذا القراٰن علٰی رجل من القریتین عظیم[2]

کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

تاج شاہی طلبی گوھر ذاتی بنما
ور خود از گوھر جمشید فریدوں باشی

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ھنر باید و فضل و دیں
کہ گاہ آید و گہ رود جاہ و مال

تفسیر صُوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تعجب کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے کیوں نوازا۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے اب دیکھا کہ وہ بھی ایک مرد ہیں انہی میں سے۔ لیکن

---

[1] جیسے اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام بشر کی جنس سے تو ہیں لیکن حقیقت اُن کی نور ہے۔ جنسیت سے اُن کی حقیقت نورانیت میں فرق نہیں پڑتا۔ [2] سورہ زخرف رکوع ۳

ہم نے اُن کی رجولیت قبل وحی اور قبل از رسالت ملاحظہ فرمائی جو دُوسروں کو وُہ رجولیت نصیب نہ تھی۔

ف: رجولیت سے صدق اللسان ودفع الاذی عن الجیران والمواسات مع الاخوان (سچی زبان والے اور ہمسائیگاں سے ایذاء ہٹانے والے اور عوام کو ہر طرح کی آسانی دینے والے) مراد ہے۔ یہ ان کے ظاہری حقیقت ہے اور ان کی باطنی رجولیت کا یہ حال تھا کہ انھیں ماسوی اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی راز کے تحت عورت کو نہ نوازا گیا کہ اس کی فطرت میں ایسی رجولیت نہیں رکھی گئی۔

حدیث معراج میں ہے:

ان اللہ تعالیٰ نظر الیٰ قلوب الخلق فلم یجد اعشق من قلب محمد علیہ السلام فلذا اکرمہ بالرؤیۃ[1]	اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے قلوب پر نظر فرمائی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عاشق باللہ کسی کو نہ پایا۔ اسی عشق کی وجہ سے صرف انہیں دیدار ذات سے نوازا۔

شانِ ولایت یاد رہے کہ ولایت نبوت سے شان رکھتی ہے۔ ہر زمانہ میں اہل اللہ کی یہی شان رہی ہے کہ وہ ظاہری طور پر کسی قسم کے ٹھاٹ باٹ نہیں رکھتے جو انہیں دیکھ کر ان کی ولایت پہ انکار کرتا ہے تو اُسے کسی بھی اللہ والے کی صحبت و معیت نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

اَنْ یہ مفسرہ اور فعل مقدر کا مفعول ہے در اصل اَوحینا الیہ شیئًا ھو یعنی ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ **اَنْذِرِ النَّاسَ** کہ عالم دنیا کے تمام لوگوں کو ڈراؤ، صرف اہل مکہ مراد نہیں۔ جیسے پہلے الناس میں صرف اہل مکہ مراد تھے اس لیے کہ فعل انذار عام ہے جو تمام لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔ اہل مکہ کفار ہوں یا دیگر عوام و خواص اہل ایمان۔

اِنذار کا معنٰی نارِ جہنم سے جیسے کفار کو دار نعیم کی کمی سے ڈرانا۔ جیسے فساق اہل ایمان کو تبشیر سے مقدم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ امور مالا ینبغی کا ازالہ افعال ما ینبغی پر عمل سے پہلے ضروری ہے اس لیے کہ نفس کا حسن نہیں نکھرتا جب تک اس کو کفر و معاصی کی تلویث سے پاک صاف نہ کیا جائے۔

قاعدہ ہے کہ گھر کو گندگیوں اور غلاظتوں سے پہلے صاف ستھرا کیا جاتا ہے پھر اس میں عطریات و خوشبوئیں چھڑکائی جاتی ہیں۔ دیکھیے طبیب بیمار کے بدن کا پہلے تنقیہ کرتا ہے پھر مواد ردیّہ نکالتا ہے، بعدہٗ مقویات استعمال کراتا ہے ایسے ہی طبیبِ روحانی امراضِ قلب کا علاج فرماتے ہیں کہ غلط عقاید اور اخلاق ردیّہ اور امراض قبیحہ کی خرابیوں کو قلب سے ہٹاتا ہے اور وہ انذار سے ہوتا ہے تاکہ اُن بُرے انجام سے ڈر کر قلب کی صفائی ہو جائے۔ پھر اسے طاعات وعبادات کی جزا بتا کر تبشیر کے میٹھے گھونٹ پلاتا ہے تاکہ اُسے خوشی ہو کہ ان طاعات وعبادات کی جزا سے اس کا جی مسرور و مفروح ہو۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے نبوت کے ابتدائی دور میں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ[2] — اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈر سناؤ

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۵ — [2] سورۂ مدثر آیت ۱، ۲

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اور ایمان والوں کو خوشخبری سناؤ نہ اہلِ کفر کو اس لیے کہ کافر جب تک کفر میں ہیں اُن کے ہاں ایسا کوئی امر نہیں جنہیں بہشت اور رحمت کی خوشخبری سُنائی جائے۔ اَنَّ لَهُمْ بایں طور کہ ان کے لیے قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے ہاں سچ کا مقام ہے یعنی ان کے پاس اعمال صالحہ کی پُونجی ہے جس کی وجہ سے وُہ آخرت کے بلند درجات کے مستحق ہُوئے۔

قاعدہ ۱ : قدم صدق سے تعبیر کرنے میں تسمیۃ الشئ بآلۃ کا قاعدہ جاری ہے اس لیے کہ سبق و قدوم، قدم سے ہی ہوتے ہیں جیسے نعمت کو یَد سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اس لیے کہ نعمت عموماً ہاتھ سے عطا کی جاتی ہے۔

قاعدہ ۲ : قدم کی صدق کی طرف اضافت میں "اضافۃ الموصوف الی الصفۃ" کا قاعدہ ہے تاکہ اُس کے صدق و تحقق میں مبالغہ ہو گو واضح کیا گیا ہے کہ اس کا صدق و تحقق جبلّی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی کو واضح تر بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اُسے اس طریق "اضافۃ الموصوف الی الصفۃ" سے لایا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا :

"قدم صدق" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے اور ہم گنہگار ان کے پیچھے پیچھے بہشت میں داخل ہوں گے۔

ے

گفتی کنم شفاعت عاصیؔ عذر خواہ
دل بر امید آں کرم افتاد در گناہ

ترجمہ : اے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ نے خود فرمایا کہ میں عذر خواہ گنہگار کی شفاعت کروں گا۔ اسی امید پر گناہ پر دل نے غلطی کر لی۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کافروں نے کہا اس سے مراد وہ کفار ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر تعجب کر کے کہا کرتے اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ○ بیشک یہ تو کھلا جادُوگر ہے۔

ف : یہاں سے معلوم ہُوا کہ کفار نے نبی علیہ السلام سے چند امور بطور معجزہ دیکھے جن کے مقابلہ سے اپنے عجز کا اعتراف کیا۔

تفسیر صُوفیانہ کافروں پر نفس فرعون کے جادوگروں کی صفات نے جادو کیا اس لیے وُہ حق کے سُننے، بولنے، دیکھنے سے بہرے گونگے اندھے ہیں اسی لیے نہ وہ حق کو سمجھتے اور نہ داعیِ حق کی فرمانبرداری کرتے اس لیے نفس حب ریاست اور طلبِ تقدم کے لیے مارا مارا پھرتا ہے وُہ کسی کے تابع رہنے پر راضی نہیں اس کی اصلاح عبودیت یعنی ریاست کی ضد میں اُسے ذلیل کرنا لازمی ہے بلکہ کسی مرشد کی غلامی میں لگا دینا چاہیے۔ مثنوی شریف میں ہے : ے

لہ شفاعتی لاہل الکبائر ۱۲

ہمچو استورے کہ بگریزد ز بار
او سر خود گیرد اندر کوہسار
صاحبش از پے دواں کاے خیرہ سر
ہر طرف گرگیست اندر قصد خر
استخوانت را نجاید چوں شکر
کہ نہ بینی زندگانی را دگر
ہین بگریز از تصرف کردنم
وز گرانی بار چوں جانت منم
تو ستوری ہم کہ نفست غالبست
حکم غالب را بود اے خود پرست
مبر آخر بود حق را مصطفٰے
بہر استوراں نفس بر جفا
لاجرم اغلب بلا بر انبیاست
کہ ریاضت دادن خامان بلاست

خلاصہ: وہ جانور جو بوجھ کے خطرہ سے پہاڑوں کی طرف بھاگے اس کا مالک اس کے پیچھے چل کر اسے سمجھائے کہ تو ایسے علاقہ میں آگیا ہے جہاں تیرے خون کے پیاسے ہیں تیری بوٹی بوٹی کریں گے اس لیے مجھ سے مت بھاگ اور نہ ہی میرے بوجھ سے خوف کیجئے اس طرح تم بھی ایک جانور کی مانند ہو اس لیے کہ تمہارے اوپر نفس غالب ہے اور ظاہر ہے کہ حکم غالب کا ہوتا ہے حضور نبی مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کیجئے اور نفس جانور پر خوب بوجھ لادو۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود کتنی حرج کشی فرماتے تھے۔

نکتہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پوچھا کہ انگوری کہاں سے اُگتی ہے؟
سب نے عرض کی: زمین سے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا: قلب سے حکمت بھی ایسے ہی پیدا ہوتی ہے جیسے زمین سے انگوری اُگتی ہے۔
آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جیسے زمین نے تواضع کی تو ایسی انگوری اُگی، ایسے ہی جو دل انکسار و تواضع کرتا ہے اس سے حکمت نمودار ہوتی ہے۔

حدیث شریف: قولِ مذکور کی تائید حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:

من اخلص للہ اربعین صباحًا ظہرت — جو اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس روز خلوص کرتا ہے اس کے
ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔ — دل سے زبان پر حکمت کے چشمے اُبلتے ہیں۔

ف : الینابیع (چشمے) زمین سے اُبلتے ہیں اس لیے کہ پانی کا مرکز زمین ہے۔ اس سے واضح ہُوا کہ چونکہ کفار نے اپنے نفوس کو تواضع وانکسار کے مرتبہ تک نہ پہنچایا۔ بنا بریں حُسنِ نیت سے انذار کو قبول نہ کر سکے اس لیے میٹھے چشمے یعنی قرآن کے فیوض وبرکات سے محروم رہے اور دیدارِ الٰہی کے ہجر اور جُدائی میں پیاسے رہے۔ اسی طرح جو لوگ تکبر کر کے خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہیں اُنھیں اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت کے چشموں سے محرومی نصیب ہوتی ہے۔ کافر کفرِ جلی کی وجہ سے قرآن کو جادو کہہ کر محروم ہُوئے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار ایسے ہی مشرکین کفرِ خفی کی وجہ سے کرامات کا انکار کیا۔

منکرینِ ولایت کی علامت

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا :

ثم ان کثیرا من المنکرین یقولون للاولیاء — بہت سے اولیاء کرام پر انکار کرنے والے اُن کے
والصالحین یطیرون فی الھواء لقالوا — کرامات دیکھ کر کہتے ہیں کہ جادو اور کرامات دکھانے والے
ھذا سحر وھؤلاء شیاطین۔ — شیاطین ہیں۔ (معاذ اللہ)

انتباہ جو ازلی محروم اور حق کا منکر ہوتا ہے تو اسے غیبی امور پر ایمان نہیں ہوتا وہ ایسے امورِ عالم شہود میں دیکھ کر انکار کر دیتا ہے جیسے بدبختوں نے انبیاء عظام کے معجزات اور اولیاء کرام کے کرامات دیکھ کر جادو سے تعبیر کیا اور ان حضرات کو شیاطین کہا۔ (معاذ اللہ)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ سرًا وجھارًا — ہم اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت چاہتے ہیں اور سوال کرتے ہیں
وان یحفظنا من العقائد الزائغۃ والاعمال — کہ ہمیں ان عقاید واعمال سے بچائے جو جہنم کے ایندھن
الموجبۃ بوارا۔ — کا سبب بنتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے بے شک تمہارا رب یعنی تمہارا مربی اور تمہارے جملہ امور کا مدبر وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا جو کہ یہی جملہ ممکنات اور تمام اجسام کے اصول ہیں۔

سوال : اسمائے موصولہ اس لیے وضع کیے گئے ہیں کہ ان سے ان اشیاء کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جب وہ صلہ کے مضمون سے موصوف ہوں تو اسے مخاطب جانتا ہو۔ عرب تو نہیں جانتے کہ واقعی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔

جواب : چونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا معاملہ سب کو معلوم ہے اور اہلِ عرب کی اُن کے ساتھ بہت زیادہ نشست وبرخاست

تھی اور ان سے ہر وقت سُنا کرتے اس معنے پر یہ عبارت صحیح ہُوئی۔
ف : ربیع الابرار میں ہے کہ اللہ تعالٰے نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں اور زمین کی موٹائی پانچسو سال کی۔ اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی پانچسو سال کی مسافت ہے اور ہر زمین و آسمان کی درمیانی مسافت بھی پانچسو سال کی ہے ساتویں آسمان پر ایک دریا ہے جس کا عمق ان چودہ طبقات کے برابر ہے اس میں ایک فرشتہ ہے جسے وہ پانی صرف گھٹنوں تک آتا ہے۔

فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ چھ دنوں میں یعنی چھ اوقات میں۔ یہاں یوم سے ایسا یوم مراد لیا گیا ہے جیسے **کُلَّ یوم ھو فی شان** ۔ یعنی وہ منفرد گھڑی جو قابلِ انقسام نہیں اور یوم کی شان سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ شان اس میں پیدا ہوتا ہے۔ آن سے دقیقے، دقیقوں سے دُرج، درج سے ساعات اور ساعات سے یوم مقدر ہوتے ہیں۔ جب آن پھیلتی ہے تو یوم بنتا ہے اور یوم سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال اور سالوں سے دور بنتے ہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یوم سے مطلق وہ وقت مراد ہے کہ جس پر لفظ زمان کا اطلاق ہو سکتا ہے کہ جس سے مذکورہ بالا زمانے بنتے ہیں اور آخرت کا ایک ہزار سال ہوگا اور قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا۔ اور ستّة ایام سے ادنیٰ مقدار مراد ہے اس لیے کہ یوم کا مبدا طلوعِ شمس اور اس کا منتہیٰ غروبِ شمس ہے اور اس وقت نہ شمس تھا اور نہ نہار کا تصوّر پھر اس سے معین یعنی مقداری یوم کیسے مراد ہو سکتا ہے بلکہ اس سے مطلق اور ادنیٰ مقدار مراد ہے۔ اگر وہ ان چودہ طبقوں کو ایک لحظہ میں پیدا کرنا چاہتا تو کر لیتا۔ لیکن انسان کو سبق دیا گیا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔

عجلت کار شیطان بود

ہاں توبہ میں عجلت ضروری ہے۔ اسی طرح قرض کی ادائیگی میں بھی جلدی کرنی چاہیئے مہمان کی مہمانی اور لڑکی بالغہ کا نکاح اور دفنِ میّت اور غسلِ جنابت میں بھی عجلت ضروری ہے۔
مثنوی شریف میں ہے : ؎

مکر شیطانست تعجیل و شتاب
خوئے رحمانست صبر و احتساب
با تانی گشت موجود از خدا
تا بشش روز ایں زمین و چرخہا
ورنہ قادر بود کز کن فیکون
صد زمین و چرخ آوردی بروں
ایں تانی از پے تعلیم تست
طلب کہ آہستہ باید بے شکست

خلاصہ: عجلت اور جلد بازی شیطان کا مکر ہے اور رحمان کی صفت ہے۔ نہایت دیر سے اللہ تعالیٰ نے موجودات پیدا فرمائے۔ زمین و آسمان کی تخلیق پر چھ روز لگائے گئے ورنہ وہ قادر ہے کہ صرف کُن سے کائنات بناتا بلکہ سیکڑوں زمینیں اور آسمان کُن سے پیدا کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دیر میں ہمیں سبق دیا کہ صبر میں تمہاری کامیابی ہے۔

حدیث شریف:

ان اللہ خلق التربۃ یوم السبت وخلق فیھا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلاثا وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیھا الدواب یوم الخمیس وخلق اٰدم بعد العصر یوم الجمعہ اٰخر الخلق فی اٰخر ساعۃ من ساعات الجمعہ فیما بین العصر الی اللیل۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے خاک یعنی زمین کو ہفتہ کے دن اور اس زمین میں پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور مکروہ اشیاء کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کی عصر اور مغرب کے درمیان پیدا فرمایا۔

سوال: قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں سات دنوں میں بنایا۔

جواب: آسمان و زمین اور اُن کے مابین کی اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام چونکہ زمین سے پیدا ہوئے اس لیے انہیں اس کی فرع کی حیثیت ہے اُن کی علیحدہ تخلیق کا ذکر اُن کی عظمت شان کی وجہ سے ہے۔ (کذا فتح القریب)

نکتہ: تخلیق آدم میں تاخیر کی حکمت یہی ہے کہ انہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کا خلیفہ اور اپنا نائب بنانا تھا، اس لیے پہلے اُن کی رعیت کی تخلیق کی گئی تاکہ اُن کی آمد سے پہلے اُن کی شان و شوکت کا اظہار ہو اور رعیت کے بغیر بادشاہ کا وجود بے نشاں سا ہوتا ہے بنا بریں رعیت کی تخلیق پہلے ہوئی تاکہ خلافت اور خلیفہ کی تشریف و تکریم ہو۔

ف: میزان میں پہلے فلک نے اپنی گھڑیوں سمیت پہلا دورہ کیا اس سے ایام کا حدوث ہوا۔ اُس وقت نہ دن تھا نہ رات اس لیے کہ دن اور رات کا حدوث تو سورج کی وجہ سے ہوا۔ اور وہ چوتھے آسمان پر بعد کو پیدا ہوا اور اس کا مشرق سے مغرب تک ایک طرح کا چکر ہوتا ہے۔ (کذا فی عقلۃ المتوفز)

ف: دنوں میں سب سے پہلے اتوار کو پیدا کیا گیا اس لیے اس میں اولیت کا معنیٰ ہے اس کے دوسرے مرتبہ پر پیروار (سوموار) پیدا ہوا۔ اسے یوم الاثنین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ یوم الاحد (اتوار) کا دوسرا ہے۔

ف: مخلوقات کی تخلیق کے آغاز کے لحاظ سے چھٹا دن خمیس کا دن ہے۔ اس کے بعد جمعہ میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی

اور اسے مستقل نہیں کہا جاتا۔

ف : سبت بمعنے راحت ہے۔ چونکہ یہودیوں نے سمجھا کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان وزمین وغیرہا کی تخلیق سے اس دن آرام فرمایا بنا بریں یہ یوم سبت (راحت) ہے اگرچہ اُن کا یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

وما مسّنا من لغوب۔

لغوب بمعنے اعیاء (تھکان) یا انھوں نے عمدًا اس ارشاد کی تکذیب کی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یہود کے نزدیک ہفتہ کا آغاز اتوار سے ہوتا ہے۔ یہی نصارٰی کہتے ہیں اور ان کے نزدیک یہی افضل الایام ہے۔

اعجوبہ اور حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیچر کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یوم مکر وخدیعۃ۔

وہ مکروفریب اور دھوکہ کا دن ہے۔

ف : وُہ اس لیے کہ قریشِ مکہ (کفار) نے دار الندوہ میں آپ سے دھوکہ وفریب دہی کے لیے اُس دن مشورہ کیا تھا۔

مسئلہ : ہفتہ، اتوار، منگل کے دنوں میں نیا کپڑا نہ خریدا جائے۔ حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فرمایا :

جب نیا کپڑا منحوس وقت میں خریدا جاتے یا سلایا جائے تو اس میں نحوست گھس جاتی ہے۔ اس کے تاثرات گاہے گاہے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔

مسئلہ : اسی طرح کھانے پینے کی چیزوں کا بھی یہی حال ہے کہ اُن میں اوقات کی نحوست کے اثرات ظاھر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے حدیث شریف میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ عورت اور گھوڑے اور دار میں نحوست ہوتی ہے اس سے تجربہ کار لوگوں کے بار بار تجربے شاہد ہیں ان مذکورہ بالا اشیاء کی نحوستوں کا اثر ان لوگوں کے باطنی احوال بلکہ اُن کے ظواہر سے بھی ایسے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کہ کبھی ایسی غذا یا لباس یا اُن کے اجسام کے نقصانات متعدی ہو کر اس صاحبِ غذا و لباس وجسم و رُوح و قلب کو ملوّث کرتے ہیں۔ ایسے امور قلب و رُوح کے لیے نجاست بنتی ہے، جیسے ظاہری طور پر کپڑے گندگیوں سے آلُودہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی قلب و رُوح بھی گندگیوں سے ملوث ہو جاتے ہیں اور رُوح و قلب کی گندگیاں یہی ہیں جو افعال وامُور شرعًا مکروہ ہیں اور مکروہات امور وافعال محرمہ سے درجہ میں ہوتے ہیں۔

سوال : حضرت الشیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ سے سوال ہُوا کہ آپ نے تو ہفتہ کے دن کی مذمت کی ہے حالانکہ روایت میں آیا ہے : "بارك الله فی السبت والخمیس" اللہ تعالیٰ سنیچر اور خمیس کو برکت دے۔

جواب : آپ نے تو فرمایا : ان دونوں کی یہ برکت جمعہ کی ہمسائیگی کی وجہ سے ہے۔

ف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا :

اتوار کے متعلق کچھ فرمایئے۔

تو آپ نے فرمایا :

اتوار باغ بوٹی اور مکانات کی تعمیر کا دن ہے۔ وہ اس لیے کہ اتوار کے دن میں اللہ تعالےٰ نے دنیا اور دنیا کے متعلقات کو پیدا فرمایا۔

ایک اور روایت میں ہے :

بنیت الجنۃ فیہ و غرست۔ اتوار کے دن بہشت تیار ہوئی اور اسی دن بہشت کے باغات لگائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا :

یوم سفر و تجارۃ۔

یعنی وہ سفر و تجارت کا دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن جس نے تجارت کی تو نفع پائیگا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :

یوم دم - یعنی یہ خون کا دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن بی بی حوا کو حیض کا آغاز ہوا ، اور اسی دن آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اسی دن حضرت جرجیس اور زکریا و یحییٰ علیہم السلام اور فرعون کے زمانہ کے جادوگر (جو بعد کو موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر مومن ہو گئے) اور آسیہ بنت مزاحم یعنی فرعون کی اہلیہ اور بنی اسرائیل کی گائے اور دیگر اکابرین اسی دن شہید ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منگل کے دن خون نکلوانے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا :

فیہ ساعۃ لا یرقاء فیھا الدم۔

اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر خون بہہ نکلا تو اس کا بند ہونا نا ممکن ہوگا۔

یعنی اگر کوئی پچھنے لگائے گا یا خون نکلوائے گا تو خون بند نہیں ہوگا جب تک کہ وہ انسان مر نہ جائے۔

وفیہ نزل ابلیس الی الارض وفیہ خلقت جہنم و فیہ سلط اللہ ملك الموت علی ارواح بنی آدم وفیہ ابتلی ایوب۔

اور یہ وہ دن (منگل) ہے جس میں ابلیس زمین پر اترا اور اسی میں جہنم پیدا ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے

ملک الموت کو بنی آدم کے ارواح قبضہ میں دے دیئے اور اسی دن ایوب علیہ السلام بیماری میں مبتلا ہوئے۔

ف: حضرت امام ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدارس اور تعلیم کے لیے ہفتہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔ پھر خصاف کے زمانہ میں کبھی سوموار اور کبھی منگل کے دن چھٹی ہوتی تھی۔

ف: حضرت خصاف ۲۶۱ھ میں فوت ہُوئے۔ صاحب رُوح البیان کے زمانہ میں منگل اور جمعہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔

ف: حضرت صاحب رُوح البیان کے شیخ اور پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ چھٹی کے ایام میں سبق پڑھنا حد سے متجاوز ہونا ہے۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن چُھٹی ہونی چاہیے تاکہ طالبِ علم کو مطلوب علم کے حصول میں فتور اور نقص پیدا نہ ہو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ کبھی کبھی انسان کو آرام ضروری ہے۔ اگر سالک سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وُہ بھی اپنے نفس کو کچھ آرام دے ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بُدھ کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"یوم نحس" یعنی منحوس دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن اللہ تعالےٰ نے فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا۔ اسی دن عاد و ثمود اور صالح علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالےٰ نے تباہ و برباد کیا۔

مسئلہ: بُدھ کے دن ناخن کٹوانا منع ہے اس لیے کہ وُہ برص پیدا کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بدھ کے دن طبع پُرسی مکروہ ہے۔

مسئلہ: منہاج الحلیمی میں ہے کہ بُدھ کے دن زوال سے لے کر تا قبل عصر دُعا مستجاب ہوتی ہے اس لیے کہ غزوۂ احزاب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اسی وقت دُعا فرمائی تو آپ کی دُعا مستجاب ہُوئی

مسئلہ: بعض کے نزدیک اس دن استحجام مستحب ہے۔

ف: جو کام بُدھ کے دن شروع کیا جائے وہ ضرور مکمل ہوگا۔ مثلاً اس دن تدریس کا آغاز ہونا چاہیے۔ صاحب ہدایہ کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے ہر طالب علم کا سبق بُدھ کے دن شروع کراتے تھے اور دلیل میں یہی حدیث پیش فرماتے اور کہتے کہ میرے والدگرامی بھی اسی طرح کرتے تھے۔ اور یہی روایت اپنے شیخ احمد بن عبدالرشید سے بیان کرتے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خمیس کے دن کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

یوم قضاء الحوائج والدخول علی السلطان۔

یہ ضروریات وحوائج پُورا کرنے اور بادشاہوں (حاکموں) کے پاس جانے کا دن ہے۔

اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کے بادشاہ کے ہاں اُس دن تشریف لے گئے اور اُس نے آپ کا مقصد

پُورا کر دیا بلکہ بی بی ہاجرہ بھی ہدیۃً پیش کی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے دن کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :

یوم نکاح ۔ یہ نکاح کا دن ہے ۔

اس دن حضرت حوا کا حضرت آدم سے اور بی بی زلیخا کا یوسف علیہ السلام سے اور بنتِ شعیب کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور بلقیس کا سلیمان علیہ السلام سے اور بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہما کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہُوا۔

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جو جمعہ کے دن ناخن کٹوائے گا اللہ تعالیٰ اس کے جسم سے بیماری دُور فرمائے گا اور اس کے جسم میں شفاء داخل فرمائے گا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تبیان میں ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ثُمَّ پانچ طرح مستعمل ہے :

۱۔ عاطفہ جیسے ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا۔

۲۔ بمعنے قبل جیسے ثم استوٰی علی العرش یہاں پر ثمّ بمعنے قبل استوی علی عرش۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ چودہ طبق کی تخلیق سے عرشِ معلّٰی پہلے تھا کما قال تعالیٰ وکان عرشہٗ علی الماء۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کے طبقات کی تخلیق سے عرش پہلے تھا۔ یہی آیت ثم ان مرجعهم لا الی الجحیم میں بھی ثم بمعنے قبل ہے یعنی قبل ذلک مرجعهم۔

شاعر کے شعر ذیل میں ثمّ بمعنے قبل ہے ۔ ؎

قل لمن ساد ثم ساد ابوہ

ثم قد ساد قبل ذلک جدہ

ترجمہ : اسے کہہ دو جو قوم کا سردار بنا ہے اس سے قبل اس کا باپ اور اس سے پہلے اس کا دادا سردار تھے ۔

اس شعر میں ثمّ بمعنے قبل ہے ۔

۳۔ ثمّ بمعنے واؤ ہے جیسے ثم کان من الذین امنوا میں ثم بمعنے واؤ ہے

۴۔ ثمّ بمعنے الابتداء جیسے الم نهلک الاوّلین ثم نتبع الاٰخرین ۔ یہاں پر نحن نتبعهم الاٰخرین میں ثم بمعنے ابتداً ہے ۔

۵۔ ثم بمعنے تعجب ، کما قال تعالیٰ الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات ثم الذین کفروا بربهم یعدلون ۔ یعنی تعجب کرو کہ دیکھو وُہ کیسے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا:
یہاں پر عرش کی عظمت اور اُس کی آسمانوں اور زمینوں پر فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے نہ تراخی فی الوقت کے لیے۔ ثم استوٰی الی السّماء جو سورۃ بقر میں ہے تراخی فی الوقت کے لیے ہے جیسا کہ مفسرین نے فرمایا؛ اس معنے پر تاویل کی ضرورت نہیں۔

افلاک کی تحقیق

افلاک کے نو طبقات ایک دُوسرے پر ہیں اور فلک محیط یہی عرش معظم ہے جو تمام افلاک کو محیط ہے اسی طرح انسان کا جسم بھی نو جواہر سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ جواہر بھی ایک دُوسرے پر ہیں تاکہ انسان کی کمیت و کیفیت میں افلاک سے مشاکلت ہو اور وُہ نو جواہر یہ ہیں:

۱۔ چربی	۲۔ ہڈی
۳۔ جوڑ	۴۔ رگیں
۵۔ خُون	۶۔ گوشت
۷۔ چمڑہ	۸۔ بال
۹۔ ناخن	

اوّل المخلوق کون

اجسام میں سے اول المخلوق عرشِ اعظم ہے اور ارواح میں ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس ہے۔ اور عرشِ معلّٰی سُرخ یاقوت کا ہے، اس کے ایک ہزار پائے ہیں اور ہر پایہ میں دُنیا کے برابر جہان ہے۔

ف: حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ: استواء بمعنے استیلاء۔ یعنی اپنی قدرت و غلبہ اور تصرف میں اللہ تعالیٰ اس پر غالب ہے۔

نکتہ: عرش کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ وہ اعظم المخلوقات ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جب وُہ بہت بڑی مخلوق پر غلبہ رکھتا ہے تو جو اس سے درجہ میں کم ہیں تو بطریقِ اولیٰ ان پر بھی غلبہ رکھتا ہے۔

ربط: حدادی نے فرمایا کہ جیسے ثمّ استوی علی العرش پر داخل ہے ایسے ہی آنے والے جملے میں بھی داخل ہے گویا فرمایا کہ ثمّ "یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ" کام کی تدبیر کرتا ہے حالانکہ وہ مستوی علی العرش ہے اور جملہ امور عرش کے نیچے سے نازل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُعا کے وقت عرش کی طرف ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں۔

ف: قاضی بیضاوی نے فرمایا:

یدبر الامر بمعنے یقدر امر الکائنات الخ یعنی اللہ تعالےٰ اپنی کائنات کے جملہ اُمور کی تدبیر کرتا ہے جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا اور اس کی تقدیر چاہتی ہے پھر اس کے مطابق اسباب بناتا اور انہی

اسباب کو اپنی طرف سے نازل کرتا ہے۔ اللہ بیر بمعنے النظر فی ادبار الامور لتجی محمودۃ العاقبۃ۔ تدبیر امور کے انجام پر غور کرنا تاکہ بہتر انجام نصیب ہو۔

خدائی بندوں کے ہاتھ میں

عمرو بن مُرہ فرماتے ہیں: باذنِ الٰہی چار فرشتے امرِ دُنیا کی تدبیر بناتے ہیں:

۱۔ جبرائیل علیہ السلام ۲۔ میکائیل علیہ السلام ۳۔ ملک الموت علیہ السلام ۴۔ اسرافیل علیہ السلام

- جبرائیل علیہ السلام ہواؤں اور جنودِ ربانی پر،
- میکائیل علیہ السلام بارش کے قطروں اور انگوریوں پر،
- ملک الموت نفوس پر،
- اور ملائکہ مذکور جن امور پر مامُور من اللہ ہوتے ہیں وہ امر من اللہ اسرافیل علیہ السلام لاتے ہیں۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: خلق السمٰوٰت والارض اللہ تعالےٰ نے عالم صورۃ و عالم اکبر میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں پیدا فرمائیں فی ستۃِ ایام۔ چھ دنوں میں۔ یعنی چھ انواع سے، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ افلاک ۲۔ کواکب ۳۔ عناصر ۴۔ حیوان ۵۔ نبات ۶۔ جماد

ثم استوی علی العرش عرش جسمانی بھی روحانی بھی۔ یعنی عرش میں دونوں جہتیں ہیں۔ جہت روحانی سے روحانیوں سے اور جہت جسمانی سے جسمانیوں سے متعلق ہیں یدبّرالامر عرش پر فیض رحمانیہ کے لیے فیضان کے لیے امور کی تدبیر کرتا ہے اس لیے کہ عرش نے ہی سب سے پہلے فیض رحمانی کو قبول کیا الرحمٰن علی العرش استوٰی کی ایک تفسیر یہی ہے پھر عرش سے ہی مستحقین کا فیض تقسیم ہوتا ہے گویا رحمانی فیض کی تقسیم گاہ عرشِ الٰہی ہے۔ اسی عرش سے تمام مخلوقات کو فیض پہنچتا ہے یہاں تک کہ افلاک کو تاثیر یہاں سے حاصل ہوتی ہے اور کواکب اسی سے تاثیر پاتے ہیں عناصر کے توالد کا اثر پاتا ہے اس سے ہی نباتات حرکت پاتی ہے اس سے معادن کو اثرات نصیب ہوتے ہیں۔

دیگر تفسیرِ صُوفیانہ

انّ ربکم اللہ الذی تمہارا وہ معبود جو تمہاری تربیت کرتا ہے۔ خلق السمٰوٰت جس نے ارواح کے آسمان والارض اور تمہارا عالمِ معنیٰ، یعنی عالم اصغر میں تمہارے نفوس کی زمین کو پیدا فرمایا فی ستۃِ ایام چھ انواع میں۔ وہ چھ انواع یہ ہیں:

○ رُوح ○ قلب ○ عقل ○ نفس یعنی رُوحِ حیوانی ○ نفس نباتیہ یعنی نیامیہ ○ خواص المعادن

یہ ایک قوت ہے جو انسان میں ہوتی ہے جس سے وہ احوال و اوصاف اور ان کے تغیّر کو قبول کرتا ہے۔

ثم استوٰی علی العرش یہاں پر عرش سے قلبِ انسانی مراد ہے۔ یدبّرالامر یعنی امر سعادت و شقاوت کی تدبیر بناتا اور اخلاق و احوال و اعمال و افعال و حرکات و سکنات کے اسباب تیار فرماتا ہے۔

حدیث شریف قلوب العباد بیدی اللّٰہ یقلبہا کیف یشاء کا اسی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بندوں کے قلوب اللّٰہ تعالٰے کے دونوں ہاتھوں میں ہیں۔ وُہ انھیں بدلتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط مگر اس کے اذن کے بعد یعنی جس کے لیے اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا وہی شفاعت کرے گا۔

ف : اس میں بُت پرستوں کے اس قول کا رد ہے کہ بُت ان کی شفاعت کریں گے۔ انہیں اللّٰہ تعالٰی نے بتایا کہ ملک مقرب اور نبی مرسل کسی کی شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کی اللّٰہ تعالٰی اجازت دے گا اور جس سے صرف وہی راضی ہوگا۔

ف : آیت سے ثابت ہُوا کہ آیت میں شفاعت کی نفی بتوں کے لیے ہے اس لیے کہ انہیں عقل ہے نہ شعور۔

عقیدہ : آیت سے واضح ہُوا کہ ماذون لہٗ انبیاء و اولیاء قیامت میں گنہگار بندوں کی شفاعت کریں گے۔

ذٰلِكُمُ وُہ عظیم الشان رب تعالٰے جس کی صفات و کمالات اوپر مذکور ہُوئے۔

سوال : یہ اشارہ محسوس مشاہد کے لیے ہوتا ہے اور اللّٰہ تعالٰی کی ذات نہ محسوس ہے نہ مشاہد۔

جواب : مجازاً اُس کی طرف ایسا اشارہ جائز ہے جبکہ اُس کے کمالات وصفات اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔

سوال : بہشت محسوس مشاہد نہیں لیکن اس کی طرف تلک الجنۃ کہہ کر اشارہ کیوں جاتا ہے۔

جواب : اُس کے اوصاف بیان کر کے بندوں کے ذہنوں میں ایسا واضح کیا گیا ہے کہ گویا وہ محسوس ومشاہد ہے۔

اللّٰہُ یہ ذٰلِکُمْ کی خبر ہے کہ یہ صفت اور مابعد اُس کی خبر ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ صفت اور ما بعد اس کی خبر ہو۔ چنانچہ کاشفی نے ترجمہ کیا کہ :

● "آں خداوندیکہ موصوف است بصفات خلق و تدبیر و استیلاء"

وُہ اللّٰہ جو صفاتِ خلق و تدبیر و استیلاء سے موصوف ہے رَبُّكُمْ وہی تمہارا رب ہے نہ کوئی اور، اس لیے کہ ان صفات میں اس کا اور کوئی شریک نہیں۔

ف : حضرت ابوالسعود رحمہ اللّٰہ تعالٰے نے فرمایا کہ ربکم یا اللّٰہ کا عطف بیان یا بدل یا اسم اشارہ کی دُوسری خبر ہے۔

فَاعْبُدُوْهُ ط پس اُسی کی عبادت کرو۔ اُس کے ساتھ کسی دُوسرے مَلک یا انسان کو شریک نہ کرو چہ جائیکہ پتھروں کو جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ کیا تم دھیان نہیں کرتے یعنی سوچتے نہیں ہو کہ معمولی سے نظر و فکر سے تمہیں معلوم ہوجاتے گا کہ عبادت و ربُوبیت کا مستحق صرف وہی ہے نہ یہ تمہارے بُت کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ط تم سب کو اُسی کی طرف پھرنا ہے۔ موت اور بعثت ونشر سے نہ کسی دُوسرے کی طرف ہی اُسی کی حاضری کے لیے تیاری کرو۔

ف : جمیعاً ضمیر مجرور سے حال ہے اس لیے کہ وہ معنےً فاعل ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہوگی : اِلَيْهِ رُجُوْعُكُمْ مُجْتَمِعِيْنَ۔

تفسیر صوفیانہ

اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِیۡعًا یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہر مقبول و مردود نے حاضر ہونا ہے۔ مقبول کی حاضری جذبات عنایت سے جیسے ارجعی الی ربک کے خطاب سے نوازا گیا درحقیقت یہ جذبات وُہ ہیں کہ جن سے قلب ذاتِ حق کی طرف منجذب ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نفس دنیا اور اس کے تمام متعلقات سے مستغنی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہوتا ہے۔ اور دل ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔ رُوح بحرِ شوق و محبت میں ڈوب جاتی ہے اور ماسوی اللہ اس کی پروا نہیں ہوتی۔ انسانی سرّ (راز) شہودِ حق میں مصروف ہو کر خلق سے رُوگردانی کر لیتی ہے اور مردود اللہ تعالیٰ کے ہاں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں بے اختیاری سے گرفتار ہو کر حاضری دیتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اُسے مُنہ کے بل گھسیٹ کر جہنّم میں لیجایا جائے۔ اُس وقت اُس پر قہرِ حق کی صفت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وُہ دُنیا اور اُس کے متعلقات میں پھنس جاتا ہے اور اس پر نفس کے صفات جیسے حرص و بخل، غلط آرزو، کبر و غضب، شہوت و حسد کینہ و عداوت اور لالچ سوار ہو جاتے ہیں۔ یہی ہر ایک کے لیے بیڑیاں اور لوہے کی زنجیریں ہیں جن سے انہیں نارِ جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ط اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اس سے فرمایا کہ تم نے قیامت میں مرنے کے بعد اٹھنا ہے حَقًّا سچ ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ وعد اللہ مصدر (مفعول مطلق) موکد لنفسہٖ ہے اس لیے کہ اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ بھی مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ ہے پھر اسے وعد اللہ حقًا کہنے سے اس کا اعادہ ہو گیا۔ اس بنا پر اسے موکد لنفسہٖ کہا گیا۔ حقًا مصدر (مفعول مطلق) موکد لغیرہٖ ہے اس لیے کہ یہ وعد اللہ کے مدلول کی تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ مدلول علیہ میں غیر کا احتمال ہے۔ اس احتمال کو دُور کرنے کے لیے حقًا لایا گیا ہے ای حق ذٰلک حقًا۔ اِنَّهٗ بے شک اللہ تعالیٰ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ پہلی بار بناتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے بَدَأَ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ای خلقهم (کذا فی القاموس) یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ پھر انہیں دُنیا میں پیدا کیا تاکہ مکلف بنا کر عبادت پر مامور فرمائے ثم انہیں ان کے آجال کے اختتام پر اُنہیں فوت کرے گا۔ موت کے بعد پھر اُنہیں اُٹھائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ بمعنے تعلیل کے ہے اس لئے کہ اسی کی طرف سب کو ضروری لوٹنا ہے لِيَجۡزِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ يُعِيۡدُهٗ کے متعلق ہے تاکہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں اپنے فضل اور لطف و کرم کے لائق ایسا صلہ عنایت فرمائے کہ جسے کسی نے نہ دیکھا اور نہ سُنا اور کسی کے تصور میں آسکے بِالۡقِسۡطِ ط یجزی کے متعلق ہے بمعنے بالعدل یعنی نیک کو ثواب عنایت فرمائے گا تو مکمل کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو گی اور بُرے کو بھی سزا دے گا تو پُوری پُوری کہ اس سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہو گی بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی کما قال تعالیٰ جزاءً وفاقًا۔ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ اور کافروں کے لیے پینے کا گرم پانی کہ جب وُہ اسے پئیں گے تو اُن کی آنتیں اور دل و جگر پاش پاش ہو جائیں گے وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ اور دردناک عذاب کہ جس کے درد کا اثر دل پر پڑے گا بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ یہ مرفوع ہے اس لیے کہ عذاب کی دُوسری صفت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مبتدا محذوف کی خبر بنایا جائے۔ اس وقت عبارت

یُوں ہوگی ذلك العذكور من الشراب والعذاب حاصل لهم بسبب كفرهم باللہ ورسولہ یعنی شراب و عذاب مذکور جو انھیں حاصل ہوگا وہ اُن کے اللہ جل جلالہٗ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کی وجہ سے ہے۔

سوال: ولیجزی الخ کے بجائے بشراب الخ کیوں نہ فرمایا اس قدر طویل عبارت کیوں۔

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ مقصود بالذات ثواب وعتاب ہیں جو ابداد واعادہ کی وجہ سے واقع ہوئے۔

ف: دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو موت کے بعد لوٹائے گا تاکہ ہر شخص اپنی کھیتی کاٹ سکے۔

سبق: جو دُنیا میں نیکی کرتا ہے اُسے آخرت میں اچھا پھل ملے گا اور جو بُرائی کرتا ہے وُہ ندامت اور خجالت پائے گا۔ ؎ جملہ دانند ایں اگر تو نگردی
ہر چہ کاریش روزے بدردی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے جو کچھ بوؤ گے وُہی اٹھاؤ گے۔

نکتہ: قادر کو اپنی قدرت سے اِسی دنیا میں ہر نیک اور بد کو اچھی اور بُری جزا دے سکتا تھا لیکن بجائے دُنیا کے آخرت میں جزاء وسزا کو موخر فرمایا کہ عالمِ دُنیا کو وہ طاقت وقوت نہیں کہ جزا وسزا کو برداشت کرسکے اور اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے۔

سبق: جب یہ کیفیت ہے تو بندے کو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے وُہ نہیں چاہتا کہ اِس کا بندہ اس کے احکامات کی مخالفت کر کے اس کی طاعات کے دائرہ سے نکل کر باہر جائے۔

بجلی کا کرنٹ اور شبر و شبیر کی کہانی

حضرت وہب بن منبّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دَورِ سابق میں بیت المقدس پر ہر رات ایک ہزار ٹیوبوں (TUBES) (دگیس لالٹین) سے چراغاں ہوتا۔ ان کے لیے تیل طورِ سینا سے لایا جاتا جو قدرتی طور پر اونٹ کی گردن کے مشابہ کوئی چیز ظاہر ہوتی اِس میں تیل کا مشکیزہ ہوتا اس تیل سے یہی ایک ہزار ٹیوبیں (دگیس لالٹین) روشن ہو جاتیں۔ تیل ڈالنے میں اور آگ جلانے میں کسی انسان کو دخل نہ تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے دُو صاحبزادوں شبر و شبیر کو صرف اتنا حکم تھا کہ وہ وقت مقررہ پر ٹیوبوں دگیس وغیرہ کی دیکھ بھال کریں لیکن انھیں ہاتھ مت لگائیں اور نہ ہی انھیں دُنیوی آگ سے روشن کریں۔ ایک دن اُن سے غلطی ہُوئی کہ دُنیوی آگ سے اُنھیں جلا دیا تو ان ٹیوبوں (دگیس وغیرہ) سے ایک آگ نکلی جو شبر و شبیر کو لپٹی اور انہیں آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی فنا کر گئی۔ اس کیفیت سے شور برپا ہُوا۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو جب یہ واقعہ سنایا گیا تو حضرت مُوسےٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین! یہ میرے بھتیجے ہیں اور تیرے گھر کے خدام۔ ان کی معمولی سی غلطی سے اتنی ناراضگی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہی تو وجہ ہے کہ میرے محبوب اور پیارے ہو کر اُنہوں نے غلطی

کیوں کی۔ میرے محبوبوں اور دوستوں سے جب غلطی سرزد ہوجائے تو ان کے ساتھ میں ایسے کرلیتا ہوں تاکہ میرے دشمنوں اور نافرمانوں کو عبرت حاصل ہو۔

اعجوبہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ اگر زمین پر گرے تو روئے زمین کی تمام انگوریوں کا ذائقہ بگڑ جائے گا۔

سبق : غور کیجئے جب اس کے ایک قطرے کا یہ حال ہے تو اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جسے جہنم میں غذا کے طور کھانا پڑے گا اور پینے کے لیے گرم پانی ملے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

نسخۂ روحانی جو شخص مبدا و معاد کو یاد کر کے غور و فکر میں ڈوب جاتا ہے کہ آخر فنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے تو ایسے شخص کو غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اور وہ الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت کے زمرہ میں شریک ہوجاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا بلغ العبد اربعین سنۃً و لم یغلب خیرہ شرہ قبل الشیطان بین عینیہ وقال فدیت وجہا لا یفلح ابدا۔

جو چالیس سال کی زندگی ختم کرلے لیکن اس کی برائیوں پر اس کی نیکیوں کا غلبہ نہ ہو تو شیطان اس کا منہ چومتا ہے اور کہتا ہے قربان جاؤں یہ وہ چہرہ ہے جو دائمی طور فلاح سے محروم رہا۔

شیطان کا واویلا اگر کسی بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اور اس کو گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق بخش کر اسے جہالت کے گڑھے سے نکالتا اور گمراہی کی خرابیوں سے بچاتا ہے تو شیطان کہتا ہے : ہائے افسوس ! اس کی زندگی گناہوں میں بسر ہوئی جس کے گناہوں سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی تھی لیکن شومیِ قسمت سے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق بخشی جس سے اس کے تمام گناہ بخش دیے گئے اور وہ نورِ طاعت سے سرفراز ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے : مرد اول بستہ خواب و خور است

آخر الامر از ملائک برتر است

در پناہ پنبہ و کبریتہا

شعلۂ نورش برآید بریتہا

خلاصہ انسان پہلے تو خواب و خور کا پابند ہوتا ہے لیکن جب ترقی کرتا ہے تو ملائکہ سے بھی افضل ہوجاتا ہے جیسے پہلے آگ کا انگارہ معمولی سا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ جب روئی اور کپڑا ملتے ہیں تو بہت بڑی آگ بن جاتی ہے۔ ایسے ہی انسان پہلے تو گندے پانی اور بے قدر مٹی سے مرکب ہو کر ظاہر ہوتا ہے پھر اسے کسی کامل کی تربیت یا بلاواسطہ فیضِ ربانی نصیب ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا برگزیدہ ہوجاتا ہے کہ اس کی پرواز سے ملائکہ عاجز ہوتے ہیں اور عام انسانوں میں رہ کر اونچی شان کا مالک ہوتا ہے۔ (نسأل اللہ العنایۃ والتوفیق)

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِيْ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جس نے اپنی قدرت سے جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً سُورج کو روشنی والا بنایا تاکہ تمام کائنات اس سے مستنیر ہو۔ سُورج کے عین سے استفادہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ سُورج کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ صاحب ضیا۔

ف : ضیاء دراصل ضواء تھا۔ واؤ کو یا سے تبدیل کیا گیا۔ اس کے ماقبل کی کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گئی۔ اور الشمس، شمسة القلادة سے ماخوذ ہے اور شمسة سب سے اچھے موتی کو کہتے ہیں جو سب سے بڑا اور نفیس ترین اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے (اسے فارسی میں میانگین کہا جاتا ہے)۔

سُورج بھی ایک ستارہ ہے لیکن چونکہ ستاروں میں اُس کی موتی کی حیثیت ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (کذا فی شرح التقویم)

وَّالْقَمَرَ یعنی چاند۔ قمر یعنی سفیدی و زردی کی ملاوٹ۔ جس گدھے کا رنگ سفید اور زرد ہو، اسے ابیض فی صفوة کہا جاتا ہے۔ چونکہ چاند کا رنگ سپیدی و زردی ملا ہوتا ہے اس لیے اسے قمر سے موسوم کرتے ہیں۔

نُوْرًا چاند کو نورانی بنایا، اس لیے کہ وُہ رات کو چمکتا ہے۔

ف : ضیاء، نور سے وضع و استعمال کے لحاظ سے قوی تر ہوتا ہے اسی لیے ضیاء سُورج کی طرف اور نور چاند کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

ف : حکما فرماتے ہیں کہ ضیاء ذاتی نور کو کہا جاتا ہے جیسے سُورج کا نور ذاتی ہے اور جس کا نُور بالعرض ہو اس پر نور مستعمل ہے جیسے زمین پر چمکنے والی روشنی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ نورا لقمر مستفاد من الشمس یعنی چاند کا نُور سُورج سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہُوا کہ چاند ایک صیقل شدہ ظلمانی اور روشنی قبول کرنے والا ایک جسم ہے جب وہ سُورج کے بالمقابل ہوتا ہے تو سورج کے عکس سے نور سے بھر جاتا ہے اس وجہ سے زمین پر اس کی روشنی پڑتی ہے۔ ؎

نور ہستی جُملۂ ذرّات عالم تا ابد
میکنند از مغربے چوں ماہ از مہر اقتباس

ترجمہ: تمام عالم اللہ تعالیٰ سے تاباں ہے جیسے چاند سُورج سے نُور حاصل کر رہا ہے۔

سُورج اور چاند کی شرعی تحقیق

مذکورہ بالا حکما کی تحقیق شرعی تحقیق کے خلاف ہے اس لیے کہ اسلئة الحکم ہیں ہے کہ حدیث شریف ۱ میں ہے:

ان الله خلق شمسين نيّرين قبل خلق الافلاك۔

اللہ تعالیٰ نے دو نورانی سورج اور چاند افلاک کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمائے۔

حدیث شریف ۲: ایک اور روایت میں ہے کہ:

ان الله خلق نور القمر سبعين جزء وكذا — بے شک اللہ تعالیٰ نے چاند کا نور سُورج کی طرح

نور الشمس ثم امر جبریل فمسحہ بجناحیہ فمحا من القمر تسعہ و ستین جزء فحولہا الی الشمس فاذھب عنہ الضوء و ابقی فیہ النور و الشمس مثل الارض مائۃ و ستا و ستین مرۃ وربعا ثم جرم الارض والقمر جزء من تسعۃ وثلاثین وربع ما فی الواقع۔

سترجز بنائے اس کے بعد جبریل کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے پروں سے چاند کے انہتر اجزا نکال کر سورج پہ ڈال دے اس کے بعد چاند میں صرف ایک حصہ نور کا رہا اور سورج کا طول وعرض زمین کے طول وعرض سے ۱۶۶ بار زاید ہے اس معنے پہ زمین اور چاند کا طول وعرض سورج کے بالمقابل صرف سوا انتیس حصص پہ مشتمل ہے۔

حدیث شریف ۳ : مروی ہے کہ:

ان وجوھھما الی العرش وظھورھما الی الارض تضیٔ وجوھھما لاھل السمٰوٰت السبع وظھورھما لاھل الارض السبع۔

چاند اور سورج کے چہرے عرش کی جانب اور انکی پیٹھ زمین کی طرف ہے۔ ان کے چہرے ساتوں آسمان والوں کو نور دے رہے ہیں اور ان کی پیٹھ ساتوں زمین والوں کو۔

ف : مشہور ہے کہ جب زمین والوں کا دن ہوتا ہے اس وقت زمین کے نیچے والوں کے لیے رات ہوتی ہے۔ اس کے برعکس یعنی جب زمین کے نیچے والوں کا دن ہوتا ہے تو زمین کے اُوپر رہنے والوں کے لیے رات ہوتی ہے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

ان فی الارض الثانیۃ خلقا وجوھھم وابدانھم وایدیھم کوجوہ بنی آدم وابدانھم وایدیھم وافواھھم کافواہ الکلاب وارجلھم واذانھم کارجل البقر واذانہا وشعورھم کصوف الضان لا یعصون اللہ طرفۃ عین لیلنا نہارھم ونہارنا لیلھم۔

(کذا فی ربیع الابرار)

دُوسری زمین میں ایسی مخلوق ہے جن کے چہرے اور بدن اور ہاتھ آدمیوں کی طرح ہیں بعضوں کے منہ، ابدان اور ہاتھ کتوں کی طرح اور ان کے پاؤں اور کان گائے کی طرح اور ان کے بال بھیڑ کی طرح۔ لیکن آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جب ہماری رات ہوتی ہے ان کا دن ہوتا ہے اور جب ہمارا دن ہوتا ہے تو اُن کی رات۔

سُورج افضل ہے یا چاند

بعض کے نزدیک چاند سورج سے افضل ہے اس لیے کہ چاند مذکر ہے اور سُورج مؤنث۔ اور قاعدہ ہے کہ مونث مذکر کی فرع ہے اور اصل فرع سے افضل ہوتا ہے۔ یہی اصح واشہر ہے۔

سوال: آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج افضل ہے کیونکہ ہر جگہ سورج کا ذکر پہلے آیا ہے۔

جواب: کسی کا پہلے مذکور ہونا افضلیت کی دلیل نہیں کیونکہ قرآن مجید میں بہت سی بزرگ ترین اشیاء مؤخرا لذکر ہیں۔ کما قال،

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ۔ تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔

اور فرمایا:

وجعل الظلمات والنور۔ اور اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور نور پیدا فرمایا۔

(کذا فی اسئلۃ الحکم)

فیصلہ از صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صرف تذکیر و تانیث سے افضلیت ثابت کرنے سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جس تذکیر و تانیث سے افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ تانیث حقیقی ہے۔ تانیث لفظی کسی نے ثابت نہیں کی اور نہ ہی اس سے افضلیت ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ بہت سے مردوں کے نام تانیث لفظی سے عرب میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً طلحۃ، اس میں تانیث لفظی ہے لیکن نام مذکر کا ہے۔ اس بنا پر چاند کی تذکیر سے سورج کی تانیث پر افضلیت ثابت نہ ہوئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

ولا التانیث عار لاسم شمس

ولا التذکیر فخر للھلال

ترجمہ: نہ تانیث سورج کے لیے عار کا موجب ہے اور نہ ہی تذکیر چاند کے لیے فخر کا باعث ہے۔

نیز سورج کی تمام طبائع نباتیہ و معدنیہ وحیوانیہ پر سلطنت ہے اس لیے کہ کوئی کھیتی اگتی ہے یا کوئی میوہ یا کسی شے میں لذت اور چاشنی پیدا ہوتی ہے تو باذن اللہ تعالیٰ تمام سورج کا فیض ہے۔

ف: کھیتیاں سورج سے پکتی ہیں ان پہ رنگ چاند سے چڑھتا ہے ان میں ذائقہ ستاروں سے آتا ہے۔

لطیفہ: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:

حوصلہ میں زمین کی طرح، سخاوت میں جاری پانی کی طرح، رحمت میں سورج اور چاند کی طرح ہونا، کیونکہ یہ دونوں ہر ایک کو روشنی پہنچاتے ہیں، نیک اور بد کو نہیں دیکھتے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نظر کردن بدرویشاں منافیِ بزرگی نیست

سلیمان باچناں حشمت نظرہا بود با مورش

سلیمان علیہ السلام اتنی بڑی شان و شوکت کے باوجود ہر چھوٹے بڑے پر نگاہ رکھتے تھے یہاں تک کہ چیونٹی پر بھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کو نورانی بنایا۔ اُس کے اندر سُورج کی طرح ضیاء (روشنی) ہے۔ اور قلب کو چاند کی طرح صاف و شفاف بنایا جو نور و ظلمت کو قبول کرتا ہے اور نفس کو زمین کی طرح ظلمانی بنایا۔ جب قلب چاند اور رُوح سورج کے بالمقابل ہوتی ہے تو قلب اس سے منوّر اور روشن ہوجاتا ہے۔ اور جب نفس زمین کے بالمقابل ہوتا ہے تو اس کے ظلمات کا اس پر عکس پڑتا ہے۔

ف: قلب کو دو وجوہ سے قلب کہا جاتا ہے:

۱۔ جسم کے درمیان ہونا۔ چونکہ یہ رُوح و نفس کے درمیان واقع ہے، بنا بریں قلب کے نام سے موسوم ہُوا۔

۲۔ قلب بمعنے بدلنا۔ چونکہ اس کے احوال متبدل ہوتے رہتے ہیں کہ رُوح کا فیض قبول کرتا ہے تو نورانی ہوجاتا ہے اگر نفس کی صفات قبول کرتا ہے تو ظلمانی ہوجاتا ہے۔

لطیفہ: صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ہم دو نوروں کے درمیان ہیں:

○ شمس حقیقۃ کا نور ○ قمر شریعت کا نور

جب حقیقت کا دن ہوتا ہے تو ہم حقیقت کے نُور سے روشنی پاتے ہیں۔ جب شریعت کی رات آتی ہے تو ہم شریعت کے چاند کے نُور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اس معنے پر ہم نورانی لوگ ہیں کہ شریعت کے نور سے حقیقت کے نور کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ اس لیے ہم کبھی روشنی میں ہوتے کبھی اندھیرے میں یعنی کبھی تجلیات سے متجلی ہوتے اور کبھی ان تجلیات سے محجوب۔ نورِ الٰہی کا نور جب ہمارے قلوب، ارواح اور اسرار پر متجلی ہوتا ہے تو ہمیں صرف وہی کافی ہے۔ اس کے بعد ہمیں اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ اور جب ہمارے آگے حجابات حائل کردیے جائیں تو بھی ہمیں ملول نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس اس وقت شریعت کے چاند کا نُور موجود ہوتا ہے پھر ہمیں کسی کی محتاجی کیوں۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ اور ان دونوں (سورج اور چاند) میں سے ہر ایک کی منزلیں مقدر فرمائی ہیں کہ وہ نہ تو ان منزلوں سے تجاوز کرسکتے ہیں نہ کوتاہی۔ یہاں حرفِ جر محذوف ہے۔

بروج شمس کی تفصیل شمس کی منازل سے اس کے بروج مراد ہیں اور سُورج کے بارہ بروج ہیں۔ ان میں تین بروج ربیع ہیں: ۱۔ حمل ۲۔ ثور ۳۔ جوزا

یہ تینوں ربیعہ شمالیہ ہیں اور شمال قبلہ کی بائیں جانب کو کہتے ہیں۔ (بروج کو ان اسماء سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کواکب جو فلک میں مرکوز ہیں ان کا نام ان کے ہمشکل کے اسماء پر رکھے گئے۔ مثلاً جو شیر کی شکل میں ہے اس کا نام اسد ہے۔ جو بیل کی شکل میں ہے اس کا نام ثور وغیرہ وغیرہ۔

تین بروج صیف ہیں، ۱۔ سرطان ۲۔ اسد ۳۔ سنبلہ

ف: سرطان کی ابتداء انقلاب صیفی سے ہوتی ہے۔ یہ تینوں صیفی شمالی ہیں۔ تینوں بروج خریف ہیں،

۱۔ میزان ۲۔ عقرب ۳۔ قوس

ف : میزان کی ابتداء نقطۂ اعتدال سے ہوتا ہے اور یہ تینوں خریفی جنوبی ہیں۔ تین بروج شتائی ہیں :

۱۔ جدی ۲۔ دلو ۳۔ حوت

جدی کی ابتداء انقلاب شتوی سے ہوتا ہے اور یہ شتوی جنوبی ہیں اور جنوب قبلہ کی دائیں جانب کا نام ہے۔

ف : ان بارہ بُرجوں کو نصاب الصبیان میں ان دو بیتوں میں بیان کیا گیا ہے ؎

برجہا دائم کہ از مشرق برآوردند سر
جملہ در تسبیح و در تہلیل حی لایموت
چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد
سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی و دلو حوت

ترجمہ : تمام بُرج مشرق میں ہیں اور وہ ہمیشہ حی لایموت کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہ بارہ بُرج یہ ہیں :

۱۔ حمل ۲۔ ثور ۳۔ جوزا ۴۔ سرطان ۵۔ اسد ۶۔ سنبلہ ۷۔ میزان
۸۔ عقرب ۹۔ قوس ۱۰۔ جدی ۱۱۔ دلو ۱۲۔ حوت

قاعدہ : سُورج مذکورہ بالا برُوج میں سے ہر ایک بُرج میں ایک ماہ میں لازمی طور پر دورہ کرتا ہے۔ چنانچہ نصاب الصبیان میں ہے ؎

خور بجوزا است سی و دو و یکست
حمل و ثور و شیر با پس و پیش
دلو و میزان و حوت و عقرب سی
بیست و نہ قوس و جدی بے کم و بیش

ترجمہ : سُورج جوزا میں تیس دن ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح حمل و ثور اسد میں دلو اور میزان اور حوت اور عقرب میں بھی تیس روز اور قوس و جدی میں انتیس دن۔

چاند کی منزلیں

چاند کی کل اٹھائیس منزلیں جو مذکورہ بالا بروج پر منقسم ہیں۔ ہر بُرج میں اس کی سوا دو منزلیں اور ہیں۔ ہر رات اپنی معین منزل میں نازل ہوتا ہے۔ جب آخر منزل کو پہنچتا ہے تو باریک ہو کر کمان کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو راتیں اور اگر انتیس کا ہو تو ایک رات چھپ جاتا ہے اور سُورج اپنی ہر منزل کو تیرہ دنوں میں طے کرتا ہے یہ منزلیں ستاروں کے مواقع ہیں جنہیں اہل عرب ستاروں کی تاثیر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل و اذا اذقنا الناس (الآیہ) میں عرض کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

چاند کی منازل کے اسماء اور تفصیل

۱۔ چاند کی منزل اوّل سرطان ہے۔

۲۔ بطین بروزن زبیر۔ یہ تین چھوٹے ستارے ہیں۔ چولھے کے تین پایہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور بُرج حمل کا بطن یہی ہیں۔

۳۔ الثریا بالضم وفتح الرا والیاء المشددۃ کہکشاں۔ یہ چھ ستارے ہیں جو دو دو ایک دوسرے کے بالمقابل نظر آتے ہیں۔

۴۔ الدبران (محرکۃ)

۵۔ الھقعہ۔ یہ تین ستارے ہیں جو جوزا کے دونوں کاندھوں کے درمیان چولھے کے تین پایہ کی طرح نظر آتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ جب فجر کے وقت طلوع کرتے ہیں تو سورج میں سخت گرمی ہوتی ہے۔

۶۔ الھنعۃ۔ یعنی جوزا برج کے بائیں کاندھا۔ یہ دراصل پانچ ستارے ہیں صف بستہ۔ یہی چاند کی منزلیں ہیں۔

۷۔ الذراع۔ یعنی برج اسد کا پھیلا ہوا ہاتھ۔ اس لیے کہ برج اسد کے دو ہاتھ ہیں: ایک مبسوط یعنی دراز ہے دوسرا مقبوضہ یعنی مٹھی کی طرح بند شدہ۔ یہی شام کے علاقہ کے قریب ہے اور مبسوطہ یمن کے قریب واقع ہے سماک سے ارفع اور اپنے دوسرے سے دراز تر ہوتا ہے اس برج میں چاند برابر ہوجاتا ہے اور تموز[1] یعنی ساون کے مہینے کی چار تاریخ کو چاند اس برج سے طلوع کرتا ہے اور اس سے نکلتا ہے تو کانون اول کی چوتھی تاریخ ہے۔

۸۔ نثرہ۔ وہ دو ستارے ہیں اُن کے درمیان کا فاصلہ دو بالشت کی مقدار ہے اور اُن کے اُوپر ایک سفید شے بادل کے ٹکڑے کی طرح نظر آتی ہے اور انھیں اہل نجوم انف الاسد بھی کہتے ہیں۔

۹۔ قوس کا کنارہ، جو "السیہ اور الانہران" کے درمیان واقع ہے۔ الانہران سے العوا اور السماک مراد ہیں۔ انھیں اس لیے الانہران کہتے ہیں کہ ان میں پانی کی کثرت ہے۔

۱۰۔ الجبہ۔ یہ چار ستارے ہیں، تین چولھے کے تین پایوں کی طرح ہیں اور ایک ان سے علیحدہ۔

۱۱۔ الزبرہ (بالضم) وہ دو چمکدار ستارے جو برج اور اسد کے کاندھے پر واقع ہیں۔ یہاں پر بھی چاند نازل ہوتا ہے۔

۱۲۔ الصرفہ (بالفتح فا)۔ ایک روشن ستارہ ہے جو زبرہ کے پیچھے آتا ہے اور اسے صرفہ اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس ستارے کے طلوع سے سردی پھر جاتی ہے۔

۱۳۔ العوا[2]۔ یہ دراصل چار یا پانچ ستارے ہیں۔ دُور سے الف کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

۱۴۔ السماک بر وزن کتاب۔ یہ دو چمکدار ستارے ہیں۔

۱۵۔ الغفر (بالفتح) (میزان میں) چھوٹے تین ستارے ہیں۔

۱۶۔ الزبانی (بالضم)۔ دو چمکدار ستارے جو عقرب کے دو قرنوں میں واقع ہیں۔

---

[1] اور وہ برج اسد کی پیشانی پر واقع ہیں ۱۲ غیاث [2] بالفتح و تشدید، وہ سنبلہ کے سینہ پر ہے نیز اشکال شمالی سے پانچویں شکل کا نام اور وہ مرد کی صورت ہے۔ سیدھے ہاتھ میں عصا پکڑے ہوئے کھڑا ہے اور اس کے کل بائیس[۲۲] ستارے ہیں ۱۲ غیاث۔ [3] غیاث اللغات میں ہے کہ وہ تین ستارے مثلث تاج کی صورت میں عقرب کی پیشانی میں ہیں۔ [4] غیاث اللغات میں ہے کہ وہ تین ستارے ہیں ان کا درمیانی ستارہ سرخ اور بڑا کہ بجائے قلب عقرب کے واقع ہے۔ ۱۲

۱۷۔ الاکلیل (بالکسر)۔ چار ستارے صف بستہ۔

۱۸۔ القلب۔ منازل قمر کا ایک ستارہ۔

۱۹۔ الشولہ۔ دو چمکدار ستارے ہیں جن میں چاند نازل ہوتا ہے اسے ذنب العقرب (عقرب کی دُم) کہا جاتا ہے۔

۲۰۔ النعائم[1] (بالفتح)۔ چار ستارے۔

۲۱۔ البلدہ (بالضم)۔ چھ چھوٹے ستارے برج قوس میں ہیں۔ سال کے تمام چھوٹے دنوں میں سورج اس منزل میں ہوتا ہے۔

ف: قاموس میں لکھتے ہیں کہ البلدہ آسمان کے ایک حصے کا نام ہے جہاں ستارے نہیں اور یہ البلدہ النعائم اور سعد الذابح کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام پہ بھی چاند نازل ہوتا ہے اور کبھی اس سے ہٹ کر القلادہ میں واقع ہوتا ہے اور وہ گول دائرہ یعنی کمان کی طرح چھ ستارے ہیں۔

۲۲۔ سعد الذابح[2] دو چمکدار ستارے ہیں جن کے آپس میں درمیان کا فاصلہ ایک گز ہے اور ان دونوں میں ایک کے سینے پر ایک چھوٹا ستارہ دور سے ایسے نظر آتا ہے کہ گویا اسے ذبح کر رہا ہے۔

۲۳۔ سعد بلع بروزن زفر (معرفہ)۔ جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے طوفان کے موقعہ پر فرمایا:
یا ارض ابلعی مائك۔

اس وقت یہ ستارہ چمکا تھا۔ دراصل یہ دو ستارے رفتار میں برابر ہیں، ایک پوشیدہ ہے دوسرا چمکیلا اور روشن ہے۔ اسے بلع بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو نگل لیا ہے اور آب[3] (بھادوں) کی ایک رات گزر جانے پر طلوع کرتا ہے۔

۲۴۔ سعد السعود[4]

۲۵۔ سعد الاخبیہ۔ یہ گول ستارے ہیں۔

---

[1] وہ شکل مربع یعنی چار گوشہ ہیں۔ برج قوس میں کہ زحل سے نسبت رکھتے ہیں۔ ۱۲ غیاث

[2] یہ دو ستارے جدی کے سینگوں پر ہیں اور ان کے درمیان ایک ستارہ ہے اسے شاۃ سعد کہتے ہیں اور دور سے ایسے نظر آتا ہے کہ گویا یہ سعد اسی بکری کو ذبح کرتا ہے اس لیے اسے سعد ذابح کہتے ہیں۔

[3] آب رومی مہینوں میں ایک مہینے کا نام ہے۔ معمولی تفاوت سے بھادوں کے مطابق ہے۔ ۱۲ غیاث

[4] غیاث اللغات میں لکھا ہے کہ ستارہ مشتری کو سعد السعود کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ لکھا کہ سعود بضمتین نیک ستارے جیسے زہرہ، مشتری اور قمر بفتح اول وضم ثانی وہ چھوٹے تین ستارے جدی کی دم اور دلو کے شانے پر ہیں۔ ۱۲ غیاث

ف : قاموس میں ہے کہ نیک ستارے دس ہیں :

- سعد بلع
- سعد الاخبیہ
- سعد الذابح
- سعد السعود ـــ یہی چاروں چاند کی منازل میں شامل ہیں۔
- سعد ناشرہ
- سعد الملك
- سعد البہائم
- سعد الہمام
- سعد البارع۔
- سعد المطر ـــ یہ چھ مؤخر الذکر چاند کی منازل میں شامل نہیں ہیں اور یہ ہر ایک دو دو ستارے ہیں ان دونوں کے درمیان کا منظر صرف ایک گز ہے۔

۲۶۔ فرغ الدلو المقدم

۲۷۔ فرغ الدلو المؤخّر

ف : قاموس میں ہے: فرغ (بالغین المعجمۃ) الدلو المقدم والمؤخر۔ یہ دونوں چاند کی منزلیں ہیں۔ ہر ایک میں دو دو ستارے ہیں جو ایک نیزہ کے برابر فاصلہ پر نظر آتے ہیں۔

۲۸۔ الرشاء[1]۔ اسے بطن الحوت بھی کہتے ہیں۔ مچھلی کی صورت میں چند چھوٹے ستارے ایک جگہ جمع ہیں جس کے ناف والے مقام پر ایک چمکدار ستارہ نظر آتا ہے۔

چاند کے قواعد

سنِ قمری سے مراد یہی ہے کہ چاند اور سورج سال میں بارہ ۱۲ مرتبہ آپس میں مجتمع ہوتے ہیں۔

۲۔ سنِ قمری کے کل تین سو چوّن (۳۵۴) دن اور آٹھ ساعات اور اڑتالیس دقیقے ہوتے ہیں۔

۳۔ فنِ میقات کے ماہر یہ بتاتے ہیں کہ کوئی چاند انتیس دنوں سے کم اور تیس سے زاید نہیں ہوتا۔

۴۔ سنِ قمری کا کوئی سال تین سو چوّن (۳۵۴) دنوں سے کم اور تین سو پچپن (۳۵۵) دنوں سے زاید نہیں ہوگا۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالےٰ نے سنِ قمری کی ترویج کو ترجیح دی ہے[2]۔ کما قال تعالیٰ : ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرًا۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ۱۲ ہے۔

---

[1] بالکسر، وہ چند ستارے چھوٹے مل ہوئی رسّی کی مانند۔ ۱۲ غ

[2] لیکن افسوس امتِ محمدیہ کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کا سنِ ہجری ترک کرکے انگریز بے ایمانوں کے سنِ عیسوی کو اپنا لیا ہے۔ ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صُوفیانہ اس میں تنبیہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات کی ضرورت نہیں ہے اور پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اس میں سے اشارہ فرمایا کہ چاند ایک دن مٹنے والا ہے اور اسی عالمِ ظاھر سے اس کا وجود ہو جائے گا لیکن یہ وُہ سمجھ سکتا ہے جسے عبرت اور تدبر و تفکر کا طریقہ و سلیقہ نصیب ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اسی تدبر کی دعوت "لا الشمس ینبغی لہا ان تدرك القمر" دی ہے اور بتایا ہے کہ قمر یعنی عارف کو جو مراتب و بزرگی نصیب ہے انہیں سورج یعنی غیر عارف نہیں پا سکتا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو آیات اور علوم و عرفان اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں (محدثین عربیین) کو عطا فرمائے ہیں اگر وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں تو اُن کے لیے جائز ہے۔ (کذا فی عقلۃ المستوفز لحضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر)

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ کے پیر و مرشد کی صُوفیانہ تقریر صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ قدس سرہٗ اپنی کتاب "اللائحات الباقیات" میں لکھتے ہیں کہ چاند کے مراتب میں اشارہ ہے کہ مراتبِ الٰہیہ میں عارف کا ایک مرتبہ ہے جسے مرتبہ رُبوبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مرتبۂ شمس میں بھی اس کے ایک مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جسے مرتبۂ الوہیت کہتے ہیں۔ اور مراتب کونیہ آفاقیہ میں عارف کے مرتبہ قمر کا اشارہ مرتبۂ کرسی اور لوح اور اس کے مرتبۂ شمس کا اشارہ مرتبۂ عرش اور قلم کی طرف ہوتا ہے اور مراتب کونیہ النفسیہ میں اس کے مرتبہ قمر کا اشارہ مرتبۂ روح اور مرتبۂ شمس کا اشارہ مرتبۂ سر کی طرف ہوتا ہے۔ (فقط)

عجائباتِ صُوفیانہ ظاہر نفس اجمالی کے حروف کی منزلیں منازلِ قمر کی گنتی پر ہیں۔ انھیں تعینات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ العقل الاول	۲۔ نفس کلیہ	۳۔ طبیعہ کلیہ	۴۔ الھباء
۵۔ الشکل الکلی	۶۔ الجسم الکلی	۷۔ عرش	۸۔ کُرسی
۹۔ الفلک الاطلس	۱۰۔ المنازل	۱۱۔ سماء کیوان	۱۲۔ سماء المشتری
۱۳۔ سماء المریخ	۱۴۔ سماء الشمس	۱۵۔ سماء الزھرہ	۱۶۔ سماء عطارد
۱۷۔ سماء القمر	۱۸۔ عنصر النار	۱۹۔ عنصر الھواء	۲۰۔ عنصر الماء
۲۱۔ عنصر التراب	۲۲۔ المعدن	۲۳۔ النبات	۲۴۔ الحیوان
۲۵۔ الملك	۲۶۔ الجن	۲۷۔ الانسان	۲۸۔ المرتبہ

اسی طرح نفس کے باطنی حروف بھی بمقابل ظاہری کے اٹھائیس منزلیں ہیں:

۱۔ البدیع	۲۔ الباعث	۳۔ الباطن	۴۔ الآخر

۵۔الظاھر ۶۔الحکیم ۷۔المحیط ۸۔الشکور

۹۔الغنی ۱۰۔المقتدر ۱۱۔الرب ۱۲۔العلیم

۱۳۔القاھر ۱۴۔النور ۱۵۔المصوّر ۱۶۔المحصی

۱۷۔المبین ۱۸۔القابض ۱۹۔المحی ۲۰۔الممیت

۲۱۔العزیز ۲۲۔الرزاق ۲۳۔المذل ۲۴۔القوی

۲۵۔اللطیف ۲۶۔الجامع ۲۷۔الرفیع[1]

ف: حروفِ تہجی پر غور کیا جائے تو اُن کی بھی یہی ترتیب اور منزلیں حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً،

۱۔ھمزہ ۲۔الھاء ۳۔العین ۴۔الحاء المھملۃ

۵۔الغین المعجمۃ ۶۔القاف ۷۔الکاف ۸۔الجیم

۹۔الشین المنقوطہ ۱۰۔الیاء المثناۃ ۱۱۔الضاد المعجمۃ ۱۲۔اللام

۱۳۔النون ۱۴۔الراء المفضلۃ ۱۵۔الطاء المھملۃ ۱۶۔الدال المھملۃ

۱۷۔الطاء المثناۃ من فوق ۱۸۔الزاء ۱۹۔السین المھملۃ ۲۰۔الصاد المھملۃ

۲۱۔الظاء المعجمۃ ۲۲۔الثاء المثلثۃ ۲۳۔الذال المنقوطہ ۲۴۔الفاء

۲۵۔الباء الموحدۃ ۲۶۔المیم ۲۷۔الواؤ[2]

فسبحان من اظھر الخ پاک ہے وُہ ذات جس نے آفاق و انفس میں نفسِ رحمانی سے اپنے کمال ارادہ کے مطابق ظہور فرمایا۔

تفسیر عالمانہ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط تاکہ وُہ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کریں۔ یعنی مہینوں، رات دنوں اور گھڑیوں کے حساب معلوم کر کے اپنی معاش اور اپنے دین کے فرائض مثلاً حج، روزہ، فطر (روزہ نہ رکھنے کے ایام) اور نماز کے علاوہ دیگر فرائض ادا کر سکیں۔ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ ان مذکورہ یعنی سُورج، چاند وغیرہ کو نہیں پیدا کیا گیا اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے ساتھ کہ ان میں جس طرح حکمتِ بالغہ کے تقاضے تھے سب پُورے کیے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے اجمالی طور اشارہ کیا گیا ہے کہ ان سے سنین اور اوقات معلوم ہوتے ہیں اور انہی سے ہمارے دینی و دنیوی معاملات و عبادات متعلق ہیں۔ نتیجۃً ان مذکورہ بالا اشیاء کی تخلیق عبث اور بیکار نہیں۔

---

[1] مصنف کی گنتی اتنی ہی ہے ایک نام رہ گیا ہے۔ واللہ اعلم [2] ایضاً

حکایت ایک شخص نے خنفساء (کیڑا) کو دیکھ کر کہا کہ اس کی پیدائش سے کیا فائدہ؟ نہ اس کی شکل اچھی نہ اس میں خوشبو ہے۔ چند روز کے بعد کسی زخم میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ اطباء و ڈاکٹر اس کے معالجہ سے تنگ آ گئے۔ ایک دن گلی میں کسی عام حکیم کا اعلان سنا۔ اس مریض نے کہا اسے لاؤ تاکہ میرا علاج کرے۔ اسے کہا گیا کہ بہت بڑے بڑے حکماء تیرے علاج سے عاجز آ گئے یہ بیچارہ تیرا کیا علاج کرے گا۔ اس نے کہا اسے لاؤ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مجھے صحت عطا فرما دے۔ چنانچہ اس حکیم کو بلایا گیا، اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ خنفساء لاؤ۔ لوگ ہنس پڑے لیکن اسے وہی بات یاد آ گئی کہ اس نے اس پر مذاق اڑایا تھا۔ اسی لیے کہا کہ جیسے وہ فرماتا ہے اس پر عمل کرو یہ حکیم سمجھدار معلوم ہوتا ہے چنانچہ خنفساء لایا گیا تو حکیم نے اسے جلا کر اس کی راکھ اس کے زخم پر لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد وہ شفایاب ہو گیا۔ اس نے اپنے احباب سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک راز سے آگاہ کیا کہ جسے تم رذیل ترین شے سمجھتے ہو وہ تمہارے لیے نہایت قیمتی جوہر ہے۔ جس بیماری کے علاج سے بڑے بڑے اطباء و ڈاکٹر عاجز آ گئے وہ اللہ تعالیٰ کی خسیس ترین مخلوق میں پایا گیا۔ اس سے وہ شخص سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق میں حکمتِ بلیغ ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ اللہ تعالیٰ آیات تکوینیہ کی تفصیل بتاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض کو بعض کے بعد بیان کرتا ہے جو بعد والی پہلی آیات کی وضاحت اور شرح بن کر آتی ہیں۔ **لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝** ان لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور اس کی پیدا کردہ تمام اشیاء دلالت کرتی ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

نکتہ: اس میں علماء کی کیا تخصیص ہے حالانکہ یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزاروں حکمتیں ہیں وہ صرف اسی لیے کہ ان میں تامل کر کے صرف یہی حضرات نفع پاتے ہیں **اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بے شک رات اور دن بدلنے میں یعنی ان کا نور و ظلمات کے رنگ بدلنے میں یا ان کے اختلاف سے دن کا آنا اور رات کا جانا، اسی طرح بالعکس مراد ہے۔

دن افضل ہے یا رات رات اور دن کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام نیشاپوری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ رات افضل ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عموماً راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور یہ دونوں بہشت سے ہیں۔

دن میں کاروبار کی وجہ سے تھکان وغیرہ ہوتی ہے اور یہ دوزخ سے ہے۔

علاوہ ازیں رات میں سونا اور وصال نصیب ہوتا ہے اور دن میں کاروبار کی وجہ سے باہر آنا جانا اور عموماً دستوں سے فراق اور جدائی حاصل ہوتی ہے بناء بریں رات دن سے افضل ہے۔

قولِ دیگر: بعض فرماتے ہیں کہ دن افضل ہے کیونکہ دن نور کا مرکز ہے اور رات ظلمات اور تاریکیوں کا۔ بناء بریں دن

افضل ہُوا۔

صاحبِ رُوح البیان کا صُوفیانہ فیصلہ

رات سے عالمِ ذات کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ ذات کو ہر اعتبار سے مراتبِ عُلیا حاصل ہیں اور دن سے عالمِ صفات کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ صفات کو بھی فضائلِ عظمٰی نصیب ہیں۔ لیکن ایک دُوسری وجہ سے رات اور دن آپس میں مختلف ہیں وُہ یہ کہ جو رات کو پیدا ہو وہ فنا فی اللہ والوں سے شمار ہوتا ہے اور جو دن کو پیدا ہو وہ بقا باللہ کے مرتبہ والوں سے گنا جاتا ہے۔ رات دن اور ان کے اہل میں دار جلال وجمال کے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ اور وُہ جو کچھ آسمانوں میں کئی انواع (مثلاً سورج، چاند، ستارے، بادل، ہوائیں) پیدا فرمائیں۔ وَالْاَرْضِ اسی طرح زمین کی انواع بھی (مثلاً پہاڑ، دریا، اشجار، انہار، جانور، انگور، پانی وغیرہ)۔ لَاٰیٰتٍ البتہ ان میں بہت بڑی اور بہت زیادہ نشانیاں ہیں جو صانع کے وجود اور اس کے کمال علم وقدرت پر دلالت کرتی ہیں لِقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ○ پرہیز گار لوگوں کے لیے۔

ف: متقین کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہی اپنے انجام کے لیے خوفزدہ و ہراساں رہتے ہیں اور صرف وہی تدبر و تفکر فی الآیات پر عمل کرتے ہیں۔

توافق مابین قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:
من اقتبس علما من النجوم من حملة القرآن ازداد بہ ایمانا و یقینا۔

جو نجوم کا علم قرآن کے عارفین سے حاصل کرتا ہے تو اس کے ایمان اور یقین میں برکت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ (الآیہ)

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نجوم کا فن سیکھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نجوم کا فن سیکھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اس سے آیات سماویہ کی معرفت حاصل کر کے اس سے مسائل شرعیہ کی توثیق و تائید کی جائے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر۔

یعنی جو فنِ نجوم سیکھتا ہے تو سمجھو کہ وہ جادُو کا ایک شعبہ یعنے اس کا ایک حصّہ حاصل کرتا ہے۔

ف: حضرت حافظ نے فرمایا کہ فنِ نجوم اس شخص کے لیے حرام ہے جو صرف اس غرض سے سیکھتا ہے کہ وُہ آنے والے حالات بتائے گا مثلاً بارش کب ہوگی اور سردی کب واقع ہوگی اور ہوا (آندھی) کب آئے گی۔ تجارتی امور میں نرخ کم وبیش کس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ایسے لوگوں کا دعوٰی ہوتا ہے کہ امور مذکورہ بالا ستاروں کے چلنے اور ان کے

اقتران و افتراق کی وجہ سے ہوگا اور یہ ستارے کبھی ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ تو ان میں یہ تاثیریں پیدا ہوتی ہیں۔

مسئلہ: علمِ نجوم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ علمِ مشاہدہ کے ذریعہ سے زوال شمس اور جہتِ قبلہ معلوم ... باس سے ادراک ہو کہ کتنا وقت گزرا ہے یا کتنا رہ گیا ہے تو جائز ہے یہ شرعاً منہی عنہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے ایک شخص سے سنا کہ وُہ دریا کے وسط میں پہاڑ کی چوٹی پر کہہ رہا تھا: سیدی سیدی! میں تیرے جزائر دریا میں رہائش پذیر ہوں اور تُو وحدہٗ لاشریک بادشہ ہے اور تیرا دربان بھی کوئی نہیں اور نہ ہی تیرا کوئی ملاقاتی ہے اور وُہ کون ہے جو تجھ سے انس پائے تو پھر اسے وحشت ہو اور جسے تیری قدرت کی آیات دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے تو وہ کب کسی سے خوفزدہ ہو سکتا ہے تُو نے ہی آسمانوں میں عجیب و غریب راستے بنائے اور تُو نے ہی افلاک کھڑے کیے ہیں اور انہی کے زیر سایہ تیری مخلوق رہتی ہے اور تو نے ہی عرش محیط کو ایسا کھڑا کیا ہے کہ وُہ کسی سہارے کے بغیر قائم ہے اور تُو نے ہی ہواؤں کو بھیجا ہے انھیں تیرے سوا اور کوئی روکنے والا نہیں۔ یہ تمام تیری فردانیت پہ دلالت کرتے ہیں۔ آسمان بتاتے ہیں کہ انہیں صرف تُو ہی روکنے والا ہے۔ اور افلاک بتاتے ہیں کہ تیری صفت عجیب ہے اور ہوائیں بتاتی ہیں کہ یہ ساری برکتیں تیری ہیں اور بادل بتاتے ہیں کہ تیری آیات عظیم الشان ہیں اور زمین بتاتی ہے کہ تیری حکمتیں بے پایاں ہیں اور نہریں بتاتی ہیں کہ ان کے اندر تُو نے میٹھے بول رکھے ہیں اور درخت تیری صفت کے عجائبات ظاہر کرتے ہیں اور سورج تیری کاریگری کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا:

جملہ نقش تعینات وینند
ہرچہ ہستند در زمین و سما

ترجمہ: یہ تمام نفوس اسی کے تعینات کردہ ہیں جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یہ بھی اسی کا تعینات کردہ ہے

اور فرمایا:

مغربی زاں میکند میلے بگلشن کاندرو
ہرچہ را رنگے و بوئے ہست رنگ و بوئے اوست

ترجمہ: مغربی باغ سے اس لیے انس رکھتا ہے کہ ہر ایک رنگ اور بُو میں اسی کا رنگ و بُو نظر آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بے شک وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی حاضری کی اُمید نہیں رکھتے۔ لِقَآءَنَا سے اللہ تعالیٰ کی طرف قیامت میں لوٹنا یا حساب کی حاضری مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انی ظننت انی ملاق حسابیہ۔

بے شک مجھے یقین ہے کہ میں حساب کے لیے حاضر ہونے والا ہوں۔

اور عدم رجاء سے ان کا عدمِ اعتقاد مراد ہے جیسا کہ وہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں جب وہ نہ اس کا خوف رکھتے تھے اور نہ ان کی اُمید تھی تو گویا انھیں حساب دینے کا خیال نہیں اسی لیے نہ انھیں ثواب کی اُمید اور نہ حساب کا خوف ہے، جب انہیں ثواب کی اُمید نہیں وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تو وہ حیاتِ دُنیا پر خوش ہیں۔ یعنی وہ اعلیٰ کی اُمید ختم کر کے خسیس پر راضی ہیں اور چونکہ انھیں حساب کی حاضری کا تصور نہیں۔ الارشاد میں بھی اسی طرح بیان فرمایا کہ وَرَضُوْا بالحیوٰۃ الدنیا یعنی وہ آخرت کا تصور چھوڑ کر حیاتِ دُنیا پر خوش ہیں گویا اُنہوں نے قلیل فانی کو پسند کر کے کثیر باقی کو ترک کر دیا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اور وہ اسی پر مطمئن ہیں یعنی اپنے قصورِ ہمت کی وجہ سے اس دنیا فانی کی لذتوں اور اس کے نقش و نگار پر مطمئن ہیں یا دُنیا میں اس شخص کی طرح ہیں جو سمجھتا ہے کہ مجھے یہاں ہمیشہ رہنا ہے اسی لیے لمبے لمبے ارادے اور طویل آرزوئیں مدِ نظر رکھتے ہیں۔ یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہاں سے کوچ نہیں کرنا حالانکہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوچ کا نقارہ ہر وقت بج رہا ہے۔ ؎

آں کیست کہ دل نہاد و فارغ بنشست
پنداشت کہ مہلتے و تاخیرے ہست
گو خیمہ مزن کہ میخ می باید کند
گو رخت منہ کہ بار می باید بست

ترجمہ: وہ کون سا بیوقوف ہے کہ دل دنیا میں بے غم بیٹھا ہے اور اسے گمان ہے کہ کچھ مہلت ملے گی اور میرے جانے میں دیر ہے اسے کہو اے بندے! یہاں خیمہ لگانے کی جگہ نہیں اپنے خیمے کی میخ اکھیڑ لے اور سامان بنا بنا کے نہ رکھ اس لیے کہ روانگی کا وقت بہت قریب ہے۔

تین آدمیوں پر تعجب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین آدمیوں پر تعجب کرنا چاہیے:

۱۔ جسے یقین ہے کہ جہنم کی آگ سامنے ہے لیکن پھر بھی ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہے۔

۲۔ دُنیا سے دل لگانے والا حالانکہ اسے یقین ہے کہ یہاں سے جلد کوچ کرنا ہے۔

۳۔ غفلت کی زندگی بسر کرنے والا حالانکہ اسے معلوم ہے کہ میری غفلت مجھے نقصان دے گی۔

حکایت

نعمان بن منذر نے ایک درخت کے نیچے کھیل جانے کا پروگرام بنایا تو اسے عدی نے فرمایا: اے نعمان! جانتے ہو یہ درخت تجھے کیا کہہ رہا ہے؟ نعمان نے پوچھا: کیا کہتا ہے؟

عدی نے یہ شعر پڑھے: ؎

رب ركب قد اناخوا حولنا
يمزجون الخمر بالماء الزلال
ثم اضحوا عصف الدهر بهم
وكذلك الدهر حالا بعد حال

ترجمہ: اے رب کریم! بہت سے لوگ ہمارے ہاں آئے اور شراب پانی میں ملا کر پیتے رہے۔ پھر انھیں زمانے نے مٹا دیا اس کے بعد اور آتے اور اسی طرح ان کے ساتھ زمانہ کرتا رہے گا یعنی کئی فنا ہوئے اور کئی فنا ہوں گے۔

یہ سن کر نعمان سارا دن پریشان رہا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا اور وہ لوگ جو ہماری آیات قرآنیہ یعنی آیات تشریعیہ سے یا اس سے صفت باری تعالٰی کے دلائل مراد ہیں اس معنے پہ آیات سے آیاتِ تکوینیہ مراد ہیں غٰفِلُوْنَ ۝ غافل ہیں یعنی چونکہ آیات کے متضاد امور میں منہمک ہیں اسی لیے ان آیات میں تفکّر و تدبّر نہیں کرتے۔

سوال: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا کا عطف ماقبل پر ہے اور ان کا مطلب بھی یہی ہے جو ان آیات کا ہے۔ پھر عطف کا کیا فائدہ۔

جواب: چونکہ یہ دونوں متغایر فی الوصف ہیں۔ پہلے مضمون کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ دنیا کی لذات اور اس کے نقش و نگار میں منہمک ہیں اور یہاں ان آیات سے مراد یہ ہے کہ وہ آیاتِ الٰہیہ اور دلائلِ معرفہ سے غافل ہیں اور وہ ان دونوں کے جامع ہیں بنا بریں اس کا واؤ جمع کے ساتھ عطف جائز ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

جواب ۲: ان میں تغایر ذاتی ہے وہ یہ کہ لوگ ہماری طرف سیر کا اعتقاد نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا ہمارے ہاں پہنچنے کا کوئی پروگرام ہے کیونکہ ان کی ہمتیں پست ہیں اور وہ تمتعات دنیویہ میں خوش ہیں اور دنیوی اموال اور جاہ و مرتبہ اور شہوات نفسانیہ میں غرق ہیں۔ والذین هم عن اٰيٰتنا غٰفلون اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں اگرچہ انھیں دنیا کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں اور نہ ہی دنیا کے تمتعات کو جانتے ہیں اس لیے کہ وہ اصحابِ ریاضات و مجاہدات ہیں ان سے ملل باطلہ کے مجاہدین مراد ہیں یعنی برہمن اور فلاسفہ و اباحیہ (جاہل صوفی) وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے محروم ہیں یا ان سے اہلِ اہواء اور مبتدعین مراد ہیں کہ اگرچہ وہ عبادات و ریاضات میں کامل ہیں لیکن دین میں رخنہ اندازی کی وجہ سے دینِ حق سے دور ہیں۔

اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان برے اوصاف والوں کی طرف ہے جو اوپر مذکور ہوتے۔ مَاْوٰىهُمُ ان کا ٹھکانا اور مسکن کہ جہاں سے انھیں چھٹکارا نصیب نہ ہوگا النَّارُ جہنم کی آگ، اور صوفیاءِ کرام کے نزدیک اس سے دوری اور

درگاہ حق سے محرومی اور حسرت کی آگ مراد ہے۔ ان کو دنیا کی نعمتیں اور جن باتوں پر وہ خوش تھے نصیب نہیں ہوں گی۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ بوجہ اس کے کہ جن برائیوں پر مواظبت کرتے رہے اور ان اعمال قلبیہ کی وجہ سے کہ جن پر منہمک رہے اور انھیں معاصی اور سیئات کی عادت پڑ گئی تھی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے یا وہ لوگ جنھوں نے غافلین کے برعکس آیات کا مشاہدہ کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ نیک عمل کیے جو ایمان کے لائق تھے یعنی صرف رضائے الٰہی کی طلب میں نیک عمل کیے۔

ف: موصوف کو ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوصاف بمنزلہ موصوف ہوتے ہیں۔

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالیٰ انھیں آخرت میں رہبری فرمائے گا بِاِيْمَانِهِمْ اُن کے ایمان اور نور کی وجہ سے ان کے ماویٰ اور مقصود کی طرف۔ اس سے بہشت مراد ہے۔

حدیث شریف: جب مومن قبر سے نکلے گا تو اس کے نیک اعمال بہتر صورت میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آئیں گے اور فرمائیں گے ہم تیرے نیک اعمال ہیں پھر وہی اعمال نور اور قائد بن کر اسے بہشت میں لیجائیں گے۔ اور جب کافر اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کے برے عمل بری شکل میں اُس کے سامنے آکر کہیں گے ہم تیرے عمل ہیں۔ وہ اسے کھینچ کر جہنم میں لے جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ ہدایت مراد ہے جو سالک کو ایک ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس سے اسے حقائق کونیہ و الٰہیہ کے ادراک کا راہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہدایت خاص ہے جو صرف خواص کو نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ:

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔

جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے اسے وہ راہ نصیب ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہیں تھا۔

ف: اس روایت میں پہلے علم سے ظاہری علم مراد ہے جو پڑھنے پڑھانے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے علم سے علم مکاشفہ مراد ہے جو بطور وراثت نصیب ہوتا ہے۔ یہ پہلے علم سے اعلیٰ اور بزرگ تر ہے اس لیے کہ پہلا علم بمنزلہ چھلکے کے ہے اور دوسرا بمنزلہ مغز کے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے وہ فیض خاص چاہتے ہیں جو صرف خواص کو نصیب ہوتا ہے۔ (آمین)

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ جاری ہوتی ہیں ان کے نیچے سے، یعنی ان کے ان تختوں کے نیچے جو انہیں بہشت کے باغات کے اندر بچھا دیے جائیں گے اور وہ بہت بلند ہوں گے کہ جن کے نیچے جاری ہوں گی الْاَنْهٰرُ نہریں چار (دودھ، شہد، ٹھنڈا پانی، شراب طہور) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ یہ تجری کے متعلق ہے

یعنی وُہ باغات کہ جن سے وہ لطف اور چین پائیں گے

ف : کاشفی میں ہے کہ وُہ باغات جو تنعم سے پُر ہیں - النعیم بمعنے وُہ نعمت جو نہایت مخفی اور پوشیدہ ہو - (کذا فی القاموس)

ف : الجنۃ بمعنے پوشیدہ، چونکہ اس کی زمین اس کے درختوں سے پوشیدہ ہوگی اس لیے اس نام سے موسوم ہے اسی لیے جنّات کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ وُہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں - اور المجن یعنی خُود (لوہے کا کلاہ) بھی اسی لیے اسی نام سے موسوم ہے کہ اس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا ان کی دُعا بہشت میں یہ ہوگی سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اے اللہ تعالیٰ ہم تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور خلف وعدہ اور کذب سے تمہیں منزہ سمجھتے ہیں کہ تُو جیسے فرماتا ہے اس کے خلاف کبھی نہیں کرتا ہم نے یہاں پر ان نعمتوں کو پالیا ہے جن کا تُو نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا بہشت میں ان کا تحیہ ہوگا - التحیۃ کسی کی ملاقات کے وقت اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آنا - یہ در اصل احیاك اللہ حیاۃ طیبۃ یعنی تجھے اللہ تعالیٰ پاکیزہ زندگی بخشے یہاں پر مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی بہشت میں ایک دُوسرے کو اعزاز و اکرام کے طور کہیں گے سَلٰمٌ تجھے ہر دُکھ اور پریشانی سے سلامتی ہو یا وُہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فرشتے انھیں بہشت میں اعزازاً و اکراماً کہیں گے - چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا :

والملئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم۔

یعنی فرشتے ان کے ہاں ہر دروازے سے حاضر ہو کر کہیں گے السّلام علیکم۔

یا یہ معنے ہے کہ انہیں اللہ تعالےٰ اعزازاً و اکراماً فرمائے گا۔

چنانچہ فرمایا :

سلام قولاً من رب رحیم۔

رب رحیم سے انہیں فرمائے گا السلام علیکم۔

ف

سلام دوست شنیدن سعادتست وسلامت

بوصل یار رسیدن فضیلتست و کرامت

ترجمہ : دوست کا سلام سننا سعادت وسلامتی ہے - دوست کے وصال سے فضیلت و کرامت نصیب ہوتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اور ان کی دُعا کا اختتام ان کلمات پر ہوگا : اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ یہ تمام تعریفیں

اللہ تعالےٰ رب العالمین کے لیے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف پہلے صفات جلال سے پھر صفات اکرام سے کریں گے۔
یعنی اُن کی دُعا آخرت میں مذکورہ بالا کلمات پر منحصر ہو گی اُس لیے کہ اس وقت انہیں کسی اور امر کا انتظار تو نہ ہوگا کہ جسے
اپنی دُعا میں شامل کریں۔

ف : یہ ان مخففہ من الثقلہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان کی ہے جو محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ محلاً مرفوع ہے
اس لیے کہ وہ ان کی خبر ہے اور ان اپنے اسم و خبر سے مل کر محلاً مرفوع مبتدا اول کی خبر ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ بہشتی جب بہشت کی کسی چیز کی خواہش کریں گے تو کہیں گے :
سُبحانك اللّٰھُمَّ۔

تو ان کی خواہش کے مطابق ان کے ہاں بہشت کے خدام ان کا مطلوبہ شراب و طعام پیش کریں گے۔ جب وہ کھانے سے
فارغ ہوں گے تو کہیں گے :

الحمدُ للّٰہِ ربّ العٰلمین۔

نکتہ : بہشت میں نہ عبادت ہے نہ تکلف، وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہوگی اور وُہ بھی بطور عبادت نہیں بلکہ
اللہ تعالیٰ بطور الہام ان کے دل پر وارد کریگا جسے وہ کہہ کر لذت محسوس کریں گے۔ اس لیے کہ بہشت میں انہیں تسبیح و
تہلیل بہشت کی تمام نعمتوں سے لذیذ تر محسوس ہوگی۔ ؎

ذوق نامش عاشق مشتاق را
از بہشت جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمت ہا بسے است
وصل او از ہرچہ دانی خوشتر است

ترجمہ : محبوب کے نام کا ذوق صرف عاشق زار جانتا ہے کہ اسے بہشت کی تمام نعمتوں سے خوشتر ہے
اگرچہ جنت فردوس میں بہت بڑی نعمتیں ہوں گی لیکن عاشق کو وصل وصال سے خوشتر اور کوئی نعمت
محسوس نہ ہوگی۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ زبان کو صرف ذکر الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کی فضول باتوں اور
غیبت وبہتان کے لیے۔ ؎

زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرد اندش حق شناس

ترجمہ : زبان صرف شکر و سپاس کے لیے بنائی گئی ہے حق شناس انسان اسے غیبت میں ملوث

نہیں کرتا۔

ف: سب سے پہلا کلمہ جو ہمارے دادا آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی چھینک مار کر کہا: الحمد للہ۔ اور دعا کا آخری کلمہ بھی الحمد للہ تھا۔

نیز اس میں اشارہ ہے کہ بندہ از سرتا پا اللہ تعالے کی نعمتوں میں ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے جمیع اوقات اللہ تعالیٰ کی حمد میں صرف کرے۔

یاد رہے کہ دنیا کی نعمتیں متناہی اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اسی لیے اس کی حمد کی نہ ابتدا ہے نہ انتہاء اور سالکین کا انتہائی مقصد بھی یہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

(۱) حمد شان چو حمد گلشن از بہار
صد نشانی دارد و صد گیرو دار

(۲) سر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ
واں گلستاں و نگارستان گواہ

(۳) تو ملاف از مشک کان بوئے پیاز
از دم تو میکند مکشوف راز

(۴) گلشکر خوردم ہمی گوئے و بوئے
می زند از سیر کہ یاوہ مگوے

یعنی عارف کی حمد کی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ تعالےٰ کی حمد کرتا ہے بخلاف غیر عارف کے کیونکہ اسے یہ مقام نصیب نہیں اس لیے کہ دعوے کے لیے دلیل اور برہان ضروری ہے کیونکہ دعویٰ بلا دلیل بے کار ہوتا ہے (کما لا یخفیٰ علیٰ اہل ایقان)

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ
ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو رنج و
راحت میں ظاہراً و باطناً
اس کی حمد
کرتے ہیں۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

ایسی جلد بھیجتا جیسی وہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا

اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

ہوچکا ہوتا تو ہم چھوڑتے انہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہ اپنی سرکشی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ

بھٹکا کریں اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے لیٹے

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ

بیٹھے اور کھڑے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کردیتے ہیں چل دیتا ہے

يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

گویا کبھی کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا یونہی بھلے کر دکھائے ہیں حد سے بڑھنے والوں کو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا

ان کے کام اور بے شک ہم نے تم سے پہلی سنگتیں ہلاک فرمادیں جب وہ حد

ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

سے بڑھے اور ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے اور وہ ایسے تھے ہی

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

نہیں کہ ایمان لاتے ۔ ہم یونہی بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں جنہیں ہم سے

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ

ملنے کی امید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لے آئیے یا اسی کو بدل دیجئے تم فرماؤ مجھے نہیں پہنچتا

لِّيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری

اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾

طرف وحی ہوتی ہے میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ ق

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾

تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

بے شک مجرموں کا بھلا نہ ہوگا اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو

لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ

ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے

وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ

اور نہ زمین میں اسے پاکی اور برتری ہے اس کے شرک سے اور لوگ

النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

ایک ہی امت تھے پھر مختلف ہوئے اور اگر تیرے رب کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو یہیں ان کے اختلافوں کا ان پر فیصلہ ہو گیا ہوتا اور کہتے

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَا

ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے

نْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۲۰﴾

اب راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ بھیجتا لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لوگوں پر برائی جلدی جیسی وُہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں۔

حلِ لغات: التعجیل بمعنے شئے کو وقت سے پہلے لانا اور استعجال بمعنے طلب العجلۃ اور الشر سے عذاب مراد ہے اس لیے کہ سزا یافتہ کے لیے عذاب شر کی طرح مکروہ اور ایذا دینے والا ہے۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ نضر بن الحارث، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر تھا، نے کہا تھا، اے اللہ! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نبوت کے دعویٰ میں حق پر ہیں تو ہمارے اُوپر آسمان سے پتھر برسا، یا ہمارے ہاں دردناک عذاب لا۔

اس کے رد میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے عذاب میں جلدی فرماتا جیسے ان کے لیے بھلائی اور رحمت و عافیت دینے میں جلدی کرتا ہے لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ تو ان کے اجل پُورے ہو جائیں جو وہی ان کے عذاب کا موجب ہیں یعنی ہم انھیں تباہ و برباد کر دیں کہ ایک لمحہ کی بھی انھیں فرصت نہ ملے اگرچہ ان کی ہیئت ترکیبیہ کے لیے ہیں دیر نہیں کہ انھیں تباہ و برباد کر کے عذاب میں مبتلا کر دیں لیکن ہم عجلت نہیں کرتے اور نہ ان کے لیے ابھی عذاب بھیجتے ہیں فَنَذَرُ الَّذِیْنَ اس کا عطف یعجل پر نہیں بلکہ فعل مقدر پر ہے اسی لیے کہ اگر اس کا عطف یعجل پر ہو تو یہ بھی امتناعی حکم میں داخل ہوگا جیسا کہ لفظ لَوْ کا تقاضا ہے اور یہ حکم امتناعی میں نہیں اسی لیے کہ تعجیل تو ابھی واقع نہیں ہوئی اور ترک طغیان واقع ہوا۔ (کذا فی تفسیر ابی البقاء) یعنی ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی ہماری آخرت کی جزا و سزا کی انھیں اُمید نہیں ہے جبکہ یہی آخرت ہماری حاضری کا مقام ہے اور اُمید کیا ہو جبکہ وُہ سرے سے آخرت میں اُٹھنے کے منکر تھے فِیْ طُغْیَانِهِمْ طغیانی سے آخرت میں حاضری کا عدم تصور اور مر اُٹھنے اور جزا و سزا کا انکار مراد ہے اور یہ فنذر کے متعلق ہے یا یَعْمَهُوْنَ ﴿۰﴾ کے۔ یعنی ہم انہیں ان کی طغیانی میں چھوڑ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ متحیر و متردد رہیں گے۔

نکتہ: ان کے عذاب یا ان کی موت اور تباہ و بربادی میں عجلت نہ کرنے میں حکمت اور راز یہ ہے کہ انھیں موقع دیا جائے

ممکن ہے کہ وہ ایمان لائیں چنانچہ بہت سے خوش بختوں کو اس مہلت سے دولتِ ایمان نصیب ہوئی یا ان کی پشتوں میں کوئی ایسے خوش نصیب ہوں جو ایمان لائیں۔

چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین وغیر ہم میں بہت سے ایسے خوش بخت تھے جن کے آباؤ اجداد تو کفر میں مرے لیکن انھیں دولتِ ایمان سے نوازا گیا۔ بنا بریں انھیں مہلت ملی اور عذاب وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے۔

مسئلہ: حدادی نے فرمایا کہ یہ آیت عام ہے کہ مجرم اور گنہگار کو جلدی سزا دینے یا عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا تاکہ اسے اپنے کیے سے توبہ کرنے کا موقعہ مل جائے۔

مسئلہ: اسی طرح جو بندہ اپنے اور اپنے بچوں اور عزیزوں کے لیے بددعا کرتا ہے تو اس کی بددعا مستجاب نہیں ہوتی۔ مثلاً جب لڑکے یا کسی عزیز کے لیے ناراضگی میں کہے:

اللهم لا تبارك فيه والعنه۔

اے اللہ! اسے برکت نہ دے اور اس پر لعنت بھیج۔

یا مثلاً اپنے لیے کہے:

رفعني الله من بينكم۔

مجھے اللہ تعالیٰ تمہارے سے اٹھا لے یعنی موت دے دے۔

ایسی دعائیں بھی اسی آیت کے حکم سے مستجاب نہیں ہوتیں۔

حدیث شریف ۱ دعاء المرء على محبوبه غير مقبول۔

بندے کی دعا اپنے عزیز کے لیے مقبول نہیں ہوتی۔

حدیث شریف ۲ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اني سئلت الله لا يقبل دعا حبيب على حبيبه۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ اپنے پیارے محبوب عزیز کے لیے دعا قبول نہ فرمائیے۔

سوال: ایک اور حدیث مضمونِ بالا کے خلاف ہے وہ صحیح حدیث یہ ہے:

ان دعاء الوالد على والده لا يرد۔ (كذا في المقاصد الحسنه)

باپ کی بددعا اولاد کے لیے رد نہیں ہوتی۔

جواب: یہ والد کے لیے خصوصیت رکھی گئی ہے۔ فلہٰذا وہ اس حکم مذکور سے مستثنیٰ ہے۔

حدیث شریف شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ:

میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موکل فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے

کے وہ کلمات نہ لکھا کر وجو وہ بوقتِ غصّہ بولتا ہے۔

ربط: یہ کفار عذاب میں عجلت کی طلب میں جھوٹے ہیں اس لیے کہ اگر ان پر عذاب کے بجائے تھوڑی سی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتے بلکہ اس کے ازالہ کے لیے نہایت عجز و انکساری سے دعائیں مانگتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ اور جب انسان کو پہنچتا ہے الضُّرُّ یعنی کسی قسم کا دُکھ جیسے مرض اور فقر و فاقہ وغیرہ اسی طرح کی اور تکالیف معمولی سہی دَعَانَا تو اس کے ازالہ کے لیے ہمارے سے خلوص کے ساتھ دُعا مانگتا ہے لِجَنْبِهٖ اپنی کروٹ پر۔ لام بمعنے علی ہے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پہ ہے:

یخرون للاذقان -

یعنی وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں۔

یعنی وُہ زمین پر بوجہ مرض کے لیٹ کر تکلیف کے ازالہ کے لیے نہایت عاجزی سے ہمارے سے دعا مانگتے ہیں۔

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَائِمًا ج درانحالیکہ وُہ بیٹھے اور کھڑے ہوتے ہیں۔

سوال: بندے کی دُعا کی حالت کو ان تینوں (جنب، قعود، قیام) سے مقید کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: عموماً انسان کی حالت اضطرار ان تینوں حالتوں پر ہوتی ہے کیونکہ انسان جب بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو لیٹ جاتا ہے اگر کچھ تخفیف پاتا ہے تو اُٹھ بیٹھتا ہے، مزید افاقہ پاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے دُکھ اور تکلیف کے ازالہ کے لیے دُعائیں مانگتا ہے۔

ف: حرفِ اَوْ تردید کے طور پر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اصناف ضرر میں تعمیم کا اظہار ہو یا حرفِ تردید اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ بندہ اپنی تکلیف کے ازالہ کے لیے ہر ۳ حالتوں میں دُعا کرتا ہے اور وہ ان تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ پس جب ہم اس سے دفع کرتے ہیں ضُرَّهٗ اس کا ضرر، اس کی مخلصانہ اور عاجزانہ دُعا کی وجہ سے مَرَّ تو چل پڑتا ہے اسی طریقہ پر جو دُکھ اور تکلیف سے پہلے تھا یعنی جھدو بلاء کو بھلا دیتا ہے اور بطریق سابق کفر و معاصی میں مبتلا ہو جاتا ہے كَاَنْ گویا لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط کسی تکلیف کے پہنچنے پر اس نے ہمیں پکارا نہیں تھا اسے اس انسان سے تشبیہہ دی گئی ہے جو اپنے دُکھ اور درد کے ازالہ کے لیے دُعا نہ مانگے اور وہ مر کے فاعل سے حال ہے اور بعض افراد ان اوصاف سے موصوف تھے بنا بریں اسے جنس پر محمول کیا جائے گا۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اسی تزیین کی طرف ہے جو زیّن میں ہے اور کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور مصدر مزیّن میں محذوف ہے زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ حد سے بڑھنے والوں کے اعمال بھلے کر کے دکھائے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے وُہ اعمال جو مذکور ہوئے مثلاً تضرع سے اعراض اور دُکھ اور درد دور ہونے کے بعد شہوات میں منہمک ہو جانا۔

سوال: کافر کو مسرف کیوں کہا گیا جبکہ مسرف وُہ ہوتا ہے جو مال وغیرہ میں اسراف کرے۔
جواب: جیسے مال میں اسراف ہوتا ہے ایسے ہی دینی امور میں غفلت کرنے کو اسراف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور واقعی جس طرح اسراف فی الاموال ہوتا ہے ایسے ہی بندہ اتباعِ شہوات و تضیعِ عمر میں بھی تجاوز عن الحد کا ارتکاب کرتا ہے جس سے اسے سنگین نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔
صائب نے کہا: ؎ ازیں چہ سُود کہ در گلستاں وطن دارم
عمر چو نرگس بخواب مے گزرد

ترجمہ: اس سے مجھے کیا فائدہ اگرچہ میں باغ میں مقیم ہوں جبکہ میری عمر نرگس کی طرح نیند کرتے گزرتی ہے۔
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ اور بے شک ہلاک اور برباد کیں سنگتیں یعنی اُمم ماضیہ سے جیسے نوح علیہ السلام اور عاد کی قومیں۔ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ اَهلکنا کے متعلق ہے القرون سے حال نہیں اس لیے کہ قرون اسم زمان ہے اور اس سے حال نہیں بن سکتا یعنی اے مکہ والو! تمہارے زمانے سے پہلے والے لوگوں کو ہم نے تباہ و برباد کیا لَمَّا ظَلَمُوْا جبکہ انھوں نے ظلم کیا یعنی تکذیب اور قویٰ و اعضاء کو غلط امور میں استعمال کر کے حد سے متجاوز ہوئے۔ وَجَآءَتْهُمْ حالانکہ ان کے ہاں تشریف لائے رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر جو اُن کی صداقت پر دلالت کرتی تھیں وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اور وُہ ایسے نہیں تھے جو ایمان لاتے کیونکہ ان کی استعداد ختم ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار سے انھیں اپنی درگاہ سے دُور کر دیا تھا اور اسے علم تھا کہ ان کی موت کفر پر واقع ہو گی اس کا عطف ظَلَمُوْا پر ہے گویا ان کے حق میں کہا گیا ہے کہ وُہ ایسے تھے جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا اور کفر پر ڈٹ گئے تو اب مزید انہیں مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے انھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔
كَذٰلِكَ اسی طرح کی جزا کے یعنی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب اور کفر پر اصرار کی وجہ سے اب وہ اس لائق ہو گئے ہیں کہ انہیں مہلت دی جائے بلکہ انھیں تباہ و برباد کیا جائے یہ ان کی جزا ہے اور ہم اسی طرح نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ بدلہ دیتے ہیں مجرم قوموں کو۔ ہر مجرم کو اس کے جُرم کی سزا یونہی ملتی ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد ان کا جانشین بنایا یعنی ان گزشتہ امتوں کے فنا و برباد ہونے کے بعد تمہیں ان کا ایسا جانشین بنایا کہ تمہارا امتحان لیا جا سکے۔
سوال: ممتحن امتحان اس لیے لیتا ہے کہ اسے امتحان لیے بغیر اس کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کا علم ہے۔
جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ممتحن جیسا معاملہ فرماتا ہے تاکہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا و سزا دے۔
لِنَنْظُرَ تاکہ ہم دیکھیں۔ النظر بمعنے آنکھوں کو دیکھی ہُوئی شے کو دیکھنے کے لیے پھیرنا۔ لیکن یہ معنیٰ اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے اسی لیے مجازاً یہاں پر بمعنے وہ علم جو محقق ہو کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ اس دیکھنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی آنکھوں سے شے کے عین کو معاینہ و مشاہدہ کے طور پر دیکھتا ہے ایسے علم پر نظر و رؤیت کا

اطلاق استعارہ تصریحیہ کے طور پر ہوتا ہے پھر اس کے فعل پر ایسا استعارہ تبعًا مستعمل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ:

"تا بہ بینم درصورت شہادت بعد از آنکہ دانستیم درغیب شما کہ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ چہ گونہ عمل خواہید کرد از خیر و شر تا شما بمقتضائے اعمال شما معاملہ کنیم ان خیرا فخیرا و ان شرا فشر۔ یعنی تاکہ میں تمہیں عالم شہادت میں جانوں بعد ازاں کہ میں نے تمہیں عالم غیب میں جان لیا تھا کہ تم کیسے عمل کرو گے۔ یاد رکھو کہ میں تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دوں گا اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اگر برائی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

چرا آئینہ فعلست گوئی

کہ در وے ہر چہ کردی مینماید

اگر کردی نکوئی نیک بینی

وگر بد کردۂ بد پیشت آید

ترجمہ: شیشہ تیرا اپنا عمل ہے جو کچھ کرے گا وہی تجھے نظر آئے گا اگر نیکی کرے گا تو تجھے نیکی نظر آئے گی اگر برائی کرے گا تو تجھے برائی پیش آئے گی۔

ف: کیف تعملون کا معمول ہے اور ماقبل استفہام کے معنے پر عمل نہیں کر سکتا اور اس سے فائدہ یہ ہے کہ استفہام بتاتا ہے کہ جزا میں افعال کے جہات وکیفیات مطلوب ہیں وہ ذاتی حیثیت سے کچھ نہیں اسی لیے اس کے بعد کبھی فعل کا ہونا مستحسن ہوتا ہے اور کبھی قبیح۔

حدیث شریف میں ہے:

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ تعجب الناظر۔ بے شک دنیا میٹھی اور خوش منظر والی ہے۔ دیکھنے والے کو اچھی لگتی ہے۔

شرح الحدیث

دنیا سے اس کی صورت اور اس کا سازوسامان مراد ہے اور اسے خضرۃ سے اسی لیے کہا گیا ہے کہ اہل عرب بہترین اور اچھی شئے کو خضراء کہتے ہیں اور اسے سبزیوں سے مشابہت ہے کہ جس طرح سبزیاں سریع الزوال ہیں۔ ایسے ہی دنیا جلد فنا ہونے والی ہے اس میں اشارہ ہے کہ دنیا ایسی فریب کار ہے کہ اس سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

خوش عروسیست جہان از رہ صورت لیکن

ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ دنیا دلہن کی طرح بہتر منظر والی ہے جو اس سے تعلق جوڑتا ہے اسے اپنی زندگی حق مہر میں دینی

پڑتی ہے۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ دنیا کا حسن اور اس کی رونق اور لذت طبائع کو میٹھے اور تازہ میووں کی طرح محسوس ہوتی ہے اسی لیے نفس اسے حریصانہ طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ ظاہری طور تو خوش منظر اور خوش ذائقہ اور اعلیٰ ترین محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ نہایت گندا اور بُرا بلکہ کڑوا ہے یُوں سمجھو کہ ابتداءً شیرِ مادر کی طرح ہے لیکن انجام بکار ایسا ہوتا ہے جیسے ماں دُودھ چھڑا نے پر بچے کو دُکھ اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

بقایا الحدیث و ان اللہ مستخلفکم فیھا اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کا خلیفہ بنایا ہے ، یہ اموال درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں اس نے تصرف کرنے کے لیے تمہیں اپنا وکیل فرمایا ہے فناظر کیف تعملون ۔ پس تمہیں دیکھتا ہے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

یعنی دیکھتا ہے کہ تم اس میں جائز تصرف کرتے ہو یا ناجائز۔ یا یہ معنے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کے اموال کا نائب بنایا ہے کہ جو کچھ ان کے ہاں تھا وہ سب تمہیں دے دیا۔ پھر دیکھتا ہے کہ تم ان کے احوال سے تدبر و تفکر کر کے عبرت کرتے ہو یا نہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وعظ و نصیحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مبنی برحقیقت ہے کہ اس نے اس دنیا کا ہمیں خلیفہ بنا کر ہمارا امتحان لینا چاہا ہے کہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ شب و روز اور ظاہراً و باطناً ایسے عمل کریں جن سے وہ خوش ہو۔

مسئلہ : آیت میں اہلِ مکہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر وعید سُنائی گئی تاکہ وہ انکار نبوت اور عذاب کی طلب کی عجلت سے باز آجائیں اس خطرہ سے کہ ان پر ایسا عذاب نازل ہو کر ان کی جڑ کٹ جائے جیسے پہلے مکذبین برباد اور تباہ ہوئے۔

مسئلہ : یہ صرف اہلِ مکہ کے لیے وعید و تہدید نہیں بلکہ قیامت آنے والے سب لوگوں کو ہے کہ ہر آنے والا جانے والے کا جانشین ہوتا ہے۔

سبق : ہر سمجھدار پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ لوگوں کے حالات سے عبرت پکڑے اور نزولِ قضا سے پہلے ہی اپنے احوال کو سنوار لے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس خلافت حقیقیہ کی حقدار ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کے ارشاد کے مطابق مختص فرمائی، یہی راز ہے کہ گزشتہ اُمتوں میں جتنا اللہ تعالیٰ کے نائبین گزرے ہیں ان کی ظاہری باطنی خلافت حضور علیہ السلام کی امت کے سپرد فرمائی ہے۔

ف : خلافتِ الٰہیہ کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی۔

اس کی ظاہری صورت تو یہی ہے کہ قانونِ شرع کے مطابق رعیت ظاہری پر عدل و انصاف کا اجراء کیا جائے اور طبع نفسانی اور امر شہوانی سے اجتناب کیا جائے۔

اسی طرح خلافتِ باطنی کا بھی یہی مطلب ہے کہ رعیت باطنی پر قانونِ معنوی کا اجراء ہو اور رعیت باطنی سے جوارح اعضا، قلب، رُوح، سر، نفس اور اس کے صفات و اخلاق اور حواسِ خمسہ اور قوائے نفسانیہ مراد ہیں یہ طریقہ انبیاؑ اور خواص اولیاء کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ طلب حق اور باطل سے اجتناب اور ترکِ ماسوی اللہ و وصول الی اللہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور جب مشرکینِ مکہ پر پڑھی جاتی ہیں اٰيَاتُنَا ہمارے قرآن پاک کی آیتیں جو توحید کی حقیقت اور کفر و شرک کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں بَيِّنٰتٍ درانحالیکہ وہ توحید کی حقیقت اور شرک کے ابطال پر واضح طور دلالت کرتی ہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی انھیں ہمارے دیدار اور ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جو حشر و نشر کے قائل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وصال کا شوق نہیں۔ اس لیے کہ وصالِ الٰہی کا شوق زندہ دل کو ہوتا ہے اور ان کے قلوب تو مُردہ ہو چکے ہیں اگرچہ ظاہری طور وُہ زندہ ہیں اور قرآن کی باتیں زندہ دل کو محبوب اور مُردہ دل کو کڑوی لگتی ہیں اس لیے یہ لوگ قرآن پاک کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ جو قرآن پاک آپ پر اُترا ہے اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ جس کی ترتیب اور الفاظ اس سے جُدا ہوں[۱] اور کہتے ہیں کہ وُہ نیا قرآن وہ ہو جس میں بعث و نشر اور جزاء و سزا کا ذکر نہ ہو اور نہ ہی اس میں ہمارے خداؤں کی تحقیر اور تردید ہو۔ اَوْ بَدِّلْهُ یا اسے تبدیل کر دیجئے یعنی اگرچہ اس کی ترتیب اور الفاظ یہی ہوں لیکن وُہ آیات نکال دیجئے جو ہمارے طریقے کے خلاف ہیں اور وہ آیات داخل کر دیجئے جو ہمارے موافق ہوں اسی طرح وُہ آیات بھی نہ ہوں جن میں ہمارے معبودوں کی مذمت ہے جیسے یہودیوں اور نصرانیوں کے علماء نے کیا کہ تورات و انجیل کو بدل ڈالا اور اس کی وُہ باتیں از خود بنا ڈالیں جو ان کی خواہشات کے موافق ہیں۔

ف : انہوں نے یہ اس ارادہ پر کہا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مراد پُوری فرمائیں گے تو ہم کہیں گے: اے نبی علیہ السلام! تم اپنے دعویٰ میں جھُوٹے ہو جبکہ تم کہتے ہو کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اور وہ ایک فرشتہ لاتا ہے اس لیے کہ اگر تمہاری بات سچی ہوتی تو اب تم نے اپنی طرف سے ہمارے کہنے پر کیوں عمل کیا[۲]۔ یہ تم

---

[۱] شیعہ کی بات مشرکینِ مکہ سے ملتی ہے کہ جیسے وہ اس کا انکار کرتے یہ بھی اس قرآن کا انکار کر کے منتظر امام کے قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

[۲] میہ، بات ہم وہابیہ کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے جب کسی فعل کی نفی ہوتی یا علم کے منافی کوئی بات ہوتی تو اس سے عدم اختیار یا علم کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس میں حکمت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو۔ اسی لیے فرمایا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے جائز نہیں اور نہ ہی مجھے کوئی قدرت ہے
اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کروں ۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے دوسرا قرآن لانا ممتنع ہے (کذافی البیضاوی) کشاف کے مضمون سے قاضی بیضاوی کا مضمون بہتر ہے۔

نکتہ: قرآن کو تبدیل کرنا تو انسان کے امکان میں ہے لیکن اس جیسا دوسرا قرآن لانا اس کی قدرت میں نہیں، اس لیے اس تبدیل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جیسی سورۃ بنالی جائے یا اسی قدر بعینہٖ قرآن جیسا مضمون لایا جائے۔ یہ قرآن کے اعجاز کے خلاف ہے فلہذا اس کی نظیر ناممکن بلکہ ممتنع ہے۔ کما لایخفی علی العاقل یعنی یہ بیّن اور واضح ہے۔ ہر سمجھدار کو اس کا اقرار ہے (سوائے شیعہ شنیعہ اور منکرین اسلام کے)[1]

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں نہیں تابعداری کرتا مگر اس وحی کی جو میری طرف آتی ہے یہ ماقبل کی علت ہے یعنی جو کسی دوسرے حکم کا متبع ہے وہ اس کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے کسی قسم کا تصرف نہیں کرتا یعنی میں صرف وہی کرتا ہوں جو میری طرف اللہ تعالیٰ سے آتا ہے اس میں تغیر و تبدل کا سوال کیسا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال وحی پر مبنی تھا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وحی آپ کے حال پر مبنی تھی جیسا کہ ظاہر کلام سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ میں وہی کرتا ہوں جو میرے رب کریم کا حکم ہوتا ہے۔ اس آیت کی تحقیق سورۂ انعام میں بیان ہو چکی ہے
اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ اگر قرآن کو تبدیل کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝ بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب سے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح آیات قرآنیہ کی تبدیلی حرام ہے اسی طرح اس کی تبدیلی کی طلب بھی حرام ہے اس لیے کہ منطقی قاعدہ ہے کہ نتیجہ کا مدار مقدمہ پر ہوتا ہے جس امر کا مقدمہ حرام ہے اس کا نتیجہ بھی لازماً حرام ہوگا۔

قاعدہ: جو چیز حرام یا مکروہ کا سبب ہو وہ شے بھی حرام اور مکروہ ہوتی ہے۔

مسئلہ: ہمارے دور میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ رکھنا کتنا سخت کام ہے یا اسی طرح دوسرے امور شرعی شاقہ کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ وہ بہت سخت ہیں تو وہ بھی حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایمان دار کو لائق نہیں کہ وہ ایسی باتیں کہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی مہربانی سے ایسے امور میں واقع ہونے سے بچائے جو ہلاکت کا موجب بنتے ہیں
قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ میں تم پر آیاتِ قرآنی نہ پڑھوں تو مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ میں تمہارے لیے ہرگز نہ پڑھتا اس لیے کہ میں اُمّی ہوں اور اُمّی کے لائق نہیں کہ وہ ایسی شکل

---

[1] اسی وجہ سے ہم حضور علیہ السلام کو معصوم اور مختار کل مانتے ہیں۔

عبارات پڑھ سکے جیسا میرا ابتدائی معاملہ تم دیکھ چکے اور وہ بھی سُن چکے کہ جبریل علیہ السلام میں ابتداءً آ کر مجھے کہتا: پڑھو۔ تو میں کہتا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔[1] پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کہا:

اقراء باسم ربك الذی خلق۔ پڑھیے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جس نے تمہیں پیدا کیا۔

اس کے بعد میں نے اس وقت پڑھا جب مجھے میرے رب تعالیٰ نے پڑھنے والا بنایا اگر وہ مجھے پڑھنے کی قدرت نہ دیتا تو میں تمہارے ہاں کچھ بھی نہ پڑھ سکتا۔

حکایت ایک اُمّی ولی اللہ کو آپ کے ایک مخالف نے کہا کہ حضرت وعظ سنائیے، اسے معلوم تھا کہ وہ ان پڑھ اور عجمی آدمی ہیں عربی نہیں جانتے اور نہ ہی آپ کو بولنا آتا ہے اگر انکار کریں گے تو بھی رُسوا ہوں گے اگر وعظ کریں گے تو بھی عوام میں اپنی کمزوری پر شرمسار ہوں گے۔ اس ولی اللہ کو منکر کے اس طعن سے سخت پریشانی ہوئی تو رات کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں زیارت کرائی اور فرمایا:

وعظ کرو، میری طرف سے اجازت ہے۔

چنانچہ صبح کو مجلسِ وعظ منعقد ہوئی آپ منبر پر تشریف لائے اور ایسا بہترین وعظ و تقریر فرمائی کہ تمام لوگ عش عش کر اٹھے آپ نے فرمایا:

واقعی میں ایک عجمی انسان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عربی زبان پر قدرت بخشی اور وعظ و تقریر کا ملکہ عطا فرمایا اور وہ بہت بڑا قادر ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: رُوح القدس کا فیض اگر کسی کی مدد فرمائے تو وہ وہی کر سکتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ اور نہ میں تمہیں اس کی خبر دیتا ادریٰ دریت الشئی و دریت بہ کی ماضی ہے بمعنے علمتہ۔ و ادرا نیہ غیری یعنی مجھے فلاں نے بتایا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر اللہ تعالےٰ تمہیں میری زبان اقدس سے نہ جتلاتا اور نہ ہی اس کی تمہیں کچھ سمجھ دیتا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ پس میں تم میں گزار چکا ہوں اور تمہارے ہاں ٹھہرا ہوں عُمُرًا عرصہ دراز تک۔ عمر بضمتین بمعنے زندگی۔ اس کی جمع اعمار آتی ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: ابوالبقاء نے فرمایا کہ اس کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے یعنی زندگی کی ایک مدت۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا:

---

[1] اس کی تفصیل ہم نے "تفسیر اویسی" میں درج کی ہے۔

عمر بمعنے لمبی عمر۔ اور اس سے وہی چالیس سال مراد ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اظہارِ نبوت بسر فرمائے۔

مِنْ قَبْلِهٖ قرآن کے نزول سے پہلے ہیں تمہارے سامنے نہ کچھ پڑھتا تھا اور نہ کچھ اور اس قسم کی باتیں بتاتا۔

نبی علیہ السلام کی مختصر سوانح عمری

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوت سے پہلے مکہ میں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد آپ پر وحی کا نزول ہوا۔ نزولِ وحی کے بعد آپ مکہ معظمہ میں تیرہ سال رہے۔ اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے دس سال گزارے۔ آپ کی کل عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے مکہ والوں کے ہاں چالیس سال بسر فرمائے۔ اس اثنا میں نہ آپ نے کسی سے کچھ سیکھا اور نہ ہی کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے نہ ہی آپ نے کوئی تقریر سیکھی۔ پھر انھیں ایک فصیح و بلیغ کتاب پڑھ کر سنائی کہ جس کے سامنے ہر فصیح و بلیغ سر جھکانے پر مجبور ہوگیا۔ نہ ہی کوئی نثر مقابلہ کر سکی نہ نظم۔ طرفہ یہ کہ وہ جمیع اصول و فروع کے قواعد کو حاوی تھے اولین کے جمیع حالات اور آنے والے تمام بیانات واضح طور پر بیان فرمائے تو مجبوراً ماننا پڑا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے پڑھایا سکھایا ہے اور جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ خارق للعادہ کے لحاظ سے معجزہ ہے۔

امی دانا کہ بعلم فنون
داند رقم بر ورق کاف و نون
بے خط و قرطاس ز علم ازل
مشکل لوح و قلمش گشت حل

ترجمہ: وہ اُمّی عالم کہ جس کے علم کا کنارہ کہاں، کُن کے ورق سے جس نے اپنے علمی جوہر بکھیرے نہ اسے کاغذ کی ضرورت نہ خط کی وہ تو علمِ ازل کے حافظ ہیں لوح و قلم کے علوم انہی سے حل ہوتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ کیا پس تم سمجھتے نہیں۔ یعنی تم اپنے تدبر و تفکر کو عمل میں لاؤ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ کلام میرا نہیں بلکہ میرے رب تعالیٰ کا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے۔

اس آیت میں احتراز ہے ان کے اس قول سے جو انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا وہ یہ کہ کفار کہا کرتے کہ یہ قرآن نبی علیہ السلام نے خود بنایا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کا کلام کہہ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں چنانچہ ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے جب فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا کہہ کر حضور علیہ السلام نے کفار کو سمجھایا کہ میں قرآن مجید خود بنا کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اگر مجھ سے بفرضِ محال یہ بات ثابت ہو جائے تو مجھ جیسا ظالم اور کون ہوگا۔ یہ کام مجھ سے ہرگز نہیں ہوا بلکہ یہ یقیناً کلامِ ربانی اور وحیِ الٰہی ہے فلہذا تم مجھے نبی برحق مانو اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کر کے

کفر کرتا ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ بیشک مجرم عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی کسی مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔

تفسیر صوفیانہ انہ لا یفلح المجرمون کا مطلب یہ ہے کہ کاذب و مکذب لوگ قید کفر اور خواہشات کے حجابات اور دُوری و بُعد کے عذاب اور نفس کی آگ سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے اس لیے کہ طریقت صدق و اخلاص سے نصیب ہوتی ہے کذب وریا سے طریقت کو کسی قسم کا تعلق اور واسطہ نہیں جس نے سچائی اختیار کی وہ کامیاب ہوگا یعنی وصال حق سے بہرہ ور ہوگا اور جو جھوٹ بولتا ہے وُہ نقصان پائے گا بلکہ تباہ و برباد ہوگا۔

نجات کا نسخہ رُوحانی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تین ایسی خصلتیں ہیں کہ اگر وُہ صحیح ہوں تو نجات یقیناً نصیب ہوگی اور وُہ تینوں ایک دُوسری کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتیں:

۱۔ اسلام جس میں ظلم کی ملاوٹ نہ ہو۔

۲۔ طیب اور حلال غذا۔

۳۔ اعمال میں صدق و اخلاص۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اعمال چوٹی کے افتراء سمجھے جاتے ہیں:

۱۔ اپنی آنکھوں پر افتراء ——— وہ یہ کہ کسی شے کو دیکھا نہ ہو لیکن کہے کہ میں نے اسے دیکھا یعنی جھوٹا خواب بیان کرنا۔

۲۔ اپنے والدین پر افتراء ——— یعنی اپنے آپ کو کسی دوسرے کی اولاد بتائے۔

۳۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرے۔ مثلاً کہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے حالاں کہ وہ حدیث آپ سے نہیں سُنی۔ (کذا قال ابو القاسم الفقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ)

تنبیہ از صاحبِ روح البیان حضرت اسماعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب ایک عام آدمی پر بہتان تراشی گناہِ کبیرہ ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر افتراء کا کیا حال ہوگا اس لیے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچتے ہیں جس نے کسی نبی علیہ السلام کی طرف نسبت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور اس کی سزا قرآن میں سخت تر بتائی گئی ہے۔

ف: ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کی طرف کسی بات کا منسوب کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے اس لیے کہ انھیں منجانب اللہ بذریعہ الہام انکشافات ہوتے ہیں ان کی طرف کسی شے کی نسبت گویا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔

وہابیہ کے ایک وہم کا ازالہ بعض لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ ان پڑھ ولی اللہ نہیں ہو سکتا یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ یہ دراصل شانِ ولایت کے بجائے شانِ نبوت پر حملہ ہے اس لیے کہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب امام الانبیاء ہو کر نبی اُمّی ہو سکتے ہیں تو ان کا اُمتی اُمّی (ان پڑھ) بھی ولی ہو سکتا ہے۔

سوال از وہابی: امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے:

ما اتخذ اللہ من ولی جاھل و لو اتخذہ لعلمہ۔ — اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا اگر اللہ تعالیٰ کا اسے ولی بنانا ہوتا تو اسے عالم بناتا۔

جواب ۱ از سُنّی: صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہی حدیث نقل کر کے انہی امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

لیس بثابت [۱] — یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا کہیں ثبوت ملتا ہے۔

جواب ۲: وہابی نے اس کا معنیٰ غلط کیا ہے اگرچہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ان پڑھ بندے کو اپنا ولی بنانا چاہتا ہے تو اسے پہلے علمِ ظاہری عطا فرماتا ہے پھر اسے ولی بنا لیتا ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان کی عبارت یہ ہے کہ:

لو اراد اتخاذہ ولیا یعلمہ ثم اتخذہ ولیا۔

جواب ۳: وہابی کے سوال کا جواب امام غزالی قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے اسماءِ الٰہی کی شرح کرتے ہوئے لفظ حکیم پر لکھا ہے کہ:

من عرف اللہ فھو حکیم وان کان ضعیف المنۃ فی سائر العلوم الرسمیۃ کلیل اللسان قاصر البیان فیھا۔ [۲] — جسے ذاتِ حق کا عرفان نصیب ہو وہ حکیم ہے اگرچہ اسے علوم و فنون مروّجہ بظاہر حاصل نہ ہوں بلکہ ان کے بیان میں اسے کمی اور سخت کمی بلکہ برعکس باتیں کرتا ہو۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ ان پڑھ بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے [۳]

جواب ۴: (از صاحبِ روح البیان) حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واضح ہو کہ علم الحال یعنی علومِ رسمیہ کا ہونا ولی اللہ کی ولایت کے لیے شرط نہیں ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بخشتا اور اسے اپنی طرف سے علمِ یقین سے نوازتا ہے۔

---

[۱] روح البیان ج ۴ ص ۲۵

[۲] ۔ ج ۴ ص ۲۵ ترجمہ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے۔ [۳] ایضاً

فصاحتِ مصطفٰے کا ایک نکتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ تر ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام کی لغت مجھے بتا گئے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے میری بہترین تربیت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ میں آپ کے اخلاق بلند کروں کما قال:

خذ العفو و امر بالمعروف (الآیہ)

آپ معافی کو اپنا طریقۂ کار بنا لیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے۔

اللہ تعالیٰ رسالت کے جوہر خوب جانتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی خصوصی نوازشوں سے نوازتا ہے۔

تنبیہ وہابی کو حضرت یونس جیسے دوسرے اور ان پڑھ ولیوں کی ولایت کا انکار کرنا گمراہی ہے[1] اس لیے کہ ان کے اندر بہت سے امور ہوتے ہیں جو ان کی ولایت کے شاہدِ عادل ہوتے ہیں۔ ان کی کسی ظاہری خطا پر طعن و تشنیع کرنا گناہِ عظیم ہے۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سین دوسروں کے شین سے محبوب ترین تھا۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم قدس سرہٗ میں ہے:

گر حدیثت کژ بود معنیت راست
آں کژی لفظ مقبول خدا ست

ترجمہ: اگر لفظوں کی غلطی ہے تو کیا حرج ہے جب اس کا معنیٰ صحیح ہے۔ خلوص ہو تو وہی ظاہری غلطی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و محبوب ہے۔

ایک مشہور عربی مقولہ ہے:

خطاء الاحباء اولیٰ من صواب الاغیار۔

دوستوں کی غلطی غیروں کی اچھائی سے بہتر ہے۔

حدیثِ ابدال: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان للہ عبادا یقال لھم الابدال لم یبلغوا ما بلغوا بکثرۃ الصوم والصلوٰۃ و

اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہوتے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ اس مرتبہ پر کثرتِ صوم و صلوٰۃ یا دنیاداری

---

[1] اگر واقعی وہ ولی اللہ ہو جیسا کہ صاحبِ روح البیان نے فرمایا ہے ورنہ ہمارے دور کے مدعیانِ ولایت کا کیا کہنا کہ جہالت کے استناد پر کر احکامِ الٰہیہ سے کوسوں دور رہتے ہیں بلکہ الٹا احکامِ الٰہی اور علومِ نبوی کی تضحیک کرتے ہیں۔

التمتع وحسن الحلية وانما بلغوا بصدق الورع وحسن النية و سلامة الصدور والرحمة لجميع المسلمين اصطفاهم الله بعلمه واستخلصهم لنفسه وهم اربعون رجلا على مثل قلب ابراهيم عليه السلام لا يموت الرجل منهم حتى يكون الله قد انشاء من يخلفه ۔

اور بہترین پوشاک وغیرہ کی وجہ سے نہیں پہنچے بلکہ انہوں نے اس بلند مرتبہ کو پرہیزگاری، نیک نیتی، سینہ کی صفائی اور مسلمانوں پر رحم دلی کی وجہ سے پایا۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے خود چُنا ہے اور صرف اپنے لیے۔ وہ چالیس مرد ہوتے ہیں جن کا قلب ابراہیم علیہ السلام کے مطابق ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اور مقرر فرما دیتا ہے۔

علامتِ ابدال وہ بزرگ نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ ہی کسی پر لعنت کرتے ہیں اور نہ اپنے سے کمزوروں کو ایذا دیتے ہیں اور نہ ہی انھیں حقیر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سے اُونچے مرتبہ والوں پر حسد نہیں کرتے باتوں میں شیریں، طبیعت کے نہایت نرم اور دل کے سخی ہوتے ہیں۔ نہ ہی ان پر متکبرین کی فرعونیت چل سکتی ہے اور نہ ہی تند و تیز ہوائیں انھیں مٹا سکتی ہیں۔ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوتے ہیں ان کے دل آخرت کی طرف لگے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر نیکی میں سبقت کرتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں (کذا فی روض الریاحین)

اولیاء کرام کی تعریف میں مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

مردہ است از خود شدہ زندہ برب
زاں بود اسرار حقش در دو لب

تفسیر عالمانہ وَيَعْبُدُونَ اور کافر عبادت کرتے ہیں مِنْ دُونِ اللّٰهِ یہ یعبدون کے فاعل سے حال ہے بمعنے متجاوزین اللہ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت بالکل ترک نہیں کر دی تھی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر اکتفا نہ کرتے ہوئے غیروں کی پرستش کر دی اور بُتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے برابر سمجھا مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ یعنی کفار ان کی عبادت کرتے ہیں جو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اس سے ان کے بُت مراد ہیں کہ انھیں کسی قسم کی قدرت نہیں کہ اگر کوئی ان کی پرستش چھوڑ دے تو وہ انھیں نقصان پہنچا دیں یا اُن کی کوئی عبادت کرے تو وہ انھیں کوئی فائدہ دیں کیونکہ وہ محض چند پتھروں کے ڈھیلے ہیں ان کو کسی نفع و نقصان دینے کا کیا کام حالانکہ معبود تو ایسا ہو کہ وہ نیکی پر اجر و ثواب سے نوازے اور برائی پر سزا دے تاکہ اس کی عبادت میں حصولِ نفع و دفعِ ضرر کی امید ہو وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بُت شُفَعَآؤُنَا

عِندَ اللّٰہِ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ہماری تمام دنیوی مشکلات اللہ سے سفارش کر کے حل کرا دینگے۔
سوال: تم نے صرف دنیوی مشکلات پر انحصار کیوں کیا حالانکہ وہ بُتوں کے لیے اُخروی سفارش کے قائل بھی تو تھے۔
جواب: انھیں آخرت پر ایمان کب تھا ہاں اس میں آخرت کا مفہوم فرض کر سکتے ہیں بایں معنیٰ کہ وُہ یوں کہتے ہوں اگر بفرض محال مرنے کے بعد اُٹھنا ہُوا تو قیامت میں ہمارے یہ بُت ہمیں عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ کافر کہتے تھے کہ اگر قیامت ہُوئی جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو ہمارے یہ بُت اللہ تعالےٰ سے درخواست کر کے ہمیں عذاب سے چھڑا لیں گے۔[1]

بُت پرستی کی ابتداء

بُت پرستی کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہُوئی۔ واقعہ یوُں ہے کہ آدم علیہ السلام کے پانچ صاحبزادے بڑے نیک بخت تھے جن کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ وُدّ

۲۔ سواع

۳۔ یغوث

۴۔ یعوق

۵۔ نسر

جب ان میں وُدّ فوت ہُوا تو لوگ بہت مغموم ہُوئے اور اس کی قبر پر بیٹھ گئے اُٹھنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ وُدّ کی قبر "بابل" کے علاقہ میں ہے۔ جب ابلیس ملعون نے ان کی یہ عقیدت مندی دیکھی تو انسانی بھیس بدل کر ان کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تمہیں ایک فوٹو تیار کر دیتا ہوں جس سے وُدّ کی شکل و صورت کی یاد تازہ ہوگی۔ اس پر وہ بہت خوش ہُوئے چنانچہ شیطان نے انھیں وُدّ کی تصویر بنا دی۔ اسی طرح جو بھی ان میں فوت ہوجاتا اس کی تصویر اتار لی جاتی اور انہی[2] بزرگوں کے نام پر ان تصاویر کے نام رکھے جاتے۔ کئی پشتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جونہی عرصہ دراز

---

[1] یہی آیت ہم دیوبندی ٹولہ کو ان کی الزام تراشی کے جواب میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی الزام تراشی یہ ہے کہ مشرکین عرب بھی بتوں کو سفارشی مان کر مشکل کشا مانتے تھے اسی طرح تم اہلسنت بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ بُتوں کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر بحیثیت شریک ہونے سفارشی مانتے اور ہم اولیاء اللہ کی عبادت نہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعظیم سے معظم سمجھ کر بحیثیت اللہ تعالےٰ کے محبوب ہونے کے بحکم الٰہی سفارش مانتے ہیں۔ اتنا بڑا فرق ہونے کے باوجود بھی وہابی ٹولہ نہیں سمجھتا تو پھر ان سے خدا سمجھے۔ اویسی غفرلہ

[2] دیوبندی اس واقعہ سے بھی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ بزرگوں کی عقیدت مندی حرام ہے حالانکہ (باقی برصفحہ ۹۲۰)

گزرا۔ آنے والی نسلوں سے شیطان نے کہا کہ تمہارے اسلاف انہی تصویروں کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان تصاویر کی پرستش شروع کر دی۔ اس گمراہ قوم کی ہدایت کے لیے نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ نے انہیں بت پرستی سے روکا لیکن وہ نہ مانے۔

ف: حضرت آدم و نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے وہ تمام لوگ دین حق پر تھے۔ طوفان کے دوران ان تصویروں کو نوح علیہ السلام نے جدہ کے ساحل پر دفن کرا دیا لیکن شیطان نے وہ تصاویر عرب والوں کے لیے نکال لیں۔

عرب میں پہلا بت کا پجاری

عرب میں پہلا بت کا پجاری عمرو بن لحی ہے جو خزاعہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ وہ اپنے مختلف کاروبار کے لیے عرب سے شام کو جاتا تھا، بلقاد کے علاقہ میں عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا۔

ف: عمالقہ عملاق بن لاود بن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی۔

عمرو بن لحی نے ان سے پوچھا: یہ کیا کرتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا: یہ ہمارے معبود ہیں، ہم ان کی پرستش کرتے ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے ہم بارش طلب کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور انہی کو اپنے امور میں اپنا حامی مانتے ہیں اور یہ ہماری اعانت بھی فرماتے ہیں۔

عمرو نے کہا: اگر ایسا معاملہ ہے تو ایک بت مجھے بھی دے دو، جسے میں عرب لیجاؤں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بت اسے دے دیا جس کا نام ہُبل تھا اور وہ عقیق کا بنا ہوا بشکل انسانی تھا۔ جب وہ اسے مکہ لایا تو کعبہ معظمہ کے درمیانی حصہ میں رکھ دیا اور لوگوں سے اس کی پرستش اور تعظیم و تکریم کے لیے کہا۔ اہلِ عرب کی عادت بن گئی تھی کہ سفر سے واپسی پر گھر جانے سے پیشتر کعبہ شریف کا طواف کر کے اسی بت کی پرستش کرتے اور یہیں پر سر منڈاتے۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: اہلِ طائف لات کی اور اہلِ مکہ عزّیٰ، منات، ہُبل و اساف کی عبادت کرتے تھے۔

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ فرمائیے کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو بِمَا لَا يَعْلَمُ ایسی بات کی جسے وہ نہیں جانتا جو کچھ بھی ہے فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ آسمانوں میں اور نہیں جانتا جو کچھ زمینوں میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واقعہ کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ بتوں کے نام سے ایک خارجی غلطی میں قوم گمراہ ہوئی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خارجی غلطی سے بزرگوں کی عقیدت بھی حرام ہے اور اس غلطی سے بزرگوں کی مذمت یا ان سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا مجسمہ یا جعلی تصویر بنا کر اس کی پوجا شروع کر دے تو اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی چھوڑ دیا جائے۔ فافہم ولا تکن من الوھابیین۔ (اویسی غفرلہ)

بِمَا میں ما سے اللہ تعالیٰ کا شریک مراد ہے اور ظرف ضمیر محذوف سے حال ہے اور استفہام انکاری ہے اس سے کفار و مشرکین کو متنبہ کرنا مطلوب ہے اور ان سے تہکم کیا گیا ہے اور انھیں بمنزلہ اس انسان کے بنایا گیا ہے جو علام الغیب کو خبر دے کیونکہ انہوں نے ایک محال امر کا دعویٰ کر رکھا تھا وہ یہ کہ یہی بت اللہ تعالیٰ کے شریک اور اس کے حضور میں ان کے سفارشی ہیں۔

ف: اسم ظرف سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے معبود سماوی تھے جیسے ملائکہ و نجوم (ستارے) یا ارضی جیسے ان کے وُہ بُت جو انہوں نے درختوں اور پتھروں کے بنا رکھے تھے۔

ف: ظاہر ہے کہ موجودات کی ہر شئے معدوم و لاشئے ہے اور اسی کی پیدا کردہ اور حادث اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور جس کی یہ شان ہو وہ عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا شریک بنایا جائے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ یہاں پر علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے یعنی اے کافرو! تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اسی معبود باطل کی شفاعت ثابت کرتے ہو اور تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع موجودات کو جانتا ہے اور اس کے علم میں نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے یعنی اس کا کوئی شریک موجودات میں ہے اور نہ ہی وہ اسے جانتا ہے جب اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر جو تم اس کے لیے سفارشی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو وُہ یقیناً باطل ہو گیا۔

ف: ابن الشیخ نے بھی یہی فرمایا موجودات میں جو کچھ ہے اسے شئے کہا جائے گا اور ہر شئے سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے اور معبودانِ باطلہ ہیں ہی نہیں اسی لیے ان سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق نہیں۔

عقیدہ: جو شئے اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں اس کا وجود محال یعنی ممتنع ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے وَتَعٰلٰى اور بلند تر ہے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ اس سے جو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اس لیے کہ ایسی ذات جلی کی تنزیہ ضروری ہے یعنی وُہ ذات شرک کی نجاستوں سے منزہ ہے فلھذا اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور نہیں تھے لوگ مگر ایک اُمت یعنی آدم علیہ السلام سے قابیل و

لہ ایسے ہی نوح علیہ السلام کے واقعہ میں "فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم" میں بھی علم کی نہیں معلوم کی نفی ہے اور معلوم کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہو سکتی جیسے آیت ہذا میں ہے۔ تفصیل نوح علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اویسی غفرلہٗ

ہابیل کے واقعہ تک یا نوح علیہ السلام کے زمانۂ طوفان کے بعد ایک ملت پر تھے اسی لیے کہ طوفان میں تمام اہل کفر مٹے تو اس کے بعد تمام لوگ دینِ حق پر متفق رہے فَاخْتَلَفُوْا ط پھر مختلف ہو کر کوئی کافر ہوئے، کچھ حسبِ دستور مسلمان رہے وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اور اگر تیرے رب تعالیٰ کا کلمہ سبقت نہ کرجاتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ازلی مراد ہے کہ جس میں لکھا گیا تھا کہ انھیں قیامت تک عذاب نہیں ہوگا پھر جب قیامت قائم ہوگی اس وقت ان پر عذاب ہوگا اس لیے کہ وہی سزا و جزا اور فیصلے کا دن ہے لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ تو جلد تر ان کے مابین فیصلہ ہو جاتا فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں یعنی حکمِ الٰہی نہ ہوتا تو اہلِ باطل کو مٹا دیا جاتا اور اہلِ حق کو باقی رکھا جاتا۔

ف: کاشفی نے اس کا مطلب لکھا ہے کہ اگر حکم ازلی نہ ہوتا تو ان کے اختلاف کا یوں فیصلہ ہو جاتا کہ عذاب کے گھیرے میں اہلِ باطل مٹ جاتے اور اہلِ حق باقی رہتے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان فطرتی طور پر ایک تھے پھر والدین کی تربیت سے مختلف ہوئے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه	ہر بچہ ایک فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے
وینصرانه ویمجسانه۔	یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی۔

یعنی بعد بلوغ بوجہ معاملاتِ طبعیہ و شرعیہ لوگ مختلف ہو جاتے ہیں۔

ف: یاد رہے کہ سابقہ اُمتوں کی طرح اُمتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لوگ بھی مختلف ہیں کہ بعض مومن ہیں اور بعض کافر اور بعض بدعتی۔

نکتہ صوفیانہ لوگوں کے مختلف ہونے میں بہت بڑے فائدے اور لاتعداد عظیم حکمتیں ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ کمالِ الٰہی مظاہرِ جمال و جلال میں یونہی ظاہر ہوتا ہے لیکن لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپس میں محبت پیدا کریں اور توافق و تطابق سے زندگی بسر کریں۔ آپس میں تباغض و تنافر پیدا نہ ہونے دیں اس لیے کہ قدرتِ حق کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ بھیڑیا اس بکری کو اچک کے لیجاتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ ہو۔

حکایت ایک دانا شخص کثیر الاولاد تھا اس نے بوقتِ نزع سب کو بلایا اور فرمایا کہ میرا ڈنڈا لاؤ۔ اس نے اسے اکٹھا کر کے سب کو فرمایا کہ اسے توڑ ڈالو۔ بہت زور لگانے کے باوجود وہ اسے توڑ نہ سکے۔ پھر اس نے اسے علیحدہ کر دیا اور فرمایا اب توڑو۔ چنانچہ الگ الگ ٹکڑے لے کر سب نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔

اس کے بعد سب سے فرمایا کہ یہی تمہاری کیفیت ہے کہ اگر تم آپس میں متفق رہے تو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا ورنہ پھر تمہارا یہی حال ہوگا کہ ہر طرف سے دشمن کے گھیرے میں آجاؤ گے اور بے اتفاقی سے مار کھاؤ گے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں تمہیں تقوٰے اور سمع و طاعت کی وصیت فرماتا ہوں اگر تمہارا امیر کسی غلام کو بنایا جائے تو بھی تم اس کے سامنے سر جھکاؤ۔ میرے وصال کے بعد جو زندہ رہے گا وُہ بہت بڑے اختلاف دیکھے گا۔ اے میرے اُمتیو! میری سنّت کو لازم پکڑو اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

ف: الراشدون' راشد کی جمع ہے بصیغہ اسم فاعل ہر وُہ شخص جو ہدایت لائے اور ہدایت کے جملہ اوصاف کا حامل ہو غی اسی کی ضد ہے اس سے ثابت ہُوا کہ راشد' غاوی کا نقیض ہے اور غاوی ہر وُہ جو عمداً حق کے خلاف عمل کرے۔

ف: حدیث مذکور میں النواجذ کا لفظ واقع ہُوا ہے۔ نواجذ آخری دانتوں کو کہتے ہیں اس سے حضور علیہ السلام کی مراد یہی ہے کہ آپ کی اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنّت پر مواظبت کی جائے اور اسے ایسا مضبوط پکڑا جائے جیسے آخری دانتوں یعنی ڈاڑھ سے شئے کو ایسا مضبوط کرتا ہے کہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا اور اس حرص میں ہوتا ہے کہ اگر معمولی سی غفلت ہُوئی تو شئے مُنہ سے نکل جائے گی۔

علمِ غیب نبوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا ویسے ہی ہُوا کہ آپ کے وصال کے بعد بہت بڑے اختلافات اور فتنے برپا ہُوئے۔ اور حضرت امام مہدی اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کی تشریف آوری تک جاری رہیں گے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
ہزار بازی ازیں طرفہ تر برانگیزد

اور فرمایا:

روزے اگر غمی رسدت تنگ دل مباش
رو شکر کن مباد کہ بد بتر شود

علمائے اسلام کو مبارکباد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے علماء کرام کا خاصہ ہے کہ ان کے ساتھ دین سے بے بہرہ اور مختلف گروہ بغض و عداوت رکھتے ہیں ورنہ سابقہ اُمم کے لوگ اپنے علماء سے بہت بڑی محبت کرتے اور کبھی اس محبت میں غلو بھی کر جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دُون اللہ۔	انہوں نے اپنے پادریوں اور عالموں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔

نجدیہ، وہابیہ، دیوبندیہ اور دشمنانِ اولیاءِ کرام جب عام فقہاء و علماء کے لیے عوام کا دشمن ہونا لازمی امر ہے تو پھر اولیاء کرام کا دشمن ہونا تو نہایت ضروری ہے۔

دشمنانِ علماء و اولیاء کی علامات اور نشانیاں جب یہ لوگ کسی بندۂ خدا کو علوم ظاہرہ و باطنہ اور اپنی خداداد قابلیت میں اسے ممتاز اور اسے دُوسروں سے کامیاب دیکھتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وُہ زندیق ہے بعض کہتے ہیں وُہ بدعتی ہے بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اس کے متعلق کہتے ہوں گے کہ وُہ صدیق (ولی کامل) ہے۔

تنبیہہ غور کیجئے اللہ تعالےٰ نے اپنی غیرت سے اپنے پیارے کو غیروں میں کیسے مخفی رکھا ہے اور اس کے بھید و اسرار بدبختوں کے درمیان میں کسی حکمت سے چھپائے۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

معشوق عیان میگزرد بر تو ولیکن
اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقابست

نکتہ صُوفیانہ حضرت رویم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صوفیاء اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے بُعد رکھیں گے جب جمعیت قائم کریں گے تو سمجھو ان کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ ایک دُوسرے سے محبت کر کے ایک دُوسرے کی جانب راجع ہوں گے تو اس لحاظ سے وہ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے والے متصوّر ہوں گے۔ اور صوفیاءِ کرام کے نزدیک یہ بھی ایک قسم کی بُت پرستی ہے یعنی جسے عوام بُت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں وہ صوفیاء کے نزدیک یہی ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق استوار کریں اور ان کے نزدیک شرک کا یہی معنےٰ ہے کہ وہ غیر اللہ سے قطعی طور پر تعلق منقطع کریں اور ان کی یہ بیزاری یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں کیوں کہ ان کی آپس کی بیزاری باطل کے لیے تھی اور حضرات صوفیاءِ کرام کی ایک دُوسرے سے بیزاری حق کی خاطر ہے۔

مسئلہ: اختلاف دُو قسم کا ہے:

۱۔ مذموم

۲۔ محمود

—— عقاید و اصول دین میں اختلاف مذموم ہے۔

—— اور اعمال و فروع دین کا اختلاف محمود ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اختلاف الامت رحمة ۔ اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔

حکایت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور یہودی

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے مسلمانو : تم نے اپنے نبی علیہ السلام کو دفن سے پہلے اختلاف شروع کر دیا۔ آپ نے یہودی کو جواب دیا کہ ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے اختلاف کیا نہ کہ اُن کی ذات میں۔ لیکن اے یہودیو ! تم نے تو اپنے نبی علیہ السلام کی ذات اقدس سے اختلاف کیا کہ ابھی دریا کے پانی سے تمہارے پاؤں خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ اپنے نبی علیہ السلام سے کہنے لگ گئے تھے :

اجعل لنا الٰہا کما لھم الٰہة ۔ ہمارے لیے بھی ایک ایسا خدا بنائیے ۔

اسے کہتے ہیں دنداں شکن جواب ۔ لیکن ؛

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

وَيَقُوْلُوْنَ اور کفار مکہ کہتے ہیں لَوْلَآ یہ ھلا کی طرح حرف تخصیص ہے یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ عَلَيْهِ اس پر یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی اٰيَةٌ آیت یعنی معجزہ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے چونکہ کفار کا عقیدہ تھا کہ قرآن کا عارضہ ممکن ہے یعنی اس جیسا قرآن اور تیار کر لینا آسان ہے ۔ چنانچہ لونشاء لقلنا مثل ھذا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا قرآن کہہ سکتے ہیں، دلالت کرتا ہے اسی لیے وہ اس کے برعکس قرآن کے ماسوا اور معجزات جیسے ہاتھوں کا نورانی ہونا اور عصاء کا سانپ بن جانا اور نہروں کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ کا مطالبہ کرتے ۔

گفت اگر آسان نماید ایں بتو
ایں چنیں یک سواہ گو اے سخت رو

فَقُلْ تو آپ انھیں فرمائیے اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ بے شک غیب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یہ لام اختصاص تکوینی نہیں بلکہ علمی ہے اس لیے کہ غیب وشہادت اس اختصاص میں اللہ تعالےٰ کے ہاں برابر ہیں ۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اے کافرو ! جو تمہارا مطالبہ ہے اور تمہارا گمان ہے وہی مطالبہ نبوت کے لوازم سے ہے اسی لیے تم اپنے ایمان کو غیب سے متعلق کرتے تھے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ غیب خاصۂ خدا ہے اور اللہ تعالےٰ کے خصوصیات سے مجھے کوئی تعلق نہیں (جب تک وہ اپنے فضل وکرم سے مجھے عنایت نہ فرمائے اگر وہ چاہے تو ان آیات سے زاید نازل فرمائے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیب سے عالم ملکوت مراد ہے کہ جس سے آیات کا نزول اور معجزات کا ظہور ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نازل وظاہر فرماتا ہے اسی لیے کہ انزال آیات واظہار معجزات اللہ تعالیٰ سے خاص اور اسی کے حکم کے ماتحت ہے وہ اپنی آیات جتنا اور جن پر چاہے

نازل فرمائے فَانْتَظِرُوْا پس تم اپنے مطالبات کے نزول کا انتظار کرو اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ○ بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں تاکہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے آیات سے انکار اور ناجائز مطالبات پر تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے اب مہلت اس لیے دے رکھی ہے کہ تمہارے میں سے ظالم کی مکمل طور گرفت فرماتے۔ اگر چاہے تو کسی ظالم کو فوراً بھی پکڑ سکتا ہے۔

حکایت ایک سپہ سالار بہت ظالم تھا اپنے لشکر سمیت ایک بزرگ کامل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میرا بھی ایک منشور ہے میں تجھے اپنے گھر میں حاضری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس ظالم سپہ سالار نے کہا: مجھے اپنا منشور دکھایئے۔ بزرگ نے گھر سے قرآن مجید اٹھایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی:

یٰاَیہا الذین لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستانسو ا وتسلموا علیٰ اھلہا۔	اے ایمان والو اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں نہ جاؤ

اس ظالم سپہ سالار نے کہا: میں نے سمجھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا کوئی حکمنامہ (منشور) ہے اور قرآنی حکم کو اس نے کچھ نہ سمجھا اور جبراً اس بزرگ کے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کی نحوست پڑی کہ اسی شب قولنج کی بیماری میں مر گیا۔

سبق: اس سے واضح ہوا کہ قرآن پاک بلند مقام کا مالک ہے دوسری کتابوں کی طرح اسے نہ سمجھنا چاہیے جو اسے حقیر سمجھ کر رد کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی سخت گرفت کرتا ہے جیسے جو کوئی اس کی بدل وجان عزت واحترام کرتا ہے تو منجانب اللہ بہت بڑا اجر وثواب پاتا ہے۔

ف: قرآن پاک کی ظاہری عزت واحترام یہ ہے کہ اُسے اُٹھائے تو ادب کے ساتھ اور باوضو ہو کر ہاتھ لگائے اور معنوی عزت واحترام یہ ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور اسی کے ارشادات پر زندگی بسر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے جو مرتبہ چاہے پالے۔

حکایت سلاطین عثمانیہ کا جدِ اعلیٰ اور مورثِ اول نے مرتبہ بلند پایا تو اسی قرآن مجید کی عزت وتکریم سے۔ چنانچہ واقعاتِ محمودیہ میں ہے کہ سلطان معظم حضرت عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ ابتداءً بہت سخی تھا اور اس کا لنگر ہر آنے والے مسافر کے لیے ہمہ وقت جاری تھا دُور دُور تک اُس کی سخاوت کا شُہرہ تھا بہت بڑی مخلوق اُس کے لنگر خانہ میں ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اس سے اس کے ہمسائیگان تنگ ہُوئے جس کی وجہ سے اسے بہت ستاتے اس کی شکایت الحاج کمناش پاکسی اور حاکمِ وقت کو سنانے کے لیے گھر سے روانہ ہُوئے۔ ایک اجنبی کے گھر شب باش ہُوئے۔ اس کے گھر میں قرآن مجید لٹکا ہُوا دیکھ کر صاحب خانہ سے فرمایا کہ قرآن مجید کے آداب کے خلاف ہے اس کے۔ لیے ضروری ہے اسے نہایت ادب کے ساتھ اٹھایا جائے۔ چنانچہ وہ خود اُٹھ کر قرآن مجید کو سر پر اُٹھا لیا اور صبح تک نہایت ادب سے اٹھائے رکھا۔ جب صبح ہُوئی تو وہ اپنے مقصد کے لیے روانہ ہُوئے تو راستہ میں انھیں ایک حسین وجمیل انسان ملا اور فرمایا کہ میں تیرا مطلب ہوں

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہاری اولاد کو بہت بڑا اعزاز سلطنت کا بخشا، وہ صرف اسی لیے کہ تو نے قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ پھر اسی مطلب نے فرمایا کہ ایک بڑی لکڑی پر جھنڈا بنالیں اور اسے کھڑا کر دیں اور یہی تمہارا شاہی جھنڈا ہے۔ اس کے بعد بہت سے لوگ جمع ہوگئے اور پہلی جنگ لاجک میں ہوئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت سے نوازا۔ اس پر سلطان علاؤالدین نے بھی اپنی ایک سلطنت (ریاست) قایم کرنے کی اجازت دے دی۔ سلطان علاؤالدین کے فوت ہونے پر مستقل طور پر بادشاہ ہوا، پھر اورخان اس کا جانشین ہو کر اس نے بروسہ محروسہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتح کیا اور اسی وقت سے تاحال سلطنتِ عثمانیہ کامیابی پر ہے۔ وہ صرف اسی لیے کہ آلِ عثمان کے جدِ اعلیٰ نے قرآن مجید کی عزت تکریم کی۔

سبق: دانا کے لیے لازم ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تعظیم و تکریم کرے تاکہ اسی کی برکت سے اعزاز و اکرام نصیب ہو اور اس کی بے حرمتی اور بے ادبی سے بچے تاکہ اس کی نحوست سے مارا نہ جائے جیسے سلطنت عثمانیہ کا سلطان محمد رابع کا حشر ہوا کہ اس نے جب سے قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی کی اور ظلم و ستم کو اپنا طریقہ کار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نحوست سے ان پر اور دیگر لوگوں پر قحط مسلط فرمایا اور ان پر خوف و ہراس پھیل گیا اور اس بدقسمتی سے اس سے روم کے علاقوں کے کئی قلعے اس کے قبضے سے نکل گئے اور کفار کا اس پر غلبہ ہوگیا یہاں تک کہ کفار قسطنطنیہ (جو ان کا دارالخلافہ ہے) چھیننے پر آمادہ ہیں اور اس کی تمام سلطنت میں اتنی بے قراری چھاگئی ہے کہ لوگ کہتے ہیں، "این المفر" بھاگ کر کہاں جائیں۔ یاد رہے کہ بادشاہ کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا ہے برے مشیروں کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ یہی نالائق اسے ظلم و ستم پر اکساتے اور مشورہ دیتے ہیں؛ ؎

اے فغاں ز یار ناجنس اے فغاں
ہمنشین نیک جوئید اے مہمان

اے بسا مہتر بچہ ز شور و شر
شد ز فعل زشت خود ننگِ پدر

ترجمہ: ناجنس سے ہماری پناہ اے دوستو نیک ساتھی تلاش کرو۔ بہت سے بڑوں کی اولاد برائی کی وجہ سے بڑوں کے ننگ اور عار کا سبب ہوتی ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا

اور جب ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی جبھی وہ

لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا

ہماری آیتوں کے ساتھ داؤ چلتے ہیں تم فرمادو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہوجاتی ہے بے شک ہمارے فرشتے

يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَ

تمہارے مکر لکھ رہے ہیں وہی ہے کہ تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے

الْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ

یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں

طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ

لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے ان پر آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف لہروں

الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ

نے انہیں آلیا اور سمجھ لیے کہ ہم گھر گئے اسوقت اللہ کو پکارتے

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ

ہیں نرے اس کے بندے ہوکر کہ اگر تو اس سے ہمیں بچالے گا تو ہم ضرور

مِنَ الشَّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى

شکر گزار ہوں گے پھر اللہ جب انہیں بچا لیتا ہے جبھی وہ زمین میں

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ

ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں اے لوگو تمہاری زیادتی تمہارے ہی جانوں کا

أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

وبال ہے دنیا کے جیتے جی برت لو پھر تمہیں ہماری طرف پھرنا ہے

فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا

اسوقت ہم تمہیں جتادیں گے جو تمہارے کوتک تھے دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین سے اُگنے والی چیزیں

مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ط حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ

سب گھنی ہو کر نکلیں جو کچھ آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ

اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ

ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا

تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾

کل تھی ہی نہیں ہم یونہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنیوالوں کے لیے

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط وَلَا

چلاتا ہے بھلائی والوں کے لیے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد اور ان

يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

کے منہ پر نہ چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری وہی جنت والے ہیں وہ اس میں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ

ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ

سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

اسی جیسا اور ان پر ذلت چڑھے گی انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی

عَاصِمٍ ج كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ

نہیں گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں

مُظْلِمًا ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (٢٧)

وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

اور جس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے اپنی جگہ رہو تم اور

مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ج فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

اور تمہارے شریک تو ہم انہیں مسلمانوں سے جدا کر دیں گے اور

شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (٢٨) فَكَفٰى بِاللّٰهِ

ان کے شریک ان سے کہیں گے تم ہمیں کب پوجتے تھے تو اللہ گواہ کافی ہے

شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ

ہم میں اور تم میں کہ ہمیں تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی

لَغٰفِلِيْنَ (٢٩) هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ

یہاں ہر جان جانچ لے گی جو آگے بھیجا اور

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے اور ان کی

يَفْتَرُوْنَ (٣٠)

بناوٹیں ان سے گم ہو جائیں گی

تفسیر عالمانہ

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ اور یاد کرو جب ہم نے لوگوں یعنی اہل مکہ کو چکھایا رَحْمَةً رحمۃ یعنی صحت و وسعت مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ ضرر یعنی قحط و مرض کے بعد مَسَّتْهُمْ جو انہیں پہنچا جسے انہوں نے اپنے اندر محسوس کیا۔

سوال: رحمت کو ضمیر متکلم یعنی ذات حق کی طرف منسوب کرنے اور دکھ درد وغیرہ پہنچنے کو منسوب نہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: یہ قرآن کے اسلوب میں عام ہے اور اسے اہل فن "التفات" سے تعبیر کرتے ہیں اور فصاحت و بلاغت کا

بہترین طریقہ ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرمایا:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ الخ

اسی طرح متعدد آیاتِ قرآن پاک میں ہے۔ وَ اِذَا شرطیہ ہے اس کا جواب اِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِيْ اٰيَاتِنَا ہے
اذا مفاجاتیہ ہے یعنی انہوں نے اچانک ہماری آیات میں بوقت اذاقۂ رحمت اچانک مکر و فریب شروع کر دیا
شلاً آیات پر طعن و تشنیع اور ان کے دفعیہ میں حیلہ سازی وغیرہ اور اس میں اتنی جلدی کی کہ ابھی ضراء کی غبار ان کے
سروں میں موجود تھی۔

ف: مروی ہے کہ اہلِ مکہ مسلسل سات سال قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ تباہ و برباد ہونے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم فرما کر بارش فرمائی جس سے ان کی آبادیاں شاداب ہوئیں اس سے ان میں سرکشی پیدا
ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں طرح طرح کے حیلے اور مکر و
فریب کیے۔

ف: جب بارش ہوتی اور اُن کی کھیتیاں سبز ہوتیں تو بجائے اس کے کہ وہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، کہتے کہ یہ
فلاں ستارے کی تاثیر سے ہوا ہے۔ اور اہلِ عرب کا عام شیوہ تھا کہ بارش، ہوا، گرمی، سردی وغیرہ کی نسبت ستاروں کی
طرف کرتے یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ انہی ستاروں کی تاثیر سے سب کچھ ہوا ہے۔

ف: الانواء نوء کی جمع ہے۔ یہ کل اٹھائیس منازل ہیں جنہیں چاند ہر رات طے کرتا ہے۔ تیرہ راتوں کی آخری رات میں
طلوع صبح کے وقت ان میں سے ایک ستارہ مغرب کی طرف سے ختم ہو کر دوسرا اسی طلوع فجر کے بعد فوراً اسی ختم شدہ
ستارہ کے مقابلے میں مشرق سے طلوع ہوتا ہے لیکن اس پہلے ستارے کی جہت سے اس کی جہت غیر ہوتی ہے۔ اس
بنا پر اس ستارے کی چودہ جہتیں ہوتی ہیں اسی طرح سال کے تین سو پینسٹھ دن انہی ستاروں کے مطابق ختم ہوتے ہیں
اس لیے کہ تیرہ کو اٹھائیس سے ضرب دینے سے مذکورہ گنتی[1] حاصل ہوتی ہے۔

ف: ستارے کو نوء سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ جب ایک ستارہ مغرب کی طرف سے ختم ہوتا ہے تو اس کے بالمقابل
مشرق سے دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے جسے بوقتِ تعبیر کہا جائے گا: الطالع بالمشرق ینوء ای یذهب ویطلع۔
یعنی نوء بمعنے جانا یا طلوع کرنا وغیرہ۔

فائدہ تفسیریہ جب کافروں نے بارش سے کھیتیاں سرسبز دیکھیں تو انہوں نے اسے ستارے کی طرف منسوب
کر دیا حالانکہ انہیں ایسی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی تھی۔ ان کے اس طریقہ سے ان کی
ناشکری اور بے ایمانی و کافری ظاہر ہوئی اور یہی ان کے فرمانبرداروں کے لیے موجب التباس بنا جسے قرآن نے مکر

---

[1] یعنی تین سو چونسٹھ اوپر کے ساعات یا ایک دن کسرات کی وجہ سے شمار ہوا۔

سے تعبیر فرمایا۔

عقیدہ : جو شخص بارش وغیرہ کی تاثیر صرف اور صرف ستاروں سے مانتا ہے تو وہ کافر (ومشرک) ہے۔

عقیدہ : اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ چونکہ یہ تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور یہ ستارے صرف وسائط اور اسباب ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی بنایا ہے۔ چنانچہ 'الروضہ' میں ہے کہ:

المؤثر ھو اللہ والکواکب اسباب عادیۃ[1] — مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے یہ ستارے محض عادی اسباب ہیں۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

گر رنج پیشت آید وگر راحت اے حکیم
نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند

ترجمہ : اگر رنج پہنچے یا راحت اس کی نسبت غیر کی طرف نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سمجھنا اس لیے کہ جملہ امور وہی کرتا ہے۔

قُلِ اللّٰہُ اَسْرَعُ مَکْرًا ط فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ تمہارے عذاب کی جلد تر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یعنے تمہیں اس کا عذاب جلدتر پہنچے گا بوجہ اس کے کہ تم حق کو اپنے سے ہٹا رہے ہو۔

سوال : یہاں پر عذاب کو مکر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب ۱ : چونکہ اُنھوں نے مکر و حیلے سے کام لیا ان کے اسی مکر کے جواب کی مناسبت سے لفظ مکر لایا گیا۔ یہ تسمیۃ الشئ باسم سببہ (یعنی شئے کے سبب والا نام رکھنا) کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲ : چونکہ کفار کے معاملہ میں لفظ مکر واقع ہُوا ہے اسی مناسبت سے یہاں بھی لفظ مکر لایا گیا ہے۔ اس معنے پر باب المشاکلۃ سے ہو گا۔

فائدہ تفسیریہ حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ نے بدر میں تباہ و برباد کیا۔ یہ انہیں آیات سے انکار کی سزا تھی۔ اس کے بعد جب بھی انہیں کہیں سزا ملی تو گویا ان کے اسی مکر یعنی انکار آیات کی وجہ سے اسی معنے پر اللہ تعالیٰ ان کے مکر کی سزا دینے میں عجلت کرنے والا ہو۔

ف : ان کا مکر یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی علیہ السلام کو تباہ و ہلاک کریں اللہ تعالیٰ کے مکر کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار کو مذکورہ بالا طریقوں سے تباہ و برباد کر دینا چونکہ کفار تو حضور علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۲۹۔ یہی ہم اہلسنت عقیدہ رکھتے ہیں انبیاء عظام و اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے وسائل و اسباب ہیں ہمارے امور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوتے ہیں ان حضرات کی دعاؤں، زبانوں و دیگر برکات کی وجہ سے سببی طور سے ہوتے ہیں۔

بدر کے علاوہ متعدد غزوات میں شکستیں دیں اس معنے پر اسرع مکرا کا مفہوم صحیح ہوا۔

ف : مکر الٰہی بمعنے خفیہ تدبیر یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ان سے مخفی رکھ کر انہیں تباہ و برباد کیا لیکن کفار نے اپنے ارادے عام کر رکھے تھے۔ سہ

توکل علی الرحمٰن واحتمل الردی
ولا تخش ممّا قد یکید بك العدٰی

ترجمہ : اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے تکلیف برداشت کرنا چاہئیں۔ اس کے بعد دشمن کتنا ہی دُکھ درد پہنچانے کی تدابیر بناتے رہیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اِنَّ رُسُلَنَا بے شک ہمارے رسل، اس سے محافظ فرشتے یعنی کراماً کاتبین مراد ہیں۔

ف : اس میں غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے کہ پہلے فرمایا قل اللہ۔ اب اسی کے مطابق ان رسلہ کہنا چاہئے لیکن فصاحت و بلاغت کے ان رسلنا کہا گیا ہے۔

یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ ○ تمہارے مکر کو لکھ لیتے ہیں اس میں انہیں انتقامی کارروائی کی تحقیق سے خبردار کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تم جتنی ہی پوشیدہ تدبیریں بناؤ ان سب کو محافظ فرشتے یعنی کراماً کاتبین جانتے ہیں جب تمہاری تدبیریں فرشتوں سے چھپ نہیں سکتیں پھر اللہ تعالیٰ سے کب پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

مسئلہ : اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے لیے بھی کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔

سوال : کفار کی دائیں جانب کا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا ان کے لیے تو نیکیاں ہوتی ہی نہیں۔

جواب : بائیں جانب کا فرشتہ دائیں جانب کے فرشتے کی اجازت سے لکھتا ہے کفار کی برائیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتے کی اجازت سے لکھے گا تو وہ فرشتہ بمنزلہ شاہد ہوگا اور اس کا شہادت کے لیے ہونا ہی کافی ہے۔ (کذا فی البستان)

ف : کراماً کاتبین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ پانچ ہیں۔ دو صبح دو شام کو اور ایک ہر وقت ساتھ رہتا ہے کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا۔

مسئلہ : مومن ہوں یا کافر ہر ایک کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور انہیں محفوظ رکھ لیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن حساب عمل کو بطور ثبوت دکھائے جا سکیں

ف : تقدیر نے رکھ دی جب لکھی تو انسان اس سے تدبیر اور مختلف حیلوں سے نہیں بچ سکتا بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان پر تقدیر کا ورود ہوتا ہے تو خود اس کی اپنی تدبیر اس کے لیے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

ف : جو شخص گمان کرتا ہو کہ تقدیر سے تدبیر بچا لیتی ہے تو اس کی مثال لومڑی کی ہے کہ جب اس پر حملہ ہوتا ہے تو دم ہلانے کو اپنی نجات کا ایک سبب سمجھتی ہے

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تقدیر مومن کامل کے اعمال صالح کی برکت سے ٹل جاتی ہے جبکہ ان اعمال صالح کا وقوع تقدیر کے ورود سے پہلے ہو۔ اس لیے کہ: ع

علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد

واقعہ کا علاج اس کے وقوع سے پہلے کرنا چاہیے۔

ف: زیاد نے کہا کہ مرد عاقل وہ ہے جو مصیبت میں پھنسنے سے پہلے بچنے کی تدبیر کرے ورنہ اس سے بڑا بیوقوف اور کون ہوگا جو وقوع مصیبت کے بعد چارہ جوئی کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
سودے ندارد فغاں زیر چوب
کنوں کرد باید عمل را حساب
نہ روزے کہ منشور گردد کتاب

تفسیر صوفیانہ

واذا اذقنا الناس الخ میں رحمت سے ذوق توبہ یا انابہ یا صدق طلب یا بعض مقامات کی طرف پہنچنا یا ذوق کشف و شہود مراد ہے من بعد ضراء مستھم میں ضراء سے فسق و فجور اور اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ بشریہ و صفات کے حجابات مراد ہیں اذا لھم مکر فی ایاتنا، مکر فی الآیات سے بعض سالکین کے اسرار و رموز کسی نااہل کو بتا دینا مراد ہے وہ بھی اس غرض پر کہ اس طرح ان کو لوگوں کے ہاں شرف ملے گا اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے عوام انھیں مقبولانِ خدا سمجھیں گے اور بہت جاہ و جلال والے مانے جائیں گے اور لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چومیں گے اور لوگ نوکروں کی طرح ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں دیگر بہت بڑے منافع ان کے زیرِ غور ہوتے ہیں قل اللہ اسرع مکراً فرمایئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کی غلط روی پر انھیں بھی جلد تر سزا دیتا ہے کہ ان سے انہی مقامات کے مطابق ان سے بطور استدراج کرامات کا ظہور ہوتا ہے لیکن انھیں اس سے حد درجے کی دُوری اور بُعد اور مشاہداتِ حق سے حجابات نصیب ہوتے ہیں جس کا انھیں علم نہیں ہوتا ان رسلنا یکتبون ما تمکرون یعنی ان کی یہ بے راہ رویاں مخفی نہیں اس لیے ان کی غلطیوں پر ہم انھیں سزا دیتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

غلط کار سالکین

بہت سے سالکین کے لیے کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ پانی پر چلتے اور ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ اور ان کی زمین کی مسافتیں لپیٹ لی جاتی ہیں کہ وہ تھوڑے سے عرصہ

میں دور دراز سفر کر لیتے ہیں لیکن ان کی حالت ایک مجرم گنہگار سے کم نہیں ہوتی اس لیے کہ بطور استدراج اس طرح سے پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کی مکھی کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے لیے یہ مقامات و مراتب محمود ہونے ہیں بلکہ شومیٔ قسمت سے یہ مراتب ان کے لیے نہایت مذموم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے سزا کے طور پر ان کے لیے ظاہر فرمائے ہیں جو ان سے بطور خرقِ عادت ظاہر ہو کر الٹا ان کے لیے وبالِ جان بنتے ہیں جنہیں وہ اپنے لیے بلندیٔ مراتب سمجھتے ہیں حالانکہ وہی امور ان کے لیے شرعاً معصیت لکھی جا رہی ہوتی ہے اگر انہیں یہ حجاب مانع نہ ہوتا تو وہ بالضرور حقیقت کے سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن وہ بیچارے اس حقیقت سے بے خبر ہو کر اپنے آپ کو شریعت مطہرہ کے راہ پہ گامزن نہ کرسکے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو اپنے بُرے اعمال کو اچھا سمجھتے رہتے ہیں جن سے وہ آخرت میں ذلت و خواری کا نشانہ بنیں گے۔ (کذا فی مواقع النجوم)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

زاہدا ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ از صومعہ تا دیرِ مغاں این ہمہ نیست

سبق: مذکورہ بالا غلطیوں سے بہت تھوڑے سالک بچ سکتے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واصل باللہ بہت کم ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے دُور رہنے والے سالک بہت زیادہ۔ اسی لیے سلوک میں اس مرحلہ کو طے کرنے کے لیے مرشدِ کامل کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ امر ضروری۔

مثنوی شریف میں ہے:

در پناہ شیر کم ناید کباب
روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو
ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر شو

تفسیر عالمانہ هُوَ اللّٰہ تعالیٰ وُہ ہے الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ تسییر سے مشتق ہے۔ باب تفعیل تعدیہ کے لیے ہے مثلاً کہتے ہیں:

سار الرجل۔ مرد چلا۔

و سیرتہ انا۔ اور میں نے اسے چلایا۔

اب آیت کے جملے کا معنیٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جو تمہیں چلاتا ہے یعنی مسافت طے کرنے کی تمہیں قدرت دیتا ہے

فِی الْبَرِّ جنگلوں کی مسافت طے کرنے کے لیے قدم یا سواریوں (گھوڑے، خچر، گدھے اور اونٹ وغیرہ) وَالْبَحْرِ اور دریاؤں کو عبور کرنے کے لیے چھوٹی بڑی کشتیوں کے ذریعے تمہارا سفر طے کراتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ درحقیقت ہر شے کو چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ ہوائیں، اس لیے کہ ہوائیں خود بخود نہیں چلتیں بلکہ انہیں کوئی چلانے والا چلاتا ہے پھر اس کا بھی کوئی چلانے والا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے گا کہ وہی سب کا محرک ہے اور وہ بھی انہی حرکات معروفہ سے منزہ ہے بلکہ ایسی تشبیہات سے پاک و مطہر اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو صوفی یہی عقیدہ رکھ کر ہواؤں پر نہیں بلکہ صرف خدائے بزرگ و برتر پر بھروسہ کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ کشتیاں ہواؤں سے نہیں بلکہ اللہ جل وعلا کے کرم سے چلتی ہیں اس عقیدہ سے اسے توحید افعال کے حقائق نصیب ہوں گے ورنہ شرک خفی میں مبتلا رہے گا

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

ترجمہ: تقدیر ربانی جہاں چاہتی ہے کشتی کو لے جاتی ہے اگرچہ ملاح آہ و فغاں کر کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

من از بیگانگاں دیگر نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

ترجمہ: مجھے غیروں سے کوئی شکایت نہیں، میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے میرے یار نے کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ یہاں تک کہ تم کشتیوں میں ہوتے ہو۔

ف: یہ حتی یسیرکم فی البحر کی غایت کے لیے ہے۔

سوال: شئے کی غایت شئے کے بعد ہوتی ہے اور یہاں پہلے کیوں؟ اس لیے کہ سیر کشتی میں سوار ہونے کے بعد ہوتی ہے؟

جواب: غایت صرف کشتی میں ہونا نہیں بلکہ اس کا معطوف بھی اسی غایت میں شامل ہے اور یہ معطوف سیر کے بعد ہے اور کنتم فی الفلک کا معطوف وَجَرَیْنَ بِهِمْ الخ ہے اور وہ کشتیاں ان لوگوں کو لیجاتی ہیں۔

سوال: جرین جمع مونث کا صیغہ کیوں؟

جواب: الفلک جمع مکسر ہے بمعنے السفن (یعنی سفینہ بمعنے کشتی کی جمع) ہے۔

سوال : فلک کیسی جمع ہے جبکہ اس کا واحد بھی تو الفلک ہے حالانکہ جمع کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کا واحد کا صیغہ اپنی پہلی حالت پہ نہ رہے ۔

جواب : الفلک اگرچہ لفظاً مکسر نہیں لیکن تقدیراً ضرور ہے اسی لیے کہ جمع کا ضمہ اُسُدُ (جوکہ اَسَدٌ بمعنے شیر کی جمع ہے) جیسا ہے اور اس کے مفرد کا ضمہ قُفل بمعنی تالا کے ضمہ جیسا ہے ۔

ف : جرین بھم میں التفات مبالغہ کے طور ہے تاکہ ان کی قباحت کا پورے طور اظہار ہو اور ان سے اتنی بے التفاتی ہے کہ گویا ان سے بات کرنا بھی منظور نہیں اور یوں سمجھا جا رہا ہے کہ گویا ان کا حال دوسروں کو سنا کر انھیں تعجب میں ڈالنا مطلوب ہے کہ اے کافرو ! تم اتنے ذلیل و خوار انسان ہو کہ اب تم اس لائق نہیں کہ تمہارا ذکر کیا جائے ۔

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ پاکیزہ ہواؤں کے ذریعے کہ نرم نرم اور ان کے مقاصد کے مطابق چلتی ہیں وَّ فَرِحُوْا بِهَا اور ان سے خوش ہوتے ہیں کہ کیسی پاکیزہ ہوائیں ہیں اور کیسے ہی ہمارے حال اور مقصد کے مطابق چل رہی ہیں جَآءَتْهَا آتی ہیں ان کے ہاں یعنی جب جانب مخالف سے پاکیزہ ہوائیں پہنچتی اور ان پر غلبہ پاتی ہیں ۔

سوال : جاء تہا کی بجائے ھبتہا کیوں نہ کہا گیا اس لیے ہوا کے لیے ھبوب کا استعمال ہوتا ہے ۔

جواب : جب ہوا موافق چل رہی ہو تو اس وقت ھبوب استعمال ہوتا ہے لیکن جب اس کے مخالف ہوا چلے تو اس وقت مجئ (آنا) استعمال ہوتا ہے بلکہ اس کا استعمال اس ہوا کے لیے ہوتا ہے جو اپنی مخالف ہوا پر استبداد رکھتی ہو ۔ رِيْحٌ عَاصِفٌ سخت آندھی ۔ اہل عرب کہتے ہیں عصفت الريح یہ اس وقت بولتے ہیں جب سخت آندھی چلے یعنی وہ ہوا جو بہت بڑی سختی سے چلے ۔

سوال : ریح مونث ہے اس کے لیے عاصف کے بجائے عاصفۃ ہونا چاہیے ۔

جواب : جب کوئی فعل کسی شئے کے ساتھ مخصوص ہو کہ سوائے اس کے کسی دوسری شے کے لیے نہ آسکے تو اس پر صیغے مذکر مستعمل ہیں چونکہ یہ صفت ہوا سے مخصوص ہے اسی لیے عاصف لایا گیا ہے ۔

وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ اور ان کے دریا کی موج آئے ۔ موج ہر اس پانی کو کہتے ہیں جو اپنی سطح سے اوپر کو بلند ہو مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر جگہ سے یعنی ہر ہر جگہ جہاں سے پانی کی موج کا تصور ہو سکتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ پانی میں جب طغیانی ہوتی ہے تو ہر طرف سے پانی کی موج واقع ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ جہاں سے ہوا مخالف ہو اسی طرف سے موج ہو اور دوسری طرف سے نہ ہو بلکہ موج کو جہاں سے موقعہ ملتا ہے وہیں سے ظاہر ہوتی ہے ۔ کاشفی نے بھی یہی معنیٰ لیا ہے کما قال :

از چپ و راست و پیش و پس ۔

یعنی دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے موج آتی ہے ۔

وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِيۡطَ بِهِمۡ اور انہیں گمان ہوتا ہے کہ وہ گھیرے میں آ گئے یعنی ہلاک ہونے والے ہیں۔
احیط بہم ہلاکت کے لیے مستعمل ہے دراصل یہ دشمن کی تباہ و بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دَعَوُا اللّٰهَ یہ ظنوا سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ ان کا پکارنا ان کے گمان کے ساتھ ملابس تھا یعنی انھیں گمان ہوا کہ اب ہلاکت و تباہی ان کے لیے لازم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ درانحالیکہ اللہ تعالےٰ کے لیے دین خالص کا اظہار کر رہے تھے اس وقت اللہ تعالےٰ کے ساتھ اپنے بتوں میں سے کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

سوال: آیت میں بتوں کا نام نہیں تھا تم نے یہ معنی کہاں سے لیا؟

جواب: اخلاص للدین کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔

مسئلہ: ان کا یہ ایمان اضطراری تھا اسی لیے اسے حقیقی ایمان نہ کہا جائے گا۔

ف: اس دعا سے اھیا شر اھیا کے الفاظ مراد ہیں بمعنے یا حیّ یا قیوم۔ اور یہ دونوں اسماء بحری اسفار کے لیے پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ آیت الکرسی کی تفسیر میں گزرا ہے۔

لَئِنۡ اَنۡجَيۡتَنَا یہ لام توطیۃ للقسم ہے بارادۂ قول دراصل عبارت یوں تھی:

دعوا حال کونہم قائلین و اللہ لئن انجیتنا۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا درانحالیکہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے: اے اللہ تعالےٰ! اگر تو نے ہمیں نجات بخشی۔
مِنۡ هٰذِهٖ اسی طغیانی سے لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ۝ شکر گزاروں سے یعنی ہمیشہ تیری نعمتوں کا شکر کرتے رہیں گے منجملہ ان نعمتوں کے ایک یہی ہے جسے اب ہم طلب کر رہے ہیں یعنی نجات اور شکر گزاری کا معنیٰ یہی ہے کہ ہم تیرے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کریں گے۔ اور ناشکری کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰهُمۡ پس جب انھیں اللہ تعالےٰ نے نجات بخشی کہ ان کی دعا کے مطابق انہیں دریا کی طغیانی سے بچایا۔

ف: فاء دلالت کرتی ہے کہ ان کی دعا فوراً قبول ہو گئی۔

اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ اس وقت وہ زمین میں فساد ڈالتے تھے یعنی زمین پر فساد ڈالنے لگے اور جلدی سے پہلی حالت تکذیب و شرک اور جرأت علی اللہ کرنے لگے۔ زمین پر بغاوت سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے دور دور تک فساد پھیلایا بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ درانحالیکہ وہ غیر الحق کے ساتھ ملتبس تھے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ ان کے غلط عقیدہ کی تاکید کے لیے بغیر الحق کہا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ وہ اپنے گندے عقیدے سے باخبر ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ جو عمل کر رہے ہیں وہ مبطل ہے۔ یہ یقتلون النبیین بغیر الحق کی طرح ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے باغی لوگو! اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ بیشک تمہاری بغاوت جس کا تم ارتکاب کر رہے ہو۔ یہ مبتدا ہے

اور اس کی خبر عَلیٰٓ اَنۡفُسِکُمۡ تمہارے نفسوں پر ہے یعنی تمہاری بغاوت کا وبال تمہاری طرف لوٹے گا اور اس کی سزا صرف تمہیں ملے گی نہ انھیں جن پر تم بغاوت پھیلا رہے ہو اگرچہ تم یہی سمجھتے ہو کہ تمہاری اس بغاوت سے انھیں نقصان ہے اور تمہیں فائدہ اور تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے مَتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا اس کا منصوب ہونا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور فعل مقدر کی تاکید کرتا ہے اور وہ جملہ مستانفہ ہے دراصل عبارت یوں ہے:

تتمتعون متاع الحیٰوۃ الدنیا۔

اور حیاۃ دنیا کے مال و متاع سے چند روز نفع اٹھاؤ گے اور تمہیں معلوم ہے کہ دنیا اور اس کی تمام لذات فانی اور چند روزہ ہیں اور اس کی سزائیں مجرموں کے لیے دائمی اور باقی ہیں۔ ع

ہر کہ او بدمی کند بے شبہ باخود می کند

جو کوئی برائی کرتا ہے وہ یقیناً اپنے ساتھ کرتا ہے۔

ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ پھر تمہارا ہماری طرف لوٹنا ہے یعنی قیامت میں تم ہمارے ہاں حاضر ہو گے نہ کسی دوسرے کی طرف فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ پس ہم تمہیں تمہارے اعمال کی خبریں دیں گے یعنی دنیا میں تم جن اعمال کا ارتکاب کرتے تھے ان کی تمہیں سزا دیں گے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب اپنے مخالف کو ڈراتے ہوئے کہتے ہیں:

ساخبرك بما فعلت۔

یعنی میں تمہیں تمہارے کیے کی خبر دوں گا یعنی سخت سزا دوں گا۔

اور سزا کو اظہار کے بجائے تنبئۃ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ہر دو علم کا سبب ہیں۔

مسائلِ فقہیہ

مسئلہ: کشتی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس لیے کہ دریا کو عبور کرنے کے لیے اس کی عام ضرورت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ھو الذی یسیرکم الخ فرما کر اپنے بندوں کو احسان جتلایا ہے۔

مسئلہ: مشارق الانوار میں ہے کہ دریا کا عبور بذریعہ کشتی وغیرہ مرد و عورت کے لیے جائز ہے یہی جمہور کا مذہب ہے لیکن عورتوں کو مکروہ ہے اس لیے کہ غالباً ایسے سفر میں عورتوں سے پردہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی اور کشتی بان عموماً عورتوں کو دیکھنے سے نہیں بچ سکیں گے۔ بالخصوص چھوٹی کشتیوں میں عورتوں سے پردہ نہیں ہو سکتا عموماً ان کے جسم کھل جاتے ہیں اور وہ قضائے حاجات مردوں کے سامنے نہیں کر سکتیں حالاں کہ وہ ضروری امور ہیں۔

حدیث شریف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دریائی سفر صرف حج یا عمرہ کرنے والا یا جنگ پہ جانے والا کرے اس لیے کہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے اور دریا ہے۔

شرح الحدیث دریا کے نیچے حقیقی طور پر آگ نہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جیسے آگ میں پڑکر انسان کو ہلاکت و تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایسے ہی دریا کو عبور کرنے والے کو سامنا کرنا پڑے گا۔ اور حدیث شریف کا یہ فرمان کہ آگ کے نیچے دریا ہے، اس میں دریا کے سفر کی ہولناکیوں کا اظہار ہے اور اسی طرح ڈرایا گیا ہے جیسے آگ سے انسان کو خطرات محسوس ہوتے ہیں ایسے ہی دریائی سفر سے خطرات کا اندیشہ ہے اس لیے دریا کا سفر دنیا کی معمولی منفعت اور تھوڑے سے فائدہ کے لیے ہلاکت و تباہی میں پڑنا سفاہت و حماقت ہے اس لیے کہ عمداً نفس کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنا بیوقوفی اور جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ نتیجہ نکلا کہ دریائی سفر صرف اسی لیے کیا جائے جو طاعتِ الٰہی کا موجب ہو۔

مسئلہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حج وعمرہ اور جہاد وغیرہ دریا کے سفر کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے تو دریا کا سفر واجب ہے۔

مسئلہ: جسے حج وعمرہ وجہاد وغیرہ کی ادائیگی کے لیے دریا کے سفر میں مشقت وتکلیف مثلاً سر چکرانا اور متلی کا ہونا ہو تو اسے شہید کا ثواب نصیب ہوگا۔

مسئلہ: اسی طرح دوسرے ایسے امور جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت مطلوب ہو مثلاً جہاد و حج اور طلبِ علم اور قریبی رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے دریائی سفر کر کے جانے میں مشقت اور تکلیف کا وہی اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ سفر دریا کو عبور کیے بغیر نہ ہو سکتا ہو۔

مسئلہ: تجارت کے لیے بھی دریا عبور کر کے سفر کرنا جائز ہے اور وہی ثواب ہے جو مذکور ہوا لیکن وہ بھی اسی طرح کہ وہ اس کے بغیر عبور نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے وہ تجارت مراد ہے جو حصولِ رزق کے لیے ہو اگر ذخیرہ اندوزی کی تجارت ہو تو اسے ثواب مذکور نہیں ملے گا۔

مسئلہ: دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو دو شہیدوں کا ثواب نصیب ہوگا:

۱۔ اسی اطاعت کا جس کے لیے دریا عبور کر رہا تھا۔

۲۔ دریا میں ڈوب کر مرنے کا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس پر حج فرض ہو وہ اسے ادا کرے تو اسے دس غزوات سے بھی زیادہ ثواب ملے گا اور جس نے حج فرض کر لیا ہے لیکن اب نفلی حج پڑھتا ہے تو اس کے ایسے دس حجوں سے ایک دفعہ جنگ کی حاضری سے زیادہ ثواب نصیب ہوگا اور عام دس جنگوں سے دریائی سفر کی ایک جنگ افضل ہے جس سے میرے ساتھ ایک دفعہ جنگ نہ ہو سکی تو اسے دریائی سفر کی جنگ کرنی لازم ہے۔

مسئلہ : صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں : روزے کا مسئلہ اس کے برعکس ہے اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دریائی سفر میں روزہ رکھنا آسان ہے ۔ عموماً کشتی وغیرہ میں سر چکرانے اور متلی وغیرہ کی وجہ سے طعام وغیرہ کی خواہش بہت کم ہوتی ہے اور دُوسرے سفروں میں بھوک و پیاس بہت ستاتی ہے اور شرعی قاعدہ ہے کہ اجر بقدر دُکھ اور تکلیف کے نصیب ہوتا ہے ۔ یہی کیفیت جنگی معاملات کی ہے کہ غیر دریائی سفر جنگوں میں عموماً آسان ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ سفر آزادی سے ہوتا ہے اور دشمن سے تحفظ کے اسباب مہیا ہو سکتے ہیں اور قوت مزاج بھی اپنے قابو میں ہوتی ہے جبکہ دریائی سفر میں یہ باتیں نہیں ہوتیں ۔

لطیفہ : کسی سے پُوچھا گیا کہ دریائی سفر میں تم نے کون سا عجیب تر امر دیکھا؟

اس نے جواب دیا : سلامتی منہ

یعنی میرا دریا سے صحیح سالم زندہ بچ کر نکلنے سے عجیب تر اور کوئی امر نہیں ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بدریا در منافع بیشمارست
اگر خواہی سلامت در کنار است

یعنی دریا میں منافع بہت زیادہ ہے لیکن سلامتی اس کے کنارے میں ہے

نیز فرمایا : ؎

سود دریا نیک بودے گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدے گر نیستی تشویش خار

ترجمہ : دریا کے منافع خوب ہیں اگر طغیانی کا خوف نہ ہوتا گل کی صحبت بھی اچھی اگر کانٹے کا خطرہ نہ ہوتا ۔

حکایت مثنوی اور لطیفہ نحوی[1] عالم کشتی پر سوار ہُوا تو کشتی بان سے پُوچھا : بھائی ! تجھے کچھ نحو کے قواعد بھی معلوم ہیں ؟

کشتی بان نے کہا : نہیں ۔

نحوی نے کہا : تو پھر آدھی زندگی ضایع گئی ۔

جب کشتی دریا کی موجوں کے گرداب میں آئی اور ہوا بھی مخالف سمت چل پڑی تو کشتی بان نے نحوی سے

---

[1] علم نحو کا جاننے والا ۔

پوچھا: آپ تیرنا جانتے ہیں؟
نحوی نے کہا: نہیں۔
کشتی بان نے کہا: اب تمہاری ساری زندگی برباد جاتی ہے۔
مثنوی شریف میں ہے:

محو مے باید نہ نحو اینجا بداں
گر تو محو می بے خطر در آب راں
آب دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد
چوں بمردی تو ز اوصاف بشر
بحر اسرارت نہد بر فرق سر
اے کہ خلقاں را تو خر می خواندہ
ایں چوں خر بریں یخ ماندہ

ترجمہ: انسان کو محویت سیکھنی چاہیے نہ کہ نحو۔ اس لیے محویت نصیب ہو تو دریا کی طغیانی اور اس کی موجیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ دریا کا پانی مُردے کو اٹھا کر لے جاتا ہے اس لیے کہ اگر یہ انسان زندہ ہوتا تو دریا سے کس طرح بچ کر نکلتا۔ اسی طرح سالک کی حالت ہے کہ جب وہ اوصافِ بشریہ سے پاک ہو جاتا ہے تو اسے بحرِ اسرار سر پہ اٹھا لیتے ہیں جب تم ہر ایک کو گدھا کا خطاب دیتے ہو تو بجز حالت بھی یہی ہے کہ یخ بستہ میں بندھے پڑے رہو۔

نسخہ روحانی بغاوت، فساد، تعصب، عناد اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری رب تعالیٰ کے ساتھ الست کے وعدہ کے نسیان کی وجہ سے ہیں اور ایسا نسیان گناہوں کی طرف لے جاتا ہے جس سے قیامت میں انتقامی طور پر سخت مواخذہ ہوگا۔

حدیث شریف: دو شخصوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بہت جلد سزا دیتا ہے:
۱۔ ماں باپ کے نافرمان کو
۲۔ زمین پہ بغاوت پھیلانے والے کو

حدیث شریف: مکر و فریب نہ کرو اور نہ ہی مکار کو ڈھارس دو۔ بغاوت نہ کرو اور نہ ہی باغی کی مدد کرو۔ عہد شکنی نہ کرو اور نہ ہی عہد شکن کی معاونت کرو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا حاکمِ وقت باغی وظالم ہو تو دنیوی سیاسی امور میں اس کی اعانت حرام ہے[1] ہاں شرعی امور میں ان کی امداد ضروری اور لازمی ہے۔

حدیث شریف: جو ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے۔

حدیث شریف: جسے اللہ تعالیٰ کسی علاقہ کی حکومت وسلطنت بخشتا ہے اگر وہ اپنی رعیت کے درپے آزار ہوتا ہے اور ان کے امور میں کوتاہی کرکے ان کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر بہشت حرام فرما دیتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

رعیت چو بیخند سلطان درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش

گر انصاف پرسی بد اختر کسیت
کہ در راحتش رنج دیگر است

نماند ستمگار بد روزگار
بماند برو لعنت پائدار

ترجمہ: رعیت جڑیں اور بادشاہ درخت ہے اور کوئی درخت جڑوں کے بغیر مضبوط نہیں ہوتا جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے خلقِ خدا کو دُکھ اور رنج نہ پہنچاؤ ورنہ یقین کیجئے کہ تم اپنی جڑ اپنے ہاتھ سے خود اکھاڑ رہے ہو۔ انصاف یہ ہے کہ وہ بہت کمینہ و رذیل انسان ہے جو اپنی راحت کی خاطر دوسروں کو پہنچاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ظالم کا ظلم ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ اس پر ہمیشہ کے لیے لعنت برستی ہے۔

ف: ہر عمل کی ایک شکل وصورت ہے اگر نیک عمل ہے تو قیامت میں اس کے لیے نیک صورت ظاہر ہے اگر بُرا عمل ہے تو بُری صورت پیش ہوگی لیکن دنیا میں اس کا معاملہ برعکس ہے کہ اچھے عمل بُرے لگتے ہیں اور بُرے اچھے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ بھلے محسوس ہوتے ہیں اس لیے ان کے ارتکاب میں انہیں لذت محسوس ہوتی ہے اگرچہ درحقیقت وہ زہرِ قاتل سے بھی زیادہ ضرررساں ہیں اور نیکیاں انہیں اچھی نہیں لگتیں بلکہ نیکیاں انہیں کڑوے

---

[1] یہی نقطۂ نگاہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا کہ آپ ظالم خونخوار یزید کے ساتھ برسرِپیکار ہوئے لیکن بعض بدبخت حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس کارروائی کو بغاوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

گھونٹ محسوس ہوتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ شہد سے بھی زیادہ میٹھی اور لذیذ ہیں اسی وجہ سے باغیوں کا دنیا میں بغاوت محبوب مشغلہ ہے اس لیے کہ انھیں لُوٹ مار کا مال و اسباب میسر آتا ہے دشمنوں پر حملہ کر کے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں وغیرہ۔ وسیئبئهم اللہ باعمالهم اللہ تعالےٰ انھیں قیامت میں ان کے اعمال کی بُری صورتیں دکھائے گا۔ ان صورتوں کو دیکھ کر افسوس کرتے ہُوئے کہیں گے: ع

غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

یعنی ہم نے سمجھا کچھ تھا اور ہُوا کچھ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا بیشک حیات دنیا کی مثال یعنی دنیا کا حال عجیب سا ہے۔ دنیا اس کہاوت کے مشابہ ہے جو عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے بطور مثال بر محل بیان کی جائے۔ کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اس پانی کی طرح جسے ہم نے آسمانوں سے اتارا تو وہ زمین کی انگوریوں سے مل جائے یعنی اس پانی کی وجہ سے انگوریاں ایک دُوسری سے ایسے مل جائیں گویا وہ آپس میں پنجہ ملائے ہُوئے کھُل کر زمین سے باہر آجائیں مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ یہ نبات سے حال ہے یعنی ان انگوریوں کا یہ حال ہے کہ انھیں لوگ کھاتے ہیں جیسے اناج اور سبزیاں وَالْاَنْعَامُ ط اور جانور گھاس چرتے ہیں حَتّٰٓی یہ اختلاط کی غایت ہے باعتبار جزا کے کہ جب امرِالٰہی ہوتا ہے اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا جب زمین اپنی زیب و زینت اور نقش و نگار لیتی ہے وَازَّیَّنَتْ اور دُلہن کی طرح کھیتوں کی مختلف شکلوں اور پھلوں سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتی ہے یعنی جیسے دُلہن رنگا رنگ لباس سے ملبوس اور مختلف النوع زینتوں سے سنگاری جاتی ہے ایسے ہی زمین کھیتوں اور پھلوں سے مزین ہو جاتی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے اس لیے اسے دُلہن سے تشبیہ دے کر اس کے لیے دُلہن کے مناسب اشیاء ثابت کی گئی ہیں یعنی سنگار کی اشیاء۔ یہی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہے اور ازّیّنت ترشیح ہے یہ در اصل تزینت تھا، تاء کا زاء میں ادغام کیا گیا ہے پھر ابتداء بالسکون محال ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصلی لایا گیا ہے۔ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اور اس زمین میں کے گمان کرتے ہیں اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ بیشک وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ جو کچھ انہوں نے بویا یا جو کھیتی پک گئی اسے اٹھانے پر اپنے قابو میں رکھنے والے ہیں اَتٰىهَآ اَمْرُنَا یہ اِذَا کا جواب ہے کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اچانک اسی زمین پر ہمارا عذاب یعنی ہمارا فرمان آتا ہے کہ اس زمین میں خرابی پہنچتی ہے لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا رات کو یا دن کو تو ہم اس زمین کی کھیتیوں کو (اسی طرح جو کچھ ان میں ہوتا ہے) کر دیتے ہیں یہاں مضاف محذوف ہے اسے مبالغہ کے طور حذف کر دیا گیا ہے حَصِیْدًا اکٹی ہوئی اس شے سے اسے تشبیہ دی گئی ہے جسے جڑ سے اکھاڑا جائے كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط گویا وہ کھیتی پیدا ابھی نہ ہوئی تھی بالامس اسی وقت، یہ زمانۂ قریب کے لیے کہاوت کے

طور استعمال کیا جاتا ہے یہاں پر امس سے معروف معنے مراد نہیں بلکہ حاضر وقت مراد ہے اب معنیٰ یوں ہوا کر گو یا وہ کھیتی اس وقت تھی ہی نہیں۔ جب کوئی شے فنا ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں:

لو یغن بالامس۔

یعنی وہ شے تھی ہی نہیں۔

غنی از باب علم مثلاً کہا جاتا ہے:

غنی بالمکان۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس میں ٹھہرے۔ اور یہ جملہ جعلنٰھا کے مفعول سے حال ہے کَذٰلِكَ یہ کاف صفت کے لیے اور اس کا موصوف مصدر محذوف ہے دراصل عبارت مثل ذالك التفصیل البدیع تھی یعنی اس عجیب و غریب کی تفصیل کی طرح نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ہم آیاتِ قرآنیہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں منجملہ یہی آیات ہیں جو حیاتِ دنیا کے احوال پر تنبیہ کرتی ہیں نفصّل بمعنے توضح و نبین ہے لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ تفکر و تدبر کرنے والوں کے لیے یعنی وہ لوگ جو ان آیات کی تفصیل اور ان کے معانی سے واقفیت رکھتے ہیں تفصیل آیات اگرچہ ہر ایک کے لیے ہے لیکن چونکہ یہی لوگ ان سے منتفع ہوتے ہیں اسی لیے انہی کی تخصیص کی گئی ہے۔

ف: آیت میں جو تشبیہ واقع ہوئی یہ تشبیہ مرکب ہے اگرچہ کاف تشبیہ لفظ الماء مفرد پر داخل ہے اس لیے کہ اجتماعِ حیوٰۃ اور اس کی رونق پھر لوگوں کے دل لبھا کر جلد تر اس کے ختم ہونے ہیئتِ اجتماعیہ کو زمین کی سبزی کے اجتماع اور اس کی رونق پھر آفتِ سماویہ و مشیتِ ایزدی سے اس کے مٹ جانے کی ہیئت منتزعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ؎

بنگر آنکہ روئے زمین فصلِ نوبہار
مانند نقش خامۂ مانے مزینست
وقت خزاں برگ ریاحین چوں بنگری
منصف شوی کہ لائق برباد دادنست

ترجمہ: زمین کو دیکھئے کہ موسم بہار میں ہمارے قلم کے نقش کی طرح منقش اور رنگین نظر آتی ہے لیکن موسم سرما سرما میں پھل پھول دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ اشیاء بھی برباد ہونے کے لائق تھیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا:

حیوٰۃ دنیا کو پانی سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح پانی کافی دیر ایک جگہ پر ٹھہرنے سے بدبودار ہو جاتا ہے ایسے ہی مال کو جب خرچ نہ کیا بلکہ وہ مال مذموم ہوتا ہے اور روکنے سے بندہ بخل کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

۵

مال چوں آبست تا باشد رواں
فیضہا یابند از د اہل جہاں
چند روزے چوں کند یکجا درنگ
گندہ و بیجا عفونت و تیرہ رنگ

ترجمہ : مال پانی کی طرح ہے لیکن جب وُہ پانی چلتا رہتا ہے تو اس سے سارا جہان فیضیاب ہوتا اگر اسے چند روز کہیں ٹھہرایا جائے تو وُہ پانی بدبو دار اور بے کار اور رنگ بدل لیتا ہے ایسے ہی مال کی کیفیت ہے۔

مسئلہ : صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بھی بخل میں شامل ہے کہ کسی کو دینی کتاب مطالعہ کے لیے نہ دی جائے بالخصوص وُہ کتاب جس کے گنتی کے چند نسخے ہوں جس کے پڑھنے کے لیے لوگوں کو سخت ضرورت ہو، ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے جس کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علم کو چھپایا باوجودیکہ اسے خوب جانتا اور دُوسروں کو بتانے کی قدرت رکھتا ہے لیکن بتاتا نہیں تو قیامت میں اس کے منہ میں جہنم کی لگام چڑھائے گی۔

کتابوں کے بخلاء

بہت سے بڑے بدبختوں کو دیکھا گیا ہے کہ وُہ خود تو جاہل ہیں اور ان کی اولاد میں بھی لاشعوری اور ان کے ہاں آباؤ اجداداً دینی کتب کا بہترین ذخیرہ یا معمولی چند کتب موجود ہوتی ہیں تو پڑھنے والوں کو بڑی ضرورت کے باوجود دیکھنے نہیں دیتے پھر وہ چند روز کے بعد خراب ہو جاتی ہیں یا دیمک کا شکار ہو جاتی ہیں[1] ان بیوقوفوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کپڑا خرید کے صندوق میں بند کر کے رکھ دیتا ہے نہ اسے بیچتا ہے نہ خود پہنتا ہے نہ کسی کو ہبہ کرتا ہے بالآخر وُہ پھٹ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر ان احمقوں کو کہا جائے کہ علمی ذخیرہ ضائع ہو جائے گا کسی کو پڑھنے کے لیے دے دیں خواہ قیمتاً۔ تو جواب دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے بزرگوں کا ورثہ ہے ہم تو اسے تبرک کے طور گھر سے باہر نہیں نکالیں گے۔ اس کی حماقت کا کیا علاج، کہ بالآخر وہ علمی خزینہ ضائع ہو جاتا ہے[2]

---

[1] یہ وعید ہمارے ان جاہلوں کے لیے فٹ آتی ہے جن کے باپ دادا علمائے دین تھے اور انھوں نے کتابیں گھر میں چھپا رکھی ہیں صرف اس غلط نظریہ پر کہ یہ ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں۔ ان بندگانِ خدا کو کون سمجھائے کہ اسلاف کی ارواح تمہیں بددُعا دے گی کیونکہ ان کے ذخیرۂ علمی کو تم نے گھر میں رکھ کر ضائع کر دیا۔

[2] ہم نے آنکھوں سے کئی ایسے خزینے برباد ہوتے دیکھے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حیوٰۃ دنیا کو بارش سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بارش بقدرِ ضرورت ہو تو نفع بخش، اور اگر حدِ اعتدال سے متجاوز ہو تو نقصان دہ ہوتی ہے ایسے ہی دنیوی مال و اسباب اگر ضرورت پورا کرنے تک محدود ہو تو مفید ہوتا ہے، اس سے دینی و دُنیوی منافع مطلوب ہو تو وہ مال نافع ہے اگر زاید از ضرورت ہو تو وہ گناہوں کے ارتکاب کا مُوجب بنتا ہے بلکہ جب کمینہ آدمی دنیادار ہو تو اپنے سے نچلے طبقے کو حقارت سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔

بیشک انسان سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اسے اللہ نے غنی کر دیا۔

تونگری کشدت سوئے عجب و نخوت و ناز
خوشست فقر کہ دارد ہزار سوز و نیاز

ترجمہ: دولت مندی عُجب و نخوت اور تکبّر کی طرف لے جاتی ہے۔ فقر و تنگ دستی بہت اچھی ہے کہ اس میں ہزاروں سوز و نیاز ہیں۔

لطیفہ: بارش باغ کی لطافت و طراوت بڑھاتی ہے لیکن وہی بارش کانٹے کی تیزی و سختی میں اضافہ کا موجب بنتی ہے ایسے ہی اگر مال نیک بخت کے ہاں ہو تو اس کی نیک بختی میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نعم المال الصالح للرجل الصالح۔

نیک بخت کو مال صالح اچھا ہے۔

اگر بدبخت کو مال حاصل ہو تو اس کی بدبختی بڑھتی ہے اس کی سرکشی اور عناد میں اضافہ ہوتا ہے۔

ف : علمِ نافع انسان سے خواہشِ نفسانی مٹاتا ہے اور علم غیر نافع انسان کو راہِ حق سے ہٹاتا ہے۔ علمِ نافع اعلیٰ دولت اور علمِ غیر نافع انسان کے لیے وبال ہے۔

ف : بعض بزرگ فرماتے ہیں جیسے بارش کا پانی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتا ایسے ہی مال بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا بلکہ ہر نئے مالک کے پاس پہنچتا ہے وہ کسی سے وفا نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی وفا کو بقا ہے۔

گنج امان نیست دریں خاک داں
مغز وفا نیست دریں استخواں

کہنہ سرائیست بصد جا گرو
کہنہ و اندر گرو نو بنو

ترجمہ: اس عالم خاکداں میں کہیں عافیت نہیں اس ہڈی میں مغز کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے یہ پرانی سرائے ہے اس کے باوجود سینکڑوں جگہ پر رہن ہے پھر کہنہ سرائے سے دل لگانا کیسا جبکہ وہ ہر لحظہ نئی جگہ رہن کے طور رکھی ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُنیا کی حقیقت کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: دنیا اس شے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالٰے کی مشغولیت سے باز رکھے۔

صاحبِ رُوح البیان کا نکتہ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دُنیا ماں کی طرح پرورش کرتی ہے۔ جو بچہ ماں کی پرورش پہ خوش رہ کر کسی استاذ سے تعلیم نہ پائے وُہ جاہل رہتا ہے۔ ایسے ہی طالبِ دُنیا جو صرف اسی کی محبت میں گرفتار رہ کر کسی مرشد کا دامن نہ پکڑے تو وہ اس دنیا کی محبت میں نہ صرف گرفتار ہوگا بلکہ اسے اپنا معبود بنالے گا اور ہمیشہ کے لیے اس کی پرستش میں لگا رہے گا اگر وہ دُنیا کی محبت کے بجائے کسی مرشد کامل کا دامن پکڑ لے تو عارف باللہ ہو کر دنیا کی تمام علائق سے محفوظ بھی ہوگا اور وصول الی اللہ کا مرتبہ بھی اسے نصیب ہوگا۔

سبق: دنیا فی نفسہٖ اچھی ہے صرف مذموم اس لیے ہے کہ اس سے بندہ کو شغلِ باللہ سے محرومی ہوتی ہے۔

عالمِ دنیا کا حدودِ اربعہ بعض کا خیال ہے کہ کوہ قاف سے کوہ قاف تک کا نام دُنیا ہے لیکن محققین فرماتے ہیں کہ کُرسی سے تحت الثریٰ تک دُنیا ہے اسی سے کون وفساد کو تعلق ہے اسی معنے پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور مافیہا دنیا میں داخل ہیں اس لیے کہ یہ کون وفساد کے عالم سے ہیں۔

عالمِ آخرت کا حدودِ اربعہ عرش وکرسی اور اعمال صالح اور ارواحِ طیبہ اور جنت و مافیہا عالمِ آخرت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعلق بالغیر سے بچا کر تجرد تام عن عالم الامکان نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَاللّٰہُ لفظ اللہ ذاتِ حق کا نام ہے اور یہی لفظ جامع جمیع الاسماء والصفات ہے اسی لیے بعض صوفیاء کرام اسی اسم کو عالمِ حقیقت کے داخلے کے لیے وسیلہ سمجھتے ہیں۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا:
آپ اسم اللہ کا عام ورد رکھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ کا ورد کیوں نہیں فرماتے؟
فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ میں نفی ہے مجھے اس نفی سے وحشت آتی ہے۔ یعنی اسم اللہ ہی دخولِ حقیقت کے لیے

کافی ہے۔

یَدْعُوْا اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وارثین اولیائے کاملین جو ان کے قول و فعل اور حال میں مکمل طور پر متبع ہیں، کے ذریعے سے دعوت دیتا ہے اِلٰی دَارِالسَّلٰمِ اس دار کی طرف جو ہر مکروہ و آفت سے سلامتی والی ہے یعنی بہشت کہ جس کا اوّل عطا، اوسط رضا اور اس کا آخر (انجام) لقاء (دیدار الٰہی) ہے۔

حکایت ایک بادشاہ نے نہایت عالی شان محل تعمیر کرایا اور اس پر زرِ کثیر خرچ کیا، سجاوٹ میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑی۔ اپنی رعایا کو محل دکھانے کے لیے دعوت دی۔ جب ایک گروہ کھانے سے فارغ ہو کر لوٹتا تو ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے اس محل میں کوئی عیب پایا ہو تو بتاؤ۔ سب اس محل کی تعریف کرتے۔ آخر میں ایک گروہ تشریف لایا۔ جن کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ فراغت کے بعد ان سے بھی محل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: محل میں دو عیب ہیں۔

انہیں روک لیا گیا اور بادشاہ کو اطلاع ہوئی بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں میرے ہاں لاؤ۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بادشاہ نے پوچھا: اب بتائیے محل میں وہ دو عیب کون سے ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

ایک یہ کہ ایک دن اس محل کو فنا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کے مالک کو موت آئے گی اور وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

بادشاہ نے ان سے سوال کیا:

کوئی ایسا محل ہے جسے فنا نہ ہو اور کوئی ایسا طریقہ ہے کہ اس کے مالک پر موت بھی نہ آئے؟

انہوں نے کہا: ہاں وہ بہشت ہے جسے فنا نہیں۔

انہوں نے بادشاہ کو بہشت کی نعمتوں کی تفصیل بتائی اور اس کے لیے بڑا شوق دلایا۔ پھر دوزخ کے متعلق اسے سمجھایا اور اس کے عذاب سے بھی آگاہ کیا اور اسے اس سے بہت ہراساں کیا اور اللہ تعالیٰ کی دعوت دی۔ ان کی باتوں سے بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت تائب ہوا اور سلطنت کو ترک کر کے فقیرانہ و درویشانہ زندگی بسر کرنے پر راضی ہوا اور تلاشِ حق میں نکل پڑا۔ ؎

واللہ یدعوا آمدہ آزادی زندانیاں
زندانیاں غمگین شدہ کوئی بزندان میکشی
شاہان سیفہا زاہمہ در بند زندان میکشند
تو از چہ از زنداں شان سوئے گلستان میکشند

ترجمہ : واللہ یدعوا قیدیوں کی رہائی کے لیے وارد ہوا ہے لیکن قیدی غمگین ہو کر اُلٹا قیدخانہ کی طرف بھاگتے ہیں بیوقوفوں کے سردار تمام قیدخانہ کے شوق میں رہتے ہیں پھر تم اے نصیحت کرنے والو! ایسے بدبختوں کو کس طرح قیدخانہ سے باغ کی طرف کھینچ کر لاسکتے ہو۔

حدیث شریف : ہر روز طلوعِ شمس کے ساتھ دو فرشتے منادی کرتے ہیں جسے انس و جن کے سوا ہر شے سنتی ہے کہ اے لوگو! اپنے رب تعالیٰ کی طرف آؤ، وہی تمہیں دارالسلام کی دعوت دیتا ہے۔

سبق : عمل صالح سے مقصود بہشت کا داخلہ ہے اور بس۔ اسی لیے بعض مشایخ نے فرمایا کہ: ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور اطاعت واجب فرمائی ہے اور وہ صرف اس لیے کہ اس کے بندے بہشت میں داخل ہوں اس لیے کہ طاعات کا انجام بخیر بہشت سے ہوتا ہے اگرچہ اسباب عدمی شے ہیں اور اصلی مقصود بہشت ہے اور یہ بھی عوام کیلئے ہے کہ انہیں دعوت واجابت کی ضرورت ہے کہ وہ اسباب عادیہ کے عادی ہیں بخلاف اہلِ حق کے کہ وُہ اپنی محبت و وفا کے تحت اسبابِ عادیہ کے محتاج نہیں انہیں دعوت و اجابت نہ بھی ہوتی تب بھی حق عبودیت کی ادائیگی میں جد و جہد کرتے اور وُہ اپنے معبود کے مشاہدہ کے لیے حقوق کی پابندی کرتے ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے دارالسلام کا معنیٰ دار اللہ کیا ہے اس لیے کہ السلام اللہ تعالےٰ کا نام ہے۔ اس معنے پر اس میں بیت اللہ کی طرح اضافت تشریفی ہے اور وہ سلام اس معنیٰ پر ہے کہ اس کی ذات صفات تمام عیوب و نقائص سے منزّہ ہے اور بندے کو بھی سلام کہا جاتا ہے وُہ اس معنے پر کہ اس کا دل حسد، کینہ، ہر غل و غش اور ارادۂ شر سے، اور اس کے اعضاء جرائم ومعاصی سے پاک ہوتے ہیں لیکن یاد رہے کہ لفظ سلام اور اسلام ہر اس انسان کے لیے موزوں ہیں جس کی زبان اور ہاتھ سے ہر مسلمان محفوظ ہو۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ دار السلام سے وہ دار مراد ہے جہاں بندگان خدا مقیم ہوں گے تو ان پر اللہ تعالےٰ اور ملائکہ کرام السلام علیکم کہیں گے یا اس لیے کہ وہاں اہلِ بہشت ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں گے۔

فائدہ صوفیانہ صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دار السلام سے دار القلب السلیم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دل ما سوی اللہ کے تعلق سے بالکل پاک ہوتی ہے پھر جسے ایسا دل نصیب ہوتا ہے وہ تمام ظاہری مکروہات کے ہر تکدر (خرابی) سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اس پر نار بھی نور ہوتی ہے۔ (ایضاً)

بعض مشایخ نے فرمایا کہ دار السلام سے جنت معجلہ اور جنت مؤجلہ مراد ہے۔ جنة معجلہ سے معارف علوم اور جنة مؤجلہ سے دار قرار (میں جتنا انوار و تجلیات نصیب ہوں گے) مراد ہے۔ یاد رہے کہ مطلقاً جنت سے دار السلامة مراد ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہو گی۔

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اور جس کے لیے چاہتا ہے رہبری فرماتا ہے اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ اس سیدھے راستہ کی طرف، جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اس سے اسلام اور تقویٰ کی پونجی مراد ہے۔

سوال: دعوت عام اور ہدایت خاص لوگوں کو کیوں؟

جواب ۱: تاکہ معلوم ہو کہ وہ مستغنی بالذات ہے اسے مخلوق میں کسی کی حاجت نہیں۔

جواب ۲: چونکہ بندے طبائع کے لحاظ سے مختلف ہیں، ایک وہ ہیں جو سنتے ہیں لیکن قبول نہیں کرتے۔ دوسرے وہ ہیں جو سن کر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اسی لیے دعوت تو سب کو عمومی طور ہوئی لیکن سرِ تسلیم خم کرنا خواص کو نصیب ہوا۔ دعوت کی مثال ایک خوشبو کی سی ہے کہ وہ اپنی مہک سب پر یکساں پھیلاتی ہے لیکن جس کی ناک زکام سے بند ہو وہ خوشبو کی لذت سے محروم ہے اگرچہ خوشبو کی ظاہری صورت کو وہ دیکھ رہا ہے لیکن اس کے استفادہ سے محروم۔ اسی طرح بہت سے بہت سے بندگانِ خدا کلامِ الٰہی سنتے ہیں لیکن اسے قبول نہیں کرتا۔

ف: اللہ تعالیٰ جس بندے کے لیے ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ہدایت کے قبول کرنے کے اسباب آسان اور راہ حق کا دانستہ کھل کر سامنے آجاتا ہے بلکہ ایسے بندے کو جادۂ حق پر چلنے سے ہی قرار نصیب ہوتا ہے۔

ف: داعی حقیقی تو اللہ تعالیٰ خود ہے اس کی نیابت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام و علماء عظام داعی مجازی ہیں اور مدعو تمام انسان اور مدعو لہ بہشت ہے۔ اسی طرح ہادی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور مہدی بالہدایۃ خاصہ خواص لوگ اور مہدی الیہ صراطِ مستقیم ہے۔

عقیدہ: مشیئت و ارادۂ الٰہی علم و قدرت وغیرہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات اور قدیم بالذات ہیں۔ مشیئت و ارادہ کا متعلق مراد ہے جسے عنایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: جو اپنی استعداد سے مظہرِ جلال کا مصداق ہے تو وہ دعوتِ حق کی قبولیت سے محروم رہتا ہے اور جو مظہرِ جمال کا مصداق ہے وہ دعوت کو فوراً قبول کر لیتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی مشیئت بھی اسی استعداد کے مطابق متعلق ہوتی ہے۔ لیکن استعداد کے سوال و اجابت کا مطابق ہونا ضروری ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئے
چنانکہ پرورشم می دہند مے رویم

ترجمہ: میں چمن کو کوئی ملامت نہیں کرتا اس لیے جتنی اس کی پرورش ہوتی ہے اتنا ہی بڑھتا، پھولتا پھلتا ہے۔

دعوتِ الٰہی قبول کرنے کی علامت دعوتِ الٰہی کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ بندہ دُنیا اور اس کے جمیع تعلقات سے فارغ ہوکر جنت الفردوس کی راہ پر گامزن ہو اور از ہمہ سُو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ شکار کو نکلے تو آپ کے سامنے لومڑی یا ہرنی آئی آپ نے اسے شکار کرنے کے لیے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا تو ہاتف نے آواز دی:

الھٰذا خلقت۔

کیا تم اسی لیے پیدا ہوئے تھے۔

ام بھٰذا اُمرت۔

کیا تمہیں شکار کے لیے مامور فرمایا گیا۔

آپ نے اس طرف توجہ نہ دی پھر وہی آواز دوبارہ سُنی تو گھوڑے سے اُتر پڑے ایک چرواہے سے اُون کا لباس لے کر پہن لیا اور شاہی گھوڑا و دیگر سامان اسی چرواہے کے سپرد کر کے جنگل کی راہ لی پھر وُہ مرتبہ پایا جس پر اولیاءِ کرام رشک کرتے ہیں۔ ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کے راہ میں شیطانی وسوسے بہت ہوتے ہیں ہوش کر کے دل کے کان فرشتۂ غیبی کی طرف متوجہ کرے۔

ف: نیند کی غفلت سے جاگ اُٹھنا قلبی غفلت کی علامت ہے جیسے انسان نیند سے بیدار ہو کر غفلت دُور کرتا ہے ایسے جب قلب سے غفلت دُور ہوتی ہے تو عالم مشاہدات کا مشاہدہ ہوتا ہے جو لوگ اپنی طبائع کے شکنجوں میں بند ہیں وُہ اسی نیند کرنے والے کی طرح ہے کہ جیسے اسے نیند میں عالم دنیا سے بے خبری ہے ایسے ہی اسی پابند نفسانیت کو عالم مشاہدات سے اسی طرف اشارہ ہے۔

فیمسك التی قضٰی علیھا الموت۔ پس اس کی رُوح روک لی جاتی ہے جس پر موت واقع ہوتی ہے۔

اور سالکان راہ حق کی غفلت کی نیند سے ہمیشہ بیدار رہتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ویرسل الاخری الیٰ اجل مسمّی۔ دُوسری ارواح وُہ ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ چھوڑ دیتا ہے۔

اہل حق کے سامنے یہ بات واضح ولائح ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تفسیر صوفیانہ

واللہ یدعوا الیٰ دار السلٰم ۔ دار السلٰم سے عدم صورت ظاہراً اور علم الٰہی اور اس کی صفت حقیقۃ ومعنیً مراد ہے۔ عدم اور علم کو دار السلٰم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ عدم میں معدوم دوئی اور شرکت مع اللہ فی الوجود کی آفت سے سلامتی میں تھا در اصل عدم دار وحدانیت کا دوسرا نام ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور علم اس کی صفت ہے جو اس کی ذات سے قایم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ازلاً اپنے بندوں کو عدم سے وجود اور علم یعنی صفت سے فعل یعنے خلق کی طرف ابداً وجود سے عدم اور فعل سے علم کی طرف اور علم سے وجود کی طرف نفخہ کے واسطہ سے دعوت دیتا ہے کما قال:

ونفخت فیہ من روحی۔

اور میں نے اپنی رُوح اس میں پھُونکی۔

اور وجود سے عدم وعلم کی طرف جذبہ کے ذریعہ دعوت دیتا ہے کما قال تعالیٰ:

ارجعی الیٰ ربّک ۔ اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ۔

علم غیب کلی اور ردّ وہابیہ دیوبندیہ

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم علم ازلی ابدی کی طرف جذبۂ الٰہی سے دعوت دی گئی تو آپ نے دعوٰی فرمایا:

قد علمت ما کان وما یکون ۔ میں نے جو کچھ ہوا اور ہوگا تمام کو جان لیا۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم باللہ (عطائی) تھا نہ ذاتی[۱] اسی وجہ سے آپ کو علم کلی کا ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہُوئی۔

وعلّمک ما لم تکن تعلم۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عنایت فرمائے جو آپ نہ جانتے تھے۔

بس یہی راز مضمر ہے (جس راز سے تا حال وہابی دیوبندی بے خبر ہیں)

اور یہ علم کلی بھی آپ کو اس وقت نصیب ہُوا جب آپ نے کہا، لا الٰہ الا اللہ ۔ یعنی جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو فرمایا، فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ ۔

تو اس وقت سے آپ کو علم کلی حاصل ہوگیا۔ (اجمالاً تفصیلاً بعد کو ہوتا رہا)[۲]

---

[۱] لیکن افسوس کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہابی، دیوبندی علم عطائی کا انکار کرتے ہیں اور علم غیب کلی ماننے کو شرک وکفر سے تعبیر کرتے ہیں ۔

[۲] علم کلی اجمال وتفصیل کی بحث فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

فاعلم اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ علمِ الٰہی کے واسطہ سے معلوم کیجئے یعنی وہ علمِ الٰہی جس کی آپ کو جذبۂ حق کے ساتھ دعوت دی گئی ہے ان لا الٰہ کہ عالمِ وجود میں کوئی موجود نہیں الا اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ کا علم عالمِ وجود کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ کما قال ؛

قد احاط بکل شیءٍ علماً۔ علم سے اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔

اور ؛

فانت بعلمہ محیط بالوجود کلہ۔ تم بھی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دیے ہوئے علم سے عالمِ وجود کی ہر شے کو محیط ہو۔

فلہذا حقیقۃً صرف آپ کو معلوم ہے کہ عالمِ وجود میں کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

ف : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ سے سُنا کہ انتباہ صوری سے قلبی بیداری مراد ہے

صُوفی کی صُوفیانہ نماز اور وضو

وضو میں توبہ و رجوع الی اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ تکبیرِ اُولیٰ (تحریمہ) میں توجہ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کیفیت سے متنبہ ہونے میں عالمِ ملکوت کو عبور کرنے کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ ملک کا دُوسرا نام عالمِ ناسُوت ہے یہاں سے عارف کو عالمِ ملکوت میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے۔ قیام کے بعد رکوع میں جانے سے اشارہ ہے کہ عارف عالمِ ملکوت کو طے کرکے عالمِ جبروت میں پہنچ گیا ہے پھر سجدہ میں جانے سے اشارہ ہے کہ اب عارف عالمِ جبروت و وصول کو عبور کرکے عالمِ لاہوت میں پہنچ چکا ہے۔ فنا کلی کا یہی مقام ہے یہاں سے انسان کامل کو اپنے وطن اصلی علوی کی طرف جانا ہوتا ہے۔ نماز میں بظاہر انسان ہر رکن کی ادائیگی میں تنزّل کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن درحقیقت اسی تنزل میں اسے عالمِ علویات کی طرف عروج نصیب ہو رہا ہوتا ہے۔ ان مقامات کو طے کرکے رکعتِ ثانیہ کے قیام کی طرف جانے میں فنا سے بقا کی طرف رجوع ہُوا۔ یہ رجعتِ قہقری ہے کہ بظاہر تو نمازی قیام کرکے بلند ہو رہا ہے لیکن درحقیقت وہ تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ رکعتِ ثانیہ کے رکوع میں نمازی کو قابَ قوسین کا مقام حاصل ہوتا ہے اسے مقامِ صفات کہتے ہیں جس کا دُوسرا نام ذاتِ واحدیہ ہے اب کی بار سجدے سے مقامِ اَوادنیٰ تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے یہی مقام ذاتِ احدیہ کہلاتا ہے۔ یہی تفصیل تاویلات نجمیہ کے حوالے سے ہم نے ابھی اجمالی طور بیان کی ہے وہ یہ کہ کبھی بندے کو علم سے وجود کی اور کبھی وجود سے علم کی دعوت دی جاتی ہے۔

سبق : جو سالک یہی عقبات عروج و نزول طے نہیں کرسکا وہ ابھی ناقص ہے اور وہ سالک مقامِ برزخ میں ہے جو بعض طے کرچکا ہے اور ابھی کچھ اس نے طے کرنے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اجسام و ارواح اور علم و عین کے تعینات ہیں جیسا کہ ہم نے مراتب بیان کیے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالٰے نے فرمایا :

لایمسہ الا المطھرون ۔

اس آیت میں ذاتِ ہویت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے وہ حاصل کر سکتا ہے جو ہر تعین روحانی ہو یا جسمانی کے تعلقات کی گرد و غبار پاک ہے۔ (واللہ معین)

تاویلات نجمیہ میں ہے :

ویھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم ۔

جب اللہ تعالیٰ نے علم سے فعل کی اور وجود سے علم کی اپنی مخلوق کو عام دعوت دی تو مشیت سے اپنے خواص کو علم یعنی صراطِ مستقیم کی رہبری فرماتا ہے یعنی انھیں جذبۂ کاملہ سے اپنی خصوصی مشیتِ ازلی سے علم قدیم کی ہدایت فرماتا ہے حضرات صوفیاء کے نزدیک اس مقام کا نام سیر فی اللہ باللہ ہے۔

تفسیر عالمانہ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیک عمل کیے یعنی اعمال صالح اسی طرح بجالائے جیسے ان کے لائق تھا اعمال کے حسن وصفی حسن ذاتی کو مستلزم ہے ایسے اعمال کی تفسیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی :

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرو کہ گویا اسے تم دیکھ رہے ہو اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا تصور ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

فائدہ صوفیانہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی عبادت کہ جس میں شہود و حضور قلبی نصیب ہو اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک بندہ قلب کو غیر اللہ کے تصور سے فارغ نہ کرے بلکہ غیریت کا دھیان دل سے بالکل مٹا دے۔ اب للذین احسنوا کا معنی یوں ہوا کہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے اعمال ریا سے اور دل کو غیر اللہ کے تصور سے پاک کیا ۔

الْحُسْنٰى احسن کی تانیث ہے اہلِ عرب خصلتِ مرغوبہ کو الحسنیٰ کہتے ہیں وَزِيَادَةٌ اور مزید بر آں یعنی اعمال صالح کا بدلہ ثواب بھی ملے گا اور اپنے فضل و کرم سے مزید بر آں اور بھی بہت کچھ عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا :

ویزیدھم من فضلہ ۔ اور انھیں اپنے فضل و کرم سے بڑھاتا ہے۔

یعنی المثوبہ وہ اجر و ثواب جو اعمال صالح کے عوض ملے اور زیادۃ وہ لطف و کرم جو اعمال کے بغیر عنایت ہو۔ لیکن ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ دونوں اس کے لطف و کرم ہیں اعمال صالح کا ثواب و اجر اسبابِ محض ہیں ۔ بعض حضرات

فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ عام نیکی جو انسان کو عمل پر نصیب ہوتی ہے اور زیادۃ وہ نیکیاں جو دس سے سات سوگنا زاید عنایات ہوتی ہیں۔ اکثر جمہور محققین فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ سے بہشت اور زیادۃ سے دیدار اور نظر الی وجہ اللہ مراد ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اور کیا چاہتے ہو؟ عرض کریں گے اے رب کریم! تیرا بڑا فضل و کرم ہے کہ تُو نے ہمارے چہرے نورانی سفید بنائے اور ہمیں اپنی بہشت عطا فرمائی اور دوزخ سے نجات بخشی۔ اس سے مزید ہمیں اور کیا چاہیے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے حجابات اٹھا دے گا بہشت کی نعمتوں میں دیدارِ الٰہی کے سوا اور کوئی نعمت محبوب ترین نہیں ہوگی۔ (رواہ مسلم والترمذی والنسائی)

سوال: اللہ تعالیٰ نے بہشت کو الحسنیٰ اور اپنے دیدار کو زیادۃ سے کیوں تعبیر فرمایا ہے حالانکہ دیدار الٰہی کہاں اور بہشت کہاں۔ علاوہ ازیں دنیا کا قانون ہے کہ بیع میں منافع راس المال سے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قانون کے مطابق بہشت کو راس المال اور دیدار الٰہی کو ثانوی حیثیت دینا نہایت نامناسب ہے۔

جواب: زیادۃ سے مراد وہ شے ہے جس کا بندوں کو وعدہ دیا گیا ہے بہشت اور اس کے درجات اور نعمتیں اس معنے پر مزید مزید علیہ کی جنس سے نہ ہوگا یعنی بہشت اور بہشت کے درجات اور نعمتیں بہشت کی جنس سے نہیں۔ اس معنے پر راس المال وغیرہ کا قاعدہ جاری نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ہر عطا زاید از حد وعد ہے کیونکہ ہر شے اعظم و اکبر ہے چنانچہ خود فرمایا کہ:

رضوان من اللہ اکبر۔

یعنی اس کی تھوڑی سی رضامندی بھی اکبر و اعظم ہے۔

حدیث شریف میں ہے بہشتی جب اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو بہشت کی تمام نعمتوں کو بھول جائیں گے۔

مسئلہ: آخرت میں دیدارِ الٰہی سر کی آنکھوں سے ہوگا اور دُنیا میں دل کی آنکھوں سے، اس لیے کہ دنیا میں سر کی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُوا، اور یہ انہی کا خاصہ ہے آپ کے سوا اور کسی کو نہ ہُوا ہوگا۔ اسکی مزید تحقیق ہم نے لا تدرکہ الابصار (الآیہ) میں بیان کی ہے۔

ف: دُنیا میں دیدارِ الٰہی بھی اسے نصیب ہوتا ہے جو تعینات جسمانیہ و روحانیہ کو درمیان سے ہٹا دیتا ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ : جمالِ یار کے آگے کوئی پردہ نہیں ۔ غبارِ راہ کو دُور کر دو پھر دیدار کے مزے لُوٹو۔

شرح بیت مذکور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محجوب نہیں اگر اسے محجوب مانا جائے تو پہلے اس کے لیے جہت و مکان متعین کیے جائیں کیونکہ پردہ و حجاب کے لیے جہت و مکان لازم ہیں پھر اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس حجاب کو دُور فرما دے تو ہم کون کے وہم اور اس کے جمیع متعلقات کو بھلا بیٹھیں گے جیسے اہل جنت کے لیے جب حجاب اُٹھے گا تو وہ تجلی حق کی وجہ سے بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔ اور اس دنیا میں حجابات کا اُٹھنا اس لیے محال ہے کہ تعبد شرعی کا مقصد فوت ہو جائے گا اس لیے دنیا میں مشاہدۂ حق سر کی آنکھوں سے نہیں ہو سکتا کہ یہ دنیا مقامِ تکلیف ہے۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ اور ان بہشتیوں کے چہروں کو نہیں چھپائے گی **قَتَرٌ** غبار۔ قتر ہر اُس غبار کو کہتے ہیں جس میں سخت سیاہی ہو یہ غبار سے بہت زیادہ تاریکی رکھتی ہے **وَلَا ذِلَّةٌ** اور نہ ہی ذلت و خواری۔ ان دونوں کی نفی سے خوف و ہراس کے اسباب کی نفی مطلوب ہے یعنی قیامت میں وہ ہر خوف و خطر سے محفوظ ہوں گے تاکہ معلوم ہو کہ بہشتیوں کو جتنی نعمتیں بہشت میں عطا ہوں گی ان میں کسی قسم کی پریشانی اور تکلیف نہ ہو گی اور جب سے انھیں بہشت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا کبھی بھی ان کے چہروں سے غم اور حزن کے آثار محسوس نہیں ہوں گے بلکہ اُن کے چہرے ہمیشہ راحت اور سرور سے چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔

ف : یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ وُہ مطالب و مقاصد سے کامیاب ہونے کے بعد ہر پریشانی اور تکلیف سے محفوظ ہو جائیں گے۔

سوال : مطالب و مقاصد میں کامیاب ہونے والے کو پریشانی اور تکلیف سے محفوظ ہو جانا مستلزم ہے پھر اسے علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت۔

جواب : تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ جتنی نعمتیں تمہیں نصیب ہُوئی ہیں یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔

سوال : جملہ میں مفعول کی تقدیم کیوں۔

جواب : اس کے مہتمم بالشان ہونے کی وجہ سے، تاکہ معلوم ہو کہ چہرہ تمام اعضا سے اشرف و اعلیٰ ہے کہ جب اسے ہر ذلت و خواری سے حفاظت ہوئی تو گویا تمام اعضا محفوظ و مامون ہُوئے۔

أُولَٰئِكَ وہی لوگ جو مذکور ہوئے **أَصْحَابُ الْجَنَّةِ** بہشتی ہیں **هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کہ ان کو بہشت سے نہ نکالا جائے گا اور نہ ہی ان سے دی ہُوئی نعمتیں چھینی جائیں گی اور نہ ہی انھیں کسی دُوسری جگہ منتقل کیا جائے گا ہمیشہ بہشت میں نعمتوں سے سرشار رہیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ پر اس کے ساتھ معاملہ کیا اس لیے کہ احسان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کی جائے گویا اسے دیکھا جا رہا ہے الحسنیٰ سے مشاہدۂ حق اور النظر الیہ مراد ہے۔ زیادۃ سے وُہ زاید انعام مراد ہے جو نظر الی اللہ کے علاوہ عارف کو ناسوتیہ سے فنا کر کے لاہوتیت میں داخل کرنے کے ذریعے انانیت سے نکال کر ہویت میں علم ازلی کا واصل بنایا جاتا ہے وَ لا یرھق وجوھھم قتر۔ اور انہیں حجاب کی غبار نہیں پہنچتی ولا ذلۃ اور نہ وجود کی ذلت، اس لیے کہ وجود دُوئی کو چاہتا ہے اور ایسے حضرات دُوئی (غیریت) سے پاک ہوتے ہیں اولٰٓئک اصحٰب الجنۃ یہی حضرات سیر فی اللہ کی جنت والے ہیں ھم فیھا خٰلدون۔ اور وہ جذبات عنایت الٰہی کی وجہ سے اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ اور وہ لوگ سیئات یعنی شرک و معاصی کے مرتکب ہُوئے۔ یہ مبتداء ہے اس سے قبل اس کا مضاف محذوف ہے اور اس کی خبر جَزَاءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا ہے۔ الجزاءُ مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول ہے اور بمثلھا کی باء اسی جزاء کے متعلق ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

وجزاء الذین کسبوا السیئات الخ یعنی جن لوگوں نے سیئات کا ارتکاب کیا ان کی سزا یہ ہے کہ ایک بُرائی کے بدلے اسی کی طرح ان کو بُرائی نصیب ہوگی اس پر کسی قسم کا اضافہ نہ ہوگا جیسے نیکیوں میں دس سے سات سو گنا اضافہ ہوتا تھا۔

مسئلہ: کشاف میں ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نیکیوں میں جو زاید ثواب نصیب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل محض ہے اس لیے کہ اس آیت میں لفظ زیادۃ نہ لانا اسی دعویٰ کی دلیل ہے اور سابق آیت میں زیادۃ بتاتا ہے کہ ثواب پر زاید انعامات اس کے فضل وکرم پر مبنی ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا فیصلہ صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشاف کے اس قول کی جمہور مفسرین نے تائید کی ہے اور آیت کی تفسیر میں کشاف کا اتباع کیا ہے لیکن آیت کی بہتر تفسیر وہی ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جسے ہم نے پہلے عرض کیا اور تمام تفسیروں سے احق بلکہ اکمل و افضل ہے۔

یعنی زیادۃ سے زاید ثواب مراد بھی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی۔ اس لیے کہ آخرت میں دیدار الٰہی افضل الکرامات والانعامات کا ہے جسے یہ نصیب ہوگا تو اسے اس سے کم درجہ کی کرامات لازم ہیں لہٰذا اس سے صاحب رُوح البیان کشاف کا گویا رد کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ اس نے زیادۃ کو صرف بہشت کے انعامات تک منحصر کر دیا اور دیدار الٰہی کا ذکر نہ کرنا اس کے مذہب اعتزال کا کنایۃً اثبات ہونا تھا اسی لیے صاحبِ روح البیان نے

تصریح فرمائی تاکہ اہلسنت کا مذہب ثابت ہو اور معتزلہ کا رد۔
مسئلہ: معتزلہ اور شیعہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔

وَ تَرْهَقُهُمْ جب جہنم کا معاینہ کریں گے تو انھیں ڈھانپ لے گی ذِلَّةٌ ذلت وخواری۔ اس وقت ذلت و خواری کے آثار ان پر نمایاں ہوں گے جنہیں ہر شخص ملاحظہ کرے گا۔

سوال: اہلِ بہشت کی طرح یہاں وجوههم کیوں نہیں فرمایا۔
جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ذلت وخواری ان کے اجسام کے تمام حصص کو گھیرے گی۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے اس وقت انھیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ گویا ڈھانپے گئے ہیں وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ ان کے چہرے رات کے ایک حصے سے یعنی اندھیری رات کی طرح ان کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے مُظْلِمًا یہ اللیل سے حال ہے اور اس کا عامل فعل کا معنٰی ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی:

قطعا کائنۃ من الّیل فی حال کونہ مظلما۔

یعنی غم واندوہ سے ان کے چہرے کالی رات کی طرح سیاہ ہوں گے۔

ف: قطعا بفتح الطاء قطعۃ کی جمع اور اُغشیت کا مفعول ثانی ہے۔ بعض قراء نے اسے بسکون الطاء پڑھا ہے۔ اس وقت مفرد ہے۔ مقطوع شے کو کہتے ہیں اس معنٰے پر مظلما کو قطعا کی صفت بنایا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں مفرد بھی ہیں اور مذکر بھی۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جنہوں نے سیئات کا ارتکاب کیا یعنی مشرکین اور منافقین اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ دوزخ والے[1] اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

کمیونسٹ (دہریہ) کے وہم کا ازالہ

بہشت کا داخلہ محض فضل ربانی ہے اس کے درجات اعمال کے مطابق نصیب ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنا نیت کی وجہ سے ہے یہ تین مقام ہوئے۔ اسی طرح دوزخیوں کا دوزخ میں جانا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور عذاب کے طبقات اعمال کے مطابق ہوں گے اور اس میں کافر کا ہمیشہ رہنا اس کی نیت کی وجہ سے ہے لیکن چونکہ مومن کی نیت دنیا میں یہی تھی کہ زندگی عبادتِ الٰہی میں بسر کروں گا۔ اسی طرح کافر کی نیت تھی کہ زندگی بھر غیر اللہ کی پرستش کرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک کو اپنی نیت کا صلہ ملے گا۔

---

[1] اس سے کمیونسٹ ماڈرن دماغ انسان کا رد ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کافر کو (زندگی کے چند لمحات کی) ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی سزا کیوں۔

نکتہ: کافر کو دراصل سزا اس لیے ہے کہ وہ اپنے مالک کے حکم کی مخالفت پر ڈٹ گیا جیسے مومن کو نیک جزا اسی لیے ہے کہ وہ اپنے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کر گیا۔ یہی نکتہ ہے مومن مجرم کو دوزخ کی سزا دینے میں کہ نہ وہ حکم الٰہی کے خلاف کرتا نہ اسے جہنم میں جانا پڑتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اعمال صالح کی توفیق چاہتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمیں اپنی ذات سے جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ف: حضرت ابوالعباس اقلیشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی صحیح روایت نہیں ملی جس میں تصریح ہو کہ مومن گنہگار کو کتنی مدت تک جہنم میں رکھا جائے گا۔ ہاں امام غزالی قدس سرہٗ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا ہے کہ گنہگار مومن کی جہنم کی ادنیٰ سزا ایک لمحہ ہے اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال۔ آخر میں فرمایا:

لما ورد به الاخبار۔ یعنی اسی طرح احادیث میں وارد ہے۔ واللہ اعلم

نکتہ: آخری حد سزا کے لیے سات ہزار سال اس لیے ہے کہ نوع انسانی کی کل عمر سات ہزار سال ہے اسی لیے اس کی سزا بوجہ ترتیب سات ہزار سال رکھی گئی۔

ف: لیکن یہ سال عالم دنیا کے نہیں بلکہ آخرت کے سال مراد ہیں وہاں آخرت میں کفار کے لیے ایک دن ہزار سال کا ہوگا لیکن اہلِ ایمان پر خصوصی فضل ہوگا کہ ان کے لیے تخفیف ہوگی۔ واللہ اعلم

تفسیر صوفیانہ ہر مجرم کی سزا کی کمیت و کیفیت گناہوں کے حجابات کی کمیت و کیفیت کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ کانما اغشیت وجوههم قطعا من الیل مظلما سے معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں حجاب والوں کی توجہات سفلیات کی طرف تھیں۔ سفلیات سے حیوانیہ، بہیمیہ اور شیطانیہ صفات مراد ہیں۔ جس قدر ان طبائع میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر بندے کو حجاب از دیدارِ حق رہے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں سے بنائے جو مذکورہ بالا خسیس طبائع و رعونت بشریت سے نکل کر عالم اعلیٰ و بالا سے جا ملتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ جن لوگوں کے جواہر صاف و شفاف اور باطن پاک صاف ہوتے ہیں انہیں ہی عالم بالا تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے لیکن جن بدبختوں کے جواہر ردی اور باطن خراب ہو گئے وہ اس مرتبہ کو نہیں پا سکتے۔

عالمِ بالا تک پہنچنے کا صوفیانہ علاج نفس کو مجاہدہ کی آگ میں ڈال کر اس سے خوب ریاضت کرائی جائے اس لیے کہ اولیاء کاملین و عارفین نے اس جلیل القدر مرتبے کو نفس پروری اور جسم کی آراستگی سے نہیں حاصل کیا بلکہ انہیں یہ مرتبہ تب نصیب ہوا جب انہوں نے نفس کی خواہشات کو مار مٹایا۔

خلاصہ یہ کہ نفس کی تمام رعونت اور سرکشی دب جاتی ہے تب عالم بالا تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔

حضرت سہیل تستری قدس سرہٗ سے پوچھا گیا: آپ کی غذا کیا ہے؟

حکایت آپ نے فرمایا: حی وقیوم الذی لا یموت کا ذکر۔

سائل نے عرض کیا: یہ تو روحانی غذا ہے، میں نے جسمانی غذا کا سوال کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: دع الدار الی بانیھا گھر جانے بنانے والا جانے ہمیں اس کی فکر کا ہے کی۔ ان شاء عمرھا وان شاء خربھا۔ چاہے اسے آباد کرے چاہے اسے ویران کرے ہمیں اس سے کیا غرض۔ یعنی ہم تو ذکر وفکر میں لگے رہتے ہیں جسمانیت کا باقی رکھنا نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سبق: بہت بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو اپنے جوہر کو صاف وشفاف نہیں رکھتا بلکہ گناہوں کی میل کچیل سے اسے خراب کر دیتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی محرومی سے پناہ مانگتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

این ریاضتہائے درویشاں چراست

کان بلا بر تن بقائے جانہاست

مردن تن در ریاضت زندگیست

رنج این تن روح را پائندگی است

پس ریاضت را بجان شو مشتری

چون سپردی تن بخدمت جان بری

ترجمہ: بزرگوں کی یہ ریاضتیں اور نفس پر مصائب ڈھانا صرف روح کی بقا کے لیے ہے ریاضت سے جسم کا نڈھال ہو جانا زندگی ہے اس لیے کہ اس جسم کے دکھ اور رنج سے روح کو پائیداری نصیب ہوتی ہے اسی لیے اے سالک! تجھے بھی ریاضت کا خریدار بننا چاہیے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب تم اپنے جسم کو جان آفرین کے سپرد کر دو۔

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اور ہم انہیں اٹھائیں گے یوم مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا ناصب فعل محذوف ہے در اصل انذرھم یا ذکرھم تھا اور نحشرھم کی ھم ضمیر ہر دو گروہ یعنی الذین عملوا الصالحات والذین کسبوا السیئات کی طرف راجع ہے جیسا کہ "جمیعاً" سے معلوم ہوتا ہے اور جمیعا اسی ضمیر ھُم سے حال ہے یعنی یاد کیجئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کے دن کو کہ ہم ان ہر دو گروہوں یعنی کفار اور اہلِ اسلام تمام کو جمع کریں گے کہ کوئی ایک بھی وہاں کی حاضری سے نہیں بچ سکے گا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے یعنی اس بہت بڑے اجتماع میں ہم صرف مشرکین سے

کہیں گے مَكَانَكُمْ یہ مفعول فیہ ہے اس فعل کا جس کا یہی ظرف نائب ہے اور اسم فعل نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور اس کی حرکت یعنی فتحہ بنائی یعنی بوجہ مبنی ہونے کے ہے ، یہی امام فارسی نحوی کی رائے ہے دراصل الزموا مکانکم تھا یعنی اے مشرکو! یہیں ٹھہرے رہو پھر دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اَنْتُمْ یہ اس ضمیر کی تاکید ہے جو مکانکم کو الزموا کی نیابت میں ملی ہے وَشُرَكَآؤُكُمْ اور تمہارے اپنے طور بنائے ہوئے خدا تعالیٰ کے شریک اس کا انتم پر عطف ہے فَزَيَّلْنَا ہم نے جُدائی ڈال دی، یہ زلت الشئ عن مکانہ وازیلہ ای ازلتہ یعنی میں نے اسے اپنی جگہ سے ہٹایا اور کیا اس کا تفعیل پہ ہوا محض تکثیر اور مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں اس لیے کہ اس باب کا ثلاثی مجرد خود متعدی ہے۔

سوال: بتوں اور ان کے پجاریوں کو تو قیامت میں ایک دوسرے سے جُدا کیا جائے گا لیکن اسے ماضی سے تعبیر کیا گیا یہ کیوں؟

جواب: علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جس فعل کے وقوع کا تحقق یقینی ہو اسے فعل مضارع کے بجائے ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے یہاں بھی وہی قاعدہ جاری کیا گیا ہے۔ چونکہ حکم باری تعالیٰ یقیناً ہوگا بنا بریں اسے فعل ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے نیز نحشر و نقول سابقاً مضارع کے صیغے اسی قاعدہ کا قرینہ موجود ہے اور زیلنا بمعنے فرقنا ہے۔

بَيْنَهُمْ ان مشرکوں اور ان کے ان معبودانِ باطلہ کے درمیان کہ جن کی دنیا میں پرستش کرتے تھے یعنی ہم ان کے اور ان کے معبودانِ باطلہ کے وہ تعلقات و پیار مٹا دیں گے جو دنیا میں ان کے مابین قائم تھا اس سے ان کے دُنیا میں کیے ہوئے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور اُن کی جملہ تمنائیں خاک میں مل جائیں گی اور اب کُلی طور مایوس و نا اُمید ہو جائیں گے۔ بتوں سے دُنیا میں جتنی اُمیدیں وابستہ رکھتے تھے وہ یکسر منقطع ہو جائیں گی۔

سوال: یہی نا امیدی وغیرہ تو انھیں موت کے وقت معلوم ہو چکی تھی لیکن یاس وغیرہ کا بیان اب قیامت میں بعید از مناسبت ہے۔

جواب: چونکہ اب مشاہدہ و معائنہ کر کے درجۂ یقین کو پہنچ چکے ہوں گے موت کے وقت انھیں معاینہ و مشاہدہ نہیں ہوا تھا صرف قرائن و شواہد سے محسوس کرتے رہے بنا بریں اسے یہاں بیان کیا گیا۔

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ اور ان کے خود ساختہ خدا کے شریک کہیں گے۔ ان سے حضرت عیسٰی و حضرت عزیر اور ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام مراد ہیں۔ اس لیے کہ مقولہ ذوالعقول سے سرزد ہو سکتا ہے یا ان سے ان کے معبودانِ باطلہ مراد ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ انھیں بولنے کی قدرت عطا فرمائے گا جب وہ ہر شے میں بولنے کی قدرت رکھتا ہے تو یہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ قیامت میں بت بول اُٹھیں گے مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ [1] تم ہماری

[1] بڑا اغرق ہو تعصب کا کہ وہابی، دیوبندی، مودودی، نجدی بالخصوص غلام خانی اور نیچری فرقے ان آیات کو انبیاء و بالخصوص اولیاء کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔

پرستش نہیں کرتے تھے۔ بتوں کی برأت کا اظہار ہے کہ قیامت میں وہ اپنے پجاریوں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہیں عبادت کا نہیں کہا تھا تم نے اپنی خواہشات کے حکم اور شیطان کے بہکانے سے ہماری پرستش لی تھی۔

ف : ماکنتم ایانا تعبدون اظہار برأت سے مجاز ہے یعنی جملہ مذکورہ اپنے اصلی معنے پر نہیں بلکہ مجازی معنے میں ہے یعنی اظہار برأت کے لیے۔

ف : کفار و مشرکین نے درحقیقت اپنی خواہشات کی پرستش کی جبکہ خواہش نفسانی نے محض بتوں کی عبادت پر ابھارا اور شیطان کو بھی بہکانے کا موقعہ مل گیا۔ اس معنے پر بتوں کا جواب اپنے حقیقی معنے پر ہوا اس لیے کہ مشرکین نے اگرچہ بظاہر بتوں کی لیکن درحقیقت وہ اپنی خواہشات فاسدہ کے پجاری تھے **فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ** پس ہمارے اور تمہارے مابین اللہ شاہد کافی ہے اس لیے کہ حقیقت حال کنہ کو وہی جانتا ہے ان مخففہ من المثقلہ ہے اور لغافلین کی لام فرق بتانے کے لیے ہے کہ یہ ان مخففہ ہے کہ شرطیہ **كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ** تمہاری پرستش سے **لَغٰفِلِيْنَ**۝ البتہ غافل تھے یعنی ہم تمہاری پرستش سے راضی نہیں تھے۔

سوال : تم نے غفلت کا معنیٰ عدم رضا کہاں سے نکالا ؟

جواب : چونکہ مشرکین ملائکہ کی پرستش بھی کرتے تھے اور فرشتوں کو اُن کی عبادت کا علم تو تھا لیکن ان کی اس عبادت سے راضی نہیں تھے اسی لیے مجازاً غفلت بمعنے عدم رضا کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں پر شرکاء سے شیاطین مراد لیے ہیں ان کی یہ مراد یقیناً غلط اور سراسر غلط ہے اس لیے

ازالۂ توہم کہ شیاطین بت کے پجاریوں کی اس پرستش پر تو بہت خوش تھے بلکہ اس پر ابھارنے والے وہی شیاطین تھے اگرچہ انہیں اس پر مجبور نہیں کرتے تھے۔ (کذا فی الارشاد)

ف : مذکورہ بالا مجازی معنےٰ اس وقت ہوگا جب شرکاء سے ملائکہ وغیرہ مراد ہوں اس لیے کہ وہ ذوی العقول ہیں اور ذوالعقول سے لاشعوری کیسی۔ ہاں اگر شرکاء سے ان کے پتھروں وغیرہ کے بت مراد ہوں تو غفلت اپنے معنے پر درست ہوگا اس لیے کہ وہ جمادِ محض تھے اور انہیں لاشعوری لازم۔

هُنَالِكَ یہ ظرف مکان ہے یعنی اس مدہوش کن مقام پر یا ظرف زمان ہے یعنی اس گھبراہٹ کے وقت۔

سوال : لغت میں هنالك کا لفظ ظرف مکان کے لیے ہے تم نے ظرف زمان کا احتمال کس قاعدے سے بیان کیا۔

جواب : بطور استعارہ ظرف مکان کو ظرف زمان میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تَبْلُوْا بلوی و اختبار بمعنے آزمائش سے مشتق ہے یعنی اس وقت آزمائش میں ہوگا اور مزہ چکھے گا **كُلُّ نَفْسٍ** ہر نفس مومن ہو یا کافر سعید ہو یا شقی **مَّآ اَسْلَفَتْ** ان اعمال کا جن کا دنیا میں اُنہوں نے ارتکاب کیا اس وقت اپنے

اعمال کے نفع و نقصان کا معاینہ کریں گے۔

سوال: ہر عمل کی سزا و جزا کا نتیجہ موت اور برزخ (قبر) میں معلوم ہو جاتا ہے چنانچہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ قبر میں عذاب و ثواب ملتا ہے۔

جواب: موت اور قبر میں جزا و سزا اجمالی طور پر ہوں گے ان کی تفصیل قیامت میں در پیش ہو گی اسی لیے یہاں تفصیلی حالات کو پیش نظر فرمایا گیا ہے وَرُدُّوْٓا اس کی ضمیر ھم للذین اشرکوا کی طرف راجع ہے اس کا عطف "نزیلنا" اور اس کے معطوف پر ہے۔

ھنالک تبلوا الخ جملہ معترضہ ہے جو اپنے مضمون کے درمیان واقع ہوا ہے۔

اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی جزا و سزا کے لیے لوٹائے جائیں گے۔ ہم نے جزا و سزا کا معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا معنیٰ ناممکن ہے اس لیے کہ لوٹنے کے لیے مکان و جہت ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے پاک اور منزہ ہے مَوْلٰىهُمُ ان کا مولیٰ یعنی رب تعالیٰ الْحَقِّ حق ہے یعنی اس کی ربوبیت متحقق صادق ہے نہ ان کے معبودانِ باطلہ جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بنا رکھا ہے۔

سوال: اس آیت میں کفار کے لیے مولیٰ کا اثبات ہے حالانکہ دوسرے مقام پہ فرمایا:

ان الکافرین لا مولیٰ لھم۔

بیشک کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔

جواب[1]: شیخ نے فرمایا کہ اول آیت میں مولیٰ بمعنے مالک ہے یعنی وہ ذات جو ان کے جملہ امور کا مالک حقیقی اور ان کی تمام مشکلات کا وہی مشکلکشا ہے اگرچہ وہ اقرار نہیں کرتے تو ان کی اپنی بدقسمتی ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنے ناصر و حامی اور مددگار ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ اور ان سے ضائع ہو جائے گا یعنی ان کا ضائع ہونا ظاہر ہو جائے گا اور ان کی گمراہی واضح اور کھل کر سامنے آجائیگی اس سے معلوم ہوا کہ یہاں وہ معنیٰ نہیں جو ظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے گمراہ نہیں تھے اب گمراہ ہوئے یا ضل عنہم کا معنےٰ یہ ہے کہ ان کے پختہ عقیدہ میں مل گیا مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وہ جو اپنی طرف سے من گھڑت عقیدے ظاہر کرتے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ قیامت میں ان کی سفارش کریں گے یا جن کی وہ پرستش کرتے ہیں وہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

---

[1] اس سے شیعہ کے اس سوال کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ جیسے ان دو آیتوں میں مولیٰ مختلف معنوں میں آیا ہے حدیث مذکور میں مولیٰ بمعنے صرف آقا نہیں بلکہ اس کے اور معانی بھی ہیں یہاں بمعنے محبوب ہے تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھئے۔

سبق: قیامت میں جب ہر شے کی حقیقت کُھلے گی تو اہلِ ایمان کے اکثر اعمال بیکار اور قابلِ قبول نہ ہونے کی وجہ سے لاشئ ہوں گے۔ جب اہلِ ایمان کا یہ حال ہے تو پھر مشرکین اور گنہگاروں کے کردار کا کیا حال ہو گا۔

حکایت حضرت جنید قدس سرہٗ کو کسی نے بعد از وصال خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ سے کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے جواب دیا: ہمارے تمام کردار کافور اور تمام اذکار بیکار، تمام عبادات رائیگاں اور تمام علوم و فنون غیر معتمد بنائے گئے۔ صرف وہ چند رکعتیں کام آئیں جو بوقتِ سحر اُٹھ کر پڑھی گئیں۔ ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد حافظ

از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

مسئلہ صوفیانہ: نفس صرف خواہش کا پُجاری ہے اور اس کی توجہ کا کعبہ قبلہ ما سوی اللہ ہے۔

لطیفہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ پہاڑ کا ناخن سے کریدنا آسان ہے لیکن خواہشِ نفسانی کو تابع کرنا سخت تر ہے جبکہ وہ غلبہ پا جاتے اور کسی شیخ کامل کی صحبت اور نگاہِ کرم نہ ہو۔

لطیفہ: جیسے اللہ تعالیٰ عمل کی شرکت غیرے، نفس ہو یا کوئی اور، پسند نہیں کرتا تو قلب کی محبت میں شرکتِ غیرے کو کیسے گوارا فرما سکتا ہے خواہ وہ محبت شہوت سے متعلق ہو یا کسی اور شے سے۔

حکایت حضرت محمد بن حسان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جبل لبنان پر جا رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایسے نوجوان پر پڑی جس کے جسم کو گرم ہوائیں اور دُھوپ کی گرمی جلا چکی تھی اس نے مجھے دیکھ کر رُوپوش ہونے کی کوشش کی میں نے اس سے کہا مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ اس نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، وہ بہت بڑا غیور ہے اپنے بندے کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ کسی دُوسری شے کی محبت کو گوارا نہیں کرتا۔

سبق: اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت تھوڑے بندے پذیرائی پا سکتے ہیں اس لیے کہ اکثر عمل ریاء کی وجہ سے بیکار جاتے ہیں اور احوال میں صرف کھوکھلے دعوے ہوتے ہیں اور بس۔ پھر جب ریاء کے اعمال اور احوال کا ازالہ ہوتا ہے تو ایسے لوگ سخت شرمسار ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چُوں بباطن بنگری دعویٰ کجا است

او و دعویٰ پیش آں سلطان فنا ست

ترجمہ: اندر جھانک کے دیکھ یہ دعوے کیسے۔ عاشق اور اس کا دعویٰ بادشہ حقیقی کے سامنے فانی ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

حدیث مدعیان و خیال ہمکاران
ہماں حکایت زردوز و بوریا بافست

سبق: سالک پر لازم ہے کہ اپنے جمیع اوصاف سے پاک صاف ہو اور اپنے سے تمام میل کچیل دھو ڈالے بلکہ ہر چھوٹی بڑی شئے کے تعلقات منقطع کر دے اس لیے کہ ہر مدد اللہ تعالیٰ قادر قوی جل جلالہ سے پہنچتی ہے۔ کسی نے خوب فرمایا ہے کہ:

استعانة المخلوق بالمخلوق کاستغاثة المسجون بالمسجون۔

مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسے ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی کو اپنی جان رہائی کے لیے استغاثہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے:
ویوم نحشرھم جمیعا۔

یعنی ارواحِ انسانی اور جن اشیاء کی پرستش ہوتی ہے یعنی دُنیا و خواہش نفسانی ان سب کے حقائق کو ہم جمع کرکے ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم صرف اہلِ شرک کو کہتے ہیں کہ اے مشرکو! ٹھہرے رہو اسی جگہ پر جسے تم نے اپنے جہل سے اختیار کیا ہے باوجودیکہ قبل ازیں تم بلند و بالا مکان کے مکین تھے انتم و شرکاؤکم تم اور تمہارے شرکاء اسی مکان میں ٹھہرے رہو جو تمہارے شرکاء کے لائق ہے اور وہ مکان نہایت نچلے درجے پر ہے اور تمہیں اسی میں ٹھہرنا پڑے گا اس لیے کہ یہی تمہارے شرکاء کا مکان ہے اور تم ان سے وابستہ ہو فلہٰذا تمہاری وابستگی پر تمہیں بھی اسی نچلی درجہ کے مکان میں اپنے شرکاء کے ساتھ ٹھہرنا لازمی امر ہے فزیلنا بینھم یعنی ہم مشرکین اور ان کے شرکاء کو مختلف عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مشرکین کو عذاب اور درگاہِ حق سے دھتکار اور مفارقت اور جُدائی کے درد اور وصل و وصال کی استعداد کے ابطال وغیرہ میں مبتلا کریں گے اور ان کے شرکاء چونکہ کمال قرب کی قبولیت کی سرے سے استعداد ہی نہیں رکھتے۔ انھیں مذکورہ بالا عذاب اور سزا کا تصور بھی نہیں ہو سکتا فلہٰذا ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں کسی قطار میں بھی نہیں شمار کیا گیا۔ وقال شرکاؤھم ما کنتم ایانا تعبدون اور ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم نے ہماری عبادت کی ہی نہیں بلکہ تم تو صرف اپنی خواہش نفسانی کے پجاری ہو اور حقیقت یہ ہے کہ عالمِ دُنیا کے تمام معبودانِ باطلہ میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین یہی خواہش نفسانی ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماعبد فی الارض اللہ ابغض علی اللہ من الھویٰ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم دنیا کے معبودان باطلہ میں سے مبغوض ترین خواہش نفسانی ہے۔

بقیہ برص ۹۵۴

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ

تم فرماؤ تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور نکالتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ

مردہ کو زندہ سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے تو اب کہیں گے کہ اللہ

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا

تو تم فرماؤ تو کیوں نہیں ڈرتے تو یہ اللہ ہے تمہارا سچا رب پھر حق کے

بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ

بعد کیا ہے مگر گمراہی پھر کہاں پھرے جاتے ہو یوں ہی ثابت ہو چکی ہے

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

تیرے رب کی بات فاسقوں پر تو وہ ایمان نہیں لائیں گے

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اوّل بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

بنائے۔ تم فرماؤ اللہ اوّل بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا تو کہاں اوندھے جاتے ہو

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے تم فرماؤ کہ

يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہیئے

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا

بے شک اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ

الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

پروردگار عالم کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

کوئی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ اگر تم

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا

سچے ہو بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا اور ابھی

يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا ایسے ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا تو دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ

ظالموں کا کیسا انجام ہوا اور ان میں کوئی اس پر ایمان لاتا ہے

مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾

اور ان میں کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا ہے اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے

تفسیر عالمانہ قُلْ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین کو حقیقتِ توحید و بطلانِ شرک پر حجت قائم کرکے فرمائیے کہ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ تمہیں رزق کون دیتا ہے مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے

بقیہ صد ۹۵۱ سے آگے

اللہ تعالیٰ نے اس کی یوں مذمت فرمائی ہے:

افرأیت من اتخذ الٰہہٗ ھواہ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

فکفیٰ باللہ شہیدا بیننا و بینکم تمہارے اور ہمارے مابین صرف اللہ گواہ ہے ان کنا عن عبادتکم لغفلین۔ بیشک ہم تمہارے ذوقِ عبادت سے بیخبر تھے اس لیے کہ ایسے حظ اور ذوق صرف خواہش نفسانی سے متعلق ہیں اور لذات وشہوات وتمتعات دنیوی واخروی ہماری عبادت میں پورے کرنے پر ہمیں لاشعوری ہے ہاں عبادتِ الٰہی تمہارے لیے مفید ہوسکتی ہے جبکہ اس میں تم اسے نیک نیتی سے صرف رضائے الٰہی کے تحت کرو تاکہ اس سے مدد و توفیق اور اجر وثواب نصیب ہو۔ ھنالک تبلوا کل نفس ما اسلفت اسی حال میں ہر نفس کی ان تعلقات سے آزمائش ہوگی جن سے وہ وابستہ ہوچکا وردوا الی اللہ حکم اور قرب وبُعد اور لذت والم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں مولٰہم الحق، ان امور میں ان کا مولیٰ اور متولی وہی ہے کہ کسی کو ذوق لذت سے نوازے اور کسی کو بعد و فراق کے درد میں رکھے صرف وہی مالک ہے شرکاء کو ان امور سے کسی قسم کا تعلق نہیں وضل عنہم ما کانوا یفترون تم جس خیال میں تھے کہ تمہارے معبودان باطلہ تمہاری سفارش کریں گے اس وقت یہ تمام خیالات کافور ہوجائیں گے۔ حاشیہ ختم

بارش نازل کرکے وَالْاَرْضِ اور زمین سے کھیتیاں اُگا کر۔ اَمَّنْ منقطعہ ہے اس لیے کہ اس سے قبل نہ تو ہمزہ استفہام واقع ہوا ہے نہ ہی ہمزہ تسویہ کا، اور یہاں پر صرف لفظ بَلْ محذوف ہوگا نہ ہمزہ اسی طرح آنے والے دوسرے مقام پر بھی ہمزہ محذوف نہیں ہوگا بلکہ بَلْ محذوف ہوگا اس لیے کہ مَنْ استفہامیہ صراحۃً واقع ہُوا ہے اسی لیے اب ہمزہ استفہامیہ کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں اور بل اضرابیہ ہے یعنی ایک استفہام سے دُوسرے استفہام کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے یہ اضراب ابطالیہ نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں بل ابطالیہ کہیں نہیں ہے کیا ہے کوئی۔ یَمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ جو کانوں اور آنکھوں کی ملکیت رکھتا ہو یعنی کسی کو ان کی تخلیق اور انہیں فطرۃ عجیبہ کے مطابق جوڑنے کی طاقت نہیں یا یہ معنٰے ہے کہ ان کی آفات سے کوئی حفاظت کرسکتا ہے باوجود آفات کثیر الوقوع ہیں اور ان میں معمولی سی تکلیف پہنچے تو فوراً خراب ہوجاتی ہیں لیکن بایں ہمہ ہر آفت وبلا سے محفوظ ومامون ہیں۔

ف: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بکثرت فرمایا کرتے:

سبحان من ابصر بشحم و اسمع بعظم و انطق بلحم۔

پاک ہے وہ ذات جس نے چربی میں دیکھنے کی اور ہڈیوں میں سننے کی اور گوشت میں بولنے کی طاقت پیدا فرمائی۔

نکتہ: چونکہ انسان کو دیکھنے اور سننے کی زیادہ اور بولنے کی کم ضرورت پڑتی ہے اس لیے کان اور آنکھ دو دو اور زبان ایک پیدا فرمائی۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور کون ہے جو زندے کو مُردے سے اور مُردے کو زندے سے پیدا فرماتا ہے یعنی حیوان کو نطفے سے اور نطفے کو حیوان سے، اسی طرح پرندے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے پیدا فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط اور تمہارے جملہ امور عالم علوی ہوں یا سفلی روحانی ہوں یا جسمانی کی کون تدبیر بناتا ہے فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج تو بلاتاخیر کہیں گے جملہ امور مذکورہ بالا کا خالق و فاعل صرف اللہ تعالےٰ ہے اور کوئی نہیں جبکہ نہایت واضح امر ہے کہ ہر شے کا خالق و صانع اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہے نہ ہوسکتا ہے فَقُلْ پس اب انھیں واضح طور پر فرمایئے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اس کے ساتھ بتوں کو شریک بنا رہے ہو فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ پس یہی اللہ تعالیٰ ہے کہ جس کی ربوبیت ثابت ہے نہ کہ تمہارے معبودوں کی۔

ترکیب: ذٰلکم مبتداء اور لفظ اللہ اس کی صفت اور رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ذٰلکم مبتدا اور لفظ اللہ اس کی خبر اور ربکم الحق لفظ اللہ سے بدل ہے۔

سوال: ذٰلکم کا اشارہ محسوس و مشاہد کے لیے ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے تو پھر اسمِ اشارہ کیوں؟

جواب: مجازاً معہود فی الذہن کو محسوس مشاہد قرار دے کر اشارہ کیا گیا ہے۔

فَمَاذَا ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک اسم ہوں اسم اشارہ پر استفہام کا معنے غلبہ پا یا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذا اسم موصول بمعنی الذی ہو، یعنی کیا ہے بَعْدَ الْحَقِّ حق کے سوا، استعارۃً 'بعد' بمعنے غیر ہے یعنی توحید و عبادتِ الٰہی کے سوا اور کوئی شے حق نہیں اِلَّا الضَّلٰلُ گمراہی کے سوا اور اسے کوئی بھی نہیں چاہتا اور وہ بتوں کی پرستش ہے۔

سوال: بت پرستی کو ضلال سے کیوں تعبیر کیا گیا جبکہ بت پرستی اعمال جوارح سے ہے اور ضلال کو اعمالِ جوارح سے کیا تعلق؟

جواب: بت پرستی اعمال جوارح سے ہے لیکن ان کا اصل منشا گندہ عقیدہ ہے اسی اصل منشاء کی وجہ سے بت پرستی کو ضلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ یہ استفہام انکاری ہے اور اس سے وقوع کا انکار و استبعاد اور تعجب مطلوب ہے یعنی اسے کافرو! تم توحید اور عبادتِ حق کو چھوڑ کر مشرک اور عبادت اصنام میں مبتلا کیوں ہوتے ہو حالانکہ سب کو معلوم ہے

کہ شرک اور عبادت اصنام سراسر گمراہی اور جادۂ حق سے کوسوں دور ہے ۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
لیکن رہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ : اے اعرابی مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ معظمہ تک نہیں پہنچ سکو گے اس لیے کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہ بجائے کعبہ معظمہ کے ترکستان کو جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی گمراہی کا اظہار اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے فرمایا ہے :
حقیقی حق و صواب دکھانے والا اور اہلِ تصدیق اور شک والوں کا فرق بتانے والا وہی ہے ۔
حضرت صائب نے فرمایا : ؎

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اندر راہ را
تا رہروان برہنمائی نمی رسند

ترجمہ : جو لوگ گم کردہ راہ ہیں وہ کبھی رہروانِ حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے ۔
کَذٰلِکَ کاف محلاً منصوب ہے ربکم الحق کے حق مصدر محذوف کی صفت ہے ۔ دراصل عبارت یوں ہے :
کما حقت الربوبیۃ للہ تعالیٰ ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت متحقق ہے ۔

اسی طرح حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ تمہارے رب تعالیٰ کا کلمہ یعنی حکم اور قضا حق ہے ۔ عذابِ الٰہی ثابت اور متحقق ہو چکا ہے عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا ان لوگوں پر جو فاسق ہیں یعنی جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ اب ان کی اصلاح ناممکن ہو گئی ہے ۔ اَنَّهُمْ دراصل لانہم تھا اس لیے کہ یہاں کلمہ کی حقیقت بیان کرنا مطلوب ہے یعنی ان کے لیے عذابِ الٰہی اس لیے متحقق ہو گیا کہ وہ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ایمان لانے والے نہیں ۔ نتیجہ نکلا کہ انہیں عذابِ الٰہی کی طرف کھینچ کے لے جانے والا ان کا اپنا کفر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ نتیجے کا دار و مدار مقدمات اور اسباب پر ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جو سے ، گندم اور کیکر سے میوہ نہیں اُگتا ۔ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۔ البداء بمعنے ابتداء کرنا یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتداءً تخلیق کرتا ہے پھر مرنے کے بعد انہیں اٹھائے گا کفار چونکہ تخلیق کے تو قائل تھے لیکن موت کے بعد اُٹھنے کے قائل نہیں تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ کفار سے فرمایئے تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو مخلوق کی ابتدائی تخلیق کر کے پھر انہیں مرنے کے بعد اٹھائے ، پھر فرمایا کہ انہیں کھلے الفاظ میں فرما دیں کہ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتداءً تخلیق کرتا ہے پھر وہی انہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا ۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں کام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کر سکتا فَاَنّٰی

تُؤْفَكُوْنَ ○ یہ استفہام انکاری ہے یعنی یہ بات واضح اور متحقق ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کام صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے تو پھر بتاؤ اے کافرو! تم کس راہ پہ چل رہے ہو کہ سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہی پہ گامزن ہو رہے ہو قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ط اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں سے فرمائیے کہ تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو غیر کو حق کی رہبری کرے۔ اگرچہ معمولی سی رہبری بھی اس لیے کہ عبودیت کے مراتب میں ادنیٰ مرتبہ یہی ہے کہ معبود اپنے بندوں کو ایسے امر کی رہبری فرمائے جس سے ان کی عاقبت سنور جائے۔

قواعد لفظ هُدًى

ھدی جب لفظ الیٰ سے مستعمل ہو تو اس وقت معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ الیٰ کا ماقبل اس کے مابعد تک ختم ہو گیا اگر لام تعلیلیہ سے مستعمل ہو تو معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ ہدایت لام کے مدخول پر اس لیے متوجہ ہوئی ہے کہ ہدایت اس کے مدخول کو پہنچے اور مدخول کا ہدایت پر ترتب ہو جیسے علت و معلول کی شان ہے۔

ف: اس آیت میں ہدایت کے تعدی کے دونوں الفاظ یعنی الیٰ اور لام کو استعمال کیا گیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ط فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے راہِ حق دکھاتا ہے اس کے غیر میں اس کا کوئی اختیار نہیں (ہاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور قرآن وغیرہم اسباب و وسائل ہیں وہ بھی اسی کے اختیار میں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے اسباب

۱۔ دلائل واضح کھڑے کرنا۔

۲۔ رسل کرام کو بھیجنا۔

۳۔ کتب نازل فرمانا۔

۴۔ نظر صحیح کی توفیق بخشنا۔

۵۔ مدد صائب عطا فرمانا

لیکن چونکہ عقول مضطرب اور افکار مختلف ہوتے ہیں اسی لیے حق کی تعیین ہر ایک کا کام نہیں یہ بہت مشکل امر ہے اسی سے بہت سے لوگ غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں[1] معدودے چند ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہِ حق نصیب ہو اور وہ بھی صرف وہی جن کی عنایت الٰہی اور [illegible] ایزدی دستگیری فرمائے۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ بتاؤ اے کافرو! کیا وہ جو حق کی راہ دکھاتا اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے یہاں پر مفضل علیہ یعنی جس پر فضیلت دینا مطلوب ہے محذوف ہے اور من لا یہدی ہے اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ یا وہ جو ہدایت نہیں دیتا لا یہدی بکسر الہاء و تشدید الدال[2] دراصل لا یہتدی تھا [illegible] کو دال

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت مسائل شرعیہ میں ائمہ کی تقلید اور راہ سلوک کے سلاسل اربعہ کے مشایخ کا دامن پکڑتے ہیں تاکہ جیسا [illegible]

یار ہو سد — دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ بر کنار (اویسی غفرلہ)

[2] عام قرأتوں میں تشدید الدال نہیں۔

میں مدغم کرکے ہا کو التقائے ساکنین کی وجہ سے مکسور پڑھا گیا ہے یعنی وہ کسی حال میں بھی کسی کو ہدایت نہیں کر سکتا اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی ج مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہدایت نصیب ہو تو پھر وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ ان کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہدایت والے ہیں۔

سوال: کفار کے بت تو جماد محض تھے ان سے قبولیت ہدایت کا کیا معنیٰ۔ علاوہ ازیں من ذوالعقول کے لیے ہوتا ہے اور بت غیر ذوی العقول ہیں پھر ان پر لفظ من کیوں؟

جواب: یہ کفار کے ان معبودوں کے لیے ہے جنہیں بزعم خویش معبود بنا رکھا تھا جیسے حضرت عیسٰے و عزیر اور ملائکہ کرام علیہم السلام، وہ اس لیے کہ پہلے بت کے پجاریوں کی تردید فرمائی۔ کما قال:

امن یبدؤا الخلق الخ

اس کے بعد اب ان کا رد فرمایا جو مذکورہ بالا حضرات کو معبود سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں اشراف کی تردید میں رذیل ضمناً مذکور ہو جاتے ہیں۔

ف: تبیان میں ہے کہ بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان بلکہ ہر قسم کی قدرت نہیں رکھتے الا ان یھدی کا معنیٰ تبیان میں بیان کیا مگر یہ کہ ان میں دخول و خروج اور نقلِ مکانی اور ان پر تصرف وغیرہ مثلاً توڑنا جوڑنا وغیرہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معبود برحق کے لیے مذکورہ امور ممتنع ہیں فلہٰذا ثابت ہوا کہ تمہارے معبود پرستش کے لائق نہیں اگر عبادت کا مستحق ہے تو صرف وہی مطلق برحق۔

سوال: تمہاری مذکورہ بالا تقریر سے ہماری تشفی نہیں ہوئی اس لیے آیت میں مطلق ہے کہ ان معبودوں کو ہدایت دی جائے تو وہ ہدایت کے قابل ہیں اور یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

جواب: چونکہ کفار اپنے معبودوں کے لیے عقل و فہم سمع و بصر و دیگر ان کے جملہ امور ذوی العقول کی طرح مانتے تھے۔ بناء بریں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا رد فرمایا جیسا کہ علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ خصم کو اس کے مسلمات سے منوایا جائے۔

فَمَا لَکُمْ پس تمہیں اے کافرو! کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کے مقابلہ میں جعلی معبود تیار کر کے ان کی پرستش کرتے ہو کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ○ کیسے عجیب و غریب فیصلے کرتے ہو کہ جس کے بطلان پر عقل کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں اس سے انکے باطل اور غلط فیصلے کرتے ہو کہ جس کے بطلان پر عقل کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں اس سے ان کے باطل اور غلط فیصلے کا انکار کیا گیا ہے کہ انہوں نے محتاج یعنی معبودان باطلہ اور محتاج الیہ یعنی ذاتِ حق کو ایک جیسا سمجھ رکھا تھا ورنہ کہاں قادر اور کہاں عاجز۔ ؎

عجز و قدرت کہ ہمہ دو ضد انند
عقل گوید کہ بجا نند
عجز بر خلق سے در اند پوست
قادرے بر کمال حضرت اوست

ترجمہ: عجز و قدرت ہر دو ایک دوسرے کی ضد ہیں اگرچہ کسی دیوانے کی عقل فتوٰی دے کہ وہ برابر ہیں۔
مخلوق اپنی عاجزی سے کبھی چھڑا اتر دالیتی ہے اور اللہ تعالیٰ وہ قادر ہے کہ ہر کمال اسی پر ختم ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اور جس عقیدے پر وہ ہیں یعنے ان کا عقیدہ رکھنا کہ بُت معبود ہیں اس میں ان کی اکثر فرمانبرداری نہیں کرتے اِلَّا ظَنًّا ط مگر گمان کی یعنے انھیں کسی قسم کی تحقیق نہیں صرف آباؤ اجداد کی تقلید سے شرک میں مبتلا ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ ان کے بعض کو علم تھا کہ واقعی بُت پرستی بری ہے لیکن صرف ضد اور ہٹ دھرمی سے توحید و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ بیشک گمان کسی کو بے نیاز نہیں کرتا مِنَ الْحَقِّ حق یعنی علم و اعتقاد صحیح سے یعنی گمان و تخمین حق اور اعتقاد و یقین کا بالمقابل نہیں ہوسکتا شَيْئًا ط یہ مفعول مطلق یا مفعول بہ یا من الحق شیئًا سے حال ہے یہاں پر لا یغنی بمعنے لا یتوب ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ان کا یہ خیال کرنا کہ یہ بُت ان کے سفارشی ہیں، عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ نتیجہ نکلا کہ معبودان باطلہ کو بارگاہِ حق کا سفارشی ماننا باطل محض مبنی برخیال فاسد اور ان کا یہ گمان غلط اور سراسر غلط ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ جو کچھ وہ کرتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے اتباع ظن اور برہان سے اعراض پر انھیں فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ عقاید و اصول کا جاننا واجب ہے۔ عقاید میں کسی دوسرے کی تقلید پر اکتفا نہ کیا جائے۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

وہم افتد در خطاء و در غلط
عقل باشد در اصابتہا فقط
کشتی بے لنگر آمد مرد شر
کہ ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را اماں
لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ: وہم خطاء و غلطی میں پڑجاتا ہے لیکن عقل ہمیشہ صوابدید سے کام کرتا ہے لنگر کے بغیر کشتی شریر لوگ چلاتے ہیں، انھیں مخالف ہوا کا خیال تک نہیں ہوتا عقل کا لنگر عاقل کے لیے امان ہے عقلمندوں سے عقل کا سوال ضروری ہے۔

ف: فما لکم کیف تحکمون میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ کفار حد درجہ کے محروم القسمۃ ہیں اس لیے کہ جسے عقل کامل حاصل ہے وہ باطل و جہل کی ہرگز اتباع نہیں کرتا بلکہ اسے حق و علم کی اتباع سے چین آتا ہے ان کا آباء کی تقلید میں شرک کا مرتکب ہونا بھی کوئی حجت اور قوی دلیل نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عقل اس لیے بخشی ہے کہ رہِ حق و باطل کا امتیاز کریں اسی لیے لازم ہے کہ اتباع صرف ہدایت حق کی ہو اور بس۔ مشرکین اسی لیے جادۂ حق اور

طریقہ شریعت سے بہک کر وہ آباء کی تقلید میں پھنس گئے عقل سلیم سے کام نہ لیا اسی طرح سالکان خام کار بھی جب غفلت میں گرفتار ہوں تو راہِ حقیقت سے بھٹک جاتے ہیں۔

ناصح کی نصیحت بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے کسی عزیز سے فرمایا کہ میں ایک نصیحت کرتا ہوں اسے وُہ عمل میں لائے گا جسے دولتِ عقل نصیب ہوگی ہاں غافل اور محروم القسمۃ اس پر عمل نہ کرسکے گا وہ یہ کہ علم دینی نہ متکبر سے پڑھو اور نہ بدعتی سے اور نہ ہی (عقاید میں دوسرے کے) مقلد سے، اس لیے کہ تکبر منکبر کو آیات وغیرہ سمجھنے سے روکتا ہے اور بدعتی کو بدعت سینہ بہت بڑی رُوحانی بلاؤں میں پھنساتی ہے اور تقلید بھی بہت بڑے مقاصد سے مانع ہوتی ہے۔ علم کو نورِ عقل وبُرہان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ف: یاد رہے کہ علم کسب بالعقل بمنزلہ ظن وتخمین کے ہے اور حق ویقین کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ یہ اربابِ حقیقت کا مذہب ہے۔

ف: جو شے عقل اور قلب کے ظاہر سے حاصل کی جائے اس کا نام ایمان ہے اور جو قلب کے باطن سے حاصل ہو اسے ایقان کہتے ہیں۔

ف: بعض مشایخ فرماتے ہیں:

جب ایمان کو ظاہرِ قلب تک تعلق ہو وہ بندہ دنیا اور آخرت دونوں سے محبت کرتا ہے ایسا انسان کبھی اللہ سے واصل کبھی اپنے میں شاغل ہوتا ہے اور جب ایمان قلب کی اندرونی منزل میں جاگزین ہو تو وہ دنیا سے بغض کرتا ہے اور خواہشاتِ نفسانی کو یک لخت چھوڑ دیتا ہے لیکن یہ مرتبہ صرف جذبۂ الٰہی اور مرشد کامل کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔

منزل بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ

قطع ایں مرحلہ با مرغِ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کے گھر خود بخود نہیں پہنچا بلکہ مُرغِ سلیمان کی صحبت اختیار کی تو مجھے وہاں کی رسائی نصیب ہُوئی۔

صُحبت طالح ترا طالح کند اس منزل کو عبور کرتے وقت ناجنس کی صحبت سے کنارہ کشی لازم ہے اس لیے کہ بہت سے سالکین راہ نے بُری صحبتوں کی نحوست سے اپنا راہ گم کیا، اسی طرح خواہشاتِ نفسانی کو بھی ترک کرنا ضروری ہے ورنہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ہماری تقریر مذکور سے حق اور حقیقتِ حال واضح ہوگئی اس کے بعد کوئی نہیں سمجھتا تو اسے گمراہی وضلالت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تادمِ واپسیں اس راہ کی جدوجہد کی توفیق بخشے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اور نہیں یہ قرآن جو دلائل اعجاز سے بھرپور اور حسن نظم میں بے نظیر معانی دقیقہ و حقائق جامعہ رکھتا ہے۔ اَنْ يُّفْتَرٰى محلاً منصوب کان کی خبر ہے بمعنے افتراء یعنی یہ قرآن وُہ کلام نہیں کہ اپنی طرف سے بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے یعنی افترٰی۔ مصدر بمعنے مفعول ہے۔ بمبالغہ کے طور مصدر لایا گیا ہے۔

حل لغات: افترا افتعال فریت (دوسرے) سے لیا گیا ہے لیکن اس کا عام استعمال کذب کے لیے ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یہ کان کی دُوسری خبر ہے اور صادر ا" کے متعلق ہے یعنی یہ وُہ کلام ہے کہ اسے اللہ تعالٰے کے سوا اور کوئی بنا سکتا ہی نہیں وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ لیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے گزرا ہے یعنی یہ کتب الٰہیہ متقدمہ کی تصدیق کرتا ہے بایں معنی کہ اس کے مضامین کتب الٰہیہ سابقہ کے مطابق ہیں کہ ان کے اصول دین اور قصص اوّلین صحیح اور سچ ہیں اور پھر ایسی شخصیت کے ذریعے بھیجا گیا ہے جنہوں نے ظاہری علوم میں سے ایک نقطہ بھی کسی سے نہ پڑھا اور نہ کتب الٰہیہ سابقہ کے علماء کی صحبت میں کبھی نشست و برخاست کی۔ جب یہ صورت ہے کہ کلام بھی معجز نظام ہے اور لانے والے بھی اُمّی ہیں تو پھر افتراء کیسا، بلکہ اہلِ فہم کو یقین ہونا چاہیے کہ یہ کلام منجانب اللہ نازل ہوا ہے وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ کتب بمعنے فرض و قدر و حکم سے ماخوذ ہے یعنی کتب الٰہیہ سابقہ کے حقائق و شرائع قرآن مجید تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:

تفصل الکتٰب یعنی قرآن مجید اس جملہ کی تشریح ہے جو اللہ تعالٰی کی کتاب کا ایک حصہ ہے اور وُہ ایسی کتاب ہے کہ جس میں محو و اثبات نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ ازلی ابدی کتاب ہے کما قال:

یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت۔

یعنی لوحِ محفوظ محو و اثبات کے متعلق جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس لیے کہ لوحِ محفوظ مخلوق اور قابل تغیر و تبدل ہے۔ وعندہٗ ام الکتاب اور اللہ تعالٰے کے ہاں وُہ کتاب کہ تغیر و تبدل کے قابل نہیں کیونکہ وہ علمِ الٰہی ہے اور علم قایم بذاتہٖ اور قدیم ہونے کی وجہ سے قابل تغیر و تبدل نہیں۔

لَا رَیْبَ فِیْہِ یہ کان کی تیسری خبر ہے اور استدراک کے حکم میں یہ بھی داخل ہے یعنی یہ وُہ کتاب ہے کہ اس میں شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں اس لیے کہ اس کے اندر ایسے واضح اور کھلے دلائل ہیں کہ معمولی سا غور و فکر کرنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہے فلہذا اس میں شک اور شبہ نہیں مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ یہ کان کی آخری خبر ہے اور ریا منا کے متعلق ہے یعنی یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل ہوا ہے اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ؕ ام منقطعہ ہے اس میں بل اور ہمزہ مقدر ہے یعنی بلکہ یُوں کہو کہ کیا کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود تیار کر کے اللہ تعالٰی پر افترا کیا ہے۔ ہمزہ واقعہ کے انکار و استبعاد کے لیے ہے۔ زمخشری نے کہا ممکن ہے کہ کفار پر الزام حجت کے طور ہمزہ تقریر کے لیے ہو قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ سے فرمائیے اگر واقعی اسی طرح ہے جیسے تم کہتے ہو فَاْتُوْا تو تم بھی ایسا قرآن بنا کر اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کر کے لاؤ۔ یہ امر تعجیزی ہے بِسُوْرَۃٍ مِّثْلِہٖ ایک ایسی سورۃ جو فصاحت و بلاغت اور حسن نظم و قوت المعنی میں قرآن کی کسی سورت جیسی ہو اس لیے کہ تم بھی عربیت و فصاحت میں کچھ کم نہیں ہو وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ جتنی تم طاقت رکھتے ہو انہیں بلاؤ تاکہ وہ تمہاری معاونت کرتے ہوئے قرآن جیسی سورۃ بنا لیں اس لیے کہ بسا اوقات کوئی کام اکیلے سے نہیں

ہوسکتا تو دوسروں کو شامل کرنے سے کام بن جاتا ہے، فلہٰذا تم بھی اس کام کو سر کرنے کے لیے بلاؤ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو۔ یہ ادعوا کے متعلق ہے اور لفظ دُون حرف استثنا کے قائم مقام ہے یعنی اے کافرو! اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام مخلوق میں سے جسے چاہو اپنے ساتھ ملا کر قرآن کی کسی سورۃ کے مثل کوئی سورت بناؤ۔ لیکن اس میدان میں آنے میں کسی کو طاقت کہاں اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ (معاذ اللہ) میں نے اس قرآن کو خود تیار کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے تو وہ کام تم کر کے دکھاؤ اس لیے کہ جو کام کوئی بندہ کر لیتا ہے تو دوسرے بندے اس سے کئی گنا بہتر کر لیتے ہیں اس لیے کہ فوق کل ذی علم علیم ہر ذی علم پر صاحبِ علم فوقیت رکھتا ہے پس اے کافرو اجب تمہیں اپنے عجز کا اعتراف ہے کہ نہ ایسا قرآن فرداً فرداً تیار کر سکتے ہو نہ مجتمعاً، تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔

ف: قرآن پاک کے معجز ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی منازل کو پہنچ چکا ہے کہ اب اس کے معارضہ پرکسی کو ہمت نہیں ہو سکتی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس جیسا قرآن بنانا تو ممکن ہے لیکن اس جیسا کلام بنانے پر بندوں کی قدرت سلب کر لی گئی ہے اگر ان کی قوت مسلوب نہ ہوتی تو ضرور اس جیسا کلام بنا لیتے۔ یہ مطلب غلط اور سراسر غلط ہے۔ یہ کسی کج فہم کا خیال ہوگا۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للمولی الفناوی)

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ بلکہ اُنھوں نے جھٹلایا ایسے امر کو جس پر وہ احاطہ نہ کر سکے یعنے سمجھنے سے پہلے قرآن مجید کی تکذیب میں عجلت کی۔ یہ قاعدہ عام ہے کہ جو کسی شے کو پورے طور نہیں سمجھ سکتا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی کم فہمی کا اعتراف کرے بلکہ الٹا اس کی تکذیب میں جلد بازی کرتا ہے۔

ف: یہاں پر لفظ بل سے ان کی غلط کاری (کفر میں آباؤ اجداد کی تقلید اور قرآن پاک میں تدبر و فکر نہ کرنے کی) مذمت کی گئی ہے گویا یوں کہا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے ساتھ تحدی و الزام حجت یعنی مناظرہ بازی وغیرہ کو چھوڑ دیجئے اس لیے کہ وہ دائرۂ اہلیت وصلاحیت سے کوسوں دور ہیں اپنے آباؤ و اجداد کے اندھے مقلد ہیں اور ان کی رسوم کے سختی سے پابند ہیں عقل و دانش کی باتوں کو عمل میں لانے تک گوارا نہیں کرتے ورنہ اگر انھیں کچھ عقل و فہم ہوتا اور معمولی طور غور و فکر سے کام لیتے اور قرآن مجید کے شواہد اعجاز پر منصفانہ طور غور کرتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ واقعی یہ قرآن معجز نما کلام ہے اور اس کی نظیر صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ ممتنع ہے اور مخلوق میں سے کسی کی طاقت ہی نہیں کہ اس جیسی کوئی ایک سورۃ بنا سکے۔

وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيْلُهٗ، اس کا عطف صلہ پر ہے یا موصول سے حال ہے یعنی ان کے ہاں اس امر کا انجام ابھی نہیں آیا۔

خلاصۂ تفسیر قرآن پاک معجزہ ہے کہ اس جیسی عبارت کوئی بنا سکتا ہے نہ اس کے معانی جیسے کوئی معنے لا سکتا ہے۔ اخبار بالغیب میں بھی اپنی نظیر آپ ہے لیکن کفار مکہ

سنے سوچا نہ سمجھا اور قرآن کے دعویٰ کے مطابق آنے والے امور کا انتظار کرتے جن میں بعض کا وقوع دنیا میں اور بعض کا آخرت میں ہوگا۔ قرآن کے دعویٰ کے مطابق جو امور وقوع پذیر ہونے کی نبوت کی صداقت پر یقین کرتے لیکن بدقسمت تھے کہ جلدبازی سے منکر ہوئے۔

ف : سوال : جب ان کے علم کے احاطہ کی نفی لم یحیطوا الخ سے ہو چکی پھر لما کو لانے کی ضرورت کیسی جبکہ لفظ لما توقع پر دلالت کرتا ہے۔

جواب : ان کی مذمت وشناعت میں تاکید شدید مطلوب ہے اس لیے کہ تکذیب الشئی قبل علم المتوقع ایتانہ، تکذیب الشئی قبل علمہ مطلقاً سے افحش ہے۔

خلاصہ المرام اینکہ ان پر لازم تھا کہ وقوع المتوقع تک توقف کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

کَذٰلِكَ کفارِ مکہ کی تکذیب کی طرح، اسی طرح **كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** تکذیب کی انبیاء علیہم السلام کی ان کافروں نے جو ان سے پہلے تھے **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ○** دیکھو ظالموں کا انجام کار کیا ہوا۔ اس میں کفارِ مکہ کو وعید ہے کہ جس طرح تم کر رہے ہو ایسے ہی پہلے لوگوں نے کیا، تو جس طرح انھیں سزا ملی تو تمہیں بھی ویسے ہی سزا ملے گی۔

سوال : کافروں کو ظالمین سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : ظلم بمعنے وضع الشئی علیٰ غیر محلہ ہے۔ چونکہ انہوں نے تصدیق کی بجائے تکذیب کا ارتکاب کیا اسی لیے ظالم ٹھہرے پھر وہ معتوب ہوئے اور تباہ و برباد ہوئے۔ کتب سماویہ میں ان کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اور مکذبین میں بعض وہ ہیں **مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ** جو قرآن پر ایمان لاتے ہیں لیکن عمداً عناد اور سرکشی کرتے ہیں۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ط** اور ان میں بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے یعنی عبادت اور قلتِ تدبر کی وجہ سے سرے سے قرآن مجید کی صداقت وحقانیت کو مانتے ہی نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں کہ وہ عنقریب ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کریں گے اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی استعداد موجود ہے اور بعض وہ ہیں جن کی موت کفر پر آئے گی یعنی مرتے دم تک قرآن مجید کو نہیں مانیں گے اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی استعداد نہیں **وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ○** اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں سرکش اور کفر پہ ڈٹ جانے والے کون ہیں۔ انہیں مفسدین سے اس لیے موصوف فرمایا کہ انہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کی استعداد کو اعمال فاسدہ سے ضایع کر دیا۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ

اور اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو فرما دو کہ میرے لیئے میری کرنی اور تمہارے لیئے تمہاری کرنی تمہیں میرے

بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَ

کام سے علاقہ نہیں اور مجھے تمہارے کام سے تعلق نہیں اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ط اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ

ان میں کوئی وہ ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سنا دو گے

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ط

اگرچہ انہیں عقل نہ ہو اور ان میں کوئی تمہاری طرف تکتا ہے

اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ

کیا تم اندھوں کو راہ دکھا دو گے اگرچہ وہ نہ سوجھیں بیشک

اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ

اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً

ظلم کرتے ہیں اور جس دن انہیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر اس دن کی

مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ط قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

ایک گھڑی آپس میں پہچان کریں گے کہ پورے گھاٹے میں رہے وہ جنہوں

بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ہدایت پر نہ تھے اور اگر ہم تمہیں دکھا دیں کچھ

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ

اس میں سے جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں یا تمہیں پہلے ہی اپنے پاس بلا لیں بہرحال انہیں

شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ

ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے ان کے کاموں پر اور ہر امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا

رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ظلم نہیں ہوتا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط

تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ط اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

نہ آگے بڑھیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اس کا عذاب

عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

تم پر رات کو آئے یا دن کو تو اس میں وہ کونسی چیز ہے کہ مجرموں کو جس کی جلدی ہے

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ط آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

تو کیا جب ہو پڑے گا اس وقت اس کا یقین کرو گے کیا اب مانتے ہو پہلے تو اس کی جلدی

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ

مچا رہے تھے پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو

الْخُلْدِ ج هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ

تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر وہی جو کماتے تھے اور

يَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ط قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ج وَمَآ

تم سے پوچھتے ہیں کیا وہ حق ہے تم فرماؤ ہاں میرے رب کی قسم بے شک وہ ضرور

اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع

حق ہے اور تم کچھ تھکا نہ سکو گے

ع ۵ ۱۲ ۱۰

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ باوجود دلائل وبراہین قایم کرنے کے پھر بھی اگر وُہ آپ کی تکذیب کرتے اور کفر پر مُصر ہیں فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ تو فرمائیے میرے لیے میرے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل، یعنی آپ ان سے اظہار برأت فرمائیے اس لیے کہ آپ نے ان کو بہت کچھ سمجھایا ہے لیکن وُہ نہیں مانتے تو انہیں ان کی قسمت پہ چھوڑ دیجئے جیسے دُوسرے مقام پہ فرمایا کہ:

فان عصوك فقل انی بریٔ۔

پس اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں تو فرمائیے میرے اعمال کی جزا میرے لیے ہے اور تمہارے اعمال کی جزا و سزا تمہیں ملے گی۔

سوال: عملکم کے بجائے اعمالکم ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ جمع کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

جواب: یہ باعتبار اتحاد نوعی کے ہے یا اس لیے کہ ان کے بالمقابل عملی واحد کا صیغہ مستعمل ہُوا اس میں بھی واحد کا صیغہ لایا گیا تاکہ مناسبت قایم رہے۔

اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تم اُس سے بیزار ہو جو میں عمل کرتا ہُوں اور میں اُن سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔

لی عملی ولکم عملکم یہ جملہ لام اختصاص کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہر عامل کے عمل کی سزا و جزا اسی تک محدود رہے گی اس کی وجہ سے دوسرے کو سزا نہیں ملے گی یعنی میرے عمل کی وجہ سے تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تمہارے اعمال سے میرا مواخذہ ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے آپ کا استعداد فطری کو فیضِ ربُوبیت کے قبول کرنے کے لیے استعمال عبودیت میں صرف کرنا مراد ہے اور اس کی جزا جنت اور وصالِ الٰہی ہے اور ان کے اعمال سے لذات وشہواتِ نفسانیہ کو پُورا کرنے کے لیے استعداد فطری کو پُورا کرنا اور فیضِ الٰہی کے قبول کرنے سے قلب کو ضائع اور برباد کرنا مراد ہے اور اس کی سزا نارِ جہنم اور ذاتِ حق سے ہجر و فراق ہے نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تصدیق واقرار اور کفّار کے عمل سے تکذیب وکفر مراد ہے اور دُنیا میں ہر ایک دُوسرے کے عمل سے ایسے بیزار ہے کہ ان کا اجتماع محال ہے جیسے گوہ اور مچھلی آپس میں اکٹھے رہ کر گزارہ نہیں کر سکتیں اس لیے کہ گوہ کی غذا ہوا اور مچھلی کی غذا پانی ہے نیز گوہ میں قبض و یبوست ہے کیونکہ وہ جنگلی جانور ہے نیز مٹی میں بھی یبوست ہے اور گوہ مٹی کی پیداوار ہے اور مچھلی میں بسط و رطوبت ہے اس لیے کہ وہ بحری جانور ہے اور پانی میں رطوبت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

طوطیاں خاص را قندلیست ژرف

طوطیاں عام ازیں خود بستہ طرف

کہ چند درویش صورت زاں نکات

معنے است آں نے فعولن فاعلات

از خرِ عیسےٰ دریغش نیست قند

لیک خر آمد بخلقت کے پسند

بال بازاں را سوئے سلطان برد

بال زاغاں را بگورستاں برد

ترجمہ: خاص طوطیوں کو کھانڈ خالص نصیب ہوتی ہے لیکن عام طوطیوں کے وہاں نہیں جانے دیا جاتا۔

ظاہری صورت رکھنے والے درویش ایسے نکتے کب کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ وُہ نکتے تو معانی ہیں نہ کہ صرف لفظی گردان (فعولن فعولات) وغیرہ۔ عیسیٰ کے خر سے تو قند روکی نہیں جائے گی لیکن لفظ خر مخلوق کو ناپسند ہے بازوں کے بال سلطان کی طرف لے جائیں گے لیکن کوّوں کے بال گورستان میں لے جاتے ہیں۔

وَمِنْهُم اور ان مکذبین میں بعض مَّنْ وہ لوگ ہیں یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ط جب آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے یا اس کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں تو وہ لوگ صرف ظاہری طور آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ان کے دل کے کان دُنیا کی محبت اور نفسانی خواہش سے معمور ہیں اور زیادہ تر ادھر مشغول ہیں اس لیے جسے جس کی محبت ہوتی ہے وہ دُوسرے امور کے دیکھنے سے اندھے اور ان کے سننے سے ان کے کان بہرے ہوتے ہیں اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ ہمزہ استفہام انکاری اور فاء کا فعل مقدر پر عطف ہے دراصل ایستمعون الیك فانت تسمعھم تھا، کیا وہ آپ سے سُنتے ہیں تو آپ انھیں سناتے ہیں یعنی کیا انھیں سنانے کی قدرت رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے ان کے دل اندھے کر دیے ہیں۔

والمنکر ھو وقوع الاسماع لا الاستماع فانہ امر محقق [1]

آیت میں اسماع کی نفی ہے نہ استماع یعنی نہ سننے کی اس لیے کہ وہ تو امر محقق ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ○ اگرچہ وُہ کچھ نہیں سمجھتے یعنی ان میں بہرہ پن پہلے سے ہے پھر عدم تعقل بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے اس لیے صرف بہرہ پن ہو تو بات سمجھنے کی صلاحیت مفقود نہیں ہو جاتی بلکہ بسا اوقات کان میں کچھ معمولی سی آواز پہنچ جائے تو بہرہ بات کو سمجھ جاتا ہے لیکن جب سمع و تعقل دونوں مفقود ہوں تو بندہ ہر لحاظ سے بیکار سمجھا جاتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ط اور ان میں سے بعض اس ظاہری آنکھ سے آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ کی نبوت کے واضح دلائل کا معائنہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن چونکہ وُہ بصیرت کے اندھے ہیں اسی لیے گویا وہ کچھ دیکھتے

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۴۸ اس سے وہابی دیوبندی مودودی غلام خانی غیر مقلدین اور نیچری نجدی ٹولہ کا رد ہے کہ وہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔

ہی نہیں اَفَاَنۡتَ تَہۡدِی الۡعُمۡیَ، العمی اعمیٰ کی جمع ہے یعنی کیا آپ اندھوں کی رہبری کر سکتے ہیں یعنی باوجودیکہ آپ راہِ حق کی باتیں انھیں بتاتے ہیں وَلَوۡ کَانُوۡا لَا یُبۡصِرُوۡنَ۝ لیکن وُہ کچھ نہیں دیکھ سکتے یعنی وُہ نہ صرف بصارت کے اندھے ہیں بلکہ بصیرت سے بھی محروم ہیں۔

سوال: بصیرت کے اندھے تو تھے ہی، لیکن تم نے انہیں بصارت کے اندھے بھی کہہ دیا اور یہ واقعہ اور حقیقت کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس لیے کہ شئے کو دیکھنے سے عبرت کا حصول مقصود ہوتا ہے اور وُہ بصیرت سے ہوتا ہے۔ جب وہ بصیرت کھو بیٹھے تو گویا ان سے بصارت ضائع ہو گئی۔ یہی وجہ ہے بصیرت رکھنے والا نابینا بہت سے امور سے واقف ہوتا ہے بخلاف بصیرت کے اندھے کے وہ مقصودِ اعظم سے محروم رہتا ہے۔ کفار ہیں چونکہ بصیرت نہیں تھی اسی کے ساتھ حق باتوں کے نہ دیکھنے سے اندھے رہ کر ہدایت کی راہ سے محروم ہو گئے۔

ف: اللہ تعالٰے نے کفار مکہ کو کاذب، اندھے اور بہرے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بُغض و عداوت سے نہ آپ کے کلام کے محاسن کو سُن سکے اور نہ آپ کی نبوت کے دلائل دیکھ سکے جیسے اندھا اور بہرہ کسی کے کلام کے محاسن سُن سکتا ہے نہ کسی کی اچھی صورت کے خدوخال اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ سکتا ہے کفار کا یہی حال تھا۔

نکتہ: سمع کی نفی میں عدمِ تعقل اور بصر کی نفی میں عدمِ ادراک لانے میں اشارہ ہے کہ باطنی امور کو ظاہری امور پر فضیلت ہے۔

ازالۂ وہم چونکہ کفار اپنے کرتوتوں سے عقلی کمزوریوں کے انتہا کو پہنچ کر فلاح و نجات کے قابل بھی نہ رہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت قبول کرنے کا مادہ ہی ختم کر دیا جیسے طبیب کسی بیمار کو لا علاج پاتا ہے تو اس کے علاج کی تمام کارروائیاں ختم کر دیتا ہے ایسے ہی کافروں کا حال ہے۔

(اس سے کمیونسٹ اور مغربیت زدہ لوگوں کا رد ہو گیا جبکہ کہتے ہیں کہ کفار سے ہدایت کی ناامیدی کیوں جب کہ اللہ تعالےٰ قادر ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اس میں جس طرح کا سبب ہوگا ویسے ہی حکم) اضافہ اولیسی غفرلہ

ف: جب وُہ ہدایت کے قابل نہیں تو ان سے وحشت ضروری ہے اور ہر متوحش سے دُوری و بیزاری لازمی اسی لیے کہ کفار اپنے کفر پر اصرار و تکذیب پر ٹوٹ پڑنے سے اس قابل نہیں کہ ان سے انس یا دوستی کا دم بھرا جائے [1]

---

[1] یہی بات ہم بدمذہبوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان میں بدمذہبی راسخ ہو چکی اسی لیے ان سے بیزاری ضروری۔ فافہم لاتکن من الجاہلین۔

لطیفے کسریٰ کے وزیر جناب یونان نے کہا:

پانچ چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں:

- بارش شور والی زمین پر
- سورج کی روشنی میں دیا جلانا
- نابینا کی حسین وجمیل عورت
- لذیذ طعام بیمار کے لیے
- مرد عاقل نا قدر شناس لوگوں میں

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا یعنے ان کے حواس وعقول نہیں چھینتا وَلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ ۞ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں یعنی وہ اپنے حواس وعقول کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر پر استعمال نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ ان کے منافع وفوائد سے محروم ہیں۔ ؎

چشم از برائے دیدن آیات قدرت است
گوش از پے شنیدن اخبار حضرت است
ہر گہ کہ حق نہ بیند و حق نشنود کسے
کور و کر است بلکہ ازاں ہم بتر ہے

ترجمہ: آنکھ آیات قدرت کے دیکھنے کے لیے عنایت ہوئی اور کان حضرت کے اخبار سننے کے لیے دیے گئے جو حق کو نہ دیکھتا اور نہ سنتا ہے وہ اندھا اور بہرہ بلکہ اُن سے بھی بدتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے:

ان اللہ لا یظلم الناس یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت اور فیض ایمان کے قبول کرنے کی استعداد نہ دے کر ظلم نہیں کرتا خود ہی ان سے استعداد چھین لے اور پھر فرمائے کہ فیض ایمان اور ہدایت قبول کرو بلکہ انہیں فطرت الٰہی سے ہدایت اور فیض ایمان قبول کرنے کی استعداد عطا فرمائی ولکن الناس انفسہم یظلمون لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اوامر ونواہی شرعیہ کی مخالفت کر کے اپنی استعداد خود بخود ضائع کر دی ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ بندے کو اپنے کردار کے کسب کا اختیار ہوتا ہے وہ بالکل مسلوب الاختیار نہیں جیسا کہ جبریہ کا مذہب ہے پھر جو کسی نسبے میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حکایت مثنوی شریف

۵

عاشقی بودہ است در ایام پیش
پاسبان عہد اندر عہد خویش

سالہا در بندہ وصل ماہ خود
شاہ مات و مات شہنشاہ خود

عاقبت جویندہ یابندہ بود
کہ فرج از صبر زایندہ بود

گفت روزے یار او کامشب بیا
کہ بہ پختم از پے تو لوبیا

در فلاں حجرہ نشیں تا نیم شب
تا بیایم نیمشب من بے طلب

مرد قربان کرد و نانہا بخش کرد
چوں پدید آمد مہیش زیر گرد

شب دراں حجرہ نشست آں گرم دار
بر امید وعدہ آں یار غار

بعد نصف اللیل آمد یار او
صادق الوعدانہ آں دلدار او

عاشق خود را فتادہ خفتہ دید
اندکے از آستین او درید

گردگانی چندش اندر جیب کرد
کہ تو طفلی گیر ایں می باز نرد

چوں سحر از خواب عاشق جہید
آستیں و گردگانہا را بدید

گفت شاہ ما ہمہ صدق و وفاست
آنچہ بر ما می رسد آں ہم زماست

گفت شاہ ما ہمہ صدق و وفاست
آنچہ برما می رسد آں ہم زماست
خواب را بگذار امشب اے پسر
یک شبے بر کوئے بے خواباں گزر
بنگر ایں ہا را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

خلاصہ حکایت مذکورہ ایک شخص ماہ رو پر عاشق ہوگیا تو معشوق کے وصال کی خاطر کئی سالوں تک شدائد و مصائب برداشت کیے بالآخر قسمت جاگ اُٹھی۔ایک دفعہ محبوب سے ملاقات ہوگئی۔محبوب نے فرمایا: فلاں مقام پر میرا انتظار کرنا میں تمہیں آدھی رات کے بعد ملوں گا۔ وہ انتظار میں بیٹھے بیٹھے سوگیا۔معشوق اپنے وعدہ کے مطابق تشریف لایا لیکن عاشق سوچکا تھا۔معشوق نے نشانی کے طور پر چند کوڑیاں اس کی جیب میں ڈالیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ تم اس راہ میں ابھی بچے ہو اور بچوں کے کھیلنے کی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو میں تمہیں دے کر واپس جا رہا ہوں۔صبح کو عاشق جب بیدار ہوا اور جیب میں وہ کوڑیاں دیکھیں اور محبوب کا خط بھی پڑھا اور کفِ افسوس ملتا ہوا کہنے لگا کہ میرا دوست تو وعدے کا سچا تھا لیکن میری بدقسمتی کہ میں اپنی غفلت کی وجہ سے زیارتِ محبوب سے محروم رہا۔

آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "نیند کو چھوڑ کر کبھی بے خواب لوگوں کے ہاں بھی چل کر دیکھو کہ وہ مجنوں بنے بیٹھے ہیں بلکہ پروانوں کی طرح جلے بھنے پڑے ہیں"۔ ایقظنا اللہ و ایاکم و نوّر محیانا و محیاکم ولا یجعلنا من الغافلین الضالین الظالمین۔ (آمین ثم آمین)

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ يَوْمَ منصوب بفعل مقدر ہے هُمْ کی ضمیر کفارِ مکہ کے لیے ہے۔ یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفارِ مکہ کو یاد دلا کر ڈراؤ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُٹھا کر ایک میدان میں جمع کرے گا كَاَنْ مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے دراصل کانھم تھا گویا وہ لَمْ يَلْبَثُوْا وہ دُنیا یا قبور میں نہیں ٹھہرے اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ مگر دن کی ایک گھڑی۔

ف: یہ جملہ اوقات میں سے تھوڑے وقت کے لیے بطور کہاوت بولا جاتا ہے۔

سوال: نہار کی تخصیص کیوں؟

جواب: بہ نسبت رات کی گھڑیوں کے دن کی گھڑیاں اعرف ہیں بنا دبریں نہار کی تخصیص کی گئی۔ کان لم یلبثوا یحشرھم کی ضمیر مفعول سے حال ہے اب عبارت یوں ہوں گی: یوم یحشرھم مشبھین بمن لم یلبث الخ۔

سوال: اتنی طویل مدت کو وہ قلیل کیسے سمجھیں گے؟
جواب: انسان کو جب دُکھ درد پہنچتا ہے تو گزشتہ اوقات چاہے کتنے طویل اور آرام سے کیوں نہ گزارے ہوں لیکن دُکھ درد کے وقت سب بھول جاتے ہیں اور وُہ ایسے محسوس کرتا ہے گویا اس کے لیے ایامِ گزشتہ تھے ہی نہیں یا تھے تو چند گھڑیاں۔

استدلال اہلِ اعتزال تفسیر زاہدی میں ہے کہ معتزلہ اپنے دعوے کی دلیل اسی آیت کو بناتے ہیں۔ چونکہ وُہ عذاب و ثواب قبر کے منکر ہیں اسی لیے آیت ہذا سے استدلال کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ کفار کو اگر قبر کا عذاب ہوتا تو ان پر الا ساعۃ من النھار کیسے صادق آتا ہے اس لیے کہ لیل و نہار عالمِ دُنیا سے متعلق ہیں قبر میں لیل و نہار کیسے؟

جوابِ ازاہلسنت: پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یہاں پر یہ جملہ اپنے حقیقی معنے پر نہیں بلکہ کہاوت کے طور معمولی گھڑی پر استعمال ہوا ہے یہاں پر لیل و نہار سے اسے کوئی تعلق نہیں دنیا و برزخ دونوں کو ملا کر معمولی گھڑی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ عذاب شدید کے سامنے خفیف تر نسیاً منسیا بلکہ بسا اوقات کالعدم ہوتا ہے پہلے تو یاد نہیں رہتا اگر کچھ یاد ہوتا ہے تو معمولی۔ چونکہ آخرت کا اتنا سخت عذاب ہوگا تو اس کے مقابلے میں دنیا اور برزخ کا عذاب انہیں اتنا ہی یاد ہوگا جتنا قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے

جوابِ ازصاحب رُوح البیان: چونکہ کفار دنیا میں اکثر ناز و نعمت سے گزارتے رہے ویسے بھی عالمِ دنیا کی زندگی ہوا کی طرح گزرتی چلی گئی۔ پھر برزخ میں کسی کافر کو عذاب ہُوا یا نعمت نصیب ہُوئی وہ معمولی محسوس ہوگی بہ نسبت آخرت کے عذاب و نعمت کے کہ عذاب ہوگا تو سخت سے سخت تر اور نعمتیں ہوں گی تو اعلیٰ سے اعلیٰ تر، پھر ظاہر ہے کہ ادنیٰ کب یاد رہتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ بس عالمِ دنیا کے تنگ و تاریک ماحول کو چھوڑ کر عالمِ آخرت کی طرف رجوع کرے اس لیے کہ عالمِ دنیا کون و فساد اور فنا کو چاہتا اور تنگناہی ہے اور عالمِ آخرت وسیع تریں اور باقی اور لا متناہی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عالمِ دنیا بہ نسبت عالمِ آخرت کے لاشئے اور نہایت اقل قلیل ہے۔

ف: حشر کی دو اقسام ہیں:

○ عام
○ خاص

عام یوم نشور میں اجسام کا قبور سے نکل کر قیامت کے میدان میں حاضر ہونا،

خاص، ارواحِ اُخرویہ کا قبور اجسام دنیوی سے نکل کر سیر و سیاحت کے لیے عالم روحانیت کی طرف جانا۔
اس لیے کہ یہ لوگ صفاتِ نفسانیہ کو مٹا کر دنیوی موت سے پہلے ہی مر چکے ہوتے ہیں اسی لیے ان کے حشر کا معنیٰ وہی موزوں ہے جو مذکور ہوا۔

ف: حشر اخص قبور انانیت روحانیہ سے نکل کر ہویت ربانیہ میں داخل ہونا۔ کما قال:

یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔

یعنی اس دن ہم ان کو رحمٰن کی طرف وفد بنا کر اُٹھائیں گے۔

تفسیر عالمانہ

یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ط جیسے وہ دُنیا میں ایک دُوسرے کو پہچانتے تھے ایسے ہی قبروں سے اُٹھ کر ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا وہ موت کی وجہ سے ایک دوسرے سے غیر متعارف نہیں ہوئے۔
موت کے بعد کی درمیانی جُدائی ان کے تعارف سے حائل نہیں ہوگی۔

ف: یہ قبور سے اُٹھنے کے بعد کی بات ہے ورنہ جب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو پھر ایک دُوسرے کو پہچان نہیں سکیں گے بلکہ اکثر ایک دُوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے (انبیاء و اولیاء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں)

ف: گویا یہ علیحدہ علیحدہ صُورتیں ہیں قبور سے اُٹھنے کی حالت علیحدہ ہے اس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوگا پھر محشر میں تعارف منقطع ہو جائے گا۔ حساب و کتاب کے بعد دوزخی بہشتی اپنی منازل میں چلے جائیں گے تو اس کے بعد بدستور سابق ایک دُوسرے کو پہچانیں گے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے گھاٹے کے سودے کو ظاہر فرمایا ہے کہ جو لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے منکر ہیں وہ سخت گھاٹے میں ہیں اس لیے کہ قیامت کے حساب و کتاب اور سزا و جزا کا انکار کر کے جہنم کے مستحق ہوئے وَمَا کَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ○ اپنی تجارت میں صحیح راہ نہ پا سکے اس لیے کہ ایمان بیچ کر کفر اور تصدیق کے بدلے تکذیب کے خریدار بنے اس سودے سے انھیں نفع کے بجائے گھاٹا نصیب ہُوا۔ وقت بھی نکل گیا کہ پھر اب انھیں نفع کمانے کا موقعہ بھی نہیں ملے گا۔ ؎

چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ: اُستاد نے شاگرد سے درست فرمایا کہ بیٹا! ہم کوئی کام نہ کر سکے اور وقت بھی گزر گیا۔

وَ اِمَّا نُرِیَنَّكَ دراصل ان نرك تھا ما زائد شرط کے معنی کی تاکید کے لیے واقع ہُوا ہے یعنی اگر ہم آپ کو دکھائیں یا ظاہر کر دیں بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ عذاب کا کچھ حصہ جس سے ہم انہیں ڈراتے ہیں یعنی جیسے بدر میں ہم نے

کر دکھلایا اسی طرح اگر آپ کی زندگی میں ان پر عذاب کا کچھ حصّہ نازل کر دیں تو ہم قادر ہیں اور وہ عذاب معجل آ سکتا ہے

ف : شرط کی جزا یہاں پر محذوف ہے۔ ای فذاك هو المامول و انا اليهم مقتدرون۔

سوال : جزا محذوف کیوں ہے ؟

جواب : چونکہ وہ اتنا واضح المعنی ہے کہ اسے ظاہر کر کے لانے کی ضرورت ہی نہیں۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ان پر عذاب دکھلانے سے پہلے آپ کو ہم دُنیا سے اٹھالیں فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ تو ان کا ہماری طرف لوٹنا ہے لیکن مجبور محض ہو کر آئیں گے پھر ہم آپ کو ان کا عذاب میں مبتلا ہونا دکھلائیں گے اس لیے کہ ہم ان سے کفر کا بدلہ ضرور لیں گے اور اس کی صورت یہی ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں دنیا میں یا آخرت میں۔ فالینا مرجعھم ، نتوفینك کا جواب ہے اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا موت کے بعد ہو گا اس لیے فالینا مرجعھم شرط کا جواب نہیں بلکہ نتوفینك کا جواب ہے ہماری اس تقریر کی تائید آیت فاما تذھبن بك فانا منھم منتقمون او نرینك الذی وعدناھم فانا علیھم مقتدرون سے ہوتی ہے یہ آیت سورہ زخرف میں ہے یعنی اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا آپ کو آپ کی دنیوی زندگی میں ان پر عذاب نازل ہونا دکھائیں تو بھی ہم قادر ہیں۔ اصول تفسیر کا قاعدہ ہے کہ قرآن کی آیات ایک دُوسری کی تفسیر ہُوا کرتی ہیں۔

صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میری رائے یہی ہے اور یہی مؤید و مؤکد ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ پھر اللہ گواہی دے گا ان کے ان اعمال کی جن کا ارتکاب دُنیا میں کرتے تھے۔

ف : یہاں شہادت سے اس کا نتیجہ اور مقتضیٰ مراد ہے یعنی جزا و سزا، جیسا کہ اسے ثم الینا مرجعھم کے بعد لفظ ثم کے ساتھ لانے سے اسی معنے کی تائید ہوتی ہے اگر شہادت کو اپنے حقیقی معنے میں لیا جائے تو ترتیب مذکور غیر مناسب ہے کیونکہ ان کی تکذیب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا اور ان کے دیگر جملہ قبائح کو اللہ تعالیٰ جیسے رجوع کے وقت جانتا ہے انھیں پہلے بھی جانتا تھا پھر الینا مرجعھم لانے کا کیا فائدہ۔ وہ اس وقت مفید ہوتا ہے جبکہ شہادت سے مجازاً بمعنے جزا و سزا وغیرہ مراد لی جائے۔

ف : کواشی میں ہے ثم بمعنے واؤ یا ترتیب اخبار کے لیے آتا ہے جیسے زید قائم ثم ھو کریم۔

ف : ان سے عذاب کو مؤخر کرنا عجز کی دلیل نہیں بلکہ مبنی بر حکمت ہے ورنہ وہ تو عذاب بھیجنے پر ہر وقت بہت بڑی قدرت رکھتا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ج گزشتہ اُمتوں میں ہر ایک اُمت کا رسول مبعوث ہُوا جس نے انہیں شریعت کے وہی احکام بتائے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے نازل ہُوئے تاکہ احکام کے ذریعے انھیں وصالِ حق کی دعوت دی جا سکے فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ پس جب ان کے ہاں رسول علیہ السلام معجزات لے کر تشریف لاتے تو لوگ اپنے

رسول علیہ السّلام کی تکذیب کرتے قُضِیَ بَیْنَهُمْ تو ان کے مابین یعنی رسول علیہ السلام اور اُن کی اُمت کے مابین فیصلہ ہوجاتا بِالْقِسْطِ انصاف کے ساتھ یعنی رسول علیہ السّلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے نجات اور تکذیب کرنے والوں کے لیے عذاب یعنی تباہی بربادی وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اور ان پر اس فیصلے سے ظلم نہ تھا بلکہ عین عدل تھا اس لیے کہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے وہ اسی عذاب کے مستحق تھے ۔

سوال : آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ہر اُمت کے لیے رسول بھیجے گئے حالانکہ زمانۂ فترت میں نہ ان کے ہاں رسول آیا نہ وہ برباد ہوئے ۔ حالانکہ غلط کاریوں میں وُہ بھی سابقہ اُمتوں سے پیچھے نہیں تھے ۔ قرآن پاک کی آیت لتنذر قوما ما انذر آباءھم میں بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے ۔

جواب : آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر امّت کے لیے ہلاکت اور تباہی مقدر کی گئی ہے خواہ انھیں کسی رسول علیہ السلام کے ذریعے سے عذابِ خداوندی سے ڈرایا جاتے یا نہ اہلِ فترت کو عذاب میں اس لیے مبتلا نہ کیا گیا کہ عرب میں اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا جب ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہُوئے تو کفّار نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے انھیں بدر میں عذاب میں مبتلا کیا ، چنانچہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رسالت کے احکام کا اجراء تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی طرح اُن کے وصال کے بعد منقطع ہو گئے یہ صرف ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا خاصہ ہے کہ آپ کی نبوت غیر منقطع ہے ۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : اس تقریر سے ابن الشیخ کے خیال کا ردّ ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر اُمّت میں رسول موجود ہو اس لیے کہ پہلے رسول کے احکام دوسرے رسول کی تشریف آوری تک جاری رہتے ہیں جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں مبعوث ہُوئے ان کا وصال ہو گیا لیکن ان کے احکام تاابد جاری رہیں گے ۔ اس قول کا رد اُوپر ہم نے بیان کر دیا کہ دُوسرے رُسل کرام علیہم السلام کے احکامات ان کی زندگی کے بعد ختم ہو جاتے ہیں ۔ یہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ ان کے احکامات تا ابد جاری رہیں گے ۔

ف : اہلِ فترت کو عذاب ہوگا یا نہیں ۔ اس کی تفصیل ہم نے سورۂ توبہ کے آخر میں عرض کر دی ہے ۔

فائدہ صوفیانہ ہر رسول کی ایک وحی ظاہری ہوتی ہے ، ایک باطنی ، جسے الہامِ الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزہ واقع ہو سکتا ہے وہی اولیاء کرام علیہ الرحمۃ والغفران کے لیے بطور کرامات کے واقع ہوتا ہے ہر رسول علیہ السلام کی تشریف آوری ظاہری باطنی وحی سے ہوتی ہے ۔ جو ان کی تصدیق کرتا ہے اسے تصدیق کے مطابق سعادت نصیب ہوتی ہے ، جو ان کی تکذیب کرتا ہے اسے اس کے کذب کے مطابق شقاوت حاصل ہوتی ہے ۔

ب

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود دارد و خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر شخص کو اپنی ہمت کے مطابق نفع نصیب ہوتا ہے۔

نصیحت از صاحب روح البیان اور ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کو تہہ دل سے ماننا اور ان کے ہر ارشاد کی تصدیق اور اتباع کرنے سے انسان کو ہر طرح کی سعادت و کامرانی و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

وَيَقُولُونَ قیامِ قیامت کو ناممکن سمجھ کر یا استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب آیت وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ (الآیہ) نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے کہا: اے نبی علیہ السلام (صلی اللہ علیہ وسلم) ! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ لاکر دکھاؤ۔
ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی جس عذاب کے متعلق کہتے ہو وہ جلد تر آئے گا ہمیں اس سے کسی قسم کا خطرہ نہیں اِنْ كُنْتُمْ اے نبی علیہ السلام اگر تم اور تمہارے متبعین صٰدِقِيْنَ ○ اس وعدے میں سچے ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ لائے وہ عذاب قُلْ لَّآ اَمْلِكُ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! میں ذاتی طور مالک نہیں یعنی میں ذاتی طور اس کی قدرت نہیں رکھتا۔

سوال: تم نے ملك کا معنیٰ قدرت کیوں بتایا؟

جواب: قدرت ملك کو لازم ہے اسی لزوم پر ہم نے ملك کا معنیٰ قدرت کیا ہے۔

لِنَفْسِىْ ضَرًّا اپنے نفس کے لیے نقصان کہ میں ذاتی طور اسے دفع کرسکوں وَّلَا نَفْعًا اور نہ ہی ذاتی قدرت رکھتا ہوں کہ میں کچھ اپنے لیے نفع حاصل کرسکوں۔ جب میں خود اپنے لیے ذاتی طور نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تمہارے لیے عذاب کیسے لاسکتا ہوں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یہ استثناء منقطع ہے یعنی تمہارے اوپر عذاب اس وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ چونکہ اس نے تمہارے لیے عذاب کی کوئی تاریخ معین نہیں کی اسی لیے اگر ابھی تمہیں عذاب نہ ہو تو اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس نے وعدہ کا خلاف کیا۔ ہاں جب وہ چاہے گا تو تم پر عذاب واقع کرے گا تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکے گا کما قال لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر اس امت کے لیے کہ جس کے اور نبی علیہ السلام کے درمیان فیصلہ ہوچکا اَجَلٌ میعاد مقرر ہے کہ جس امت کا عذاب جس طرح متعین ہوا اسی کو پہنچے گا ان سے متجاوز ہوکر دوسری امت کو نہیں پہنچے گا۔

اور جس طرح کا عذاب مقرر ہوا ویسے ہی ملے گا بوجہ اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ جب ان کا خاص معین عذاب کا وقت آتا ہے فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً تو وہ اپنے مقررہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔
ف: صیغہ استقبال میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ عذاب کا مطالبہ خود کریں گے لیکن نزول عذاب کے وقت انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ اسے وقت مقرر سے مؤخر کر سکیں۔

وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ○ اور نہ وہ آگے ہو سکیں گے اسی لیے عذاب کی عجلت نہ کریں کیونکہ جب اس کا وقت آئیگا اور ہم اپنے وعدہ کے مطابق عذاب بھیجیں گے تو انہیں کسی قسم کی مہلت نہیں ملے گی۔ اس کا عطف ولا یستاخرون پر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں تاخر کی طرح نفی نہیں کہ وہ فی نفسہٖ مقدم و موخر نہ ہو سکتے ہوں بلکہ اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عذاب مقدر کرے گا تو اس کا عدم وقوع عقلاً محال ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خبر دو۔
سوال: ارءیتم کا تم نے اخبرونی معنےٰ کیوں کیا؟
جواب: رؤیت اخبار کا سبب ہے اسی لیے ہم نے سبب کو لے کر اخبرونی سے معنیٰ کیا ہے۔

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ اگر تمہارے اُوپر وہی عذاب آئے جسے تم جلد زمانگتے ہو بَیَاتًا رات کو اور نیند کے غلبہ کے وقت اَوْ نَهَارًا یا دن کو جب کہ تم اپنی معاش کے حصول میں منہمک ہو مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ شرط کا جواب ہے اور جواب کی فا محذوف ہے اس لیے کہ نحوی قاعدہ مشہور ہے کہ جب شرط کا جواب استفہام واقع ہو تو جواب پر فاء کا ہونا واجب ہوتا ہے ہاں بوقت ضرورت اسے حذف کرنا جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو! کون سے عذاب کی تم عجلت کرتے ہو۔ عذاب تو مانگنے کی شے نہیں اس کی سختی اور کڑواہٹ کو سن کر طبائع گھبراہٹ محسوس کرتی ہیں اور عذاب کا نام سن کر دل بیقرار ہو جاتے ہیں یا یہ معنےٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تم کس چیز کی عجلت کرتے ہو۔ جب شے آتی ہے تو اس کی عجلت کا سوال بے سُود ہو جاتا ہے۔ اس میں مبالغہ ہے بایں معنیٰ کفار کا عجلت کرنا کسی قطار میں نہیں جب عذاب کا نزول ہوگا تو ان کو عجلت کا تصور تک بھی نہ رہے گا اور عذاب اگرچہ ابھی نازل نہیں ہوا لیکن مبالغہ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا ان پر نازل ہو ہی گیا۔ المجرمون ضمیر کی بجائے ظاہر کر کے لایا گیا ہے انکار کے بیان کرنے سے ہے تاکہ ان کے حال کا تضاد واضح ہو کہ جونہی عذاب نازل ہوتا ہے مجرم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ گھبراہٹ سے اپنے نابستہ تصورات بھول کر جزع فزع میں مشغول ہو جاتا ہے اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ حرف استفہام کو حرف ثُمَّ پر داخل کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کے عذاب کو تاخیر نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے کہ جب تمہارے اوپر عذاب واقع ہوا تو کیا تم اُسی وقت ایمان لاؤ گے لیکن یاد رکھو اس وقت تمہارا ایمان لانا نہیں کام نہیں آئے گا۔ آلْئٰنَ ہمزہ ثانیہ کو الف سے تبدیل کر کے مد لائی گئی جس کا ایسے مقام پر آنا ضروری ہے

در اصل ءآ الْئٰن تھا اس لیے کہ پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ آمنتم مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ مذکورہ آمنتم سے اُسے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ نہ استفہام کا ماقبل مابعد پر عمل کر سکتا ہے نہ مابعد ماقبل پر۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اسے قبل مذکور سے کوئی تعلق نہیں گویا کفار نزولِ عذاب کے وقت ایمان لائیں گے تو انھیں کہا جائے گا آلْئٰن یعنی اب عذاب کے معائنہ پر ایمان قبول کر رہے ہو ایسا ایمان بارگاہِ حق میں قابلِ قبول نہیں وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝ حالانکہ اس سے قبل تم تکذیب و استہزاء کرتے ہوئے اسی عذاب کی عجلت کا مطالبہ کرتے تھے ثُمَّ قِيْلَ اس کا عطف آلْئٰن سے پہلے کے فعل مقدر پر ہے لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پھر انھیں کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا یعنی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور ایمان کے بجائے کفر کیا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ دائمی عذاب کا مزہ چکھو یعنی ایسا عذاب کہ اس میں تمہیں ہمیشہ مُبتلا رکھا جائے گا اس لیے کہ وُہ پہلے عذابِ قبر میں مبتلا رہیں گے پھر اُنھیں آخرت کے عذاب کی طرف لایا جائے گا اور یہ عذاب ان سے منقطع نہیں ہوگا۔ ؎ نہ پنداری کہ بدگو رفت و جان برد

حسابش کرامٌ کاتبین است

ترجمہ: خیال مت کرو کہ بدبخت مر کر جان چھڑا گیا بلکہ کرامٌ کاتبین کا حساب اس کے ساتھ اب شروع ہوگا۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۝ آج کے دن نہیں جزا دیے جاؤ گے مگر بسبب اس کفر و معاصی کے جن کا تم دنیا میں ارتکاب کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً عذاب کو پیدا نہیں فرمایا اس لیے کہ بندوں کی تخلیق اس لیے تاکہ ان پر رحم فرمائے بلکہ عذاب ان کے اعمال کا نتیجہ ہے اس لیے ثابت ہُوا کہ اعمال باطلہ ہلاکت کا موجب ہیں اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی زہر کھا لے۔ ؎

چرا از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ۔۔۔ ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اور آپ سے کفار انکار و استہزاء کے طور سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں اَحَقٌّ هُوَ کیا وُہ حق ہے، ہمزہ استفہامیہ ہے حق خبر مقدم اور ھو مبتداء مؤخر ہے جملہ بن کر یستنبئونك کا محلاً منصوب مفعول ہے اس لیے کہ انباء بمعنے اخبار متعدی بدو مفعول ہے یاد رکھو کہ نحویوں میں مشہور ترین یہ ہے کہ استنباء کے مفعول ثانی پر لفظ عن ہوتا ہے مثلاً: استنبئت زیدا عن عمرو۔

یعنی میں نے زید سے عمرو کے متعلق خبر طلب کی۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفار سے فرمائیے آپ ان کے استہزاء و انکار کو نظرانداز کیجئے اس لیے کہ اس میں بہت بڑی حکمت ہے اِیْ وَرَبِّیْ۔ ای بکسر الھمزہ وسکون الیا نعم کی طرح حرفِ ایجاب ہے لیکن یہ حرف جملہ قسمیہ میں آتا ہے جیسے لفظ ھل صرف استفہام بمعنے قد واقع ہوتا ہے اس معنے پر یہ واؤ قسمیہ ہے اب معنے یہ ہُوا کہ ہاں ایسے ہی ہوگا مجھے اپنے رب تعالیٰ کی قسم اِنَّهٗ بے شک وُہ عذاب موعود لَحَقٌّ البتہ حق اور ثابت ہے وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۝ اور تم اپنے رب تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے جب وہ تمہارے عذاب دینے کا ارادہ فرمائے گا تو تم نہ اسے روک سکو گے نہ اس سے بھاگ سکو گے لامحالہ تمہارے اُوپر عذاب واقع ہوگا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ط

اور اگر ہر ظالم جان زمین میں جو کچھ ہے سب کی مالک ہوتی ضرور اپنی جان

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ج وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

چھڑانے میں دیتی اور دل میں چپکے چپکے پشیمان ہوئے جب عذاب دیکھا اور ان میں انصاف سے فیصلہ

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

کردیا گیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

میں اور زمین میں سن لو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں اکثر

هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾

کو خبر نہیں وہ جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآ

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور

ءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ

دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے تم فرماؤ

بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ

بھلا سلا بتاؤ تو فضل اللہ اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ

دھن دولت سے بہتر ہے تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا اس میں

رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ط قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ

تم نے اپنی طرف سے حرام و حلال ٹھہرا لیا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى

اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو اور کیا گمان ہے ان کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے مگر اکثر لوگ

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

شکر نہیں کرتے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ غفلت پر چونکہ تعلقات کونیہ کی وجہ سے غفلت کے پردے لٹک ہوئے ہیں اسی لیے امورِ اُخرویہ انہیں محسوس نہیں ہوتے اور اہلِ حقیقت یعنی عارفین کے قلب چونکہ بیدار اور اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتے ہیں اسی لیے بصیرت کی آنکھ سے امورِ آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آخرت کی ہولناکیوں اور اس کے حالات کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے دنیوی امور کا ظاہری آنکھ سے معاینہ کیا جاتا ہے ان کا چشم بصیرت کا مشاہدہ بھی محسوس کے طور ہوتا ہے چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج جنۃ و نار سے گزرے اور انہیں اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا اور آپ پر تمام اشیاء کی حقیقتیں منکشف ہوگئیں۔ بنا بریں آپ نے کفار کے موعودہ امور کے لیے قسم کھا کر فرمایا انہ لحق بے شک وہ حق اور ثابت ہے وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ بیشک ہر وہ نفس جس نے ظلم یعنی کفر کیا اگر مَا فِي الْاَرْضِ وہ جو زمین سے ہے یعنی دنیا اور اس کے تمام خزینے اور مال اس کی ملک کر دیئے جائیں ——
لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وہ انہیں فدیہ کے طور دے کر عذابِ الٰہی سے نجات پانے کی جدوجہد کرے یہ افتداء بمعنے فداہ سے وَاَسَرُّوا اس کا فاعل هم ضمیر راجع سوئے نفس ہے۔

سوال: نفوس پہلے مذکور نہیں تو ضمیر کیسے راجع ہوگی۔

جواب: کل نفس پہلے مذکور ہوا ہے اس کا معنے نفوس ہے

سوال: نفس مونث ہے اور ضمیر هم جمع مذکر کی، یہ کیسے؟

جواب: نفس مجازاً بمعنے شخص ہے۔

سوال: اس سے تو صرف کفار مردوں کے لیے حکم ثابت ہوگا حالانکہ کفر میں مرد و زن سب برابر ہیں۔

جواب: تغلیباً مردوں میں عورتیں بھی احکام میں شامل ہوتی ہیں۔

النَّدَامَةَ یعنی کفار اپنی غلطیوں یعنی کفر و شرک کی ندامت کو چھپائیں گے لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ جب عذاب کو دیکھیں گے۔ یعنی عذاب کو دیکھ کر اپنے کفر و شرک کو ظاہر نہیں کریں گے اس لیے کہ کمال حیرت سے بول ہی نہیں سکیں گے جیسے کسی کو سولی پہ چڑھانے کے لیے لایا جانے تو حیرت سے مبہوت ہوکر بول نہیں سکتا ایسے ہی کافروں کی حالت ہوگی
ف: الحواشی میں ہے کہ اس دن اپنی ندامت ظاہر کریں گے یعنی دھاڑیں مار کر روئیں گے اس لیے کہ وہ دن ایسا ہے

کہ دُکھ اور درد سے صبر کرنا ناممکن ہو جائے گا اور اسرار بمعنے اظہار ہے۔ چنانچہ تبیان میں ہے کہ اسرار لغات اضداد سے ہے (یعنی جس لفظ میں ضد و ضد پائی جائیں اسے اضداد سے تعبیر کرتے ہیں جیسے بیع بمعنے خرید اور بیچنا وغیرہ وغیرہ)

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اور ان کے مابین فیصلہ کیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالٰی ظالمین مشرکین وغیرہ اہل ظلم کا فیصلہ فرمائے گا۔ بایں طور کہ ان سے ان حقوق کا مطالبہ ہو گا جو انہوں نے دنیا میں حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہر ایک ظالم سے اس کے لائق حساب ہو گا اور اس سے حقوق کی ادائیگی کرائی جائے گی بِالْقِسْطِ انصاف کے طور وَهُمْ اور ان ظالمین پر لَا يُظْلَمُونَ O ظلم نہیں ہو گا جتنی غلط کاریاں اُن سے دُنیا میں سرزد ہوئی ہوں گی اسی قدر انہیں سزا ملے گی اور یہ عذاب ان کے کیے پر انہیں لازمی طور پر ہو کر رہے گا اور ان کے ظلم کا تقاضا یہی ہے۔ (کذا فی الارشاد)

سوال: قضی بینھم ایک بار پہلے مذکور ہوا۔ اب دوبارہ کیوں لایا گیا ہے اس طرح سے تکرار لازم آگیا۔

جواب: پہلے قضی بینھم سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے مکذبین کے مابین اور دوسرے سے مشرکین کو شرک کی سزا کا فیصلہ مراد ہے۔

اَلَآ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ غافلین کو متنبہ کرنے کے لیے آتا ہے وہ اس لیے کہ اس عالم دنیا کے لوگ اسباب ظاہرہ میں مشغول ہیں اور اس کی ہر شے کو کسی کی طرف مجازی ملکیت منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

الدار لزید۔ زید کی حویلی

الغلام لعمرو۔ عمرو کا غلام

السلطنة للخليفة۔ خلیفہ کی بادشاہی

التصرف للوزیر۔ وزیر کا تصرف۔ وغیرہ وغیرہ

اور وہ اس مجاز کی غفلت وجہالت سے اتنا غرق ہیں کہ ان اضافات و منسوبات کو گویا مجاز کے بجائے حقیقت سمجھتے ہیں اسی لیے اللہ تعالٰی نے ایسے غافلین کو لفظ اَلَآ سے متنبہ فرمایا کہ خبردار اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیشک جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ تعالٰی کا ہے اس لیے کہ یہ مسئلہ محقق ہے کہ اللہ تعالٰی کے ماسوا تمام ممکن بذاتہ ہیں اور ہر ممکن لذاتہ واجب لذاتہ کی طرف مستند ہے ابتداءً یا بالواسطہ نتیجہ نکلا کہ جمیع ماسوی اللہ تعالٰی کی ملکیت ہیں ان میں (ایجاداً و اعداماً اثابةً و اعقاباً) وہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔

سوال: ما غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے آیت سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت میں صرف غیر ذوی العقول ہیں

جواب: تغلیباً ذوی العقول بھی شامل ہیں جیسا کہ تغلب کا قاعدہ ہے۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ جو کچھ اللہ تعالٰی نے ثواب و عتاب کا بندوں سے وعدہ کیا ہے وہ ثابت ہے۔ وعد بمعنے موعود اور حق بمعنے ثابت واقع ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وعد اپنے مصدری معنے میں ہے اور حق بمعنے مطابق للواقع ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ مذکورہ واقع کے مطابق ہے وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لیکن وہ اپنی عقل کے قصور اور غلبۂ غفلت اور صرف محسوس معتاد کو سمجھنے کی وجہ سے ان کے اکثر لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اس لیے کہ وہ صرف دنیا کے ظاہری حالات کو جانتے ہیں اس لیے وہی کہتے اور کرتے ہیں جو سب کو معلوم ہے۔ ؎

ماندہ در تنگنائے ایں مجلس
غیر دنیا ندیدہ دیدۂ حس
چشمِ دل گو کہ پردہا بدرد
جانبِ ملکِ آخرت نگرد
مرغ او در قفس زبوں باشد
چہ شناسد کہ باغ چوں باشد

ترجمہ: اس دنیا تنگ گلی کو دیکھنے کا عادی جو صرف ظاہری اور محسوس اشیاء کو دیکھتا ہے اسے کہو کہ وہ دل کی آنکھ کے پردے چاک کر کے آخرت کے ملک کو دیکھے ورنہ اس کا مرغِ دل بیکار پنجرے میں پھنسا رہے گا اسے کیا معلوم ہوگا کہ باغ کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وہی دنیا میں مارتا جلاتا ہے اس کے اس فعل میں کسی کو دخل نہیں وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ اور تم آخرت میں اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ھو یحی عدم سے ایجاد وہی بخشتا ہے ویمیت وجود سے عدم میں وہی لاتا ہے والیہ ترجعون عدم و وجود کے لحاظ سے تمہارا اسی کی طرف رجوع ہے۔

مسئلہ: انسان کو بالآخر موت آئے گی جب اس کا وقت آتا ہے تو کسی کو کوئی علم اور ہنر کام نہیں دیتا جیسے جب موت آئی تو آدم علیہ السلام کو علم اور ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت اور موسیٰ علیہ السلام کو قربت اور داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین کو ملک اور حضور امام الانبیاء سرورِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت اور قارون کو مال اور فرود کو لشکر اور یوسف علیہ السلام کو جمال کام نہ دے سکا۔

موت کی ہولناک داستان منقول ہے کہ بوقتِ موت ایک لاکھ چوبیس ہزار غم لاحق ہوتے ہیں اور اس قدر سخت کہ اگر ان میں سے صرف ایک غم اہلِ دنیا کو دے دیا جائے تو تمام اہلِ دنیا مٹ کر فنا ہو جائیں پھر مرنے کے بعد بندے کو ترلیسٹھ ہولناک امور گھیر لیتے ہیں اس کا ہر ہول دنیا کے مذکورہ غموں کے برابر ہوتا ہے جسے ان ہولناکیوں پر یقین ہے اور اتنا مجاہدہ کرتا ہے کہ اس کے جہاد کا ہر الم موت کے تمام غموں کا بدلہ بن جاتا ہے پھر جب اسے موت آتی ہے تو اسے مذکورہ بالا غم و الم نہیں پہنچتے اس لیے کہ وہ اضطراری موت سے پہلے

اختیاری موت سے مرچکا ہوتا ہے بلکہ وہ مذکورہ مجاہدات سے اپنے مولیٰ سے واصل ہو جاتا ہے اسی لیے تمام قیود و اضافات سے فارغ ہو کر باقی باللہ کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔ اسی لیے اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ نفس کی موت میں قلب کی زندگی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حیاتِ قلبی نصیب فرماتے۔

ف : اختیاری موت اولیاء اخیار رحمہم اللہ تعالیٰ کو نصیب ہوتی ہے اور اضطراری موت کمینے اور اغیار لوگوں کو ملتی ہے یُوں کہو کہ ولی اللہ کی موت وصالِ الٰہی کا دُوسرا نام ہے اور رذیل اور اغیار کی موت کو جُدائی اور ہجران سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

اے برادر صبر کن بر درد نیش
تا دہی از نیش نفس گبر خویش
ہر کہ مرد اندر تن او نفس گبر
مرد را فرمان برد خورشید و ابر
نے بگفتست آں سراج امتان
ایں جہان و آں جہان چوں ضرتان
پس وصال ایں فراق آں بود
صحت ایں تن سقام جاں بود
سخت مے آید فراق ایں مقر
پس فراق آں مقرداں سخت تر
چوں فراق آں نقش سخت آید ترا
نار سخت آید ز نقاش جدا

ترجمہ : اے برادر! درد و نیش پر صبر کر تاکہ تجھے نفس کافر کے درد و نیش سے رہائی نصیب ہو۔ جس کے جسم میں نفس کافر مرجاتا ہے تو یقین کرو کہ سورج اور بادل اس کے اشاروں پر چلیں گے تمہیں معلوم نہیں امتوں کے سراج نے فرمایا ہے کہ دُنیا و آخرت آپس میں دو سوکنیں ہیں ایک کے وصال سے دُوسری کو طلاق لازمی ہے لیکن یاد رکھو کہ آخرت کو طلاق دو گے تو سخت تکلیف اٹھاؤ گے اگر تجھے دُنیا کے طلاق دینے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ آخرت کی نار کی سختی سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ نہایت سخت ہے۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! - یہ خطاب کاشفی کے نزدیک عام ہے اور ارشاد میں خاص کفار مکہ کے لیے لکھا ہے قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ "بے شک تمہارے ہاں نصیحت آچکی ہے" یعنی تمہیں تمہاری عاقبت کی نصیحتیں سُنائی گئی ہیں زجر و ترہیب سے بھی اور نرمی اور ترغیب کے طور بھی یعنی کتاب مبین

ہیں تمہارے منافع ونقصانات کے امور واضح طور بتائے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے کہ نیک اعمال سے تمہاری زندگی سنور جائے گی بُرے اعمال سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔

ف : موعظۃ سے قرآن مجید مراد ہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ یہ جاء تکم کے متعلق ہے یعنی وہ نصیحت تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے **وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ** اور وہ تمہارے صدور کی شفاء اور تمہارے قلوب کی دوا ہے کہ قلب کے جملہ امراض جیسے جہل و شک اور شرک و نفاق و دیگر جمیع عقاید فاسدہ کو اس سے شفا نصیب ہوگی **وَهُدًى** اور وہ طریق حق و یقین کی رہبری کرے گی اور آفاق و انفس کے دلائل اسی سے معلوم ہوں گے **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** ○ اور وہ اہل ایمان کے لیے رحمت ہے اس لیے کہ وہی کفر و ضلال کی ظلمات سے قرآن مجید کی برکت سے نجات پا سکے۔

ف : موعظۃ سے لے کر رحمۃ تک تمام مصادر ہیں ان سے قرآن مجید کو موصوف کرنے میں مبالغہ کیا گیا کہ گویا قرآن مجید امور مذکورہ کا عین ہے۔ ؎

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت
زہے پیام تو عین عنایت و رحمت
کشد کمند کلام تو اہل عرفانرا
ز شورہ زار خساست بگلشن ہمت

ترجمہ : تیرا کلام ہدایت و حکمت اور تیرا پیام عین عنایت و رحمت ہے تیری بات عارفین کو کمند بن کر کھینچ لیتی ہے وہ خساست کے شور و یران سے نکل کر گلشن میں پہنچتے ہیں۔

ف : قرآن مجید نفوس کے لیے موعظۃ قلوب کے لیے شفا اور ارواح کے لیے ہدیٰ ہے۔

ف : قرآن مجید عوام کے لیے موعظت، خواص کے لیے شفا، اخص کے لیے ہدیٰ اور تمام عوام و خواص و اخص کے لیے رحمت ہے اس لیے کہ اسی کی بدولت ہر ایک اپنے اپنے مراتب و مقامات پر پہنچا ہے۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں سے فرمائیے **بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ** فضل و رحمت ہر دو سے انزال قرآن مجید مراد ہے ان کی باء کا متعلق محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی : لیفرحوا بفضل اللہ و برحمتہ۔ باء کو دوبارہ لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر دو صفات مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ جار مجرور کو فعل پر مقدم کرنے سے قصر مطلوب ہے اس پر فاء سببیہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت یعنی قرآن کی وجہ سے خوشیاں منائیں اس کے بعد فرمایا **فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا** جملہ مبالغہ کی تقریر و تاکید کے لیے ہے پہلے فعل کو اسی مذکور فعل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ فبذلک کی فاء جزائیہ

اور فلیفرحوا کی فاء سببیہ ہے اب مطلب یہ ہُوا کہ اگر کوئی خوشی منانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ صرف فضل و رحمت الٰہی سے خوشی منائے فاء سببیہ لاکر شرط کو حذف کیا گیا۔

سوال : بذٰلک میں اشارہ دو فعلوں کی طرف کیسے۔ اس لیے کہ یہ واحد کے لیے آتا ہے۔

جوابؔ : وہ دونوں فعل متحد بالذات ہیں اگرچہ لفظاً دو علیحدہ علیحدہ ہیں ذٰلک کا اشارہ اسی اتحاد ذاتی کی وجہ سے ہے۔

جوابؔ : کل واحد منہما سے تاویل کرکے واحد کا اشارہ کیا گیا اور یہ قاعدہ نحویہ عام ہے کہ دو یا اس سے زائد کے لیے کل واحد کی تاویل کرکے واحد سے اشارہ وغیرہ کیا جاتا ہے۔

هُوَ یعنی وہی فضل و رحمت الٰہی جو ابھی مذکور ہوئے۔ **خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝** اس سے بہتر ہے جو وہ اموال فانیہ سے جمع کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشایخ فرماتے ہیں کہ فضل اللہ سے اس کا احسان مراد ہے جو اُس نے بندوں کو عنایت فرمایا اور ورحمۃ سے اس کی وُہ ہدایت مراد ہے کہ بندہ نابُود تھا پھر اسے ہستی بخشی گویا اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! اپنی طاعت و خدمت پر بھروسہ مت کرو بلکہ تمہارا سہارا صرف میرا فضل و رحمت ہے اس لیے کہ تیری زندگی کا راس المال یہی ہے اس لیے کہ دوسروں کا سرمایہ دنیا و دولت، لیکن مومن کا سرمایہ فضل الٰہی ہے اور دُوسروں کا خزانہ مال و اسباب ہیں لیکن مومن کا خزانہ رحمت ایزدی ہے۔

ؔ

گر شاہ را خزانہ نہادن بوجہ ہوس

درویش را خزانہ ہمیں لطف دوست بس

ترجمہ: اگر بادشاہ کو دنیا و دولت جمع کرنے کی ہوس ہو تو اسے بتادو کہ درویش کا خزانہ دوست کا لطف و کرم ہے۔

نکتہ : اگر دُنیا و دولت جمع کرنے میں کچھ نفع ہوتا تو قارون کو بہت بڑے منافع جات نصیب ہوتے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں : میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہُوا تھا کشتی کے مالک نے کہا: تم میں سے ایک کشتی سے اُٹھ جائے۔ مَیں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے پوچھا: آپ کیوں اُٹھے ؟ مَیں نے کہا: میرے ہاں سامان وغیرہ کچھ بھی نہیں اس لیے میں اکیلا نکل جاؤں گا اور دوسروں کے پاس سامان ہے وہ سامان اٹھانے میں دیر کریں گے اور انھیں تکلیف بھی ہو گی۔ اس نے کہا: جائیے۔ میں کشتی سے نکلتے وقت دل میں کہتا جارہا تھا کہ یہی معاملہ آخرت کا ہے کہ جس کے پاس سامان ہو گا وہ پریشان ہو گا۔

اسی لیے صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تعلقات دنیا قید، اور تجرد حضور قلبی اور راحت ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ہرچہ رنگ تعلق پذیر و آزاد ست

ترجمہ : آسمان کے نیچے جو بھی ہے وہ کسی تعلق سے ضرور گرفتار ہے لیکن صاحبِ ہمت اس سے آزاد ہے اسی لیے میں اس کا غلام ہوں ۔

شرح بیت مذکور اس شعر میں ماسوی اللہ سے آزادی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ عالم جسمانی ہو یا روحانی ، عینی ہو یا علمی ، تعلق کو چاہتا ہے ۔ لیکن حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے بجائے صرف آسمان کبود کا نام صرف اس لیے لیا کہ انسان صرف محسوس چیزوں سے مانوس ہوتا ہے ۔

ف : قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنا انسان کو حظوظِ نفسانیہ سے نجات دلا کر سعادت باقیہ بخشتا ہے ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے شاہی انتظامات کو دیکھ کر بہت خوش ہونے ۔ اسی شب کو نیند میں دیکھا کہ آپ کو کسی نے ایک مکتوب دیا جس میں لکھا تھا : دار فانی کو عالم باقی پر ترجیح نہ دیجئے اور نہ ہی اپنے ملک سے دھوکہ کھائیے جن نعمتوں میں آپ ہیں عظیم الشان ہیں اگر فنا نہ ہوتیں فلہذا اب تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف جانے میں عجلت کرو ۔ سارعوا الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ اپنے رب تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو ۔ حضرت موصوف یہ پڑھ کر گھبرا اُٹھے اور سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت نصیب ہوئی ہے اس لیے شاہی چھوڑ دی خالص توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے ۔

نکتہ : جاءتکم موعظۃ میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان تحفہ ہے جو اس کریم نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا ہے اسے قبول کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کے قبول کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ ہم اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں ۔

حکایت ایک قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے شیخ کو قرآن پاک کی چند آیات سنائیں ۔ چند دنوں کے بعد ارادہ ہُوا کہ شیخ مذکور کو اور آیات سناؤں ۔ انہوں نے فرمایا : بیٹے ! پہلی آیات جو تم نے سنائیں میرے لیے وہی کافی ہیں ان پر عمل کرکے جب پُورا اُتروں گا پھر اور آیات سُنوں گا کسی اور کو جا کر سناؤ اس لیے کہ قرآن مجید کی ہر آیت امر و نہی اور افہام و تفہیم اپنے قاری و سامع کو اپنا پروگرام بتاتی ہے ۔ (کذا فی الاحیاء)

کسی نے کیا خوب فرمایا :

؎

نقد عمرش ز فکرت معوج
خرج شد در رعایت مخرج

صرف کردش ہمہ حیات سرہ
در قرآت سبع و عشرہ

ترجمہ: قاری نے اپنی عمر کے گراں مایہ لمحات رعایت مخارج میں گنوا دیے اور قیمتی گھڑیاں سبع اور عشرہ میں ضایع کر دیں۔

شرح شعر مذکور شعر کا مقصد یہ نہیں کہ قاری تصحیح و تجوید کو حاصل نہ کرے بلکہ تنبیہ فرمائی ہے کہ بقدر ضرورت قرآن پاک کے الفاظ کی تصحیح و تجوید پڑھ کر قرآن پاک کے اوامر و نواہی اور اس کے جملہ احکام کی پابندی کرے تاکہ اسے معرفت الٰہی نصیب ہو اور معرفت الٰہی قلب کی صفائی سے نصیب ہوتی ہے اور تجوید کی مشق میں لگا رہنا اور تصفیۂ قلب کی طرف متوجہ نہ ہونا عمر ضائع کرنا ہے کیونکہ تجوید سے صرف زبان کی صفائی نصیب ہوگی اور ظاہر ہے کہ قلب کی صفائی زبان کی مشق سے افضل و اعلیٰ ہے۔

قیمتی روحانی نسخہ اللہ تعالےٰ کے ذکر سے پھر فکر سے حقائق الاشیاء والقرآن منکشف ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے حقائق سے آگاہی بخشی ایسے ہی اپنے اولیاء کو قرآن کے ذریعے سے آگاہی بخشتا ہے۔

ف: علم شریعت فانی ہے البتہ اس کا ثواب باقی ہے جو آخرت کے دن کے لیے جمع ہو رہا ہے بشرطیکہ اس میں خلوص ہو اور علم حقیقت کا عین آخرت میں پہنچا یا جائے گا اس لیے کہ علم حقیقت کو فنا نہیں بلکہ وہ باقی رہے گا کیونکہ وہ ازلی ابدی ہے اسے کسی مقام اور مرتبہ پر فنا نہیں۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ فائدہ میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے اے مشرکو خبر دو مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق نازل فرمایا ہے ما استفہامیہ منصوب المحل اپنے صلہ انزل اللہ الخ سے مل کر ارء یتم کے دو مفعولوں کا قائم مقام ہے۔

سوال: رزق منزل من السماء کیوں؟ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ رزق زمین سے ملتا ہے۔

جواب: ہر ایک کا رزق آسمان پر مقدر کیا گیا ہے کما قال تعالےٰ،

وفی السماء رزقکم۔

آسمانوں میں تمہارا رزق ہے۔

پھر زمین سے اس قدر حاصل ہوتا ہے جس قدر آسمان پر مقدر ہوتا ہے۔ اسی معنے پہ فرمایا کہ تمہارے رزق آسمان میں ہیں۔

جواب۲ : ہمارے رزق اگرچہ زمین سے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں۔ مثلاً بارش ہوتی ہے تو کھیتی اُگتی ہے، سُورج کی روشنی سے پھل، اناج وغیرہ پکتے ہیں، چاند کی چاندنی سے اناج اور پھل رنگ برنگ ہوتے ہیں۔

ف : لکم کی لام منفعت کے لیے ہے اس میں اشارہ ہے کہ رزق سے حلال رزق مراد ہے۔

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ پس کر دیا تم نے اس کے بعض کو حَرَامًا حرام یعنی تم نے اس کے حرام ہونے کا حکم لگایا وَّحَلٰلًا ط اور ان میں سے بعض کو حلال کہا حالانکہ ہم نے تمام رزق کو حلال پیدا فرمایا۔

خلاصۃ التفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے تو تمام رزق حلال نازل فرمایا لیکن تم نے اپنے طور اس کی تقسیم شروع کر دی۔ مثلاً :

ھٰذہ انعام و حرث حجر۔

اور کہا :

ما فی بطون ھٰذہ الانعام خالصۃ لذکورنا ومحرم علیٰ ازواجنا۔

ان جانوروں سے بحیرہ سائبہ، وصیلہ، حام مراد ہیں۔ ان کی تقسیم اور جانوروں کے متعلق تفصیل آٹھویں پارہ تفسیر ہذا میں دیکھیے۔

ف : اس سے اللہ تعالٰی نے ان کی تقسیم کو غلط قرار دے کر اس کا انکار فرمایا ہے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے فرمائیے آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ کیا اس تقسیم کی تمہیں اللہ تعالٰی نے اجازت بخشی ہے کہ اسی فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ یا اللہ تعالٰی کی طرف اسے منسوب کر کے اس پر افتراء کرتے ہو۔

مسئلہ : یہ آیت زواجر میں سخت تر ہے ان مسائل میں کہ اللہ تعالٰی کے احکام میں مصلحتوں کا سوال کرنا چاہیے اس میں ہم سب کو احتیاط ضروری ہے اگر کوئی احتیاط نہیں کرتا تو وہ بھی مفتریوں میں داخل ہے۔ (کذا فی الکواشی)

مسئلہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس نے علم کے بغیر فتوٰی دیا اس پر آسمان و زمین والوں کی لعنت۔

حکایت حضرت علی بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنے باپ سے پُوچھا : کیا معمولی قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا : ہاں۔ اسی شب کو انھیں حضور آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی تو آپ نے فرمایا : اے علی (رحمہ اللہ)! معمولی قے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک منہ بھر کر نہ نکلے۔ حضرت علی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں، اس سے مجھے یقین ہُوا کہ ہر فتوٰی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ اس روز سے میں نے قسم کھائی کہ آئندہ کوئی فتوٰی نہیں دُوں گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالکین پر لازم ہے کہ خواہ مخولہ کتنے پھریں کہ رزق معنوی یعنی واردات الٰہیہ اور شواہد ربانیہ نفس پرستوں پر حرام اور اہل دل پر حلال ہیں اس لیے کہ ایسی سعادات اور بلند کرامات کا حصول ہمارے بس سے باہر ہے بلکہ یہ دولت صرف انبیاءعظام علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والغفران کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو مخصوص قوم کے لیے ماننا اور دوسروں کو ان سے محروم سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے اس لیے خداوند تعالیٰ نے یہ مقامات اور منازل کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ ہر خاص و عام کے لیے عام بنائے۔ کما قال:

یدعوا الیٰ دار السّلام۔

اور فرمایا:

یدعوکم لیغفرلکم۔

نیز اپنے آپ کو پست ہمت تصور کر کے ان انعامات و کرامات کے لائق نہ سمجھنا بھی خساست و رذالت بلکہ بیوقوفی اور حماقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دروازہ ہر کے لیے وا کیا ہوا ہے کسی کے لیے کسی وقت بند نہیں ہوتا، اس کی شان ہے کہ فیض اور انعام ہر خاص و عام کو مرحمت فرمائے۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ: وہ کون سا عاشق ہے کہ اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو اور وہ اس پر نگاہِ کرم نہ فرمائے سب کو کہہ دو کہ تجھے درد نہیں ورنہ ہر درد کا وہ طبیب ہے۔

اور فرمایا: ؎

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کانست کہ بود

ترجمہ: لعل و گوہر کے طالب نہیں ملتے ورنہ سورج تو پہلے کی طرح معدن اور کان بنانے میں مصروف ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر گراں و گر شتابندہ بود
عاقبت جویندہ یابندہ بود

ترجمہ: کوئی آہستہ چلے یا دوڑے لامحالہ جو کسی شے کو تلاش کرتا ہے اسے ضرور پاتا ہے۔

حکم عطائیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ شہوات سے کیسے بچائے گا جبکہ وہ یقین رکھتا ہے
فائدہ صوفیانہ کہ وہ شہوات کے سخت گیرے میں ہے کہ کسی طریق سے بچنا ممکن نہیں تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو عاجز قرار دیتا ہے
اور جو اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے، کما قال:
وکان اللہ علیٰ کل شیء مقتدرا۔
اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالےٰ ہر شئے پہ قدرت رکھتا ہے بلکہ انسان کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالےٰ سے مدد مانگے اور صرف اسی سے اپنے جملہ امور کی تکمیل کی اُمید رکھے اگرچہ کتنا ہی نفسانی و شہوانی امور میں گرفتار ہو تب بھی جب اس کا فضل و کرم شامل حال ہوگا تو بیڑا پار ہو جائے گا جیسا کہ ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، ذوالنون مصری، مالک بن دینار اور دیگر وہ اکابر اولیاء جن کی ابتدائی کیفیت ناگفتہ بہ تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا فضل و کرم ہوا تو بہت بڑے ولی کامل ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔ ما استفہامیہ محلاً مرفوع مبتداء ہے اور ظن الذین الخ اس کی خبر ہے اور ظن کے دونوں مفعول محذوف ہیں۔

سوال: افتراء میں جب کذب کا معنیٰ موجود ہے تو پھر افتراٗ کے بعد الکذب کہنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: تاکہ ان کے افتراٗ کے کمال قبح کا اظہار ہو۔

جواب ۲: جیسے اقوال میں جھوٹے تھے ایسے ہی عقائد میں بھی۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط یہ لفظ ظن کا مفعول فیہ ہے یعنی قیامت میں ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب اللہ تعالےٰ کے حضور میں تمام افعال و اقوال پیش ہوں گے اور ان کے ذرہ ذرہ کا حساب لے کر جزا و سزا کا حکم صادر فرمائے گا اس میں قیامت اور اس کے متعلقات کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ بے شک اللہ تعالےٰ بہت بڑے فضل والا ہے عَلَى النَّاسِ تمام لوگوں پر کہ انھیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی ہے جس سے وہ حق و باطل اور حسن و قبح کی تمیز کر سکتے ہیں اور ان پر لطف و کرم فرمایا کہ انھیں کتابوں سے نوازا اور اپنے رسل کرام بھیجے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ لیکن اکثر ان کے ناشکرے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے قویٰ و مشاعر کو ان امور میں لگاتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور جو ضروری امور ہیں ان کے سمجھنے کے لیے نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی شرعی احکام پر گامزن ہوتے ہیں حالانکہ ان دونوں کے بغیر انسانیت پروان نہیں چڑھ سکتی۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ

اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو اور تم لوگ کوئی کام

مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا

کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے

يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

رب سے ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں زمین میں نہ آسمان میں

السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں جو ایک روشن کتاب میں

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

نہ ہو۔ سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ

اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ

یہی بڑی کامیابی ہے اور تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو بے شک

الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ

عزت ساری اللہ کے لیے ہے وہی سنتا جانتا ہے سن لو بے شک اللہ ہی

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

کے ملک ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں ہیں اور کاہے کے پیچھے جا رہے ہیں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

وہ جو اللہ کے سوا شریک پکار رہے ہیں وہ تو پیچھے نہیں جاتے مگر

الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے وہی ہے جس نے تمہارے لیے

الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

رات بنائی کہ اس میں چین پاؤ اور دن بنایا تمہاری آنکھیں کھولتا بے شک اس میں نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ

سننے والوں کے لیے بولے اللہ نے اپنے لیے اولاد بنائی پاکی اس کو وہی

الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ

بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی

مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

بھی سند نہیں کیا اللہ پر وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا

تم فرماؤ وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا

یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

بھلا نہ ہوگا دنیا میں کچھ برت لینا ہے پھر انہیں ہماری طرف واپس آنا پھر ہم انہیں

نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا

تفسیر عالمانہ

وَمَا تَكُوْنُ یہ ما نافیہ ہے اور خطاب حضور علیہ السلام کو ہے فِیْ شَاْنٍ بمعنے امر، اس کی جمع شئون آتی ہے شان کا اصلی معنیٰ قصد ہے مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں:

شأنت شانه ، ای قصدت قصده مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ اور کبھی شان بمعنے حال آتا ہے۔ مثلاً

کہا جاتا ہے: ماشانه ای ما حاله۔

وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ یہ ضمیر شان کی طرف راجع ہے اور ظرف مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یوں ہوگی:

ای تلاوة كائنة من الشان۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید حضور علیہ السلام کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے۔

مِنۡ قُرۡاٰنٍ من زایدہ لا تتلوا کی نفی کی تاکید کے لیے ہے اور من قرآن، ما تتلوا کا مفعول بہ ہے وَلَا تَعۡمَلُوۡنَ یہ خطاب تمام آدمیوں کو ہے مِنۡ عَمَلٍ ہر طرح کے اعمال مراد ہیں پہلے صرف حضور علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اس لیے کہ آپ ساری اُمت کے سربراہ ہیں لبعد کو آپ کی اُمت کو خطاب کیا گیا جتنے اہم امور تھے ان میں خطاب صرف حضور علیہ السلام کو ہوا، پھر اُمت کو خطاب کر کے ہر چھوٹے بڑے حقیر جلیل امور شامل کر دیے گئے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ پہلے خطابات میں اگرچہ بظاہر صرف حضور علیہ السلام مخاطب تھے لیکن جمیع اُمت اُن میں شامل تھی اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب قوم کے سربراہ کو خطاب ہو تو قوم خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے کما قال تعالیٰ:

یاایھا النبی اذا طلقتم النساء۔

اس خطاب میں حضور علیہ السلام کے ساتھ جمیع اُمت بھی شامل ہے۔

اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا یہ استثنا مفرغ ہے مستثنیٰ منہ اعم احوال المخاطبین بالافعال الثلاثہ ہے یعنی تم جس حال میں اور جس وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور جس عمل کا ارتکاب کرتے ہو ہم ہر حال میں تمہارے نگران اور تمہارے ہر عمل پر مطلع اور تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ؕ اذ، شھودا کا ظرف ہے اور لفظ اذ مضارع کو ماضی کے معنے میں لاتا ہے اور الافاضۃ بمعنے الدخول فی العمل۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

افاض القوم فی العمل۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کام میں لگ جائیں یعنی تمہارے ہر عمل پر ہم مطلع ہیں۔

وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ اور تیرے رب تعالیٰ کے علم سے غائب اور دُور نہیں بلکہ اس کا علم ہر شے کو شامل اور محیط ہے مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ من زاید نفی کی تاکید کے لیے ہے یعنی اگرچہ ذرہ برابر کیوں نہ ہو یہاں تک کہ چیونٹی اور گرد و غبار بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں ہے فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ نہ زمین میں ہیں نہ آسمان میں یعنے دائرہ وجود و امکان میں کہیں ہو سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے وَلَاۤ یہ لا نفی جنس کا ہے اَصۡغَرَ یہ لا کا اسم ہے مِنۡ ذٰلِكَ اسی ذرہ سے وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝ یہ لا کی خبر ہے اور کتٰب مبین سے لوح محفوظ مراد ہے یعنی ہر چھوٹی بڑی شئے لوح محفوظ میں مندرج ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے کیسے مخفی ہو سکتی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس کے افعال و اقوال کی اسے جزا و سزا نہیں ملے گی بلکہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول و فعل پوشیدہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان مراقبہ کو نہ چھوڑے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ بندہ اپنے ہر عمل پر کڑی نگرانی رکھے اس لیے کہ جب سالک کو یقین ہوگا کہ میرے عمل کو اللہ تعالےٰ ہر وقت جانتا ہے اور اسی تصور کو مضبوط کرے تو گناہوں سے بچ جائے گا اور کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

حکایت حضرت عمر بنانی رحمہ اللہ تعالےٰ سے منقول ہے کہ میرا ایک ابے پر گزر ہوا وہ گورستان میں بیٹھا تھا اس کے دائیں ہاتھ میں سفید اور بائیں میں سیاہ کنکریاں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا: آپ گورستان میں کیوں

منہمک ہیں ؟ اس نے جواب دیا کہ جب میرے دل پر غفلت چھا جاتی ہے تو میں گورستان آجاتا ہوں اور نفس کو سمجھاتا ہوں کہ ایک دن تیرا یہی حال ہوگا ۔ میں نے پوچھا ، تو یہ کنکریاں کس لیے ؟ جواب دیا کہ جب میں نیکی کرتا ہوں تو سیاہ کنکری سفید کنکریوں میں ڈال دیتا ہوں ، جب گناہ کرتا ہوں تو سفید کنکری سیاہ کنکریوں میں ۔ اگر سفید کنکریاں بڑھ جاتی ہیں تو اطمینان سے روزہ افطار کر کے اوراد و وظائف پڑھتا ہوں ۔ اگر سیاہ کنکریاں زیادہ ہوتی ہیں تو اسی رات نفس پر سزا کے طور کچھ کھاتا پیتا نہیں ہوں بلکہ استغفار اور توبہ میں رات بسر کرتا ہوں ۔ یہی میرا معمول ہے ۔

نسخہ روحانی مُردہ قلب کی علامت یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی یا ان سے غفلت کرنے پر کسی قسم کا اسے احساس نہ ہو اور نہ ہی اپنی غلط کاریوں سے اسے کبھی ندامت اور شرمساری ہو اسی لیے کہ یہ قلب اگر زندہ ہوتا تو اسے ضرور احساس ہوتا ۔ احساس نہ ہونا دل کی مُردگی کی علامت ہے ۔ ہر گناہ غفلت اور نسیان سے سرزد ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے تو دنیا و آخرت میں بامراد رہتا ہے ۔

حکایت ایک ولی اللہ کو کسی حبیب اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا ۔ اسے غائبانہ جواب ملا کہ فلاں قصبہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک محبوب رہتا ہے ۔ وہ ولی اللہ وہاں تشریف لے گئے ۔ دیکھا کہ وہ محبوب اللہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں اور ان کے ساتھ ایک شیر کھڑا ہے جب لمحہ بھر ذکر سے غفلت کرتے ہیں تو شیر انھیں دبوچ لیتا ہے ، یہاں تک کہ ان کے جسم سے کئی مقامات سے گوشت نوچ چکا تھا ۔ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب ہو کر یہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ذکرِ الٰہی میں غفلت ہوتی ہے تو اسی طرح یہ شیر مجھ پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور میں اس سے خوش ہوں کہ دُنیا کی سزا میرے لیے آسان ہے تاکہ آخرت کی سخت سزا سے بچ جاؤں ۔

سبق : صاحب رُوح البیان نے فرمایا اس حکایت سے کئی فواید حاصل ہوئے :

(۱) آخرت کی رُسوائی سے دُنیا کی رُسوائی آسان ہے ۔

(۲) طریقِ حق کے لیے دُنیا میں دُکھ درد سر پر رکھ لینے سے آخرت کی سخت گیری سے نجات ملے گی ۔

(۳) مردِ عاقل وُہ ہے جو طاعت و عبادت میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اگرچہ اس میں سخت تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑے ۔

مثنوی شریف میں ہے :

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ : اس راہ میں دُکھ درد سر پر رکھ لو ۔ مرتے دم تک فراغت کا نام نہ لو ۔

(۴) نفس پر کڑی نگرانی لازم ہے اگر اس پر قابو نہ پایا جا سکے تو خارجی اسباب سے مدد لے سکتا ہے اس لیے کہ نیند کرنے والے کو کروٹ بدلنے اور حرکت دینے کے لیے خارجی مدد دی جاتی ہے اس لیے کہ یہ نیند طویل اور نفس بڑا سست ہے ۔ اسی لیے صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :

کسی مرشد کامل کی صحبت ضروری ہے کہ مشائخ نفس کی خباثتوں کو خوب جانتے ہیں اور اس کے علاج کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔

بوستانِ سعدی قدس سرہٗ میں ہے: ؎ ز خود بہترے جوئے و فرصت شمار
کہ باچوں خودی گم کنی روزگار

ترجمہ: اپنے سے بہتر و برتر کی صحبت اختیار کر کہ نفس کی شرارت کو مٹانے کے لیے فرصت کو غنیمت سمجھ ورنہ اپنے جیسے کے ساتھ رہنے یا اپنے طور نفس کے علاج سے سخت نقصان اُٹھائے گا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے محبوب مذکور پر جو اسدِ غیبی مقرر فرمایا وہ در اصل اس کے نفس کی اصلاح کے لیے تھا تاکہ اس کے نفس کو دبوچ کر اس کی ہستی مٹا دے اس لیے کہ جس کا نفس اس دُنیا میں نہیں مٹتا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت سزا میں مبتلا ہوگا۔

تفسیر عالمانہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ خبردار اللہ تعالیٰ کے محبوب اور نفس کچلنے کے دشمن حضرات۔

سوال: تم نے اولیاء کا معنیٰ اللہ کے محبوب اور دشمن کہاں سے لیا؟

جواب: اولیاء، ولایۃ سے مشتق ہے بمعنے معرفۃ اللہ ومعرفۃ النفوس یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نفس خبیث کی شرارتوں سے واقفیت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس وقت نصیب ہو سکتی ہے جو اس سے محبت اور نفس کی شرارت اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب نفس سے مکمل طور دشمنی ہو یاد رہے کہ نفس کی دشمنی اس کے احوال و صفات معلوم کرنے سے ہو سکتی ہے جب اس کی صفات اور احوال معلوم ہو جائیں اور اس کی معاندت اور دشمنی میں جان کی بازی لگائی جاتے اس لیے کہ جتنی نفس کی سرکشی مٹے گی اتنی ہی امن و سلامتی اور اطمینان و سکون نصیب ہوگا اور جس نے نفس پر رحمت و شفقت کر کے اسے پالا اور اُس کی ہر آرزو پوری کی تو سمجھو وہ مارا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیاء، ولی کی جمع ہے بمعنے قریب۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو ایمان و اسلام میں خالص و مخلص ہیں اور قرب سے قرب روحانی مراد ہے اور وُہ اللہ تعالیٰ کو قریب اس معنے پہ ہوتے ہیں کہ وہ ہر وقت اُسی کی طاعت و معرفت میں مستغرق رہتے ہیں ان کی ہر نگاہ قدرت کے مناظر کو دیکھتی ہے اور ان کے کانوں میں آیاتِ الٰہی کے سوا اور کوئی آواز نہیں پڑتی اور ان کی زبان پہ ذکرِ الٰہی کے سوا اور کسی شے کا گزر نہیں ہوتا گویا ان کی ہر حرکت رضائے حق کے لیے ہوتی ہے ان کی ہر جد وجہد طاعت و عبادتِ خداوندی پر صرف ہوتی ہے۔

لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ دونوں جہانوں میں انھیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا۔

ف: خوف اس خطرہ کو کہتے ہیں جو مستقبل میں درپیش ہو۔

وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ اور نہ وہ اپنے مقصد کی گمشدگی سے غمگین ہوں گے۔ الحزن زمانہ ماضی میں انسان کو ہر اُس خطرہ کا لاحق ہو جانا جسے یہ نہیں چاہتا تھا یا جس کے حصول کا طالب تھا وہ اسے نصیب نہ ہوا۔

ف : آیت کا مطلب یہ ہے کہ خوف وحُزن ان محبوبانِ خدا کو لاحق بھی نہیں ہوں گے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہیں خوف وحُزن لاحق تو ہوں گے لیکن ان سے خوف زدہ نہیں ہوں گے بلکہ یُوں ہوگا کہ سرے سے خوف وحزن ان کو ہوگا ہی نہیں اور وہ دائمی طور پر عیش وعشرت اور سرور و فرحت میں ہوں گے ورنہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی ہیبت سے ہر وقت خوفزدہ ہونا اور اقامۃ حقوق عبودیت میں بہت زیادہ جد وجہد کے باوجود اپنے آپ کو قصوروار تصوّر کرنا اللہ تعالےٰ کے مخصوص اور مقرب بندوں کا خاصہ ہے۔ اسی لیے کواشی میں لکھا کہ :

لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

اولیاء اللہ کو آخرت میں کوئی حُزن اور خوف نہ ہوگا ورنہ دنیا میں وُہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خائف اور غمگین رہتے ہیں۔

نکتہ عالمانہ دنیا میں ان کے خوف وحُزن کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت طاعتِ الٰہی اور رضائے حق میں زندگی بسر کرتے ہیں یہ ان کی کرامت اور قُربِ خداوندی کی علامت ہے اور وُہ ان کو بموجب وعدۂ ربانی حاصل ہوگا دُنیوی اُمور ان کے مقصد میں داخل نہیں اسی لیے حاصل ہوں تو پروا نہیں، حاصل نہ ہوں تب بھی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتا اسی لیے نہ وُہ دنیوی ضرر سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اس کے منافع سے خوش ہوتے ہیں۔ (کذا فی الارشاد)

نکتہ صُوفیانہ صُوفیاکرام فرماتے ہیں کہ چونکہ اولیاء اللہ عین الھویۃ میں فانی ہوجاتے ہیں ان میں انانیت بالکل مفقود ہوجاتی ہے اسی لیے وہ اپنے مقامِ اعلیٰ میں مشغول رہ کر سُود وزیان کے تصورات سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں پھر ایسے حضرات کو کسی قسم کا خوف وخطر کیسا۔ (کذا فی نفائس المجالس لحضرت الھداتی قدس سرہٗ)

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ مبنی بر سوال یہ جملہ مستانفہ ہے اور الذین مرفوع اور خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے۔ گویا سوال پیدا ہُوا کہ اولیاء اللہ کون حضرات ہیں اور انہوں نے اتنا بڑا مقام کیسے پایا؟ جواب ملا : الذین الخ یعنی اولیاء اللہ وہ حضرات ہیں جو ایماندار اور پرہیزگار ہیں یعنی انہیں اتنا بڑا مقام ایمان وتقویٰ سے نصیب ہُوا، یعنی اللہ تعالےٰ کے جمیع احکام کو تہ دل سے قبول کرکے ان پر عمل کرتے ہیں اور اس کی ہر بتائی ہُوئی بھلائی کو حاصل کرتے اور ہر بُرائی سے بچتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ وہ حضرات ہیں کہ مرتبہ شریعت وطریقت میں برائے اعمال واخلاق صدور سے اور مرتبۂ حقیقت ومعرفت میں غفلات وتلوینات سے بچتے ہیں اس لیے کہ وُہ اپنی طبائع کی شریعت سے اور نفوس کی طریقت سے اور قلوب کی معرفت سے اور ارواح واسرار کی معرفت سے اصلاح کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وُہ ماسوی اللہ سے فارغ ہوتے ہیں۔

شرح بیان شیخ از صاحبِ رُوح البیان صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شیخ رضی اللہ عنہ کا کلام اشارہ کرتا ہے کہ تقوےٰ تمام

مقامِ ثالث کا دُوسرا نام ہے۔ مقامِ ثالث یہ ہے کہ انسان ہر اُس شئے سے بچے جو اسے سِرِ حق سے غافل کر دے اور وُہ دُنیا سے اتنا فارغ ہو کہ سوائے ذاتِ حق کے اس کے تصور و خیال میں کچھ نہ ہو۔ یہ تقویٰ کے جمیع مراتب کا جامع ہے۔ تقویٰ کے مراتب یہ ہیں:

- شرک سے بچنا اُس تقویٰ کا نام ایمان ہے۔
- ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے بچنا اور نیک عمل کو بجالانا۔

(ان دونوں کا جامع مقامِ ثالث وُہی ہے جو مذکور ہُوا)

شانِ رسالت

انہی درجاتِ مذکورہ کی وجہ سے اولیاءِ کرام کے مراتب و مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے تمام مراتب و مقامات کے منتہی ولی کامل ہمارے نبی شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام کہ یہ حضرات نبوت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں ان حضرات کو عالمِ ارواح کی طرف عروج میں عالمِ اشباح کا کوئی تعلق مانع نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مخلوق کے مصالح و ضروریات کے تعلقات انھیں شئونِ حق کے استغراق سے روک سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے نفوس زکیہ قوت قدسیہ سے مؤید ہوتے ہیں بنا بریں ان کی استعداد کامل و مکمل ہوتی ہے جسے کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

موازنہ شانِ محمدی بہ شانِ عیسوی اور ردِّ عیسائیت

تقریر مذکور سے واضح ہوگیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھے فلک تک رسائی ہُوئی اور ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرش بلکہ عرش سے ماوریٰ تشریف لے گئے باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دُنیا سے صرف ماں کی وجہ سے تعلق تھا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں اور باپ ہر دو کی وجہ سے، لیکن اس کے باوجود ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عروج کے لیے کوئی شے مانع نہ ہوئی اور آپ عنصریات و طبعیات کے عوالم کو عبور کرتے ہُوئے ممکن و غیر ممکن کی جہات کو پیچھے چھوڑ کر دائمی طور انوارِ عالیہ سے جا ملے۔

اور آپ کی یہ حالت دائمی اور اختیاری تھی[1]۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ

چنانچہ فرمایا:

فیجعل ھذہ الحالۃ ملکۃ لہ فیصیر	آپ کی یہ نورانی کیفیت بمنزلہ ملکہ کے ہوگئی اور بدن بمنزلہ
بدنہ کقمیص یلبسہ تارۃ ویجعلہ	قمیص کے کہ چاہیں تو اتار لیں چاہیں پہن لیں۔ کیا تمہیں
اخری الا تری ان من قدر علی	اس انسان کو نہیں دیکھا جو کھانے پہ قادر ہے تو وہ
النفقہ فھو متی جاع فبیدہ	جب چاہے کھائے جب چاہے ہاتھ اٹھا لے ایسے

---

[1] نہ عارضی اور غیر اختیاری جیسا کہ وہابیہ کا خیال ہے کہ وہ ہر کمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عارضی اور غیر اختیاری مانتے ہیں۔

الشبع یاکل ما شاء فقس علیه الرزق المعنوی والعروج الی مبداه بل هو اولیٰ من ذالك لانه مستغن آلة وسبب ولیس بین الطالب والمطلوب مسافة۔

ہی جسے رزق معنوی سے وافر حصّہ نہیں ہوا ہے اور اسے اپنے مبدا کی طرف عروج کا موقع ملا ہے بلکہ وہ ظاہری رزق والے سے افضل و اولیٰ ہے اس لئے کہ معنوی رزق والا کسی آلہ اور سبب کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ ہی طالب و مطلوب کے درمیان کوئی مسافت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎ ایں دراز و کوتہی مر جسم راست
چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خدا است
چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد
رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

ترجمہ : یہ کمی بیشی جسم کو ہے جہاں اللہ تعالیٰ ہے وہاں کمی بیشی کیسی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو رُوح سے تبدیل کر دیا ہے تو ایسے اولیاء کو سیر کرنے میں نہ فرسخ ہوتے ہیں نہ میل۔

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جنہیں حقیقی تقویٰ نصیب ہے ان کی چند علامات ہیں

اولیاءِ کرام کی علامات اور نشانیاں اگرچہ وہ علیحدہ علیحدہ شمار نہیں ہوتیں صرف اولیاء کرام کے فرق مراتب کی وجہ سے بعض تمام اوصاف کے حامل ہوتے ہیں بعض میں چند ایک ہوتی ہیں بعض صرف ایک نشانی رکھتے ہیں یعنی بعض مبتدی ہوتے ہیں بعض منتہی بعض متوسط۔ اب حقیقی اولیاء کرام کی علامات سُنیئے :

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا :

۱۔ اولیاءِ کرام کے چہرے بوجہ شب بیداری زرد
۲۔ گریہ وزاری سے آنکھیں سُرخ
۳۔ بھوک سے پیٹ ڈھیلے
۴۔ سجدوں سے پیشانیاں خشک
۵۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیاء اللہ کی نشانی پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ :

ان کے دیکھنے سے خدا تعالےٰ یاد آجائے۔

---

[۱] اس سے جہاں نبی علیہ السلام کے لیے اختیار دائمی ثابت ہوا وہاں یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ آپ کی حقیقت نور ہے بشریت آپ کے لیے بمنزلہ لباس ہے۔

یعنی ان کے چہرے سے اُن کی روحانیت اور طرزِ زندگی اور نشست و برخاست بتائے کہ یہ اللہ والے ہیں۔
قرآن مجید میں سیماھم فی وجوھھم اسی طرف اشارہ ہے۔
۶۔ بعض مشایخ فرماتے ہیں: ان کا ہر ارادہ اور کام اللہ تعالیٰ کی رضا پر اور ان کا ہر شغل اسی سے اور ان کا ہر معاملہ اسی کی طرف راجع ہو۔

خلاصہ یہ کہ وہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں اسی لیے ہر وقت ان پر انوارِ ولایت کی بارش ہوتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ وُہ خود اپنی ذات سے بے خبر ہوتے ہیں انھیں غیر اللہ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لیے، اگر کسی سے عداوت رکھتے ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں وہ نہ نبی ہیں اور نہ شہید، لیکن ان کے مراتب پر قیامت میں (علیٰ سبیل الشفقۃ) انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا: وُہ کون لوگ ہیں اور وہ کس عمل سے اس بلند مرتبہ کو پہنچے ہیں ہمیں وُہ حضرات محبوب لگ رہے ہیں آپ نے فرمایا: وہ حضرات ایک دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ نہ ان کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں نہ انھیں ایک دُوسرے سے مال و دولت کا واسطہ ہے بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور کے منبروں پر رونق افروز ہوں گے وہی ہیں کہ جب لوگوں کو غم و حزن ہوگا انھیں غم ہوگا نہ حُزن و ملال۔

ازالہ وہم کی تقاریر ۱ــــــ انبیاء و شہداء کا رشک یہی عرفی نہیں ہوگا بلکہ ان کے حالات کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کریں گے جیسے ایک عام آدمی اعلیٰ کے مراتب سے پہلے خوش ہوتا ہے پھر ان مراتب کی تمنا کرتا ہے ان حضرات کے رشک کی تمثیل و تشبیہ صرف مسرت میں ہے اور بس۔ اس سے عوام کا وہ وہم دفع ہوگیا جو اس حدیث کو سُن کر کرتے ہیں کہ انبیاء و شُہداء بہت بڑے عہدوں پر فائز المرام ہونے کے باوجود عام ولی اللہ پر رشک کیوں؟
۲ــــــ حواشی میں لکھا ہے کہ یہ مبالغہ کے طور کہا گیا یعنی بفرضِ محال اگر ایسی قوم ہو بھی تو ان پر انبیاء علیہم السلام بھی رشک کرتے۔ یعنی نہ ایسے لوگ ہوں گے اور نہ انبیاء علیہم السلام ان پر رشک کریں گے اگر یہ معنیٰ نہ کیا جائے تو غیر انبیاء کی انبیاء پر فضیلت لازم آتی ہے[1]۔ اور نہ ہی غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔
۳ــــــ تفسیر الفاتحہ للفناری میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں کی غلطیوں پر ان پر شفقت کرتے ہوئے اُمت کی وجہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے اور ہر اُمت اپنی خطاؤں پر خوفزدہ ہوگی انبیاء علیہم السلام اُمت کی حالت زار پر پڑھتے ہوں گے: سلّم وسلّم۔ اُمت کی وجہ سے اُنھیں سخت خوف ہوگا لیکن اللہ والے مطمئن اور ہر خوف و حُزن

---

[1] خلافاً للشیعۃ الشنیعۃ وھم یفضلون ائمتھم علی الانبیاء۔ والتفصیل فی کتابی آئینہ شیعہ مذھب و شرح آئینہ شیعہ نما۔ اویسی غفرلہ

سے باامن وسلامت ہوں گے کہ نہ انھیں اپنا خطرہ ہوگا اور نہ دُوسروں کا خوف۔ انبیاء علیہم السلام ان اولیاء کرام کی اس فارغ البالی اور سکون خاطر کو دیکھ کر رشک کریں گے کہ یہ حضرات کتنے خوش نصیب ہیں کہ انھیں کسی کی پروا نہیں اور ہم اُمتوں کی غلطیوں پر کتنی تکلیف میں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو رشک اسی وجہ سے ہوگا اور ان کا خوف وحزن بھی اُمتوں کے لیے ہوگا ورنہ ان سے امن وسلامتی میں بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔

۴ ــــــ صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں اس تحریر سے فارغ ہوا تھا کہ میرے دل میں ایک معنیٰ وارد ہُوا جو حدیث مذکور کا بہترین جواب بن سکتا ہے وُہ یہ ہے کہ مقام محبت ایک مخصوص مقام ہے جو اللہ تعالےٰ نے صرف ہمارے نبی علیہ السلام کو عنایت فرمایا ہے اس مقام کو وراثت میں آپ کے وارثین اولیاء کرام کو عنایت فرمایا ہے اگر اس مقام کو دیکھ کر انبیاء علیہم السلام رشک کریں تو بجا ہے۔ دراصل یہ مقام ومرتبہ تابع کا نہیں بلکہ متبوع کا ہے اور انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی علیہ السلام کے مراتب ومقامات کو دیکھ کر جتنا رشک کریں بجا ہے۔ اسی بناء پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔

اس سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر انبیاء انبیاء علیہم السلام کے ہم مرتبہ ہوگئے اور نہ ہی مطلقاً امت مصطفوی کے بعض افراد مراتب ومقامات میں انبیاء علیہم السلام سے (معاذ اللہ) بڑھ گئے ہیں۔

۵ ــــــ کبھی ادنیٰ اعلیٰ پر کسی خاص وجہ سے فضیلت پاجاتا ہے اور یہ قاعدہ اپنے مقام پر مسلّم ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسی لیے فرمایا:

انتم اعلم بامور دنیاکم[1]

لیکن معرفت کے مقامات غیر منتہی ہیں اللہ تعالےٰ جانے یا اس کے بندے۔

نکتہ: حضرت ابویزید قدس سرہٗ نے فرمایا:

اولیاء اللہ بمنزلہ دُلہن ہیں اور دُلہن کو وہی دیکھ سکتا ہے جو اس کا محرم ہوتا ہے لیکن غیروں سے محجوب ہوتی ہے اسی طرح اولیاء کرام حجاب انس میں محجوب میں ہیں انھیں نہ دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

ف: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ظاہری شکل کو ہر کس دیکھتا ہے لیکن ان کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوتی کسی خوش بخت کو ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے ورنہ عوام کو ان کی حقیقت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کو ان کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو وہ ان لوگوں کے لیے بمنزلہ حجت ہوجاتے ہیں کہ اگر انھوں نے ان کی قدر ومنزلت کے مطابق تعظیم و

---

[1] لیکن صحیح مفہوم وُہ ہے جسے محدثین نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے انھیں توکل سکھانے کے لیے فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

تکریم کی تو کامیاب وکامران رہیں گے اگر ان سے ان کی مخالفت سرزد ہوئی یا معمولی گستاخی و بے ادبی ہوئی تو مارے جائیں گے اور خاتمہ خراب ہوگا۔

ف : شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

معرفة الولی اصعب من معرفة اللہ فان اللہ معروف بکمالہ وجمالہ و متی یعرف مخلوق مخلوقا مثلہ یاکل کما یاکل و یشرب کما یشرب وھم ظاھرھم مزین احکام الشرع و باطنھم مشتغل بانوار الفقر[1]	اللہ تعالیٰ کی معرفت آسان ہے لیکن ولی اللہ کی حقیقت کی معرفت مشکل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال وجمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن ولی اللہ ایک مخلوق ہے اس لیے مخلوق کو مخلوق کی معرفت مشکل ہے اس لیے وہ انہی کی طرح احکامِ شرع کی پابندی کرتا ہے لیکن اس کا باطن انوارِ فقر میں مشغول ہے اسی لیے اس کی معرفت مشکل ہوجاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

راہرو راہ طریقت ایں بود
کاو باحکام شریعت میرود

ترجمہ : سالک طریقت کے راہ پر چل رہا ہے لیکن احکامِ شریعت کو اپنا رہبر بنا کر۔

ف : کاشفی اولیاء اللہ کی تعریف میں لکھتے ہیں : ؎

رخش ز میدان ازل تاختہ
گوی بچوگان ابد باختہ
معتکفان حرم کبریا
شستہ دل از صورت کبر و ریا
راہ نوردان شکستہ قدم
راز کشایان فرو بستہ دم

ترجمہ : اس کا چہرہ میدان ازل سے چمکیلا ہوتا ہے جیسے گیند ڈنڈے کے ماتحت گھومتی ہے وہ بھی ہر وقت حرم کبریا میں بیٹھے ہوئے ان کا دل کبر و ریا سے صاف ہوجاتا ہے بظاہر ان کے قدم شکستہ، لیکن حقیقت میں راہِ سلوک میں تیزی سے دوڑ رہے ہوتے ہیں بظاہر انھیں خاموش پاؤ گے اور سلوک میں فاتح اسرارِ الٰہی ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

---

[1] روح البیان ج ۳ ص ۶۰

اسیرش نخواہد رہائی ز بند
شکارش نجوید خلاص از کمند
دلارام در بر دلارا ستے جوے
لب از تشنگی خشک بر طرف جوے

ترجمہ : ان کا قیدی قید سے نجات پاتا ہے، ان کا شکار کمند سے نکلنا نہیں چاہتا باوجودیکہ محبوب ان کی بغل میں ہوتا ہے لیکن محبوب کی تلاش میں ہوتے ہیں دریا کے کنارے پر ہونے کے باوجود لب پیاس سے خشک۔

تفسیر عالمانہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ط ان کے لیے خوشخبری ہے دُنیا و آخرت میں۔

ربط : اولیاء کرام کو دُنیا و آخرت کے شرور اور ان کے مصائب اور مشکلات سے نجات دلانے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ انھیں دارین میں کن انعامات و کرامات سے نوازا جائے گا۔

ف : یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ان اولیاء کرام کو خوف و حُزن نہ ہونے کے علاوہ اور بھی کچھ انعام و اکرام نصیب ہوگا یا نہ جواب ملا لهم البشرٰی الخ

نکتہ : دُنیا کو آخرت سے پہلے ذکر کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ پہلے تصفیہ (صفائی) ضروری ہے بعد کو تحلیہ یعنی پہلے شے کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے اس کے بعد اسے سنگارا جاتا ہے انسان کو دُنیا میں ہر غل و غش سے پاک اور صاف ہو کر جانا ہوگا پھر آخرت کے انعام و اکرام کے زیور نصیب ہوں گے۔

حلِ لغات : البشرٰی مصدر ہے اس سے وہ بھلائیاں مراد ہیں جو انسان کو بعجلت جیسے نصر، فتح، غنیمت وغیرہ وغیرہ یا دیر سے نوازا جاتا ہے۔

ترکیب : فی الحیٰوۃ الدّنیا و فی الاٰخرۃ دونوں ظرفیں البشرٰی سے حال ہیں اور اس کا عامل مستقر محذوف ہے اور یہی خبر کا بھی عامل ہے در اصل عبارت یُوں تھی :

لھم البشرٰی حال کونھا فی الحیٰوۃ الدنیا و حال کونھا فی الاٰخرۃ ای عاجلۃ و آجلۃ۔

یا یہ دونوں ھُم ضمیر سے حال ہیں ای حال کونھم فی الحیٰوۃ الخ

تفسیر البُشرٰی البشرٰی کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا : چونکہ یہ بشارۃ مقصود بالذات اور دنیا میں لازماً عطا ہوگی۔ فلھذا اس سے مندرجہ ذیل امور مراد ہیں :

۱۔ ثنائے حسن

۲۔ ذکرِ جمیل

۳۔ محبۃ الناس

بعض مفسرین نے فرمایا کہ :

۴۔ البشریٰ مصدر ہے اور دونوں ظرف اسی کے متعلق ہیں۔ دنیا کی خوشخبریاں وہی ہیں جو اہلِ ایمان متقین کے لیے قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ مذکور ہوئی ہیں۔

۵۔ حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بشریٰ سے نیک خواب مراد ہے جسے مومن نیند میں دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔

ف : دکھائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کے متعلق کوئی نیک بات خواب میں دیکھتا ہے۔

نکتہ : خواب میں جو کچھ دیکھے گا وہ منجانب اللہ ہوگا لیکن چونکہ نبوت کا سلسلہ تو ختم ہے اس لیے اب جو کچھ دیکھے گا وہ اس کے لیے بھلائی ہوگی یا اسے کسی معاملہ پر متنبہ کیا جائے گا یا آئندہ کسی معاملہ کی اسے خوشخبری دی جائے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک)

ف : ظاہر ہے کہ ایسی بشارت صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوگی اس لیے کہ ان کے ارواح و قلوب ذکر الٰہی اور معرفۃ حق میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔ بناء بریں ان کا خواب میں دیکھنا بیداری میں دیکھنے کی طرح ہے اس لیے وہ جو کچھ خواب میں دیکھیں گے وہ مبنی برحق و یقین ہوگا۔

ف : جو اس عالمِ دنیا میں گناہوں کی وجہ سے پراگندہ حال ہے گناہوں کی وجہ سے اس کے دل اور روح پر ظلمات کا ہجوم ہو تو اس کے خواب کا کیا اعتبار۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ البشریٰ وہ مبشرات مراد ہیں جو بذریعہ نبوت یا الہام و کشف ذریعہ بین المنام والیقظہ (یعنی وہ حالت جو نیند اور بیداری کے درمیان ہوتی ہے) دیکھے جاتے ہیں۔ اس حالت میں انبیاء و اولیاء پر منجانب اللہ مشاہدات و کمالات وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات۔

مبشرات نبوت کا بقایا ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے :

الرؤیا الصالحۃ من الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزءاً من النبوۃ۔	نیک آدمی کا نیک خواب نبوت کے چھیالیسویں حصے میں ایک حصہ ہے۔

شرح الحدیث مذکورہ اس حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں تیرہ سال اور مدینہ طیبہ میں دس سال مقیم رہے یہ کل تئیس (۲۳) سال ہوئے آپ پر بیداری میں ۲۳ سال اور خواب میں انہی تئیس سالوں میں چھ ماہ وحی کا نزول ہوا۔ اس معنے پر خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے[1]

نکتہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی وحی خواب میں اس لیے شروع کی گئی تاکہ بیداری میں وحی اور حامل وحی کے انوار کی برداشت سے بشریت کو مانوس کیا جا سکے اس لیے کہ بیداری میں اگر اچانک وحی آتی تو ممکن ہے بشریت تاب نہ لا سکتی اسی لیے آپ کی بشریت کو مانوس کرنے کی خاطر خواب میں اس کا آغاز کیا گیا تاکہ آئندہ بشریت کو وحی اور حامل وحی سے گھبراہٹ نہ ہو[2]

۵۔ بعض صوفیاء نے کہا کہ آیت میں بشریٰ سے اس رحمت کی خوشخبری مراد ہے جو انسان کو موت کے وقت ملائکہ کرام سناتے ہیں اور آخرت میں اولیاء کو بشریٰ کے بھی چند وجوہ ہیں۔

آخرت میں اولیاء کرام کے ہاں ملائکہ حاضر ہو کر ہدیۂ سلام پیش کر کے جو کرامات و انعامات انہیں نصیب ہونگے ان کی کامیابی و کامرانی پر مبارکباد پیش کریں گے۔ آخرت کے انعامات و کرامات چند ایک یہ ہیں:

۱۔ ان کے چہرے روشن و تاباں ہوں گے۔

۲۔ انہیں اعمال نامے دائیں ہاتھ میں عنایت ہوں گے۔

۳۔ اور ان اعمال ناموں کو پڑھتے ہوئے مسرور ہوں گے۔

۴۔ آخرت میں تا دخول جنت کئی مراحل و منازل طے کرنے پڑیں گے۔ ہر مرحلہ اور منزل پر ملائکہ کرام اولیاءِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کو مبارکباد پیش کرتے جائیں گے یہی خوشخبریاں بھی ان کے لیے بشریٰ عاجلہ میں داخل ہوں گی، اگرچہ آخرت میں سہی لیکن چونکہ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے دی جائیں گی اسی لیے انہیں بشریٰ عاجلہ سے تعبیر کیا جائے ہاں دوسرے معنے پر انہیں آجلہ (یعنی ایک مدت کے بعد) بھی کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ آخرت میں دی جائیں گی لیکن چونکہ مقصود بالذات نہیں البتہ انہیں مقصود بالذات کے اسباب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ف : جناب سلمی صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا میں اولیاء اللہ کو بشریٰ کا معنے یہ ہے کہ انہیں دیدارِ الٰہی کا مژدہ سنایا گیا،

---

[1] اس کا وہ معنی نہیں جو مرزائی کہتے ہیں کہ غلام احمد کو چونکہ نیک خواب (الہام) وغیرہ آتے ہیں فلہذا وہ نبی ہے۔ (معاذ اللہ)

[2] یہ توجیہ بھی مناسب ہے لیکن انسب وہ ہے جو فقیر نے تفسیر اویسی میں عرض کیا ہے۔

آخرت میں بُشریٰ کا معنیٰ یہی ہے کہ انھیں دیدارِ الٰہی کا خصوصی شرف نصیب ہوگا۔

ف : شیخ الاسلام نے فرمایا ، اولیاءِ کرام کو دو بشارتیں نصیب ہوتی ہیں ؛

۱۔۔۔۔ دنیا میں معرفۃ حق

۲۔۔۔۔ آخرت میں عجیب وغریب نوازشات

منجملہ ان کے دیدارِ حق سے نوازا جائے گا نیز اس دُنیا میں وہ مجاہدات کے سرور اور آخرت میں نور مشاہدہ سے منور ہوں گے نیز یہ بھی ہے کہ دُنیا میں صفا و وفا سے آخرت میں رضا و لقاء سے نوازے جائیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آخرت میں اولیاءِ کرام سے حجابات ہٹا دیے جائیں گے جس سے انھیں نورِ قدیم کے جلوے نصیب ہوں گے اور ان سے حدوث کی ظلمات مٹ جائیں گی اور دیدارِ حق اللہ تعالےٰ کی ایک خاص نعمت ہے جو صرف اولیاءِ کرام کو نصیب ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

یبشرھم ربھم برحمۃ منہ۔

اللہ تعالیٰ انھیں خصوصی رحمت سے نوازے گا۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ :

آخرت میں ایک اعلیٰ مقام پر اولیاءِ کرام کو بٹھا کر خصوصی تجلّی سے نوازتے ہوئے فرمائے گا : اے میرے محبوبو! اور کچھ چاہتے ہو؟

عرض کریں گے : اے الہ العلمین! تیری بڑی کرم نوازی ہے کہ تُو نے ہمیں نارِ جہنم سے بچا کر اپنی خاص دارِ جنۃ میں جگہ دی اور اپنے قُرب سے نوازا ، بہترین خلعتیں بخشیں ، اپنا دیدار کرایا اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے۔

لیکن پھر بھی اللہ تعالےٰ فرمائے گا : اے میرے محبوبو! تمہارے لیے ایک اور انعام باقی ہے۔

عرض کریں گے : وُہ کیا ہے ؟

اللہ تعالےٰ فرمائے گا : اب کے بعد مَیں تم پر راضی ہُوں تا ابد تم پر ناراض نہیں ہُوں گا۔

اس کلمہ کو سُن کر بہت مسرور ہوں گے۔ انھیں اس ارشاد سے اور کوئی بڑی نعمت محسوس نہیں ہوگی۔

ف : یہی وہ کلمہ ہے جو ہماری تخلیق کے آغاز میں فرمایا "کُن" ، ہم سب نے اس پاک کلمہ کو سُنا۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنے کلام پر مُہر لگا دی اس کی لذّت اہل اللہ تا قیامت نہیں بُھولتے۔ پھر جب انھیں خصوصی تجلیات سے نوازا جائے گا تو آخر میں پھر وہی لذیذ ترین کلام انھیں سُنائے گا جس سے انھیں سب سے بڑی نعمت یاد آئے گی آیت میں البشریٰ سے یہی لذیذ ترین کلام مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ اللہ تعالٰی کے کلمات کو تبدّل و تغیّر نہیں۔ یعنی جتنے وعدے اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں سے کیے ہیں ان کا ہرگز خلاف نہیں ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ازل میں جو احکام مرتب ہُوئے ان میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہیں۔ مثلاً کسی بندے سے کہا:

کُن ولیا۔ ولی ہو جا۔

کسی کو کہا: کُن عدوا۔ دشمن ہو جا۔

اس میں اب تغیّر و تبدّل نہیں ہو سکتا۔ اس کی حکمت بالغہ کے تحت جسے ولی کہا وہ ولی رہے گا اور جسے دشمن کہا وہ دشمن رہے گا۔ نہ کلمۂ ولی میں تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کلمۂ دشمن میں۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ خوشخبری هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۝ بہت بڑی کامیابی ہے یہ ایسی کامیابی ہے کہ جس کی کُنہ تک عقول و افہام نہیں پہنچ سکتے کیوں نہ ہو جبکہ یہی کامیابی سعادت دارین ہی ہے۔

ولایت کی اقسام ولایت کی دو اقسام ہیں:

۱ —— ولایتِ عامہ —— یہ بحمدہٖ تعالٰی ہر مسلم کلمہ گو کو نصیب ہے۔ کما قال تعالٰی:

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

اللہ تعالٰی اہلِ ایمان کا ولی ہے کہ انھیں ظلمات سے نکال کر نُور کی طرف لے جاتا ہے۔

۲ —— ولایتِ خاصہ —— یہ اہلِ سلوک میں سے واصلین باللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

ولایت کا معنٰی ولایت یعنے بندے کا فناء فی اللہ و بقاء باللہ ہونا۔

اجمالی ازالۂ وہم ولایت میں کرامات کونیہ کا صدور ضروری نہیں اس لیے کہ ایسی کرامات تو ملّتِ اسلامیہ کے مخالفین میں بھی پائی جاتی ہیں البتہ کرامات قلبیہ کا ہونا ولایت میں شرط ہے۔ کرامات قلبیہ علومِ الٰہیہ و معارفِ ربانیہ کو کہا جاتا ہے۔ کبھی یہ دونوں ایک انسان میں مجتمع ہو سکتی ہیں جیسے محبوبِ سُبحانی قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ان ہر دو قسم کے کرامات کے جامع تھے۔ اسی طرح شیخ ابُو مدین مغربی قدس سرہٗ بھی جامع الکرامات الکونیہ والقلبیہ تھے۔ جیسے مشرق میں شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر قسم کے کرامات میں لاثانی تھے، اسی طرح مغرب میں شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہٗ کرامات میں بے نظیر تھے۔

ف: کبھی ان دونوں کرامات میں سے صرف ایک قسم کے ولی ہوتے ہیں۔ بعض میں صرف کرامات قلبیہ ہوتی ہیں اکثر کاملین اہلِ فناء رحمہم اللہ تعالٰی اپنی کراماتِ قلبیہ کے حامل ہوتے ہیں۔

تفصیلی ازالہ وہم کراماتِ کونیہ[1] جیسے پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لمبی مسافتیں تھوڑے سے عرصہ میں طے کر لینا، کا صدور، جیسے اہلِ اسلام سے صادر ہوتی ہیں ایسے ہی یہودیوں، نصرانیوں کے راہبوں اور فلسفیوں سے بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ بے دینوں سے ایسی کرامات کا صدور بطور استدراج ہوتا ہے۔ سورۂ بقر کی آیت "ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ" میں ہم نے اس مسئلہ کو تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

حقیقی بادشاہی نبوت و رسالت دراصل ایک باطنی بادشاہی ہے اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے جسے بخشتا ہے اسی سے مخصوص ہوتی ہے اس میں بندے کے کسب کو کسی قسم کا دخل نہیں۔[2]

وزارت ولایت بمنزلہ وزارت ہے اسے کسب سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے حصول میں بندے کو دخل ہے جیسے وزارت کو بندہ اپنی حسنِ کارکردگی سے حاصل کر سکتا ہے ایسے ہی ولایت کو بھی اعمال حسنہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ازالہ وہم درحقیقت یہ بھی نبوت کی طرح عطائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض و فضل سے نصیب ہوتی ہے لیکن چونکہ اس میں چند شرائط و اسباب ہوتے ہیں ان کے استعمال سے درمیانی حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ چونکہ وہ حجابات تدریجاً ہٹتے ہیں اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید ولایت بھی کسبی ہے۔

ولایت کی منزلیں ولایت کی منزل اوّل یہ ہے کہ مظاہر کے عشق اور اغیار کی محبت کو دُور کرنے اور قیود و استتار سے چھٹکارا پانے کے بعد سالک کا سفر خلق سے شروع ہو کر حق کی طرف ختم ہو اس طرح کی منازل و مقامات طے کرتا ہُوا بہت بڑے مراتب و درجات کو پہنچے صرف علم یقینی کے حصول سے سالک اہل حق کے مقام کو نہیں پا لیتا جب تک کہ راہ و رسم اور اپنی نام و نمود کو مٹا نہ ڈالے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات اس خوش بخت کو نصیب ہوتے ہیں جس نے ہستیٔ موہوم کو فنا کر دیا ہو۔

ف: چونکہ مراتب ولایت مختلف ہیں اسی لیے طریقت والوں کو تین اقسام پر منقسم کیا گیا ہے۔ یعنی ان میں بعض علم الیقین، بعض عین الیقین اور بعض حق الیقین کے حامل ہوتے ہیں۔

---

[1] عوام اہلسنت نے انہی کرامات پر ولایت کو منحصر کر لیا ہے ان کے اذہان میں یہ تصور ایسا راسخ ہوا ہے کہ جس سے کرامت کا صدور نہ ہو تو وُہ اسے ولی سمجھتے ہی نہیں دراصل یہ ان کی غلطی نہیں بلکہ علماء اہلسنت اور مشایخ سلسلہ کی چشم پوشی ہے۔ اس دور میں اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔

[2] مرزائیوں کی فریب کاری ہے کہ وہ نبوت بھی کسبی سمجھتے ہیں۔

ف : امرِ الٰہی جیسا کہ ہے اس کے تصور کو علم الیقین ، اس کے مشاہدہ کو عین الیقین اور ہر حیثیت سے فنا فی الحق و بقا بالحق ہونے کو حق الیقین کہتے ہیں یعنی شہوداً و علماً و حالاً ہر لحاظ سے فانی ہونے پر یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ بعض لوگ صرف علماً فانی ہونے کے بعد اس مرتبہ کے حصول کے قائل ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ : چونکہ ولایت کے مراتب غیر منتہٰی ہیں اسی لیے مراتب اولیاء بھی غیر منتہٰی ہوتے ہیں۔

ولایت کے حصول کا طریقہ توحید پر ثابت قدم ہونا نفس کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا اور اسے اغراض دنیویہ و دینیہ سے صاف رکھنا جو طریقۂ حق میں جدّ و جہد کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو زمرۂ اولیاء میں داخل کر رہا ہے اور جو خواہش نفسانی کی اتباع میں لگا رہتا ہے وُہ سمجھے کہ وہ اپنے آپ کو دشمنانِ خدا میں شامل کر رہا ہے۔

سلوک کسے کہتے ہیں اصطلاحِ تصوّف میں سلوک فنا فی اللہ کے راہ پر چلنے کا نام ہے وہ اس لیے کہ مرید اپنے ارادوں کو اپنے پیر و مرشد کے ارادوں میں فنا کر دیتا ہے۔

مُرید نہیں مَرید ہے جو مُرید اپنے شیخ پیر و مرشد کے رائے کے خلاف کرتا ہے وہ مُرید نہیں مَرید[1] (سرکش) ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

گسل از پیغمبر ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و بر کام خویش

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
ہمچوں روبہ در ضلالی و ذلیل

ہیں میر الّا کہ با پر ہائے شیخ
تا نہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ

سبق : مومن پر لازم ہے کہ اولیاء کی سیرتوں کو اپنائے ورنہ کم از کم ان سے عقیدت و محبت پر التزام کرے[2]۔ اس لیے کہ ہر مرد قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت و عقیدت ہوگی اس لیے اگرچہ ایک جانب بھی اسے تو جامع طریق سے حاصل کرے۔

---

[1] جیسے دیوبندیوں کے اکابرین گنگوہی، نانوتوی، تھانوی وغیرہم نے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلاف کیا۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "دیوبندی نامہ" دیکھیے۔

[2] بحمدہٖ تعالےٰ یہ طریقہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے دوسرے تمام بد مذاہب اس طریقۂ انیقہ سے محروم ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ اس سے حضور علیہ السلام کو کفار کی باتوں سے غمگین ہونے سے روکا گیا ہے۔ یہ جملہ دراصل انشائیہ ہے اصل عبارت یوں تھی:

لا تحزن بقولھم ولا تبال بتکذیبھم الخ

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی باتوں سے غم نہ کیجئے اور نہ ہی ان کی تکذیب کی پروا کیجئے۔

اور وہ جو آپ کے شہید کرنے اور آپ کے اسلام کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں اور آپ کے حق میں طرح طرح کے بکواسات کرتے ہیں آپ فکر نہ کیجئے اس لیے کہ ان کی تمام کارگزاریوں میں ذرہ بھر بھی بھلائی نہیں۔

نکتہ: ان کی باتوں سے حزن کی نہی میں مبالغہ مقصود ہے اس لیے کہ تاثیر کی نہی سے دراصل تاثیر کی نہی مطلوب ہوتی ہے۔

ف: کواشی میں ہے: قولھم پر وقف کرنا چاہیے۔ آگے ان العزۃ الخ سے جملہ مستانفہ ہے۔ یہی مختار مذہب ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ گویا حضور علیہ السلام نے عرض کی: اے الٰہ العالمین! میں ان کی باتوں سے کیوں نہ غم کھاؤں؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے جواب دیا کہ:

اِنَّ الْعِزَّةَ بے شک عزت وقہر لِلّٰهِ جَمِيْعًا تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یعنی تمام امور اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اسی کی سلطنت میں ہیں اس کے سوا ان کا اور کوئی مالک نہیں۔ نہ کفار نہ کوئی اور ہے جو آپ کی معاونت کر سکے یا آپ کو مصائب و آلام سے بچائے هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وہی سمیع و علیم ہے یعنی جو کچھ باتیں بنا رہے ہیں انہیں وہی سنتا ہے اور جو کچھ آپ کے بارے میں وہ عزائم رکھتے ہیں انھیں وہی جانتا ہے انھیں ان کی کارروائیوں پر سرزنش کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ان العزۃ للہ جمیعًا یعنی دنیا و آخرت کی عزت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کسی کو صرف دنیا میں عزت بخشتا ہے کسی کو صرف آخرت میں عزت سے نوازتا ہے کسی کو دنیا و آخرت دونوں میں معزز فرماتا ہے اسے نفس کی شرارتوں اور شیاطین کے وساوس اور نعمتوں سے محظوظ ہونا نہیں روکتا یعنی چاہے تو مجرم کو معزز بنا دے خواہ وہ دنیوی نعمتوں سے معزز ہو کر کتنے ہی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح کسی کو دنیوی نعمتوں سے نواز کر اسے آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم نہیں کرتا، کما قال تعالیٰ:

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔

فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کر دے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہے اسی طرح اس پاکیزہ رزق کو کون حرام کر سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے وہ ہیں جنہیں دنیا میں بھی بھلائی سے نوازا گیا اور آخرت میں بھی بلکہ بہت سے بڑے خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جن کی دنیوی نعمتیں آخرت کے امور کی معاون ثابت ہوتی ہیں۔

حدیث قدسی شریف میں ہے کہ :

میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لیے دولت مندی ضروری ہے اگر انہیں تونگری نہ ہو تو ان کا دین ضایع ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ خبردار بیشک تمام آسمان اور زمین والے اللہ تعالےٰ کی ملک میں ہیں یعنی فرشتگان اور انس و جن چونکہ یہی اشرف المخلوقات ہیں اسی لیے ان کے نام لینے کے بعد دوسروں کو ضمناً بیان کیا گیا ہے یعنی جب یہ اشرف المخلوقات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو ان کے ماسوا باقی بطریق اولیٰ قبضۂ قدرت میں ہوں بنا بریں اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کفار پر اللہ تعالیٰ نصرت و فتح یابی سے ہمکنار کرے گا بلکہ ان کے اموال و املاک آپ کے قبضہ میں دے گا وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ مَا نافیہ ہے، شرکاء ۔ یتبع کا مفعول ہے اور یدعون کا مفعول محذوف۔ عبارت یوں ہوگی :

وما یتبعون الذین یدعون الٰھۃ من دون الخ

یعنی جو ماسوی اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنے شرکا کی تابعداری نہیں کرتے اگرچہ وہ اپنے خیال سے انہیں اپنا معبود سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت شریک ہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کا شریک محال ہے۔

اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وہ صرف اپنے گمان کی اتباع کرتے ہیں اور ان کا گمان یہی ہے کہ بت (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ کے شریک ہیں حالانکہ یہ غلط اور سراسر غلط ہے اور یہ صرف ان کا اپنا خیال ہے وَاِنۡ هُمۡ اور وہ نہیں ہیں اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝ مگر اٹکل پچو بناتے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف غلط اور جھوٹی نسبت کرتے ہیں۔

حل لغات : خرص یخرص خرصاً بمعنے کذب از باب نصر اور الخراص بمعنے الکذاب۔

ربط : آنے والی آیات میں اپنی قدرت کاملہ اور نعمت عامہ کا بیان فرمایا تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ جو ذات ایسی شان کی مالک ہے تو عبادت کی بھی وہی مستحق ہے۔ کما قال :

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ اللہ وہ ہے جس نے رات کو تاریک بنایا لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ تاکہ تم اس میں سکون پاؤ معاش کی طلب میں دن کی تھکان رات کے آرام سے دور کرو وَالنَّهَارَ اور دن کو راہ دکھانے والا بنایا تاکہ تم معاش کی طلب میں دن کو چل پھر سکو۔

سوال : الیل میں مظلماً کو کیوں محذوف کیا گیا؟

جواب : مبصرا اس کے حذف کا قرینہ موجود تھا جیسے لتسکنوا کی وجہ سے لتتحرکوا کو مبصرا کے بعد حذف کیا گیا ہے۔

سوال : دن دکھانے والا تو اللہ ہے ابصار کو مبصرا کیوں کہا گیا؟

جواب: ابصار کا اسناد النہار کی طرف مجازی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دن وہ ہے کہ اس میں اشیاء کو دیکھا جاتا ہے عرب کی مشہور مثال:

نہارہ صائم ولیلہ قائم کا یہی معنے ہے کہ:

صام فی النہار و قام فی اللیل۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ مجاہدات کی تھکان اور طاعات کی گھبراہٹ اتارنے کے لیے بعض اوقات آرام کے لیے بھی اوقات مقرر کرنے چاہئیں تاکہ نفوس کو ملال اور قلوب کو گھبراہٹ نہ ہو بلکہ کچھ آرام کرنے کے بعد مطلوب کی جانب شوق میں اضافہ ہو اسی لیے تدریس کرنے والے ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرتے ہیں تاکہ پڑھنے پڑھانے کے لیے دوسرے ہفتے میں سہولت ہو۔ جیسا کہ ابن خیام نے کہا: ؎

زمانے بحث و درس و قیل و قالے
کہ انسانرا بود کسب کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات
کہ خاطر را شود دفع ملالے

ترجمہ: کوئی وقت بحث درس و تدریس میں، کوئی وقت قیل و قال میں گزارنا چاہیے تاکہ انسان کو کسب کمال میں آسانی ہو کوئی وقت شعر و شاعری میں کوئی وقت شطرنج کھیلنے اور حکایات سننے سنانے میں بسر کرنا چاہیے تاکہ دل کو رنج اور ملال نہ ہو۔

ف: شطرنج وغیرہ محض مثال کے طور درمیان میں لایا گیا ہے۔

ف: ایک طریق سے دوسرا طریقہ اختیار کرنا قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے جیسے اصحاب کہف کے ساتھ ہوا کہ انہیں طویل مدت کے آرام میں ایک کروٹ سے دوسری کروٹ پہ بدلا گیا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

از قال و قیل مدرسہ حالِ دلم گرفت
یک چند نیز خدمت معشوق و مے کنم

ترجمہ: مدرسہ کی قیل و قال سے میرا جی بھر گیا تو تھوڑی سی دیر میں نے معشوق اور شراب سے دل بہلایا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک ان تمام رات اور دن کے جملہ امور میں لَاٰیٰتٍ البتہ بکثرت آیات عجیبہ ہیں لِقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ۝ ان لوگوں کے لیے جو تدبر سے سنتے ہیں اور مواعظ قرآن سے عبرت حاصل کرتے ہیں چونکہ صرف بعض حضرات آیات سے

نفع پاتے ہیں اسی لیے ان کا نام لیا گیا ہے ورنہ آیات ہر ایک کے لیے عبرت ہیں۔ قَالُوا بنو مدلج نے کہا (کذا قال الکاشفی)
اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اللہ تعالٰے نے بیٹا بنایا۔
تبیان میں ہے کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصارٰی نے عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالٰے کا بیٹا کہا۔ اور قریش نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالٰے کی بیٹیاں ہیں۔
سُبْحٰنَهٗ ط اللہ تعالیٰ پاک اور مقدس ہے اس سے کہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جائے ان کی حماقت پر تعجب کا کلمہ لایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰے پاک اور مقدس ذات پر ایسی تہمت لگائی گئی جسے معمولی عقل والا بھی قبول نہیں کرتا۔
ف: سبحانہ دراصل اسبحہ تسبیحا تھا بمعنے انزھہ تنزیہا اسے مقام تعجب پہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، پہلا معنیٰ حقیقی، دُوسرا مجازی ہے، یہاں پر دونوں معنے مراد ہیں۔
سوال: حقیقی اور مجازی معنے بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے، یہاں کیسے جمع ہو گئے۔
جواب: اس میں تعجب کا معنےٰ اصلی نہیں بلکہ ثانوی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اس طرح سے حقیقت ومجاز کا اجتماع نہ ہُوا۔ (کذا فی حواشی سعدی چلپی)
ف: ہر انجوبہ امر پر سبحان اللہ کا لفظ انسان کے منہ سے نکل جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی ایسے عجیب امر کو دیکھتا ہے جو بظاہر خارج از امکان ہوتا ہے لیکن اس غیر ممکن امر کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعۃً آنکھوں سے ملاحظہ کر رہا ہوتا ہے اس سے عقل کی کوتاہی نے گویا کہا کہ یہ تو بعید از قدرت تھا لیکن واقع ہو گیا لیکن معاً اپنی غلطی کا احساس کرتے ہُوئے فوراً کہتا ہے سبحان اللہ یعنی وہ مقدس ذات بہت بڑی قدرت والی ہے اس کی قدرت سے یہ کام بعید کہاں، بلکہ اس لفظ سے اپنی خطاء کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا برملا اظہار کرتا ہے (کذا فی حواشی ابن الشیخ فی سورۃ النصر)
هُوَ الْغَنِيُّ ط وہ اللہ تعالٰے ہر شے سے مستغنی ہے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی تنزیہہ کی علت بتائی گئی ہے وہ اس طرح کہ اولاد ضروریات پُوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس ذریعے کی اسے ضرورت ہوتی ہے جو عاجز وضعیف ہوتا ہے تاکہ اولاد کے ذریعے کاروبار میں اسے تقویت پہنچے اور اللہ تعالٰے کو عجز وضعف کیسا، وہ تو قادر قدیر ہے اسی لیے وہ ہر شے سے مستغنی ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط آسمان وزمین والے سب اسی کے ہیں وہ عقلاً یعنی انس وجن اور ملائکہ وغیرہ ہوں یا غیر عقلاً حیوانات وغیرہ سب اسی کی ملک ہیں اس سے اللہ تعالٰے کے غناء کا تحقق مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ کل کائنات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ط ان نافیہ اور مِن زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے سلطان مبتداء اور ظرف خبر مقدم ہے بھٰذا سلطان کے متعلق ہے یعنی اس گمان فاسد (جو کہ تم نے ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے) کے متعلق تمہارے ہاں کوئی حجت

اور دلیل نہیں ہے اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ کیا تم اللہ تعالیٰ پر وہ باتیں بناتے ہو جن کا تمہیں علم بھی نہیں اس میں انھیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے غلط عقاید میں آپس میں مختلف ہیں اور انہیں اپنے عقاید کے متعلق صحیح معلومات بھی نہیں[1]

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ جس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ جہالت کا پلندہ ہے۔

مسئلہ: عقاید پر دلائل قطعیہ ضروری ہیں، ظنیات[2] اور اٹکل پچّو بے کار۔

مسئلہ: عقاید میں تقلید نہیں مسائل میں تقلید ہوتی ہے (جیسے ہم اہلسنت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی عقائد میں متفق ہیں مسائل میں ائمہ کے مقلد ہیں)

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک جو لوگ اللہ کے لیے اولاد اور اس کے ساتھ شریک بنا کر اس پر افتراء کرتے ہیں۔

لَا يُفۡلِحُوۡنَ ○ کامیاب نہیں ہوں گے کسی بھی عذاب سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی مقصد پر کامیابی حاصل کر سکیں گے مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے عرض کیا کہ انھیں کیسے لا یفلحون کہا گیا حالانکہ دنیا میں وہ قسم قسم کی لذیذ اور عجیب و غریب نعمتوں سے مالا مال ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ دُنیا کا مال و متاع چند روزہ ہے جو تھوڑے عرصہ کے بعد ان سے چھن جائے گا اور وہ خود بھی خاک ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔ ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ پھر موت کے بعد ان کا ہمارے ہاں رجوع ہوگا ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ○ پھر ان کے کفر کی وجہ سے ہم اُنھیں سخت عذاب چکھائیں گے یعنی اپنے کفر کی وجہ سے دائمی بدبختی اور شقاوت میں رہیں گے پھر ان بدبختوں کو فلاح و نجات کہاں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دُنیا میں اُنھیں عذاب کا درد محسوس نہ ہُوا اس لیے کہ دُنیا میں نیند میں تھے اور نیند والا زخموں کے دردوں کو محسوس نہیں کرتا۔ پھر جب مرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے۔ ؎

مردمان غافلند از عقبیٰ
ہمہ گوئی بخفتگاں مانند

---

[1] یہی آجکل کے بدمذاہب کا طریقہ ہے کہ اُنھیں اپنے عقاید کے متعلق مکمل تحقیق نہیں ہوتی۔

[2] بدمذاہب بالخصوص شیعہ، مرزائی، وہابی عقاید والے اپنے عقاید پر کوئی قطعی دلیل نہیں لا سکتے۔

ضرر غفلتی کہ مے ورزند
چوں بمیرند آنگہے دانند

ترجمہ: لوگ آخرت سے غفلت میں ہیں سب کی مثال نیند والوں کی ہے آج جتنی غفلت کر رہے ہیں مرنے کے بعد اس کا ضرر معلوم کریں گے۔

مسئلہ: آیات میں شرک و معصیت سے نہی کی گئی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمہیں وہ نصیحت سناؤں جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو فرمائی، نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹا! میں تجھے دو کاموں کا حکم فرماتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ اقرار کرو لا الٰہ الا اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد ہے۔ یہ کلمہ وہ ہے کہ اگر آسمان و زمین کے تمام طبقات ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ کہو سبحان اللہ و بحمدہٖ۔ یہ کلمہ ملائکہ کی نماز اور جملہ مخلوق کی دعا اور اسی کی برکت سے تمام مخلوق کو رزق نصیب ہوتا ہے۔

اور وہ امر کہ جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ اس لئے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اس پر بہشت حرام ہے۔

دوسرا یہ کہ تم تکبر نہ کرنا اس لیے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا اسے بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیا جائے گا اگر ایسے شخص کو کسی اور عمل سے بہشت میں داخلہ نصیب ہوگا تو اس کے دل سے پہلے تکبر کو نکالا جائے گا پھر بہشت نصیب ہوگی یا یہ کہ اسے بہشت میں داخل نہیں ہونے دیں گے اگرچہ وہ متقی بھی ہو۔ گویا تکبر کی سزا ضرور پائے گا خواہ کسی طریقہ سہی۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تکبر پر سخت زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے اور کسی کو یہ

ازالہ وہم وہم نہ ہو کہ اس تکبر سے کفر مراد ہوگا یہ وہم غلط ہے اس لیے کہ تکبر سے مراد کفر ہوتا تو اس کے بالمقابل کفر کا ذکر نہ ہوتا یعنی چونکہ کفر کا ذکر ہو چکا ہے فلہذا اس سے یہی تکبر مراد ہے جو گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔

تکبر کسے کہتے ہیں اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں کو کچھ نہ سمجھنا۔ ایسا تکبر درجہ کفر پر پہنچاتا ہے یعنی اس کی سزا کفر کے قریب تر ہے جیسے نماز کے تارک کی سزا کفر کے قریب ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من ترك الصلوٰة متعمداً فقد کفر۔ جو عمداً نماز کا تارک ہے وہ کافر ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

برالوالدین یزید فی العمر والکذب ینقص الرزق والدعاء یرد القضاء۔ (رواہ الاصبہانی)
ماں باپ کی فرمانبرداری سے عمر بڑھتی ہے، جھوٹ سے رزق گھٹتا ہے اور دُعا تقدیر بدل دیتی ہے۔

بدل جاتی ہیں تقدیریں تقدیر کی تبدیلی کے متعلق ایک تقریر یہ ہے کہ یہ بفرضِ محال قبیل سے ہے یعنی اگر بفرضِ محال کسی کی عمر بڑھ جاتی ہے تو ماں باپ کے فرماں برداری کی عمر بڑھ جاتی ہے اس میں مبالغہ مطلوب ہے اور ترغیب دی جارہی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرنے پر اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعامات نصیب ہوتے ہیں۔

ف: فرضِ محال کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہے کما قال: ان کان للرحمٰن ولداً فانا اول العابدین۔
یعنی بفرضِ محال اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اسی کی عبادت کرتا۔ یعنی نہ ہے اور نہ میں اسکی عبادت کرتا ہوں۔

اور جھوٹ سے رزق میں بے برکتی ہوتی ہے اور جس رزق میں برکت نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔ اسی طرح پہلی تقریر اس میں بھی جاری کریں کہ اگر بفرضِ محال رزق میں کمی ہوتی تو جھوٹ سے کمی ہوتی۔

دوسری تقریر دُعا سے وہ تقدیر بدل جاتی ہے جو معلق ہوتی ہے کہ جس کے متعلق لکھ دیا جاتا ہے کہ اگر فلاں اسباب و شرائط پائے گئے تو فلاں تقدیر بدل دی جائے گی۔ اس سے تقدیرِ مبرم کی تبدیلی مراد نہیں اس لیے کہ وہ کسی وقت بھی نہیں ٹل سکتی۔

سبق: دانا وہ ہے جو توحیدِ حقانی کے حصول میں جدوجہد کرتا ہے یعنی اوامر شرعیہ پر عمل کرتا ہے اور نواہی سے رُکتا ہے یعنی تمام محرمات قولیہ وفعلیہ سے بچتا ہے اور مشاغل قلبیہ سے احتراز کرتا ہے بلکہ وہ ماسوی اللہ کی طرف ذرہ برابر بھی میلان نہیں رکھتا اس لیے کہ سالک کا رجوع صرف اسی درگاہ کی طرف ہے۔ یاد رہے کہ توحید بہترین اور مقبول تحفہ ہے اللہ اس تحفہ کو مذکورہ بالا شرائط سے قبول کرتا ہے ورنہ وہ توحید جو شرائط سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں تحفہ مقبول نہیں ہو سکتی۔
اور شرک عذابِ الٰہی کا سبب ہے کما قال:

ثم نذیقھم العذاب الشدید۔ پھر ہم انھیں سخت عذاب چکھائیں گے۔

اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا عذاب، عذابِ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے ایک طریق سے دوسرے طور تبدیل کیا جائے تو اسے پہلا طور طریق بھول جاتا ہے بالخصوص جب اسے عذاب خفیف سے عذاب شدید میں مبتلا کیا جائے ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نواز کر کوئی خصوصیت عطا فرمائے تو وہ اس کی خوش بختی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ

اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم پر شاق

كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ

گزرا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی نشانیاں یاد دلانا تو میں نے اللہ ہی پر

تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

بھروسہ کیا تو مل کر کام کرو اور اپنے جھوٹے معبودوں سمیت اپنا کام پکا کرلو تمہارے

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾

کام میں تم پر کچھ گنجلک نہ رہے پھر جو ہو سکے میرا کرلو اور مجھے مہلت نہ دو

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر

عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اور مجھے حکم ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں تو انہوں نے

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَ

اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور انہیں ہم نے

اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

نائب کیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ہم نے ڈبو دیا تو دیکھو ڈرائے ہوؤں کا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى

انجام کیسا ہوا پھر اس کے بعد اور رسول ہم نے ان کی قوموں کی طرف

قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

بھیجے تو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لائے تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر

بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ

جسے پہلے جھٹلا چکے تھے ہم یوں ہی مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ

دلوں پر | پھر ان کے بعد ہم نے | موسیٰ اور | ہارون کو | فرعون | اور | اس کے

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

درباریوں | کی طرف | اپنی نشانیاں لے کر | بھیجا | تو انہوں نے | تکبر کیا اور | وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ

تو جب ان | کے پاس ہماری | طرف سے | حق آیا | بولے یہ تو ضرور | کھلا جادو

مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ اَسِحْرٌ

ہے | موسیٰ نے کہا | کیا حق کی نسبت ایسا کہتے ہو | جب وہ | تمہارے پاس آیا | کیا یہ جادو

هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا

ہے | اور | جادوگر | مراد کو | نہیں | پہنچتے | بولے کیا تم | ہمارے پاس | آئے ہو کہ ہمیں

عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى

اس سے | پھیر دو | جس پر ہم نے | اپنے باپ دادا | کو پایا | اور زمین میں | تم دونوں کی

الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

بڑائی رہے | اور | ہم | تم پر | ایمان | لانے کے نہیں | اور فرعون بولا | ہر جادوگر

ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ

علم والے کو | میرے پاس | لے آؤ | اور | پھر جب | جادوگر آئے | ان سے موسیٰ نے

مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا

کہا | ڈالو | جو | تمہیں | ڈالنا ہے | پھر جب | انہوں نے | ڈالا | موسیٰ نے کہا یہ جو تم

جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

لائے | یہ جادو ہے | اب اللہ اسے | باطل کر دے گا | اللہ | مفسدوں کا

يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

کام | نہیں | بناتا | اور | اللہ | اپنی باتوں سے | حق کو حق کر

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸۲ ع

دکھاتا ہے۔ ہو بڑے بُرا مانیں مجرم

تفسیر عالمانہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اہل مکہ کے مشرکین کو خبر دیجئے نَبَاَ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی خبر کہ ان کے ساتھ ان کی قوم نے کیا کیا جبکہ نوح علیہ السلام نے انہیں کفر و معاصی سے روکا۔

ف: البستان میں ہے کہ نوح علیہ السلام کا اسم گرامی شاکر تھا اور خوفِ الٰہی سے بکثرت گریہ و بکا کی وجہ سے آپ کو نُوح سے موسوم کیا گیا۔

ف: احکام کے نسخ اور شرائع کا امر سب سے پہلے آپ سے جاری ہُوا۔ آپ سے پہلے سگی بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا آپ کے زمانۂ اقدس میں یہ حکم منسوخ ہُوا۔

ف: آپ کو جس وقت نبوت ملی آپ اس وقت چار سو اسی سال کے تھے۔

اِذْ قَالَ یہ اُتْلُ کا معمول نہیں بلکہ نَبَاَ کا ہے اس لیے کہ اُتْلُ میں مستقبل کا معنیٰ ہے اور اذ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور نوح علیہ السلام کی تمام خبریں نہیں بلکہ بعض مراد ہیں اس لیے کہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے تمام واقعات نہ قرآن مجید میں درج ہیں اور نہ ہی حضور علیہ السلام نے تمام واقعات بیان فرمائے لِقَوْمِهٖ یہ لام تبلیغ کے متعلق ہے يٰقَوْمِ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری برادری اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ اگر میرا وجود تمہیں شاق اور سخت ہے، مقامی بمعنے نفسی ہے جیسے کہا جاتا ہے:

فعلته بمقام فلان۔

یعنی میں نے فلاں کے ساتھ ایسا کیا۔

اسی محاورہ سے ہے:

ولمن خاف مقام ربه جنتان - یعنی جو اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کے لیے جنتان ہیں۔

یا نوح علیہ السلام کا اس سے مطلب یہ ہے کہ میرا تمہارے ہاں عرصہ دراز (پچاس کم ایک ہزار سال کا ٹھہرنا سخت ہے۔ یا مقامی سے مطلق قیام مراد ہے وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور میرا وعظ کرنا اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل روشن سے۔

ف: حضرات انبیاء علیہم السلام کی عاداتِ کریمہ تھیں کہ وہ کھڑے ہو کر وعظ کرتے تھے اس لیے کہ کھڑے ہو کر وعظ کرنے سے سامعین پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر وعظ فرماتے تھے اور حواریین آپ کا وعظ بیٹھ کر سنتے تھے (ہمارے

بعض واعظین اسی پر عمل کرتے ہیں، سحبان بن وائل جو ایک بہت بڑا فصیح و بلیغ ہو گزرا ہے، اس کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ عصا کا سہارا لے کر گفتگو کرتا تھا۔

منبر کا پروگرام کرسیوں اور منبروں پر وعظ کرنا کھڑے ہو کر وعظ کرنے کے قائم مقام ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹی کے بنائے ہوئے منبر پر خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد لکڑی کا منبر تیار ہوا تو پھر آپ اسی پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے[1]۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک کے تین پائے تھے یہاں تک کہ مروان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے نیچے کی طرف چھ پائے مزید بڑھائے۔

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ یہ شرط کا جواب ہے یعنی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں اور اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ تم میرے قتل کرنے اور ایذا دینے کے منصوبے بنا رہے ہو تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ میرا معین و مددگار رہبر اللہ کافی ہے۔ ہم نے توکل علی الدوام کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ صرف اسی وقت کرتے تھے جب کفار آپ کے درپے آزار ہوتے یہ ان کی شان کے خلاف ہے اس لیے کہ عام سالک ہر وقت اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ تو برگزیدہ پیغمبر تھے وہ کیوں نہ ہر وقت متوکل علی اللہ ہوں۔

ف : ابن الشیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس کا جواب محذوف ہے (وہ فافعلوا ما شئتم ہے) یعنی اے کافرو! تم جو چاہو میرے ساتھ کر لو۔ مجھے کسی قسم کی تشویش نہیں، اس لیے کہ میں اپنے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہوں محذوف اس لیے کیا گیا ہے کہ مذکور محذوف کی ضرورت سے بے نیاز کرتا ہے فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ یہ ہمزہ قطعی از اجماع بمعنے الجزم ہے۔ کہا جاتا ہے: اجمعت علی الامر۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لے۔ یہ لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لیکن یہاں پر لفظ علیٰ حذف کر کے فعل کو بلا واسطہ اس کے مجرور کی طرف پہنچایا گیا ہے۔

ف : ابو الہیثم نے فرمایا ہے اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اپنے کسی متفرق امر کو جمع کرے، تو کہتا ہے: اجمعت امری۔ اور اس کے تفرق کی صورت یہ ہے کہ کہے: مرة افعل کذا و اخری کذا۔ پھر جب ایک امر پر پختہ ارادہ کر لے تو کہے اجمعته ای جعلته جمیعا۔ اب معنے یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ یعنی میرے قتل و اہلاک کے لیے اپنی تمام طاقتیں صرف کر لو۔

وَشُرَكَآءَكُمْ یہ منصوب ہے اس لیے کہ واؤ بمعنے مع ہے یعنی اپنی کارروائی میں اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملا لو جبکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ تمہاری عبادت پر وہ تمہیں طاقت و قدرت بخشتے ہیں بہرحال تم سے جس طرح بن پڑتا ہے میرے قتل کرنے اور مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔

---

[1] ہمارے جیسے اور ہمارے بعض بزرگان دین بیٹھ کر وعظ کرتے ہیں تو انہیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا نصیب ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے چیلنج کے طور پر فرمایا کہ تم میرے قتل کرنے اور مارنے پر سارے کے سارے متحد ہو جاؤ۔

ثُمَّ یہ تراخی فی الرتبہ کے لیے ہے لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً پھر نہ ہو تمہارا یہ معاملہ تمہارے اُوپر پوشیدہ۔ غمّة بمعنے مستوراً ہے۔ یہ غمہ سے ہے بمعنے سترہ۔ یعنی اسے فلاں نے چھپایا یعنی تم میرے ساتھ کھلم کھلا مقابلہ کرو، اس لیے کہ چھپے چھپائے کارروائی کرو گے تو اس سے پھر تم کہو گے کہ میں نے بھاگ جانے یا تمہارے حملوں سے بچنے کا کوئی تدارک کیا ہے، لہٰذا تم کر لو جو چاہو ثُمَّ اقْضُوْا اِلَیَّ پھر میرے ساتھ اپنا کام کر لو اور میری ہلاکت میں جس طرح کے ارادے رکھتے ہو اسی طرح کرو جیسے ایک مخالف سے کیا جاتا ہے وَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ اور مجھے مہلت بھی نہ دو بلکہ بلا انتظار میرے ساتھ اپنے مقدور مطابق کرو۔

ف : انھیں مخاطب کر کے اسی لیے بلایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وُہ انھیں کسی کھاتے ہیں نہیں لکھتے انھیں اپنے رب تعالیٰ پر پُورا بھروسہ ہے وُہ اپنی حفاظت وعصمت سے انھیں محفوظ رکھے گا۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ پس اگر تم میری نصیحت سے رُوگردانی کرو اور اپنی ضد پر اڑے ہُوئے ہو۔ اس شرط کا جواب فلا باعث لکم علی التولی ولا موجب محذوف ہے یعنی فَمَا سَاَلْتُکُمْ پس میں نے اپنے وعظ و تذکیر سے تم سے سوال نہیں کیا مِّنْ اَجْرٍ مزدوری یعنی دُنیا کا کوئی اجر جسے تم میری نصیحت کے عوض ادا کرو جس کی وجہ سے تم میرے وعظ سے روگردانی کرو یعنی میری نصیحت سے رُوگردانی کا سبب تمہاری مزدوری بنے اس معنے پر کہ تم مجھے الزام لگاؤ کہ وہ اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ ہم انھیں دنیا کے منافع پہنچاتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ نصیحت کی مزدوری یعنی اجر و ثواب میرے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے مجھے میری نصیحت کا وُہی ثواب بخشے گا تم ایمان قبول کرو یا رُوگردانی کرو وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ اور مجھے حکم ہے کہ میں ان لوگوں سے ہوں جو اپنی گردن اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے جھکاتے ہیں۔ ایسے لوگ دین کی تبلیغ میں کسی سے کوئی شے نہیں لیتے۔

مسئلہ : دینی خدمات پر اجر و مزدوری نہیں لینی چاہیے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام خدمت ارشاد پر متعین تھے اسی لیے علم پڑھانے پر اُجرت نہ لینا انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔

مسئلہ : دورِ حاضرہ میں متاخرین نے تعلیم و اذان، امامت وخطابت و دیگر اُمورِ دینی میں اُجرت لینے کو جائز رکھا ہے لیکن اُجرت لینے والے کو نیت خالص رکھنا ضروری ہے ورنہ اس پر سخت وعید وارد ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

زباں می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب میفروشد بنان

بدیں اے فرومایہ دینی مخر
چو خر بہ انجیل عیسیٰ مخر

ترجمہ: تفسیر دان مرد اپنا نقصان کر رہا ہے جو کہ روٹی کے بدلے علم و ادب بیچتا ہے اے بیوقوف! دین دے کر دُنیا نہ خرید، جیسے کوئی کمینہ گدھے کے عوض انجیل کا خریدار ہو۔

شانِ رسالت کوئی اس نیت پر کسی کی اصلاح کرے کہ اس کی اصلاح سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی کثرت ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری کثرت سے دُوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔ ایسے شخص کا بہت بلند مقام ہے اس لیے کہ وُہ اپنے دینی معاملہ میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور عزت و جاہ کی رفعت کا خواہشمند ہے۔

حکایت رابعہ بصریہ بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ وُہ دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتی تھیں ان سے پُوچھا گیا کہ آپ اتنے نوافل کیوں پڑھتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے میرا ثواب کا ارادہ نہیں بلکہ تمنا یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں اور قیامت میں انبیاء علیہم السلام سے فرمائیں گے دیکھو میری اُمت کی ایک عورت یہ ہے جو دن اور رات میں ہزار رکعت پڑھتی تھی[1]

مسئلہ: معلم و متعلم دونوں کا یہی ارادہ ہو جو مذکور ہوا تو انھیں اللہ تعالےٰ بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازے گا بلکہ بہت بلند مقام پر فائز فرمائے گا۔

فَكَذَّبُوهُ اس کا قال لقومہ پر عطف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کو نوح علیہ السلام کا قصہ سُنائیے اور ان کی فلاں فلاں بات، یہاں تک کہ جب انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کیا تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا **فَنَجَّيْنٰهُ** ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق ہونے سے نجات دی یہ فاء فصیحیہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں کلام محذوف ہے۔ یعنی ہم نے نُوح علیہ السلام کے لیے نجات مقدر فرمائی **وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ** اور ان کے لیے بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہُوئے وہ اسّی افراد تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں۔ (کذا فی البستان)، یا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو یہاں پر نجات دی اس معنیٰ پر فی الفلک، نجینٰہ سے متعلق ہے اور پہلے معنے پر استقر کے **وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ** اور ہم نے انہیں زمین کا جانشین یعنی جو طوفان میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہوئے ان کا انہیں جانشین بنایا۔

ف: بستان میں ہے کہ جب طوفان کے بعد وہی اسّی افراد کشتی سے باہر آئے تو سوائے نُوح علیہ السلام اور آپ کے تین

---

[1] یہ تھے ہمارے اکابر، لیکن آج کے موحدین کہتے ہیں کہ جو نبی علیہ السلام کے خوش کرنے کے لیے عمل کیا جائے وہ شرک و کفر ہے۔ معاذ اللہ

صاحبزادوں، سام، حام، یافث اور ان کی بیویوں کے، باقی سب مر گئے۔ کما قال تعالےٰ؛
وجعلنا ذریتہ ھم الباقین۔ ان تین حضرات کی اولاد بڑھی۔

ف: عرب وعجم، فارس وروم سام کی اور حبش، سندھ اور ہند حام کی اور یاجوج، ماجوج، مقلاب، ترک یافث کی اولاد ہے۔

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ اور ہم نے طوفان میں آیات کی تکذیب کرنے والوں کو غرق کر دیا۔

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ طوفانِ نوح کی تاثیر ہر تیس سال کے بعد ظاہر ہوتی ہے لیکن

اعجوبہ لیکن اتنی سخت نہیں بلکہ ہلکی سی جھلک ہوتی ہے جس سے سیلاب اور بارش کی کثرت سے گاؤں کے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ پس منذرین (ڈرائے ہوئے لوگ) کی عاقبت دیکھیے۔ اس سے نوح علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔

ف: اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کی تکذیب کرنے والوں کو ڈرانا مقصود ہے۔ ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: جب تمہیں وہ دوست رکھتا ہے تو پھر محال ہے کہ وہ تجھے تیرے دشمن کے ہاتھ میں دے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا پھر ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سے رسول بھیجے رُسُلًا کی تنوین ذاتاً و وصفاً تکثیر کی ہے یعنی وہ حضرات بے شمار اور ذی عزت واحترام تھے اِلٰى قَوْمِهِمْ ہر پیغمبر اپنی قوم کے ہاں تشریف لائے تاکہ وہ ان حضرات سے استفادہ کریں ان سے قوم ہود و عاد و صالح و ثمود اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی قوم یعنی بابل اور قوم شعیب یعنی قوم ایکہ اور اہل مدین وغیرہ مراد ہیں ان کے بعض کے قصے قرآن مجید میں ہیں اور بعض کے احادیث و تواریخ میں ہیں فَجَآءُوْهُمْ پس وہ تشریف لائے اپنی مخصوص قوم کے ہاں بِالْبَيِّنٰتِ معجزات واضحہ لے کر جو ان کے دعوٰی کو ثابت کرنے والے تھے بالبینٰت کی باء یا فعل مذکور کے متعلق ہے۔ اس معنے پر یہ باء تعدیہ کی ہے یا بالبینٰت، جاؤا کی ضمیر سے حال ہے اور وہ متلبسین کے متعلق ہے مراد یہ ہے کہ ہر رسول معجزاتِ کثیرہ کے ساتھ تشریف لائے یہ انقسام الاحاد الی الاحاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ جاء و ھم کے دونوں ضمیروں سے معلوم ہوتا ہے فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا پس نہیں تھے ایمان لاتے یعنی ان کی طبیعت میں کفر گھس چکا تھا اسی لیے ان کا ایمان قبول کرنا ممتنع ہو گیا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ، ما موصولہ ہے اس سے وہ تمام شرائع مراد ہیں یعنی ہر ایک نبی علیہ السلام کے لائے ہوئے اصول وفروع۔ اس سے ان کی استمراری تکذیب مراد ہے یعنی وہ رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری سے لے کر ان کی ہٹ دھرمی اور عناد تک تکذیب کرتے رہے یہ ان تمام کے آخری حال تک کا بیان ہے یا اس سے ہر رسول

علیہ السلام کے اصول مراد ہیں اب معنیٰ یہ ہوگا کہ رُسل کرام کے تشریف لانے سے پیشتر ہی زمانۂ جاہلیت سے تکذیب کے درپے تھے اس لیے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے سُنتے آئے تھے مثلاً انہوں نے قوم عاد سے سنا اور قوم عاد نے قوم نوح سے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس لحاظ سے ان کی حالت یعنی جہالت کے دَور والی حالت انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے پر اسی طرح رہی گویا رسول علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لائے ہی نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ اہلِ فترت سے قیامت میں اصول شرائع کے انکار پر مواخذہ ہوگا۔

کَذٰلِکَ کاف مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی مثل ذٰلك الطبع والختم والممتنع زواله یعنی اس ختم و طبع کہ جس کا زوال ممتنع ہے، کی طرح، **نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ** ۝ مہر ماریں گے حد سے تجاوز کرنے والے کے دلوں پر یعنی کفر پر اصرار کرنے پر تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو میثاق میں توحید کی دعوت دی پھر جب رُوح نے جسم کی طرف تنزل کیا تو روح انسانی ہمیشہ دعوتِ الٰہیہ کی طرف داعی رہی اور اسی کے تقاضا کے مطابق عمل کرتی رہی۔ لیکن جو ازلی بدبخت اور اصلی شقی تھا اس نے ازل سے ہی ایمان سے انکار کر دیا اسی لیے عالمِ دنیا میں آ کر اس نے انبیاء علیہم السلام کی نہ دعوت قبول کی نہ ان کے معجزات کو مانا در اصل دنیا میں ایمان کا انکار اسی ازلی انکار کا نتیجہ ہے اگرچہ اس وقت بھی کفار نے بلیٰ کہا تھا لیکن تھا دُور پڑے سے۔ یعنی الستُ بربکم کی آواز سُنی تو تھی لیکن الست کہنے والے کو دیکھ نہ سکے اسی لیے الست بربکم کی حقیقت کو سمجھے بغیر دُوسروں کے کہنے پہ بلیٰ کہہ دیا اسی معنے پر ان کا ایمان تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی ہوا۔

منکرینِ اولیاء جیسے اللہ تعالیٰ نے رُسل علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کے دلوں پر مہر ماری ایسے ہی منکرین اولیاء، گستاخوں اور بے ادبوں کے دلوں پر بھی مُہر مار دی جیسے منکرین رسل کے دلوں پہ ایمان کی باتیں اثر انداز نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے وہ زبان سے بھی ایمان قبول نہیں کرتے ایسے ہی اولیاء کا حال ہے کہ گستاخی و بے ادبی کی وجہ سے اولیاء کرام کی ولایت کا اعتقاد ان کے دلوں میں کبھی جاگزیں نہیں ہو سکتا اسی لیے وہ ان کی بزرگی و ولایت کا زبان سے اقرار نہیں کرتے۔

انجام بکار بالآخر یہ انجام ہُوا کہ منکرینِ انبیاء و گستاخانِ اولیاء کی کثرت کے باوجود آج ان کا نام و نشان تک مِٹ گیا اسی طرح موجودہ اور آنے والے منکرین کا حال ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

منبرے کو کہ بر آنجا مخبرے
یا آرد روزگار منکرے
سکۂ شاہاں ھمی گردد دگر
سکۂ احمد ببیں تا مستقر

بر رُخ نقرہ و یاری زری
و انما بر سکہ نام منکرے

ترجمہ: کسی مقام پر بھی منکر کا نام و نشان نہیں سُنا جاتا تمام بادشاہوں کے شاہی سکے مٹ گئے لیکن حضرت احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہی سکہ تا قیامت جاری رہے گا اب سونے اور چاندی کی مہریں خالی ہوگئیں جبکہ منکر ہی دنیا میں نہ رہے۔

ہم اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں اہلِ توحید سے بنائے اور تقلید[۲] کے چکر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ ان رسل کرام علیہم السلام کے بعد ہم نے بھیجا مُوْسٰی بن عمران علیہ السلام وَهٰرُوْنَ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو۔ یہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے تین سال عمر میں بڑے تھے اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون یعنی ولید بن مصعب یا قابوس جو اس زمانے کا فرعون تھا کی طرف وَمَلَا۟ئِهٖ اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی طرف۔

سوال: حضرت مُوسےٰ علیہ السلام سب کے لیے نبی بن کر تشریف لائے تم نے برگزیدہ لوگوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: اعلیٰ کے ذکر میں ادنیٰ خود بخود داخل ہوتے ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا ہماری بڑی آیات سے کر۔ ان سے وہ نوٗ (۹) معجزات مراد ہیں جو موسٰی علیہ السلام نے فرعون والوں پر ظاہر فرماتے جو مندرجہ ذیل ہیں:

○ عصا	○ یدِ بیضا
○ طوفان	○ ٹڈی
○ جُوئیں	○ مینڈک
○ خُون	○ طمس
○ فلق البحر	

ان آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ یہ امور انسانی طاقت سے باہر ہیں۔

فَاسْتَكْبَرُوْا ، الاستکبار بمعنے بلا استحقاق کبر کا دعوٰی کرنا اس کی فا فصیحہ ہے یعنی موسٰی و ہارون علیہما السلام دونوں فرعون اور اس کی قوم کے ہاں تشریف لائے اور انہیں پیغام الٰہی سُنایا لیکن وہ اکڑ گئے اور ان کی فرمانبرداری سے انکار کردیا چنانچہ اس لعین کا قول سورۂ شعراء میں ہے کہ،

---

[۱] انہی کے ہم زماں مراد ہیں۔ آج کی اکثریت ان کے منافی نہیں۔ ۱۲

[۲] تقلید سے وہی تقلید مراد ہے جو ازل میں ایمان تقلیدی کافروں کو نصیب ہوا، ورنہ صاحب رُوح البیان خود مقلد حنفی ہیں، تفصیل فقیر کی کتاب "التقلید" میں دیکھیے۔ ۱۲

الم نربك فينا وليدا ولبثت فينا من عمرك سينين ۔

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ اور تھی وہ مجرم قوم یعنی بہت بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرکے حد سے گزرنیوالوں سے ہو گئے اس لیے کہ لفظ اجرام ان کے بڑے جرائم کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی سے الجرم بمعنے جثہ ہے اسی وجہ سے رسالت کی تنقیص و توہین کی۔ کما قال :

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا جب ان کے ہاں ہماری طرف سے حق آیا یہاں پر حق سے وُہ نو معجزات مراد ہیں جو موسٰے علیہ السلام نے ظاہر فرمائے اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اسی لیے منسوب فرمایا ہے کہ وہ اس کی تخلیق و صفت سے ظاہر ہوئے ان میں ان کے بناوٹی جادوؤں کی طرح جعل سازی نہیں تھی اور نہ ہی خیالی امور قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ فرعونیوں نے کہا کہ یہ جو کچھ لاکر اس کا نام معجزہ رکھ رہے ہیں یہ سب کھلا جادو ہے قَالَ مُوْسٰٓى حضرت موسٰی علیہ السلام نے استفہام انکاری توبیخی کے طور فرمایا۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ کیا تم اس کے لیے جادو کہتے ہو جو جادو سے کوسوں دور ہے اور جادو تو باطل محض ہے اور یہ معجزات سراسر حق ہیں لَمَّا جَآءَكُمْ ط جب تمہارے ہاں آیا یعنی حق کی تشریف آوری کے وقت یا جب تم نے اس سے واقفیت حاصل کی یا حق کا نام سنتے ہی بلاتامل اور بلاتاخیر تم نے انکار کرکے اسے جادو کہہ دیا بہرحال جیسے بھی ہو تمہارا حق کو جادو کہنا حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں پر اتقولون کا مقولہ محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی :

اتقولون له انه سحر ۔ یعنی حق کو کوئی بھی جادو نہیں کہتا۔

اور نہ ہی یہ دائرۂ امکان میں ہے کہ کوئی ایسا کہے، اور مقولے کو حذف کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے پہلے مذکور ہو چکی ہو اس کا سہارا لے کر ایسے مقامات پہ مقولہ جات کو حذف کر دیتے ہیں۔

ف : یہ بھی ہے کہ قول یہاں پر بمعنے عیب و طعن ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ؛

فلان يخاف القالة ۔ اے العيب والطعن یعنی فلاں عیب و طعن سے ڈرتا ہے ، اور کہتے ہیں :

وبين الناس تقاول ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب آپس میں ایک دوسرے کے متعلق بری باتیں کریں جیسے لفظ ذکر عیب و طعن کے لیے مستعمل ہے۔ کفار نے کہا :

سمعنا فتی یذکرهم ۔

ہم نے سنا ہے کہ وہ نوجوان ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے یعنی ان کے عیوب بیان کرتا ہے۔ اس معنے پر اب قول کو مفعول کی ضرورت نہیں اتقولون بمعنے اتعيبونه وتطعنونه ہے اور اس کا مفعول کا ضمیر محذوف ہے۔

اَسِحْرٌ هٰذَا ط وہ امر جو بالکل واضح اور ایسا ظاہر ہے جس کا ہر ایک کو مشاہدہ ہے اور اس کے حق میں کسی کو شک کی گنجائش ہی نہیں جسے دیکھنے والی آنکھ نصیب ہے کیا وہ اسے جادو کہہ سکتا ہے یہ انکار موسٰی علیہ السلام سے ہے اور واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ذی شعور اسے جادو نہیں کہہ سکتے اور بیوقوفوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں اسی لیے خبر کو مبتدا پر مقدم کیا تاکہ

یقین ہو کہ ان کے لائے ہوئے معجزات کا انکار ممکن ہے وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○ یہ مخاطبین سے حال ہے یعنی کیا تم حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ جادو کے مرتکب کو کامیابی اور مقاصد کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے اور پھر میرے جیسے سے جادو کا صدور کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مجھے اللہ تعالےٰ سے تائید حاصل ہے اور میرے جیسے ہر مقصد پہ کامیاب اور ہر دُکھ اور تکلیف سے نجات پانے والے ہیں قَالُوْٓا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب موسٰے علیہ السلام نے انہیں اپنے دلائل دیئے تو فرعون اور اس کی جماعت نے انہیں کیا جواب دیا؛ اس کے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے موسٰی علیہ السلام کے دلائل واضحہ سُن کر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اَجِئْتَنَا یہ خطاب موسٰی علیہ السلام کو ہے اس لیے کہ معجزۂ ید بیضا و معجزۂ عصا انہی سے ظاہر ہوا لِتَلْفِتَنَا یہ لام اجئتنا کے متعلق ہے یعنی کیا تم صرف اسی لیے آئے ہو کہ تم ہمیں پھیر دو عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اس سے کہ جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا یعنی کیا تم ہمیں بُت پرستی سے روکنے آئے۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں غیر اللہ کی پرستش سے فرعون کی عبادت مراد ہے اس لیے کہ اس کی قوم اسی کی پرستش کرتی تھی۔

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ اور ہو تمہارے لیے زمین کی شاہی۔

سوال: تم نے الکبریاء کا شاہی کا معنیٰ کیوں کیا؛

جواب: اس لیے کہ شاہوں کو ہی کبریائی اور عظمت مخصوص ہے اور ان کا مقصد بھی یہی تھا۔

فِی الْاَرْضِ مصر کی زمین یعنی انہوں نے کہا کہ اے موسٰے و ہارون علیہما السلام! سُن لو کہ ہم اپنے اُوپر تمہاری شاہی ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

ربط: پہلے ایمان سے اعراض کرنے کے دو سبب بتائے اب ان کے متفرع علیہ حکم کی تصریح کرتے ہیں کہ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ اور ہم تمہارے لائے ہوئے احکام کی تصدیق نہیں کرتے وَقَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے جب دیکھا کہ اب اس کے پاس موسٰی علیہ السلام کے دلائل کا کوئی جواب نہیں تو اب اپنی جماعت کے سرداروں سے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ جس سے موسٰی علیہ السلام ہم سے صاحب نہ آجائیں، سب کا اتفاق ہوا کہ جادوگروں کو بلایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کما قال ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ○ لاؤ میرے پاس ایسے جادوگر جو اپنے فن میں یکتا ہوں، جن کا عالم دنیا میں کوئی مدِمقابل نہ ہو۔ وہ آکر موسٰے علیہ السلام کو لاجواب کرسکیں۔ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ فا فصیحہ ہے یعنی جب وہ جادوگر فرعون کے ہاں موسٰی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے آئے تو قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ○ انھیں موسٰے علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں جتنی طاقت ہے پُوری صرف کر لو۔

ف: ما انتم میں ابہام کر کے موسٰی علیہ السلام نے اُن کے جادو کی حقارت کا اظہار کیا اور واضح فرمایا کہ تمہاری اس جادو کی قوت کچھ نہیں اور نہ ہی میں اسے کسی خیال میں لاتا ہوں لیکن تم اپنی قوت آزمائی کر لو۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جادو کا حکم کیوں فرمایا اس لیے کہ جادو کا عمل کفر ہے اور کفر کا حکم دینا بھی کفر۔
جواب: موسیٰ علیہ السلام نے انہیں رسیوں اور لاٹھیوں کے ڈالنے کا حکم فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں بیکار عمل اور سعی باطل ہے اس سے کب ثابت ہوا کہ آپ نے انہیں جادو کے عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔
فَلَمَّآ اَلْقَوْا جب انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور لوگوں کو ڈرایا اور اپنے خیال میں بہت بڑا جادو چلایا قَالَ مُوْسٰی موسیٰ علیہ السلام نے انھیں بلا تاخیر فرمایا کہ مَاجِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ جو کچھ تم لائے ہو یہ تو کھلا جادو ہے اور جسے فرعون اور اس کی قوم جادو کہہ رہی ہے وہ کس طرح جادو ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہے ما موصولہ مبتدا اور السحر اس کی خبر ہے خبر ہر الف ولام حصر کا فائدہ دے رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ بیشک اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر ظاہر کردہ معجزے سے تمہارے جادو کو بالکل مٹا دے گا یہاں تک کہ تمہارے جادو کا نام ونشان نہ رہے گا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ اس معنے پر یہ سین تاکید کا ہوگا۔ ؎

اذا جاء موسیٰ و القی العصا
فقد بطل السحر و الساحر

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور عصا ڈالا تو جادو اور جادوگر سب فنا ہو گئے۔

اور: ع سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش

ترجمہ: جادو معجزہ کا مقابلہ نہیں کرتا فلہذا کوئی غم نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ بےشک اللہ تعالیٰ مفسدین کے عمل کو ثابت نہیں رکھتا بلکہ اسے بہت جلد مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام ونشان بھی مٹ جاتا ہے۔
مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف خیالی امر ہوتا ہے جو چند لمحات کے بعد مٹ جاتا ہے لیکن اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ اس کی حقیقت ثابت ہے یہ کوئی بناوٹی و مصنوعی معاملہ نہیں، ہاں اس کا اثر خیالی ہے تو اس کی حقیقت ثابتہ پر اثر انداز نہیں۔
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ اور جو کچھ حق میں لایا اسے اللہ تعالیٰ ثابت کریگا اور قوت بخشے گا بِكَلِمٰتِهٖ اپنے اوامر وقضایا سے وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ اگرچہ وہ مجرمین کو ناپسند ہو۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو جرائم سے متصف ہوں، جادوگر ہوں یا کوئی اور۔
ف: کاشفی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو وعدۂ نصرت ہو وہ اسے پورا کرتا ہے اسے دشمنوں کی کراہت سے کوئی ڈر نہیں۔ مثنوی معنوی میں اسی معنے کی طرف اشارہ ہے: ؎

حق تعالیٰ از غم و خشم خصام
کے گزارد اولیاء را در عوام

مہ فشاند نور و سگ وع وع کند
سگ ز نور ماہ کے مرتع کند
خس خسانہ می رود بر روئے آب
آب صافی میرود بے اضطراب
مُصطفےٰ مہ مے شگافد نیم شب
ژاژ می خاید ز کینہ بو لہب
آں مسیحا مُردہ زندہ میکند
و آں جہود از خشم سبلت میکند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خطرہ سے اپنے محبوب اولیاء کو ان کے پنجہ میں کیسے دیتا ہے چاند کی کرن سے کتا بھونکتا ہے کتا چاند کے نور سے کس طرح نفع پا سکتا ہے خس و خاشاک دریا کے اوپر کمزوری سے تیرتے چلے جاتے ہیں لیکن صاف پانی بلا اضطراب چلتا ہے حضور علیہ السلام نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے لیکن ابُو لہب کینہ سے انگشت بدنداں رہ گیا، وُہ عیسیٰ علیہ السلام مُردے زندہ کرتے تھے لیکن یہودی تا حال ان کی مخالفت میں سرگرداں ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں مُوسیٰ سے قلب اور ہارون سے سِر اور فرعون سے نفس اور اس کی صفات مراد ہیں اور مُوسیٰ کی دعوت سے نفس کا انکار اسے قبول نہ کرنا مراد ہے اس لیے کہ قلب و سِر نفس کو کلمۂ توحید اور عبادتِ الٰہی کی طرف بلاتے ہیں لیکن نفس خود ربُوبیت کا مدعی ہے اور اپنی خواہشات کے علاوہ اور کسی کی الوہیت کے قائل نہیں بلکہ وُہ انکاری ہے کہ اس کی سلطنت و حکومت میں کوئی اور تصرف کرے لیکن اللہ تعالےٰ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو قوت بخشتا ہے گو اہل ہوئی بلکہ نفس تمرد و انکار کو نا پسند ہو

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش
کہ بتلبیس و حیل دیو سلیماں نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا ہے فلہٰذا دل مطمئن رکھ، مکر و فریب سے دیو سلیمان نہیں ہو سکتا۔

حکایت حضرت شیخ جنید بغدادی عجمی چالیس سال تک سلطنت کے حصول کے لیے کوشاں رہے لیکن انہیں شاہی حاصل نہ ہو سکی پھر اس کی اولاد سے روافض بادشہ پیدا ہوئے جیسے شاہ اسماعیل و شاہ عباس و شاہ طہماسپ پھر انہیں ملوک عثمانیہ سے شکست ہوئی شاہان عثمانیہ کی وجہ سے ان روافض بادشاہوں کا شر دفع ہُوا اور زمین فساد سے پاک ہُوئی۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ حق اہلِ حق کے ساتھ ہوتا ہے جیسے موسیٰ و ہارون علیہما السلام اہلِ حق تھے اسی لیے حق اُن کے ساتھ تھا اور اہلِ باطل کے ساتھ باطل ہوتا ہے جیسے فرعون ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں فرعون ہوتے ہیں تو ان کے مٹانے کے لیے موسیٰ بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ دجّال تک چلا جائے گا یہاں تک کہ اسکی سرکوبی کے لیے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے ۔

سوال : اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ظالموں کو اہلِ ارض پر مسلط کرتا ہے جیسے فرعون نے عرصۂ دراز تک ذلیل و خوار کیے رکھا ۔

جواب : اگر وہ نیک اور صالح ہوتے ہیں تو یہ ذلت و خواری ان کے گناہوں کو مٹانے اور ان کے جواہر کے اظہار سے ہوتا ہے ورنہ ان کے لیے دُنیا کا عذاب ۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہُوا کہ اہل عراق نے ان کے گورنر کو پتھر مارے ہیں اس سے آپ سخت ناراض ہُوئے اور نماز پڑھنے لگے تو نماز میں آپ کو سہو ہُوا۔ سلام پھیرتے ہُوئے عراقیوں پر بد دُعا کی کہ یا اللہ ! یہ لوگ میری نماز میں سہو کا سبب بنے ہیں، تُو بھی انھیں تکلیف میں مُبتلا فرما اور ان پر ایسا نوجوان ثقفی مسلّط فرما جوان پر جاہلیت کے امور جاری کرے ان کے نیکوں کی کوئی بات نہ مانے اور اُن کے بُروں کی بُرائیوں سے تجاوز کرے ۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دُعا حجاج کی پیدائش سے پہلے کی ہے چنانچہ عراق پر حجاج مسلط ہُوا تو اس کے کارنامے سب کو معلوم ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مکہ معظمہ میں ایک قریشی نوجوان الحاد پھیلائے گا اس کا نام "عبداللہ" ہوگا ، تمام لوگوں کے گناہ اس پر ہوں گے ۔

حدیث شریف میں اسے تیس کہا گیا اور تیس کی تشریح آتی ہے ۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ حجاج بن یوسف ظالم کا قریش سے ہونا ہمارے مدعا کے خلاف نہیں اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو دُعا مانگی تھی وہ پُوری ہوگئی ۔

ف : حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ اہلِ عرب جب کسی کی مدح کرتے ہیں تو اسے کبش سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اگر کسی کی مذمت کرتے ہیں تو اسے تیس سے موسوم کرتے ہیں اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے کو تیسؐ مستعار سے تعبیر فرمایا ہے ۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے درباریوں

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ

سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں ہٹنے پر مجبور نہ کر دیں اور بے شک فرعون زمین پر سر

فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

اٹھانے والا تھا اور بیشک وہ حد سے گزر گیا اور موسیٰ نے کہا اے

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم

مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

اسلام رکھتے ہو بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا الٰہی ہم کو ظالم لوگوں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

کے لئے آزمائش نہ بنا اور اپنی رحمت فرما کر ہمیں کافروں سے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

کہ مصر میں اپنی قوم کے لئے مکانات بناؤ اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ کرو اور نماز قائم رکھو

الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ

اور مسلمانوں کو خوشخبری سناؤ اور موسیٰ نے عرض کی اے رب ہمارے تو نے

اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

فرعون اور اس کے سرداروں کو آرائش اور مال دنیا کی زندگی میں دیئے

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ

اے رب ہمارے اس لئے کہ تیری راہ سے بہکا دیں اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے

وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ
اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لاویں جب تک دردناک عذاب
الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ
نہ دیکھ لیں فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی تو ثابت قدم رہو اور
لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا
ناوانوں کی راہ نہ چلو اور ہم بنی اسرائیل کو
بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ
دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا
جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ
سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا
اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ
میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ
اور میں مسلمان ہوں کیا اب اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو
كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَ
فسادی تھا آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے
نِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ
کر تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بے شک لوگ
النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع
ہماری آیتوں سے غافل ہیں

تفسیر عالمانہ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ پس موسیٰ علیہ السلام پر صرف اس کے اپنے لوگ ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام کی ابتداء دعوت میں یعنے عصا کے معجزہ سے ظاہر کرنے سے پہلے سوائے

ان کی اپنی برادری کے نوجوانوں کے باقی کسی نے بھی ایمان قبول نہ کیا، جادوگروں نے معجزۂ عصا کے بعد ایمان قبول کیا اسی لیے یہ حصر ہمارے مقصد کے منافی نہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کی برادری کے نوجوان تو مان گئے لیکن بڑے بڑے فرعون کے خوف سے ڈر کر ایمان سے انکار کر بیٹھے۔

سوال: تم نے کہاں سے سمجھا کہ صرف نوجوانوں نے مانا تھا اور بڑوں نے انکار کر دیا۔

جواب: لفظ ذریۃ سے صاف ظاہر ہے کہ صرف نوجوان ایمان سے نوازے گئے۔

سوال: ممکن ہے کہ ذریۃً تصغیر بمعنے تحقیر کے لیے ہو۔ تحقیر بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان میں چند ایک مومن ہوئے اور ذریۃ کا اصلی معنے تو بگاڑا بھی نہیں جا سکتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ چند ایک مومن ہوئے اور وہ بھی نوجوان، چنانچہ آنے والا مضمون بھی اسی کی تائید کرتا ہے کما قال:

عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ بہت بڑے خوف کے فرعون اور ان کی جماعت کے خوف سے ھُمْ کا مرجع ذریۃ ہے یعنی بنی اسرائیل کی ذریّت کے بڑے۔

سوال: ذریۃ مونث ہے پھر ھُم ضمیر جمع مذکر۔ اس ضمیر کو اس کی طرف کیسے لوٹایا گیا۔

جواب: ذریۃ بمعنے قوم ہے اور قوم معناً جمع ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کے نوجوان ایمان لائے لیکن وہ فرعون اور اپنے بڑوں سے خوف زدہ تھے اور بڑے اپنے نوجوانوں کو روکتے تھے کہ کہیں انھیں فرعون ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا دے، یہ بھی ہے کہ ھُم کا مرجع فرعون ہو اور اس سے ساری قوم مراد ہو جیسے ثمود بول کر اس سے تمام قوم مراد لی جاتی ہے۔

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ یہ کہ فرعون انھیں عذاب پہنچائے یا ان کے والدین کو مجبور کرے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے پر مجبور کریں۔ اس معنے پر یہ بدل الاشتمال ہے اصل عبارت یوں ہے:

علیٰ خوف من فرعون فتنۃ۔

جیسے اعجبنی زید علمہٗ میں علمہٗ زید سے بدل الاشتمال ہے ایسے ہی فتنۃ فرعون سے بدل الاشتمال ہے فتنۃ کا اسناد فرعون کی طرف اس لیے ہے کہ عذاب کا آمر وہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں موسیٰ سے قلب اور ذریۃ قومہٖ سے اس کی صفات مراد ہیں یعنی قلب کو صرف اس کی صفات نے مانا، یا یوں کہو کہ قومہٖ کی ضمیر فرعون نفس کی طرف راجع ہے اب معنے یہ ہوا کہ قلب کو نفس کی بعض صفات نے مانا وہ اس لیے کہ نفس کی بعض صفات کو بدلنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ اس کی صفات ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ سے بدلا جائے علی خوف من فرعون وملائھم اس سے نفس و ہوا، دنیا اور اس کی شہوات مراد ہیں یعنی امور مذکورہ ایسے ہیں کہ نفس کو اپنی جبلّی عادات پہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ

نفس کو امارۃ سے مطمئنۃ کی طرف تبدیل کر لیا جائے تب بھی اس کے مکر و فریب سے خوف رکھنا چاہیے کہ وہ مطمئنۃ سے امارۃ کی طرف لوٹنے میں دیر نہیں کرتا جیسے بلعام و برصیصیا اگرچہ مطمئنۃ میں اپنے نفوس کو داخل کر چکے تھے لیکن دُنیا اور اُس کی شہوات میں مبتلا ہو کر ان کے نفوس مطمئنہ اماریت کی طرف لوٹ گئے۔ معلوم ہُوا کہ نفس مطمئنیت سے اماریت کی طرف رجعت قہقری کا نہ صرف خوگر ہے بلکہ اسی کے لیے ہر وقت جدوجہد کرتا ہے۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے مواقع النجوم میں فرمایا:

صوفی خام خیال اور صوفیت کا دعوی رکھنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ رعونت نفس اور اس کے اعراض کی طرف بہت تیز دوڑتا ہے۔

حضرت شیخ ابو سلیمان دارانی جو بہت بڑے مشایخ سے تھے فرماتے ہیں کہ وہ اگر واصل باللہ ہوتے تو کبھی نفس کی رعونت کی طرف راجع نہ ہوتے اور جو لوگ محروم ہو جاتے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اصول سلوک کو ضایع کر دیتے ہیں جو اپنے آپ کو شرعی امور کا پابند نہیں بناتا وہ کبھی محقق (ولی اللہ) نہیں ہو سکتا۔ ولی کامل کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی طبعی عادت سے بالکل فارغ اور شریعت کے آداب کا عامل ہو بلکہ اس کا ہر قدم شریعت پر اُٹھے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ اور بے شک فرعون ارضِ مصر پر غالب تھا اور بہت بڑا سرکش اور طاغی تھے وَاِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ○ اور بے شک وہ ظلم و فساد یا قتل اور خون کے بہانے یا کبر اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے والا انتہا یہاں تک کہ ربوبیت کا دعویٰ کیا اور انبیاء کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور بنو اسرائیل کو ہم نے انبیاء علیہم السلام کی اولاد اس لیے کہا کہ ان کا نسب یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے ملتا تھا وَقَالَ مُوْسٰی اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو فرعون سے خوفزدہ ہوتے دیکھا تو فرمایا: یٰقَوْمِ اے میری قوم اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ اگر تم ایمان لاؤ اور اس کی آیات کی تصدیق کی اور یقین کرو کہ کسی کو منافع پہنچانا اور کسی کا ضرر دُور کرنا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْا صرف اسی پر بھروسہ کرو اس کے سوا اور کسی سے نہ ڈرو۔

ف: نُوح علیہ السلام نے توکل کو صرف اپنے لیے محصور فرمایا کما قال:

فعلی اللہ توکلت۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ نُوح علیہ السلام سے بلند ہے۔

صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ اس سے فضیلت اور مرتبہ کی فوقیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہاں نوح علیہ السلام کا قصہ تھا اسی لیے وہاں اُن کی تخصیص کی گئی اور یہاں موسےٰ علیہ السلام کی قوم کا بیان ہے اسی لیے یہاں اُن کا نام لیا گیا۔ چونکہ قصوں کی جہتیں دو ہیں اسی لیے ان دو جہتوں سے توکل کی تخصیص ہُوئی اس سے موسیٰ علیہ السلام اور نُوح

---

[1] افسوس کہ ہمارے دَور کے بعض جاہل پیروں نے جاہل مریدوں کے ذہن میں ڈال دیا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور، حالانکہ تمام مشایخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شریعت اور طریقت ایک حقیقت کے دو نام ہیں والتفصیل فی المطولات۔

علیہ السلام کی فضیلت کی ترجیح کا کیا معنےٰ۔ اِن کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ O اگر تم قضا و قدر کے سامنے سر جھکانے والے اور اس کے ساتھ مخلص ہو۔ یہ تعلیق الحکم کے قبیل سے ہے یعنے توکل دو مختلف شرطوں سے مشروط ہے:

۱۔ ایمان باللہ

۲۔ اسلام

ورنہ لازم آئے گا کہ توکل صرف ایمان باللہ سے واجب نہیں بلکہ دو علیحدہ حکم ہیں جو دو مختلف شرطوں سے مشروط ہیں مثلاً توکل علی اللہ کو ایمان باللہ سے مشروط فرمایا اس لیے کہ توکل کا تقاضا بھی ہے کہ پہلے ایمان ہو ورنہ توکل قابلِ قبول نہیں اور حصولِ توکل کو اسلام سے مشروط فرمایا اس لیے اس کی مثال ان احسن الیك فاحسن الیه ان قدرت ہے یعنی اگر تم پر زید احسان کرے تو تم اگر قدرت رکھتے ہو تو تم بھی اس پر احسان کرو فَقَالُوْا تو بلا تامل بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا: عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ج ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا یہ اس لیے کہ وُہ مومن مخلص تھے اسی لیے ان کی دُعا مستجاب ہُوئی جبکہ انہوں نے دُعا مانگی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ O اے ہمارے رب! ہمیں قوم ظالمین کے لیے فتنہ و آزمائش نہ بنا، یعنی ہمیں ان کے عذاب کا نشانہ نہ بنا بایں طور کہ تُو ان کو ہمارے اُوپر مسلط کر دے تاکہ وُہ ہمیں عذاب کا نشانہ بنائیں اور ہمیں دینِ حق سے ہٹالیں وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ O اور ہمیں کافروں کے مکر و فریب اور ان کے دیکھنے اور ان کی ہمسائیگی کی نحوست سے نجات دے۔

متبنی نے کہا: ؎

و من نکد الدنیا علی الحران یری

عدوا لہ من صداقتہ بد

ترجمہ: اور جسے دُنیا کی خرابیاں معلوم ہیں وہ اس لائق ہے کہ دشمن کی صداقت کا کوئی اعتبار نہیں۔

نکتہ: توکل کو دُعا سے مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے مالک و مولا پر بھروسہ کرے تاکہ اس کی ہر دعا مستجاب ہو۔

توکّل کا صُوفیانہ معنےٰ صُوفیاءِ کرام کہتے ہیں کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ ماسوی اللہ کا خوف اور اُمید دل سے اُٹھ جائے اور صرف مسبب الاسباب کے مشاہدہ میں استغراق اور ملاحظۂ اسباب سے کلی طور پر انقطاع ہو۔ ؎

ہر کہ در بحر توکل غرق گشت

ہمتش از ماسوی اللہ در گزشت

ایں توکّل گرچہ دارد رنجہا
فھو حسبہ بخشد از وے گنجہا

ترجمہ: جو بحرِ توکّل میں مستغرق ہے اس کے خیالات ماسوی اللہ سے ہٹ جاتے ہیں اگرچہ توکّل میں بہت سی تکالیف ہیں لیکن اسے منجانب اللہ بہت بڑے خزانے نصیب ہوتے ہیں۔

ربط: جب ان نوجوانوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع قبول کی تو ان پر لازم ہُوا کہ اپنی عبادت گاہیں تیار کریں تاکہ وہاں جمع ہو کر سکون سے عبادتِ الٰہی بجا لائیں کیونکہ فرعون ان پر غالب تھا اس نے ان کی تمام عبادت گاہیں منہدم کر دیں اور پھر نئی عبادت گاہیں بھی فرعون کے خطرے سے نہیں بنا سکتے تھے اسی لیے انہیں حکم ہُوا کہ وُہ اپنے گھروں میں عبادت خانے بنائیں جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو مکہ میں دارِ ارقم میں عبادت کرنے کا حکم ہُوا تھا اسی طرح بنی اسرائیل کو حکم ہُوا تھا کما قال وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَ اَخِیْہِ اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اَنْ یہ ان مفعول مقدر کے لیے مفسر ہے ہم نے ان کے لیے ایک وحی بھیجی وُہ یہ کہ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا یہ تبوّا المکان سے ہے بمعنے اتخذہ مباءۃ ومنزلا۔ یعنی فلاں مکان کو منزل اور رجوع کرنے کی جگہ بنایا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اے موسیٰ وہارون علیہما السلام! مصر میں گھروں کو رہنے کی جگہ بناؤ۔ کواشی میں ہے کہ مصر سے شہر مصر یا اسکندریہ مراد ہے یعنی ان کے لیے گھروں کو تیار کرو تاکہ وُہ سکونت پذیر ہوں اور وہاں عبادت بھی کریں وَّ اجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً اور تم دونوں حضرات اور تمہارے ماننے والے نوجوان اپنے گھروں کو عبادت خانے بنا کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوں یہاں پہ قبلہ سے مراد کعبہ ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام اسی کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ط اور انہی گھروں میں نماز قایم کرو۔

نکتہ: ان لوگوں پر صرف نماز فرض تھی اور زکوٰۃ اس لیے فرض نہیں تھی کہ وہ فقیر اور تنگ دست تھے۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور اہلِ ایمان کو دُنیا میں مستجاب ہونے کی اور عقبےٰ میں بہشت کی خوشخبری سنا دیجیے، اس لیے کہ صاحب الشریعت کا کام ہے کہ وُہ اپنی اُمت کو خوشخبری سُنائے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ سلوک پر لازم ہے کہ عالم نفس سفلیہ میں عبادت گاہیں نہ بنائیں بلکہ عالم روحانیہ کے مصر میں اقامت گاہیں تیار فرمائیں و یقیموا الصّلٰوۃ سے مراد یہ ہے کہ مقامات روحانیہ سے قربات و مواصلات ربانیہ کی طرف عروج کرنے پر مداومت رکھیں اس لیے کہ ممکنات کی سیر متناہی اور اس کا ذوق مٹنے والا ہے لیکن واجب کی طرف سیر غیر متناہی اور اس کا ذوق دنیا و آخرت میں دائمی ہے اور اس کی سیر کے ذوق کا آٹھوں بہشتوں کی لذت مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ف: جمیع اولیاء اللہ کے کمالات و کرامات اہلِ فنا کے کمالات کے برابر نہیں ہو سکتے یہاں ان کو جتنا درد و مصائب پہنچے

اگرچہ درحقیقت ان کے لیے وہ درد و مصائب نہیں تھے لیکن جب قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار سے نوازے گا تو دُنیا کے تمام اولیاء ان کے مراتب و کمالات پر رشک کریں گے اور ان کے ادنیٰ رشک کا پہلا نمونہ یہی ہے کہ یہ اہلِ فنا دوسرے جملہ اولیاء سے آگے آگے ہوں گے۔

ف: لیلۃ المعراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشک بھی اسی قبیل سے تھا لیکن قیامت میں ایک دُوسرے پر رشک اس کو ہوگا جو مقام تنزل وارشاد میں ہوگا ورنہ اہلِ وصال جنہیں دائمی طور پر ہی شغل نصیب تھا ان کو نہ رشک ہوگا اور نہ اور تصور بلکہ وُہ اپنے لیے یہی فخر سمجھیں گے کہ انھیں اہلِ فنا میں جگہ مل گئی۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

ف: عُشاق کی آزمائش کا سلسلہ تا قیامت جاری ہے۔

نکتہ: حضرت الشیخ الاکبر نے فرمایا: جمیع بنی آدم کو آزمائش اور ابتلاء ضروری ہے اور نہ صرف لمحہ دو لمحے بلکہ تا قیامت بلکہ دخولِ جنت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ مرنے کے بعد سب سے پہلے منکر نکیر کا سوال پھر قیامت میں اُٹھنے کے بعد سب سے زیادہ خوفِ الٰہی ہوگا خواہ اپنے لیے یا اُمت یا مریدین و معتقدین و متعلقین کے لیے۔ اور دنیا میں سب سے پہلا درد پیدائش کے وقت کا ہے جبکہ ہم سب سُنتے ہیں کہ بچہ پیدا ہوتے ہی چیختا ہے وُہ دراصل رحم سے مفارقت اور اس سے تنگی سے نکلنے کی وجہ سے۔ پھر نکلتے ہی اسے دُنیا کی ہوا کے جھٹکے ستاتے ہیں اسی لیے وُہ درد کو محسوس کرکے روتا ہے اگر وُہ اس حالت میں مر بھی جاتے تب بھی اُس نے دنیا کے درد و آلام سے حصّہ لیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دردبھری کہانی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہُوئے تو انھیں اُمیہ بن خلف سخت سے سخت تر اذیتیں پہنچاتا تھا، یہاں تک کہ آپ کو گرم ریت پر اُلٹا لٹا کر پُشت پر چابک مرواتا تھا اور ریت اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر اس پر کچے گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا تو وہ پک جاتا۔ جب مارنے سے تھکتے تو آپ کے سینہ پر بہت بڑے پتھر رکھ دیتے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسی تکالیف کو خیال میں نہ لاتے بلکہ زور سے پکارتے،

احد احد۔ یعنی اللہ احد۔

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ عذاب کے کڑوے پن میں لذتِ ایمان کی حلاوت ملاتے تھے۔

عاشقِ رسول بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کی گھڑی

مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر نزع طاری ہُوئی تو آپ کی زوجہ کہتی تھیں:

واحزناہ۔ ہائے افسوس۔

آپ اس کے جواب میں فرماتے،

واطرباہ۔ راحت ہی راحت۔

اس لیے کہ: ؎ نلقی غداً الاحبہ

محمداً و حزبہ

ہم اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملیں گے۔

اس واقعہ کو حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایا: ؎

گفت جفت امشب غریبے میروی

از تبارے خویش غائب میشوی

گفت نے نے بلکہ امشب جانِ من

میرسد خود از غریبی در وطن

گفت رویت را کجا بینیم ما

گفت اندر حلقۂ خاص خدا

گفت ویراں گشت ایں خانہ دریغ

گفت اندر مہ نگر منگر بمیغ

گرد ویراں تا کند معمور تر

قوم انبہ بود و خانہ مختصر

می گدا بودم دریں خانہ چو ماہ

شاہ گشتم قصر باید بہر شاہ

انبیاء را تنگ آمد ایں جہاں

چوں شہاں رفتند اندر لامکاں

مردگاں را ایں جہاں بنمود فر

ظاہرش رفت بمعنے تنگ تر

گر نبودے تنگ ایں افغان زچیست

چوں دوتا شد ہر کہ در وے بیش زیست

در زماں خواب چوں آزاد شد

زاں زمکان بنگر کہ جاں چوں شاد شد

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ جہان مختلف ہیں بعض وسیع بعض اس سے وسیع بعض اس سے بھی وسیع تر،

ان سب سے تنگ تر عالمِ دنیا ہے اور ان سب سے وسیع تر عالمِ امر اور عالمِ شان ہے۔

انبیاء و اولیاء حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین بھی سالکانِ راہِ خدا ہیں اور یہ بھی اسی راہ پہ لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتے رہتے ہیں اسی لیے اگرچہ ان کے اجساد ظاہرہ دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کے ارواح ہر وقت حضرۃ علیا میں حاضر رہتے ہیں بنا بریں ان کے لیے ہر عالم مساوی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے کہ وہ کسی شئے سے ایذا نہیں پاتے اور نہ ہی ماسوی اللہ سے ڈرتے ہیں اور چونکہ ان کے ماسوا (ہمارے جیسے عوام) انکے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے اسی لیے ان کے احوال ظاہراً و باطناً مختلف رہتے ہیں اور نہ ہی انہیں توجہ الی اللہ نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی حسنِ نیت کا درجہ پا سکتے ہیں۔ (ومن اللہ العصمۃ والتوفیق)

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

اور موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے ہمارے رب کریم! تُو نے فرعون اور اُس کی جماعت کو ایسی زینت بخشی کہ جس سے لوگ زیب و زینت کرتے ہیں اور سواریاں وغیرہ اور بہت سے مختلف النوع مال مثلاً نقد، متاع و اسباب عطا فرمائے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مصر کے علاقے اور حبشہ تک کے پہاڑوں کے جملہ سونا اور چاندی اور زبرجد وغیرہ کے خزینے دفینے سب کے سب پر فرعون قابض تھا اور اس کی شاہی کا حدود اربعہ بھی ان علاقوں تک پھیلا ہُوا تھا اسی وجہ سے اس کی قوم قبطی بھی بہت بڑی دنیا و دولت کی مالک تھی اور افرادِ قوم بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہے تھے اسی دُنیا و دولت کے نشے میں گمراہ اور گمراہ کنندہ تھے

کما قال رَبَّنَا تکرار تبرک کے طور ہے یعنی مُوسٰے علیہ السلام نے عرض کی لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ تو انہیں دنیا و دولت سے اسی لیے مزین کیا تاکہ انجام بکار یہ ہو کہ وُہ تیرے بندوں کو ایمان سے ہٹا کر گمراہی کے گڑھے میں ڈالیں یہ لام عاقبت کی ہے جیسے شعرِ ذیل میں ہے ؎

اموالنا لذوی المیراث نجمعھا

و دارنا الخراب دھو نبینھا

ترجمہ: مال و اسباب ہم اپنے وارثوں کے لیے جمع کر رہے ہیں ہمارے گھروں کو تازیست بربادی رہے گی جنھیں ہم بنا رہے ہیں۔

یا لام سببیہ ہے یعنی انھیں دولت سے اس لیے مزین کیا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو سیدھے راستہ سے پھیر لیں اس معنے پر لام تعلیلیہ ہوگی اور یہ اس کا حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنٰے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت اس لیے دی تھی تاکہ وُہ ایمان لائیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن اس کے بجائے انہوں نے دنیا و دولت کو مزید بغاوت اور کفر کا سبب بنایا ان کی یہ حالت اس کے مشابہ ہوگئی کہ جسے دولت اس لیے دی جائے تاکہ وُہ دُوسروں کو گمراہ کرے، اسی

مشابہت کی بنا پر کلام لام تعلیل کے ساتھ مستعمل ہُوئی۔

مسئلہ: آیت سے واضح ہوا کہ دُنیا و دولت گمراہی اور دُوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنتی ہے اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وُہ سرکشی کرے جب اُسے دُنیا و دولت حاصل ہو اور یہ بھی اس کی عادت ہے کہ جب کسی دُوسرے کو خوشحالی اور دُنیا و دولت کے زیب و زینت سے مزین دیکھتا ہے تو آرزو کرتا ہے کہ اسے بھی وہی دنیا و دولت اور زیب و زینت حاصل ہو جیسے قارون کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ دنیا و دولت سے نوازا گیا تو کہا:

یالیتنا لنا مثل ما اوتی قارون۔

کاش ہمیں وہی نصیب ہوتا جو قارون کو حاصل ہُوا ہے۔

اسی لیے اولیاء کرام نے اغنیاء اور بادشاہوں اور دولت مندوں کی صحبت و رفاقت سے روکا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا تجالسوا الموتی۔
مردگان کے ساتھ مت بیٹھو۔

ف: حدیث شریف میں "الموتی" سے دولت مند مراد ہیں۔

ملفوظ صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بہت اُونچی عمارت سے گر کر چھ ٹکڑے ہو جاؤں میرے لیے بھی محبوب تر ہے دولت مندوں کی صحبت و رفاقت سے۔

ف: صحبت و رفاقت کا بہت بڑا گہرا اثر ہوتا ہے: ؎

باد چوں بر فضائے بد گزرد
بُوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: ہوا جب گندی فضا سے گزرتی ہے اسی فضا خبیث سے بدبُو لے کر چلتی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک دعا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دُعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے دنیا و دولت کی وفرت دے لیکن ساتھ مجھے اس سے بے پرواہ رکھ نہ وُہ مجھ سے بالکل ختم ہو اور نہ وُہ مجھے اس کی قلبی رغبت ہو۔

ربّنا اطمس علیٰ اموالھم حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے پہلے فرعون اور اس کے ماننے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا، پھر ان پر بددُعا فرمائی تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وُہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور ان کے اضلال کی صفت کو دعا سے پہلے ظاہر فرما دیا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وہ بددُعا کے مستحق اسی اضلال کی وجہ سے ہُوئے ہیں۔

حلِ لغات: طمس بمعنے محو اور نام و نشان مٹا دینا۔ اب آیت کا معنٰی یہ ہُوا کہ اے اللہ! ان کے مال و اسباب کو

ایسا مٹا دے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے تاکہ ان سے نفع نہ پا سکیں اور ان کی ہیئت ایسی بدل دے کہ جس سے وہ کوئی فائدہ نہ اٹھائیں اس لیے کہ وُہ اپنے اسباب واموال کے ذریعے تیری عبادت واطاعت میں ترقی کریں لیکن انہوں نے انھیں تیری نافرمانی اور بغاوت وکفر پر صرف کیا۔

مُوسٰی علیہ السلام کا معجزہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی بددعا کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کے دراہم ودنانیر اور ان کے طعام ومیوہ جات مثلاً بادام، اخروٹ۔ اسی طرح اناج مثلاً گندم، دال مسور وغیرہ سب کے سب پتھر بن گئے اور ان کی ہیئت کذائیہ بھی تبدیل نہ ہُوئی یعنے وُہ دراہم تھے اور انھیں اٹھایا جاتا تو وہ پتھر ہوتے اسی طرح ان کے اناج اور سبزیوں کا حال تھا ایسے ہی ان کے انڈے، مرغیاں، جانور ودیگر اسباب کا حال تھا۔ (مُوسے علیہ السلام کے نو معجزات مشہورہ سے یہ ایک تھا)

وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ الشد بمعنے الایثاق یعنی ان کے دلوں کو سخت کر اور ان پر مُہر لگا دے تاکہ اُن کے اندر ایمان داخل نہ ہو سکے فَلَا یُؤْمِنُوْا یہ دُعا کا جواب ہے پس وہ ایمان نہ لائیں حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ○ یہاں تک کہ وہ دیکھیں دردناک عذاب کو یعنے دردناک عذاب کو دیکھ کر یقین کریں کہ اب ایمان لانا کام نہ دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ انہوں نے دریا میں غرق ہونے تک ایمان کو قبول نہ کیا غرق ہونے کے وقت ایمان لائے لیکن اس وقت کا ایمان غیر قابل قبول ہے اس لیے کہ ان کا ایمان لانا قبول نہ ہُوا قَالَ اللہ تعالےٰ نے فرمایا قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا اے مُوسٰی وہارون علیہما السلام! میں نے تم دونوں کی دُعا قبول کر لی ہے۔

سوال: مُوسٰی علیہ السلام نے تو دُعا مانگی لیکن اب ہارون علیہ السلام کی دُعا کا ذکر کیوں؟

جواب: مُوسٰی علیہ السلام دُعا مانگ رہے تھے تو ہارون علیہ السلام آمین فرماتے رہے۔ اور آمین بھی دُعا ہے اس لیے کہ اس کا معنےٰ ہے استجب ہے بمعنے قبول فرما۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ان کو بھی شامل فرمایا۔

فَاسْتَقِیْمَا تم دونوں اپنے موقف کو نہ چھوڑو ان کو دعوت توحید اور الزام حجت کرتے رہو اپنے مطالبہ میں جلدی نہ کرو اور اپنے وقت پر تمہارا مدعا ضرور پُورا ہو گا۔

ف: کواشی میں ہے کہ استقامت فی الدعا یہ ہے کہ اجابت دُعا پر مغرور نہ ہو اور نہ ہی دیر سمجھے کہ مقصد پُورا نہ ہُوا ممکن ہے میں مطرود اور ٹھکرایا ہوا ہُوں۔

وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اور میرے ساتھ لاعلموں اور جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وُہ اپنے امور کو حکمتوں اور مصلحتوں سے معلق کرتا ہے یا یہ معنےٰ ہے کہ عجلت بازی میں جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو۔

کارہا موقوف وقت آید نگہدار بدوقت

اللہ تعالےٰ کے بعض امور وقت پر موقوف ہوتے ہیں فلہذا وقت کا انتظار کرو۔

ف: حواشی سعدی المفتی میں ہے کہ مروی ہے کہ موسےٰ علیہ السلام یا فرعون۔ اولیٰ یہی قول ہے کہ اس دعا کے بعد چالیس سال اپنی قوم میں رہے۔

اللہ تعالےٰ کا خزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے خزانے کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں رکھی ہیں وہ یہ ہے کہ تمہیں سوال کرنے کی اجازت بخشی ہے اب تم جس طرح چاہو اس کے خزانوں کے دروازے کھولو۔ یعنی جب دعا مانگو گے تو تمہارے اوپر اس کی نعمت کے دروازے کھل جائیں گے بلکہ اس کی رحمت کی بارش موسلا دھار برسے گی اگر کسی وقت دعا کی قبولیت میں دیر ہو تو تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کی رحمت کے خزانے نیت کے مطابق کھلتے ہیں کبھی دعا میں تاخیر ہوتی ہے تو اس میں سائل کے اجر کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے بلکہ اسے بڑی نعمتوں سے نوازنا مطلوب ہوتا ہے۔

حدیث شریف ہر داعی کی دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے یا دعا کے مطابق اس سے برائی دور ہوتی ہے یا دعا کے بدلے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے۔ یعنی گناہ اور قطع رحمی کے وقت دعا نہ مانگے۔ (کذا فی شرح العقاید لرمضان)

مثنوی شریف میں ہے:

جز تو پیش کہ بر آرد بندہ دست
ہم دعا و ہم اجابت از تو است
ہم ز اول تو دہی میل دعا
تو دہی آخر دعا ہا را جزا

نیز فرمایا: ؎ داد مر فرعون را صد ملک و مال
تا بگرد داد دعوی عز و جلال

در ہمہ عمرش ندید او درد سر
تا ننالد سوئے حق آں بد گہر

درد آمد بہتر از ملک جہان
تا بخوانی مر خدا را در نہان

ترجمہ: فرعون کو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑا ملک و مال اور ہر طرح کی عزت و جاہ بخشی۔ تمام زندگی انہیں درد سر نہ ہوا تاکہ اسے اللہ تعالےٰ کے حضور میں رونے کا وقت بھی نصیب نہ ہو، اسی لیے درد تمام ملک اور جہان سے بہتر ہے تاکہ بندہ اپنے کریم کے سامنے عجز و نیاز کرے۔

ف: اظہار ذلت و خواری دعا کے شرائط میں سے اس لیے کہ دعا کی قبولیت کا ترتب عجز و نیاز پر ہے۔ ایسے ہی فتح د

نصرت۔ کما قال تعالیٰ : لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک عبادت الٰہی میں بہت جدوجہد کرتا رہا، ایک دن میں نے خواب دیکھا، کسی نے فرمایا: اے بایزید! عبادت سے اللہ تعالیٰ کے خزائن پُر ہیں اگر اللہ تعالیٰ کا وصال چاہتے ہو تو عجز و نیاز کرو۔

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎ فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جب کسی سے سخت تکلیف لاحق ہو تو مُوذی پر بددُعا مانگنا جائز ہے، جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے قبیلہ مضر کے لیے دُعا مانگی۔ جب انہوں نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں آپ نے دُعا میں فرمایا :

اے اللہ! مضر کو سخت مصائب میں مبتلا فرما۔ اور ان کے اوپر وہی قحط سالی نازل فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی واقع ہُوئی یعنی ان کی گرفت فرما اور انہیں قحط سالی میں مبتلا فرما۔

آپ کی دُعا مستجاب ہُوئی۔ مضر کے لوگ قحط میں مبتلا ہُوئے اور کئی سال اس ابتلاء میں رہے یہاں تک کہ مردار اور چمڑے اور ہڈیاں اور گوبر اور خون ملا کر کھایا یعنے گوبر اور خون کو ملا کر آگ سے پکا پکا کر کھاتے اور ان کے دُھوئیں بوجہ بھوک آسمان تک نظر آتے۔

تفسیر صُوفیانہ نفس کے لیئے عذابِ الیم یہ ہے کہ اسے شہوات سے روکا جائے اور وہ جو چاہے اس سے اسے محروم رکھا جائے اس لیے کہ اسے بھی آخرت پر ایمان نہیں اور سالک پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطالبہ کی راہ نہ چلے بلکہ جہاں تک ہو سکے اسے دردناک عذاب میں مبتلا رکھے اس لیے کہ نفس کی موت یہی ہے کہ اس کی خواہشات پُوری نہ کی جائیں۔ اور قاعدہ ہے کہ حقیقی بیداری موت کے بعد نصیب ہوتی ہے اسی لیے نفس کو جب تک ایسی موت کا مزہ نہ چکھایا جائے گا حقیقی بیداری نصیب نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

تفسیر عالمانہ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔

حلِ لغات : یہ جوز، المکان سے ہے بمعنے تخطاہ وخلفہ یعنی ایک جگہ کو طے کر کے اسے اپنے پیچھے چھوڑا، یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو خشک کر دیا یہاں تک کہ وہ بحفاظت اس کے دُوسرے [illegible] گئے

ف : کاشفی نے لکھا [illegible] فرعون اور اس کی قوم پر عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ آپ اپنی قوم لے کر مصر سے نکل جائیے اس لیے کہ قبطیوں پر عذاب کا وقت قریب آگیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی

قوم بنی اسرائیل کو لے کر شام کی طرف متوجہ ہوئے جب دریائے قلزم کے کنارے پہنچے تو دریا خشک ہو گیا اور بنی اسرائیل سلامتی سے دریا کے پار ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر۔

یعنی ہم نے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو دریائے قلزم سے بسلامت پار پہنچا دیا۔

فَاَتْبَعَهُمْ تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

تبعتہ حتی اتبعتہ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے جانے میں سبقت کر جائے تو وہ اس کا پیچھا کر کے اسے پہنچ جائے یعنی بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے انہیں پہنچ گیا۔

فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ فرعون اور اس کا لشکر یہاں تک ہر دو لشکر ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے بلکہ قریب تھا کہ ان دونوں کا یکجا اجتماع ہو جاتا بَغْيًا وَّعَدْوًا ط یعنی درانحالیکہ فرعون اور اس کا لشکر گفتگو میں بغاوت کرنے والا اور فعل میں تجاوز کرنے والا تھا۔ یا یہ دونوں مفعول لہ ہیں جیسا کہ کاشفی نے لکھا کہ بغیًا یعنی بنی اسرائیل پر ظلم کرنے کے لیے، وعدوا اور انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنانے کے لیے۔

ف: وجہ یہ ہوئی کہ فرعون اور اس کے لشکر کی لاعلمی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے چلے جب فرعون ان کے جانے کا علم ہوا تو ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ دریا کے کنارے پہنچا اور بنی اسرائیل دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور دریا ویسے ہی خشک پڑا تھا اسی لیے وہ اور اس کا لشکر دریا میں کود پڑے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ فرعون اور اس کا لشکر جب دریا پر پہنچے تو دریا کا پانی زوروں پر تھا لیکن فرعون کے گھوڑے کے سامنے جبریل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر دریا میں چلے تو فرعون کا گھوڑا سرکش تھا وہ گھوڑی کو دیکھ کر دریا میں کود پڑا لشکر نے فرعون کو دریا میں جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی دریا میں اتر گیا۔ اگرچہ فرعون دریا کو عبور کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن گھوڑے کی سرکشی نے مجبور کر دیا۔ جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں چلا گیا تو دریا کی خونخوار موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ لا یہاں تک کہ فرعون کو جب غرق نے گھیرا قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ تو فرعون نے کہا کہ میں ایمان لایا ہوں یعنی میں اس معبود کو مان گیا جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے۔

نکتہ: بنی اسرائیل کی طرح ایمان کا اظہار کیا حالانکہ اسے اپنے جادوگروں کی طرح کہنا چاہیے تھا جیسے انہوں نے کہا کہ: امنا برب العالمین رب موسیٰ وھارون۔

اس میں اشارہ ہے کہ اب میں اپنی غلطیوں سے مکمل طور تائب ہوں ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جنہیں میں اپنا نوکر اور غلام بنا کر رکھتا تھا اب میں اُن کی اتباع کا دم بھرتا ہوں، اس نالائق نے یہ محض اس لیے کہا کہ ایسے عجز و نیاز سے اس کا ایمان قبول ہو اور وہ بنی اسرائیل کے زمرہ میں نجات پائے۔ (کذا فی الارشاد)

لطیفہ : صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: چاہیے تھا کہ اس کا یہ ایمان قبول ہو جاتا لیکن چونکہ اس کے ایمان سے تقلید کی بُو آتی تھی اس لیے وہ قبولیت حاصل نہ کر سکا ۔ اگر اس کا ایمان تحقیقی ہوتا تو کہتا:

اٰمنت باللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو ۔

اسی لیے اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔

وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اور اب میں ان لوگوں سے ہوں جو اپنے سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکاتے اور خالص مخلص ہو کر اسے مانتے ہیں۔ آٰلْئٰنَ یہ قول مقدر کے متعلق ہے یعنی اس وقت اسے کہا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے جبکہ زندگی کی اُمیدیں منقطع ہو گئیں اور موت کا نقارہ سر پر بج رہا ہے وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ یہ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہے یعنی حالانکہ اس سے پیشتر تُو زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہا وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ اور گمراہی اور دُوسروں کو گمراہ کرنے میں غلو کرتا رہا ۔ عصیت اس کے اس گناہ کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ خود مبتلا تھا اور کنت میں اس گناہ کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ خود مبتلا ہو کر دُوسروں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتا اور بنی اسرائیل کو ایمان سے روکتا تھا۔

فرعون کی ایک کہانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعون کے زمانہ میں دریائے خشک ہو گیا اس کی رعایا نے استدعا کی کہ آپ ہمارے خدا ہیں فلہٰذا دریائے نیل کو جاری کیجئے ۔ اس نے کہا میں تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک مجھ سے تین دفعہ التجا نہ کرو۔ چنانچہ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے ۔ چند روز کے بعد پھر آئے اور عرض کی: بادشہ سلامت! پیاس سے ہمارے جانور اور چھوٹے بچے اور ہماری عورتیں مر رہی ہیں، دریا کو جاری کیجئے ورنہ تیرے سوا کسی اور کو معبود بنا لیں گے۔ فرعون نے حکم دیا کہ تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ جب سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو گئے تو اس نے علیحدگی میں جہاں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سُنتا تھا سر بسجود ہو کر ماتھا رگڑتا جاتا اور کہتا جاتا تھا: "اے اللہ کریم! میں تیرے ہاں ایسے حاضر ہوا ہوں جیسے ایک عاجز غلام اپنے آقا کے ہاں حاضر ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ دریا کا جاری کرنا صرف تیرے اختیار میں ہے اسی لیے میری عرض ہے کہ دریا کو جاری فرما۔" جب سجدے سے سر اُٹھایا تو دریا جاری ہو چکا تھا جب رعایا کے پاس آیا تو کہا میں نے دریائے نیل جاری کر دیا ہے فلہٰذا مجھے سجدہ کرو۔

فرعون کے مومن ہونے کے قائلین اور ان کی دلیل

بعض لوگ فرعون کے مومن ہونے کی دلیل میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔

جواب: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے فرعون کا مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ ایمان اگرچہ تصدیق و اقرار کا نام ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے افعال و الفاظ کفریہ بھی صادر نہ ہوں ایسے شخص سے تکذیب و انکار جب تک متحقق نہ ہو اسے ہم مومن کہیں گے

لیکن شارع نے بعض معاصی کو کفر کی علامات بتائی ہیں اور وہ علامات فرعون سے واضح طور صادر ہوتیں۔ مثلاً:

۱۔ اپنی عبادت کی دعوت دینا

۲۔ اپنی قوم کا اپنے لیے سجدے کرانا وغیرہ

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ وہ کافر ہو کر مرا۔

جبریل علیہ السلام اور فرعون کی ایک تحریر

مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام ایک دن فرعون کے ہاں تشریف لائے اور کہا کہ اے بادشاہ! اگر میں اپنے کسی عبد کو بادشہ بناؤں اور اسے اپنے خزانوں کی چابیاں بخشوں لیکن وہ میرا دشمن ہو جائے اور میرے دشمنوں سے دوستی کرے اور میرے دوستوں سے دشمنی۔ بتائیے میں ایسے بندے سے کیا کروں؟ فرعون نے کہا کہ اگر ایسا میرا بندہ ہو تو میں اسے بحرِ قلزم میں غرق کر دوں۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہی لکھ دیجئے۔ فرعون نے دوات، قلم اور کاغذ منگوا کر لکھا کہ ابو العباس الولید بن مصعب (فرعون کا نام ہے) لکھ دیتا ہے کہ "وہ عبد جو اپنے سردار کی نعمتوں کی ناشکری کرے وہ بحرِ قلزم میں غرق ہونے کے لائق ہے۔"

جب فرعون دریائے میں غرق ہونے لگا تو جبریل علیہ السلام اس کے سامنے وہی تحریر لائے جسے فرعون نے دیکھ کر پہچان لیا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ تیری تحریر ہے اسی کے مطابق تجھے سزا مل گئی۔"

جواب ۲: فرعون کا ایمان اس لیے ناقابل قبول ہے کہ وہ اختیار و مکلف ہونے کے وقت تک ایمان سے انکاری رہا۔ لیکن جب وقت گزر گیا تو پھر نہ صرف ایک بار بلکہ ۳ بار ایمان کا اقرار کیا۔ مثلاً پہلے کہا: اٰمنت۔ پھر کہا: لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنوا اسرائیل۔ پھر کہا: وانا من المسلمین۔ اگر اس کے ایمان کا وقت قابلِ قبول ہوتا تو صرف ایک بار کہنا کافی تھا۔ ایمان الیأس ردّ اور قبول کے درمیان ہوتا ہے لیکن جب سکرات طاری ہو جائے تو اس کے بعد کسی اعتبار سے ایمان قابلِ قبول نہیں۔ اور یہ وقت وہ ہے کہ سانس اُوپر نیچے کو آجا رہی ہو۔ (کذا فی اسئلۃ الحکم)

ف: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت تک کا ایمان قبول ہے جیسے کسی پر تلوار سر قلم کرنے کے لیے کھڑی کی جائے تو کلمۂ توحید پڑھے ہم (مالکی) اس کے ظاہر پر ایمان کا فتویٰ دیں گے۔ ایسے ہی جس مومن پر حد جاری کی جائے اس کے ایمان کی بھی قبولیت کا حکم ہے۔

اسی قول پر حضرت ابن العربی الشیخ الاکبر مالکی قدس سرہٗ نے فرعون کے مومن ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ آپ کی فصوص الحکم میں ہے لیکن حتمی فیصلہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آخر میں اس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض فرمایا [۱]

---

[۱] حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کی اصل عبارت مع ترجمہ پھر اس کی شرح اور سوال و جواب "شرح فصوص الحکم" میں فقیر اویسی نے عرض کر دیے ہیں۔ یہاں خلاصۂ جواب عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہے تاکہ غلط فہمی دُور ہو۔ بقیہ حاشیہ آگے

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ آج ہم تمہارے بدن کو نجات دیں گے دریا کی گہرائی سے تیری قوم ڈوب کر ان کے ابدان دریا کی تہہ میں چلے جائیں۔ لیکن اے فرعون! تیرے جسم کو دریا کی سطح پر لایا جائے گا کسی اُونچی جگہ تیری لاش پھینک دیں گے تاکہ بنی اسرائیل تجھے دیکھ کر یقین کریں کہ واقعی فرعون تباہ و برباد ہوگیا۔

ف: النجوۃ ایسی اُونچی جگہ جہاں گمان ہو کہ وہاں سیلاب کا پانی نہیں پہنچے گا۔ "خرج زید بعشیرتہ" (یعنی زید اپنے قبیلہ کے ساتھ نکلا) کی طرح ببدنك میں باء مصاحبت کی ہے اور باء مصاحبت کی وُہ ہے جہاں اس کے بجائے لفظ مع استعمال ہو سکے۔ ببدنك اپنے مدخول کے ساتھ ننجیك کے کاف خطاب سے حال ہے یہ دراصل ملابسًا ببدنك تھا یعنی صرف تیری لاش محفوظ رہے گی اس کے اندر رُوح نہیں ہوگی۔ اس سے فرعون کے طمع اور اُمید کو ختم کرنا مطلوب ہے جبکہ وُہ چاہتا تھا کہ اسے بنی اسرائیل کی طرح نجات نصیب ہو۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ تیرے جسم کو صحیح سالم رکھا جائے گا جس میں جبہ بھر بھی کمی نہیں آئے گی[1]

۱۔ حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ نے "الیواقیت والجواہر" میں فرمایا کہ یہ قول حضرت ابن العربی رضی اللہ عنہ کا الحاقی ہے۔

۲۔ ابتداء میں حضرت ابن العربی اسی قول کے قائل تھے جیسے اور ائمہ بھی اس کے قائل ہیں پھر دلائل کی روشنی میں اس سے رجوع فرمایا چنانچہ ان دونوں جوابوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن العربی نے فتوحات میں بار بار فرعون کو کافر جہنمی فرمایا ہے اور "فتوحات شریف" آپ کی آخری تصنیف ہے۔ وصال سے پہلے تین سال اس کی تصنیف سے فراغت پائی اور فصوص الحکم وصال سے کئی سال پہلے لکھی تھی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شیخ کی وفات ۶۳۶ھ میں ہُوئی اور فصوص ۶۲۷ھ میں لکھی تھی چنانچہ اس کتاب کے خطبہ میں شیخ ابن العربی نے خود لکھا۔ گویا نو دس سال وفات سے پہلے لکھی اور ظاہر ہے کہ ہر مصنف کی آخری تصنیف پر اعتماد ہوتا ہے۔

ثابت ہُوا کہ فصوص الحکم یا دُوسری کسی اور تصنیف میں شیخ کی طرف ایمان فرعون کا قول الحاقی (مدسوس) ہے یا مرجوع عنہ۔

اویسی غفرلہٗ

حاشیہ گذشتہ ختم

[1] چنانچہ آج بھی اس کی لاش محفوظ ہے۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں لکھا ہے:

"ایک اخباری اطلاع کے مطابق فرعونِ مصر رعمیس کی لاش کو قاہرہ کے عجائب گھر سے نکال کر بذریعہ سمندری جہاز پیرس بھیجا جا رہا ہے تاکہ اس کو از سر نو محفوظ کیا جا سکے۔ یہ لاش ۳۸۵۰ سال پرانی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے جس نے خدائی کا دعوٰی کیا تھا۔ اور پھر حضرت موسٰی علیہ السلام سے مقابلہ کیا تھا۔ اس کا زمانہ ۱۳۰۴ قبل مسیح سے ۱۲۳۷ قبل مسیح تک کا ہے۔

یہ لاش ۱۹۰۲ء میں سر گرافٹن سمتھ نے دریافت کی تھی اس کی ممی بالکل محفوظ تھی۔ سمتھ نے جب فرعون کی ممی سے پٹیاں کھولیں تو لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہُوئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔ سر گرافٹن سمتھ اس لاش کو مصر کے عجائب گھر واقع قاہرہ لے آئے تھے جہاں یہ لاش آج بھی شیشہ میں محفوظ ہے یہ مقام جہاں سے فرعون کی لاش دستیاب ہُوئی تھی جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے۔ اس کو آجکل جبل فرعون کہتے ہیں۔ اس کے قریب ایک گرم چشمہ بھی ہے جس کو مقامی آبادی نے "حمامِ فرعون" کا نام دے رکھا ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تاکہ کسی کو شک وشبہ نہ رہے کہ یہ فرعون کی لاش نہیں۔ یا اس کا معنے یہ ہے کہ دریا میں ڈوبنے کے بعد تجھے ننگا کر دیا جائے گا۔ یا تیرے جسم سے تیرا شاہانہ لباس اتار لیا جائے گا۔ فرعون کی عادت تھی کہ وہ اپنے لباس کے اوپر ایک سنہری جبہ پہنتا تھا۔ وہی جبہ اس کی پہچان تھی اور اہل عرب درع کو بھی بدن کہتے ہیں۔ چنانچہ لیث نے فرمایا: البدن الدرع

(تفسیر اویسی فیوض الرحمٰن)

۱۲۲۲ ق م میں فرعون کو غرقاب ہوئے ۱۸۰۰ سال گزر چکے تھے۔ ۶۲۲ء میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآنی آیت نازل ہوئی کہ:

"اے فرعون! ہم تیری لاش کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور آخری زمانہ میں تیری لاش کو ظاہر کر دیں گے تاکہ تو آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے۔"

۱۹۰۲ء میں دو غرقابی کے پورے ۳۱۲۹ سال بعد اور سورۂ یونس کے نزول کے ۱۲۸۰ سال بعد فرعون کی محفوظ لاش دستیاب ہوگئی۔ اب ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو قاہرہ کے عجائب گھر میں پہنچ کر دیکھ سکتا ہے۔

۱۹۰۲ء میں چند عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے ایک وفد کی صورت میں سرگرافٹن سمتھ سے ملاقات کی اور کہا:

"آپ کے اس بیان نے (کہ یہ لاش فرعونِ موسیٰ کی ہے) مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کو سچا ثابت کر دیا ہے جس میں لکھا ہے کہ فرعون کی لاش کہیں محفوظ پڑی ہے اور آخری زمانے میں ظاہر ہو جائے گی تاکہ آخری زمانہ کی آخری نسل اس سے عبرت حاصل کرے۔ آپ کے اس بیان نے نہ صرف قرآن کو سچا ثابت کر دیا ہے بلکہ افریقہ، برازیل اور مصر وغیرہ میں ہماری تبلیغی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ آپ اس بیان کو بدل ڈالیں اور کہہ دیں کہ یہ فرعونِ موسیٰ کی ممی نہیں کسی اور شخص کی ہے ورنہ اسلام کے مقابلے میں ہمارے دلائل بودے ثابت ہوں گے۔"

سرگرافٹن سمتھ نے جواب دیا:

میں ایم۔ اے (ہسٹری) ہوں اور تاریخ سے واقف ہوں۔ میں ایک حق بات کو کس طرح غلط کہہ دوں آپ اپنا کام جاری رکھیں مگر میں ایک حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا جسے آثار و حقائق صحیح بتلاتے ہیں۔ میں جو پہلے بیان دے چکا ہوں اس کے تاریخی ثبوت بھی واضح کر چکا ہوں۔ میں نے کئی ممی (لاشیں) دریافت کی ہیں مگر یہ لاش جو غرق شدہ انسان کی ہے گیارہ وجوہات کی بنا پر فرعون رعمیس کی ہی لاش ہے۔ مسلمانوں کی کتاب میں اگر اس لاش کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی درج ہے تو وہ صحیح پیشگوئی ہے۔ میں متعصب عیسائی نہیں ہوں اور اس معاملہ میں کسی چرچ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میرا موقف بالکل واضح ہے۔"

سرگرافٹن سمتھ کے اس جواب پر عیسائی مشنری بڑے سیخ پا ہوئے تھے۔"

ہمارے اس دور میں جبکہ لاش ظاہر کی گئی ہے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عوام نے اخبارات میں پڑھا دیکھا، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مسلمانوں میں بہت تھوڑے ہیں جنھوں نے عبرت حاصل کی ہوگی۔

اویسی غفرلہٗ

اور جُبہ ایک خصوصی ساخت کا کپڑا جو قمیص کے مشابہ ہوتا ہے جس کی آستین بہ نسبت قمیص کے چھوٹی ہوتی ہے۔

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ تاکہ تیرے پیچھے آنے والوں کے لیے علامت ہو۔ ان سے بنو اسرائیل مراد ہیں، اس لیے کہ ان کے ذہن میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ فرعون مرے گا ہی نہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کی موت کی خبر دی تو اکثر لوگوں نے مانا یہاں تک کہ خود آکر دیکھا کہ اس کی لاش سُرخ رنگ کے چھوٹے بیل کی طرح دریا کے باہر پڑی ہے۔

ف: مروی ہے کہ فرعون کا قد سات بالشت اور داڑھی آٹھ انگلی تھی۔ عبرت ہو ان لوگوں کو جو قیامت تک آنے والی اُمتیں ہیں جب سُنیں گے کہ فرعون کا انجام برباد ہوا۔ پھر اس کی لاش کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے کہ سرکش انسان کو کتنے ہی ارفع درجات و مراتب نصیب ہوں اس کا انجام بُرا ہے اس لیے کہ اللہ واحد قہار بڑی سلطنت والے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں، سب اسی کے بندے مملوک ہیں کوئی بھی ربوبیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

ف: فرعون جب اپنے آپ کو فنا کے گرداب کے غرقابے سے نہیں بچا تو اُنا ربکم الاعلیٰ' کی صدا اپنے کانوں میں کیسے پہنچاتا تھا۔ ؎

عاجزا ے کو اسیر خواب و خور ست

لاف قدرت زند چہ بے خبر است

آنکہ در نفس خود زبوں باشد

صاحبِ اقتدار چوں باشد

ترجمہ: اے عاجز بندہ! تُو خواب و خور میں مست ہو کر بہت بڑی قدرت کی لاف و گزاف مارتا ہے وُہ جو کہ اپنے نفس کی قید میں مقید ہے وہ صاحبِ اقتدار کس طرح ہو سکتا ہے۔

ف: الْـٰٔنَ الخ جبریل علیہ السلام کا قول ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ نے فرعون کو کہا۔ چنانچہ کاشفی میں ہے کہ جب فرعون نے ایمان کا کلمہ کہا تو اُس کے جواب میں یہی قول جبریل علیہ السلام نے فرمایا۔

ف: کواشی میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے فرعون کو یہی قول بطور رجعت فرمایا جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں اہلِ قلیب (کافروں) کو فرمایا۔

اہلِ قلیب کی کہانی واقعہ یُوں ہُوا کہ جب اہلِ کفار و مشرکین کو شکست ہُوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین و مقتولین کو ایک قلیب (گڑھے) میں پھینک دو۔ آپ اس گڑھے پر تین روز کے بعد تشریف لائے اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر ہر کافر و مشرک کا نام لے کر پکارتے جاتے اور فرماتے اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے حق پایا ہے یا نہیں، وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا تھا الحمد للہ ہم نے تو اسے حق پایا ہے تم میرا بہت بُرا کنبہ ہو تم نے میری تکذیب کی اور دُوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا لیکن دُوسروں نے مجھے جگہ دی اور تم نے میرے ساتھ جنگیں کیں دُوسروں نے میری مدد کی۔

سماع موتیٰ کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام گفتگو سُن کر عرض کی:

یارسول اللہ کیف تکلم اجساد الا رواح فیھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مٹی کے ڈھیروں سے بول رہے ہیں جن کے اندر ارواح نہیں[۱]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منھم۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ تم سے بہت زیادہ توجہ سے سن رہے ہیں۔

یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے لیکن افسوس کہ اسلام کے بڑے ٹھیکیدار وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔
ایک روایت میں ہے:

لقد سمعوا ما قلت غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا شیئاً۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہوں نے سُن لیا ہے لیکن انھیں میرے سوال کا جواب دینے کی قدرت نہیں۔

اعجوبہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ انھیں اللہ تعالےٰ نے زندہ فرمایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنیں۔ یہ ان کے ساتھ توبیخ کے طور ہوا تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی طعن و تشنیع سُن کر ذلیل و خوار ہوں اور ان کی حسرت و ذلت میں اضافہ ہو۔

ف: حضرت قتادہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجسام کے ساتھ ارواح کا خصوصی تعلق پیدا کر دیا گیا گویا وہ زندہ ہوگئے ورنہ حقیقۃً وہ زندہ نہیں ہوئے تھے (اگرچہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات اور اولیاءِ کرام کی بے شمار کرامات احیاء الموتیٰ میں ظاہر ہوئیں) اور زندہ کی مانند اسی لیے ہوئے تاکہ ان کی حسرت وغیرہ میں اضافہ ہو جیسا کہ ہم نے اُوپر عرض کیا ہے۔

مسئلہ: مرنے کے بعد رُوح کو جسم کے ساتھ (اگرچہ گل سڑ کر کچھ حصۃً یہاں تک کہ ریڑھ کی ہڈی تو ضرور بچ جاتی ہے) تعلق ہوتا ہے (یہی اہلسنت کا عقیدہ ہے)۔

مسئلہ: رُوح کو فنا نہیں[۲] وہ ہمیشہ باقی رہے گا اگرچہ جسم مٹی ہو جائے یا اسے درندے کھا جائیں یا پرندے ہضم کر جائیں

---

[۱] یہ عقیدہ کفار و مشرکین کا تھا جسے آج وہابیوں نجدیوں نے اپنا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استفساراً فرمایا یہ ان کا عقیدہ نہیں تھا۔

[۲] رُوح کی موت صرف اتنی ہے کہ وہ بدن سے خارج ہوگئی۔ (کتاب الروح لابن القیم) اویسی غفرلہٗ

یا آگ جلا کر راکھ بنا دے۔

مسئلہ وہابی بحث قبر میں رُوح کو جسم سے تعلق ہوتا ہے اسی لیے اہلِ قبر قبر پر جانے والے کو پہچانتا ہے بلکہ اس سے مانوس ہوتا ہے، اس کے سلام کا جواب دیتا ہے جبکہ جانے والا اہلِ قبر کو کہے السلام علیکم الخ۔ (اسی طرح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ دلائل کے لیے دیکھیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتاب "حیات الموات")

ازالہ وہم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ رُوح جسم سے متعلق ہوتا ہے تو وہ مُردہ دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہوجاتا ہے بلکہ اسکی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ حی و میت کے درمیانی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی یہ تعلق اتنا قوی ہوتا ہے کہ گویا وہ مُردہ زندہ ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: باوجود اینہمہ جسم سے رُوح خارج ہونے کے بعد میّت سے افعالِ اختیاریہ سلب کر لیے جاتے ہیں (الا الانبیاء والشھداء والاولیاء) ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ جن بزرگوں نے مثلاً حضرت سعد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تمام اہلسنت کا اتفاق ہے کہ میّت میں اللہ تعالیٰ نے افعال اختیاریہ کی قدرت ودیعت نہیں فرمائی۔ (یعنی نئی قدرت رُوح کے جسم کے ساتھ تعلق کا کیا معنیٰ)

ازالہ اوہام وہابیہ لیکن یہ جملہ بحث عام انسان کے لیے ہے ورنہ انبیاء و شہداء اس سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ:

تعلق ارواحھم باجسامھم تصیر باجسادھم حیۃً کحیاتہا فی الدنیا وتقصیرھم القدرۃ والافعال الاختیاریۃ۔ (کذا فی انسان العیون) روح البیان ج ۴ ص ۸۷۔

یعنی انبیاء و اولیاء کی ارواح اجسام سے متعلق ہوتے ہی انھیں قدرت و افعال اختیاریہ سے بھی نوازا جاتا ہے اور وُہ ایسے زندہ ہو جاتے ہیں جیسے دنیا میں زندہ تھے[1]۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ اور بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں کہ وُہ ان میں نہ تفکر کرتے ہیں نہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

---

[1] یہ تھا اسلاف صالحین کا عقیدہ، اور بحمدہ تعالیٰ یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں لیکن افسوس کہ اسلاف صالحین کے عقاید و مسائل پر چلنے والوں کو بدعتی کہا جا رہا ہے حالانکہ انہوں نے ہی اسلاف صالحین کے عقاید کے خلاف نئے عقیدے اور مسائل گھڑے تو وہ مُوحد۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اسلاف صالحین کی کتابوں کا مطالعہ نہیں۔

اویسی غفرلہٗ

ھ

نے ترا از وے ظاہر طاعتی
نے ترا در سر و باطنی نیتی
نے ترا شبہا مناجات و قیام
نے ترا روزان پرہیز و صیام
نے ترا حفظ زبان ز آزار کس
نے نظر کردن بعبرت پیش و پس
پیش چہ بود یاد مرگ و نزع خویش
پس چہ باشد مردن یاران پیش

ترجمہ: نہ تجھے ظاہری طاعت نصیب ہوئی نہ تجھے باطنی طور باطنی عبادات حاصل نہ تجھے رات کے وقت مناجات وقیام نصیب نہ تجھے دن میں پرہیز اور روزہ نہ تجھے زبان کی حفاظت اور نہ لوگوں کو ستانے سے بچاؤ، اور نہ تجھے آگے پیچھے سے عبرت حاصل، خالی موت اور سکرات یاد کرنے کا کیا فائدہ اس طرح سے یار کے سامنے مرنے کا موقعہ نصیب نہ ہوگا۔

اعجوبہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ فرعون اگرچہ بہت بڑا متکبر اور سرکش اور عناد سے معمور تھا لیکن پھر بھی مرتے وقت ایمان کا اظہار کر گیا (اگرچہ شرعاً اس کا ایمان ناقابلِ قبول ہوا) لیکن اس امت کا فرعون ابوجہل باوجودیکہ وہ بدر میں بُری طرح مارا گیا مگر اس سے ایمان کا اظہار تو کیا اُلٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے حق میں اس کے غیظ وغضب میں اضافہ ہوگیا اور اسی حالت میں اسکی رُوح جسم سے نکلی (لعنۃ اللہ علیہ)۔ یہ ابوجہل ملعون فرعون موسیٰ سے سخت تر ثابت ہوا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے اور سمجھے کہ ہر سرکش کافر کا انجام ایسے ہی ہوگا اور ہر ظالم فسادی کو اسی طرح سزا ملے گی۔ (نعوذ باللہ من کل شر وفساد)

ف: اللہ تعالیٰ نے دشمن یعنی فرعون کو تباہ وبرباد کیا اور بنی اسرائیل کو نجات بخشی تاکہ واضح ہو کہ جس کا ایمان مضبوط اور یقین محکم ہوتا ہے اسے ایسے ہی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

حکایت ایک شخص حضرت شبلی قدس سرہٗ کی مجلس میں بیٹھا تھا تو ذوق ووجد سے چیخا آپ نے اٹھوا کر دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ اگر اس کی چیخ وپکار صدق دل سے ہو تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح نجات پا جائے گا اگر ریا کے طور چیخا ہے تو فرعون کی طرح غرق ہو جائے گا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

(باقی برصفحہ ۱۰۷۲)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ

اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کی جگہ دی اور انہیں ستھری

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

روزی عطا کی تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

بے شک تمہارا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس بات میں

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ

جھگڑتے تھے اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے

إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

بے شک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو تو ہرگز شک والوں میں

الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ

نہ ہو اور ہرگز ان میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں

اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ

کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا بے شک وہ جن پر تیرے رب کی

عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ

بات ٹھیک پڑ چکی ہے ایمان نہ لائیں گے اگرچہ سب نشانیاں ان

كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ

کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں تو ہوئی ہوتی کوئی

قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيْمَانُهَآ إِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ

بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس کی قوم جب

اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ
ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں

الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ
ہٹا دیا اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے

مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ
ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے

حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ
یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کی قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا
مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں

يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
عقل نہیں تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
اور آیتیں اور رسول انہیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
تو انہیں کاہے کا انتظار ہے مگر انہیں لوگوں کے سے دنوں کا جو ان سے پہلے

قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
ہو گزرے تم فرماؤ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا
پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے بات یہی ہے ہمارے

نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع
ذمہ کرم پر حق ہے مسلمانوں کو نجات دینا

۱۰ ع ۱۱ ۱۵

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دینے کے بعد اچھے اور پسندیدہ مقام پہ ٹھہرایا اور ان کے دشمن فرعون کو دریا میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔
مبوا صدق سے بہتر اور خوشگوار علاقہ یعنی مصر و شام مراد ہے۔ چنانچہ فراعنہ و عمالقہ کی تباہی و بربادی کے بعد ان علاقوں کی شاہی بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اور انہوں نے شام و مصر اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر عرصہ تک شاہی کی۔

ف : مبوا اسم مکان ہے اسے صدق کی طرف مضاف کرنے میں اس کی مدح مطلوب ہے۔ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ جب کسی شے کی مدح کرتے ہیں تو اسے صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں۔ مثلاً :
رَجُلُ صِدْقٍ۔
اور قرآن مجید میں ہے :
رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اور ہم نے انہیں طیبات یعنی لذیذ ثمرات وغیرہ جیسے من و سلوٰی عطا فرمائے۔ (کذا فی التبیان) بقیہ صفحہ ۱۰۶۹ سے آگے

ف : اس سے معلوم ہوا کہ نجات ایمان اور صدق و عدل میں ہے اور ہلاکت و تباہی کفر و ظلم اور کذب میں ہے۔
ف : جب فرعون نے اپنے دعوائے ربوبیت میں کذب بیانی کی تو حضرت موسٰی علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا فرمائی تو آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا مطلقاً مستجاب ہوتی ہے[1]۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یزید کے کرتوتوں کی بدشہرت ہوئی تو آپ نے خطبہ کے اثنا میں دعا مانگی کہ یا اللہ! میں یزید کو اپنا جانشین بناؤں اگر وہ اس لائق ہے تو تُو اسے اپنے مقاصد میں کامیاب فرما۔ اگر میں شفقت پدری سے اسے اپنا خلیفہ مقرر کر رہا ہوں تو اسے خلافت کے امور سنبھالنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لے۔
چنانچہ آپ کی یزید کے حق میں یہ دعا مستجاب ہوئی اس لیے کہ یزید خلافت کے امور مکمل طور پہ نہ سنبھال سکا اس لیے کہ ۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوا۔ چند سال کے اندر یعنی ۶۴ ہجری میں فوت ہوا۔ (کذا فی الصواعق لابن حجر)

ف : عالمِ دنیا میں اللہ تعالٰی کی بے شمار آیات ہیں جسے اللہ تعالٰی نے دیکھنے والی اور کان سننے والے بخشے ہیں تو وہ آثار ربانیہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اخبار متواترہ کو قبولیت کے کانوں سے سنتا ہے یہاں تک کہ اسے یقین نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی کے قہر و غضب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دانا ایسا عمل نہیں کرتا جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

---

[1] افسوس کہ دیوبندی وہابی مودودی وغیرہ اس قاعدہ کے منکر ہیں بلکہ اس قاعدہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

فَمَا اخْتَلَفُوْا پس انہوں نے امورِ دین میں اختلاف کیا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ط یہاں تک کہ ان کے ہاں علم آیا یعنی تورات کو پڑھنے کے باوجود دینی امور میں مختلف ہو گئے حالانکہ انہیں یقین تھا کہ تورات کے جملہ احکام حق ہیں اور ان پر ثابت قدم رہنا ان کا ملی فریضہ تھا لیکن تاویل کا دروازہ کھول کر بہت سے مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیا صرف اپنی انا برقرار رکھنے اور عوام سے جو خالف کھاتے تھے ان کے ختم ہو جانے کے خطرہ کی بنا پر۔ اسی وجہ سے ایک دوسرے پر ایسی بغاوت پھیلائی کہ کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ افسوس کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بعض نام نہاد علماء اور مولوی نما لیڈروں میں وہی کیفیت ہو گئی ہے جو بنی اسرائیل کے علماء میں تھی انہوں نے پھر اپنی مرضی پر قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر لکھ کر امتِ مصطفویہ کا شیرازہ بکھیر دیا جیسے معتزلہ اور دیگر اہل ہوا غلط عقاید کے لوگ[1]

مثنوی شریف میں ہے:

کردہ تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را
بر ہوا تاویل قرآن می کنی
پست و کثر شد از تو معنیٔ سنی

ترجمہ: اے لفظ بکر کی تاویل کرنے والے! تم اپنی بھی تاویل کرو لفظ ذکر کی تاویل کیسی۔ اپنی خواہش کے

[illegible]

ف: اس بنی اسرائیل سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جیسے قریظہ، نضیر اور قینقاع۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان ٹھہرایا اور انہیں کھجور و انگور و دیگر ایسے عجیب قسم کے باغات سے مالا مال فرمایا کہ جن کی نظیر عالمِ دنیا میں ملنی مشکل تھی لیکن انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف کیا حالانکہ آپ کے معجزات آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی نبوت و رسالت کے مشاہدات کا یقین کیا اور ان کے سنجیدہ لوگ جیسے عبد اللہ بن سلام اور اس کے ساتھی مسلمان بھی ہو گئے لیکن دوسرے بدقسمت محروم رہے۔

ف: حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

علم سے قرآن مراد ہے۔

اس لیے کہ قرآن علم کا سبب ہے اور مسبب بول کر مجازاً سبب مراد لینا۔ عام مشہور قاعدہ ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

---

[1] اور ہمارے دور میں نیچری، پرویزی، مودودی، مرزائی، وہابی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب احسن البیان حصہ اوّل۔ اویسی غفرلہٗ

بیشک تمہارا رب تعالیٰ قیامت میں ان کے مابین ان کے اختلاف کا فیصلہ فرما کر حق اور باطل والوں کے درمیان فرق فرمائے گا۔ مثلاً حق والوں کو ثواب اور باطل والوں کو دنیا کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ دنیا میں انھیں چند روز مہلت دینا اور ان کے عیوب پر پردہ ڈالنے اعمال کی جزا نہیں اگرچہ یہ بھی انھیں ایک قسم کا عذاب ہے اس لیے کہ دنیا دار الجزا نہیں۔ اسی لیے دنیا میں ان کے اختلاف کی سزا نہیں ملے گی بلکہ آخرت میں، کیونکہ وہی سزا و جزا کا دن ہے۔ ؎

چوں محک دیدی سیہ گشتی چوں محک
نقش شیری رفت و پیدا گشت کلب

ترجمہ: جب تم نے کسوٹی دیکھی تو کسوٹی کی طرح سیاہ ہو گئے شیر کی صورت مٹی تو کتے کی صورت ظاہر ہو گئی۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ پس اگر آپ شک میں ہیں اس سے جو ہم نے آپ کے ہاں اُمم سابقہ کے قصے نازل فرمائے منجملہ ان کے فرعون کا قصہ ہے اور اس کی قوم اور بنی اسرائیل کا۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیسا، اور آیت ہذا میں شک کی نسبت آپ کی طرف کیوں؟

جواب: یہاں علی الفرض والتقدیر مقدر ہوگا اس لیے کہ ایک شے دوسری شے سے معلق کرنے میں ضروری نہیں کہ وہ فعل ممکن بھی ہو، بلکہ ممتنعات کے ساتھ بھی فعل کو معلق کیا جاتا ہے جیسے:

قل ان کان للرحمٰن ولداً فانا اول العابدین۔

فرمائیے اگر خدا تعالیٰ کی اولاد ہو تو میں اس کا سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں گا۔

جیسے یہاں فعل ممتنع سے شرط کو معلق کیا گیا ہے ایسے ہی آیت ہذا میں[1]

فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ تو آپ سے پہلے والے پڑھے لکھے لوگوں سے سوال کیجیے اس لیے کہ ان کی کتب میں محقق اور ثابت ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت حق ہے ان کے علماء و احبار اپنی کتب میں پڑھ کر آپ کی نبوت و رسالت کا یقین رکھتے ہیں اگرچہ آپ کو ان سے سوال کی ضرورت نہیں۔ اس میں دراصل اہل کتاب کے علماء کے علم کی مدح فرما کر اُن سے اپنے محبوب علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت کا اظہار فرمایا ہے (اس لیے کہ الفضل ما شهدت به الاعداء، بزرگی وہ جس کی دشمن گواہی دیں)، یا اس سے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تسکین مطلوب ہے ورنہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیسا جبکہ وہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں:

لا اشك و لا اسئل۔ نہ مجھے شک ہے نہ میں سوال کرتا ہوں۔

جواب۲: زاد المسیر میں ہے کہ یہ اِنْ نافیہ ہے یعنی آپ کو شک تو نہیں لیکن مزید تسلی کے لیے اہل کتاب سے پوچھ لیجئے۔

---

[1] اس آیت کو دیکھ کر بعض گستاخ بہت خوش ہوتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام بھی شک میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ تفصیل مزید تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

جواب۳ : یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن مراد آپ کی اُمت ہے اس لیے کہ ما انزل الیہ میں آپ تمام شکوک و شبہات سے معصوم ہیں۔

نکتہ : شاہان زمان کا قاعدہ ہے کہ وُہ اپنے ماتحت حاکم کو کسی علاقہ کا امیر بنا کر اس کے ماتحت بہت بڑی رعیت کا اختیار سپرد کرتے ہیں تو جب رعیت کو کوئی اہم معاملہ سمجھانا ہوتا ہے تو وہ بادشاہ رعیت کے بجائے اپنے ماتحت امیر کو خطاب کر کے امور سمجھاتا ہے اس طرح سے رعیت کے دل سمجھتے۔

جواب۴ : یہ خطاب عام ہے ہر اس انسان کو جو اس آیت کو پڑھے سُنے گا۔

جواب۵ : شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ مدارج النبوۃ میں آیت ہذا اور اسی طرح دیگر متعدد آیات کو تشابہات میں شمار فرمایا ہے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ اگر کسی کو کوئی دینی مسئلہ سمجھ نہ آئے تو اسے اپنے سے زیادہ علم والے سے پُوچھنا چاہیے۔

چوں چنیں وسواس دیدی زود زود
با خدا گرد و درا اندر سجود
سجدہ کہ تر کن از اشک رواں
کائے خدا یا وارہاں زین گماں
کو ندانستی مراد حق ازیں
فاسئل العلم حتے تطمئن

خلاصہ : جب تمہیں کسی دینی مسئلہ میں وسوسہ ہو تو سربسجود ہو کر بارگاہِ حق میں گڑگڑائیے اور آنسو بہا کر عرض کریں کہ یا اللہ مجھے اس مصیبت سے بچائیے، اس لیے کہ حق کی مراد تم کیا جانو اس لیے اہلِ علم سے پُوچھ لیا کرو تاکہ تمہیں اطمینانِ قلب نصیب ہو۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ○ بیشک آپ کے ہاں وُہ حق آیا ہے کہ اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں اس لیے کہ وہ آپ کے رب تعالیٰ سے آیا ہے اسی لیے آپ شک کرنے والوں سے نہ ہو جائیے کہ جھوٹے لوگوں کی باتیں سُن کر دل متذبذب ہو جائیں حالانکہ آپ کو تو جزم و یقین ہے۔ آپ اسی پر مداومت فرمائیے۔

ف : الامتراء بمعنے کسی شے میں توقف اور شک کرتے۔

ربط : انسان کا کسی معاملہ میں متذبذب ہو جانا معمولی بات ہے اسی لیے پہلے اسی تذبذب سے روکا گیا ہے اس کے بعد مکذبین کی اتباع سے منع فرمایا ہے۔ کما قال :

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں

ف : اس سے فعل پر برانگیختہ کرنا اور اس میں پُر جوش رہنے کی طرف اشارہ ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ تکذیب بہت بُرا فعل ہے

اور اس کی خرابی اس نہج کو پہنچ چکی ہے کہ جس ذات سے اس کا وقوع ممتنع ہے لیکن پھر بھی انہیں روکا جا رہا ہے پھر اس کو اس سے کیوں نہ رُکاوٹ ہو جس کے لیے اس میں مبتلا ہونے کا نہ صرف امکان ایک حقیقت واقعہ ہے۔

ف : اس سے کافروں کے طمع کو ختم کرنا مطلوب ہے کہ وہ مسلمانوں سے اپنی اتباع کی اُمید بھی نہ رکھیں۔

فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ پس ذاتاً و اعمالاً خسارہ والوں سے ہو جاؤ گے۔

خشک زاہدوں کو تنبیہ

یاد رہے کہ آیات کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے وہ آیات قرآنی ہوں جو وحی الٰہی سے نبی علیہ السلام پر نازل ہوئیں، یا آیات الہامی ہوں جیسے معارف الٰہیہ جو اولیاء کرام پر وارد ہوتے ہیں ان کی تصدیق دینی فوائد و منافع کے اعلیٰ درجات سے ہیں اور ان کی تکذیب سے خسارہ و نقصان کی کوئی حد نہیں۔ اسی لئے عارفین نے فرمایا کہ:

من لم یکن له نصیب من هذا العلم (اسے	جسے اس علم یعنی عطائی کشفی علم کا کوئی حصہ حاصل نہ ہو
الوهبی کشفی) اخاف الیه سوء الخاتمه	تو میں اس پر سوءِ خاتمہ کا خوف کرتا ہوں اور اس کا
و ادنی النصیب منه التصدیق به و تسلیمه	ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کے علم
لاهله و اقل عقوبة من ینکره	والوں کے لیے تسلیم کرے اور اس کی ادنیٰ سزا یہ ہے
ان لا یرزق منه شیئا و هو علم الصدیقین	کہ اسے اس علم سے ذرہ بھر بھی نصیب نہ ہوگا حالانکہ
والمقربین[1] (کذا فی احیاء العلوم)[2]	یہ تو صدیقین و مقربین کا علم ہے۔

(روح البیان ج ۴ ص ۸۰ مطبوعہ قدیم)

اللہ والوں کے لیے ایک تلقین

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ نبوت و ولایت کے علوم میں عقل کو دخیل بنانا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ ہاں جنہیں اللہ تعالےٰ نے عقل سلیم سے نوازا ہے وہ اگرچہ ان کے علوم سمجھ نہیں سکتے تو انکار نہیں کرتے بلکہ بلا حیل و حجت تصدیق کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خیالات اور شکوک و شبہات بھی غلبہ نہیں پا سکتے اگرچہ ہم ان امور کے مکلف ہیں جن پر شرع مطہرہ نے نص فرمائی ہے باقی رہے مختلف مذاہب کے دلائل و مسائل ہم ان کے مکلف نہیں جیسے امام اشعری کے دلائل پر معتزلہ کو شکوک شبہات ہیں ایسے ہی معتزلہ کے دلائل پر اشعری کو۔ اسی لیے بدمذاہب کی کتب کا مطالعہ عوام کو ضرر رساں ہے اس لئے اسے کسی وقت ایسی بات بھی دل پر اثر انداز ہو گی کہ جس کا مٹانا مشکل ہو جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے، ؎ تنگتر آمد خیالات از عدم
زاں سبب باشد خیال اسباب غم

---

[1] ناظرین سوچیں کہ اولیا، مقربین کے الہامات کے تصدیق کنندہ کون ہیں اور ان کے منکر کون۔ بحمدہٖ تعالےٰ ہم اہلسنت نہ صرف تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس کے منکر کو وہابی، نجدی، دیوبندی کہتے ہیں۔ [2] کتاب العلم، جلد اول

ترجمہ: عدم کے سارے خیالات تنگ تر ہیں اسی لیے دنیوی خیالات غم کا موجب نہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اہل اللہ کے الہامات کی تصدیق کرے اور طریق توحید میں سر کی بازی لگائے تاکہ شکوک و شبہات اور اندھی تقلید سے نجات پاکر وہ درجات و کمالات حاصل کرے جو منکر عنیہ کو نصیب نہ ہوئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بیشک وُہ لوگ جن پر تیرے رب تعالیٰ کا کلمہ ثابت و واجب ہوگیا۔ اس کلمہ سے ھٰؤلاء فی النار ولا ابالی یعنی جو لوگ ازل سے جہنمی ہیں وہ ضرور جہنم میں جائیں گے اس لیے کہ ان کے لیے ازل میں کلمہ مذکورہ سبقت کرچکا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) (یہ تقدیر کا مسئلہ ہے تشریح تفسیر اویسی میں دیکھیے) یا کلمہ سے قضاً و قدراً اور حکمِ الٰہی مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جن کے متعلق فرمایا کہ وُہ جہنم میں جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پہ فرمایا:

ولٰکن حق القول منی لاملئن جہنم الخ

یعنی میری طرف سے ان پر کلمۂ حق ثابت ہوگیا اسی لیے میں ان کو جہنم میں بھروں گا۔ (کذا فی الارشاد)

اور کاشفی میں ہے کہ وُہ تحریر جو اللہ تعالےٰ نے لوحِ محفوظ پر لکھی کہ فلاں کا کفر پر خاتمہ ہوگا، اس کی خبر ملائکہ کو دے دی۔ کلمت ربک سے یہی مراد ہے۔ یہی تین اقوال مفسرین سے منقول ہیں۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وُہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کا کلام جھوٹا ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کی قضاء و قدر ٹوٹ سکتی ہے۔

ف: یعنی وُہ لوگ جو ایمان قبول نہیں کرتے جو انہیں فائدہ دے اور اپنے وقت مقرر پر ہو اس شرط سے فرعون کا ایمان قابل قبول اسی لیے نہیں کہ اس نے وقت مقررہ کے بعد ایمان قبول کیا لیکن موت سے پہلے انکار کردیا۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ اگر ان کے ہاں وہ تمام آیات آئیں جن کا انھوں نے مطالبہ کیا۔

سوال: جاءت فعل مونث اور کل فاعل مذکر، ایسا کیوں؟

جواب: کل کا مضاف الیہ مونث ہے اسی کے لحاظ سے فعل مونث لایا گیا ہے۔

ف: وُہ اس لیے ایمان نہ لائے کہ ان کے ایمان کا سبب مفقود تھا یعنی ان کے متعلق ارادۂ الٰہی نہ تھا اور ارادۂ الٰہی بندوں کے اختیار و عدم سے متعلق ہوتا ہے اور ان کا اختیار اس طرف اس لیے نہ ہُوا کہ انھوں نے اختیار و قبولِ ایمان کی استعداد ہی ختم کرڈالی۔

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھتے ہیں اور عذاب کی رویت کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا۔ جیسے فرعون کو معائنہ عذاب کے وقت ایمان نے نفع نہ دیا۔ فَلَوْلَا یہ حرف تحضیض بمعنے ھلاّ ہے۔

قاعدہ: جب حرف تحضیض ماضی پر داخل ہو تو اس میں ترک فعل پر توبیخ مطلوب ہوتی ہے۔

سہ اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تمام اہلسنت کے لیے احسان عظیم فرمایا کہ حق مذہب کو دلائل سے واضح فرماکر ہمیں مطالعہ کیلئے کافی مواد بہم پہنچایا اور لکھ دیا کہ اہلسنت کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتابوں کو پڑھنا اپنے ہاتھوں زہر پینا ہے لیکن افسوس کہ اہلسنت کو احساس زیاں جاتا رہا۔

كَانَتْ تامہ ہے قَرْيَةٌ کوئی بستی تباہ شدہ اٰمَنَتْ یہ قریۃ کی صفت ہے یعنی کیوں ایمان نہ لائے معائنہ عذاب کے بعد تباہ بستی والے ۔ جیسے فرعون اور اس کی قوم نے معائنہ عذاب کے وقت ایمان قبول کیا فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ تو انہیں ان کا ایمان لانا نفع دیتا اور اللہ تعالیٰ ان کا ایمان قبول کر کے انھیں عذاب سے نجات بخشتا ، اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے ۔ یونس غیر منصرف ہے بوجہ عجمی اور معرفہ ہونے کے یہ بھی ہے کہ یونس اسم مشتق ہے ۔ اسی وجہ سے غیر منصرف ہے بوجہ معرفہ اور وزن فعل کے ۔

ف : یونس علیہ السلام کے والد کا نام متی ہے ۔ بعض نے کہا متی ان کی والدہ کا نام ہے اسی لیے اہل علم نے کہا کہ اپنی والدہ سے صرف یہی دو پیغمبر عیسیٰ و یونس علیہما السلام مشہور ہیں لَمَّآ اٰمَنُوْا قوم یونس نے جب ایمان قبول کیا باوجودیکہ عذاب کا معائنہ کیا اور ایمان لائے تو ان کا ایمان قبول ہو گیا لیکن ان پر عذاب نازل نہ ہوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ ہم نے ان سے ذلت و خواری کا عذاب ہٹا دیا ۔ عذاب الخزی ہر اس عذاب کو کہا جاتا ہے جس سے صاحب عذاب کو سخت قسم کی ذلت و خواری ہو ، اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر واقعی عذاب نازل ہو چکا تھا بلکہ یوں ہوا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہونے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان سے عذاب کو روک لیا ۔ اس کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو بیان فرمائی : کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا تم عذاب جہنم کے کنارے تک پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا ، لفظ انقاذ سے ثابت ہوا کہ وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوئے تھے بلکہ عذاب کے کنارے تک پہنچے تھے (کذا فی التیسیر) ایسے ہی یہاں فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیات دنیا میں ، یعنے انھیں ایمان سے اس لیے نفع ہوا کہ وہ ابھی وقت یاس کو نہیں پہنچے تھے بلکہ ان کی حالت اختیار باقی تھی ۔ اختیار کی حالت میں ایمان لائے تبھی ان کا ایمان قبول ہوا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ اور انھیں ہم نے وقت مقدر فی علم اللہ تک کشف عذاب کے بعد نفع دیا ۔ خلاصہ یہ کہ اہل قری کو کیا ہوا کہ وہ معائنہ عذاب سے پہلے جلدی سے ایمان قبول کر لیتے تاکہ انھیں اس ایمان سے نفع ہوتا لیکن قوم یونس اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے جب عذاب کے نشانات دیکھے تو بلا تاخیر ایمان لائے اگرچہ ان پر نزول عذاب کا وقت قریب ہو گیا تھا ۔ اس معنے پر یہ استثنا منقطع ہو گا اور اسے مستثنیٰ متصل بھی بنایا جا سکتا ہے ۔

ف : یہ جملہ نفی کے معنے میں ہے اس لیے کہ حرف تحضیض نفی کے معنے کو بھی متضمن ہے یعنی حرف لولا در اصل ہے تو تحضیض کے لیے ۔ لیکن یہاں نفی کا معنیٰ دے رہا ہے اس لیے کہ استفہام میں بھی ایک قسم کا انکار ہوتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ کیا بلاکت و تباہی کے منہ میں آنے والے لوگ ایمان لائے تھے جو انھیں ان کا ایمان نفع دیتا مگر قوم یونس کہ وہ اس سے مستثنیٰ ہے (اس معنے پر یہ مستثنیٰ متصل ہے ، اس تقریر پر ما اٰمنوا نفع ایمان قوم یونس کا بیان ہے اور جملہ مستانفہ ہے ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وہی مقبول ہے جو دل سے ہو ۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎ بندگی در غیب آمد خوب و کش
حفظ غیب آید در استبعاد خوش
طاعت و ایمان کنوں محمود شد
بعد مرگ اندر عیاں مردود شد

ترجمہ: غائبانہ عبادت بہت عجیب ہے اس سے انسان کا بُعد دُور ہوتا ہے اور ایسا ہی ایمان اور طاعت محمود ہے اور مرنے اور عذاب کے معاینہ کے وقت کا ایمان مردود ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو ارض موصل کے علاقہ نینوٰی کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا

قصہ یونس علیہ السلام

ف: نینوٰی بکسر النون اولاولی و فتح الثانیہ، بعض کے نزدیک بفتحھا ارض موصل میں دجلہ کے کنارے پر ایک گاؤں کا نام ہے۔

ف: موصل بفتح المیم وکسر الصاد المہملہ ایک شہر کا نام ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ایک مدت تک دعوتِ حق دیتے رہے لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اس سے دل برداشتہ ہو گئے اور آپ طبعی طور پر ایسی باتوں سے بہت جلد غمزدہ ہو جاتے تھے۔ ایک دن قوم سے سخت بدل ہوئے تو دُعا مانگی، اے اللہ! میری قوم میری بات نہیں مانتی فلہذا اسے عذاب میں مبتلا فرما۔

ف: یونس علیہ السلام پر جب نبوت کا بوجھ پڑتا تو غم زدہ ہو جاتے اور سوائے اولوالعزم پیغمبروں کے نبوت کے بوجھ کو کوئی متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ اولوالعزم پیغمبر یہ ہیں:

- حضرت نوح علیہ السلام
- حضرت ہود علیہ السلام
- حضرت ابراہیم علیہ السلام
- حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نوح علیہ السلام کے متعلق دلیل یہ ہے:

یا قوم ان کان کبر علیکم مقامی و تذکیری بایٰت اللہ۔ (الآیہ)

اور ہود علیہ السلام کے لیے:

انی اشہد اللہ واشہدوا انی بریٓء مما تشرکون من دونہ۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے:

ھو والذین اٰمنوا معہ انا براء منکم و مما تعبدون من دون اللہ۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے:

فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صبر فرمایا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میرا کہنا نہیں مانتے تو تیس یا چالیس روز کے اندر تم پر عذاب نازل ہوگا۔ کاشفی نے لکھا کہ یونس علیہ السلام اپنی قوم کو یہ خبر دے کر بستی سے چلے گئے اور پہاڑ کی غار میں چھپ بیٹھے۔ جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے مالک یعنی دوزخ کے فرشتے سے فرمایا کہ سموم دوزخ سے ایک جَو کی مقدار اُٹھا کر قومِ یونس پر ڈال دے۔ فرشتہ بحکمِ الٰہی دوزخ کا انگارہ سیاہ بادل اور سخت گاڑھے دُھوئیں کی شکل میں نینوی بستی کے قریب لایا۔ جب قومِ یُونس نے دیکھا کہ وُہ عذاب واقعی آرہا ہے جس کی خبر یونس علیہ السلام نے دی تھی۔ تو ساری قوم اس بستی کے سردار کے پاس آئی اور صورتِ حال سے آگاہ کیا چونکہ وہ سمجھدار انسان تھا اس لیے حکم فرمایا کہ یُونس علیہ السلام کو تلاش کرو۔ تلاشِ بسیار کے یونس علیہ السلام نہ مل سکے۔ سردار نے کہا یُونس علیہ السلام نہیں ہیں تو ہمارا خدا تو باقی ہے وُہ ہمیں جانتا اور ہماری فریاد کو سنتا ہے سارے مل کر اس کی بارگاہ میں الحاح وزاری کریں۔ سردار ننگے سر اور ننگے پاؤں اور موٹے کپڑے ملبوس کر کے لوگوں سے کہنے لگا: تم بھی ایسے ہی عاجزی اختیار کرو۔ اسی طریق سے تمام قوم جنگل میں آگئی۔ مرد، عورتیں، صغار و کبار آہ و فغاں کرتے ہُوئے دھاڑیں مارنے لگے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بچوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ کردو۔

تفسیر کواشی میں ہے کہ ایک دُوسرے کے گلے لگ کر روتے تھے اسی طرح سے آوازیں ملا کر روتے تاکہ دل پر اثر اور دُعا میں خلوص پیدا ہو اور دُعا مستجاب ہو۔

سردار نے یہ حکم بھی دیا کہ جتنے ایک دُوسرے پر حقوق العباد ہیں سب ادا کرو۔ چنانچہ تمام نے ایک دُوسرے کے حقوق ادا کیے یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی کا پتھر یا روڑا اٹھا کر اگر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وُہ بھی واپس کر دیا۔

قومِ یُونس کی نجات کا موجب

اسی طرح سب کے سب خلوصِ نیت سے کہنے لگے:

یا اللہ! ہم یُونس علیہ السلام کے لائے ہُوئے احکام پر ایمان لاتے ہیں۔

یا یہ کہا کہ:

یا حی حین لا حی الخ یا حی ایسا کہ اس کے سوا اور کوئی زندہ نہیں اور اس وقت بھی زندہ رہے گا جب کوئی اس دنیا میں نہ ہوگا۔ تُو ہی تمام مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اے حیّ و قیوم ربّ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

یا یُوں کہا:

اے اللہ ہمارے گناہوں کا پلہ بھاری سہی لیکن تیرے سے اور کون اعظم واجل ہو سکتا ہے

ـــہ

من اُمید دارم ز لطفِ کریم
کہ خوانم گنہ پیشِ عفو عظیم

ترجمہ: میں لطفِ کریم سے اُمیدوار ہوں اس لیے کہ میں بہت بڑے معاف والے کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار کرتا ہوں۔

اے ہمارے رب! ہمارے ساتھ وُہی کر جس کے تُو لائق ہے ہمارے ساتھ وہ نہ کیجئے جس کے ہم لائق ہیں۔

اُن کی یہ فریاد اوّل ذوالحجہ سے دسویں محرم تک جاری رہی، اسی طرح گریہ بھی کرتے اور دُعائیں بھی چالیس روز تک۔ انھوں نے آرام وقرار اپنے اوپر حرام کر دیا۔ گریہ وزاری کے سوا کوئی اور کام نہ کیا۔

؎

چارۂ ما ساز کہ بے یاوریم
گر تو برانی بکہ رو آوریم
بے طمیم از ہمہ سازندہ
جز تو ندارم نوازندہ
پیش تو گر بے سر و پا آمدیم
ہمہ بامید تو خدا آمدیم

ترجمہ: ہماری چارہ سازی کیجئے اس لیے کہ ہم بے یار و مددگار ہیں اگر تُو ہمیں ہٹا دے تو پھر کس کے در پہ جائیں ہم ہر ایک کارساز سے ناخوش ہیں اے نوازش کنندہ! تیرے سوا ہمارا کون ہے اسی لیے بے سر و پا تیرے حضور میں حاضر ہیں ہمیں تیرے اُوپر اُمید ہے۔

یونس علیہ السلام کی ہدایات کے صدقے

ان میں بعض تو یوں عرض کرتے کہ یونس علیہ السلام ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ غلام آزاد کرو۔ یا اللہ! ہم تیرے بندے ہیں ہمیں اپنے فضل و کرم سے عذاب سے آزاد فرما۔

ان میں بعض روتے ہوئے کہتے: یا اللہ! ہمیں یُونس علیہ السلام فرمایا کرتے کہ بیچاروں اور عاجزوں کی دستگیری کرو۔ یا اللہ! ہم عاجز و بیچارے تیری درگاہ میں حاضر ہیں ہماری دستگیری فرما۔

یا اللہ! ہمیں یونس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تم پر اگر کوئی ظلم و ستم کرے تو تم اسے معاف کر دینا۔ یا اللہ! ہم نے اپنے اوپر ظلم و ستم کیا تُو ہمیں اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے۔

اور بعض لوگ کہتے: یا اللہ! ہمیں یونس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ سائلوں اور محتاجوں کو نااُمید نہ کیا کرو۔ یا اللہ! ہم تیرے سوالی فقیر و عاجز حاضر ہیں ہمیں اپنی درگاہ سے نا اُمید نہ فرما۔ ؎

ماتہی دستاں برآوردیم دستے در دُعا
نقد فیضے نہ بریں دست گنہگاراں ہمہ

قاضی حاجات درویشاں ومحتاجاں توئی

پس روا کن از کرم حاجات بسیار ہمہ

ترجمہ: ہم تیرے ہاں خالی ہاتھ حاضر ہیں اپنے فضل وکرم کا نقد ہمارے خالی ہاتھ پر رکھ دے درویشوں اور محتاجوں کا تو ہی قاضی حاجات ہے اس لیے ہماری تمام حاجات پوری فرما۔

چلہ اور جمعہ مبارک بالآخر چالیس روز کے بعد بروز جمعہ ان کی آہ وزاری رنگ لائی۔ بارگاہ حق سے ان کے سوز وگداز کی قبولیت کا پیغام پہنچا۔ اُن کے سروں پر منڈلانے والے عذاب کے بادل چھٹے اور رحمت کی گھٹا چھائی۔ رحمت باری نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز کے بعد یونس علیہ السلام واپس مڑے تو دیکھا کہ بستی پہلے سے زیادہ سرسبز وشاداب ہے حالانکہ آپ کے خیال میں تھا کہ اب وہ عذاب الٰہی سے پس گئے لیکن حالت اس کے برعکس تھی دل میں سوچا کہ قوم کے پاس جاؤں تو وہ پہلے سے زیادہ جھٹلائیگی کیونکہ میں نے تو کہا تھا کہ چالیس روز کے اندر عذاب آئے گا۔ اب ان پر عذاب نہیں آیا تو مجھے سخت ایذا دیں گے۔ طبعی غفلت سے غضبناک ہو کر لوٹے تو ایک کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق ہوا لیکن کشتی دریا میں چل نہ سکی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کشتی میں اپنے مالک کا بھاگا ہوا ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اور اپنی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر فرمایا جب تک اس مفرور شخص کو دریا میں نہ ڈالو گے کشتی نہیں چلے گی۔ کشتی سواروں نے کہا کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں ہم آپ کو کیسے مجرم قرار دیکر دریا میں ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: قرعہ اندازی کرو، جس کے نام قرعہ نکلے اسے دریا میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ تین بار قرعہ اندازی سے آپ ہی کا نام نکلا۔ اس سے آپ نے خود دریا میں چھلانگ لگا دی تو مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا۔

ف: بعض نے فرمایا کہ چاشت کے وقت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تشریف لے گئے تو ابھی شام کو مچھلی نے آپ کو دریا کے کنارے باہر نکالا۔ یعنی عصر کے بعد جبکہ سورج قریب غروب کے تھا تو آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے اس روز محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔

یوم عاشورا کے فضائل اسی وجہ سے یوم عاشورا کو فضیلت حاصل ہے کہ اس دن قوم یونس سے عذاب دور ہوا، اسی دن حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔

یہ ان کے لیے آزمائش تھی جس میں آپ پورے اُترے۔

حکایت کافروں کا بندہ اسی عاشورہ کے دن قید سے بھاگا تو اس کی طلب میں پہرہ داروں نے اس کا پیچھا کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ پیچھے گھوڑسوار اس کو گرفتار کرنے کے لیے اس کے قریب پہنچے ہیں اور یقین کیا کہ اب سوائے گرفتار ہونے کے اور کوئی چارہ کار نہیں اسی وقت سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

اللّٰھم بحق ھٰذا الیوم المبارک اسئلک ... اے اللہ! اسی مبارک دن کے صدقے مجھے ان ظالموں سے

ـــــہ مبارک اشخاص ومبارک اماکنہ ومبارک ازمنہ کے طفیل دعا مانگنا اہلسنت کے نزدیک جائز ہے لیکن وہابی اسے شرک کہتے ہیں۔ ۱۲

اللہ تنجینی منہم۔ نجات دے۔

اس کی دُعا مستجاب ہُوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑسواروں کو اندھا کر دیا۔ اس طریق سے وہ قبدی بچ گیا۔ اس نے شکرانہ کے طور اسی دن روزہ رکھا۔ شام کے وقت اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ روزہ افطار کر سکتا۔ ایسے بھوکا پیاسا ہی سو گیا تو نیند میں اسے کھلایا پلایا گیا۔ اس کی یہ برکت ہُوئی کہ وہ بیس سال تک زندہ رہا اسے کھانے پینے کی طلب نہ ہوئی۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

عاشورا کے روزے کا ثواب جو شخص عاشورا کے دن روزہ رکھے اسے اللہ تعالیٰ دس ہزار فرشتوں کی نیکی کا اور دس ہزار حاجیوں کے حجوں کا اور دس ہزار شہیدوں کا ثواب بخشتا ہے۔ (کذا فی تنبیہ الغافلین)

عاشورا کا غسل مروی ہے کہ اسی عاشورا کے دن اللہ تعالیٰ زمزم کا پانی دُنیا کے تمام پانیوں میں پہنچاتا ہے۔ فلہذا جو شخص اس دن غسل کرے گا کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔ (کذا فی روضۃ الفائق)

رافضیوں شیعوں کا رد عاشورا کے دن خیر خیرات اور روزے اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا مستحب ہے لیکن رافضیوں شیعوں۔ ناصبیوں یعنی خارجیوں کی طرح اسے عید کا دن نہ بنایا جائے۔ (کذا فی عقد الدرر)

عاشورا کے دن سُرمہ عاشورا کے دن سُرمہ اور دُوسری زیب و زینت اگرچہ شرعًا جائز ہے اور اس کی دلیل بھی ہے لیکن خارجی لوگوں نے اسی دن میں زیب و زینت اور سُرمہ وغیرہ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے تو اس کا ترک سنت ہے جیسے انگشتری (چاندی کی) دائیں ہاتھ میں پہننا سنت ہے لیکن چُونکہ یہ اہلِ بدعت کا شعار ہے اس لئے بجائے دائیں ہاتھ کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہننا سنت ہے یہی ہمارے زمانے کا حکم ہے[1]۔ (کذا فی شرح القہستانی)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین والے سب کے سب مومن ہو جائیں یعنی مومن ہونے پر سارے مجتمع ہوں کوئی بھی انمیں مختلف نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا اس لیے کہ یہ اسکی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ تکوین و تشریع کی اصل غرض یہی تھی کہ ہر ایک اپنے اختیار و ارادہ سے ایمان و کفر کرے ایسا نہیں ہوگا کہ بندہ تو کفر کو چاہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے مومن بنائے اور وہ ایمان چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے کافر بنائے اس اختیار و ارادہ سے ازلی مٹھی بھرنے کی تکمیل مطلوب ہے اس لیے ہر ایک کے اندر کفر و ایمان کی استعداد پیدا فرمائی تاکہ تکلیف

---

[1] اگرچہ سنت ہے لیکن منتقیوں نے ترک کو افضل بتایا ہے بالخصوص ہمارے دور میں عوام چھلے، انگشتری عام پہننے لگ گئے ہیں اسی لیے علماء کرام کو نہ پہننا چاہیے اس لیے کہ عوام کو کیا خبر کہ کتنا اور کونسی انگشتری سنت ہے۔ وُہ تو سمجھتے ہیں کہ جب علماء پہنتے ہیں تو ہم کیوں نہ پہنیں۔ پھر وہ سونا۔ چاندی۔ لوہا ہر قسم کے چھلے انگشتری وغیرہ کا عام استعمال کرتے ہیں۔

(ایمان وکفر) صحیح ہو۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت حرص تھی کہ تمام لوگ مومن ہوجائیں اور آپ کی رحمت کا تقاضا بھی یونہی تھا کیونکہ آپ کی رحمت یہی چاہتی ہے کہ تمام ایمان سے نوازے جائیں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت نصیب ہو۔

ایک ولی اللہ کی نازنینی اور اللہ تعالیٰ کی نازبرداری

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طُور کو جارہے تھے کہ راستے میں ایک ولی کامل سے گزر ہوا انہیں کہا السلامُ علیکم۔ ولی اللہ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تو عرض کی: یا اللہ! میں نے راستہ میں تیرے بندے کو السّلامُ علیکم کہا تو اس نے جواب نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میرے ساتھ چھ دن سے رُوٹھا ہوا ہے وہ مجھ سے نہیں بولتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی وہ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ عالمِ دُنیا کے تمام گنہگاروں کو بخش دے اور جتنے جہنم میں ہیں ان کو بھی جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کر دے۔ میں نے اپنی حکمت کے تقاضا پر اس کی بات نہیں مانی تو اس نے میرے ساتھ بولنا چھوڑ دیا۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

شانِ نزول

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ مومن ہوجائیں تو آیت ذیل نازل فرمائی کہ اے محبوب علیہ السلام! آپ کی اُمت کا ایمان قبول کرنا میری مشیت پر موقوف ہے۔

اَفَاَنْتَ آپ کا رب چاہے نہ چاہے کیا آپ تُكْرِهُ النَّاسَ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف مجبور کریں گے حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ یہاں تک کہ وہ سب کے سب مومن ہوجائیں۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں۔ (کذا فی الکواشی)

یہ انکار (عدمِ اختیار) اس طرف متوجہ ہے کہ لوگوں کو ایمان پر مشیتِ ایزدی کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ (کذا فی الارشاد)

وہابیت و دیوبندیت کا رد

اکراہ پر حرفِ استفہام کے دخول سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ اکراہ امرِ ممکن ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو کسی امر پر مجبور کر سکتا ہے وہ بندہ کتنا ہی بلند قدر اور امر کتنا ہی سہل ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا وہ ہر طرح سے اپنی قدرت کا آپ مالک ہے وہ اپنے بندوں کے قلوب جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے، مختار ہے کسی بشر کو اختیار نہیں کہ اس کی مشیت کے خلاف کرے۔

سید شریف کے قول سے وہابیہ دیوبندیہ کا رد

حضرت سید شریف شرح المفتاح میں لکھتے ہیں کہ افانت تکرہ الناس الخ سے مخاطب سے فعل کے صدور کا انکار ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل فعل کے تقرر کے باوجود فاعل سے فعل کے صدور کا انکار ہے (بہرحال بات وہی ہے جو ہم نے اُوپر لکھی ہے کہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کی مشیت و رضا کے خلاف نہیں کرتے اور وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار ہوتا ہے۔)

ف : انت کی تقدیم حکم انکار کی تقویت کے لیے ہے۔ (کذا فی حواشی المفتی سعدی)

ف : یہ آیت آیتِ قتال سے منسوخ ہے (کذا قال الکاشفی) لیکن تبیان میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ اس لیے کہ لا اکراہ علی الایمان (ایمان کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ وہ قلب کا فعل ہے اور وہ کسی کے مجبور کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ جس نفس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ایمان لائے گا تو وہ ایمان نہیں لاتا اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ اللہ تعالیٰ کے اذن سے یعنی ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی تسہیل و توفیق سے ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کسی کے ایمان لانے کے لیے جدوجہد نہ فرمائیے صرف آپ کو ہدایت کی راہ دکھانے اور بتانے کے لیے بھیجا گیا ہے وہ آپ کریں۔ باقی کسی کو ایمان سے نوازنا نہ نوازنا میرا اپنا کام ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

رضا بداده بده وز جبیں گره بکشا

کہ بر من و تو در اختیار نکشاده است

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر جھکاؤ اس سے چیں بہ جبیں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس میں تمہارا اور ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ اور کفر کی نجاست ان کے نصیب ہے جو بے عقل ہیں۔

سوال: تم نے رجس کے ساتھ کفر کی قید کیوں لگائی۔

جواب ۱: پہلے کفر کا ذکر ہو رہا تھا اسی لیے ہم نے اس قرینہ پر کفر کو ساتھ ملایا۔

جواب ۲: الرجس ہر وہ شے جس سے طبیعت کو نفرت اور کراہت ہو۔ اسی طرح ہر قبیح کو رجس کہا جاتا ہے اور کفر سے طبع سلیم کو کراہت و نفرت ہوتی ہے نیز علمی اعتبار سے کفر سے قبیح تر اور کیا شے ہو سکتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بے عقلوں پر باقی رکھتا ہے اور کافروں کو بے عقلوں سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل و آیات کو دیکھنے سننے کے باوجود ان کے عقول ایسے اندھے ہیں کہ وہ ہدایت نہیں حاصل کر سکتے اسی لیے ایمان کو اذن سے متعلق فرما کر آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگ قبائح کفر و ضلال میں ہمیشہ ڈوبے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

و یجعل الرجس اللہ تعالیٰ حجاب کا عذاب مسلط فرماتا ہے علی الذین لا یعقلون ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے طریقۂ ہدایت و خذلان کو نہیں جانتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ان عقول کو توحید و معرفت کی ہدایت سے نوازتا ہے جنہیں نورِ ایمان سے تائید نصیب ہوئی اور وہ عقول جو نورِ ایمان سے محروم ہیں انہیں یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔

ف : اس سے فلاسفہ کا رد ہوا وہ کہتے ہیں کہ نورِ ایمان کے بغیر بھی توحید و معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اے کہ از دفترِ عقل آیتِ عشق آموزی
ترسم ایں نکتہ تحقیق نتوانی دانست

ترجمہ : عقل کی دفتر سے عشق کا سبق سیکھنے والو ! مجھے خطرہ ہے کہ تم اس سے کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔

تفسیر عالمانہ قُلِ انْظُرُوْا اے اہلِ مکہ! تفکر کرو مَاذَا محلاً مرفوع مبتدا ہے فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مبتدا کی خبر ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات کیسے عجیب و غریب ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت سے بنایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

تحقیق مَاذَا یہ دو اسموں کو ایک کیا گیا ہے اشارہ کے ساتھ اکثر استفہام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ دو اسم ہوں بمعنے ما الذی۔ ما محلاً مرفوع مبتدا ہے اور فِی السَّمٰوٰتِ ظرف الذی کا صلہ ہے موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر محلاً مجرور ہے اس کا حرف جر محذوف ہے اس معنے پر استفہام کا تعلق انظروا سے ہوگا۔

وَمَا نافیہ ہے تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ یہ نذیر کی جمع ہے فعیل بمعنے مفعل یعنے منذر ہے یا نذیر مصدر ہے یعنی نفع نہیں دیتے آیات انفسیہ و آفاقیہ جو اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی ڈرانے والے رسل یا ڈرانے والے امور عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ ان لوگوں کو جو اللہ تعالےٰ کے علم و حکم کے تحت ایمان لانے والے نہیں۔ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ پس کفارِ مکہ اور ان جیسے اور کفار انتظار نہیں کرتے اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ مگر اس دن کی جیسے گزشتہ لوگوں کے ایام تھے۔ یعنی ان سے پہلے مشرکین جیسے قوم نوح و عاد و ثمود و اصحاب الایکہ و اہل المؤتفکہ تھے یعنی جیسے ان پر واقعات گزرے اور ان پر عذابِ الٰہی کا نزول ہوا اور وہ اس کے مستحق بھی تھے اور یہ بھی اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔

سوال : کفارِ مکہ تو سرے سے عذاب کے منکر تھے پھر انہیں منتظر کہنا کیسا ؟
جواب : ان کا طرز طریق منتظر جیسا تھا اسی مشابہت سے انہیں منتظر کہا گیا۔

ف : اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ وہ نعمتوں اور عذاب کو ایام سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح گزشتہ خیر و شر کے امور کو بھی ایام کہا جاتا ہے۔

قُلْ آپ ان سے تہدیداً فرمایئے فَانْتَظِرُوْا آپنے مقرر کردہ انجام کے عذاب کا انتظار کرو اِنِّیْ مَعَكُمْ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ میں تمہارے ساتھ اسی عذاب کا انتظار کرتا ہوں۔ یا معنٰی یہ ہے کہ تم میری ہلاکت کا انتظار کرو اور میں تمہاری ہلاکت و تباہی کا انتظار کرتا ہوں اس لیے کہ متقین کا انجام بھلائی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کا فعل محذوف پر عطف ہے جس پر مثل ایام الذین خلوا الخ دلالت کرتا ہے در اصل عبارت یوں تھی :

نہلك ثم ننجی الخ یعنی ہم نے کفار و مشرکین کو تباہ و برباد کر کے رُسل کرام علیہم السلام اور ان پر ایمان والوں کو نزولِ عذاب سے نجات دی مضارع بمعنے ماضی ہے یعنی نہلك و ننجی بمعنے اھلکنا و انجینا ہے۔

كَذٰلِكَ ۚ ایسی نجات بخشنا حَقًّا عَلَيْنَا یہ فعل اور اس کے معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حقاً فعل مقدر سے منسوب ہے در اصل حق حقاً ہے۔ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ یعنی ہمارے ذمہ کرم واجب ہے کہ ہم اہلِ ایمان کو ہر شدت اور عذاب سے نجات بخشیں۔

سوال : یہاں پر صرف اہلِ ایمان کا ذکر کیوں ؟ حالانکہ ان سے پہلے رسل کرام علیہم السلام کا ذکر ضروری تھا۔

جواب : اہلِ ایمان کی نجات کا دار و مدار رسل کرام کی نجات پر ہے اسی لیے جب طفیلیوں کا ذکر ہوا تو ان کے ذکر کی حاجت نہ رہی۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ نجات ایمان پر موقوف ہے اللہ تعالےٰ کا یہ طریقہ تمام اُمتوں کے لیے جاری ہے جیسے رسل کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں سے نجات کا وعدہ فرما کر ان کے ساتھ ایفائے عہد فرمایا، ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس طرح وعدہ فرمایا اسے ثابت کر دکھلایا۔

اہلِ اسلام کو مژدۂ بہار اسی طرح قیامت تک اہلِ اسلام کو کفار کے پنجۂ ظلم اور ان کے شرور و فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شرعی نظام کے خود بھی پابند ہوں اور دوسروں کو بھی سختی سے پابند رکھیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ : محال ہے کہ جب تجھے دوست رکھتا ہے تو دشمن کے پنجہ میں نہیں دے گا۔

موت کے فضائل مومن کی ادنیٰ نجات موت ہے اس لیے کہ موت مومن کا تحفہ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے گزرے تو فرمایا : مستریح۔ راحت پا گیا اور مستراح یا اس سے لوگوں نے نجات پائی۔ مستریح نیک لوگوں کے لیے کہ وہ دُنیا کے گورکھ دھندوں سے اور ان کی تکالیف سے جان

چھڑاکر برزخ میں روحانی ثواب سے مالامال ہوں گے اور روحانی ثواب حقیقی نعمتوں کا نصف ہے اور دُوسرا لفظ فاسق و فاجر اور ظالم کے لیے ہے اس لیے کہ اس کے مرنے سے خلقِ خدا آرام کا سانس لے گی اور اس کے ظلم وستم سے نجات پائے گی اور وُہ خود برزخ کے روحانی عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہ جہنم کا نصف عذاب ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف کشادگی کا انتظار افضل عبادت ہے۔

ف: یہ حدیث شریف آیت انتظار و ابجاد کے مطابق ہے اس لیے کہ اس میں انسان کے قلب کو استراحت اور صبر کا ثواب نصیب ہوگا کیونکہ مومن کا اعتقاد ہے کہ ہر دُکھ اور تکلیف منجانب اللہ ہے اور اسے دُور کرنے والا بھی صرف وہی ہے وہی رب تعالیٰ بندے سے بلاء دفع فرماتا اور صبر کی توفیق بخشتا ہے اور وہی ہماری گھبراہٹ قلبی دُور فرمائے گا۔ اس عقیدہ کی برکت سے کتنا بڑا دُکھ درد کیوں نہ ہو، مومن چین و آرام میں ہوتا ہے بخلاف جاہل کے کہ وُہ ایسے پاک اعتقاد سے محروم یا بے خبر اور غافل ہے ایسے تصورات اس کے دل پر گزرتے ہی نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو تقدیرِ ربانی ہے اس میں لاکھوں حکمتیں مضمر ہیں اور پھر وُہ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا ہے تو پھر مجھے گھبراہٹ کیسی۔ جب اسے یہ اعتقادات نصیب نہیں تو بسا اوقات سمجھتا ہے کہ اس بلائے عظیم سے اسے نجات ہی نہیں ملے گی اس اعتبار سے ضمناً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کا انتساب کر رہا ہے اگرچہ غیر شعوری لحاظ سے۔ لیکن نسبت ضرور کرتا ہے اسی وجہ سے وُہ صبح و مساء دوہری تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

اے دل صبور باش مخور غم کہ عاقبت

ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

ترجمہ: اے دل صبر کر غم نہ کھا اس لیے کہ بالآخر ہر شام کو صبح ہوگی ہر شب کی سحر ہوگی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اشتدی ازمۃ منفرجی۔

اے قحط! تُو اپنا زور لگا لے، بالآخر تُو ختم ہوگا۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تُو مشقت و شدت میں اپنا زور لگا لے اس لیے کہ بالآخر تجھے ہٹنا ہے۔

اس میں تنبیہ ہے کہ دارِ دنیا میں نہ دُکھ کو بقا ہے نہ سُکھ کو۔

حلِ لغات: ازمۃ قحط اور تنگی کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ازمۃ ایک عورت ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہوئی

(باقی بر صفحہ ۱۰۹۰)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ

تم فرماؤ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو تو میں تو اسے نہ پوجوں گا

الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ

جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہاں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو

الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ

تمہاری جان نکالے گا اور مجھے حکم ہے کہ ایمان والوں میں ہوں اور

اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

یہ کہ اپنا منہ دین کے لیے سیدھا رکھ سب سے الگ ہوکر اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کرسکے اور نہ برا پھر اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں سے ہوگا اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے

فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

تو اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنیوالا کوئی نہیں

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

تم فرماؤ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا تو جو راہ پر آیا وہ اپنے بھلے

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ

کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے برے کو بہکا اور کچھ میں کروڑا

بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

نہیں اور اس پر چلو جو تم پر وحی ہوتی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے

ع ۱۱ ۶ ۱۶

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اہل مکہ کو خطاب ہے اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ اے اہل مکہ اگر تم میرے لائے ہوئے دین (جس کے احکام کے مطابق میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں) میں شک کرتے ہو کہ اس کی حقیقت اور اس کے اوصاف کیا ہیں فَلَآ اَعْبُدُ نہیں عبادت کرتا ہوں اور نہ مجھے کوئی تعلق ہے الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو بواسطہ ملائکہ تمہاری ارواح قبض کرے گا پھر تمہیں مختلف عذاب میں مبتلا کرے گا۔

یعنی اے مکہ والو! یقین کر لو کہ عبادت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور تم جہالت سے جن کی پرستش کرتے ہو اسے چھوڑنا ضروری اور لازمی ہے وہ اس لیے کہ ان کا شک عبادۃ الاوثان اور عبادت الٰہی کا سبب نہیں تھا بلکہ ان کے شک کا سبب دین کے اعلام واخبار پر تھا۔ تمہارا دین جس طرح کی باتیں بتاتا ہے اس کی مثال وما بکم من نعمۃ فمن اللہ ہے۔ اس آیت میں استقرار النعمۃ مخاطبین نعمت کے حصول من اللہ کا سبب نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے، وہ اخبار بحصول النعمۃ من اللہ کا سبب ہے وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور میں مامور من اللہ ہوں کہ میں اہل ایمان سے ہوں۔

نکتہ: اعمال جوارح کے بعد ایمان و معرفت کی طرف مضمون کو منتقل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک انسان کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین نہ ہو دل میں نورِ ایمان و معرفت جاگزیں نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ کو معرفت کی بنیاد بنایا ہے[1]

اس سے واضح ہوا کہ جس کے ہاتھ میں شریعت کا دامن نہیں معرفت کا دعویٰ محض لاف وگزاف ہے اس لیے کہ شریعت کی بنیاد پر معرفت کو استحکام نصیب ہے جب بنیاد ہی گر جائے تو پھر مکان کس طرح قایم رہ سکتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ معرفت پر شریعت لباس کی مانند ہے جب اس سے لباس اتار لیا جائے تو وہ معرفت کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، جیسے لالٹین کا منہ کھول کر ہوا کے تیز جھونکوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔

---

[1] لیکن بعض جاہل پیر کہتے ہیں کہ احکام شریعت اور ہیں اور معرفت و حقیقت کے اور۔ یہ ان کی محض جہالت ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جاہل پیروں اور جاہل مریدوں کو سمجھ عطا فرمائے (آمین) ان جاہلوں نے ہمارے مسلک اہل سنت کو بدنام کر دیا ہے۔ ۱۲

(بقیہ صفحہ ۱۰۸۸ سے آگے)

تو آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ مصیبت سے مت گھبرا تو اس لیے کہ کبھی تیرے دکھ، سکھ سے بدل جائیں گے۔ تنفرجی، انفراج سے ہے اس کا اطلاق دکھ ٹل جانے کے بعد نعمتوں کے حصول پر ہوتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں:
تناھت الشدت انفرجت - دکھ اپنی انتہا کو پہنچنے میں تو مٹ کر رہیں گے۔ اس کے بعد سکھ اور آرام ہی ہوگا۔ جیسے ہم کہتے ہیں: روزے رکھے ہیں تو عید بھی کرو گے۔

ف: حضرت ابو الفضل یوسف بن محمد الانصاری المعروف بابن النحوی نے اپنے قصیدے کا مطلع حدیث الفرج پر لکھا ہے حق یہ ہے کہ خوب لکھا ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ لخاتمۃ المحدثین والحفاظ الامام السخاوی قدس سرہٗ)

علم آبست و عمل شد چوں سبو
چو سبو بشکست ریزد آب ازو

ترجمہ: علم معرفت پانی ہے اور اس پر عمل کرنا بمنزلہ گھڑے کے ہے جب گھڑا ٹوٹ جائے تو پانی ختم ہو جائے گا۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ اس کا عطف اَنْ اَكُوْنَ پر ہے اور یہ اَن مصدریہ اور موصول حرفی ہے اور ضروری نہیں کہ اس کا صلہ جملہ خبریہ ہو بخلاف موصول اسمی کے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ میں مامور من اللہ ہُوں کہ دین پر استقامت رکھوں اور ادائیگی فرائض اور بُرائیوں سے بچنے پر سختی سے پابندی کروں۔ (کذا فی تفسیر القاضی)

تفسیر صُوفیانہ ابن الشیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اقامۃ الوجہ للدّین میں اشارہ ہے کہ نفس کو کلی طور پر عبادتِ الٰہی اور اعراض عن ماسوی اللہ میں لگا دے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی کو غور و خوض سے دیکھتا ہے تو دائیں بائیں جانب بلکہ ہر طرف سے نگاہ روک کر دیکھتا ہے اگر دائیں بائیں یا کسی اور طرف دیکھے گا تو اسے غور و خوض کا دیکھنا نہ کہا جائے گا اور رویت کا اصلی مقصد پُورا نہ ہوگا اسی لیے آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنی تمام توتیں دینِ حق پر صرف کر دی جائیں۔

ف: تفسیر الکواشی میں ہے: آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کامل مومن ہو کر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر بجالاؤ اور بس۔

ے

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ترجمہ: خالص نیت سے عبادت ضروری ہے ورنہ صرف پوست سے کیا حاصل ہو گا۔

تفسیر عالمانہ حَنِيْفًا ج یہ دین سے حال ہے یعنی ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر دینِ حق کی طرف ایسی توجہ کیجئے کہ اس میں ہر طرح سے کسی کجی کا شائبہ تک نہ ہو وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اور اعتقاداً و عملاً مشرکین سے نہ ہو جائیے۔ اس کا اَقِمْ پر عطف ہے اور اسکے حکم میں داخل ہے۔

حضرت الامام نے فرمایا:

صُوفیانہ مطلب جو اپنے مالک کی معرفت سے بہرہ ور ہو کر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو صوفیاء کرام کے نزدیک یہ بھی شرک ہے اور اسے اہلِ دل شرکِ خفی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر بغیر تو کردم نگاہ در ہمہ عمر
بیاد جرم غرامت ز دیدہ ام بستاں

ترجمہ: اگر تیرے بغیر عمر میں ایک دفعہ کسی کو دیکھوں تو اس کی سزا یہ ہے کہ میری ہی آنکھیں لے لیں۔

وَلَا تَدْعُ اس کا فل یٰایھا الناس پر عطف ہے لیکن امر کے حکم میں داخل نہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے ماسوا کی استقلالاً و اشتراکاً عبادت نہ کیجئے مَا لَا يَنْفَعُكَ اس ماسوا کو جب دُکھ ٹالنے یا بھلائی کے حصول کے لیے پکارا جائے تو وہ تمہیں کسی قسم کا نفع نہیں دے سکتے وَلَا يَضُرُّكَ ج اور ان کی عبادت ترک کی جائے تو وہ تمہارے سے بھلائی روکنے کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی وُہ تمھیں کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں فَاِنْ فَعَلْتَ جن امور سے تمہیں روکا گیا، یعنی غیر اللہ کی پرستش سے روکنے کے باوجود اگر تم اس کا ارتکاب کروگے فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ تو تم ظالمین سے ہوجاؤ گے یعنی اپنے آپ کو نقصان میں ڈالو گے اس لیے کہ غیر اللہ ہر طرح کے تصرف سے خالی ہے تو تم نے اس کی طرف تصرف کی اضافت کی اسی بنا پہ ایک فعل کو غیر محل میں رکھا۔ اس معنے پر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے ظالم فرمایا۔ اس لیے کہ حقیقی نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا باقی ہر شئے کو فنا ہے۔

خیال جملہ جہاں را بنور چشمِ یقیں
بجنب بحرِ حقیقت سراب مے بینم

ترجمہ: چشمِ یقین کے نور سے میں تمام جہان کو بحرِ حقیقت کے سامنے سراب دیکھتا ہُوں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی مرض یا فقروفاقہ میں مبتلا کرے فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ تو اسے تجھ سے کوئی ہٹانے والا نہیں اِلَّا هُوَ ج سوائے اسی واحد لاشریک لہ کے وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ اور اگر وُہ تمہیں خیر و عافیت اور تونگری و راحت سے نوازے فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط تو اس کے فضل و کرم کو کوئی ردّ کرنے والا نہیں منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ آپ کو ہر طرح کی خیر سے نوازا ہے تو اب کون ہے جو آپ سے یہ خیر و برکت روک سکے اس تمام تقدیر میں نفع و نقصان اور خیر و شر کی نفی سے بُت مراد ہیں[1]

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ کسی کو خیر و برکت نصیب ہوتی ہے تو وُہ اللہ تعالےٰ کا اپنا فضل و کرم ہوتا ہے اس پر کسی کا حق نہیں کہ وہ اسی کے استحقاق کے پیشِ نظر کچھ بخشے۔

سوال: خیر میں ارادہ اور شر میں لفظ مَس، اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ خیر و شر لازم و ملزوم ہیں اسی لیے ان کے لیے ایک جیسا فعل لانا ضروری تھا۔

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ خیر رسانی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور وُہ بلا سبب صادر ہوتی ہے بخلاف ضرر کے کہ وہ اس وقت پہنچتا ہے جب اس کے اسباب خارجیہ ہوں قصداً اور ارادۃً اللہ تعالیٰ کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا اسی لیے خیر میں استثناء نہیں اور ضرر میں استثناء ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ خیر کا تعلق اللہ تعالےٰ کے ارادے سے ہے اگر یہاں بھی

---

[1] یعنی بلا بحث دیوبندیت کا یہ تیر سیدھا نبوت و ولایت پر برستا ہے۔ (نعوذ باللہ من الوہابیۃ وسائر المذاہب الباطلۃ) ۱۲

استثنا ہوتا تو معنیٰ یہ ہوتا کہ اس کا ارادہ شر کے ساتھ بھی ہے اور خیر کے ساتھ بھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اس لیے کہ بیک وقت دو نقیضوں کے لیے دو ارادے نہیں ہوتے بخلاف شر کے کہ کشف نہ رسی محال کو مستلزم نہیں۔

یُصِیۡبُ بِہٖ اپنے فضل و کرم سے بھلائی پہنچاتا ہے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور سب کو اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۝ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اور وہ غفور رحیم ہے اس لیے بوجہ گناہ اس کی مغفرت سے نا امید نہ ہو جاؤ بلکہ اس کی طاعت سے اس کی رحمت کو حاصل کرو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وھوا لغفور یعنے اپنے ذاتی نور سے وجود صدیقین کی ظلمت کو چھپاتا ہے الرحیم طالبین صادقین کو اپنی رحمت کے قریب فرماتا ہے۔ اور طالبین صادقین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا ارادہ عبادت الٰہی اور اس کی طاعت و محبت و طلب ہے وہ خواہش نفسانی اور دنیا کی عبادت اور ان کی طاعت و محبت سے کوسوں دور ہیں۔

ف: مفاتیح میں ہے کہ غفور کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا میں قبائح و ذنوب کو ڈھانپے اور آخرت میں عتاب و مواخذہ نہ فرمائے اور عارفین اس اسم سے متعلق یوں ہوں کہ وہ اپنے بھائیوں کے عیوب و نقائص کو جہاں تک ہو سکے چھپائیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مومن کو ڈھانپتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالےٰ اسے ڈھانپے گا۔

مسئلہ: گلہ گو، لوگوں کے عیوب کی تلاش کرنے والا اور برائی کا برائی سے بدلہ دینے والا ان مراعات کے لائق نہیں، اسی لیے اسم غفور سے وہ متصف ہے جو دوسروں کی نیکیوں کا افشا کرتا اور ان کی برائیوں کو چھپاتا ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریین کے ساتھ ایک مردار کتے سے گزرے جس کی بدبو سے دماغ کھولنے لگ جاتا آپ کے حواریین نے کہا کہ کتنا بدبودار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے دانت کیسے صاف ستھرے اور سفید ہیں۔ آپ کے حواریین کتے کے عیوب اور آپ اس کی اچھائی بیان فرماتے تاکہ تنبیہ ہو کہ کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو تم عیوب کے بجائے اس کے محاسن بیان کرو۔ (کذا فی شرح الاسماء الحسنیٰ للامام غزالی قدس سرہٗ)

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ مثنوی شریف میں لفظ رحیم کے متعلق فرماتے ہیں:

بندگانِ حق رحیم و بردبار
خوئے حق دارند در اصلاحِ کار
مہرباں بے رشوتاں یاری گراں
در مقامِ سخت و در روزگراں

ترجمہ: اللہ کے بندے رحیم و بردبار ہوتے ہیں وہ اصلاح کار اللہ تعالیٰ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں وہ بغیر کسی لالچ کے مدد کرتے ہیں جب کسی کو کوئی دکھ درد

پہنچے تو۔
ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحمت کا مینہ برسائے اور ہمیں اپنے فضل و مغفرت کے کاسوں سے لبریز فرمائے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ ج اے لوگو! تمہارے ہاں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق آیا، یہاں پر حق سے قرآنِ عظیم مراد ہے تمہارے ہاں قرآن مجید نازل ہوا تم نے اسے سُنا اور اس کے دلائل واضح اور ہدایت کی باتیں ایسی روشن ہیں کہ اب تمہیں عذر کی گنجائش نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت بازی کر سکتے ہو فَمَنِ اھْتَدٰی پس وہ جو اس پر ایمان لاکر اس کے ذمودات پر عمل کرتا ہے فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ ج تو وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے یعنی اس کی اہتداء کا نفع اسی کی اپنی ذات کو پہنچے گا وَمَنْ ضَلَّ اور وہ قرآن مجید سے اعراض اور کفر کر کے گمراہ ہو گیا فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا ج تو اسکی گمراہی کا وبال بھی خصوصیت سے صرف اسی کے سر پر ہوگا۔

شانِ رسالت کی دلیل اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دامنی کا اظہار مطلوب ہے کہ آپ تمہیں تبلیغ فرماتے ہیں تو اس میں آپ کا اپنا ذاتی نفع نہیں اور نہ ہی اس سے انہیں کوئی ضرر کا خطرہ ہے۔ آپ جو کچھ تمہیں نصیحت فرما رہے ہیں اس کا نفع و نقصان تمہارا اپنا ہے مان جاؤ گے تو فائدہ پاؤ گے نہیں مانو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ اسی لیے فعل (جاء) کا اسناد حق کی طرف ہے تاکہ کوئی شانِ رسالت پر بدگمانی جیسی لعنت میں مبتلا نہ ہو[1]

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ ۝ اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں کہ تمہارا ہر معاملہ میری طرف سپرد ہو میں تو منجانب اللہ مبشر و نذیر ہوں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے قد جاءکم الحق من ربکم میں حق سے قرآن مجید مراد ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہے فمن اھتدٰی جو بھی اس مضبوط رسّی کو مضبوطی سے پکڑتا ہے، فانما یھتدی لنفسہ تو اللہ تعالیٰ اسے اسفل سافلین سے نجات دے کر اعلیٰ علیین کی طرف لوٹاتا ہے ومن ضل اور جو اس رسّی کو مضبوطی سے نہیں پکڑتا فانما یضل علیھا تو اس گمراہی کا نقصان اسی کو ہوگا اس لیے کہ وہ دُنیا کے گڑھے یعنی اسفل السافلین میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے دُور رہے گا بلکہ اسے بُعد و فراق کی آگ کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وما انا علیکم بوکیل میں تمہارا وکیل نہیں کہ لازماً تمہیں ان اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر پہنچاؤں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے بغیر سفلیات و درکات میں پھینکوں بلکہ میں وحی و رسالت اور تذکیر و موعظت کی تبلیغ پر مامور ہوں۔

---

[1] یہ ہے قانونِ حق اور وہ ہے عادت وہابیہ کی اپنے نبی علیہ السلام کے ہر معاملہ میں بدگمانی۔ ۱۲

تفسیر عالمانہ وَاتَّبِعْ اعتقاداً وعملاً وتبلیغاً آپ تابعداری کیجئے مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ اس کی جو آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے یعنی جیسے اس میں حق کے بتائے ہوئے طریقے موکد طور واضح ہوئے آپ انہی پر ہر آن اور دائماً عمل فرمایئے وَاصْبِرْ آپ جب انھیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں اور وہ آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ صبر فرمائیے حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ج یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے یعنی آپ کو فتح و نصرت بخشے اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ۝ وہی تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس کے فیصلے میں کسی قسم کی خطا کا وہم وگمان نہیں ہے اس لیے کہ اس کے علم کے آگے ظواہر و بواطن کی ہر شے برابر ہے۔

ہر سپیدی تا سیاہی گیر دتا لوح وقلم
یک رقم از خط حکمش وھو خیر الحاکمین

ترجمہ: ہر سپیدی سے تا سیاہی پھر لوح وقلم تک اسی کا حکم نافذ ہے وہی خیر الحاکمین ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ خیر الحاکمین ہے جو دعوتِ الٰہی کو قبول کرتا اور قرآن اور اس کے احکام پر بدل وجان عمل کرتا ہے یہ اسے ہے جسے ازل سے عنایت ازلیہ نصیب ہوتی ہے اور جو دعوتِ الٰہی کو ٹھکراتا اور قرآن اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے وہی ازلی بدبخت ہیں۔

ف: اسم الحاکم کا مرجع قول فیصل بین الحق والباطل کی طرف ہے اسی طرح نیک اور بُرے کے درمیان یہی اسم فرق کرتا ہے اور ہر نفس کی جزائے خیر وشر کو بیان کرتا ہے یا اس کا مرجع تمیز ما بین السعید والشقی کی طرف ہے کہ سعید کو ثواب اور شقی کو سزا نصیب ہوگی۔

ف: اس سے بندے کو فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ان پر دل وجان سے عمل کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کو دل سے نہیں مانتا تو اس پر تقدیر بالاجبار والاکراہ جاری ہوگی چاہے یا نہ چاہے اگر دل سے مانے تو زندگی خیر سے بسر ہوگی اور موت کے بعد بھی عیش وعشرت نصیب ہوگی اس کی دلیل اور نہ بھی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہمارے لیے کافی ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہر تقدیر کے سامنے سر جھکاتے اور ہر بلاؤ مصیبت کے وقت صبر فرماتے۔ اسی لیے زندگی مبارک گزری تو آرام سے، اور آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے دین کو وہ فتح و نصرت حاصل ہوئی کہ آپ کے وصال کے بعد بھی دین زندہ ہے بلکہ قیامت سے پہلے چپہ چپہ پر اسی کا غلبہ ہوگا۔ پھر آپ کے وصال کے مراتب کا کیا کہنا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎ صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچوں صبر آدم ندید
چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین
تازہ باش و چین میفکن بر جبین

چشم کو دل ہمچو خر در آخر ست
چشم عاقل در حساب آخر ست
او در آخر چرب می بیند علف
وین ز قصاب آخرش بیند تلف
آں علف تلخست کیں قصاب داد
بھر لحم ماتر ز دی نہاد
صبر می بیند ز پردہ اجتہاد
رُوئے چوں گلنار و زلفیں مراد

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں کیمیا پیدا فرمائے آدمی کے صبر جیسا اور کوئی کیمیا نہیں جب تم پر قبض کا ورود ہو تو اس میں بسط سمجھو تازہ ہو اور ایسے ہی چین بجبین نہ ہو۔ بیوقوف کے خیالات معاملات دنیویہ میں ہیں اور عقلمند کے تصورات آخرت کے حساب میں ہیں وُہ گدھے کی طرح گھاس کا خواہشمند ہے اور وہ بالآخر قصاب کا منہ دیکھتا ہے وہ گھاس اسے نقصان دہ ثابت ہُوا صبر بالآخر فائدہ دیتا ہے وہ گلنار اور مقصد کو پہنچتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی اذیتوں کی داستان

ان میں ایک یہ ہے کہ جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم مسجد میں تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور قریش ایک جگہ بیٹھے ہُوئے تھے ان میں سے اُبوجہل نے کہا تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اوروں نے کہا تم میں کوئی ایسا ہے جو فلاں قبیلہ سے ذبح کردہ اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے۔ ایک روایت میں مشیمہ آنول آیا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد غلاظت نکلتی ہے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جائیں تو وُہ ان کے کندھوں پر رکھ دے۔ اس پر بدبخت عقبہ بن ابی معیط اُٹھ کھڑا ہُوا اُس نے اُونٹ کی اوجھ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حال میں رہے اور سر مبارک سجدے سے نہ اُٹھایا اور وہ سب کھڑے ہنستے رہے اور قہقہے لگا لگا کر لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ ہمیں بھی یہ خطرہ لاحق ہوا کہ وُہ ہم پر بھی ایسی ہی اوجھ لا کر ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک سے اس اوجھ کو اٹھا پھینکا اور ان بدبختوں کو بُرا بھلا کہتی رہیں۔ علاوہ ازیں ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے چند اور بدبخت ابُولہب، الحکم بن العاص بن امیۃ وعقبہ بن ابی معیط بھی حضور علیہ السلام پر غلاظت ڈالتے تھے۔ آپ نے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے ابن عبد مناف! یہی ہمسائگی کا حق ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے آپ کے راستہ میں گندگیاں ڈالنی شروع کیں۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں

کو بشارت دی کہ تمھیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب فرمائے گا اور اپنا کلمۂ اسلام مکمل فرمائے گا اور اپنے نبی کو مدد دے گا۔ اور یہی دشمن جنہیں تم دیکھ رہے ہو عنقریب تمہارے ہاتھوں ذبح ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ وہ صحابہ کرام کے ہاتھوں غزوۂ بدر میں بُری طرح مارے گئے۔

ازالۂ وہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اذیت سے یہ نہ سمجھنا کہ اس سے آپ کی تنقیص ہوئی بلکہ اس سے آپ کے علوِ شان و رفعتِ مراتب کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مرتبہ رکھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہُوئی مصیبتوں سے کثیر الصبر اور علم و حوصلہ کے کوہِ استقامت ہیں ورنہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کی ہر دُعا مستجاب ہوتی ہے[1] اور آپ کو علم تھا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ سخت ترین مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی مثال سونے کی ہے کہ جیسے سونے کو آگ سے بہتر سے بہتر بنایا جاتا ہے ایسے ہی انبیاء علیہم پر مصائب نازل کرکے ان کے مراتب و کمالات میں اضافہ کیا جاتا ہے جیسے آگ سونے کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے ایسے ہی انبیاء علیہم السلام پر نزولِ مصائب سے رفعتِ درجات ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

طبع را کشتند در حمل بدی
ناحمولی گر بود ہست ایزدی
اے سلیماں درمیان زاغ و باز
علم حق شو باہمہ مرغان بساز
اے دو صد بلقیس حکمت را زبون
کہ اھد قومی انہم لا یعلمون

ترجمہ: تکالیف پر صبر کرکے طبع کو ذبح کیا صبر کے مراتب بلند ہیں اے سلیمان! زاغ و باز کے درمیان رہ کر حوصلہ کرکے پرندوں سے موافقت کیجئے دو صد بلقیس تیرے حکم کے آگے سرنگوں ہیں اس لیے کہ آپ نے قوم کو بد دُعا کے بجائے دُعا دی تھی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق مبین پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں اپنے نفوس امارہ پر غلبہ عطا فرمائے وہ خیر الحاکمین ہے۔

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہ نے فرمایا کہ بامداد ربانی و تائید امالی سورۂ یُونس کی تفسیر ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۰۲ھ بروز اتوار ختم ہُوئی۔

فقیر اویسی رضوی غفرلہ ربہ اس کے ترجمہ سے شب ہفتہ بعد از نماز عشاء ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۹۷ھ کو فارغ ہُوا بفضلہ و کرمہ فصلی اللہ تعالےٰ علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ و اصحابہ و اولیاء ملتہ و علماء امتہ اجمعین۔

---

[1] اس سے وُہ لوگ کچھ سمجھیں جو کہتے ہیں نبی علیہ السلام مجبور محض تھے آپ کی کوئی دُعا قبول نہ ہوتی سوائے چند ایک دعاؤں کے۔ ۱۲

سورۃ ہود مکیۃ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اٰیاتہا ۱۲۳ رکوعاتہا ۱۰

سورۃ ہود مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا — اسمیں ایک سو تئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت بھری ہیں پھر تفصیل کی گئیں حکمت والے خبردار کی طرف سے

خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّ

کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لئے ڈر اور خوشی سنانیوالا

اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

ہوں اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا

ایک ٹھہرائے وعدہ تک اور ہر فضیلت والے کو اسکا فضل پہنچائے گا اور اگر

فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْ

منہ پھیرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں تمہیں اللہ ہی کی طرف

جِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ

پھرنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سنو وہ اپنے سینے دوہرے

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ

کرتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں سنو جس وقت وہ اپنے کپڑوں سے سارا

ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

بدن ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کا چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے بیشک

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بسم اللہ ذات اور الرحمن صفت جلال اور الرحیم صفتِ جمال کی طرف اشارہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ دونوں صفتیں ذات کے ساتھ قائم ہیں باقی صفات انہی دو صفتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ دونوں صفتیں

صفات قہر و لطف سے ہیں۔ الٓـرٰ یہ سورۃ الٓـرٰ ہے۔ یعنی یہ سُورۃ اسی نام سے موسوم ہے۔ اس معنے پر الٓـرٰ خبر ہو گی اس کا مبتداء محذوف ہو گا یا ترکیب میں اس کا کوئی محل نہیں۔ یعنی اس کا کوئی اعراب نہیں۔ یہ دوسرے حروفِ تہجیہ کی طرح ہے اسے تحدی کے لیے لایا گیا ہے یہاں پر یہی مفہوم صحیح ہے اس لیے کہ پہلے معنی پر آنے والی عبارت میں لفظ کتاب مبتدا کی دُوسری خبر ہو گی۔ اب مطلب یہ ہو گا کہ یہ سُورۃ کتاب ہے حالانکہ یہ معنیٰ صحیح نہیں اس لیے کہ یہ سورۃ کتاب حکیم کی چند آیات ہیں جیسے سُورۃ یونس میں ہے۔ کتاب کو بمعنے مکتوب یا بعض کا نام لے کر کل مراد لینا بھی تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا بھی نامناسب ہے جب بلا تکلف معنیٰ صحیح ہو سکتا ہے تو پھر بلا وجہ تکلف کیوں اور بلا تکلف معنے کا بیان ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے۔ (یہی فقیر کے خیال میں آیا ہے جو یقیناً درست ہو گا)

ف : حروف مقطعات کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ یہ اسرار مکتومہ سے ہیں۔ شعبی سے جب ان کی وضاحت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا :

یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے اس کی طلب نہ کرو۔

حروفِ مقطعات اور اولیاءِ کرام

اولیاءِ کرام کو ان کے علوم حاصل ہیں۔ چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ :

واللہ تعالیٰ لا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول او وارث رسول۔

(روح البیان ج ۴ ص ۰۹ تحت آیت ہذا مطبوعہ قدیم)

۲۔ حدیث شریف میں ہے :

ان من العلم کھیئۃ المکنون لا یعلمہ الا العلماء باللہ فاذا نطقوا بہ لا ینکرہ الا اھل الغرۃ باللہ۔[1]	اللہ تعالیٰ کے بعض علوم پوشیدہ موتی جیسے ہیں انھیں صرف عارف باللہ جانتے ہیں اس کا انکار کرنیوالے دھوکہ خوردہ ہیں۔

(رواہ ابو منصور الدیلمی و ابو عبدالرحمٰن السلمی کذا فی الترغیب)

---

[1] جیسے وہابیہ دیوبندیہ وغیرہما۔

[2] یہی ہم اہلسنت کا مذہب ہے الحمدللہ ہم اسلاف صالحین کے طریقہ پر ہیں آج حق و باطل کی پہچان مشکل ہو گئی ہے لیکن یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلاف صالحین حق پر تھے آج جو لوگ ان کے طریقہ پر ہوں انھیں حق سمجھے اور جو ان کے طریقے کو گمراہی اور کفر و شرک سے تعبیر کرے اس سے کوسوں دُور بھاگئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

۳ - رقاشی نے فرمایا:

ھی اسرار اللہ یبدیھا الیٰ امناء اولیاء و سادات النبلا من غیر سماع ولا دراسته وھی من الاسرار التی لم یطلع علیھا الا الخواص - (کذا فی فتح القریب)

حروف مقطعہ اسرارِ الٰہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو بخشے یہ کسی سے پڑھے جاتے ہیں نہ سُنے جاتے ہیں یہ ایسے اسرار ہیں جنہیں صرف خواص ہی جانتے ہیں۔

۴ - عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وعائین فاما احدھما فبثثته فیکم واما الاخر فلو بثثته قطع ھذا البلعوم - (رواہ البخاری وفی المشکوٰۃ فی باب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو برتن یاد کیے ایک میں نے تم پر واضح کیا دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو میرا حلقوم کاٹا جائے۔

ف : امام بخاری نے فرمایا: البلعوم بمعنے مجری الطعام یعنے حلقوم ہے (کذا فی شرح الکردی علی الطریقۃ المحمدیۃ)

تفسیر عالمانہ

ف : سلطان المفسرین والمودلین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الرٰ بمعنے انا اللہ اریٰ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یعنی میں وُہ خدا ہُوں جو مطیعین کی اطاعت اور عاصیوں کی معصیت کو دیکھتا ہُوں اور قیامت میں ہر ایک کو اعمال کے مطابق جزا و سزا دُوں گا۔ اس معنے پر کلمہ الرٰ وعدہ وعید پر مشتمل ہے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

ف : بعض نے فرمایا کہ الف سے آلاؤہ (اس کی نعمتیں) اور لام سے لطفہ اور راء سے ربوبیۃ مراد ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

ان کے علاوہ اور تاویلیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے اِن شاء اللہ۔

کِتٰبٌ یہ قرآن کتاب ہے۔ یہی بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ اس کی آیات کو اتنا مضبوط و مستحکم کیا گیا ہے کہ ان میں لفظاً یا معناً کسی طرح بھی نقص و خلل نہیں پڑ سکتا۔ اس کو یُوں سمجھیے کہ جیسے ایک پختہ مضبوط مکان تیار کیا جائے جسے پتھر، سیمنٹ، لوہا، بجری وغیرہ سے سخت سے سخت طریقوں سے مستحکم بنایا جائے یا اس کا معنے یہ ہے کہ اس کی آیات نسخ بمعنے تغیر سے محفوظ ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق
گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

کس نتاید بیش و کم کردن درو
تو بہ از من حافظے دیگر مجو
تو اگر در زیر خاکے خفتۂ
چوں عصایش دان تو انچہ گفتۂ
ہست قرآن مر ترا ہمچوں عصا
کفر ہا را درکشد ہمچو اژدہا
قاصدانرا بر عصایت دست نی
تو بخسپ اے شہ مبارک خفتنی

ترجمہ: الطافِ حق کے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدے ہیں تم اگر دنیا سے رُخصت ہو جاؤ گے تب بھی وعدے ضرور پُورے ہوں گے ان وعدوں میں کمی بیشی نہ ہو گی مجھ سے بہتر آپ کا نگران اور کوئی نہ ہو گا۔ اگرچہ آپ دنیا میں زیرِ زمین مدفون ہوں گے لیکن آپ کے دین کی نگرانی مضبوط طریقے سے ہو گی، تیرا قرآن معجزانہ طور پر قیامت تک تیرے دین کو زندہ رکھے گا اور کفر کو اژدہا بن کر مٹائے گا۔ آپ آرام سے سوتے رہیں آپ کے دشمن کبھی غلبہ نہیں پا سکیں گے۔

ثُمَّ فُصِّلَتْ پھر تفصیل وار بیان کیے گئے اسی لیے ہر اس ہار کو عقد مفصل کہا جاتا ہے جس کے دو موتیوں کے درمیان خرزڈالا جائے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اس کی آیات فوائد سے ایسے مرصّع ہیں جیسے ہار موتیوں سے مزیّن ہوتے ہیں۔ یعنے اس کے مقاصد مختلفہ اور معانی عجیبہ جیسے عقاید و احکام و مواعظ و امثال وغیرہ واضح طور بیان کیے گئے ہیں۔

ف: ثمّ تراخی فی الوجود والوقوع فی الزمان کے لیے نہیں بلکہ تفاوت فی الحکم ای الرتبہ کے لیے ہے یا اس کی تراخی فی الوقت نہیں بلکہ تراخی فی الاخبار مراد ہے اگرچہ جملوں میں عام معنٰی یہ ہے کہ ان کے نفس مفہوم مراد ہوں کبھی ان سے الاخبار بالمفہوم بھی مراد ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں:

فلان کریم الاصل ثم کریم الفعل۔

اور تراخی سے مجازاً ترتیب مقصود ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں خبروں میں حقیقی تراخی منتفی ہے اس لیے کہ احکام کی خبر کے بعد فوراً تفصیل کی خبر دی گئی ہے یا اس کی تقریر یوں ہے کہ یہ تراخی باعتبار خبر اوّل و انتہاء خبر ثانی کے ہے اور یہ دونوں فعل یعنی اُحْكِمَتْ و فُصِّلَتْ ــــ سبحان من صغّرا لبعوض وکبّر الفیل کے قبیل سے ہے۔ یعنی اس کا یہ معنٰی نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے صغیر کیا، بلکہ اسے ابتداءً ہی صغیر بنایا گیا ہے۔ اسی طرح فیل (ہاتھی) کے لیے کہا جائے گا۔ بلکہ یہی ماننا پڑے گا کہ اس کے امکان کو بمنزلہ وجود لایا گیا ہے۔ (کذا فی شرح الہندی علی الکافیہ)

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ یہ کتاب کی دُوسری صفت ہے۔ کتاب کی پہلی صفت اس کی جلالت شان بالذات کی وجہ سے، دُوسری صفت من حیث الاضافہ لائی گئی ہے اور لدن بمعنے عند ہے۔ فرق یہ ہے لدن قریبی مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عند میں قرب و بُعد کی کوئی قید نہیں جیسے ہم کہیں عندی مال مال حاضر ہو یا غائب لیکن لدی ولدن اس وقت بولا جائے گا جب مال موجود ہو۔ اگر غائب ہو تو لدی ولدن استعمال نہیں ہوتا۔ حکیم و خبیر یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی حکیم اس لیے کہ اس نے اپنی حکمت کے مطابق قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور خبیر اس لیے کہ وُہ ہر ایک کو جانتا ہے کہ کون اس کے ارشاد کو بسر وچشم مانتا ہے اور کون رُوگردانی کرتا ہے۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط یہ مفعول لہ ہے باوجودیکہ شرط موجود ہے لیکن تب بھی اس کے حرف لام کو حذف کر دیا گیا ہے شرط سے مراد یہ ہے کہ مفعول لہ اور معلل بہ فعل کا فاعل ایک ہے اور لام کا حذف کرنا بھی قیاسًا ہے وہ یہ کہ اَنْ مصدریہ سے حرف جر محذوف کرنا جائز ہے۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی ؛

كتٰب احكمت اٰيٰته ثم فصّلت لاجل ان لا تعبدوا الّا الله۔

یعنی اہلِ مکہ غیر اللہ کی عبادت کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جد وجہد کرو۔ اس سے معلوم ہُوا کہ کتاب اللہ کے نزول کا مقصد صرف یہی ہے کہ عبادت الٰہی بجا لائی جائے باقی امور میں زندگی بسر کرنا گھاٹے اور خسارے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نذیر و بشیر ہُوں۔ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا گیا ہے۔ منه نذیر بشیر سے حال ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی ؛

كائنا من جهة الله۔

یا نذیر و بشیر کے متعلق ہے یعنی میں تمہیں اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈراتا ہُوں اگر تم نے کُفر کیا یعنی اگر تم کفر اور غیر اللہ کی پرستش پہ باقی رہے اور اگر تم ایمان لائے تو میں تمہیں ثواب کی خوشخبری سُناتا ہُوں۔

نکتہ : نذیر کو بشیر سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تخویف (ڈرانا) تبشیر (خوشخبری) سے مقدم ہوا کرتی ہے کیونکہ اوّل تخلیہ پھر تحلیہ۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اور اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرو۔ اس کا عطف ان لا تعبدوا پر ہے اس میں نہی ونفی کا عطف برابر ہے اور یہ اِن مصدریہ ہے اور سیبویہ نے ان کا امر و نہی پر داخل ہونا جائز لکھا ہے اس لیے کہ امر و نہی مصدر پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اپنے امر و نہی پہ بھی قائم رہتے ہیں الاستغفار بمعنے طلب المغفرۃ ہے اور مغفرۃ یعنی اللہ تعالیٰ کا دنیا میں اپنے بندوں کے گناہ چھپانا اور آخرت میں ان کی سزا سے درگزر فرمانا۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی اس کے حضور میں خلوص قلبی سے توبہ کرو اور پھر اس پر استقامت رکھو۔ (کذا فی بحر العلوم للسمرقندی)

ف : الارشاد میں ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے احکام و تفصیل تمہارے لیے اس لیے فرمائی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی خالص طور عبادت کرو اور تم سے جتنا شرک اور دیگر گناہ صادر ہُوئے ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرو پھر اس کی طاعت و عبادت میں لگ جاؤ اس

معنے پر لفظ ثم اپنے حقیقی معنے تراخی زمانی پر ہوگا یا ان دونوں امور کے مختلف ہونے اور ان کے مابین بعد المنزلۃ کی وجہ سے ثم لایا گیا ہے۔ اس میں تعقیب و تراخی کا اعتبار نہیں کیا گیا اس لیے کہ توبہ اور کلی طور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور طلب و مغفرت میں بہت بڑا فرق ہے۔ (کذا ذکرہ الرضی)

ف: فراؔ نے فرمایا کہ یہاں پر ثمّ بمعنے واؤ ہے اس لیے کہ استغفار توبہ کا دوسرا نام ہے اس لحاظ سے یہ عطف تفسیری ہوگا۔

ف: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ استغفار و توبہ کے درمیان فرق ہے۔ چنانچہ حدادی نے "ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ" کے تحت لکھا ہے کہ یہاں پر استغفار سے توبہ صادقہ مراد ہے اس لیے کہ توبہ میں صدق ضروری ہے اور الاستغفار بالاجماع توبہ نہیں اس لیے شرعی توبہ میں ضروری ہے کہ لفظ "تبت و اساءت ولا اعود الیہ ابدا فاغفرلی یارب" کہنا ضروری ہے۔

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا یہاں پر متاعًا مفعول مطلق بمعنے تمتیعًا ہے۔ اس سے زاید حذف کر کے متاعًا پڑھا گیا ہے اور تمتیع بمعنے کسی شے کو کسی شے سے متمتع و منتفع بنانا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم تمہیں بہت خوشگوار زندگی بخشیں گے تمہاری خواہش کے مطابق تم سے کوئی شے ختم نہ ہوگی اور نہ ہی تمہارے عیش کو کوئی شے مکدر و منغص کرے گی۔ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** میعاد مقرر تک یعنی زندگی کے جتنے اوقات تمہارے لیے مقدر ہوئے ہیں اور جب تک تمہیں موت واقع نہ ہوگی تم ان اسباب سے فائدہ اٹھاتے رہو گے۔

سیاہ خضاب فرعون کا طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ فرعون کو فرمائیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ تو زندگی بھر تمہیں بادشاہی سے نہیں ہٹایا جائیگا۔ اور تمہیں از سرِ نو جوانی بخشی جائے گی۔ لیکن ہامان نے اسے روکا اور کہا کہ میں تجھے نوجوان بنا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر سیاہ خضاب تیار کر کے فرعون کی داڑھی پر لگا کر اسے سیاہ بنا دیا۔ سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا۔

مسئلہ: اسی وجہ سے ہمارے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنا حرام[1] ہے۔

حلِ لغات: الامتاع بمعنے الاطالۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

جبل ماتع۔ بمعنے اونچا پہاڑ۔

اور کہتے ہیں:

قد متع النھار۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب دن لمبا ہو جائے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک تمہیں جڑ کٹ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔ (کذا قال العتبی)

ف: یہاں پر دو سوال ہیں:

---

[1] اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا رسالہ "حک العیب عن تسوید الشیب" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

(۱) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

دنیا مومن کی جیل اور کافر کی بہشت ہے۔

(۲) اور فرمایا:

خص البلاء بالانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بلاؤں کے نزول کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام پھر ان کے درجہ والوں کو مخصوص فرمایا ہے۔

سوال: اسی طرح کی اور احادیث ہیں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مطیع کو دُنیا میں کسی قسم کی راحت نصیب نہ ہو گی پھر آیت ہذا میں انھیں زندگی بھر امن وسکون کی وسعت کے وعدے کا کیا معنیٰ؟

جوابِ۱: جس کا دل اللہ تعالےٰ پر فدا ہو جائے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہتا ہے اسی لیے اس کی زندگی خوشگوار گزرے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے قول متاعاً حسنا کا معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی ہر تکلیف پر راضی رہتے ہیں اور جو شخص اپنے دل کو اسباب میں لگا دیتا ہے وُہ اپنی محبوب اشیاء کے ضایع ہونے پر سخت پریشان ہو جاتا ہے اسی لیے اس کی زندگی بے چینی سے گزرتی ہے۔

جوابِ۲: دنیا کو بہ نسبت آخرت کے جیل کہا گیا ہے اس لیے کہ آخرت میں اہلِ ایمان کو جو نعمتیں نصیب ہوں گی دُنیا کی نعمتیں ان کے مقابلے میں کالعدم ہیں۔ اسی لیے آیت میں دُنیا کی راحت کا ذکر احادیث کے خلاف ہے۔

حکایت ایک قاضی صاحب بڑے ٹھاٹھ سے اپنے نوکروں اور غلاموں سے کلخان کے بازار سے گزرے۔ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی وزیر جا رہا ہے راستہ میں قاضی صاحب کو ایک کلخانی یہودی کافر ملا، جس کی شکل نہایت کمزور اور پھٹے پُرانے کپڑے اور گندگی کا پسینہ جسم سے بہہ رہا تھا۔ یہودی نے قاضی صاحب کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا کہ قاضی صاحب! تمہارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

اب حال اس کے برعکس ہے کہ آپ جس حالت میں ہیں بہشت سے کم نہیں، حالانکہ آپ مومن محمدی ہیں۔ اور مجھے آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دنیا میرے لیے قیدخانہ نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ میں آپ کے مذہب میں کافر یہودی ہُوں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو آخرت میں بہت بڑی نعمتوں اور حُور و غلمان سے نوازے گا اس کی بہ نسبت یہ دُنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے اور کافر کو جو عذاب آخرت میں ملے گا بہ نسبت اس عذاب کے یہ دنیا کافر کے لیے بہشت ہے۔

یہ جواب سُن کر یہودی سمجھ گیا اور فوراً کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

سوال: الیٰ اجل مسمی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دو اجل ہیں۔ چنانچہ کعبی نے لکھا کہ مقتول کے دو اجل ہیں،

۱۔ اجل القتل ۲۔ اجل الموت

اگر مقتول کو قاتل قتل نہ کرتا تو وہ اپنی اجل الموت تک زندہ رہتا۔

اور فلاسفہ نے کہا کہ حیوان کا ایک اجل طبعی ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی رطوبت غریزیہ متحلل اور حرارت غریزیہ منطفی ہو، دوسرا اجل اخترامی، وہ بوجہ آفات و امراض کے آتا ہے۔

جواب: ہم اہلسنت کے نزدیک اجل صرف ایک ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ وہ کسی سبب سے متعلق ہوتا ہے جیسے ارزاق وغیرہ کو، بعض اوقات اعمال سے متعلق ہوتے ہیں جیسے آیت ہذا میں دنیوی منفعتوں کو استغفار و توبہ سے متعلق کیا گیا ہے اور جیسے حدیث شریف میں ہے کہ صلہ رحمی سے انسان کی زندگی بڑھتی ہے لیکن وہ معلق ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے بعض مواقع پر اسباب سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے جسے فلاسفہ وغیرہ نے دو اجل سمجھ لیا، حالانکہ درحقیقت وہ ایک اجل ہے۔

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ اعمال و اخلاق و کمالات کے صاحب فضل کو عطا فرماتا ہے فَضْلَهُ ط اپنا فضل خاص۔ یہ ضمیر ہر قسم کی جزا کی طرف راجع ہے اور فضل سے ثواب اور درجاتِ عالیہ مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے نیک اعمال کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا۔

ف: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو ایک برائی کرتا ہے اگر وہ دنیا میں اسی برائی کی وجہ سے کسی تکلیف اور درد میں مبتلا نہ ہوا تو قیامت میں اس کی نیکیوں سے ایک نیکی کو اس کی برائی کا بدلہ بنایا جائے گا، اور نو نیکیاں اسے واپس کر دی جائیں گی۔

ف: جورجانی نے فرمایا کہ ذو فضل وہ خوش قسمت انسان ہے جسے ازل سے صاحبِ فضل لکھا گیا ہے اسی لیے عالمِ دنیا میں آنے کے بعد ذو فضل بنایا جاتا ہے۔ اور جسے یہ فضل نصیب ہوگا اس سے چھینا نہیں جائے گا۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا اگر تم توبہ و استغفار سے روگردانی کر کے اس پر ڈٹے رہے۔

نکتہ: اسے بشارت کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ رحمت کو غضب پر سبقت ہے۔

فَإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ تو شفقت و رحمت کی وجہ سے تمہارے لیے خوف زدہ ہوں یا امید رکھتا ہوں عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ۝ بہت بڑی مشقت بھرے دن کے عذاب سے، اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ تبیان میں لکھا ہے کہ قیامت کو یوم کبیر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں بہت ہولناک امور ہیں۔ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ج اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔ یعنی مرنے کے بعد پھر سزا و جزا کے لیے اٹھنے کے بعد تمہارا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔

سوال: مرجع بکسر الجیم از باب ضرب یضرب، قاعدہ ہے کہ جو باب ضرب کا مصدر میمی ہو اسے بفتح العین پڑھا جاتا ہے لیکن یہاں بکسر العین کیوں؟

جواب: یہ شاذ ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے کلام میں شاذ کیوں، یہ تو فصاحت کے خلاف ہے۔

جواب : قرآن مجید عرب کی زبان کے مطابق نازل ہُوا ہے اور اہلِ عرب کے نزدیک شاذ فصاحت کے خلاف نہیں اور قرآن مجید میں دُوسرے الفاظ شاذ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ یابی اللہ فعل مضارع شاذ ہے اس لیے کہ یہ منع یمنع کے باب پر ہے حالانکہ اس کا قاعدہ ہے کہ عین و لام کے مقابلہ میں حرفِ حلق کا ہونا ضروری ہے[1]۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور وہ ہر شَے پہ قادر ہے اسی لیے اے کافرو! وہ اللہ تعالیٰ تمہارے عذاب پہنچانے پر بھی قدرت رکھتا ہے کیونکہ عذاب و ثواب اس کے مقدورات میں ہیں۔

مسئلہ : آیت سے توحید و استغفار کی فضیلت ثابت ہُوئی یہی وجہ مومن مستغفر کو دنیا کے عیش و عشرت سے نوازتی ہے واضح ہو کہ توبہ و استغفار سعادتِ دارین کی کُنجی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ بہشت کا ثمن ہے۔

حدیث شریف آدم علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! تُو نے مجھ پر شیطان کو مسلط کیا اور تیری امداد کے بغیر میں اسے بھگا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے آپ کی تمام اولاد پر مسلط کیا ہے لیکن ان کے لیے محافظین بھی مقرر کیے ہیں جو شیطان کے مکروفریب اور بُرے ساتھیوں سے بچائیں گے۔

آدم علیہ السلام نے عرض کی: کچھ اور عنایت فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک نیکی کے بجائے دس نیکیاں۔

پھر عرض کی: اس سے کچھ اور عنایت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کی اولاد کے لیے مَیں اس وقت تک توبہ قبول کروں گا جب تک ان کے جسم میں جان ہو گی۔

عرض کی: کچھ اور۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔

مسئلہ : یہ ضروری نہیں کہ استغفار گناہوں سے ہو بلکہ استغفار عبادت کے لیے بھی ہوتی ہے بلکہ بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ مروی ہے اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر عبادت کے ساتھ استغفار بھی کرتے تھے۔

عرفی نے فرمایا: ؎

مالب آلودہ بہر توبہ بخشایم لب
بانگِ عصیاں می زند ناقوس استغفار ما

---

[1] تفصیل کے لیے فقیر کی شرح "ابواب الصرف" دیکھئے۔

ترجمہ: ہم گنہ گاروں نے توبہ کے لیے لب کھولے ہمارے گناہ استغفار کا ناقوس بجاتے ہیں۔

فوائدِ جلیلہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الٓرٰ میں الف اللہ تعالیٰ اور لام جبرئیل علیہ السلام اور راء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتی ہے کتٰبٌ اُحکمت اٰیٰتہ یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات حکمتوں سے محکم ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ۔

اس آیت میں کتاب۔ قرآن اور الحکمۃ سے وہ حقائق ومعانی واسرار مراد ہیں جو قرآن کی آیات میں مندرج ہیں۔ ثمّ فصّلت قرآن کے حقائق اور حکمتیں قلوبِ عارفین کے لیے تفصیل کی گئیں۔ من لدن حکیم یعنی اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں وہ حکمتیں امانت رکھی ہیں جنہیں اس کے سوا اور کوئی ان میں کوئی امانت نہیں رکھ سکتا۔

اعجاز القرآن کے اسرار سے ایک راز یہ بھی ہے جیسا اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا اور نہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خبر دے۔ کما قال تعالیٰ:

فوجدا عبدا من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا علما۔

اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کے ظاہر معانی ہیں جنہیں اہلِ لغت جانتے ہیں اور باطنی معانی ہیں ان پر صرف اہلِ قلوب (اولیاء کرام) کو اطلاع بخشی گئی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے نوازا۔ اور رأس الحکمۃ اور اس کے اسرار یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: اے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت سے فرمایئے کہ تم مامور من اللہ ہو کہ لا تعبدوا الّا اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، نہ شیطان کی نہ دنیا، نہ خواہشات نفسانی کی، نہ ماسوی اللہ کی، اننی لکم منہ نذیر میں تمہیں ہجر وفراق سے ڈراتا ہوں اگر تم غیر اللہ کی عبادت یا اس سے محبت یا اس کی اطاعت کروگے۔ اسی طرح دوزخ میں بعد کے عذاب سے ڈراتا ہوں و بشیر اور تمہیں بشارت سناتا ہوں جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت اور اس سے محبت کرو تو تمہیں وصال نصیب ہوگا اور وصال بھی دار الجلال میں۔

ف: اس دعوت کے لیے بجائے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

یاایھا النبی انا ارسلنٰک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ۔

وان استغفروا ربکم اور اپنے رب تعالیٰ سے بخشش مانگو ان کوتاہیوں کی جو تم سے زندگی میں ہوئیں جبکہ تم نے غیر اللہ کی طلب میں وقت ضائع کیا اور اللہ تعالیٰ کی طلب کو ترک کیا اس سے تمہیں حجابات نصیب ہوئے اور تم سے استعداد فطری ضائع ہوئی۔ استغفار سے تمہارے نفوس کو تزکیہ اور تمہارے قلوب کو تصفیہ نصیب ہوگا۔ ثمّ توبوا الیہ قدم سلوک سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ استغفار کے تزکیہ کے بعد توبہ سے تمہیں تحلیہ نصیب ہو۔ کما قال یمتعکم

لہ یہ خطابات عوام کو ہیں۔ ۱۲

متاعاً حسناً اس سے سفلیات سے علویات کے بلند مقامات پھر وہاں سے حضرت العلی الکبیر کی طرف ترقی مراد ہے۔ اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّی اس سے مقامات سلوک کا انقضاء اور درجات الوصول کی ابتداء مراد ہے ویؤت کل ذی فضل ذی فضل سے ذی صدق و ذی اجتہاد فی الطلب مراد ہے اور فضلہ سے درجات الوصول مراد ہیں اس لیے کہ مجاہدات کے مطابق مشاہدات نصیب ہوتے ہیں وان تولوا اور اگر تم طلب اور سیر الی اللہ سے روگردانی کرو گے تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انھیں فرمائیے فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر کہ میں تمہیں اللہ الکبیر سے منقطع ہو جانے کے بڑے دن سے ڈراتا ہوں، صوفیاء کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہی ہے اور انسان کے لیے سب سے بڑا عذاب بھی یہی ہے الی اللہ مرجعکم اللہ تعالیٰ کی طرف سب کو لوٹنا ہے طوعاً یا کرہاً۔ اگر طوعاً لوٹو گے تو تمہیں جذبات عنایات کے ساتھ اپنے قریب فرمائے گا کما قال: جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر بالاجبار لوٹو گے تو پھر منہ کے بل گھسیٹ کر تمہیں جہنم میں لیجایا جائے گا وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر وہ ہر شے پر لطف سے بھی اور قہر سے بھی قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَاۤ خبردار رہو اے مومنو اِنَّھُمْ بیشک وہ مشرکین مکہ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ ثنیٰ سے ہے بمعنے عطف و حرف یعنی لپیٹتے ہیں اپنے سینے میں کفر و اعراض عن الحق اور عداوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنے جیسے کپڑے کو لپیٹ کر اس کے اندر کوئی شے چھپائی جاتی ہے یہ بھی اپنے سینے سے لپیٹ کر اس کے اندر مذکورہ بالا امور چھپائے ہوئے ہیں۔ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْہُ یہ استخفاء سے ہے بمعنے استتار تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں یہ ان کی جہالت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے کون چھپ سکتا ہے۔

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی وہ بہت بڑا باتونی اور چرب زبان تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتا تھا حالانکہ دل میں بغض و عداوت کو ڈھکے ہوئے تھا۔

شانِ نزول کی دوسری روایت

یہ آیت ان منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرتے تو اپنی پیٹھ اور سینہ چھپا کر اور سر نیچا کرتے اور چہرہ چھپا کر حضور علیہ السلام سے آنکھ چرا کر نکل جاتے اس ارادہ سے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ نہ پائیں تاکہ وہ بچ جائیں، اور ساتھ ہی یہ خیال کرتے تھے کہ اگر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا اور ان کا ساتھ دینا پڑے گا، بسا اوقات ان کی ایسی کارگزاری سے ان کا کفر و نفاق ظاہر ہو جاتا۔ کذا قال ابن شداد۔

سوال: یہ آیت مکیہ ہے اور منافقین مدینہ طیبہ میں ہوئے۔

جواب ۱: منافقین کی منافقت تو پہلے سے تھی صرف اس کا ظہور مدینہ میں ہوا۔

جواب ۲: یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن میں غیبی خبریں دی گئی ہیں اور یہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

معجزات سے ایک ہے[1]

اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ لا ان سے خبردار ہو اے مسلمانو! جبکہ وہ مشرکین اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں۔ چنانچہ ابن شداد سے ایسے ہی منقول ہے۔

کافروں کی ایک بیوقوفی مروی ہے کہ بعض کافروں کا طریقہ تھا کہ اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازے پر پردہ لٹکا دیتے اور پیٹھ نیچے کرکے کپڑے سے چھپ کر کہتے، کیا اب بھی اللہ تعالیٰ میرے دل کی باتوں کو جانتا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملے کا معنیٰ ہوا کہ جب وُہ اپنے بستروں میں آتے ہیں تو اپنے کپڑوں میں چھپ جاتے ہیں۔

ف: کواشی نے لکھا کہ لفظ حین توقیت علم کے لیے نہیں بلکہ تغطی کی توقیت کے لیے ہے۔

سوال: تم نے حین کی توقیت سے علم کی نفی کیوں کی؟

جواب: تاکہ اللہ تعالیٰ کا علم مقید نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو صرف انہی اوقات میں جانتا ہے حالانکہ یہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہے ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر آن ہر شے کو جانتا ہے۔

ف: اس سے اللہ تعالیٰ کے علم مبارک کی وسعت کا بیان ہے کہ وہ کریم جب کفار کو ایسے مخفی اور پوشیدہ حال میں جانتا ہے تو اس کے لائق ہے کہ وہ اس حالت کے علاوہ اور حالتوں میں بھی ہر ایک کو جانے۔

ف: یہ بھی ہم نے عوام کو سمجھانے کے لیے کہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم تفاوتِ احوالِ خلق سے متفاوت نہیں ہوتا۔

یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں **وَمَا یُعْلِنُوْنَ** ج اور وُہ جو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ما مصدریہ اس معنے پر یسرون و یعلنون بمعنے اسرارھم و اعلانھم کے ہے یا ما بمعنے الذی کے ہے اس کا عاید محذوف ہے۔

نکتہ: سرّ کو علانیۃ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ مرتبۂ ستر مرتبۂ بطن سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ ہر وُہ شے جسے ظاہر کیا جائے وہ خود یا اس کے اسباب پہلے ہی دل میں پوشیدہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ پہلے اسی پوشیدہ امر سے متعلق ہوتا ہے پھر علانیہ سے۔

اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ وہ سینہ والوں کو جانتا ہے یعنی تمام انسانوں کے دلوں میں کتنی ہی باتیں پوشیدہ ہوں اللہ تعالیٰ سے چنداں بھی پوشیدہ نہیں اس لیے کہ اس کے علم کے آگے پوشیدہ اور علانیہ امور برابر ہیں۔ ؎

اے کہ در دل نہاں کنی سرّ ... آنکہ دل آفرید میداند

ترجمہ: دل میں کتنا راز چھپاؤ پیدا کرنے والا اسے جانتا ہے۔

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی غیبی خبر کو اسلاف صالحین معجزہ سے تعبیر کرتے۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: ھذا من باب الاخبار وھو من جملۃ المعجزات۔ لیکن وہابی دیوبندی اس عقیدہ کو کفر و شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

اس آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کفر و عداوت کو چھپاتے ہیں وہ ہمارے سے مخفی نہیں ہم انھیں قیامت میں ان کے برے اعمال کی مکمل طور سزا دیں گے اسی لیے بندوں کو چاہیے کہ اب بھی وقت ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور وہ امور جو ہماری رضا کے خلاف ہیں انہیں یک لخت چھوڑ دیں۔ ؎

صورت ظاہر ندارد اعتبار
باطنی باید مبرا از غبار

ترجمہ: ظاہری صورت کا کوئی اعتبار نہیں باطن کو غبار سے مبرا رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ دل کی اصلاح جملہ امور سے اہم ہے اس لیے کہ قلب اقلیم بدن میں بمنزلہ بادشاہ ہے کہ تمام اعضا پر اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے تمام اعضا اسی کے خدام و رعایا ہیں اور منافقت دل کی تمام مذموم صفات سے مذموم تر ہے اور منافقت کا معنیٰ یہ ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل کے منافی ہو۔

منافقت کی نشانی لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ ہم اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے ہاں حاضر ہوتے تو دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہوتا یعنی دل کی باتوں کے خلاف ان کے ساتھ باتیں کرتے اور جب ان سے فارغ ہو کر جاتے تو ہمارا معاملہ برعکس ہوتا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اسے منافقت سے تعبیر کرتے۔ یعنی آپ کے زمانہ اقدس جو بھی اس طریقہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ہم اسے منافق کہتے۔

ف: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ کے منافقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے منافقین سے بدتر ہیں اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے منافقین پوشیدہ باتیں کرتے تھے لیکن ہمارے زمانہ کے منافقین کھلم کھلا بکواس کرتے ہیں۔ ؎

ہر کہ سازد نفاق پیشۂ خویش
خوار گردد بنزد خالق و خلق

ترجمہ: جو منافقت کی عادت رکھتا ہے وہ خالق و مخلوق کے نزدیک ذلیل ہے۔

نسخہ روحانی عداوت قلب کی آفات سے ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دل کے غیر اللہ میں مشغول ہونے کی ایک بیماری عداوت بھی ہے۔ ؎

ہر کہ پیشہ کند عداوت خلق
از ہمہ خیرہا جدا گردد
کہ دلش خستۂ عنا باشد
کہ تنش بستۂ بلا گردد

لبنیہ ۔۔۔۔۔ ۱۱۱۲

فہرست مضامین روح البیان پارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱

(بقیہ صفحہ ۱۱۱۰ سے آگے)

ترجمہ: جو خلقِ خدا کے ساتھ عداوت کا طریقہ رکھتا ہے وہ تمام بھلائیوں سے دُور ہو جائے گا اسی لیے اس کا دل ہر وقت دُکھ میں رہے گا اس کا جسم بھی بلاؤں میں مبتلا رہے گا۔

اسی معنے پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں جا نگنجد درو کین کس

آیت میں شریعت کے منکرین کا ذکر ہے اس لیے کہ منکرینِ شریعت بھی اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپتے ہیں تاکہ قرآن و حدیث نہ سُن سکیں اسی طرح حقیقت کے منکرین (وہابیہ، دیوبندیہ، مودُودیہ فرقے) کی عادت ہے کہ وُہ صوفیاءِ کرام کے ذکر کو سُننا گوارا ہی نہیں کرتے اور نہ ہی مشایخ کے اسرار و رموز اور قرآن کے حقایق سُننا چاہتے ہیں بلکہ ایسی باتوں سے تنگ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو نہیں جانتا اور نہ ہی انہیں اعراض عن الحق اور اولیاء کی عداوت پر کسی قسم کی سزا دے گا۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ پارہ نمبر ۱۱ ۱۸۔ ذیقعد ۱۱۰۲ھ کو ختم ہُوا، گویا آپ کو سورۂ یونس سے پارہ کے اختتام تک ایک ہفتہ لگا۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ العزیز کو غالباً ہجومِ مصروفیت تھا، فقیر علاقہ لودھراں ضلع ملتان کے ایک گاؤں میں وعظ و تبلیغ کے لیے بھی حاضری دے آیا اور پھر تھکانِ سفر کے باوجود اسے ایک دن میں ختم کر ڈالا یعنی ۷ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ بروز اتوار بوقت تقریباً ۹ بجے صُبح ترجمہ ختم ہوا۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ، بہاولپور